فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی
محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاول پور

فیوض الرحمٰن

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

پارہ نمبر 2930

مصنف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء حضرت مولانا شیخ اسماعیل حقی قدس سرہ

مترجم

شیخ القرآن و الحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

ناشر: مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور (پاکستان)

نام کتاب ــــــــ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان پارہ ۲۹، ۳۰

مصنف ــــــــ سراج العلماء والفضلاء علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ

مترجم ــــــــ شیخ القرآن استاذ العلماء حضرت مولانا محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

تصحیح ــــــــ چوہدری مشتاق محمد خان

پیسٹنگ ــــــــ حافظ محمود احمد

باہتمام ــــــــ صاحبزادہ عطاء الرسول اویسی

سن طباعت ــــــــ ۱۹۹۱ء بار دوم ۱۹۹۴ء

فہرست مضامین پارہ نمبر ۲۹

سُورَةُ المُلْكِ وَهِيَ مَكِّيَّةٌ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ　اٰيَاتُهَا ۳۰ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۂ الملک مکیہ ہے اس میں　اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا　تیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ۝۱ الَّذِيْ خَلَقَ

بڑی برکت والا ہے وہ جس کے قبضہ میں سارا ملک اور وہ ہر چیز پر قادر ہے　وہ جس نے موت اور

الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ۝۲ الَّذِيْ

زندگی پیدا کی کہ تمہاری جانچ ہو تم میں کس کا کام زیادہ اچھا ہے　اور وہی عزت والا بخشش والا ہے　جس نے

خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ

سات آسمان بنائے ایک کے اوپر دوسرا تو رحمٰن کے بنانے میں کیا فرق دیکھتا ہے تو نگاہ اٹھا کر دیکھ

الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ

تجھے کوئی رخنہ نظر آتا ہے　پھر دوبارہ نگاہ اٹھا نظر تیری طرف ناکام

الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝۴ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا

پلٹ آئے گی تھکی ماندی　اور بے شک ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا اور انہیں

لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝۵ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۭ

شیطانوں کے لیے مار کیا اور ان کے لیے بھڑکتی آگ کا عذاب تیار فرمایا اور جنھوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۶ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۙ ۝۷ تَكَادُ تَمَيَّزُ

لیے جہنم کا عذاب ہے اور کیا ہی برا انجام　جب اس میں ڈالے جائیں گے اس کا رینکنا سنیں گے کہ جوش مارتی ہے　معلوم ہوتا ہے

مِنَ الْغَيْظِ ۭ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝۸ قَالُوْا

کہ شدت غضب میں پھٹ جائے گی　جب کبھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا اس کے داروغہ ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس

بَلٰى قَدْ جَاۗءَنَا نَذِيْرٌ ڏ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ښ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ

کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا تھا　کہیں گے کیوں نہیں بیشک ہمارے پاس ڈر سنانے والے تشریف لائے پھر ہم نے جھٹلایا اور کہا اللہ نے کچھ نہیں اتارا

ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝۹ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۱۰ فَاعْتَرَفُوْا

تم تو نہیں مگر بڑی گمراہی میں　اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو دوزخ والوں میں نہ ہوتے　اب اپنے

بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝۱۱ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ

گناہ کا اقرار کیا تو پھٹکار ہو　دوزخیوں کو　بے شک وہ جو بے دیکھے　اپنے رب سے ڈرتے ہیں

جواب: یہ حکم باعتبار لوازم و بقدر استعداد کا ہے باعتبار حقیقت کے اسے اس سے کوئی تعلق نہیں کیوں کہ باعتبار حقیقت کے ان صفات سے موصوف ہونا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام مردہ زندہ کرتے تو وہ باعتبار لوازم کے ہے اور اللہ تعالیٰ کا زندہ کرنا باعتبار حقیقت کے ہے کیوں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا اور ان کی دُعا کی برکت سے مُردہ زندہ ہوتے تھے جسے ہم باعتبار مظہریت اور استجابت دُعا کے نہیں مُردہ زندہ کرنے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

(ایسے ہی دیگر انبیاء عظام و اولیاء کرام کو سمجھئے)

ہماری اس تقریر سے مفسّرین کے قول **تزاید فی ذاتہ** کا معنی و مفہوم بھی سمجھ آ گیا کہ ان کے نزدیک بھی اس کا یہی معنیٰ ہے کہ وہ واجب الوجود ہے اسی لئے وہ جملہ ماسوی اللہ سے بلند و بالا تفسیر و استدلال سے منزّہ ہے۔

ازالۂ وہم چونکہ لفظ **تبارك** غایۃ کمال اور انتہائے تعظیم پر دلالت کرتا ہے اسی لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا اور نہ ہی اس لفظ کے سوا کوئی دوسرا صیغہ اللہ تعالیٰ کے لئے مستعمل ہوگا مثلاً یتبارک وغیرہ نہ کہا جائے گا۔

فائدہ:۔ اس کا اسناد موصول (الذی) کی طرف اسناد میں مضمون کا تحقق مطلوب ہے اور ہمارے موصولہ معارف نہیں اور بالخصوص ایسے مضامین سے اہلِ ایمان خوب جانتے ہیں کہ مُلک پر قبضہ صرف اسی کا ہے اور یہ اس معنیٰ میں دلیل قطعی ہے۔

فائدہ **ید** بمعنیٰ قدرت تامہ و استیلائے کامل ہے کیوں کہ عموم قدرت و استیلاء کا اظہار اکثر ہاتھ سے ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے فلاں بیدہ الامر والنہی والحل والعقد یعنی اسے قدرت غالبہ اور تصرف عام اور حکم نافذ حاصل ہے حضرت حکیم سنائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ؎

یدِ او قدرت است و وجہ بقاش

ترجمہ: اس کے ہاتھ سے قدرت اور وجہ سے بقاء مراد ہے اور فرمایا۔

آمدن حکمش و نزول عطاش

اصبعینش نفاذ حکم قدر

قدمینش جلال و قہر و خطر

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کے آنے سے اس کا حکم اور نزول سے عطا اور اس کی دو انگلیوں و قضا کا نفاذ حکم اور اس کے دو قدموں سے جلال و قہر و خطر مراد ہے

فائدہ : عین المعانی میں ہے کہ الید بمعنی صلہ و قدرت مراد ہے لیکن صحیح مذہب یہ ہے کہ بلا تاویل و بلا تکیف ۔ ید اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور ملک بمعنی تصرف و سلطنت ہے اور لام استغراق کی ہے اسی لئے کشف الاسرار میں لکھا کہ اٹھارہ ہزار جہاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ذات وصفات و افعال میں اپنے ماسوا سے بلند و بالا اور معظم ہے اور جملہ امور میں تصرف کلی اس کی قدرت کا قبضہ ہے کسی کو اس کے امور میں ذاتی طور کسی قسم کے تصرف کا حق نہیں ۔ وہی حکم فرماتا ہے وہی نہی کرتا ہے وہی دیتا ہے وہی روکتا ہے وہ زندہ کرتا ہے وہ مارتا ہے وہی عزت دیتا ہے وہی ذلت دیتا ہے وہی فقیر اور غنی کرتا ہے وہ بیمار کرتا اور شفا دیتا ہے وہی قریب اور بعید کرتا ہے وہی آباد اور ویران کرتا ہے وہی جدا کرتا ہے اور واصل فرماتا ہے وہی پردے کھولتا اور حجاب ڈالتا ہے ایسے ہی جملہ شؤون عظیمہ اور آثار قدرت الٰہیہ و سلطنت ازلیہ و ابدیہ کو سمجھئے ۔

فائدہ : بعض نے کہا ، البرکۃ بمعنی کثرت خیر و دوام اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اسی لئے ہے کہ وہ اپنی مخلوقات کو ہر قسم کی خیر کثیر سے نوازتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ اس ذات کی خیر کثیر ہے جس کے قبضہ قدرت میں ملک ہے اور اس کی نعمت و احسان اَن گنت ہے کما قال اللہ تعالیٰ وان تعدو انعمۃ اللہ لا تحصوھا ۔

فائدہ : امام راغب نے فرمایا البرکۃ بمعنی خیر الٰہی کا کسی شئے میں ثابت ہونا اور المبارک وہ ذات جس میں خیر ہو اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی خیر ایسی ہے کہ محسوس نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کا شمار و حصر ہے اسی لئے اس کے لئے یہ لفظ اسی کے لائق ہے بعض نے کہا جس کی برکت کا مشاہدہ تو ہوتا ہے لیکن محسوس نہیں ہوتا وہی مبارک کہلانے کا مستحق ہے اسی طرف

حدیث شریف : لاینقص مال من صدقۃ

"صدقہ سے مال کی کمی نہیں آتی" میں یہی اشارہ ہے اور

تبارک الذی جعل فی السماء بروجًا میں تنبیہ ہے کہ وہ کریم ان برُوج کے ذریعے ہمیں خیر کثیر کی نعمتوں سے نوازتا ہے اور جہاں بھی لفظ تبارک ہوگا وہاں تنبیہ ہوگی کہ ان عظیم نعموں کا نوازنے والا صرف وہی ہے ۔

قاعدہ : الکواشی میں لکھا ہے کہ تبارک بمعنی تعظم و تعالیٰ یعنی وہ ذات جو محدثین (حادث لوگ) کی صفات سے بلند و بالا ہے ایسے ہی ب ۔ ر ۔ ک کی ترکیب اسی معنی پر دلالت کرے گی یعنی برک بمعنی اس کے خزانوں میں خیر کا ثبوت ثابت ہے ۔

فائدہ: حضرت سہل (تستری) رحمۃ اللہ عنہ نے فرمایا تبارک یعنی وہ ذات جو اشباہ و اولاد و اضداد سے منزہ و مقدس ہے۔ اسی کے ہاتھ میں ملک ہے وہ اسے اپنی قوت سے جیسے چاہتا ہے بدلتا ہے اور جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھینتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے نبوت مراد ہے اور معنیٰ یوں کرتے ہیں کہ جو اس کی اتباع کرتا ہے اسے نبوت کے صدقے عزت دیتا ہے اور جو مخالفت کرتا ہے تو نبوت کے ذریعے اسے ذلیل کرتا ہے اور حضرت جعفر نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ذات جو اس سے اپنائے یا اس کا ہو جائے تو اسے برکت سے نوازتا ہے یعنی وہی نبی علیہ السلام کا وارث اور نائب ہے۔

فائدہ: حضرت قاشانی نے فرمایا کہ لفظ ملک کا عالم اجسام پر اور ملکوت عالم نفوس پر اطلاق ہوتا ہے اسی لئے اس کی ذات تبارک سے موصوف ہوتی ہے جب اس کے تصرف کا ذکر عالم ملک کے لئے ہو کیوں کہ عالم ملک کی عظمت کا اظہار اسی لفظ سے ہو سکتا ہے اس لئے کہ عظمت کی غایت اور ازدیاد فی العلو البرکۃ کی انتہا یہی لفظ ہے۔ اور بمقتضائے ارادہ جب اس کی تسخیر کا ذکر عالم ملکوت کے لئے ہوتا ہے تو وہاں لفظ تسبیح آتا ہے بمعنی تنزیہ کما قال تعالیٰ فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئ خلاصہ یہ کہ ہر لفظ اپنی مناسبت پر ہے کیوں کہ عظمت وازدیاد و برکت عالم اجسام کو لائق ہے اور تنزہ مجردات عن المادہ کو موزوں ہے۔

سبق: آیت میں اشارہ ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں ملک ہے وہ مالک ہوا اور اس کے ماسوا اس کے مملوک اور مملوک کو لازم ہے کہ وہ اپنے مالک کی خدمت کرے ؎

خدمت او کن مگر شاہان ترا خدمت کنند
چاکر او باش تا سلطان تر گردہ غلام

ترجمہ: اُس کی خدمت کر تاکہ بادشاہ تیری خدمت کریں تو اس کا غلام ہو تاکہ بادشاہ تیرے غلام ہوں۔

قدسی حدیث شریف اللہ تعالیٰ نے دنیا کو فرمایا
یَا دُنْیَا اَخْدِمِیْ مَنْ خَدَمَنِیْ ؟
اے دنیا تو اس کی خادم ہو جا جو میرا خادم ہے

تفسیر صوفیانہ کشف الاسرار میں ہے کہ انسانیت کا ملک اور ہے اور قلب کا ملک دیگر ہے اور روح کا ملک مزید دیگر ہے۔ اس لئے کہ انسانیت ملک دنیا کو چاہتی ہے اور دنیوی زندگی لہو و لعب اور زینت ہے اور دل آخرت کا ملک چاہتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

يحبهم ويحبونه (اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اور روح عالم حقیقت کا خواہشمند ہے" وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ قیامت میں بعض چہرے بارونق اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے والے ہوں گے وہ عزیز یعنی اللہ تعالیٰ قیامت میں کبریائی کا جھنڈا لہرانے کا اور کہے گا لمن الملک الیوم" آج کس کی شاہی و ملک ہے میں اپنے گوشۂ دل سے اپنے ملک کا دستور کھولتا ہوں اور اس کے درد کا کچھ حصہ باہر لاتا ہوں تاکہ قیامت کا چکر لگائے اور میں کہوں لمن الملک (کس کا ملک ہے اگر کوئی معترض سامنے آئے تو میں اسے کہوں کہ جو دنیا میں ہمارے جیسا ضعیف و مسکین ہو وہ کہہ سکتا ہے لمن الملک الیوم ۔ کیوں کہ ہمارے پاس جبار قہار کا ملک ہے تو پھر ہمارا حق ہے ہم کہیں لمن الملک الیوم اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہمارے جیسے بندے ہیں تو ہمارا مالک وہی خود ملک الملک ہے (گویا محبوبان خدا ذات حق تعالیٰ کو ہی اپنا سرمایہ زندگی سمجھتے ہیں جسے دنیا کو شاہان دنیا اپنا سردار سمجھتے ہیں ۔ اس معنیٰ پر حضرت بایزید کا ارشاد حق ہے میرا مالک ملک دونوں سے بڑا ہے

بایزید قدس سرہ کے قول الٰہی ملکی اعظم من ملکک کی توجیہ

اس تقریر سے حضرت بایزید قدس سرہ کے قول ہر الٰہی ملکی اعظم من ملک" اے اللہ میرا ملک تیرے ملک سے بہت بڑا ہے کیوں کہ بہ تقریر مذکور عبد کا ملک قدیم اور رب تعالیٰ کا ملک حادث ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو اس لئے کہ یہاں بڑوں بڑوں کے پاؤں ڈگمگا گئے ۔

تفسیر عالمانہ

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور وہ ہر شے پہ بہت بڑی قدرت رکھتا ہے اور ہر قدرت کا منتہی وہی ہے وہ ہر شے میں اپنی حکمت کے تقاضا کے مطابق تصرف کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور اس کے ہر فعل میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں اس کا عطف سابقہ جملہ کے صلہ پہ ہے اس کے مضمون کی تقریر کرتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ وہ ملک میں جیسے چاہتا ہے حکم جاری کرتا ہے ہر بڑے اور چھوٹے اسی کے حکم کے تابع ہیں ۔

مسئلہ امکان کذب کا بہترین حل

اللہ تعالیٰ ہر شے من الاشیاء موجود اور مقدور پہ قدرت رکھتا ہے کہ کسی کو انعام سے نوازے اور کسی نعمت کو جہاں چاہے منتقل کرے لیکن یاد رہے کہ شے سے وہ چیز مراد ہے جس سے مشیت الٰہی متعلق ہو یعنے معدومات ممکنہ کہ جن سے مشیت الٰہی متعلق ہو کیوں کہ موجود واجب تو اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں اور اس کا زوال ازلاً و ابداً ممتنع ہے اور

موجود ممکن کا وجود بھی مراد نہیں اس لیئے جب وہ پہلے موجود ہے تو پھر اس کے وجود کا کیا مطلب اگر مراد ہو تو تحصیل حاصل ہوگی اور معدوم ممتنع کا وجود ناممکن ہے اس سے مشیتِ ایزدی متعلق نہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق معدوم کے ایجاد اور موجود کے ابقاء سے ہے اور بس اور موجود کے ابقاء کا معنیٰ یہ ہے کہ ایک شے کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل کرنا۔

فائدہ : حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان ممکنات و پر قادر ہے جو معدوم تو ہیں لیکن ان کی ایجاد اس کی مشیت سے متعلق ہے۔ اسی لئے شئے کا قرینہ بتاتا ہے کہ اس سے خاص وہ ممکن مراد ہے جو وہ چاہے کیوں کہ جب قدرت کو معلق بالشئ کیا گیا تو وہی مقدور مراد ہوگا جو اس کی مشیت سے متعلق ہوگا کیوں کہ وہی ممکن ہے باقی یا واجب ہے یا ممتنع۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ معظم اور بلند و بالا ہے اپنی ذات وصفات و افعال میں اسی کے ہاتھ میں ہے ملک۔ اور اس کا قدرت ہے مطلقہ کا ہاتھ لطف وکرم سے پُر ہے وہ جس طرح چاہتا ہے نوازتا ہے وجود مطلق کی سلطنت کا مالک ہے وہی وجودات مقیدہ پر فیض وکرم فرماتا ہے اور وہ الوہیت مطلقہ کا مستحق ہے اور اس کی ہویت ہر شے میں ظاہر ہے اور وہی ہر شے پہ قادر ہے

تفسیر عالمانہ

اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ بعض احکام ملک اور آثار قدرت کی تفصیل کا بیان شروع ہے اور الذی پہلے موصول سے بدل ہے اسی لئے قدیر پر وقف نہیں کیا گیا۔

اہلِ سنّت کے نزدیک حیات و موت کا مطلب

اہل سنت و جماعت کے نزدیک موت صفت وجودیہ ہے جیسے حرارۃ برودت کی نقیض ہے یہ حیات کی نقیض ہے اور حیاۃ عند اہل السنۃ صفت وجودیہ لنفس ذات سے زائد اور علم و قدرت کی مغایر اور زائد ہے کا ان دونوں سے موصوف ہونے کی مصحح ہے۔

موت وحیاۃ کی تمثیل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موت وحیات کا اپنے اپنے جسم ہیں اللہ تعالیٰ نے موت کو کبش املح (مینڈھا ملیح) کی صورت میں پیدا فرمایا ہے جس پہ اس کا گزر ہوتا ہے یا جس شے کو اس کی بُو پہنچتی ہے تو وہ شے مرجاتی ہے اور حیات کو گھوڑی ابلق کی صورت میں پیدا فرمایا اور یہ وہی گھوڑی ہے جس پر جبرئیل اور انبیاء علیہم السلام سوار ہوتے ہیں جس کا ایک قدم وہاں پہنچتا ہے جہاں تک ہماری نگاہ کام کرتی ہے اور گدھے سے قد بڑے اونچی اور خچر سے قدر کم قامت والی ہے یہ بھی جس پہ گزرتی یا جس کو اس کی بُو پہنچتی ہے تو وہ شے زندگی پاتی

ہے یہ وہی گھوڑی ہے جس کے قدموں سے سامری نے مٹی اٹھائی تھی اور پھر اسے بچھڑے کے منہ میں ڈالا تو وہ زندگی پا گیا۔

فائدہ: یہ روایت بطریق تمثیل کے ہے ورنہ حقیقت یہ ہے یہ دونوں از قبیل صفات ہے اعیان کے قبیل سے نہیں لیکن یہ قول مؤول ہے

موت وحیات کے متعلق تحقیقی قول اور دلائل

تحقیق یہ ہے کہ موت وحیات، دونوں صفت، وجودیہ ہیں اور ان دونوں کا صورت محسوسہ میں اعیان کی طرح مجسم ہونا ہمارے لئے مضر نہیں کیوں کہ یہ عالم ملکوت، کی مخلوق ہیں اور اس عالم میں ان کی مثالی صورتیں ہیں وہ اس عالم میں دیکھی جاتی ہیں اور وہ لوگ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں جو اس ملک سے غائب ہیں۔ یا اس بدن دنیوی سے جدا ہو سکتے ہیں اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنت ونار کے درمیان موت کو کبش (دنبے) کی صورت میں لا کر ذبح کیا جائے گا اور ظاہر ہے ذبح اجسام کا ہوتا ہے۔ سب کو یقین ہے کہ عالم آخرت بھی عالم صفت ہے یعنی ہر وہ صفت جو دنیا میں باطن ہے وہ آخرت میں صورت ظاہرہ میں متصور ہو گی وہ صفت حسنہ ہو یا قبیحہ نیز قاعدہ ہے کہ ہر معنیٰ کا کوئی نہ کوئی جسم اور صورت ہوتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اسی مفہوم پر محمول ہے یہ کہ ہاں قول ابن عباس اس تحقیق کے خلاف ہے جو علماء کرام فرماتے ہیں کہ شب معراج جو براق جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لایا گیا وہ نہ نر تھا نہ مادہ بلکہ وہ ایک تیسری حقیقت تھا۔

فائدہ: بعض کے نزدیک موت صفت کے عدم کا نام ہے یعنی حیات کو اپنے محل سے بدل دینے کو موت کہا جاتا ہے اس قول کے مطابق موت وحیات ملکہ و عدم ملکہ سے عبارت ہے یعنی حیات احساس وحرکۃ ارادیہ واضطراریہ ہے تنفس کی طرح اور موت اس کے عدم کا نام یعنی جس شے کا شان یہ ہو کہ اسے ہونا چاہیے لیکن نہ ہو۔

فائدہ: صاحب کشاف نے لکھا کہ حیات وہ ہے کہ جس کے وجود کا احساس ہو اور موت اس کے عدم کا نام ہے "خلق الحیاۃ والموت" کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ نے اس مصحح کو موجود اور معدوم فرمایا۔

صاحب روح البیان قدس سرہ کی تشریح

صاحب کشاف کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ زندہ انسان وغیرہ کے ظاہر و باطن سے موت کے اثر سے روح کی روشنی کا ایجاد کا نام موت ہے یعنی باوجودیکہ حرکت اور چلنے پھرنے کی کامل قدرت رکھتا تھا اب موت کے اثر سے اس کا اقتدار چھن گیا اب سے بمنزلہ جماد کے کیا گیا گویا اس کی حرکت تھی ہی نہیں ایسے نفخ روح سے اثر حیات کے ایجاد کو حیات کہا جائے گا جب کہ روح کے رکھنے سے بدن کے ظاہر و باطن میں روشنی پھیل گئی ہے اور وہ اپنے ارادہ سے چلنے پھرنے پہ قدرت رکھتا ہے اس سے یہ نہ سمجھنا کہ اس ملکہ کے نہ ہونے سے وہ معدوم محض ہو گیا ہے کہ اس میں وجود کا شائبہ

تکمہ نہیں رہا اگر ایسا ہوتا تو اسے امر وجودی کے لئے قابل محل اعتبار نہ کیا جاتا اسی لئے ہمارا عقیدہ ہے کہ خلق کا تعلق جیسے حیات سے ہے ایسے ہی موت سے ہے۔

ایک اعتراض کا دفعیہ اس سے وہ اعتراض اٹھ گیا کہ عدم تو مخلوق نہیں ہوتا کیوں کہ مخلوق حادث ہے اور عدم الحوادث ازلی اگر وہ عدم بھی مخلوق سے ہو تو حوادث کا وجود ازلی ماننا پڑے گا اور یہ باطل ہے۔

فائدہ:۔ بعض نے فرمایا کہ خلق الموت بمعنی قدرہ کیوں کہ خلق بمعنی تقدیر آتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فتبارك الله احسن الخالقين ہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تعلق الخلق بالموت بمعنی الایجاد کا وہی مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا کہ نفخ روح پر تعلق ایجاد بالحیاۃ ہوا ہے۔

نکتہ:۔ موت کو حیات سے مقدم کرنے میں اشارہ ہے موت عالم ملک میں ذاتی اور حیات عرضی ہے یعنی موت حیات سے سابق ہے کیوں کہ تمام اشیاء معدوم تھیں پھر انہیں حیات عارض ہوئی جیسے آیۃ "وكنتم امواتا فاحياكم ثم يميتكم ثم يحييكم ثم اليه ترجعون" دلالت کرتی ہے نیز احسانِ عمل کی موجب اور قہر النفوس کو اقرب موت ہے۔ جس نے اسے اپنا نصب العین بنایا وہ کامیاب ہوگیا

حدیث شریف میں ہے اگر تین چیزیں نہ ہوتیں تو ابن آدم کا سر کبھی نہ جھکتا۔

(۱) فقر (۲) مرض (۳) موت

فائدہ:۔ الارشاد میں ہے کہ موت سے وہ حالت مراد ہے جو انسان کو روح کی پرواز سے طاری ہوتی ہے اور حیات سے وہ حالت جو اس سے پہلے اور مابعد ہے جیسے مابعد آلایۃ دلالت کرتا ہے یعنی "لیبلوکم" الخ کیونکہ موت کے ملاحظہ کرنے کا اصلی سبب اپنے اعمال کو اچھا بنانا ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں اور ظاہر ہے کہ نفس عمل حیات کے بغیر مستحق نہیں ہو سکتا۔

اعتراض کا جواب تمہاری مذکورہ بالا تقریر آیۃ ولا یملکون موتا ولا حیاۃ ولا نشورا کے خلاف ہے کیوں کہ اس آیۃ میں اس حیاۃ سے دنیوی زندگی مراد ہے جیسا کہ والیہ النشور سے معلوم ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ قرآن کے بعض مضامین دوسرے بعض مضامین کی تفسیر کرتے ہیں

فائدہ:۔ الحیاۃ والموت میں الف و لام مضاف الیہ کا عوض میں یہ عبارت دراصل « حیاتکم وموتکم" ایھا المکلفین تھی ہم نے مکلفین کی قید اس لئے لگائی ہے کہ غیر المکلفین کی موت وحیات صرف مکلفین کی آزمائش کے لئے ہوتی ہے اس کے سوا اس کا اور کوئی مطلب نہیں ہوتا۔

عارفین کے نزدیک حیاۃ وموت کا معنی بعض عارفین نے فرمایا کہ موت وحیات دونوں عرض ہیں اور اعراض وجواہر اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور حیات دراصل اس کی ذات کی تجلّی اور موت سے اس کا چھپنا ہے اور عارفین کو یہ دنیا میں دونوں کیفیتیں یکے بعد دیگرے لاحق ہوتی رہتی ہیں جب عارف سے حجابات اٹھ جاتے ہیں تو گویا اس سے موت دفع ہو گئی اب وہ بلا حجاب کھلم کھلا دائمی طور مشاہدہ کرتا رہتا ہے اس کے بعد از ان اس پر کسی قسم کے حجابات نہیں رہتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بل احیاء عند ربھم د بلکہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں۔

صوفیانہ لطیفے موت وحیات کو پیدا فرمایا

(۱) بعض کو مجاہدات کی موت سے مارتا ہے اور بعض کو مشاہدات کی حیات سے زندگی بخشتا ہے۔

(۲) بعض کو سطوت قدم کے ظہور میں فنا کی موت دیتا ہے بعض کو انوار بقاء کے ظہور میں بقاء کی حیات بخشتا ہے۔

اگر تجلی واستتار نہ ہوتا تو مشتاقین کا شوق اور درجات شوق کا تفاوت ظاہر نہ ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے عشاق بے شمار ہیں اور ان کے عشق کے درجات میں فرق ہے۔

صوفیاء کرام کے ملفوظات : (۱) حضرت سہل قدس سرہ نے فرمایا کہ دنیا میں معصیت کی زندگی (۱) موت ہے اور دنیا میں طاعت کے ساتھ زندگی بسر کرنا آخرت میں حیات ہے۔

(۲) حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اجسام کی حیاۃ مخلوق ہے اور یہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا خلق الموت والحیٰوۃ۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کی حیات دائمی و باقی ہے اس میں انقطاع ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ نے زمانہ دہر میں کہ جس کی ابتدا نہیں اپنے اولیاء کو عطا فرمائی اس معنی پر قبل از ایجاد جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھے پھر انہیں ظاہر فرما کر انہیں ہی حیات مخلوقہ عاریۃ کے طور بخشی کہ جس سے دوسری مخلوق کو پیدا فرمایا پھر اسی موت مخلوقہ سے انہیں موت دے گا پھر وفات کے بعد انہیں اس طرح اپنے خاص راز سے نوازتا ہے جیسے وہ اس عالم دنیا سے پہلے تھے اس کے بعد انہیں اسی طرح اپنے خاص راز سے نوازتا ہے جیسے وہ اس عالم دنیا سے پہلے تھے اس کے بعد انہیں دائمی زندگی بخشتا ہے جس کی وجہ سے وہ ہمیشہ کے لئے زندہ رہتے ہیں۔

فائدہ : حضرت واسطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جسے ازل میں یاد کر کے زندہ فرمایا وہ ہمیشہ تک

نہ رہے گا اور جسے ازل میں ہی موت دیدی وہ ہمیشہ تک مردہ رہے گا بہت سے لوگ اپنے حیات سے اور بہت سے مردے اپنی موت سے غافل نہیں۔

لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ط لام خلق کے ساتھ متعلق ہے اور اس کا ظاہر تو دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بمصالح العبد ہیں اور معاذ اللہ اس کا ہر فعل اس کی کسی غرض سے متعلق ہے جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے لیکن اہل سنت کے نزدیک یہ آیت اپنے ظاہری معنی پر نہیں بلکہ مؤول ہے اس کی تاویل یوں ہے کہ یہ فعل ایسا اگر کوئی بھی مصلحت کے پیش نظر کوئی کام کرتا ہوگا تو وہ بھی اسی طرح کرتا جیسے اللہ تعالیٰ نے کیا اس تقریر پر لام عقلاً علت کا ہے اور شرعاً حکمت و مصلحت کی ہے اور "ایکم" مبتدا اور "احسن" اس کی خبر ہے اور عملاً تمیز ہے یا جملہ اسمیہ فعل بلوی کے مفعول ثانی کے قائم ہے اور یہ بلا واسطہ مفعول ثانی کی طرف اس لئے متعدی ہوا ہے کہ بوجہ انجام کے علم کا

کی خبر ہے اور عملاً تمیز ہے یا جملہ اسمیہ فعل بلوی کے مفعول ثانی کی طرف اس لئے متعدی ہوا ہے کہ بوجہ انجام کے علم کا

معنیٰ کو متضمن ہے ورنہ یہ ہمیشہ بلا واسطہ صرف ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے اور یہ تعلیق کے قبیل سے نہیں ہے یعنی وہ تعلیق کہ جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ظاہر سے مفعول کے وقوع کا مقتضی نہیں حالانکہ یہاں مفعول (لفظ کم) مذکور ہے اور یہ افعال قلوب سے بھی ہے جو دو ورنہ ایک مفعول تو ضروری ہے اور یہ تضمین اصطلاحی کے قبیل سے بھی نہیں بلکہ یہ علم البلوی یعنی آزمائش کے معنیٰ کے لئے مستعار ہے اور اختبار یعنی امتحان لینے کا یہاں حقیقی معنیٰ مراد نہیں کیونکہ یہ معنیٰ اس کے لئے مستعمل ہوتا ہے جس سے حالات مخفی ہوں اور اللہ تعالیٰ سے تو کوئی شے مخفی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے اس کا مطلب یہ ہو گا کہ بندے سے وہ فعل ظاہر کرائے جو اس سے پوشیدہ ہے اور معنی یہ ہوا اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو عام طور آزمائش کرنے والے آزمائش والوں سے کرتے ہیں تاکہ ظاہر ہو کہ تم میں اچھے کردار والے کون ہیں تاکہ طبقات علوم و اعمال کے مطابق مختلف مراتب پر جزا دے۔

فائدہ: عمل کا تعلق جوارح سے مخصوص نہیں اس لئے حضور علیہ السلام نے عملاً کی عقلاً تفسیر فرمائی ہے یعنی تم میں کوئی عقل میں احسن اور محارم اللہ زیادہ بچنے والا اور طاعت الٰہی میں زیادہ سرعت والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ زیادہ اچھے عمل والا ہے جو اس کی مراد کو بہتر سمجھتا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ قلب و قالب کے لئے جدا جدا اعمال ہیں جیسے قلب قالب سے افضل و اعلیٰ ہے ایسے ہی قلب کے اعمال قالب کے اعمال سے اشرف اور محکم تر ہیں۔

مسئلہ: قلب کا عمل معرفت الٰہی ہے جو ہر شئے سے اس کا جاننا ضروری ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ صنع الٰہی کے عجائبات میں تفکر اور انفس و آفاق میں جو اس کی نشانیاں اور آیات ہیں ان میں تدبر کرنا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یونس بن متی علیہ السلام پر فضیلت مت دو اس لئے کہ اس کے ایک یوم کے اعمال روئے زمین کے لوگوں کے اعمال برابر

روزانہ بارگاہِ حق میں پیش ہوتے تھے۔

فائدہ: مشائخ نے فرمایا ان کے یہ اعمال یہی تفکر فی معرفۃ الٰہی تھا یعنی عمل قلب ورنہ کس کو طاقت ہے کہ روزانہ روئے زمین کے اعمال کے مطابق جوارح سے اعمال بجالائے۔ (الارشاد)

اللہ والوں کا مقابلہ کون کر سکتا ہے

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یونس علیہ السلام کے اس حال میں عمل قالبی کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کے قالبی اعمال دوسرے ان کے اپنے ہم عصر خواص لوگوں کے قلبی اعمال سے احسن تھے کیوں کہ ایک اللہ والے کے اعمال کا ہزاروں بلکہ بے شمار لوگوں کے اعمال مقابلہ نہیں کر سکتے کیوں کہ اللہ والے میں جتنا خلوص و شہود و احسان ہوگا دوسروں میں اس طرح نہ ہوگا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے احسن سے تعبیر فرمایا ہے تاکہ مقربین اور ابرار و کفار و منافقین کے احوال کی طرف اشارہ ہو۔

دلائل از صاحب روح البیان قدس سرہ

صاحب روح البیان قدس سرہ مذکورہ بالا قاعدہ پر دلائل قائم کرتے ہیں وہ یہ کہ انسان کی نیت کا تعلق دنیا سے ہوگا زبان سے بھی اور دل سے بھی اور یہ سب سے بری نیت ہے اور سب سے زیادہ برا عمل ہے اور یہ کفار کا کام ہے اور اگر زبان سے تو آخرت طلبی ہو لیکن دل کے ارادے دنیا سے متعلق ہوں تو یہ نیت اور عمل اور زیادہ برا ہے اور یہ منافقین کا کام ہے اگر زبان اور دل ہر دونوں پر آخرت کا تصور ہو تو یہ نیت و عمل کے لحاظ سے حسن ہے اور یہ ابرار کا حال ہے اگر دل اور زبان سے صرف رضائے الٰہی مطلوب ہے تو یہ نیت اور عمل کے اعتبار سے احسن ہے

اور یہ مقربین کا حال ہے اور چونکہ انسان کا مقصود اعظم اسی احسن کو حاصل کرنا ہے اسی لئے اس کی تصریح کی ہے اور حسن کو بیان نہیں کیا کیوں کہ وہ اشارۃً مذکور ہے ایسے ہی دوسرے اقسام بھی اشارۃً مذکور ہیں۔

احسن عملاً کی احسن تفاسیر

مندرجہ ذیل تفاسیر اس بارہ میں نہایت ہی احسن ہیں۔

(۱) لیبلوکم الخ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائے یعنی تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جو آزمائش والوں سے کیا جاتا ہے تاکہ دار التکلیف میں ظاہر ہو کہ تم میں اچھے عمل والا یعنی زیادہ اخلاص والا کون ہے۔

(۲) تم میں مخلص ترین یعنی رضائے الٰہی کا طالب کون ہے۔

(۳) تم میں زیادہ صحیح سمت کون ہے یعنی وہ کون ہے جو اپنا ہر عمل سنت کے موافق کرتا ہے یعنی مردہ عمل کرتا ہے جو شارع سے وارد ہے اور یہی اصوب ہے کیوں کہ بہت سے اعمال اخلاص سے تو ہوتے ہیں لیکن مبنی بر صواب نہیں اسی لئے پھر وہ قبول بھی نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ریاء و نفاق کے اعمال کو ہباءً منثورا فرمائے گا۔

اخلاص کی علامت بعض عارفین نے فرمایا حسن العمل یہ ہے کہ عمل کر کے بھول جائے اور ہر وقت فضلِ الٰہی پر نگاہ ہو۔ بہر حال اخلاص اسرارِ الٰہیہ سے ایک عظیم راز جو صرف خواص کو نصیب ہوتا ہے۔

فائدہ: الارشاد میں ہے کہ احسن کے صیغے میں ایک راز ہے وہ یہ کہ آزمائش حسن و قبیح کی وجہ سے ہے نہ کہ احسن و حسن کی وجہ سے نیز اس میں اشارہ ہے کہ مراد بالذات اور مقصد اصلی آزمائش سے، یہی ہے کہ محسنین کے احسان کا کمال ظاہر ہو اگرچہ دوسروں کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا جب کہ ان میں ایمان اور طاعت الٰہی ہو کیونکہ انہیں اس کے موجبات کی مضبوطی کمال کے ساتھ موجود ہے اور اس سے روگردانی صرف اس لئے ہے کہ وہ وقوع کے تحت اندراج سے دور ہے چہ جائیکہ انہیں افعال الٰہیہ کے لئے ملک غایۃ میں پرو یا جانا حاصل ہو اور اس کے عامل سے لیسے افعال کا صدور اس کے سوء اختیار کی وجہ سے ہے اور پھر اسے کسی سے تصحیح تقریب نصیب نہ ہوئی۔

فائدہ: ایکم احسن کی مراد یہ ہے کہ وہ بہ نسبت دوسروں کے عمل میں احسن ہے یہاں پر علامہ سجاوندی نے فرمایا کہ یہ استفہام کے معنیٰ میں ہے یعنی "ایکم" کا استفہام بمعنی ہمزۂ استفہام کے ہے لیکن یہ قول صحیح نہیں اسی لئے فعل کے عمل نہیں کیا یہ دراصل عبارت اَنتُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ام غیرکُم یعنی ہم اچھے عمل والے ہو یا تمہارے غیر

فائدہ: یہاں عمل کی تفریق انسانوں اور جنات مومن اور ملائکہ سب کو شامل ہے اور یہ حسن عمل سے وہ حسن مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک احسن ہو اگرچہ لوگوں کی نظر میں حُسن میں کم محسوس ہو اور بدتر عمل والا بھی ہوئی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں بُرا ہو خواہ لوگ اسے کتنا ہی اچھا سے اچھا سمجھیں۔

رہ است باید نہ بالائے راست
کہ کافر ہم از روئے صورت چو ماست

ترجمہ: سیدھا راہ ضرور نہ کہ اونچا راہ کیونکہ ظاہری صورت میں تو کافر بھی ہماری طرح ہے۔

سوال: اکثر عملاً کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: اس کثرت کا کیا اعتبار جسے مالک قبول نہ کرے اسی لئے شرع میں حُسن اسی عمل میں ہے جسے شارع نے حسن کہا اور قبیح وہی ہے جسے شارع نے قبیح کہا۔

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ احسن عملاً سے مراد یہ ہے کہ وہ بندۂ خدا اور زندگی کو موت کے لئے اچھا بنائے اور دنیا کو آخرت کے لئے تیار کرے۔

لہ: عین المعانی روح البیان ص ۱۰ ج ۱۰

حدیث شریف (۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنی صحت کو بیماری سے پہلے اور جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور فراغت کو مشغولی سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے اچھے کام میں لگائیے تجھے کیا معلوم کہ کل تیرا نام کیا ہو گا۔

حدیث شریف ۲۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ اہل ایمان میں کون بہتر ہے آپ نے فرمایا جو موت کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے اور اس کی اچھی استعداد رکھتا ہے۔

فائدہ:۔ موت اور آخرت کی اچھی استعداد کا کثرت اعمال کا نام ہے جنہیں خلوص ہے وہ نماز ہو یا روزہ زکوٰۃ یا حج وغیرہ وغیرہ کہ اگرچہ انہیں بعض کو بعض سے فضیلت میں فرق ہے چنانچہ نماز وہ عمل ہے جسے معراج الشہود سے تعبیر کرتے ہیں اس میں نفس کی سرکوبی کے علاوہ بدن کی ریاضت بھی ہوتی ہے یہی وجہ ہے ہمارے بعض اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ نماز کا مشغلہ بکثرت رکھتے تھے یہاں تک شب و روزہ ہزار رکعت اور اس سے زائد بھی پڑھا کرتے تھے، اسی طرح روزہ اور قلت طعام اس لئے کہ یہ قلب میں حکمت الٰہیہ کے ورد کا سبب ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ سے بہت سے بزرگ ایسے گزرے ہیں جو مسلسل روزے رہا کرتے تھے بعض تو تین دن تک کچھ کھاتے نہ پیتے بلکہ بعض تو سات دن اور بعض ایک ماہ بعض چالیس دن تک بھوکے رہا کرتے اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ حکمت عظمٰی کا ان پر دروازہ کھل جاتا علاوہ ازیں روزہ میں تہذیب الاخلاق بھی ہے کیوں کہ اکثر خرابیاں کھانے پینے سے پیدا ہوتی ہیں۔

سبق: اے ایمان والو جلدی کرو۔ دوڑو نفس کو روند ڈالو اور دنیا میں کر لو کچھ کرنا ہے تو سبقت کرنے ہی آخرت میں سب سے آگے آگے ہونگے وہی اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مفرد (لوگ) بازی لے گئے یعنی نفس کو انفس و آفاق سے علیحدہ رکھنے اور اپنے آپ کو عالم اطلاق میں مشاہدہ حق سے سرشار ہونے والے۔

سبق: سالک کو لازم ہے کہ سیر و سلوک میں بازی لے جانے کی کوشش کرے اس سے ہی ہوائے وحدۃ اور ہویت ذاتیہ میں اڑنا نصیب ہو گا اور اس سے ہی منازل اکوان سفلیہ حادثہ سے جدائی اور عالم وجوب و قدم کا عروج نصیب ہوتا ہے ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے ہیں کہ وہ اپنا وجہ کریم کے زیارت سے سرشار فرمائے وہی جو محسن و کریم ہے۔

وَهُوَ حالانکہ صرف وہی ہے۔ **الْعَزِيْزُ**۔ ایسا غالب ہے کہ اس سے کوئی بھی بُرے عمل والا چوک نہیں سکتا۔ **الْغَفُوْرُ**۔ جس کے چاہے توبہ سے گناہ بخشدے چاہے تو اپنے فضل سے (بلا توبہ) بخشدے

فائدہ: بعض مفسرین نے فرمایا عزیز انسانوں میں ہوتا ہے جو کسی کے متعلق سُنے کہ وہ اس کی مخالفت

کرتا ہے تو وہ اسے تباہ و برباد کر ڈالے اور اللہ تعالیٰ وہ عزیز ہے کہ اپنے مخالف کی توبہ کو مرغوب رکھے اور توبہ بھی اس خلوص کی کہ بندہ کہے کہ میں مٹی کا ڈھیلہ اپنی مالی خدمت وغیرہ کے لائق کب ہوں جب کہ وہ اونچی ذات اور رب الارباب کہاں وہ کہاں ہیں اور الغفور وہ ہے جو بُرے کے عمل ڈھانپے اور نیکی والے کو احسان سے ملے جیساکہ حدیث قدسی شریف میں جو میرے ہاں پیدل چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں وہ دوڑنے سے پاک ہے یہاں پیار کی عجلت مراد ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وہ اللہ تعالیٰ جس نے سات آسمان پیدا فرمائے کہ پہلے ان کی کوئی مثال نہ تھی۔ (طِبَاقًا) سبع سمٰوٰت کی صفت ہے۔

سوال: نحویوں کا قاعدہ ہے کہ اعداد میں صفت مضاف الیہ کے لئے ہوتی ہے مثلاً قال اللہ تعالیٰ سبع بقرات سمان بقرات کی صفت ہے لیکن یہاں مضاف کی صفت ہے۔

جواب: یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہے۔

فائدہ: طباقاً کو حال بھی بنایا جاسکتا ہے۔

سوال: ذوحال کو معرفہ ہونا چاہیے اور اعداد بوقت اضافت بھی معرفت نہیں ہو سکتے تو پھر طباقاً کو حال بنانا کیسا۔

جواب: یہاں چونکہ کل سمٰوٰت مراد ہیں اس لئے قطعی طور معرفہ ہوگیا اس لئے اب اس سے حال بنانا جائز ہوگیا۔

حل لغات طباقاً مصدر ہے بمعنی الفاعل کہا جاتا ہے، طابقہ، مطابقۃً و طباق الشی بروزن کتاب اور کہتے ہیں کتاب مطابق بکسر الباء اور کہا جاتا ہے۔ طابقت بین الشئی یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ دو چیزوں کو برابر بنایا جائے یہ بات (مطابقت کی وضع وسعت و فراخی پر دلالت کرتی ہے۔ کہ جس کے مطابق بنائی جائے وہ بھی وسیع اور فراخ ہو یہاں تک کہ وہ اپنے مطابق والی شئے کو مکمل طور ڈھانپ لے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ہر آسمان دوسرے آسمان اوپر والے کے برابر کے مطابق ہے۔

آسمانوں کی پیمائش ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے پھر درمیان کا خلا بھی پانچسو سال کی مسافت ہے ان کو آپس میں کوئی علاقہ اور درمیان میں کوئی ستون نہیں نہ ایک دوسرے سے ٹکرائے ہوئے ہیں۔ آسمان دنیا جھاگ کی طرح ہے لیکن وہ بہنے سے ممنوع ہے دوسرا آسمان سفید موتی کا ہے تیسرا لوہے کا ہے چوتھا یا تانبے کا ہے پانچواں چاندی کا ہے چھٹا سونے کا ہے ساتواں سرخ یاقوت کا ہے اور اب ساتوں کے اوپر کرسی عرش تک نور کے دریا ہیں۔

فائدہ قاشانی نے فرمایا آسمان اور جملہ عالم کائنات کی تخلیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسا خالق کون ہو سکتا ہے اور اس جیسا نظام کسے نصیب۔ پھر انہیں سات حصوں پر منطبق و منقسم فرمانے کی طاقت کس کو۔

فائدہ: جمہور اہل حق نے فرمایا کہ زمین گیند کی طرح گول ہے اور آسمان دنیا اسے ہر جانب سے محیط ہے جیسے انڈے کا چھلکا اس کی زردی کو گھیرے ہوئے انڈے کی زردی زمین اور سفیدی پانی اور چھلکا آسمان کی مانند ہے بس فرق اتنا ہے کہ انڈا مستطیل اور زمین گیند کی طرح گول ہے یہاں کہ بعض مہندسین نے کہا کہ اگر زمین کے ایک حصہ سے مثلاً سوراخ کیا جائے تو اس کے بالمقابل سب کچھ نظر آئے گا۔ مثلاً اندلس کی زمین کو سوراخ ہو تو اس کے بالمقابل چین کا علاقہ نظر آئے گا اور دوسرا آسمان دنیا کے آسمان کو اسی طرح محیط ہے جیسے پہلا آسمان زمین کو ایسے ہی ساتوں آسمانوں کی کیفیت ہے پھر کل آسمانوں کو عرش الٰہی کا احاطہ یونہی سمجھو اور عرش کو کرسی قریب تر ہے لیکن کرسی عرش کے سامنے ایسے ہے جیسے بہت بڑے جنگل میں ایک روڑا پڑا ہو اس سے اندازہ لگائیں کہ عرش کے سامنے ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی کیا کیفیت ہو گی۔

مَا تَرٰى فِىْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ رحمٰن کی تخلیق میں نہیں دیکھو گے۔ یہ خطاب یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے یا ہر اسے جو اس خطاب کی صلاحیت رکھتا ہے اور خلق الرحمان خلقہ (اسم ظاہر ضمیر کے قائم مقام ہے) اس سے سمٰوٰت کی تخلیق مراد ہے اور مصدر بمعنی مفعول ہے اور اضافت لامی ہے اس میں اشارہ ہے اس کی تخلیق اپنی قدرت کاملہ سے اور مبنی بر رحمت و فضل ہے اور من نفی کی تاکید کیلئے ہے اب معنی یہ ہوا کہ اس کی تخلیق میں اختلاف و اضطراب نہیں اور نہ ہی عدم تناسب ہے بلکہ مستوی و مستقیم ہے۔

فائدہ: حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلب تفاوت کا مطلب یہ ہے کہ نہ وہ حد سے زائد مستطیل ہیں نہ مستدیر بلکہ ایک دوسرے کے مطابق و موافق ہیں اور حسن انتظام و تناسب میں اپنی مثال خود ہیں۔

حل لغات تفاوت فوت سے ہے کیوں کہ تفاوت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے متفاوت ہونے والوں کا طریقہ ہے کہ ایک کسی شے میں دوسرے سے چوک جاتا ہے جس سے ان کا تناسب نہیں رہتا۔ امام راغب نے فرمایا کہ تفاوت اختلاف اوصاف کو کہا جاتا ہے گویا ایک کی کوئی وصف یا کل اوصاف دوسرے سے فوت ہو جاتی ہیں۔

فائدہ: بعض علماء نے تخلیق کا تعلق سمٰوٰت کے علاوہ بھی ہر شے سے متعلق کہا تو ان سے سوال ہوا کہ یہ معنیٰ صحیح نہیں کہ اس لئے کل مخلوق میں ایک دوسرے سے تفاوت ظاہر ہے مثلاً رات دن میں تفاوت ہے ایسے اضداد میں تناقض مشہور بلکہ بدیہی ہے۔

جواب :- ان میں تناقض تو ہے لیکن تناقص وعیب نہیں اور ایسی کوئی زائد شے نہیں کہ جس کی وہ اپنی تخلیق میں اس کی محتاج ہو یا ایسا انہیں نقصان اور کمی نہیں جس کی اسے محتاجی ہو بلکہ سب کی سب اپنی تخلیق میں مستقیم ومستوی ہیں جس سے یقین ہوتا ہے کہ ان کا خالق بہت بڑے علم والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ رحمانیت کی رحمت ہر شے کو واسع ہے جیسے کہا جاتا ہے۔ یا رحمٰن الدنیا و رحیم الآخرۃ اے دنیا کے رحمٰن اور آخرت کے رحیم اس لیے کہ موجودات سب کے سب علوی ہوں سفلی نورانی ہوں یا ظلمانی روحانی ہوں یا جسمانی تخلیق میں بلاتفاوت رحمٰن کے نور ورحمت سے پیدا کئے گئے ہیں ایسے ہی اسی نور ورحمت سے برابر طور رزق عطا ہوتا ہے۔

ادیم زمین سفرۂ عام اوست

برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ : زمین اس کا عام دستر خوان ہو اس دستر خوان پر دوست و دشمن برابر ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَارْجِعِ الْبَصَرَ آنکھ کو آسمان کے دیکھنے کی طرف پھیرو۔ بار بار پھیرو یہاں تک کہ معائنہ سے واضح ہو اور ذرہ بھر بھی شک نہ رہے۔

حل لغات رجع لازم ومتعدی ہر دونوں کی طرح مستعمل ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے رجع بنفسہ رجوعاً بمعنی جہاں سے آغاز ہوا وہاں سے خود بخود لوٹنا وہ مکان ہو یا فعل یا قول اس کے اجزاء کے کسی جزء سے یا اس کے افعال میں کسی فعل کے ساتھ اور کہا جاتا ہے رجعہ غیرہ رجعا فلان کو کسی کام وغیرہ سے لوٹانا۔ هَلْ تَرٰى کیا تم اس میں دیکھتے ہو۔ مِنْ فُطُوْرٍ کوئی سوراخ بمعنی الشق فطر کی جمع ہے یا بمعنی ا پیدا کرنا۔ ابتداء کرنا۔ چیرنا[۲] کہا جاتا ہے فطرہ فانفطر" یعنی اسے چیرا تو وہ چر گیا شقوق وصدوع کی نفی کا مطلب یہ ہے کہ آسمان پھٹتے اور چرتے نہیں یہ قاشانی نے فرمایا کیوں کہ انہیں پھٹنا چرنا مانا جائے تو وہ منافع جو انہیں ہیں حاصل نہ ہوں گے مثلاً ستاروں کو جو ان کے طبقات میں متفرق طور مرتب کیا گیا ہے اور آسمانوں میں ستاروں کے بعض یا مکمل طور منافع منقطع ہو جائیں گے[۳] نتیجہ نکلا کہ جب اس کی پیدا کردہ اشیاء یعنی آسمانوں میں کسی قسم کا عیب ونقص نہیں تو ان کے خالق میں بطریق اولیٰ ہے کہ وہ عیب ونقص سے منزہ ہو کیونکہ عیب ونقص جسمانیات میں ہوتا ہے۔ (۴) ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ پھر لوٹاؤ نگاہ کو بار بار یعنی دوبارہ دیکھو اور باربار دیکھو اور بھی پھر ان میں عیب وخلل ڈھونڈو یعنی اگر ایک بار دیکھنے سے عیب ونقص سے نہیں مل سکا تو پھر دوبارہ دیکھو اور بار بار دیکھو۔

---

[۱] قاموس ۱۲ [۲] تاج المصادر ۱۲ : [۳] : المناسبات ۱۲ :

فائدہ : تثنیہ سے تکرار اور کثرت مراد ہے جیسے لبیک وسعدیک میں بار بار اور بکثرت اجابت و اعانت بلا انقطاع مراد ہے کیوں کہ ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے سے تھکان نہیں ہوتی ہے اگرچہ اس طرح بکثرت اور کئی بار دیکھا جائے جب تک اس میں انقطاع نہ ہو۔

فائدہ : حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے ہی بار بار قیامت تک دیکھے جاؤ تب بھی کسی قسم کا عیب و خلل نہ پاؤ گے۔

فائدہ : جناب واسطی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ کرتین سے قلب و نظر مراد ہے کیوں کہ پہلا معنیٰ صرف آنکھ تک محدود ہے۔ یہاں آنکھ اور قلب ہر دونوں کا تکرار مراد ہے یعنی قیامت تک آنکھ پھاڑ پھاڑ کر کے اور گہرے غور و فکر کو عمل لا کر دیکھو تو کچھ بھی حاصل نہ ہو گا سوائے تھکان اور محرومی کے کیوں کہ تخلیق رحمانی میں عیب و خلل ممتنع ہے اور ممتنع کی تلاش لاحاصل ہے۔ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا تو لوٹے گی تیری طرف تیری آنکھ ذلیل اور بعید و محروم ہو کر کسی قسم کا عیب و خلل اسے حاصل نہ ہو گا جتنا بھی جد و جہد کر کے عیب تلاش کرے گویا اسے ذلیل و خوار کر کے پیچھے دھکیل دیا جاتا ہے یہ امر کا جواب اور خَاسِئًا البصر سے حال ہے اسم فاعل کا صیغہ ہے خسأ بمعنی بتا عدو و مرب سے ہے اس میں ذلت و خواری کا معنیٰ ہے جب کہا جائے "خسار الکلب خسأ" تو اس کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ اسے اپنی جگہ سے ذلیل و خوار کر کے بھگا دیا گیا اور یہ متعدی ہو کر بھی آتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ خسات الکلب فخساء میں نے کتے کو ذلیل و خوار کر کے ہٹایا تو وہ ذلیل و خوار ہو کر دور بھاگ گیا ایسے ہی جب اسے کہا جائے گا "اخسأ" تو اس سے بھی یہی مراد ہو گی۔ امام راغب نے فرمایا اسی سے ہے خسأء البصر یعنی ذلیل و خوار ہو کر بند ہوئی اور یہ "خنا ذیر و کلاب کے لئے بولا جاتا ہے با ئیں معنیٰ کہ وہ ذلت و خواری اٹھا کر انسانوں سے دور ہیں اس معنیٰ پر آیت میں خاسئ اسم فاعل بمعنی مفعول ہے[1] یعنی مبعدا یعنی دور دھکیلی ہوئی آنکھ۔ وَھُوَ حَسِیْرٌ درانحالیکہ وہ تھکی ہو گی یعنی بوجہ کثرت دیکھنے اور بار بار لوٹنے سے تھک کر رہ جائے گی اور یہ فصیل بمعنی فاعل ہے یعنی تھکان والی آنکھ حسور سے ہے بمعنی اعیار یعنی تھکنا یعنی آنکھ کا رنج اٹھانا اور مسافت دور سے آنکھ کا تھک جانا۔ امام راغب نے فرمایا کہ تھکے ہوئے حاسر و محسور اس لئے کہا جاتا ہے کہ خود بخود اس کے اعضاء و قویٰ تھک گئے اس معنیٰ پر وہ تھکنے والا ہے اور محسور اس معنیٰ پر کہ اعضاء و قویٰ کو تھکان نے تھکا دیا اور یہ البصر سے یا خاسأ کی ضمیر سے حال ہے اس معنیٰ پر یہ احوال متداخلہ کے قبیل سے ہو گا۔

(**نکتہ**) بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب یہ اس کے مصنوعات میں غور و فکر پر اتنا ذلت و خواری حاصل ہوتی ہے تو جو اس کے کمال و جلال میں غور و فکر کر کے نقص تلاش کرتا ہے اور اس کا کیا حال ہو گا بالخصوص وہ بدبخت

---

[1] قاموس ۱۲۔ [2] تاج المصادر ۱۲:

جو حلول و اتحاد کا عقیدہ رکھتا ہے اسے جہنم میں داخل ہونے کے اور کچھ نصیب نہ ہوگا۔

۱ سبحانہ من تحیر فی ذاتہ سواہ
فہم خرد بکنہ کمالش نبرد راہ

۲ عمرے خورد چو چشمہ ہا چشمہا کشاد
تا بہ کمال کنہ الٰہ افگند نگاہ

۳ لیکن کشید عاقبتش درو دیدہ میل
شکل الف حرف نخست از الٰہ

ترجمہ ۱: پاکی ہے اس ذات کو جو اس کا ماسوا اسمیں حیران ہے خرد کے فہم نے اس کی کمال کی کنہ میں کوئی راہ نہ پا سکا۔

۲: زندگی بھر آنکھوں نے چشمہ کھولے رکھا تاکہ اس کے کمال کی کہنہ تک پہنچ سکے۔

۳: بالآخر اس کی آنکھ سے سرمہ کی سلائی نکالی گئی تو ابھی اسے الٰہ کا الف ہی نظر آیا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ظاہری اشیاء سے ظاہر آنکھ کو باطن کی طرف پھیرے پھر اس باطن کی آنکھ اشیاء کے بواطن کی طرف یعنی بصر و بصیرت ہر دونوں سے اشیاء کے ظواہر و بواطن کو نہایت غور و فکر سے دیکھ کر نتیجہ نکالئے کیا اللہ تعالیٰ نے موجودات میں جو استعداد پیدا فرمائی ہے اس میں کسی قسم کا فرق پاتے ہو جب کہ اس نے ہر ایک اس کی استعداد کے مطابق ہر صاحب حق کو حق بخشا ہے اگر تم بار بار بانکرار بھی اس پر غور و فکر کرو گے تب بھی تمہارے ہاں تمہاری بصر و بصیرت تھک ہار کر واپس لوٹیں گی اور کہیں گی کہ کچھ بھی خلل اور عیب نہ مل سکا۔

حضرت امام غزالی قدس سرہ نے اپنے بعض ملفوظات میں فرمایا کہ اس عالم وجود میں اور کوئی شے اس سے بڑھ کر بدیع (عجیب و غریب) نہ ہو گی کیوں کہ اگر مانا جائے تو ذات باری تعالیٰ پر بخل کا الزام آتا ہے اور وہ اس عیب سے منزہ و مقدس ہے بلکہ وہ جواد و کریم ہے اور اس پر عجز کا وہم پڑتا ہے حالانکہ وہ قادر ہے بلکہ اس نے خود فرمایا الذی اعلیٰ کل شئی خلقہ وہ ذات ہے جس نے تمام کو اس کی استعداد کے لائق تخلیق بخشی ہے ثم ھدی پھر اسے راہ حق پر چلایا ہے۔

فائدہ: بعض نے اس کی تقریر یوں کی ہے کہ عالم امکان میں اس سے بڑھ کر بدیع تر یعنی زیادہ ظاہر اور کوئی شے اس لئے نہیں کہ مرتبے صرف دو ہیں۔

لہ: اشارات تبصرہ ۱۲

۱، مرتبہ اولیٰ یعنی قدم یعنی قدیم ہونا

۲، مرتبہ ثانیہ یعنی عالم یعنی امکان و حدوث اگر ہم مان لیں کہ اس سے بڑھ کر اور بدیع تر ممکن ہے تو پھر ہم عالم امکان غیر متناہی کے چکر میں پھنس کر رہ جائیں گے۔ اسی لئے لازماً ماننا پڑے گا کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی عالم بدیع تر نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا اور بے شک ہم آسمان دنیا کو سنگارا ہے۔

(ربط) آسمانوں کے قصور و فطور سے خالی ہونے پر بیان کے بعد اب بتایا کہ وہ تخلیق میں حسن و جمال میں بھی بے نظیر ہیں اور اسے قسم سے شروع کرنے میں اس کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے یعنی بخدا وہ آسمان جو سب سے اور زمین اور لوگوں کے قریب تر ہے ہم نے سنگارا اور آراستہ کیا۔

حل لغات تزئین بمعنی آراستہ کرنا اس کی نقیض شین ہے بمعنی معیوب کرنا۔ الدنیا ادنیٰ کی تانیث ہے بمعنی قریب تر اسے قریب تر اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ اپنے ماتحت یعنی زمین کو قریب ہے۔ اسے مطلقاً قریب تر نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ اس کے مافوق یعنی عرش کی طرف دیکھا گیا تو معاملہ برعکس ہے یعنی عرش سے بہت زیادہ بعید ہے۔ بِمَصَابِيحَ مصباح کی جمع ہے بمعنی سراج یعنی چراغ تنکیر تعظیم و مدح کے لئے ہے یعنی اسے ستاروں سے سنگارا گیا ہے جو رات کو چراغ کی طرح چمکتے ہیں یعنی سیارات و ثوابت رات کو روشن نظر آتے ہیں وہ آسمان دنیا میں مرکوز ہیں اگرچہ ان کے بعض دوسرے آسمانوں پر بھی ہیں یہ اس لئے کہ اگر آسمانوں کو صاف و شفاف شیشہ کی طرح مانا جائے تو ستارہ خواہ دوسرے آسمانوں پر بھی ہوں تک پہلے آسمان سے ہی نظر آئیں گے جو مطلب بھی ہو اس کا معنیٰ یہی ہوگا کہ آسمان دنیا ستاروں سے مزین ہے۔

فائدہ: المصابیح میں قمر (چاند) بھی داخل ہے کیوں کہ وہ ان سے بڑا اور بہت روشن ہے جو رات کو چمکتا ہے۔

وہابی کش دلیل اگر ستارے آسمان دنیا کے چراغ ہیں اور وہ زمین کے لئے بمنزلہ چھت کے ہے اس معنیٰ پر اگر بندگان خدا مساجد کی چھتوں کو چراغوں اور قندیلوں سے روشن کریں تو کونسا حرج ہے جب کہ اسلامی قاعدہ مشہور ہے کہ لا سرف فی الخیر خیر و بھلائی کے کام میں اسراف نہیں۔

چراغاں کی حدیث شریف احادیث میں مذکور ہے کہ مسجد نبوی میں اندھیری راتوں میں کھجوروں کے پتے جلا کر روشنی حاصل کی جاتی جب سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ مدینہ پاک میں حاضر ہوئے تو قندیل اور رسیاں اور زیتون کا تیل ساتھ لائے اور انہیں مسجد

نبوی کے ستونوں سے لٹکا کر روشن کر دیا تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا :
نورت مسجدنا نور اللہ علیک اما واللہ لو کان لی ابنۃ لا نکحتہا تو نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تجھے نورانی بنائے اگر میری بیٹی ہوتی تو تیرے نکاح میں دیتا۔

فائدہ : اس روشنی کا نام پہلے فتح تھا لیکن تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روشنی کے بعد اس کا سراج نام مشہور ہوا۔

حضرت علی کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دعائیں تمیم داری رضی اللہ عنہ کی یہ کاروائی خوب پسند آئی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد کو اس کو آگے خوب بڑھایا یہاں تک کہ جب تراویح کیلئے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب کی امامت پر جمع فرمایا تو خوب چراغاں کیا اسپر حضرت علی نے خوش ہو کر فرمایا نورت مسجدنا نور اللہ قبرک یا ابن الخطاب تو نے ہماری مسجد کو روشن کیا اللہ تعالیٰ تیری قبر انور کو روشن کرے اے ابن خطاب (عمر) رضی اللہ عنہ۔

بدعت کا خطرہ ٹل گیا کسی عالم نے فرمایا کہ مجھے مامون (عباسی بادشاہ) نے کہا کہ مساجد کی بکثرت چراغاں کے لئے کچھ لکھوں لیکن خیال گزرا کہ یہ ہے بدعت تو پھر کیا لکھوں اس پر میں نے خواب میں دیکھا۔ مجھے کہا جا رہا ہے اکتب فان فیہ انسا للمتعبدین و نفیا لبیوت اللہ عن وحشۃ الظلم اس پر ضرور لکھو کیوں کہ اس میں مسجد میں عبادت گزاروں کو انس اور اللہ تعالیٰ کے گھروں سے تاریکی کی وحشت کی دوری ہے میں بیدار ہوا تو یہی لکھدیا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں آسمان قلب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ روح کے آسمان کو قریب ہے اور اس کی زینت سے انوار معارف وعلوم الٰہیہ وواردات رحمانیہ مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَجَعَلْنٰهَا اور ہم نے چراغوں کو جنہیں نجوم سے تعبیر کیا گیا ہے کے بعض کو بنایا[۲] رجوماً رجم (بالفتح) کی جمع ہے۔ بمعنی ما یرجم بہ ویرمی للطرد والزجر وہ شئے جس سے رجم کی جائے اور طرد وزجر کے لئے سنگسار کیا جائے۔ راجم کی جمع ہے جیسے ساجد سجود کی جمع ہے لِلشَّیٰطِیْنِ شیاطین کے لئے اس سے کفار جن مراد ہیں جو انسانوں کو نور سے ظلمات کی طرف لے جاتے اور

---

[۱] اسی لئے ہم اہلسنت قرآن مجید کے ختم اور بزرگان اسلام کے اعراس اور دیگر تقاریب خیر مثلاً شب معراج و شب میلاد وغیرہ پر چراغاں کرتے ہیں تو وہابیہ و دیوبندیہ وغیرہ بدعت کا فتویٰ لگاتے ہیں تفصیل کیلئے دیکھئے نقیر کا رسالہ "چراغاں کا ثبوت" ؛ اویسی غفرلہ۔

[۲] تفسیر ابو اللیث ۱۲۔

شیاطین جمع تکثیر کے لئے ہے کیوں کہ وہ فی الواقع ان گنت ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے ستاروں کو بنایا ان کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ تمہارے دشمنوں کے لئے سنگساری کا کام دیتے ہیں جیسا کہ تم نے دیکھا ہوگا کہ ستاروں کی روشنی ستاروں سے نکل کر آسمان پر پھیل جاتی ہے۔ خود ستارے سنگساری میں کام نہیں آتے بلکہ ان کی روشنی کام آتی ہے کیوں کہ وہ آسمانوں میں اپنے مقامات پر مستقر رہتے ہیں پھر وہ روشنی بعض شیاطین کو قتل کر ڈالتی ہے اور بعض کا کوئی عضو کاٹ ڈالتی ہے بعض کی عقل کھو دیتی ہے کیوں کہ وہ شیاطین کیلئے آگ کا شعلہ روشن ہو کر ستارے نکل کر شیاطین کے پیچھے پڑ جاتی ہے اس پر نجم و کوکب کا اطلاق ہوا لیکن یہ ہے کہ ہم ان ستاروں سے روشنی نکالکر شیاطین کو سنگسار کرتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ ستارے سنگساری نہیں بلکہ ان کے شعلے سنگساری بنتے ہیں۔

استدلال از قول سلمان فارسی رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا قاعدہ کا استدلال حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قول سے کیا گیا ہے انہوں نے فرمایا کہ ستارے آسمان دنیا میں ایسے لٹکے ہوئے ہیں جیسے ہماری مساجد کی قندیلیں۔ اور وہ ستارے نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ وہ ستارے ملائکہ کے ہاتھوں میں معلق ہیں اس قول کی دلیل آیت اذا السماء انفطرت واذا الکواکب انتثرت جب آسمان پھٹ جائیں گے اور جب ستارے جھڑ جائیں گے انتثار سے ان ملائکہ کی موت کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے ستاروں کو اٹھا رکھا تھا بعض نے کہا کہ یہ ستارے آسمانوں میں سوراخوں کے نشانات ہیں اس کی تائید بعض مکاشفہ کے قول سے ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ستارے آسمان میں مرکوز نہیں بلکہ یہ انوار آسمان کے لطیف سوراخ سے منعکس ہونے کا نام ہے اور وہ سقوط نجم جو ہمیں نظر آتا ہے یہ سورج کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے ہے۔

فائدہ: اہل فلسفہ نے فرمایا کہ شہب ناریہ اجزاء ہیں جو خلاء میں الجزات کے چڑھنے اور اس نار سے متصل ہونے کا وقت پیدا ہوتے ہیں جو افلاک کے نیچے ہے۔ اوائل سورہ والصافات و حجر میں اس کی تفصیل گزری ہے ہم اس کا اعادہ نہیں کرتے نہ اس کی تفصیل لوٹاتے ہیں کہ فلاسفہ کا مذہب اہل حق کے مذہب کے قریب ہے ان کے مذہب کی تحقیق صافات میں ہے اور وہی مخفی امور کو خوب جانتا ہے۔

وَ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ اور شیاطین کو دنیا میں آگ سے جلانے کے بعد ان کے لئے آخرت میں تیار کر رکھا ہے اعتدنا بمعنی ھیأنا ہے العتاد اسی سے ہے بمعنی عدۃ واھبۃ (بمعنی تیاری) ہے۔

عَذَابَ السَّعِيۡرِ بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے یعنی جہنم کا عذاب جس کی آگ جلائی گئی اور

بھڑکائی گئی ہے سعیر فعیل بمعنی مفعول ہے یہ سعرت النار سے ہے بمعنی اوقد یعنی میں نے اسے بھڑکایا اسی لیئے اس کے آخر میں تا ر نہیں لائی گئی یعنی سعیرۃ نہیں کہا گیا حالاں کہ یہ نار کے درکۂ رابعہ کا نام ہے اور جہنم کے سات درکات ہیں۔

(۱) جہنم (۲) لظٰی (۳) الحطمہ (۴) سعیر (۵) سقر (۶) جحیم ، (۷) ہاویہ۔

یاد رہے کہ ان ہر ایک کا اطلاق ایک دوسرے پر ہوتا ہے۔ مثلاً کبھی ان کو نار اور کبھی سعیر اور کبھی جہنم وغیرہ وغیرہ کہا جاتا ہے۔

فائدہ: ہر درکہ میں عاصیوں کے گروہ از اہل توحید و نصاریٰ و یہود وصابئی و مجوس ومشرکین ومنافقین کو داخل کیا جائے گا۔

سوال: قرآن و حدیث میں صرف مذکورہ بالا جہنمیوں کا نام ہے لیکن شیاطین کا نام کہیں نہیں آیا حالانکہ ان کے ساتھ شیاطین کی تصریح بھی ہونی چاہیے۔

جواب: شیاطین کو اضلال (گمراہ کرنے) کی مناسبت سے اپنے گمراہ کردہ گروہ کے ساتھ جہنم کے درکات میں داخل ہونا ہوگا جس درکہ کے لائق اس نے گراہی پھیلائی ہوگی اسی کے ساتھ شیاطین ان کے سرگروہ ہوکر جہنم میں جائیں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وتری المجرمین یومئذ مقرنین یعنی اس دن مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے ساتھی شیاطین کے ساتھ زنجیر میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ یہ شیاطین خواطر نفسانیہ و ہواجس ظلمانیہ ہیں اور ان کے عذاب سے ان کا مردود اور خواطر ملکیہ سے ورحمانیہ سے بدل جانا مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ اور ان کے لیئے جنہوں نے اپنے پروردگار کے ساتھ ساتھ کفر کیا۔ شیاطین ہوں یا کوئی اور ان کے کفر سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے بندگان خدا کو عبادت سے بے کار رکھا یا سرے سے عبادت کے قریب بھٹکنے نہ دیا۔

فائدہ: حضرت سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں ہیر صرف وہی کافر مراد ہیں جو شیاطین کے غیر ہیں کیوں کہ شیاطین کا ذکر بعد کو آرہا ہے تاکہ تکرار کا الزام نہ آئے۔ عَذَابُ جَهَنَّمَ جہنم کا عذاب ہے یعنی درکہ ناریہ جو انہیں ملتے ہی چمٹ جائے گی اور ذلت وخواری کا منہ دکھلائے گی اسی لیئے اسے جہنم کہا جاتا ہے۔ اس کا مادہ جہم ہے بمعنے چہرہ چھیلنا مثلاً کہا جاتا ہے رجل جہم الوجہ بمعنی کالح منقبض۔ یہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کا چہرہ آگ چھیل لے اور وہ اسی وجہ سے سکڑ جائے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب مخلوق کے عذاب سے نرالا ہے کہ وہاں نہ تلوار ہے نہ

ڈنڈا نہ لکڑی وغیرہ بلکہ وہ ایسی آگ ہے جو بجھنے میں نہیں آتی اور جس کافر کو اس قسم کا عذاب ہوگا اس نجات کی امید منقطع ہو جائے گی۔ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور برا ٹھکانہ ہے یعنی جہنم

فائدہ: بعض نے کہا کہ جہنم جہنام سے ہے وہ کنواں جو بہت بڑا گہرا ہو

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہل نار جمال الٰہی اور نعیم جنت سے دور اور نار بعد و فراق میں جلائے جائیں گے (ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں)

فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ کافروں کو جہنم کی آگ کے دائمی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔

شفاعت کی برکت حدیث شریف میں ہے کہ جہنم پر ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ خالی ہو جائے گی اور اس کے دروازے کھٹکائے جائیں گے تو اندر سے جواب دینے والا کوئی نہ ہوگا اس لئے کہ محبوبانِ خدا کی شفاعت سے اس کے مکینوں کو بہشت میں بھیجا جائے گا۔

سوال: آیت میں دائمی عذاب کی تصریح ہے اور حدیث اس کے خلاف گواہی دیتی ہے اسی لئے چاہیے کہ حدیث کو نہ مانا جائے کیوں کہ یہ قرآن کے خلاف ہے اور وہ حدیث جو قرآن کی صریح آیت کے منافی ہے وہ چھوڑ دی جائے۔[ف۱]

جواب: آیت کی تصریح جملہ طبقات جہنم کے لئے ہے اور حدیث شریف میں طبقۂ عُلیا کے لوگ مراد ہیں کیوں کہ یہ طبقہ صرف گنہگاروں کے لئے خاص ہے۔[ف۲] جب گنہگاروں کو محبوبانِ خدا کی شفاعت سے بہشت میں لایا جائے گا تو صرف یہی طبقہ خالی رہ جائے گا۔

ازالۂ وہم: بعض اہل مکاشفہ صوفیہ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ کوئی جہنم میں اس میں نہ رہے گا اس سے بھی یہی طبقہ مراد ہے اور وہاں کے مکین اہل توحید یعنی گنہگار مسلمان ہوں گے اور فرمایا کہ جہنم پر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس میں بندگانِ خدا سے خالی ہو جانے کے بعد گھاس (جرجیر) آگ آئیگی۔ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا جب جہنم میں کافروں کو پھینکا جائے گا اور کافروں کو جہنم میں ایسا پھینکا جائے گا جیسے ہم لکڑیوں کو بہت بڑی آگ میں دور سے پھینکتے ہیں۔

نکتہ: اطراح کے بجائے القاء لانے میں کفار کی تحقیر مطلوب ہے اور ظاہر کرنا ہے کہ دوزخ نہایت ہی عمیق گڑھا ہے۔ (نعوذ باللہ منہا)

سَمِعُوْا لَهَا تو جہنم سے سنیں گے یعنی خود جہنم سے نہ اس کی کسی اور متعلق شے سے یہ محذوف سے متعلق اور شَهِيْقًا سے حال ہے کیوں کہ یہ دراصل صفت ہے لیکن چونکہ مقدم ہوئی ہے اسی لئے حال واقع

ف۱: یہ سوال وہابیوں کا ہے اگرچہ تفسیر میں تصریح نہیں لیکن ہمارے زمانہ میں اس طرح کے مشغلہ بن گیا ہے (اویسی غفرلہ)

ف۲: ہمارا عقیدہ شفاعت بھی اہلِ ایمان کے لئے ہے اگرچہ مطلق شفاعت کافروں کے لئے بھی ہوگی۔

ہوئی۔ دراصل عبارت یوں ہے سمعوا کائن لھا شھیقًا شہیق سے گدھے کی آواز مراد ہے جو تمام آوازوں سے مکروہ تر اور ڈراؤنی ہے اس سے اس کا غضب مراد ہے یعنی اس کی آواز مکروہ اور ڈراؤنی ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ نے اہل بہشت کے لئے فرمایا۔ لا یسمعون حسیسھا وہ اس کی آواز بھی نہ سنیں گے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ الشہیق سینے کی آواز اور الزفیر، حلق کی آواز کو کہا جاتا ہے۔ یا شہیق گدھے کی آخری آواز جو نہایت ہی قبیح تر ہوتی ہے اور الزفیر اسکی ابتدائی آواز در حقیقت الشہیق بمعنے سانس کو کاردکرنا اور الزفیر بمعنی سانس نکالنا ہے۔ وَّهِيَ تَفُوْرُ در آنحالیکہ وہ ہانڈی کی طرح جوش مارتی ہوگی بوجہ شدۃ تپش اور گرمی کے اور وہ دلنے کی طرح اوپر نیچے ہوتے نظر آئیں گے جوش کی وجہ سے انہیں قرار نہ ہوگا

حل لغات فور بمعنی جوش سے ابلنا، اطلاق آگ ہانڈی اور غضب میں آتا ہے پانی کے جوش میں اس کا اطلاق مجازی ہے اور وہ ہانڈی کی مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

سوال: آیت کے لفظ اذا سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آگ کا شور کفار کے دوزخ میں ڈالے جانے کے وقت ہوگا اور وہی تفور سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈالے جانے کے بعد ہوگا۔

جواب: دوزخ کا شور اسی وجہ سے ہوگا جو اس میں تپش اور گرمی ہے اور اذا القوا کی تاویل یہ ہے کہ جب ان کے متعلق دوزخ میں ڈالے جانے کا ارادہ کیا جائے گا یا جب ڈالے جانے کے قریب ہوں گے اس لئے کہ شہیق کے آواز کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان کے دوزخ میں ڈالے جانے سے پہلے ہو۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ دوسرا جملہ ہے تمیز دراصل تتمیز (دو تاء کے ساتھ) تھا بمعنی انقطاع وانفصال بین المتشابہات یعنی ملی جلی چیزوں کے درمیان انفصال و انقطاع اور الغیظ بمعنی بہت زیادہ غصہ وغضب مثلاً کہا جاتا ہے "یکاد فلان ینشق من غیظ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب کہ کو غضب میں افراط کے ساتھ موصوف کیا جائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قریب تھا کہ وہ دوزخ سخت غضب سے پھٹ جاتی یعنی قریب تھا کہ اس کی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی اور اس کا ایک حصہ جدا ہو جاتا یہ صرف کا فروں پر سخت غصہ و غضب کی وجہ سے ہوگا۔

فائدہ: ان میں قوت تاثیر اور ان کی طرف ضرر پہنچانے میں اشتعال نار کو غیظ و غضب والے کے غیر پر غضب کرنے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے یہ ان پر انیصال ضرر میں مبالغہ کی وجہ سے ہے ایسا استعارہ اسم غیظ کے لئے استعمال کیلئے استعارہ تصریحیہ ہے۔

فائدہ: امام (فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا اس مجاز کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ غضب کے وقت دل کا خون کھولتا ہے اس سے اس کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے اور رگیں پھول جاتی ہیں یہاں

تک کر قریب ہوتا ہے کہ وہ پھٹ جائے۔

نکتہ: المناسبات میں ہے کہ تمیز کی ایک تار حذف کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں افتراق واتصال اتنا سرعت سے ہوگا کہ اسمیں ادراک کا امکان نہ ہوگا یہ سب کچھ مالک حقیقی کے غضب و غصہ کی وجہ سے ہوگا۔

شان نبوت اور دوزخ کا منظر

دوزخ کو ایک ہزار لگام سے جکڑا جائے گا اس کی ایک ایک لگام کے ساتھ ستر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جسے کھینچ کر میدان قیامت میں لایا جائے گا دوزخ اپنی طاقت سے فرشتوں کی باگیں توڑ کر کافروں پر حملہ کرے گی جس سے تمام باگیں ٹوٹ جائیں گی اور وہ اہل محشر کو تتاڑتی ہوئی کہے گی کہ آج میں ان سے بدلہ لونگی جو رزق تو خدا کا کھاتا لیکن پرستش غیر کی کرتا اسے سوائے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ کے کوئی نہ روک سکے گا آپ اس کا اپنے نور مبارک سے مقابلہ کریں گے تو وہ ہٹ جائے گی حالانکہ ہر فرشتے کی قوت اتنا زبردست ہے کہ اگر اس کے ایک کو حکم ہو کہ وہ زمین اور اس کے جملہ پہاڑوں کو اکھیڑ کر اوپر کو لے جائے تو وہ بلا تکلف یہ سب کچھ کر سکتا ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس قوت کا مظاہرہ ۔ دنیا میں ہو چکا ہے چنانچہ فرمایا کہ میں نے آگ کو پھونک مار کر بجھا دیا ورنہ وہ تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی ۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا نار عالم نور سے ہے اور نفس کی فطرت کا تقاضا ہی ہے کہ وہ آگ اس پر سختی کرے ان کو آپس میں منافرت ہے جب منافرت بڑھتی ہے تو دشمنی اٹھتی ہے اسی وجہ سے آگ نفوس پر غیظ وغضب کرے گی۔

فائدہ: اس مضمون آیت اور دیگر آثار صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آگ میں دوسرے احیاء کی طرح حیات وشعور ہے اسی لئے اس سے وہی صادر ہوتا ہے جو دوسرے احیاء سے اہل اللہ کے نزدیک یہاں مجازی معنیٰ کے ارتکاب کی ضرورت نہیں بلکہ اسی طرح جملہ ایسی اشیاء میں حیاۃ ہے ان میں کسی ایک کے لئے مجازی معنیٰ لینا ناموزوں ہے۔

معجزۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا راستہ میں مجھے پیاس کا تقاضا ہوا عرض کی تو آپ نے فرمایا کہ اس سامنے والے پہاڑ کو میرا سلام کہنا اور اس سے پانی طلب کرو اگر اس کے پاس پانی ہوگا۔ تو دیگا فرماتے ہیں کہ میں نے کہا "السلام علیکم اے پہاڑ" تو پہاڑ نے بزبان فصیح عرض کی لبیک یا رسول اللہ" میں نے اپنا حال سنایا تو کہا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا سلام عرض کرکے کہنا کہ جب

سے میں نے آپ سے آیت فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ سُنی ہے اس روز سے
رو رہا ہوں کہ کہیں وہی پتھر میں نہ ہوں کہ جس کا ایندھن پتھر بتایا گیا ہے اسی روز سے رونے کی وجہ سے
اب میرا پانی ختم ہے کُلَّمَآ اُلْقِیَ الالقاء بمعنی ڈالنا۔ پھینکنا۔ جب پھینکی جائے گی فِیْهَا جہنم میں
فَوْجٌ کافروں کی ایک جماعت انہیں وہ زبانیہ (فرشتے) آگ میں ڈالیں گے جو غیض وغضب سے
بھرپور ہوں گے اور کافروں کے لئے تو سراپا غصہ ہی غصہ ہوں گے (ربط) یہ جملہ مستانفہ ہے۔ دوزخ کے
حالات کے ذکر کے بعد اس میں رہنے والوں کا بیان فرمایا سَاَلَهُمْ ان کافروں کی جماعت سے پوچھیں گے۔
"ہُم" کی ضمیر باعتبار فوج کے معنیٰ کا ہے۔ خَزَنَتُهَآ یعنی خازن نار اس سے مالک اور اس کے خدام
ان کا یہ سوال زجر وتوبیخ تاکہ ان کے عذاب وحسرت میں اضافہ ہو یعنی عذاب جسمانی کے ساتھ عذاب روحانی
میں بھی مبتلا ہوں۔ 'خزنتہ' خازن کی جمع ہے بمعنی حافظ وموکل وہ جس کے پاس کوئی خزانہ ہو۔

فائدہ: تاج المصادر الخزن بمعنی نگاہ رکھنا مال اور رازکی نگاہ رکھنا۔ اَلَمْ یَاْتِكُمْ فرشتے کہیں
گے اے کافرو اور فاجرو کیا تمہارے پاس دنیا میں نہیں آئے نَذِیْرٌ ڈرانے والے جو تمہیں آیات الٰہی سنا کر
ڈراتے اسی یوم سے انذر بمعنی ابلاغ لیکن یہ صرف خوف دلانے کے وقت ہوتا ہے اور دو مفعول کی طرف
متعدی ہوتا ہے۔[1]

قَالُوْا اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے کہ واقعی اللہ تعالیٰ ہمارے تمام اعذار توڑے کیونکہ انبیاء
علیہم السلام بھیجے انہوں نے ہمیں بتایا کہ ایسا ایسا کرو گے تو سزا پاؤ گے (رد فرقہ جبریہ) کفار یہ نہ کہیں
گے کہ ہم تو مجبور تھے اسی لئے کہ تیری تقدیر یونہی تھی بلکہ اپنا اختیار ظاہر کرکے عرض کریں گے کہ یہ ہماری
غلطی تھی ہم نے اپنے اختیار سے غلط کام کیا اور اس کے برعکس رہے جو اللہ تعالیٰ ہمارے لئے چاہتا تھا
ہمیں اس نے احکام پر عمل کرنے کا حکم فرما کر اس کے ساتھ ڈرایا بھی لیکن ہم نے مخالفت کی اس سے جبریہ
فرقے کا رد ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ انسان مجبور محض ہے اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں وغیرہ وغیرہ۔ بَلٰی
ڈرانے والوں کی آمد کی نفی کے ایجاب کے لئے ہے قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ہاں بے شک ہمارے ڈرانے والے آئے۔

سوال: صرف بلیٰ کہہ دینا کافی تھا۔ جملہ قد جاءنا لانے کی کیا ضرورت ہے

جواب: اعتراف میں مبالغہ اور سعادۃ تصدیق کے فوت ہونے پر اظہار حسرت میں مبالغہ ہے اور
وہ کوتاہی جو ان سے سرزد ہوئی اس کے بیان کی تمہید ہے' یعنی کافروں کا ایک گروہ کہے گا کہ بے شک
ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف ڈرانے والے آئے۔ نذیر واحد کا صیغہ اسی لئے ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت
بمنزلہ فرد واحد کے ہے جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام گویا ایک ہی ہیں یعنی وہ حضرات انبیاء

---

[1] تاج المصادر

علیہ السلام ہمارے ہاں تشریف لائے) اور اللہ تعالیٰ کے احکام ہمیں سنائے۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نذیر ہوں اور موت مُغیر غارت لانے والی ہے اور ساعۃ وعدہ ہے یعنی قیامت کی وعدہ گاہ ہے۔ **فَكَذَّبْنَا** تو ہم نے ان کی تکذیب کی اور کہا کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرانے والے نہیں ہو۔

سوال: اس حکم میں وہ فاسق داخل نہ ہو جو فسق پر اصرار کرتا ہے کیونکہ اس نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب نہیں کی۔

جواب: دلائل سمعیہ دلالت کرتے ہیں کہ فساق نے بھی مطلقاً یعنی کسی نہ کسی طریقے سے تکذیب کی اس لئے وہ اس حکم تکذیب میں داخل ہیں اور فوج سے یہاں پر ان کے وہ بعض کافر مراد ہیں جو جہنم میں پھینکے جائیں گے جیسا کہ گزرا۔

وَقُلْنَا اور ان آیات کے بارہ میں جو ہمارے حق میں نازل ہوئی تکذیب میں حد سے گزر کر اور امور دنیوی میں اور احکام رسومیہ خلقیہ میں زیادہ منہمک ہونے کی وجہ سے تکبر کرتے ہوئے ہم نے کہا **مَا نَزَّلَ اللّٰهُ** اللہ تعالیٰ سے کچھ نازل نہیں ہوئی **مِنْ شَيْءٍ** کوئی شے چہ جائیکہ تم دعویٰ کر رہے ہو کہ ہم پر بہت بڑی آیات اُتری ہیں بلکہ اس کے بعض تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ کوئی رسول آیا ہے نہ کوئی کتاب اُتری ہے **إِنْ أَنْتُمْ** اے انبیاء تم اپنے دعویٰ میں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر آیات اُتاری ہیں کہ تم ان کی وجہ سے ہمیں عذاب سے ڈراتے ہیں نہیں ہو۔ **إِلَّا فِي ضَلٰلٍ كَبِيرٍ** مگر بڑی گمراہی میں یعنی حق وصواب کے بہت دُور ہو۔

سوال: ضمیر جمع کی کیوں حالانکہ ہر جماعت کفار کا صرف ایک ہی ڈرانے والے (نبی) علیہ السلام ہوتے۔

جواب: ایک (نبی علیہ السلام) ان سب کے لئے بمنزلہ جمع کے تھے تاکہ ان کی تکذیب اور تضلیل میں سرکشی میں مبالغہ کا اظہار ہو جیسے منزل (نازل کردہ کتب) کے ذکر میں منزل علیہ (جس پر کتب نازل ہوئیں) کا ترک ہے اس لئے کہ اپنے عموم میں بہت زیادہ واضح اور روشن ہے۔ **وَقَالُوا** اور بھی اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے کہ ہم سنتے سمجھتے کچھ نہ تھے۔ کیوں کہ **لَوْ كُنَّا** اگر ہم دنیا کچھ **نَسْمَعُ** کوئی بات سنتے ہوتے ہے

أَوْ نَعْقِلُ یا کچھ سمجھتے ہوتے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ سمع کی طرح توحید میں عقل بھی حجت ہے۔

نکتہ: سمع کو مقدم اس لئے کیا گیا کہ سمجھنے سے پہلے سننا ضروری ہے۔

فائدہ : سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ لو کنا الخ میں ممکن ہے اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان دو قسم ہے۔ تقلیدی و تحقیقی استدلالی کیوں کہ یہی نظر واستدلالی کا محتاج ہوتا ہے تحقیقی و عیانی کو نظر واستدلال کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیوں کہ عقل سے نہیں کشف سے حاصل ہوتا ہے **مَا كُنَّا** آج ہم نہیں ہیں **فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ** دوزخ والوں میں سے یعنی ان سے ہمیں شمار نہ کیا جائے جن پر آگ جلانے والی مقدر ہو چکی ہے اور نہ ہی ان کے تابعداروں میں سے یعنی شیاطین جیسا کہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **واعتدنا لهم عذاب السعير** اور ہم نے ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی، گویا جب انہیں جہنم کے نگران زجر وتوبیخ کرتے ہوئے کہیں گے کیا تم نے انبیاء علیہ السلام سے آیات پروردگار نہیں سنے کیا تم نے ان کی کوئی بات نہ سمجھی کہ تکذیب کر ڈالی اس کے جواب میں مذکورہ بالا معروضات سنائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اگر ہم انہیں دل کے کانوں سے سنتے یا ارواح کے عقول سے سمجھتے تو دوزخی نہ ہوتے لیکن ہم نے انہیں ان کانوں سے سنا جن پر مہر لگ چکی اور بیماری کا شکار ہو کر ان پر تالے لگ چکے۔

تفسیر عالمانہ (۱۱) **فَاعْتَرَفُوْا** تو وہ مجبور ہو کر اعتراف کریں گے لیکن اس وقت ان کا اعتراف انہیں فائدہ نہ دے گا۔ اعتراف بمعنی معرفت کا اقرار اور عین المعانی میں ہے یعنی وہ جرائم کے ارتکاب کا اقرار کریں گے۔ **بِذَنْۢبِهِمْ** اپنے گناہوں کا کہ انہوں نے اپنے اختیار سے ہی برے اعمال کا ارتکاب کیا یہاں ذنب سے کفر اور آیات الٰہی اور رسل کی تکذیب مراد ہے۔

فائدہ : ذنب کو واحد لانے میں اشارہ ہے کہ جمع کا معنیٰ دے سکتا ہے اس لئے کہ یہ اسم جنس ہے جو قلیل و کثیر کو شامل ہوتا ہے اس سے کفر مراد ہے وہ اگرچہ کئی انواع پر مشتمل ہے لیکن بحکم کفر ملۃ واحدۃ ایک شے ہے اور یہی جرم کا منتہیٰ اور خلود آبدی فی النار کا مقتضی ہے **فَسُحْقًا** تو دوری، مصدر موکد متعدی مزید بحذف الزوائد ہے دراصل فاسحقهم تھا۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بعید کیا سحقا ای اسحا بمعنی ابعاداً دور کرنا بوجہ ان کے گناہوں کے یا سحقا اسی فعل پر مرتب ہے اب اصل ہوگا، فاسحقهم اللہ فسحقوا یعنی انہیں اللہ تعالیٰ نے بعید کیا تو وہ بعید ہو گئے۔

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں سحق الشی بروزن کرم بمعنی بُعد۔ فهو سحيق بمعنی بعید۔ بعض نے کہا یہاں یہ اپنے معنیٰ پر ہی ہے بعض نے کہا یہاں دعا کے طور ہے گویا اللہ تعالیٰ نے بندوں کو سکھایا ہے کہ ان پر یونہی دعا کریں (تیسیر) خلاصہ یہ ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے خوب دور فرمایا۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کے طور ملایا تاکہ معلوم ہو کہ وہ لوگ ایسی دعا کے مستحق ہیں اور جیسے کہا گیا ہے ان پر عنقریب ایسے واقعے ہوگا کہ عنقریب وہ تباہ و برباد ہوں گے لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ لام بیانیہ ہے لعیث لک کی طرح اسی سے شیطان اور دوزخ میں داخل ہونے والے کفار مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے جنت کے قرب سے بعید اور بعد و فراق کی جہنم کے قریب کر دیا۔

تفسیر عالمانہ (۱۲) اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ بے شک وہ لوگ جو اپنے پروردگار سے غائبانہ ڈرتے ہیں) یعنی اس کے عذاب سے اس نے یوم قیامت یا یوم موت یا یوم قبر مراد ہے یعنی ایسے ڈرتے ہیں کہ گویا عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے ہے حالاں کہ وہ ان سے غیب ہے۔ اور انہوں نے اسے ابھی دیکھا بھی نہیں یہ اس وقت ہے کہ بِالْغَیْبِ مضاف مقدر سے حامی ہے یا معنیٰ ہے۔ "غائبین عنہ" وہ اللہ والے غیب ہیں یعنی یہ لوگ اس کے عذاب کا معائنہ نہیں کر رہے اور نہ ہی انہیں احکام آخرت کا مشاہدہ ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ یہ لوگ لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہیں اس لئے کہ یہ ان منافقین کی طرح نہیں کہ جب اہل ایمان کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مومن ہیں اور جب اپنے شیاطین کو تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور اہل ایمان کے ساتھ ہم ٹھٹھا مخول کرتے ہیں اس معنیٰ پر یہ یخشون کی ضمیر سے حال ہے۔

بہترین تفسیر آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے پروردگار سے اس شے کے ساتھ ڈرتے ہیں جو ان سے پوشیدہ ہے یعنی دل کے ساتھ۔ اس معنیٰ پر با استعانت کی ہے جو یخشون کے متعلق ہے اور الف لام موصول کا ہے۔

عشق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جگر سے دل جل جانے کے دھوئیں کی بو سونگھی جاتی تھی جب کہ وہ حق تعالیٰ کے خوف سے جل گیا تھا۔

خوف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو آپ کے قلب اطہر سے جوش مارنے والی ہانڈی کی سی آواز سنائی دیتی تھی جب کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گریہ فرماتے تھے۔

فائدہ: الازیز بمعنی ہانڈی کا جوش مارنا۔ بعض نے کہا بمعنی ہانڈی کی آواز اور مرجل بمعنی تانبے کی ہانڈی۔

لَھُمْ مَّغْفِرَةٌ ان کے لئے بڑی مغفرت ہے ان بڑے گناہوں سے جو ان سے صادر ہوئے

یاد رہے کہ کامل سرور اس وقت نصیب ہوتا ہے جب انسان کو کامل عطا نصیب ہو وَاَجْرٌ كَبِيْرٌ
اور بہت بڑا اجر" یعنی آخرت میں بہت بڑا ثواب عطا ہو گا۔ اور یہ ان کے لئے محض فضلِ الٰہی کے
طور ہوگا اور ان کا بڑا اعزاز و اکرام ہو گا یہ اجران آلام کے شدائد سے ہو گا جو انہیں دنیا میں پہنچا اس
اکرام کو دیکھ کر وہ دنیا کی لذتوں کو لاشے۔ (حقیر) محسوس کریں گے۔

فائدہ: مشائخ فرماتے ہیں کہ اجر سے مراد شدائد و مکارہ سے امان مراد ہے یعنی خوفِ خدا والوں کو جس
خوف سے ڈرنے سے امان ہوتی ہے

۱ : لا تخافوا مژدۂ ترسندہ است
ہر کہ می ترسد مبارک بندہ است

۲ : خوف و خشیت خاص دانایان بود
ہر کہ دانا نیست کے ترسان بود

۳ : ترسگاری رستگاری آورد
ہر کہ دارد آرد عوض دریان بود

ترجمہ ۱ : ڈرنے والوں کو لا تخافوا (نہ ڈرو) کا مژدہ ہے جو ڈرتا ہے۔ وہ برکت والا ہے۔
۲ : خوف و خشیت داناؤں کا خاصہ ہے جو دانا نہیں وہ ڈرے گا کب۔
۳ : خوف خداوندی نجات لاتی ہے جو یہ رکھتا ہے اس کا عوض ہر درد درمان نصیب ہو گا۔

نسخہ روحانی: پہلے عقل ضروری ہے پھر خوفِ خداوندی نصیب ہوتا ہے۔

حکایت ایک کسریٰ بہت بڑا دانا تھا اس نے اپنا ملازم مقرر کر رکھا تھا جس پر حکم تھا کہ جب
لٹ کر میرے سامنے ہو اور میں پورے ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ تخت پر بیٹھا ہوں تو کہنا
انت عبد (تو ایک بندہ ہے) (اسے بہت بار دہراتے رہنا) جب وہ ملازم یہ کلمہ دہراتا بادشاہ سر
ہلا کر کہتا۔ ہاں۔ ہاں میں ایک معمولی بندہ ہوں۔

سبق جو بھی مکر نفس سے خوف زدہ ہوتا ہے وہ ایسے ہی کرتا ہے اور دل سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے
والوں کا عموماً اسی طرح کا حال ہوتا ہے۔

فائدہ: حضرت مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا خوف امید سے مقدم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنت
و دوزخ کو پیدا فرما کر ارشاد فرمایا کہ تم بہشت میں دوزخ سے گزر کر اس میں داخل ہوں گے قال و ان
منکم الا واردھا تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس میں وارد نہ ہو۔

فائدہ: حضرت فضیل قدس سرہ فرماتے ہیں جب تم سے سوال ہو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہو تو چپ رہو

اگر کہو گے نہیں تو پھر تمہارے نامہ اعمال میں بہت بڑا گناہ لکھا جائے گا۔ اگر کہو کہ ہاں تو بھی غلط ہے کیونکہ جس حال پر زندگی بسر کر رہے ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کی زندگی نہیں دیکھئے حضرت خلیل علیہ السلام کو جب اپنا خلیل بنایا تو ان کے دل میں اپنا اتنا خوف ڈالا کہ وہ آپ کے دل کی دھڑکن کی آواز ایسے دور سے سنائی دیتی جیسے پرندے کے ہوا پر اڑنے کے وقت آواز اٹھتی ہے۔

فائدہ: حضرت فضیل قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو خوف کی دولت کیسے نصیب ہوئی آپ نے فرمایا کہ قلت ذنوب سے کیونکہ خوف کے اسباب میں سب سے پہلا عقل سلیم ہے۔ ترک عصیان سے ہی عقل سلیم کو کمال نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ اگرچہ ترک عصیان ہی سے خوف کا نتیجہ برآمد ہوتا ہے لیکن قلب کو رقت نصیب ہوتی ہے تو ترک عصیان سے اس سے پھر خوف میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ قلب جو سخت ہوا سے خوف نہیں اسی لئے کہ اس کی عقل ضعیف مغلوب ہو چکی ہوتی ہے۔

نکتہ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ عقل شوہر اور نفس اس کی زوجہ روح جسم بمنزلہ گھر کے ہے جب عقل نفس پر غلبہ پاتی ہے تو نفس جسم کی اصلاح میں لگ جاتا ہے جیسے وہ عورت جو اپنے شوہر سے مغلوب ہو تو وہ گھر کی اصلاح کا سوچتی ہے اس لئے ایسے شوہروں کے گھریلو معاملات صحیح ہوتے اور جب نفس عقل پر غالب ہو جاتا ہے تو نفس کی جدوجہد فساد کے لئے ہوتی ہے جیسے وہ عورت جو شوہر پر غالب ہو تو گھریلو معاملات نہیں سنورتے ؎

۱: مبر طاعت نفس شہوت پرست
کہ ہر ساعتش قبلہ دیگر است

۲: کرا جامہ پاکست وسیرت پلید
در دوزخش را نباید کلید

ترجمہ: نفس شہوت پرست کی طاعت نہ کر اس لئے اس کا ہر لحظہ قبلہ نیا ہے۔
جس کا کپڑا تو پاک ہو لیکن سیرت خبیث تو اسے دوزخ کے دروازے کی کنجی کی ضرورت نہیں ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ (اپنا بات چھپاؤ یا ظاہر کرو)
یہ خطاب مشرکین کو ہے۔

شانِ نزول

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی اس لئے کہ وہ لوگ حضور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ناگوار باتیں کہتے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی باتوں کی

خبر دے دیتا اسی لئے کفار آپس میں کہتے یار و نبی علیہ السلام کے بارے میں آہستہ کہو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خدا ہماری باتیں سن کر انہیں نہ بتا دے اسی لئے انہیں کہا گیا کہ آہستہ کہو یا کھل کر ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کیوں کہ اس کے ہاں پوشیدہ اور کھلی بات برابر ہے اس لئے کہ اس کے علم کا تعلق سب سے ہے۔

فائدہ: یہ امر تہدیدی ہے تکلیفی نہیں۔

نکتہ: پوشیدہ باتوں کی کھلی باتوں پر مقدم کرنے سے انہیں رسوا کرنا مطلوب ہے انہیں بتانے ہے کہ جس ڈر سے تم آہستہ بولتے ہو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں۔

نکتہ: اس سے باری تعالیٰ کے علم محیط کی خبر دینا ہے کہ اس کا علم جمیع معلومات کو گھیرے ہوئے ہے کہ تم پوشیدہ بات کہتے ہو تو وہ اس کے لئے کھلی باتوں سے زیادہ روشن ہے اگرچہ اس کے علم کے تعلق کے اعتبار سے ہر دونوں برابر ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا علم معلومات کیلئے بطریق حصول الصور کے نہیں بلکہ ہر شے کا وجود علم ہے یا اس کی تقریر یوں کرو کہ پوشیدہ بات کی تقدیم بوجہ مرتبہ ہے کیوں کہ پوشیدگی مرتبہ کے لحاظ کھلی بات، مقدم ہے اس لئے جو بات ظاہر کی جاتی ہے وہ پہلے قلب کے اس گوشہ میں ہے جس سے پوشیدہ باتوں کا تعلق ہے اسی لئے علم الٰہی کا تعلق پہلے اس سے ہوتا ہے بعد کو ظاہر ہونے والی بات سے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (بے شک وہ سینوں کے اسرار خوب جانتا ہے) اس کا علم تمام لوگوں کے پوشیدہ اسرار کو محیط ہے وہ کتنا ہی ان کے سینوں میں مخفی ہوں انہیں جانتا ہے کوئی شے بھی اس کے علم سے پوشیدہ نہیں تو پھر وہ امور اس سے کیسے مخفی رہ سکتے ہیں جنہیں تم چھپاتے ہو یا ظاہر کرتے ہو۔

فائدہ: یہ بھی جائز ہے کہ یہاں صدور سے وہ قلوب مراد ہوں جو سینوں میں ہیں اب معنی یہ ہوا اللہ تعالیٰ تمہارے ان اسرار و احوال کو جانتا ہے جو تمہارے سینوں کے اندر قلوب میں ہیں بہرحال اس سے کوئی راز مخفی او رچھپا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ قاشانی مرحوم نے فرمایا کہ وہ تمہارے سینوں کے اسرار کو خوب جانتا ہے اس لئے کہ وہ اسرار اس کے علم کا عین ہیں۔

سوال: صدور جمع ہے ذات واحد چاہیے تھا کہ بذوات الصدور ہو۔

جواب: یہاں صدور کی جنس مراد ہے۔

فائدہ: ذات ذی کی مونث ہے بمعنی صاحب اور یہاں مضاف محذوف کر کے صفت اس کے

قائم مقام رکھی گئی ہے دراصل علیم بالمفردات صاحبۃ الصدور تھا اور اس سے وہ خواطر مراد ہیں جو دل میں قائم ہیں ۔ جیسے آرزوئیں اور وہ خیالات دل پر گزرتے رہتے ہیں اور ان کے صاحب کا ذکر اس کے لزوم کی وجہ سے ہے جیسے دودھ کو صاحب الاناء اس لزوم کی وجہ سے کہا جاتا ہے ایسے وہ بچہ جو ابھی پیٹ میں ہے اس کی ماں کو ذوالبطن کہتے ہیں تو اسی لزوم کی وجہ سے ۔

تفسیر عالمانہ (۱۴) اَلَا یَعْلَمُ کیا وہ نہیں جانتا ۔ مَنْ خَلَقَ جسے اس نے پیدا کیا ہے ۔ یعنی کیا وہ نہیں جانتا سر وجہر کو جس اپنی حکمت سے تمام اشیاء کو پیدا کیا ۔ جب کہ یہ سر وجہد انہیں سے ہیں یہ نفی انکار اللہ تعالیٰ کے عدم علم محیط بکل ایسے انکار نفی چاہیے یعنی مضمر ومظہر سب کو جانتا ہے اور من یعلم کا فاعل ہے اور جائز ہے کہ یہ منصوب ہوا اور یعلم کا مفعول یہ ہے اس کا عائد محذوف ہے دراصل الا یعلم اللہ من خلقہ کیا اللہ تعالیٰ اسے نہیں جانتا جسے اس نے پیدا کیا ۔ وَهُوَ حالانکہ وہ اللَّطِيفُ دقائق الاشیاء کو جانتا ہے یہاں تک کہ کالی رات میں سخت پتھر پر چیونٹی کے آثار کو بھی جانتا ہے ۔ الْخَبِيرُ ان کے بواطن (باطنی امور) کو جانتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ وہ اپنی مخلوق بواطن وظواہر کو جانتا ہے بلکہ وہی ہے حقیقۃً ظاہراً اور باطناً بھی صرف فرق وجوب وامکان اور بہ طلاق وتقیید اور احتجاب الہویۃ بالعندیۃ والحقیقۃ بالتشخیقۃ کا ہے اور بس ۔

سوال : لطیف کے بعد خبیر کا ذکر تکرار محض ہے ۔

جواب : اس میں کوئی تکرار نہیں امام غزالی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ لطیف وہ ہے جو مصالح کے دقائق کو جانے اور ان کے غوامض پر مطلع ہو بلکہ ان سے دقیق امور سے خبر رکھے بلکہ ان سے لطیف تر ہیں اشیاء کو جانے اور پھر ان مصالح کو جن کے لیے پیدا کئے گئے ہیں کی طرف نہایت نرمی سے پہنچائے جائیں جنہیں کسی قسم کی سختی نہ ہو جب فعل میں رفق اور ادراک (پہنچانے) میں لطف کا اجتماع ہو جائے لطف کا معنی مکمل سمجھا جاتا ہے اور علم وفعل میں کمال کا تصور صرف ذات باری تعالیٰ کے متعلق ہو سکتا ہے اور بس اور خبیر وہ ہے جس سے اخبار باطنہ پوشیدہ نہ ہوں ملک وملکوت جو ہے ان میں ہر حرکت وسکون بلکہ ہر سانس کی حرکت وسکون کی اسے خبر ہے خبیر بمعنی علیم ہے صرف فرق اتنا ہے کہ جب علم کی اضافت مخفی امور کی طرف ہو تو اسے خبرۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کے جاننے والے کو خبیر کہا جاتا ہے بلا اضافت ہو تو وہ اسے علیم کہتے ہیں ۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں ہم فقراء کہیں جا رہے تھے تو کھانا میسر نہ آنے سے ہمیں بھوک نے گھیر لیا ہم حضرت ابراہیم خواص قدس سرہ کے ہاں چلے گئے میں نے دل میں خیال کیا کہ کیا یہ شیخ ہم فقراء کے دل کے راز سے واقف ہوگا میں اس تصور میں تھا کہ شیخ نے مجھے فرمایا کہ جو ضرورت در پیش ہو وہ اللہ تعالیٰ سے کہی جائے کیا تمہارا عقیدہ نہیں کہ وہ علیم ہے اس سے کہو جو کہنا ہے اس کے بعد خاموش ہوگئے ہم ان سے اٹھ کر اپنی منزل کو واپس لوٹے تو ہمیں ضرورت کی اشیاء مل گئیں۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ جب اس کا عقیدہ ہے کہ میرا خدا میرے ہر حال پر مطلع ہے بلکہ میرے دل کے ہر راز کو جانتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنی ضرورت کو اس کی طرف پھیر دے جو کچھ مانگنا ہے دل ہی دل میں اسی سے مانگے یہاں تک کہ زبان پر حاجت کو لانے کی ضرورت نہ ہو کیوں کہ وہ اپنے بندوں کیلئے لطیف ہے۔ اس کا یہ لطف کچھ کم نہیں کہ وہ ان کی ضروریات سہولت سے ان کے ہاں پہنچا رہا ہے یہاں تک کہ کھانے کی روٹی بھی ورنہ غور کرے کہ صرف ایک روٹی کے حصول کیلئے بہت سے لوگ آنکھوں پر کئی راتیں گزار دیتے ہیں تب کہیں اسے کچھ نصیب ہوتا ہے اور یہ روٹی بھی آسانی سے تیار نہیں ہوتی اس کے بندے اس کی تیاری میں محنت کرتے ہیں مثلاً کسان کو دیکھئے زمین میں بیج ڈالنے سے لے کر اس کے کاٹنے اور صاف کرنے تک کتنا مشقت اٹھاتا ہے پھر روٹی پکانے میں کتنا تکلیفیں پیش آتی ہیں کہ دانے پیسنے سے لیکر پکانے تک کتنا کام کرنا پڑتا ہے مقام غور ہے کہ دانے زمین میں ڈالنے سے لیکر کھانا پکنے تک کتنا آلات لکڑیاں۔ لوہا۔ پتھر اور جانور اور انسان کام کرتے رہے جن کا شمار نہیں ہو سکتا اسی طرح ہر وہ نعمت جو انسان کو نصیب ہوتی ہے اس کے حصول سے پہلے غور کرے کہ اس کی تیاری میں کتنا دکھ درد اٹھائے گئے۔ ایسے معلومات ملبوسات مشروبات سب پر انسان غور فرمائے کہ وہ کتنا مشقات کی منازل کر کے اس کے ہاں پہنچے اگر کسی کو ان کے حصول میں خود کام کرتا تو اپنے عجز پر نگاہ ڈالے کہ اسے سوائے ہتھیار ڈالنے کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسے بلا مشقت ایسی کئی نعمتیں عطا فرماتا رہتا ہے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ ہر لطیف شے کو کثیف اشیاء میں ایسے محفوظ فرماتا ہے جیسے امانتیں مجہول جگہوں میں رکھی جاتی ہیں یہی وجہ ہے کہ سونا اور چاندی مٹی سے برآمد ہوتے ہیں۔ ایسے ہی دیگر جواہر کا حال ہے یا جیسے صدف کو موتی کا معدن اور مکھی کو شہد کا خزانہ اور کیڑے کو ریشم کا گنجینہ بنایا گیا ہے اسی لئے دل کو معرفت الٰہی کا محل و معدن مقرر کیا گیا ہے اور محبت کا مرکز بھی وہی ہے حالانکہ وہ ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اور دل کو صرف معرفت الٰہی کیلئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ دل کو تعلق ماسوی اللہ کی آلائش سے پاک رکھے یہ اللہ تعالیٰ کا لطف

ہے کہ اس نے انسان کے لئے دل پیدا فرما کر اپنے لئے اسے آگاہ کیا کہ وہ لطیف خبیر ہے وہ اس کے باطن سے مکمل طور آگاہ ہے جب اس کا دل منظر الٰہی ہے تو اس پر بھی لازم ہے کہ وہ اسے افکار و اغیار سے خالی رکھے اور اسے انواع معارف و علوم و اسرار سے سنگاریے تاکہ وہ مالک عزیز غفار پروردگار کے تجلیات کا مرکز بنے اور اس پر اسماء و صفات کے وجوہ بلکہ ذات حق کا جلوہ ہو دہم اللہ تعالیٰ سے اس کی نوازش اور اس کے جمال کے دیدار کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ هُوَ وہ واحد لاشریک لہ (اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ) وہ ہے جس نے تمہارے منافع کیلئے بنائی ہے اَلْاَرْضَ زمین۔

زمین کی پیمائش زمین کے مبلغ اور اس کی کیت میں اختلاف ہے

(۱) جناب مکحول رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا طول و عرض پانچسو سال کی مسافت ہے اس میں دو سو سال کی مسافت میں صرف دریا ہی دریا ہے دو سو سال کی مسافت خالی پڑی ہے جس پر کوئی بھی سکونت پذیر نہیں۔ اسی سال کی مسافت میں یاجوج ماجوج کا بسیرہ صرف بیس سال کی مسافت میں باقی تمام مخلوق مکین ہے۔

(۲) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ زمین جسے بحر محیط گھیرے ہوئے اس کا کل رقبہ چوبیس ہزار فرسخ ہے اس میں بارہ ہزار فرسخ پر سوڈانی ہیں، آٹھ ہزار فرسخ پر رومی اور تین ہزار فرسخ پر عجم و ترک ہیں اور ایک ہزار فرسخ پر اہل عرب ہیں۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ صرف چوتھائی ان سوڈانیوں کی جو ننگے پھرتے ہیں وہ تمام لوگوں سے زیادہ ہیں۔

(۴) بطلیموس حکیم نے کتاب مجسطی میں زمین کا قطر اور اس کی استدرۃ بیان فرمائی اور مجسطی وہ کتاب ہے جس میں وہ قواعد ہیں جن کے ذریعے اوضاع فلکیہ و ارضیہ کو دلائل تفصیلیہ سے بیان کیا گیا ہے فرمایا کہ زمین کا استدارہ ایک لاکھ اسی ہزار اسطار لوس ہے ایک اسطار لوس چوبیس ہزار میل کا ہوتا ہے اسی تقریر پر زمین کا کل استدارہ اسی ہزار فرسخ ہوا۔

میل کی تحقیق تین میلوں کا ایک فرسخ ہوتا ہے اور ایک میل تین ہزار کلی ہاتھ کا اور ہاتھ تین بالشت کا اور ایک بالشت چوبیس انگلیوں کی ایک انگلی پانچ جَو کی جن کے پیٹ آپس میں ملے ہوئے ہیں اور جَو سے مراد وہ ہے جس کا عرض خچر کے چھ بالوں کے موٹائی کے برابر ہو اس تقریر پر اسطار لوس چار لاکھ ہاتھ کا ہوا۔ اسی بطلیموس نے فرمایا کہ زمین کا قطر سات ہزار چھ سو تیس ۳ میل ہے یعنی دو ہزار پانچسو پینتالیس اور دو تہائی فرسخ اور فرمایا زمین کا طول ایک ارب بتیس کروڑ چھ لاکھ میل ہے یعنی دو کروڑ آٹھ ہزار فرسخ

فائدہ: صاحب الخزینہ نے فرمایا کہ اگر یہی بات حق ہو تو یہ وحی یا الہام ہے اگر صرف قیاس یا گمان ہے اور استدلال ہے تو بھی حق کے قریب ہے اور مکحول و قتادہ کا علم یقینی کا فائدہ نہیں دیتا جس پر ایک غیبی بات پر یقین کیا جاسکے۔

ذَلُوۡلاً نرم اور حد درجہ کی فرمانبردار جیسا کہ مبالغہ کے صیغہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر چلنا آسان ہے تاکہ تم وہ چیزیں حاصل کرسکو جو تمہیں نفع دیں یعنی زمین ایسا نرم اور تمہارا تابعدار بنایا کہ تم اس پر آسانی سے چل سکو اگر اسے پتھریلی اور سخت بناتا تو اس پر چلنا مشکل ہو جاتا یا اسے بالکل نرم اور انگوری کے لائق بناتا تو اس میں کنویں کھودنا اور چشمے اور نہریں بہانا اور تعمیرات کرنا اور کھیتی اور باغ لونا مشکل ہوتا اگر وا اور زیادہ پتھر کی طرح سخت ہوتی تو بھی مشکل ہوتا اگر گرمی میں سخت گرم اور سردی میں سخت سرد ہوتی تو کسی زندہ کو اس پر آرام کرنے کا موقعہ نہ ملتا اور نہ ہی مُردے دفنائے جاسکتے نیز اس پر پہاڑ گاڑ دیئے تاکہ ہچکولے نہ کھائے اور نہ ہی اس پر رہنے والوں کو منتقل کرکے دوسری جگہ پھینکے اگر اضطراب اور جھکاؤ تو ہمارے لئے تابع نہ ہوتی۔ زمین انسان کامل کی طرح ساکن و ساکت ہے۔ اور طرفہ یہ کہ خود اور اس کے حقائق قلم اعلیٰ اور ملائکہ مہیمہ کے بالمقابل ہے

خلاصہ یہ کہ زمین کو ایسے طریقہ سے بنایا کہ اس سے نفع اٹھایا جاسکے۔

زمین کی قسمیں

زمین کو چند اطوار پر تقسیم فرمایا:

(۱) کوئی حصے نرم گوشے (۲) کچھ پہاڑ (۳) کچھ جنگل،
(۴) کہیں دریا (۵) کہیں نہریں (۶) کہیں چشمے،
(۷) کہیں نمکین (۸) کہیں میٹھی (۹) کہیں کھیتی،
(۱۰) کہیں درخت (۱۱) کہیں مٹی (۱۲) کہیں پتھر
(۱۳) کہیں ریت (۱۴) کہیں ڈھیلے (۱۵) کہیں درندے
(۱۶) کہیں سانپ (۱۷) کہیں فارغ پڑی ہے۔ وغیرہ۔ جیسے اس کی حکمت و قدرت کا تقاضا تھا۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے النفس کو نرم پیدا فرمایا جو اس کی مخالفت سے اسے نرم کیا تو اس نے فتنوں اور بلاؤں اور محنتوں سے نجات پا گیا اور جس نے اسے نرم نہ کیا بلکہ اس کی اتباع کی تو اسے نفس ذلیل اور ہلاک کرے گا۔

حل لغت

اہل لغت کہتے ہیں **دابۃ ذلول** وہ جانور جس کی نرمی ظاہر ہے یا الذل (بالکسر) سے ہے بمعنی "لین و انقیاد" یعنی وہ جانور جو بہت زیادہ تابع حکم ہے وہ الصعوبۃ کی نقیض ہے الذلول ہر اس فرمانبردار کو کہتے ہیں جو تمہارا ہر طرح کا حکم ماننے الذل اگر بالضم ہو بمعنی

ذلیل ہو۔ (عزت کی نقیض ہے۔ امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا الذل وہ جو قہر سے ہو کہا جاتا ہے ذل یذل ذلا اور وہ جو تصعب و شماس کے بعد بغیر قہر کے ہو کہا جاتا ہے ذل یذل ذلا۔ بیہقی نے تاج المصدر میں لکھا ہے باب ثانی میں ہے آپ نے اسی کتاب میں لکھا کہ الذل کا باب بمعنی خوار اور تابع ہونا ایسے ہی مختار الصحاح میں ہے اور صاحب قاموس نے الذل کو صعوبۃ کی نقیض بتایا ہے بالضم والکسر صرف بمعنی الہوان (خواری) ہو تو صرف بالضم ہوگا۔ الذلول بر وزن فعول بمعنی فاعل اسی لئے اسے علامت تانیث سے خالی رکھا گیا ہے حالانکہ ارض مؤنث سماعی ہے اس کا تقاضا تھا کہ یہ ذلولۃ ہو فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا۔ (تو چلو تم اس کے کاندھوں پر چلو) فا جبل مذکور پہ امر کو مرتب کرتا ہے بعض کے نزدیک یہ امر اباحۃ کا ہے یعنی اس کے کاندھوں پر چلو یہ خبر بصورۃ امر ہے یہ بعض دوسروں کا مذہب ہے یعنی در اصل تمشون فی اطرافہا تھا۔ (خبر بمعنی امر ہے) اطراف کو مرد کے کاندھوں کی طرح بنایا گیا ہے کیوں کہ اس کی دو جانبیں ہوتی ہیں گویا زمین کے جوانب (کناروں) کو انسان کے کاندھوں سے تشبیہ دی گئی ہے اور جب لوگ زمین کے کناروں پہ چلتے ہیں تو گویا وہ زمین کے کناروں کو محیط ہے اور انہیں اس کے جمیع جوانب سے فوائد حاصل ہوں گے امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا المکب عضد (بازو) اور کتف کے مابین کی اجتماع گاہ اس سے زمین کے لئے استعارہ کیا گیا ہے اسی آیت فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا جیسے دوسری آیت میں ظہر (پیٹھ) سے استعارہ کیا گیا جیسے فرمایا ما ترک علی ظہرہا (نہ چھوڑا زمین کی پیٹھ پر) یا مناکب سے جبال مراد ہیں اور جبال سے ارتفاع (بلندی) کی وجہ سے استعارہ کیا گیا ہے۔

حکایت: حضرت بشیر بن کعب رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی تھی اسے فرمایا اگر تو مجھے مناکب الارض کی خبر دیدے تو آزاد ہے اس نے کہا مناکب سے جبال الارض مراد ہیں اس کے بعد وہ لونڈی آزاد ہو گئی۔ آپ نے اس لونڈی سے نکاح کا ارادہ کیا اس کے متعلق حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ "دع ما یریبک الی ما لا یریبک"

یہ کلمہ تذلیل کی مثال کے لئے بولتے تھے یعنی وہ جب غایۃ سے متجاوز ہو یعنی اونٹ کی تذلیل (نرمی) کی طرح نہ مطلقاً تذلیل (حواشی مفتی سعدی مرحوم) کیوں کہ اونٹ کا کاندھا تمام اعضاء سے نرم تر ہوتا وہ اس سے اپنے سوار کو خبر دیتا ہے کہ وہ اسے جس طرح چاہے اپنے قدم سے روندے یعنی جیسے چاہے سوار ہو جب زمین کی نرمی کو اس رنگ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ جیسے چاہو اس پر چلو تو پھر اس کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا جو نرم نہ ہو۔ اس سے جبال پہ وجہ تخصیص بھی معلوم ہو گئی جب مناکب سے جبال مراد ہوں لیکن جبال پہ چلنا مشکل سا ہوتا ہے جیسے اس دیوار کا جبل جو ہمارے اور یاجوج و ماجوج کے درمیان ہے اس کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ اس پر چلنے سے پاؤں ایسے پھسل جاتے ہیں کہ پاؤں جم نہیں سکتے بلکہ بعض پہاڑ تو ایسے

ہیں کہ ان پر چلنا ہو تو سکتا ہے لیکن مشقت سے لیکن ایسے پہاڑ نادر ہیں ان کی ندرت و قلب کی وجہ سے مناکب سے جبال مراد ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے جس نے تمہارے لئے ارض بشریہ کو نرم اور تابعدار بنایا تو اس کی بلند اور نچلی جسمانیہ لذات جو تمہارے لئے مباح ہیں بحکم شرع اس سے بقدر ضرورت حاصل کرو تاکہ تمہارے بدن کو تقویۃ اور تمہارے طاعات و عبادات کے اسباب تیار ہو تاکہ وہ بالکل ضعیف نہ ہوں اور نہ ہی عبادت سے سستی کریں۔

تفسیر عالمانہ وَكُلُوا مِن رِّزْقِهِ اور اس کا رزق کھاؤ یعنی زمین میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تلاش کرو۔ دانے اور میوہ جات وغیرہ وغیرہ۔

اگر امر اباحۃ کا ہو تو رزق سے حلال رزق مراد ہے اگر خبر صورۃ امر میں ہو یعنی تاکلون ہو تو جائز ہے تو رزق حلال و حرام دونوں کو شامل ہوگا کیوں کہ (اہلسنت کے نزدیک) وہ بھی رزق ہے اگرچہ اسے عمل میں لانا حرام ہے وَإِلَيْهِ اور اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہ کی طرف النُّشُورُ بعد مرنے کے اٹھنے کے بعد لوٹنا ہے تو اس کی نعمتوں کے شکر میں مبالغہ کرو۔

حل لغات کہا جاتا ہے " نشر اللہ المیت نشرہ احیاہ " اللہ تعالیٰ نے میت کو زندہ کیا۔ " ونشر المیت بنفسہ نشورا " زندہ ہوا زندہ ہونا۔ یہ متعدی بھی ہے غیر متعدی بھی رجعہ رجعا و رجو بنفسہ رجوعًا کی طرح ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ مردہ خود زندہ نہیں ہوتا سوائے اللہ تعالیٰ کے زندہ کرنے کے (کیوں کہ خود بخود میت کا زندہ ہونا محال ہے) ءَأَمِنتُم کیا تم بے غم ہو گئے ہو یعنی مکذب (تکذیب کرنے والے) ہو گئے ہو یہ استفہام توبیخ کا ہے ہمزہ پہلا استفہامیہ دوسرا کلمہ کا جزو ہے مَّن موصولہ ہے فِي السَّمَاءِ اس ذات سے جو آسمان میں ہے اس کا امر قضاء سے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا۔ وھو اللہ فی السموٰت و فی الارض وہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں ہے ءامنتم الخ کا حقیقی معنی ہے کہ کیا تم اس سے بے غم ہو جو زمین کا خالق و مالک ہے۔

ازالۂ وہم آسمان کی تخصیص اس لئے نہیں کہ وہ آسمان میں ہے اور زمین میں نہیں صرف اس لئے کہ ان کے معبود تو صرف زمین میں ہیں لیکن آسمان میں نہیں اسی لئے آسمان کا ذکر کیا تاکہ صرف اللہ تعالیٰ (معبود حق) کا تصور آجائے ورنہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہونے سے منزہ ہے کیوں کہ جہات اس کے لئے ہوتی ہیں جس کا جسم ہو اور اللہ تعالیٰ جسمانیۃ سے منزہ و پاک ہے یا آسمان اور زمین کے اوپر کی سمت مراد ہے اور اس سے بھی قدرت اور سلطنت مراد ہے نہ کہ مطلق فوقیت یہ تاویل اچھی طرح سمجھ لے تاکہ اہل سنت کے مذہب میں ثابت قدمی نصیب ہو ورنہ معتزلہ اور اس کی شاخ (وہابیت) اور ابن تیمیہ کی اتباع میں گمراہ ہو جاؤ گے (الکبریت الاحمر للشعرانی رحمۃ اللہ)

سوال : اگر اللہ تعالیٰ آسمان میں نہیں تو پھر دعا کے وقت ہاتھ آسمانوں کی طرف کیوں اٹھائے جاتے ہیں۔

جواب : چونکہ آسمان محل انوار و برکات اور دعا کا قبلہ ہے جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے اور قلب مومن کا قبلہ اللہ تعالیٰ کی جناب ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ طرفیہ ہو اس لئے کہ عرب کا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ (معبود حقیقی) آسمان ہے اب معنی یہ ہوا کہ بے خبر ہو اس ذات سے جسے آسمان میں گمان رکھتے ہو حالانکہ وہ مکان سے بلند و بالا ہے اور فتح الرحمٰن میں ہے یہ آیت بھی منجملہ ان متشابہات سے ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پوشیدہ رکھا ہے ہم اس پر ایمان رکھیں اور اس کے در پے نہ ہوں اس کا علم اللہ تعالیٰ کو سپرد کریں۔ من فی السماء محلاً منصوب ہے أمنتم کا مفعول بہ ہے۔

اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ یہ کہ تمہیں زمین میں دھنسا دے بعد اس کے کہ اسے تمہارے تابع بنایا ہے تم اس کے کاندھوں پر چلتے اور اس سے رزق کھاتے ہو لیکن تم نے ایسی بڑی نعمتوں کی ناشکری کی تو پھر وہ تم پر الٹ دیگا یعنی زمین میں دھنسا دے گا جیسے قارون کے ساتھ کیا۔ یہ امنتم سے بدل الاشتمال ہے اور باء ملابست کی ہے۔

حل لغات : الخسف زمین کے اندر چلا جانا الخسوف زمین کے اندر ہونا۔ الجوہری نے کہا خسف اللہ بفلان الارض، فلاں کو زمین میں غیب کیا (دبا دیا۔ دھنسا دیا) بعض نے کہا ایسے مقامات پر باء تعدیہ کی ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں زمین داخل کرے گا۔ لے جائے گا (دبائے گا دھنسائے گا)

فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ تو پھر تمہارے اس کے اندر چلے جانے کے بعد تھرتھرائے۔

حل لغات : القاموس میں ہے کہ المور بمعنی اضطراب و جریان زمین کے اوپر تلے نیچے ہونا اور بمعنی تحرک (متحرک ہونا) یعنی زمین تابع اور مطمئن ہونے کے باوجود اپنی عادت کے برعکس اوپر نیچے (متحرک) ہو گی۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ اے کافرو تمہیں اوپر کے بجائے تلے نیچے دبا کر چکر دے گی کہ ان کے بعض کے بعض حصے کھل جائیں گے تو محسوس ہوں گے کہ وہ زمین میں غوطہ لگا رہے ہیں تو پھر زمین اس کے اوپر چڑھ کر اسے تلے نیچے دبا دے گی تاکہ اسے زیادہ سے زیادہ عذاب ہو۔

اَمْ اَمِنْتُمْ یا تم مطمئن ہو اس میں دوسری تہدید کی طرف منتقل ہو رہے ہیں۔ **مَّنْ فِی السَّمَآءِ** اس سے جو آسمان میں ہے **اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا** یہ کہ تم پر پتھر برسائے آسمان سے جیسے لوط علیہ السلام کی قوم و اصحاب الفیل پر برسائے تھے یعنی تم آسمان والے کے پتھر برسانے سے بے غم ہو ان یرسل من سے بدل ہے اب معنی یہ ہوا کہ کیا اس نے تمہارے لئے ان دونوں سے امان دے رکھی ہے حالانکہ ان دونوں سے تمہیں کسی قسم کی امان نہیں تو پھر تمہارا شرک میں سرکش ہونے کو کہا **فَسَتَعْلَمُوْنَ** تو پھر تم عنقریب

ضرور جان لوگے فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ میرا ڈرانا کیسا ہے اسے جو منذر بہ کو مشاہدہ کے وقت اب اس سے پوچھونگا کہ کیا میرا عذاب واقع ہوا یا نہ وہ شدید ہے یا ضعیف یعنی جب تمہیں منذر بہ کی تحقیق ہو جائے گی تب تم یقین کروگے کہ میرے وعدہ کا خلاف ہرگز نہیں ہوتا اور میرا عذاب سخت ہے۔ اور راستے روکنے والا بھی کوئی نہیں لیکن اس وقت کا علم و یقین تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا اس معنیٰ پر نذیر و نکیر ہر دونوں مصدر بمعنی انذار و انکار ہیں یہ دراصل نذیری و نکیری تھے یائے متکلم محذوف ہو گئی ماقبل کی کسرہ پر اکتفار کی وجہ سے۔

فائدہ: برہان القرآن میں ہے۔

نکتہ: پہلے زمین کے دھنسنے سے ڈرایا گیا اس لئے کہ وہ زمین پر رہتے اور وہی انہیں زیادہ قریب ہے بعد کو آسمان کے پتھراؤ سے اسی لئے بعد کو مذکور ہوا۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ آیت اولیٰ میں اشارہ ہے جو مجھے آدمی رات کے وقت الہام کیا گیا کہ جو لحاف میں چھپ کر سوتے رہنا اور نماز کے لئے نہ جانا اور وقت سحر میں خدا تعالیٰ کے ساتھ مناجات (عجز و زاری کے لئے) نہ جانا اہل غفلت کیلئے عذاب ہے اور اس کیلئے معنوی خسف فی الارض ہے۔

حکایت: ایک عارف باللہ رات کو تہجد کیلئے اٹھا تو سردی ڈھلنے پہننے کے لئے کپڑا نہ تھا تو سردی کی شدت سے رونے لگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیام پہنچا کہ ہم نے تمہیں اپنی حاضری کی توفیق بخشی اور دوسروں کو غفلت کی نیند طاری کر دی یعنی تیرا تہجد کے لئے اٹھنا میری نعمت اور ان کا غفلت سے سوتے رہنا ان کے لئے سزا تو پھر تمہیں ہمارا شکر کرنا چاہیے نہ کہ کپڑوں کے نہ ہونے سے جزع فزع کرنا کیوں کہ غفلت کی مصیبت سے کپڑے کے نہ ہونے سے سخت تر ہے آیت ثانیہ میں مطر شدید کے آسمان سے نزول کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ یہ لمبا اوقات تہجد والوں کو قیام تہجد اور وضو و طہارۃ کے اشتغال سے روکتا ہے تو صورۃ رحمت میں ایک قسم کا غضب ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ تضییع اوقات نہ کی جائے اور شغل سے پہلے فراغت کو غنیمت سمجھا جائے (اللہ تعالیٰ ہم سب کو بیدار فرمائے)

تفسیر عالمانہ ۱۸ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور البتہ جنہوں نے ان سے پہلے تکذیب کی یعنی کفار کہ سے پہلے گذشتہ امتیں جیسے نوح علیہ السلام و عاد کی قوم اور ان جیسے اور لوگ اور صیغہ غائب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اعراض (روگردانی) کے لائق ہیں۔

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ تو کیسے ہے ان کا انکار کرنا میرے عذاب سے کہ وہ کتنا ہولناک اور گھبراہٹ والا ہے یہ تاکید قسمی کا مورد ہے نہ کہ صرف ان کی تکذیب اور اللہ تعالیٰ کا بندے سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ اس پر

سخت اور اس کے ساتھ ہولناک فعل کرتا ہے آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی اور قوم (کفار مکہ)
کو تہدید ہے ⑲ اَوَلَمْ يَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا کیا وہ غافل ہیں کیا ان کی نگاہ نہیں پڑی اِلَى الطَّيْرِ
پرندوں کو اس معنیٰ رؤیۃ بصریہ ہے کیوں کہ وہ الیٰ سے متعدی ہے ورنہ رؤیۃ قلبیہ فی سے متعدی ہوتا ہے الطیر
طائر (اسم) جنس یعنی پر والا جانور جو ہوا پر اڑے یہ جمع کا صیغہ ہے جیسے رکب راکب کی جمع ہے یا اس کا مصدر
ہے جسے اسم جنس بنایا گیا ہے اس میں تکثیر کے معنیٰ کی وجہ سے جمعیت ہے اسی لئے صافات کا موصوف ہے المفردات
میں ہے کہ یہ طائر کی جمع ہے فَوْقَهُمْ ان کے اوپر۔ یہ یَرَوا کی طرف ہے یا طیر کا حال ہے یعنی وہ
ہونے والے ہیں ان کے اوپر، "صافات" صف باندھ کر طیر سے حال ہے۔

حل لغات

الصف شئے کو خط مستوی پر بنایا جائے جیسے لوگوں اور درختوں کی قطار ایسے ہی اور
چیزیں اور "صافات" ایسے ہی وَّيَقْبِضْنَ کا مفعول پرندوں کے پر ہیں نہ کہ
خود طیر۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ در آنحالیکہ پرندے خلا میں اڑتے وقت اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں صف باندھ کر
یعنی پرندوں کے آگے والے پر صفوں کی طرح ہوتے ہیں اور وہ ہر پرندے میں دس ہوتے ہیں ان میں سے ایک
سب کے ہوتا ہے وَيَقْبِضْنَ اور سمیٹتے ہیں یعنی پرندے لحظہ بہ لحظہ پر جسم پر مارتے ہیں
اس طرح اڑنے پر انہیں قوت حاصل ہوتی ہے۔

نکتہ: قابضات کے بجائے یقبضن اختیار کیا گیا ہے اس میں ان کے لحظہ بہ لحظہ کے قبض پر دلالت
کرے اور پرندے کا ہوا پر اڑنا ایسے ہے جیسے پانی میں تیرنا ہوتا ہے تو جیسے تیرتے وقت کبھی ہاتھوں کو
سمیٹنا پڑتا ہے کبھی پھیلانا پڑتا ہے ایسے ہی پرندوں کو صف بندی کے وقت کبھی پر سمیٹتے ہیں کبھی پھیلاتے ہیں

فائدہ: ابن الشیخ نے فرمایا کہ یقبضن کا عطف صافات پر ہے بمعنیٰ قابضات ہے ورنہ فعل کا
عطف صافات پر ہے بمعنیٰ قابضات ہے ورنہ فعل کا عطف اسم پر نا جائز ہے مَا يُمْسِكُهُنَّ خلاء
میں اور صف بندی کے وقت انہیں گرنے سے نہیں روکتا۔

حل لغات

القبض طبع جسمانی مقتضائے طبع کے خلاف ہونا کیوں کہ جسم کا طبعی تقاضا ہے نیچے گرنا
اِلَّا الرَّحْمٰنُ مگر رحمٰن، جس کی رحمت ہر شئے کو وسیع ہے کہ اس نے انہیں
مختلف اشکال و خصائص پر پیدا فرما کر انہیں ہوا میں اڑنے کا سلیقہ سکھایا اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيْرٌ
بے شک وہ ہر شئے کو دیکھنے والا ہے اپنی پیدا کردہ اشیاء کی نئی پیدائشی اور عجائبات کی تدبیر۔ البصیر
وہ ہے جو ہر شئے کا مشاہدہ کرے اور دیکھے اور تحت الثریٰ تک اس سے کوئی شئے پوشیدہ نہ ہو۔ اللہ
تعالیٰ کے لئے بصیر کا معنیٰ ہے وہ وصف جس سے مبصرات کا کمال منکشف ہو اس معنیٰ پر بصر اللہ تعالیٰ کے

علم پر آیا۔ اصفت زائدہ ہے یہ تدبیہ کے خلاف ہے۔

فائدہ: جس نے اللہ تعالیٰ کی صفت سمجھ لی تو اس کی اس سے مراد دوام مراقبہ و مطالبہ نفس برائے وقت محاسبہ ہے مراقبہ ثمرات ایمان میں سے ایک ہے۔

حکایت ایک بادشاہ کی اپنے ایک غلام پر خصوصی توجہ تھی حالانکہ وہ دوسروں سے نہ تو زیادہ حسین تھا اور نہ ہی قیمتی۔ لوگ حیران تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے ایک دن بادشاہ سفر پر جنگل کی طرف روانہ ہوا کافی وزراء اور مشیران کار اور غلام اور نوکر چاکر اس کے ساتھ تھے راستہ میں ایک پہاڑ بہت دور جس پر برف کا تودہ پڑا نظر آیا بادشاہ نے اسے غور سے دیکھ کر آنکھیں نیچے کر لیں اسی غلام نے بھاگ کر فوراً وہی برف کا ٹکڑا پہاڑ سے آتار بادشاہ کے حضور لاکر پیش کر دیا حالانکہ نہ تو بادشاہ نے اس کا حکم دیا بلکہ اشارہ تک بھی کسی کو نہ دیا اور اس کی کسی کو کانوں کان علم تک نہ تھا۔ بادشاہ نے کہا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ برف کا ٹکڑا بادشاہ کو درکار ہے عرض کی جب آپ نے برف کو غور سے دیکھا تو مجھے خیال گزرا کہ بادشاہ بلاوجہ کسی شے کو غور سے نہیں دیکھتے اسی لئے حاضر کر دیا بادشاہ نے کہا اسی لئے میں اس غلام سے پیار کرتا ہوں کہ تم لوگ اپنے خیالات میں مشغول رہتے ہو اور اسے ہر وقت میرا خیال رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اور اس میں ارواح علویہ کے اس اڑنے کی طرف اشارہ ہے جو اجسام کی تخلیق سے دو ہزار سال پہلے پیدا ہوئیں وہ عوالم ہیں لانیہ سے روحانی پروں کو پھیلائے ہوئے اور قوارم جسمانیہ کو سمیٹے ہوئے ہیں اور انہیں نہیں روکتا مگر رحمٰن جو اسم حفیظ پر مشتمل ہے اس کے ساتھ اس نے انہیں سمائے قدرت کے خلا میں روکے رکھتا ہے بے شک وہ ہر شے کو جانتا ہے کہ وہ اشیاء العجیبہ کو کیسے پیدا کرتا اور امور غریبہ کی کیسے تدبیر کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ (کیا وہ جو بھی ہے تمہارا لشکر جو تمہاری رحمٰن کے سوا مدد کرے گا) دراصل اَمْ مَنْ تھا ام منقطعہ مقدرہ بہ بل ہے جو انتقال کا فائدہ دیتا ہے ترک قائل پر توبیخ سے منتقل ہوئے کہ وہ مشاہدہ کر رہے ہیں کہ پرندے کیسے اُڑ رہے ہیں یہ قدرت الٰہی کی عجائبات کی خبر دیتے ہیں اب مذکور کے ساتھ تبکیت اور اس میں تشدید کی طرف التفات ہے یہ استفہام ناظر کی تعیین کے لئے ہے کہ یہ ان کی تبکیت یعنی ان کے عجز کا اظہار ہے۔

فائدہ: یہاں ہمزہ مع بل کی تقدیر نہیں ہو سکتی اس لئے کہ اس کے من استفہامیہ ہے اگر ہمزہ استفہامیہ کی تقدیر مان لی جائے تو ادخال الاستفہام علی الاستفہام لازم آتا ہے اور من مبتدا اور ھذا الخ اس کی خبر ہے موصول

اپنے صلہ سے مل کر اس کی صفت ہے ھٰذا لانے میں مشار الیہ کی تحقیر مطلوب ہے اور ینصرکم جُندٌ کی صفت ہے باعتبار لفظ کے الجند وہ جماعت جو جنگ کے لئے تیار ہو اب معنیٰ یہ ہوا کہ بلکہ کون ہے وہ حقیر جو تمہارے گمان پر تمہارا لشکر و سکہ اور تمہارے امدادی تمہارے معبودان باطلہ وغیرہ جو تمہاری نزول عذاب و آفات کے وقت تمہاری ایسی مدد کریں جو رحمٰن کی مدد کے سوا ہے۔ اس معنیٰ پر من دون الرحمٰن ینصرکم کے فاعل سے حال ہے اور دون بمعنی غیر ہے اور عبارت یوں تھی وینصرکم نصرا کائنا من دون نصرہ اللہ اور وہ مصدر کی صفت ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ تمہاری مدد کریں۔ عذاب سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے یا وہ ینصرکم کے متعلق ہے اور بعض نے مَن موصولہ کو مبتدا بنایا ہے اور ہذا کو مبتدا ثانی اور موصول اپنے صلہ سے ملکر اس کی خبر ہے اور جملہ مَن کا صلہ ہے ساتھ تقدیر قول کے اور ام منقطعہ یا متصلہ ہے اور قرینہ محذوف دلالت سیاق سے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ وہ ہے جس کے یہ اوصاف کاملہ ہیں اور اس کی قدرت شاملہ ہے وہی تمہاری مدد کرے گا اور نجات دے گا خسف اور پتھراؤ سے اگر وہ تمہیں پہنچیں یا یہی تمہارا کمزور لشکر جس کے لئے یہی کہا جاتا ہے کہ وہ تمہارے گمان پر تمہارے مددگار ہیں جو کہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور مدد کریں گے۔

نکتہ: الرحمٰن کے اختیار میں اشارہ ہے کہ اس کی رحمت ہی اس کے غضب سے بچا سکتی ہے اور بس۔

فائدہ: قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جن کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ جتنا اغیار ہیں یہاں تک کہ انسان کے اپنے اعضاء و آلات و قویٰ اور ہر وہ شے کہ جس کی طرف اور قوت منسوب ہے یعنی تمام وسائل کوئی کام نہ آئیں گے اگر رحمت الٰہی مدد نہ کرے پھر یہی کہا جا سکے کہ وہی تمہارا لشکر تمہاری مدد کرے اللہ تعالیٰ کے سوا کہ جو نعمتیں باطنہ ظاہرہ تمہیں اللہ تعالیٰ روکے وہ غیر انہیں دلوادے یا جو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ظاہر و باطنہ نعمتیں عطا کرے وہ غیر دلوادے یا جو اللہ تعالیٰ منع کرے تو تمہیں اس کی غیر کی وجہ سے حاصل ہو جائیں یا جو تمہیں مصیبت پہنچے یا مقدر ہو وہ تمہارا مددگار روک لے نہیں ہو سکے گا۔

اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ (نہیں ہیں کافر مگر فریب میں) ان نافیہ بمعنی ما ہے یعنی ان کا گمان ہے کہ وہ مصائب و عذاب سے محفوظ ہیں انہیں ان کے معبودان باطلہ سے حفاظت ہو گی ان کا یہ گمان غلط ہے کیوں کہ حفاظت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے یا یہ معنیٰ ہے ان کا خیال ہے کہ انہیں عذاب الٰہی سے ان کے معبودان باطلہ ان کی حفاظت کریں گے یہ ان کی غلط فہمی ہے اور شیطان کی طرف سے کھلی گمراہی بہر حال ان کے اس گمان کا کوئی اعتبار نہیں اور التفات صیغہ غائب کی طرف میں اشارہ ہے ان کے حال کا تقاضا یہی ہے کہ ان سے روگردانی کرنی چاہیے بلکہ غیروں کے سامنے ان کے قبائح بیان کرنے چاہئیں اور اسم مظہر مضمر میں بھی کفر کی مذمت اور ان کے غرور کی تعلیل کا بیان ہے

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُکُمْ کیا یہی وہ جو تمہیں رزق دے گا۔ اِنْ اَمْسَکَ اگر رب رحمٰن روک لے رِزْقَہٗ اس کا رزق یعنی بارش بند کر دے اور اس کے اسباب اور اگر رزق موجود بھی ہو اور بہت بھی ہے اسے آسانی سے حاصل بھی کیا جا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے منہ مرض آکلہ پیدا کر دے جس سے وہ لقمہ نگلنے نہ دے سارے زمین و آسمان والے مل کر اس کا لقمہ حلق سے اتاریں تو نہ اتار سکیں گے۔

فائدہ : اس جملہ کا اعراب سابق جملہ کے اعراب کی طرح ہے اس تقدیر پر کہ من موصولہ اللہ تعالیٰ کیلئے ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی رزاق اور قوۃ مضبوط کا مالک ہے وہی تمہیں رزق دے گا یا یہی جن کے متعلق مذکورہ بالا حقیر و ضعیف صفت بیان کی گئی ہے جن کے لئے تم دعویٰ کرتے ہو کہ وہی تمہیں رزق دیں گے۔

فائدہ : بعض مفسرین نے فرمایا کہ کفار ایمان سے روگردانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی کا اظہار کرتے اس لئے کہ انہیں دو چیزوں پر سہارا تھا۔

(۱) مال اور کثرت افراد

(۲) عقیدہ کہ ان کے بت انہیں جملہ خیر و بھلائی پہنچاتے اور ان سے جملہ آفات دفع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے سہارے کا ابطال "امن ھذا ھو جند لکم الخ سے اور دوسرے سہارا کا" امن ھذا الذی یرزقکم الخ سے فرمایا۔

بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ بلکہ وہ سرکشی اور نفرت کے گڑھے میں گرے ہیں اس میں مقدر کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے گویا تبکیت و تعجیز نے تو اپنا پورا اثر دکھلایا لیکن انہوں نے اس کا اثر قبول نہ کیا کہ حق کا یقین کرنے کے بجائے گھڑے میں پڑے اور سرکشی پر ڈٹ گئے اور تکبر و طغیان اپنا شیوہ بنالیا اور حق سے نفرت اور تباعد اور اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے روگردانی کی اور حق کو قبول کرنے کے بجائے اسی باطل پر قائم رہے جس پر تھے۔

حل لغات

اللجاج بمعنی تمادی فی العناد الخ یعنی عناد پر ڈٹ جانا اور جس فعل سے انہیں روکا گیا اسے عمل میں لانا العتو بمعنی تجاوز از حد النفور بمعنی فرار (بھاگنا) اس میں ان کی تحقیر اور اشارہ ہے کہ یہ وہ گدھے ہیں جو شیر سے بھاگتے ہیں (حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ) کے مصداق ہیں۔

فائدہ : قسورۃ سے شیر یا شکاری یا وہ رسی جس سے شکار کیا جائے یا وہ شکاری جو تیر انداز ہو یا مختلف آوازیں ؎

کسی را کہ پندار در سر بود
مپندار ہرگز کہ حق بشنود

---

(۱) جیسے آجکل گلہ کا کینسر ہو رہا ہے

ترجمہ: کسی کو جو غلط تصور سر میں ہو اس کے لئے گمان بھی نہ کرنا کہ وہ حق سنے گا۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى تو کیا وہ جو منہ کے بل اوندھا چلتا ہے وہ سیدھی راہ پر ہے موحد و مشرک کے لئے مثال دی گئی ہے تاکہ ان کا حال واضح ہو **فا:** ان کے وہ بڑا حال جو ظاہر ہوا کی ترتیب کے لئے ہے اور ہمزہ کی تقدیم میں اس کی صدارت کا تقاضا پورا کرنا ہے اور معنوی لحاظ سے معاملہ برعکس ہے یہانتک کہ اگر ہمزہ کے بجائے ھَلْ تو عبارت یوں ہوتی فھل من یمشی مکباً۔

حل لغات المکب بمعنیٰ منہ کے بل گرنے والا اس کا حقیقی معنی بھی یہی ہے المکب بمعنی فلان اوندھا گرنے والا ہوا یا اوندھا گرنے کی حالت میں داخل ہوا۔ "وکبہ قلبہ وصرعہ" اسے اُلٹایا اور اوندھا کیا اکبہ نہیں کہا جاتا کیونکہ وہ لازم ہے القاموس میں ہے وہ لازم بھی ہے متعدی بھی اور مکبا یمشی کے فاعل سے حال ہے اب معنی یہ ہوا کہ وہ جو چلتے وقت منہ کے بل گرتا پڑتا ہے اور قدم قدم پر اس کی یہی حالت ہے راستہ سے بھٹک جانے اور رکاوٹوں میں پڑ جانے کی وجہ سے ایسی حالت والا ہدایت پر ہو سکتا ہے اس کے بارے میں کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ جس مقصد کو لئے ہوئے یہ منزل پر پہنچ جائے گا۔

فائدہ: المناسبات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چلنے والوں کا نام اس لئے نہیں لیا کہ وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کا نام لیا جائے اتفاقی طور ایسا آدمی کبھی راستہ پر چل بھی جاتا ہے لیکن بصیرت سے نہیں بلکہ اتفاقیہ اسی لئے اھدیٰ فرمایا اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا یا وہ زیادہ سیدھا چلنے والا جو سیدھا چلتا ہے اور اسے کسی قسم کا گرنا پڑنا نہیں عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ سیدھی راہ پر۔ یعنی صحیح الاجزاء اس میں نہ ٹیڑھا پن ہے نہ انحراف۔ بعض نے کہا مکبٌّ سے نابینا مراد ہے کیوں کہ وہ سیدھی راہ کا راستہ نہیں پاتا بے راہ ہو کر چلتا ہے تو اس کو اوندھا گرنا لازمی امر ہے بخلاف آنکھ والے تندرست اور صحیح سالم کے ؎

فرقست میان آنکہ از روئے یقین

بادیدۂ بینا رود اندر رہ دیں

با آنکہ دو چشم بستہ بے دست کے

ہر گوشہ ہمی رود بظن و تخمین

ترجمہ: اس کے درمیان فرق ہے جو از راہ یقین بینا چشم سے راہ دین پر چلتا ہے۔ اس کے ساتھ (فرق ہے) جس کی دونوں آنکھیں بندھی ہوئے دوسرے کے ہاتھ میں قیدی ہو وہ ہر گوشہ پر ظن اور تخمین پر چلے گا۔

فائدہ: حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے کافر مراد ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں اوندھا گرا

پڑا ہے اسے اللہ تعالیٰ قیامت میں جہنم میں اوندھا گرائے گا اور مومن چونکہ اللہ تعالیٰ کے امر پر سیدھا چلتا ہے اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ آخرت میں دونوں قدموں پر اٹھا کر جنت میں (باعزت) لے جائے گا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ وہ لوگ اوندھے ہو کر کیسے چلیں گے آپ نے فرمایا وہ ذات قدموں پر چلانے پر قادر ہے وہی ذات اوندھے چلانے کی بھی قدرت رکھتی ہے۔

فائدہ: اس میں اشارہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ انسان کو وہ ظاہر کر دے گا جو آج چھپا ہوا ہے خیر ہو یا شر سے

سیرتے کاندر وجودت غالبست
هم بران تصویر حشرت واجبست

ترجمہ: وہ عادت جو تیرے وجود میں غالب ہے اسی صورت میں پر حشر واجب ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امن یمشی الخ تو گیا وہ جو اوندھا چلتا ہے جہت سفلیہ اور ملاذ حسیہ کی محبت اور امور طبیعیہ کے انجذاب کی طرف زیادہ ہدایت والا ہے یا وہ جو سیدھا چلتا ہے توحید کے راستہ پر جو ایسی استقامت تامہ سے موصوف ہے جسے بیان نہیں کیا جا سکتا پس جاہل محجوب طالب دنیا اور مولیٰ سے روگردان اور طریق حق سے اندھا اور بواسطہ ظلمت غفلت وجہ خجلت پر اوندھا گرا ہوا ہے اور عارف محقق تارک الدنیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ اور طریق حق کا مبصر و بصیر ہے طریقۂ توحید پر ظاہراً و باطناً سیدھا چلنے والا اور توحید کا راستہ نہ ڈھلوان ہے نہ ٹیڑھا۔

تفسیر عالمانہ **قُلْ** اے افضل الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے **هُوَ** وہی اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہٗ **اَلَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ** جس نے تمہیں پیدا کیا اے کافرو جیسے اس پر سیاق و سباق دلالت کرتا ہے اس میں غافل انسان بھی داخل ہے یعنی تمہیں پیدا کیا جمال و عقل میں یکتا اور جمیع حقائق الہیہ و کیانیہ کا قابل (لائق) بنایا تمہاری تخلیق ابتداء ہی احسن خلقت سے کی کہ تمہیں حسین صورت بخشی اور بہترین تصویر کھینچی **وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ** اور عطا کی تمہیں قوت سماعت (کان) تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے آیات سن کر انہی کے موجبات پر عمل کرو بلکہ تمام موجودات کی زبانوں سے خطابات غیبیہ سنو کیوں کہ وہ سب انسان کی طرح بولتی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا" وان من شئی الا تسبیح بحمدہ ربہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم" کوئی شے نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح اس کی

حمد سے نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

حکایت بزرجمہر (ایک دانشور) سے سوال ہوا کہ انسانوں میں کون اکمل (بڑا کامل) ہے فرمایا جس نے کان کو نخش (گانے۔ باتیں وغیرہ) میں نہیں لگایا۔

نکتہ: کان (سمع) کا ذکر پہلے اس لئے ہے کہ سمع نبوت کی شرائط میں سے ایک ہے اسی لئے کوئی رسول (علیہ السلام) بہرہ نہیں ہوتا علاوہ ازیں سمع کے فوائد عوام کے لئے زیادہ قوی ہیں اگرچہ خواص کے لئے بصر (دیکھنے) کے فوائد بلند تر ہیں۔ علاوہ ازیں باب قلب کے کھلنے پر خطاب کا مرتبہ سمع ہے اور بصر کا مرتبہ صرف رؤیتہ ہے اور ظاہر ہے کہ خطاب کا مرتبہ رؤیتہ کے مرتبہ سے مقدم ہے اسی لئے کہ رؤیتہ کا مرتبہ ہی مرتبہ تجلی ہے اور یہی امر کی نہایت ہے دیکھئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت (کے اظہار) سے پہلے اسرافیل علیہ السلام کی آواز سنی لیکن ان کی صورت (بظاہر) نہیں دیکھی اگرچہ بعد کو (بظاہر) تمام ملائکہ کرام کو نہ صرف دیکھا بلکہ تمام کی امامت فرمائی جیسا کہ شب معراج سدرۃ المنتہیٰ پر تمام ملائکہ کرام نے ہمارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدار میں نماز پڑھی بلکہ نہ صرف ملائکہ کرام کو دیکھا بلکہ خود ذات الٰہی کو بلا کیف (بلا حجاب جسم مبارک کی آنکھوں سے دیکھا اس لئے واضح ہوا کہ آپ نے مرتبۂ خطاب سے جو کہ ہی مرتبہ وحی ہے سے مرتبہ تجلی کی طرف ترقی کی جو کہ یہ مرتبہ موحی (وحی بھیجنے والے) کا ہے۔ وَالْاَبْصَارَ اور بنائی آنکھیں (قوت باصرہ) تاکہ تم اس کی آیات تکوینیہ کو دیکھو جو کہ شئون الٰہی کی شاہد ہیں ایسے ہی تاکہ دیکھو اللہ تعالیٰ کے جمیع مظاہر کو کہ وہ کیسے انتہائی با کمال اور نہایت مضبوط ہیں وَالْاَفْئِدَةَ اور ہمارے دل بنائے تاکہ تم ان کے ساتھ تفکر کرو ان امور میں جو تم اس سے سنتے اور مشاہدہ کرتے ہو آیات تنزیلیہ و تکوینیہ میں سے ایسے ایمان وطاعۃ کی سیڑھیوں پر چڑھ سکو بلکہ ان سے واردات قلبیہ و الہامات غیبیہ سے سرشار ہو جاؤ۔

حل لغات القاموس میں ہے (التفوقد بمعنی التحرق (جلنا) والتوقد (روشن ہونا) اسی سے الفوائد ہے بمعنی قلب یہ مذکر و مونث دونوں طرح ہے اس کا جمع الافئدۃ ہے۔

نکتہ: ان تینوں (سمع۔ بصر، فواد) کی تخصیص اس لئے ہے کہ علوم و معارف انہی تینوں سے حاصل ہوتے ہیں (کشف الاسرار) نیز اس لئے کہ قلب حوض کی طرح ہے کہ جو شے طریق سمع و بصر سے حاصل ہوتی ہے یہ اسے محفوظ کر لینے کے لئے ہر وقت تیار ہے۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ بہت تھوڑا شکر کرتے ہو ان کے ان امور کے استعمال میں جن کے لئے ان کی تخلیق ہوئی ہے قلیلاً موصوف محذوف کی صفت ہے اور زائدہ تاکید قلت کی تاکید کے لئے ہے دراصل شکراً قلیلا یا زماناً قلیلا ما تشکرون تھا۔

فائدہ : بعض نے کہا قلیلاً سے عدم مراد ہے۔ سعدی المفتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا قلۃ بمعنی نفی ہے کیوں کہ خطاب کافروں کو ہے یا وہ اپنے معنیٰ معروف میں ہے اگر سب کو خطاب ہو کہا جاتا ہے قلما افعل کذا یعنی میں اسے نہیں کروں گا۔ بعض عارفین نے فرمایا ؎

تو لمشت الف عام - فی سجدۃ لربی
شکر الفضل یوم - لم اقض بالتمام
والعام الف شہر - والشہر الف یوم
والیوم الف حین - والحین الف عام

ترجمہ : اگر میں ہزار سال اپنے رب کے سجدہ میں گذاروں اس کے ایک دن کے فضل و کرم کا شکر مکمل طور بھی نہ ادا کر سکوں اور اس کا ہر سال ہزار ماہ کا ہو اور ہر ماہ ہزار دن کا اور دن ہزار گھڑیوں کا اور ہر گھڑی ہزار سال کی تب بھی شکر ادا نہ ہوگا

فائدہ : بعض مشائخ نے فرمایا کہ سمع کا شکر ہے علماء و حکماء سے علم و دانشمندی سیکھنا اور پند و نصیحت کی طرف کان لگانا اور عقلاء کی نصیحت سننا اور اہل حق و صواب کی تقلید کرنا۔ اہل بدعت (سیئی) واہل ہوٰی (بد مذاہب) کے اقوال کا رد کرنا (الحمد للہ ہم اہل حق بد مذاہب کے رد میں واسع حصہ پاتے ہیں یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے ہمیں بد مذاہب کی تردید کی توفیق بخشی (اور آنکھ کا شکر ہے مصاحف (قرآن و حدیث) اور دینی کتابیں اور اہل ایمان کی عبادت گاہیں اور اہل اسلام کے مسالک اور باعمل علماء کرام (سنی العقیدہ) اور صالحین (اولیاء کرام) کی زیارت اور فقراء و مساکین کا چہرہ رحمت و شفقت کی نگاہ سے دیکھنا۔

صوفیانہ فائدہ اہل احسان (صوفیہ) کی نظر مصنوعات کی طرف اور اصحاب الیقین اور ارباب شوق و ذوق اور گریہ و زاری والوں کا ان کے علاوہ ان اشیاء کو دیکھنا جن میں خیر و بھلائی ہے (شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا) ؎

۱ زبان آمد از بہر شکر و لباس
بغیبت نگرد اندلش حق شناس

۲ گذر گاہ قرآن و پند است گوشی
بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

۳ دو چشم از پئے صنع باری نکوست
زعیب برادر فرو گیر و دوست

۴ بہائم خموشند و گویا بشر !
پراگندہ گوی از بہائم تر !

۵ بنطق است و عقل آدمی زادہ فاش
چو طوطی سخن گوئی نادان مباش

۶ ببد گفتنی خلق چو دم زدی !
اگر راست گوی سخن ہم بدی

۷ ترا آنکہ چشم و دہان داد و گوش
اگر عاقلی در خلافش مکوش

۸ مکن گردن از شکر منعم مپیچ
کہ روز پسیں سر برآری بہیچ

ترجمہ: ۱: زبان شکر وسپاس کے لئے ہے اسے گلہ و غیبت میں (اے حق شناس) ملوّث نہ کر۔
۲: کان قرآن و پند و نصیحت کی گذرگاہ ہے اسے بہتان و باطل سننے کے لئے کوشش نہ کر۔
۳: دو آنکھیں اللہ تعالیٰ کی اچھی صفت دیکھنے کے لئے ہیں بھائی اور دوست کی عیب جوئی سے خرچ نہ کر۔

۴: جانور خاموش اور آدمی بولنے والا ہے غلط بولنے والا جانوروں سے بدتر ہے۔
۵: بولنے اور عقل سے آدمی زادہ ظاہر ہے اسی لئے طوطے کی طرح بول اور نادان نہ ہو۔
۶: جب تو خلقِ خدا کی برائی کرنے کا دم مارتا ہے اگر سچ پوچھو تو تیری یہ بات بہت بری ہے۔
۷: اللہ تعالیٰ نے تجھے آنکھ منہ اور کان دیا ہے اگر تو عقلمند ہے تو اس کے خلاف کوشش نہ کر۔
۸: منعم کے خلاف نہ کر نہ ہی اس کے شکر سے گردن پھیر۔ کہ آخری وقت سر تیرا نیچا ہوگا۔

فائدہ: دل کا شکر ہے جلال و کمال و جمال و نوال (لطف و کرم) الٰہی میں تفکر اور اس سے خوف و رجاء (امید از رحمت) میں رہنا اور اس کے لئے محبت کرنا اس کے دیدار کا اشتیاق اور انبیاء و اولیاء سے محبت (و عقیدت) اور ان کے اعداء سے بغض اور مسائل و دلائل میں نظر (غور و خوص) کرنا۔ اپنے اہل و عیال کی ضروریات و حوائج کا اہتمام اس طرح کہ امور جس میں فائدہ ہو۔

۵ صیقلے کن دلت بنور جمال
تاکہ حاصل شود جمیع کمال

ترجمہ: اپنے دل کو نور جمال سے صیقل (صاف اور ستھرا) کر تا کہ تجھے جملہ کمال حاصل ہوں۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ اے اکمل الخلق (محبوب) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ وہ جس نے تجھے پیدا کرکے بہت زیادہ بنایا نہ کہ اس کے غیر نے۔

حل لغات

ذَرَأَ ذرع سے ہے بمعنی پیدا کرنا (القاموس) میں ہے ذرا رجعل کی طرح بمعنی خلق الشئ وکثرہ کسی شے کو پیدا کرکے اسے بکثرت کرنا اسی سے الذریۃ (ہر تینوں حروف متحرک) بمعنی ثقلین (جن وانس) کی نسل وَإِلَيْهِ اور اسی کی طرف نہ کہ اس کے غیر کی طرف (نہ اشتراکاً نہ استقلالاً) تُحْشَرُونَ لوٹائے جاؤ گے) جسمانی طور حشر (اٹھنا) ہوگا۔ یعنی جمع ہوکر تمہیں حساب کے لئے جزاوسزا کے لئے اٹھنا جب کہ تم تھوڑے تھوڑے ہوکر برزخ کو روانہ ہوئے لیکن محشر میں جمع ہوتے یکبارگی سب کے سب اٹھ کھڑے ہوگے اسی لئے اپنے امور کو ابھی سے صحیح کرلو۔

فائدہ: آیت کو والیہ تحشرون پر ختم کرکے بتایا کہ جملہ دلائل مذکورہ صرف اسی مطلوب کے اثبات کیلئے تھے۔

وَيَقُولُونَ اور کہتے ہیں زیادہ عناد واستکبار (تکبر) کی وجہ سے یا استہزاء کرتے ہوئے جیسے آنے والا قول دلالت کرتا ہے کہ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ یہ وعدہ کب ہوگا یعنی وعدہ دیا ہوا حشر' والیہ تحشرون پر استہزاء کہا جیسا کہ سابقاً گذرا تو انہوں نے اسپر استہزاء کردیا۔

فائدہ: اس معنی پر الوعد بمعنی الموعود اور مشار الیہ الحشر ہے بعض نے کہا ان کا استہزاء اس خسف وحصب سے جس سے وہ اس سے پہلے ڈرائے گئے۔

نکتہ: جملہ منقبلہ اس لیے ہے کہ یہاں پر مطلوب یہ ہے کہ کفار مستقبل میں یونہی کہیں گے یا اس لئے کہ انہیں بتایا گیا کہ وہ دنیا میں ایسے کہتے تھے۔ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ اگر تم سچے ہو، اس کے مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان ہیں کیوں کہ اہل ایمان حضور نبی علیہ السلام کے وعد اور آیات متضمنہ برائے وعد میں مشارک ہیں۔ اور شرط کا جواب محذوف ہے دراصل عبارت یوں تھی۔ ان کنتم صادقین الخ اگر تم اپنی خبر دینے میں کہ قیامت آئے گی اور اس میں تم سب نے اٹھنا ہے سچے ہو تو اس کا وقت بیان کرو۔

قُلْ اے اعلم الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیے کہ إِنَّمَا الْعِلْمُ بے شک اس کی تعیین وقت کا علم عِندَ اللَّهِ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے جس نے جملہ اشیاء کو مقدر فرمایا اور جملہ امو کا مدبر ہے اور اس کے سوا کوئی آگاہ نہیں[1]۔ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ اور بیشک

---

[1] عوامی حکم کو نبوت وولایت پر قیاس کرنا جہالت ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس قسم کی خبر دی بلکہ ایسی خبریں دینا آپ کے علمی کمالات کا ایک شعبہ ہیں آپ تو اس سے (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

میں ڈرانے والا ہوں ظاہر کھلم کھلا ایسی لغت میں جسے تم جانتے ہو اور حق کو ظاہر کرنے والا اور واقع کو منکشف کرنے والا ہوں تمہیں ڈراتا ہوں کہ موعود کا وقوع لامحالہ ہونا ہے ہاں وقوع کا علم انذار کے متعلقات سے نہیں۔

فائدہ: حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں بندوں سے علی طریق الاشتباہ مخفی رکھا ہے کسی کو معلوم نہیں کہ اس کی تقدیر کیسی ہے اور اس کا خاتمہ کیسے ہوگا اس

(حاشیہ سابقہ صفحہ کے آگے) بڑھ کر جانتے تھے مخالفین کی اپنی تفسیر ابن کثیر جلد ۳ میں حضرت سعید ابن مسیب کہتے ہیں۔ لیس من یوم الا یعرض علی النبی اعمال امۃ غدوۃ وغشیۃ یعلمھم باسماءھم و اعمالھم وکذالک یشھد علیھم کہ ہر دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صبح و شام امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور حضور اپنے امتی کے نام اور ان کے اعمال سے واقف ہیں اسی لئے قیامت کے دن گواہی دیں گے) مواہب الدنیہ جلد ۲ صفحہ ۹۲۰ میں طبرانی سے روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن عمر راوی ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دنیا کو ظاہر کر دیا۔ میں دنیا کی طرف اور جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو نیز مشکوٰۃ میں حضرت ثوبان سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے میرے لئے زمین سمیٹ دی میں نے اس کے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا اور کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھ کو نہ دکھائی گئی ہو۔ میں اپنے اس مقام سے ہر شے کو دیکھ رہا ہوں۔ دیگر بخاری شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا تم وہ دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں؟ میں تمہارے گھروں میں فتنے اٹھنے کی جگہ کو بھی دیکھ رہا ہوں نیز حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ آیت ویکون الرسول علیھم شھیدا (ر القرآن) سے تفسیر عزیزی میں (شہیداً) کی تفسیر میں لکھتے ہیں "پس بنورِ نبوت او مے شناسد گناہاں شمارا و اعمالِ نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا، دیکھئے وہاں تو امت کے زید و عمر و بکر کو جاننے کی نفی ہو رہی ہے اور یہاں شاہ صاحب زید و عمر و بکر کے گناہ۔ اعمالِ نیک و بد اور اخلاص و نفاق کو بھی بنورِ نبوت جاننے کی تصدیق فرما رہے ہیں۔ دیگر تفسیر مدارک میں آیت وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا کے تحت لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کافروں کے کفر، منافقوں کے نفاق اور ایمان والوں کے ایمان کی قیامت کے دن گواہی دیں گے، واضح رہے کہ ایمان و نفاق کا تعلق ظاہری اعضاء کی بجائے باطن سے ہوتا ہے اور جوہر انسان کے باطن کو بنورِ نبوت دیکھ رہے ہوں وہ ظاہر کو نہ دیکھ رہے ہوں گے۔ ضرور دیکھ رہے ہوں گے بلکہ محققین نے تو فرمایا ذرہ ذرہ کائنات نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں ایسے ہے جیسے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کی دلیل یہی ہے قل انما العلم عند اللہ الخ

فَلَمَّا رَاَوْهُ پس جب انہوں نے اسے دیکھا فاء فصیحہ ہے دو جملوں کی تقدیر کی خبر دیتی ہے اور شرطیہ کی ترتیب انہی پر ہے گویا کہا گیا کہ بے شک ان کے پاس موعود امر آیا تو اسے آنکھوں سے دیکھا یہاں رؤیت بصری مراد ہے ۔ یہاں غیر واقع امر کو بمنزلہ واقع کے لیا گیا ہے اس کی تحقیق کی وجہ سے زُلْفَةً (قریب) یہ مفعول راٰوا کے مفعول سے حال ہے اس لئے کہ راٰی رؤیت بصر سے ہے جیسا ابھی ہم کہہ آئے یا یہاں مضاف محذوف ہے یعنی ذا زلفۃ وقرب یا مصدر بمعنی فاعل ہے بمعنی مزدلفا اور حشر کے

(بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ سے آگے) ہاتھ کی ہتھیلی جیسے طبرانی شریف کی حدیث میں حضرت علامہ نبہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جواہر البحار میں فرمایا کہ (ان جسدہٗ الشریف لا یخلو منہ زمانٌ و لا مکانٌ و لا محل و لا امکان و لا عرش و لا لوح و لا کرسیٌ و لا قلمٌ و لا بر و لا بحر و لا سہلٌ و لا وعرٌ و لا برزخ و لا قبرٌ) ایسا کیوں نہ ہو جب کہ حقیقت محمدیہ ذرے ذرے میں جاری وساری ہے کیونکہ تمام مخلوق آپ کے نور سے پیدا کی گئی ۔ اور یہ تمام علوم و کمالات اللہ تعالیٰ کی عطا ہے خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ ایک حدیث روح البیان پ ۲۷ میں گزری کہ لیلۃ المعراج قُطِرَتْ فِی حَلْقِی قَطْرَةٌ فَعَلِمْتُ مَا کَانَ وَمَا سَیَکُوْنُ ۔ کہ شب معراج اللہ عزوجل نے میرے حلق میں ایک قطرہ ڈالا جس سے میں نے جان لیا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے ، یعنی از ابتدا تا انتہا ۔ اور یہ علم ابتدا اور انتہا کے درمیان ہے جو تفسیر میں بیان کیا گیا جس کا خلاصہ یہ ہوا وہ علوم جسے اللہ تعالیٰ عطا فرمادے ان کا انکار گمراہی ہے ۔

مقام عبرت اس مسئلہ میں زیادہ الجھنے والے فرقہ دیوبندی ہے ان کا اپنا حال یہ ہے کہ موج میں آجائیں تو اپنے مولویوں کا علم غیب بڑے فخر و ناز سے ثابت کر دکھلائیں اگر ڈوب جائیں تو نبوت کا نہ صرف انکار کردیں بلکہ بڑی بے نیازی سے شرک کا فتویٰ جڑ دیں ان کے چند مولویوں کے حالات ان کے قلم سے پڑھیئے ۔

(۱) مولوی احمد سعید صاحب ماہنامہ "برہان" دہلی اپنی پیدائش کے متعلق لکھتے ہیں مجھ سے پہلے ابا کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئے تھے جن کا نوعمری میں ہی انتقال ہو گیا تھا ۔ اس کے بعد مسلسل سترہ سال تک ان کے کوئی اولاد نہ ہوئی ۔ یہاں تک کہ انہوں نے ترک ملازمت اور ہجرت کا قصد کیا ۔ (اس وقت وہ آگرہ لوہا منڈی کے سرکاری شفاخانے میں ملازم تھے) مگر جب قاضی (عبدالغنی) صاحب مرحوم (والد کے پیر و مرشد) کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے منع لکھ بھیجا اور ساتھ ہی خوشخبری دی (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

کے قرب سے وہ امر مراد ہے جو اس میں ان کے لئے تیار ہے۔ سِیۡٓـَٔتۡ سیاہ ہو جاتے ہیں وُجُوۡہُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کافروں کے چہرے۔ کہ انہیں ملائکہ سے دکھ رنج پہنچتی اور ذلت و خواری چڑھ جاتی ہے۔ وجوہ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے ہے کہ اس پر ہی خوشی اور رنج کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور موصول کو اسم ضمیر کے لانے میں ان کے کفر کی مذمت مطلوب ہے اور ان کے چہروں کے بگڑنے اور سیاہی کی تعلیل ہے۔ اصل کلام یوں ہے۔ سارت رویۃ الموعود وجوھہم۔ عذاب موعود کو دیکھتے ہی کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے جیسے قاتل کو قتل کے لئے قتل گاہ میں لایا جائے یا اس کے سامنے بعض عذاب آئے۔

حل لغات

السیارۃ سار رشئ یسؤسوء ومسارۃ سرہ کی نقیض ہے (تاج المصادر) السؤ غمگین کرنا۔ پھر مبنی للمفعول کے معنی میں مستعمل ہونے لگا۔

(القاموس) میں ہے سارہ بمعنی اس سے وہ کام کیا جو اسے ناگوار تھا اس معنی پر یہ متعدی ہے اور جائز ہے کہ یہ لازم ہو بمعنی قبیح، اسی لئے یہ کبھی اصحاب الوجوہ کی طرف بھی مسند ہوتا ہے مثلاً ساؤا وقبحوا "

فائدہ: بعض نے کہا اس سے وہ محجوب مراد ہیں جو ابداء (ابتدائی تحقیق) کے تو قائل ہیں لیکن اعادہ (مرنے کے بعد اٹھنے) کے منکر ہیں لازماً ایسے لوگوں کے قیامت میں چہرے بگڑیں گے اور جو انہیں ناگوار ہے اس سے ناک بھوں چڑھائیں گے اور ان کے چہروں پر غم والم چھا جانا لازمی امر ہے کیوں کہ ان پر ایسا سخت عذاب آئے گا جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

(حاشیہ سابقہ بقایا) کہ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہو گا چنانچہ اس بشارت کے چند سال بعد ..... ۸ رمضان کی تاریخ کو صبح صادق کے وقت میں پیدا ہوا تو ولادت سے دو گھنٹے قبل ابا نے حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا نانوتوی کو خواب میں دیکھا کہ نوہا منڈی کے شفاخانے میں تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں ڈاکٹر! لڑکا مبارک اس کا سعید نام رکھنا۔ چنانچہ ابا نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ میں بچہ کو دیوبند بھیج کر عالم بناؤں گا (تبلیغ انبیاء کے لئے تو علم مافی الارحام کا انکار اور اپنے مردہ پیروں کے لئے اقرار اب ایک مرید کا عجیب تر واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

۲: شاہ عبدالرحیم صاحب ولائتی کے ایک مرید تھے جن کا نام عبداللہ خان تھا اور قوم کے راجپوت تھے اور یہ حضرت کے خاص مریدوں میں سے تھے ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر حمل ہوتا اور تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ تیرے گھر میں لڑکی ہو گی کہ لڑکا اور جو بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔ (ارواح ثلاثہ مولوی اشرف علی تھانوی) دیکھنا کتنا بڑا دعویٰ ہے: ایسی شتر مرغی چال کے متعلق ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔

وَقِیْلَ: اور انہیں توبیخ کے طور کہا جائے گا آگ کے عذاب سے پہلے کیوں کہ آگ کے جسمانی عذاب سے روحانی طور عذاب زیادہ سخت ہوتا ہے اور کہنے والے زمانیہ فرشتے ہوں گے مجہول کا صیغہ اس لیۓ ہے کہ مقصود بیان المقول ہے نہ کہ قائل هٰذَا مبتدا ہے اس کا اشارہ اسکی طرف ہے جسے وہ اپنے قریب دیکھیں گے اس کی خبر ہے۔ الَّذِیْ کُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ یہ وہی ہے جسے تم دنیا میں طلب کرتے اور اس کے لئے انکار واستہزاء کے طور جلدی کا مطالبہ کرتے تھے گویا تم خود اسے مانگتے تھے۔ اسی معنیٰ پر بہ کی باء فعل کا صلہ ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ دعا بکذاء بمعنی استدعاہ اسے خود مانگا بعض نے کہا یہ دعویٰ سے ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل ایمان تمہیں عذاب آخرت سناتے تو دعویٰ کرتے تھے کہ نہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے اور نہ ہی محشر میں جمع ہونا ہے اور نہ ہی کوئی عذاب ہے اس معنیٰ پر باء سببیہ ہے اور ملابست کی بھی ہوسکتی ہے۔

حکایت ایک زاہد تمام رات یہی آیت پڑھتے رہے اور روتے بھی رہے یہاں تک کہ صبح کی نماز ہوئی یہی تمام عارفین کا شیوہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے جلال کی وجہ سے جب وہ اس کے قہر وجبروت کو دیکھتے ہیں تو اسی طرح روتے روتے راتیں بسر کرتے ہیں[۱]

---

[۱] : چنانچہ حضرت خواجہ غلام فرید (کوٹ مٹھن شریف) قدس سرہ نے فرمایا کئی راتیں ڈتم سحر کر، یعنی کئی راتیں میں نے سحر تک بیداری میں گزار دیں۔

حکایت : حضرت خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن شریف قدس سرہ کے والد گرامی کا نام خدا بخش (قدس سرہ) تھا اور خیر پور ٹامیوالی کے خواجہ خدا بخش قدس سرہ ان کے ہمزمان تھے حضرت قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی قدس سرہ کے عرس شریف میں حاضری کے دوران ایک ہی مکان میں قیام رہا۔ فرق اتنا تھا کہ اول الذکر خواجہ نے مکان کے اندر اور خواجہ ثانی نے برآمدہ میں شب بسر فرمائی دونوں ہی عشاء کی نماز کے بعد آرام فرما ہوئے جب صبح کی اذان ہوئی خواجہ ثانی بستر سے اٹھ کر سیدھے مسجد میں نماز کے لئے چلے گئے خواجہ اوّل کے بعض رفقاء متعجب ہوئے تو خواجہ اوّل نے فرمایا ہم ساری رات سوتے رہے (تواضعاً فرمایا) اور وہ ساری رات بستر پر سو کر بھی اللہ تعالیٰ کی یاد میں بیدار رہے (تبصرہ اویسی غفرلہ) یہ تھے ہمارے خواجے اور آج کل کے خواجے اور مذکورہ بالا خواجاؤں کی وراثت کا دم بھرنے والوں کے اکثر کو پانچ وقت کی نماز نصیب نہیں۔ اگر مجھ جیسے انہیں اپنے خواجاؤں کی نقش قدم کی بات کریں تو یہ خواجے برسر پیکار ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نام کے خواجاؤں کو اپنے خواجوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ ان کے طفیل ہم فقیروں کو بھی (آمین) (اویسی غفرلہ)

تفسیر عالمانہ قُلْ اے خیر الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمائیے۔ اَرَءَیْتُمْ مجھے ایسی پختہ خبر دو (اس کی جس پر تم ہو) جو دیکھی خبر کی طرح ہو۔

نکتہ: چونکہ رؤیۃ اخبار کی طرح ہوتی ہے اسی لئے اسے رویت سے تعبیر فرمایا۔ بعض نے کہا کہ چونکہ اخبار رؤیۃ سے مضبوط ہوتی ہے اسی لئے ارأیت اخبر کے معنیٰ میں شائع ہو گئی۔ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ اگر مجھے موت دیدے۔

نکتہ: موت کو اہلاک سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اہل ایمان کے لئے موت کا دعویٰ کر کے ان پر تباہی و ہلاکت کا انتظار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) عنقریب ختم ہو جائے گا یہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکے گا۔ وَمَنْ مَّعِیَ اور وہ جو میرے اہل ایمان ساتھی ہیں اور تمہارا مقصد ہو جائے اَوْ رَحِمَنَا یا مجھ پر رحم فرمائے کہ چند روز مہلت دے جس سے ہمارا مقصد پورا ہو جائے تو ہم اس کی جوار رحمت میں ہیں ہمیں دو بھلائیوں میں سے ایک کا انتظار ہے:

(۱) دنیا سے کوچ کر گئے تو ہمیں جنت نصیب ہوگی۔

(۲) دنیا میں رہے کہ ہم پر فتح و نصرت کے دروازے مفتوح ہوں گے اور اسلام پھولے گا پھلے گا جس کی ہمیں امید ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہماری موت سے کیسی راحت اور کونسا نفع ہوگا جب کہ تمہارا انجام عذاب کے سوا اور کچھ نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ تو کون پناہ دے گا اور نجات دے گا اور چھڑائے گا۔

حل لغات (تہذیب المصادر) میں ہے کہ الاجارۃ بمعنی پناہ دینا اور القاموس میں ہے اجارہ انقذہ واعاذہ' اسے بچایا اور اسے پناہ دی۔ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (کافروں دردناک عذاب سے) الیم بمعنی مولم شدید الایلام سخت تر عذاب رساں اے کافرو تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی نہ بچا سکے گا جب وہ نازل ہوا ہم دنیا سے رخصت سے ہو جائیں یا زندہ رہیں کیوں کہ نجات کا دار و مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔

نکتہ: الکافرین کو ضمیر کے بجائے لانا مہر ثبت کرنا ہے ان کے کفر پر اور ان کی عدم انجار کی نفی کی تعلیل ہے۔

سوال: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیوں فرمایا ان اھلکنی اللہ الخ حالانکہ آپ کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان کو ہلاک نہیں کرتا۔

جواب : تخوف (ڈرانا) میں مبالغہ مطلوب ہے گویا کہا گیا کہ ہم انبیاء علیہم السلام اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں کہ وہ گناہوں کی وجہ سے ہماری گرفت فرمادے تو اسے کون روکے تو پھر تم کون لگتے ہو کہ اگر تمہیں عذاب میں وہ مبتلا کردے تو اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا تم کافر ہو کر کیوں کہ اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے حالانکہ تمہارے جرائم کا تقاضا ہے کہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ۔ یہاں اھلکنا بمعنی عذبنا بعذاب ہمیں کسی عذاب سے عذاب دے رحمنا بمعنی غفرلنا (ہمیں بخش دے) ہے (الجلالین) **قل** اے مخلوق کے شفیق ترین حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایئے **هُوَ الرَّحْمٰنُ** وہ بڑا مہربان ہے جو تمہیں اپنی عبادت کی دعوت دیتا ہے اور بہت نعمتوں کا مالک ہے اور پھر وہ عطا فرماتا ہے **اٰمَنَّا بِهٖ** ہم اس پر ایمان لائے وہ اکیلا ہے جب ہمیں معلوم ہوا کہ اس کے ماسوا یا نعمت ہے یا وہ ہیں جس پر اس کا انعام ہے ہم نے اس سے کفر نہیں کیا جیسے تم نے کیا۔

نکتہ : امنا کی بہ پر تقدیم کفار کے لئے تعریض ہے کہ اس کے بعد یہ مذکور ہوا۔ **وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا** اور ہم نے صرف اسی پر بھروسہ کیا اور جملہ امور اسی کو سپرد کئے نہ کہ اس کے غیر کو، جیسے تم نے کیا کہ تمہارا حال ہے کہ تم نے اپنے مردوں اور اموال پر بھروسہ کیا کیوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ اس کے ماسوا تمام کے تمام کسی کو نفع و نقصان نہیں دے سکتے۔

نکتہ : یہاں توکلنا پر علیہ کی تقدیم اختصاص پر دلالت کرتی ہے **فَسَتَعْلَمُوْنَ** کفار مکہ تم عنقریب جان لوگے جب عذاب کو آنکھوں سے دیکھو گے **مَنْ** استفہامیہ یا موصولہ ہے **هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** کون ہے وہ جو کھلی گمراہی میں ہے تم یا ہم یعنی عنقریب خطار ظاہر ہو جائے گی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ علیہ توکلنا الخ یعنی ہم اس کے فیض اتم ولطف اعم پر ہم نے کلی طور بھروسہ کیا نہ کہ اس کے غیر پر عنقریب تم معلوم کرلوگے کہ استفاضہ (فیض حاصل کرنا) کے لئے کس نے اس کی طرف توجہ کی اور کس نے اس سے انکار کر کے روگردانی کی۔

تفسیر عالمانہ **قُلْ** (اے اکرم الخلق محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایئے **اَرَءَيْتُمْ** مجھے خبر دو **اِنْ اَصْبَحَ** اگر ہو جائے (اصبح بمعنی صار ہے (ماؤکم) تمہارا پانی اے اہل مکہ دونوں کنوؤں (۱) بئر زمزم (۲) بیر میمون الحضرمی) ہو جائے (غوراً) اصبح کی خبر ہے۔

حل لغات غور مصدر بمعنی فاعل یعنی غائر (یعنی وہ پانی بالکل زمین میں چلا جائے اور اتر جائے کہ وہاں تک ہو کہ نہ پہنچ سکے اور نہ ہی دیگر کسی حیلہ سے حاصل کیا جا سکے جیسے مصدر کو

وصف فاعل میں لانے سے معلوم ہوتا ہے یعنی وہ پانی زمین میں دھنس جاتے کہ نہ ہاتھ پہنچ سکے نہ بو کہ کیا جاتا ہے
غارالماء الخ یعنی پانی زمین میں دھنس گیا المفردات میں ہے لفور بمعنی المنبط من الارض زمین میں گرنے والا۔
فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ تو اس وقت تمہاری کمزوری پر کون لائے گا **بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ** جاری پانی۔

حل لغات معین عان الماء یا مَعَنَ سے ہے ہر دونوں کا معنیٰ ہے بہری (جاری ہوا) یا معین بمعنی ظاہر وہ چشمے جن سے پانی آسانی سے حاصل ہو سکے یعنی وہاں ہاتھ پہنچ سکے اس معنیٰ۔ معین بمعنی اسم مفعول ہے از عین بمعنی الناظرہ جیسے مبیع از بیع۔

نکتہ: قُلْ کا تکرار مقول کی تاکید اور مقول لہ کو خوش کرنے کے لئے ہے۔

سوال: تمام نعمتوں کا ذکر چھوڑ کر پانی (نعمت) کا ذکر کیوں۔

جواب: پانی ہر جگہ موجود اور بہت کم مفقود (گم) ہوتا ہے (الاسئلۃ المقحمہ)

مسئلہ: آثار میں ہے کہ اس سورۃ (ملک) کو ختم کرنے کے بعد پڑھنا چاہیے۔ اللہ رب العالمین اللہ رب العالمین پانی لائے گا۔

حکایت تفسیر زاہدی میں ہے کہ کسی زندیق نے سنا کہ استاد شاگرد کو یہی آیت سنا کر تلقین کر رہا تھا کہ پانی کون لاتا ہے۔ زندیق نے کہا کستی اور کام کرنے والا مزدور۔

فائدہ قاموس میں ہے اکہ المعول وہ ہے کہ آلہ جس سے پہاڑ کھودے جلتے ہیں یعنی کستی کدال وغیرہ۔ زندیق سرکش اسی دن کی آنے والی رات کو اندھا ہو گیا۔ ہاتف کچھ کہتا تھا اسے سنائی دیتا تھا لیکن کوئی نظر نہیں آتا تھا وہ ہاتف کہتا تھا کہ تیری آنکھ میں پانی دھنس گیا ہے۔ اسے مزدوروں کو کہو تاکہ وہ کستی اور کدال سے لائیں۔ (زنکالیں)
ہم اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے ہیں اس پر اس کی آیات، پر جرأت کرنے اور قرآن اور اس کی آیات کی ہتک سے۔

سبق: اس کی آنکھ چھین لی گئی تاکہ جنس عمل سے ہی سزا ہو۔

حکایت: مثنوی شریف میں یوں ہے ؎

۱: فلسفیٔ منطقیٔ مستہان
می گذشت از سوئے مکتب آن زمان

۲: چونکہ بشنید آیت او از ناپسند
گفت ما آریم آبے بر بلند

۳: تا بزخم بیل و تیزیٔ تبر
آب را آریم از پستی زبر

۴ : شب بخفت و دید او یک شیر مرد
زد طپانچہ ہر دو خشمس کور کرد

۵ : گفت ہاں زین چشمۂ چشم ای شقی
بالتبر نوری بر آرار صادقی

۶ : رو زبر جست و دو چشمش کور دید
نور فائض از دو چشمش نا پدید

ترجمہ ۱ : ایک فلسفی معقولی (بے دین) ذلیل۔ دن کو ایک مدرسہ سے گزرا
۲ : جب یہ آیت سنی تو اسے پسند نہ آئی۔ کہا پانی ہم اوپر لا سکتے ہیں۔
۳ : کسی اور کدال کی تیزی سے نیچے سے اوپر پانی نکال لائیں گے۔
۴ : رات کو سویا تو ایک مرد شیر دیکھا جس نے طمانچہ مار کر اسے اندھا کر دیا۔
۵ : فرمایا اے بدبخت اس آنکھ کے چشمے سے اگر تو سچا ہے تو نور لے آ۔
۶ : دن کو اٹھا تو دونوں آنکھوں سے اندھا تھا اس کی دونوں آنکھوں سے نور نکل گیا۔

فضائل سورۃ الملک

حدیث شریف میں ہے کہ ایک سورت کی تیس آیات ہیں وہ پڑھنے والوں کو دوزخ سے نکال کر بہشت میں داخل کرے گی اور سورۃ ملک شریف ہے۔

فائدہ : التیسیر (تفسیر) میں ہے کہ اس سورۃ کی تیس آیات اور تین سو تینتیس ۳۳۳ کلمات اور ایک ہزار تین سو اکیس حروف ہیں۔

(۲) ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک ہر مومن کے دل میں ہے۔

(۳) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو آرام فرمانے سے پہلے سورۃ ملک والم تنزیل (سجدہ) تلاوت فرماتے تھے۔

(۴) سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو اسے پڑھے گا وہ قیامت میں ملائکہ کرام کے پروں پر آئے گا اور اس کا چہرہ یوسف علیہ السلام کے چہرہ جیسا ہوگا۔

(۵) **حکایت :** سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے ایک قبر پر بے خبری میں خیمہ لگایا اچانک وہاں سنا کہ کوئی شخص سورۃ الملک پڑھ رہا ہے وہ صحابی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں نے بے خبری میں قبر پر خیمہ لگایا تو اس جگہ (قبر) سے سورۃ الملک پڑھنے والے (صاحب قبر) نے پڑھی آپ نے فرمایا یہ سورۃ مانعہ (عذاب سے روکنے والی) ہے

اور یہ منجیہ ہے کہ عذابِ قبر سے نجات دلاتی ہے توراۃ میں اس کا نام مانعہ اور انجیل میں اس کا نام ورقیہ ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ اقدس میں اس کا نام المنجیہ تھا۔

۶ ؛ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قبر میں نکیرین میت کے سر کی طرف سے آئیں گے انہیں کہا جائے گا اس پر تمہارا کوئی چارہ نہیں اس لئے کہ یہ سورۃ ملک پڑھا کرتا تھا پھر اس کے پاؤں کی جانب سے آئیں گے تو کہا جائے گا تمہارا اس پر بس نہ چلے گا کیوں کہ وہ رات کو قیام (نماز) میں سورۃ ملک پڑھا کرتا تھا، پھر وہ اس کے پیٹ کی جانب سے آئیں گے تو کہا جائے گا تمہارا اس پر بس نہ چلے گا کیوں کہ یہ سورۃ ملک کا حافظ ہے یعنی اس نے اس سورۃ کو اپنے پیٹ (دل) میں محفوظ کر رکھا تھا۔

فائدہ : جو اسے دن یا رات کو پڑھے گا وہ مال و اسباب بکثرت پائے گا اور خوش رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اہلِ حقائق کے نزدیک سورۃ ملک اس امام (دل) کی سورۃ ہے جو قطب زمانہ کے دائیں جانب رہتا ہے اور وہ اس کے عالم شہادت کا ناظر ہے جیسا کہ اس کی طرف ملک الناس دال ہے۔

اس سورۃ کا راز اس کے اوّل میں اور سورۃ یٰس کا راز آخر میں ہے وہ ہے فسبحٰن الذی الخ یہی وجہ ہے کہ یہ سورۃ نزع روح کے وقت میت کو سنائی جاتی ہے کیوں کہ یہ ملکوت یعنی روح کے قبض کا وقت ہے اور وہ صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

رد وہابیہ موتیٰ قبور میں قرآن پڑھتے ہیں اور مرنے کے بعد نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور علم بھی سیکھتے ہیں قرأۃ القرآن پر دلیل وہ حدیث ہے جسے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا ہے (اخرجہ السیوطی رحمۃ اللہ علیہ)

عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال یعطی المومن مصحفا یقراء فی القبر

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن کو قرآن عطا ہوتا ہے جسے وہ قبر میں تلاوت کرتا ہے۔

حکایۃ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ثابت البنانی رضی اللہ عنہ کو قبر میں دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں (ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی قبر سے ایک اینٹ گر گئی تھی اس سے سوراخ ہوا تو آپ نماز پڑھتے دیکھے گئے ویسے عوام ان کی قبر سے ان کا قرآن پڑھنا سنتے تھے۔

تعلیم القرآن میت کا حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ مومن جب مرجاتا ہے اور اس نے قرآن حفظ نہ کیا ہو تو حفظہ ملائکہ کو حکم

ہوتا ہے کہ اسے قبر میں قرآن پڑھائیں یہانتک کہ وہ اپنے اہل کے ساتھ (قیامت میں) قبر سے اُٹھے۔

قصہ مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ کی توبہ کا

حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ کی دو سالہ لڑکی فوت ہوگئی یہ اس وقت کی بات ہے جب آپ تائب نہیں ہوئے تھے لڑکی کو خواب میں دیکھا تو لڑکی نے کہا اباجی الم یان للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ کیا وہ ابھی وقت نہیں آیا کہ اہل ایمان کے لئے کہ ان کے قلوب ذکر الٰہی کے لئے خشوع کریں۔ مالک بن دینار سن کر رو پڑے اور کہا بیٹی کیا تم لوگ قرآن مجید کو جانتے ہو عرض کی اباجی ہم تم لوگوں سے قرآن مجید کو زیادہ جانتے ہیں۔

فائدہ: حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ کی توبہ کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے۔

فائدہ: امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الجواہر (والیواقیت) میں بعض اہل اللہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ بعض اہل برزخ میں ایسے حضرات ہوتے ہیں جن کی ہمت میں سے ایک ایسا شخص پیدا کیا جاتا ہے جو اس کی قبر میں وہ عمل کرتا رہے جو اس کا دنیا میں اکثر ہوتا تھا اور اس کا ثواب برزخ تک اس کے عملنامہ میں لکھا جائے جیسے حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے لئے ہوا کہ ان کی قبر میں ایسا شخص دیکھا گیا جو ان کی صورت میں ان کی قبر میں نماز پڑھتا تھا لوگوں نے سمجھا کہ شاید وہی (اصل) ثابت بنانی ہیں حالانکہ وہ تو ان کی ہمت کا ایک مثالی شخص تھا ایسے ہی اہل برزخ کی خیالی صورتیں بعض اہلِ دنیا کو خواب اور بیداری میں نظر آتی ہیں۔

فائدہ: وہ مثالی صورت جو دیکھی جاتی ہے وہ ایک فرشتہ ہوتا جسے اس ولی اللہ کی ہمت سے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا یا کوئی مثالی صورت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قائم فرمائی تاکہ جو اللہ چاہے لوگوں کے حوائج و ضروریات (اس صورۃ مثالی) کے ذریعے پورے فرمائے (اسی لئے اہلسنت عوام و خواص کا مزارات اولیاء کرام پر حاضر ہوکر حاجات کا طلب کرنا حق ہوا اور یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے جس کے وہابی۔ دیوبندی منکر ہیں) کیونکہ ارواح تو برزخ میں ہیں دنیا کی طرف جانے کا کیا معنی۔

مسئلہ: ارواح انبیاء علیہم السلام وہ دنیا و آخرت ہر دونوں کی طرف متوجہ ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام شب معراج میں

امام سیوطی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ بعض محققین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ مزار میں کھڑے ہوکر نماز پڑھ رہے ہیں پھر کہا چھٹے آسمان پر اُن سے ملاقات ہوئی تو وہ آسمان میں مثالی بدن میں تھی اور ارواح کو اس اصلی بدن سے بھی اتصال تھا۔ جو نماز پڑھ رہا تھا

اور سلام عرض کرنے والے کو سلام کا جواب دیتا ہے۔ یہی رفیق اعلیٰ ہے۔

ردِ وہابیہ

اور ان دو امروں میں منافات بھی نہیں کیوں کہ ارواح کا معاملہ ابدان سے مختلف ہے اس کی مثال شمس (سورج) کی سی ہے کہ وہ آسمان میں ہے۔ لیکن اس کی شعاعیں زمین کے ذرہ ذرہ میں ہیں۔

حاضر و ناظر کا ثبوت

یہی حال روحِ محمدی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا ہے کہ جو آپ کے مزار پر سلام عرض کرے تو آپ ہمیشہ اسے فوراً سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں۔ حالانکہ قطعی فیصلہ ہے کہ آپ کی روح پاک اعلیٰ علیین میں ہے۔ حالانکہ وہ روح اقدس مزار سے بھی منقطع نہیں ہوتی جیسے آپ سے روایات مرویہ ہیں (ردِ وہابیہ) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

والرسول له الخیار فی طواف العوالم مع ارواح الصحابة رضی اللہ عنھم لقد راٰه کثیر من الاولیاء (روح البیان ص ۹۹ ج ۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع ارواح صحابہ رضی اللہ عنہم عوالم کی سیر میں اختیار ہے چنانچہ بہت سے اولیاء کرام نے آپ کی زیارت کی۔"

نیز فرمایا حضرت صدر الدین قنوی قدس سرہ نے کہ

فمن ثبت المناسبة بینه وبین الارواح الکمل من الانبیاء والاولیاء الماضین اجتمع بھم متی شاء وتوجه توجھا وحدانیا یقظة ومناما (روح البیان ص ۹۹ ج ۱۰)

جسے ارواح کاملین از انبیاء و اولیاء صاحبان وصال (مزارات والے) سے مناسبت ثابت ہے تو وہ ان سے ملاقات کرتا ہے جب چاہتا ہے جب بھی توجہ وحدانی سے متوجہ ہوتا ہے تو بیداری میں اور خواب میں ان کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہ

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ سورۃ ملک کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی مدد سے یکم شعبان المبارک ۱۱۱۴ھ کو مکمل ہوئی

اور فقیر اویسی غفرلہ نے سورۃ ملک کی تفسیر کے ترجمہ سے ۴ ربیع الآخر ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۸۶ء ۱۰ بجے شب سہ شنبہ کو فراغت پائی۔ الحمد للہ علی ذلك وصلی اللہ علیٰ حبیبه الاکرم وعلیٰ آله واصحابه وجندہ الاعظم۔ (بہاولپور پاکستان۔)

سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ٥٢ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورۂ قلم مکیہ ہے اس میں | اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا | باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ﴿١﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿٢﴾ وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا

قلم اور ان کے لکھے کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں اور ضرور تمہارے لیے

غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿٣﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿٤﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ﴿٥﴾ بِاَيِّكُمُ

بے انتہا ثواب ہے اور بے شک تمہاری خو بو بڑی شان کی ہے تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی دیکھ لو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے

الْمَفْتُوْنُ ﴿٦﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿٧﴾

کہ تم میں کون مجنون تھا بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکے اور وہ خوب جانتا ہے جو راہ پر ہے

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٨﴾ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ

تو جھٹلانے والوں کی بات نہ سننا وہ تو اس آرزو میں ہیں کہ کسی طرح تم نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑ جائیں اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں

مَّهِيْنٍ ﴿١٠﴾ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ﴿١١﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿١٣﴾

کھانے والا ذلیل بہت طعنے دینے والا بہت ادھر کی ادھر لگاتا پھرنے والا بھلائی سے بڑا روکنے والا حد سے بڑھنے والا گنہگار

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٤﴾ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٥﴾

درشت خو اس سب پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا اس پر کہ کچھ مال اور بیٹے رکھتا ہے جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں کہتا ہے کہ

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿١٦﴾ اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ ۚ اِذْ اَقْسَمُوْا

اگلوں کی کہانیاں ہیں قریب ہے کہ ہم اس کی سور کی سی تھوتھنی پر داغ دیں گے بے شک ہم نے انہیں جانچا جیسا اس باغ والوں کو جانچا تھا

لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ

جب انہوں نے قسم کھائی کہ ضرور صبح ہوتے اس کے کھیت کاٹ لیں گے اور ان شاء اللہ نہ کہا تو اس پر تیرے رب کی طرف سے ایک پھیری کر لے

وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿١٩﴾ فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿٢١﴾ اَنِ اغْدُوْا

والا پھیرا کر گیا اور وہ سوتے تھے تو صبح رہ گیا جیسے پھل ٹوٹا ہوا پھر انہوں نے صبح ہوتے ایک دوسرے کو پکارا کہ تڑکے اپنی کھیتی

عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ ﴿٢٢﴾ فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿٢٣﴾ اَنْ لَّا

کو چلو اگر تمہیں کاٹنی ہے تو چلے اور آپس میں آہستہ آہستہ کہتے جاتے تھے کہ ہرگز آج

يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿٢٤﴾ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا

کوئی مسکین تمہارے باغ میں آنے نہ پائے اور تڑکے چلے اپنے اس ارادہ پر قدرت سمجھتے پھر جب اسے دیکھا بولے

رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ

بے شک ہم راستہ بہک گئے بلکہ ہم بے نصیب ہوئے ان میں جو سب سے غنیمت تھا بولا کیا میں تم

لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

سے نہیں کہتا تھا کہ تسبیح کیوں نہیں کرتے بولے پاکی ہے ہمارے رب کو بے شک ہم ظالم تھے اب ایک دوسرے کی طرف

عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ

ملامت کرتا متوجہ ہوا بولے ہائے خرابی ہماری بے شک ہم سرکش تھے۔ امید ہے ہمیں ہمارا رب اس

يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ﴿۳۲﴾ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ

سے بہتر بدل دے ہم اپنے رب کی طرف رغبت لاتے ہیں مار ایسی ہوتی ہے اور بے شک آخرت کی مار سب سے

اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾

بڑی کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے بے شک ڈر والوں کے لیے ان کے رب کے پاس چین کے باغ ہیں

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ

کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کا سا کر دیں تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو کیا تمہارے لیے

فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا

کوئی کتاب ہے اس میں پڑھتے ہو کہ تمہارے لیے اس میں جو تم پسند کرو یا تمہارے لیے ہم پر کچھ قسمیں ہیں قیامت

بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾

تک پہنچتی ہوئی کہ تمہیں ملے گا جو کچھ دعویٰ کرتے ہو تم ان سے پوچھو ان میں کون سا اس کا ضامن ہے

اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ

یا ان کے پاس کچھ شریک ہیں تو اپنے شریکوں کو لے کر آئیں اگر سچے ہیں جس دن ایک ساق کھولی جائے گی

سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ

جس کے معنی اللہ ہی جانتا ہے اور سجدہ کو بلائے جائیں گے تو نہ کر سکیں گے نیچی نگاہیں کیے ہوئے ان پر خواری

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِيْ

چڑھ رہی ہوگی اور بے شک دنیا میں سجدہ کے لیے بلائے جاتے تھے جب تندرست تھے تو جو اس بات کو

وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾

جھٹلاتا ہے اسے مجھ پر چھوڑ دو قریب ہے کہ ہم انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں سے انہیں خبر نہ ہوگی

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ اَمْ تَسْـَٔـلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ۝

اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے یا تم ان سے اجرت مانگتے ہو کہ وہ چٹی کے بوجھ میں دبے ہیں

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ

یا ان کے پاس غیب ہے کہ وہ لکھ رہے ہیں تو تم اپنے رب کے حکم کا انتظار کرو اور اس مچھلی والے کی طرح نہ ہونا

الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ ۝ لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ

جب اس حال میں پکارا کہ اس کا دل گھٹ رہا تھا اگر اس کے رب کی نعمت اس کی خبر کو نہ پہنچ جاتی تو ضرور میدان پر

لَنُبِذَ بِالْعَرَاۗءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ فَاجْتَبٰىهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

پھینک دیا جاتا الزام دیا ہوا تو اسے اس کے رب نے چن لیا اور اپنے قرب خاص کے سزاواروں میں کر لیا

وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا

اور ضرور کافر تو ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ گویا اپنی بد نظر لگا کر تمہیں گرا دیں گے جب قرآن سنتے

سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ

ہیں اور کہتے ہیں یہ ضرور عقل سے دور ہیں اور وہ تو نہیں مگر نصیحت سارے

لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

جہاں کے لیے

تفسیر عالمانہ

نٓ یعنی یہ سورۃ نون ہے یا بمعنی بحق نون اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کی قسم یاد فرمائی ہے حکم کے اثبات کے لئے بطریقۂ تاکید جیسے مخلوق کی عادت ہے علاوہ ازیں اس سے مقسم بہ کے شان کا اظہار ہے۔

فائدہ: نٓ لکھنے میں ایک حرف لیکن پڑھنے میں تین حروف ہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اسے ایک حرف کے بدلے نیکی نصیب ہوں گی اور ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہونگی میں نہیں کہتا کہ الٓمٓ حرف ہے بلکہ الف علیحدہ حرف ہے لام اور میم علیحدہ علیحدہ،

فائدہ: اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد حروف تہجی ہیں اس معنیٰ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ نٓ کے پڑھنے سے تیس (۳۰) نیکیاں نصیب ہوں اس لئے کہ نٓ پڑھتے وقت تین

حروف ہیں دونون اور ان کے درمیان واؤ۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ نٓ اسم نور و ناصر کی کنجی ہے یا اللہ تعالیٰ نے نصرۃ اللہ کی قسم یاد فرمائی جو اہل ایمان کو نصیب ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا **وکان حقاً علینا نصر المومنین** ہم پر حق ہے اہل ایمان کی مدد کرنا (از روئے لطف و کرم)

نٓ رسول اللہ کا نام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نٓ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ایک اسم ہے باینمعنی کہ جب تین صورتوں کے اوائل کا اجتماع ہو تو الرحمٰن بنتا ہے۔ (۱) الٓرٰ (۲) حٰمٓ (۳) نٓ۔

بعض نے کہا کہ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء میں سے ایک نام ہے (التکملہ)

اول ماخلق اللہ نوری شاید اس قائل کا اشارہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی اوّل ما خلق اللہ نوری[1]۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا (روح البیان ج۱۰ ص۱۰۱) اس معنی پر آپ کا اسم نور ہوا۔

سوال : اس سے تو تکرار لازم آتا ہے کیوں کہ آپ کے اسماء میں سے القلم بھی ہے جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا **اَوّل ما خلق اللہ القلم** (روح البیان ج۱ ص۱۰۱) سب سے پہلے اللہ تعالیٰ قلم کو پیدا فرمایا[2]۔

جواب : یہ تفاسیر عنوانی ہے اور تغایر عنوانی ہے اور تغایر عنوانی بمنزلہ

---

[1] : افسوس ہے کہ دور حاضرہ میں اس حدیث شریف کو موضوع کہدیا جاتا ہے یا کم از کم ضعیف کہنے والے تو بکثرت ہیں لیکن الحمد للہ ہمارے ہاں یہ حدیث صحیح ہے اس کے دلائل نقیر کی کتاب شرح حدیث اوّل ماخلق اللہ نوری میں ملاحظہ ہو۔ (اویسی غفرلہ)

[2] : اور قلم سے مراد بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہیں اگرچہ ہمارے دور کے خوارج سرے سے روایات کو نہیں مانتے اگر کوئی انہیں نرم ہو کر مان بھی لیں کہ یہ روایات صحیح سہی لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کہ حضور علیہ السلام روح بھی ہوں نور بھی اور قلم بھی، تو اس کا جواب ظاہر ہے کہ حیثیات مختلفہ کی وجہ سے اسماء مختلف ہوں تو کیا حرج ہے مثلاً ایک صاحب قرآن کا حافظ و عالم و عامل ہے اور پھر بالبعض کا باپ ہے کسی کا بیٹا ہے اور وہی مقرر ہے مدرس ہے خطیب ہے وغیرہ وغیرہ تو اسے ان اوصاف مختلفہ سے علیحدہ

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

تفایر فی الذات ہے اس تقریر پر حضور علیہ السلام باعتبار نورانیت کے نون اور باعتبار صاحب القلم کے قلم ہیں جیسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ المسلول بھی کہا جاتا کیوں کہ آپ صاحب سیف (تلوار) تھے۔

فائدہ: بعض نے کہا وہ (ن) نور کی لوح یا ایک نہر کا نام ہے جو بہشت میں ہے۔

فائدہ: المفردات میں ہے کہ نون بڑی مچھلی کو کہا جاتا ہے اسی لئے حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مچھلی کی قسم یاد فرمائی ہے جس نے نمرود کے تیر کو اپنا خون سے آلودہ کیا جب کہ اس نے آسمان کی طرف تیر پھینکا تو وہ خون آلود تھا اس مچھلی کے خون سے جو آسمان میں ہے ہوا پر معلق ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت افزائی کرتے ہوئے اس کی قسم یاد فرمائی اور انعام یہ دیا کہ اس کی تمام جنس کو ذبح کے بغیر حلال فرما دیا۔ اسی لئے حکم ہے کہ دو مردار بغیر ذبح کے حلال ہیں۔

(۱) مچھلی (۲) ٹڈی اسی معنیٰ میں ہیں وہ جو طعام تحلیل (مل جائیں) جیسے چھوٹے کیڑوں کا طعام کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) علیحدہ کر کے پوچھا جائے تو اسی ایک صاحب کا نام آئے گا تو پھر ہم کیوں اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف اوصاف پر وہی کہیں جو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اور فرمایا ؎

لوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ، تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرّۂ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب
آیۂ کائنات کا معنیٔ دیر یاب تُو
نکلے تیری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بُو
(بالِ جبریل۔)

بے خبری میں پک جانا کیوں کہ ان سے احتراز ناممکن ہے ہاں انہیں علیحدہ کھانا حرام ہے اس طرح جیسے مکھی بچھو وغیرہ اور ہر وہ جو جس میں بہنے والا خون نہیں ان کی حرمت کی دلیل تو کوئی نہیں البتہ ان سے طبعی کراہت ہے اگر کسی کی گندی طبیعت ان سے کراہت نہ ہو تو کھا سکتا ہے اور اس کی گندی ایسی گندی چیزوں کی خوگر ہے تو اس کی خصوصی طبیعت پر اسے چھوڑ دیا جائے کیوں کہ اس کی طبیعت خبائث کی خوگر ہے کہ اس طبیعت میں گرفتار ہے جس میں گندگیوں کا گھر ہے بہر حال ایسی چیزوں کو نہیں کھانا چاہیے[1]

---

[1] : جیسے ہمارے دور میں انڈیا کا ایک سابق وزیر اعظم مرار ڈیسائی اپنے پیشاب کے پینے کو فخر محسوس کرتا ہے اسکے دور حکومت (انڈیا) میں اس کی یہ خبر تمام دنیا کے اخبارات میں شائع ہوئی۔

[1] : آپ تعجب نہ کریں کہ ایسی گندی طبیعت کے لوگ بھی دنیا میں ہوں گے مرار ڈیسائی کا حال پڑھ لیا تو اب فقیر آپ کو دین کے ٹھیکیداروں کا حال دکھلائے کہ ایک طرف عالم دنیا میں ان کے علم و عمل کا چرچہ ہے بلکہ خود انہیں اپنی دستار و جبہ اور دین کی ٹھیکیداری پر ناز ہے تو دوسری طرف طبائع کا نہیں فتاوی کا یہ حال ہے۔

وہابی غیر مقلدین جانور کے بہنے والے خون کے ماسوا اس کی تمام اشیاء و جملہ اجزاء کو پاک و طاہر قرار دیتے ہیں جیسا کہ " اس کی منی، گوبر، پیشاب اور پیشاب نکلنے کی جگہ، مینگنی اور مینگنی نکلنے کی جگہ سب پاک و طاہر جانتے ہیں یہاں تک کہ وہ مردار بچہ بھی حلال ہے جو جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ میں سے مرا ہوا نکلے۔ الغرض جانور کے بہتے خون کے ماسوا اس کے باقی اجزاء میں سے کوئی جزو نہ نجس ہے نہ حرام ہے (ملاحظہ ہو۔ ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث لاہور ۱۹؍ اکتوبر ہفت روزہ الاسلام ۲ نومبر، ہفت روزہ الاعتصام ۲۳؍ نومبر)

بجو : اور تو اور ان کے نزدیک بجو بھی شکار ہے (حلال ہے) (عرف الجادی ص ۲۳۵)

بیوی کا دودھ پینا بھی جائز ہے (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۳۱۲)

الو : حلال ہے (فتاویٰ ستاریہ) (اس پر مظاہرے بھی کرتے ہیں) الحیاۃ بعد المماۃ

گوہ : حلال ہے (عام فتاویٰ) ابھی پیش کرو (شیر مادر کی طرح کھانے کو تیار ہیں۔)

گھوڑا : حلال ہے (فتاویٰ ستاریہ) وغیرہ۔

جملہ حشرات الارض (نزل الابرار)

وہابی دیوبندی کالا کوا (معروف) جو عموماً گھروں میں آتا ہے اس کا کھانا حلال ہی نہیں ثواب بھی ہے۔ ہندو تہوار ہولی دیوالی کی کھیلیں پوری کھانا درست ہے، ہندو کے

تھوک سے طبعی کراہت یہ طبیعت بھی گندی متصور ہوتی ہے جو اپنی تھوک کو منہ میں جمع کر کے نگل لے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ (احیاء العلوم الغزالی قدس سرہٗ)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ) سودی روپیہ کے پیاؤ (سبیل) سے پانی پینے میں مضائقہ نہیں (فتاویٰ رشیدیہ صـ ۲۹۶ - ۲۷۴ -) انگلی پر گندگی لگی ہو اسے چاٹ لینے سے انگلی پاک ہو جاتی ہے (بہشتی زیور) مزید تفصیل فقیر کی کتاب (۱) وہابیوں کے اور (۲) دیو بندیوں کے دلچسپ مسئلے۔

تبصرہ اویسی غفرلہ مذکورہ بالا فرقوں نے حرام و ناپاک کسے قرار دیا ہے؟ میلاد و عرس و گیارہویں کے تبرکات و طیبات کو اور حلال و پاک کسے ٹھہرایا ہے؟ جانوروں کی منی پیشاب مینگنی۔ کیوے، مردار بچے۔ بجو۔ کوے۔ ہندوؤں کی کھیلیں سودی روپے کے پیاؤ۔ بیوی کے دودھ اور نطفہ کی لڑکی وغیرہ کو (ولا حول ولا قوۃ الا باللہ) یہ سب کچھ۔ محبوبانِ خدا کی بے ادبی کی پھٹکار اور میلاد و عرس و گیارہویں کی توہین کا نتیجہ و خمیازہ نہیں تو اور کیا ہے۔ جیسا کہ میلادِ مصطفیٰ کو مرحبا نہ کہنے والوں کو "مرحبا نہرو رسول السّلام" کہنا پڑا۔ اور جشن میلاد النبی کے منکرین کو "صد سالہ جشن دیو بند" منانا پڑا جس کی صدارت کے لئے ہندوستان کی کافرہ وزیر اعظم دیوی اندرا گاندھی کو مدعو کیا گیا اور اس نے اجلاس کی صدارت کی۔

۵ : لطیفہ : تھوک پاک ہے نہ منہ میں ہوتے ہوئے نہ منہ سے باہر نکل کر لیکن اسے منہ میں تو تھوڑی مقدار میں عموماً نگل لی جاتی ہے لیکن باہر نکال کر اپنی تھوک نہ کوئی خود پی سکتا ہے نہ اس کا کوئی اور دوسرا عزیز خواہ بیٹا ہو یا باپ یا شاگرد یا مرید (الا القلیل) اس لئے کہ اس میں طبعی کراہت ہے اسی لئے فقیر اویسی غفرلہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گستاخوں کو کہہ دیتا ہے کہ ہوش و حواس صحیح ہوں تو یہ کہنا چھوڑ دو کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نفس بشریت میں ہمارے جیسے ہیں صرف فرق نبوت کا ہے تو اپنی تھوک منہ سے نکال کر نگل لو تو انعام پاؤ گے لیکن فقیر کی اس پیش کش کو بڑے بڑے جلسوں کے بھرے پھر مجمعوں میں آج تک کسی نے قبول نہیں کیا اور نہ آئندہ ایسا کوئی مرد میدان نظر آتا ہے لیکن حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لعاب دہن مبارک اللہ اللہ چند مناظر ملاحظہ ہوں"

دیو بند کے حکیم الامۃ مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قدر محبت تھی کہ اگر آپ تھوک پھینکتے ہیں۔ تو وہ زمین پر نہیں گرتا اور جب وضو کرتے ہیں تو اس کا غسالہ اپنے ہاتھوں پر لیتے ہیں اور اگر کسی کو نہیں ملتا تو وہ دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مل کر اپنے منہ پر پھیر لیتا ہے

سوال : نٓ سے اگر مچھلی مراد ہو تو معطوف ومعطوف علیہ میں مناسبت نہیں رہتی جیسے بادشاہ کی آستین اور ہزار بیگن میں کوئی مناسبت نہیں۔

جواب : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ نٓ (مچھلی) اور القلم میں ایک مخفی مناسبت ہے جس کا ادراک اہل حقائق کو ہی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ مچھلی کا جگر اہل جنت کی غذا ہے جب بہشت میں داخل ہوں گے تو سب سے پہلی غذا مچھلی کا جگر ہو گا) سے کھاتے ہی اہل جنت ابدان میں دائمی حیات پائیں گے۔ ایسے قلم سے وہ علوم لکھے جاتے ہیں جن سے ارواح کو دائمی حیات نصیب ہوتی ہے اسی لئے سیدنا جبریل علیہ السلام کو رُوح کہا جاتا ہے کہ وہ وحی لاتے ہیں جو قلوب وا ... ح کی حیات کا سبب ہے اس معنیٰ پر نٓ والقلم پانی اور علم کی طرح ہوں گے اس تقریر سے ثابت ہوا کہ نٓ (یعنی موت) والقلم میں مناسبت تامہ ہے اور معترض نے جو قیاس (آستین اور ہزار بیگن) پیش کیا ہے وہ سراسر باطل اور غلط ہے۔ بلکہ اس کا قائل جاہل (از معرفت) ہے۔

(حاشیہ بقیہ سابقہ صفحہ) یہ لکھ کر مولوی اشرف علی نے لکھا کہ صاحبو! بتلایئے! یہ بھی کہیں قرآن میں یا حدیث میں حکم ہے کہ نبی کریم کا غسالۂ وضو اپنے مونہہ پر ضرور ملا کرو" (فوائد الصحبۃ ص ۲۲) حکیم الامت صاحب کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ محبت رسول کا مظاہرہ کرنا سنت صحابہ ہے۔ اگرچہ اس قسم کے مظاہرہ کا حکم نہ قرآن میں ہو۔ نہ حدیث میں اور اس قسم کے مظاہرہ کو بدعت کہنا محبت رسول سے خالی ہونے کی علامت ہے بلکہ علماء کرام تو فرماتے ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بول و براز مبارک طیب و طاہر ہے دو حوالے حاضر ہیں۔

(۱) حضرت الامام الحافظ عبد الغنی قدس سرہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے براز مبارک کے متعلق استفسار کیا گیا کہ آیا آپ کے براز شریف کو زمین نگل لیا کرتی تھی یا نہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ غریب طریقہ سے تو یہی مروی ہے کہ زمین نگل لیا کرتی تھی (جواہر البحار ص ۲۷۹ ج ۲)

(۲) حضرت شیخ رملی قدس سرہ نے فرمایا کہ

والظاہر یؤیدہ فانہ لم یذکر عن احد من الصحابۃ انہ رآہ ولا ذکرہ۔

جواہر البحار ص ۲۷۹ ج ۲

بظاہر تائید اسی کی ہوتی ہے کہ آپ کے براز شریف کو زمین نگل لیتی تھی کیونکہ کسی صحابی سے مروی نہیں کہ اس نے آپ کے براز شریف کو دیکھا ہے اور نہ ہی دیکھنے کا ذکر کیا ہے۔

یونس علیہ السلام کی مچھلی

بعض نے کہا کہ نٓ (حوت) سے مراد حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی ہے جس نے آپ کو اپنے پیٹ میں جگہ دی اسی لئے یونس علیہ السلام کا نام اللہ تعالیٰ نے ذوالنون رکھا ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا اس سے مراد وہ مچھلی ہے جس کی پیٹھ پر زمین ہے اور وہ مچھلی اس دریا میں ہے جو زمین کے نیچے ہے اس کا نام ہے لیوثا یا یہوت (یاء مثناۃ تحتانیہ) اور عین المعانی میں ہے کہ وہ لوثیا یا برہوت ہے جیسے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ؎

مالی اراکم کلکم سکوتا

واللہ ربی خلق البر ہوتا

میں تمہیں خاموش دیکھتا ہوں کیا وجہ ہے۔ مجھے اللہ رب کی قسم جس نے برہوت کو پیدا فرمایا۔

ساتوں زمینوں کے نیچے کے معلومات و عجائبات

مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا فرمائی تو تتکفأ کما تتکفأ السفینۃ زمین تھرتھراتی تھی جیسے کشتی پانی میں ہچکولے کھاتی ہے۔

فائدہ: تتکفأ کما تتکفا، بمعنی تفطرب و تمیل (تھرتھراتی، ہچکولے کھاتی تھی) اللہ تعالیٰ نے اس کے روکنے کے لئے ایک فرشتہ بھیجا جس نے زمین کے نیچے پہنچ کر زمین کو کاندھے پر رکھ لیا۔

فائدہ: کاہل، ہجو صاحب کاندھوں کے درمیانی جگہ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ایک مشرق میں رکھا دوسرا مغرب میں پھر ان دونوں ہاتھوں سے ساتوں زمینوں کو مٹھی میں لے کر ساتوں زمینوں کو مضبوط کر لیا تب زمین تھرتھرانے سے ٹھہر گئی[1]۔ لیکن اس پر ملک (فرشتہ) مذکور کے پاؤں کو قرار نہ تھا (پھسل جاتے کبھی ادھر کبھی اُدھر) اللہ تعالیٰ نے ایک بیل بہشت سے اتارا جس کے چالیس ہزار سینگ اور چالیس ہزار پاؤں اس بیل نے فرشتے کے دونوں قدم اپنی کوہان پر رکھ دیئے تو بھی فرشتے کے دونوں قدم بیل کے کوہان پر جم نہ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سبز یاقوت بہشت سے بھیجا جس کی موٹائی

---

[1]: اسی لئے اہل اسلام کے نزدیک زمین ساکن ہے یہی عقیدہ قدیم سائنسدانوں کا تھا اس پر سید احمد علی گڑھی نے ایک کتاب لکھی جعل متین لسکون آسمان و زمین) لیکن جدید سائنس والوں کا دماغ اُلٹا تو کہہ دیا کہ زمین متحرک ہے، ہمارے انجان مسلمان بھی ان کے قول پر ہیں حالانکہ جدید سائنس کا یہ نظریہ غلط اور سراسر غلط ہے۔ (اویسی غفرلہ)

ہزار سال کی ہے اسے بیل کے کوہان پر رکھا گیا اس سے فرشتے کے پاؤں جم گئے اس بیل کے سینگ زمین کے کناروں سے باہر لیکن عرش کے تحت پنجہ لگائے ہوئے ہیں بیل کا ناک دریا کے نیچے اسی یاقوت سبز کے دو سوراخوں میں ہے وہ دن میں دوبار سانس نکالتا ہے جب نکالتا ہے تو دریا دراز ہو جاتا ہے جب کھینچتا ہے تو دریا ڈھیلا پڑ جاتا ہے بیل سے فرشتے کے پاؤں تو جم گئے لیکن بیل کے پاؤں کو قرار نہ تھا اللہ تعالیٰ نے بیل کے پاؤں کے قرار کے لئے ریت کا ٹیلہ پیدا فرمایا جس کی موٹائی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمین کے برابر ہے اس پر بیل کے قدم تو جم گئے لیکن ٹیلے میں قرار نہ تھا اللہ تعالیٰ نے مچھلی پیدا فرمائی جس کا نام ہے اس کے ایک پر پر مذکورہ بالا ٹیلہ رکھ دیا گیا (اوبر یعنی جناح پر وہ) جو پیٹھ کے درمیان میں ہو اور وہ قدرت الٰہی سے زنجیر سے جکڑی ہوئی اور زنجیر کی موٹائی کئی بار ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے جب شیطان ملعون اس مچھلی تک پہنچا تو اسے کہا تیرے سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے کوئی شئے نہیں بنائی تو پھر اس دنیا کے بوجھ کو کیوں نہیں پھینک کر گرا تی اس سے اس کا وسوسہ ڈالنا مطلوب تھا اللہ تعالیٰ نے مچھلی کے ناک کے اندر کٹھمل کو مسلط فرمادیا جس سے وہ اس میں مشغول ہو گئی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ایک جانور بھیجا جو اس کے ناک میں داخل ہو کر اس کے دماغ تک پہنچ گیا مچھلی نے اس کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کی اللہ تعالیٰ نے جانور کو حکم فرمایا تو وہ باہر نکل گیا۔

فائدہ: حضرت کعب نے فرمایا بخدا وہ جانور مچھلی کو دیکھتا ہے مچھلی اسے اگر شیطان مچھلی میں وسوسہ ڈالے تو وہ جانور اس کے اندر لوٹ آئے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس یاقوت اخضر سے جبل قاف پیدا فرمایا۔ کوہ قاف زمرد کا ہے اس کا سر اور چہرہ اور دانت ہیں پھر کوہ قاف بڑے بلند پہاڑ اگلئے جیسے درخت جڑوں سے اگتے ہیں۔

فائدہ: بعض کا گمان ہے کہ مچھلی اور بیل زمین کے اوپر کا تمام پانی روزانہ نگل جاتے ہیں اگر وہ اس پانی کو روزانہ نہ پئیں تو دریاؤں میں پانی سمانہ سکے گا لیکن باوجود روئے زمین کے پانی پی جانے کے پھر بھی پیاسے رہتے ہیں جب ان کا پیٹ پانی سے بھر جائے گا قیامت آجائے گی۔

فائدہ: بعض کا خیال ہے زمین پانی پر ہے اور پانی ابہں پتھر پر ہے جو بیل کے کوہان پر ہے اور بیل ریت کے ٹیلے کو لپیٹے ہوا ہے اور ریت کا ٹیلہ مچھلی کی پیٹھ پر ہے اور مچھلی عقیم (خشک) ہوا پر ہے اور ظلمت کے حجاب میں ہے اور ظلمت ثریٰ (زمین کا نچلہ آخری حصہ پر ہے) یہی مخلوق کے علم کا منتہیٰ ہے اس کے ماوراء کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہے وہی ہے زمین اور آسمانوں کے اندر اور ان کے مابین کی جملہ اشیاء کا اور تحت الثریٰ کا مالک۔

ازالۂ وہم کوئی یہ بد گمانی نہ کرے کہ ایسی روایات کی سند تو ہے نہیں تو ایسی روایات کم از کم انسان کی دینی بصیرت میں اضافہ کرتی ہیں اور عقیدہ مضبوط ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیم ہے اور اسے عجائب مخلوق میں تحیر ہو گا اگر یہ روایات صحیحہ ہوں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت و صنعت کے لئے کوئی مشکل نہیں اگر یہ اہل کتاب کی اختراع اور واعظین کے من گھڑت افسانے ہوں تو بھی بطور تمثیل و تشبیہ بیان کرنا برا نہیں۔ (خریدۃ العجائب)

زمین بردار مچھلی بعض مفسرین نے فرمایا کہ زمین کے ہفت طبقات کے نیچے ایک مچھلی پانی پر ہے جو زمین کا بوجھ اٹھائے ہوئے اس بوجھ سے کبڑی ہوتی ہوئی نٓ کی شکل میں ہو گئی اس کا پیٹ پانی میں دھنس گیا سر مشرق سے دم مغرب سے نکال کر چاہا کہ اللہ تعالیٰ سے زمین کے بوجھ سے گریہ کرے اسے جبریل علیہ السلام نے ایسا دھڑکا دیا کہ ڈر کے مارے خاموش ہو گئی اور تا قیامت خاموش پڑی رہے گی معمولی حرکت بھی نہ کرے گی اس کی خاموشی اور زمین کی باربرداری پر اسے دو شرافتوں سے مشرف فرمایا۔

۱: اسکی قسم یاد فرمائی اور وہ مچھلی اللہ تعالیٰ کی قسم کا محل بنی۔

۲: چھری اس کے گلے پر نہ پھرے بخلاف دوسرے جانوروں کے کہ انہیں چھری سے ذبح کیا جائے لیکن مچھلی پر چھری نہ پھیری جائے تاکہ مخلوق کو معلوم ہو کہ جو بوجھ اٹھاتا اور رنج و تکلیف میں مبتلا ہوتا اسے ضائع نہیں کیا جاتا۔

سبق اے جواں مرد اگر مچھلی نے زمین کا بوجھ اٹھایا تو انسان نے بھی بار امانت کاندھوں پر رکھا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وحملہا الانسان) وہ مچھلی جس نے زمین کا بوجھ اٹھایا تو اسے چھری کے عذاب سے محفوظ رکھا گیا تو کوئی بڑی بات نہیں کہ مومن کو بار امانت اٹھانے پر اسے ہجر و فراق کے عذاب سے محفوظ و مامون رکھا جائے۔ وَالْقَلَمِ قسم ہے قلم کی۔ قلم وہ جس سے لکھا جائے واؤ قسمیہ بر تقدیر اول و بر تقدیر ثانی عاطفہ ہے اس سے لوح والقلم مراد ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا تو اس پر نظر شفقت فرمائی تو قلم پھٹ کر دو حصہ ہو گیا پھر اسے فرمایا جو کچھ قیامت تک ہو گا تمام لکھ قلم نے سب کچھ (آنے والے حالات) لوح محفوظ پر لکھا[۱] آجال و اعمال و ارزاق یہی وہ تقدیر ہے جس کے تمام خیر و شر پر ایمان لانا فرض ہے اس کے

---

[۱]: جو بے خبر قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے خبری کی رٹ لگا رہی ہے وہ سوچے کہ قلم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہیں تو بھی اگر قلم دیگر شے ہے تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے خبر کہنا جہالت و سفاہت نہیں تو اور کیا ہے۔ ع: لیکن جب خدا عقل لیتا ہے تو حماقت آہی جاتی ہے (اویسی غفرلہ)

بعد قلم پر مہر لگادی اور تاقیامت پھر نہ بولے گا (قلم الٰہی کا تعارف) قلم کے نور کا طول آسمان و زمین کے درمیانی خلاء کے برابر ہے۔ قلم کے بعد نؔ مچھلی کو پیدا فرمایا اس پر زمین بچھائی پانی سے بخار اٹھا تو اس سے آسمان ظاہر ہوئے مچھلی متحرک ہوئی تو زمین دراز ہوئی بچھ گئی اس پر پہاڑ گاڑ دیئے گئے اور یہ پہاڑ تاقیامت زمین پر رہیں گے ن و قلم کے درمیان مناسبت ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔

فائدہ: الوسیط میں واحدی کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا وہ قلم ہے پھر نؔ (مچھلی)، یہی قلم کی دوات ہے قلم نے اسی دوات سے لکھا جو ہوا اور جو ہوگا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قلم اعلیٰ اور دوات کی قسم یاد فرمائی کہ اور قلم نور کا ہے (تفسیر الکاشفی)

فائدہ: القاموس میں ہے کہ نون از حروف زائد اور بمعنی دوات اور مچھلی۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قلم سے کراماً کاتبین کا قلم یا قلم کی جنس مراد ہے اللہ تعالیٰ نے دوات و قلم کی قسم اس لئے یاد فرمائی کہ یہ بے شمار فوائد اور عظیم منافع پر مشتمل ہیں ایک دوسرے کی افہام و تفہیم کی گفتگو اور بیان سے حاضرین کو فائدہ ہوتا ہے لیکن غائبین ہمعصر اور آنے والوں کو فائدہ قلم سے ہوگا جیسے بعض نے فرمایا کہ بیان دو قسم ہے۔

۱: گفتگو لسانی

۲: بیان نبانی یعنی انگلیوں کے ذریعے یعنی قلم سے اور یہ دوسری قسم پہلی سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے کہ جو قلم سے لکھا گیا وہ تادیر قائم رہے گا (جیسا کہ سب کو معلوم ہے) اور لسانی بیان چند سالوں کے بعد مٹ جائے گا اگرچہ دور حاضرہ میں اسے ٹیپ ریکارڈ کیا جاتا ہے لیکن پہلے تو وہ محدود ہے لکھی ہوئی تحریر کی طرح عام نہیں اگر کچھ ہے تو چند سالوں کے بعد ختم ہو سکتا ہے اگر قلم کی تحریر کو اور فضیلت نہ بھی ہو تب بھی یہ فضیلت کافی ہے کہ کتب الٰہی قلم سے تحریر میں آئیں۔

مسئلہ: قلم کی عظمت کے پیش نظر قلم کا تراشا ایسی جگہ رکھا جائے جہاں پاؤں سے نہ روندی جائے[1] ورنہ درد و آلام گھیر لیں گے۔

فائدہ: بعض دانشوروں نے فرمایا کہ دین و دنیا کے امور کا قیام دو چیزوں سے ہے۔

۱: تلوار

۲: قلم

---

[1]: محدث ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم کا تراشا محفوظ رکھا یہاں تک کہ آپ کے غسل آخری کا پانی اسی تراشے سے گرم کیا گیا۔

لیکن تلوار قلم کے ماتحت ہے (اب تو تلوار کا نشان بھی ختم ہے کیوں کہ ایٹمی دور ہے اور قلم کا راج انٹ ہے) اگر قلم نہ ہو تو نہ دین قائم رہ سکتا ہے نہ زندگی بسر ہو سکتی ہے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

ان یخدم القلم السیف الذی خفعت

لہ الرقاب و دانت خوفہ الامم

کذا قضی اللہ للاقلام مذبریت

ان السیوف لہا مذار ہفت خدم

ترجمہ: تلوار کو قلم کی خدمت کرنی چاہیے جو کہ گردنیں اس کے آگے جھکی ہوئی اور امتیں اس سے خون آلود ہوتی ہیں ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے قلم کی تقدیر لکھی جب سے وہ بنایا گیا کہ تلوار اس کی خدمت کریں جب سے ان کی تیز دھار بنائی گئی۔

کسی نے فرمایا ؎

اذا اقسم الابطال یوماً سیفھم

وعدوہ مما یجلب المجد و الکرم

کفی قلم الکتاب فخراً و رفعۃ

مدی الدہر ان اللہ اقسم بالقلم

ترجمہ: جب بہادروں نے تلوار کی قسم کھائی اور ان چیزوں سے شمار کیا جو مجد و کرم حاصل کرتی ہیں لیکن قلم کو زمانہ بھر میں اتنا فخر و رفعت کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم یاد فرمائی۔

وَمَا يَسْطُرُونَ اور اس کی قسم جو لکھتے ہیں ما موصولہ اس کا عائد محذوف ہے۔

حل لغات السطر بمعنی کتابت کی قطار (صف) ایسے ہی بوئے ہوئے درختوں اور قوم کھڑی کی قطار کہا جاتا ہے۔ "سطر فلان کذا" فلاں نے سطر سطر کر کے لکھا جمع کی ضمیر اصحاب القلم کی طرف راجع ہے اس پر اس کا ذکر (قبل ازیں) دلالت کرتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی اصحاب قلم کی جو آسمانوں اور زمینوں میں کتاب اور کلام الٰہی لکھتے ہیں۔

فائدہ: تبیان میں ابن طیفم سے ہے کہ نون منہ اور قلم زبان و ما یسطرون وہ کراماً کاتبین جو بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں کی قسم یاد فرمائی۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ نٓ نون الذات اور القلم قلم الصفات و ما یسطرون افعال و شئون الٰہی جنہیں حرف حرف کر کے لوح قدرت

و اراد پر لکھتے ہیں۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ نون جمع ذاتی کی طرف یعنی اس کی دوات وہی اصل کتاب الوجود ہے یہی ام الکتاب ہے جس کا نام نون ہے اس لئے یہی مواد نقوش عالم کی سیاہی کی اجتماع گاہ ہے اور یوں بھی کہہ سکتے ہو نون کا اشارہ نقطہ کی طرف ہے جو مرتبہ احدیہ ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا صوفیانہ خطبہ

سیدنا الامام علی رضی اللہ عنہ بر سر منبر عوام کے سامنے کھلم کھلا خطبہ ارشاد فرماتے میں ہی وہی بار کا بسم اللہ کا نقطہ ہوں۔ جس میں تم نے کوتاہی کی میں ہی قلم ہوں میں ہی لوح محفوظ ہوں میں ہی عرش ہوں میں کرسی ہوں میں ہی ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ہوں (یہ آپ کا خطبہ عالم سکر میں ہوتا) جب صحو ہوتا اور خطبہ کے درمیان میں ہی تجلی وحدۃ مرتفع ہو جاتی تو معذرت کرتے اپنی عبودیت و ضعیفی اور تحت احکام الٰہی کے سامنے عجز و نیاز کا اظہار فرماتے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نٓ کی قسم میں اشارہ ہے علم اجمالی کی طرف جو جمعیۃ احدیہ میں مندرج ہے اور قلم کی قسم میں اشارہ علم تفصیلی کی طرف جو وحدۃ اسمائیہ میں مندرج ہے ہم نے علم اجمالی روحی کو نٓ سے اور تفصیلی قلبی کو قلم سے اس لئے منسوب کیا کہ کیوں کہ یہ دوات (نٓ) جو کچھ اس کے بطن میں ہے جمیع حروف مجردہ اور کلمات مرکبہ پر ایسے مشتمل ہے جیسے گٹھلی درخت کے جمیع اجزاء پر اور شجرہ مفصلہ کا مندرج ہونا گٹھلی مجملہ میں پس قلم سے قلب کی لوح پر وہ تفصیل لکھی جاتی ہے جو دوات میں بالاجمال ہے جب تم نے یہ مثال سمجھ لی اب آیت کا معنیٰ سمجھئے اللہ تعالیٰ نے اس علم اجمالی کی قسم یاد فرمائی ہے جو احدیہ میں ہے اور علم تفصیلی کی جو واحدیۃ میں ثابت ہے اور بالتحقیق اپنی ذات احدیۃ مطلقہ اور اپنی اسماء کی واحدیہ جمیعہ کی قسم یاد فرمائی کیوں کہ اس میں حیثیت الذات اس کا عین ہے اور قسم یاد آتی ہر اس کے قلم نے اس کی دوات قدیم سے حروف الٰہیہ مجردیہ علویہ اور کلمات ربانیہ مرکبہ سفلیہ لکھے جیسا کہ بعض کبار نے کتاب وجود ظلی سے حروف اور اس کے کلمات و آیات و سورتوں کے بیان میں لکھی کہ شئون غیبیہ اس کے حروف عالیہ ہیں اور اعیان ثابتہ علمیہ اس کے کلمات تامہ ہیں اور حقائق ارواحیہ و مثالیہ اس کی آیات متعالیہ ہیں اور صور حسیتہ عینیہ اس کی صورتیں کاملہ ہیں لیکن اس کی کتاب وجود حقیقی حروف مجردہ اسماء ذاتیہ احدیہ ہیں اس کے کلمات اسماء صفاتیہ واحدیہ ہیں اس کی آیات اسماء انفعالیہ واحدیہ ہیں اس کی سورتیں اسماء آثاریہ مظہریہ ہیں اور یہ سب کے سب کتاب مبین ہیں ایسے ہی بعض اکابر نے فرمایا کہ قلم علم التفصیل اور نٓ علم الاجمال

اور حروف جو کہ یہی مظاہر ہیں قلم کی تفصیل ہیں جو دوات کی سیاہی میں مجمل ہیں جب تک وہ دوات کی سیاہی میں ہیں وہ تفصیل کو قبول نہیں کرتے جب وہ دوات سے منتقل ہو کر قلم میں آئیں گے تو قلم کے ذریعے میں تفصیل آئے گی اور اس سے تفصیل لاالی نہایۃ ہو گی - ہاں علم الاجمال کو نٓ سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ نٓ لکھنے میں اس کا نصف دائرہ محسوس ہے اور دوسرا نصف معقول ہے جس کی طرف نٓ کا درمیانی نقطہ خبر دیتا ہے کہ اس کی تتمیم سے وہ دائرہ ذاتیہ مراد ہے جو وجود کی سیاہی کا ظرف ہے اسی لئے یہ حروف دوریہ سے ہے کہ اس کا عکس بھی طرد کی طرح ہے کیوں کہ اس کا نصف محسوس عالم خلق کی سیاہی کا ظرف ہے اور اس کا دوسرا نصف معقول عالم امر کی سیاہی کا ظرف ہے اور وہ جو ان کے درمیان خط فاصل یعنی الف وہ دو نون ن ن کی تدویر درمیان کھڑا ہے وہ (بمنزلہ) برزخ جامع ہے اور یہی صحف الٰہیہ و کتب متفرقہ از احاطہ کتاب محیط بالمحیطات کہ جس کے لئے کہا گیا ہے "ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ" ہم نے کتاب میں کوئی شے نہیں چھوڑی) کا مستوی ہے - اور یہ وہ کتاب ہے جو جمیع علوم کو حاوی ہے یہاں تک نٓ کی سیاہی (کے علوم) کو۔

قرآن کی ایک سو چودہ سورتوں کا نکتہ

اور وہ کتاب (قرآن) کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں جیسے جو نٓ اعداد کے مطابق ایک سو چودہ سورتوں پر مشتمل ہے کیوں کہ نون کے دو نون اور واؤ کے ایک سو چودہ عدد ہیں اس لئے کہ اس کا ہر حرف کو علیحدہ عدد ہے (مثلاً نون اول کے پچاس نون ثانی کے پچاس اور واؤ کے پہلے حرف کے چھ الف کا ایک دوسری واؤ کے چھ میزان ایک سو تیرہ) پھر مسمّٰی (نون) ایک خود ساتھ ملا تو ایک سو چودہ ہو گئے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لے کیوں کہ یہ دقیق تحقیق تمہیں اور کہیں سے نہ ملے گی۔

تفسیر صوفیانہ ۳ :

حضرت قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ نٓ نفس کلیہ اور قلم عقل کلیہ پہلا نٓ از باب کنایہ ہے کہ اس کے صرف پہلے حرف نٓ پر اکتفاء کیا گیا۔ اور دوسرا (عقل کلیہ) (از باب تشبیہ ہے کیوں کہ نفس میں تاثیر عقلی سے موجودات کی صورتیں ایسے منقش ہوئیں جیسے قلم کے ذریعے لوح میں صورتیں منقش ہوتی ہیں اور ما یسطرون کا فاعل کاتبین عقول متوسط و ارواح مقدسہ ہیں اگرچہ حقیقی لکھنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے لیکن چونکہ وہ حضرت اسماء میں ہیں اسی لئے ان کی طرف مجازاً منسوب ہیں ان کی قسم یاد فرمائی اور جو ان سے مبادی الوجود و صور تقدیر الٰہی اور اس کے امر کے مبتداء اور اس کے غیر کے مخزن کا صدور ہو گا یہ قسم ان کی شرافت اور اس وجہ سے کہ وہ دونوں اول مرتبہ کی تاثیر و تاثر پر مشتمل ہیں اور مقسم علیہ سے ان کی مناسبت کی وجہ سے ہے اور مقسم علیہ یہ ہے

تفسیر عالمانہ

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ تم اپنے رب کی نعمت سے مجنوں نہیں یہ قلم کا جواب ہے اور بار

کے مضمر کے متعلق اور وہ خبر ما (مجنون) کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا عامل نفی کا معنیٰ ہے۔

حل لغات الجنون بمعنی عقل و نفس کے درمیان جاہل ہونا کہا جاتا ہے جن فلان، فلاں کو جن پہنچا یا اپنی جنان میں پہنچا یا اس کے نفس و عقل کے درمیان حائل ہوا تو اس کی عقل مستور ہو گئی

فائدہ: گویا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہا گیا کہ (اے حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ کو کوئی جنون نہیں کیونکہ آپ اپنے رب کی نعمت سے متعلق ہیں یعنی نبوت و ریاست سے سرفراز کئے گئے ہیں۔

فائدہ: اس میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنزیہ ہے اس سے جو کفار آپ کی طرف منسوب کرتے مثلاً حسد و عداوہ اور مکابرہ سے آپ کی طرف جنون کی نسبت کرتے حالانکہ انہیں نہایت درجہ کا یقین تھا کہ آپ عقلی لحاظ بڑے دانا اور رائے و فکر کے لحاظ سے بلند ہیں۔

فائدہ: ابوحیان نے کہا کہ (بنعمت ربک) قسم ہے جو محکوم علیہ اور حکم کے درمیان بطریق تاکید تشدید اور آپ سے وصف مذموم کی نفی میں مبالغہ ہے اور حضرت الشیخ نجم الدین دایہ قدس سرہ سے بھی بنعمۃ ربک میں قسم منقول ہے اسے آپ نے اپنی تاویلات میں بیان فرمایا۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے غارِ حرا میں غائب رہے بی بی نے بہت ڈھونڈا لیکن آپ کو نہ پایا۔ ایک دن اچانک تشریف لائے لیکن چہرہ مبارک متغیر ہوا لیکن اس پہ غبار وغیرہ نہ تھی بی بی نے عرض کی آپ کہاں تشریف لے گئے فرمایا مجھے جبریل علیہ السلام ملے ہیں اور کہا "اقرار باسم ربک" اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیئے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے نزول کی یہی پہلی آیت ہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام ایک جگہ لے گئے وضو کیا میں نے بھی وضو کیا انہوں نے دوگانہ پڑھی اور میں نے بھی ان کے ساتھ دوگانہ پڑھا اور عرض کی یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ نماز ہے۔ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام واقعہ سنایا تو بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔

فائدہ: یہ ورقہ بن نوفل بی بی خدیجہ کا چچیرا بھائی تھا جو قریش کے دین کی مخالفت کر کے نصرانیۃ میں داخل ہو گئے تھے) بی بی نے ورقہ کو حال سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو میرے ہاں بھیجد یجئے۔ بی بی نے حضور علیہ السلام کو ورقہ کے ہاں بھیجا آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے تو اس نے عرض کی کیا آپ کو جبریل علیہ السلام نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ کسی کو دعوت اسلام دین فرمایا نہیں عرض کی اگر میں آپ کی دعوت اسلام کے اظہار تک زندہ رہا تو میں بہت بڑی مدد کروں گا اس کے بعد

ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوۃ اسلام کا اعلان نہ فرمایا کہ ورقہ کی وفات ہو گئی جب یہ واقعہ کفار قریش کو معلوم ہوا تو کہا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجنون ہیں۔ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے قسم یاد کر کے فرمایا کہ آپ مجنون نہیں اور یہ کل پانچ آیات ہیں جو سورۃ ن کی دوسری آیات کی بہ نسبت سب سے پہلے نازل ہوئیں۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پہلے سبح اسم ربک الخ نازل ہوئی اس کے بعد یہی آیت اور نزول کے لحاظ سے پہلی آیت ہے۔

ثبوت علم غیب تادیلات نجمیہ میں ہے ما انت بنعمة ربك (بمجنون ای) بمستورہا۔ آپ پر آپ کے رب کی رحمت کی وجہ سے وہ جو ازل سے ہوا اور وہ جو ابد تک ہوگا مستور (پوشیدہ) نہیں۔ ما کان من الازل وما سیکون الی الابد (روح البیان ص ۱۰۴ ج ۱)

علم کلی کا ثبوت اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم ما کان وما یکون سے علم کلی مراد ہے یہی مذہب اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے چنانچہ صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا عبارت لکھنے کے بعد تحریر فرمایا کہ

و یدل علی احاطۃ علمہ قولہ علیہ السلام فوضع کفہ علی کتفی فوجدت بردھا بین ثدیی فعلمت ما کان وما سیکون (ص ۱۰۵ ج ۱)

حضور علیہ السلام کے احاطۂ علم (کلی) پر دلالت کرتا ہے آپ کا وہ قول کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی (قدرت) میرے کاندھوں کے درمیان رکھی میں نے اس کی ٹھنڈک پستانوں میں پائی تو ما کان و سیکون کو میں نے جان لیا۔

لہ: جی تو چاہتا ہے کہ ایسے مضامین سے دفتر کے دفتر بھر دوں لیکن کیا کروں مجبور ہوں حضور علیہ السلام نہ صرف ما کان وما یکون کو جانتے ہیں بلکہ مالک الملک جل شانہ کی عطاء سے ان کے خزائن کے مالک بھی چنانچہ نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا ہے۔

اُوْتِيْتُ بِمَفَاتِيْحِ خَزَائِنِ الْاَرْضِ فَوُضِعَتْ فِيْ يَدَيْ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۰۴)

میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور مجھے سونپ دی گئیں۔ (دوسری جگہ ارشاد ہے)

اعطیت الکنزین الاحمر والابیض (مشکوٰۃ ص ۵۰۴) یعنی مجھے سرخ و سفید دونوں خزانے عطا فرمائے گئے۔ سرخ و سفید سے مراد سونا اور چاندی ہے۔ معلوم ہوا کہ ہمارے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں۔

فائدہ: شرح اسمار الحسنیٰ میں امام قشیری قدس سرہ نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت بندے کی اپنی مدد سے زیادہ مضبوط ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون ہم جانتے ہیں بے شک تمہارا سینہ تنگ ہوتا ہے اس سے جو وہ کہتے ہیں۔

دیکھئے آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو کس طرح تسلی دی اور کس طرح ان کا بوجھ ہلکا فرمایا کہ فسبح بحمد ربک یعنی جب آپ ان سے برے کلمات سنیں جو آپ کے حق میں کہتے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجئے تو اس سے تم میری ثنار کی روح اور لذت تنزیہ اور ہمارے ذکر سے خوش ہو جاؤ گے اس لئے کہ یہ امور آپ کو راحت دیں گے اور ان لوگوں سے مشغول کر دیں گے۔ پھر جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر عمل کیا اور اللہ تعالیٰ کی پند و موعظت قبول فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی مدد اپنے ذمۂ کرم لگا کر کافروں کا رد خود فرمایا مثلاً جب آپ کو مجنون کہا گیا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں قسمیں یاد کر کے اس کی نفی فرمائی۔ ن والقلم الخ تاکہ آپ کی تنزیہ کفار کے مقولہ سے محقق ہو اور آپ کفار سے روگردانی کر کے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ میں مشغول ہوں اس کے بعد اس بد بخت کے دس گندے عیوب گنائے جس نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجنون کہا۔ چنانچہ فرمایا: ولا تطع حلاف الی قولہ اساطیر الاولین اور یہ مذمت الٰہی اس سے بڑھ کر ہے کہ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافروں کا رد فرماتے کیونکہ یہ قرآنی الفاظ قیامت تک لوگوں کی زبانوں پر جاری رہیں گے۔ وان لک لاجرا اور بے شک تمہارے لئے بہت بڑا اجر و ثواب ہے غیر ممنون عظمت کے ساتھ بے شمار یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "غیر مجذوذ" کی طرح ہے بمعنی غیر مخصوص یعنی وہ اجر و ثواب نہ کم ہوگا اور نہ ختم ہوگا۔

حل لغات المنون اسی سے ہے بمعنی المنیۃ (موت) کیوں کہ وہ گنتی کو گھٹاتی اور مدد کو منقطع کرتی ہے اب معنی یہ ہوا کہ آپ کا اجر و ثواب دائمی ہے کہ انقطاع کو وہاں تک کوئی رسائی نہیں۔

مسئلہ: نبی علیہ السلام کا اجر و ثواب تمام امتہ کے اجر کے برابر ذرہ کم نہ ہوگا۔

فائدہ: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ غیر ممنون بمعنی غیر مکدر ہے یعنی آپ بسبب منۃ کے غیر مکدر ہے کیوں کہ آپ کا ثواب آپکے موجب شان ہے نہ یہ کہ کسی دوسری فضیلت کی وجہ سے کیوں کہ جملہ فواضل تو آپ پر ختم ہیں اور نہ ہی آپ کے اجور آپ کے اعمال کے محتاج ہیں۔ (کشاف) حضرت الکاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ غیر ممنون کا معنیٰ ہے کہ آپ پر کوئی منت و احسان نہیں جتلایا جاتا یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے کسی دوسرے کے واسطہ سے نہیں کہ اس کا احسان جتلا کر آپ کو اجر و ثواب عطا فرمایا جائے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ انوار مکاشفات ومشاہدات غیر منقطع ہیں کیوں کہ وہ سرمدی (ابدی - دائمی) ہیں یہی وجہ ہے عارف باللہ شہود میں جمیع مواطن میں ہر لحظہ ترقی کرتا رہتا ہے کیوں کہ نہ مکاشفات ومشاہدات میں انقطاع ہوگا نہ اس کی ترقی ختم ہوگی اس کی وجہ ظاہر ہے کہ فیض وفتح اللہ تعالیٰ کی جانب سے آتی ہے اس کے غیر سے نہیں تو اللہ تعالیٰ ہی بندوں پر احسان جتلا سکتا ہے نہ کہ کوئی اور کہ وہ ایک دوسرے پر احسان جتلائیں (نامناسب ہے)

فائدہ: بعض نے کہا کہ آپ کے اجر غیر ممنون کا مطلب کہ آپ کی شفاعت قبول ہے آپ کی امت کے اہل کبائر سے منقطع نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو بلا عتاب وبلا حساب بخشنے میں آپ کی اُمید کو خائب وخاسر نہیں فرمائے گا۔[1]

صاحب روح البیان قدس سرہ کا پُر ذوق مضمون فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ آپ کا اجر خود اللہ تعالیٰ ہے کیوں کہ آپ کے اجر کا عوض اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی شئے نہیں ہوسکتی اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دُعا میں ہے

"اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل"	اے وہ ذات جو سفر میں میرا صاحب اور میرے اہل کا خلیفہ (نگران)

اس مقام کی طرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول مُشیر ہے[2] جب آپ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ "ما ابقیت لاھلک" اپنے اہل کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو عرض کی "اللہ ورسولہ"

---

[1]: ایسی شفاعت پر ہم اہلسنت کو ناز ہے ؎

کسی کو ناز ہے عبادت کا اطاعت کا ∴ ہمیں تو ناز ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا

[2]: یعنی وہ واقعہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت عالیہ میں تمام صحابہ کرام نے اخراجات جنگ کے لئے مال حاضر کئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سب مال حاضر کر دیا تو حضور نے فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی ابقیت لھم اللّٰہ ورسولہ یعنی یارسول اللہ میں تو گھر والوں کے لئے خدا اور رسول کو چھوڑ آیا ہوں (مشکوٰۃ باب مناقب ابوبکر ص ۵۵۶)

فائدہ: معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر وناظر اعتقاد رکھتے تھے اور پھر حضور نے بھی حضرت ابوبکر صدیق کے عقیدہ کی تصدیق فرمادی اور یہ نہیں فرمایا کہ اے ابوبکر میں تمہارے سامنے موجود ہوں مجھے گھر والوں کے لئے کس طرح چھوڑ آئے ہو جیسا جاہل وہابی دیوبندی حاضر وناظر کے اعتراضات کرتے وقت اس قسم کی جلا ہلانہ باتیں کر جاتے ہیں۔ (تفصیل فقیر کی کتاب "دلوں کا چین" میں ہے)

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گھر میں چھوڑ کر باقی سب کچھ لے آیا ہوں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نفس، اولاد و مال کا عوض ہے جو اس کے راہ میں نثار خرچ کیا جائے) اور یہی اجر عظیم ہے کیوں کہ وہ بہت بڑا عظیم ہے۔[1]

تفسیر عالمانہ

(وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ) اور بے شک آپ البتہ خلق عظیم پر ہیں کہ مخلوق میں کوئی ایک اس کی غایت کو نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ آپ مخلوق کے وہ بوجھ اٹھاتے ہیں جو دوسرا کوئی نہیں اٹھا سکتا ہے۔

(۱) کیوں کہ بعض نے فرمایا کہ آپ متخلق باخلاق اللہ تعالیٰ ہیں اور اس کے کلام قدیم سے بھی متخلق ہیں اور مؤید بتائید القدسی ہیں اسی لئے نہ ان کے افتراء سے متاثر ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کی اذیتوں سے ایذا محسوس فرماتے ہیں کیوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے صبر فرماتے ہیں نہ کہ اپنے نفس سے۔

نکتہ: لفظ علیٰ دلالت کرتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ اخلاق حمیدہ پر مشتمل اور افعال پسندیدہ پر ایسے حاوی ہیں کہ گویا وہ آپ کے لئے بمنزلہ طبیعت کے بن گئے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قل لا اسئلکم علیہ اجرا و انا من المتکلفین فرمائیے میں تم سے اس پر اجر نہیں مانگتا اور نہ ہی میں تکلف والوں میں سے ہوں (یعنی میں اپنے اخلاق تمہیں تکلف سے ظاہر نہیں فرماتا کیوں کہ تکلف والا اپنے امر میں طویل مدت نہیں قائم نہیں رہ سکتا بلکہ وہ اپنی اصلی طبع کی طرف لوٹنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

فائدہ: انسان کی صورت ظاہرہ یہی ہے کہ جیسے آنکھیں دیکھ رہی ہیں یہی جو انسان کے سر میں ہے (چہرہ وغیرہ) یہی عالم ملک اور اسی کو شکل کہا جاتا ہے اور اس کی صورۃ باطنہ یہی اس کی سیرت ہے جس کا مشاہدہ بصیرت کو ہوتا ہے جو قلب میں ہے اور یہ عالم ملکوت ہے جسے خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے تو جیسے حسن ظاہری کے لئے

---

[1] خلق عرف عام میں اچھی عادات کو کہا جاتا ہے اس کی جمع اخلاق آتی ہے اور اسلامی فلسفہ اخلاق میں نیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہر کام کا نیک و بد ہونا تمام تر نیت پر موقوف ہے اگر کسی عمل میں حسن نیت نہ ہو تو اخلاق کا بڑے سے بڑا کام روحانی خیر و برکت اور ثواب سے محروم رہ جاتا ہے اسلامی فلسفۂ اخلاق میں رضائے الٰہی بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح ہر عمل کے پیچھے حسن نیت کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ہر نیت کی پشت پناہی کے لئے ایمان کا ہونا بھی لازمی ہے ایمان کے بغیر کسی عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خلق کا لفظ بہت بڑی وسعت رکھتا ہے جیسا کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے اسے قرآن سے تعبیر فرمایا تو جس طرح قرآن کے معانی و مطالب اور اسرار و رموز کی انتہا تک پہنچنا ناممکن ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کو سمجھئے (تحقیق آتی ہے) اویسی غفرلہٗ۔

حسن یا قبح صوری ہے با اعتبار اشکال واوضاع وا وان کے ایسے ہی سیرت باطنی کا حسن یا قبح معنوی ہے با اعتبار شمائل وطبائع کے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ حسن دو قسم ہے محمود و مذموم یا حسین و قبیح اور کبھی مطلق صرف خلق محمود مراد لیا جاتا ہے کیوں کہ محمود خلق ہی اس لائق ہے کہ اسے مطلقاً خلق کہا جائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وانك لعلی خلق عظیم۔

فخر الدین رازی قدس سرہ کی تحقیق

حضرت امام فخر الدین رازی قدس سرہ نے فرمایا خلق ایک ملکہ نفسانیہ ہے جس سے اس کے موصوف کو افعال جمیلہ کی ادائیگی آسانی سے ہوتی ہے کیوں کہ صرف افعال جمیلہ کی ادائیگی اور ہے اور انہیں سہولت سے ادا کرنا شئے دیگر ہے۔ اس معنیٰ پر خلق اس حالت کا نام ہے جس سے افعال سہولت سے ادا کئے جائیں اور خلق کو بھی اسی لئے خلق کہا جاتا ہے کہ وہ انسان میں ایسی راسخ و ثابت ہوتا ہے کہ گویا وہ انسان کی بمنزلہ اس خلقت پر ہے جس پر اس کی جبلت ہے اگر چہ ملکہ راسخہ کو حاصل کرنے کے لئے طویل ورزش اور بڑی ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہے اسی لئے کہا جاتا ہے خلق مصاحبۃ و معاملہ سے تبدیل ہو سکتا ہے اسی لئے یہ خلق حسین قبیح ہو جاتا ہے اور کبھی قبیح حسین یہ صحبت پر منحصر ہے نیک اور صالح صحبت نیک اور صالح بناتی ہے بری صحبت و سنگت بُرا بناتی ہے۔

حدیث شریف[۱] انسان اپنے ساتھی کے دین (طریقہ) پر ہوتا ہے دیکھ لینا چاہیے کہ کس کی صحبت و سنگت میں ہو۔

حدیث شریف[۲] اہل ہوا (خواہشات کے غلام (اہل بدعت بدمذاہب جیسے مرزائی۔ رافضی شیعہ۔ وہابی دیوبندی وغیرہ) کے ساتھ نشست و برخاست نہ کرو اس لئے کہ انہیں خارش کے مرض کی طرح متعدی بیماری ہے [ع]

[ع] : اسے فقیر اویسی باولے کتے کے لعاب سے تعبیر کیا کرتا ہے کہ جس طرح باولے کتے کا لعاب جس پر پڑ جائے وہ مشکل سے جانبر ہو سکتا ہے یہاں تک کہ جس جگہ یہ پڑ جائے وہاں سے کسی کا گزر ہو تو وہ بھی اس بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری اولاد اور جملہ اہل اسلام کو بدمذہبی کے جملہ امراض سے محفوظ تر رکھے۔ (آمین) اویسی غفرلہ،

[ف] : اسے مولانا رومی قدس سرہ نے فرمایا ؎ صحبت صالح ترا صالح کند ٭ صحبت طالح ترا طالح کند نیک کی صحبت تمہیں نیک بنائیگی بُرے کی صحبت تمہیں بُرا بنادے گی۔ (اویسی غفرلہ)

صحبت صالح اسی لئے بزرگوں نے اخیار (اولیاء اللہ اور نیک سنی العقیدہ لوگ) کی صحبت کو مستحسن بلکہ اس کی ترغیب وتحریص ولائی اور اشرار کی صحبت کو قبیح بلکہ اس سے کوسوں نفرت کا درس دیا۔

فائدہ: کبھی عادت سعی اور کوشش سے بدل جاتی ہے اسی لئے روحانی اطباء (اولیاء اللہ اور علمائے تصوف نے علم الاخلاق کے ابواب (بلکہ تصانیف) مرتب فرمائیں (جیسے احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، قوت القلوب، کشف المحجوب وغیرہ وغیرہ) ان میں ہر مرض کا سبب اور اس کا علاج بتایا۔

آنچہ ہمہ دارند تو تنہا داری خلق کو علیحدہ اور قرآن مجید کی طرح اسے عظیم سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جامع المکارم والاخلاق ہیں۔ شکر نوح وخلۃ ابراہیم واخلاص موسیٰ وصدق ووعدا سماعیل وصبر یعقوب وایوب واعتذار داؤد وتواضع سلیمان وعیسیٰ وغیرہم علیہم السلام کے جملہ اخلاق واوصاف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں بطریق اتم واکمل پائے جاتے تھے اسی لئے آپ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا فبھداھم اقتدہ ان کی سیرت کی ہی اقتدا فرمائیے اس ہدیٰ سے معرفۃ الٰہی مراد نہیں کیوں کہ اس سے تقلید ثابت ہو جائیگی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائق شان نہیں اور نہ ہی شرائع کی اقتداء مراد ہے کیوں کہ آپ کی شریعت تو ان کی شرائع کی ناسخ ہوئی بلکہ ان کے بہت سے فروعی احکام کے مخالف بھی بلکہ یہاں ہر نبی علیہ السلام کے مخصوص خلق کریم کی اقتداء مراد ہے اگرچہ ہر نبی علیہ السلام کا ہر خلق کریم وحسین تھا لیکن ہر ایک کا ایک مخصوص بایں معنیٰ تھا کہ اس سے وہ معروف تھے (جیسے خلیل کلیم وغیرہ وغیرہ) اسی لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا کہ وہ معروف اخلاق جو انبیاء علیہم السلام میں متفرق ہیں آپ اپنے میں جمع فرمالیں اور یہ وہ مرتبہ عالی ہے کہ کسی نبی علیہ السلام کو نصیب نہ ہوا اسی معنیٰ پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلق عظیم سے موصوف فرمایا۔ ایک عارف باللہ نے کہا۔ ؎

لکل نبی فی الانام فضیلۃ

وجملتھا مجموعۃ لمحمد

(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ترجمہ: لوگوں میں ہر نبی علیہ السلام کو جو فضیلت حاصل ہے وہ تمام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جمع ہیں۔

نکتہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق عظیم کی صفت سے قوت نظریہ سے بلکہ موصوف نہیں

ہوئے بلکہ علم وعرفان و ایقان واحسان کی وجہ سے موصوف ہوئے ہیں اور آپ نے کوئی کام قوت عملیہ سے نہیں کیا جسمیں رضائے الٰہی شامل نہ ہو فرض ہو یا واجب یا مستحب۔ آپ سے کوئی فعل یا مفسد یا مکروہ سرزد نہیں ہوا آپ فرشتوں سے بڑھ کر تھے اور اس تمام مضامین کا مجموعہ سیدہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول میں ہے جب ان سے سوال ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خُلق کریم کیسا تھا بی بی نے فرمایا: کان خلقہ القرآن (بخاری) آپ کا خلق کریم قرآن تھا۔

فائدہ: اس سے بی بی کی مراد یہ تھی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان مکارم اخلاق و محاسن اور اوصاف سے آراستہ تھے جو قرآن مجید میں ہیں اور آپ ان امور سے پاک وصاف تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف اسے زجر و توبیخ کا موجب بنیں۔ ایسے ہی جملہ بری عادات سے منزہ و مقدس تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ سائل کو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا الست تقرأ القرآن قد افلح المومنون کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا۔ قد افلح المومنون الخ سورۃ مومنین کی یہ دس آیات حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کی تفسیر ہیں۔

سبق: اس میں تنبیہ ہے کہ اہل اسلام کو عظیم اخلاق سے آراستہ ہونا لازم ہے اور ایمان کہ تمام اخلاق قلبیہ کی اصل ہے اور نماز کہ اخلاق بدنیہ کی ستون ہے اور زکوٰۃ جو اخلاق مالیہ کی سرتاج ہے ایسے ہی دس آیات مذکورہ کو سمجھئے حضرت جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی سلسلۃ الذہب میں ہے ؎

بود ہم بحر مکرمت ہم کان
گوہرش کان خلقہ القرآن
وصف خلق کسے کہ قرآنست
خلق را نعت اوچہ امکانست

ترجمہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر بزرگی کے دریا بلکہ کان ہیں اس کان کا موتی آپ کا خلق قرآن ہے۔

جس ذات کے خلق کی صفت قرآن ہے تو پھر مخلوق کا امکان کہاں کہ اس کی نعت کہہ سکے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق قرآن بلکہ آپ قرآن خود ہیں۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن ہیں[1]

---

[1] منکرین کمالات مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے جملے کب برداشت ہو سکتے ہیں (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

صوفیانہ فائدہ حضرت محمد بن حکیم ترمذی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق کریم وعظیم سے بڑھ کر اور کوئی خلق نہیں اس لئے کہ آپ نے خودی سے ہاتھ کھینچ کر خود کو کلی طور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

فائدہ : امام قشیری قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا سے منحرف اور عطا سے منصرف ہوئے اور فرمایا کہ اسی لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے آپ کا کوئی مقصد و مقصود نہ تھا۔

ملفوظ جنید قدس سرہ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کا خلق عظیم یہ ہے کہ آپ نے کونین کو جود وسخا سے نوازا۔

لہ ہمم لا منتہی لکبارہ وہمتہ الصغریٰ اجل من الدہر (حسان رضی اللہ عنہ)

ترجمہ : آپ کی ہمتوں کی کوئی انتہا نہیں آپ کی مختصر سی ہمت زمانہ بھر سے بزرگ تر ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت الحسین النوری قدس سرہ نے فرمایا آنحضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلقِ عظیم کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے سر (راز مخفی) کو اپنی خلافت کے انوار کا جلوہ بخشا۔

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ آپ کا خلق اسی لئے عظیم تھا کہ آپ اسم عظیم کے مظہر ہیں۔ (اسے اچھی طرح سمجھ لے)

تقریر شیخ اکبر قدس سرہ تلقیح الاذہان للشیخ الاکبر قدس سرہ میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوامع الکلم عطا فرمائے گئے کیونکہ آپ مکارم الاخلاق کی تتمیم (تکمیل) کے لئے مبعوث ہوئے ہیں جیسے خود حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ سابقہ صفحہ سے) اسی لئے سرے سے جان چھڑا لیتے ہیں کہ ہم تفسیر روح البیان کو نہیں مانتے ان کے جواب میں اویسی فقیر کیا کہہ سکتا ہے، البتہ یہ ضرور کہہ سکتا ہے کہ تم خود رب رحمٰن کو نہیں مانتے تو صاحب روح البیان کس قطار میں۔ اسی لئے اہل سنت سے اپیل ہے کہ تفسیر روح البیان کو ہی مطالعہ کی جان بنائیے پھر دیکھئے کس طرح باغ جنان کی سیر نصیب ہوتی ہے (اویسی غفرلہ)

" نے فرمایا انک لعلیٰ خلق عظیم ، یہی صراطِ مستقیم کا عین ہے۔

فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تین سو ساٹھ اخلاق ہیں جو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ مع توحید اللہ کے ہاں حاضر ہوا بہشت میں داخل ہوگا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا انہیں کوئی ایک میرے میں ہے یا نہیں آپ نے فرمایا آپ میں تمام ہیں یاد رکھیئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سب سے محبوب تر سخاوت ہے۔

فائدہ : احسن الاخلاق وہ انسان ہے جس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تسلیم و رضا کا ہو اور مخلوق کے ساتھ عفو و سخاوت کا۔

فائدہ : حدیث پاک میں توحید کی قید اس لئے لگائی ہے کہ کبھی کسی میں مکارم و اخلاق تو ہوتے ہیں لیکن ایمان ندارد ایسے ہی بعض کو دولت ایمان تو نصیب ہوتی ہے لیکن اس میں مکارم اخلاق نہیں ہوتے اس لئے کہ ایمان کے ساتھ ہی مکارم الاخلاق عطا کئے جاتے تو مومن کو امر و نہی کا حکم نہ ہوتا۔

فائدہ : مکارم اخلاق انسان کا وہ زیور ہے کہ جہاں جائے وہ اس کے ساتھ ہوتے ہیں جہاں جائے جیسے ابو طالب کے متعلق وارد ہے۔

قرآن کی زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے سرشار ہونا ہے

بعض اکابر نے فرمایا کہ وہ امتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری زندگی میں زیارت نہ کر سکا وہ چاہے کہ وہ آپ کی زیارت سے سرشار ہو تو وہ قرآن مجید کی زیارت کر لے کیوں کہ قرآن مجید کی زیارت اور آپ کی زیارت میں (معنوی طور) کوئی فرق نہیں گویا قرآن مجید سیدنا محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صورت جسمانی کا انشاد (نقشہ) ہے تو گویا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفت حق کی خلعت سے نوازے گئے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے (فرق نہیں ما بین پیا)

زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا طریقہ

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کا مشتاق ہے اسے چاہیے وہ آپ کی ہر سنت پر عمل کرے بالخصوص وہ سنت جو مٹ چکی ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی (معنوی) کا نام ہے۔

جس نے سنت نبوی کو زندہ رکھا اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ رکھا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جملہ لوگوں کا اتم واکمل مجموعہ ہیں۔

فائدہ: بعض نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت کے بعد آج تک کوئی ایسا خلق نہیں رہا کہ جسکی کوئی کمی رہ گئی ہو کیونکہ آپ نے جملہ اخلاق کے مصارف ہمیں بیان فرما دیئے مثلاً حرص، حسد، شرہ بخل۔ خوف یہ تمام صفات مذمومہ ہیں۔ لیکن اگر انہیں اچھے مصارف پر جاری کیا جائے تو یہ بھی مکارم اخلاق میں داخل ہو جاتی ہیں اور ان سے مذموم وصف زائل ہو جاتا ہے جیسے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابی رضی اللہ عنہ کو فرمایا جو صف کے پیچھے کھڑے ہو کر رکوع کر کے اسی حالت میں صف میں مل گیا (آپ نے) اسے فرمایا زادک اللہ حرصًا ولا تعد اللہ تعالیٰ تیرے حرص میں برکت دے آئندہ ایسا نہ کرنا اور فرمایا حسد نہیں مگر دو میں اور فرمایا اللہ کا ذکر بکثرت کرو اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا تخافوھم وخافون ان سے نہ ڈرو مگر مجھ سے ڈرو اور فرمایا فلا تقل لھما اف انہیں (ماں باپ کو) اُف نہ کرو اور فرمایا اف لکم تمہارے لئے حیف ہے۔ اسی طرح کی بے شمار آیات واخبار۔

نکتہ: جن اخلاق سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے وہ اس کے لئے ہے جو سمجھتا ہے کہ یہ برا ہے یا اس حقیقت سے بے خبر ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکارم اخلاق کی تمیم (تکمیل) کے لئے مبعوث ہوا ہوں چونکہ بعض لوگ اس سے واقف ہیں لیکن بعض ان سے بے خبر اسی لئے ان کی تکمیل کے لئے آپ کی بعثت ہوئی ورنہ جو کل کامل ہے وہ تو عالم میں اخلاق الٰہی ہی دیکھتا ہے۔

مستغنی از جملہ جہان

کشف الاسرار میں آیت (طٰہٰ) کی تفسیر میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام اسباب کی چابیاں پیش کی گئیں تو آپ نے توجہ نہ دی پھر آپ کو لیلۃ المعراج سیر کرائی گئی اور تمام ملائکہ کرام اور جنت دکھائی گئی تو بھی آپ نے توجہ نہ کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مازاغ البصر وما طغیٰ" یعنی آپ نے نہ دائیں دیکھا نہ بائیں اس پر فرمایا انک لعلیٰ خلق عظیم۔

ہمہ انبیاء مستفیض از فیض محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

اے جوانمرد (امتی) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر ومنزلت کو کون جان سکتا ہے اور وہ عزت جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس سے کون آگاہ ہو سکتا ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار (یا اس سے زائد) انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں سب آپ کی قدر ومنزلت کے آگے بمنزلہ ستاروں کے ہیں باوجودیکہ آپ ان کی موجودگی میں غائب تھے لیکن انہوں نے نور نبوت آپ سے ہی حاصل کیا جیسے سورج کہ اگرچہ وہ رات کو غائب ہوتا ہے لیکن تمام ستارے اسی سے نور پا کر چمکتے ہیں

لیکن جب سورج چمکتا ہے تو وہ ستارے اس کے نور میں گم ہو جاتے ہیں ایسے ہی تمام انبیاء علیہم السلام آپ سے ہی نور پاتے رہے جب آپ عالم صورت میں تشریف لائے تو وہ گم ہو گئے ۔

کانک شمس والملوک کواکب

اذا طلعت لم یبد منھن کواکب

ترجمہ: گویا تم سورج ہو دوسرے شہنشاہ ہیں جب سورج چمکتا ہے تو ستارے ظاہر نہیں ہوتے۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے ؎

فاق النبیین فی خلق و فی خلق

ولم یدانوہ فی علم ولا کرم

فانہ شمس فضل ھم کواکبھا

یظھرن انوار ھا فی الظلم

ترجمہ، حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے خلق و خلق میں فائق ہیں علم وکرم میں وہ آپ کے برابر نہیں۔

اخلاق محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نمونے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منجملہ اخلاق کے ایک وہ ہے جو خود فرمایا کہ جو قطع کرتا ہے تو اس سے وصل کر اور جو تجھ پر ظلم کرتا ہے اسے معاف کر دے اور جو تیرے ساتھ برائی کرتا ہے تو اس پر احسان کر۔

فائدہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو حکم امت کو فرماتے ہیں پہلے اس پر خود عمل کرتے ہیں۔

حدیث شریف بعض مؤمن حسن اخلاق کی وجہ سے شب بیدار اور صائم النہار کا اجر و ثواب پائیں گے (مسند اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم) عن علی بن موسیٰ الرضی عن ابیہ موسیٰ بن جعفر عن ابیہ جعفر بن محمد عن ابیہ محمد ابن علی عن ابیہ علی بن الحسین بن علی عن ابیہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الخ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حسن خلق کو لازم پکڑو اس لئے حسن الخلق ضرور بہشت میں جائے گا۔ اور سوء خلق (برے خلق) سے بچو کیوں کہ برے خلق والا لازماً دوزخ میں جائے گا۔

تفسیر عالمانہ ⑤ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ پس عنقریب تم جان لوگے اور وہ جان لیں گے۔

حل لغات: کہا جاتا ہے البصرتہ و لبصرت یہ بمعنی علمتہ و ادرکتہ، میں نے اسے

جانا اور اسے پایا۔ اس لئے کہ بصر عضو معروف کو بھی کہا جاتا ہے اور قوۃ مدرکہ کو بھی لیکن عضو معروف پر بصیرت کا اطلاق بہت کم ہوتا ہے تاج المصادر میں ہے الابصار بمعنی آنکھ اور دل سے دیکھنا اب معنی یہ ہوا کہ عنقریب قیامت میں تم جان لوگے اور وہ جان لیں گے جب حق و باطل ظاہر ہوگا۔

فائدہ: حضرت قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ موت کے وقت پردہ ہٹنے پر تم دیکھو گے اور وہ بھی دیکھیں گے اسی لئے حضرت کاشفی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ جب ان پر عذاب نازل ہوگا تو معلوم ہوگا کہ دیوانہ کون ہے تم یا وہ یہی زیادہ واضح ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل اسلام کو غلبہ کا وعدہ اور دشمنانِ اسلام کو انتقام کی وعید ہے۔ ⑥ **بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ** تم میں کون مجنون ہے یعنی کون جنون کے فتنہ میں مبتلا تھا۔ ایکم مبتدا اور المفتون اس کی خبر ہے المفتون بمعنی مجنون اور بار مبتدا میں زائدہ ہے جیسے بحسک زید میں (با زائدہ ہے) یا معنی یہ ہے تم میں سے کسے جنون ہے المفتون مصدر ہے بمعنی الفتون یعنی الجنون جیسے المجلود بمعنی الجلادۃ اور المعقول بمعنی العقل جیسے "حتیٰ اذا لم یترکوا لعظامہ لحما ولا لفوادہ معقولا" یہاں تک کہ انہوں نے اس کی ہڈیوں کے لئے گوشت اور دل میں عقل نہ چھوڑا) میں معقول بمعنی عقل ہے اور بار الصاق ہے جیسے بہ دار میں یا معنیٰ یہ ہے تمہارے کس گروہ کا کون مجنون ہے کیا اہلِ ایمان کے گروہ کو یا اہل کفر کے گروہ کو جنون ہے تم میں سے جنون کا صدور ہوگا وہی اس اسم کا مستحق ہوگا اس معنیٰ پہ بار بمعنی فی اور المفتون مبتدا موخر ہے اور تمام امت اس خطاب میں داخل ہے اس معنیٰ پر وہ بالتبع ہو جائیں گے سابق خطابات کی طرح یہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص نہ ہوگا۔

فائدہ: یہ ابوجہل اور ولید بن المغیرہ اور ان جیسے کافروں کے لئے تعریض ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا "سیعلمون غداً من الکذاب الاشر" کل جان لیں گے کہ کذاب اور فسادی کون ہے یعنی صالح علیہ السلام یا ان کی قوم ⑦ **اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ** بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے اسے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ جو سعادۃ دارین تک پہنچاتی ہے اور اسے معلوم ہے کہ کون گمراہی کی دلدل میں پھنس کر اس طرف متوجہ ہے جو اسے شقاوۃ ابدیہ تک پہنچائے گی وہ یہی پاگل ہے جسے اپنے نفع و نقصان کا کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا بلکہ نقصان کو نفع سمجھ کر اسے پسند کرتا ہے اور نفع کو نقصان سمجھ کر اس سے دور بھاگتا ہے **وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ** اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے یعنی ان لوگوں کو جو اپنے مطلوب کی راہ پانے میں فائز اور نقصان دہ راستہ سے کنارہ کش ہیں اور اس سے عقلاء مراد ہیں جو حق

کی طرف رجحان رکھتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے ساتھ استحقاق پر جزاء وسزا دے گا۔

نکتہ: ھو اعلم کا تکرار زیادہ التقریر کے لئے ہے۔

فائدہ: آیت میں اشارہ ہے کہ درحقیقت مجنون (پاگل)، عاصی (خدا تعالیٰ کا بے فرمان) نہ کہ مطیع (اللہ کا فرمانبردار)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ وصول الی حضرۃ اللہ کی راہ سے بھٹکنے والا حب دنیا اور اس کی شہوات کی طرف میلان کی وجہ سے بھٹکتا ہے اور ہدایت یافتہ طریق توحید و وحدۃ نور عنایت ازلیہ اور ہدایۃ ابدیہ سے راہ پاتا ہے بعض اکابر نے فرمایا کہ وھو اعلم بالمھتدین یعنی اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے جو توفیق کے قابل ہیں اس معنیٰ پر بیان کے ہادی رسل کرام علیہم السلام اور توفیق کا ھادی خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اس معنیٰ پر ہادی حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کا کام بیان کرنا بھی ہے اور توفیق بھی اور دوسرے ہادیوں یعنی مخلوق میں سے ہدایت کا کام صرف بیان کرنا اور بس۔

رد الجہال[1] جن لوگوں کو حقائق کا علم نہیں بتا ان کا گمان ہے کہ بندہ (رسول وغیر رسول) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے ارشاد (رہبری) و وعظ میں سچا ہو تو لازم ہے کہ وہ سامعین کے نفوس میں اس کی قبولیت کا اثر پیدا ہو جائے جب سچا نہ ہو تو پھر اس کا اثر نہ ہوگا۔ یہ ان کا وہم فاسد ہے کیوں کہ اس بندے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے اللہ تعالیٰ کے ہاں قریب تر بڑھ کر اور کوئی نہیں اور اس سے تبلیغ و وعظ میں صادق تر بھی کوئی نہیں پھر قبولیت سے محبت کرنے والا اللہ تعالیٰ سے بھی بڑھ کر کوئی نہیں کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی دلیل ہے کہ اس نے بندوں پر رحم فرما کر ان رسل کرام (علیہم السلام) کو بھیجا جنہیں بندوں پر رحم کرنے والا بڑھ کر اور کوئی نہ ہوگا (اس کے باوجود وہ کافر نہ مانے) اور اس سے بڑھ کر کریں یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے وعظ کے سامعین کے لئے قبولیت کا دروازہ بھی عام کھلا رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے تبلیغ کے بارے میں ایک رسول صادق (علیہ السلام) نے کہہ دیا کہ انی دعوت قومی لیلاً و نھاراً فلم یزدھم دعائی الا فرارا (میں نے اپنی قوم کو رات دن دعوت دی لیکن انہیں میری دعوت نے الٹا بھاگنے میں اضافہ کیا ہے) جب انبیاء علیہم السلام کی اتنا بہت بڑی جدوجہد کے باوجود تبلیغ و وعظ کو عام قبولیت نہ ہوئی تو نتیجہ نکلا

---

[1] اس میں رد ہے ان جاہلوں کا جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار ہوتا تو ابو طالب وغیرہ کو کیوں ہدایت نہ دی بھلا انہیں کون بتائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا فریضہ ادا کیا تھا آگے خدائی کام آپ کیسے کرتے ۱۲۔

کہ سامعین میں ایک جملہ کا اثر بھی نہیں ہو سکتا جب تک ازلی استعداد میں نہ ہو اور جن سامعین نے قبول کیا تو وہ بھی مبلغ داعی (رسول علیہ السلام) کی دعوت کا اثر نہ تھا بلکہ وہ قوۃ استعداد تھی جو اپنے محل قبول کی وجہ سے قبول کیا وہی استعداد جو اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق کے مزاج میں پیدا فرمائی جس نے قبولیت کا تقاضا کیا۔ ایسے لوگوں کا ایک مزاج خاص ہوتا ہے جنہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس کی مخلوق میں ایسے لوگ کون ہیں اسی لئے فرمایا وھو اعلم بالمھتدین) وہی ہدایت یافتہ لوگوں کو خوب جانتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گفت عالم بگوش جان گو
ور نماند بگفتش کردار
باطلست آنکہ مدعی گوید
خفتہ را خفتہ کے کند بیدار
مرد باید کہ گیر داند رگوش
در نوشتہ است پند بر دیوار

ترجمہ ۱: عالم نے فرمایا کہ دل کے کان سے سنو اگرچہ کہنے کے مطابق کہنے والے کی گفتار نہ ہو۔
۲: وہ باطل ہے جو مدعی کہتا ہے کہ سونے والا سونے والے کو کیسے بیدار کر سکتا ہے۔
۳: مرد پر لازم ہے کہ وہ نصیحت کو کان میں جگہ دے اگرچہ وہ دیوار پر لکھی ہو۔

تفسیر عالمانہ

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ تو جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کرو جب تم پر واضح ہو گیا وہ جو اوپر مذکور ہوا تو تم اسی پر مداومت کرو جس پر ہو جس طرف وہ تمہیں بلاتے ہیں ان کی اطاعت نہ کرو تم ان سے دور رہو وہ تمہارے سے خود بخود دور رہیں گے اس طرح سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا معاملہ اپنی قوم (قریش) سے مضبوط ہوا۔ قلت عدد (صحابہ) کرام رضی اللہ عنہما اور کثرت کفار کے باوجود آپ کا قلب اطہر مضبوط رہا۔

فائدہ: یہ سورۃ نزول کے لحاظ سے اسلام کے اوائلی دور کی ہے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ عاصی کی اطاعت گناہ اور طاغی (سرکش) کی اقتداء طغیان (سرکشی) میں حصہ لینا ہے۔

۔ وُدُّوا لَوْتُدْهِنُ آرزو کرتے ہیں کہ کاش آپ نرمی کریں) لَو تمنائیہ ہے۔ ادہان۔ دراصل یدہینن کی طرح اس کا اشتقاق الدین سے ہے لیکن اب اس کا معنیٰ ملاینۃ (نرمی کرنا) وترک الجد جدوجہد کا ترک) تاج المصادر میں فرمایا کہ الادہان بمعنی ہدایت (نرمی) کرنا اس کی ترکیب نرمی و سہولت اور قلت پر دلالت کرتی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ چاہتے ہیں کہ کاش آپ بعض امور میں نرمی اور چشم پوشی کریں اور ان کو دعوت دینا چھوڑ دیں۔ فَیُدْهِنُونَ تو وہ بھی نرمی کریں گے یعنی طعن و تشنیع ترک کر دیں گے حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مکہ کے مشرکین کی بات نہ ماننا کہ وہ تمہیں آبا رکے دین کی دعوت دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم ان سے نرمی کرو اور ان کے شرک پر انہیں سرزنش (ملامت) نہ کرو تو وہ بھی نرمی کریں گے اور تمہارے دین پر طعن و تشنیع نہیں کریں گے۔

فائدہ: اس تقریر پر فار کا عطف تُدْهِن پر ہوگا اور یدھنون بھی لو کے ماتحت ہوگا اسی لئے یُدھنون کا نون گرا نہیں ورنہ تمنّی کے جواب کی وجہ سے منصوب ہوتا (نون گر جاتا) اور فعل میں مستقبل کا معنیٰ ہے یا فار سببیہ ہے اور تدھن سے مسبب ہے اور یہ بھی ہے کہ فعل بمعنی حال ہو۔ اب مطلب یہ ہو کہ وہ تمہاری نرمی کی خواہش کرکے ابھی نرمی کر رہے ہیں اس طمع پر ہیں کہ تم ان سے نرمی کرو اس تقریر پر بسبب تمنی سے ہوگا اور مبتدا بھی مقدر ہوگا ورنہ فعل منصوب ہوگا۔ کیوں کہ تسبب از مانی حیز المتمنی کا تقاضا اس طرح ہے بعض نے کہا ان کا جیسے ظاہر میں تمہارے ساتھ توافق (موافقت) نہیں باطن میں بھی اسی طرح ہیں کیوں کہ ظاہر کی موافقت کے اثرات باطن کے توافق سے ہوتے ہیں ایسے ہی مخالفت کا حال ہے ورنہ منافقت سریع الزوال ہوتی اور تصنع جلد تر ختم ہونے والا ہوتا لیکن چونکہ کفار رذائل میں سخت منہمک اور تلوّن میں گہرے اثر رکھتے ہیں بوجہ گوناگوں خواہشات نفسانیہ اور متفرق و مختلف آرزوں کے تصنع کرکے اپنی اس رذیل عادت کو دوسرے رذیل عادتوں سے ملا کر آپ سے نرمی اور اسی طرح کے تصنع کی آرزو رکھتے ہیں جیسے وہ خود کر رہے ہیں۔

صلح کلیون کو ملامت

ہمارے دَور میں بد مذاہب (وہابی۔ مرزائی۔ شیعہ۔ دیوبندی فرقوں سے نرم پالیسی پر زور دیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک ایسی پالیسی سخت غلط اور پرلے درجے کی غلیظ عادت ہے یہی صاحب روح البیان قدس سرہ فرماتے ہیں فرمایا) المداہنۃ بیع الدین بالدنیا فہی من السیئات (روح، ص ۱۱۰ ج ۱۰) یعنی بد مذاہب سے نرمی برتنا دین کو دنیا کے عوض بیچنا ہے اور یہ سیئات میں سے ہے۔

ہم مسلک اہل سنت سے نرمی کی فضیلت

اور مدارۃ (ہم مسلک لوگوں و اہل ایمان سے

نرمی کرنا دنیا کے عوض دین حاصل کرنا ہے اور یہ حسنات میں سے ہے۔

مسئلہ : جس کے ساتھ نرمی نہیں کرنی اس کے ساتھ مداراۃ جائز ہے اور یہ مداہنت کے منافی نہیں کیوں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مداراۃ کے لئے اسی طرح مامور ہوں جس طرح تبلیغ کے لئے (اس سے صلحکلیوں کو کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ مدارات و مدہنت میں فرق ہے چنانچہ فرمایا) حضرت امام غزالی قدس سرہ نے الاحیاء میں فرمایا کہ مداراۃ و مداہنۃ میں فرق ہے وہ یہ کہ مداہنۃ کی غرض کا باعث اغراض ہو وہ یہ کہ اگر اپنے دین اور مسلک کی سلامتی یا اغراض سے اپنے کسی برادر دینی کی اصلاح مطلوب ہے تو یہ مداہنۃ مدارات کے معنی میں ہے۔[1]

صلحکلیوں کی پالیسی کی تردید

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اگر تم نرمی اختیار کرتے ہو محض حظ نفس اور اپنی خواہشات کی تکمیل اور اپنے جاہ و جلال کو برقرار رکھنے کے لئے تو پھر تم مداہن[2] (وہ نرمی جو شرعاً مذموم ہے) ہو۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ

سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بہت سے لوگوں کے سامنے خندہ پیشانی سے پیش آتے ہیں لیکن ہمارے ضمیر انہیں لعنت بھیج رہے ہوتے ہیں۔ (یہ بھی صلحکلیوں کو مفید نہیں کیوں کہ یہ ظالم اور شرپسند لوگوں کے لئے ہے چنانچہ صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے اس کی تفسیر خود فرمائی یہ مدارات ہے لیکن ان کے

---

[1] یہ اس وقت ہے جب صلحکلی کا مقصد یہی ہو لیکن یہاں ہمارے ملک پاکستان وغیرہ اپنے مسلک کی سلامتی کا کیا معنیٰ جب کہ ہم کسی کے ماتحت نہیں اور کثرت بھی اہل سنت کی ہے نیز برادر دینی سے بھی صلحکلیت نہیں کی جا رہی بلکہ کھلے بندوں دشمنان محبوبان خدا سے کی جا رہی ہے جن کے متعلق عوام اہل اسلام بخوبی جانتے ہیں کہ گمراہ فرقوں کے سربراہ یا گمراہ فرقوں کے متوالے کب ہمارے برادر دینی ہیں وہ تو ہمارے اسی طرح دشمن ہیں جیسے ایک دشمن دین کو ہونا چاہیے آزما کر دیکھئے ہاں نو آموز یا فہم و فکر میں ناپختہ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ ان گمراہ فرقوں کے پنجوں میں گرفتار نہ ہوں اگر گرفتار ہیں تو بچ جائیں۔ لیکن اس کی پالیسی اس طرح نہیں ہونی چاہیے جس طرح صلحکلی قسم کے لوگوں نے اختیار کی ہے اس کی مذمت متن میں ملاحظہ ہو۔

[2] خدا تعالیٰ بدظنی سے بچائے فقیر نے دور حاضرہ میں نرم پالیسی والوں کو دیکھا اور انہیں خوب آزمایا کہ ان کی بدمذاہب کے لئے نرم پالیسی مذکورہ بالا امراض سے خالی نہیں الا قلیل منہم وھم غیر معلومین۔

ساتھ جن کی شرارت سے خطرہ ہو۔ (اور سنت سے ان سے نفرت کا مراد ہے نہ کہ معروف معنیٰ وہ تو کفار کے لئے ہے اور بعض صحابہ کو دور ظالمانہ یزید و حجاج سے گزرنا پڑا انہیں یہ صورت پیش آئی تو مذکورہ بالا ارشاد فرمایا)

تفسیرِ عالمانہ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ اور اس کی بات نہ سننا جو بہت قسمیں کھانے والا ہے (حلّاف) بہت زیادہ قسمیں کھانے والا حق ہو یا باطل بوجہ حرمتہ یمین کی جہالت اور برے عقیدہ کی بناء پر اسے غیر معمولی سمجھنے کی وجہ سے۔

نکتہ: دوسری صفات بھی طاعت کی کمی پہ زاجرہ ہیں لیکن حلّاف کی تقدیم میں نکتہ یہ ہے کہ طاعت کی زجر میں اسی کو زیادہ دخل ہے۔

فائدہ: الکشاف میں ہے کہ جو قسم کھانے کی عادت رکھتا ہے اس کی زجر کے لئے یہی آیت کافی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا "لا تجعلوا اللہ عُرضۃ لایمانکم" اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔

مسئلہ: اس زجر میں غیر اللہ کی قسم بھی داخل ہے کیوں کہ وہ کبیرہ گناہوں میں ہے۔

فائدہ: حلف دراصل وہ قسم ہے جو کسی عہد پر ایک دوسرے سے حلف لینے کو کہتے ہیں لیکن اب عام ہے ہر قسم کی قسم کو حلف کہا جاتا ہے۔ مَّهِينٍ (ذلیل) حقیر رائے وتدبیر والا کیوں کہ وہ عظمت الٰہی کو نہیں جانتا اسی لئے وہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھالیتا ہے یہ مھانۃ سے ہے بمعنی قلّتہ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے کذاب مراد ہو کیوں کہ وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہے۔

هَمَّازٍ بہت طعنہ دینے والا پس پشت لوگوں کے عیوب بیان کرنے والا یا منہ پر طعنہ دینے والا، حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا وہ جو پس پشت لوگوں کے عیوب کھل کر بیان کرے۔

ردِ گستاخ اس میں اس بدبخت کی طرف اشارہ ہے جو اہلِ حق کی ریاضات و مجاہدات اور ان کی عزلت اور گوشہ نشینی پر طعن و تشنیع کرتا ہے[1]۔

---

[1]: جیسے وہابیہ غیر مقلدین اور نجدیوں کا مذہب ہے کہ محبوبانِ خدا کے جملہ معمولات چلّہ کشی وشب بیداری و دیگر ریاضات ومجاہدات پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔
تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب "خیر القسمۃ فی ان التکثر فی العبادۃ لیس ببدعۃ۔"

حدیث شریف ۱ میں ہے کہ مومن نہ طعان (طعن تشنیع کرنے والا) ہے نہ لعان (لعنت کرنے والا) ہے۔

حدیث شریف ۲ میں ہے مبارک اسے جسے اپنے عیوب نے دوسروں کے عیوب کی تلاش سے مشغول رکھا ہے۔

فائدہ: یعنی جو اپنے عیوب پر نگاہ رکھتا ہے تو وہ دوسروں کے عیوب دیکھنے میں کب فرصت پائے گا یا ان کے عیوب بیان کرسکے گا۔

فائدہ: اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ لوگوں کو معصیت سے منع بھی نہ کرے کیوں کہ وہ تو نص قطعی سے ثابت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نہی عن المنکر کرو لیکن دوسرے کو برائی سے روکتے وقت عجب اور دوسرے کو حقیر سمجھنا نہ ہو یہ خیال نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گرا ہوا ہوگا کیوں کہ امور کے بواطن وہی (اللہ تعالیٰ) خوب جانتا ہے۔

حل لغات: ہماز ہامز کا مبالغہ ہے الہمز بمعنی الطعن[۱] والضرب[۲] والکسر[۳] والعیب[۴] اسی سے الہمز والہماز (بالکسر) وہ چابک جو جانور پر مارا جاتا ہے۔

حکایت: ایک اعرابی سے کہا گیا اتہمز (لغارۃ) کیا تو چوہے کو مارتا ہے کہا السور یہمزھا (بلی ہی اسے دبوچ لے گی) استعارہ کے طور پر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو لوگوں کے عیوب مکروہ طریقے سے بیان کرتا اور ان کی عزت پر دھبہ لگاتا ہے گویا وہ انہیں اذیت سے مارتا ہے۔

مشّاءٍ بنمیم (بہت اِدھر کی اُدھر کی مارکر پھرنے والا) اسی کو مضرب کہا جاتا ہے۔

حل لغات کہا جاتا ہے جو ایک کی بات سن کر دوسرے کو بتائے اس سے اس کا ان کے درمیان شر و فساد پھیلانے کا پروگرام ہو وہی مُضرِب (مشاء بنمیم) ہے اس لئے کہ نمیم و نمیمہ وہ کوشش اور بات کا اظہار جس سے جھگڑا اور فساد برپا ہو یہ کبیرہ گناہوں سے ہے

مسئلہ: کسی کی بات نصیحت کے طور نقل کرنا یہ واجب ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی نے خیر خواہی کے طور کہا یا موسیٰ ان الملا یأتمرون بک لیقتلوک فاخرج انی لک من النٰصحین اے موسیٰ (علیہ السلام) بہت بڑے معزز (فرعونی) تیرے متعلق تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں تم یہاں سے نکل جاؤ بے شک میں تیرا خیر خواہ ہوں۔

مسئلہ: التعریفات میں ہے کہ نمّام وہ ہے جو لوگوں کو ایسی بات کہے جو ان کے درمیان جھگڑا برپا ہو اور ان کو دوسرے کی باتوں اس طرح انکشاف کرے جو ناگوار ہو منقول [illegible] گویا منقول لہ

کو یا کسی تیسرے کو وہ انکشاف صراحۃً ہو یا اشارۃً یا کسی اور طریق سے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ نمام (چغلخور) بہشت میں داخل نہ ہوگا۔

فائدہ: نمام وہ جو فساد اور شر پھیلانے کے لئے ادھر کی ادھر کی مارے السعایہ بمعنی غمز (اشارے کرنا)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مشا بنمیم وہ شخص ہے جو اہل حق کی باتیں جاہلوں کے سامنے سنائے جسے وہ سنکر مذاق اڑائیں اور ان کے کلام کو جہالت و سفسعہ (حماقت سے تعبیر کریں ۱

تفسیر عالمانہ **مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ** (بھلائی سے بڑا روکنے والا) مانع کا مبالغہ ہے بمعنی بخیل۔ الخیر بمعنی مال یعنی وہ شخص جو لوگوں کو خیر یعنی ایمان وطاعت و ایقان سے روکے اور ارباب سلوک یعنی مریدین کو مرشدین سے روکے (جیسے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کا شیوہ ہے) یہاں ممنوع منہ کا ذکر ممنوع کا ذکر نہیں (بوجہ اس کی شہرت کے)

ولید بن مغیرہ ولید کے دس لڑکے تھے وہ انہیں اور اپنے رشتہ داروں تابعداروں کو کہتا تھا کہ (حضرت) محمد (مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دین سے کوئی فائدہ نہیں اور یہ ولید بہت بڑا دولتمند تھا اس کا نوہزار مثقال سونا تھا (ایک مثقال سوا چار ماشہ کا ہوتا ہے اور طائف (علاقہ) میں اس کا ایک بہترین باغ تھا۔

مُعْتَدٍ (حد سے بڑھنے والا) ظلم میں تجاوز کرنے والا یعنی حق نو حد سے آگے بڑھنے والا کہ لوگوں پر ظلم کرے اور اسے تمام مذموم اخلاق پر محمول کیا جا سکتا ہے کیوں کہ ان سب میں تجاوز عن الحد ہے۔

صوفیانہ معنیٰ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نفس پر ظلم پر حد سے بڑھنے والا کہ اسے شہوات میں غوطے دیتا ہے منہیات کی ظلمت میں منہمک ہونے والا۔

اَثِيْمٍ گنہگار بہت گناہ کرنے والا یہ افعال مبطلہ از ثواب پر مستعمل ہوتا ہے۔

۱: اس سے وہ جاہل واعظ اور صوفی عبرت حاصل کرے جو وحدۃ الوجود جیسے مقدس مسئلہ کو بر سر منبر اور عوام کے سامنے بیان کرتا ہے جس سے وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کو طعن و تشنیع کا موقعہ مل جاتا ہے بلکہ وہ انہی عبارات کو اچھالتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں لو دیکھو یہ ہیں بریلویوں (اہلسنت کے عقیدے) وحدۃ الوجود پر مبنی ہوں۔
تفصیل فقیر کی کتاب وحدۃ الوجود میں ملاحظہ ہو۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بہت گنہگار زیاں کار۔ تاویلات نجمیہ میں ہے اخلاق ردیہ کی طرف جھکنے کی وجہ سے اور صفات مردودہ میں رغبت کی طرف مائل ہو کر زیادہ گنہگار۔

عُتُلٍّ (درشت خو) خشک مزاج سخت طبیعت۔

حل لغات: عَتلہ سے ہے اسے سختی وغلظت سے کھینچا۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ العتل بمعنی الشی کے تمام پکڑ کر اپنی طرف زور سے کھینچا جیسے عتل البعیر اونٹ کو زور سے کھینچ کر اپنی طرف لانا یعنی سختی سے کھینچنا۔

فائدہ: جناب کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عتل بمعنی سخت ہے۔ درشت خو یعنی وہ جو معاملہ میں ایسا سخت اور غلیظ قلب وطبع ہو کہ وہ نہ روحانی صفات کو قبول کرے اور نہ ہی حق کے لئے نرمی کرے بلکہ ہر معصیت پر جری ہو۔ (جرائمند) ہو۔ القاموس میں ہے کہ العتل (بضمتین) مشددۃ اللام بسیار خور خشک مزاج۔ سخت دل۔ بَعْدَ ذٰلِكَ اس گنتی کے بعد یعنی مذکورہ قبائح کے بعد زَنِيمٍ ولد الزنا ہے اس کی اصل میں خطا ہے۔

حل لغات: وہ اپنی قوم میں بطور دعویٰ چمٹا ہوا اور صرف ان کی نسب میں ملحق ہے حالانکہ درحقیقت ان میں سے نہیں یعنی زنیم وہ ہے جسے کوئی اس کی پرورش کر کے اپنا بیٹا بنائے حالانکہ حقیقت میں وہ اس کی نسب کا (بیٹا) نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وما جعل ادعیاءکم ابناءکم اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا۔ (ذلکم قولکم بافواھکم) یہ تمہاری اپنی منہ کی باتیں ہیں امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا زنیم۔ مزنم وہ جو قوم میں زائد ہو انہیں سے نہ ہو یعنی نسب میں ان کا نہ ہو ان کو ملحق ہوا ہو حقیقی طور ان سے نہ ہو۔ تشبیہ ہے کان کٹی دو بکریوں سے تشبیہ ہے۔

الکشاف میں ہے کہ یہ الزنمہ سے ہے بمعنی الہنتہ (کان کٹنا) کیونکہ وہ غیر اہل کے ساتھ ایک زائد معلق ہے۔ القاموس میں ہے الزنمۃ محرکہ (حرکتوں سے) وہ شے جو اونٹ کے کان سے کاٹ کر اسے لٹکا ہوا چھوڑ دیا جائے یہ ان کے اچھوں سے کیا جاتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ درحقیقت یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اس قول سے لیا گیا ہے جو آپ نے فرمایا زنیم وہ جو غیر معروف ہو یہاں تک اسے زنیم کہہ کر معروف کیا جائے تو معلوم ہوا کہ یہ اس کے لئے اس کے حلق میں زنمہ (لٹکا ہوا گوشت ہے) بعض نے کہا کہ وہ شر سے معروف ہوتا ہے جیسے بکری زنمہ سے پہچانی جاتی ہے۔

فائدہ: عتبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی ایسی وصف اور اس حد کے عیوب بیان فرماتے ہیں جیسے ولید بن مغیرہ کے عیوب گنائے ہیں اور ایسے عار میں مبتلا فرمایا کہ جس سے وہ ہمیشہ تک سبکدوش نہیں ہو سکا۔

فائدہ: بعد ذلک میں دلالت ہے کہ اس کا اپنا دعویٰ بہت زیادہ عیب اور سخت ترین قبیح ہے کیونکہ ولید خود کو قریشی ہونے کا مدعی تھا۔ حالانکہ قریشی نہ تھا اور نہ ہی ان کی اصل سے تھا کیوں کہ اس کے باپ مغیرہ نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد دعویٰ کیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے یعنی ولید اٹھارہ سال کا ہو گیا تھا تو اب مغیرہ نے کہا کہ میں اس کا باپ ہوں یہ کہہ کر اسے اپنے گھر لے آیا۔

فائدہ: بعد ذلک لفظ ثم کی نظیر ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ثم کان من الذین اٰمنوا جس طرح یہ ثُمَّ تراخی رتبی کے لئے یہ بعد ذلک بھی رتبی ہے۔

حدیث شریف[۱] میں ہے بہشت میں جواظ اور جعظری اور عتل زنیم داخل نہ ہو گا۔

حل لغات: جواز از جوظ ہے بمعنی مال جمع کر کے روک کر رکھنے والا (الجعظری بمعنی خشک مزاج سخت طبیعت (سنگدل) عتل بسیار خور (بہت کھانے پینے والا غتوم)

حدیث شریف[۲] حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں اہل جنت کی خبر نہ دوں فرمایا وہ ہر ضعیف کمزور کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سامنے قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کی قسم پوری فرما دے اور فرمایا۔ الا اخبرکم الخ کیا تمہیں جہنمیوں کی خبر نہ دوں فرمایا ہر سرکش اور خشک مزاج متکبر (دوزخی ہے)

شان نزول بعض نے کہا کہ ولید کی ماں نے زنا کیا تو کسی کو معلوم نہ تھا یہاں تک کہ یہی آیت نازل ہوئی۔ اب زنیم کا معنیٰ ولد الزنا ہے یعنی حرامزادہ کہ جس کا باپ معلوم نہ ہو۔ ایک شاعر نے فرمایا ؎

زنیم لیس یعرف من ابوہ

بغی الام ذو حسب لئیم

ترجمہ: زنیم وہ ہے جس کا باپ معلوم نہ ہو۔ اس کی ماں زانیہ اور اس کا حسب لئیم ہے۔[۱]
(یقین کیجئے کہ ہر گستاخ نبوت ولد الزنا ورنہ ولد الحرام ضرور ہوتا ہے[۱]) اسی کے متعلق کہا گیا ہے ؎

جرم و گناہ مدعی از فعل مادر است

کورا خطائے مادر او خاکسار کرد

---

[۱] اس کی تفصیل فقیر کے رسالہ "گستاخ ولد الحرام ہے" میں دیکھئے، اویسی غفرلہ،

ترجمہ: مدعی کا جرم و گناہ ماں کے فعل سے ہے ماں کی خطا رنے ہی اسے عاجز و ذلیل کیا۔

فائدہ: نطفہ خبیث ہو تو جو اولاد اس سے پیدا ہو گی وہ بھی خبیث ہو گی (یہ قاعدہ اکثریہ ہے)

حدیث شریف ۱: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نہ زانی بہشت میں جائے گا نہ اس کی زنا کی اولاد اور نہ زنا کی اولاد کی اولاد (کشاف)

حدیث شریف ۲: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری اُمت ہمیشہ خیر و بھلائی رہے گی جب تک ان میں اولاد الزنا نہ پھیلے گی جب زنا کی اولاد اور نشہ والوں کی کثرت ہو گی تو ان پر عذاب الٰہی عام ہو جائے گی۔

حدیث شریف ۳: اولاد زنا ر تین شرارتیوں میں شریر تر ہے۔

ازالہ وہم: حضرت ہادی رحمہ اللہ نے شرح المنار میں فرمایا کہ یہ کسی خاص اولاد زنا کے لئے ہے ورنہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بہت سے ولد الزنا دین و دنیا میں ہدایت والی اولاد سے بہتر ہوتی ہے بلکہ عزت و احترام کے شرعی امور میں دیکھا گیا ہے کہ وہی بہ نسبت دوسروں کے وہی زیادہ مستحق ہوتے ہیں مثلاً قبول شہادت و عبادت و صحت قضاء و امامت وغیرہ۔ میں (جب صحیح نکاح کی اولاد فاسق و فاجر اور ولد الزنا باصلاح ہو تو ولد الزنا کو ترجیح دی جاتی ہے اسی لئے حدیث عموم پر نہیں۔

فضیلت نبوی و علم غیب: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نکاح میں پیدا ہوا ہوں نہ کہ سفاح (زنا) سے۔

مسئلہ: ایسے ہی جملہ انبیاء علیہم السلام اور جمیع اولیائے کرام قدس اللہ اسرارہم۔

فائدہ: زنا کفر سے من وجہ قبیح تر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ حی (مومن) کو میت (کافر) سے پیدا کرتا ہے بخلاف رشید (رشد والے) کے زانی سے (یعنی زانی کے نطفۂ زنا سے ولی پیدا نہیں ہو گا) کیونکہ ولد الزنا ولایت حقیقیہ کی صلاحیت نہیں رکھتا اگرچہ وہ ولایت صوریہ کی صلاحیت رکھتا ہے۔

شان نزول: یہ آیت اخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی اس کا نام ابی تھا۔ قریش قبیلہ میں ثقفی مصطلقی تھا اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے زنیم کہا اس کی نسب کی مذمت سے نہیں بلکہ اسے اس معنی سے متعارف کرانے کے لئے ہے (ذکرہ السہیلی)

فائدہ: ابن عطیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ لفظ اپنے عموم پر ہے کیوں کہ جو اس صفت سے موصوف ہو گا وہ زنیم ہے اور یہ خطاب ہمیشہ تا قیامت باقی رہے گا بالخصوص والیان امور (حکومت کے امور میں

دخل دینے والوں کے لئے (اکثر طور)

فائدہ : فتح الرحمٰن میں ہے کہ یہ ترتیب واصف کے قول میں ہے نہ یہ کہ موصوف کو یہ صفات اسی ترتیب سے حاصل ہوئے ورنہ عتل مناع للخیر سے پہلے ہونا چاہیے۔

فائدہ : برہان القرآن میں ہے کہ حلاف سے زنیم نو اوصاف ہیں ان میں حرف عطف نہیں اور نہ ہی ساتویں صفت کے بعد واؤ یہ دلیل اس بات کی ہے کہ جس نے آٹھ صفات کے درمیان واو لانے کو ضعیف کہا ہے وہ صحیح ہے۔

تفسیر عالمانہ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ یہ کہ وہ صاحب مال اور صاحب اولاد ہے یہ لاتطع کے متعلق ہے یہاں حرف جارہ محذوف ہے یعنی دراصل لاتطع من ھذہ مثالبہ یعنی جس میں بری صفات ہوں اس کی بات نہ سن اس لئے کہ وہ بہت سے مال کا مالک اور بہت بڑی اولاد سے قوت یافتہ ہے۔ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ جب اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ پہلے لوگوں کی بناوٹی کہانیاں ہیں) جملہ مستانفہ مبنی کے تعلیل کے قائمقام ہے یعنی جب تم اس کے سامنے ہمارے کلام قدیم کے آیات پڑھتے ہو تو کہتا ہے کہ ایسی باتیں ہیں جنہیں کسی قسم کا تظم و نسق نہیں انہوں نے اپنے گمان کے مطابق کچھ باتیں لکھ لی ہیں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ان کی بکواس کا ذکر فرمایا ہے کہ اکتتبہا فہی تملی علیہ یہ وہ باتیں جسے اس نے لکھ لیا تو پھر اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں یعنی یہ گذشتہ لوگوں کے افسانے ہیں۔

فائدہ : سُدی نے رساجیع الاولین لکھا بمعنی پہلے لوگوں کی مسجع باتیں یعنی ہم نے اس بدبخت کو نعمتوں سے نوازا مال و دولت بکثرت بخشا اس نے بجائے شکر کرنے کے ہماری آیات کے ساتھ کفر کر ڈالا۔

فائدہ امام مبرد نے کہا کہ اساطیر اسطورہ کی جمع جیسے احدوثہ کی احادیث اس کی تحقیق پہلے گزری ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے قسم کھانے والے ذلیل اور فی نفسہ حقیر کی بات نہ سنو بسبب اس کے ان اعمال کی ثروت کے جو ریاء و سمعۃ (شہرت) اور ان بنین احوال جو عجب و اعجاب کی طرف منسوب ہیں کہ جب اس پر پڑھے جاتے ہیں ہمارے دقائق وحقائق تو کہتا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں (ملفوظات) ہیں جنہیں صوفیہ متقدمین نے لکھی ہیں یہ ان کی بکواسات و اخرافات ہیں۔

تفسیر عالمانہ — سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ہم داغ دیں گے ان کی تھوتنی کو۔

حل لغات : یہ دراصل سَنَوسِم تھا از وسمٌ بمعنی وسم (علامت) ظاہر کرنا یعنی داغ دینا المیسم بمعنی المکواۃ یعنی داغنے کا آلہ۔ الخرطوم بروزن زنبور ناک یا اس کا اگلا حصہ یا وہ جیسے حنکین ملی ہوئی ہیں جیسے خرطم بروزن قنفد (القاموس) اب معنی یہ ہوا کہ ہم اسے داغ کے نشان اس کی عزت والی جگہ پر بنائیں گے تاکہ اس کی نہایت درجہ کی ذلت و اہانت ہو کیونکہ ناک ہی انسان کے چہرے میں عزت والی جگہ ہے کیونکہ چہرے میں یہی آگے ہے اسی لئے اسے عزت وحمیت والی جگہ پر بولتے ہیں اسی سے الانفۃ مشتق کرتے ہیں اور رغم انفہ اور کہتے ہیں الانف بالانف وحمی انفہ (اس نے ناک بچا لی) "فلاں شامخ العرنین" فلاں اونچی ناک والا ہے اور ذلیل آدمی کے لئے کہتے ہیں (جدع انفہ) اس کی ناک کٹ گئی (ورغم انفہ) اس کی ناک آلود ہوئی۔

حکایت : حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اونٹوں کے چہروں کو داغا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اکرموا الوجوہ" چہروں کی عزت کرو اگر داغ دینا ہے تو چوتڑوں کو داغو۔

نکتہ : یہاں ناک کو خرطوم سے تعبیر کرنا اس کی اہانت وتحقیر مطلوب ہے اس لئے کہ خرطوم ہاتھی اور خنزیر کے لئے بولی جاتی ہے جب جانور میں زیادہ خباثت اور سخت تر قباحت ہو تو پھر اس کی اہانت وتحقیر بھی سخت کر دی جاتی ہے۔

حکایت : بعض نے کہا کہ ولید کو غزوۂ بدر میں ناک پر زخم آیا تھا تو اس کے زخم کا نشان اسے مرتے دم رہا۔

فائدہ : صاحب کشاف نے کہا کہ یہ قول ضعیف ہے اس لئے کہ ولید غزوۂ بدر سے پہلے مرگیا تھا تو پھر اس کے لئے کسی داغ کی نشان دہی کرنا کہ اسے مرتے دم تک رہی (دعوی بلا دلیل ہے)

فائدہ : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم اس سے عار مراد لیتے ہیں کہ وہ اسے لازم ہے یہی صاحب کشاف نے کہا کہ اس سے مراد وہ ذلت ہے جو دائماً اسے نصیب ہوئی اور چہرہ سے چونکہ عزت والی جگہ ہے اور پھر ناک اسمیں تمام اعضاء سے زیادہ ظاہر ہے اسی لئے اس پر داغ دینا زیادہ ذلیل وخوار کرنا ہے کیونکہ چہرے کا داغ اور دھبہ ایک عیب ہے تو پھر جو عضو اس میں زیادہ ظاہر ہو اس پر دھبہ اور داغ تو اور زیادہ عیب ہونا چاہیے ایسے ہی عتبی نے کہا کہ اللہ تعالی نے ولید کے یہ اوصاف قسم مہانۃ ہمز (طعن) چغلخوری کے لئے آنا جانا۔ بخل۔ ظلم۔ اثم (گناہ) جفوہ۔

(خشک مزاجی) سے موصوف کر کے اسے ایسی عار لاحق کی جو دنیا و آخرت میں اس سے جدا نہ ہو اور فرمایا اس کی دلیل وہ ہے جو شعبی سے مروی ہے جو انہوں نے عتل کی تفسیر میں بتایا چنانچہ فرمایا کہ العتل بمعنی الشدید اور زنیم وہ جس میں شر کی علامت ہو جس سے وہ معروف ہو جیسے بکری کان کٹنے کی علامت سے معروف ہوتی ہے۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے کہ ہم اسے قیامت میں ایک ایسی علامت سے ظاہر کردیں گے جیسے بکری علامت سے معروف ہوتی ہے۔ جسے تمام کفار پہچانیں گے بایں طور کہ اس کا چہرہ نہایت درجہ کا سیاہ ہو گا یہ عداوت کی نحوست سے ہوگی۔ جو اس نے سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے حد درجہ کی عداوت کی[1] اس تقریر پر خرطوم سے مراد تمام چہرہ ہے کہ جزء بول کر کل مراد لی گئی ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا بَلَوۡنٰهُمۡ بے شک ہم نے انہیں جانچا۔

حل لغات: کہا جاتا ہے بَلِیَ الثوب بمعنی خلق یعنی کپڑا پرانا ہو گیا بلوتہ میں نے اسے آزمایا گویا اسے پرانا کیا اسے بار بار آزمانے سے البلایا (آزمائشیں) اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے اہل مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے قحط و بھوک سے سات سال مبتلا رکھا یہاں تک کہ انہوں نے مردار اور ہڈیاں اور چمڑے کھائے اور خون پیا ان کی سرکشی اور تکبر اور ان کے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ناشکری کی وجہ سے كَمَا بَلَوۡنَاۤ اَصۡحٰبَ الۡجَـنَّةِ‌ جیسے باغ والوں کو جانچا تھا یعنی ان کا جانچنا باغ والوں کی طرح تھا اور باغ اہل مکہ کے ہاں معروف تھا لام عہد کی ہے اور کاف نصب کی جگہ پر ہے کیوں کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور ما مصدریہ ہے الجنہ بمعنی باغ۔ اصحاب الجنۃ سے اہل صفاد کی ایک برادری کشف الاسرار میں ہے کہ وہ تین بھائی تھے یہ باغ ان کے باپ کا تھا صنعاء سے دو فرسخ کی مسافت پر اور سہیلی نے فرمایا کہ اس باغ کا نام ضردان تھا۔ یہ باغ صنعاء یمن سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر سر راہ تھا اس کا مالک ایک مرد صالح

---

[1] لطیفہ: ایک نوجوان جو بچپن میں تا جوانی چٹا گورا شکیل و جمیل تھا نحوست کا مارا کسی دیوبندی وہابی کی صحبت کی نحوست سے بے ادب و گستاخ بن گیا فقیر کو ملا تو فقیر نے اس کی بگڑی صورت کو دیکھ کر کہا کہ ارے بدبخت بچپن تا جوانی تیرا چہرہ کیسا من بھاتا تھا صورت و شکل بگڑ گئی تو کیوں کہا بیمار ہو گیا تھا تو میں نے کہا نہیں یہ اس صحبت وہابیت کی نحوست ہے سنکر کھسیانا سا ہو گیا لیکن تائب نہ ہوا۔

تھا جو باغ کے میوے کثرت سے فقراء کو دیتا تھا جب باغ میں جاتا فقراء کو بلا لیتا تمام گرے پڑے میوے فقراء لے لیتے اور باغ میں بستر بچھا دیئے جاتے جب میوے توڑے جاتے تو جتنے میوے بستروں پر گرتے وہ بھی فقراء کو دیدیئے جاتے اور جو خالص اپنا حصہ ہوتا اس سے بھی دسواں حصہ فقراء کو دے دیتا اسی طرح کھیتی کاٹتے وقت بھی اس نے فقراء کے حقوق بہت زیادہ مقرر کئے تھے اس کے بعد اس کے تین بیٹے وارث ہوئے انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ مال قلیل ہے کنبہ بہت ہے اگر والد کی طرح ہم بھی خیرات جاری رکھیں تو تنگدست ہو جائیں گے آپس میں مل کر قسمیں کھائیں کہ صبح تڑکے لوگوں کے اٹھنے سے پہلے باغ چل کر میوے توڑ لیں۔ یہی فتح الرحمٰن میں ہے اور یہ عیسٰی علیہ السلام کے رفع الی السماء سے تھوڑے سے عرصہ کے بعد ہوا اور یہ باغ والے بخیل تھے۔ ایسے ہی کاشفی رحمہ اللہ نے بھی لکھا یہ کارروائی باپ کے مرنے کے بعد قسم کھا کر کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِذْ اَقْسَمُوْا جب انہوں نے قسم کھائی اِذْ بَلَوْنَا کی طرف ہے اقسام بمعنی قسم کھانا ان سے باغ کے ورثہ مراد ہیں جو فقراء سے پوشیدہ ہونا چاہتے تھے۔ لَیَصْرِمُنَّهَا البتہ وہ کاٹیں گے۔

حل لغات الصرام والصرم بمعنی کھجور کا پھل کاٹنا از صرمہ (اسے کاٹا) یعنی کھجور اور انگور کے پھل کاٹیں گے اور اناج کھیتی وغیرہ کا جمع کریں گے۔ مُصْبِحِیْنَ تڑکے اٹھ کر (لیصرمنہا) سے حال ہے یعنی اندھیرے میں چل کر انہیں کاٹ لیں گے لیصرمنہا قسم کا جواب ہے یا ان کی گفتگو کے خلاف لایا گیا ہے ورنہ کہا جاتا لیصرمنہا بصیغۂ جمع متکلم وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ اور استثناء نہ کرتے یعنی انشاء اللہ نہ کہتے۔

سوال: انشاء اللہ کو استثناء کیوں کہا حالانکہ اس میں تو حرف شرط ہے۔

جواب: چونکہ انشاء اللہ استثناء کے قائم مقام ہے مثلاً لاخرجن انشاء اللہ اور لا اخراج الا اخرج الا ان شاء اللہ کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا حال کے بعد حال ہے۔

نکتہ: قسم کے بعد ایسا فعل وارد کرنا جس کا فاعل مضمر ہے تاکہ معلوم ہو کہ ان کا یہ مقصد اہل مروت و اصحاب فتوت کے نزدیک قابل ستائش نہیں بلکہ ملامت کے لائق ہے۔ ان کی اور دو اسباب کے ذکر میں ان کی قباحت کا اظہار ہے کہ وہ محروم القسمۃ لوگ تھے اگرچہ ان کی قباحت کے اظہار کے لئے ایک ہی سبب کافی تھا لیکن پہلے ان کی قسم کا ذکر پھر انشاء اللہ نہ کہنا اس سے حال بنانا ان کی محرومی کے تقاضا کے لئے اصل اور قوت ہے ظاہر تر یہ ہے کہ ولا یستثنون سے مراد یہ ہے کہ وہ مساکین کا نکال کر علیحدہ نہیں رکھتے جیسے ان کا باپ کرتا تھا۔

فائدہ: ابوحیان نے کہا کہ ولا یستثنون کا معنیٰ ہے اس سے استثناء نہ کرتے تھے جو

ان کا عزم تھا کہ مسکینوں کو کچھ نہیں دیں گے تاج المصادر میں ہے کہ الاستثناء بمعنی ان شاء اللہ کہنا اور استثناء کرنا اور یہ بات شے کو دوبارہ تکرار پر دلالت کرتا ہے یا ان کو دو چیزوں کو متوالی یا متباین کرنا اور استثناء باب کے قیاس سے ہے وہ اس طرح کہ الشی کا ذکر مجملا ایک بار ہو جاتا ہے تو دوبارہ تفصیلا اس کا ذکر آجاتا ہے مثلاً کسی نے کہا خرج الناس الناس میں زید وعمر و مجملاً مذکور ہیں جب کہا الا زید تو اب زید ظاہراً دوبارہ مذکور ہوا۔ امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ استثناء کا ایراد اس عموم کو اڑاتا ہے جو اس سے پہلے جملہ میں عام تھا یا پہلے لفظ کے حکم کے ارتفاع کا مقتضی ہوتا ہے پہلے کی مثال اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ فرمائیے میری طرف جو وحی کی گئی ہے اس میں میں کوئی شے حرام نہیں پاتا۔ کھانیوالے پر جو اسے کھاتا ہے مگر مردار الخ (اسمیں استثناء سے پہلے ہر شے کے کھانے کا عموم تھا (الا ان یکون میتۃ) اس عموم کو خاص کر دیا گیا) دوسرے کی مثال عام طور پر کہا جاتا ہے لافعلن کذا ان شاء اللہ میں ایسے ضرور کروں گا (ان شاء اللہ) اس میں استثناء سے پہلے فعل کا تقاضا عموم کا تھا ان شاء اللہ کہنے سے وہ عموم مرتفع ہو گیا) ایسے ہی عبدہ عتیق و امراتہ طالق ان شاء اللہ اس کا غلام آزاد ہے اور اس کی عورت مطلقہ ہے ان شاء اللہ فطاف علیہا تو اس پر پھیرا کر گیا یعنی باغ کو گھیر گیا (طائف) پھیرا کرنے والا بلا، پھیرا کرنے والی یہ ایسے ہی جیسے دوسری جگہ یہ فرمایا واحیط بثمرہ (اور گھیر گیا اس کے ثمر کو) یہ رات کو ہوا کیوں کہ طائف رات کو ہی ہوتا ہے نیز اس کے بعد لفظ نوم بھی آسمانی آگ تھی جس نے ان کے باغ کو جلا دیا من ربک (تیرے رب تعالیٰ سے) یعنی یہ آنے والی آگ تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے تھی۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الطوف بمعنی کسی شے کے ارد گرد پھرنا اسی سے الطائف ہے جو بیت اللہ شریف کے گرد چکر لگاتا ہے اسی سے ہی جن اور ادر خیال اور خادم ہے وغیرہ ان سب کو طائف کہا جاتا ہے۔

نکتہ: ان کے لئے طاف الخ فرمایا کہ مصیبت انہیں رات کو پہنچی یہ ان کے لئے تعریض ہے (وھم نائمون) اور وہ سو رہے تھے) یعنی جو تقدیر ان پر جاری ہوئی اس سے وہ غافل تھے یا نیند جو موت کی مانند ہے میں رات والی مصیبت سے غافل تھے کیوں کہ وہ اس وقت سو رہے تھے۔

حل لغات النوم بمعنی وہ بخار جو دماغ کی طرف چڑھتا ہے اس کی رطوبات کی وجہ سے دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا پڑ جاتا یا یہ کہ نفس کو اللہ تعالیٰ موت کے

بغیر فوت کردے وہ اس طرح روح کی روشنی ظاہر بدن سے منقطع ہوجائے نہ کہ باطن سے یا نیند ایک قسم کی خفیف موت ہے اور حقیقی موت ثقیل ہے اور یہ تمام تعریفات (برائے نوم) صحیح ہیں۔

فَاَصْبَحَتْ تو ہوگیا وہ صبح کے وقت اس بلا کی وجہ سے كَالصَّرِيْمِ ٹوٹے ہوئے ثمر کی طرح

حل لغات صریم بروزن فعیل بمعنی مفعول یعنی اس باغ کی طرح جس کے پھل کاٹ لئے جائیں کہ اس میں پھل کا نام ونشان تک باقی نہ رہے کیونکہ اسے آسمانی آگ نے جلا دیا تھا بعض نے کہا کالصریم بھی کہا جاتا ہے یعنی وہ باغ جل کر رات کی طرح ہوگیا آگ کے جلانے کی وجہ سے فَتَنَادَوْا پھر انہوں نے ایک دوسرے کو پکارا مُصْبِحِيْنَ صبح کے وقت یعنی درانحالیکہ وہ صبح کے وقت میں داخل ہوئے۔ اَنِ اغْدُوْا یعنی تڑکے چلو اَن مفسرہ ہے یا دراصل بان اغدوا تھا اس معنیٰ پر اَن مصدریہ ہے یعنی تڑکے اور دن کے پہلے حصے میں نکلو یعنی صبح سویرے نکل چلو عَلٰى حَرْثِكُمْ اپنی کھیتی کی طرف یعنی باغ اور کھیتی وغیرہ کو۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس باغ میں انگور کے درخت اور کھیتی بھی تھی۔ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ الحرث سے مطلق محصول مراد ہو (اناج۔ انگور، کھجور وغیرہ) اور اس سے بالخصوص کھیتی بھی مراد ہو سکتی ہے کہ وہ انسان کی معاش میں سب سے زیادہ ضرورت کی شے ہے اور اغدوا کا علیٰ سے متعدی ہونا اقبال ہے اور استیلاء کے معنیٰ کو متضمن ہے بعض نے کہا یہ خود علیٰ سے متعدی ہوتا ہے۔

حل لغات القاموس میں ہے غدا علیہ غدوا وغدوۃ (بالضم) واغتدیٰ بمعنی تڑکے گیا۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الحرث بمعنی زمین میں بیج ڈالنا اور اسے کھیتی کے لئے تیار کرنا اور محروث کو بھی حرث کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان اغدوا علیٰ حرثکم (یہاں حرث بمعنی محروث ہے) اِنْ كُنْتُمْ صٰرِمِيْنَ (اگر تمہیں کھیتی کاٹنی ہے) اس کے کاٹنے کا ارادہ رکھتے ہو اور ثمرہ کے حصول کا خیال ہو تو تڑکے چلو اس کا جواب محذوف ہے فَانْطَلَقُوْا تو وہ کھیتی کو چل پڑے یعنی باغ کی جانب وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ اور آپس میں آہستہ آہستہ کہتے جاتے تھے۔

حل لغات التخافت ایک دوسرے کو آہستہ بات کہنا یعنی آپس میں چپکے چپکے مشورہ کرتے تھے تاکہ کوئی سن نہ لے اور نہ ہی ان کے ہاں آئے۔ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ۔ کہ ہرگز آج تمہارے باغ میں ایک مسکین نہ آنے پائے چہ جائیکہ بہت زیادہ

آجائیں کہ آکر اپنا حصہ لے کر ہمارے حصص گھٹا دیں۔ تخافت میں قول کا معنی ہے اسی لئے ان مفسر ہے یعنی لا یدخلنہا یتخافتون کی تفسیر ہے مسکین وہ ہے جس کے ہاں کوئی شے نہ ہو اور وہ فقیر سے زیادہ بلیغ ہے اور مسکین کو روکنے میں مبالغہ ہے ان کے عدم دخول میں یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے لا ارینک ھھنا میں تمہیں نہ دیکھوں اس لئے مسکین کا دخول لازم ہے اس کو کہ وہ ان کے ہاں آئے ایسے ہی متکلم کی رؤیت مخاطب کے حاضر ہونے کو لازم ہے لازم کے ذکر سے ملزوم کی طرف منتقل ہوتا ہے وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ اور چلے اپنے ارادہ پر۔

حل لغات

الحرد المنع علی حدة و غضب کسی کو سخت اور غضب ناک ہو کر روکنا کہا جاتا ہے۔ نزل فلان حریدا، فلاں لوگوں سے علیحدہ ہو کر اترا وحاردت السنة بمعنی سال نے بارش روک دی والناقة اور ناقہ نے اپنا دودھ روک لیا وحرد بمعنی غضب (غضب ناک ہوا)

قٰدِرِیْنَ قدرت والے سمجھ کر غدوا کے فاعل سے حال مقدرہ ہے اس لئے اہل حق کے نزدیک قدرة مع الفعل ہوتی ہے اب معنی یہ ہوا کہ تڑکے اس ارادہ پر اٹھے کہ آج باغ میں مسکینوں کو ہرگز نہیں آنے دیں گے درآنحالیکہ وہ اپنے نفع پانے یا پھل حاصل کرنے کی اور کھیتی کاٹنے پر بزعم خویش قدرت والے ہیں لیکن انہیں سوائے رسوائی و ندامت کے کچھ نصیب نہ ہوا۔

فائدہ: الکشاف میں ہے کہ وہ تڑکے ندامت کے سوا اور کسی امر پر قدرت نہیں رکھتے تھے اور نفع کے حصول سے عاجز تھے یعنی ان کا تو پختہ ارادہ تھا کہ وہ مساکین کو رسوا اور محروم کریں گے اور وہ اپنے نفع کے حصول پر قادر بھی تھے لیکن خود تڑکے اٹھتے ہی فقر کا شکار ہو گئے اور مال ان کے ہاتھوں سے نکل گیا اب انہیں سوائے ندامت و محرومی کے کچھ حاصل نہ تھا وہ اس لئے کہ وہ تو مسکینوں کی محرومی کے طالب تھے لیکن محرومی و مسکینی ان کے اپنے گلے کا ہار ہو گئی۔ فَلَمَّا رَاَوْهَا جب اسے (باغ) کو اس کے برعکس تھا جس حال میں اسے چھوڑ گئے تھے قَالُوْٓا بولے ایک دوسرے کو کہا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ بے شک ہم راستہ بھول گئے اپنے باغ کا یہ راستہ اس کا نہیں جب اس کی تباہی و بربادی دیکھی بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ بلکہ ہم بے نصیب ہیں یہ تامل اور کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد کہا جب انہیں حقیقت معلوم ہوئی تو اپنے پہلے قول سے ہٹ کر یہی کہا کہ ہم باغ کا راستہ نہیں بھولے بلکہ ہم بے نصیب ہیں ہم باغ کی خیر و بھلائی سے محروم اور اس کے نفع اٹھانے سے بے نصیب ہو گئے یہ ہماری بری نیت کا نتیجہ ہے وہی برا ارادہ کہ مسکینوں کو کچھ نہیں دینا اور فقراء کا حصہ نہیں نکالنا۔ قَالَ اَوْسَطُهُمْ ان کے اوسط نے کہا یعنی ان سے رائے یا سن میں درمیانہ

حل لغات کشاف میں ہے ان کے اعدل و خیر نے کہا یہ ان کے قول فلاں من وسطۃ قومہ (فلاں اپنی قوم اعدل اور بہتر ہے) واعطنی من وسطات مالک (مجھے اپنے بہتر اور اچھے مال میں سے دے) سے ہے اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی امۃ وسطاً (بہتر امت) حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان میں جو فاضل تر تھا عقل میں یا سن میں ان سے بزرگ تر تھا یا صائب تر رائے و فکر میں۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وسط کبھی اسے کہا جاتا ہے جس کے دو کنارے مذموم ہوں جیسے جواد کہ اس کا ایک کنارہ بخل کا ہے اور ایک سرف (فضول خرچی) کا یہ ان کے درمیان میں مستعمل ہوا ہے کہ یہ افراط و تفریط سے محفوظ ہے اس معنی پر وہ مدح کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ السواء والعدل کی طرح اسی سے ہے کذالک جعلناکم امۃ وسطاً (ایسے ہی تم کو ہم نے بنایا امت خیر و بھلائی والی) اسی معنی پر یہی "اوسطہم" ہے کبھی وسطا اس کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے کہ جس کا ایک کنارہ محمود اور دوسرا مذموم ہو خیر و شر کی طرح اور کبھی اس قوم کا رذیل انسان بھی مراد ہوتا ہے جیسے فلان وُسط بین الرجال، تنبیہ ہے کہ وہ خیر کی حد سے نکل گیا ہے۔ **اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ** کیا میں تم سے نہیں کہتا تھا کہ تسبیح کیوں نہیں کرتے" اللہ تعالیٰ کو تسبیح و تہلیل کے ساتھ یاد کیوں نہیں کرتے اس کے ہاں اپنی بدنیتی سے توبہ کیوں نہیں کرتے۔ جب انہوں نے برا ارادے کا اظہار کیا تھا تو اس نے انہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو کہ وہ مجرموں سے کس طرح انتقام لیتا ہے ابھی ابھی اپنی بری نیت سے توبہ کرو اور جو برا پروگرام بنایا ہے اسے جلد از جلد ختم کرو قبل اس کے کہ تم پر کوئی آفت نازل ہو لیکن نہ مانے تو اب اس نے انہیں عار دلائی اپنے فعل سے پہلے ہی سزا پا گئے۔

مسئلہ: آیت میں دلیل ہے کہ کبھی انسان کو برے فعل کے عزم پر سزا ملتی ہے جیسے انہیں ملی کہ انہوں نے فقراء و مساکین کو حصہ نہ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا اس کی نظیر قرآن مجید کی دوسری آیت میں ہے کہ ومن یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم وہ جو حرم میں الحاد کا ظلم کے ساتھ ارادہ کرتا ہے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے) اسی طرح اور جگہ ارشاد ہے وذروا ظاھر الاثم وباطنہ، اور چھوڑو ظاہری و باطنی گناہ۔

فائدہ: عزم بمعنی فعل کے کرنے کا پختہ پروگرام (جزم کے ساتھ) محققین کے نزدیک اس کا مواخذہ ہے۔

مسئلہ: وہ ارادہ جس میں پکا ارادہ نہیں لیکن عمل کرنے پر ترجیح ہو تو اس پر مواخذہ نہیں (وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے معاف ہے) قالوا اپنے گناہوں کا اعتراف

کرتے ہوئے کہا۔

مسئلہ: گناہ کا اعتراف بھی توبہ میں شامل ہے سُبْحٰنَ رَبِّنَآ پاک ہے ہمارے رب کو برائی ونقصان سے بالخصوص کہ ظلم سے اس میں جو اس نے ہمارے ساتھ کیا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ (بے شک ہم ظالم تھے) ساتھ ارادہ مساکین کو محروم کرنے کی نفس کے بخل کی اتباع میں گویا کہتے تھے ہم اپنے برے عمل پر اللہ سے بخشش مانگتے اور اپنی بری نیت سے توبہ کرتے ہیں کہ ہم نے ارادہ کیا تھا کہ مساکین کا حصہ ہم نہیں دیں گے اگر یہ نزول عذاب سے پہلے کہتے تھے تو عذاب سے بچ جاتے لیکن بعد کو کہا جب باغ اجڑ گیا فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ پس ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوئے يَّتَلَاوَمُوْنَ ملامت کرتے ہوئے۔

حل لغات اللوم والملامۃ ذلیل وخوار کرنا۔ یعنی ایک دوسرے کو اپنے کئے فعل پر ملامت کرتے تھے ان میں بعض نے اس کا اشارہ کیا تھا بعض نے اس مشورہ کو اچھا کہا بعض خاموش رہے لیکن اس فعل پر راضی تھے بعض نے انکار کیا بہرحال ملامت کے طور ایک دوسرے کو کہتا کہ تو نے ہی یہ تجویز پیش کی تھی وہ جواباً کہتا کہ جناب بھی تو اس سے راضی تھے وغیرہ وغیرہ قَالُوْا بولے یعنی گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے عجز و نیاز سے کہا يٰوَيْلَنَآ ہائے خرابی ہم پر اور ہماری پالیسی پر اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ بے شک ہم سرکش تھے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے والے یعنی گناہوں میں حد سے گزرنے والے کہ مسکینوں کو حقوق سے محروم رکھا عَسٰى رَبُّنَآ شاید ہمارا رب تعالیٰ۔ ہم کرم پر امید کرتے ہیں اَنْ يُّبْدِلَنَا ہمیں بدل میں دے اس سے ہماری توبہ کی برکت سے اور اعتراف بالخطاء کی وجہ سے خَيْرًا مِّنْهَآ اس سے بہتر یعنی باغ سے اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رٰغِبُوْنَ رغبت کرنے والے اس کی عفو کے امید وار خیر و بھلائی کے طلبگار الیٰ انتہائے رغبت کے لئے ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ان کی رجاء (امید) و طلب کی منتہا رہی یا رغبت رجوع کے معنیٰ کو متضمن ہے اسی لئے اس کا صلہ الیٰ آیا ہے ورنہ مشہور یہ ہے کہ باب رغبتہ "من یا فی سے متعدی ہوتا ہے الیٰ سے نہیں۔

حکایت باغ والوں کی مروی ہے کہ اب معاہدہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال و دولت سے نوازا تو ہم اپنے آبا کی طرح فقراء و مساکین کو بہت کچھ دیں گے اس کے بعد عجز و انکسار سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گڑگڑائے اللہ تعالیٰ نے اسی رات میں پہلے سے بھی زیادہ مال و دولت بخشی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے جبریل علیہ السلام کو کہ انہوں نے ہمارا جلا سڑا باغ اکھیڑ کر شام کے ملک میں زعر کی جگہ پر رکھا (زعر وہ جگہ جہاں کھیتی باڑی نہ ہو سکے) اور شام سے کسی باغ کا قطعہ اٹھا کر یہاں رکھدیا۔ (الحمد للہ علی ذلک)

دوسرے باغ کی شان

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چونکہ انہوں نے توبہ اخلاص سے کی اللہ تعالیٰ نے ان کے صدق کو دیکھ کر اس باغ کے بجائے ایسا بہترین باغ بخشا کہ جسے الحیوان کا نام مشہور ہو گیا کہ اس کے انگور کا ایک گچھہ خچر کا بوجھ ہوتا تھا۔

فائدہ: حضرت ابو خالد یمانی فرماتے ہیں کہ میں اس باغ میں گیا تو دیکھا کہ اس کے انگور کا ایک گچھہ کھڑے ہوئے کالے حبشی جوان کی طرح محسوس ہوتا۔

سبق: محققین فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کسی بلا میں مبتلا ہو جائے تو اسے غور کرنا چاہیے کہ وہ کس غلطی کا خمیازہ بسیار غور و فکر کے بعد خطا معلوم ہو جائے تو بھی معلوم نہ ہو تو بھی بارگاہ حق میں خوب گڑگڑائے اور زاری کرے اللہ تعالیٰ اسے اس سے بھی بہتر و برتر بدل عطا فرمائے گا۔ جیسے ان لوگوں سے صروان (باغ چھینا تو ان کی زاری پر حیوان (باغ) عطا فرمایا۔ حضرت پیر رومی (قدس سرہ) اسی معنیٰ کی اس مقام پر خبر دی کہ ے

اولم خم شکست و سرکہ بریخت
من نگویم کہ ایں زیانم کرد
صد خم شہد صافی از پے آن
عوضم داد و ت دہانم کرد

ترجمہ: پہلے اس نے میرا مٹکا توڑ کر سرکہ ڈول دیا میں نہیں کہتا کہ اس نے میرا نقصان کیا کیوں کہ پھر اس نے اس کے بدلہ میں مجھے سو مٹکے شہد کے عطا فرما کر مجھے شاد کام کیا۔

باغ والے کون تھے

حضرت قتادہ سے سوال ہوا کہ یہ باغ والے اصحاب الجنۃ (مومن) تھے یا اصحاب النار فرمایا تو نے مجھے مصیبت میں ڈال دیا (یعنی کیا بتاؤں یا واللہ اعلم کہدوں) حضرت حسن (البصری رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ ان کا قول اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ نامعلوم ایمان کی وجہ سے کہا یا مشرکین کی طرح کہ وہ بھی جب مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں بہتر ہے اس میں توقف کیا جائے لیکن اکثر علماء و کرام کا خیال ہے کہ وہ تائب ہو کر مخلص بندے بن گئے۔ (حکاہ القشیری) فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اگر ان کا قول (انا الی ربنا راغبون) اضطراراً مان لیا جائے تو پھر کہنا پڑے گا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہتر باغ ملنا استدراجاً تھا اگر اخلاص اور از راہ صدق تھا تو پھر توبہ کے بعد انہیں بہتر باغ کا ملنا توبہ کے تحقق کے لئے تھا اور نتیجہ ظاہر کیا گیا کہ تمہاری توبہ مخلصانہ تھی کیوں کہ توبہ مخلصانہ کے ثمرات عجیبیہ ہوا کرتے ہیں۔

بکری سے دودھ اور شہد کیوں

حضرت شیخ ابو الربیع المالقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک نیک بخت عورت کا شہرہ سنا کہ فلاں بستی میں ہے اور وہ صاحب کرامت ہے ہماری عادت تھی کہ ہم غیر محرم عورتوں کو نہیں دیکھتے تھے لیکن اس کی کرامت دیکھنے کے شوق سے جانا پڑا وہ بی بی فضہ (سونے والی) کے نام مشہور ہوگئی تھی ہم اس بستی میں پہنچے تو لوگوں نے کہا اس کی بکری سے دودھ اور شہد آتا ہے ہم نے یہ منظر دیکھنے کے لئے جدید برتن خریدا جس میں پہلے کوئی شئے نہیں رکھی گئی تھی ہم اس بی بی کے گھر گئے اور اسی بکری کا دودھ طلب کیا اور برتن دیکھ کر کہا کہ بی بی اسی بکری سے ہمیں دودھ پلا جس کا شہرہ ہے کہ اس سے دودھ اور شہد حاصل ہوتے ہیں بی بی نے ہمارا برتن اور وہی بکری ہمارے ہاں بھیج دی اور فرمایا کہ اس کا دودھ اپنے ہاتھوں خود دوہ لو ہم نے اسے دوہا تو واقعی برتن میں دودھ اور شہد تھا جسے ہم نے پیا اس پر مزید یقین ہوگیا کہ واقعی بی بی کی کرامت حق ہے۔

مہمان نوازی کی برکت

ہم نے بی بی سے حالات پوچھے تو فرمایا کہ ہمارے ہاں ایک چھوٹی سی بکری تھی اور ہم نہایت تنگدست تھے سوائے اسی بکری کے بچہ ہمارے پاس کچھ نہ تھا اچانک عید کے دن ہمارے ہاں مسافر مہمان آگئے میرا شوہر نیک بخت صالح انسان ہے فرمایا کہ یہی بکری کا بچہ ذبح کر کے مہمانوں کو کھلا دیا جائے میں نے کہا کہ ایسا نہ کرو کیوں کہ ہمارے لئے عید کی قربانی واجب بھی نہیں اور اللہ تعالیٰ کو ہمارے حالات بخوبی معلوم ہیں لیکن اتفاقاً مہمان آگئے ہیں ہمارے ہیں کچھ بھی نہیں بہر حال مہمان نوازی کی نیت ہم نے باہم مشورہ سے طے کر لیا کہ یہی بکری کا بچہ ذبح کر دینا چاہیے اور میں نے ہی مشورہ کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ مہمان کی تعظیم و تکریم ضروری ہے فلہذا یہ بکری کا بچہ ذبح کر دینا ہمارے لئے خیر و بھلائی ہے مشورہ طے ہوگیا لیکن ایک فکر لاحق ہوئی کہ اگر یہ بکری کا بچہ یہاں ذبح ہو تو ہمارے بچے چھوٹے اسے ذبح نہیں کرنے دیں گے میں نے کہا اسے دیوار کے پیچھے جاکر ذبح کر دو وہ ذبح کے لئے اسے لے گیا لیکن یہی بکری چھلانگ لگا کر ہمارے گھر میں آگئی میں نے سمجھا میرے شوہر نے بکری کا بچہ ذبح نہیں کیا میں نے اسے آواز دی تو اس نے بکرا ذبح ہوگیا میں باہر گئی تو واقعی وہ ذبح ہو چکا تھا اور اس کی کھال بھی اتار لی گئی۔ لیکن یہ بکری ہمارے ہاں کہاں سے آئی۔ ہم نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مہمان نوازی کی برکت سے انعام بخشا ہے یہ وہی بکری ہے جس سے دودھ اور شہد حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی اولاد کو آواز دی کہ اے میرے بیٹو اکہ ہماری بکری مریدین کے قلوب میں چرتی ہے جب مریدین کے دل صحیح ہیں

تو بکری کا دودھ بھی صحیح ہے۔

فائدہ: امام یافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مریدین سے بی بی نے خود اور شوہر کے دل مراد لئے لیکن اسے مطلق رکھا جائے تو بطور عبرت سب کے لئے ہے تاکہ اہل دل اپنے دل صاف اور صحیح رکھیں جب سے اعمال صالحہ قبول ہوں گے اسی لئے اے اللہ والو اپنے قلوب پاک اور صاف رکھو تو پھر جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ بھی پاک وصاف ہو گا لیکن عموم میں یہی ہے کہ ہر ایک اپنے قلوب کا ذمہ دار ہے ایسا نہیں کہ وہ بی بی دوسروں کو کہہ رہی تھی اور خود فارغ۔ اگر ایسا ہوتا کہ کسی دوسرے کے اعمال سے فائدہ ہوتا بہر حال انسان اپنے قلب پاک وصاف رکھے تو دارین کی بھلائی ہوگی۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ بار ایسی ہوتی ہے جملہ مبتدا وخبر مقدم ہے قصر کا فائدہ دیتا ہے الف لام عہد کا ہے یعنی ہم نے اسی طرح اس سے آزمایا ہے اہل مکہ کو واصحاب جنہ (دماغ) کو عذاب دنیا سے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ ایسے ہی ہم آپ کی امت سے کریں گے جب ان کے اغنیاء فقراء پر رحم نہ کریں گے یعنی ہم ان سے بارش روک دیں گے اور ان کو مصائب بھیج دیں گے اور ان کی کھیتوں سے برکت اٹھالیں گے اور تجارتوں میں برکت نہ رہے گی۔

مسئلہ: اس میں زکوٰۃ وصدقات کے مانعین کو وعید ہے کہ ان کے مال تباہ وبرباد ہوسکتے ہیں ان پر نزول عذاب ہوسکتا ہے جس طریق سے ہو سے

مکن بد کہ بدبیتی اے یار نیک
نیابد ز تخم بدی بار نیک
کسے نیک بیند بہر دوسرا
کہ نیکی رساند بخلق خدا

اے اچھے دوست برائی نہ کر برائی دیکھے گا کیونکہ برے بیج سے اچھا پھل کوئی نہیں دیکھتا (حاصل کرتا)۔

ترجمہ: وہ شخص دونوں جہانوں میں بھلائی دیکھتا ہے جو خلق کو خیر وبھلائی پہنچاتا ہے

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ اور بے شک آخرت کا عذاب بڑا ہے عظیم وشدید تر ہے کیوں کہ دنیا کا عذاب زوال پذیر اور آخرت کا عذاب باقی ودائمی ہے لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے کہ آخرت کا عذاب بڑا ہے تو البتہ کنارہ کشی کرتے ان امور سے جو اس کی طرف لے جاتے ہیں اور اس میں انہیں بھٹکتے اور گراتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ بے شک کفر و عصیان سے بچنے والوں کے لئے عِنْدَ رَبِّہِمْ ان کے رب تعالیٰ کے ہاں اور عند تشریف و تکریم کے لئے ہے کیوں کہ وہ صوراۃً اور حقیقتہً اللہ تعالیٰ کی ملک ہے اس میں جیسے چاہے تصرف کرے ورنہ جنت کی عندیت اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے کیوں کہ وہ مکان کی قید سے منزہ ہے اور عند ظرف اس استقرار کے متعلق ہے جو متقین کا متعلق ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ محذوف منصوب علی الحالیہ کے متعلق ہو جو متقین میں منوی ہے اور جائز نہیں کہ وہ جنات سے حال ہو کیوں کہ وہ عامل نہیں اور ظاہر تر یہ ہے کہ اس کا معنی اس معنیٰ پر عندیہ مکانیہ (مرتبہ والی) ہوگا کیوں کہ وہ ذات جہت و تحیز سے منزہ ہے یہ جیسے دوسری جگہ میں فرمایا عند ملیک مقتدر" یہاں بھی مکانیۃ مرتبی مراد ہے کیوں کہ وہ متقین کو اللہ تعالیٰ کی طرف قرب معنوی نصیب ہوگا۔

فائدہ: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عند قرب کے لئے وضع کیا گیا اسی سے کبھی قرب مکانی مراد ہوتا کبھی قرب اعتقادی جیسے عندی کذا اور کبھی مرتبہ و منزلت مراد ہوتی ہے جیسے بل احیاء عند ربہم بلکہ شہداء اپنے رب تعالیٰ کے ہاں زندہ ہیں (مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے) اسی معنیٰ پر ملائکہ کرام کو مقربین کہا جاتا ہے (یعنی مرتبہ و منزلت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے مقرب)

جَنّٰتِ النَّعِیْمِ نعمتوں کے باغ میں ایسے باغات کہ ایسی نعمتوں سے پُر ہیں جنہیں طبع کو منغص کرنے والی چیزیں ہیں نہیں نہ ہی ان میں زوال کا خوف ہے جیسے دنیوی نعمتوں میں ہوتا ہے۔ اضافت لامیہ اختصاصیہ سے حصر ثابت ہوئی کیونکہ یہ لام مضاف الیہ کے لئے اختصاص کا فائدہ دیتی ہے اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ کَالْمُجْرِمِیْنَ (تو کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں سا کر دیں)

شانِ نزول مشرکین قریش کے رؤسا اپنی دنیا کی وفرت اور مسلمانوں میں قلت کو دیکھ کر اپنی برتری پر نازاں رہتے جب مسلمانوں کے لئے آخرت کی نعمتوں کا سنا کہ یہ نعمتیں صرف مسلمانوں کو عطا ہوں گی تو کہنے لگے اگر ہم مرنے کے بعد اٹھے بھی جیسا کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا گمان ہے کہ تو بھی ہمارا ٹھاٹھ باٹھ ایسے ہی ہوگا جیسے اب دنیا میں ہے ورنہ مسلمان ہمارے سے عزت میں نہ بڑھ سکیں گے زیادہ سے زیادہ ہم اور وہ برابر ہوں گے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی۔

فائدہ: ہمزہ انکاری اور فا عاطفہ ہے اس کا عطف مقدر پر ہے جیسے کہ مقام کا تقاضا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا ہم حکم میں ظلم کرتے ہوئے اہل ایمان کو کافروں کی طرح کر دیں گے کہ دونوں کو نجات اور دونوں کو درجات

برابر دیں گے (ایسے ہرگز نہ ہوگا بلکہ کافروں کو عذاب اور مومنوں کو نجات و درجات عطا ہوں گے)

فائدہ (١) : المجرمون سے کافر مراد ہیں جیساکہ مذکورہ بالا شان نزول دلالت کرتا ہے اور مجرم کامل در اصل یہی ہیں کہ کفر و شرک کے مرتکب ہیں ورنہ دیگر جرائم سے تو عام مسلمان بچے ہوئے نہیں اور نہ ہی کفر و شرک کے سوا دیگر جرائم و معاصی اسلام کے منافی ہیں (جیساکہ اہل سنت کا مذہب ہے ہاں مسلمان مطیع مجرم فاسق مسلمان جیسا نہیں

سبق : اس میں عقلمند کو وعظ و نصیحت ہے اور گناہوں پر اصرار کرنے والے کو زجر و توبیخ ہے۔

(ربط) اس کے بعد کافروں کو اللہ تعالیٰ نے بطریق التفات رد کی تاکید و تشدید میں انہیں فرمایا **مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ** تمہیں کیا ہوگیا ہے کیسا حکم لگاتے ہو) اس سے ان کے حکم لگانے پر تعجب دلائی جارہی ہے اور بتانا یہ ہے کہ جو کچھ ان کا گمان ہے وہ نہایت ہی بعید از قیاس ہے اور ساتھ یہ بھی خبر دینی ہے کہ عقلمند سے ایسی بات صادر نہیں ہوسکتی۔

فائدہ : ما استفہامیہ محلا مرفوع مبتدا اور استفہام انکاری ہے یعنی اس بات کا انکار ہے کہ ان کی بات کسی وجہ سے بھی مقبول نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی اعتبار ہے اور ان کے دعویٰ میں کسی قسم کی سچائی ہے کہ اس سے تمسک کیا جاسکے "لکم" مبتدا کی خبر ہے ' اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوا کہ ایسا قبیح حکم بتا رہے ہو کہ امور کی جزاء تمہاری طرف سپرد ہے کہ تم جس طرح چاہو حکم لگا دو یعنی تم کس حال میں ایسا کہہ رہے ہو علم سے یا جہالت سے **كَيْفَ تَحْكُمُونَ** اس معنیٰ پر ظرف ہے یا معنی یہ ہے کہ تم علم والے ہو یا جاہل ہو اس معنیٰ پر یہ حال ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تو کیا ہم متقین کو احکام شریعت و آداب طریقت و رموز حقیقت کے لئے ان کی طرح کریں گے جو اخلاق ردیئہ اور اوصاف رذیلہ جو شریعت و طریقت و حقیقت کے مخالف ہیں کے مرتکب ہوتے ہیں تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم ایسے ظلم صریح اور قول قبیح کا حکم دے رہے ہو۔

تفسیر عالمانہ **اَمْ لَكُمْ** کیا تمہارے لئے **كِتٰبٌ** کوئی کتاب آسمان سے نازل ہوئی ہے **فِيْهِ** اس میں سے یہ **تَدْرُسُوْنَ** کے متعلق ہے پڑھتے ہو۔

حل لغات المفردات میں ہے۔ درس الشیٔ بمعنی بقی اثرہ ' (اس کا اثر باقی ہے) درست العلم میں حفاظت کرکے اس کا اثر لیا جونکہ علم کو مداومت کے ساتھ حاصل کرنا ہوتا ہے اسی

لئے قراۃ کی مداومت کو درس سے تعبیر کیا گیا ہے اِنَّ لَکُمْ فِیْہِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ (بے شک تمہارے لئے اس میں وہ ہے جو تم پسند کرو)

حل لغات: تخیر الشئ واختیارہ بمعنی شے کو خیر و بھلائی لینا۔ امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اختیار بمعنی اس شے کی طلب جس کے کرنے میں خیر و بھلائی ہو اور کبھی اسے بھی تخیر کہا جاتا ہے جسے انسان خیر و بھلائی سمجھے اگرچہ درحقیقت وہ شے اچھی نہ ہو۔ تاج المصادر میں ہے کہ التخیر بمعنی پسند کرنا اب معنی یہ ہوا کہ وہ جو تم پسند کرو اور خواہش نفسانی کے مطابق چاہو اصل میں ان لکم بالفتح ہے کیونکہ وہی پڑھا ہوا ہے (جو کتاب فیہ تدرسون جس کا ذکر آیا ہے) اس معنی پر یہ تدرسون کا مفعول ہے مفرد کے قائم مقام واقع ہے اسی لئے اس کا ہمزہ مکسور نہیں ہونا چاہیے لیکن چونکہ اس کی خبر میں لام آگئی ہے اسی لئے ہمزہ کو مکسور لایا گیا (جیسا کہ قاعدہ ہے) کہ لام الابتداء ان مفتوحہ کے حیز (مدخول وغیرہ) پر نہیں آتی اور یہ لام ابتدائیہ ان کے رسم پر داخل ہے اب معنی یہ ہوا کہ تم کتاب میں یہی پڑھتے ہو کہ تمہارے لئے وہی ہے جو تم اپنے نفسوں کے لئے چاہو۔ وہ یہی کہ عاصی و مطیع ایک جیسے ہیں بلکہ بظن شما عاصی مطیع سے ارفع ہے اگر تم سچے ہو تو لاؤ وہ کتاب جس میں یہی تمہارا گمان فاسد لکھا ہو۔

فائدہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مدروس کا مضمون ہو جیسے اللہ کے ارشاد گرامی میں دوسرے مقام پہ ہے وترکنا علیہ فی الآخرین، سلام علی نوح فی العالمین اور ہم نے اس پر آخرین میں چھوڑا وہ یہ کہ عالمین میں نوح علیہ السلام پر سلام ہوں۔) اس تقریر پر ان کی کسرہ کے قائم مقام واقع ہوا ہے گویا وہ مفرد کے موقع پر آیا ہے جسے قرآن مجید نے اس کی صورت میں حکایت کی ہے دونوں صورتوں میں فرق یہ ہوگا کہ پہلی تقریر پر یہ جملہ کا قائم مقام ہے دوسری تقریر پر خود اپنے الفاظ کے ساتھ ہے فیہ کا ہونا اس سے مستغنی نہیں کرتا کیونکہ کبھی مولف اپنی کتاب لکھتا ہے کہ (ان فی ہذا الکتاب کذا وکذا) اس کتاب میں ایسے ایسے مضامین ہیں تاکہ اس کے مطالعہ میں رغبت ہو۔

فائدہ: المفتی سعدی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ تجھے اس ضمیر کو کتاب کی طرح راجع کرنے میں کوئی ممانعت نہیں بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر یوم قیام کی طرف راجع ہے جو مقام کی دلالت سے معلوم ہے اَمْ لَکُمْ اَیْمَانٌ عَلَیْنَا کیا ان کے لئے ہم پر قسمیں ہیں علینا ایمان کی صفت ہے اور بالغۃ بھی ایمان کی صفت ہے معنی یہ ہے کہ ان کے ہمارے ساتھ معاہدے ہیں جو قسموں سے مؤکد کئے گئے ہیں بَالِغَۃٌ یعنی تاکید وصحت کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں اس لئے کہ جو شے جودت وصحت کی انتہاد کو پہنچے اسے بالغ سے تعبیر کرتے ہیں اور کہا جاتا لفلان علی یمین

بہٰذا، جب کوئی کسی کی ضمانت و کفالت کرے اور قسم کھائے کہ وہ اسے پورا کرے گا اب مطلب یہ ہوا کہ بلکہ کیا ہم نے تمہاری ضمانت دی ہے یا سخت اور مضبوط قسمیں کھائی ہیں کہ جن سے ثابت ہو گئے ہیں تمہارے لئے ہمارے اوپر معاہدے جو قسموں سے مؤکد ہیں اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کا تا یوم قیامت کلم میں مقدر یعنی ثابتہ کے متعلق ہے یعنی وہ معاہدے قیامت تک تمہارے لئے ثابت ہیں کہ ہم ان سے عہدا برا نہیں ہو سکتے کہ جب تک ہم اسی دن اس طرح فیصلہ نہ کریں جیسے تم حکم کرتے ہو یا تمہیں وہی عطا نہ کریں جو تم چاہتے ہو۔ یا یہ بالغۃ کے متعلق ہے یعنی اس دن اتنا قسمیں بکثرت پہنچنے والی ہیں کہ انہیں کوئی قسم نہیں توڑ سکتی جب تک مقسم علیہ حاصل نہ ہو یعنی وہی تمہارا فیصلہ اور ہمارا ہے تمہارے فیصلہ کی اتباع (اِنَّ لَکُمْ لَمَا تَحْکُمُوْنَ) بے شک تمہارے لئے ہے جو تم دعوی کرتے ہو) یہ قسم کا جواب ہے کیوں کہ معنی یہ ہے کہ کیا تمہارے لئے ہم پر قسمیں ہیں یا ہم نے تمہارے لئے قسمیں دیا دی ہیں۔ سَلْهُمْ ان سے پوچھو سَلْ امر ہے سَال یسَال کا اس کی عین اور ہمزہ وصل کر گیا ہے یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف متوجہ ہے اب ان سے خطاب نہیں کہ وہ رتبہ خطاب سے گر گئے ہیں یعنی ان کو ذلیل کرنے کے طور کفار و مشرکین سے اے (محبوب) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سوال کیجئے اَیُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِیْمٌ کون اس حکم جو خارج از معقول ہے (کا ضامن ہے) جو اس کی تصحیح کے درپے ہو کر قائم ہو جیسے قوم کا زعیم (لیڈر) ان کے امور کی اصلاح کے لئے قائم ہوتا ہے بذلک زعیم کے متعلق ہے۔

حل لغات زعیم وہ جو دعوی اور اس پر حجت قائم کرنے کے لئے مستعد ہو۔ امام راغب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ زعیم زعامہ سے ہے بمعنی کفالۃ یا زعم بالقول سے ہے یعنی اس قول کی حکایت جس میں کذب کا احتمال ہو۔ (اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ) یا ان کے لئے کچھ شریک ہیں جو ان کے اس قول میں شریک اور ان کے مذہب پر چلتے ہیں فَلْیَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ تو لائیں وہ اپنے شریکوں کو) باء تعدیہ کی ہے یہ بھی جائز ہے کہ وہ ملابست کی ہو۔ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ اگر سچے ہیں اپنے دعوی میں یا کم از کم کسی کی تقلید کا کوئی قول یعنی جیسے اسی مذہب میں ان کی کوئی عقلی دلیل نہیں کہ جس سے ثابت ہو سکے کہ مطیع اور بے فرمان مرتبہ میں برابر ہیں جیسے ان کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ اور نہ ہی ان کے ہاں نقلی دلیل ہے اور وہ کتاب جس سے پڑھ کر اپنا دعوی ثابت کر سکیں اور نہ ہی ان کے پاس کوئی معاہدہ ہے جو قسموں سے موثق و توثیق کیا ہوا ہے اور نہ ہی عقلاً ان کے مذہب کی تائید کرتے ہیں کہ

کہ جن کی تقلید میں وہ اپنا دعویٰ صحیح ثابت کر دکھلائیں اگرچہ تقلید ایسی شے نہیں کہ جس کے دامن کو پکڑنے سے فلاح و کامیابی ہو (عقائد میں ورنہ فروع میں تو خود صاحب روح البیان قدس سرہ حنفی مقلد ہیں) اس سے ثابت ہوا کہ وہ جو ان کا گمان ہے اس میں وہ باطل ہیں ہر وجہ سے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ حاکم پر لازم ہے کہ ان احکام و مسائل میں جو اسے دلیل از قرآن و حدیث و فقہ نہیں مل رہی تو بقدر وسعت سوچ کر فیصلہ کرے اگر بلا سوچے سمجھے فیصلہ کرے گا تو خطاء سے خالی نہ ہو گا (اگرچہ بظاہر صحیح فیصلہ بھی کرے گا تب بھی نہ سوچنے کا گناہ اس کے سر ہو گا۔)

مسئلہ: نمازی کسی ایک جگہ نماز پڑھ رہا ہے جہاں قبلہ کی سمت معلوم نہ ہو تو وہ اگر بلا سوچے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز نہ ہو گی اگرچہ صحیح سمت کو بھی نماز پڑھی اگر سوچ کر نماز پڑھی تو نماز ہو جائے گی اگرچہ سمت قبلہ صحیح بھی نہ ہو اس سے ثابت ہوا کہ ہر وہ حکم جو بلا سوچے ہو تو مبنی بر خطا ہے پھر اس کا کیا ہو گا جس کے خلاف بہت بڑے مضبوط دلائل قائم ہوں۔

یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ (جس دن ایک ساق کھولی جائے گی) یوم اذکر مقدر سے منصوب ہے عن ساق یکشف کے لئے فاعل کے قائم مقام ہے اس سے قیامت کا دن مراد ہے اس دن کو یاد کرو جب معاملہ سخت ہو گا اور معاملات مشکل ہوں گے اور ساق کھل جائے گی (کشف ساق کی تحقیق یہاں کشف کی ساق صرف مثال کے طور ہے ورنہ نہ وہاں پنڈلی ہو گی اور نہ کسی قسم کھلنا ہو گا جیسے تم سخت قسم کے بخیل کو کہتے ہو یدہ مغلولۃ (اس کے ہاتھ زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں) لیکن اس سے اس کا ہاتھ زنجیر سے بندھا ہوا مراد نہیں بلکہ بخل مراد ہے اسے اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جس کا زنجیر سے ہاتھ بندھا ہوا ہو۔ کہ گویا خرچ کرنے کے وقت اس کا ہاتھ اسی جکڑے ہوئے ہاتھ کی طرح ہو جاتا ہے ایسے ہی میدان حشر میں قیام میں جو مصائب و مشکلات میں گھر جائیں گے تو ان پردہ دار عورتوں سے تشبیہ دی گئی جو مشکل میں پھنس جانے کے وقت بھاگتے ہوئے ہولناک امر کے وقوع سے جو انتہائی شدت کو پہنچ جائے تو پنڈلی تک شلوار کو مضبوط کر کے بھاگنے میں تیزی کرتی ہیں حالانکہ وہ اپنے گھروں سے کبھی باہر نہیں نکلتیں اور نہ ہی اپنے محارم کے بغیر کسی کے سامنے بے پردہ ہو کر آتی جاتی ہیں لیکن خوف کے وقت پنڈلی پر کپڑا چڑھا کر بھاگتی ہیں یہ اس لئے کہ اسوقت انہیں دہشت سے عقل و شعور اپنی جگہ پر نہیں رہتا صرف جان بچانے کی فکر ہوتی ہے اہل شقاوت کا حال میدان حشر میں ہو گا جو ایسی عورتوں کا حال سنایا گیا اس میں مفردات الترکیب میں تصرف

ہیں کیا گیا بلکہ ہیئتہ ترکیبہ میں تصرف کیا گیا ہے اسی تقریر پر کشف ساق اشتداد و صعوبتہ امر میں استعارۂ تمثیلیہ ہے۔

فائدہ : تفسیر الفاتحہ مولانا الغفاری رحمہ اللہ الباری میں ہے کہ وہ پنڈلی جو میدان حشر میں اہل موقوف کے لئے کھلے گی اس سے قیامت کی ہولناکی کا ایک امر عظیم مراد ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں "کشفت الحرب عن ساقہا" جنگ نے پنڈلی کھولی یہ اس وقت بولتے ہیں جب جنگ کی ہولناکی کا امر عظیم ہو اور جو امر عظیم شدید میں پھنس جائے جس میں جدوجہد شدید اور سختی و تکلیف زیادہ ہو اس کے لئے کہا جاتا ہے (شمر عن ساقک) اپنی پنڈلی کھول (یعنی اس معاملہ سے نجات پانے کی کوشش کر۔ ایسے ہی قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے۔ "والتفت الساق بالساق" (پنڈلیاں ایک دوسرے سے چمٹ جائیں گی) یعنی قیامت کی ہولناکیاں اور بہت بڑے امور ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گے

فائدہ : بعض نے کہا ساق بمعنی شی کی اصل (جڑ) وغیرہ کہ جس سے شے کا قوام ہو جیسے ساق الشجر و ساق الانسان شجر کی ساق گویا اس کی اصل ہے کہ ٹہنیاں اسی اصل پر اگتی ہیں اور اسی پر قائم ہیں اب معنی یہ ہوا کہ اس دن کہ اصل امر کھل جائے گا اور حقائق الامور اور ان کے اصول ایسے ظاہر ہو جائیں گے کہ ہر ایک انہیں آنکھوں سے دیکھے گا اور اس کی تنکیر وجہ اوّل کی وجہ سے یعنی ہولناکی کی وجہ یوم القیمۃ ایسا امر شدید اور ہولناک ہے کہ جو دیکھا سنا نہ گیا اور انسان کے مالوف و معروف تصوّر سے باہر ہوگا اور دوسری وجہ پر تنکیر تعظیم کی ہے۔ وَيُدْعَوْنَ اور بلائے جائیں گے کفار و منافقین "إِلَى السُّجُودِ" سجدہ کی طرف تو بیخاً و تعنیفاً (دھتکار دینے کے لئے) ان کا دنیا میں سجدہ کے ترک سے اور ان کی اس امر میں کوتاہی کی وجہ سے حسرت دلانے پر یہ حکم سجدہ تکلیفی و تعبدی نہ ہوگا کیوں کہ قیامت کا دن تکلف و تعبد کا نہیں اس کے اور وجوہ آئیں گے۔ (انشاء اللہ)

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تو نہ کر سکیں گے کیوں کہ اس وقت انہیں سجدہ کی قدرت حقیقی اور اسباب و آلات سلامت نہ ہوں گے۔

فائدہ : اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سجدہ کریں گے تو نہ کر سکیں گے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی پشت خشک ہو جائے گی یعنی ان کی ہڈیاں جوڑوں کے بغیر ہوں گی جس کی وجہ سے نہ وہ اونچے ہو سکیں گے یا نیچے ہو سکیں گے بلکہ قیام کے حال میں کھڑے رہیں گے یہاں تک کہ کوتاہی پر ان کی حسرت و ندامت میں ہوتا رہے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ ان کی پیٹھ اور کمر ایک ہو جائے گی اور خبر میں ہے کہ کافر و منافق کی پیٹھ گائے کی طرح کمر میں مل کر ایک ہی حالت پر ہو جائیگی) گویا لوہے کے زنجیر ان کی پیٹھوں میں جکڑ دیئے گئے ہیں۔

حدیث شریف : حضرت ابوہریرہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں یعنی فرمایا کہ میں

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرماتے سُنا کہ وہ لوگ کہ جس کی دنیا میں پرستش کرتے ہوں گے ان کی مثالی صورت ان کے سامنے لائی جائے گی وہ لوگ اپنے باطل معبودوں کی طرف چلے جائیں گے باقی صرف اہلِ توحید (اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے) رہ جائیں گے انہیں کہا جائے گا تم کیوں رہ گئے کہیں گے وہ لوگ اپنے باطل معبودوں کی طرف چلے گئے ہیں لیکن ہم دنیا میں رب تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے مگر ہم نے انہیں دیکھا نہیں تھا انہیں کہا جائے گا جب تم اسے دیکھو تو کیا اسے پہچان لوگے کہیں گے ہاں۔ کہا جائے گا کیسے پہچانو گے جب کہ تم نے نہیں دیکھا بھی نہیں تھا کہیں گے کہ ہمارا معبود کسی کے مشابہ نہیں اسی لئے ہمیں خود بخود یقین ہو جائے گا کہ یہی ہمارا رب ہے۔ اس وقت حجاب اٹھے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ کر سجدہ ریز ہو جائیں گے بعض لوگ قلعوں کی طرح کھڑے کے کھڑے رہ جائیں گے وہ سجدہ کا ارادہ کریں گے لیکن نہ کر سکیں گے ان کے لئے کہا گیا ہے یوم یکشف عن ساق الخ اللہ تعالیٰ ساجدین کو فرمائے گا اے میرے بندو سر سجدہ سے اٹھاؤ میں تم میں سے ایک کے عوض یہود و نصاریٰ میں سے جہنم میں بھیجوں گا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہی حدیث حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کو سنائی فرمایا تجھے خدا کی قسم کیا واقعی تجھے تیرے باپ نے یہ حدیث سنائی میں نے کہا ہاں اسی طرح تین بار قسم اٹھا اس کے بعد فرمایا بخدا میں نے اہلِ توحید سے اس سے محبوب تر کوئی حدیث نہیں سُنی

فائدہ: تفسیر الفاتحہ للفناری رحمۃ اللہ میں فرمایا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ جلوہ گر ہو کر فرمائے گا ہر گروہ اس کے پیچھے چلا جائے جس کی اس نے دنیا میں پرستش کی ہو تمام غیر اللہ کے پجاری اپنے معبودانِ باطلہ کی طرف چلے جائیں گے۔ سوائے اس امتِ حق کے انہیں منافق بھی ہوں گے ان کے سامنے اس ادنیٰ صورت میں جلوہ گر ہوگا جیسے اس سے پہلے ان کے سامنے جلوہ گر ہوتا تھا۔ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں کہیں گے (نعوذ باللہ منک) (تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ) ہم اپنے رب تعالیٰ کے منتظر ہیں یہاں تک کہ وہ تشریف لائے تو ہم اسے سجدہ کریں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تمہارے رب کی کوئی علامت بھی ہے جس سے تم اسے پہچان لو۔ عرض کریں گے ہاں پھر ان کے سامنے اسی صورت میں جلوہ گر ہوگا جس سے وہ پہلے جلوہ گر ہوتا تھا اب عرض کریں گے تو ہی ہمارا رب ہے اس وقت انہیں سجدہ کا حکم فرمائے گا تو سب کے سب سجدہ میں گر جائیں گے سوائے ان کے کہ جو ریا و سمعۃ (شہرت) سے سجدہ کرتے تھے وہ سجدہ نہ کر سکیں گے اس لئے کہ ان کی پیٹھ تانبے کی دیوار کی طرح ہو جائے گی کہ جب وہ سجدہ کا ارادہ کریں گے تو وہ پیٹھ کے بل گر جائیں گے اللہ تعالیٰ نے اسی کو فرمایا یوم یکشف الخ

اعراف والے

مفسر (مولانا فناری رحمہ اللہ الباری) نے فرمایا کہ اعراف پر چند لوگ ہوں گے جن کی نیکی و برائی کا پلڑا برابر ہوگا وہ دوزخ و بہشت ہر دونوں کو دیکھ رہے ہوں گے انہیں کسی

طرف بھی رجحان نصیب نہ ہوگا اس وقت انہیں سجدہ کی طرف بلایا جائے گا یہ وہی لوگ ہیں جنہیں قیامت میں مکلف بنایا جائے گا تو یہ لوگ سجدہ کریں گے تو ان کی ترازو کا نیکی کا پلڑا راجح ہو جائے گا اس کے بعد وہ بہشت میں داخل ہو جائیں گے انہی کے لئے فرمایا ہے یوم یکشف الخ

نور الٰہی بعض نے فرمایا کہ قیامت میں عظیم نور ظاہر ہوگا جسے دیکھ کر لوگ سجدہ کریں گے اس معنٰی پر ساق سے تجلّی الٰہی مراد ہوگی جیسا کہ بعض کا مذہب ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ یوم یکشف عن ساق یعنی نور عظیم کہ اس کے لئے لوگ سجدہ میں گر جائیں گے (کشف الاسرار)

حدیث شریف سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہر مظلوم کو ظالم سے حق ادا کرائے گا یہاں تک کہ کسی کا کسی پر حق باقی نہ رہے گا سوائے دودھ میں پانی ملا کر بیچنے والے کے اسے حکم ہوگا کہ وہ دودھ پانی سے علیحدہ کر کے (حق داروں کو حق ادا کرے) جب اس سے فراغت ہوگی تو اعلان ہوگا جسے تمام لوگ سنیں گے کہ ہر قوم اپنے معبودوں کے پاس چلی جائے اس وقت ہر قوم اپنے معبود کے پاس چلی جائے گی اور ان کا معبود مثالی صورت میں ان کے سامنے ہوگا مثلاً اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو عزیر (علیہ السلام) کی شکل میں بھیجے گا کسی کو عیسٰی علیہ السلام کی صورت میں یہود عزیر علیہ السلام کی شکل والے کے پیچھے ہوں گے اور نصاریٰ عیسٰی علیہ السلام کی شکل والے کے پیچھے ہوں گے پھر وہ معبود انہیں جہنم میں کھینچ کر لے جائیں گے یہی وہ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا لو کان ھٰؤلاء اٰلھۃ ما وردوھا وکل فی ھا خالدون اگر یہ معبود ہوتے تو وہ جہنم میں نہ جاتے حالانکہ وہ سب کے سب اسی میں ہمیشہ رہیں گے جب سوائے اہلِ ایمان باقی نہ رہے گا انہیں منافق بھی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمام لوگ چلے گئے اور اپنے معبودوں کو جا ملے بتاؤ تم کس کی عبادت کرتے تھے عرض کریں گے بخدا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور نہ ہی ہم اس کے کسی غیر کی عبادت کرتے تھے ان کے لئے اللہ تعالیٰ ساق (قدرت کا نور) کھولے گا اور اس عظمت سے ان پر جلوہ گر ہوگا جس سے انہیں اس کی معرفت ہوگی تو یہی ان کا رب ہے تو وہ سجدہ میں گر جائیں گے سوائے منافقین کے کہ وہ پیٹھ کے بل گریں گے اور ان کی پیٹھ بیل کی طرح ایک قلعہ بن جائے گی پھر اللہ تعالیٰ جہنم کی پیٹھ پر پلصراط بچھائے گا۔

مسئلہ: تحول (کسی صورت میں جلوہ گر ہونا) کی حدیث متفق علیہ ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کے آثار سے ہے جیسے اسے خواب میں صورۃ انسانیہ میں دیکھنا ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات

صورت اور اس کے توابع سے منزہ ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ یہ مراتب کے قبیل سے ہے اس پر کسی (دلیل سے) آگاہی نہیں ہوئی ہے۔

مسئلہ: آیت دلالت کرتی ہے امر بہ تکلیف یا طلاق جائز ہے قدریہ (فرقہ) اس کے قائل نہیں یہ آیت ان پر حجت ہے (الاسئلہ الاقحمہ) لیکن ضروری ہے کہ اس مالا یطاق سے محال عادی مراد ہو جیسے نابینا کو مصحف کے دیکھنے کا حکم کیا جائے اور ایسی تکلیف مالا یطاق کے جواز میں نزاع نہیں ایسے ہی محال عارضی مراد لینا بھی جائز ہے جیسے ابوجہل کا ایمان کہ یہ بھی ایک عارض سے محال ہوا ہے وُہ ہے اللہ تعالیٰ کا خبر دینا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا۔ اشاعرہ ایسی تکلیف مالا یطاق جائز رکھی ہے لیکن معتزلہ نے اس کا انکار کیا۔

مسئلہ: محال عقلی وہ جو کہ ممتنع بالذات ہے جیسے اعدام القدیم (قدیم کو معدوم کرنا) اس محال کی تکلیف کے جواز کا کوئی قائل نہیں خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ (نیچے نگاہیں کئے ہوئے) یدعون کے فاعل سے حال ہے اور ابصارہم علی بناء الفاعلیۃ فاعل ہے اور خشوع کی نسبت ابصار کی طرف انہیں اس کے آثار کے ظہور کی وجہ سے ہے ورنہ دوسرے اعضاء بھی تو خاشع ذلیل اور متواضع ہوں گے بلکہ درحقیقت خاشع تو قلب ہے کیوں کہ خشوع کا مرکز وہی ہے

فاعدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اہل ایمان جب سر سجدہ سے اٹھائیں گے تو وہ ثلج (برف) کی طرح سفید (نورانی) ہوں گے جب یہود و نصاریٰ اور وہ منافقین جو سجدہ نہ کر سکیں گے انہیں دیکھ کر غمگین ہوں گے اور پریشانی سے ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تَرْهَقُهُمْ (ان پر چڑھ جائے گی) لاحق ہو گی ڈھانپ لے گی اس لئے کہ رہق کسی شے کا دوسری شے کو ڈھانپ لینے کے معنی میں ہے۔

ذِلَّةٌ خواری سخت جو انہیں رسوا کرے گی گویا یہ خشوع الابصار کی تفسیر ہے۔

حل لغات اہل عرب کہتے ہیں ذل۔ یذل ذلا (بالضم) و ذلا (بالکسر) وھو ذلیل (خوار) وَقَدْ كَانُوا اور تھے وہ دنیا میں يُدْعَوْنَ بلائے جائے دعوۃ تکلیف سے اِلَى السُّجُودِ سجدے کی طرف یہاں سجود کو ضمیر کے بجائے ظاہر کرنے زیادۃ التقریر مطلوب ہے یا اسی لئے کہ اس سے نماز مراد ہے یا وہ جس میں سجدہ کا حکم ہے اور سجدہ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کہ وہ اعظم الطاعات ہے بعض نے کہا اس سے اللہ تعالیٰ کی صریح سجدے کی دعوت مراد ہے مثلاً فرمایا فاسجدوا للہ واعبدوا اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو یا ضمناً حکم فرمایا جیسے واقیموا الصلوٰۃ اور نماز قائم کرو۔

داسمیں سجدہ کا حکم ضمناً ہے) اس لئے کہ نماز کی دعوت دراصل سجدہ کی دعوت ہے اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صراحۃً سجدہ کی دعوت مراد ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر سجدہ میں ہوتا ہے اسی لئے دعا یعنی سجدوں کی کثرت کرو یا ضمناً فرمایا جیسے پانچ نمازیں پڑھو مہینہ کے روزے رکھو اور اموال کی زکواۃ دو اور جب تم کو اللہ تعالیٰ کوئی حکم فرماتے اور اس سے ہر زمانہ کے علماء کرام کی دعوت بھی مراد ہے اور سب سے بڑی دعوت سجدہ (الہٰی) کے لئے موذن کی اذان اور اس کی اقامت ہے کیوں نہ حی علی الصلوٰۃ، بلاریب دعوت ہی تو ہے مبارک ہو ان مسلمانو کو جو موذنین کی اذانوں کی دعوت خود بخود (نہ کہ باجبار و اکراہ) قبول کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی کے مطابق (اجیبوا داعی اللہ) (اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت قبول کرو) اور جملہ یدعون کی ضمیر سے حال ہے۔

وَهُمْ سٰلِمُوْنَ حالانکہ وہ تندرست تھے یہ یدعون ثانی سے حال ہے یعنی دنیا میں تندرست تھے ان کے اعضاء اور جوڑ جملہ آفات اور بیماریوں سے صحیح سالم تھے اور سجدہ کی ادائیگی پر قدرت بھی رکھتے تھے اور قبول دعوت کو اور زیادہ قوت و طاقت کے مالک تھے تو وہ دعوت کو قبول نہ کرتے بلکہ اس کا انکار کرتے اس کے ظہور پر اعتماد کی وجہ سے اس کا ذکر نہیں فرمایا خلاصہ یہ کہ انہیں ہر طرح تندرستی اور فراغت تھی اور قادر بھی تھے جب دنیا میں وقت کو ضائع کیا تو آج سوائے حسرت و ندامت کے انہیں کچھ بھی حاصل نہیں

مدہ فرصت از دست گر بایدن
کہ گوئے سعادت زمیدان بری
کہ فرصت عزیز است چوں فوت شد
بے دست حسرت بدندان بری

ترجمہ، اگر تجھے فرصت حاصل ہے تو اسے ضائع نہ کر تاکہ میدان میں سعادت کی گیند تیرے نصیب ہو۔ فرصت عزیز شے ہے جب فوت ہوئی تو حسرت کے ہاتھ دانتوں سے چبائے گا۔

مسئلہ:۔ آیت میں اسے وعید ہے کہ فرض نماز قضا کرتا ہے یا نماز باجماعت (صحیحہ) میں شامل نہیں ہوتا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے بہشت میں رفاقت کا سوال کیا تو آپ نے اسے فرمایا کہ تو میری کثرتِ سجود سے مدد کر۔

طریقۂ اسلاف رحمہم اللہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا طریقہ تھا کہ اگر ان سے تکبیر اولیٰ ترک ہو جاتی تو تین دن تک اپنے نفس کو کوستے اگر نماز باجماعت رہ جاتی تو

تو سات دن تک۔

حکایت حضرت ابو سلیمان دارانی قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے بیس سال تک احتلام نہ ہوا ایک دفعہ مکہ معظمہ حاضری ہوئی حرم میں حدث ہو گیا تو اس کی نحوست سے رات کو احتلام ہوا۔

فائدہ حدث سے مراد یہ ہے کہ عشا کی نماز باجماعت نہ پڑھ سکے۔

مسئلہ: حضرت ابو طالب مکی قدس سرہ نے قوت القلوب (نام کتاب) میں فرمایا کہ جماعت سے نماز ضروری ہے بالخصوص جب اذان سُن لی جائے یا مسجد کے جوار (ہمسائیگی) میں ہو۔

فائدہ: جوار مسجد کی حد یہ ہے کہ مسجد سے اس کے گھر تک درمیان میں سو گھر ہوں۔

مسئلہ: نماز کے لئے اولیٰ وہ مسجد ہے کہ جو اس کے گھر کو قریب تر ہو۔ ہاں اگر دوسری مسجد میں جماعت ملتی ہے اور کثرت قدم اٹھانے کی نیت سے چلا جائے تو جائز ہے یا اس دوسری مسجد میں امام افضل ہے تو بھی۔ کیونکہ عالم فاضل کے پیچھے نماز ادا کرنا افضل ہے یا دُور کی مسجد اسی کے جانے سے آباد ہوتی ہے۔ (نمازی بکثرت جمع ہوتے ہیں یا اہتمام مسجد اسی کے ہاتھ میں ہے اگرچہ وہ بعید ہو، اس کا جانا اس ضرورت کے پیش نظر جائز ہے۔

نماز باجماعت کے فضائل[1]: (۱) حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس شخص نے پانچوں وقت نماز باجماعت پڑھی تو اس نے دنیا بھر کے بحر و بر عبادت سے پُر کر دیئے۔ (۲) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کو تین اعمال محبوب ترین ہیں۔

(۱) صدقہ (۲) نماز باجماعت (۳) لوگوں کی اِصلاح

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالےٰ حجاب اٹھا دیتا ہے لیکن محبوب (محروم لوگ) انانیت کے حجاب میں رہتے ہیں۔ اسی لئے ان پر امر سخت ہو جاتا ہے وہ فنا فی اللہ کی دعوت دیئے جاتے ہیں لیکن وہ اپنی استعداد فطری کے فساد سے جو دنیا اور اس کی شہوات کی طرف جھکاؤ کی وجہ سے خراب کر چکے ہیں۔ طاقت نہیں رکھتے انکی آنکھیں ذلیل اور متحیر ہیں بوجہ نورانیت کی قوت کے زائل ہو جانے کے کیونکہ حجاب کی ذلت نے خراب کر ڈالا ہے اور وہ احتجاب کی خواری سے برباد ہوئے۔ استعداد کے زمانہ میں انہیں سجود فنا کی طرف بلایا جاتا اور کہا جاتا کہ لذات و شہوات

---

[1] ہمارے دور میں نماز باجماعت کو تاہی سے عوام اکثر محروم ہیں ہی لیکن افسوس کہ بعض علماء، واعظین اور پیری مریدی کا دھندا کرنے والے بھی بکثرت محروم ہیں۔ اُویسی غفرلہٗ

ترک کرکے فنا حاصل کرو لیکن وہ غفلت کی نیند میں رہے کہ اسطرف سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اسلئے کہ ان کے مزاج کی استعداد علل نفسانیہ و امراض ہیولانیہ میں مبتلا تھی۔

تفسیر عالمانہ فَذَرْنِی وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ (تو مجھے چھوڑیئے اور اسے جو اس قرآن کی تکذیب کرتا ہے) من منصوب ہے۔ عطف کی وجہ سے اس کا عطف یاء متکلم پر ہے یا مفعول معہ ہے۔ یہ مرجوح ہے کیونکہ عطف بغیر ضعف کے ممکن ہے یعنی جب ان کا قیامت میں یہ حال ہوگا تو مجھے اور انہیں چھوڑ دیجئے جو قرآن کی تکذیب کرتا ہے میرے اور ان کے درمیان نہ آئیے اور اپنا دل ان سے مشغول نہ رکھئے اور ان سے بدلہ لینے کا معاملہ مجھ پر چھوڑیئے کیونکہ میں ہی جانتا ہوں کہ انہیں کون عذاب کا مستحق ہے اور کون اس کی طاقت رکھتا ہے اور میں ہی اسکے معاملہ کا کفایت کرنا والا ہوں۔

حل لغات: کہا جاتا ہے "ذَرْنِی وَاِیَّاہ" اس کا مطلب ہوتا ہے اس کا تمام معاملہ مجھ پر چھوڑ دو میں تیری مدد کے لئے کافی ہوں۔

فائدہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ اسمیں وعید ہے اور وہاں ان پر عذاب سے کوئی شئے مانع نہیں ہوگی۔ اور یہ ہے جیسے کہا جاتا ہے "دَعْنِی مَعَ فُلَانٍ" مجھے فلاں کے ساتھ چھوڑ یعنی میں اسے عنقریب عقوبت میں مبتلا کروں گا۔

الحدیث بمعنی القرآن کیونکہ جو کلام بھی انسان کو پہنچتی ہے از جہت سمع یا وحی بیداری میں یا خواب میں اسے حدیث کہا جاتا ہے۔ سَنَسْتَدْرِجُھُمْ (ہم انہیں ڈھیل دیں گے۔)

حل لغات: کہا جاتا ہے اِسْتَدْرَجَہ اِلٰی کذا (اسے تھوڑی تھوڑی مہلت دیکر ڈبو دیا۔ تاج المصادر میں ہے الاِسْتِدْرَاج بمعنی اللہ تعالٰی کا بندے کو تھوڑا سا وقفہ دیکر عذاب و عقوبت میں مبتلا کر دینا۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم اسے احسان اور تندرستی اور ازدیاد نعمت سے مہلت دے کر عذاب و عقوبت میں مبتلا کر دیں گے۔ استدراج الی العذاب کا یہی مطلب ہے کہ اسے کچھ وقفہ دے کر نعمت، صحت اور عافیت سے نواز کر عذاب میں مبتلا کر دینا۔ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ (اس حیثیت و جہت سے کہ وہ جانیں گے بھی نہیں کہ یہ استدراج ہے یعنی ان پر انعام ہوگا تو سمجھیں گے کہ اللہ تعالٰی نے اس نعمت کے لئے ہمیں چن لیا اور دوسروں پر ہمیں فضیلت بخشی۔ یہی انکی ہلاکت اور تباہی و بربادی کا سبب بنا۔

حدیث شریف ۱: جب تم دیکھو کہ اللہ تعالٰی نے کسی بندے پر انعام فرمایا۔ لیکن وہ

گناہوں پر مصر (اصرار کرنے والا) ہے، تو سمجھ لو کہ یہ استدراج (نعمت) دیا ہوا ہے، جس پر عنقریب عقوبت الٰہی نازل ہوگی (معاذ اللہ) اس کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

حدیث شریف ۲: مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے کسی ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا رب میں اتنا عرصہ (دراز) تک تیرا بے فرمان رہا ہوں لیکن تو نے مجھے سزا (عذاب) نہیں دی اللہ تعالیٰ نے وقت کے نبی علیہ السلام کو وحی بھیجی اور فرمایا کہ میرے تجھ پر بہت سے عذاب نازل ہوئے لیکن تجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ تیری آنکھ کا جمود (عبرت نہ پکڑنا) تیرے دل کی قساوت (سنگدلی) میری طرف سے استدراج (عقوبت) ہے اگر تجھے عقل ہوتی۔

علم بے عمل: بعض عارفین نے فرمایا کہ یہ بھی استدراج ہے کہ کسی کے پاس علم ہو لیکن اس پر عمل نہ کرے یا عمل ہو لیکن اس میں اخلاص نہ ہو جو اپنے میں یہ کیفیت محسوس کرے تو وہ سمجھ لے کہ وہ استدراج میں مبتلا ہے۔

مسئلہ: بعض متاولین (آیات واحادیث کی تاویل کرنے والوں) کے لئے بھی استدراج ہوتا ہے **(جیسے مرزائیوں وہابیوں، دیوبندیوں اور رافضیوں کا حال ہے** کہ وہ اپنے اجتہاد کو مبنی بر صواب سمجھ کر اسی پر ڈٹے رہتے ہیں اور اسی غلط عقیدہ پر موت آئی تو سیدھے جہنم)، ایسے ہی اپنے مجتہد کیلئے سمجھنا کہ ہر مجتہد مصیب ہے اسی لئے وہ اس اجتہاد وتاویل پر لوگوں کو مبنی بر یقین اپنے عقیدہ کی دعوت دیتا ہے۔ ایسے ہی بعض صوفیا کو بھی استدراج ہوتا ہے کہ کوئی حال انہیں نصیب ہو گیا تو اسے سمجھ بیٹھے کہ یہی حق ہے۔ اور تائید من اللہ ہے جبکہ اس سے چند کرامات کا ظہور (بھی) ہو جاتے لیکن وہ سوء ادب میں بھی مبتلا ہے۔ یعنی امور شرعیہ کی پابندی بھی نہیں تو سمجھو کہ انہیں استدراج ہے جس کا عذاب پائیں گے۔ جیسے دیکھا ہوگا کہ ایسے لوگ اپنی ایسی عادت سے لذت پاتے اور فخر وناز کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے لیکن یہ نہیں سمجھتے کہ انہیں آخرت میں کتنا عذاب اور کتنا سخت مواخذہ ہوگا (یہ عموماً جاہل پیروں میں ہوتا ہے جو لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھنساتے رہتے ہیں) ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

فائدہ: بعض عرفا مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں پوشیدہ طور استدراج بھی ہوتا ہے۔ اسی لئے عقلمند کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت میں اس کے استدراج اور معمولی سی غفلت سے غافل نہ ہو وہ کسی بھی صاحب نعمت ظاہرہ (مال واسباب، جاہ، مرتبہ) نعمت باطنہ (علم وعمل ذکر وفکر وغیرہ) کو استدراج کے طور گرفت فرمالیتا ہے۔ اس نعمت سے یہ کبھی نہ سمجھے کہ وہ اس کا مستحق ہے اور یہ

بہت بڑا اکرام میرے استحقاق پر ہے۔ بلکہ یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں یہ اس کا کرم ہے کہ بات اب یہاں تک بن گئی یہ نعمت (ظاہری و باطنی) میرے استحقاق سے نہیں بلکہ اس کا فضل و کرم ہے۔

انتباہ : ایسی بیماری میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں خواہ وہ مولوی ہوں یا پیر۔ اللہ ہم سب کو ایسی بیماری سے بچائے آمین۔ (اویسی غفرلہ)

فائدہ : دراصل اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کو اپنی تسبیح حمد کے ساتھ کرنے کے لئے پیدا فرمائی۔ بندوں کو اس سے نفع پانا بالتبع ہے بالاصالۃ نہیں۔ اسی لئے بندے کو جو کچھ عطا ہو وہ اس کریم کی نوازش سمجھے۔

قاعدہ صوفیانہ : ہر وہ علم ضروری جو بندے کو بلا تفکر و تدبر نصیب ہو وہ عطائے الٰہی ہے جو وہ اپنے ولی کو عطا فرماتا ہے بغیر کسی واسطے کے لیکن اسے وہی سمجھتے ہیں جو اللہ کے کامل بندے ہیں۔ ایسے مقام فتوح کا صاحب دقیق میزان کا محتاج ہے کیونکہ ایسے فتوح میں استدراج اور مخفی آزمائش بھی ہوتی ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اسکی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں (۱) برکات (۲) عذاب تاکہ صاحب فتوح اس سے نہ اترائے۔ چنانچہ فرمایا وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ (اگر اہل کتاب ایمان لائیں اور اتقا کریں تو ہم ان پر آسمانی برکات نازل فرمائیں) اور فرمایا۔ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ۔ (ہم نے ان پر شدید عذاب والا دروازہ کھولا)

سبق قوم عاد سے ہی عبرت حاصل کرلو کہ بادل کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو ہم پر بارش برسانے آیا ہے یہ اس وجہ سے کہا کہ ان کی عادت حاجب (پردہ) تھی پھر انہیں کہا گیا کہ نہیں یہ تو وہ عذاب دردناک ہے جس کی طلب میں تم خود جلدی کرتے تھے۔

سبق وہ فتح جو کسی کو ادب و ترقی سے نصیب ہو ضروری نہیں کہ وہ استدراج ہو بلکہ اس کی نوازش اور مہربانی بھی ہوتی ہے ہاں وہ احوال و کشف اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اقبال سے بچنا چاہیئے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ اسکے اعمال کا نتیجہ ہو جو اسے بعجلت دیا گیا ہو جو دنیا میں تو مزے لوٹ لے لیکن قیامت میں ان اعمال کے اجر و ثواب سے خالی ہاتھ حاضر ہو۔ (ہم اللہ تعالیٰ سے اس کا لطف و کرم مانگتے ہیں۔)

ملفوظ ابوالحسین (نوری) قدس سرہٗ : حضرت ابوالحسین (نوری) قدس سرہٗ نے فرمایا کہ استدراج ایک نشہ ہے اسمیں صاحب استدراج کو اپنے گناہ کے درد کا احساس نہیں ہوتا۔ اسے اس وقت محسوس ہوتا ہے جب نشہ سے افاقہ ہوتا ہے۔ جب ایسے لوگ نشہ سے افاقہ پاتے ہیں تو اس کا اثر قلوب پر چڑھ جاتا ہے جس سے وہ سیدھی راہ نہیں پاتے بلکہ ہمیشہ کے لئے غیر مطمئن زندگی گذارتے ہیں۔

فائدہ : استدراج لذت میں سکون پانے کا نام ہے اور اس نعمت سے خوش رہنا ہے جو اسے عطا ہوئی لیکن اس نعمت کے تحت جو سزائیں اور مہلت سے اللہ تعالیٰ کے حلم و حوصلہ سے دھوکہ کھانا ہے۔

ملفوظ ابوسعید خراز قدس سرہٗ : حضرت ابوسعید خراز قدس سرہٗ نے فرمایا کہ استدراج فقدان (گمشدگی) کا نام ہے۔ اس معنی پر مستدرج وہ ہے جو باطن کے فوائد کی گمشدگی اور ظاہر میں مشغولی اور منت الٰہی کو بھول کر اپنے نفس کی حرکت و سعی میں اللہ تعالیٰ سے محجوبیت میں منہمک۔

فائدہ : بعض نے فرمایا کہ استدراج سے سزا کا پتہ چلتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کے انتباہ (کسی تکلیف میں مبتلا کرنے) سے نعمت اور اس کے قرب کی امید رکھی جاسکتی ہے۔

وَاُمْلِیْ لَهُمْ ۔ اور میں انہیں مہلت دیتا ہوں ۔

حل لغات اَلْاِمْلَاءُ بمعنی مہلت دینا یعنی انکی عمریں لمبی کرکے اور اجل مؤخر کرکے مہلت دیتا ہوں تاکہ اپنے اثمار بڑھائیں اس گمان سے کہ یہ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے خیر و بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔ اِنَّ کَیْدِیْ بے شک میری خفیہ تدبیر یعنی میری گرفت عذاب سے "مَتِیْنٌ" پکی ہے سخت قوی ہے کوئی اسکی طاقت نہیں رکھتا اور نہ کوئی اسے دفع کرسکتا ہے۔ یعنی میری سزا ایسی مضبوط ہے کہ کسی سے دفع کرنے کی نہیں اور میری گرفت ایسی سخت ہے کہ اس کی کوئی طاقت نہیں رکھتا۔

فائدہ : الکشاف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان و کسی کو ہر قسم کی نعمت کی قدرت دینے کو کید (خفیہ تدبیر) کو استدراج کی طرح تعبیر فرمایا کہ اس کی ظاہری کیفیت کید جیسی ہے کہ وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرنے کا سبب ہے اور متانۃ (مضبوطی) اس لئے کہ اثر احسان کا ہلاکت کے سبب بننے میں قوی ہے۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ کید بمعنی (جس کے ساتھ یہ خفیہ تدبیر کی جارہی ہے) کو نفع ظاہر کرنا اور ہلاکت اور نقصان چھپانا۔ المفردات میں ہے کہ کید ایک قسم کا حیلہ بنانا۔ یہ دو قسم ہے، (۱) محمود (۲) مذموم یہ اکثر ہے۔ ایسے ہی استدراج و مکر محمود کی مثال قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوْسُفَ (ایسے ہی ہم نے یوسف علیہ السلام کے لئے خفیہ تدبیر اور حیلہ بنایا) اور کید سے مراد عذاب ہے۔ صحیح یہ ہے کہ کید سے وہ امہال (مہلت دینا) ہے جو عذاب کا سبب بنا۔

التعریفات میں ہے کہ کید بمعنی خفیہ طور کسی کے لئے ضرر رسانی کا ارادہ کرنا۔ مخلوق سے ہو تو یہ حیلہ سیئہ ہے اللہ تعالیٰ سے ہو تو حق کی تدبیر تاکہ مخلوق کو اعمال کی سزا دیجانے متی اَمْ تَسْئَلُهُمْ کیا تم ان سے مانگتے ہو ابلاغ و ارشاد و دعوت ایمان و طاعت کی۔ اسکا عطف اَمْ لَهُمْ شُرَکَآءُ پر ہے۔ اَجْرًا اجرت دنیوی۔ فَهُمْ تو وہ اسی لئے مِّنْ مَّغْرَمٍ چٹی (الی وہ شئ جو انسان کے جرم کے بغیر کسی ضرر کے بدلے میں دیجائے۔ مُّثْقَلُوْنَ بوجھ میں دبے ہیں) بوجھ اٹھانے کے مکلف ہیں۔ جس کی وجہ سے آپ سے روگردانی

کرتے ہیں یعنی آپ ان سے کوئی اجرت نہیں مانگتے اس کے باوجود وہ آپ سے روگردانی کرتے اور بھاگتے ہیں یامغیبات (پوشیدہ امور) ہیں۔ فَهُمْ يَكْتُبُونَ کہ وہ لکھ رہے ہیں اس سے جو وہ حکم دیتے ہیں کہ اہل ایمان اور وہ کفار برابر ہیں اور وہ تمہارے علم سے مستغنی ہیں۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ تو انتظار کیجئے اپنے رب تعالیٰ کے حکم پر جو اس نے ان کو مہلت دے رکھی ہے اور تمہیں ان پر مدد کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ وَلَا تَكُنْ اور نہ ہو جائے زاری وعجلت میں اپنی قوم پر نزولِ عذاب کے بارے میں كَصَاحِبِ الْحُوتِ مچھلی والے کی طرح۔ یونس علیہ السلام کہ وہ اپنی قوم کی اذیت رسانی پر صبر نہ کرکے قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ یہانتک کہ مچھلی کے پیٹ میں ایک عرصہ رہنا پڑا۔ اِذْ نَادٰی جب پکارا۔ دراینحالیکہ مچھلی کے پیٹ میں اپنے رب سے دعامانگ رہے تھے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تیرے لئے پاکی ہے بیشک میں ظلم والوں میں سے ہوں۔ وَهُوَ مَكْظُومٌ اس حال کہ اس کا دل گھٹ رہا تھا، غیظ وغضب اور غم سے بھرپور تھے۔

حل لغات

اہلِ لغت کہتے ہیں "كَظَمَ السِّقَاءَ" مشک کو باندھ کر منہ باندھ دیا۔ دوسری قید سے بیان فرمایا اللہ تعالیٰ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ یعنی غصہ بند کرنے والے۔ اسی محاورہ پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی مَنْ كَظَمَ غَيْظًا الخ جس نے غصہ پی لیا حالانکہ وہ اس کے اجراء پر قادر ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے پُر فرمائے گا۔ جملہ نادٰی کی ضمیر سے حال ہے اور اسی پر نہی دائر ہے۔ کیونکہ اس وقت پریشانی اور غضب مذکور سے روکنا مطلوب ہے۔ جیساکہ حضرت یونس علیہ السلام کے قصہ میں اس کا ذکر مصرح ہے۔ چنانچہ فرمایا وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا اور مچھلی والے جب گئے، دراںحالیکہ غضبناک تھے۔ تو پھر تم بھی اسکی (صاحب الحوت) (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرح آزمائش میں ہو جاؤ گے۔ جیسے ان سے آزمائش ہوئی یعنی مچھلی کا لقمہ بن جانا یا اسطرح کی اور آزمائش۔

تفسیر صوفیانہ

بعض نے اس کا معنی یوں کیا ہے کہ اپنے رب تعالیٰ کے حکم کہ سعید کو سعادت مند اور شقی کو شقاوت والا اور نجات والے کو نجات والا اور ہلاکت والے کو ہلاکت والا بنانے پر صبر کیجئے۔ حوت والے کی طرح نہ ہو جائیے، اس کی طرح جو اپنے اوپر نفس کے صفات اور طیش وغضب مسلط کرکے حکم رب سے حجاب میں آجائے۔ یہاں تک کہ وہ شخص جناب قدس سے مردود ہو کر طبع کے گڑھے میں ہلاک ہو کہ اسے طبعیہ سفلیہ کی مچھلی نے مقام نفس میں لقمہ کر لیا اور رحم کی مچھلی کے پیٹ میں ایک عرصہ رہنے میں مبتلا ہوا۔

تفسیر عالمانہ

لَوْلَا اَنْ تَدٰرَکَهٗ اگر نہ پہنچ جاتی اسے نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اس کے پروردگار کی نعمت سے یعنی توبہ کی توفیق وقبولیت ۔ فعل مذکر کا لانا ضمیر فعل کی وجہ سے ہے اور اَنْ اپنے فعل کے ساتھ مل کر بتاویل مصدر مبتدأ ہے اس کی خبر مقدر ہے۔ اب عبارت ہوگی لَوْلَا تَدَارُکُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اِیَّاهُ حَاصِلٌ (اگر اسے نعمت رب کا تدارک سے حاصل نہ ہوتا) لَنُبِذَ تو پھینک دیئے جاتے، بطن حوت سے ۔

حل لغات

اَلنَّبْذُ کسی شئ کا اسے معمولی سمجھ کر پھینکنا ۔ بِالْعَرَآءِ میدان میں وہ زمین جو درختوں سے خالی ہو ۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا العراء وہ زمین جس پر کوئی چھپانے والی شئ نہ ہو ۔ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ الزام دیا ہوا۔ ملامت کردہ، رحمت وکرامت الٰہی سے دُور۔ لیکن ان پر رب کی رحمت ہوگئی اسی لئے میدان میں گرائے گئے لیکن ان پر کسی قسم کا الزام نہ تھا بلکہ جسمانی لحاظ سے بیمار تھے ۔

حل لغات

ملیم از الام الرجل بمعنی آیا درانحالیکہ اس پر ملامت تھی اور ملامت میں داخل ہوا ۔

سوال : یہاں تم نے مذموم کی تفسیر ملیم کی ہے حالانکہ قرآن نے انہیں مچھلی کے لقمہ کے وقت ملیم بتایا ہے چنانچہ فرمایا فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ۔ اور اسے مچھلی نے لقمہ کیا درانحالیکہ وہ ملامت کردہ تھے ۔

جواب : لقمہ کے وقت الامہ (ملامت والا ہونا) مچھلی سے باہر آنے کی الامۃ کے خلاف نہیں کیونکہ تدارک (رحمت الٰہی کا پہنچنا)، ویونس علیہ السلام دونوں وقت کے الزام (الامۃ) کی نفی کردی ہے ۔ لَوْلَا کے حکم کو غور سے دیکھو یہ امتناعیہ ہے اور اسی کے مطابق ہم نے اوپر عرض کردیا ہے اور یہ نُبِذَ کے فاعل سے حال ہے اور اسی پر لَوْلَا کے جواب کا اعتماد ہے کیونکہ منفی یہی ہے نہ کہ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ جیسے پہلے حال میں ہے کیونکہ یونس علیہ السلام کا میدان میں تشریف لانا محمود تھا نہ کہ مذموم ۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ تو اسے اس کے رب نے چن لیا ۔ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے کہ دراصل عبارت یوں تھی فَتَدَارَکَ نِعْمَةٌ وَرَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَجَمَعَهٗ الخ یعنی اسے اس کے رب کی نعمت ورحمت پہنچی تو اسے اپنی طرف جمع فرما کر اس کی توبہ قبول کی ۔ یعنی اس کی وحی کا سلسلہ جاری کیا اور اسے ایک لاکھ یا اس سے زائد کی طرف رسول بنا کر بھیجا ۔

حل لغات کہا جاتا ہے جَبَیۡتُ الۡمَآءَ فِی الۡحَوۡضِ مَیں نے پانی حوض میں جمع کیا ۔ اور وہ حوض جس میں پانی جمع ہو اسے جابیہ کہا جاتا ہے ۔ اَلۡاِجۡتِبَاءُ کسی کو علی طریق اسطفار دبرگزیدگی (جمع کرنا ۔

سوال : اسی سے تو اشتباہ پڑتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اس واقعہ دحوت (سے پہلے نبی نہ تھے ۔

جواب : جو کرامات وارہاصات کا منکر ہے وہ بیشک کہہ سکتا ہے کہ قبل واقعہ حوت یونس علیہ السلام نبی نہ تھے ۔ لیکن آپ کا حوت کے پیٹ میں ایک عرصہ تک رہنا اور موت کا وقوع نہ ہونا نہ کرامت ہے نہ ارہاص بلکہ معجزہ ۔ اور یہ دلیل بتاتی ہے کہ آپ واقعہ سے پہلے بھی رسول (علیہ السلام) تھے ۔

فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ تو اپنے قرب خاص کے سزاواروں سے کیا ، وہ جو صلاحیت میں کامل ہیں کہ اسے بچایا ایسے فعل سے جو ترک اولیٰ کا ارتکاب کرتے ۔

آیت کے نزول کا مقام مروی ہے کہ یہ آیت اُحد شریف میں نازل ہوئی جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ وہ جنگ سے چلے جانے والوں کو بلائیں ۔ اس تقریر پر یہ آیت مدنیہ ہے ۔ بعض نے کہا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ نے ثقیف والوں کو دعوت دی اللہ نے فرمایا کہ انتظار فرمائیے اور دعا کو توقف میں چھوڑئیے کیونکہ صبر سے امور کا انجام ہوتا ہے ۔

کارہا از صبر گردد دل پسند
خرم آن کز صبر باشد بہرہ مند
چوں در فتادی بگرداب حرج !
صبر کن والصبر مفتاح الفرج

ترجمہ : امور صبر سے دل پسند ہوتے ہیں خوش ہے وہ جو صبر سے بہرہ مند ہے ۔ جب کسی تنگی کی گرداب میں مبتلا ہو جاؤ تو صبر کرو اسلئے کہ صبر کشادگی کی کنجی ہے ۔

مسئلہ : آیت صبر کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے ۔

مسئلہ : ترک اولیٰ انبیاء علیہم السلام سے صادر ہو سکتا ہے ۔ ورنہ یونس علیہ السلام کو ملیم (الزام والا) نہ کہا جاتا ۔

فائدہ : وہ کوتاہی جو کسی سے سرزد ہو اس پر ندامت اور تفرع الی اللہ اکرام کے وسائل سے ہے ۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ کی توفیق ایک باطنی نعمت ہے ۔

فائدہ : صلاح ایک بلند درجہ ہے جو اہل اجتبار کو ہی نصیب ہوتا ہے ۔

مسئلہ : بندے کے افعال بھی پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے ۔ اگرچہ اس میں بندے کے کسب کو دخل ہے کہ وہ اپنے ارادہ جزئیہ کا جس طرح تصرف کرتا ہے تو اللہ وہی فعل پیدا کر دیتا ہے ۔

معتزلہ کی ہیرا پھیری معتزلہ (گمراہ فرقہ) کبھی تو اسے اخبار بالصلاح اور کبھی اس لطف سے تاویل کرتے ہیں جو اسے صلاح کے قابل بنا دے لیکن یہ ان کا مجازی معنیٰ اور اہلسنت کا حقیقی معنیٰ ہے۔ (حقیقۃ کو چھوڑ کر بلا وجہ بھاگنا گمراہی ہے یہی دستور آج کل وہابیہ دیوبندیہ نے اکثر مسائل میں اختیار کیا ہوا ہے)

وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِھِمْ اور ضرور کافر تو یوں ہے کہ گویا وہ اپنی بدنظر لگا کر تمہیں گرا دیں گے ۔ اِنْ مخففہ ہے اس پر دلیل لام (مفتوحہ) ہے ۔

حل لغات اَلزَّلَقَۃُ ، اَزَلَ رَاحِلَتَہٗ اس نے اپنی سواری گرا دی ۔ لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ جب ذکر (قرآن) سنتے ہیں (لمّا ظرفیہ لیزلقونک سے منصوب ہے اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ آپ سے اپنی شدید دشمنی کی وجہ سے غضبناک ہو کر آپ کو ترچھی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ کسی طرح آپ کے قدم ڈگمگا دگرا دیں) اور قرآن سنتے وقت آپکی طرف تیز نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سننے کا یہ طریقہ ان کے غضب شدید اور حسد کی وجہ سے ہے یہ اس محاورہ سے ہے جو اہل عرب کہتے ہیں " نَظَرَ اِلَیَّ نَظَرًا یَکَادُ یَصْرَعُنِیْ " یعنی اس نگاہ سے اگر میں گر جاؤں تو وہ کر گزرے گا یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ آپ کو بدنظر لگاتے ہیں ۔

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ جمہور کے نزدیک یہی مطلب ہے ۔

فائدہ : بنو اسد (قبیلہ) میں چند لوگ بدنظری میں مشہور تھے ۔

حل لغات اَلْعَیَانُ ، اَلْمِعْیَانُ ، اَلْعُیُوْنُ سخت بدنظری سے کسی کو کسی مصیبت میں مبتلا کر دینا ۔

فائدہ : اس قبیلہ کا کوئی شخص چاہتا کہ وہ کسی کو بدنظر لگائے تو وہ تین دن تک بھوکا رہ کر اسے جا کر کہتا کہ یہ شیٔ کتنی بہترین ہے ۔ اس کے کہتے ہی وہ شیٔ فوراً گر جاتی ۔

حکایت ان کا کوئی کسی اونٹنی موٹی تازی دیکھ کر اس کا گوشت کھانا چاہتا تو لونڈی کو کہتا کہ تھیلہ اور پیسے دید دگوشت ابھی آیا چنانچہ اس اونٹنی کو غور سے دیکھ کر بدنظر لگاتا تو وہ اونٹنی گر جاتی یہاں تک کہ اسے ذبح کر دیا جاتا ۔ خلاصہ یہ کہ وہ اس بدنظری میں یکتا تھے کہ جونہی کو دیکھ کر کہا کہ یہ شیٔ کیسی اچھی ہے ہم نے ایسی حسین آج تک نہیں دیکھی وہ شیٔ اس کی بدنظر کا

شکار ہو کر فوراً ہلاک ہو جاتی۔

بد نظروں سے قریش کی التجاء: ان بد نظروں کے متعلق قریش مکہ نے مشورہ کیا کہ جب انکی بد نظر میں ایسی تاثیر ہے تو کیوں نہ ان کے کسی کو لے آئیں اور وہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بد نظر لگا کر کہے کہ میں نے ان جیسا اور ان کی حجتوں (دلائل) جیسا نہیں دیکھا۔ اس بد نظر کی بد نظری سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ تمام کارگذاری ختم ہو جائیگی اور وہ خود بھی صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں گے (معاذ اللہ) لیکن اللہ نے آپ کو ان بد نظروں سے محفوظ رکھا۔

شانِ نزول حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان بد نظری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی۔

بد نظر کا علاج: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا بد نظر کا علاج یہی آیت ہے پڑھ کر دم کی جائے (یا لکھ کر بد نظر لگی ہوئی شئے یا انسان کے گلے میں ڈالی جائے، فقیر اویسی نے اسے بارہا آزمایا) جیسے حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

؎ حضور مجلس انس است دوستان جمعند
وَاِنْ یَّکَادُ بخوانید و در فراز کنید!

ترجمہ: مجلس میں حاضر ہونا انس ہے اور دوست جمع ہیں (آیت) وان یکاد پڑھکر اسکا دروازہ کھولئے

ایضاً: الاسرار المحمدیہ میں ہے کہا گیا ہے کہ اس آیت میں یہی خاصیت ہے کہ اس سے بد نظر دفع ہو جاتی ہے لکھ کر گلے میں ڈالی جائے یا دھو کر پلائی جائے۔

حدیث شریف میں ہے "اَلْعَیْنُ حَقٌّ" آنکھ کا اثر (معین، جس کو دیکھا جائے، حق واقع ہے۔

فائدہ: شئے پر بد ترتب لگتی ہے جب وہ اپنے کمال کو پہنچے اور کامل شئ کو کمال کے بعد ہی قضائے الٰہی سے نقص آتا ہے (شاید اسی سے فارسی محاورہ ہے ہر کمالے را زوالے، ہر کمال کو زوال ہے)

فائدہ: قضائے الٰہی کا ظہور چونکہ بد نظری کے بعد ہوتا ہے اسی لئے اسے آنکھ کے بجائے قضاء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جیسے یعقوب علیہ السلام کے قصہ میں ہے کہ جب آپ نے اولاد کو مصر بھیجتے وقت بد نظر کا خوف محسوس کیا کیونکہ نہایت درجہ کے باجمال، قوی اور قد و قامت میں حسین اور ایک ہی باپ کے بیٹے تھے اسی لئے انہیں فرمایا لَاتَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ایک ہی دروازے سے نہ جانا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا۔ تاکہ بد نظری

کا شکار نہ ہو جائیں۔

حسنین کریمین رض کے گلے مبارک میں تعویذ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام : نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے گلے میں یہ لکھ کر تعویذ ڈالتے تھے۔

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ ط

اور فرماتے کہ ایسے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل و اسحٰق علیہما السلام کے گلے میں تعویذ باندھتے تھے۔

جھاڑ پھونک کا ثبوت

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں دن کے پہلے اوقات میں حاضر ہوا تو آپ کسی درد (دردسر) میں تھے۔ شام کو واپس ہوا تو آپ کو تندرست دیکھ کر عرض کی کیسے صحت پائی فرمایا جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے انہوں نے یہ کلمات پڑھ کر دم کیا تو آرام ہو گیا۔ بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْکَ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ وَّحَاسِدٍ اللّٰہِ یَشْفِیْکَ ط اللہ کے نام سے میں آپ کو دم کر رہا ہوں ہر شے سے آپ کو ایذا دے اور ہر آنکھ اور حاسد سے اللہ آپ کو شفا دے۔

اے فقیر اویسی غفرلہٗ کا تجربہ ہے کہ جس بچے کے گلے میں مذکورہ بالا کلمات لکھ کر تعویذ باندھا جائے تو وہ بچہ تندرست رہتا ہے۔ اس سے وہابیہ نجدیہ کا خوب رد کریں کیونکہ وہ تعویذ وغیرہ کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ آج کل حرمین طیبین پر نجدیوں کا قبضہ ہے، تعویذ وغیرہ کی دشمنی میں کئی بیچارے مسلمان ان کی اذیتوں و تکالیف کا نشانہ بنتے ہیں۔

لطیفہ : فقیر حرم مکہ معظمہ میں تسبیح گلے میں ڈال کر داخل ہوا، اس تسبیح میں رنگین گچھہ بندھا تھا جیسے عموماً تسبیح کو نشانی کے طور بنایا جاتا ہے تو ایک پاکستانی نے نجدیوں سے متاثر بھاگ کر مجھے پکڑ کر کہا یہ شرکیہ طریقہ کیوں ؟ میں نے احرام باندھا ہوا تھا احرام علیحدہ کیا تو وہ تسبیح کے منکے صاف نظر آ گئے تو کھسیانہ ہو کر کہنے لگا میں نے سمجھا تعویذ باندھا ہوا ہے۔ تعویذ و دم پھونک جھاڑ سب ان کے نزدیک شرک ہے۔

نجدی اور پاکستانی وہابی : جنون کی حد تک اس کی دشمنی میں کتابیں رسالے شائع کر رہے ہیں اور دلیل میں وہی روایات لکھتے ہیں جن میں شرکیہ فسوں کا ذکر ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے فقیر کی کتاب ؎

مجربات اویسی و معمولات اویسی۔

حل لغات الرقیہ بمعنی افسون دٹوٹکا یامنتر کرنا، کہا جاتا ہے رقاہ الراقی رقیاً ورقیۃً عوذۂ اسے تعویذ باندھا اسمائے الہیہ وغیرہ پڑھ کر پھونک ماری ۔

ردّ وہابیہ نجدیہ : وہ روایات واحادیث جنہیں تعویذ اور جھاڑ پھونک کی مخالفت ہے اس سے وہ مراد ہے جو کلمات عرب کے سوا کسی ایسی زبان کے کلمات جن کا معنی معلوم نہ ہو کیونکہ ممکن ہے اس میں سحر (جادو) یا کفر کے کلمات ہوں ایسا تعویذ مکروہ ہے ۔ (یہی ہم کہتے ہیں۔ صاحب روح البیان قدس سرہ نجدیوں کے دور سے پہلے کے بزرگ ہیں انہوں نے ان کے توہم اور غلط بیان دو صدی پہلے رد فرما دیا)۔

مسئلہ : جو تعویذ وغیرہ قرآن شریف یا دعوات (نبویہ اور اولیاء کرام) ہوں تو لا باس بہ (جائز) ہے۔ کذا فی المغرب (کتاب لغت) للمطرازی ۔

فائدہ : بدنظر صرف انسان سے خاص نہیں بلکہ یہ جنات میں بھی ہوتی ہے ۔

بدنظری کی تاثیر : ان کی نظر تیر دن کے دندانوں سے بھی تیز تر ہوتی ہے ۔

حکایت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے گھر میں لونڈی دیکھی جس کی آنکھیں دکھتی تھیں اور چہرہ زرد تھا فرمایا اس پر منتر پڑھو اس لئے کہ اس کو بدنظر ہے اسے جن نے بدنظر لگائی ہے ۔ (شرح المصابیح)

حدیث شریف میں ہے اگر کوئی تقدیر سے سبقت لے جاتی تو وہ آنکھ (بدنظر) ہے ۔

فائدہ : اگر کوئی شئے بغیر قضائے الٰہی مہلک و ضرر رساں ہوتی تو آنکھ ہوتی یعنی بدنظری جو سخت سے سخت ضرر پہنچاتی ہے ۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آنکھ یعنی بدنظر انسان کو قبر میں داخل کرتی ہے اور اجل مقدر ہے ۔

سیاہ داغ دافع بدنظر : بدنظر کے دفع کرنے کا ایک طریقہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے ایک بچے بلیح (حسین) کو دیکھکر فرمایا "دسموا نونتہ" اس کی ٹھوڑی کو سیاہ کرو تاکہ اسے بدنظر نہ لگے۔

دوسرا طریقہ : تجربہ کار لوگ کہتے ہیں کہ اسی قبیل سے ہے۔ کھیتوں اور باغات میں جانوروں کے سروں کی ہڈیاں ٹانگنا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بدنظر کھیتوں اور باغات کی نحوست پڑجاتی تو جب ہڈیاں نمایاں نظر آئیں گی تو وہ نحوست سب سے پہلے ان پر پڑیگی پھر اسکی تیزی کم ہوجائیگی تو کھیت و باغات پر بدنظر کی نحوست کا اثر نہ پڑے گا۔

بدنظر کا علاج آیات قرآن سے : (۱) عنس عابس شهاب قابس رددت العین من المعین علیه والی احب الناس الیه فارجع البصر هل ترٰی من فطور ط (۲) سورة الفاتحه (۳) آیۃ الکرسی (۴) چھ آیات شفاء وہ یہ ہیں۔ (۱) وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ ط (۲) شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ (۳) فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (۴) وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ط (۵) وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ط (۶) قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًی وَّشِفَآءٌ ط

صاف برتن میں پانی ڈالکر مذکورہ بالا آیات پر دم کریں جس پر چشم بد کا اثر ہے اسے پلائیں اور اس سے وہ نہائے۔

بدنظر کا آسان علاج : یہ بھی بدنظر کی شفاء سے ہے کہ بدنظر آدمی غسل یا وضو کرے اس کے اس پانی معین (جس پر بدنظر کا اثر ہے) غسل کرے۔

نکتہ : بدنظر لگنے کا سبب یہ ہے کہ دیکھنے والا جب اچھی شئی دیکھتا ہے تو اس کی تحسین تو کرتا ہے لیکن معاً اسے اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں سمجھتا اور نہ ہی اسے اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ منظور (جسے دیکھا گیا) میں کوئی علت (بیماری) وغیرہ پیدا کرتا ہے۔ بدنظر کی جنایت پر جو اس نے اچانک نظر ڈالی (اور اسے اللہ تعالیٰ کی صفت وقدرت کا اعتراف نہ کیا) اس سے بندوں کی آزمائش مراد ہوتی ہے تاکہ اہل حق سمجھیں کہ یہ اللہ سے ہے اور اہل باطل کہیں یہ غیر سے ہے۔

مسئلہ : بدنظر کی بدنظری سے جو نقصان ہوگا اس سے اس کا مؤاخذہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا سبب وہی ہے اور اسکی وجہ سے ہی نقصان ہوا۔ اسکی وجہ بعض نے یہ بتائی ہے کہ بدنظر والے کی نظر سے ایک زہریلی قوت اٹھتی ہے تو فوراً معین (جسپر بدنظر لگی ہو) پر پہنچ کر فوراً اسے ہلاک یا فاسد کر دیتی ہے۔ بدنظری کی زہر اس سانپ کی زہر کی طرح ہے جس کے صرف دیکھنے سے زہر کا اثر مضر پہنچا دیتا ہے

فائدہ : الاسرار المحمدیہ میں ہے کہ زہریلی اشیاء اپنی کیفیات خبیثہ پوشیدہ قوت سے اثر انداز ہوتی ہیں جب وہ اپنے دشمن (جس پر اثر ڈالا) سے بالمقابل ہوتی ہیں تو اس سے قوت غضبیہ اٹھتی ہے اور ایک خبیث کیفیت پیدا کرلیتی ہے جس سے اذیت پہنچتی ہے بعض تو ان میں شدید قوت اور بڑی طاقت والی ہوتی ہیں یہانتک کہ اپنے اثرات سے پیٹ کا بچہ بھی گرا سکتی ہے۔ بعض وہ ہیں آنکھوں کو بے نور بنا دیتی ہیں بعض وہ ہیں کہ جن کی کیفیت بلا اتصال محض دیکھتے ہی اثر انداز ہو جاتی ہے۔ اس کے نفس کے خبث کی شدت سے اور کیفیت خبیثہ کے اثرات سے۔

فائدہ : ضروری نہیں کہ جسم جسم سے متصل ہو تو زہریلی شئے اثر انداز ہو بلکہ بعض زہریلی اشیاء ایسی

ہوتی ہیں کہ محض سامنے ہونے یا انسے دیکھنے سے اس کا اثر ہو جاتا ہے جیسے بعض سانپوں کے متعلق یہ مشہور ہے کہ جب اس کی نگاہ کسی انسان پر پڑتی ہے تو وہ سانپ کے اثر سے فوراً مر جاتا ہے۔

فائدہ : یہ کوئی بعید از قیاس نہیں کہ بعض انسانوں سے جواہر لطیفہ غیر مرئیہ (نظر میں نہ آنے والے) اٹھ کر معین (جسے دیکھا گیا) پر پڑے اور اس کے مسام جسمانی یعنی جسم کے سوراخوں میں گھس گئے مثلاً منہ اور ناک اور کان وغیرہ تو پھر اس سے وہ ضرر پاتا ہے اور چونکہ اپنے جواہر و ماہیات میں نفوس مختلف ہوتے ہیں اسی لئے ان کے لوازمات و آثار کا اختلاف ممتنع نہیں۔ اس معنیٰ پر تاثیر مذکور کی خاصیت بعض لوگوں میں ظاہر ہونا بھی بعید از قیاس نہیں۔

بد نظر کے منکر کا جواب : مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ بد نظری کا انکار غلط ہے وہ جو منکر کہتا ہے کہ بد نظری کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے کہ کسی جسم میں کسی کی تاثیر تب ہو جب ان کا آپس میں اتصال ہو اور یہاں نظر کا اتصال کہاں۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ تاثیر کے لئے مس کرنا یعنی شئی کا لگ جانا ضروری ہے غلط ہے بلکہ شئے کا شئے کے بالمقابل ہونا یا اس کا دیکھنا بھی اثر انداز ہو جاتا ہے جیسے اوپر مذکور ہوا۔

بد نظر کی تاثیر پر جملہ مذاہب کا اتفاق : باوجود اختلاف ملل و مذاہب کے اس میں کسی اہل مذہب کو اختلاف نہیں کہ بد نظر کا اثر ضرور ہوتا ہے کسی کو بھی اس میں انکار نہیں۔

فائدہ : کبھی محض روح کے تعرف سے بھی بد نظر لگ جاتی ہے خواہ اسے نہ بھی دیکھے جیسے نابینا کی بد نظر کہ وہ شئے اگرچہ دیکھ نہیں سکتا لیکن اس کی نظر بد لگ جاتی ہے جیسے اسے کسی شئی کی تعریف سنائی جائے تو اس شئی کی صفت اسکے دل میں آئے گی اس سے وہ دیکھے اور شئے کے بالمقابل بغیر نظر بد والا اثر پیدا ہو جائے گا۔

فائدہ : اس کی مثال وہ ہے کہ جس زہریلے سانپ نے ڈسا تو اسے مار دیا جائے تو زہر کا اثر ڈھیلا پڑ جاتا ہے (ایسے ہی بچھو کے کاٹنے سے بچھو کو مارنے سے) اسلئے کہ کیفیت اسم سے جسم متاثر ہوتا ہے۔ اور انحراف کے قابل ہوتا ہے جب تک وہ زندہ رہتا ہے تو وہ اس کا سانس ہوا کے امتزاج سے زہر اور اس جگہ میں جہاں زہر کا اثر ہوا ہے کے اثر کو بڑھاتا رہتا ہے۔

حکمت کی باتیں

(۱) جاحظ نے فرمایا کہ فارس و ہند کے علماء (تجربہ کار امور کے علماء نہ کہ دین کے) اور یونانی اطباء اور عرب کے دہقان (دیہاتی)، اور معتزلہ کے اہل تجربہ اور متکلمین کے حاذقین درندوں کے سامنے کھانا کھانے سے کراہت کرتے تھے ان کی بد نظری کے خطرہ سے اس لئے کہ ان میں بسیار خوری اور کھانے کا حرص بہت زیادہ ہے بہت کھانا کھاتا دیکھیں گے تو ان کے پیٹ سے ایک بخار (دھواں، سا نکل کر آنکھوں سے گذر کر انسان (کھانا کھانے والے، پر پڑے گا تو اسے بیمار کر

دے گا یا مار دے گا۔

(۲)، یہ لوگ خدام (نوکروں) کے سامنے کھانا کھانے اور پانی وغیرہ پینے سے بھی کراہت کرتے اور وہ بھی اس بدنظری کے خوف سے۔

(۳)، یہ لوگ کھانا کھانے سے پہلے بلّی، کُتّے کو دور بھگا دینے کا حکم فرماتے وہ بھی اس بدنظری کے خطرہ سے جب یہ اشیاء دور بھگا دی جاتیں تب کھانا کھاتے۔

حدیث شریف جو کھانا کھائے اور اسے ذو عینین جواس سے مانوس نہیں دیکھ رہا ہے تو وہ ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے گا جس کا علاج نہ ہو سکے گا۔

منتر اور پھونک کی عقلی دلیل : پھونک اور منتر کا ایک نکتہ ہے کہ روح جب اپنی مخصوص کیفیت میں ہوتی ہے اور قوت پکڑتی ہے پھر اس پر تھوک اور دَم ملائی جاتی ہے تو اس اثر کا مقابلہ کر سکتی ہے جو نفوس خبیثہ اور خواص فاسدہ سے پیدا ہوا یہانتک کہ اسے زائل کر کے چھوڑتی ہے۔

رَدِّ وہابیہ نجدیہ : خلاصہ یہ کہ رقیہ (منتر، جھاڑ پھونک (دم کرنا)، شرک نہیں بلکہ مشروع (جائز) ہے بلکہ بدنظر سے بچنا تو نہایت ضروری ہے بلکہ جس کو کوئی شَے اچھی لگے تو فوراً کہہ دینا واجب ہے۔ تَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ (اللہ تعالیٰ برکت والا اور احسن الخالقین ہے، اے اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے۔ جب وہ (اس اچھی شئے یا انسان) کو برکت کی دعا کریگا تو اس کا ضرر (آنکھ (بدنظر) نہیں پہنچے گا۔

مسئلہ : جس کی بدنظری مشہور ہے اسے لوگوں کی مجالس میں جانے سے روکا جائے تاکہ لوگ اسکے ضرر سے بچ جائیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ امام (حاکم وقت) ایسے شخص کو حکم دے کہ وہ صرف اپنے گھر میں رہے اگر وہ تنگدست ہے تو اس کا وظیفہ مقرر کر دے اور اسے لوگوں کے ایذار سے منع کرے۔ بعض نے کہا اسے شہر بدر کر دے لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ اسے اپنے گھر میں وقت بسر کرنے کا حکم دیا جائے، نہ اُسے قید کیا جائے نہ شہر بدر۔

مجذوبوں کا حال : اس تقریر سے مجذوبوں کا حال بھی معلوم ہو گیا کہ انہیں بعض شہروں میں ایک مخصوص جگہ میں رہنے کا پابند کیا گیا لوگوں میں رل گذارنے سے انہیں روکا گیا وہ لوگوں کے گھروں میں نہیں جا سکتے تھے۔

بُوم کی کہانی : "جاحظ نے کہا اُلّو دنیا کی ان نین اشیاء سے ہے جو عجیب ترین ہیں یہ خود کو حسین ترین سمجھ کر ویرانوں میں گذارتا ہے اور دن کو ظاہر نہیں ہوتا کہ کہیں اسے کسی کی بدنظر نہ لگے۔ حیوٰۃ الحیوان میں ہے کہ جب اُلّو نے خود کو احسن الحیوان گمان کیا تو دن کو ظاہر نہیں ہوتا بلکہ رات کو آتا ہے۔

(۲) کرکی (سارس) وہ زمین پر دونوں پاؤں نہیں رکھتا بلکہ ایک پاؤں پر چلتا ہے اگر رکھے بھی تو اس پر سہارا
نہیں کرتا اس خوف سے کہ کہیں وہ زمین میں نہ دھنس جائے۔

(۳) وہ پرندہ جو نہروں کی نالیوں کے پانی کے کناروں پر بیٹھا رہتا ہے اسے مالک الحزین کہا جاتا ہے اور سارس
کے مشابہ ہے وہ پانی سے سیر نہیں ہوتا اسی لئے پانی کے قریب بیٹھا رہتا ہے کہ کہیں پانی ختم نہ ہو جائے اور وہ
پیاسا مر جائے۔ پہلے (اُلّو) میں اشارہ ہے کہ عجب (خود بینی) مذموم ہے دوسرے میں خوف کی مدح ہے
تیسرے میں حرص کی مذمت ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ غیر عاقل سے نصیحت حاصل کرے اور سعادتمند وہ ہے جو دوسرے سے
وعظ (پند) حاصل کرے اور اشارہ پائے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے احسان و کرم سے اس سے بصیرۃ تامہ کا
سوال کرتے ہیں۔

وَيَقُولُونَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاملہ میں غایت حیرت اور قرآن مجید میں بدائع علوم
میں نہایت جہالت اور لوگوں کا قرآن سے نفرت کرنے کی وجہ سے کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون ضد
سے کہتے ورنہ انہیں یقین تھا کہ آپ دنیا بھر کے لوگوں سے زیادہ عقل مند ہیں۔ اِنَّهٗ بے شک وہ حضور علیہ
السلام **لَمَجْنُوْنٌ** وہ مجنون ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ؀
اے وہ ذات جس پر ذکر (قرآن) اترا ہے، بے شک تو مجنون ہے (کیطرح ہے)

فائدہ: حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بیشک اس شخص پر جن کا اثر ہے جسے وہ آکر سکھاتا ہے
جیسے ولید بن مغیرہ نے کہا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ (جنات کا سکھایا ہوا ہے) یعنی اس کے پاس پوشیدہ ہو کر جن آتا ہے اور
کچھ سکھا جاتا ہے یہ ان کا حکم سراسر باطل ہے یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام سے سن کر اس پر حکم لگا (بالکل غلط ہے)
چنانچہ حضور علیہ السلام کے علوّ شان اور آپ کے روشن برہان کے پیش نظر ان کا رد فرمایا کہ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ
(اور تو نہیں وہ مگر ذکر عالمین کے لئے) یہ یَقُولُونَ کے فاعل سے حال ہے۔ ان کے قول کے بطلان کی غایۃ اور سامعین
کی تعجیب کی غایت کے لئے مفید ہے کہ حضور علیہ السلام کی عظمت شان کے پیش نظر ان کو کیسے جرأت ہوئی کہ
وہ اس طرح کی بکواس کرنے لگے یعنی یہ ایسی بکواس کیوں کرتے ہیں حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ یہ قرآن عالمین کے لئے
نصیحت اور ذکر ہے اس سے جن وانسان سب نصیحت حاصل کرتے ہیں بلکہ اس میں ان امور کا بیان ہے جس
کے یہ لوگ محتاج اور ضرورت مند ہیں۔ کوئی ایک ایسا آدمی تو دکھاؤ جس پر اس جیسا کلام نازل ہوا ہو اور کوئی
ایسا دکھاؤ جو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا اسرار ورموز سے آگاہ بلکہ جمیع حقائق کو محیط ہو ایسے پیارے
کے لئے مجنون کہتے ہیں جو اولی الامور سے کمال عقل اور علوّ شان پر ہیں۔ جو ان کی طرف قصور منسوب کرتا ہے وہ

جاہل بلکہ پاگل ہے کیوں کہ شان والے ہی شان والوں کو جانتے ہیں ۔

إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْمَرْءِ عَيْنٌ صَحِيحَةٌ

فَلَا غَرْوَ أَنْ يَرْتَابَ وَالصُّبْحُ مُسْفِرٌ

ترجمہ : جب کسی کی آنکھ درست نہ ہو تو کوئی شک نہیں کہ وہ شک میں پڑے اور صحیح آنکھ والے کے لئے ہر بات روشن ہے ۔

فائدہ : بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ وہ شرف و فضل والا ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ اور بیشک وہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے ذکر ہے ۔

فائدہ : اسمیں الہام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صاحب الہام کے لئے ذکر ہے اور اس کے بھی جو اس کا معتقد و مقتدی ہے کیونکہ ایسے آثار تا قیامت باقی ہیں ۔

شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بعض نے کہا کہ یہ ضمیر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے کیونکہ آپ عالمین کے لئے ذکر و شرف ہیں اس میں کسی کو شک نہیں ۔

اے شرف جملۂ عالم بتو

روشنی دیدۂ عالم تبو !!

ترجمہ : جملہ عالم نے آپ سے شرف پایا، تمام عالم نے آپ آپ سے پائی ۔ نیز اس میں حضور سرور عالم کی امت کے بزرگوں کی طرف بھی اشارہ ہے ۔ اور اولیائے امت کی طرف بھی ۔

فراغت صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ : اس سورۃ نُون کی تفسیر سے اللہ خالق القلم و مایسطرون کی مدد سے ۲۵، شعبان بروز پیر ۱۱۱۶ھ میں فراغت ہوئی ۔

فقیر اُویسی سورۃ نون کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۶، ربیع الآخر بروز اتوار صبح دس بجے فارغ ہُوا ۔

الحمد للہ علیٰ ذٰلک ۔ وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ وجندہ العظیم

سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ٥٢ رُكُوْعَاتُهَا ٢

سورۂ حاقہ مکیہ ہے اس میں | اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا | باون آیتیں اور دو رکوع ہیں

اَلْحَاقَّةُ ۝١ مَا الْحَاقَّةُ ۝٢ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاقَّةُ ۝٣ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝٤

وہ حق ہونے والی کیسی وہ حق ہونے والی اور تم نے کیا جانا کیسی وہ حق ہونے والی ثمود اور عاد نے اس سخت صدمہ دینے والی کو جھٹلایا

فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝٥ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝٦

تو ثمود تو ہلاک کیے گئے حد سے گزری ہوئی چنگھاڑ سے اور رہے عاد وہ ہلاک کیے گئے نہایت سخت گرجتی آندھی سے

سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا

وہ ان پر قوت سے لگا دی سات راتیں اور آٹھ دن لگاتار تو ان لوگوں کو ان میں دیکھو بچھڑے ہوئے گویا وہ

صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝٧ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝٨ وَ

کھجور کے ڈھنڈ ہیں گرے ہوئے تو تم ان میں کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو اور

جَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ

فرعون اور اس سے اگلے اور الٹنے والی بستیاں خطا لائے تو انہوں نے اپنے رب کے

فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝١٠ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝١١

رسولوں کا حکم نہ مانا تو اس نے انہیں بڑھی چڑھی گرفت سے پکڑا بیشک جب پانی نے سر اٹھایا تھا ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کیا کہ اسے

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝١٢ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ

تمہارے لیے یادگار کریں اور اسے محفوظ رکھے وہ کان کہ سن کر محفوظ رکھتا ہو پھر جب صور پھونک دیا

نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝١٣ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝١٤

جائے ایک دم اور زمین اور پہاڑ اٹھا کر دفعتہً چورا کر دیے جائیں

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١٥ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝١٦

وہ دن ہے کہ ہو پڑے گی وہ ہونے والی اور آسمان پھٹ جائے گا تو اس دن اس کا پتلا حال ہو گا

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۭ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ۝١٧

اور فرشتے اس کے کناروں پر کھڑے ہوں گے اور اس دن تمہارے رب کا عرش اپنے اوپر آٹھ فرشتے اٹھائیں گے

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝١٨ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ

اس دن تم سب پیش ہو گے کہ تم میں کوئی چھپنے والی جان چھپ نہ سکے گی تو وہ جو اپنا نامۂ اعمال دہنے ہاتھ میں دیا جائے گا

بِيَمِينِهٖ فَيَقُولُ هَآؤُمُ اقْرَءُوا كِتٰبِيَهْ ﴿١٩﴾ اِنِّىْ ظَنَنْتُ اَنِّىْ مُلٰقٍ

کہے گا لو میرے نامۂ اعمال پڑھو مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا

حِسَابِيَهْ ﴿٢٠﴾ فَهُوَ فِىْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾ فِىْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ﴿٢٣﴾

تو وہ من مانتے چین میں ہے بلند باغ میں جس کے خوشے جھکے ہوئے

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِىَ

کھاؤ اور پیؤ رچتا ہوا صلہ اس کا جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجا اور وہ جو اپنا نامہ اعمال بائیں

كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِىْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿٢٥﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿٢٦﴾

ہاتھ میں دیا جائے گا کہے گا ہائے کسی طرح مجھے اپنا نوشتہ نہ دیا جاتا اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿٢٧﴾ مَآ اَغْنٰى عَنِّىْ مَالِيَهْ ﴿٢٨﴾ هَلَكَ عَنِّىْ

ہے ہائے کسی طرح موت ہی قصہ چکا جاتی میرے کچھ کام نہ آیا میرا مال میرا سب زور

سُلْطٰنِيَهْ ﴿٢٩﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿٣١﴾ ثُمَّ فِىْ سِلْسِلَةٍ

جاتا رہا اسے پکڑو پھر اسے طوق ڈالو پھر اسے بھڑکتی آگ میں دھنساؤ پھر ایسی زنجیر میں جس کا

ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿٣٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿٣٣﴾

ناپ ستر ہاتھ ہے اسے پرو دو بے شک وہ عظمت والے اللہ پر ایمان نہ لاتا تھا۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿٣٤﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿٣٥﴾ وَّ

اور مسکین کو کھانا دینے کی رغبت نہ دیتا تو آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں اور نہ

لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿٣٦﴾ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿٣٧﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا

کچھ کھانے کو مگر دوزخیوں کا پیپ اسے نہ کھائیں گے مگر خطا کار تو مجھے قسم ان چیزوں کی جنہیں

تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿٤٠﴾ وَّمَا هُوَ

تم دیکھتے ہو اور جنہیں تم نہیں دیکھتے بیشک یہ قرآن ایک کرم والے رسول سے باتیں ہیں اور وہ کسی

بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا

شاعر کی بات نہیں کتنا کم یقین رکھتے ہو اور نہ کسی کاہن کی بات کتنا کم دھیان کرتے

تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ

ہو اس نے اتارا ہے جو سارے جہاں کا رب ہے اور اگر وہ ہم پر ایک بات بھی بنا کر

الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾

کہتے ضرور ہم ان سے بقوت بدلہ لیتے پھر ان کی رگ دل کاٹ دیتے

فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ

پھر تم میں کوئی ان کا بچانے والا نہ ہوتا اور بے شک یہ قرآن ڈر والوں کو نصیحت ہے اور

اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ

ضرور ہم جانتے ہیں کہ تم میں کچھ جھٹلانے والے ہیں اور بے شک وہ کافروں پر

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ

حسرت ہے اور بے شک وہ یقینی حق ہے تو اے محبوب تم اپنے عظمت

رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾

والے رب کی پاکی بولو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تفسیر عالمانہ اَلْحَاۤقَّةُ (حق ہونیوالی) یہ بھی قیامت کے ناموں میں سے اس کا ایک نام ہے۔

حل لغات حَقَّ يَحِقُّ بالکسر بمعنی وجب وثبت (واجب اور ثابت ہوا) چونکہ قیامت کا آنا واجب اور ثابت ہے۔ اس کا وقوع جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا۔ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا (بیشک قیامت آئے گی اسمیں شک نہیں) اسی لئے اس کا نام الحاقہ ہوا اس معنی پر یہ اسناد حقیقی ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ اس میں جزا واجب وثابت ہے اسی لئے اس کا نام الحاقہ ہوا۔ اس معنی پر اس کا اسناد مجازی ہے "نہارہٗ صائم وغیرہ کی طرح"۔ مَا الْحَاۤقَّةُ (کیا ہے حق ہونے والی) یہ دراصل مَاھِیَ ہونا چاہئے تھا بمعنی "اَیُّ شَیْءٍ ھِیَ فِیْ حَالِھَا" اس لئے کہ لفظ مَا سے صفت اور حال کی طلب ہوتی ہے تو ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں اس کی ہولناکی بیان تاکید مطلوب ہے جیسے کہا جاتا ہے "زید ما زید ہ" اس سے اسکی شان کی تعظیم مطلوب ہوتی ہے۔ الحاقہ مبتدا اور مَا دوسرا مبتدا اس کا مابعد اس کی خبر پھر جملہ پہلے مبتدا کی خبر ہے اور اس کا رابط مبتدا کے لفظ کا تکرار ہے۔ یہ اور اس کے نظائر میں

اسی طرح ترکیب بیان کی جاتی ہے ۔ مقتضیٰ تحقیق کا یہ ہے کہ مَا استفہامیہ اپنے مابعد کی خبر ہے کیونکہ فائدہ کا مدار اس میں کہ بتایا جائے کہ الحاقہ (قیامت) ایک عجیب امر اور خوفناک منظر ہے جیسے اس کا مابعد کا مَا خبر بن کر بتاتا ہے نہ یہ بتاتا ہے کہ امر بدیع الحاقہ ہے جیسے اس کا مبتدا اور الحاقہ کا خبر ہونا فائدہ دیتا ہے (الارشاد) ③ وَمَا اَدْرٰاکَ تمہیں کس نے بتایا ۔

حل لغات

اَدْرٰی از درایۃ بمعنی العلم کہا جاتا ہے ۔ دَرَاءۃً و دَرٰی بہ ای علم بہ اسے معلوم کیا از باب رمٰی وادراہ بہ ای اعلمہ اسے جتلایا ۔ تاج المصادر میں ہے الدرایۃ والدریۃ بمعنی دانستن (جاننا) باء سے متعدی ہوتا ہے اور خود بخود بھی سیبویہ نے کہا باء سے اکثر ہے ۔ مَا مبتدا اور ادرٰک اسکی خبر ہے یہاں اس کے برعکس کا کوئی جواز نہیں اب معنی یہ ہوا کہ تمہیں اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس نے جتلایا ۔

مَاالحَاقۃ کیا ہے حق ہونیوالی ۔ مبتدا سے جملہ اور خبر ہے ادراک کے مفعول ثانی کی جگہ پر اور یہ جملہ کبیرہ قیامت کی ہولناکی اور اس کی گھبراہٹ کی تاکید ہے اور بیان کرتا ہے کہ اس کا علم دائرہ مخلوقات سے خارج ہے اور وہ عظیم الشان اور اس کا ہول و شدت بہت بڑی ہے کہ اسے کسی کا علم نہیں پہنچ سکتا اور نہ ہی وہ کسی کے وہم و گمان سے بلند تر ہے جہاں کسی کا ادراک و علم پہنچتا جائیگا اس سے آگے ہے ۔ کوئی بھی اسکے وقوع سے باخبر نہیں ہوسکتا ۔

رَدّ وہابیہ دیوبندیہ

: قال بعضہم ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وان کان عالما بوقوعہا ولکن لم یکن عالما بکمال کیفیاتہا ویحتمل ان یقال لہ علیہ السلام اسماعا لغیرہ ص۱۳۱ ج ۱ ۔ بعض نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگرچہ اسکے وقوع کے عالم تھے لیکن اس کے کمال کیفیت سے آگاہ نہ تھے ہاں یہ احتمال بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کو لوگوں کو سنانے کے لئے ایسا فرمایا گیا ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اَلحَاقہ میں تجلی احدی اطلاقی مرآۃ واحدیہ میں جو سب کو فنا کرنے والی ہے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ فرمایا "الملکُ الیوم للہِ الوَاحِدِ القَہَّار" آج کس کا دن ہے اللہ واحد قہار کا ہے ۔ وہ قہار جو سطوات انوار احدیہ کے قہر سے جمیع ظلمات تعینات کو فنا کرتا ہے جو اطلاق ذات مطلقہ کے ساترہ ہیں اور اسے الحاقہ اس لئے کہا گیا کہ وہ فی ذاتہ اور تحقق فی نفسہ کے لحاظ سے ثابت ہے

تفسیر عالمانہ ④ کَذَّبَتْ ثَمُوْدُ ثمود نے جھٹلایا یعنی صالح علیہ السلام کی قوم نے ۔ ثمود ثمد وہ تھوڑا پانی جس کا مادہ نہ ہو۔ وَعَادٌ اور عاد نے یعنی ہود علیہ السلام کی قوم یہ بھی ایک قبیلہ ہے اسے غیر منصرف پڑھنا بھی جائز ہے (القاموس) بِالْقَارِعَةِ کھٹکانے والی کو۔ یہ بھی قیامت کے اسمار سے ہے کیونکہ وہ لوگوں کے کان کھٹکاتی ہے یعنی گوناگوں گھبراہٹوں اور ہولناکیوں میں میں انہیں مبتلا کریگی گویا وہ یہی گھبراہٹیں پہونچائے گی اس معنی پر گویا وہ انہیں کھٹکارہی ہے ایسے ہی آسمانوں کو انشقاق (پھٹنا) و انفطار (چرنا) سے اور زمین اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے سے اور ستاروں کو بے نور اور گدلا کرنے سے ۔

فائدہ : الحاقۃ کے بدلے ضمیر کے بجائے القارعۃ لایا گیا تاکہ اشارہ ہو کہ اس میں بھی قرع کا معنیٰ ہے اور اس سے اس کی وصف میں شدۃ پیدا ہوگی کیونکہ جو مخفی معنی قارعہ میں ہے وہ حاقہ میں نہیں ۔

حل لغات : اہل عرب کہتے ہیں "اصابتہم قوارع الدہر" ان پر زمانہ کے شدائد واہوال دہول ناکیاں پہنچیں ۔

فائدہ : بعض کہتے ہیں القوارع قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جنہیں موذی انس یا جن کے ڈرانے یا ان سے گھبراہٹ کے وقت پڑھی جاتی ہیں جیسے آیۃ الکرسی وغیرہ ان آیات میں جلال الٰہی کے ذکر سے موذیوں کے دل دہلانا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وحمایت سے استمداد مطلوب ہوتا ہے ۔

فائدہ : آیت میں اہل مکہ کو انکی بعث وحشر کی تکذیب کی عاقبت (بدانجامی) سے ڈرانا ہے ۔

فَاَمَّا ثَمُوْدُ بہرحال ثمود، وہ عربی تھے ان کے گھر حجر میں شام وحجاز کے درمیان میں تھے جنہیں شام کے حجاج مکہ شریف کے آتے جاتے دیکھتے تھے ⑤ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ تو ہلاک ہوگئے حد سے گزری ہوئی چنگھاڑ سے یعنی اللہ نے انہیں انکی تکذیب کی وجہ سے ہلاک اور تباہ کیا ۔

نکتہ : فعل تو خبر دی لیکن فاعل کی نہیں اسلئے کہ فعل کی خبر مراد ہے نہ کہ فاعل کی وہ تو سب کو معلوم ہے طاغیہ وہ آواز جو حد سے گذر جائے یعنی شدت پر تمام آوازوں پر بڑھ جائے جس سے زمین کانپ اٹھے اور دل دہل جائیں اور اس سے زلزلہ پیدا ہو جائے ۔ اس سے وہ تعارض اٹھ گیا جو کہا جاتا ہے کہ ایک ہی واقعہ ہے لیکن ایک آیت میں الرجفہ ہے تو دوسری میں الصیحہ ہے اور اس میں طاغیہ تو اوپر ہم نے طاغیہ کا مطلب بتایا تو اہل فہم نے سمجھ لیا کہ الفاظ مختلف ہیں لیکن معنیٰ سب کا ایک ہے ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ظاہر علم والے علوم حقیقیہ سے محجوب ہیں کیونکہ ان کا تھوڑا ہے جیسے قوم ثمود کا پانی تھوڑا تھا جب انہوں نے باطن کے اہل علم کے

طریق سلوک کی وجہ سے فنا فی اللہ ہونے کا انکار کیا تو اللہ نے انہیں نار بُعد و حجاب کی آگ کی کڑک سے ہلاک کر دیا اب ان کے لئے باطنی علوم کے لئے کسی قسم کی صلاحیت نہیں اگرچہ انہیں علم ظاہر کا کچھ حاصل ہے اس لئے کہ انہوں نے کسی بھی صالح حقیقی (ولی کامل) کا دامن نہ پکڑا اسی لئے وہ فسادِ نفس میں رہے۔

وَاَمَّا عَادٌ اور بہرحال عاد۔ ان کے گھر احقاف میں تھے وہ ٹیلے جو عمان یمن کے درمیان حضرموت تک پھیلے ہوئے ہیں (گویا وہ تھل کے باشی تھے) وہ عربی تھے جسمانیت کے لحاظ موٹے اور قدآور تھے ان کے بڑے قدوالے سو ہاتھ اور چھوٹے قدوالے ساٹھ ہاتھ کے تھے اور اوسط ان کے درمیان میں تھے۔ الکاسر قبہ کی طرح تھا ان کی آنکھوں سے گھبراہٹ محسوس ہوتی اور ان کے ناک کے نتھنے درندوں جیسے تھے

نکتہ : ان کا ذکر ثمود کے بعد ہے حالانکہ یہ ان سے پہلے گذرے ہیں اشارہ ہے کہ گمراہ شدید سے زیادہ اور شدید تر گمراہ کی طرف ترقی ہے۔

فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ تو وہ ہلاک کیے گئے ہوا (دبور پچھوائی ہوا سے)

حدیث شریف

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں صبا سے مدد کیا گیا اور عاد دبور سے ہلاک ہوئی۔ **صَرْصَرٍ** نہایت سخت گرجتی ہوئی، وہ آندھی جو سخت آواز والی جسکے چلنے میں گرج وغیرہ ہو دراصل باز و چرغ وغیرہ کی آواز کو کہاجاتاہے یا سخت سرد جس کی سردی انگوریوں اور کھیتیوں کو جلا دے کیونکہ اَلقر بالکسر بمعنی سخت سردی **عَاتِيَةٍ** ہوا کا چلتے وقت حد سے بڑھ جانا گویا وہ اپنے مرکز سے نکل گئی جسے اب قابو نہیں کیا جا سکتا۔

فائدہ : ہوائیں حضرت میکائیل علیہ السلام کے تابع ہیں اس کی اجازت کے بغیر نہیں چل سکتیں اور بند ہوتی نہیں ان کے قلم سے ان کے بھی اعوان ہیں حضرت ملک الموت علیہ السلام کی طرح۔

فائدہ : مروی ہے کہ ہوا (مخزن) سے اتنا مقدار میں خارج ہوتی ہے جتنا دنیا والوں کو ضرورت ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ کا قوم عاد پر غضب بڑھا تو مخزن سے بے قابو ہوا نکالی گئی اسی لئے اسے عاتیہ کہا گیا یا وہ عاتیہ تھی قوم عاد پر جیسے وہ اپنے کسی حیلہ سے بھی رد نہ کر سکے گھروں میں چھپنے سے اور نہ پہاڑوں سے پناہ لینے سے یا گڑھوں میں چھپ جانے سے کیونکہ وہ جہاں ہوتے ہوا انہیں باہر نکال کر ہلاک کر دیتی۔ **سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ** اسے ان پر قوت سے لگا دی۔

حل لغات

اَلتسخیر بمعنی کسی شئی کو خاص غرض کے لئے قہراً چلانا اور مسخر وہ جو فعل پر قبضہ رکھتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ نے اس ہوا موصوف کو اپنی قدرت قاہرہ سے جیسے چاہا قوم عاد پر مسلط کر دیا ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسری صفت ہے بعض نے کہا یہ جملہ مستانفہ ہے

اس وہم کے دفع کے لئے ہے کہ ہوا تو اتصالات فلکیہ سے ہے یہ بھی ہو تو ہمارے عقیدہ کے خلاف نہیں کیونکہ یہ بھی اسی کے سبب بنانے اور مقدر کرنے سے ہے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کی تسخیر سے خارج نہ ہوئی۔ سَبعَ لَیَالٍ سات راتیں۔ منصوب علی الظرفیہ ہے سَخَّرَہَا کے متعلق ہے۔ عدد (سبع) مؤنث والا لایا گیا ہے کہ لیالی لیلۃ کی جمع ہے اور وہ مؤنث ہے اور اسی لئے اپنے مفرد موصوف کے تابع ہو کر آتی ہے۔ لیل ولیلۃ کہہ سکتے ہیں لیکن یوم ویومۃ نہیں کہا جاتا اور نہ ہی نہار ونہارہ کہا جاتا ہے۔ لیلۃ کی جمع لیالی آتی ہے ساتھ زیادت تار کے یہ خلاف قیاس ہے اعلال سے بحالت تنکیر یار گر جاتی ہے جیسے اہالی واہال اہل کی جمع ہیں سوائے حالت نصب کے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا سِیرُوا فِیہَا لَیَالِیَ وَأَیَّامًا آمِنِینَ۔ چلو اس میں راتوں اور دنوں میں امن والے ہو کر۔ اور لیالی غیر منصرف ہے اور اس پر فتح خفیف ہے (بخلاف ضمہ وکسرہ کے کہ وہ ثقیل ہیں) وَثَمَانِیَۃَ أَیَّامٍ اور آٹھ دن (بدھ سے بدھ تک ماہ شوال میں موسم سرما میں) عدد مذکر کا لایا گیا یعنی ثمانیۃ اس لئے کہ یوم کی جمع ایام ہے اور وہ مذکر ہے۔ حُسُومًا لگاتار حاسم کی جمع ہے جیسے شہود شاہد کی اور وہ سخرہا کے مفعول سے حال ہے بمعنی حاسمات لگاتار۔ ریح صرصر کو جمع سے تعبیر کرنا اس کی کثرت کی وجہ سے ہے کہ اور ان آٹھ دنوں اور راتوں میں مسلسل اور زور سے چلتی رہی۔ بعض نے کہا کہ یہ ما قبل کی صفت ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے اس کا آٹھ دن اور راتیں مسلسل ترجمہ لکھا۔ پہلے معنیٰ پر حال ہے یعنی وہ ہوا مسلسل (لگاتار) چلتی رہی ان آٹھ دنوں اور راتوں میں ایک منٹ بھی نہ رکی یہاں تک کہ انہیں تباہ وبرباد کر ڈالا یہ اس کے تسلسل کی تمثیل ہے جیسے داغنے والا جانور کسی بیماری کی جگہ پر داغتے وقت لگاتار داغتا ہے کہ ایک منٹ بھی اس میں وقفہ نہیں کرتا یہاں تک کہ داغ کو مکمل نہ کر لے اور خون منقطع نہ ہو جائے۔

حل لغات تاج المصادر میں ہے الحسم بمعنی کاٹنا اور مسلسل (لگاتار) داغنا۔ یہ مقید کو مطلق میں استعمال کے قبیل سے ہے کیونکہ الحسم بمعنی داغ کا تسلسل ہے یا وہ نحوستیں جو ہر بھلائی کو کاٹ دیں اور انہیں جڑ سے اکھیڑ دیں یا اس کا معنی ہے وہ کاٹنے والے تھے کہ ان کی جڑ کاٹ ڈالی۔ خلاصہ یہ کہ ان ہواؤں کی تین حیثیات تھیں۔

۱۔ لگاتار چلیں

۲۔ ہر خیر وبھلائی کی جڑ کاٹی اور تمام برکتیں جو ان بستیوں میں تھیں مٹا ڈالیں۔

۳- ان لوگوں کا نام و نشان ختم کر ڈالا۔

فائدہ: انہیں حسوم کہنا یا تو اس لئے کہ حاسمات (جڑ سے کاٹنے والی تھیں) یا اس داغنے والے سے تشبیہ ہے جو بیماری کی جگہ پر تسلسل سے داغتا ہے یا اس لئے کہ حسم لغت میں بمعنی القطع (الاستصال) ہے اسی لئے تلوار کو حسام کہا جاتا کہ وہ دشمن کو اس ارادہ سے کاٹ کے رکھ دیتا ہے جو وہ اپنے دشمن کیلئے رکھتا ہے۔

بُدھ کی تحقیق: عذاب کے دنوں سردی کے ایام تھے شوال ۲۲ (بائیسویں) کی صبح بُدھ کے دن سے یہ ہوا شروع ہوئی۔ بعض نے کہا وہ ماہ صفر آخری ہفتہ تھا جس کا ہوا کا اختتام کا آخری بدھ تھا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً فرمایا کہ ہر ماہ کے آخری بدھ میں ہمیشہ نحوست ہوتی ہے۔

فائدہ: عجوز (بڑھیا) اس لئے عجوز کہا جاتا ہے کہ ایک بڑھیا عاد کی قوم گھر کے اندر کے گڑھے میں چھپی رہی یہاں تک اسے ہوا نے آٹھویں دن باہر نکال پھینک کر ہلاک و تباہ کیا۔ بعض نے کہا یہ ایام العجز تھے یعنی سردی کے آخری ایام جن میں سردی اور سخت ہوائیں چلتی ہیں جس نے پہلے معنی پر نظر کی تو کہا "بَرد العجوز" جس نے دوسرے معنی پر نظر کی تو کہا "برد العجز"۔

حکایت روضۃ الاخبار میں ہے کہ بڑھیا کو نکاح کا خیال ہوا اسکے سات بیٹے تھے بیٹوں کو کہا کہ میرا نکاح کسی سے کرو انہوں نے کہا سردی میں ہر رات ننگی گذارو ہم سات ہیں تو سات راتیں، ایسے کرو چنانچہ اس نے ہر رات ننگے گذارنی شروع کر دی ساتویں رات مر گئی۔ اسی لئے انہی ایام کو ایام العجوز کہا جاتا ہے ان ایام کا نام ایام الصن (بالکسر) ہے یعنی ایام العجوز کا پہلا دن (القاموس) الصنبر بمعنی ٹھنڈی ہوا یعنی ایام العجوز کا دوسرا دن (القاموس) الوبر تیسرا دن المعلل بمحوں محدث چوتھا دن مطفیٔ الجمر پانچواں دن یا چوتھا (القاموس) بعض نے کہا مطفیٔ الظعن کجاووں کو ہٹانے والا الظعن ظعنیہ کی جمع بمعنی الهودج یعنی کجاوہ اسمیں مرد ہو یا عورت۔ الآمر والمؤتمر القاموس میں ہے کہ یہ ایام العجوز کا آخری دن ہے۔ شاعر نے کہا ہے

کسع الشتاء بسبعة غبر، ایام شهلتنا من الشهر

فاذا انقضت ایام شهلتنا، بالصن والصنبر والوبر

وبآمر واخیه مؤتمر، ومعلل وبمطفیٔ الجمر!

ذهب الشتاء مولیا هربا، واتتک موقدة من الحر

ترجمہ: دھکیلا موسم سرمانے سات غباروں سے ہمارے رونق کے ایام مہینوں کے جب ہماری رونق کے ایام، صنؔ، صنبرؔ، وبرؔ، امرؔ و موتمرؔ، معللؔ و مطفیٔ الجمرؔ سے ختم ہوئی تو موسم سرما بھاگی پیٹھ کر اور آگئی گرمی روشن کرنے والی موسم۔

نکتہ: الکواشی میں ہے کہ آٹھویں دن کا نام نہیں اس لئے کہ وہ انکی ہلاکت و ہلاک کرنے کا تھا اور عین المعانی میں ہے آٹھویں کا نام مکفیٔ الظعن ہے پھر الکواشی میں لکھا کہ ان کو ایام العجوز رکھنے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان پر جو عذاب اترا اسے دفع کرنے سے وہ عاجز تھے اسی لئے آٹھویں دن کا نام نہ رکھا گیا کہ ہلاکت کی وجہ سے وہ اس کا نام نہ رکھ سکے۔

فائدہ: پہلے دن کا نام نہ رکھا گیا کیونکہ عذاب کا ابتدار دن کو ہوا اور وہ رات چونکہ پہلے گزر گئی اور ایام کے نام رکھنا رات کے تابع ہوتے ہیں۔ اس تقریر الصن دوسرے دن کا نام ہے جو وہ آٹھ دن عذاب کے تھے جن کی راتیں بھی شامل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ صاحب روح البیان قدس سرہ

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے، دنوں کی گنتی (سات) میں اشارہ ہے کہ ایام دنیا انسان کے لئے بہ نسبت یوم آخرت کے سات دن ہیں۔ آٹھویں قیامت قائم ہو جائے گی۔ پھر ہلاکت ہی ہلاکت تباہی ہی تباہی اور سات راتوں میں بشریت کا راتوں کی طرف اشارہ ہے جو کہ وہ سات صفات الٰہیہ کو چھپانے والی ہیں اور سات صفات الٰہیہ یہ ہیں۔ (۱) حیات (۲) علم (۳) ارادہ (۴) قدرۃ (۵) سمع (۶) بصر (۷) کلام۔

اور ایام میں ان ایام کی طرف اشارہ ہے جو صفات ثمانیہ طبعیہ کی کاشف ہیں وہ آٹھ ہیں (۱) غضب (۲) شہوت (۳) حقد (۴) حسد (۵) بخل (۶) جبن (۷) عجب (۸) نفسانی خواہشات کا حرص یہ وہ صفات ہیں امورِ حق اور اس کے احکام خیرات، مبرات (احسان اور نیکی کے جملہ امور) کو منقطع کرتی ہیں یعنی ہر خیر و برّ کی قاطع ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ۲

حضرت قاشانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ عاد یعنی وہ غالی جو حدود شرائع سے تجاوز کرنے والے زندقہ اور اباحۃ فی التوحید سے یہی لوگ خواہش نفسانی باردہ سے ہلاک ہوئے جمود طبعیت و عدم حرارۃ الشوق والعشق سے جو ان پر سخت غالب تھیں جو انہیں ہلاکت کی وادیوں میں لے ڈوبیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے مسلط کر دیا غیوب سبعہ کے شک کی جگہوں میں جو یہی ان کی راتیں ہیں ان سے محجوب کی وجہ سے اور صفات ثمانیہ ظاہرہ ان کے لئے ایام کی طرح ہیں وہ صفات ثمانیہ یہ ہیں

وجود، حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر، تکلم ۔ یہی صفات ظاہری اور باطنی ان سے سب کی جڑ کٹ گئی ۔

تفسیر عالمانہ فَتَرَی اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم دیکھتے ہو یا وہ شخص جس کی شان ہے جو آنکھوں سے انہیں دیکھتا اگر اسوقت موجود ہوتا۔ الْقَوْمَ قوم کو عاد کی قوم ۔ الف لام عہد کا ہے یعنی اس قوم کو دیکھتا اگر تو اس وقت موجود ہوتا۔ فِیْھَا ان تیز ہوا کے چلنے کی جگہوں میں یا ان دنوں اور راتوں میں اس کو ابوحیان نے قرب اور صراحۃً ذکر کی وجہ سے ترجیح دی ہے۔ صَرْعٰی پچھڑے ہوئے مردے صریع کی جمع ہے قتلیٰ قتیل کی طرح القوم سے حال ہے کیونکہ یہاں رؤیۃ بصریہ ہے الصریع بمعنی المصروع ہے یعنی زمین پچھڑے ہوئے گرے پڑے اسی لئے الصرع بمعنی الطرح ہے کیونکہ وہ مرنے کے بعد پچھڑے پڑے تھے ۔ کَاَنَّھُمْ گویا وہ اجسام کی عظمت کی وجہ سے اَعْجَازُ نَخْلٍ کھجور کے ڈھنڈ ہیں ۔ کاف محلاً منسوب حال ہے القوم سے اس کے مذہب پر جو ایک ذوالحال سے دو حال کا آنا جائز سمجھتا ہے یا سرئی ہیں منوی سے حال ہے اس مذہب پر جو ایک ذوالحال سے دو حال کا آنا جائز نہیں سمجھتا یعنی درانحالیکہ وہ پچھڑے ہوئے کھجوروں کے ڈھنڈ کی طرح ہیں ۔ (القاموس ، العجز (مثلثہ) وکندس وکتف شئی کا پچھلا حصہ یہاں کھجور کے ڈھنڈ مراد ہیں ۔ النخل اسم جنس ہے لفظاً اور معنیً جمع ہے اس کا واحد نخلۃ آتا ہے۔ خَاوِیَۃٌ گرے ہوئے ۔

حل لغات اَلْخُوٰی بمعنی الخلاء کہا جاتا ہے ۔ خوٰی بطنہٗ مِنَ الطَّعَام اس کا پیٹ طعام سے خالی ہے۔ خوٰی بمعنی خلاء ۔ اب معنی یہ ہوا کہ ان کے پیٹ گویا کھائے جا چکے ہیں اس لئے کہ وہ اندر سے خالی ہیں ان میں کوئی شئے نہیں مطلب یہ کہ وہ زمین پر مردے پڑے تھے قد کے لمبے اور جسم کے موٹے تھے اسی لئے گویا وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں جن کو ٹہنیوں سے خالی کر کے زمین پر گرا یا جائے ۔ اور ان کے اجسام کو کھجور کے ڈھنڈ سے تشبیہ کی وجہ یہی ہے کہ ان کی ارواح اجسام سے نکل چکی تھیں تو ایسے معلوم ہوتے تھے کہ وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں جن سے ٹہنیاں کاٹ لی گئی ہیں اور انہیں جڑ سے کاٹ کر زمین پر گرایا گیا ہے ۔

فائدہ : بعض نے کہا کہ ہوا ان کے مونہوں سے داخل ہو کر ان کی دبروں سے نکل رہی تھی اس لحاظ سے وہ کھجور کے ڈھنڈ کی طرح بتائے گئے ۔

فائدہ : اس میں اشارہ ہے کہ وہ عظیم الخلقت اور ضخیم الجثہ تھے اور اس پر انہیں ناز بھی تھا۔ تبھی تو کہتے تھے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً ہم سے بڑھ کر سخت تر قوت والا اور کون ہوگا ۔ اللہ نے انہیں سخت تر آندھی سے مار گرایا اسی لئے وہ ان کھجوروں سے تشبیہ دیئے گئے جو اوپر مذکور ہوئیں ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ نفس پرست حقیقی مردے بے جان ہیں ان میں جان حقیقی نہیں رہی کیونکہ وہ نفس کے ساتھ قائم ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ جیساکہ ایسوں کے لئے دوسرے مقام پہ فرمایا کَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ گویا وہ لکڑیاں ہیں دیوار سے ٹکائی ہوئی۔ اور یہاں فرمایا " کانہم اعجاز نخل " گویا وہ کھجور کے ڈھنڈ ہیں یعنی بظاہر قوت والے ہیں لیکن ان میں معنیٰ ہے نہ حیات وہ درجۂ اعتبار اور وجود حقیقی سے گر چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے قائم نہیں۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ نفس اور اس کی صفات خالی پیٹ ہیں انہیں بقار نصیب نہیں کیونکہ بقار فیض الروح سے ہوتی ہے یعنی وہ جس پر روح کی رطوبت ٹپکے وہ زندہ ہے باذن اللہ اور وہی صفات الٰہیہ سے قابلیت کی صلاحیت رکھتا ہے ورنہ مردہ اور فاسد ہے۔

تفسیر عالمانہ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ تو کیا تم ان میں سے کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو۔ استفہام انکار رؤیۃ کے لئے ہے۔ الباقیۃ بقیہ کی طرح اسم ہے وصف نہیں۔ تار نقل اسمیہ اور من زائدہ ہے۔ باقیہ ترٰی کا مفعول ہے یعنی اب تم ان میں کوئی چھوٹا یا بڑا نہ ان کا کوئی مرد یا عورت نہ دیکھو گے سوائے اہل ایمان کے۔

فائدہ : باقیۃ صفت بھی ہو سکتی ہے اس وقت اس کا موصوف محذوف ہو گا یعنی نفس باقیۃ یا مصدر ہے بمعنی بقار جیسے کاذبہ وطاغیہ مصدر ہیں۔ البقار بمعنی شئی کا پہلی حالت پہ باقی ہونا، فنار کی نقیض ہے۔

مقرر است کہ بودند بر زمانہ بسے
شہان تخت نشین خسروان شاہ نشان
چو عاصفات قضا از مہب قہر وزید
شدند خاک وازاں خاک نیز نیست نشان

ترجمہ : یہ یقین ہے کہ زمانہ میں بہت سے بادشہ تخت نشین خسرو شاہی کی نشان والے تھے جب قضار کی آندھی قہر کی جگہ سے چلی تو وہ سب خاک ہو گئے کہ اب ان کی خاک کا بھی نشان نہیں۔

سبق : عقل مند پر لازم ہے کہ وہ جدوجہد کرے تاکہ وہ دنیا میں ثانی زندگی بسر کر سکے یعنی اس کی نیک نامی دنیا میں مذکور ہو جیساکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعار کی۔ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ اور مجھے پچھلے لوگوں میں سچی زبان بنا۔ علاوہ ازیں حقیقی زندگی وہی ہے جو تجلّی الٰہی د نبض تاکی کل سے نصیب ہو ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم پر اپنے فیض وجود کے ڈول سے فیضیاب فرمائے بحرمتہ اسمائہ وصفاتہ ووجوب وجودہ (آمین)

تفسیر عالمانہ ⑨ وَجَاءَ فِرْعَوْنُ اور لایا فرعون، موسیٰ علیہ السلام کا ہمزمان فرعون۔ اسکی تخصیص اس لئے کہ وہ بلند قد سخت متکبر تھا وَمَنْ قَبْلَهٗ اور جو اس سے پہلے کافر گذرے عاد و ثمودؑ کے سوا۔ یہ تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہے اور مَنْ موصولہ ہے۔ اور قبل بعد کی نقیض ہے۔ ابو عمرو اور یعقوب اور کسائی نے قِبَلَهٗ کو بکسر القاف وفتح البا، پڑھا ہے بمعنی وَمَنْ مَّعَهٗ یعنی اور وہ جو فرعون کے ساتھی قبطی مصر والے۔ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ اور الٹنے والی بستیاں بمعنی قوم لوط یعنی بستیوں والے کیونکہ اس کا عطف ماقبل پر یعنی فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ پر ہے

حلِ لغات کہا جاتا ہے "اِفْكَهٗ عَنِ الشَّيْءِ" اسے کسی شئے سے اٹھالیا۔ اِئْتَفَكَتِ الْبَلْدَةُ بِاَهْلِهَا شہر نے اپنے بسنے والوں کو الٹ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کی بستیوں کو الٹ دیا تھا اور زمین میں الٹ کر دھنس گئے۔ اور یہ پانچ بستیاں تھیں۔ (۱) صعبہ (۲) صعدہ (۳) عمرہ (۴) دوما (۵) سدوم یہ باقی تمام بستیوں سے بڑی تھیں یہ بھی بعد تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے کیونکہ قوم لوط ایسا گندے عمل کے مرتکب ہوئی جو ان سے پہلے اس جیسا فعل کسی نے نہیں کیا تھا۔ بِالْخَاطِئَةِ خطاء کو بار ملابست وتعدیہ کی ہے۔ وہی ظاہر تر ہے۔ خاطئہ بمعنی خطاً یا غفلت یادہ افعال جو بڑے خطاء والے تھے منجملہ ان کے بعث وقیامت کی تکذیب۔ پہلی تقریر خاطئہ مصدر ہے عاقبۃ کی طرح، دوسری دو تقریروں پر محذوف موصوف کی صفت ہے تجرید کے قاعدہ پر یہ صیغہ نسبت کے لئے ہے اور ظاہر تر ہے کہ یہ مجاز عقلی ہے۔ شعر شاعر کی طرح۔

تفسیر عالمانہ ⑩ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ تو انہوں نے اپنے رب کے رسولوں کا حکم نہ مانا یعنی ہر ایک امت اپنے رسول علیہ السلام کے بے فرمان ہوئے ان احکام کے جن سے انہوں نے روکا اور بعض قبائح کا ارتکاب کرتے تھے۔

فائدہ: الرسول یہاں بمعنی جمع ہے کیونکہ فعول وفعیل دونوں مذکر و مؤنث اور واحد و جمع کے لئے یکساں ہیں یہاں جمع جمع کے بالمقابل ہے جو احاد علی الاحاد کے انقسام کی مقتضی ہے اور اضافت عہدی نہیں جنسی ہے۔ فَاَخَذَهُمْ تو انہیں اللہ نے عذاب سے پکڑا یعنی ان میں سے ہر قوم دکفار کو۔ اَخْذَةً رَّابِيَةً بڑھی چڑھی گرفت سے شدت میں تمام کفار کی عقوبات سے بڑھ کر یا اس اندازہ سے بڑھکر جو لوگوں میں معروف ہے جبکہ قبح میں ان کے گناہ دوسرے کافروں کی بہ نسبت زائد تھے تو جس قوم نے نوح علیہ السلام کی تکذیب کی انہیں پانی میں غرق کیا اس وقت روئے زمین پر صرف وہی تھے باقی وہی بچ گئے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے اور قوم لوط کے شہروں کو جڑ سے اکھیڑ کر آسمان کی طرف ہوا کے

ذریعہ اسکے حکم سے لے جاکر فرشتہ نے زمین پر دے مارا پھر اوپر سے پتھر برسائے پھر زمین میں دھنس گئے اور زمین کے اندر انہیں ایسے گندے پانی میں ڈبویا جس کی بدبو زمین پر کسی بدبو کے مشابہ نہ تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو بحر القلزم یا دریائے نیل میں غرق کیا اس طرح ہر بے فرمان قوم کو ان کے قبیح اعمال کے مطابق عذاب ہوا اور وہ پوری پوری سزا پا گئے۔

فائدہ : اس میں قوم قریش کو ڈرانا مطلوب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب نہ کریں اور اس میں عقل والوں کے لئے عبرت بھی ہے۔

حل لغات

اہل عرب کہتے ہیں "رَبَا الشَّیُٔ یَرْبُوْ" یہ اس وقت بولتے ہیں جب شئے بڑھ جائے اسی سے ربوٰ شرعی ہے یعنی وہ زائد (پیسہ) جو سود خوار اصل مال کے سوا لیتے ہیں۔

(۱۱) اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ بے شک جب پانی نے سر اٹھایا۔ اس الماء سے معہود پانی طوفان والا مراد ہے یعنی جب وہ پانی اپنی معتاد (عادت) حالت سے بڑھا یہانتک کہ ہر شئ کو پانچسو ہاتھ اوپر ہوگیا۔ بعض نے کہا کہ دنیا کے سب سے بڑے پہاڑ سے پندرہ ہاتھ اوپر ہوگیا تھا یا معروف معاملہ کی حد سے بڑھا کہ پانی کا گھاٹ ملائکہ کے قابو میں نہ رہا اور یہ پانی کا سر اٹھانا اور حد سے متجاوز ہونا قوم نوح کے گناہوں پر اصرار کی وجہ سے تھا کہ گوناگوں کفر و معاصی میں مبتلا تھے اور نوح علیہ السلام کی تکذیب میں مبالغہ کرتے تھے جو احکام ان پر وحی ہوتے انکا مذاق اڑاتے منجملہ ان کے احوال قیامت بھی تھا۔ اللہ نے ان سے یوں بدلہ لیا کہ طوفان کے پانی میں غرق کر دیا۔ حَمَلْنٰكُمْ اے لوگو ہم نے تمہیں سوار کیا تمہارے آباؤ اجداد کو اور تم ان کی صلبوں میں تھے گویا تم اپنے اجسام سے سوار کئے گئے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ کشتی پہ سوار کرنا اس کا بڑا احسان ہے اس لئے کہ ان کے آباؤ اجداد کی نجات انکی ولادت کا سبب ہے۔ فِی الْجَارِیَةِ کشتی میں یعنی سفینۂ نوح میں اس لئے کہ اس کی شان تھی پانی پر چلنا اور حمل سے مراد طوفان نوح تک انہیں پانی کے اوپر محفوظ رکھنا نہ صرف کشتی میں سوار کرنا مراد ہے جیسا کہ لفظ فی سے معلوم ہوتا ہے وہ حمل کا صلہ نہیں بلکہ وہ محذوف کے متعلق ہے اور وہ اس کے مفعول سے حال ہے اب عبارت یوں ہوئی ہم نے پانی کے اوپر اٹھا کر تمہاری حفاظت کی۔ درانحالیکہ تم ہمارے امر و حفاظت سے کشتی میں تھے نہ وہ غرق ہوئی اور نہ پھٹی۔

فائدہ : اس میں تنبیہ ہے کہ ان کی نجات کا دارو مدار محض عصمت الٰہی و حفاظت خداوندی سے تھا ورنہ کشتی تو صرف ظاہری سبب تھی (۱۲) لِنَجْعَلَهَا تاکہ ہم اسے بنائیں اسی فعل کو یعنی مؤمنوں کو نجات دینا اور کافروں کو غرق کرنا" لَكُمْ تَذْكِرَةً تمہارے لئے یادگار (عبرت اور صانع کی کمال قدرت و حکمت

اور اس کے قہر کی قوت اور اس کی رحمت کی وسعت۔ ہَا کی ضمیر فعلۃ اور قصۃ کی طرف راجع ہے جس پر آیت تَعِیَہَا دلالت کرتی ہے۔

فائدہ: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تاکہ ہم کشتی کو تمہارے لیئے نصیحت و عبرت بنائیں کہ اس میں مومنوں کو نجات نصیب ہوئی او کافر غرق ہوئے۔ اور کشف الاسرار میں ہے تاکہ ہم اسے رہتی دنیا تک یادگار[1] بنائیں۔

یادگار کی دلیل: امت مصطفویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے اوائل میں لوگوں نے کشتی[2] نوح (علیہ السلام) کے تختے جودی پہاڑ پر دیکھے۔ وَتَعِیَہَا اور اسے محفوظ رکھے یعنی نصیحت کو۔

حل لغات اَلْوَعْیُ علم کا محفوظ رکھنا۔ کہا جاتا ہے "وعیت الشیٔ فی نفسک" تو نے اپنے میں شئے کو محفوظ کیا اور "وعیت ماقلتہ" جو تو نے کہا میں نے اسے محفوظ کیا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا زندگی میں کوئی بھلائی سوائے عالِم ناطق (بولنے والا) اور سامع محفوظ کرنے والے کے ہیں۔ اَلْاِعْیَاءُ بمعنی محفوظ کرنا اپنے غیر مثلاً برتن وغیرہ میں جیسے "اوعیت المتاع فی الوعاء" میں نے اُسے برتن میں محفوظ کر لیا۔ حضور نبی علیہ السلام نے بی بی اسماء بنت ابو بکر رضی اللہ عنہما کو فرمایا کسی شئ کو محفوظ کر کے نہ رکھ اللہ تجھ سے محفوظ کر لے گا جہاں تک ہو سکے مال کو خرچ کر۔ شاعر نے کہا ؎

الخیر یبقی وان طال الزمان بہٖ ! والشر اخبث ما اوعیت من زاد

ترجمہ: خیر و بھلائی باقی رہیگی اگرچہ کتنا ہی عرصہ گزرے اور شر خبیث ترین ہے وہ جو تو زاد و اسباب کو چھپا کے محفوظ کر رہا ہے۔

اُذُنٌ وَّاعِیَۃٌ کان محفوظ رکھنے والا یعنی کان کی شان ہے کہ وہ محفوظ رکھے اسے جس کی حفاظت اس پر واجب ہے جب بھی سنے اور اس میں غور و فکر کرے اور اسے ضائع نہ کرے ترک عمل سے۔ بعض نے کہا کہ الوعیٰ قلب کا فعل ہے لیکن کان کا کام ہے کہ وہ قلب حفاظت کرنے والے تک پہنچائے اسی لیئے وہ صفت جو قلب کی ہے اس سے کان کو موصوف کیا گیا ہے۔

---

[1] بڑھیا کا بیڑا ابھی تا حال بغداد کے نواح میں موجود ہے۔ دونوں کو ہم صحیح سمجھتے ہیں کیونکہ کشتی نوح ایک پیغمبر علیہ السلام کا معجزہ ہے بڑھیا کا بیڑا ایک ولیٔ کامل کی کرامت تو اللہ نے جس طرح معجزہ کی علامت کو عبرت کے لیئے باقی رکھا اور اسکی حفاظت فرمائی ایسے ہی کرامت محبوب سبحانی نشانی کے طور پر باقی رکھی تاکہ اہلِ اسلام کی تائید و منکرین کے لئے تازیانۂ عبرت ہو۔ اویسی غفرلہٗ

[2] یہ معنی ... اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اختیار فرمایا ۱۲۔ اویسی غفرلہ

وگر نیستی سعی جاسوس کوشش ؎ خبر کے رسیدی بسلطان ہوش

ترجمہ :- اگر تجھ سے سعی نہیں ہو سکتی تو جاسوس تلاش کر، اس کے سوا سلطان ہوش تک خبر کیسے پہنچ سکتی ہے۔

فائدہ : مذکر اور واحد (اذن) لایا گیا ہے۔ چاہیئے جمع الآذان الواعیہ ہوتا۔ تاکہ ان کی قلت پر دلیل ہو لیکن اسکی قلت کے باوجود اس کی شان یہ ہے کہ جم غفیر کی نجات کا سبب بنتا ہے بلکہ ان کی نسل کی مداومت کا موجب ہے یعنی جس نے اس قصہ کو محفوظ کر لیا اور وہ صرف اس لئے کرے کہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں گے اس سے انہیں ایمان میں رغبت نصیب ہو گی اور بہت سے لوگ کفر سے بچ جائیں گے تو ایسی حفاظت نجات اور دونوں مذکورہ امور کی مداومت کا موجب ہے۔

فائدہ : کشاف میں ہے کہ صرف ایک کان جو اللہ تعالیٰ سے کچھ اسے محفوظ کرلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی سوادِ اعظم ہے اس کے ماسوا باقی تمام کا اس کے مقابلہ میں کوئی اعتبار نہ ہو گا اگرچہ مشرق و مغرب کے درمیان کو بھر دیں (یعنی ساری خدائی ایک طرف اور ایک بندۂ خدا (ولی کامل) ایک طرف اس کا مقابلہ نہیں ہو سکے گا وہ شان اور فضیلت میں ان سب سے بلند و بالا ہو گا۔ (اویسی غفرلہٗ)

حدیث شریف ، معجزۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وکرامت زوجِ بتول رضی اللہ عنہما!

فلاح پائی اُسنے جس کو اللہ نے حفاظت کرنے والا دل عطا فرمایا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اے علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ اللہ تجھے حفاظت والا کان عطا فرمائے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فمانسیتُ شیئاً بعد وما کان لی ان انسی اذھو الحافظ للاسرار الالٰھیّۃ اس کے بعد میں کبھی نہیں بھولا اور نہ ہی میرے لائق ہے کہ میں بھولوں کیونکہ آپ اسرار الٰہیہ کے حافظ ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی فضیلت : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں فطرت پر پیدا ہوا ہوں اور میرے لئے ایمان و ہجرت نے سبقت کی اور ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کان پکڑ کر مذکورہ بالا الفاظ فرمائے یعنی "سالت اللہ ان یجعلھا اذنک یا علی" اے علی تجھے اللہ وہی کان عطا فرمائے جو "تَعِیَھَا اُذُنٌ وَّاعِیَۃٌ" میں مذکور ہے۔

فائدہ : بعض نے فرمایا کہ ان سے وہ کان مراد ہیں جنہوں نے ازل میں اللہ تعالیٰ سے خطاب سنا۔ یہی واعیہ (حفاظت کرنے والا) ہے کہ حق تعالیٰ سے ہر خطاب کو محفوظ کرتا ہے

نسیان ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیخ کنی : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے لوگوں نے پوچھا کہ بہ نسبت دوسروں کے آپ زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں میں نے کہا کہ مہاجرین و انصار کو

کاروبار نے مشغول کر رکھا تھا میں ایک مسکین انسان تھا ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر رہتا اور قوت لایموت پر قناعت کرتا - ایک دن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کون ہے کہ آج کپڑا بچھائے اور جو کچھ میں کہتا جاؤں اسوقت تک چادر بچھائے رکھے یہاں تک کہ میں بات ختم کروں جو ایسا کرے گا وہ آئندہ میری بات کو یاد رکھیگا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کمبل (چادر) بچھادی یہانتک کہ آپ نے بات مکمل کرلی تو میں نے اسے اپنے سینہ سے لگالیا اس کے بعد میں حضور علیہ السلام کی کوئی حدیث نہیں بھولا -

فائدہ : اس میں اشارہ ہے کہ اچھی بات میں تاثیر اور اس کا فائدہ ہوتا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ہی کافی تھی (چادر میں باتوں کو جمع کر کے سینہ سے لگانے کا کیا فائدہ) جیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے کیا (۱۳) **فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ** پھر جب صور پھونک دیا جائے ایک دم۔ ربط ، مکذّبین کو ہلاک کرنے اور قیامت کی عظمت بیان کرنے کے بعد اب نفس قیامت اور اس کے وقوع کی کیفیت کا بیان شروع ہے -

حلِّ لغات

اَلنَّفْخُ پھونکنا۔ اور صور ایک نور کا قرن (سینگ) ہے جو ساتوں آسمانوں سے وسیع تر ہے اس میں حضرت اسرافیل (علیہ السلام) بحکم الٰہی پھونک ماریں گے جس سے بہت بڑی آواز پیدا ہوگی جسے لوگ سن کر چیخ مار کر مر جائیں گے سوائے ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا -

قاعدہ : مصدر مبہم صرف تاکید کا فائدہ ہوتا ہے اگرچہ وہ فاعل کے قائم مقام کھڑا نہیں ہوسکتا ضُرِبَ ضَرْبٌ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وہ اپنے مدلول فعل پر زائد امر کا فائدہ نہیں ہوسکتا لیکن فعل کا اسناد آیت میں نَفْخَةٌ (مصدر) کی طرف حسن ہے کیونکہ یہ مصدر مبہم نہیں بلکہ مقید ہے وحدت (مرۃ) سے اس لئے کہ اس سے اسرافیل علیہ السلام کا نفخ اُولیٰ مراد ہے کہ اس وقت کوئی حیوان زندہ نہیں رہے گا اور تمام عالم تباہ و برباد ہو جائیگا، جیساکہ آنے والی دو آیتوں میں حُمِلَ اور دُکَّ دلالت کرتا ہے -

سوال : کشاف میں ہے کہ نفخ تو دو ہیں اللہ نے یہاں واحدۃ کیوں فرمایا ہے -

جواب : واحدۃ بایں معنی ہے کہ وہ نفخ ایک دفعہ ہی ہوگا ایسا نہیں کہ اسے بار بار نہیں پھونکا جائے گا، یعنی ایک ہی نفخ سے امر عظیم حادث ہوگا - اور اس کی عظمت بھی اسی لئے ہے کہ وقوع نفخ ایک بار ہوگا اسکی عظمت اس حیثیت سے نہیں کہ وہ نفخ ہے اسی لئے اسے واحدۃ سے موصوف کیا گیا ہے -

فائدہ : کشف الاسرار میں ہے کہ واحدۃ محض تاکید کے لئے ہے کیونکہ پھونک ہوتی ہی ایک بار ہے - وَ **حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ** اور زمین اور پہاڑ جڑ سے اکھیڑ دیئے جائیں گے یعنی محض قدرت الٰہیہ یا بتوسط

زلزلہ اور سخت آندھی کے زمین اور پہاڑ اپنی جگہوں سے ہٹا لئے جائیں گے۔

فائدہ : یاد رہے کہ آندھی کو زمین اور پہاڑوں کو اکھیڑنے کی قوت ہے جیسے قوم عاد کے وجود کی زمین اور ان کے اونٹوں جو پہاڑوں کی طرح تھے کو ان کے ہوا وج دکھاووں اکو الٹا دیا تھا۔ **فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً** تو ایک ہی دکت بمعنی ضربت ہے یعنی تمام زمینیں اور تمام پہاڑ باوجودیکہ بلند و بالا ہیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر یک بارگی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے ٹکڑوں کے تکرار کی ضرورت نہ ہوگی جب ایکدوسرے سے ٹکرائیں گے تو پہاڑ اور زمین ریت کے ٹیلوں اور اڑتی ہوئی غبار کی طرح ہو جائیں گے۔ ورنہ عبارت کا تقاضا تھا کہ فَدُكَّتْ دَكَّةً وَّاحِدَةً" ہونا چاہیئے تھا لیکن چونکہ فعل کا اسناد "الارض والجبال" کیطرف ہے اور وہ دونوں علیحدہ ایک ایک جماعت ہیں اسی لئے صیغہ دُكَّتَا لایا گیا اور اس کی نظیر قرآن مجید میں دوسری جگہ پہ موجود ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا" بے شک آسمان وزمین ملے ہوئے تھے۔ یہاں كُنَّ کہنا تھا لیکن كَانَتَا اسیلئے کہا گیا ہے کہ اَلسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ دو علیحدہ علیحدہ دو جماعتیں ہیں۔

حل لغات

اَلدَّكُّ اَلدَّقُّ سے زیادہ بلیغ ہے۔ الصحاح میں ہے الدک والدق وقد دکتہ ضربہ وکسرہ الخ یعنی اسے ایسا زور سے مارا کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین کے برابر کر دیا۔ از باب رَدَّ دینصر، المفردات میں ہے کہ الدک الارض یعنی زمین کو نرم کر کے ریت کی طرح برابر کرنا اور دُكَّتِ الْجِبَالُ یعنی پہاڑوں کو نرم زمین جیسا بنا یا اور اسے برابر کر دیا۔ دُكَّان اسی سے مشتق ہے۔ فَيَوْمَئِذٍ تو اسی وقت یہ بمعنی حِيْنَئِذٍ ہے اور "وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ" سے منصوب ہے۔ واقع ہو جائے گی قیامت اَلْوَاقِعَة قیامت کے اسماء سے ایک ہے اور یہ نام اسپر بکثرت مستعمل ہوتا ہے اس کے وقوع کے تحقق کی وجہ سے اسے واقعہ کہا جاتا ہے اسی لئے اس کی طرف وَقَعَتْ فعل کا اسناد جائز ہے یعنی جب ایسا امر ہوگا تو قیامت واقع ہو جائے گی جس سے تمہیں ڈرایا جاتا ہے یا نازل ہوگا ایک عظیم نازل ہونے والا یعنی قیامت کی سخت آواز۔ یہ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ الخ کا جواب ہے اور يَوْمَئِذٍ اذ سے بدل ہے اسے طول کلام کی وجہ سے لایا گیا ہے ان دونوں کا عامل وَقَعَتْ ہے وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ اور پھٹ جائے گا آسمان کناروں سے کے امر عظیم کے لئے نزول ملائکہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ارادہ پر۔ جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا "يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا" اس وقت آسمان پھٹ جائیں گے بادل سے اور فرشتے نازل ہوں گے۔ یا آسمان پھٹ جائیں گے اس یوم کی شدت کے سبب سے اس کا عطف وَقَعَتْ پر ہے۔ فَهِيَ تو یہ آسمان يَوْمَئِذٍ اس دن وَاهِيَةٌ کمزور، ڈھیلے قوت ختم کرنے والے تاگے ٹوٹے ہوئے کی طرح جبکہ پہلے وہ سخت مضبوط تھے اگرچہ وہ اب بھی خرق والتیام کے قابل نہیں۔

حل لغات کہا جاتا ہے "وَھِیَ الْبِنَاءُ یعنی" بنا کمزور ہوگئی۔ وَھِیًا فَھُوَ وَاہٍ (بہت مذکور) القاموس میں ہے وَھِیَ ہچون وَعِیَ و وَلِیَ تخرق، اِنْشَقَّ وَاسْتَرْخٰی رِبَاطُہٗ (اسکی رباط پھٹ گئی ڈھیلی ہوگئی)، المفردات میں ہے اَلْوَھْیُ ادیم میں اور کپڑے جیسوں کا پھٹنا۔ وَالْمَلَکُ مخلوق معروف یہ ملائکہ سے اسم ہے کہا جاتا ہے "مَامِنْ مَلَکٍ اِلَّا ھُوَ شَاھِدٌ" ہر ملک شاہد ہے یہ مامن ملائکہ سے اسم ہے۔ عَلٰٓی اَرْجَآئِہَا آسمانوں کے کناروں پر ہوں گے۔

حل لغات اَرْجَآءُ رَجًا (بالقصر) کی جمع ہے یہ جملہ حالیہ ہے اسے ماقبل پر عطف کا بھی احتمال ہے ایسے ہی مفسرین نے فرمایا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ فرشتوں کا مسکن آسمان تھے وہ پھٹ جائیں گے تو یہ کناروں پر چلے جائیں گے۔ بعض نے کہا کہ ان کا کناروں پر صرف تھوڑی دیر ٹھہرنا ہوگا اسکے بعد ان پر موت وارد ہوجائے گی کیونکہ ملائکہ نفخۂ اولیٰ سے مرجائیں گے فاء تعقیبیہ اس کے منافی نہیں (کیونکہ تھوڑا وقفہ ملے گا اسی وجہ سے فاء تعقیبیہ کا ہونا درست ہے) بعض نے کہا کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ کے استثنائیں ہیں جیساکہ اللہ تعالیٰ فرمایا "فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ ای اِلَّا الْمَلٰٓئِکَۃ وَنَحْوُھُمْ۔

نفخ صور کے وقت ملائکہ کا حال: تفسیر الفاتحہ للفناری میں مولانا فناری رحمہ اللہ الباری نے فرمایا کہ جب آسمان ریزہ ریزہ ہونے لگیں گے تو ملائکہ ان کے کناروں پر آجائیں گے زمین پر نگاہ ڈالیں گے تو انہیں خلق کا انبوہِ کثیر محسوس ہوگا کہ وہ پہلے سے اب کہیں کئی گنا زائد ہوں گے۔ انہیں خیال گزرے گا کہ ان میں اللہ نے نزول اجلال فرمایا ہے کیونکہ وہاں ملائکہ اتنا کثیر التعداد نظر آئیں گے کہ پہلے اتنا تعداد کے سامنے کبھی نہیں آئی تھی نیچے والوں سے زمین والے پوچھیں گے کیا تم میں رب تعالیٰ ہے ملائکہ فوراً جواب دیں گے "سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّنَا لَیْسَ فِیْھَا وَھُوَ آتٍ" پاکی ہمارے رب کو وہ ہمارے میں نہیں وہ تشریف لانے والا ہے (اپنے شان کے لائق) زمین کو گھیر کر صف بستہ کھڑے ہوجائیں گے۔ اور وہ تمام روئے زمین کے ارد گرد کو محیط ہوں گے۔ انہی کے گھیرے میں ہوں گے جملہ عالم کے انس و جن وغیرہم۔ یہ آسمان دنیا کے آباد کرنے والے ملائکہ ہیں ان کے بعد دوسرے آسمان والے زمین والے پر اتریں گے جب دوسرا آسمان پاش ہوجائے گا اور اس کے ستارے اڑ اڑ کر نارمیں گریں گے یہی دوسرے آسمان والے ملائکہ کاتب کہلاتے ہیں اور یہ آسمان دنیا والے ملائکہ سے بہت زیادہ ہیں ان سے بھی زمین والے پوچھیں گے "اَفِیْکُمْ رَبُّنَا" کیا تمہارے میں ہمارا رب ہے اس سے ملائکہ گھبرا کر کہیں گے ہمارے رب کی پاکی وہ ہمارے میں نہیں وہ عنقریب تشریف لانے والا ہے (اپنی شان کے لائق) وہ بھی پہلے آسمان والوں کی طرح دوسرا دائرہ بنا کر صف باندھ لیں گے

اس کے بعد تیسرے آسمان والے اتریں گے اور اس کے ستارہ زہرہ کو آگ میں پھینکیں گے اور آسمان کو اپنے سیدھے ہاتھ (قدرت) میں لپیٹ لے گا ان فرشتوں سے بھی زمین والے کہیں گے تمہارے میں ہمارا رب تعالیٰ ہے وہ کہیں گے رب تعالیٰ کی پاکی وہ ہمارے میں نہیں وہ آنے والا ہے (اپنی شان کے لائق) ایسے ہی ہر آسمان والے فرشتے نیچے اترتے جائیں گے اور سوال وجواب ہوتا رہے گا یہانتک کہ ساتویں آسمان والے اتریں گے وہ ان سب کو زائد دیکھیں گے جب کہ ملائکہ اوپر سے اترتے رہے ان سے بھی لوگ سوال کریں گے کیا تمہارے میں ہمارا رب تعالیٰ ہے یہ کہیں گے ہمارے رب کی پاکی وہ ہمارے میں نہیں وہ تشریف لائے گا ضرور (اپنی شان کے لائق) بیشک ہمارے رب تعالیٰ کا وعدہ ضرور پورا ہوتا ہے۔ ان سب کے بعد اللہ تعالیٰ (اپنی شان کے لائق) بادلوں کے سایہ میں ملائکہ کے ساتھ تشریف لائیگا اور ان سب کی بائیں جانب نزول اجلال فرمائے گا اللہ تعالیٰ کا تشریف لانا بادشاہوں جیسا ہوگا (اسکی شان کے لائق) وہ خود بھی فرماتا ہے "مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ" روز جزا کا بادشاہ، یہ وہی دن ہے جس کے لئے اللہ نے اپنا اسم ملک بتایا ہے۔ اس کے بعد ملائکہ سات صفیں باندھ لیں گے اور تمام مخلوق اُن کے گھیرے میں ہوگی جب لوگ جہنم کا جوش وخروش دیکھیں گے کہ وہ جبارہ (سرکش) کافروں متکبّروں پر بھری ہوئی ہے تو لوگ سب کے سب اس کی عظمت کو دیکھ کر خوف اور گھبراہٹ سے بھاگیں گے یہی وہی بڑی گھبراہٹ ہے (جس کی خبر قرآن مجید میں دی گئی ہے) وَهُوَ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ، سوائے ان حضرات اولیاء کے کہ جنہیں گھبراہٹ نہ ہوگی ملائکہ انہیں عرض کریں گے یہ وہی دن جس کا تم وعدہ دیئے جاتے تھے لیکن وہ (اللہ والے اولیاء) امن میں ہونگے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ، لیکن انبیاء علیہم السلام گھبرائے ہوں گے۔

ازالۂ وہم

انبیاء علیہم السلام کی گھبراہٹ امتوں کی وجہ سے ہوگی جیساکہ ان کی اپنی امتوں پر شفقت تھی اور یہ ان کی فطری عادت تھی کہ وہ اپنے لئے نہیں بلکہ امتوں کے لئے گھبراہٹ میں رہتے تھے بلکہ وہ اس وقت امتوں کے لئے کہیں گے "سَلِّمْ سَلِّمْ" اے اللہ امت کی خیر، اے اللہ امت کی خیر۔

اولیاء کرام کی شان

اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ امن والوں (اولیاء کرام) کے لئے نور کے منبر بچھاؤ ہر ایک کو اس کی فضیلت کے مطابق منبر پر بٹھاؤ یہ منظر موقف (میدان حشر) میں ہوگا۔ یہ حضرات (اولیائے کرام) انہی منبروں پر رونق افروز ہوں گے نہایت امن اور اطمینان سے، لیکن یہ رب تعالیٰ کے تشریف لانے (اس کے شان کے لائق) سے پہلے ہوگا۔ جب جہنم سے ڈر کر لوگ بھاگیں گے تو آگے ملائکہ صف بستہ ہوں گے اسی لئے وہ ان سے تجاوز نہیں کرسکیں گے بلکہ ملائکہ انہیں جمع کرکے میدان حشر میں اللہ کے ہاں حاضر کریں گے اس وقت انبیاء علیہم السلام انہیں پکاریں گے کہ لوٹ جاؤ لوٹ جاؤ، یا ایکدوسرے کو اس طرح کہیں گے۔ اسی کے بارے میں اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہلوایا ہے کہ اِنِّیْ

خَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ الخ میں تم پر پکارنے کے دن سے ڈرتا ہوں اس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے لیکن تمہیں اللہ تعالیٰ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ وَمُئِی سے مراد ہے آسمانوں کا زمین پر گرنا جس کا نام سَاهِرَۃ ہے اور فرشتوں کا آسمانوں کے کناروں پر آجانا نفخہ ثانیہ سے لوگوں کے قبور سے اٹھنے کے بعد نہیں ہوگا اگرچہ اسے نفخہ اولیٰ کے درمیان کیا گیا ہے جیسے آیت کا بعد یعنی ملائکہ کا عرش و زمین کا اٹھانا جو کہ نفخہ ثانیہ کے بعد ہوگا اور ان کے نزول کا مقصد بھی مخلوق کو ہٹانا وغیرہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطَانٍ" تم جہاں بھی بھاگ جانے کا ارادہ کرو گے وہیں میرے فرشتے ہوں گے اور وہاں بھی میری شاہی اور سلطنت ہوگی۔ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ اور تیرے رب کے عرش کو اٹھائیں گے۔ عرش آٹھواں فلک ہے اور بہت بڑا ہے جس کی عظمت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ وہ آفاق میں ایسے ہے جیسے انفس میں قلب اور قلب تمام اشیاء سے وسیع تر ہے جیسے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے وسعت بخشی ہے (جیساکہ حدیث شریف میں ہے) اور یہی عرش الرحمٰن ہے یعنی قلب۔

فائدہ: عرش کو مضمون مذکور کے بعد ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ عرش اپنے حال پر بحال رہے گا بخلاف آسمان و زمین کے یعنی یہ فناء نہ ہوگا اس کی اور وجہ بھی ہے جسکا بیان آئے گا (انشاء اللہ)

چار اشیاء کی تخلیق: سیدنا علی بن حسن رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو چوتھے نمبر پہ پیدا فرمایا۔ اس سے پہلے تین

(۱) ہوا (۲) قلم (۳) نور پیدا ہو چکے تھے ان کے بعد عرش کو مختلف انوار سے پیدا فرمایا انہی میں سے نور اخضر ہے اس سے سبزیاں اگتی ہے اور نور اصفر ہے اس سے صفرۃ پیدا ہوئی اور نور احمر ہے اس سے حمرہ پیدا ہوئی اور نور ابیض یہی نور الانوار ہے اسی سے دن کی روشنی ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابرین نے فرمایا کہ مراتب اربعہ کی وجہ سے انوار چار ہیں جب انوار تقسیم ہوئے تو مرتبۂ طبعیہ میں نور اسود اور مرتبہ نفس میں نور احمر اور مرتبہ روح میں نور اخضر اور مرتبہ سِرّ میں نور ابیض دیا گیا۔ فَوْقَهُمْ ان ملائکہ کے اوپر جو کناروں پر ہیں یا آٹھوں فرشتوں کے اوپر یعنی یہی آٹھوں اپنے نفسوں کے اوپر عرش کو اٹھاتے ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ محمول حامل کے اوپر ہو کبھی وہ اٹھائی ہوئی شئے ہاتھ میں ہوتی ہے اور کبھی جیب میں۔ فَوْقَهُمْ اور يَوْمَئِذٍ يحمل کی ظرف ہیں بر تقدیر اول ظاہر یہ ہے فَوْقَهُمْ ثَمَانِيَةٌ سے حال ہے جو ذو الحال پر مقدم ہے کیونکہ نکرہ ہے۔ يَوْمَئِذٍ قیامت کے دن۔ ثَمَانِيَةٌ آٹھ (فرشتے) ہوں گے۔

حدیث شریف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہے کہ وہ فرشتے آج چار ہیں۔ جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ ان کی مدد میں چار اور کا اضافہ فرمائے گا تو آٹھ ہو جائیں گے

ائمہ اربعہ کی شان : بعض علماء نے فرمایا کہ ان پہلے چاروں کے ملانے میں ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ ہے کہ آج انہوں نے شرع کو اٹھایا ہوا ہے جب قیامت کا دن ہوگا کہ یہی شریعت عرش کی شکل میں ہو جائے گی اس معنی پر حمل سے حکمی حامل مراد ہوں گے۔

فرشتوں کا قد و قامت : مروی ہے کہ وہ آٹھ فرشتے ہیں جن کے قدم ساتویں زمین کی جڑوں پر اور عرش ان کے اوپر ہے اور وہ سر جھکا کر تسبیح پڑھتے ہیں۔

حدیث شریف : میں ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بیان کرنے کا حکم ہے کہ حاملین عرش کا تعارف کراؤں ان کا ایک فرشتہ وہ ہے کہ جس کے کان کی لو سے کاندھے تک پرندے کے اڑنے کی سات سو سال کی مسافت ہے۔ اس کی تسبیح ہے۔ "سبحانک حیث کنت۔ تیرے لئے پاکی ہے تو جہاں ہے۔

فرشتہ کا نام : حضرت یحییٰ بن سلام رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسکا نام وقیل (علیہ السلام) ہے

فائدہ : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آٹھ سے آٹھ ہزار فرشتے مراد ہیں۔ اور ضحاک نے فرمایا اس سے وہ آٹھ صفیں مراد ہیں جنکی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان) (اللہ) کہتا ہے کہ مناسب تر پہلا قول ہے۔ کیونکہ وہی عظمت الٰہی اور اسکی ہیبت اور اظہار قدرت میں زیادہ مؤثر ہے علاوہ ازیں چار فرشتے برائے عرش کعبہ معظمہ کے ارکان کی طرح ہیں ایسے ہی ارکان قلب ہیں اس لئے کہ قلب کی دائیں جانب روح و سر اور بائیں جانب نفس و طبیعت ہیں۔ پھر یہ ظاہر و باطن کے اعتبار سے آٹھ ہیں ان سے ہی آٹھ ہزار ہو جاتے ہیں کیونکہ الف واحد (ایک) کی تفصیل ہے اس کے بعد کوئی عدد نہیں سوائے تضعیف کے (واللہ اعلم)

حٰم المؤمن (سورۃ) کے اوائل میں اسی مقام کے بعض متعلقات مذکور ہو چکے ہیں اسی لئے ہم ان کا اعادہ نہیں کرتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں عرش ذات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صفات ثمانیہ ذاتیہ غیبیہ کی حامل ہے اور یہی صفات مفاتیح الغیب جو حمل ذوات الصفات کی صفت حمل سے موصوف ہیں اور صفات ظہورات الصفات کی حامل ہیں۔

وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سب سے پہلے جسے عملنامہ سیدھے ہاتھ میں عطاء ہوگا وہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کی کتاب کی شعاع سورج جیسی ہوگی عرض کی گئی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہاں ہوں گے آپ فرمائیں گے وہ تو بہت اونچی شان والے انہیں تو بہت پہلے فرشتے بہشت میں لے گئے۔

فائدہ : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ بدلہ ملا اس جرأت کا کہ آپ نے دار ارقم سے تلوار ہاتھ میں لیکر قریش کے سرداروں کے سامنے اسلام کا اظہار فرمایا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار کی برکت تھی کہ اس کے بعد اسلام کھلے میدان میں ظاہر ہوا اللہ تعالیٰ کی امداد اسے بہت خوش ہوا۔

فضائل خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم : حدیث شریف میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُحد شریف کو فرمایا ٹھہر جا تجھ پر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔ اس وقت حضور پاک خود اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہم احد شریف پر تھے تو احد شریف متحرک ہوا آپ نے وہی فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔

فائدہ : حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرتبہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر ہے کیونکہ صدیقیت نبوت کے قریب (متصل) ہے۔

فَیَقُوْلُ کہے گا خوشی و سرور سے، کیونکہ جب اسے معلوم ہوگا کہ اسے عملنامہ دائیں ہاتھ میں عطا ہوا ہے تو یقین کرے گا وہ جہنم سے نجات پا گیا اور جنت سے نوازا جائے گا۔ اسی لئے اپنی خوش قسمتی دوسروں پر ظاہر کرے گا تو وہ اسکی خوش بختی سے خوش ہوں۔ **هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ** اے میرے گھر اور قرابت والو اور دوستو میری کتاب لے کر پڑھو، کیونکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں کہ جس سے مجھے رُسوائی ہو۔

فائدہ : تبیان میں ہے کہ یہ کتاب کوئی اور ہوگی عملنامہ والی نہ ہوگی کیونکہ وہ کتاب تو بندے اور اللہ کے درمیان معلوم ہو چکی اب اسے دوسرں کے پڑھنے سنانے کی ضرورت نہیں یہ کتاب صرف مژدۂ جنت پر مشتمل ہوگی۔

فائدہ : خبر میں ہے کہ اہل ایمان کی نیکیاں کتاب کے ظاہر پر اور برائیاں اندر کے حصہ پر مندرج ہوں گی تاکہ اس کے سوا اور کوئی نہ دیکھے جب یہ کتاب بندے کے پاس پہنچے گی، پر لکھا ہوگا کہ میں نے تجھے بخش دیا جب اسے الٹ کر دیکھے گا اس کے ظاہر پر لکھا ہے کہ میں نے تیری نیکیاں قبول کیں تو فرط مسرت سے کہے گا **هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ** لاؤ میری کتاب کو پڑھو یعنی اے میرے یارو لاؤ اور اسے پڑھکر سناؤ (عین المعانی)

حل لغات کہا جاتا ہے "ہاؤ یا رجل (بفتح الهمزه) ہاؤِ یا امرأة (بکسر الهمزه) وہاؤ ما یا رجلان وهاؤما یا امرأتان وہاؤم یا رجال وہاؤن یا نسوة" بمعنی خُذ خذا خذوا خذی خذا خذن۔ بمعنی پکڑ لے مرد یا عورت، ایک یا دو یا جمع اس کا مفعول محذوف ہے اور کتابی اِقْرَءُوْا کا مفعول ہے کیونکہ وہ دو عاملوں میں سے قریب ہے فلہٰذا یہی اقویٰ ہے کیونکہ یہ بمنزلہ علت قریبیہ کے ہے اس کا اصل " ہاؤم کتابی اقرؤا کتابی" تھا۔

پہلا کتابی محذوف ہے بوجہ ثانی کی دلالت کے، اسکی نظیر قرآن مجید میں ہے سکندر نے کہا " آتونی اُفرغ علیہ قطراً " (میرے پاس لاؤ میں اس پر تیل ڈالوں) ایہ بھی دراصل " آتونی قطراً افرغ علیہ قطراً " تھا۔ ہا وقف واستراحت و سکتہ کی ہے۔ وقف کے وقت ثابت رہتی ہے وصل کے وقت سکتہ کی طرح گرجاتی ہے جیسے سکتہ کی ہا کا قاعدہ ہے کیونکہ حرکت کی حفاظت کے لئے لائی جاتی ہے یعنی اس لئے آتی ہے تاکہ موقوف علیہ کی حرکت محفوظ ہو جائے کیونکہ اگر یہ نہ آتی تو اس کی حرکت وقف کے وقت گرجاتی اسی لئے اس کی وجہ سے وہ وقف کے وقت بھی ثابت رہتی ہے ہاں وصل کے وقت اس کی ضرورت نہیں ہوتی حالانکہ اس کا حق یہ تھا کہ وہ وقف میں ثابت رہتی اور وصل کے وقت گرجاتی لیکن چونکہ قراءِ سبعہ (رحمہم اللہ) تمام مقامات پر وقف و وصل میں ہر جگہ اس کے اثبات پر متفق ہیں۔ وصل کو وقف کے قائم مقام اور رسم امام کے اتباع کر کے کیونکہ مصحف امام میں ہر جگہ یہ ثابت رکھی گئی ہے مثلاً کتابیہ، حسابیہ، مالیہ، سلطانیہ، ماھیہ (سورۃ القارعۃ) اور وہ پڑھنے میں ثابت ہے تو لفظ میں بھی ثابت ہونی چاہئے لیکن حمزہ رحمہ اللہ (قاری) نے وصل میں ہر تینوں کلمات میں اسے ساقط فرمایا ہے وہ تین کلمات یہ ہیں مالیہ، سلطانیہ، ماھیہ اور اسے وقف میں اصل ہا، پر ثابت رکھی ہے اور کتابیہ و حسابیہ میں اصل پر عمل نہیں کیا اور اسے دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے تاکہ دونوں لغتیں جمع ہوں۔

مسئلہ: اس تقریر سے ثابت ہوا کہ وقف مستحب ایثار الوقف ہے وصل کی اتباع کے لئے اور اس کا وصل میں ثابت رکھنا صرف مصحف کی اتباع کی وجہ سے ہے۔

فائدہ: قاموس میں ہے کہ سکتہ کی ہا، وہ ہے جو کسی کلمہ کو لاحق ہو حرکت یا حرف ظاہر کرنے کے لئے، جیسے ماھِیَہ و ہا ہُنَاہُ اصل اس میں یہ ہے کہ اس پر وقف ہو۔ اور وقف کی نیت سے بہت سی جگہوں پر وصل ہو کر بھی آتی ہے۔

قاعدہ: یہ ہا، (سکتہ) ساکن ہوتی ہے اسے متحرک پڑھنا لحن (خطاء) ہے کیونکہ متحرک (ہا) پر وقف ناجائز ہے

فائدہ: سکتہ کی ہا، قرآن مجید میں سات مقامات پر ہے (۱) لَمْ يَتَسَنَّهْ (۲)، فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (۳)، كِتَابِيَهْ (۴) حِسَابِيَهْ (۵) مَالِيَهْ (۶)، سُلْطَانِيَهْ (۷)، مَاهِيَهْ

فائدہ: قاضِيَہ و ہَاوِيَہ و خَاوِيَہ و ثَمَانِيَہ و عَالِيَہ و دَانِيَہ اور ان جیسی اور ہا، وہ دراصل تا، تانیث ہے ان کو وقف کے وقت ہا، پڑھا جاتا ہے اور وصل کے وقت تا، پڑھی جائیگی۔ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ بے شک مجھے یقین ہے کہ میں حساب کو ملوں گا۔ الحساب بمعنیٰ المحاسبہ آخرت میں بندوں کے اعمال کی گنتی خیر ہوں یا شر جزا و سزا دینے کے لئے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں نے جان لیا اور یقین کیا کہ حساب الٰہی کے دفتر میں میرا حساب کے لئے سامنا ہوگا اور میں آخرت میں حساب دوں گا یعنی میں نے جانا اور میرا ایمان تھا کہ میرا

حساب کریں گے اس کے لئے میں مستعد اور تیار تھا۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "الظن" نام ہے اس شئے کا جو کسی علامت سے حاصل ہو جب وہ قوی ہو تو وہ علم تک پہنچا دیتا ہے اور کمزور ہو تو توہم کی حد سے متجاوز نہیں ہوتا

فائدہ : اس سے اس قائل کے قول کا پتہ چلا جو ظن کو بھی یقین سے موسوم کرتا ہے اس لئے کہ ظن ہی یقین کو جنتا ہے اور اس کے علم سے اس لئے تفسیر کی جاتی ہے کہ بعث و حساب وہ عقائد ہیں جن پر ایمان واجب ہے اور یقین کے بغیر ایمان نہیں ہوتا۔

فائدہ : حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں بحث ہے وہ یہ کہ مقلد کا ایمان بھی معتبر ہے اور علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ ظن غالب جس میں نقیض کا احتمال تک نہ کھٹکے ایمان کے لئے کافی ہے پھر اس میں یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ چونکہ بندے کو یقین نہ تھا کہ اس کا حساب آسان ہوگا یا نہ، کیونکہ مؤمن کو الخوف والرجاء کے درمیان رہنا ضروری ہے (اسی لئے اب جبکہ اس کا حساب آسان ہوگیا تو اسے یقین ہوا کہ وہ ناجی اور فائز المرام ہے)

فائدہ : اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ بندے کو گمان تھا کہ اس کا حساب سخت ہوگا کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ جو اس سے غلطیاں سرزد ہوئیں نامعلوم ان کا کیا بنے گا اب جبکہ اللہ نے اس کا حساب آسان فرمایا تو اب اس کے غم ٹل گئے اور پریشانی دور ہوئی۔

تردید از صاحب روح البیان قدس سرہ : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس تقریر میں قرآن مجید کے ظاہر سے عدول لازم آتا ہے اس لئے کہ ظن خود قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ بمعنی یقین آیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے حکایۃً فرمایا قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ان لوگوں نے کہا جنہیں یقین تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ملاقی ہوں گے یہ قائلین آخرت پر ایمان رکھنے والے تھے اور فرمایا وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ اور داؤد (علیہ السلام) نے یقین کیا کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے یعنی انہوں نے علامت قویہ سے جانا اور یقین کیا

فائدہ : قاضی (بیضاوی رح) نے فرمایا کہ علم کو ظن میں تعبیر کرنے میں خبر دینا ہے کہ ایسا ظن اعتقاد کو مضر نہیں کیونکہ نفس میں وہ جو خطرات گھیرے رہتے ہیں ان سے علوم نظریہ میں سے اس کا کوئی خالی نہیں اسی لئے اگر علم استدلالی کے لئے ظن استعارہ کیا گیا ہے (تو کونسا حرج ہوا) کیونکہ علم استدلالی خطرات و وساوس سے خالی نہیں وہ خطرات و وساوس جو ذہول کے وقت اسے دلیل کی طرف لے جانے سے وارد ہوتے ہیں ہاں علوم ضروریہ وکشفیہ وہ اضطراب سے خالی ہیں۔

فائدہ : کشاف میں ہے کہ ظن علم کے قائم مقام ہوا کرتا ہے کیونکہ عموماً عادات و احکام میں ظن غالب

علم کے قائم مقام ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے "اَظُنُّ ظَنًّا کَالْیَقِیْنِ الخ" میرا گمان یقین جیسا ہے کہ یہ امر یوں ہوگا۔
فَهُوَ وہ جو کتاب دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ فِیْ عِیْشَةٍ عیش میں ہے، عیش کی ایک قسم۔

حلِ لغات

العَیش (بالفتح) ایسے ہی العیشۃ والمعیش والمعیشۃ بمعنی جینا (فارسی میں زیستن) بعض علماء نے فرمایا کہ اگر مکسور العین ہو تو اس میں "تا" کا ہونا ضروری ہے جیسے عیشۃ اور عیش حیوان کی زندگی سے خاص اور الحیاۃ سے زخص ہے کیونکہ الحیاۃ انسان اور حیوان اور فرشتہ کے لئے کہا جاتا ہے۔ العیش سے ہی المعیشۃ مشتق ہے وہ شئے جس سے عیش حاصل ہو۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ نہیں عیش مگر آخرت کا عیش۔ رَّاضِیَةٍ پسندیدہ، وہ عیش پسندیدگی والا جس سے زندگی بسر کرنے والا خوشی پائے اس میں نسبت کا معنیٰ ہے کیونکہ یہ صیغہ نسبت کا فائدہ دیتا ہے۔

نسبت کی اقسام: نسبت دو قسم ہے (۱) بالحرف جیسے مکی، مدنی (عربی، عجمی) (۲) بالصیغہ جیسے لَابِنٌ (دودھ والا) تامر (کھجور والا)، اور یہ بھی جائز ہے کہ فعل اسکی علت بنائی جائے اور یہ کہا جائے کہ وہ فعل اسی علت والے کے لئے ہے اس تقریر پر یہ اسناد مجازی کے قبیل سے ہوگا دونوں وجہوں کا مآل یہی ہے کہ وہ عیش پسندیدہ (من بھاتا) ہوگا اور ہماری مذکورہ بالا تقریر سے یہ معنیٰ بھی ہوا وہ عیش فی نفسہ راضی ہے گویا وہ اپنے عموم کی وجہ سے وہ اس سے راضی ہے جس میں وہ ہے یہ بھی مجازی معنیٰ ہوگا یا رَاضِیَة بمعنی مَرْضِیَّة جیسے مَاءٍ دَافِقٍ بمعنی مَاءٍ مَدْفُوْقٍ "ٹپکا ہوا"۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ راضیہ یعنی خوشگوار، رچتا بچتا، میل کچیل کی ملاوٹ سے صاف اور ڈر کے خطرات سے دُور۔ خلاصہ یہ کہ وہ زندگانی کدورت سے صاف اور حرمت وحشمت سے مقرون ہو گی وہ اس لئے عیشہ مرضیہ تین امور پر مشتمل ہوتی ہے۔

(۱) نفع دینے والی اور شوائب (ملاوٹوں) سے صاف

(۲) دائمی کہ اس کے زوال وانقطاع کا خطرہ نہ ہو

(۳) جو اس سے راضی ہے اسکی تعظیم وتکریم مراد ہو، ورنہ وہ استہزاء واستدراج ہوگا، اور جس کے سیدھے ہاتھ میں عملنامہ دیا جائے گا اس کا عیش ان تینوں امور کا جامع ہوگا اور وہ اسے خوب من بھاتا پسندیدہ ہوگا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا وہ ایسی زندگی بسر کریں گے کہ ان پر موت نہیں آئیگی اور تندرست رہیں گے کبھی بیمار نہ ہوں گے ہمیشہ نعمت وراحت میں ہوں گے ان کو کسی قسم کا غم والم نہ

جائے گا۔ فِیْ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ باغ میں جس کے مکان بلند ہیں کیونکہ وہ آسمان میں ہیں جیسے دوزخ سافلہ (نیچی) ہے کیونکہ وہ زمین کے نیچے ہے یا وہ باغ بلند درجات والا ہے یا بلند عمارتوں اور اونچے درختوں والا ہے۔ اب عالیہ ان صفات سے ہوگی جو جاری ہے اوپر اسس عیر کے جو یہ صفت اس کے لئے تھی اور وہ عیشۃ سے باعادۂ جار بدل ہے اور عیشۃ سے بھی متعلق ہو سکتی ہے یعنی وہ من بھاتی زندگی بسر کرے گا باغ بلند مکان والے میں۔ قُطُوْفُهَا جس کے خوشے، ثمرات۔

حل لغات

قطوف قطف بالکسر کی جمع ہے وہ جو جلدی سے چنی جائے۔ القطف (بالفتح) مصدر ہے حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قطف میں جلدی چننے کا مفہوم ہے۔

فائدہ: حضرت ابن الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سرعۃ کا معنیٰ ہے کہ ان کا کاٹنا یکبارگی ہوگا۔ القاموس میں ہے کہ القطف (بالکسر) بمعنی خوشہ اور ثمار مقطوعۃ کٹے پھلوں کا اسم ہے یہاں اس توجیہہ کی ضرورت نہیں کہ یہاں یہ معنیٰ غالب ہے کہ قطف تمام وہ ثمرات جو چنے جاتے ہیں انگور ہوں یا کوئی اور۔ دَانِیَۃٌ جھکے ہوتے۔

حل لغات

دَانِیَۃٌ دُنُوٌّ سے ہے بمعنی قرب یعنی خوشے کے خواہشمند کو قریب ہوں گے یعنی وہاں چننے والے کا ہاتھ پہنچ سکے گا۔ کھڑے ہو کر چنے یا بیٹھ کر یا لیٹ کر بغیر کسی تکلیف کے حاصل ہو جائیں گے بعض نے کہا ان کے حصول میں تاخیر نہیں ہوگی جب چاہیں گے حاصل کر لیں گے یہانتک کہ اگر وہ چاہے گا کہ وہ خود بخود اس کے منہ میں آجائیں تو بھی۔ دنیوی ثمرات کی طرح نہیں ہوں گے کہ ان کے چننے اور حاصل کرنے میں اکثر تکلیف اور مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور یہ بھی نہیں کہ باری باری کھانے اور حاصل کرنیکا موقع ہو۔

فائدہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ جنت کے ثمرات انسان کی صورت میں ہوں گے کہ اس کا اصل (جڑ) سر ہے اور وہ اوپر ہے اور پاؤں اسکی ٹہنیاں ہیں اور وہ نیچے کی طرف ہیں ایسے ہی اشجار الجنۃ کے اصول (جڑیں) اوپر کو ہوں گی اور ٹہنیاں نیچے لٹکی ہوں گی اسی لئے جنتی ان کے توڑنے میں تکلیف نہیں اٹھائیں گے علاوہ ازیں جنت کے میوے جنتی کے ارادہ پر ہوں گے کہ وہ بلا مشقت جس طرح چاہے انہیں صرف کرے۔ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا کھاؤ اور پیو۔ یہاں قول محذوف ہے (یعنی ہم یا فرشتے کہیں گے) جمع کا صیغہ بعد صیغہ غائب (ھُوَ) باعتبار معنیٰ کے ہے اور امر امتنان و اباحت کا ہے نہ کہ تکلیف کا کیونکہ آخرت دار التکلیف نہیں اور اکل و شرب کا اجتماع اس لئے ہے کہ دونوں گویا سگے بھائی ہیں کہ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے اسی لئے یہاں ملابس دلباس کی ضروریات) کا ذکر نہیں اگرچہ دوسری جگہ اس کا بھی ذکر ان کے ساتھ آیا ہے گویا کہا جائے گا انہیں جو سیدھے ہاتھ میں کتاب دیئے جائیں گے طعام اور ثمار جنۃ سے کھاؤ اور اس کے شراب پیو۔ هَنِيْئًا رچتا ہوا کھانا پینا رچتا ہوا کہ حلقوم میں پہنچکر ناگواری پیدا نہ کرے۔ هَنِيْئًا دونوں (اکل و شرب) کی صفت اس لئے ہے

کہ مصدر تثنیہ کو بھی شامل ہوتا ہے۔

حل لغات یہ "ہنؤ یہنأ یہنؤ یہنئ ہنارۃ وہنارٌ" سے ہے یعنی وہ شئے رچتی پچتی ہو گئی۔ فہو ہنیئٌ اور یہنئ اسی سے ہے جو ترکی زبان میں پختہ طعام کو کہا جاتا ہے اور عجمی اسے خاء سے بولتے ہیں یعنی یخنی جیسے مثنوی شریف میں ہے ؎

ویں پراز بہر میان روز را ∴ یخنیٔ باشد شہ فیروز را

ترجمہ: یہ پختہ طعام دن کو چاہئے اور یخنی شہِ فیروز کے لائق ہے۔

فائدہ: ہنارۃٌ (خوشگواری) کا اسناد اکل و شرب کی طرف مجازاً بطور مبالغہ ہے کیونکہ وہ دراصل ماکول و مشروب خوشگوار ہوتے ہیں نہ کہ اکل و شرب اور وہ جو یا پیتے وقت کہا جاتا ہے۔ ہنیئاً ایسے دوسری چیزوں کے کھانے پینے کے وقت اس سے صحت و عافیت مراد ہوتی ہے۔ کیونکہ اکثر سائغ (خوشگوار) سے حظ پانا صحت و عافیت سے ہی ہوتا ہے۔ (بیمار کو کیسی خوشگواری) بِمَا اَسْلَفْتُمْ بالمقابل ہے اس کے جو تم نے نیک اعمال آخرت کے لئے بھیجے یا ان کا بدلہ یا ان کے سبب سے ہے۔

حل لغات الاسلاف بمعنی اس امید پر کوئی شئے آگے بھیجنا کہ اس سے بہتر ملے گی یہ اقراض (قرض دینا) کی طرح ہے اسی سے ہے جو کہا جاتا ہے "اَسْلَفَ فِی کَذَا" اس نے اس میں اپنا مال آگے بھیجا۔ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَہ گذشتہ ایام میں یعنی دنیا میں۔

فائدہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ روزے کے دنوں میں، اب معنیٰ یہ ہوا کہ کھاؤ پیو یہ بدلہ ہے اس کا جو تم نے ایام صیام میں اللہ کی رضا میں خود کو کھانے پینے سے روکے رکھا بالخصوص گرمیوں کے دنوں میں یہی زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ جزاً کا بدلہ اسکے عمل کی جنس اور اس کے مناسب موزوں ہوتا ہے۔ جیسے کہ بعض اکابر نے فرمایا اسی لئے یہاں اشہدوا واسمعوا نہیں فرمایا تو ثابت ہوا کہ جیسا عمل کیا ویسی جزاء ملی اسکی نظیر دوسری جگہ یہ فرمایا "فَالْیَوْمَ نَنْسٰھُمْ کَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِھِمْ ھٰذَا" آج ہم ان سے توجہ ہٹالیں گے جیسے انہوں نے ہمیں دنیا میں بھلایا اور فرمایا "اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ" اس جیسی دیگر آیات۔

حکایت ایک بندۂ خدا کو خواب میں دیکھا گیا اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا فرمایا مجھ پر رحم فرمایا اور فرمایا کہ اے وہ میرا بندہ کھا جو تو نے نہیں کھایا تھا اور پی کہ تو نے نہیں پیا۔ یہاں یہ نہ فرمایا کہ کھالے وہ کہ تو نے ساری رات تلاوت قرآن پاک میں گذاری اور پی کہ تو نے جنگ کے دن پیٹھ نہیں دکھائی اور یہ حکمت کا مقتضا کے خلاف ہے۔ (مواقع النجوم)

حدیث قدسی شریف: اللہ تعالیٰ قیامت میں بندگان خاص کو فرمائیگا کہ اے میرے دوستو! میں نے تمہیں

بھی ہو سکتا ہے اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ "بیشک ان کے رب کا عذاب سے مامون نہیں۔ یعنی عذاب خداوندی ایسا نہیں کہ اس سے بے خوفی ہو یہ جملہ معترضہ اس لیے ہے کہ کسی کو لائق نہیں کہ وہ عذاب الٰہی سے بے خوف رہے اگرچہ وہ عبادت وطاعت میں کتنا ہی مبالغہ کرتا ہو بلکہ خوف ورجا کے درمیان رہے کیونکہ کوئی اپنی عاقبت وانجام کو نہیں جانتا۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ والذین هم الخ سے وہ دیندار اہل خوف مراد ہیں جو مقام نفس میں نور قلب سے نفس سے روگردان ہیں نہ وہ جو نفس کی موافقت کرنے والے یا وہ جو لوگ مراد ہیں جو حجاب ومحرومی کے عذاب سے زندگی بھر ڈرتے رہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان عذاب ربهم غیر مامون اور یہ بھی ایک عذاب ہے جو انسان عجب نفس کے مرض میں مبتلا ہو کیونکہ یہ بھی موبقات (تباہ کنندگان) سے ہے اور نار جحیم میں واقع کرنے والوں سے ہے اور نار جحیم سے عقاب کی جحیم ہے (ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں)

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ "اور وہ جو اپنے فروج۔

حل لغات الفرج مرد اور عورت ہر دونوں کے ستر کو کہا جاتا ہے یعنی اگلا ستر گفتگو میں ادب کو ملحوظ رکھ کر اسی لئے کہا جاتا ہے انسان کا ادب اس کے سونے سے بہتر ہے اور جار حافظون کے متعلق ہے حٰفِظُونَ "حفاظت کرنے والے" زنا سے بچنے والے ارتکاب حرام سے اس لئے کہ حفظ الفرج عفت سے کنایہ ہوتا ہے اِلَّا عَلٰی علیٰ بمعنی من ہے جیسے کتب نحو میں ہے اَزْوَاجِهِمْ مگر اپنی ازواج پر۔ ان کی عورتیں جو ان کے نکاح میں ہیں۔ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ یا جو ان کے سیدھے ہاتھوں کی ملک ہیں) یعنی کنیزیں ان کے حلال ہونے کے دوران جیسے طہر از حیض ونفاس اور استبرا کی مدت کا گذر جانا ان کو ملکت سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ اتنا کم مرتبہ ہیں کہ گویا غیر ذوی العقول ہیں یا ان کی انوثیت کی وجہ سے اس لئے کہ ان کی کم عقلی کا تقاضا ہے کہ ان کے لئے صیغہ ذوی العقول مستعمل ہو یا اس میں اشارہ ہے کہ حفاظت کے لائق مرد ہیں کہ وہ خود کو محفوظ کریں اور ان کی عزت کی حفاظت کریں۔ فَاِنَّهُمْ بے شک وہ حفاظت کرنے والے غَيْرُ مَلُومِيْنَ "ملامت کئے ہوئے نہیں"۔ ان کی عدم حفاظت میں کیونکہ ان پر ان کا حق شرعی ہے) فلہٰذا ان سے ان پر کوئی ملامت نہ ہوگی۔ نہ دنیا میں ان سے مواخذہ ہے نہ آخرت میں عذاب ہے۔

نکتہ جو غیر شرعی طور ان کی حفاظت میں دخل انداز ہوتا ہے تو جب وہ دنیا میں لائق ملامت ہے تو آخرت میں اس کے عذاب کا کیا حال ہوگا۔

فَمَنِ ابْتَغٰى (تو جو طلب کرتا ہے) اپنے نفس کے لئے وَرَاءَ ذٰلِكَ (اس کے ماسوا جو مذکور ہوا یعنی نکاح کے ساتھ نفع اٹھانا اور ملک یمین

مسئلہ نکاح کی چار عورتیں ہیں آزاد اور ملک یمین کی کوئی حد نہیں ۔

فَاُولٰٓئِكَ پس طلب کرتے والے هُمُ الْعٰدُوْنَ وہی حد سے بڑھنے والے ہیں حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے تجاوز میں کامل اور اس کی انتہا کو پہنچنے والے ہیں۔

حل لغات عدا یعدو بمعنی تجاوز۔ العدو فی الظلم ظلم میں حد سے تجاوز کیا۔

مسئلہ لواطت اور جانوروں سے وطی اور زنا اسی حد کے تجاوز میں داخل ہیں۔

مسئلہ بعض نے کہا کہ ہاتھ سے منی نکالنا (استمنا) بھی اسی میں داخل ہے۔

شان نزول مروی ہے کہ بعض عربی سفروں میں مختلف طریق سے منی خارج کرتے تھے ان کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے جو نکاح کی طاقت نہیں رکھتا اس پر لازم ہے کہ وہ روزے رکھے

مسئلہ اسی لئے مالکیہ نے استدلال کیا ہے کہ استمناً ہاتھ وغیرہ سے منی نکالنا حرام ہے اس لئے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح کی طاقت نہ ہونے پر روزے رکھنے کا حکم فرمایا ہے تاکہ شہوت فرو ہو اگر استمناً مباح ہوتا تو اس کی طرف معمولی اشارہ فرماتے کیونکہ بہ نسبت روزے کے آسان تر ہے۔

مسئلہ بعض ائمہ نے استمنا کی اباحت بتائی ہے۔

مسئلہ الخلاصہ کی روایت میں ہے کہ اگر روزے دار نے روزہ کی حالت ذکر کو ہاتھ سے بار بار ٹٹولنے سے منی نکالی تو اس پر کفارہ نہیں صرف ایک روزہ کی قضا ہے۔

فائدہ اباحت کا فتویٰ حنابلہ کا ہے۔

مسئلہ بعض احناف کے نزدیک شہوت کو فرو کرنے کے لئے (نہ کرے گا تو زنا وغیرہ میں مبتلا ہو جائے گا) استمناً جائز ہے اور فرمایا۔ ارجوان لا یکون علیہ وبال امید ہے اس پر وبال (فی الآخرۃ) نہ ہوگا (یہ کسی بعض کا خیال ہے ورنہ احناف کے نزدیک استمناً ناجائز ہے شہوت کی تسکین روزہ کے سوا اور کوئی بہتر تدبیر نہیں۔ (تحقیق الاستمناً بالید) حواشی البخاری میں حرام ہے جس کا ثبوت قرآن و حدیث میں ہے۔

ف اس کا دوسرا نام جلق ہے عموماً جوانی کے جوش و جنون سے اس بیماری میں بعض نوجوان مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جسمیں شرعی قباحت کے علاوہ جوانی کے لئے یہ بیماری بھی تباہ کن ہے فقیر نے اس کی خرابیوں کے پیش نظر ایک رسالہ لکھا ہے "استمناً و جلق معروف جوانی سوز بیماری اس کا مطالعہ نوجوانوں کو ضروری ہے۔

۱۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا والذین لفروجھم الی ان قال ھم العادون یعنی حلال طریقوں کے ماسوا باقی کا ارتکاب کرنے والے ظالم اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں یعنی حلال کو چھوڑ کر حرام فعل کرنے والے ہیں۔

فائدہ البغوی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ استمناً حرام ہے۔

استمناً بالید والوں پر عذاب: حضرت ابن جریج نے حضرت ابن عطا رضی اللہ عنہ سے سنا کہ قیامت میں ایک قوم حاملہ ہو کر اٹھے گی میرا گمان ہے کہ وہ یہی (استمناً بالید کا ارتکاب کرنے والے) ہوں گے۔

سزا یافتہ قوم حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو عذاب میں مبتلا فرمایا جو اپنے مذاکیر سے کھیلتے تھے یعنی ہاتھ سے منی نکالتے۔

مسئلہ استمناً بالید کا ثبوت شرعی کسی کے متعلق مل جائے تو اس پر تعزیر جاری کی جائے جیسے بعض نے کہا۔

مسئلہ بعض روایات میں ہے کہ یہ امام ابو حنیفہ و امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس شخص کے لئے مباح ہے جسے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو یعنی زنا وغیرہ میں ایسے ہی اپنی زوجہ اور کنیز کے ہاتھ سے منی کا نکلوانا مباح ہے (بشرط فتنہ) لیکن قاضی حسین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ عزل (منی خارج کر دینا) کے معنیٰ میں ہے۔

مسئلہ التاتارخانیہ میں ہے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ اس فعل سے ایک سر دوسرے سر سے نجات پا جائے گا (یعنی زنا کرنے سے حد پائے گا۔ یا سنگسار ہوگا لیکن استمناً ایسی سزا سے بچ جائے گا۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کا فیصلہ فقیر صاحب روح البیان قدس سرہ کہتا ہے کہ جو تسکین شہوت پر مجبور ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے اگر اس سے بھی شہوت کا جوش نہیں مرتا تو پھر ذکر کو پتھر مار کر بے کار بنا دے جیسے بعض صلحاً متقین نے کیا جب ان پر شہوت کا غلبہ ہوا اس طرح سے زنا سے بچنا نصیب ہوگا۔ (اگرچہ یہ ائمہ ظواہر کے خلاف ہے لیکن حق زیادہ مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے لیکن حق وہ ہے جو ارشاد نبوی ہے یعنی روزہ رکھنا اگر کسی کا نفس شریر قابو میں نہ آئے تو پھر ورع و تقویٰ کو قریب تر وہی ہے جو ہم نے عرض کیا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ، اور وہ جو اپنی امانتوں اور عہد کی حفاظت کرتے

ہیں، یعنی ان کے حقوق میں خلل نہیں ڈالتے۔

تحقیق امانت: امانت اسم جنس ہے وہ شے جس پر انسان کو امین بنایا جائے اللہ تعالیٰ سے وہ دین کی امانات جیسے شرائع اور احکام کہا جاتا ہے مخلوق سے وہ امانتیں جو بندے اس کے پاس حفاظت کے لئے رکھیں جمع کا صیغہ اختلاف الورع کی وجہ سے ہے اسی طرح عہد اللہ تعالیٰ کے عہد کو بھی شامل ہے اور لوگوں کے عہد کو بھی یعنی وہ عقد اللہ تعالیٰ کے اپنے اوپر لازم کرے ایسے بندوں کے لئے اور یہ معاہد (بالکسر) معاہد (بالفتح) دونوں کی طرف مضاف ہوتا ہے یہاں اس کی اضافت فاعل کی طرف بھی جائز ہے مفعول کی طرف بھی۔

عہد و امانت کا فرق سیدنا جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اگر اس کی محافظت جوارح اعضا سے ہو تو اس کا نام امانت ہے اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ قلب کی حفاظت علی التوحید ہو تو اس کا نام عہد ہے اور کسی شے کی حفاظت و اصلاح پر قیام ہو تو اس کا نام رعایت ہے۔

فائدہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امانت کی خیانت اور بات کرتے وقت جھوٹ بولنے اور معاہدہ کے بعد دھوکہ اور جھگڑا کے وقت فجور کو منافقت بتایا ہے ؎

اگر می باید از آتش امانت

فرو مگذار قانون امانت

ہر عہدے کہ می بندی وفا کن

رسوم حق گذاری را ادا کن

ترجمہ: اگر تمہیں دوزخ سے امان چاہیئے تو قانون امانت کو ضائع نہ کر۔ جو کسی سے معاہدہ کرو اسے پورا کرو حق کی ادائیگی کی رسوم کو ادا کر۔

کشف القبور اور کلام باہل القبور کا نسخہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو امانت میں خیانت نہ کرے اور لوگوں کے اسرار کو چھپائے تو وہ موتی (مردوں) کی گفتگو اور ان کے عذاب اور نعمتوں کی آواز کانوں سے سنے گا جیسے جانور اہل قبور کا عذاب سنتے ہیں کیونکہ انہیں بولنے کی طاقت نہیں ایسے ہی جو امانت سے موصوف ہوگا وہ اپنے اعضا کی آواز بھی دنیا میں سنے گا کیونکہ یہ بھی زندہ ہیں اسی لئے آخرت میں ان سے شہادت لی جائے گی اور وہ شہادت دیں گے اور ظاہر ہے کہ شہادت عادل اور پسندیدہ شے کی قبول ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس امانت میں اس امانت کی طرف اشارہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کو پیش کی گئی اور یہ امانت کمال المظہر یہ اور تمام صفات الٰہیہ

نیز الست بربکم قالوا بلیٰ کے عہد میثاق کی طرف اشارہ ہے اور اس عہد کی رعایت یہ ہے کہ اپنے رب تعالیٰ کی مخالفات شرعیہ و موافقات طبیعیہ سے مخالفت نہ کرے بعض مشائخ نے فرمایا کہ امانت سے وہ معارف عقلیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کو عجیب الفطرۃ امور سپرد فرمائے ہیں اور عہد سے وہ میثاق مراد ہے جو ازل میں اپنے بندوں سے لیا۔ ان کی یوں رعایت کرتے ہیں کہ اسی فطرۃ کو غواشی طبعیہ اور خواہشات نفسانیہ کے دھوئیں سے غبار آلود نہیں کرتے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآىِٕمُوْنَ اور وہ جو اپنی گواہیوں پر قائم ہیں با قائمون کے متعلق ہے تعدیہ کی ہو یا ملابست کی اور شہادات کی جمع با عتبار انواع شہادت کے ہے۔ یعنی اسے عدل کے ساتھ قائم کرتے اور دقت پر ادا کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے حقوق کا احیا ہو اس کے قیام سے احکام کے وقت اس کی ادائیگی مراد ہے کسی پر بھی ہو قریبی رشتہ دار ہو یا بعیدی شریف ہو یا ذلیل۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں سورج کی طرح بات روشن ہو تو اس کی گواہی دو ورنہ چھوڑ دو۔

نکتہ شہادت امانت میں مذکور ہونے کے باوجود اس کا علیحدہ ذکر اس کی فضیلت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اس کے قائم کرنے میں حقوق کا احیاء اور تصحیح ہوگی اور اس کے چھپانے میں حقوق کی تضیع اور ابطال ہوگا۔

مسئلہ فتح الرحمٰن میں ہے کہ تحمل شہادت فرض کفایہ اور اس کی ادائیگی فرض عین ہے جب اس پر معین ہو اور گواہی کی اجرت بالاتفاق ناجائز ہے جب اسے مدعی طلب کرے اور قاضی (حاکم) اسے قریب ہے تو چلکر گواہی دے اگر آدھے دن کے سفر کی مسافت پر دور ہے تو اس کے لئے اجر لینا گناہ نہیں۔ کیونکہ اتنے سفر سے اسے ضرر لاحق ہوگا۔

مسئلہ اگر گواہ پیدل چل کر گواہی دینے کی قدرت رکھتا ہے لیکن مدعی نے اپنی طرف سے اسے سواری دی تو اس کی گواہی مدعی سے سواری لینے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

مسئلہ پیدل چل کر گواہی نہیں دے سکتا اور مدعی نے اپنی طرف سے اسے سوار کیا تو کوئی حرج نہیں۔ (لاباس بہ ہے) جائز ہے۔

مسئلہ مسلمان کے ظاہری اچھے حال (نیکی)، پر اکتفا کر کے گواہی لینا کافی ہے سوائے حدود و قصاص کے اگر اس پر خصم طعن کرے تو اس کی عدالت (باطنی طور نیکی) کی تحقیق ضروری ہے یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہے صاحبین رحمہما اللہ نے فرمایا کہ سراً و علانیۃً اس کی نیکی کا سوال جملہ حقوق میں

ضروری ہے اسی پر فتویٰ ہے۔

فائدہ بعض نے توحید کی شہادۃ کو بھی اسی آیت میں داخل فرمایا ہے چنانچہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ قائم ہیں ساتھ حفاظت اس کے جو انہوں نے ان لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی گواہی دی اور اقرار کیا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے نہ افعال میں نہ اقوال میں۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے شاہد من العلم کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہیں یعنی جس کی گواہی دی تو اس کے حکم پر قائم ہوئے اور اپنے مشاہد کے حکم سے نہ کہ اس کے غیر سے صادر کیا۔

وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلٰوتِہِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ اور وہ جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں نماز کی تقدیم اختصاص کا فائدہ دیتی ہے جو دلیل ہے اس بات کی محافظت صرف نماز پر مقصور ہے اس سے ان کی حفاظت امور کی کی طرف تجاوز نہیں کرتی یعنی وہ اس کی شرائط کی رعایت اور اس کے فرائض وسنن و مستحبات و آداب کی تکمیل کرتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے، اسے ضائع کر دینے سے گناہوں کے ارتکاب سے۔

فائدہ اوّل میں نماز کا دوام کا ذکر نمازوں کی ذات کی وجہ سے تھا اب حفاظت کا ذکر ان کے احوال کی وجہ سے ہے۔

فائدہ المفردات میں ہے کہ اسمیں تنبیہ ہے کہ وہ لوگ نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ان کے اوقات و ارکان کی رعایت کرکے اور انہیں قائم رکھتے ہیں جیسے کہ وہ ان کے گلے کا ہار ہے کیونکہ خود نماز بھی ان کی حفاظت کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **ان الصلٰوۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر** بیشک نماز فحش اور برائی سے روکتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے جو نماز کی محافظت کرتا ہے تو وہ نماز قیامت میں اس کے لئے نور و برہان و نجات ہوگی اور جو نماز کی محافظت نہیں کرتا تو قیامت میں اس کے لئے نہ نور ہوگا نہ برہان نہ نجات بلکہ وہ قیامت میں قارون و فرعون و ہامان اور ابی بن خلف (کافروں) کے ساتھ ہوگا۔

فائدہ ابی بن خلف وہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُحد کی جنگ میں گردن پر تیر مارا تو مکہ معظمہ کے راستہ میں مرگیا بہت شدید کافر ابوجہل سے بھی بڑھ کر سرکش تھا اس پر اتنی دلیل کافی ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں مارا گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک سے سوائے اس کے کسی اور کو قتل نہیں کیا۔

فائدہ بعض علمائے کرام نے محافظت کو ادامہ (مداومت) میں شامل فرمایا ہے جیسا کہ حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اس معنی پر یہ تعمیم بعد التخصیص کے قبیل سے ہوگی فائدہ کی تتمیم کے لئے اور خبردار کرنا ہے کہ نماز وہ واجب ہے جو ایمان کے بعد سب سے اوّل اسی کی ادائیگی واجب ہے اور تمام واجبات و فرائض میں وہ آخری فریضہ ہے کہ جس کی رعایت ضروری ہے (جیسے گذرا) بعض علماء نے فرمایا کہ دائمون میں دوام کا تعلق فرائض سے اور حافظون میں محافظت کا تعلق نوافل سے ہے۔

فائدہ خلاصہ یہ کہ نماز کے ذکر میں تکرار اور ان کی وصف اوّل میں بھی نماز سے اور آخر میں بھی نماز سے دو اعتباروں سے ہے۔

(۱) اس کی فضیلت پر دلالت۔

(۲) تمام طاعات پر اس کی فوقیت اور اسماء موصولہ کا تکرار بھی اسی لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ اختلاف الصفات بمنزلہ اختلاف الذوات کے ہے۔ نیز تاکہ تنبیہ ہو کہ ان صفات میں سے ہر صفت اس لائق ہے کہ اس کے لئے ایک علیحدہ مستقل موصوف ہو کیونکہ یہ ہر ایک صفت بہت بڑی شان والی ہے یہ نہیں کہ کون سی صفت کسی دوسری صفت کی تتمہ ہے

فائدہ بعض نے کہا کہ ان کا عطف تغایر ذاتی سے نہیں بلکہ اعتباری سے ہے کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ دائمین کوئی اور تھے اور محافظین کوئی اور بلکہ اس سے ان اہل ایمان کی مدح مقصود ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھے کہ ان کا اخلاق کتنا بلند تھا اور ان کے کیسے اعمال و افعال پسندیدہ تھے اس میں ان لوگوں کو ترغیب ہے جو قیامت تک آنیوالے ہیں

سوال برہان القرآن میں ہے کہ الا المصلین الخ سورۃ مؤمنین (پ۱۸) کے اوّل میں بھی مومن کی خصال محمودہ کا ذکر اسی طرح ہے لیکن اس سورہ معارج میں وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ۝ کا اضافہ کیوں؟

جواب اس لئے کہ یہ شہادت وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ۝ کے بعد واقع ہوئی اور اقامۃ شہادت ایک امانت ہے جسے ادا کرنا چاہیئے جب اس کی اس کے صاحب کو حاجت ہو اس لئے احیاء حق ہے تو سورہ المؤمنین (پ ۱۸) میں اسے منجملہ از امانت بتایا گیا اور یہاں اسے امانت میں ذکر کے بعد خصوصی زیادتی سے بیان کیا گیا ہے چنانچہ الا المصلین الخ کے بعد فرمایا۔ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا والذین ھم الخ وہ لوگ صلوٰۃ القلب کی حفاظت کرتے ہیں یعنی مراقبہ کی یا صلوٰۃ النفس یعنی ظاہری نماز کی اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ تمام قراء اس صورۃ میں صلوٰۃ کے لفظ واحد اور ایسے ہی سورۃ انعام میں صیغہ واحد پر متفق ہیں بخلاف سورۃ المؤمنین (پ۱۸) کے کہ اس میں جمع کا صیغہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ المؤمنین میں اول میں اس کی عظیم وصف بیان فرمائی مثلاً قد افلح الخ اور آخر میں بھی عظیم جزا مذکور ہے یعنی اولئک ھم الوارثون الخ لیکن معارج و انعام (سورۃ) میں یہ بات نہیں اسی لئے سورۃ المؤمنین میں جمع کا صیغہ موزوں ہے اور دوسری سورتوں میں (معارج - انعام) صیغہ واحد - اولئک وہ جنکی صفات فاضلہ مذکور ہوئیں فی جنٰت ایسی جنات میں ٹھہریں گے جن کی صفات و قدر بیان سے باہر اور جن کی کنہ کا ادراک نہیں ہو سکتا مُکْرَمُوْنَ اعزاز والے ہوں گے ثواب ابدی اور جزا سرمدی سے جنہیں آخرت میں اعزاز ملے گا تو گویا آج بھی اسی اعزاز والے ہیں یہ خبر کے بعد خبر ہے یا خبر یہی ہے اور فی جنات اس کے متعلق ہے مقدم ہے فواصل کی رعایت سے یا جنات کا متعلق محذوف اور وہ خبر مکرمون کی ضمیر سے حال ہے کہ دراصل کائنین فی جنات تھا۔

تفسیر عالمانہ فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تو کیا ہوا کافروں کو جو ایسی صفات جلیلہ مذکورہ کے موصوف ہونے سے محروم ہوئے ما استفہامیہ انکاریہ ہے محلاً مرفوع مبتدأ الذین کفروا اس کی خبر ہے لام جار علیحدہ لکھی گئی مصحف عثمان رضی اللہ عنہ کی اتباع میں۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے ابو عمرو (قاری) اور الکسائی نے الف پر وقف کیا نہ کہ لام پر سورۃ نساء میں فمال ھٰؤلاء میں اور سورۃ کہف میں مال ھٰذا الکتاب اور سورۃ فرقان میں مال ھٰذا الرسول میں اور سورۃ سأل میں فمال الذین میں اور باقی قراء نے فمال میں لام پر وقف کیا ہے خط عثمانی (مصحف) کی اتباع میں اور ابن عطیہ نے اکہ ایک جماعت نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے اکہ اسے علیحدہ لکھا جائے) کیونکہ یہ حرف جارہ ہے اور جارہ مجرور کا لجزو ہوتا ہے لیکن یہ بحسب ضرورت اور انقطاع کے وقت کی بات ہے ہاں اگر کوئی ابتداً ہی اس پر (بلا ضرورت و تقاع نفس کے وقف کرے تو پھر جائز نہیں (اس پر سب کا اتفاق ہے۔ قِبَلَكَ تمہاری طرف۔ یہ حال منوی ہے لَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے۔ یعنی انہیں کیا ہے درآنحالیکہ ثابت ہیں ارد گرد تمہارے مُهْطِعِیْنَ ۵ تیز نگاہ سے دیکھنے لئے یہ من قبلک کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے۔

ل لغات الاھراع بمعنی اسراع، مُهْطِعِیْنَ بمعنی مُسْرِعِیْنَ بگردن اٹھاکر تیز دوڑنے والے اور دوڑتے وقت تیری طرف آنکھیں ڈال کر متوجہ ہونے والے ہیں۔

عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ۔ داہنے اور بائیں گروہ کے گروہ۔ جار مجرور عزین کے متعلق ہے

فرقًا شتّٰی متفرق گروہ ۔ یعنی گروہ کے گروہ حلقہ زدگان ۔ کیونکہ یہ بمعنی متفرقین ہے اور عزین حال کے بعد حال ہے منوی ہے لِلَّذِیْنَ میں بمعنی

حل لغات

عزۃ کی جمع ہے بمعنی لوگوں کا ایک گروہ ۔ دراصل عزوۃ تھا از عَزْوٌ بمعنی انتماء و انتساب گویا ایک گروہ اس کی طرف منسوب ہے جو دوسرے گروہ کے منسوب الیہ کا غیر ہے والادقیہ یا مظاہرہ ہیں ۔

شان نزول

کفار جدا جدا ٹولیاں ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اردگرد حلقہ باندھ کر آپکے مبارک کلام کا استہزا کرتے ہوئے کہتے کہ کیا جیسے (حضرت) محمد (مصطفٰے) صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہتے ہیں یہی (غریب و مسکین صحابہ رضی اللہ عنہم) جنت میں جائیں گے یہ جائیں گے تو ہم ان سے پہلے داخل ہوں گے ان کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ۔

حل لغات

اَیَطْمَعُ کیا طمع کرتا ہے ۔

(الطمع) نفس کا میلان ایسی شئے کی طرف جس کی اسے خواہش ہے ویسے اکثر طمع خواہش سے ہوتا ۔

کُلُّ امْرِیٍٔ ہر مرد مِّنْهُمْ انہیں سے یعنی تمہاری طرف تیز نگاہ دوڑنے والے اَنْ یُّدْخَلَ جنّۃ نَعِیْمٍ یہ کہ چین کے باغ میں داخل ہو ایمان سے وہ جنت ایسی ہے کہ جہیں چین کے سوا ہے کچھ نہیں نہ تنغض نہ طبع میلی ہو نہ کھٹی ہو چین ہی چین ہے کَلَّا ہرگز نہیں انہیں زجر و توبیخ ہے اس طمع سے کے لئے خالی ہے یعنی اس طمع کو چھوڑو اور بات ختم کرو ۔ خلاصہ یہ کہ کافروں نے جو کچھ سمجھ لیا وہ بالکل ایسا ہرگز نہیں بلکہ ان کے لئے بہشت کی طرف راہ ہے بھی نہیں ۔

سوال ان کو بہشت کا طمع کیا جبکہ وہ تو جو کہا استہزاً کہا ۔

اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے باخبر ہے ممکن ہے ان میں بعض ایسے ہوں جنہیں جنت کا طمع

جواب اسی معنی پر ردع (کَلَّا) سے قطع طمع ہے ان ضعیف خیال لوگوں کا جو سمجھتے ہیں کہ ممکن ہے کافر بھی بہشت میں جائیں نیز یدخل میں یہ احتمال بھی ہے کہ یدخل صیغہ مجہول از افعال ہو نہ بصیغہ معلوم تو یہی ہے کہ یہ ان کے قول کا رد ہے کہ کہا تھا کہ ہم بہشت میں داخل ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا بہشت میں وہی داخل ہوگا جسے اللہ تعالیٰ داخل فرمائے اور ملائکہ کا حکم ہو کہ اسے داخل کرو علاوہ ازیں سبب بہشت کے داخلہ کا شفاعت (محبوبان خدا ہے) اور شفاعت سے کفار قطعی طور پر محروم ہیں ہے کہ دخول کا اسناد اخبار یا انشاء ان کی طرف ہے جن سے اللہ راضی ہو اور یہ تو اللہ کے مغضوب ہیں

مکرم وہ ہیں جو مؤمن ہیں اوران کے اعمال نیک ہیں ان کے لئے اللہ نے فرمایا اُولٰئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ۔ وہی (مومن اور صالحین) بہشت میں داخل ہوں گے اور فرمایا ادخلوا الجنۃ (اے مومنو نیکو بہشت میں داخل ہوجاؤ۔

نکتہ جنت کی تنکیر میں آگاہ کرنا ہے کہ کفار ہر طرح کی جنت سے محروم ہیں اگرچہ جنان بے شمار ہیں اور اسے نعیم سے موصوف کرنے میں بتایا گیا ہے کہ ہر جنت نعمت سے پُر ہے اور جو جنت کی نعمت سے محروم ہوا وہ سیدھا جہنم کے عذاب میں داخل ہوا۔ اور لفظ کل سے بتانا ہے کہ جو اس قول کے بعد بھی ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ جنت کا طمع کرے ورنہ ردع (کَلَّا) زجر اور رکاوٹ ان تمام کے لئے جو ایمان نہیں لاتے۔

اِنَّا خَلَقْنٰھُمْ بے شک ہم نے انہیں پیدا کیا مِمَّا یَعْلَمُوْنَ ہ اس سے جو وہ جانتے ہیں یہ ایسے ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا ولقد علمتم النشاۃ الاولیٰ اور بے شک تمہیں اپنی تخلیق اولیٰ معلوم ہے۔ اور جملہ مستانفہ ہے اسی لئے سجاوندی نے علامت وقف (کَلَّا) پر رکھی ہے کیونکہ اس کے نزدیک کلام وہاں ختم ہوگیا یہ تمہید ہے مابعد کے لئے جبکہ پہلے قدرت کا بیان فرمایا کہ وہ قادر ہے کہ وہ انہیں ان کے کفر بالبعث والجزا اور استہزا بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَبِمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ اور ان کے دعویٰ ازراہ تمسخر کہ ہم بھی بہشت میں داخل ہوں گے کی وجہ سے ہلاک کرکے ان کے بدلے اور لوگ پیدا کرے کیونکہ وہ قدرت کا مالک ہے جیسے انہیں معلوم ہے کہ اس نے نشاۃ (تخلیق) اول میں انہیں نطفہ سے پھر علقہ سے پھر مضغہ سے پیدا فرمایا یہ اس کی قدرت کی بہت بڑی حجت اور قوی دلیل ہے جیسا کہ اس کے بعد فا فصیحہ کی خبر دیتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بیشک ہم نے پیدا کیا شقاوۃ ازلیہ سے عداوۃ ابدیہ کے لئے بائیں ہاتھ جلالیۃ قہریہ سے پھر وہ کیسے ان کی جگہ پر اتر سکتے ہیں جنہیں ہم نے سعادۃ ازلیہ سے محبت ابدیہ کے لئے دائیں ہاتھ جمالیہ لطیفہ سے پیدا فرمایا یہ تو حکمت الٰہیہ اور ارادہ سرمدیہ کے خلاف ہے ہاں نطفہ اور گل گارہ کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ اسمیں تمام مشترک ہیں۔ اعتبار ہے تو برگزیدگی اور خاصیت فی المعرفۃ کا پس جس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا وہ اللہ تعالیٰ کے جوار میں ہوگا کیونکہ ایسے خوش بخت انسان کے جسم کی مٹی درحقیقت جنت کی ہے اور اس کی روح ملکوت کے نور سے ہے اور جو اس کی معرفت سے جاہل ہے وہ اس سے بعید ہے کیونکہ درحقیقت وہ عالم نار سے ہے اور ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔

تفسیر عالمانہ فَلَآ اُقْسِمُ مجھے قسم ہے اس کے نظائر گذرے ہیں۔ حضرت کاشفی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ فلا پس ایسے نہیں ہے جیسے کافر کہہ رہے ہیں۔ اُقْسِمُ مجھے قسم ہے۔ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ

وَالْمَغٰرِبِ مشارق ومغارب کے پروردگار کی۔

نکتہ مشارق ومغارب جمع کے صیغے اس لئے ہیں کہ ہر سال کی روزانہ نئی مشرق اور نئی مغرب ہوتی ہے اسی لئے سال کی موسم سرما وگرما مشارق ایک سواسی اور مغارب کی ایک سواسی ہے خلاصہ یہ کہ قسم ہے مشارق کے پروردگار کی یعنی سورج کے مشارق کی اور وہ ہر روز نئے نقطہ سے طلوع کرتا ہے اور قسم ہے کہ مغارب کے پروردگار کی یعنی سورج کے غروب کی روزانہ نئی جگہ ہے یا مشرق سے ہر ستارہ کی طلوع گاہ اور مغرب سے اس کی غروب گاہ مراد ہے یعنی مشارق ومغارب سے ہر ستارہ کی مشرق ومغرب مراد ہے۔ جو کہ وہ ایک کا دائرہ افق سے نیا نقطہ ہے۔

فائدہ مشرق سے ہر نبی علیہ السلام کی دعوت کا ظہور اور مغرب سے اس کے وصال کی گھڑی مراد ہے یا مختلف قسم کی ہدایات وخذلانات (رسوائیاں) مراد ہیں۔

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۙ بیشک ہم قادر ہیں۔ یہ قسم کا جواب ہے عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ خَیْرًا مِّنْھُمْ یہ کہ بدل دیں ان سے بہتر۔ یہاں مفعول اول محذوف ہے دراصل نُبَدِّلَ لَھُمْ تھا چونکہ وجہ معلوم ہے اس لئے حذف کیا گیا۔ خَیْرًا مفعول ثانی ہے بمعنی التفضیل بتقدیر تسلیم (جیسے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہتر ہیں ورنہ مشرکین میں خیریت کیسی یا معنیٰ یہ ہے کہ ہم ایک بار انہیں ہلاکت ہیں ڈال دیں جیسے ان کے کرتوتوں کا تقاضا ہے اور ان کے بدلہ میں اور لوگ لائیں جو ان کی صفت پر نہ ہوں تو یہ تبدیلی واقع نہ ہوگی (جیسے مطلوب ہے یہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ڈرانے دھمکانے کے لئے فرمایا ہے تاکہ ایمان لائیں بعض نے کہا کہ یہ تبدیلی ہوگئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں مہاجرین وانصار پیدا فرمادیئے۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِیْنَ ۝ اور ہم سے کوئی نکل کر جا نہیں سکتا۔ مسبوق مغلوب بھی یعنی اگر ہم ایسے کریں (تو کر سکتے ہیں) لیکن ہماری مشیت حکمت بالغہ پر مبنی ہے (اسی لئے نہیں کرتے) کیونکہ اس کا تقاضا ہے کہ کفار کی سزاؤں میں کچھ تاخیر ہو جائے خلاصہ یہ کہ ہم سے کوئی بھی سبقت نہیں کر سکتا اگر ہم کسی معاملہ کا ارادہ کریں تو کوئی بھی نکل کر نہ جائے گا اور نہ ہی ہم مغلوب ہیں کہ وہ امر کسی کے سامنے ظاہر نہ کر سکیں بعض نے مسبوق کا معنیٰ عاجز کیا ہے یعنی جس سے کوئی نکل جائے تو وہ اس کی عجز کی دلیل ہے۔

فَذَرْھُمْ تو انہیں چھوڑ دو انہیں ان کے حال پر رہنے دو۔ یَخُوْضُوْا (وہ بیہودگیوں میں پڑے رہیں) اور باطل امور میں شروع ہوئے منجملہ ان کے ایک وہی جو ان میں مذکور ہوا کہ ہم بھی بہشت میں داخل ہوجائیں گے وغیرہ وغیرہ) یہ امر کا جواب اور کفار کو تہدید وتوبیخ ہے جیسے دوسری جگہ فرمایا اعملوا ماشئتم کرو جو چاہو۔ وَ یَلْعَبُوْا اور کھیلتے ہوئے۔ دنیا میں ان امور میں مشغول ہونا جو انہیں کوئی فائدہ نہ دیں اور

تم اس میں مشغول رہو جس کے تم مامور ہو اور یہ آیت سیف سے منسوخ ہے۔ حَتّٰی یُلٰقُوْا یہاں تک کہ خود ملیں۔ الملاقاۃ سے ہے بمعنی المعاینہ، آنکھوں سے خود دیکھنا۔ یَوْمَهُمُ اپنے اس دن کو۔ نفخہ ثانیہ کے وقت بعث (مرنے کے بعد اٹھنے کے) کے دن اور یہ اضافت ہے کیونکہ وہ دن کل مخلوق کا ہے اور یہ بھی ان میں سے ہیں یا اس لئے کہ قیامت کافروں کا ہے اسی دن سے عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے اور اہل ایمان کا دن ہے کہ اسی دن انہیں ثواب نصیب ہوگا اس معنیٰ پر دو یوم ہے اسی لئے اسے اضافت سے علیحدہ کیا گیا۔ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ جس کا وعدہ دیئے جاتے تھے جیسے آج کہا جاتا ہے یا ہمیشہ انہیں کہا جاتا۔ یہ وعدہ سے ہے کہ جیسے وہ خود کہتے مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ یہ وعدہ کب ہے یہ العبَاد (ڈرانا) ہو تو بھی جائز ہے یَوْمَ یَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ جس دن قبروں سے نکلیں گے۔ یَوْمَهُمْ سے بدل ہے اسی لئے اسے یوم البعث پر محمول کیا گیا ہے۔ الاجداث جدث کی جمع ہے بمعنی قبر۔ سِرَاعًا جھپٹتے ہوئے۔ یخرجون کی ضمیر جمع سے حال ہے۔ سِرَاعٌ سریع کی جمع ہے جیسے ظراف ظریف کی جمع ہے یعنی جھپٹنے والے داعی اور اس کی آواز کی طرف اس سے اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں جو صحرا بیت المقدس پر کھڑے ہو کر نفخ صُور فرمائیں گے۔ کَاَنَّهُمْ اِلٰی نُصُبٍ گویا وہ نشانوں کی طرف۔ مرفوع سے دوسرا حال ہے۔ نصب ہر وہ شے جو پرستش کے لئے ٹانگی جائے۔ بُت وغیرہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دام جس سے شکار کیا جائے (شکار پھنس جانے کے بعد) شکاری اس کی طرف خوب دوڑتا ہے۔ اس کا واحد نصاب ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا ذُبِحَ عَلَی النُّصُبِ (اور وہ جو ذبح کیا جائے تھان پر)۔ عرب کا فروں مشرکوں کی عادت تھی کہ وہ پتھروں کو پوجتے تھے اور ان کے ہاں جا کر جانور ذبح کرتے تھے اخفش نے کہا یہ نصب کی جمع ہے کہ رہن اور انصاب جمع الجمع ہے۔ یُوْفِضُوْنَ۔ لپک رہے ہیں۔

حل لغات

الایفاض، دوڑنا۔ اس کا اصل متعدی ہونا ہے بمعنی یُسْرِعُوْنَ۔ یعنی ان میں کون پہلے اسے ہاتھ لگائے گا اس میں انکے جاہلیت کے حال کی قباحت کا اظہار اور ان کی جہالات کا ذکر کر کے ان سے تہکم مطلوب ہے کہ ان کی کیسی گندی اور غلط عادت ہے کہ ایسی چیزوں کی طرف لپکتے ہیں جو نہ کسی کو نفع دیں نہ نقصان۔

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ۔ آنکھیں نیچی کئے ہوئے۔ یہ یوفضون کے فاعل سے حال ہے اور ابصارھم خاشعۃ کا فاعل ہے بطریق اسناد مجازی کے (یعنی انکی آنکھیں خشوع سے (نیچی ہوں گی) موصوف ہوں گی حالانکہ یہ حالت اس کے سارے جسم کی ہوگی تو چونکہ خشوع کا ظہور و آثار ان میں زیادہ ہوگا اسی لئے انکی تصریح کی گئی ہے۔

فائدہ اب معنی یہ ہوا کہ ان کی آنکھیں ذلیل اور نیچی ہوں گی۔ عذاب کی وجہ سے انہیں اوپر اٹھا کر نہ دیکھ سکیں گے۔

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ" ان پر ذلت چڑھ جائے گی۔ یہ بھی یوفضون کے فاعل سے حال ہے یعنی ان پر شدید ذلت چڑھ جائے گی۔ ذِلَّةٌ" بمعنی خواری وغیرہ۔ ذٰلِكَ یہ یوم مذکور جس میں ہولناک احوال واقع ہوں گے یہ مبتدا ہے اس کی خبر۔ اَلْيَوْمُ الَّذِیْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ وہی دن ہے جس کا وعدہ دیئے جاتے تھے۔ دنیا میں انبیاء و رسل علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبانوں سے اور وہ ان کی تکذیب کرتے تھے۔ اس سے تکرار کا تو ہم اٹھ گیا کیونکہ پہلا وعدہ محمول ہے آنی واستمراری پر جیسے گذرا اور یہ وعدہ ہے زمانہ ماضی پر بقرینہ لفظ کان۔

تفسیر صوفیانہ الذلۃ میں ذلۃ انانیۃ کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ قبور سے اٹھیں گے تو وہ ان صور کی طرف دوڑیں گے جو انکی باطنی ہیئت کے مناسب ہوں گی یعنی انانیت والے نہایت ہی بُری صورت میں ہوں گے کہ ان کے ان کا ظاہر و باطن پر مسخ ہو چکا ہو گا جیسے ابلیس کے لئے ہوا کہ وہ بھی انانیت سے مارا گیا کہ کہا تھا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ تو جیسے ابلیس (شیطان) مقام قرب سے ہٹایا گیا اور اسے بُعد و فراق کی ذلت چڑھ گئی ایسے ہی انانوں میں اس کے ہمنوا کا حال ہے اسی لئے سلف صالحین رحمہم اخلاق سیئہ سے خون کے آنسو بہاتے بالخصوص وہ حضرات جو اپنے میں انانیت محسوس کرتے ہیں کیونکہ وہ یقین کے آثار سے ہے اور توحید حقیقی یہ ہے کہ وہ بندہ اپنے نفس سے فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو جائے۔ اگر انانیت میں سے اسمیں کچھ باقی ہے تو وہ اس کی دلیل ہے کہ اسمیں ناسوتیۃ ہے کیونکہ برتن سے وہی ٹپکتا ہے جو اسمیں ہوتا ہے۔ مبارکباد ہوا سے جس کے اندر سے حق ٹپکتا ہے نہ کہ نفسانیت۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تو ہی مرتبہ عطا فرمائے۔

فراغت صاحب روح البیان: صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سورۃ معارج کی تفسیر سے داخل و خارج کے خالق کی مدد سے ۱ر شوال ۱۱۱۶ھ کو فراغت ہوئی اور فقیر اُویسی غفرلہٗ نے سورۃ المعارج کی تفسیر کے ترجمہ سے ۳ ج ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۴ ردسمبر ۱۹۸۸ء بروز بدھ فراغت پائی۔ الحمد للہ علی ذلک وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ

بہاول پور۔ پاکستان

سُورَةُ نُوحٍ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ | آيَاتُهَا ۲۸ رُكُوعَاتُهَا ۲

سورۃ نوح مکی ہے اس میں | اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا | اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ

بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ ان کو ڈرا اس سے پہلے کہ ان پر دردناک

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١﴾ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢﴾ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ

عذاب آئے اس نے فرمایا اے میری قوم میں تمہارے لیے صریح ڈر سنانے والا ہوں کہ اللہ کی بندگی کرو

وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ﴿٣﴾ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ

اور اس سے ڈرو اور میرا حکم مانو وہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے گا اور ایک مقرر میعاد تک تمہیں مہلت دے گا

مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾ قَالَ رَبِّ

بے شک اللہ کا وعدہ جب آتا ہے ہٹایا نہیں جاتا کسی طرح تم جانتے عرض کی اے میرے

إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ﴿٥﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ﴿٦﴾

رب میں نے اپنی قوم کو رات دن بلایا تو میرے بلانے سے انہیں بھاگنا ہی بڑھا

وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا

اور میں نے جتنی بار انہیں بلایا کہ تو ان کو بخشے انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور اپنے کپڑے

ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ﴿٧﴾ ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ﴿٨﴾ ثُمَّ

اوڑھ لیے اور ہٹ کی اور بڑا غرور کیا پھر میں نے انہیں علانیہ بلایا پھر میں

إِنِّي أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ﴿٩﴾ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ

نے ان سے باعلان بھی کہا اور آہستہ خفیہ بھی کہا تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا

كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠﴾ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا ﴿١١﴾ وَيُمْدِدْكُم بِأَمْوَالٍ

معاف فرمانے والا ہے تم پر شراٹے کا مینہ بھیجے گا اور مال اور بیٹوں سے

وَبَنِينَ وَيَجْعَل لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَل لَّكُمْ أَنْهَارًا ﴿١٢﴾ مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ

تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لیے باغ بنا دے گا اور تمہارے لیے نہریں بنائے گا تمہیں کیا ہوا اللہ سے عزت حاصل

وَقَارًا ﴿١٣﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ﴿١٤﴾ أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

کرنے کی امید نہیں کرتے حالانکہ اس نے تمہیں طرح طرح بنایا کیا تم نہیں دیکھتے اللہ نے کیونکر سات آسمان بنائے ایک پر

طِبَاقًا ﴿١٥﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿١٦﴾ وَاللّٰهُ

ایک اور ان میں چاند کو روشن کیا اور سورج کو چراغ اور اللہ

أَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا ﴿١٧﴾ ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ﴿١٨﴾

نے تمہیں سبزے کی طرح زمین سے اگایا پھر تمہیں اسی میں لے جائے گا اور دوبارہ نکالے گا

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾ لِّتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٢٠﴾ قَالَ

اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا کہ اس کے وسیع راستوں میں چلو نوح نے

نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾

عرض کی اے میرے رب انہوں نے میری نافرمانی کی اور ایسے کے پیچھے ہولیے جسے اس کے مال اور اولاد نے نقصان ہی بڑھایا

وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿٢٢﴾ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا

اور بہت بڑا داؤں کھیلے اور بولے ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور ہرگز نہ چھوڑنا ود اور سواع

وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِينَ

اور یغوث اور یعوق اور نسر کو اور بے شک انہوں نے بہتوں کو بہکایا اور تو ظالموں کو

إِلَّا ضَلٰلًا ﴿٢٤﴾ مِمَّا خَطِيٓئٰتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِّنْ

زیادہ نہ کرنا مگر گمراہی اپنی کیسی خطاؤں پر ڈبوئے گئے پھر آگ میں داخل کیے گئے تو انہوں نے اللہ کے مقابل اپنا

دُونِ اللّٰهِ أَنْصَارًا ﴿٢٥﴾ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ

کوئی مددگار نہ پایا اور نوح نے عرض کی اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے

الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوٓا إِلَّا فَاجِرًا

والا نہ چھوڑ بے شک اگر تو انہیں رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کردیں گے اور ان کے اولاد ہوگی تو وہ بھی نہ ہوگی

كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوٰلِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّ

مگر بدکار بڑی ناشکر اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہے اور

لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۖ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِينَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾

سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو اور کافروں کو نہ بڑھا مگر تباہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ بیشک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اللہ تعالیٰ اپنے لئے جمع کا صیغہ متکلم کے اسرار بار بار لکھے جا چکے ہیں ۔

حل لغات الارسال الامساک کا مقابل ہے یہ بھی تسخیر کے لئے ہوتا ہے جیسے ارسال الریح والمطر ہوا و برسات کو چھوڑنا اور سان کو وہ چھوڑتا ہے جسے اختیار ہو جیسے اسے ارسال ارسل رسل کرام کا بھیجنا یا ارسال تخلیہ وترک المنع کے لئے ہوتا ہے جیسے انا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین: بیشک ہم نے کافروں پر شیاطین کو چھوڑا یعنی انہیں نہ روکا ان سے ۔

نوح علیہ السلام کا تعارف حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کا اسم گرامی عبدالغفار ہے (علیہ السلام) چونکہ آپ بکثرت گریہ فرماتے تھے اسی لئے اسی نام سے موسوم ہوئے اور آپ کو ایک جزیرہ کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا آپ نے وہاں کے لوگوں کو پیغام الٰہی پہنچایا۔ یہ عربی لفظ ہے اس کی وجہ اوپر عرض کی گئی ہے یا سریانی ہے بمعنی ساکن اور وہ اس لئے کہ آپ کی وجہ سے زمین نے کفار کی خباثتوں سے پاک ہو کر آپ کی وجہ سے سکون پایا۔ ایک قول کے مطابق آپ وہ پہلے نبی علیہ السلام ہیں کہ آپ کو شریعت عطا ہوئی اور اکثر علماء کے نزدیک آپ اولوالعزم رسل کرام علیہم السلام سے پہلے آپ ہیں اور شرک پر سب سے پہلے نذیر (ڈر سنانے والے) آپ ہیں کیونکہ آپ کی قوم بت پرستی کرتی تھی آپ ہی سب سے پہلے نبی علیہ السلام ہیں جن کی امت عذاب میں مبتلا ہوئی آپ شیخ المرسلین ہیں (صلی اللہ علی نبینا علیہ وآلہ وسلم) آپ چالیس سال یا تین سو پچاس سال یا چار سو اسی سال کے تھے کہ مبعوث ہوئے اور قوم میں پچاس کم ایک ہزار سال رہے اور طوفان کے بعد نوے سال دنیا میں گذارے ۔

نکتہ بعض اہل تفسیر نے فرمایا کہ آپ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح روئے زمین کے رسول نہ تھے کیونکہ قرآن میں اِلٰی قَوْمِہٖ ہے اگر آپ جملہ روئے زمین کے رسول ہوتے تو آپ کے لئے کہا جاتا ارسل الی الکل الی الخلق (تمام کے رسول جملہ مخلوق کے رسول) جیسے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کہا گیا۔ وما ارسلنٰک الا کافۃ للناس اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا اور خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس عامۃ

ترجمہ: دوسرے نبی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور میں تمام لوگوں کا رسول ہوں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

سوال اگر صرف اپنی قوم کے رسول تھے (یعنی نوح علیہ السلام) تو دوسروں کا کونسا جرم تھا کہ آپ نے تمام کافروں کے لئے عذاب کی دعا کی چنانچہ کہا رب لا تذر علی الکافرین دیارا ۔ اے اللہ زمین پر کوئی جھونپڑا کافر کا نہ چھوڑ جب آپ ان کے رسول نہ تھے تو ان سے مخالفت صادر نہ ہوئی نہ ہی ان کے مجرم ٹھہرے تو پھر وہ تباہی عذاب کے مستحق کیسے؟

جواب شاید اس وقت روئے زمین پر کفار سب اس عادت پر ہوں جو آپ کی قوم کی تھی جب وہ سب ایک ہی عادۃ پر تھے تو اسی عذاب کے مستحق تھے جو آپ کی قوم تھی اسی لئے آپ نے سب کو دعائے اہلاک میں ملایا۔

سوال یہ تقریر جواب انسان العیون کی تقریر کے خلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا یعنی اپنے جمیع اہل زمانہ کی طرف یا ایک مخصوص جماعت کی طرف اور حضرت نوح علیہ السلام پہلی قسم میں سے تھے یعنی اپنی جمیع اہل زمان کی طرف جو اس وقت جملہ روئے زمین پر تھے جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی گئی کہ جو آپ کے ساتھ ایمان لائے لا چکے یعنی کشتی والے اس کے بعد کوئی ایمان نہ لائے گا اور ایمان لانے والے اہل سفینہ کل اسّی ۸۰ تھے چالیس مرد اور چالیس عورتیں اور اس وقت کل آدمی صرف چار سو تھے (العوارف) بعض نے کہا کہ کل نفوس چار سو تھے آدمی اور غیر آدمی؟

جواب یہ تقریر ہمارے جواب کے منافی نہیں اس لئے کہ اہل ایمان کے سوا باقی تمام اہل ارض طوفان میں ہلاک ہوئے اور ان سب کے عذاب کی دعا بھی ہمارے منافی نہیں اس لئے انہوں نے آپ کی دعوت ترک عبادۃ الاوثان پر مخالفت کی تو دعا میں وہ بھی شامل ہوئے۔

سوال آیت وماکنا معذبین نبعث رسولا (اور ہم کسی کو عذاب نہیں کرتے جب تک ان میں رسول نہ بھیجیں) کے خلاف ہے تمہاری تقریر فلہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام تمائے روئے زمین کے رسول تھے۔

سوال ایک قول میں ہے جسے مفسرین نے نقل کیا ہے وہ یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام قابیل کی اولاد کی طرف مبعوث ہوئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ روئے زمین کے رسول نہیں بلکہ ایک خاص قوم کے رسول تھے (علیہ الصلوٰۃ والسلام)۔

جواب یہ ہمارے دعویٰ کے خلاف نہیں اسی لئے کہ اس وقت روئے زمین پر اکثر اولاد تھی ہی قابیل کی۔

فائدہ صحیح یہی ہے کہ نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں جو بت پرستوں کی طرف بھیجے گئے کیونکہ آپ کی قوم نے ہی سب سے پہلے بت پرستی کی بنیاد رکھی آپ تشریف لا کر انہیں بت پرستی سے رد کرتے تھے۔

سوال روایات میں تو آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ہی سب سے پہلے رسول ہیں اور تمہاری تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں یہ کس طرح؟

جواب آدم علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں صرف اپنی اولاد کے لئے کہ آپ نے انہیں ایمان کی دعوت دی اور احکام و شرائع کی تعلیم دی فقط اور بت پرستوں کو بت پرستی سے منع اور دعوت توحید

کے سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں ۔

سوال تمہارے سابق دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام روئے زمین کے رسول ہیں اور ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارے نبی پاک تمام لوگوں کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس سے تو نوح علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت میں مساوات لازم آگئی حالانکہ ایسا نہیں ۔

جواب نوح علیہ السلام کی رسالت عامہ اپنے ہم زمان کے لئے تھی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اپنے ہم زمان کے علاوہ آنے والی نسلوں کے لئے تا قیامت عام ہے اس سے مساوات کہاں ۔ ہماری اس تقریر سے وہ سوال اُٹھ گیا کہ طوفان کے بعد تو سوائے اہل ایمان کے کوئی نہ تھا اس معنی پر نوح علیہ السلام کی رسالت عامہ ہوئی اور نہ ہی حافظ ابن حجر قدس سرہٗ کے جواب کی ضرورت رہتی ہے انہوں نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام کو یہ عموم طوفان کے بعد حاصل ہوا اصلی فضیلت نہ تھی بلکہ عارضی تھی جو بعد طوفان حاصل ہوئی اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت عامہ اصلی تھی ۔

اَنۡ یہ کہ اَنۡذِرۡ قَوۡمَكَ اپنی قوم کو دوزخ سے ڈرائیے ۔ بت پرستی کی وجہ سے تاکہ شرک سے رُک جائیں اور اللہ وحدہٗ پر ایمان لائیں ۔ اَنۡ مفسرہ ہے اس لئے کہ ارسال میں قول کا معنیٰ ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ اَن مصدریہ ہو اس سے حرف جارہ محذوف ہے اس کی وجہ سے فعل کی طرف اسم کو پہنچایا گیا دراصل بِاَنۡ اَنۡذِرۡهُمۡ تھا اور اس کا صلہ امر کو بنایا گیا ہے جیسے اللہ کے قول وان اقم وجهك میں کیونکہ اس کے وصل کا مدار الصیغ افعال مصدر پر دلالت کرنے کے لئے ہے اور خبریۃ وانشائیۃ میں اسے کوئی فرق نہیں پڑتا ہاں اسم موصول اسمی میں صلہ کا خبریہ ہونا واجب ہے تو اس کی وجہ اور ہے اور وہ یہ کہ موصول اسمی میں یہ ضرورت ہوتی ہے کہ وہ معرفہ کی وصف بنے لیکن وہ اکیلا معرفہ کی وصف نہیں بن سکتا اسی لئے اسے صلہ دے کر موصوف بنایا جاتا ہے اور اسے صلہ چاہیئے اور وہ جملہ خبریہ ہی ہو سکتا ہے نہ کہ انشائیہ بخلاف موصول حرفی کے کہ اسے کسی کی وصف بننے کی ضرورت نہیں اسی لئے اس کا صلہ جملہ خبریہ وانشائیہ ہر دونوں برابر ہیں اسی لئے اسے مصدر پر دلالت کے وقت اس کے صلہ کو اس کے صیغہ میں معنی خاص سے خالی کیا جاتا ہے یعنی نہ اسمیں ماضی کا لحاظ نہ مضارع کا نہ استقبال کا نہ امر کا اور نہ ہی صرف اسمیں حدث کا معنیٰ رہ جا سکتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ انبیاء واولیاء (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) درجات قرب میں مختلف طرق پر ہیں ان کے بعض تو نور جلال سے نکلتے ہیں بعض نور جمال سے بعض نور عظمت سے بعض نور کبریا سے جو نور جمال سے نکلا تو وہ اپنی قوم کو بسط وانس عطا فرماتا ہے اور جو نور عظمت سے نکلتا ہے تو وہ قوم کو ہیبت وجلال عطا فرماتا ہے اور حضرت نوح علیہ السلام عظمت الٰہی کے نور کا مشکوٰۃ تھے اسی لئے انہیں اللہ تعالیٰ نے عظمت دے کر قوم کی طرف بھیجا جب قوم نے بے فرمانی کی تو اس کی قہر وجلال سے گرفت فرمائی ۔

تفسیر عالمانہ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے پاس آئے۔ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ٭ دردناک عذاب اور جلدی جیسے طوفان وغرق یا دیر سے جیسے آخرت کا عذاب تاکہ ان کا کوئی عذر باقی نہ رہے جیسے خود فرمایا۔ لِئَلَّا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل ٭ تاکہ رسل کرام (علیہم السلام) کے بھیجنے کے بعد لوگوں کی اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت نہ ہو۔ الالیم بمعنی المؤلم یا متالم مبالغہ کے طور یعنی سخت دردناک الم (درد) دو قسم ہے۔

(۱) جسمانی۔ (۲) روحانی۔

اور یہ پہلے سے زیادہ اذیت رساں ہے۔ اس کے بعد گویا کہا گیا کہ نوح علیہ السلام نے کیا کیا تو فرمایا (قال) نوح علیہ السلام نے فرمایا کافروں کو یا قوم اے میری قوم۔ دراصل قومی تھا انہیں اپنی کہہ کر بلایا ان سے شفقت کے طور خیر و بھلائی کے ارادہ سے اور ان کے قلوب کو خوش کرنے کے لئے (تاکہ بات مان لیں) اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ بے شک میں تمہارے لئے ڈرانے والا ہوں کفر و معاصی کے برے انجام کا۔

نکتہ صرف نذیر سنایا حالانکہ بشیر بھی تو تھے اس لئے کہ دعوت توحید کے لئے نذیر تاثیر میں قوی ہے اس لئے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ پہلے قہر کے خوف سے مطیع ہوتے ہیں پھر عطا کے طمع سے بہت تھوڑے ہوتے ہیں کمال و جمال کی محبت سے اطاعت قبول کرنے والے۔

نکتہ فقیر صاحب روح البیان (قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اللہ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا قم فانذر یہ ابتدائی مرحلہ ہے بعد کو تبشیر (خوشخبری) کا حکم ہوا جیسا کہ فرمایا وبشر المؤمنین اہل ایمان کو خوشخبری سنا دو۔

قاعدہ انذار کا تعلق کفار سے تبشیر کا اہل ایمان سے اگرچہ کفار کو بشرط ایمان تبشیر ہو سکتی ہے لیکن بحالت کفر نہیں ہاں تبشر تحکمی ان کو ہوتی ہے جیسے فرمایا فبشرھم بعذاب الیم (کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ۔

مُّبِیۡنٌ ٭ لا حقیقۃ الامر کو تمہاری ہی میں واضح کرنے والا جسے تم خوب سمجھ لو گے یا صریح انذار ہے اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ کہ اللہ کی بندگی کرو۔ نذیر کے متعلق ہے دراصل بان اعبدو اللہ تھا اور عبادت کا افعال و قلوب و جوارح (اعضا کے تمام واجبات و مندرجات کو شامل ہے)۔ واتقوہ اور اس سے ڈرو یہ جمیع محظورات و مکروہات سے زجر کو شامل ہے وَاَطِیۡعُوۡنِ اور میری اطاعت کرو۔ ان کو رسول (نوح) کی اطاعت کا امر جمیع مامورات و منہیات و اعتقادیات و عملیات کو شامل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اطاعت کرو میرے اخلاق وصفات وافعال اور اعمال واقوال میں، یہ اگرچہ امر تقویٰ وعبادت الٰہی میں داخل ہے لیکن علیحدہ ذکر کرنا تاکید کی بنا پر ہے یعنی نبی علیہ السلام کے جملہ اخلاق وغیرہ میں مکلف کرنا مؤکد اور مبالغہ اور مزید ثابت ہو جائے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ دراصل اَطِیْعُوْنِیْ تھا یا تکلم تھا اور اسے اطیعوہ نہ کہا ہا کے ساتھ تاکہ پچھلے الفاظ سے مناسبت ہوتی یعنی واتقوہ سے اور اطاعت سے مراد ذات حق کی اطاعت مراد ہوتی انہیں تنبیہ کر دی کہ اطاعت رسول در حقیقت اطاعت الٰہی ہوتی ہے جیسے فرمایا کہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ جس نے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اور فرمایا اطیعوا الرسول اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کرو۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مامور بالطاعۃ ہیں تو رسول کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کہیں واطیعونی میری اطاعت کرو نیز اطاعت کی اجابت بھی ظاہر ہے معلوم ہوگی اور وہ ہے اطاعت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

تفسیر عالمانہ یَغْفِرْ لَکُمْ تو وہ بخش دے گا تمہارے۔ یہ امر کا جواب ہے مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ کچھ گناہ۔ وہ جو زمانہ جاہلیت میں گذرے ہیں کیونکہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہ گرا دیتا ہے نہ کہ بعد والے گناہ ان کا مواخذہ ہوگا اور وہ صرف ایمان سے نہ بخشے جائیں گے اسی لئے یغفر لکم ذنوبکم نہیں فرمایا (کہ تمہارے تمام گناہ بخش دے گا) بلکہ من تبعیضیہ ہے کیونکہ اگر مِنْ نہ ہوتا تو تمام گناہ مراد ہوتے پہلے بھی اور پچھلے بھی۔

فائدہ بعض نے اسی سے بعض وہ گناہ مراد لئے ہیں جو ایمان سے پہلے تھے اور وہ حقوق العباد سے متعلق نہیں۔

وَیُؤَخِّرْکُمْ تمہیں مہلت دے گا۔ اور عقوبات مہلکہ سے محفوظ رکھے گا جیسے قتل۔ اغراق احراق وغیرہ یعنی ہلاک اور تباہ وبرباد کرنے کے اسباب۔ کیونکہ ان کا اعتقاد تھا جو ان اسباب سے مر جائے تو وہ اپنے اجل طبعی سے نہ مرا بلکہ ان اسباب سے مرا اللہ نے بھی ان سے ان کے خیال کے مطابق خطاب فرمایا ہے ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایمان ان کے آجال بڑھا دے گا۔ (بعض التفاسیر) اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ایک مقررہ میعاد تک، جو اللہ کے ہاں متعین ہے۔ الاجل کسی شے کے لئے ایک میعاد مقرر — الارشاد میں ہے کہ وہ مدت انتہائی جو اللہ نے ان کے لئے مقرر فرمائی۔ بشرط ایمان واطاعت کے اس سے ثابت ہوا کہ ان کا ایک اجل علیحدہ مقرر تھا کہ اگر وہ ایمان نہ لائیں گے تو اس سے متجاوز نہ ہوں گے چنانچہ فرمایا اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ بے شک اللہ کا وعدہ وہ جو تمہارے لئے مقدر ہے جب تم کفر پر ڈٹے رہے وہ اجل قریب مطلق ہے اور وہ غیر مبرم

بخلاف میعاد کے کہ وہ بعید مبرم ہے۔

فائدہ یہاں اجل اپنی طرف اسناد فرمایا کہ اس کا خالق ہے اور اس کے اسباب کا بھی اور آیت اذا جاء اجلہم میں بندوں کی طرف کہ وہ انہیں پہنچے گا اور وہ اسمیں مبتلا ہوں گے۔

اِذَا جَآءَ اور تم کفر پر ڈٹے رہے لَا یُؤَخَّرُ تو ہٹایا نہیں جاتا۔ اسی لئے ایمان و طاعت میں جلدی کرو اس کے آنے سے پہلے ورنہ جب شرط محقق ہوگئی یعنی تمہارا کفر پر ڈٹ جانا تو اس نے لازمًا آجانا ہے کیونکہ شرط تنہا کا کوئی وجود نہیں جب تک اس کے ساتھ جزا نہ ہو۔ نیز اس سے وہ عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے جو مذکور ہوا جیسے من قبل ان یاتیہم عَذَابٌ اَلِیْمٌ میں بیان فرمایا کیونکہ وہ بھی ایک حتمی وقت اجل ہے۔ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اگر تم جانتے۔ کسی شے کو تو تم اس کی طرف جلدی کرتے جس کا تم کو حکم ہوا یا تم یقین کرتے کہ اجل میں تو کسی قسم کا تاخیر (پیچھے ہٹنا) نہیں اور نہ اس میں مہلت ملتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ انہوں نے علم کے اسباب اور اس کی تحصیل کے آلات حُبِ دنیا اور اس کی لذات کی طلب میں ضائع کر دیئے یہاں تک کہ وہ اب اس نوبت تک پہنچے کہ اب

ے ہو یہ اس کا قانون ہے لیکن اس کی قدرت کے بھی قائل ہیں کہ وہ اپنے قانون قدرت کو بدل بھی دیتا ہے کب جب اس کا کوئی محبوب کہے جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ ؎

نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں ۔۔۔ جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں تقدیریں

اس پر ایک واقعہ شاہد ہے کہ مصر کے ایک بندگ شیخ محمد شربینی نہایت عبادت گذار اور برگزیدہ انسان تھے ایک مرتبہ ان کا اکلوتا بیٹا سخت بیمار ہوا اور قریب المرگ ہو گیا مگر موصوف پھر بھی ہمہ تن مصروف عبادت رہے۔ آپ کی اہلیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں کہ آپ کو تو محبت خداوندی کا خزانہ نصیب ہو چکا۔۔ پس اگر ہمارا یہ بیٹا مر بھی جائے تب بھی آپ کو کوئی پروانہ ہوگی البتہ ماں تا کی ماری کہاں جاؤں گی۔ خدارا اپنے بیٹے کی صحت یابی کے لیئے بارگاہِ رب العزت میں دعا کیجیے۔ مگر آپ بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔ تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ملک الموت بچے کی روح قبض کرنے کے لئے مریض کی بالین پر پہنچ گیا۔ ملک الموت ہو یا کوئی اور فرشتہ، خدا کی مشیت اور ارادے کے بغیر قدم نہیں اٹھاتا۔ امام نبہانی نے امام شعرانی کے حوالے سے نقل فرمایا ہے کہ جب شیخ نے ملک الموت کو بچے کے سرہانے دیکھا تو ان پر اپنی اہلیہ کی گریہ وزاری کا اثر ہوا اسی وقت ملک الموت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا (ترجمہ)۔۔۔۔ (اے ملک الموت) اپنے رب کے پاس واپس لوٹ جا، کیونکہ اس بچے کی موت کا حکم منسوخ ہو چکا ہے (جامع کرامات الاولیا از یوسف بن اسماعیل النبہانی، جلد اول۔ ص ۲۹۹ نیز جمال الاولیا از اشرف علی تھانوی، ص ۲۰۲)

انہیں موت کے عدم وقوع کا شک ہو رہا ہے۔ ؎

روزے کہ اجل در آید از پیش و پس
شک نیست کہ مہلت ندہد ما
یا نرسد در آں دم از ہیچ کس
برباد شود جملہ ہواؤ ہوست

ترجمہ: اس روز کہ تیرے پیش و پس کے باوجود تیرا اجل آجائے گا اسمیں شک نہ کرنا کہ وہ تجھے لمحہ بھر مہلت دے۔ اس لحظہ میں کسی سے تجھے مدد نہ مل سکے گی پھر تیری تمام ہواؤ ہوس برباد جائے گی۔

قَالَ (عرض کی) اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہوئے نوح علیہ السلام نے عرض کی اور اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ اس سے پہلے آپ اور آپ کی قوم کے درمیان کیا گذری اور ان کی آپس میں کیا باتیں ہوئیں باوجودیکہ اتنا عرصہ دراز تک ان کے ساتھ گذارا اور نہایت جدوجہد سے انہیں دعوت دی بہت کچھ سمجھایا اور ان سے سختیاں جھیلیں بالآخر نہ مانے آپ نے ہر طرح کے اسباب علل استعمال فرمائے کوئی کارگر ثابت نہ ہوئے۔ جس پر انہیں کہنا پڑا رَبِّ اے میرے پروردگار اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا میں نے اپنی قوم کو شب و روز دعوت دی۔ ایمان و طاعت کی طرف بلایا رات دن بغیر کسی کمی کے مسلسل۔ یہ دونوں دَعَوْتُ کی ظرف ہیں اس سے دعوت پر مداومت مراد لی ہے۔ کیونکہ زمانہ ان دونوں میں منحصر ہے۔

فائدہ: کشف الاسرار میں ہے کہ آپ رات کو ان کے گھروں پر اور دن کو ان کی مجلسوں میں تشریف لے جاتے۔

حکایت: نوح علیہ السلام رات کو جس کے گھر تشریف لے جاتے تو اس کا دروازہ کھٹکھٹاتے۔ صاحب خانہ پوچھتا کون؟ آپ فرماتے نوح (علیہ السلام) کہتا ہے کہ " لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا میری دعوت نے ان کے فرار (بھاگنا) کو ہی بڑھایا اس سے کہ جس کی طرف میں نے انہیں دعوت دی۔

فائدہ: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ میری تابعداری اور میرے دین اور اس سے جو تیری وحی کے مجھ پر آثار ہیں سے بھاگ گئے ہیں الفرار بمعنی بھاگنا اور وہ لَمْ يَزِدْهُمْ کا دوسرا مفعول ہے۔

سوال: زیادۃ کی نسبت دعا کی طرف کیوں حالانکہ یہ کام تو اللہ تعالیٰ کا ہے۔

جواب: چونکہ دعا (دعوت) سبب ہے اسی لئے مجازاً اس کی طرف فعل کا اسناد ہوا۔

قاعدہ زاد یزاد دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے زادہ اللہ خیراً وزیدہ فزادو زاد (قاموس) اللہ نے اس کی خیر و بھلائی بڑھائی اسے اللہ تعالیٰ نے بڑھایا تو وہ بڑھ گیا اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اختیار سے نوح علیہ السلام کی دعوت سے ان کو بھاگنے میں بڑھاتا ہے۔

وَاِنِّیْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ اور میں نے جتنی بار انہیں بلایا ایمان کی طرف۔

فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب میں نے ارادہ موجبہ برائے وقوع اسما امور کے انضمام سے خالی کر کے لسان امر سے انہیں بلایا کیونکہ ایسے امر مجرد عن الارادہ پر ضروری نہیں کہ مامور بہ واقع ہو جائے[1] ہاں اگر مقرون بالا ہو تو اس کا ضروری[2] ہے۔

لِتَغْفِرَ لَهُمْ اکہ تو انہیں بخشے۔ اس کے سبب جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ۔ انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں یعنی دعوت سننے سے اپنے کان بند کر دیئے جعل کان بند کرنے سے کنایہ ہے اور اسے حقیقی معنی پر لینا بھی جائز ہے کہ وہ دعوت نہ سننے کے ارادہ پر کانوں میں روئی وغیرہ ٹھونس لیتے ہوں۔ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ اور اوڑھ لئے اپنے کپڑے۔

حل لغات الاستغشا (کپڑے اوڑھنا) تاج المصادر ماخوذ از غشا بمعنی الغطا در اصل کپڑا اوپر اوڑھنے کو کہا جاتا ہے چونکہ اسمیں ستر (ڈھانپنا) کا معنیٰ پایا جاتا ہے اس لئے اس معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے استغشا کا معنیٰ طلب الغشی یعنی ستر کی طلب لیکن یہاں طلب کا معنیٰ مطلوب نہیں بلکہ صرف تغطی و ستر (ڈھانپنا) مطلوب

سوال، سین تو طلب کے لئے ہوتا ہے تو پھر اس کی طلب کو چھوڑنا کیوں؟

جواب یہ مبالغہ کے لئے بھی آتا ہے تو یہاں مبالغہ مراد ہے۔ الثیاب ثوب کی جمع ہے اسے ثوب الغزل سے لیا گیا ہے بمعنی رجوع یعنی اس کا اس حالت کی طرف رجوع کرنا جو اس کے لئے مقدر تھی اب معنی یہ ہوا کہ انہوں نے کپڑوں میں خود کو خوب چھپایا۔ یعنی اپنے بدن کے تمام اعضا یہاں تک کہ آنکھیں بھی تاکہ نوح علیہ السلام کو نہ دیکھ سکیں اس لئے کہ انہیں آپ کا دیکھنا بھی گوارا نہ تھا کیونکہ باطل حق دیکھنے سے کراہت کرتا ہے اس لئے کہ ان دو

---

[1] اسی قبیل سے ہے حضرت عمر اور حضرت ابو ہریرۃ کی ماں کا اسلام اور دیگر امور مقرون بالارادۃ کہ جس سے ان کا وقوع پذیر ہوا لیکن مخالفین ایسی دقیق باتوں کو کیا سمجھیں۔ ۱۲۔ اُویسی غفرلہٗ۔

[2] اس سے وہابیہ کا اعتراض رفع ہوا کہ نبی نوح علیہ السلام کو اختیار رہتا تو کفار کیوں ایمان نہ لائے یا حضور علیہ السلام بلکہ محنت برائے ابو طالب وغیرہ مؤمن نہ ہوئے تو ظاہر ہے کہ انبیا علیہم السلام صرف دعوت پر مامور ہو

کو آپس میں تضاد ہے۔ ایسے ہی قیاس کرو متکبر اور کافر اور مبتدع (بدمذہب) کو متواضع و مومن و سُنّی کو۔[1] یا اس لئے خود کو کپڑوں سے چھپا لیتے کہ کہیں انہیں نوح علیہ السلام پہچان نہ لیں تو پھر وہ اپنی توحید کے لئے بلائیں گے۔

فائدہ فقیر صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ یہ دوسرا معنیٰ کچھ نہیں اس لئے کہ نوح علیہ السلام کی دعوت تو ہمہ گیر تھی مرد ہو یا عورت تو پھر پہچان لینے کا کیا معنی کیونکہ آپ کی دعوت کے لئے پہچان شرط نہیں تھی اس سے اشتباہ کا فریب مومن مدفوع ہے اس لئے کہ مومن نہایت اقلیت میں تھے وہ ہر حالت میں پہچان لئے جاتے تھے ہاں منہ ڈھانپ لینے سے یہ ثابت ہو جاتا کہ یہ اہل فرار سے ہے کیونکہ اس دور میں پردہ کا حکم نہ تھا اور نہ ہی رواج تھا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ منہ ڈھانپنے سے مراد ہے انکا نوح علیہ السلام کی دعوت کی طرف میلان نہ کرنا اور بالکل قبول نہ کرنا، کیونکہ جیسی یہ ہو وہ دوسرے کا کلام سننا گوارا تک نہیں کرتا۔

وَ اَصَرُّوْا اور ڈٹ گئے۔ اوندھے پڑ گئے کفر پر اور کفر و معاصی پر قائم رہے۔ قوت القلوب میں ہے کہ الاصرار کبھی ہوتا ہے کہ گویا قلب پر عقد ہے کہ جب بھی گناہ پر قدرت پائے اسے کر ڈالے یا یہ کہ اس سے ندامت و توبہ کی امید منقطع ہو اور بڑا اصرار گناہوں کی طلب میں سعی کرنا ہے۔

حل لغات تاج المصادر میں ہے کہ الاصرار یعنی کسی شے پر قائم ہونا اور اس کی طرف کان لگانا کہا جاتا ہے۔ اصر الحمار علی العانۃ حمار ریوڑ پر قائم ہوا۔ العانۃ حمر وحش کا ریوڑ، یہ اس وقت بولتے ہیں جب ان پر دو کان سر سے ملا کر کھڑا ہو اور ران کی طرف متوجہ ہو کبھی انہیں ادھر سے ہٹائے تو کبھی ادھر سے پھر کفر و معاصی پر متوجہ ہونے پر استعارہ کیا گیا ہے اسے اکباب سے تعبیر کرنا بھی اسی لئے ہے کہ اسے اسی گدھے سے تشبیہ دیگئی ہے جو مذکورہ بالا طریقے سے ریوڑ پر کھڑے ہو کر ان کو ادھر ادھر سے ہٹاتا ہے اور ران کی خوب نگرانی کرتا ہے ان کو اس گدھے سے تشبیہ دے کر ان کی اتنی مذمت کافی ہے کہ وہ بحالت مذکورہ ریوڑ کے ہٹاتے اور انہیں دانت سے کاٹنے کی وجہ سے بہت بُرا لگتا ہے۔

وَ اسْتَكْبَرُوْا اور غرور کیا۔ میری اتباع و طاعت سے تکبر کیا اور انہیں عار نے مارا۔ اِسْتِكْبَارًا ؕ بڑا غرور شدید۔ کیونکہ انہوں نے کہا کیا ہم تیری اتباع کریں جبکہ تیرے تابعدار ذلیل ترین لوگ ہیں۔

فائدہ بعض عارفین نے فرمایا کہ جو گناہوں پر اصرار کرے اس کی ضلالت میں دلیری بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ وہ بُرے اعمال و افعال کو اچھا سمجھتا ہے اور اچھے اعمال کو بُرے پھر تکبر و غرور کرنے لگ جاتا ہے اور خود کو اولیاء اللہ سے بلند قدر خیال کر کے ان کی کوئی بات نہیں مانتا۔

---

[1] معلوم ہوا کہ سُنّی حقیقی وہی ہے جسے بدمذاہب سے فطرتی طور نفرت ہو ورنہ وہ صرف نام کا سُنّی ہے۔

فائدہ حضرت سہل قدس سرہ نے فرمایا کہ جو گناہوں پر اصرار کرتا ہے تو اس میں نفاق پیدا ہو جاتا ہے جس میں نفاق پیدا ہو وہ کفر کا خوگر ہو جاتا ہے۔

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ (پھر میں نے انہیں دعوت دی) جِهَارًا لا دعوت اعلانیہ۔ یعنی میں نے انہیں کھلم کھلا دعوت دی ان کی محفلوں میں۔ الجہر بمعنی حاسّہ سمع کے لئے شے کا بہت زیادہ ظاہر ہونا۔

ثُمَّ اِنِّیْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَ اَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا لا پھر میں نے انہیں اعلان بھی کیا اور آہستہ و خفیہ بھی کہا۔ اس میں ان کے عموم حالات کا ذکر ہے اس سے پہلے ان کے عموم اوقات کا ذکر تھا یعنی میں نے کبھی یوں دعوت دی اور کبھی یوں۔ پھر کبھی ایسی حالت میں اور کبھی دوسری حالت میں غرضیکہ پوری جدوجہد کی ہے وجوہ مختلفہ برتے اور مختلف طریقے استعمال کئے اس معنیٰ پر ثم تفاوۃ الوجوہ کی وجہ سے ہے کیونکہ اعلانیہ خفیہ تبلیغ سے زیادہ سخت ہے اور مجمع میں تنہائی بہ نسبت زیادہ بوجھ ہے۔ اعلان اسرار کی نقیض ہے۔ کہا جاتا ہے اسررت الی فلاں حدیثاً میں نے فلاں کو خفیہ بات کہی یعنی ایسی پوشیدہ بات کہی کہ کسی کو آگاہی نہ ہوئی اور جہرت بہ میں نے اسے ایسا اعلانیہ کہا کہ اس سے غیر بھی آگاہ ہوا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ثم تراخی کے لئے ہو بعض وجوہ کا دوسرے بعض سے زمانہ میں تاخیر سے واقع ہونے میں مثلاً نوح علیہ السلام نے پہلے انہیں خفیہ طور نصیحت کا آغاز فرمایا ہو انہوں نے آپ سے مذکورہ بالا چار امور کا مظاہرہ کیا ہو۔

(۱) جَعَلُوْۤا اَصَابِعَهُمْ الخ (۲) وَاسْتَغْشَوْا الخ

(۳) وَ اَصَرُّوْا الخ (۴) اسْتَكْبَرُوْا الخ

اس کے بعد آپ نے اعلانیہ اور خفیہ ہر دونوں طریق سے وعظ فرمایا ہو کہ انہیں مجمعوں میں وعظ سنا کر پھر فرداً فرداً خفیہ نصیحت فرمائی ہو۔

فائدہ بعض نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے بعض کو اعلانیہ وعظ کیا اور بعض کو خفیہ تنہائی میں نصیحت کی۔

ایذاؤں کا نمونہ بعض تفاسیر میں ہے کہ نوح علیہ السلام کو ایسی اذیتیں پہنچائی گئیں جنہیں بیان نہیں کیا جا سکتا دن کو آپ کو کفار کئی بار مارتے یہاں تک کہ سخت بیمار پڑ جاتے لیکن آپ صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان سے آپ کو پوشیدہ رکھے کہ وہ آپ کا وعظ سن سکیں لیکن دیکھ نہ سکیں کیونکہ وہ جونہی آپ کو دیکھتے تو ایذاؤں پر اتر آتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی آپ نے اسی طریق سے عرصہ دراز تک انہیں پیغام ربانی پہنچایا تب بھی وہ ایمان نہ لائے بالآخر آپ نے دوبارہ دعا مانگی کہ جیسے آپ پہلے ان کے ساتھ کھلم کھلا رہتے ایسے ہی چنانچہ اسی طرح ہوا۔ یہی معنی ہے اعلنت لہم واسررت لہم کا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمۃ اللہ نے فرمایا اِنِّیْ دَعَوْتُھُمْ جِھَارًا ۔ یعنی مقام توحید سے اتر کر میں نے انہیں مقام العقل و عالم النور کی طرف دعوت دی پھر میں نے اعلانیہ تقریر کی معقولات ظاہرہ سے اور مخفی باتیں سنائیں مقام قلب میں اسرار باطنہ سے تاکہ وہاں معقول کے ذریعہ وہاں پہنچ سکیں۔

تفسیر عالمانہ فَقُلْتُ ۔ میں نے انہیں دعوت دینے کے بعد کہا اس کا عطف دعوت پر ہے اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اپنے رب سے مغفرت طلب کرو۔ اپنے لئے توبہ کر کے کفر و معاصی سے تاکہ کہیں موت سے استغفار فوت نہ ہو جائے۔ اِنَّہٗ بے شک اللہ تعالیٰ کَانَ غَفَّارًا ہے بخشنے والا تائبین کو کہ گویا ان کے گناہ تھے ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ کَانَ غَفَّارًا کا معنی ہے کہ وہ ازل میں مغفرت کا مرید (ارادہ کرنے والا تھا) کہ فلاں وقت مقرر پر فلاں کے لئے مغفرت ہو گی اور فلاں وقت فلاں کے لئے یعنی مغفور لہ کی مغفرت کے وقت۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ غفار کا معنیٰ بندے پر فضل و احسان کرنے والا اور بندے کا کام ہے عبودیت میں ان امور پر ندامت جو غفلت از خدا گذشتہ ایام میں ضیاع ہوا۔

حدیث شریف میں ہے جسے استغفار کی توفیق دی گئی ہے اس سے مغفرت بھی روکی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا ۔ اسی لئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرماتے تھے کہ استغفار کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف استغفار کا الہام ہوتا ہی نہیں جس کے لئے عذاب کا ارادہ فرمایا ہے۔

محبوب بندے بعض علماء کرام سے ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے نزدیک محبوب تر وہ بندے ہیں جو میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور ان کے قلوب مساجد سے متعلق رہتے ہیں اور صبح اٹھ کر استغفار کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں کہ جب میں زمین پر عذاب کا ارادہ کرتا ہوں تو ان کا ذکر سامنے آجاتا ہے ان کی وجہ سے عذاب کا ارادہ ترک کر دیتا ہوں۔

فائدہ غفار میں غفور کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے اور غفور غافر سے۔

حل لغات الغفر بمعنیٰ الستر والتغطیہ (ڈھانپنا) اسی سے ہے مغفر (سر کی حفاظت کے لئے لوہے سے سر ڈھانپنے کا آلہ) اس لئے کہ وہ سر کو ڈھانپتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مغفر للذنوب کا مطلب ہے گناہوں کو ڈھانپنا اور اپنے فضل و کرم سے انہیں معاف کرنا یہ صرف بندے کی توبہ سے نہیں بخشے جاتے نہ ہی اس کی طاعت سے بلکہ استغفار و توبہ و طاعت تو اظہار عبودیت کے لئے ہے اور اپنی محتاجی بروئے کار لانا ہے۔

ایک اور نے اولاد کی کمی کی شکایت کی۔ مزید کسی دوسرے نے کھیتی کی خشکی کی شکایت کی آپ نے سب کو فرمایا کہ استغفار بکثرت کرو۔ ربیع بن صبیح نے کہا لوگوں کی شکایات مختلف ہیں آپ نے سب کو ایک ہی وظیفہ استغفار بتایا آپ نے اس کا جواب اسی آیت سے دیا۔

نکتہ فتح الرحمٰن میں ہے استسقاء میں بھی استغفار کا حکم اسی لئے ہے کیونکہ استسقاء بمعنی ایک خاص وجہ سے پانی مانگنا اور قاعدہ ہے کہ جب زمین خشک ہو جائے اور بارش بند ہو تو بالاتفاق استسقاء سنت ہے۔

فائدہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نماز استسقاء کے لئے اہل ذمہ کو ساتھ نہ لے جایا جائے۔ باقی تین آئمہ رحمہم اللہ نے ان کا ساتھ لے جانا منع نہیں کیا ہاں انہیں مسلمانوں سے اختلاف سے بھی رد کا ہے لیکن یہ بھی فرمایا کہ وہ علیحدہ استسقاء بھی نہ کریں اس کی مختصر سی تشریح سورۃ البقرہ میں گذری ہے۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا تمہیں کیا ہوا کہ اللہ سے عزت کی امید نہیں کرتے۔ انکار ہے اس سے کہ اس کے لئے کوئی سبب ہو۔ اللہ تعالیٰ سے وقار کی رجاء کی نفی کا یہاں رجاء بمعنی اعتقاد ہے یعنی گمان کیونکہ رجاء اعتقاد سے ہوتا ہے اور اس کا ادنیٰ درجہ ظن ہے۔

حل لغات الوقار دراصل سکون و حلم کو کہا جاتا ہے اور یہاں بمعنیٰ عظمت ہے کیونکہ وہی اکثر اس کا سبب بنتا ہے اور لا ترجون مخاطبین کی ضمیر سے حال ہے اور اسمیں عامل استقراء کا معنیٰ ہے جو لکم میں ہے للہ مضمر کے متعلق ہو کر وقار کا حال اگر وہ اس سے مؤخر ہوتا تو اس کی صفت بنتا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کونسا سبب تمہیں حائل ہے کہ تمہارا حال یہ ہے کہ اعتقاد نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ سے عظمت کا موجب ہے اس کی تعظیم بالایمان والطاعۃ کا یعنی اسمیں تمہارے لئے کوئی سبب نہیں باوجودیکہ جملہ حالیہ کا مضمون متحقق ہے۔ خلاصہ یہ کہ تم اللہ کی عظمت کو نہیں پہچانتے اور نہ ہی تمہارا اس سے کوئی اچھا اعتقاد ہے کہ جس سے تم اس کی نافرمانی سے ڈرو۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ یہاں رجاء بمعنی خوف اور وقار بمعنی عظمت ہے یعنی تم اللہ کی عظمت کا خوف نہیں کرتے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے اور نہ اس کی توقیر و تعظیم کے پیش نظر اس سے ثواب کی امید رکھتے ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم طلب نہیں کرتے اور نہ ہی تم اسے استعمال کر کے اس کے ماتحت کے تمام اسماء کو حاصل کرتے ہو تاکہ تم جمیع اسماء سے جو اس میں ہیں سے مستحق ہو کر اس کے مظہر اور جلوہ گاہ بن جاؤ۔

تفسیر عالمانہ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا۔ حالانکہ تمہیں اس نے طرح طرح بنایا۔

حل لغات کہا جاتا ہے فعل کذا اطوارا بعد طور تارۃ تارۃ اس نے طرح طرح کا کام بنایا کیا کبھی ایسا کبھی ویسا اور عدا طورہ ای تجاوز حدہ وقدرہ اپنی حد اور قدر سے متجاوز کیا ہوا۔
اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارا حال یہ ہے کہ تم اب ایسی حالت میں ہو جو سراسر منافی ہے اس کے کہ جس حال پہ تم ہو وہ یہ کہ تمہیں معلوم ہے اس نے تمہیں پیدا کیا ایک طرح سے دوسری طرح یعنی ایک حال سے دوسرے حال پر عناصر سے پھر غذاؤں سے پھر خلطوں سے پھر نطفوں سے پھر خون کی پھٹک سے پھر گوشت کی بوٹی سے پھر ہڈیوں سے پھر گوشتوں سے پھر اور صورت میں اٹھان دی ایسی توقیریں اور ایسے شانوں میں قوت قاہرہ اور احسان تام بیں علم کے با وجود تقصیر کوتاہی کی عقلمند سے صادر نہیں ہوتی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اطوارا میں ان سات اطوار کی طرف اشارہ ہے جو آیت ذیل میں ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۠ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ

(پ ۱۸ سورۃ المؤمنون ع ۱)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا۔ پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں کو گوشت پہنایا پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی تو بڑی برکت والا ہے اللہ تعالیٰ سب سے بہتر بنانیوالا۔

فائدہ یہی تارات و احوال سبع (سات) بعض کے بعض پر مرتب اور ہر ما بعد اپنے ما قبل سے اشرف اور انسان کا حال ان تمام متقدم سے احسن ہے۔ ؎

چوں صورت تو بت نہ نگارند بکشمیر
چوں قامت تو سرو نہ کارند بکشور
گر نقش تو پیش بت آزر بنگارند
از شرم فرو ریزد نقش بت آزر

ترجمہ: تیری صورت جیسا نہ تو کشمیر کا بت ہے اور نہ ہی تیرے قد جیسا کسی ولایت میں کوئی سرو ہے۔
اگر تیرا نقش آذر کے بت کے آگے رکھیں تو آذر کا بت مارے شرم کے سر جھکا دے گا۔

فائدہ بعض نے اس اطوار سے مراد لئے ہیں کہ تم پہلے بچے تھے پھر جوان ہوئے پھر بوڑھے بعض نے کہا اس سے مراد لئے

ہے کہ تم میں بعض طویل القامت ہیں بعض پستہ قد بعض قوی ہیں بعض ضعیف (کمزور) تخلیق و عادات میں بھی مختلف جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا واختلاف السنتکم والوانکم تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا۔

فائدہ بعض نے کہا اس اطوار سے مراد یہ ہے کہ تمہیں آدم علیہ السلام کی پشت سے عہد کے لئے نکالا پھر تمہیں پیدا کیا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے حج کے لئے اعلان کیا پھر تمہیں پیدا کیا جب حضور سرور عالم معراج پر تشریف لائے اور تمہیں ان کی زیارت سے مشرف فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ تمہیں مختلف اطوار پہ پیدا فرمایا کہ تم میں بعض اہل معرفت ہیں بعض اہل محبت ہیں بعض اہل حکمت ہیں بعض اہل توحید ہیں بعض اہل شوق ہیں بعض اہل عشق ہیں اہل فنا ہیں بعض اہل بقا ہیں بعض اہل خدمت ہیں بعض اہل مشاہدہ ہیں۔ ایسے ہی ارواح قدس کے طور کو نورِ جبروت سے اور طور عقول ہادیہ عارفہ کو نور ملکوت سے اور طورِ قلوب شائقہ کو معادن قربتہ اور طور اجسام الصدیقین کو تراب الجنتہ سے پھر ہر طور غیب سے اپنے معدن کی طرف لوٹے گا۔

تفسیر عالمانہ أَلَمْ تَرَوْا اے میری قوم کیا تم نہیں دیکھتے۔ استفہام تقریری ہے رؤیت بمعنی علم ہے شاید یہ انہوں نے اپنے بڑوں سے سن رکھا تھا یا رؤیت بمعنی ابصار ہے۔ اس عجائب کا مشاہد مراد ہے جو اسپر دال ہے کہ وہ کمال علم و قدرت والا ہے كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کیسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے سات آسمان درآنحالیکہ طِبَاقًا ایک پر ایک ہیں۔ یعنی ایک دوسرے پر متصابق ہیں۔ جیسے سورۃ ملک میں گذرا۔ دلیل لائی کہ وہ انہیں لوٹائے گا کیونکہ وہ بڑی قدرتوں کا مالک ہے جیسا کہ انفس کے دلائل دال ہیں کیونکہ انسان کا نفس جملہ اشیائے سے اسے قریب تر ہے (ربط) اب دلائل آفاق بیان فرمایا ہے بعد اس کے کہ دلائل انفس بیان فرمائے چنانچہ فرمایا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا اور ان میں چاند کو روشن کیا۔ کہ وہ زمین کو اندھیری رات میں روشن کرتا ہے۔

سوال چاند آسمان دنیا میں ہے اور اس کی روشنی کی نسبت ساتوں آسمانوں کی طرف کیوں؟

جواب ہر آسمان اتنا شفاف ہے کہ اسے کوئی درمیانی شے حاجب نہیں ہوتی تمام کو ایسا دیکھا جاتا ہے گویا وہ ایک کو دیکھ رہا ہے علاوہ ازیں ان کے کسی ایک میں شے ہے وہ گویا سب میں ہے۔

فائدہ حضرت ابن عباس و ابن عمرو وہب بن منبہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے کہ سورج و چاند اور ستاروں کے چہرے آسمانوں کی طرف اور پشتیں زمین کی طرف ہیں لفظ سراج کا بھی یہی تقاضا ہے اس لئے کہ اس کے نور کا ارتفاع اوپر کو ہوتا ہے اگر وہ ایسے نہ ہوں تو ان کی شدت حرارت سے زمین کی جملہ اشیاء جل کر راکھ ہو جائیں۔

اس لئے کہ ان کے نور کو زمین اور آسمانوں کے لئے نور اور سراج بنایا اس تقریر پر آنے والی آیت کا مضمون یوں ہوا کہ وَجَعَلَ الشَّمْسَ فِيهِنَّ سِرَاجًا یعنی اس میں فیھن محذوف ہے پہلے کے ذکر پر اعتماد کر کے وَجَعَلَ الشَّمْسَ اور بنایا سورج کو اور چوتھے آسمان میں ہے بعض نے کہا کہ پانچویں میں ہے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ گرمیوں میں چوتھے میں اور سردیوں میں ساتویں میں ہوتا ہے اگر وہ ہمیشہ چوتھے پہ یا پہلے آسمان پہ چمکے تو کوئی شے اس کی تاب نہ لا سکے ۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

آفتابے کز وے ایں عالم فروخت

اندکے گر پیش آید جملہ سوخت

ترجمہ: سورج کہ جس نے جملہ عالم دنیا روشن کر رکھا ہے اگر وہ تھوڑا سا آگے آجائے تو جملہ عالم جل جائے گا۔

سراجًا "چراغ" یہ تشبیہ بلیغ کے قبیل سے ہے یعنی سورج سراج کی طرح ہے جو فجر کے وقت سے رات کی تاریکی دور کرتا ہے اہل دنیا زمین پر اس کی روشنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور جملہ آفاق کو نور کرتے ہیں جیسے گھر والے چراغ کی روشنی میں گھروں کی اشیاء کو دیکھتے ہیں لیکن چاند میں یہ نہیں کیونکہ وہ فی جملہ نور ہے۔

نکتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسی لئے چراغ کہا گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے فرمایا ہے وسراجًا منیرًا کہ آپ کے نور نے کفر و نفاق کی تاریکی ایسی دور فرمائی کہ زمین سے اس کا نام تک مٹ گیا ؎

چراغ دل چشم چشم و چراغ جہان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ شمع ملت تو روشن بہ ہیتاں

دریں ظلمت سرا گر نہ چراغ افروختے شرعش

بجا کس رہ نمی بودے از تاریکی طغیاں

ترجمہ: ہمارے دل و جان کے چشم و چراغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ ملت شمع آپ کے احکام کے پر تو سے روشن ہے ۔ اس ظلمت سرا دنیا میں اگر آپ کی شرع پاک چراغ روشن نہ کرتی تو طغیان اگری کی تاریکی سے کسی کو نجات نصیب نہ ہوتی ۔

فائدہ عوام کے نزدیک چراغ کو سورج سے نور لیتا ہے کیونکہ وجہ تشبیہ کی مناسبت یہی ہے کہ وہ ظلمۃ اللیل کو دور کرتا ہے اور یہ بھی اس لئے کہ اسے رات کو استعمال کرتے ہیں ۔

سوال پھر چراغ کو چاند سے تشبیہ مناسب ہے کیونکہ چاند کا نور بھی عرضی اور سورج سے مستفاد ہے اسی لئے چراغ کی تشبیہ اسی سے اولی ہے بہ نسبت تشبیہ بہ سورج کے علاوہ اس میں دوسری خرابی یہ ہے کہ نہ ادنیٰ کی اعلیٰ سے تشبیہ کیسی۔

حضرت الشیخ صدر الدین القنوی قدس سرہ نے شرح اربعین میں فرمایا کہ الضیا بمعنی نور کا ظلمت سے

جواب امتزاج اور ذات قمر میں کوئی ایسی شے نہیں جو سورج میں امتزاج پیدا کر سکے یہاں تک ان کے مابین ضیا کا نتیجہ نکالا جاسکے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے چاند کو نور کہا نہ کہ سورج کو جو چراغ کا مشبہ ہے کیونکہ وہ اس شجرہ مبارکہ کے مشابہ ہے جس میں جہات نہیں ہیں اور وہ حضرت جامعہ الاسما والصفات ہے۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ اور اللہ تعالیٰ اگائے ہیں تمہارے لئے زمین سے سبزے یعنی عجیب سبزے اور تمہیں ان سے عجیب و غریب طریقے سے پیدا فرمایا تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے واسطے یا سب کو اس سے پیدا کیا اس لئے کہ تمہیں نطفوں سے پیدا کیا اور وہ نطفے انگوریوں سے اور انگوریاں زمین سے پیدا شدہ ہیں انبات انشأ سے استعارہ ہے کیونکہ وہ حدوث و تکون از ارض پر زیادہ دلالت کرتا ہے کیونکہ جب انہیں یقین ہو جائے کہ ان کا اصل تو سبزیاں ہیں تو مان جائیں گے کہ وہ محدث (نئی مخلوق) ہیں ایسے جیسے سبزیاں انبات کے بجائے نبات اس لئے کہ وہ مصدر مؤکد ہے انبتکم کا محذوف الزوائد اسے اسم مصدر کہا جاتا ہے جیسے آئندہ الا مضمون بتاتا ہے۔ (یعنی وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا)۔

بعض نے کہا کہ نباتا حال ہے مصدر نہیں اس میں تنبیہ ہے کہ انسان من وجہ نبات (سبزی) ہے اسی لئے اس کی

فائدہ طرح اسے زمین سے پیدا کر کے اس کی زمین سے ہی نشوونما ہوئی اگرچہ نبات (سبزی) اس میں ہر چند زوائد ہیں اور سبزی زمین سے اگتی ہے خواہ اس کی ساق (پنڈلی) ہو جیسے درخت یا نہ جیسے عام گھاس سبزیاں وغیرہ لیکن نبات عام عرف میں وہ جس کی ساق (پنڈلی) نہ ہو (جیسے گھاس وغیرہ) یعنی وہ جسے حیوان کھائیں یعنی چارہ وغیرہ۔

فائدہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کما انبتکم الخ کا مطلب یہ ہے کہ اے انسانو تمہاری غذا زمین سے ایسی چیز بنائی جس سے تمہارے اجسام بڑھتے ہیں جیسے سبزیاں کہ پانی سے بڑھتی ہیں مٹی کے واسطہ سے تو اس کی غذا بھی یہی نشاۃ (زمین) ہے اور اس کا نشوونما بھی اسی سے جس سے وہ پیدا شدہ ہے۔

ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا پھر تمہیں زمین میں لوٹائے گا کہ مرنے کے بعد تم اس میں مدفون ہوگے وَيُخْرِجُكُمْ اور اس سے تمہیں نکالے گا۔ بعث و حشر کے وقت اِخْرَاجًا نکالنا یقیناً محققاً اس میں کوئی شک نہیں۔ اولیاء کو جزا اور اعدا کو سزا کے لئے۔ یہاں ثم کی بجائے واؤ لائی گئی کہ وہ ثم کے معنی کی بھی جامع ہے اور یعیدکم کا معنی بھی اخراج میں ہے تاکہ اشارہ ہو جائے کہ اخراج اور اعادۃ فی القبر ایک شے ہے ایسا نہیں کہ ایک محقق الوجود ہو اور دوسری نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بشریت کی زمین سے اخلاق و صفات کے سبزے اگائے پھر تمہیں اس زمین میں بقا بعد الفنا کے ساتھ لوٹائے گا ساتھ طریق رجوع الی الاحکام باللہ

کے : طمع اور میل طبعی سے اور نکالے گا یعنی ظاہر کرے گا تمہیں تصرف فی العالم پر غلبہ دے گا اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ کہ تمہاری قدرت واستطاعت سے۔

تفسیر عالمانہ و ا اللہ اور اللہ تعالیٰ نے (اسم جلیل کا تکرار تعظیم وتمین وتبرک کے لئے ہے جَعَلَ لَكُمُ بنایا تمہارے لئے یعنی تمہارے منافع کے لئے۔ اَلْاَرْضَ زمین کو۔ اس کا تفصیلی بیان سورۃ ملک وغیرہ میں گذرا۔ بِسَاطًا بچھونا فراش اور بچھونے کی طرح فراخ بچھی ہوئی اس پر تم ایسے چلتے پھرتے ہو جیسے گھروں میں اپنے فروش اور بچھونوں پر۔

فائدہ ابو حیان نے فرمایا آیت کا ظاہر بتاتا ہے کہ زمین گیند کی شکل میں نہیں بلکہ بچھونے کی طرح ہے حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے بچھونا اس پر آسانی سے چلنے پھرنے کی وجہ سے کہا گیا ہے ورنہ وہ اصل میں گیند کی طرح اس کی بار بار تحقیق گذری ہے اس پر کھیتی اور باغات وغیرہ کا وجود منافی نہیں کیونکہ اس کا دائرہ (گھیرا) عظیم ہے جیسے مرغی کے انڈے اور شتر مرغ کے انڈے میں فرق ہے کہ مرغی کا انڈہ چھوٹا ہے اس پر وہم ہو سکتا ہے کہ زمین پر کچھ نہ ہو سکے گا لیکن شتر مرغ کے انڈے سے یہ وہم دور ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس کا گھیرا عظیم (بڑا) ہے۔ لِتَسْلُكُوْا تاکہ تم چلو۔ سلوک سے بمعنی دخول نہ کہ سلک سے بمعنی ادخال۔ مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا وسیع راستوں میں۔

حل لغات سبل سبیل کی جمع اور فجاجًا فج کی بمعنی فراخ راستہ تجرید کر کے یہاں معنی حرف فراخ لیا گیا سبلًا کی صفت ہے بعض نے کہا کہ اس سے وہ راستہ مراد ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان المفردات میں ہے کہ الفج وہ راستہ جسے دو پہاڑوں نے گھیرا ہوا ہو اب مطلق فراخ راستے کو کہا جاتا ہے۔

مِنْ ماقبل سے متعلق ہے اتخاذ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے اب معنی یہ ہوا کہ تاکہ تم چلو در آنحالیکہ لینے والے ہو زمین سے راستے پھر اس میں آنے جانے کے لئے تصرف کر دیا یہ (مِنْ) مضمر سے متعلق اور وہ سبلًا سے حال ہے یہ کائنۃ من الارض اگر یہ متاخر ہوتا اس کی صفت ہوگا اس کا چلنے کے لئے بچھونا بنانے اس کے منافی نہیں کہ اس سے اور کام لئے جائیں جیسے اس پر نیند واستراحت اور کھیتی۔ باغات وغیرہ

فائدہ سلوک ۲ قسم ہے۔

(۱) جسمانی یعنی حرکۃ اینیہ جو مقصد تک پہنچائے۔

(۲) روحانی یعنی حرکت کیفیت جو مقصود تک پہنچائے ان ہر دونوں کے بے شمار فوائد ہیں جیسے طلب علم۔ حج تجارت وغیرہ اور جیسے تحصیل محبت ومعرفت وانس وغیرہ

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ و اللہ جعل لکم الخ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بدن کی زمین

بچھونا بنائی ہے تاکہ اس میں حواس کے راستوں پر چلو اور فراخ راستوں پر نکل جاؤ اس کی جہتوں میں سماء الروح کے راستوں سے توحید کی طرف ہے جیسے حضرت (علی) امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے آسمان کے راستے پوچھو میں زمین کے راستوں کی بہ نسبت انہیں زیادہ جانتا ہوں اس سے آپ کی مراد وہ راستے ہیں جو کمال تک پہنچاتے ہیں یعنی مقامات و احوال جیسے زہد۔ عبادت۔ توکل اور رضا وغیرہ اسی لئے ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جسم مبارک کے ساتھ معراج پر تشریف لے گئے۔

تفسیر عالمانہ قَالَ نُوحٌ نوح علیہ السلام نے عرض کی۔ طول عہد کی وجہ سے لفظ حکایت عہد کا اعادہ کیا گیا حکایہ مناجات رب کے ساتھ یہ پہلے قائل کا قول ہے اسی لئے حرف عطف نہیں لایا گیا یعنی در آنحالیکہ اللہ تعالیٰ سے عرض کی، رَبِّ اے میرے پروردگار اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ انہوں نے میری نافرمانی کی۔ میری نافرمانی اور مخالفت پر مداومت کی کہ جو کچھ میں نے کہا انہوں نے اس کے خلاف کیا باوجودیکہ میں نے ان کی وعظ و نصیحت سے رہبری کی بڑی جد و جہد کی وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا اور اس کی اتباع کی جس نے ان کے خسارہ میں اضافہ کیا۔ یعنی ان رؤسا کی اتباع پر مداومت کی جنہیں مال نے مغرور بنایا ہے اور اولاد نے فریب دیا وہی مال اور اولاد ان کے آخرت کے خسارہ کے اضافہ کا سبب ہیں اب ان کا خسارہ کے سوا اور کوئی کام نہیں۔

نکتہ اس وصف سے انہیں موصوف کرنے میں انہیں آگاہ کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کی رؤسا کی اتباع محض ان کی مال اور اولاد کی وجاہت کی وجہ سے ہے کہ جب انہیں امور دیکھے تو یقین کر لیا کہ یہی اتباع کے لائق ہیں جیسے کفار قریش نے کہا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ (یہ قرآن اس مرد عظیم پر کیوں نہ نازل ہوا جو ان دو بستیوں کے درمیان رہتا ہے۔ انہوں نے بھی اتباع کا موجب مال و اولاد کو سمجھا۔

فائدہ آیت سے ثابت ہوا کہ اکثر مال و اولاد کی زیادتی پہلے ہلاکت روحانی اور دین کی گمراہی کا موجب بنتی ہے پھر یقین سے گمراہ کرنے کا سبب ہوتی ہے۔

فائدہ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت کے نظم سے سمجھا گیا کہ مال و اولاد عین خسارہ ہیں اور ان کی زیادتی ان کے خسارہ کے اضافہ کا سبب بنی۔

ازالہ وہم اگرچہ اس کی حقیقت یونہی ہے لیکن کبھی مال و اولاد سعادت ابدیہ کا بھی سبب ہیں جب ان پر شکر کیا جائے اور انہیں وجوہ خیر و بھلائی پر خرچ کیا جائے اور فریب و دھوکہ کا سبب اس وقت ہیں جب منعم کی نعمت کی ناشکری کی جائے۔ پھر یہی دائمی عذاب کا وسیلہ ہیں جو ان سے خیر و بھلائی سے ہٹ کر فائدہ اٹھاتا ہے وہ سعادت آخرت سے محروم ہو جاتا ہے اس کی مثال اس کی ہے جو وہ حلوہ کھائے جس میں زہر ملا ہوا ہے تو اسے

ہلاکت کے سوا چارہ نہیں کیونکہ ہر لقمہ اس کے بارے میں ہلاکت ہی ہلاکت بنتی ہے پھر ایسے شخص کا کیا اعتبار جسے ایسی ہلاکت نصیب ہوئی۔

تو غافل در اندیشہ سود و مال
کہ سرمایۂ عمر شد پائمال

ترجمہ: تو نفع و مال کے فکر میں غافل ہے اس طرح سے تیری عمر کا سرمایہ ضائع ہو گیا۔

وَمَكَرُوْا اور انہوں نے مکر کیا اس کا عطف صلہ پر ہے کیونکہ بڑا مکر بڑوں کے لائق ہوتا ہے۔ جمع کا صیغہ باعتبار معنی کے ہے المکر بمعنی خفیہ حیلہ۔ کشف الاسرار میں ہے المکر لغت میں انتہائی حیلہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بمعنی اخفاء و تدبیر۔ مَكْرًا كُبَّارًا بڑا مکر۔ بڑا انتہائی مکر بالتخفیف بھی پڑھا گیا ہے پہلا زیادہ بلیغ ہے اور بالتخفیف کبیر سے جیسے طُوّال و طُوَال و طویل۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دین سے لوگوں کو دین حق سے باز رکھنے کے کئی حربے استعمال کرتے تھے۔

نکتہ چونکہ توحید اعظم المراتب ہے اسی لئے اس سے منع اور شرک بھی اعظم الکبائر ہے اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے مکراً کبارًا سے موصوف فرمایا ہے۔

وَقَالُوْا اور کافروں کے رؤسا نے اپنے تابعدار اور عوام کفار کو کہا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ اپنے معبودوں کو مت چھوڑو۔ ان کی پرستش مطلقاً نہ چھوڑنا اور نہ ہی نوح علیہ السلام کی بات ماننا۔ مکرو کا اتبع وا پر جس نے عطف ڈالا وہ کہتا ہے اس کا معنیٰ وقالوا یعنی ان کے بعض نے بعض کو کہا اس معنیٰ پر قائل کل نہ ہوئے بلکہ بعض ہوئے تھا۔

وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ اور نہ چھوڑو ودّا و سواعا یغوث یعوق اور نسر کو۔

نکتہ پچھلے دو رسموں سے عطف چھوڑ دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تاکید انتہا کو پہنچی تو معلوم ہوا کہ ان کا مقصد ہر ہر فرد ہے نہ ان کا مجموعہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے لوگو ان پانچوں کی پرستش کو نہ چھوڑنا اس تقریر پر عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے انہیں خصوصیت سے بھی اسی لئے ذکر کیا گیا اگرچہ عموم میں وہ پہلے مندرج تھے اس لئے یہ ان کے سب سے بڑے بت تھے اور سب سے بڑھ کر معظم و معبود تھے۔

عرب میں بت بعینہٖ یہی بت عرب کو منتقل کئے گئے چنانچہ ود کلب قبیلہ کے پاس جو دومۃ الجندل میں تھے بضم دال (دومہ) اسی لئے انہیں عرب میں وُد کے عبد وُدّ (ود کا بندہ عبادتگزار) نام رکھے۔

فائدہ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وُدّ بت کا نام ہے یا تو اس لئے کہ انہیں اس سے محبت و عقیدت تھی یا اس لئے کہ وہ سمجھتے کہ اس کی اور اللہ تعالیٰ کی آپس میں محبت ہے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے اور سواع ہمدان کا بت تھا۔ ہمداں بکسر المیم ایک قبیلہ ہے یمن میں اور یغوث مذحج کا بت تھا۔ مذحج بمجوں مجلس بالذال المعجمۃ اس کے آخر میں جیم اسی لئے عرب عبد یغوث نام رکھتے تھے۔ یعوق مراد کا تھا مراد بمجوں غراب ایک

قبیلے کا باپ تھا اس کا یہ نام اسی نمرد کی وجہ سے تھا۔ نسر حمیر کا بت تھا دبکسر الحا و سکون المیم بروزن درہم ایک جگہ ہے صنعاء الیمن میں۔

فائدہ بعض نے کہا عرب میں یہ بت بعینہٖ منتقل نہیں بلکہ ان کے اسمأ منتقل ہوئے ان جیسے عربوں نے بت تیار کئے اور ان کی پرستش کرتے تھے کیونکہ اتنا عرصہ دراز تک ان کا بعینہٖ ان کا باقی رہنا نا ممکن ہے کیونکہ زمانہ طوفان میں تمام دنیا تباہ و برباد ہو چکی تھی اور انہیں نوح علیہ السلام نے کشتی میں بھی نہیں رکھا تھا کیونکہ آپ تو ان کی بیخ کنی کے لئے مبعوث ہوئے پھر کیسے انہیں ساتھ رکھتے۔

تردید از صاحب روح البیان قدس سرہٗ ان کے مٹ جانے کا قول محل نظر ہے اس لئے کہ طوفان نے انہیں ساحل جدہ میں دفن کر دیا تھا وہ وہاں مدفون تھے مشرکین عرب کے ملعونوں نے نکال لیا تھا۔ اس کی نظیر آدم علیہ السلام کی لغات کا قصہ ہو سکتا ہے وہ یہ کہ آپ نے مختلف لغات مٹی کے گارہ پر لکھ کر انہیں آگ سے پکا کر رکھ چھوڑا تھا جب تمام دنیا طوفان میں غرق ہوئی تو وہ لغات مدفون پڑی رہیں یہاں تک ہر ایک قوم نے اپنی بولی کو مدفونہ لغات سے حاصل کر کے لکھا۔ اسماعیل علیہ السلام کو کتاب ملی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ نام (ودّ سواع الخ) نیک لوگوں کے اسمأ تھے جو آدم و نوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ میں گذرے بعض نے کہا کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں تھے ان کے وصال سے لوگ بہت بڑے مغموم محزون ہوئے ان کی قبور کے گرد جمع ہو گئے اور ہر وقت قبور گھیرے رہتے یہ ارض بابل میں تھے جب ابلیس نے ان کا حال دیکھا تو وہ آدمی کے بھیس میں ان کے پاس آیا اور کہا کہ میں تمہیں ان کے فوٹو اور مجسمے بنا دوں جنہیں دیکھ کر تم انہیں یاد کرو۔ چنانچہ اس نے تانبے، پیتل، لکڑی اور لوہے کے مجسمے تیار کر کے انہی صلحأ کے نام پر رکھ دیئے جب وہ بڑا عرصہ گذر گیا اور ان کے ابنأ اور ابناء الابنأ مر گئے تو آنے والی نسلوں کو بتایا کہ تمہارے آباؤ اجداد تو ان کو پوجتے تھے تم بھی انہی پوجو چنانچہ وہ ابلیس کے کہنے پر اسے پوجنے لگے۔ مہلا ئیل بن قینان کے زمانہ میں یہ بد (بت پرستی) تھی۔

عرب میں بت پرستی کا رواج ان لوگوں کے بعد یہ رسم (بت پرستی) عرب میں دور جاہلیت میں شروع ہو گئی اس کی وجہ وہ ہوئی جو گذرا کہ ابلیس نے وہی مجسمے (جو طوفان سے پہلے چھپا دیئے گئے تھے) ابلیس نے اہل عرب کو نکال دیئے یا عمرو بن لحی نے سب سے پہلے بت کعبہ معظمہ پر لگائے ایک جن کی تابعداری میں جس نے اسے کہا کہ جدہ (شہر) سے جا کر بت لے آ۔ انہی کی نوح و ادریس علیہما السلام کے زمانہ میں پرستش ہوتی تھی ان بتوں کے نام یہ ہیں ود۔ سواع الخ عمرو بن لحی وہاں سے یہ بت مکہ معظمہ میں لایا اور ان کی پرستش کی دعوت عام کی اس طرح سے عرب میں بت پرستی عام پھیل گئی (عمرو بن لحی) نے تین سو چالیس سال عمر پائی اور اس کی

اولاد (بیٹے۔ پوتے۔ پھاتے وغیرہ) ایک نڈر اور نہایت بہادر تھے اسی لئے اس کی اور اس کی اولاد میں مکہ معظمہ پر پانچسو سال سلطنت رہی اس کے بعد سلطنت قریش کو منتقل ہوئی ان کی بھی بت پرستی کے رواج میں مکہ معظمہ پر پانچسو سال سلطنت رہی گویا بیت اللہ پورا ایک ہزار سال بت پرستی کا مرکز رہا۔

امام شعرانی قدس سرہٗ کی ایک تقریر امام شعرانی قدس سرہٗ نے فرمایا اس کی ایجاد (بتوں کا بنانا) دراصل قوت تنزلیہ کو مضبوط کرنے کے لئے علمأ متقدمین نے کی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح سے منزہ سمجھانے کے لئے کوشش کرتے عوام کو دیکھا کہ تعطیل (اللہ کو معطل سمجھنا) کی بیماری میں مبتلا ہو رہے ہیں بلکہ معطل کو رائج کردیا تو علمأ نے بت بنائے اور ان پر ریشمی لباس اور زیور اور گوہر (موتی) پہنا کر ان کی تعظیم سجود وغیرہ سے سکھائی تاکہ عوام ان کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا مفہوم سمجھیں جو ان کے عقول سے غائب ہے بلکہ ان علمأ سے بھی لیکن ان علمأ کو ایسا کرنا جائز نہ تھا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی اجازت نہ تھی۔

فائدہ سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ اسمأ ان لوگوں نے کہاں سے حاصل کئے یہ اسمأ تو بہت قدیم الایام میں تھے نامعلوم ہند سے لئے یا کہاں سے۔ ہاں [illegible] مذکور رہے کہ [illegible] ان کی بت پرستش نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بعد شروع ہوئی۔ شاید ابلیس نے ہی وہ القا کیا جو جاہلیت اولیٰ یعنی نوح علیہ السلام کے زمانہ سے پہلے ہوتا تھا۔

فائدہ تکملہ میں ہے کہ حضرت تقی بن مخلد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اسما جو سورۃ ہذا میں مذکور ہیں حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے یغوث ان سب سے بڑا تھا اور یہ سریانی نام ہیں پھر یہ اسما ہند میں رائج ہو گئے انہوں نے اپنے بتوں کے نام رکھ دیئے اس خیال پر یہ [illegible] سبعہ ہیں اور ان کے اندر جن بولتے تھے اس وجہ سے وہ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے اس کے بعد یہ رسم بد (بت پرستی) عرب میں سب سے پہلے عمرو بن لحی [illegible] بن قمعہ بن الیاس بن مضرہ نے رائج کی اگرچہ یہ بیماری پہلے بھی عرب میں سرایت کرچکی تھی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ ود (بت) مرد کی شکل اور سواع (بت) عورت کی شکل میں یغوث شیر کی شکل میں یعوق گھوڑے کی شکل میں نسر (گدھ) وہ بڑا پرندہ جو اشیأ کو نگل لیتا ہے میں تھے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے وہ معبود جن کی تم پرستش کرتے ہو جن پر تم اپنی خواہشات سے ان پر ٹوٹ پڑتے ہو وہ تمہارا بدن ہے جس کی تم اپنی خواہشات سے پرستش اور اس سے محبت کرتے ہو اور سواع نفس ہے اور یغوث اہل و عیال ہے اور یعوق مال اور نسر حرص ہے۔

تفسیر عالمانہ وَقَدْ اَضَلُّوْا اور بیشک رؤسا (سرداروں) نے گمراہ کیا یہ جملہ حالیہ ہے کَثِيْرًا بڑی مخلوق کو۔ یا بتوں نے گمراہ کیا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا رب انہن اضللن کثیرا من الناس

ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔

سوال اَضْلَلْنَا میں اگر بت مراد ہیں تو صیغہ جمع مذکر ذوی العقول کیوں؟

جواب چونکہ مشرک انہیں معبود مانتے تھے لہذا انہیں عقلاً کے اوصاف سے موصوف کرتے تھے فہم پر انہیں ذوی العقول کہا گیا اور کہا جاتا ہے۔

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝ اور تو ظالمین کو سوائے گمراہی کے نہ بڑھانا۔ ان کا شرک کیونکہ شرک عظیم ظلم ہے اس لئے کہ ظلم اصل میں شے کو غیر جگہ پر رکھنے کو کہتے ہیں۔ اور یہاں ایک کیا شے بُری ہوگی کہ خسیس مخلوق کو اور اس کی عبادت کو خالق فرد صمد اور اس کی عبادت پہ رکھا گیا۔

فائدہ اسی جملہ کا عطف رب انہم عصونی الخ پر ہے گویا نوح علیہ السلام نے کہا اے پروردگار میری نافرمانی کی اور اے پروردگار تو نہ بڑھا مگر گمراہی میں۔ بعض نے کہا کہ یہ حکایت نہ کہ محکی سے یا یہ کلام الٰہی ہے نہ کہ نوح علیہ السلام سے تو گویا نوح علیہ السلام نے یہ دونوں قول کہے بغیر ڈالنے کے اس معنیٰ پر اللہ نے ان کے ایک بتقدیر قول سے شروع فرمایا دوسرا واؤ کو قال کے نائب عطف سے بیان فرمایا اس تقریر پر عطف الانشاء علی الاخبار لازم نہیں آتا یہ بھی جائز ہے کہ اس کا عطف مقدر فاخذلہم قالوا تھا اس تقریر پر یہ محکی سے ہے اور ضلال سے مراد ان کا ظلم اور ہلاکت اور یہ بھی میں ہے ان کا مکر اور امر دینی کے بجائے دنیا کے مصالح کی ترویج۔

سوال حضرت نوح علیہ السلام مبعوث ہوئے کہ انہیں گمراہی سے ہٹائیں نہ یہ کہ ان کے لئے گمراہی کی دعا گمراہی میں بڑھ جائیں علاوہ ازیں نوح علیہ السلام کی دعا ان کی رضا کو بھی متضمن ہے کیونکہ جو کسی کے لئے کوئی دعا تو وہ اس کام کو پسند کرتا ہے تو دعا کرتا ہے یہ انبیاء علیہ السلام کے حق میں ناجائز (بلکہ ممتنع) ہے کہ وہ کسی کے دعا کریں کہ وہ گمراہی میں بڑھ جائے اور ایسی دعا کو کفر کو متضمن ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام سے ایسا فعل

جواب ممکن ہے اس کا یہ جواب ہو کہ نوح علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت مانگی ہو جب آپ پر وحی ہوئی لا یؤمن من قومک الا من قد امن۔ بیشک تمہاری قوم سے اب کوئی ایمان نہیں لائے گا جو ایمان لا چکے اور ظاہر ہے کہ کفر اس وقت لازم آتا جب اسے مستحسن (اچھا) سمجھا جاتا اس کی نظیر موسیٰ علیہ السلام کی دعا بھی ہے کہ آپ نے فرعونیوں کے لئے کہا واشدد علیٰ قلوبہم۔ (اور ان کے دل سخت کر دے) دیکھئے اس شریر کی موت چاہے جس کے کفر رچ گیا ہے تاکہ اللہ عذاب دے کر اس سے بدلہ لے تو کفر نہیں (تو) کی دعا بھی اسی قبیل سے تھی) اب مطلب یہ ہوا کہ ظالم لوگ گمراہی میں بڑھیں تاکہ ان کے عذاب میں اضافہ ہو نے کافروں کے لئے فرمایا انما نملی لہم لیزدادوا اثما بیشک ہم انہیں مہلت دیتے ہیں تاکہ گناہ میں بڑھیں انی ارید ان تبوء باثمی واثمک فتکون من اصحاب النار (ہابیل نے قابیل کو کہا کہ) میں تو یہ چاہتا ہوں کہ

ور تیرا گناہ دونوں تیرے پر ڈالیں پڑے اور تو دوزخی ہو جائے۔

فائدہ نوح علیہ السلام نے جب دعوت کا آغاز کیا آپ کے معاصرین نے نہ مانا پھران کی اولاد کو دعوت دی وہ بھی

نہ مانے ایسے ہی سات قرون تک مسلسل یہ لوگ نہ مانے جب ان سے مایوس ہوئے تو پھر مذکورہ بالا دعا مانگی۔

مِمَّا خَطِيۡٓـٰٔتِهِمۡ (اپنی کیسی خطاؤں پر اپنی قوم نوح (علیہ السلام) خطاؤں کی وجہ سے اور ان اعمال سے جو سراسر

ب کے خلاف تھے یعنی کفر و معاصی سے اور ما جار و مجرور کے درمیان زائدہ ہے تاکہ حصر کے لئے جو مِمَّا

خَطِيۡٓـٰٔتِهِمۡ کی تقدیم سے حاصل ہوئی ہے۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ ان کا طوفان میں غرق ہونا ان کے معاصی و خطاؤں سے تھا۔ اس سے منجمین (نجومیوں)

کے دعویٰ کی تردید و تکذیب مطلوب ہے انہوں نے کہا کہ وہ اس لئے غرق ہوئے کہ روضاح فلکیہ کا تقاضا

تھا وغیرہ وغیرہ۔ ایسا کہنا بھی کفر ہے کیونکہ اس سے مذکورہ بالا آیت کے صریح خلاف ہے۔

ما کا ابہام تاکید کے علاوہ ایک فائدہ اور بھی ہے وہ ہے ان کے خطاؤں کی تفخیم کا اظہار یعنی انہوں نے

معمولی گناہوں کا ارتکاب نہیں بلکہ بڑے عظیم معاصی خطیئات کے مرتکب ہوئے تھے اور جو کہتا ہے کہ یہ ما زائدہ

وہ کہتا ہے یہ نحرہ کا ہے اور یہ تکثیر خطیئات کا مقام ہے کیونکہ انہوں نے کامل ایک ہزار گناہ کئے اور خطیئات

ہے اور قرینہ کے بغیر دس سے اوپر اس کا اطلاق جائز نہیں لیکن رضی (نحوی) کے کلام سے ظاہر یہ ہے کہ جمع

تکثیر ہر دونوں مطلق جمع کے لئے آتی ہیں بالحاظ قلت و کثرت کے اس معنی پر ہر دونوں سالم و تکثیر ہر دونوں

(قلت و کثرت) کی صلاحیت رکھتی ہیں اسی لئے بعض نحویوں نے کہا کہ یہ دونوں (سالم و تکثیر) ہر دونوں (قلت و کثرت میں)

مشترک ہیں ان کا استدلال آیت مانفدت کلمات اللہ (کلمات اللہ ختم نہ ہوں گے) سے ہے۔

أُغۡرِقُواْ دنیا میں طوفان سے غرق ہوئے کسی اور سبب سے نہیں۔ ایسے ہر طرح کے خطاؤں کے ارتکاب

ہے فَأُدۡخِلُواْ نَارٗا پھر آگ میں داخل کئے گئے۔ نارا کی تنکیر یا تو تعظیم و تہویل کے لئے ہے یا اس لئے کہ

ان کی خطاؤں کی وجہ سے ان کے لئے خاص قسم کی نار تیار فرما رکھی تھی۔ اس سے یا تو قبر کا عذاب مراد ہے کیونکہ

غرق ہونے کے بعد پہلے یہی ہے وہ اگرچہ وہ بظاہر پانی میں تھے لیکن درحقیقت نار میں تھے کیونکہ قاعدہ شرعیہ ہے

کہ مرے پانی میں یا آگ میں یا اسے درندہ کھائے یا پرندہ اسے اسی طرح کا عذاب پہنچے گا جو قبر میں مدفون کو

ضحاک نے کہا کہ وہ ایک جانب میں پانی میں غرق تھے یعنی ان کے اجسام دوسرے جانب سے نار میں یعنی ان

کی ارواح اس طرح سے و نار و ما کے عذاب کے جامع ہوئے جیسے ایک شاعر نے کہا ہے

الخلق مجتمع طور مفترق

والحادثات فنون ذات اطوار

لا تعجبن لاضداد اذا اجتمعت

فاللہ یجمع بین الماء والنار

ترجمہ: مخلوق جمع بھی ہے متفرق بھی۔ حادثے گوناں گوں اور طرح طرح کے ہوتے ہیں۔ اضداد کے اجتماع سے تعجب نہ کرو۔ اللہ پانی اور آگ کو جمع کر سکتا ہے۔

فائدہ یا اس سے عذاب جہنم مراد ہے اور فائے تعقیبیہ ان کے تعقب کو ان کے اغراق کے بمنزلہ قرب و تحقق کے کیا گیا گویا ان کے غرق ہوتے ہی ان پر عذاب مسلط کر دیا گیا۔ اغراق و تعذیب کے زمانوں کو ایک دوسرے سے ملایا گیا جیسے حدیث شریف میں ہے من مات فقد قامت قیامۃ جو مرا اس کے لئے قیامت قائم علاوہ ازیں نار سے آدمی نار مراد ہے وہ ہے برزخ میں صرف ارواح کے لئے دوسری کامل وہ ہے جو میدان حشر کے بعد اجسام و ارواح ہر دونوں کے لئے اسی طرح جحیم پر نعیم (بہشت کی نعمتوں) کا قیاس کیجئے۔

فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بالمقابل کوئی مددگار نہ پایا۔ یعنی ان کے کسی ایک کوئی مددگار نہ پایا جو اس کی مدد کرے اللہ کے قہر و انتقام کے عذاب سے۔

فائدہ اس میں کافروں کو تعریض ہے کہ انہوں نے بتوں کو معبود بنائے رکھا اپنی نجات کی امید پر لیکن انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ یہ ان کی مدد پر کسی قسم کی قدرت نہیں رکھتے (فائدہ) ان کے بتوں کو انصار کہنا ان سے تہکم ہے اور مِن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا سے حال متقدم ہے اور جملہ استینافیہ ہے آگاہی کے لئے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا ہوئی اور اسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی تسلی اور عاصی کو عذاب اور اس کے اسباب سے تخویف (ڈرانا) ہے۔

وَقَالَ نُوحٌ اور نوح علیہ السلام نے کہا۔ جب نوح علیہ السلام ان کے ہدایت پانے سے بالکل نا امید ہوئے اغلب نشانیوں یا اللہ کے خبر دینے سے۔ رَّبِّ میرے پروردگار لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ زمین پر نہ چھوڑ مِنَ الْكَافِرِينَ اپنے ساتھ اور اس کے ساتھ جو تجھ سے احکام لائے گئے کفر کرنے والوں کو۔ حال مقدم ہے دَيَّارًا بسنے والا۔ ہے کوئی ایک جو زمین پر چلے پھرے آئے جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کافروں کی بنیادیں اکھیڑ ڈالیں انہیں تباہ و برباد کیا۔ اس کا اپنے ہم مثل جملہ سابق پر عطف ہے اور مما خطیئاتہم جملہ معترضہ ہے جو نوح علیہ السلام کے دعا کے درمیان واقع ہے تا کہ آگاہی ہو کہ انہیں جو کچھ ہوا اغراق و احراق یہ سب ان کے اعمال کی شامت ہو۔ نیز آگاہ کیا گیا کہ ان خطاؤں کی وجہ سے وہ اس ہلاکت و تباہی کے مستحق بھی تھے اسی لئے یہ نفس اغراق و احراق کی حکایت ہے ملی طریق اس حکایت کے جو نوح علیہ السلام اور ان کے درمیان احوال و اقوال جاری ہوئے دنیا

ان کی اس دعا کی حکایت سے مؤخر ہوتا دیار ان اسماء سے ہے جو نفی عام میں مستعمل ہوتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے۔ ما بالدار دیار دار میں کوئی بسنے والا نہیں۔ یا ما بالدار دیور کوئی دار میں بسنے والا نہیں۔ جیسے قیام و قیوم یعنی دار میں کوئی نہیں یعنی اسمیں کوئی سکونت پذیر نہیں۔ دیار بروزن فیعال از دور یا دار ہے دراصل دَیْوار تھا اس پر وہی قانون جاری ہوا جو سید پر جاری ہوا۔ پہلے قاعدہ پر دیار کا معنیٰ ہوا کہ یہاں کوئی نہ رہے کہ زمین پر پھرے اور آئے جائے دوسرے پر معنیٰ یہ ہوا کہ کوئی ایک ایسا نہ ہو جو دار میں اترے اور اسمیں سکونت پذیر ہو۔

فائدہ بعض نے دیار کا دوران سے اشتقاق کا انکار کیا ہے کیونکہ یہ اس سے مشتق ہوتا تو طوفان کے بعد زمین پہ کوئی جن ہوتا نہ شیطان اور یہ معنیٰ مراد ہی نہیں بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ کافروں میں سے کوئی بھی دار میں سکونت پذیر نہ ہو۔ یعنی کوئی انسان (کافر) نہ بچے۔

تحقیق صاحب روح البیان قدس سرہٗ فقیر صاحب البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ اس کا جواب آسان ہے وہ یہ کہ نوح علیہ السلام کا ارادہ یہ تھا کہ روئے زمین پر امت دعوت میں سے کوئی کافر بھی روئے زمین پر نہ رہے اور جن و شیطان نوح علیہ السلام کی امت دعوت میں سے نہ تھے کیونکہ نوح علیہ السلام (ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرح) ثقلین کی طرف مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ اور نہ ہی دیار از دار ہے ورنہ اسے دوّار کہا جاتا کیونکہ دار دراصل دور تھا واؤ الف سے تبدیل ہوئی کیونکہ عین ضعیف حرکت کی حامل نہیں اس تقریر پر دوّار ہونا چاہیئے واؤ صحیحہ شدہ سے کیونکہ اسے یا سے تبدیل کرنے کا کوئی قانون نہیں۔

(اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ (بے شک تو اگر انہیں رہنے دے گا) روئے زمین پر کل یا بعض کو اور انہیں ہلاک نہیں کرے گا یہ نوح علیہ السلام کی دعا کی وجہ ہے اور دین کی غیرت کا اظہار ہے نہ کہ نفسانی خواہش کے غلبہ سے یُضِلُّوْا عِبَادَكَ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے۔ سیدھے راستہ حق سے بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے عِبَادَكَ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی تیرے مومن بندوں کو گمراہ کر دیں گے اس میں اشارہ ہے کہ اہل دراصل وہی بندے ہیں جو اہل ایمان ہیں لیکن اس میں نظر ہے وہ یہ کہ یہاں مراد یہ ہے کہ وہ تیرے بندوں کو تیرے راستہ سے روکیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا وصدو عن سبیل اللّٰہ (اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکا)۔ اس پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کا کوئی ایک اپنے چھوٹے بچے کو نوح علیہ السلام کے پاس بچے کو لے جا کر کہتا اس شخص سے بچنا یہ جھوٹا ہے (معاذ اللہ) کیونکہ مجھے باپ نے وصیت کی تھی کہ یہ جھوٹا ہے۔ چنانچہ جب وہ مر جاتا تو وہی بچہ جوان ہو کر نوح علیہ السلام کا مخالف ہو جاتا اور کہتا کہ مجھے باپ نے وصیت کی تھی کہ اس سے بچنا یہ جھوٹا ہے (معاذ اللہ) وَلَا يَلِدُوْٓا اور نہ جنیں گے۔ اِلَّا فَاجِرًا مگر فاجر (بدکار)

حل لغات از الفجر بمعنی شے کا خوب چیر جانا جیسے فجر الانسان السکر (بالکسر نہر کا بند) اور وہ شے جو نہر کو روکے) یعنی انسان نے نہر کا بند توڑا۔ الفجور بمعنی دیانۃ کا ستر پھاڑنا۔
کَفَّارًا بڑا ناشکرا بہت بڑا کفر و (کفران (ناشکری) والا۔

حل لغات امام راغب اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار کفور سے زیادہ بلیغ ہے یعنی کفران نعمت میں بڑا اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جنیں گے ایسے جو بدکاری اور کفر کریں گے یہی وجہ ہے کہ ان کا وئے زمین سے اُٹھ جانا بہتر ہے اور اس کا حقیقی علم تجھے ہے نوح علیہ السلام نے ان کی یہ صفت ان کے بعد بلوغ کی بیان کی ہے کہ ان کی اولاد بعد بلوغ ایسے ہو جائے گی اس معنیٰ پر یہ مجاز ہے گویا نوح علیہ السلام نے قبل از وقت معذرت کرلی کہ ان پر اعتراض وارد ہو کہ آپ نے تو ان سب کے استیصال (تباہی و بربادی) کی دعا فرمائی حالانکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی اولاد میں سے بعض ایمان لانے لیکن یہ تقریر غلط ہے اس لئے کہ نوح علیہ السلام نے ان کی تباہی و بربادی کی دعا از خود نہیں بلکہ وحی ربانی کے مطابق مانگی جیسا کہ سورۃ ہود میں ہے کہ واوحی الیٰ نوح انہ لن یؤمن الامن قد آمن اور نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی کہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے مگر وہ جو ایمان لا چکے۔

سوال ممکن ہے کہ یہ دعا وحی سے پہلے ہو اور تمہاری تقریر تب صحیح ہو سکتی ہے جب معلوم ہو کہ نوح علیہ السلام نے یہ دعا اس وحی کے بعد کی اور یہ معلوم نہیں؟

جواب وحی کے بعد دعا ہذا کا قرینہ واضح ہے وہ یہ کہ آپ نے یہ دعا اس وقت مانگی ہو گی جب ان کے لئے عذاب کے آثار دیکھے تو یہ دعا گویا آپ کے اواخر سے ہے اور وحی سے پہلے۔

فائدہ ایک مثال مشہور ہے کہ سانپ سے سانپ ہی پیدا ہوتا ہے (اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ بُرے سے بُرا پیدا ہوتا ہے) لیکن یہ قاعدہ اکثریہ ہے (کلیہ نہیں) اسی قاعدہ پر کہا گیا ہے اذطاب اصل المرء طابت فروع۔ جب کسی کی اصل نیک ہو تو فروع بھی نیک ہوں گے اسی سے ہے الولد سرّ لابیہ اولاد اپنے باپ کا راز (مظہر) ہوتی ہے۔

نکتہ اس کی وجہ بھی یہی بتائی جاتی ہے کہ جب اولاد جوان ہو گی تو وہ اپنے باپ کے عادات پر عمل کرے گی یا اس کی طبائع سے سرقت (اثر حاصل) کرے گی بلکہ بہت سے لوگوں کی صحبت سے بھی اثرات حاصل ہوتے ہیں نیک یا بُرے (لیکن یہ بھی اکثریہ قاعدہ ہے کلیہ نہیں)۔

صاحب روح البیان کی تقریر فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے فیہ ما فیہ (اس میں ایک راز ہے) جو واضح ہے وہ یہ کہ اس میں جلال و جمال کا ظہور ہوتا ہے کبھی جمال باپ میں ظہور ہوتا ہے تو وہ بیٹے کے باطن میں ہوتا ہے۔ جیسے قابیل بن آدم علیہ السلام میں ہوا کہ وہ جلال جو آدم علیہ السلام کے باطن میں تھا وہ قابیل میں ظاہر ہو گیا اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے مثلاً وہ جمال جو آدم علیہ السلام

کے باطن میں تھا وہ ہابیل میں ظاہر ہوا اور تا قیامت مخالفت و موافقت کا یہی حال رہے گا۔

فائدہ بعض اکابر نے فرمایا کہ یہ اعتذار نوح علیہ السلام قیامت میں کریں گے جب مخلوق آپ سے شفاعت کے لئے عرض کرے گی تو فرمائیں گے میں نے تو اپنی امت کو دعوت دی لیکن وہ نہ مانی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا ولا یلدوا الا فاجرا کفارا اور یہ اعتذار دُعا سے نہیں اس حیثیت سے کہ وہ دُعا ہے۔

فائدہ اسمیں یہ اشارہ بھی ہے کہ ان کی یہ دُعا انہیں عدم قبول ایمان کی علامات دیکھکر کی کہ انہیں کامل ایک ہزار سال آزمایا لیکن ان سے سوائے کفر و فجور کچھ صادر نہ ہوا۔ اگر انہیں وحی کے ذریعہ یہ حکم ہوتا تو معذرت نہ کرتے (جیسے القاشانی) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نوح علیہ السلام قوم کی دعوت سے ملول اور دل تنگ ہو گئے آپ پر غضب کا غلبہ ہوا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ قوم کو تباہ و برباد کردے اور ان پر قہر کی آگ برسائے۔ آپ نے ان کے ظاہری حال کے مطابق ایسا فرمایا تھا کیونکہ وہ محجوب کہ جس پر کفر کا غلبہ ہو وہ اپنے جیسے کافر کو جنے گا۔ اس لئے کہ وہ خبیث نطفہ جو اس میں نشوونما پائے گا وہ بھی اس کی طرح خبیث محجوب ہی ہوگا اسی کی طرح ہی ہیئۃ مظلمہ (تاریکی سے بھرپور) ہوگا اور وہ وہی قبول کرے گا جو اس کے اصل میں ہوگا کیونکہ جیسا بیج ویسا پھل لیکن "الولد سر لابیہ" کے قاعدہ پر ان کی توجہ نہ رہی جبکہ اولاد پر کبھی غالب حال باطنی بھی مؤثر ہوجاتا ہے اس لئے کہ بہت سے کافر باقی الاستعداد صافی الفطرۃ نقی الاصل ہوتے ہیں بوجہ استعداد فطری کے صرف اس پر غلبہ پاگئی ہے ظاہری عادت اور آبا کا دین اور قوم کے ساتھ نشست و برخاست اسی لئے وہ ظاہری طور ان کے دین پر ہوگیا ورنہ اس کا باطن تو اسلام (کی فطرت) پر ہے اسی لئے وہ کبھی مسلمان بچہ کو جنتا ہے اسی نوری حالت کی وجہ سے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آب تو اسی ہیئۃ غضبیہ ظلمانیہ جو ان کے باطن پر غالب تھی پیدا ہوئے کیونکہ وہ اسی حالت محجوبہ کی وجہ سے اپنے ابن کنعان کے لئے کہہ بیٹھے تھے۔

فائدہ بنی نوح علیہ السلام کی دعا مذکور از روئے وحی نہ تھی اس ایک دلیل وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر کے غضب کو نوح علیہ السلام کے غضب سے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نرمی کو ابراہیم علیہ السلام کی نرمی سے تشبیہ دی ہے۔

؎ یہ اس تحقیق کے خلاف ہے جو ہم بارہا اس تفسیر میں لکھ چکے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا باپ آذر نہ تھا بلکہ تارخ تھا آپ کا چچا تھا چنانچہ ابن المنذر صحیح سند کے ساتھ حضرت جریج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا لَیْسَ آزَرُ بِاَبِیْهِ اِنَّمَا اِبْرَاهِیْمُ بْنُ تَارَخ ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر نہیں بلکہ تارخ ہے۔ امام ابن ابی حاتم صحیح سند کے ساتھ حضرت سُدّی سے روایت کرتے ہیں کہ اِنَّهٗ قِیْلَ لَهٗ اِسْمُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ آزَرَ فَقَالَ بَلْ

(بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

عتاب اور رحمۃ للعالمینی بعض عارفین نے کہا کہ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ سے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عتاب (محبوبانہ) فرمایا اس کا سبب یہ ہوا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ماہ تک کافروں کے لئے غضب کی دعا مانگتے رہے وہ بھی غیرت ربانی کی وجہ سے اور وہ جو اس کے مستحق تھے اللہ تعالیٰ نے یہی آیت وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ نازل ہوئی اور عتاب کا مطلب یہ ہے کہ ہیں نے آپ کو سباب لعان بنا کر نہیں بلکہ رحمۃ بنا کر مبعوث کیا تاکہ آپ ایسے نااہل لوگوں کے لئے رحم فرمائیں نہ کہ غضب کی دعا۔ گویا اللہ نے فرمایا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ان پر غضب کے

(بقیہ حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ)

اِسْمُهٗ تارخ کر ان سے کہا گیا کہ ابراہیم کے باپ کا نام آزر ہے تو انہوں نے فرمایا نہیں بلکہ تارخ ہے۔ خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ آزر کے باپ نہ ہونے پر ایک عجیب و غریب استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ سلیمان بن صرد سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہو گئی تو آپ کے چچا آزر نے کہا۔ کس نے اس سے آگ کو دفع کر دیا۔ تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ کا ایک شرارہ بھیجا جس نے آزر کو جلا کر رکھ دیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آزر ان ایام میں ہلاک ہو گیا تھا جن ایام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا آپ نے اس کے لئے استغفار کیا۔ کیونکہ آپ نے اس سے وعدہ کیا ہوا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ پھر جب آپ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہو گئے اور ہمیشہ کے لئے استغفار ترک کر دیا اور یہ قرآن سے واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے واقعہ آگ کے بعد ہجرت فرمائی۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ؁ اور اس وقت آپ کی عمر سینتیس برس کی تھی ہجرت کے بعد آپ نے پہلے حران میں قیام کیا پھر اُردن میں پھر مصر میں اور مصر کے بعد شام میں پھر جب آپ کی عمر نوے برس کی ہوئی تو آپ کے ہاں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے بحکم رب العالمین آپ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا کو بیت اللہ شریف کے پاس چھوڑا اور واپسی پر اللہ کی بارگاہ میں دعا کی ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع عند بیتک المحرم اور اسی دعا میں یہ بھی کہا ربنا اغفرلی ولوالدی وللمومنین یوم یقوم الحساب۔ جب آپ پر آزر کا دشمن خدا ہونا ظاہر ہو چکا تھا تو آپ نے بیزار ہو کر اس کے لئے استغفار ترک کر دی تو پھر تقریباً پچاس برس کے بعد اس کے لئے کیسے دعا فرما سکتے تھے اس سے ثابت ہوا کہ یہ دعائے بخشش حقیقی والدین کے لئے تھی آزر کے لئے نہ تھی کیونکہ آزر کے لئے دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا تھا لہٰذا ثابت ہو گیا کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں چچا تھا۔ (الحاوی للفتاوی ص ۲۱۶)

بجائے رحمت کی دعا مانگتے تو بہتر تھا کیونکہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جب ان کے لئے دعائے خیر فرماتے تو میں ان کے حق میں آپ کی دعا قبول کرتا اس لئے کہ مجھے تو آپ کی فرحت و سرور چاہیئے۔ جب ان کے لئے رحمت کی دعا مانگتے تو میں انہیں طاعت کی توفیق بخشا وہ اطاعت کرتے آپ اس سے خوش ہو جاتے اور جس وقت آپ نے ان پر لعنت کی اور دعائے خیر سے محروم فرمایا تو میں نے آپ کی دعا قبول کر لی کیونکہ وہ سرکش تھے اور زمین پر فساد پھیلانے والے۔ پھر ان کی گرفت بھی اس لئے ہوئی کہ آپ نے دعا کی اور لعنت بھی۔

اب خلاصہ یہی ہوا کہ گویا آپ نے ان کو سرکشی میں زیادتی کا موقعہ دیا جس کی وجہ سے انکی گرفت ہوئی نہ آپ دعا کرتے نہ ان میں طغیان وسرکشی میں اضافہ ہوتا نہ میں انہیں گرفتار کرتا۔ گویا اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر متنبہ فرمایا کہ آپ کو اللہ نے ہی ایسے آداب سکھائے ہیں (جکی وجہ سے آپ تمام مخلوق سے ممتاز ہیں)

حدیث شریف میں ہے خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان اللہ ادبنی فاحسن تادیبی مجھے میرے اللہ نے آداب سکھائے اور احسن تادیب فرمائی۔ اسی لئے اس کے بعد ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قوم کے لئے دعا فرماتے اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون۔ اے اللہ (تعالیٰ) میری قوم کو بخش اس لئے کہ وہ لاعلم ہیں۔

رحمت نبوی کا کیا کہنا ایک شب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے قیام میں آیت ذیل پڑھتے گذار دی۔

ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفرلھم فانک انت العزیز الحکیم۔

ترجمہ: اگر انہیں عذاب کرے تو تیرے بندے ہیں اگر انہیں بخشدے تو عزیز حکیم ہے۔

تمام شب اسی کو پڑھتے گذارا۔ ہاں اس سے قبل دعا کی رعل وذکوان وعصیہ (قبائل) پر اور قریش سرداروں پر کہ اللّٰھُمَّ علیک بفلاں اللّٰھُمَّ علیک بفلاں اے اللہ فلاں کی گرفت اور فلاں کو پکڑ۔

سبق اے بندۂ خدا ازمی میں اپنے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا کر۔ اللہ تعالیٰ تیری ہدایت کا خود متولی ہوگا۔

نوح نجی اور محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعض اہل معرفت نے کہا کہ جب نوح علیہ السلام نے قوم پر غصہ کیا تو ان کی تباہی کی دعا کی اور نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوم پر غصہ کیا تو کہا اللّٰھُمَّ اھد قومی فانھم لا یعلمون اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ جاہل ہیں۔

مسئلہ کسی خاص کو معین کر کے اس کے کفر کا دعویٰ نہ کیا جائے کیونکہ نا معلوم اس کا خاتمہ کیسا ہو (اچھا ہو)۔

مسئلہ مطلقاً کفار و فجار کے بارے میں بد دعا کی جا سکتی ہے اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو اپنی دُعا سے محروم رکھا جنہوں نے مسلمانوں کو اذیتیں پہنچائیں اس مسئلہ کا یہی جواب ہے جو اس رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ اے میرے پروردگار میرے گناہ بخش دے۔ اس سے وہ ترک اولیٰ مراد ہے جو نوح علیہ السلام سے صادر ہوا ہوگا۔ وَلِوَالِدَیَّ اور میرے ماں باپ کے گناہ آپ کے باپ کا نام لمک بن مُتُوشَلَخ تھا بروزن فامل ہمچوں مُتَدَحْرِجٌ یا المیم اور تا متشددہ مغمومہ و فتح الشین المعجمہ سکون اللام بعض نے بفتح المیم لکھا ہے آپ کی والدہ کریمہ کا اسم گرامی سمخا بنت الوش تھا (رضی اللہ عنہم) آپ کے ماں باپ مؤمن تھے۔

قاعدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا نوح علیہ السلام کے اوپر تا آدم علیہ السلام نوح علیہ السلام کے آبا میں سے کوئی کافر نہ تھا ایسے ہی ان کی امہات۔

فائدہ اشراق التواریخ میں ہے کہ نوح علیہ السلام کی ماں کا نام قنوس بنت کامل تھا اور کشف الاسرار میں ہے کہ ان کا نام ہیجل بنت لاموس ابن متوشلخ تھا اس کی چچازاد اور دونوں (نوح علیہ السلام کے والدین) مسلمان اور حضرت ادریس علیہ السلام کی ملت پر تھے۔ بعض نے کہا کہ یہاں والدین سے آدم و حوا علی نبینا و علیہم السلام مراد ہیں۔ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ اور وہ جو میرے گھر میں داخل ہے بعض نے بیت سے منزل اور بعض نے مسجد مراد لی ہے کیونکہ وہی اللہ کا بیت (گھر) ہے۔ اگرچہ وہ من وجہ اللہ کا گھر ہے بعض نے کہا کہ بیت سے سفینہ (کشتی) مراد ہے کیونکہ ضروریات کے پورا کرنے اور گرمی و سردی وغیرہ سے حفاظت کے لئے بمنزلہ گھر کے ہوتی ہے (مُؤْمِنًا) در آنحالیکہ وہ داخل ہونے والا مؤمن ہو اس قید سے آپ کی عورت واعلہ اور بیٹا کنعان نکل گیا کیونکہ نوح علیہ السلام نے ان کے خروج پر تب جزم کیا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ وہ تمہارے اہل سے نہیں وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور مؤمن مردوں اور عورتوں کے گناہ بھی از آدم تا قیامت بعض نے کہا کہ آپ نے اس سے امت مرحومہ مراد لی تھی۔

فائدہ یاد رہے کہ اس میں پہلے نوح علیہ السلام نے انہیں خاص فرمایا جو نسب اور دین میں قریب تھے کیونکہ یہی لوگ آپ کی دُعا کے زیادہ مستحق تھے اس کے بعد عام مومن مردوں اور عورتوں کو داخل فرمایا۔

اہل اموات کا حال قبور میں اور ان کا سرمایہ

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میت قبر میں ڈوبے ہوئے فریادی کی طرح ہوتا ہے اس وقت اسے اپنے باپ، بھائی اور دوست کی دُعاؤں کا انتظار رہتا ہے اسے دُعا دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اہل ارض کی دعائیں اہل قبور کی قبور میں پہاڑوں کی مانند داخل فرماتا ہے یعنی اگرچہ دعا بظاہر معمولی محسوس ہوتی ہے لیکن اہل قبور کے لئے قبور میں بہت بڑا سرمایہ بنتی ہے اور زندوں کا اموات کا بہترین ہدیہ وتحفہ ان کے لئے استغفار ہے۔

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا اور ظالموں کو نہ بڑھا مگر ہلاکت اور تباہی یعنی سختی میں۔

حل لغات تبارًا بمعنی سونا کوٹنا۔

نکتہ پہلے فرمایا ولا تزد الظلمین الا ضلالا اور ظالموں کو نہ بڑھا مگر گمراہی میں اس لئے کہ وہ وقد اضلوا کثیرًا بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ کے بعد واقع ہوا اور یہ ثانی یعنی الا تبارًا واقع ہواہے۔ لا تذر علی الارض الخ کے بعد۔ اسی لئے ہر دونوں موقعہ محل کے تقاضا پر لایا گیا ہے گویا مجنس کو مجنس کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

فائدہ نوح علیہ السلام کی بظاہر دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالمین و کافرین سے آپ کی مراد آپ کے زمانہ میں جو زمین پر مشرق و مغرب کے درمیان پھیلے ہوئے تھے آپ کا مقصد تھا کہ موجود کافروں کو اللہ تعالیٰ تباہ و برباد کرے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا مستجاب فرمائی چنانچہ طوفان ہمہ گیر اٹھا اور کافروں کو تمام کو غرق کر کے رکھ دیا۔

نجومیوں کا غلط قول نجومی غلط کہتے ہیں کہ اس سے صرف جزیرۂ عرب کے کفار غرق ہوئے نہ کہ باقی تمام روئے زمین پر کیونکہ یہ قرآن کے ظاہر کلام کے خلاف ہے اور تفسیر العلما اور اصحاب التواریخ کے اقوال کے سراسر خلاف ہے۔

فائدہ طوفان کے بعد پھر لوگ از سرِ نو پھلے پھولے توالد و تناسل کا سلسلہ شروع ہوا اور اعرافِ عالم میں پھیل گئے مشارق و مغارب کو آباد کیا اب اور قیامت تک نسل آدم انہی طوفان کے بقایا اہل سفینہ اہل ایمان کی اولاد ہے

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ ظالم کا ظلم عام ہو جائے اور وہ اس پر اصرار کرے تو اسے نصیحت کوئی فائدہ نہیں دیتی بلکہ وہ اس لائق ہے کہ اس پر بددعا کی جائے اور اس کے مددگاروں پر بھی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ کافروں کے ساتھ ان کے بچے بھی غرق ہوئے لیکن عذاب کے طور پر نہیں بلکہ ان کے آباؤ امہات پر عذاب کو اور زیادہ سخت کرنے کے لئے انہوں نے بچوں کو بھی غرق ہوتے دیکھا جو ان کی عزیز ترین متاع تھے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کافر ایک ہی ہلاکت میں تباہ ہوتے ہیں لیکن مصادر مختلف میں ظاہر ہوتے ہیں۔

فائدہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ سے کافروں کے بچوں کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی برکات معلوم ہے لیکن انہیں عذاب کے طور پر غرق نہیں کیا۔ کیونکہ بہت سے بچے غرق اور اور خرق اور دیگر ہلاکتوں کے اسباب سے مرتے ہیں لیکن وہ ان کے لئے عذاب نہیں ہوتا۔

اعجوبہ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے طوفان کے آنے سے چالیس سال پہلے قوم کی عورتوں کو بانجھ بنا دیا اور مردوں کی اصلاب (نطفوں سے) خشک کر دیں، اسی لئے طوفان کے غرق ہونے کے وقت ان کے ساتھ نہ لڑکے

تھے نہ مجنون۔ پس وہی بالغ مرد عورتیں غرق ہوئیں اس کی وجہ یہ ہے کہ و قوم نوح لما کذبوا الرسل اغرقناھم اور قوم نوح نے جب رسل کرام (علیہم السلام) کی تکذیب کی تو ہم نے انہیں غرق کیا تو تکذیب کرنے والوں کے بچے اور مجنون نہ تھے۔

فائدہ الامسئلہ الاقحمہ میں ہے کہ اگر بچے ایسے تباہ بھی ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں کونسا فرق پڑتا ہے جبکہ اس نے خود فرمایا قل یملك من الله شيئا ان اراد ان يهلك المسيح بن مريم وامه ومن فى الارض فرمائیے کون مالک ہے اللہ تعالیٰ سے سوا کسی شے کا اگر وہ ارادہ کرے مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور جملہ روئے زمین والوں کی ہلاکت کا۔

صاحب روح البیان کی تحقیق فقیر صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ ظاہر ہے کہ اطفال مع الآباء والامہات ہلاک ہوئے کیونکہ نوح علیہ السلام نے انہیں بھی آباء و امہات کے ساتھ لاحق فرمایا چنانچہ فرمایا وَلَا يَلِدُوٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا۔ اس لئے کہ جو آگے چلکر فسق و کفر کرے وہ فاسقوں و فاجروں میں داخل ہے اس لئے آپ نے ان کے بعض کے استحقاق پر بالاصالۃ اور بعض کے لئے بالتبع سب کے لئے عموماً اور مطلقاً ہلاکت کی دعا فرمائی جیسے مومنین و مومنات میں عموماً و خصوصاً سب کے لئے نجات کی دعا فرمائی ہے کیونکہ مغفور لا محالہ ناجی ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرآن فہمی حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی عادت کریمہ تھی کہ جب بھی کسی خاص آیت کے بارے میں کچھ کہنا ہوتا تو مجھے فرماتے عکرمہ کل یہی آیت مجھے یاد دلانا تاکہ اس کے متعلق کچھ کہہ سناؤں ایک رات آپ نے یہی آیت رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ الخ تلاوت فرمائی اور مجھے حسب دستور صبح کو یاد دلانے کا فرمایا جب صبح ہوئی میں نے عرض کیا تو فرمایا اے عکرمہ حضرت نوح علیہ السلام نے کافروں کی ہلاکت کی دعا فرمائی تو مستجاب ہوئی پھر جملہ اہل ایمان مرد عورتوں کی مغفرت کی دعا فرمائی تو (امید ہے) اللہ تعالیٰ قیامت میں تمام اہل ایمان مرد عورتوں کو بخشے گا۔

نجات کی اقسام بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اہل نجات کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) نوح علیہ السلام کی دعا

(۲) اہل ایمان کی اپنی دعا جس کا وہ مستحق ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت مذنبین (گناہگاروں) کے لئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ رب اغفرلی ولوالدی الخ میں والدین سے عقل کلی و نفس کلی اور ولمن دخل بیتی الخ سے روح و قلب اور وللمؤمنین سے قوائے روحانیہ اور المؤمنات سے وہ نفوس جو نور روح و قلب کے تحت ہیں بسبب نور ایمان کے مراد ہیں ولا تزد الظلمین میں ظالموں سے

نفس کافر اور خواہشات نفسانی ظالم مراد ہیں اور تبار (ہلاکت) سے فنا فی الروح والقلب مراد ہے اس تاویل پر تو بددعا نہ ہوئی بلکہ دعائے خیر ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رب اغفرلی یعنی اُستر لی اے اللہ مجھے فنا فی التوحید کے ساتھ مجھے اپنے ڈھانپ ولوالدی میری روح اور نفس کو جو کہ وہ دونوں قلب کے ابوین ہیں ولمن دخل بیتی اور وہ جو میرے مقام یعنی حضرت القدس میں مؤمن فی التوحید ہو کر داخل ہو با وہ ارواح مراد ہیں جو ایمان لائے اور ان کے نفوس یعنی انہیں بھی مقام الفنا فی التوحید تک پہنچا و تزد الظّلمین ہیں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ظلمت نفوس سے عالم نور سے محجوب ہو کر اپنا حصہ ناقص کر دیا ان کی تبار ہلاکت سے ان کا بحر ہیولیٰ اور شدّۃ احتجاب میں غرق ہونا مراد ہے اس تقریر پر یہ ان کے لئے بددعا ہے نہ کہ دعا (جیسا کہ مخفی نہیں)۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی فتوح سے سورۃ نوح کی تفسیر بدھ کے دن ۲۴ شوال المکرم ۱۱۱۶ھ میں ختم ہوئی۔

اور فقیر اُویسی غفرلہٗ القدیر نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے طفیل سے سورۃ نوح کی تفسیر کے ترجمہ سے ۹ ج ۱۴۰۹ھ سب ساڑھے آٹھ بجے فراغت پائی

الحمد للہ علیٰ ذالک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاول پور۔ پاکستان

۱۰/۵/۹ مطابق ۸۸/۱۸

سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۲۸ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۂ جن مکیہ ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — اٹھائیس آیتیں اور دو رکوع

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝۱

تم فرماؤ مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنوں نے میرا پڑھنا کان لگا کر سنا تو بولے ہم نے ایک عجیب قرآن سنا

يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝۲ وَّاَنَّهُ تَعٰلٰى جَدُّ

کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ کریں گے اور یہ کہ ہمارے رب

رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝۳ وَّاَنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ

کی شان بہت بلند ہے نہ اس نے عورت اختیار کی اور نہ بچہ اور یہ کہ ہم میں کا بے وقوف اللہ پر بڑھ کر بات کہتا

شَطَطًا ۝۴ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝۵ وَّ

تھا اور یہ کہ ہمیں خیال تھا کہ ہرگز آدمی اور جن اللہ پر جھوٹ نہ باندھیں گے اور یہ

اَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ

کہ آدمیوں میں کچھ مرد جنوں کے کچھ مردوں کی پناہ لیتے تھے تو اس سے اور بھی ان کا تکبر بڑھا

رَهَقًا ۝۶ وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝۷ وَّاَنَّا لَمَسْنَا

اور یہ کہ انہوں نے گمان کیا جیسا تمہیں گمان ہے کہ اللہ ہرگز کوئی رسول نہ بھیجے گا اور یہ کہ ہم نے آسمان

السَّمَاۗءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝۸ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا

کو چھوا تو اُسے پایا کہ سخت پہرے اور آگ کی چنگاریوں سے بھر دیا گیا ہے اور یہ کہ ہم پہلے آسمان میں سننے کے لیے

مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ

کچھ موقعوں پر بیٹھا کرتے تھے پھر اب جو کوئی سنے وہ اپنی تاک میں آگ کا لوکا پائے اور یہ کہ ہمیں نہیں معلوم کہ

اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ

زمین والوں سے کوئی برائی کا ارادہ فرمایا گیا ہے یا ان کے رب نے کوئی بھلائی چاہی ہے اور یہ کہ ہم میں کچھ

وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗئِقَ قِدَدًا ۝۱۱ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي

نیک ہیں اور کچھ دوسری طرح کے ہیں ہم کئی راہیں پھٹے ہوئے ہیں اور یہ کہ ہم کو یقین ہوا کہ ہرگز زمین میں اللہ کے قابو سے نہ نکل

الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝۱۲ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ

سکیں گے اور نہ بھاگ کر اس کے قبضہ سے باہر ہوں اور یہ کہ ہم نے جب ہدایت سنی اس پر ایمان لائے تو جو اپنے رب پر

يُؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا

ایمان لائے اسے نہ کسی کمی کا خوف اور نہ زیادتی کا اور یہ کہ ہم میں کچھ مسلمان ہیں اور کچھ

الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا

ظالم تو جو اسلام لائے انہوں نے بھلائی سوچی اور رہے ظالم وہ جہنم کے

لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً

ایندھن ہوئے اور فرماؤ کہ مجھے یہ وحی ہوئی ہے کہ اگر وہ راہ پر سیدھے رہتے تو ضرور

غَدَقًا ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا

ہم انہیں وافر پانی دیتے کہ اس پر انہیں جانچیں اور جو اپنے رب کی یاد سے منہ پھیرے وہ اسے چڑھتے عذاب

صَعَدًا ﴿۱۷﴾ وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ

میں ڈالے گا اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ

عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَ

اس کی بندگی کرنے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ جن اس پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہو جائیں تم فرماؤ میں تو اپنے رب ہی کی بندگی کرتا

لَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾ قُلْ اِنِّيْ

ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتا تم فرماؤ میں تمہارے کسی برے بھلے کا مالک نہیں تم فرماؤ ہرگز مجھے اللہ

لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾ اِلَّا

سے کوئی نہ بچائے گا اور ہرگز اس کے سوا کوئی پناہ نہ پاؤں گا مگر

بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ

اللہ کے پیام پہنچانا اور اس کی رسالتیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم نہ مانے تو بے شک ان کے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ

لیے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں یہاں تک کہ جب دیکھیں گے جو وعدہ دیا جاتا ہے تو اب جان جائیں گے

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا

کہ کس کا مددگار کمزور اور کس کی گنتی کم تم فرماؤ میں نہیں جانتا آیا نزدیک ہے وہ جس کا تمہیں

تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى

وعدہ دیا جاتا ہے یا میرا رب اسے کچھ وقفہ دے گا غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط

غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا ۝۲۶ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّهٗ يَسۡلُكُ مِنۡۢ بَيۡنِ
نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کہ ان کے آگے پیچھے

يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ رَصَدًا ۝۲۷ لِّيَعۡلَمَ اَنۡ قَدۡ اَبۡلَغُوۡا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمۡ وَ
پہرا مقرر کر دیتا ہے تاکہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے

اَحَاطَ بِمَا لَدَيۡهِمۡ وَاَحۡصٰى كُلَّ شَىۡءٍ عَدَدًا ۝۲۸
اور جو کچھ ان کے پاس سب اس کے علم میں ہے اور اس نے ہر چیز کی گنتی شمار کر رکھی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا

تفسیر عالمانہ قُلۡ (اے حبیب (محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اپنی قوم سے اُوۡحِىَ اِلَىَّ میری طرف وحی کی گئی ہے۔ القا کیا گیا ہے بطریق وحی کے اور اللہ کے اعلام (جتلانا) سے خبر دیا گیا ہوں۔

حل لغات الایحاء بمعنی الاعلام فی خفاء۔ مخفی طریق سے جتلانا اس طریقہ سے خبر دینے کا یہ فائدہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ آپ رسول الثقلین (انس و جن) ہیں اور شرک سے روکنا اور توحید پر برانگیختہ کرنا ہے اور تنبیہ ہو کہ جن باوجودیکہ سرکش اور غیر جنس ہیں وہ بھی ایمان لائے ہیں تو پھر انسان کو باوجودیکہ سہل الطبقہ اور ہمجنس ہونے ایمان نہ لائے (تو اس کی بدقسمتی ہے)۔

اَنَّهٗ (بے شک) یہ بالفتح ہے اس لئے کہ اوحی کا فاعل ہے اور ضمیر شان کی ہے یہ شان اور بات یہ ہے اسۡتَمَعَ (سنا) قرآن یا سورۃ طٰہٰ یا اقرأ محذوف ہے مابعد دلالت کی وجہ سے محذوف کیا گیا ہے۔

حل لغات الاستماع بمعنی سننا المستمع یعنی جو قصداً کسی شے کی سننے کا قصد کرنے والا اور اس طرف کان لگانے والا۔ سامع وہ جو اتفاقاً کسی شے کو سن لے اس کا اس کے متعلق قصد نہ ہو۔ اس معنیٰ پر ہر مستمع سامع ہے لیکن ہر سامع مستمع نہیں۔

نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ (ایک جماعت جنوں کی)

حل لغات نفر تین سے دس کو کہتے ہیں یعنی وہ جنوں کا گروہ تین سے زائد اور دس سے کم تھے۔ القاموس میں ہے کہ النفر دس سے کم مرد نفیر کی طرح اس کی جمع انفار ہے۔ المفردات میں ہے النفر گنتی کے چند مرد جنہیں جنگ سے بھاگنے کی قدرت ہو بمعنیٰ باہر جانا۔

فائدہ جنّ جمع ہے اس کا واحد جنی ہے جیسے روم اور رومی وغیرہ۔

حاشیہ اگلے صفحہ پر

جن : جس طرح انسانوں کا وجود ہے اسی طرح جنوں کا بھی وجود ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے عربی زبان میں جب لفظ میں جیم نون جمع ہوتے ہیں اس میں پوشیدگی کے معنیٰ ملحوظ ہوتے ہیں دل چونکہ مخفی رازوں کا خزانہ ہے اور دل کی بات ظاہر نہیں ہوتی پوشیدہ ہوتی ہے اس لئے عربی زبان میں دل کو "جنان" کہتے ہیں اسی طرح عربی زبان میں ڈھال کو "جُنۃ" کہتے ہیں کیونکہ ڈھال کی آڑ میں آدمی چھپتا ہے اور ڈھال سے آدمی آڑ میں آجاتا ہے یونہی دیوانگی عقل کو پوشیدہ کردیتی ہے اس لئے عربی زبان میں دیوانگی کو "جنون" کہتے ہیں ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہو چونکہ وہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اُسے عربی میں جنین کہا جاتا ہے۔ باغ اپنے پتوں اور درختوں سے زمین کو ڈھانپ لیتا ہے اُسے عربی زبان میں جنت کہا جاتا ہے دیکھ لیجئے ان سب لفظوں میں جیم اور نون موجود ہے گویا عربی کے جس لفظ میں جیم نون جمع ہوں گے اس میں پوشیدگی دار نظر نہ آنے کی حقیقت موجود ہوگی۔ لفظ "جن" بھی اسی قبیل سے ہے کہ یہ مخلوق چونکہ نظر نہیں آتی اس لئے اسے جن کہا جاتا ہے۔ جب قرآن پاک سے اس مخلوق کا وجود ثابت ہے تو پھر ایک مسلمان کے لئے کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ اس کا انکار کرے اور طرح طرح کی تاویلیں کرتا پھرے اور اپنی محدود عقل اور ناپائیدار فلسفہ کے ڈھکوسلوں سے یوں کہے کہ "جن" کوئی مخلوق نہیں اور یہ تو ایک جنگلی قوم کا نام ہے جو پہاڑوں میں رہنے کے باعث لوگوں سے مخفی رہتی تھی اس لئے اُسے جن کہا گیا ہے۔ اس قسم کی خود ساختہ اور رکیک تاویلات سے قرآن پاک کی متعدد آیات کا انکار لازم آتا ہے قرآن پاک میں کئی آیات کے علاوہ صاف صاف یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ

خَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنَ النَّار
اور جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا۔

فائدہ اس آیت شریفہ میں خدا تعالیٰ نے انسان کے مقابلہ میں ایک دوسری قوم کی خلقت کا بیان فرمایا ہے اس سے پہلے فرمایا۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ یعنی انسان کو تو کھڑی مٹی سے پیدا کیا۔ اور پھر آگے فرمایا کہ جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں الگ الگ مخلوق ہیں اور جن کوئی انسانی مخلوق نہیں جو پہاڑوں میں رہنے والی ایک قوم تھی بلکہ یہ دوسری ہی مخلوق ہے جو آگ سے پیدا کی گئی ہے اور آگ میں چونکہ لطافت ہوتی ہے اس لئے اپنے لطیف مادہ کی وجہ سے نظر نہیں آتے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت بڑی وسیع ہے اس نے جہاں پانی اور مٹی سے مخلوق بنائی ہے وہاں اس نے اجسام غیر محسوسہ اور نظر نہ آنے والے عناصر سے بھی مخلوق پیدا فرمائی ہے اور چونکہ اجسام لطیفہ میں بہ نسبت اجسام کثیفہ کے طاقت و استحکام زیادہ ہوتا ہے اس لئے ایسی مخلوق قوی اور دیرپا بھی ہوتی ہے چنانچہ ہوا بجلی وغیرہ دیکھئے اس میں طاقت بھی زیادہ ہے اور سرعت سیر بھی زیادہ۔ ہوا اور بجلی اپنی اسی لطافت کی وجہ سے آناً فاناً دُور پہنچ جاتی ہے۔ یہ وائرلیس، ریڈیو، ٹیلیفون اور دیگر آلات اسی بجلی کی لطافت کے باعث ہماری آوازوں کو بھی دُور دُور پہنچا دیتے ہیں۔ جن چونکہ آگ سے بنائے گئے ہیں اس میں بہ نسبت خاکی مخلوق کے قوت بھی زیادہ ہوتی ہے اور عمریں بھی طویل الغرض جن ایک مخلوق ہے اور ان کا نظر نہ آنا اُن کی لطافت کے باعث ہے۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نبوت ملنے سے قبل جنوں اور شیطانوں نے آسمان کے قریب اپنے ٹھکانے بنا رکھے تھے وہاں پہنچ کر آسمانی باتیں فرشتوں سے سن آیا کرتے تھے اور پھر ان باتوں میں بہت سا جھوٹ بھی ملا کر کاہنوں سے کہا کرتے تھے۔ کاہن ان باتوں کو اپنی پیش گوئیوں کے رنگ میں بیان کر کے اپنا سکہ جماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خدا تعالیٰ نے جب نبوت سے سرفراز فرمایا تو سارے جنوں اور شیاطین کو آسمان سے روک دیا گیا۔ پھر کسی کی مجال نہ تھی کہ کوئی آسمان کے قریب جا سکے اور اگر کوئی گیا تو آسمان کے ستاروں سے ان پر آگ کے شعلے مارے گئے اور یہ ستارے گویا ان کے لئے آگ برسانے والے ٹینک بن کر ان کا پیچھا کرنے لگے۔ ایک دن جن اور شیاطین ابلیس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ سبب کیا ہے، جو ہم اب آسمان پر نہیں جا سکتے اور اگر کوئی گیا بھی تو اس پر آگ کے شعلے مارے گئے۔ ابلیس نے کہا کہ ضرور کوئی نہ کوئی نیا حادثہ زمین پر ہوا ہے۔ اب تم تمام روئے زمین پر اس کے مشرق و مغرب میں ایک ایک گاؤں ایک ایک شہر ہر ایک آبادی میں پھر جاؤ اور دیکھو کہ کس جگہ کوئی نیا واقعہ ہوا ہے جس کی وجہ سے ہم آسمان پر جائیں تو ہم پر ستارے آگ بن کر ٹوٹ پڑتے ہیں چنانچہ یہ جن اور شیاطین روئے زمین پر بکھر گئے اور تجسس کرنے لگے کہ زمین پر کہاں کوئی نیا واقعہ ہوا ہے۔ جب یہ مکہ مکرمہ کی طرف آئے تو حجاز کے میدان میں عکاظ بازار کے قریب کھجوروں کے درختوں کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ نماز فجر کی جماعت کرا رہے تھے جنات نے بھی آپ کی قرأت سُن لی اور ایسے متاثر ہوئے کہ آپس میں کہنے لگے یہ وہی بات ہے جس کے سبب ہم آسمان پر جانے سے روکے گئے۔[1]

---

[1] پھر وہیں مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعہ صاحب روح البیان نے اختصار سے لکھا ہے میں نے اس کی کچھ تفصیل لکھ دی اور یہ واقعہ بخاری صفحہ ۴۳ ج ۲ میں بھی ہے صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ امرھم لینذروا الجن ویدعوھم الی اللہ ویقرأ علیھم القرآن۔ حضور علیہ السلام نے انہیں حکم فرمایا کہ وہ دوسرے جنات کو ہمارا پیغام سنا کر ڈرائیں اور انہیں اللہ کی طرف بلائیں اور قرآن سنائیں۔

مسئلہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو امتیاز حاصل ہے کہ آپ دونوں عالم کے رسول اور خدا کی ساری مخلوق کے آقا و مولیٰ ہیں چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے اِنِّی ارسلت الی الخلق کافۃ (مشکوٰۃ شریف صفحہ ۵۰۲) یعنی میں ساری مخلوق کا رسول ہیں۔ یہ جو میں نے آیت پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے جنوں کا ایک گروہ کا ذکر فرمایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے اور ایمان لانے کے بعد وہ مبلغ اسلام بن کر جنوں میں تبلیغ اسلام کرنے لگے۔

فائدہ اس میں دلیل ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس وقت جنوں کو نہیں دیکھا اس لئے کہ اگر آپ نے انہیں دیکھ لیا ہوتا تو یہ واقعہ وحی کی طرف منسوب نہیں ہوتا کیونکہ قاعدہ ہے جو امر کا آپ مشاہدہ فرما لیتے اسے وحی (جلی) کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا ایسے ہی آپ ان کی حاضری اور قرآن سننے کی طرف بھی متوجہ نہیں تھے اور نہ ہی آپ نے عمداً انہیں قرآن سنایا بلکہ وہ تو اتفاقاً وہاں سے گذرے اور ایسے ہی اتفاقیہ طور بعض اوقات وہ قرآن لیتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبردار کیا کہ جنوں نے آپ کا قرآن سنا ہے اس کی تفصیل سورۃ الاحقاف میں گذری ہے اس لئے ہم اس کا اعادہ نہیں کرتے۔

جنات کیا ہیں: جن اجسام رقیقہ ہیں انس وملائکہ کی صورت کے خلاف ہیں انسان کی طرح عاقل ہیں صاحب معجزہ (صاحب کرامات) کے سوا ان سے کوئی کلام نہیں کر سکتا بلکہ وہ عوام کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے ہیں ان پر عنصر ناری غالب ہے یا ہوائی۔ پہلے پر اللہ تعالیٰ کا قول خلق الجان من مارج (جن کو شعلہ مارنے والی آگ سے بنایا) پر دلالت کرتا ہے۔ وہ لوگوں سے مخفی رہتے ہیں عوام کے سامنے ظاہر نہیں ہوتے۔ آیت مذکورہ کے مطابق وہ ناری مشہور ہیں کہ گویا وہ کل کے کل نار سے مرکب ہیں ہاں جس پر عنصر نار غالب ہے وہ ناری ہیں اور جن پر ہوا کا عنصر غالب ہے وہ ہوائی ہیں پرندوں کی طرح کہ جس پر پانی کا عنصر غالب ہے وہ مائی (پانی والا) ہے جیسے مچھلی وغیرہ اور جس پر مٹی کا عنصر غالب ہے وہ ترابی (مٹی) والا جیسے انسان اور جملہ حیوانات وغیرہ۔

فائدہ اکثر فلاسفہ خارج میں جنات کے وجود کے منکر ہیں لیکن ان کے قدما کی ایک بڑی جماعت نے ان کے وجود کو تسلیم کیا ہے اور جو انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرنے والے اہل ملل ہیں ان کے وجود کے قائل ہیں۔

قاشانی قدس سرہ کی تقریر حضرت قاشانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وجود میں کچھ نفوس ارضی باقوت ہیں لیکن وہ نفوس سبعیہ (درندگی) بہیمیہ (جانور) کی طرح غلیظ (سخت) وجود نہیں اور نہ ہی ان کی طرح کثیف ہیں اور نہ ہی قلیل الادراک ہیں اور نہ وہ نفوس انسانیہ اور ان کی استعداد پر ہیں تاکہ ان کا تعلق ان اجرام کثیفہ سے لازم جن پر عنصر ارضیہ غالب ہے اور نہ ہی وہ نفوس مجردہ کی طرح صاف اور لطیف ہیں تاکہ وہ عالم علوی سے متصل اور متجرد اور متعلق رہیں بعض اجرام سماویہ سے وہ متعلق ہیں ان اجرام جن کا عنصر لطیف اور ان پر ہوائیتہ وناریہ یا دخانیتہ غالب ہے علیٰ اختلاف الاحوال۔ ان کا بعض حکماء صور معلقہ نام رکھتے ہیں۔ ان کے علوم وادراکات ہمارے علوم وادراکات کی طرح ہیں چونکہ ملکوت سماویہ کی طبع کو قریب ہیں اسی لئے وہ قدرت رکھتے ہیں کہ وہ ان کے عالم سے بعض غیب حاصل کر سکیں اور یہ بھی بعید نہیں کہ وہ آسمان پر چڑھ کر کلام ملائکہ کا سرقہ (چوری) کر سکیں یعنی نفوس مجردہ سے۔ اور چونکہ وہ ارضیہ بھی ہیں اسی لئے ضعیف ہیں بہ نسبت قوائے سماویہ کے ان قویٰ سے متاثر تو ہوتے

ہیں لیکن ان کی بلندی پر پہنچنے سے قاصر ہو کر ان سے مار کھا کر نیچے گرتے ہیں اسی لئے ان کے علوم کی انتہا کا ادراک
نہیں کر سکتے ہیں اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کواکب کی شعاعوں سے ان کے اجرام دخانیہ کو شعاع پہنچے تو
بھی جانتے ہیں اس سے ہلاک بھی ہو جاتے ہیں اسی لئے وہ افق سماوی پر چڑھنے سے جھڑکے جاتے ہیں اسی وجہ سے وہ
نیچے گرتے ہیں۔ اور یہ امور امکان سے خارج بھی نہیں اس کی خبر سچے اہل کشف دعیان نے دی ہے جیسے انبیاء و اولیاء
نبینا علیہم السلام) بالخصوص ان سب سے کامل ترین ہمارے نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور یہ جو وجود انسانی میں
اس کے عیب باطن میں پوشیدہ ہونے کی وجہ سے۔

فَقَالُوْا تو کہا جنوں نے اپنی قوم کو جب ان کے پاس لوٹے اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا بے شک ہم نے سنا ہے
قرآن ایک کتاب جو لسان رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر پڑھی جا رہی تھی عَجَبًا (عجیب) مصدر ہے بمعنی عجیب مبالغہ
کے طور اس کی جگہ پر مستعمل ہوا ہے۔

حل لغات عجیب وہ ہے جو اپنے ہم شکلوں اور ہم جنسوں سے خارج ہو یعنی وہ کلام عجیب ہے جو عام لوگوں
سے حسن نظام میں بالاتر ہے پھر اس کے دقت کا معنی کا کیا کہنا۔

فائدہ حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وہ کلام ہے جس کی عجیب ترکیب ہے اس سے معلوم ہوا
کہ وہ اہل لسان تھے۔

حکایت جن صحابی رضی اللہ عنہ کی حضرت عبید اللہ بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک
صاحب آئے اور وہ اپنا ایک عجیب قصہ بیان کرنے لگے۔ انہوں نے بتایا کہ ہم
چند احباب ایک سفر میں جا رہے تھے کہ راستے میں ہم نے ایک زخمی سانپ کو دیکھا جو تڑپ رہا تھا (المتشحط بالدم
بمعنی الاضطراب فی الدم) خون میں لت پت، ہم نے دیکھا کہ وہ تڑپتے ہوئے مر گیا ہے۔ ہمیں اس پر رحم آیا۔ اور
ہم میں سے ایک صاحب نے اپنا عمامہ پھاڑ کر اس میں اُسے لپیٹا۔ اور ایک گڑھا کھود کر اس میں دفن کر دیا۔ فرماتے ہیں
دوسرے روز ہم اپنی منزل میں بیٹھے تھے کہ دو عورتیں آئیں جو بالکل اجنبی اور بہت خوبصورت تھیں انہوں نے
ہم سے پوچھا کہ تم میں سے عمرو بن خابر کو کس نے دفن کیا ہے؟ ہم اس سوال سے حیران رہ گئے اور پوچھا عمرو بن خابر
کون؟ اور دفن کرنے کا کیا مطلب؟ وہ بولیں آپ میں سے کسی نے راستے میں کسی سانپ کو دفن کیا ہے یا نہیں
ہم نے کہا۔ ہاں ہمارے اس ساتھی نے اپنا عمامہ پھاڑ کر اس میں ایک زخمی سانپ کو ضرور دفن کیا ہے۔ وہ بولیں
وہ آخری جن تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے قرآن سنا تھا یہ کافر و مسلمان جنوں میں لڑائی کے دوران
جنگ میں شامل ہو کر شہید ہوا۔ پھر کہا کہ تم نے اگر یہ کام دنیا کے لئے کیا تو اس کا بدلہ ہم ادا کریں۔ ہم نے کہا ہم نے اللہ
کی رضا پر انہیں دفنایا کہا تم نے اچھا کیا یہ کہکر چلی گئیں۔

فائدہ جس نے سانپ کو عمامہ پھاڑ کر لپیٹا وہ صفوان بن معطل مرادی صاحب افک رضی اللہ عنہ اور جن کا نام عمرو بن خابرؓ تھا۔

یَهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ (کہ بھلائی کی راہ بتاتا ہے۔ حق و صواب و دنیاؤ دین کی بہبودی کی جیسے حضور علیہ السلام کی دعا میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ ۔ اے اللہ مجھے رشد الہام فرما یعنی مصالح دنیا و دین کی رہبری فرما۔

فائدہ اس میں توحید و تنزیہ داخل ہیں۔

حل لغات حقیقت رشد کی ہے اللہ تعالیٰ تک پہنچنا بعض نے کہا کہ الرشد ہمچوں قفل غی (گمراہی) کی نقیض اس کا اطلاق امور دنیویہ و اخرویہ ہر دونوں پر ہوتا ہے اور الرشد ہمچوں ذہب صرف امور اخرویہ پر۔

فَاٰمَنَّا بِهٖ تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ قرآن پر لیکن اس پر ایمان لانے میں اس پر ایمان لانا ضروری ہے جو لے لے آئے۔ اسی لئے کسی نے کہا ہے ؎

داخل اندر دعوت او جن وانس

تا قیامت امتش ہر نوع و جنس

اوست سلطان و طفیل او ہمہ

اوست شہنشاہ و خیل او ہمہ

ترجمہ: آپ کی دعوت میں جن وانس ہیں تا قیامت آپ کی امت ہیں ہر نوع و جنس۔

ے علامہ دمیری حیوٰۃ الحیوان ج۲ ص۱۷۴ میں لکھتے ہیں کہ ان عورتوں نے یہ بھی کہا کہ یہ سانپ جو آپ نے دفن کیا ہے دراصل وہ جن تھا جو بڑا تہجد گذار اور روزے رکھنے والا تھا اور اس نے نبی آخر الزمان صلی اللہ و آلہ وسلم کی خبر آپ کی تشریف آوری سے چار سو سال پہلے سن لی تھی اور یہ اسی وقت ایمان بھی لے آئے تھے۔

فوائد ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کہ سینکڑوں سال پہلے ہی آپ کی تشریف آوری کے ڈنکے بج رہے تھے اور خوش نصیب تھے وہ افراد۔ جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تشریف آوری سے بھی پہلے ہی آپ پر ایمان لے آئے اور کس قدر بد نصیب اور بد بخت ہیں وہ لوگ جو حضور کی تشریف آوری کے بعد آپ کی صداقت کے ظاہر و روشن نشان دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ بھائیو! یہ قسمت کی بات ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کا جتنا شکر بھی ادا کریں کم ہے کہ اس نے ہمیں خوش نصیب کیا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیں غلام بنایا۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

آپ سلطان ہیں باقی آپ کے طفیل ہیں آپ شہنشاہ ہیں باقی تمام آپ کی رعیت۔

وَلَنۡ نُّشۡرِكَ اور ہم ہرگز شریک نہیں کریں گے۔ آج کے بعد ہرگز یعنی حق کے بعد بِرَبِّنَآ اَحَدًا اپنے پروردگار کے ساتھ۔ کسی کو مطابق اس کے کہ اس پر دلائل توحید ناطق ہیں یعنی موجودات میں سے کسی ایک کو بھی اس کا شریک نہ بنائیں گے۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے اس لئے ایمان کی تکمیل اسی میں ہے کہ شرک و کفر سے بیزاری ہو۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اِنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ میں بیزار ہوں اس سے کہ تم شریک کرتے ہو۔ چونکہ قرآن معجزہ اور عجیب و غریب کتاب اور بھلائی راہ بتاتا ہے وہ شرک کی جڑ کٹنے اور دین میں مکمل طور داخل ہونے کا موجب ہے خلاصہ یہ کہ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا کا سبب اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ اسی لئے وَلَنۡ نُّشۡرِكَ کا عطف واؤ سے ہے ورنہ فا سے ہونا چاہیئے۔

وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا اور بے شک ہمارے رب کی نشانی بلند ہے اَنَّهٗ بالفتح ہے اور ایسے مابعد کے جملے جو اَنَّ سے شروع ہیں اور وہ گیارہ ہیں اس کا عطف اَنَّهُ اسۡتَمَعَ پر ہے اسی معنی پر یہ تمام کلام وحی ہوگا جو جنات کے کلام کے مطابق ہے بطریق الحکایۃ گویا کہا گیا ہے قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ کیت کیت (یعنی فرمایئے کہ مجھ پر ایسے ایسے وحی کی گئی ہے) ان عبارات سے وہ سوال دفع ہوا جو کہا جاتا ہے کہ اگر وَّاَنَّا ظَنَنَّا وَّ سَمِعۡنَا وانہ کان اجال وانا لمسنا السماء ان جیسے اور جملوں کا عطف اَنَّهُ استمع پر ڈالا جائے تو جائز نہیں کیونکہ یہ تمام باتیں وحی نہیں کیونکہ یہ تو وہ باتیں ہیں جو جنات

جن کا قتل

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ تلاوت پاک فرما رہے تھے کہ ایک جن سانپ کی شکل میں نمودار ہوا۔ اور آپ کے پاس سے گذرا آپ نے سانپ سمجھ کر مار ڈالا۔ تھوڑی دیر کے بعد دو شخص مسجد میں آئے اور شاہ صاحب کو اٹھا کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ مدعی نے بادشاہ کے روبرو کہا کہ میرے بیٹے کو ان شاہ صاحب نے قتل کر دیا ہے۔ مجھے قصاص ملنا چاہیئے اس پر بادشاہ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو قتل کر دینے کا حکم دینے والا ہی تھا کہ وہاں ایک بوڑھا جن موجود تھا اس نے کہا کہ شاہ صاحب پر قصاص واجب نہیں ہے کیونکہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ مَنۡ قُتِلَ فِیۡ غَیۡرِ زِیِّهٖ فَدَمُهٗ هَدَرٌ یعنی جس شخص کا قتل کیا جانا جائز تو نہ ہو مگر وہ ایسی قوم کے لباس و وضع میں ہو جس کا قتل کیا جانا جائز ہے تو اُسے اگر کوئی قتل کر دے تو اس کا خون معاف ہے۔ اس بوڑھے جن نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ یہ جن سانپ کی شکل میں تھا جس کا قتل کر دینا جائز ہے اس لئے شاہ صاحب نے جبکہ اسے سانپ ہی سمجھ کر قتل کیا ہے تو اسی حدیث کے بموجب شاہ صاحب بے قصور ہیں اور ان پر کوئی قصاص نہیں۔ بادشاہ نے یہ حدیث سن کر شاہ صاحب کو رہا کر دیا اور وہ دو جن آپ کو اپنی جگہ پر پہنچا آئے۔ (التحویر الاعظم صفحہ ۱۰)

اپنی خبریں دے رہے ہیں (جواب اوپر ہوگیا کہ بطریق الحکایۃ وحی نہیں)۔

فائدہ جس نے (انہ کو) بالکسر پڑھا ہے اس نے قول کے بعد کے محکی پر عطف ڈالا ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ ان کے کل کا قول کے تحت مندرج ہونا واضح ہے اِنَّہٗ کے بارے میں بالفتح و بالکسر یا اور اقوال بھی ہیں قریب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اب معنی یہ ہوا کہ ہمارے رب کی شان بلند ہے جیسے ہم ثناء (نماز) میں کہتے ہیں) وتعالیٰ جد ربنا یعنی تیری عظمت کی شان بلند ہے اور تعالیٰ کا اسناد عظمت کی طرف بطور مبالغہ ہے جو عرب کے قول جد فلانٌ فی غنی۔ فلاں کی تونگری کی شان بلند ہے کو جانتا ہے اس سے یہ محاورہ مخفی نہیں۔ کیونکہ انکا اس قول کا مطلب یہ ہے اس کی قدرت اور غلبہ عظیم ہے کیونکہ ملک و سلطنت میں انتہائی عظمت ہوتی ہے یا اس کا غناء (تونگری) عظیم ہے یہ الجدّ سے مستعار ہے بمعنیٰ بخت و دولت اور حظوظ دنیویہ خواہ بمعنیٰ ملک مستقل ہو یا بمعنیٰ الغنی کیونکہ الجد لغت میں بمعنیٰ عظمت اور دادا کو بھی جد کہا جاتا ہے اور نانا کو بھی وہاں بھی بمعنیٰ الملک والبخت ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے فلاں مجدود ای محفوظ (یعنی محفوظ ہے) اللہ کے سلطان و غناء ذاتی کو بخت بادشاہوں کے بخت و غناء سے تشبیہ دی گئی ہے اسی لئے استعارۃً اس کا اطلاق ہوا۔

مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّلَا وَلَدًا ٥ اس نے عورت اختیار کی نہ بچہ۔ اس میں اس کی بلندئ شان کے حکم کا بیان ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا کسی نے سوال کیا کہ وہ کیا شے ہے جو اللہ کی شان بلند ہے فرمایا کہ اس نے نہ عورت اختیار کی کہ وہ عورت کی ضرورت سے کمال درجہ شان بلند رکھتا ہے نہ ہی اسے لڑکیوں کی ضرورت ہے جیسے ظالم لوگ کہتے ہیں۔

فائدہ اس کی وجہ یہ ہے جب جنوں نے حضور علیہ السلام سے قرآن سنا اور توحید و ایمان سے واقف ہوئے تو اس غلط عقیدہ سے متنبہ ہوئے جو کافر دل جنوں کا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے تشبیہ کے قائل تھے کہ اسکی زوجہ و اولاد ہے تاکہ وہ فوت ہو جائے تو اس کے بعد اس کی اولاد کام کر سکے (معاذ اللہ) اسی لئے ان مؤمن جنوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و تنزیہ بیان کی اس کی عظمت و سلطان و غناء سے کیونکہ زوجہ ضرورت کے لئے اور اولاد نسل بڑھانے کے لئے ہوتی ہے اور یہ امکان و حدوث کے لوازم ہیں اور اللہ تعالیٰ حدوث و امکان سے منزہ ہے علاوہ ازیں یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ کے لئے قصور و ادراک کے دائرہ سے خارج ہے کہ اس کی کوئی کیفیت بیان کر کے اسے جنس میں داخل کرے اور اس کی زوجہ ثابت کرے جو اس کی جنس کے تحت ہو یا اولاد ہو جو اس کی نوع سے اس کی مماثل ہو اور نصاریٰ نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اگر نصاریٰ کے قول کے مطابق مسیح علیہ السلام اس کا بیٹا مانا جائے تو لازماً ماننا پڑے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زوجہ مریم ہے (معاذ اللہ) کیونکہ بیٹا ثابت ہو تو زوجہ بھی ثابت کرنی پڑے گی جو کہ وہ باپ کی صاحبہ ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ صاحبہ میں نفس کی طرف اور ولد میں قلب کی طرف اشارہ ہے اس معنی پر روح زوج کی طرح تو گو نفس قلب دونوں کا اب ہے حالانکہ وہ فی الحقیقت ہر علاقہ سے مجرد ہے اسے بدن سے اس لئے تعلق تاکہ قدرت الٰہی کا ظہور ہو اور تاکہ جہت صفات سے تکمیل ہو۔

تفسیر عالمانہ وَّاَنَّهٗ اور شان یہ ہے کَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا اور ہمارا بے توف کہتا تھا، ہمارا جاہل یعنی ابلیس سرکش جن اس معنیٰ پر یہ اسم جنس ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس سے ابلیس مراد ہے کیونکہ وہ بھی جن ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کان من الجن ففسق عن امر ربہ (وہ جن تھا اور اپنے رب کے حکم سے نکل گیا)

حل لغات السفہ بمعنی عقل کی کمی اور اس کی نقیض جہل ہے (قاموس)، امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ السفہ بدن میں ہلکا پن پھر یہ خفۃ النفس میں مستعمل ہوتا ہے بوجہ نقصان عقل کے اور امور دینویہ داُخرویہ میں اور آیت میں دین لیں وہ خفۃ مراد ہے جو اخروی سفہ (بے وقوفی ہے (المفردات)۔ عَلَى اللّٰهِ اللہ پر۔ یہ یقول کے متعلق ہے عَلٰی اس لئے لائے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان تھا نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا۔

شَطَطًا (حد سے بڑھ کر)

حل لغات شطط ظلم وغیرہ کی حد میں متجاوز ہونا۔ المفردات میں ہے بُعد میں افراط یعنی ان کا قول صاحب بُعد از قصد ہے اور حد سے متجاوز ہے اسے مصدر سے موصوف کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے اور حد سے تجاوز یہی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف عورت اور اولاد کی نسبت کی۔

عالم بے عمل کی مذمت آیت میں اشارہ ہے عالم بے عمل جاہل کے حکم میں ہے دیکھئے اگرچہ ابلیس اہل علم تھا لیکن جب علم کے مقتضیٰ پر عمل نہ کیا تو اُسے سُفیہ جاہل کہا گیا اسی لئے ایسے عالم بے عمل کی تقلید (اتباع)، ناجائز ہے اس جیسے اہل علم شیطان کے تابعدار ہیں اور شیطان نار (جہنم) کی دعوت دیتا ہے کیونکہ وہ اس سے پیدا کیا گیا ہے۔

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اور یہ کہ ہمارا خیال تھا۔ اَنْ مخففہ از ثقیلہ ہے یعنی شان یہ ہے کہ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (انس وجن اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھیں گے) اپنے سفیہ (بے وقوف) کی تقلید میں اعتذار کے طور کہا یعنی ہمیں خیال تھا کہ شان اور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بھی جھوٹ نہ باندھے گا اسی لئے ہم نے اس کی بات کی اتباع کی اور تصدیق کی کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی عورت اور اولاد ہوگی لیکن جب ہم قرآن سنا اور اس کے سبب سے ہم پر حق واضح ہوگیا تو ہمیں معلوم ہوگیا کہ وہ (بے وقوف) خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں۔

فائدہ كَذِبًا مصدر (مفعول مطلق) قولاً کا مؤکد ہے اس لئے کہ کذب بھی قول کا نوع ہے۔

تفسیر صوفیانہ الانس میں قوائے روحانیہ کی طرف اور جن میں قوائے طبعیہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ الانس سے حواس ظاہرہ اور جن سے قوائے باطنہ مراد ہیں اس سے ہمیں وہم ہوا کہ شاید بصر اس کی شکل اور رنگ کا ادراک کرے گی اور کان اس کی آواز سن لیں گے اور وہم وخیال نے ہدایت سے پہلے اور روح کے نورانی ہونے سے پہلے سمجھ رکھا تھا کہ شاید یہ حق اور واقعے کے مطابق ہوگا لیکن پھر جب اس وحی (الغائی) سے جو قلب پر وارد ہوا بواسطہ روح القدس ہم نے معلوم کیا کہ ہم تو اس کے ادراک کے حق میں نہیں اور نہ ہم اس لائق ہیں کہ اس کا ادراک کرسکیں۔ کیونکہ اس کی نہ کوئی شکل ہے نہ اس کا کوئی رنگ ہے نہ اس کی آواز ہے اور نہ وہ وہم وخیال میں آسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کلام کی جنس سے نہیں جو بنایا ہوا اور فکر وخیال سے گھڑا ہوتا ہے اور جو قیاسات عقلیہ یا مقدمات وہمیہ اور تخلیہ کا نتیجہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ قبیل مخلوق سے نہیں نہ جنساً نہ نوعاً نہ صنفاً نہ شخصاً تو پھر کیسے اس کی عورت اور اولاد کا تصور کیا جاسکتا ہے۔

وَاَنَّہٗ اور بے شک شان یہ ہے کَانَ تھے جاہلیت کے دور میں رِجَالٌ کچھ مرد مِّنَ الْاِنْسِ انسانوں سے۔ کَانَ کی خبر یَعُوْذُوْنَ (پناہ لیتے تھے) ہے۔

حل لغات العوذ بمعنی التجاء الی الغیر اور اس سے متعلق ہونا بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ کچھ مرد جنوں کے کچھ مردوں کی۔

فائدہ اس میں دلیل ہے کہ جنوں کی انسانوں کی طرح بھی عورتیں ہوتی ہیں کیونکہ جب ان کے رجال ہیں تو ان کی عورتوں کا ہونا لازم ہے اسی لئے ان کے حق میں ہے کہ انہیں توالد وتناسل ہوتا ہے لیکن وہ ابلیس اور اس کی ذریعت کی طرح مہلت دیئے ہوئے ہیں۔

جنات کی شرارت سے بچنے کا طریقہ اہل تفسیر لکھتے ہیں کہ عرب میں ایک شخص تھا کہ جب وہ کسی سفر میں کسی وادی اور ویران جنگل میں شب باش ہوتا اور اسے جنات سے خوف ہوتا تو کہتا اعوذ بسید ھذا الوادی من شر سفہا و قومہ (میں اس وادی کے سردار کی پناہ میں ہوں اس کی قوم کے سفہا کی شرارت سے) اس سے اس کی مراد جنات ہوتے اور سید الوادی سے اس کا سردار مراد ہوتا۔ اس طرح سے وہ امن وسکون سے رات بسر کرتا اور صبح تک سکون سے سوتا۔

بہرحال جب جنات نے قرآن سنا تو کہا کہ ہمارے راستے جن وانس نے روک دیئے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَزَادُوْھُمْ (تو اس سے ان کا بڑھا) اس کا عطف یَعُوْذُوْنَ پر ہے اور ماضی کا صیغہ تحقیق کے لئے ہے یعنی پناہ لینے والے مرد انسانوں نے بڑھایا جنات کا رَھَقًا تکبر، یہ زاد کا دوسرا مفعول ہے یعنی تکبر اور سرکشی اور سفاہت کو اس لئے کہ رھق (محرکۃ بفتحتین) کئی معانی پر آتا ہے (۱) السفہ (بے وقوفی۔ (۲) رکوب الشر (۳) ظلم۔ آکام المرجان میں ہے کہ اسی لئے منتر پڑھنے والے ان کے اسما سے اجابت کرنے اور ان کے بادشاہوں کے اسما سے کیونکہ انہیں

ان کی قسمیں دیتے ہیں جنکی وہ عظمت مانتے ہیں اسی وجہ سے انہیں انسانوں پر ریاست و شرافت حاصل ہوتی اور ان سے جو چاہتے حاصل کر لیتے حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ انسان ان سے اشرف ہیں اور قدر و منزلت کے لحاظ سے وہ ان سے معظم ترہیں لیکن جب انسان انکے سامنے جھک گئے اور ان سے پناہ مانگنے لگ گئے تو وہ جنات ان کے لئے بمنزلہ اکابر کے بن گئے کیونکہ چھوٹے بڑوں کے سامنے سر جھکاتے ہیں پھر وہ ان کی ضروریات پورے کرتے یا یہ معنیٰ ہے کہ پناہ لینے والوں کی جنات نے گمراہی بڑھائی کہ انہیں گمراہ کیا اور جب انہوں نے ان سے پناہ لی تو امن میں آگئے اس سے سمجھے کہ یہ امن انہیں جنات سے ملا ہے اسی لئے شیاطین کی اطاعت میں رغبت کی اور ان کے وساوس قبول کرلی اس وقت فاء اخبار کی ترتیب کے لئے ہے۔ اور زیادۃ کا اسناد الانس وجن کی طرف باعتبار سببیت کے ہے۔

شان نزول حضرت کردم بن ابی السائب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے باپ کے ساتھ کسی ضرورت کے لئے مدینہ پاک کی طرف روانہ ہوا یہ وہ دور ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ میں اسلام کی دعوت کا آغاز فرمایا۔ راستہ میں ہم نے رات ایک بکریوں کے چرواہے کے ہاں گذاری۔ آدھی رات کے وقت بھیڑیا آیا اس نے اس کے ریوڑ سے بکری اٹھائی تو چرواہے نے پکارا یا عامر الوادی جارک اے وادی کے سردار تیری پناہ۔ اس کو کسی نے جواب دیا جسے ہم نے نہ دیکھا وہ کہتا تھا یا سرحان سلہ۔ اے بھیڑیا اسے چھوڑ دے تو وہ اٹھائی بکری کے پاس آیا یہاں تک کہ بھیڑیئے سے کھینچ کر ریوڑ میں پھینکی ہم نے دیکھا کہ بکری کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ میں اپنے نبی علیہ السلام پر یہ آیت اتاری وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ الخ

جنات سے پہلے پناہ لینے والا کون حضرت مقاتل نے فرمایا کہ جنات سے سب سے پہلے یمن کی ایک قوم نے پناہ لی ان کے بعد قبیلہ نے اس کے بعد عرب میں عام شائع ہوگیا اسلام آیا تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ پناہ لی گئی اور جنات سے پناہ لینے کی رسم متروک ہوگئی۔

درندوں سے بچنے کا وظیفہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ جس وادی (جنگل) میں درندوں سے خطرہ ہو تو کہو اعوذ بدانیال وبالجب من شر الاسد دانیال (علیہ السلام) اور کنوئیں کے نام سے پناہ لیتا ہوں شیر کے شر سے۔

قصۂ دانیال علیہ السلام یہ اس قصۂ دانیال (علیہ السلام) کی طرف اشارہ ہے جو امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے الشعب میں روایت کی کہ دانیال علیہم السلام کو کنوئیں میں ڈالکر اوپر سے درندے چھوڑے گئے۔ دیکھا گیا کہ درندے دانیال علیہ السلام کے قدم چوم رہے تھے اور ان کے سامنے عاجزی کا اظہار کر رہے

تھے۔ دانیال علیہ السلام کے پاس اللہ کا فرشتہ تشریف لایا آپ نے پوچھا کہ آپ کون ہیں فرمایا میں آپ کے رب تعالیٰ کا قاصد ہوں۔ مجھے اللہ نے آپ کے پاس طعام دے کر بھیجا ہے۔ دانیال علیہ السلام نے کہا الحمد للہ الذی لا ینسی من ذکرہٗ تمام تعریفیں اس کے لئے جو اسے نہیں بھلاتا جو اسے یاد کرے۔

حکایت بخت نصر و دانیال علیہ السلام ابن ابی الدنیا نے روایت کی کہ بخت نصر کے دو شیر شکاری تھے انہیں اس نے کنوئیں میں ڈالا اور دانیال علیہ السلام کو بھی اسی کنوئیں میں پھینک دیا ان شیروں نے آپ کو کوئی نقصان نہ دیا چونکہ اللہ تعالیٰ نے شیروں سے آزمائش کی اب ان کے نام استعاذہ روا رکھا کہ جب کسی شر کا دفعیہ مشکل ہو تو ان کے نام استعاذہ کیا جائے (حیٰوۃ الحیوان)

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کے نام سے استعاذہ جائز ہے بشرطیکہ استعاذہ کرنے والا اہل توحید ہو اور اعتقاد ہو کہ تاثیر من اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قویٰ ظاہرہ قویٰ باطنہ کو سہارا اور تقویت دیتے ہیں ان سے محارم کے ارتکاب و مناہی مع دواعی وہمیہ و اسباب شہویہ و غضبیہ و نوازع نفسانیہ کا عمل صادر ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اور بے شک ان انسانوں نے گمان کیا جیسا تمہیں گمان ہے۔ اے جنو! یہ اس وقت ہے کہ یہ کلام مومن جنوں کا ہو گا فرد کے لئے جب وہ حضور علیہ الصلوٰۃ کا کلام مبارک سن کر اپنی قوم میں گئے یا جنوں نے گمان کیا اے کا فرو یہ اس وقت ہے جب یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہو اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا اللہ تعالیٰ ہرگز کوئی رسول نہ بھیجے گا ان مخففہ ظَنُّوْا کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور کوفیوں کے مذہب کے مطابق عمل پہلے فعل کو دیا گیا ہے اس لئے کہ لفظ مَا كَمَا ظَنَنْتُمْ میں مصدریہ اور اس کا مدخول فعل بتاویل مصدر ہے اور فعل عمل میں بہ نسبت کے مصدر کے اقویٰ ہے اور بعثت سے رسالت مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی کو ہرگز رسول بنا کر نہیں بھیجے گا یا موسیٰ علیہ السلام کے بعد کہ وہ تشریف لا کر مخلوق پر حجت قائم کرے۔ اب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم النبیین کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا ان پر ایمان لاؤ ان کے ساتھ وہی طریقہ اختیار کرو جو بعض انسانوں نے کیا (یعنی ان کی پیروی کرو)۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اس کے بعد قیامت مراد ہے یعنی ان کا گمان تھا کہ اللہ تعالیٰ موت کے حساب و جزا کے لئے کے لئے ہرگز نہیں اٹھائے گا۔

تفسیر صوفیانہ فقیر صاحب روح البیان قدس سرہٗ کہتا ہے کہ اسمیں انس و جن، اہل غفلت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ انکی اللہ تعالیٰ پر بدگمانی تھی اور کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں خواب غفلت سے ہرگز بیدار نہ فرمائے گا

بلکہ انہیں اسی طرح لذات میں منتغرق اور شہوات میں منہمک رکھے گا انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ مطلقاً قبور سے تمام کو اٹھائیگا اور ان کے اجسام و قلوب و ارواح کو حیاۃ باقیہ سے زندہ کرلے گا اس لئے کہ اہل نوم بوجہ شعور کے انقطاع اہل یقظہ (بیداری والوں) کو نہیں پہچانتے اس طرح پہلے تو اللہ تعالیٰ کا عجز ثابت ہوتا ہے حالانکہ وہ ہر شے پر قادر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ (اور بے شک ہم نے آسمان کو چھوا) یعنی آسمان تک پہنچنے کی طلب کی تاکہ سنیں کہ ملائکہ حوادث کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں تاکہ اُن سے سُن کر ہم کاہنوں میں پھیلائیں۔

فائدہ لَمَسْنَا طلب کے لئے مس سے مستعار ہے اور لمس ہاتھ سے ہوتا ہے ہر دونوں کو مشابہت ہے وجہ تشبیہ ہر دونوں کا شے کے حال معلوم کرنے کا وسیلہ ہونا ہے اسی لئے اس وسیلہ کو مس و لمس سے تعبیر کرتے ہیں۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللمس بمعنیٰ شے کا ادراک ظاہری جسم سے مس کی طرح اور اسے طلب سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اسی سے ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کی کہ میری عورت لامس کے ہاتھ کو نہیں چھوڑتی یعنی ضرورتمند کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتی اس سے گویا اس نے اپنی عورت کے تضییع مال کی شکایت کی (کشف الاسرار)۔

فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا تو ہم نے اسے پایا پہرے سے بھر دیا گیا ہے پہرے دار اور حفاظت کرنے والے ہیں یعنی فرشتے انہیں منع کرتے ہیں

حل لغات حَرَسًا جمع حارس کی بمعنی حافظ جیسے خدم خادم کی جمع ہے لیکن یہ لفظاً مفرد ہے اسی لئے اس کی صفت شدید (سخت) ہے یعنی قوی (مضبوط) اگر یہ لفظاً بھی جمع ہوتا تو اسکی صفت شِدَادًا ہوتا۔ مُلِئَتْ وجدناہا کے مفعول سے حال ہے اگرچہ وَجَدْنَا بمعنی اَصَبْنَا (پادنا) ہے اور دوسرا مفعول ہے اگر یہ افعال قلوب سے ہو۔ اب معنیٰ ہوگا فعلمناھا مملوۃ تو ہم نے اسے پر جانا اور حرسًا تمیز ہے۔

وَّشُهُبًا اور آگ کی چنگاریاں اس کا عطف حرسًا پر ہے اور اس کے اعراب کا حکم حرسًا کے مطابق ہے۔

حل لغات شُهُبًا شہاب کی جمع ہے وہ شعلہ جو کواکب کی نار سے حاصل ہوتا ہے ایسے ہی کہا گیا ہے اور اس کی تحقیق گذری ہے۔

وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ (اور یہ کہ ہم بیٹھتے تھے) اس سے قبل مِنْهَا آسمان میں سے مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ بیٹھنے کی جگہیں سننے کے لئے خالی تھیں۔ پہرے اور چنگاریوں سے ان سے ہمارے مقاصد حاصل ہوتے تھے یعنی ہم انہوں کی طرف۔ القاء کے لئے فرشتوں کی باتیں سننا یا وہ جگہیں انتظار اور سماع کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ لِلسَّمْعِ نَقْعُدُ

کے متعلق ہے بروجہ اول تَقْعُدُ لاجل السمع یا اس کا متعلق مضمر ہے اس وقت مقاعد کی صفت ہوگا دراصل عبارت یوں ہے۔ مقاعد کائنۃ للسمع۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ مقاعد ای مواضع جگہیں اخبار از آسمان سننے کے لئے ہر زندہ جن کے لئے آسمان پر جانے کا علیحدہ دروازہ تھا جو وہاں سے ملائکہ کی باتیں سنتا تھا۔

حدیث شریف بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ملائکہ بادل میں اترتے ہیں العنان بالفتح بمعنی سحاب (بادل) آپس میں ان کرتے ہیں وہ امر جو آسمان پر فیصلہ ہوا اس سے شیاطین چرا کر کاہنوں میں القا کرتے اس میں وہ سو جھوٹ طرف سے ملاتے۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ان دونوں قولوں میں موافقت یوں ہے (یعنی اسمیں کہ وہ شیاطین آسمان سے باتیں چراتے اور یہ کہ بادل سے حاصل کرتے) بعض دفعہ ملائکہ بادل اتر کر باتیں کرتے اور بعض دفعہ وہ آسمان میں باتیں کرتے اور شیاطین (جنات) کے لئے آسمان پر چڑھنا ایک عرصے کے لئے بھی شرعاً منع ہے کیونکہ ان کے اجسام لطیف ہیں اس لئے کہ وہ ناریہ ہیں یا ہوائیہ یا دخانیہ اسی لئے ان پر آگ اور ہوا اثر انداز نہیں ہوتیں جب وہ ان کے کرتُوں سے گذرتے اگر مان لیا جائے کہ ایسا نہیں تو یہ ماننا ہوگا کہ ان کا آسمان پر چڑھنا استدراجاً تھا اور اللہ تعالیٰ حکمتوں اور اسرار کا مالک ہے۔

فَمَنْ شرطیہ ہے یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ تو اب جواب سننے بیٹھنے کی جگہوں میں سے کسی جگہ میں اور اجتماع کو طلب ہے۔ اَلْاٰنَ بمعنی اس زمانہ میں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد اور اللباب میں ہے یہ ظرف استقبال کے لئے استعارہ کیا گیا ہے۔ یَجِدْ لَہٗ اپنے لئے پائے۔ شرط کا جواب اور ضمیر مَن کی ہے یعنی اپنی ت کے لئے پاتا ہے۔ شِہَابًا رَّصَدًا آگ کا لوکا یعنی چنگاری۔

حل لغات رصد بمعنی انتظار کی استعداد (یعنی اس کے لئے چنگاری انتظار میں ہے کہ جونہی یہ سننے کے لئے اوپر جائے تو وہ اسے رجم سے روکتے ہیں یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ چنگاری والے اس کے منتظر ہوتے ہیں ۔ اسے اس چنگاری سے ماریں جو ان کے پاس ہیں یہ اسم مفرد جمع کے معنیٰ میں ہے جیسے حرس مفرد بمعنی جمع ہے

فائدہ شہاب سے ملائکہ مراد ہیں بحذف المضاف یہ بھی جائز ہے کہ رصداً مفعول لہٗ ہونے کی وجہ سے منسوب ہو۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں طلب قویٰ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قلب کے آسمان میں داخل ہوتے ہیں تو وہ قلب کو ملکیہ رحمانیہ کے نگران گھیرے ہوئے پاتے ہیں جو اس کی خواطر نفسانیہ و شیطانیہ کے طرق سے نور ب کی نار سے (جو نور رب سے منور ہے) سے حفاظت کر رہے ہیں۔

فائدہ اگرچہ بعثت نبوی سے پہلے بھی یہ چنگاریاں تھیں لیکن بعثت کے بعد زیادہ اور واضح ہوگئیں یہاں تک کہ ان سے ہر انس وجن آگاہ ہوگیا اور جنات کی چوری چھپے باتیں سننا بالکل بند ہوگئیں تاکہ لوگوں پر اقوال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور وحی الہٰی کی طرف منسوب ہیں کاہنوں کے اقوال سے جو ان شیاطین سے حاصل ہوئے جو انہوں نے اہل سما کے اقوال سے چرائے سے ملتبس نہ ہوں جس پر فَوَاجَدْنَا مُلِئَتْ حَرَسًا شدید دلالت کرتا ہے کیونکہ ایک حادثہ اور کمال اور کثرت پر دلالت کرتا ہے یعنی بعثت کے بعد نگران اور چنگاریاں بڑھائی گئیں یہاں تک کہ آسمان بھر گیا۔ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ کا مطلب یہ ہے کہ بعثت سے پہلے ہم آسمان میں بعض جگہیں بیٹھنے کی خالی پاتے کہ وہاں نگران اور چنگاریاں نہیں تھیں لیکن اب وہ تمام جگہیں نگرانوں اور چنگاریوں سے پر ہوگئی ہیں جب جنات نے یہ کیفیت دیکھی تو سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ارض کے لئے کچھ ارادہ فرمایا ہے چنانچہ کہا۔

وَاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اور بے شک ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کے ساتھ کسی شر کا ارادہ کیا گیا کہ آسمان کی ہمارے جانے سے حفاظت کی گئی ہے اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا یا ان کے لئے کسی خیر کا ارادہ کیا گیا ہے یعنی وہ خیر و بھلائی جو ان کی مصلحتوں کو زیادہ موافق ہو۔ استفہام حکمت پر اطلاع سے عجز کے لئے ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ دو چیزوں کا تردد (خیر اشر میں) استفہام مختص ہے اور یہ کہ یہ فعل مضمر جس کی مابعد تفسیر کرتا ہے کا فاعل ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نہیں جانتے کہ اس سے خیر و بھلائی مراد ہے یا شر۔ اسی تقریر کو مفسرین نے راجح کہا ہے کیونکہ یہی دو معطوفوں کے درمیان موافق ہے کہ دونوں جملے فعلیہ ہیں اور با، ہر دونوں میں ان کے ماقبل سے متعلق ہے اور جملہ استفہامیہ مفعول کے قائم کے مقام ہے۔

مسئلہ اللہ کی طرف خیر کی نسبت کی جائے اور اس کی طرف شر کی نسبت کرنا بے ادبی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام، کی حکایت میں ہے واذا مرضت فھو یشفین اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے۔

مسئلہ صاحب الانتصاب نے فرمایا کہ جنوں کا عقیدہ تھا کہ ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہیں اس لئے ہدایت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردیا اور گمراہی کے لئے ادباً فاعل کو مضمر کردیا اس اعتبار سے انہوں نے حسن الاعتقاد والادب کو جمع کیا۔

تفسیر عالمانہ وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ (اور بے شک ہمارے میں بعض نیک ہیں) اپنی ذات کے لحاظ سے اور معاملات میں اپنے غیروں کے ساتھ صلاح (نیکی) سے موصوف ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ وہ بجسب فطرت کے مقتضی کے صلاح و خیر کی طرف مائل ہیں نہ کہ شر و فساد کی طرف جیسے نفوس شریرہ کا مقتضیٰ ہے اور یہ قد

ہے گویا انہوں نے ان بعض کے سوا دوسروں کی صلاح و خیر کا کسی قسم کا اعتبار نہیں کیا اس تقریر پر صالحون مبتدا اور منا اس کی خبر مقدم ہے اور جملات کی خبر ہے یہ بھی جائز ہے کہ صالحون جار و مجرور کا عامل اور ظرف کے قائم مقام ہے اس لئے کہ اسے مبتدا پر اعتماد ہے۔

وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ اور کچھ دوسری طرح کے ہیں یعنی قوم سے صلاح میں کم ہیں یہاں موصوف محذوف ہے کیونکہ تفصیل من کے وقت موصوف کا حذف جائز ہے یہاں تک کہ عربی کہتے ہیں مِنَّا ظَعَنَ و منا اقام (ہمارے بعض کوچ کر گئے اور بعض مقیم ہیں) اس سے ان کی مراد منا فریق ظعن و منا فریق اقام ہے۔ دون ظرف یعنی یہ علی ابوجہ۔ مذکور صلاح میں اور مانی درجہ کے ہیں یعنی صلاح میں کامل نہیں نہ کہ ایمان نہ تقویٰ میں جیسے بعض نے وہم کیا یہ ان کا حال استماع القرآن سے پہلے کا ہے جیسا کہ اگلا مضمون بتاتا ہے کہ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا (ہم ہیں مختلف طریقوں والے) ہاں استماع القرآن کے بعد ان کا حال اور ہو گیا جس کا ذکر وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰى الی ان قال وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ میں آئے گا (انشاء اللہ) یعنی استماع القرآن سے پہلے ہم مختلف الاحوال تھے یہ تقسیم مذکور کا بیان ہے اور یہاں مضاف مقدر ہے کیونکہ ذوات مختلف نہیں احوال کا اختلاف مراد ہے۔

اہل مذہب جن علماء کرام فرماتے ہیں کہ جن قدریہ۔ جبریہ۔ مرجیہ و خوارج روافض اور شیعہ۔ سنی وہابی دیوبندی مرزائی وغیرہ ہوتے ہیں۔

حل لغات المفردات میں فرمایا کہ طریق کی جمع طرق اور طرق کی جمع طرائق ہے اور ظاہر یہ ہے الطرائق طریقہ کی جمع ہے جیسے قصائد قصیدہ کی جمع ہے۔

فائدہ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا میں اشارہ ہے کہ وہ مختلف درجات رکھتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم درجات (وہ درجات والے ہیں) الطریق سے مراد وہ ہے جو پاؤں سے طے کیا جائے اسی سے استعارہ ہے انسان کا مسلک کہ جس پر وہ چلتا ہے کسی فعل میں محمود (اچھا) ہو یا مذموم (برا) بعض نے یہ طریقۃ النخل سے لیا ہے اس کی دراز کے طریق تشبیہ ہے۔

حل لغات القد بمعنی شے کو طول میں کاٹنا اور قد بمعنی محدود ہے اسی لئے قامۃ الانسان کو قد کہا جاتا ہے۔ تقطیعۃ کی طرح اور القدہ ہمچون قطعۃ یعنی وہ قد سے ہے جیسے قطعۃ قطع سے اور الطرائق قدد سے اسی لئے موصوف ہیں کہ وہ تقطع و تفرق پر دلالت کرتے ہیں القاموس میں ہے کہ القدۃ انسانوں کا وہ فرقہ (گروہ) جو ہر ایک اپنی خواہش نفسانی علیحدہ رکھتا ہو[1] اسی سے ہے كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا یعنی فرقے جو مختلف خواہشات نفسانی پر بٹے ہوئے ہیں اور اس وقت جنوں کے مختلف فرقے تھے۔

---

[1] جیسے فرقہ مرزائی فرقہ رافضی۔ وہابی دیوبندی وغیرہ اور اہلسنت کو جماعت کہا جاتا ہے۔ ۱۲ اویسی غفرلہ

تفسیر صوفیانہ حضرت القاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ یعنی قوائے مدبرہ جو نظام معاش اور صلاح بدن پر مامور ہیں مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ یعنی مفسدات جیسے وہم وغضب و شہوت و معاملہ جو خواہشات کے مقتضٰی پر ہوں اور متوسطات جیسے قوائے نباتیہ طبیعیہ کہتی ہیں کہ ہم مختلف مذاہب میں ہر طریق اور ہر وجہ سے جس پر اللہ تعالیٰ نے معین فرمایا اور جو کام ہمارے سپرد کیا۔

فائدہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الصالحون سے سابقین بالخیرات اور مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ سے ان سے ادنیٰ تر والے انہیں سے ہیں مقتصدین جنہوں نے اعمال صالحہ وسیئہ کو مخلوط کیا۔ بہرحال اپنے نفوس پر ظلم کرنے والے وہ کنا طرائق قددا میں مندرج ہیں۔ اس تقریر پر اس میں جملہ مستانفہ اور تخصیص کے بعد تعمیم ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ دون بمعنی غیر ہے اس معنیٰ پر پچھلی دو قسمیں اسی میں داخل ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَّ اَنَّا ظَنَنَّا (ظن بمعنی یقین ہے) (اور بے شک ہمیں یقین ہوا) ابھی ہم نے استدلال اور آیات القرآن میں تفکر سے۔ کیونکہ ایمان ظن سے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی میں ان کے ساتھیوں کی ترغیب و ترہیب مراد ہے اور وہ علم (الیقین) سے ہو سکتا ہے نہ کہ صرف گمان سے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَنَا النذیر العریان میں ظاہر کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں)۔

اَنْ بے شک شان (بات) یہ ہے کہ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ (ہم اللہ تعالیٰ) سے ہرگز نہ نکل سکیں گے) اس حکم سے جو اس نے ہمارے لئے ارادہ فرمایا ہے درانحالیکہ ہم ہیں فِی الْاَرْضِ زمین میں جہاں بھی ہوں گے اس کے کناروں پر۔ فی الْاَرْضِ، نُّعْجِزَ کے فاعل سے حال ہے۔

حل لغات الاعجاز بمعنی عاجز کرنا۔

وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا (اور نہ بھاگ کر اس کے قبضہ سے باہر ہوں)۔ هَرَبًا، لن نُّعْجِزَ سے حال ہے بمعنی ہاربین سے زمین سے بھاگ کر آسمان پر یا کسی پناہ دینے والے یا جبل قاف کی طرف یہ کہ ہم اس زمین سے بھاگ نہ جائیں گے اگر وہ ہمارے لئے اس امر کا ارادہ فرمائے یا ہمیں طلب فرمائے کیونکہ ہمارا ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف یا مڑ جانا اس کے لئے برابر ہے یا انہیں سے اس سے ہمارا بھاگنا غیر مفید ہے۔ فی الارض کی قید میں اشارہ ہے کہ باوجود اس کی وسعت کے سوائے اللہ تعالیٰ سے نہ نجات کی امید ہے نہ بھاگنے کا فائدہ۔

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى (اور بے شک جب ہم نے ہدایت سنی، قرآن سنا جو اس راہ کی ہدایت دیتا ہے جو مضبوط تر ہے) اٰمَنَّا بِهٖ ہم بلا تاخیر اور بلا تردد ایمان لائے فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ تو جو اپنے رب پر ایمان لائے، اور اس پر جو اس نے ہدایت نازل فرمائی فَلَا یَخَافُ تو اسے کوئی خوف نہیں۔ یہاں مبتدا خبر مقدر ہیں اسی لئے اس پر فا داخل ہوئی۔ اگر مبتدا خبر مقدر نہ ہوتے تو کہا جاتا لا یخف فعل کے مرفوع ہونے اور وجوب اوخالی فا کا فائدہ یہ ہے کہ اسمیں دلیل ہے کہ مومن ضرور نجات پائے گا اور یہ نجات صرف مؤمن سے مخصوص ہے اس کے غیر سے نہیں۔ بَخْسًا دکی کا، جزا میں نقصان کا وَّلَا رَهَقًا اور نہ زیادتی کا کہ اس پر ذلت چڑھ کر اسے ڈھانپ لے یا یہ معنیٰ ہے کہ اسے نہ جزا کی کمی کا خوف نہ ظلم کا کیونکہ اللہ تعالیٰ، نہ کسی کے حق میں کمی کرے گا اور نہ کسی پر ظلم ہوگا اسی لئے مومن کمی اور زیادتی کی جزاؤ سزا سے نہیں ڈرتا۔

مسئلہ اس میں دلیل ہے کہ جو ایمان والے ہے اس پر حق بنتا ہے کہ وہ حقوق العباد سے اجتناب کرے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن وہ ہے جس سے لوگ اپنے نفسوں اور اموال کے بارے میں امن میں ہوں۔

فائدہ حضرت الواسطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ خود پر امان واجب اور لازم کرے جو شک کرنے والوں کے خوف میں ہے اس نے ابھی ایمان کی حقیقت کو نہیں پایا۔

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ اور بے شک ہم میں کچھ مسلمان ہیں۔ قرآن سننے کے بعد وَمِنَّا الْقَاسِطُوْنَ اور کچھ ظالم ہیں طریق حق سے ہٹے ہوئے۔ یعنی ایمان وطاعت سے۔

حل لغات القاسط بمعنی حق سے روگردانی کرنے والا۔ المقسط بمعنی العادل کیونکہ وہ حق کی طرف راجع ہے کہا جاتا ہے قسط جار حق سے ہٹ گیا اقسط عدل وانصاف کیا۔

فائدہ قاسط کا لفظ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ پر مستعمل ہوا اسی سے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مخاطب ہو کر فرمایا تقاتل الناکثین والقاسطین والمارقین۔ تم ناکثین وقاسطین۔ اور مارقین سے جنگ کرو گے۔

فائدہ[1] ناکثین سے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لشکر مراد ہے اس لئے کہ انہوں نے

---

[1] جنگ جمل وصفین کیوں ہوئیں یہ طویل داستان ہے لیکن اس سے صاحب نظر اس عقیدہ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آنے والے واقعات کو ایسے جانتے ہیں گویا ان کے سامنے واقع ہو رہے

باقی حاشیہ آگے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑدی اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جاملے اور انہیں اونٹ پر سوار کرکے بصرہ لے گئے اسی لئے اس جنگ کا نام جنگ جمل (اونٹ) ہے۔ قاسطین سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا لشکر مراد ہے اس لئے وہ حق و صواب سے ہٹ گئے کہ خلیفہ حق سے جنگ کی اس کا نام جنگ صفین ہے مارقین سے خوارج مراد ہیں اس لئے کہ وہ دین حق سے خارج اور خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ حلال سمجھی خوارج کے سربراہ تھے عبداللہ بن وہب الراسبی اور حرقوص بن زہیر البجلی یہ ذوثدیہ سے مشہور تھا اور یہ جنگ نہروان سے موسوم ہے یہ ایک جگہ میں ہے جو بغداد سے چار فرسخ (۱۲ میل دور واقع ہے

ہیں اسی کو اہلسنت علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں اور ما فی الغد (کل کیا ہوگا) کا علم بھی اسی میں ہے جس کی نفی میں مخالفین ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ حدیث خمس لایعلمھن الا اللہ پانچ علم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا نہ نبی (علیہ السلام) نہ ولی۔ اور جو مانے وہ مشرک۔ انہیں ایک مافی الغد (کل کیا ہوگا) بھی ہے۔ بہرحال حضور علیہ السلام نے جیسے فرمایا ویسے ہوا۔ اور ہونا تھا کیونکہ آپ کے منہ سے جو بات نکلی وہ ہو کر رہی اس میں اہلسنت کا عقیدہ ہے۔ جنگ صفین و جمل ہر دو نوں میں حق پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے سیدہ عائشہ و سیدنا امیر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد تھا جو مبنی بر غیر صواب تھا اور یہ قاعدہ مسلّم بہ شیعہ و سنی ہے کہ جو اجتہاد مبنی بر غیر صواب ہو تو بھی مجتہد قابل ملامت نہیں اور مسائل شرعیہ کو مستحکم کرنے کے لئے ایسے اجتہادات انبیا علیہ السلام سے بھی سرزد ہوئے جیسے داؤد و سلیمان علیہ السلام کے قصے قرآن مجید میں متعدد ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اجتہادات بھی کسی سے مخفی نہیں کہ اسی اجتہاد پر اپنے بڑے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کے ساتھ جو کچھ کیا وہ قرآن مجید میں مفصل ہے اب کونسا پاگل ہوگا جو انبیاء علیہم السلام کے اس اجتہاد پر برا بھلا کہنے کی جرأت کرے گا اگر کرے گا تو اس کا اپنا ایمان خطرہ میں ہوگا انبیا علیہم السلام کی شان میں کمی نہیں آئیگی ایسے حضور امام الانبیاً نے اجتہاد کے باب درجنوں واقعات عملی طور دکھائے اگرچہ یہ اصول اسلامی ہے کہ انبیاً علیہم السلام مبنی پر غیر صواب پر اللہ تعالیٰ آگاہ فرمادیتا ہے اور وہ مبنی بر غیر صواب دائماً نہیں رہتا اور اجتہاد غیر انبیاً علیہم السلام میں یہ بات نہیں اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اجتہادات بھی درجنوں ہیں تو اہل اسلام میں سوائے خوارج مزاج کے کسی نے ان کو مطعون نہیں کیا ایسے ہی سیدہ صدیقہ و سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو مطعون کرنا سوائے روافض کے اور کون ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی جملہ صحابہ و آئمہ مجتہدین رضی اللہ عنہم کے متعلق یہ قاعدہ یاد رکھیئے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طعن تشنیع سے روکا ہے اسی لئے ہم اس بحث کو نہ چھیڑیں بعض کم فہم سُنّی بھی اسمیں ملوث ہیں۔ اللہ ہدایت دے۔ ۱۲

(اویسی غفرلہٗ)

فَمَنْ اَسْلَمَ پس جس نے گردن جھکائی (اسلام لائے) جیسے ہم نے کیا اسلام قبول کیا ہے۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ جن کا کلام ہو یا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب فرما کر کہا وہ جو آنے والی آیات میں ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ یہ اشارہ ان کی طرف ہے جو اسلام لائے اور جمع باعتبار معنیٰ کے ہے۔ تَحَرَّوْا تو انہوں نے سوچی۔

حل لغات استحری دراصل قولاً و فعلاً اس کی طلب جولائق تر ہو۔ یعنی طلب و قصد کیا۔

رَشَدًا بھلائی

حل لغات کہا جاتا رشد ہیچوں نصر۔ و فرح۔ رَشَدًا و ارشادًا بمعنی ہدایت پائی (قاموس) بمعنی عظیم اہتدا طریق و حق و صواب کی طرف جو انہیں دار الثواب تک پہنچا دے اس معنی پر تحری الرشد اس سے مجاز ہے بعلاقہ سببیہ خلاصہ یہ کہ انہوں نے راہ راست کا قصد کیا اور وہ اس سے اس مقصد تک پہنچ جائیں گے

وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ اور بہر حال ظالم۔ سنن الہدیٰ سے ہٹنے والے۔ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا تو وہ جہنم کے ایندھن ہوئے۔

حل لغات الحطب وہ شے جو جلانے کے لئے تیار کی جائے یعنی انہیں ایندھن بنا کر جلایا جائے گا جیسے انسانوں میں سے کافروں کو۔

حجاج کے سامنے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی حق گوئی جب حجاج (ظالم) نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تو آپ سے پوچھا کہ آپ میرے حق میں کیا سمجھتے ہیں فرمایا انت قاسط عادل حاضرین تو خوش ہو گئے اور کہا کیا خوب فرمایا اے حجاج آپ کے بارے میں کہ تو انصاف و عدل والا ہے

حجاج نے کہا جاہلو اس نے مجھے جاہل اور کافر کہا اس نے یہی آیت تلاوت کی وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا اور آیت ثم الذین کفروا بربہم یعدلون (پھر وہ اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ اپنے بتوں کو برابر کا خدا مانتے ہیں)۔

بی بی حق گو اور حجاج ظالم بعض نے یہی واقعہ ایک بی بی کی طرف منسوب کیا ہے جیسے کہ صحاح میں ہے اس سے بھی حجاج نے یہی سوال کیا تو بی بی نے کہا انت قاسط عادل تو جاہل کافر ہے۔

شاید یہ دو علیحدہ علیحدہ واقعے اسی اتفاق سے وارد ہوئے ہوں۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا (اور یہ کہ وہ سیدھے رہتے)۔ ان مخففہ من الثقیلہ ہے اور قطعی طور جملہ کا عطف انہ استمع پر ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وحی کی رب تعالیٰ نے کہ بے شک شان (بات) یہ ہے کہ اگر جن یا انس یا ہر دونوں سیدھے رہتے۔ عَلَی الطَّرِیْقَۃِ (راہ پر) جو کہ ملت اسلام ہے لَاَسْقَیْنٰہُمْ مَّآءً غَدَقًا تو ضرور ہم انہیں وافر پانی دیتے۔

حل لغات الاسقاء والسقی کا ایک ہی معنیٰ ہے (پلانا)، اور امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کہ السقی والسقیا کسی کو پانی پینے کے لئے دینا الاسقاء اس کے پانی کسی شے میں دے دینا اور پھر وہ اسے جس طرح خرچ کرے جیسے کہا جاتا ہے اسقیتہ نہرًا میں نے اسے نہر کا قبضہ دیا کہ وہ اسے جس طرح چاہے استعمال کرے۔ الاسقاء زیادہ بلیغ ہے اور غدق از باب علم بمعنی غزرًا۔ بہت پانی ہوا۔ مبالغہ کے طور اس سے الماء پانی موصوف ہوتا ہے اس کی کثرت کی وجہ سے رجل عدل کی طرح پانی کے ذکر کی تخصیص محض اس کی وسعت کی وجہ سے ہے اگرچہ اصل معاش اصل پانی ہے نہ کہ اس کی کثرت اور چونکہ عرب میں پانی قلیل الوجود ہے اسی لئے ان کے لئے اسے غدق سے موصوف کیا گیا۔

ملفوظ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جہاں پانی ہوگا وہاں سبزہ زار ہوگا جہاں سبزہ زار ہوگا وہاں مال ہوگا اور جہاں مال ہوگا وہاں فتنہ اٹھے گا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے انہیں کثیر مال بے روک ٹوک دیا اور ان پر دنیا میں رزق کی فراوانی کی خلاصہ یہ کہ ہم نے انہیں خشک سالی کے بعد خوشحالی بخشی اور رزق فراخ عطا فرمایا۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ جن بھی کھاتے پیتے ہیں اسمیں تفصیل ہے اور وہ گذر چکی۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ استقامت علی الطریقہ سے طریقہ سنت پر قائم رہنا اور صلاح کی طرف مائل ہونا اور الاسقاء سے قلوب کو محبت کے پانی سے فیضیاب فرمانا مراد ہے۔

لِّنَفْتِنَہُمْ فِیْہِ تاکہ ہم انہیں آزمائیں۔ اس پانی دینے اور توسیع رزق پر کہ وہ کیسے شکر کرتے ہیں جیسے اللہ نے دوسرے مقام پہ فرمایا وبلونہم بالحسنات اور انہیں ہم نے مال واسباب سے آزمایا۔ یا اس پانی کے بارے میں آزمایا لیکن دونوں کا مطلب ایک ہے۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تاکہ ہم انہیں دنیوی زندگی میں آزمائیں کہ وہ شکر کا حق کس طرح ادا کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں روحانی رزق اور معنوی غذا کی طرف اشارہ ہے کہ ان پر شکر سے قائم رہنا ضروری ہے اور وہ ہے طاعات کے طریقوں اور عبادات کی قسموں اور خدمات کے امور سے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ اور جو اپنے رب تعالیٰ کی یاد سے روگردانی کرے۔ اس کی عبادت سے یا اس کی پند و نصیحت اور وحی سے۔ يَسْلُكْهُ وہ اسے ڈالے گا، عَذَابًا صَعَدًا بڑھتے عذاب میں۔ جو معذب (عذاب دیئے ہوئے) پر چڑھ جائے گا اور اس پر ایسا غالب ہو جائے گا کہ وہ اس کے ہٹانے کی طاقت نہ رکھے گا یہ (فعلاً) مصدر ہے اسے مبالغہ کے طور صفت بنایا گیا جیسے کہا جاتا سلکت الخیط فی الابرہ۔ میں نے سوئی میں دھاگہ ڈالا۔ یعنی اللہ اسے چڑھتے عذاب میں داخل کرے گا جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا ماسلککم فی سقر تمہیں کس نے دوزخ میں داخل کیا یہاں جار محذوف ہے اور بلا واسطہ فعل مفعول پر داخل ہے اور اس کی روگردانی کا یہ مطلب ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے دائمی عذاب میں داخل کرنے کی تصدیق نہیں کرتا تھا ورنہ اگر اسے راہ راست نہ بخشا جاتا تو کم از کم اسے بقدر جرم عذاب ہوتا۔

پہاڑ دوزخ کا مروی ہے کہ صعدٌ دوزخ میں ایک پہاڑ ہے کہ جب مجرم اس پر ہاتھ پاؤں رکھے گا تو مل جائیں گے اور جب انہیں اٹھائیگا تو صحیح و سالم ہو جائیں گے۔

ولید بن المغیر کافر کا ٹھکانہ بعض نے کہا کہ صعدٌ ایک صاف ستھرا پہاڑ ہے جس میں ولید بن مغیرہ کو ۴۰ (چالیس) سال یوں عذاب دیا گیا کہ اسے زنجیروں سے جکڑ کر اوپر سے نیچے گرایا جاتا رہیگا اسی طرح چالیس سال کے بعد پھر اسی طرح تا ابد۔ (پناہ خدا)

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ اور بے شک یہ مسجدیں اللہ کی ہیں، اس کا عطف انہ استمع پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے وحی کی کہ مساجد خاص اللہ تعالیٰ کی ہیں اور ان میں صرف اسی کی عبادت ہو بالخصوص المسجد الحرام اسی لئے اسے بیت اللہ (اللہ کا گھر) کہا جاتا ہے۔

مسئلہ مساجد سے وہ جگہیں مراد ہیں جو نماز کے لئے تیار کی جائیں جیسے کنائس (گرجے)، بیع (یہود کے عبادتخانے) اور مساجد اہل اسلام۔

ازالہ وہم غیر اللہ کی طرف مسجد کا منسوب ہونا دوسری وجہ سے ہے یا بوجہ مسجد کے بانی کے یا اس جگہ کی نسبت سے کہ جہاں مسجد واقع ہے۔

لطیفہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ مساجد صرف میری ہیں لیکن دنیا بھر میں چکر لگائیں تو کوئی ایک مسجد نہ ملے گی جو صرف اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اگر مساجد پر غیر اللہ کے نام کے غلبہ سے شرک لازم نہیں آتا تو پھر غوث رضی اللہ عنہ کے بکرے نے کونسا جرم کیا ہے کہ اس کا نام لو تو فوراً شرک کے فتویٰ زد میں آجاؤ۔ حالانکہ جو بھی غوث کے نام کا بکرا کہتا ہے اس کی نیت ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے نام پر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا جائے گا۔ کوئی ایک سُنی مسلمان تلاش کرنے

(نفسی والہ اشرفی لاہور)

پہلی مثال مسجد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یعنی مسجد نبوی اس لئے اس کے بانی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔

دوسری کی مثال مسجد بیت المقدس وغیرہ وغیرہ یہ اس کے منافی نہیں کہ مسجدیں تو اللہ تعالیٰ کی ہیں اب ان پر غیروں کا نام کیوں یہ نسبت اعتبارات سے ہے۔

فائدہ سب سے بڑی شان والی مسجد الحرام پھر مسجد المدینہ (مسجد نبوی شریف) پھر مسجد بیت المقدس پھر جامع مساجد پھر مسجد محلہ پھر سڑکوں عام شاہراہوں کی مساجد پھر صرف گھروں میں تعمیر کردہ مساجد۔

فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ؕ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو۔ (اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان نے لکھا) ای لا تجعلوا احداً غیر اللّٰہ شریک (اللّٰہ فی عبادۃ[1] یعنی نہ بناؤ کسی غیر کو عبادت اللہ کا شریک۔ جب اشراک (شریک بنانا) مذموم ہے تو اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا کتنا بڑا زیادہ ہوگا۔

فائدہ علامہ کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مساجد میں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو نہ پکارو جیسے گرجوں عبادتخانوں میں یہود و نصاریٰ حضرت عزیر و حضرت مسیح (علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) کو الوہیت سے یاد کرتے ہیں اور جیسے مشرکین بیت اللہ کے اردگرد پکارتے ہیں۔ لبیک لا شریک لک الا شریک ھو لک تملکہ وما ملک (ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک سوائے اس کے جو وہ اور اس کی ہر مملوک شے تیرے لئے ہے) بعض نے کہا کہ مساجد سے تمام روئے زمین ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو مسجد بنایا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے میرے لئے زمین کو مسجد اور اس کی مٹی کو پاک بنایا۔ اسی لئے روئے زمین کے کسی ٹکڑا پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ (شریک بنا کر) کسی کو یاد نہ کرو۔

دل را بجز از یاد خدا شاد مکن
با یاد دوئے از کسے دیگر یاد مکن

---

[1] یہی ترجمہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا قدس سرہٗ نے کیا جیسا کہ اوپر ہم نے آیت کے تحت لکھا۔

(حاشیہ گذشتہ)
پر نہ ملے گا جو ذبح کے وقت غوث یا کسی پیر فقیر کا نام لیتا ہو یا اس کی نیت اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہو وہ صرف بکرے وغیرہ پر نام لیتا ہے تو وہ عرف ہے جیسے مساجد پر غیر اللہ تعالیٰ کا نام ہے تو عرف ہے ورنہ تمام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہوتا ہے کہ مسجد تو اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن صرف نسبت سے ہم نے مسجد کے نام پر رکھا ہے اسی کو صاحب روح البیان نے بیان فرمایا۔

ترجمہ: دل کو یادِ خدا کے سوا شاد نہ رکھ۔ اس کی یاد کے ساتھ کسی کو یاد نہ کر۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ غیر اللہ کو اللہ کے شریک بنانے سے بیزاری میں رمز یہ ہے کہ غیر اللہ تعالیٰ عدم محض اور اللہ تعالیٰ واجب الوجود لذاتہ ہے۔ اللہ تو مخلوق کے ساتھ ہے لیکن مخلوق اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہیں کیونکہ وہ مخلوق کے ہر ذرہ کو جانتا ہے لیکن مخلوق اسے نہیں جانتی اس معنی پر مخلوق کے ہر زمان و مکان و حال میں ساتھ ہے۔ لیکن مخلوق اس کے ساتھ نہیں (کیونکہ وہ زمان و مکان اور حال سے منزہ ہے) کیونکہ وہ اسے جانتے ہی نہیں کہ وہ کہاں ہے تو پھر وہ اس کے ساتھ کیسے ہوں۔ اگرچہ وہ ایمان لانے کی حد تک اسے جانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ نہیں ان کی مثال اندھے کی ہے کہ وہ یہ تو جانتا ہے کہ وہ زید کا جلیس (ہمنشین) ہے لیکن وہ اسے دیکھ نہیں رہا۔ بخلاف اہل مشاہدہ کے کہ وہ ان آنکھوں والے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہیں جن کے ذریعے سے وہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں (وہ ہے بصیرت کی آنکھ) اس سے ثابت ہوا کہ دعا اللہ مع اللہ دعا، الخلق مع اللہ کی طرح نہیں۔ یہی ہے معنی فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ؕ کا

فائدہ سجدہ اگرچہ بظاہر غیر اللہ کو محسوس ہوتا ہے کیونکہ وہ کسی جہت کو ہے اور اللہ جہات سے منزہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ سجدہ غیر اللہ کو نہیں بلکہ اللہ کو ہے کیونکہ وہ ہر شے کو محیط ہے اسی لئے جہاں جہاں سجدہ ہوگا اسی کو ہوگا۔

مسئلہ غیر اللہ کو سجدۂ تعظیم اگر بحکم خدا تعالیٰ ہے تو جائز ہے جیسے آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیم کیا اگر وہ سجدہ بحکم خدا تعالیٰ نہیں ہے تو وہ مردود ہے جیسے بت پرستوں کا اصنام کو۔

سوال جب ہر جگہ سجدہ اللہ کو ہی ہوتا ہے پھر تعمیر مساجد کا کیا فائدہ۔

جواب مساجد کی تعمیر تعظیماً ہے جیسے قبلہ کی تعیین ادباً ہے ورنہ ہر طرف سجدہ کرنا جائز ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (جدھر منہ پھیرو وہاں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے)۔

مضمون توراۃ حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے توراۃ میں لکھا دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین پر میرے گھر مسجدیں ہیں اور مسلمان خوب اچھا وضو کر کے مسجد میں آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کا زائر (زیارت کرنے والا) ہوتا ہے ہر روز جس کی زیارت کی جائے اس کا حق ہے کہ وہ زائر کی تعظیم و تکریم کرے۔

فائدہ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا کہ جو مسجد میں جائے تو وہ اللہ کی زیارت کی نیت کرے۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ وہ مساجد (قلوب) جو گندگیوں (برائیوں) سے صاف ہیں وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی تجلیات ذاتیہ وصفاتیہ واسمائیہ کے لئے خاص ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ کی عبادت

ہیں اسماء جزئیہ کو شریک نہ بناؤ یعنی قلوب کی مساجد کو اسم اللہ الاعظم کے لئے پاک کرو کہ وہ اس کی جلوہ گاہ ہے نہ کوئی اور رحگہ۔ حضرت ابن عطا رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے اعضاء وہ مسجدیں ہیں جن کے لئے تجھے حکم ہے کہ تو ان پر سجدہ کر اور انہیں خالق کے سوا کسی کے آگے نہ جھکا وہ سات اعضا یہ ہیں۔

(۱) چہرہ	(۳-۲) دو ہاتھ
(۵-۴) دو گھٹنے	(۷-۶) دونوں پاؤں

نکتہ ان ساتوں اعضاء کو سجدہ کا حکم اس لئے ہے کہ انسانی حرکات کا مدار ان مفاصل (جوڑوں) پر ہے جو چلنے سنے کو پکڑنے اور دوڑنے ہیں یہی کھلتے اور بند ہوتے ہیں اور انہی سے ہی برائیوں کا ارتکاب اور شہوات کا اجراء ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے سجدہ کا حکم فرمایا تاکہ وہ ان غلطیوں کا کفارہ ادا کریں اور سجدہ ریزی سے ان کے گناہ و خطا معاف ہو تو وہ پاک و صاف ہوں۔

تفسیر عالمانہ وَأَنَّهُ اور منجملہ وحی کے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجی گئی (شان عبد)۔ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللهِ (جب اللہ کا بندہ کھڑا ہوا)۔ عبد سے مراد نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ یہ نام آپ کے لئے اس لئے مقرر ہوا کہ عبد اسم اللہ (اعظم) کی طرف مضاف ہے اور حقیقی عبد آپ ہی ہیں اگرچہ آپ اللہ تعالیٰ کے جمعاً مظہر بھی ہیں۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے لئے اسی اسم کے سوا اور کوئی اسم محبوب نہ تھا۔

فائدہ اس لئے کہ جس طرح عبادت و عبودیت کا حق آپ نے قائم کیا اور کسی کو اس کی اقامت کی قدرت نصیب نہ ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ منازل ملکی سے اوپر کے عروج کے وقت بھی آپ کو اسی اسم سے یاد کیا گیا چنانچہ فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ اور پھر مدارج فلکی سے قرآن مجید کے نزول کے وقت بھی آپ کو اسی اسم سے یاد کیا گیا چنانچہ فرمایا تبارک الذی نزل القرآن علیٰ عبدہٖ ؎

آں بندہ شعار بندگی دوست

کز جملہ بندگان گزین اوست

دادند بندگیش راہے

کانرا کہ ندیدہ ہیچ شاہے

ترجمہ: وہ ذات جو بندہ شعار اور بندگی کو دوست رکھتے ہیں۔ وہی تمام بندوں سے برگزیدہ ہیں انہیں بندگی کا اس لئے راہ دکھلایا کہ ان جیسا شہنشاہ کسی نے نہ دیکھا۔

فائدہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عبد اللہ سے یاد کرنے آگاہی بخشی گئی کہ صرف آپ ہی عبودیت و عبادت کا تقاضا پورا کرنے والے ہیں کہ صرف آپ ہی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں کہ آپ کو ہی اس کی حقیقی نیاز کا طریقہ نصیب ہے اور بس کیونکہ وہ اس کلام کے قائمقام واقع ہے جو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف وحی ہوئی جب میں عبادت کے لئے قیام میں تھا یہ اس قراۃ پر ہے کہ اِنَّہٗ کو مفتوح پڑھا جائے لیکن نافع وابو بکر (رحمہما اللہ) کی قراۃ پر تو وہی معنیٰ متعین ہے کہ آپ ہی صرف عبادت و عبودیت کا تقاضا پورا کرنے والے ہیں اور بس۔

فائدہ اس میں قریش کو تعریض ہے کہ وہ خود کو عبد ود و عبد یغوث و عبد مناف و عبد شمس وغیرہ کہلواتے۔ عبد اللہ نہیں کہلواتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے بھی قائل تھے۔

سوال ان کے بعض کے اسماء عبد اللہ بھی تو تھے پھر تم کیسے کہہ رہے ہو کہ وہ عبد اللہ نہیں کہلواتے۔

جواب: عبد اللہ نام رکھنے کی حد تک تھا اس سے اس کا معنیٰ مطلوب نہیں ہوتا (جیسے تسمیہ باسماء کا قاعدہ ہے۔

یَدۡعُوۡهُ اس کی بندگی کرتا ہے۔ یہ قام کے فاعل سے حال ہے اور یدعوہٗ بمعنیٰ یَعۡبُدُہٗ ہے اس کی عبادت کرتا ہے اور یہ آپ کا نخلہ میں صبح کی نماز کے قیام کی طرف اشارہ ہے (جس کا قصہ پہلے گذرا)۔ کَادُوۡا قریب تھے جن یَکُوۡنُوۡنَ عَلَیۡہِ لِبَدًا اس پر ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہو جائیں۔

حل لغات لِبَدًا لبدۃ (بالکسر) کی جمع ہے جیسے قربۃ و قرب وہ شے جو کسی دوسری سے پر لپٹی جائے یہاں شراکین (ٹھٹھ ہو کر (ہجوم کرنے والے) گویا وہ ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں ہجوم کی وجہ سے گویا وہ نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر گرتے ہیں تعجب سے جب آپ کی عبادت کو دیکھ کر جب آپ سے قرآن سنا اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کے پیچھے نماز کی اقتداء میں قیام و قعود و سجود کرتے دیکھا اس لئے کہ ایسا طریقہ عبادت انہوں نے پہلے کبھی نہ دیکھا اور وہ کلام سنا کہ اس کی نظیر پہلے کہیں سنی گئی۔

فائدہ قراۃ بالکسر ہو اور مقولہ جن کا ہو تو کادوا کی ضمیر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف راجع ہو گی جو آپ کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے تھے۔

لے روح البیان ص۱۹۵ ج۱۰ اس میں ان تحریف کنندگان کا رد ہے جو یَدۡعُو کو یَدۡعُو کا معنیٰ چھوڑ کر مطلقاً پکارنے کے معنیٰ میں لے کر صرف یا رسول اللہ یا غوث وغیرہ کے پکارنے کو شرک کا فتویٰ لگاتے ہیں۔
(اُویسی غفرلہٗ)

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ دونوں قرأتوں میں اشکال ہے وہ یہ کہ اگر وہ مراد ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے جسے مفسرین نے اپنا مذہب بتایا یعنی جنات کا حضور علیہ السلام پر ہجوم کرنا اس لئے کہ نخلہ میں جنات صرف سات تھے یا نو اور اس کا معنیٰ اژدھام نہیں اس لئے کہ ازدھام کثیر جماعت پر بولا جاتا ہے اور وہ (جنات) سات تھے یا نو تھے اور ایسی قلیل جماعت پر اژدھام کا اطلاق نہیں ہوتا اور یہاں مکان پر فراخ تھا اور قاری یعنی حضور علیہ السلام جنات کو قریب تھے اور یہ تمام اژدھام کے معنیٰ کے مطابق نہیں ہاں یہ ازدھام حجوں (نام مقام) میں جنات کا ضرور تھا جبکہ حضور علیہ السلام نخلہ (نام مقام) سے حجوں کو لوٹے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اس اشکال سے چھٹکارا نہیں۔ ہاں یوں اس کا جواب دیا جائے کہ جنات رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایک جانب قریب تھے ہوتے ٹھٹھ کے ٹھٹھ ہو گئے کہ ہر ایک دوسرے سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھنے اور آپ کی قرأت سننے کے لئے سبقت کر رہے تھے جو اژدھام کی صورت اختیار کر گیا۔

فائدہ یہاں بعض نے تعیین عدد پر بحث چھیڑی ہے لیکن اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر وہ مراد ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو وہ ان کا مشاہدہ تھا جیسے ہم سورۂ احقاف میں بیان کر آئے ہیں اور اسے بطریق حکایہ بیان کرنے کا کوئی معنیٰ نہیں بنتا جیسے ہم سورۃ ہذا کے ابتدا میں کہہ آئے ہیں کہ اس وقت آپ کے ساتھ اور کوئی صحابی نہ تھا سوائے چند محدود کے۔ بعض روایات میں ہے کہ صرف زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے (انسان العیون) پھر بھی اس سے اژدھام کی صورۃ نہیں بنتی تو پھر کیوں نہ کہا جائے واللہ اعلم بمرادہ (اس کی مراد کو اللہ تعالیٰ خود ہی خوب جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا فرمایئے میں تو اپنے رب ہی کی عبادت کرتا ہوں (اَدْعُوْا کا معنیٰ مفسر نے اَعْبُد لکھا ہے معلوم ہوا کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و اولیاء کی ندا کو اس آیت سے شرک ثابت کرنا قرآن کی تحریف[1] ہے۔

رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ (اپنے رب ہی کی اور اس کا شریک نہیں ٹھہراتا) اپنے رب کی عبادت میں اَحَدًا (کسی کو) اور یہ کوئی نئی بات نہیں اور بری ہے جو تعجب کا موجب یا میری عداوت پر اکسانے کی بات ہو یہی میرا حال ہے تمہارا بھی ایسا ہونا چاہیئے قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ۔ فرمایئے بیشک مالک نہیں۔ طاقت نہیں رکھتا۔ لَكُمْ

---

[1] یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں (ولکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون) کہ وہ پہلی آیت کا مصداق بنا کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نفع و نقصان کی ہر طرح کی ملکیت کی نہ صرف نفی کرتے ہیں بلکہ ایسے عقیدہ کو شرک کہتے ہیں

تمہارے اے مشرکو۔ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا برے اور بھلے کا گویا اس کا مطلب یہ ہے میں نفع و نقصان اور گمراہی و ہدایت کا مالک نہیں ہوں اور نہ ہی وہ میرے ہاتھ میں ہے بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی ضار (ضرر پیدا کرنے والا) نافع ہادی و مضل (گمراہی پیدا کرنے والا ہے) ہر دونوں کا متقابل متروک ہے جبکہ اس کا متقابل اس کے دوسرے میں مذکور ہے اسے احتباک کہا جاتا ہے ہر ایک شئے کو حذف کرنا جس پر اس کا بالمقابل دلالت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ ہے کہ من حیث الوجود کے آپ کا وجود اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے تو اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انک لا تہدی من احببت لیکن من حیث اس حیثیت کے آپ کا وجود حق مطلق ہے تو اس معنی پر آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نفع و نقصان کے مالک ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا انک لتہدی الی صراط مستقیم بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدھے راہ کی ہدایت دیتے ہیں۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ضر و رشد سے مراد غی (گمراہی) و ہدایت ہے یعنی ہدایت وغوایت اللہ تعالیٰ سے ہے کہ اگر وہ مجھے تم پر مسلط کرے تو تم ہدایت پا جاؤ گے نور سے ورنہ گمراہی میں پڑے رہو گے۔ اس میں میری ذاتی قوت نہیں کہ تم پر گمراہی و ہدایت مسلط کردوں۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ فرمائیے ہرگز مجھے نہ بچائیے گا (چھڑائے گا خلاص دلائے گا) (مِنَ اللّٰهِ) اللہ تعالیٰ سے اس کے قہر و عذاب سے اگر میں اس امر کی مخالفت کروں اور اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤں اَحَدٌ کوئی ایک اگر میں اس کی جان بچانے کی درخواست کروں یا کوئی بھی مجھے اس سے نجات نہ دلائے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ میرے لئے (معاذ اللہ) یہی تقدیر جاری فرمائے کہ مجھے مریض کر دے یا موت دیدے وغیرہ وغیرہ

اگر آپ سے ہر طرح کی ہدایت و نفع و نقصان نفی ہو تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نبی بنا کر بھیجا گیا اور آپ سے نفی کرنے والی قوم کے عقل پر تالے پڑ گئے کہ وہ آپ کی امت کے اولیاء و علماء اور مبلغین کو تو ہادی مانتے ہیں اور دوسری بہت سی اشیاء کے لئے نفع و ضرر مانتے ہیں لیکن جن کے صدقے سب کو ہدایت اور منافع دارین نصیب ہوئے ان کے لئے نفی کرتے ہیں اس کے متعلق تفصیل ہم پ۲۰ کے حاشیہ آیت انک لا تہدی من احببت میں لکھ آئے ہیں۔

(اضافہ اویسی غفرلہ)

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ آیت میں دلیل ہے توحید میں اخلاص ضروری ہے کیونکہ توحید کا مطلب نظر حق کے ماسوا باقی سب سے نظر پھیر لینا اور اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل متوجہ اور ماسوائی اللہ سے منہ پھیرنے اور صرف اسی پر کامل اعتماد کرنا نہ کہ اس کے غیر سے ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا اور ہرگز اس کے سوا پناہ نہ پاؤں گا۔

حل لغات کہا جاتا ہے الحد فی دین اللہ والتحد فیہ اس سے منہ پھیرا اور روگردانی کی ملجا کو ملتحد کہا جاتا ہے بمعنی جا پناہ کیونکہ پناہ لینے والا اس کی طرف مائل ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں شدائد و تکالیف کے وقت اس کے جا پناہ اور رجوع کی جگہ اور سہارا گاہ نہیں پاؤں گا اسی لئے عقیدہ ہے کہ صرف وہی ملجأ و موئل (رجوع کی جگہ اور سہارا گاہ) ہے اسمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز کے اظہار بعد اس کے پہلے غیروں کے عجز کا اظہار فرمایا ہے یعنی میں اپنی ذات کے لئے ذاتی طور مالک نہیں تو پھر تمہارے لئے کیسے مالک (ذاتی طور) ہو سکتا ہوں۔

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ (مگر اللہ کے پیام پہنچانا) یہ لا املک سے استثنا متصل ہے یعنی اس کے مفعول سے اس لئے تبلیغ بھی تو ارشاد و نفع ہے ان کے مابین جملہ معترضہ استطاعت از نفس عود سے نفی کا مؤکد ہے اس لئے ان کے درمیان طول الفصل مضر نہیں اور مبالغہ عود کو تبلیغ سے موصوف کرنے کے مبالغہ میں دلیل ہے کہ آپ تبلیغ کو حسب استطاعت ترک نہیں فرمائیں گے خواہ تم عداوت میں کتنا زور لگاؤ مِنَ اللّٰهِ بلاغا کی صفت ہے یہ دراصل بلاغا کائنا منہ" تھا" یہ بلاغا کے متعلق نہیں اس لئے مشہور قاعدہ پر تبلیغ کا عن ہے نہ کہ مِنْ اور ابلاغ تبلیغ کے قائمقام واقع ہوا ہے۔ جیسے سلام وکلام تسلیم وتعلیم کے قائمقام واقع ہوتے ہیں یا یہ ملتحدا سے استثنا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سواہ کوئی پناہ نہیں کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے اس کی اعانت و توفیق سے۔ وَرِسٰلٰتِهٖ (اور اس کی رسالات) اس کا عطف بلاغا پر ہے بحذف المضاف اس سے بھی بلاغ مراد ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں تمہارے لئے مالک نہیں ہوں۔ سوائے تبلیغ کے جو اللہ تعالیٰ سے ہے اور اس کی رسالات کے جو اس نے مجھے دے کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ سے پہنچاؤں گا اور کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے فرمایا ہے یعنی قول کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی رسالات پہنچاؤں گا جو دے کر اس نے مجھے بھیجا ہے انہیں کسی قسم کی کمی زیادتی نہ کروں گا۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاغ من اللہ سے مراد وہ احکام ہیں جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ لیتے ہیں اور رسالات وہ احکام جو بالواسطہ حاصل ہوتے ہیں۔

فائدہ الرسالۃ سے وہ امور و احکام احوال مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر مخلوق کی طرف بھیجے جاتے ہیں اس سے مصدری معنی مراد نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ تبلیغ و رسالت من اللہ مراد ہے اور رسالات جمع باعتبار احکام و امور کے جمع کے ہے جنہیں لے کر تشریف لائے ہیں۔

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اور وہ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم نہ مانے (یعنی توحید کا امر) جو شخص اللہ تعالیٰ ور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی فرمانبرداری نہ کرے اور ان کی دعوت کا انکار کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرائے اسی لئے کہ کلام اسی میں ہے اور یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ اس کا مخصص ہو اس کے عموم کا اسی لئے آیت میں معتزلہ کا تمسک صحیح نہیں جیسا کہ ان کا مذہب ہے کہ عاصی گنہگار بھی کفار کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا تو بے شک ان کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہیں، جہنم کی آگ میں یا تمام جہنم میں اور جمع کا صیغہ باعتبار معنیٰ کے ہے۔ اَبَدًا ہمیشہ بلا نہایت۔ یہ ایک وہم کا دفعیہ ہے وہ یہ کہ شاید خلود سے بہت بڑی مدت مراد ہو اس کا ازالہ فرمایا کہ نہیں ایسے لوگ ہمیشہ ہمیشہ ابلا نہایت جہنم میں رہیں گے حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا (یہاں تک کہ جب دیکھیں گے) مَا یُوْعَدُوْنَ جو وعدہ دیا جاتا ہے یہ محذوف کی غایت ہے جس پر ان کا حال دلالت کرتا ہے وہ یہ کہ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی نہایت کمزور اور نہایت قلیل چند گنتی کے ہیں یہاں تک کہ وہ کہا کرتے کہ تو ہمارے سامنے ایسے ہیں جیسے پہاڑ کے بالمقابل ایک ڈھیلہ وہ اس وہم میں رہے یہاں تک کہ دیکھا وہ جو وعدہ گیا آخرت میں ان کے لئے گوناگوں عذاب ہوگا۔ فَسَیَعْلَمُوْنَ تو جان جائیں گے، اس وقت جب ان پر عذاب حلول و نزول کرے گا

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا کہ کس کے مددگار کمزور اور کس کی گنتی کم ہے، عنقریب انہیں معلوم ہوگا کہ کس کے مددگار کمزور اور گنتی کے لحاظ سے تھوڑے ہیں ان کے یا اہلِ ایمان کے۔ من موصولہ۔ اضعف مبتدا محذوف کی خبر ہے اور جائز ہے کہ استفہامیہ مرفوع مبتدا اور اس کی خبر اضعف ہو اور جملہ بحدا منصوب علم (باب) کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور ناصرًا وعددًا منصوب علی التمییز ہیں۔

فائدہ بعض مفسرین نے مَا یُوْعَدُوْنَ سے یوم بدر مراد لیا ہے جو بھی ہو اس میں دلیل ہے کہ کفار دنیا و آخرت ذلیل و خوار ہیں اگرچہ گنتی کے لحاظ سے کثیر اور جسمانی لحاظ سے قوی ہوں کیونکہ کافروں کا کوئی مولیٰ مددگار نہیں اور اہل ایمان دارین میں منصور ہیں اگرچہ گنتی کے لحاظ سے تھوڑے اور جسمانی لحاظ سے کمزور ہوں کیونکہ ان کا مولیٰ (مددگار) اللہ تعالیٰ ہے۔

مسئلہ حق پر اگرچہ ایک ہو تو بھی وہ سواد اعظم ہے اس لئے کہ اس کی مدد عرش الٰہی سے نازل ہوتی ہے حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا۔

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب
تنہا جہاں بگیرد بے منت سپاہی

ترجمہ: وہ تلوار جسے آسمان اپنے فیض سے مدد دے۔ تنہا تمام جہان پر قبضہ کرلے گی بغیر سپاہ کی مدد کے۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْ (فرمائیے میں نہیں جانتا) ان نافیہ ہے اَقَرِیْبٌ کیا نزدیک ہے۔ خبر مقدم ہے کا۔ مَا تُوْعَدُوْنَ (وہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے) مبتدا ہے۔ جائز ہے کہ مَا تُوْعَدُوْنَ قریب کا فاعل ہو خبر کے قائم مقام ہے کیونکہ الف استفہام کے بعد واقع ہوا ہے اور مَا موصولہ اور عائد محذوف ہے کہ دراصل اَقَرِیْبٌ اَلَّذِیْ تُوْعَدُوْنَ۔ یہ اقائم الزید ان کی طرح ہے اَمْ یَجْعَلُ لَہٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا یا میرا رب تعالیٰ اسے کچھ وقفہ دے گا یہ وہ غایت ہے کہ جس کی مدت طویل ہے الّا اگرچہ قریب مدت کے لئے بھی مستعمل ہوتی ہے مگر اس کا بالمقابل اسے طویل مدت کے لئے خاص کر گیا ہے۔

اَمَدْ و زمان میں فرق زمان و امد میں فرق یہ ہے کہ امد باعتبار غایۃ کے کہا جاتا ہے اور زمان عام ہے مبتدا و غایۃ ہر دونوں میں مستعمل ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ موعود جس سے وعدہ کیا گیا وہ لامحالہ ہو کر رہے گا یہ علیحدہ بات ہے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ کب ہوگا کیونکہ کیونکہ اس کے وقت کو متعین نہیں کیا گیا اس لئے کہ اسے مخفی رکھنے میں اس کی مصلحت ہے۔

فائدہ یہ رد ہے مشرکین کا جب انہوں نے کہا کہ یہ وعدہ کب ہوگا یہ بھی محض انکار و استہزاء کے طور کہا۔

سوال اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو بھی وقوع ساعۃ کے وقت کا علم نہیں حالانکہ آپ نے خود فرمایا انا والساعت کہاتین، میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ وقوع ساعۃ کا وقت جانتے ہیں اور آیت یہ ہے کہ لَآ اَدْرِیْ میں نہیں جانتا کہ وہ نامعلوم قریب ہے یا بعید۔

جواب قرب سے مراد یہ ہے کہ اس کے وقوع کا وقت قریب ہے اس لئے دنیا کا جو وقت گذر گیا اس کی بہ بنسبت جو باقی ہے وہ نہایت قلیل ہے۔ اتنا قدر آپ کو معلوم ہے لیکن قرب بایں معنیٰ کہ آنے والے لمحات میں نامعلوم کب واقع ہو وہ غیر معلوم ہے علاوہ ازیں ہر آنے والے لمحات قریب ہی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (اللہ تعالیٰ کا امر ابھی آیا اس کے لئے عجلت نہ کرو) اور فرمایا کانہم یوم یرون ما یوعدون لم یلبثوا الا ساعۃ من نہار گویا وہ اس دن کو دیکھتے ہیں جو وعدہ دیئے جاتے ہیں۔ گویا وہ ابھی نہیں مگر دن کی ایک گھڑی اور وہ موت

ہے۔ متقدمین کے لئے اور بین القیامۃ کا وقوع ہے متاخرین کے لئے جیسے نوح علیہ السلام نے طوفان سے ڈرایا لیکن اسے بعض نے نہ پایا کیونکہ وہ اس کے وقوع سے پہلے فوت ہوگئے بلکہ طوفان کی موت بجر بلا میں غرق ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ قل ان ادری الخ فرمایئے میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے جو تم وعدہ دیئے گئے قیامت صغریٰ فنا صوری اور موت طبعی اضطراری اور دخول نار اللہ کبریٰ میں بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) کا وقت کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے مجھے کوئی واقفیت نہیں یا کبریٰ نار کے دخول میں یعنی موت ارادی اور فنا حقیقی میں بوجہ عدم وقوف بر قوۃ استعداد کے کہ نا معلوم وہ جلدی واقع ہو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی وقت مقرر فرما دے۔

تفسیر عالمانہ عالم الغیب وہ غیب جاننے والا وحدہٗ لا شریک۔ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی وہ ان جمیع امور کا عالم ہے جو مخلوق سے غیب ہیں یہ لام استغراق کی اور جملہ مستانفہ ما قبل کے عدم درایۃ کی تقریر کرتا ہے۔ فَلَا يُظْهِرُ وہ آگاہ نہیں کرتا۔ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اپنے غیب پر کسی کو۔ فاء عدم اظہار کی ترتیب کے لئے ہے کہ علم غیب علی الاطلاق پر صرف وہی متفرد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنے غیب پر کامل اطلاع نہیں بخشتا کہ جس سے پوشیدہ حال مکمل طور ایسے منکشف نہیں فرماتا جو عین الیقین کا موجب ہو کسی ایک کو بھی مخلوق میں سے۔ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

حل لغات الارتضاء یعنی پسند کرنا دراصل پسندیدہ شے کو حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ سوائے اس رسول کے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند اور اختیار فرمایا بعض ان غیوب پر جو رسالت کے متعلق ہیں جیسا کہ من ارتضیٰ میں من بیانیہ سے واضح ہے اور رسالت سے تعلق جس طرح کا ہو یا تو مبادی رسالت کہ اس کا معجزہ ہو جو کہ اس کی رسالت پر دلالت کرے یا اس لئے کہ وہ اس کی رسالت کے ارکان و احکام سے ہے۔ جیسے عام تکالیف شرعیہ جن کے مکلفین مامور نہیں اور وہ ان کے اعمال کی کیفیات اور ان کی وہ جزا کی جو آخرت میں ان پر مرتب ہیں یا وہ جس طرح احوال آخرت موقوف نہیں منجملہ ان کے قیام ساعت اور بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) بھی ہے اور دیگر وہ غیوب جن کا وظائف رسالت سے نہیں۔

بعض امور ایسے ہیں (جو دونوں وجہوں) میں سے کوئی ایک رسالت سے متعلق نہیں، منجملہ ان کے قیامت کی ساعت کا وقت بھی ہے تو وہ کسی پر اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں فرماتا علاوہ ازیں اس حکمت تشریعیہ کے مخل ہے (کہ اس کے وقت کا بیان کر دے) کہ جس پر فلک رسالت دائر ہے۔

یعنی نبی علیہ السلام کو تو اس کا علم ہوتا ہے لیکن آپ کے سوا دوسرے پر ظاہر نہ کرنا مبنی بر حکمت ہے تاکہ عوام سے ورنہ اولیاء کرام نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے جانتے ہیں جیسے روح البیان رحمہ اللہ

اولیائے کرام کے لئے علم غیب کا ثبوت اس میں ان کرامات اولیاء کی نفی نہیں ہو سکتی جو کشف سے حاصل ہوں اور انتہائی مراتب کشف کا اختصاص بانبیاء علیہ السلام سے مستلزم نہیں کہ ان مراتب میں سے کوئی مرتبہ بھی کسی کو ہرگز حاصل نہ ہو اور نہ ہی کوئی کسی ولی اللہ کے لئے مدعی ہے کہ وہ مرتبہ رسل کرام علیہم السلام کو انہیں کشف کامل وحی صریح حاصل ہوا وہ کسی ولی کو حاصل ہے بلکہ اولیاء کے لئے اخبار غیبی اور حق سے بلا واسطہ یا بالواسطہ (الہام وغیرہ) سے حاصل ہوا۔ وراثت رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تو وہ اس مرتبہ میں اسی وراثت سے داخل ہوا۔

حکایت جنید رضی اللہ عنہ دربارہ غیبی خبر سیدنا جنید رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی نوجوان کو غیب کی خبر دیدی جب اس نے سوال اٹھایا کہ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ (مومن کی فراست سے ڈرو اس لئے کہ وہ نور خدا سے دیکھتا ہے) کا کیا مطلب ہے آپ نے تھوڑی دیر سر جھکا کر مکاشفہ کے بعد فرمایا تو مسلمان ہو جا اب تیرے اسلام لانے کا وقت ہے تو وہ نصرانی نوجوان مسلمان ہو گیا۔

فائدہ یہ فراست سے علم غیبی حاصل ہوا اس کے علاوہ بھی اولیاء کے کشوف کے بے شمار طریقے ہیں۔

ازالہ وہم اس نجوم وکہانۃ وغیرہ سے غیبی خبروں کا علم خارج ہے کیونکہ وہ لوگ اہل ارتضاء واہل اصطفاء برگزیدہ لوگ نہیں انبیاء اولیاء کی طرح اور نہ ہی ان کی خبریں بطریق والہام وکشف ہوتی ہیں بلکہ وہ تو قرائن وظنون وغیرہ ہوتے ہیں اس لئے وہ اکثر جھوٹ ہوتا ہے۔

مسئلہ جو کہے کہ میں جن سے غیب کی خبر دیتا ہوں وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ جن عام انسان کی طرح غیب نہیں جانتا اور پہلے بیان ہو چکا کہ کہانت دور اسلام سے ہمیشہ تک ختم ہو گئی کیونکہ شیاطین آسمان پر جانے سے روک دیئے گئے ہیں۔

رد وہابیہ دیوبندیہ وہابی دیوبندی عوام میں تاثر دیتے ہیں کہ علم غیب خاصۂ خدا ہے وہ کسی نبی وولی کو حاصل نہیں یہاں تک کہ وہ عطائی کے بھی قائل نہیں۔ تقویۃ الایمان وفتاویٰ رشیدیہ تعالیٰ آنے والے صفحہ پر اس بحث کو تفصیل سے بیان فرمائیں گے دور سابق میں معتزلہ کو اولیاء کرام کے لئے قیام الساعۃ کے علم کا انکار تھا تو صاحب روح البیان کو انکار لکھنا پڑا۔ آج بدقسمتی سے وہابی دیوبندی خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منکر ہیں اولیاء کرام کی وکالت صاحب روح البیان کی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکروں کی فقیر اویسی نے خوب خبر لی۔ الحمد للہ علی ذلک یہاں بھی مختصر عرض کر دوں وہابیہ دیوبندیہ کے سوا تمام مسلمان متفق ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے وقوع قیامت کی گھڑی کا علم تھا۔

میں اس کی تقریح ہے اور جتنا غیوب کی آیات و احادیث ہیں ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ وہ غیوب تو نہیں لیکن انہیں علم الغیب للنبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں کہا جا سکتا ان کے رد میں روح البیان کی عبارت ذیل ملاحظہ ہو۔[1]

وقال ابن الشیخ انه (تعالٰی) یطلع علی الغیب الذی یختص به علمه المرتضٰی الذی یکون رسولاً	ترجمہ:- ابن الشیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی اپنے خاص غیب پر اسے آگاہ فرماتا ہے جو اس کا پسندیدہ ہو رسولوں میں سے۔

روح البیان ص ۲۰۱ ج ۱۰

فائدہ باقی غیر خاصہ (علم غیب) تو اس پر غیر رسل کو آگاہ فرماتا ہے یا تو انبیاء علیہ السلام کے توسط سے یا دلائل قائم کرنے اور ترتیب المقدمات سے یا یہ کہ وہ بعض اولیائے کرام لبعض غیوب فی المستقبل پر آگاہی بخشتا ہے بواسطہ ملائکہ۔

رد معتزلہ آیت میں اللہ تعالٰی یہ مراد نہیں کہ وہ رسل کرام علیہم السلام کے سوا کسی کو غیب سے آگاہی بخشتا ہی نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی لبعض غیوب پر غیر رسل علیہم السلام کو آگاہ فرماتا ہے جیسے مشہور ہے کہ فرعون کے کہنہ سنن (کاہنین) نے فرعون کو موسٰی علیہ السلام کے ظہور اور فرعون کی شاہی ہاتھ سے نکل جانے کی خبر دی ایسے ہی بعض کاہنین نے قبل از حضور سرور عالم حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی خبر دی ایسے ہی دیگر مغیبات کی خبریں اور ان خبروں میں سچے بھی ہوئے۔

فائدہ اہل الملل والادیان متفق ہیں علم تعبیر پر اور معبر (تعبیر دینے والا) مستقبل میں آنے والے واقعات کی خبر دیتا ہے اور وہ اسمیں سچا بھی ہوتا ہے اور یہ آیت ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسله من یشاء کی نظیر ہے۔ یعنی اللہ تعالٰی غیب پر کسی کو اطلاع نہیں کرتا لیکن رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے)۔

فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ تو مقرر کر دیتا ہے یعنی یسلک بمعنی یدخل یثبت ہے۔ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ یعنی اس کے آگے یعنی پسندیدہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے۔ وَمِنْ خَلْفِهٖ اور اس کے آگے پیچھے رَصَدًا پہرہ۔

حل لغات رصد محرکہ (بفتحتین) بمعنی راصدون (پہرہ دینے والے) یعنی نگہبان۔ مفرد و جمع ہر دو کے لئے مستعمل ہوتا ہے (مفردات) یہ تقریر و تحقیق ہے اس علم غیب کے لئے جو رسل برگزیدہ

---

[1] در اصل یہ تقریر معتزلہ کے رد میں تھی لیکن آج کے دور میں وہابی دیوبندی کے لئے بھی یہ تقریر مفید ہے۔
اضافہ از اویسی غفرلہ

پر ظاہر فرماتا ہے اور اس کی کیفیت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ پہرہ مقرر فرماتا ہے رسول (علیہم السلام) کے جمیع جوانب سے جب اس پر اپنا خاص علم غیب ان پر ظاہر فرماتا ہے وہ نگرانی کرنے والے ملائکہ ہوتے ہیں جو ان کی بعض شیاطین سے نگرانی کرتے ہیں جب وہ ان پر پردہ غیوب ظاہر فرماتا ہے جو رسالت سے متعلق ہیں یعنی جب جبریل علیہ السلام رسالت کا پیام لیکر نازل ہوتے تو ان کے ساتھ اور ملائکہ نگران ساتھ ہوتے ہیں جو ان کی حفاظت کرتے کہ کہیں وحی کو کوئی انس و جن سُن نہ لے تو پھر وہ اپنے کاہنوں پر القاء کرے گا اور کاہنیں رسول علیہ السلام سے پہلے ہی خبر دے دیگا تو وہ امر رسالت لوگوں میں مختلط ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی وہ جسے فطرۃ اولیٰ میں تیار فرمایا اور اس کا تزکیہ اور صفائی کی قوت قدسیہ میں سے تو پہرہ مقرر کرتا ہے اس کے آگے یعنی جانب الٰہی میں اور اس کے پیچھے یعنی اس کی جہت بدنیہ سے رصدًا وہ نگران جو اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے مقرر ہیں اس جانب سے جو اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اس کے نگران روح القدس اور انوار ملکوتیہ و ربانیہ ہے اور وہ جانب جو بدن کی طرف ہے اس کے نگران ملکات فاضلہ و ہیأت نوریہ ہیں جو عبادات و طاعات کی ہیاکل و اشکلوں سے حاصل ہوئیں جنوں کی خبط اور ان کے کلام کے خلط سے یعنی وساوس و اوہام و خیالات کو معارف یقینیہ و معانی قدسیہ اور واردات غیبیہ و کشوف حقیقیہ کے اختلاط سے۔

تفسیر عالمانہ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ تاکہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب تعالیٰ کے پیام پہنچا دیئے۔ یہ یَسْلُكُ کے متعلق ہے اور اس کی غایۃ ہے اس حیثیت سے کہ وہ ابلاغ مرتب پر مرتب ہے کیونکہ اس سے وہ علم مراد ہے جو ابلاغ موجود بالفعل سے متعلق ہے۔ اَنْ مخففہ من الثقیلہ ہے اس کا اسم ضمیر شان محذوف اور جملہ اس کی خبر ہے۔

حل لغات ابلاغ بمعنی ایصال (پہنچانا) رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ سے وہ غیب مراد ہے جو مرتضیٰ رسول پر ظاہر کرنے کا ارادہ ہے اور جمع باعتبار تعداد فراد کے ہے اور ابلغوا کی ضمیر رَصَدًا کی ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ مقرر فرماتا ہے رسول مرتضیٰ کے جمیع جوانب پہرے دار تاکہ دیکھ لے کہ شان یہ ہے کہ انہوں نے پیام رسالات اُچک لینے اور اختلاط سے سالم کر کے پہنچائے ہیں یہاں علم سے مراد وہ ہے جو جزاء کے لئے ہو یعنی ظاہر کرنا وہ جو اسے جانتے موجود جو بالفعل موجود ہے اس کی مثالیں قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ ہیں مثلاً فرمایا حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ یہاں تک کہ دیکھے تم میں سے مجاہدوں کو۔ غایۃ فی الحقیقۃ وہی ابلاغ و جہاد ہے اور یہاں علم کا فعل لانا صرف ان کے معاملہ میں اہمیت کے اظہار کے اور ان پر جزاء کی ترتیب کی آگاہی اور ان پر برانگیختگی میں مبالغہ اور ان میں تعزلط سے ڈرانا مطلوب ہے یا جمع کی ضمیر من ارتضیٰ من رسول

کی طرف راجع ہے اور صیغہ جمع من کی وجہ ہے کہ وہ معنیً جمع ہے جیسے سابقین ضمیرین اکے افراد لفظاً کی وجہ سے تھیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ وہ رسل کرام جن کی طرف وحی کی گئی نے رسالات رب تعالیٰ کے اپنی امتوں کی طرف اسی طرح پہنچائے جس طرح ان کے ہاں نگران ملائکہ کے ساتھ ان کے ہاں پہنچے ہیں بغیر کسی کے اچک لینے اور اختلاط کے۔

وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ اور جو ان کے پاس ہے وہ اس کے علم میں ہے یعنی نگران ملائکہ یا رسل کرام علیہم السلام کے پاس یہ یسلک کے فاعل سے حال ہے باضمار قد یا اس کے بغیر علی الخلاف المشہور۔ قد اس لئے ہے کہ تاکہ معلوم ہو کہ اللہ ہر لحاظ سے مستغنی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ درانحالیکہ جو ان کے پاس ہے اسے ان کے جملہ احوال کا علم ہے۔ وَأَحْصَىٰ اور اس نے شمار کر رکھی ہے اس کا علم حد احاطہ میں ہے تفصیلی طور یعنی گن لیا ہے اس نے۔ كُلَّ شَيْءٍ ہر چیز کی گنتی ماکان (جو ہوگا) ومایکون (اور جو ہوگا) عَدَدًا ایک ایک کر کے۔ تو پھر جو ان کے پاس ہے اسے کیسے علم نہ ہو۔

فائدہ حضرت القاسم نے فرمایا کہ اسی نے ہی پیدا کیا اور اس نے ہی ہر ایک کی شمار کر رکھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس نے شمار کر رکھی ہے مخلوق کی اور اسے علم ہے تمام مخلوق کا اس کے علم سے کوئی شے چوک نہیں جائے گی یہاں تک کہ غبار و رائی کے دانہ کے ذرات۔

حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے اس کا کمال علم مراد ہے اور یہ بتانا ہے کہ اس کے علم کا تعلق جملہ معلومات سے ہے یعنی مطلقاً کوئی شے بھی مطلقاً علم سے مخفی نہیں ؎

ہرچہ دانستی است در دو جہاں
نیست از علم شاملش پنہاں

ترجمہ: دونوں جہانوں میں جو شے جاننے کے لائق ہے اس کے علم شامل سے مخفی نہیں۔

فائدہ عددًا تمیز ہے منقول از مفعول بہ جیسے وفجرنا الارض عیونا میں دراصل عبارت یوں تھی احصٰی کل شیءٍ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم اشیاء سے کلی اجمالی کے طور نہیں بلکہ وجہ جزئی کی تفصیلی کے ہے کیونکہ کبھی احصاً سے احاطہ اجمالیہ مراد ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے قول میں وان تعدو نعمۃ اللہ لاتحصوھا اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گنو تو نہ گن سکو گے۔ یعنی اجمالاً بھی اس کی گنتی نہ کر سکو گے چہ جائیکہ تفصیلاً۔ اس لئے کہ اس کے احصاً کا اصل یہ ہے کہ حساب کرنے والا جب معین عقود الاعداد تک پہنچتا ہے جیسے عشرہ (دس)، ماۃ (سو)، الف (ہزار) تو اس پر ایک کنکری (مثلاً) رکھتا ہے تاکہ اس عقد کمیت کو یاد رکھ سکے اسی طریقہ پر وہ اپنے حساب کو مکمل کرتا ہے

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ معدوم شے نہیں اس لئے کہ اگر معدوم شے ہو تو پھر اشیا کو غیر متناہی ماننا پڑیگا اور احصیٰ کل شیءٍ عددًا کا تقاضا ہے کہ وہ متناہی ہوں اس لئے کہ احصا متناہی میں ہوتا ہے اس طرح متناہی و غیر متناہی کا اجتماع لازم آئے گا اور وہ محال ہے لازم ماننا پڑا کہ معدوم شے نہیں اس طرح سے تناقض کا اندفاع ہوگیا۔ (حواشی ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ)

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ قدرتوں و منتوں والے رب کی مدد سے سورۃ الجن کی تفسیر، ذیقعد ۱۱۱۱ھ بروز منگل عصر کے وقت فراغت ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے تفسیر سورۃ الجن کے ترجمہ سے ۱۵ جمادی الاوّل ۱۴۰۹ھ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۸ء بشب اتوار سوا نو بجے فراغت پائی۔

الحمد اللہ علیٰ ذلک والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

(بہاولپور پاکستان)

سُورَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ ﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ اٰيَاتُهَا ۲۰ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۂ مزمل مکیہ ہے اور اس میں   اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا   بیس آیتیں اور دو رکوع

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾

اے جھرمٹ مارنے والے رات میں قیام فرما سوا کچھ رات کے آدھی رات یا اس سے کچھ کم کرو

اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۭ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ

یا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے بے شک

نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۭ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا

رات کا اٹھنا وہ زیادہ دباؤ ڈالتا ہے اور بات خوب سیدھی نکلتی ہے بے شک دن میں تو تم کو بہت سے کام ہیں

طَوِيْلًا ۭ﴿۷﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۭ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ

اور اپنے رب کا نام یاد کرو اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو وہ پورب کا رب اور

الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾ وَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ

پچھم کا رب اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اسی کو اپنا کارساز بناؤ اور کافروں کی باتوں پر صبر فرماؤ

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ

اور انہیں اچھی طرح چھوڑ دو اور مجھ پر چھوڑو ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی مہلت دو

قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾

بے شک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ اور گلے میں پھنستا کھانا اور دردناک عذاب

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ

جس دن تھرتھرائیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ہو جائیں گے ریتے کا ٹیلہ بہتا ہوا۔ بیشک

اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ڏ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجے کہ تم پر حاضر ناظر ہیں جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجے

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ

تو فرعون نے اس رسول کا حکم نہ مانا تو ہم نے اسے سخت گرفت سے پکڑا پھر کیسے بچو گے اگر

كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿١٧﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ

کفر کرو اس دن جو بچوں کو بوڑھا کردے گا آسمان اس کے صدمہ سے پھٹ جائے گا اللہ

مَفْعُوْلًا ﴿١٨﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾ اِنَّ

وعدہ ہو کر رہنا بے شک یہ نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے بے شک

رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ

تمہارا رب جانتا ہے کہ تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب کبھی آدھی رات کبھی تہائی اور ایک جماعت تمہارے

الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ

ساتھ والی اور اللہ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے اسے معلوم ہے کہ اے مسلمانو تم سے رات کا شمار نہ ہو سکے گا تو

عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ

اس نے اپنی مہر سے تم پر رجوع فرمائی اب قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اتنا پڑھو اسے معلوم ہے کہ عنقریب کچھ تم میں سے بیمار

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ

ہوں گے اور کچھ زمین میں سفر کریں گے اللہ کا فضل تلاش کرنے اور کچھ اللہ کی راہ میں

فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖؗ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ

لڑتے ہوں گے تو جتنا قرآن میسر ہو پڑھو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور

اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ

اللہ کو اچھا قرض دو اور اپنے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے

اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾

پاس بہتر اور بڑے ثواب کی پاؤ گے اور اللہ سے بخشش مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

تفسیر عالمانہ (۱) یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ (اے جھرمٹ مارنے والے)۔

حل لغات المزمل دراصل المتزمل تھا از تزمل بتیابہ، کپڑوں میں لپٹا اور ان میں چھپ گیا تا زا میں مدغم ہوئی مشدد پڑھا گیا یعنی دو شدوں سے۔

شان نزول (۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو چادر شریف میں آرام فرما تھے تو آپ کو حکم ہوا کہ آرام چھوڑ کر عبادت کے لئے کھڑے ہو جائیں اور تہجد ادا کریں (اگ سے اندازہ لگایئے

اللہ تعالیٰ، کو ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کی ہر ادا محبوب اور پیاری ہے۔

(۱۸) سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ پہلے پہلے جب حضرت جبریل علیہ السلام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سمجھا کہ یہ کوئی جنوں میں سے ہے اسی لئے جبل حرا سے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر لوٹے تو آپ کا کاندھا متحرک تھا (خوف و ہراس سے) فرمایا زملونی زملونی (چادر اوڑھو چادر اوڑھو) آپ اسی حالت میں تھے کہ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور ندا دی یَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ۔

فائدہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اے جھرمٹ مارنے والے ایک امرِ عظیم کا بوجھ اٹھانے۔ الزمل بمعنی الحمل ازدملہ بمعنی احتملہ اسے اٹھایا۔

حضرت سہیلی رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ مزمل حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسما مبارکہ سے نہیں جس سے آپ پہچانے جائیں جیسے بعض کا مذہب ہے اور اسے آپ کے اسماء مبارکہ میں شمار کیا ہے۔

فائدہ مزمل اس حالت سے مشتق ہیں جس میں آپ بوقت خطاب آرام فرما رہے تھے۔ ایسے ہی المدثر۔

فوائد اس اسم سے خطاب میں دو فائدے ہیں (۱) ملاطفت (اظہار لطف) کیونکہ عرب کی عادت ہے کہ جب کسی سے عتاب ترک کر کے اظہار لطف کریں تو اس حالت سے خطاب کرتے ہیں جس پر وہ ہو۔

حکایت علی و نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو قم یا ابا تراب (اے ابو تراب اٹھ کھڑا ہو) فرمانا یہ اس وقت کی بات ہے جب (غضبہا و اغضبتہ حضرت علی نے حضرت فاطمہ کو ناراض کیا اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ناراض کیا[1]۔ (تفصیل فقیر کی کتاب آئینہ شیعہ مذہب میں ہے۔) تو حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اس وقت حضرت علی المرتضیٰ نیند میں تھے اور آپ کی کروٹ مبارک مٹی کو مس کر رہی تھی اس پر حضور نے ترک عتاب کر کے اظہار لطف کے طور فرمایا قم یا ابا تراب۔

حکایت حضرت حذیفہ ایسے ہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو فرمانا قم یا نومان (اُٹھ کھڑا اے نیند والے) وہ نیند میں تھے ان سے اظہار لطف

---

[1] واقعہ کی تفصیل کتاب شیعہ بہ جلاء العیون میں ہے اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناراض کیا تو کوئی خطرہ نہیں لیکن باغ فدک کے بارے میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ پر ناراض بھی نہیں ہوئیں لیکن شیعہ برابر سر اٹھائے پھر رہے ہیں۔

فرماتے ہوئے فرمایا قم یا نومان یعنی اس سے ترک عتاب کر کے تادیبًا فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرمایا یَآ اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ اپنے سے مانوس کرنے اور اظہار لطف سے تاکہ محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سمجھیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ عتاب نہیں لطف فرما رہا ہے۔

(۲) ہر چادر اوڑھنے والے رات کو سونے والے کو تنبیہ ہو کہ وہ رات کے قیام (نماز) اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیدار رہو اس لئے کہ اسم مشتق از فعل مخاطب کے ساتھ وہ بھی شریک ہوتا ہے جو اس طرح کا فعل کرتا اور اس صفت سے موصوف ہو۔

(۳) فتح الرحمٰن میں ہے کہ خطاب دو ہیں:

(الف) عام بہ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے یَآ اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔

(ب) عام جیسے اکثر آیات ہیں لیکن خاص کے لئے کوئی دلیل ہو جس سے خصوصیت ثابت ہو سکے یہ امام احمد و حنفیہ و مالکیہ کا قول ہے اور اکثر شوافع کہتے ہیں کہ وہ خطاب عام امت کو عام نہ ہوگا جب تک دلیل نہ ہو۔

(۴) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خصوصیت سے خطاب ہو تو کیا اسی خطاب میں امت بھی شامل ہے یا نہ۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ اور اکثر مفسرین کا قول ہے کہ وہ عام نہ ہوگا اور حنابلہ کے امام ابوالخطاب نے فرمایا کہ اگر کسی کے جواب میں ہو عام ہے ورنہ نہیں۔

قُمِ الَّيْلَ (رات میں قیام فرما) بکسر المیم بوجہ التقاء ساکنین کے یعنی چادر نہ اوڑھ اور جاگ اس حال کو چھوڑ کر اسے اختیار فرمایئے جو اس سے افضل ہے اور رات میں نماز کے لئے قیام فرما۔ اللیل کی نصب علی الظرفیۃ ہے۔

قاعدہ نحویہ اگر حدث فعل اسمیں مستغرق ہو تو اس میں فی حذف کیا جائے اور فعل کو مفعول کے ساتھ ملایا جائے اور اسم کو منصوب پڑھا جائے کیونکہ جر کا عمل فعل میں نہیں رہا اسی لئے اسم کا منصوب ہونا مرفوع ہونے سے قریب تر ہے اسی لئے اسے بعض نحویوں نے کہا ہے کہ وہ مفعول بہ ہے اس کے ظاہر فی الاستعمال پر نظر کر کے اسی قاعدہ سے ہے۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (تم میں سے کسی کو مہینہ حاضر ہو تو اس کا روزہ رکھے) اسی طرح قول باری تعالیٰ لینذر یوم التلاق (تاکہ قیامت کے دن سے ڈرائے) دو وجہوں سے ایک ہیں) جیسے گذرا۔ ایسے ہی مَنْ اَحْيَا لَيْلَةَ الْقَدْرِ (جس نے لیلۃ القدر کو زندہ کیا یعنی اس میں بیدار رہا) وغیرہ۔ اسمیں احیاء اگرچہ ظاہر میں لیل میں واقع ہوا ہے لیکن اس سے احیا الصلوٰۃ اور ذکر فی اللیل مراد ہے۔

فائدہ رات کی مد غروب شمس سے طلوع فجر صادق تک ہے۔

واہ حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیری شان بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اشتیاق ہوا (اس کی شان کے لائق) کہ وہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مناجات فرمائے تو ندا دی یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ الخ

فائدہ صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ قیام شب و مناجات شب بالخصوص اسحر گاہی، دنیا کی نہیں بلکہ جنت کی ہی ایک حلاوت اہل ذوق کو نصیب ہوتی ہے

اِلَّا قَلِیْلًا (مگر تھوڑا) اللیل سے استثناء ہے۔ نِصْفَهٗ اس کا نصف۔ اللیل الباقی سے بدل ہے استثناء کے بعد بدل الکل ہے۔ النصف شے کے دو حصوں کا ایک حصہ یعنی اس کا آدھا حصہ ﷺ۔ نصف مخرج کو قلیل سے تعبیر کرنے اس جزء کے شان کے کمال اعتداد کا اظہار ہے جو قیام سے مقارن ہے اور اس کی فضیلت سے آگاہ کرنا ہے اور بتانا ہے کہ اس کا قیام کثرت ثواب میں اس کے اکثر میں قیام جیسی فضیلت رکھتا ہے یعنی جائز ہے کہ نصف مستثنیٰ کو قلیل سے موصوف کیا جائے بہ نسبت اس کے جو نصف مشغول بالعبادۃ ہے حالانکہ دونوں مقدار میں متساوی نہیں لیکن اس حیثیت سے کہ جو نصف فارغ ہے وہ مشغول بالعبادۃ کے بحسب فضیلت و شرافت برابر نہیں تو یہ فضیلت کا اعتبار کیفیت کا ہے کمیّت کا نہیں۔

فائدہ بعض نے کہا کہ قلت فی النصف بہ نسبت الی الکل ہے نہ بہ نسبت اپنے بالمقابل کے ورنہ لازم آتا ہے احد النصفین جو مساوی ہیں دوسرے سے قلیل ہو (اور یہ نہیں ہو سکتا)۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ جو شے خالی از فائدہ ہو وہ ظاہر کے خلاف ہے (الارشاد)۔

اَوِ انْقُصْ مِنْهُ (یا اس سے کم کرو) یعنی قیام کو اس سے نصف کرو جو ثلث کے مقارن ہے۔

قَلِیْلًا تھوڑا سا کمی۔ تھوڑا یا مقدار تھوڑی اس حیثیت سے و نصف اللیل کے نام سے نہ گر جائے۔

اَوْ زِدْ عَلَیْهِ یا اس پر کچھ بڑھاؤ یعنی قیام کو اس نصف پر جو ثلثین کو مقارن ہے یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ آپ نصف رات میں قیام فرمائیں یا اس سے کم یا زیادہ۔ یعنی نماز کا قیام زمانۂ محدود میں فرمایئے وہ رات ہے مگر اس کے قلیل جزء میں آدھا یا قیام کو آدھے سے کم کیجئے یا بڑھایئے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ کمی بیشی کا اعتبار تو ان کی بڑی چھوٹی ہونے کی وجہ سے ہے یعنی آدھی رات قیام ہو جب رات دن برابر ہو جائیں کم ہو جب راتیں چھوٹی ہو جائیں زائد جب راتیں لمبی ہو جائیں۔

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ (اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ مذکورہ قیام کے درمیان یعنی قرآن آہستگی سے اور حروف کو خوب ظاہر کر کے کہ وہ ایک دوسرے سے واضح ہوں۔ تَرْتِیْلًا خوب ٹھہر ٹھہر کے اس حیثیت سے کہ سامع ان حروف کو گن سکے۔ اسی لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے قرآن کو تیز پڑھنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا

تمہارے کسی ایک کا سورۃ کے آخر حصہ کا رادہ نہ ہو یعنی قاری تلاوت کرنے والے کے لئے ترتیل (ٹھہر ٹھہر کر
ضروری ہے تاکہ وہ خود وہ اور جو وہاں حاضر ہے حقائق آیات میں غور وفکر کر سکے مثلاً ذکر الٰہی کے وقت اللہ
کی عظمت و جلال کو دل میں جگہ دے اور وعدہ وعید کے رجاؤ خوف کر سکے اور چاہیے نظم قرآن
خلل نہ ڈالے۔

حل لغات الرتل شے کا اتساق وانتظام استقامت کے ساتھ یعنی بے تکلف بات ظاہر کرنا۔ الکشاف میں
ترتیل القرآن یعنی ٹھہر ٹھہر کر اور آہستگی سے حروف کو ظاہر کرکے اور حرکات کو مکمل کرکے پڑھنا
یہاں تک کہ متصور منہ (پڑھا ہوا) کو ثغر مرتل (ایک ایک ہو کر دانتوں کا اکھڑنا) سے تشبیہ ہے دانتوں کی سفیدی سے تن
دیگی ہے اور یہ کہ اسے تیز نہ پڑھے اور نہ اسمیں جلدی کرے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا شر السیر الح
وشر القراءۃ الهذرمة بری رفتار بے تحاشا دوڑنا اور بڑی قراۃ تیز پڑھنا ہے یہاں تک کہ پڑھے ہوئے
کے الفاظ ایک دوسرے کے پیچھے دانتوں، ایک دوسرے کی درمیانی سوراخ کا فاصلہ چھوڑے ہو
نظر آئیں۔

فائدہ ترتیل القرآن کا حکم خبر دیتا ہے کہ قیام اللیل کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کی مقدار
معلوم کرنے کے بعد نازل ہوا اگرچہ تھوڑا سا حصہ اور اِنَّا سَنُلْقِیْ بصیغہ استقبال بہ نسبت بقیہ قرآن
کے ہے۔

فائدہ ظاہر یہ ہے کہ یہ امر عام ہے جو امت کو بھی شامل ہے کیونکہ یہ امر اہم ہے جو سب کے لائق ہے۔

مسئلہ یہ امر وجوب کا ہے جیسے اس پر تاکید دلالت کرتی ہے یا ندب کا ہے۔

فائدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت مد کے طور تھی آپ بسم اللہ شریف اور الرحمٰن اور الرحیم
کے طور پر پڑھتے تھے۔ پہلے دو (بسم اللہ الرحمٰن) کی مد قدر الف کے طبعی ہے اور آخر الرحیم ا
ہے کہ وہ سکون کے ساتھ ہے اسی لئے اسمیں تین وجہیں جائز ہیں۔

(۱) طول بمقدار تین الف
(۲) توسط بمقدار دو الف
(۳) قصر بمقدار ایک الف

فائدہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین مجود (تجوید سے پڑھنے والا) تھے اسی طرح پڑھتے جو
آپ پر نازل ہوا۔

فائدہ تجوید بمعنی حروف کو اپنے مخارج میں عین کر کے پڑھنا اور انکی صفات کے حقوق ادا کرنا جیسے جہر و ہمس ولین وغیرہ اور یہ بغیر تکلف کے پڑھنا چاہیئے یعنی قرأۃ میں ادائے مخارج میں زیادتی کر کے مشقت کا ارتکاب اور اس کی صفت کے بیان میں مبالغہ نہ ہو خلاصہ یہ کہ ترتیل میں تمطیط سے تحفظ ضروری ہے تمطیط بمعنی تجاوز عن الحد ور حدر میں ادماغ و تخلیط نہ ہو یعنی قرأۃ ایسی ہو کہ گویا حروف و کلمات ایک دوسرے میں لپٹے ہوئے ہوں یوجہ برابر طریق کی زیادتی کے اس کی وجہ یہ ہے کہ قرأۃ بمنزلہ بیاض کے ہے اگر قلیل ہو تو گندم گوں ہے زائد ہو تو ایسی ہے گھنگرالے بالوں کے اوپر ہو تو چھوٹے بالوں کی حیثیت ہے اس سے آگے بڑھے تو وہ قرأۃ ہی نہیں

تجوید کی اقسام

تجوید تین قسم ہے۔

(۱) ترتیل۔

(۲) حدر۔

(۳) تدویر۔

ترتیل ٹھہر ٹھہر کر کے پڑھنا۔ قاموس میں ہے رتل الکلام ترتیلا بھی اس کی اچھی تالیف و ترکیب کی اور اسمیں ٹھہر ٹھہر کے عمل کیا اور آہستگی کی۔ یہی ورش و عاصم و حمزہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کا مختار ہے۔

ترتیل کے فضائل

اس کی احادیث سے ہے۔

(۱) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کیا اس نے قرآن نہ سمجھا۔

فائدہ قوت القلوب میں ہے کہ افضل قرأۃ ترتیل ہے کیونکہ اسمیں تدبر و تفکر ہے اور قرأۃ کی افضل ترتیل و تدبر وہ ہے جو نماز میں ہو۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں سورۃ البقر ترتیل سے پڑھوں مجھے یہی زیادہ محبوب ہے اس سے کہ جلدی سے سالم قرآن مجید ختم کر ڈالوں (ہذا منۃ عنی سرعۃ (جلدی)۔

(۳) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بسم اللہ شریف کو بیس بار پڑھا ہر بار اس میں نیا فہم اور ہر کلمہ میں نئی علوم تھے۔

فائدہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو آیت میں تلاوت کروں اور اسے سمجھ کر نہ پڑھوں تو میں اس کے لئے ثواب کی امید نہیں رکھتا۔

فائدہ بعض بزرگوں کی عادت تھی کہ جب وہ کوئی سورۃ پڑھتے لیکن سمجھتے کہ اس میں توجہ نہ تھی تو اسے دوبارہ پڑھتے۔

قرآن کی وسعت علمی بعض علماء نے فرمایا کہ ہر آیت میں ساٹھ ہزار مفہوم ہیں اور اس سے زائد مفہوم سمجھنے والے آج نہیں ہیں (ورنہ اس سے زائد مفہوم بھی قرآن کے ہر مضمون میں موجود) ہیں۔

قرب خداوندی حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب بندہ نماز میں قیام کرتا ہے یعنی تہجد میں قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور قرآن مجید کو ترتیل سے پڑھتا ہے جیسے لے حکم ہے تو وہ جبار (اللہ تعالیٰ) کے قریب ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ اس کی علامت یہ ہے کہ اس طرح سے قلوب میں رقت حلاوت پائی جاتی ہے وہ دراصل قلب میں قرب رب تعالیٰ کے انوار و ہیں۔

تلاوت قرآن کی فضیلت قیامت میں قرآن کے پڑھنے والے کو لایا جائے گا اور اسے بہشت کے پہلے درجہ میں کھڑا کر کے کہا جائے گا پڑھ اور اسی طرح ترتیل سے پڑھ جیسے تو دنیا میں ترتیل کرتا تھا کیونکہ تیرا مرتبہ بہشت میں آخری آیت پر ہوگا۔

فائدہ قرآن مجید کے نزول سے حقائق کا فہم اور اس کے مقتضا پر عمل مطلوب ہے۔

مسئلہ نماز میں قرآن کی قرأۃ کے وقت (مقتدی کو) خاموشی واجب ہے (جیسے احناف کا مذہب ہے) اور غیر نماز میں مندوب ہے۔

مسئلہ قاری (تلاوت کرنے والے کو قرآن مجید کی آیات پڑھنے کا ایک ثواب اور سننے والے کو دو ثواب ہیں ایک سننے کا اور دوسرا خاموشی کا یا اس لئے کہ وہ دو کانوں سے سنتا ہے اور قاری (تلاوت کرنے والا) صرف زبان سے پڑھتا ہے (اس معنیٰ پر تو اسے تین ثواب ہونے چاہئیں کیونکہ وہ پڑھتے وقت دونوں کانوں سے سنتا بھی ہے۔

مسئلہ قرآن سننے والا فرض ادا کر رہا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ قرآن کا سننا تلاوت سے زیادہ ثواب ہے سلسلۃ الذہب میں حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

(۱) صرف او کن حواس جسمانی
وقف او کن قوائے روحانی

(۲) دل بمعنی زبان بلفظ سپار
چشم بر خط و نقط و عجم گذار

(۳) گوش از و معدن جواہر کن
ہوش از و مخزن سرائر کن

(۴) در ادایش مکن زبان کج مج
حرفہائش اداکن از مخرج

(۵) دور باش از تنتک و تعجیل
کام گیر از تامل و ترتیل

ترجمہ حواس جسمانی کو قرآن مجید پر صرف کر۔ اس پر قوائے روحانی وقف کر۔

(۲) دل کو معنی میں اور زبان کو لفظوں کے سپرد کر۔ آنکھ کو خطا اور نقطوں اور اعراب وغیرہ پر چھوڑ۔

(۳) کان کو اس سے جواہر کا خزانہ بنا۔ ہوش کو اس سے اسرار کا مخزن بنا۔

(۴) اس کی ادائیگی میں زبان کو ٹیڑھا میڑھا نہ کر۔ اس کے حروف مخرج سے ادا کر۔

(۵) اس کی ہتک اور عجلت سے دور رہ۔ تامل و ترتیل سے مراد حاصل کر۔

فائدہ: ھذر یعنی قرأۃ میں تیزی کرنا۔

فائدہ مروی ہے کہ امت مصطفوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں چار بزرگ ایسے گذرے ہیں جو ایک رکعت میں تمام قرآن مجید ختم کرتے تھے۔

(۱) حضرت عثمان بن عفان
(۲) حضرت تمیم الداری
(۳) حضرت سعید بن جبیر
(۴) حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم۔

(۲) حضرت ہمسر بن المنہال ایک ماہ میں ختم قرآن کے نوے ختم کرتے تھے اور جو آیت سمجھ کر نہ پڑھا گیا تو اسے دوبارہ پڑھتے

(۳) القاموس میں ہے کہ ابو الحسن علی بن عبد اللہ سادان بن البتنی ہمچوں عربی مقری رحمہ اللہ تعالیٰ دن میں چار قرآن مجید ختم کرتے تھے اور یہ ھذر تلاوت فہمی کے ساتھ ہوتا تھا۔

آٹھ پہر میں ستر ہزار بار قرآن ختم کیا حضرت الشیخ موسیٰ السدرانی رحمۃ اللہ علیہ اکابر اصحاب الشیخ ابی مدین رضی اللہ عنہ سے انہیں کے مناقب میں مروی ہے کہ آپ کے اوراد میں ایک ورد یہ تھا کہ آپ دن اور رات میں ستر ہزار ختم کرتے تھے[1]

---

[1] یہ کرامت اسی قبیل سے ہے جیسے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے مشہور ہے اور وہ معجزہ جو حضرت داؤد علیہ السلام کا مشہور ہے ۱۲۔ تفصیل فقیر کی کتاب شبیہ میں پڑھئے (بقیہ حاشیہ آگے)

فائدہ اس کی توجیہہ یوں ہو سکتی ہے کہ دن و رات کے آٹھ گھنٹے ہیں اس کے ہر ایک کے بارہ گھنٹوں میں پینتیس (۳۵) ختم ہوتے ہیں اس کے لئے یوں ہوگا کہ اس کا ہر دن اور ہر رات تینتالیس سال اور نو ماہ کے ہوجاتے ہوں گے یا اس سے بھی زائد (یہ طے زمان کے قبیل سے ہے)۔ بر تقدیر اوّل دن اور رات ستاسی سال اور چھ ماہ کے ہوجاتے ہونگے ان سالوں کے حساب سے ان کا ایک ختم دن کو اور دوسرا ختم رات کو ہوتا ہوگا جیسا کہ عام عادت ہے یہ احتمال سرعۃ القاری کے اعتبار سے کم سے کم ہے (اس زائد کو خدا جانے)۔

فائدہ یہ حدر ابن عامر و الکسائی کا مختار ہے

فائدہ یہ مراتب الممدود سے متصور ہو سکتا ہے یعنی تیزی ایسی نہ ہو جس سے معنی و الفاظ بگڑ جائیں۔

حدیث شریف میں ہے بہت سے قرآن پڑھنے والوں پر قرآن لعنت بھیجتا ہے۔

فائدہ یہ اس کے لئے ہے جو قرآن کے معانی و الفاظ میں خلل ڈالتا ہے یا قرآن اس پر لعنت کرتا ہے جو اس پر عمل نہیں کرتا۔

فائدہ حدر سمجھ نہیں آئے گا جب تک لحن کی تحقیق معلوم نہ ہو لحن دو قسم ہے۔

(۱) جلی

(۲) خفی

لحن جلی وہ خطا ہے جو الفاظ کو عارض ہوتا اور معنی میں خلل ڈالتا ہے مثلاً ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا جیسے الصالحات کے بجائے الطالحات پڑھ دے ایسے ہی اعراب کی غلطی مثلاً مجرور کو مرفوع یا منصوب پڑھنا اس سے معنی تبدیل ہوتا ہو یا نہ جیسے کوئی (ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ) میں رسولہ کو مجرور پڑھنا اور لحن خفی یہ وہ خطا ہے جو عرف و ضابطہ میں خلل آجائے جیسے خفا و ادغام و اظہار و قلب کا ترک اور جیسے مفخم کو مرقق (لفظ پُر کو غیر پُر پڑھنا) ایسے ہی مرقق کو مفخم پڑھنا اور ممدود کو مقصور پڑھنا وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ امور وہ فرض عین نہیں جن کے ترک سے عذاب یا عقاب شدید مرتب ہوتا ہے ہاں اس میں تہدید اور خوف عقاب ضرور ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ لحن خفی یہ ہے کہ جسے ماہرین قراء کے سوا اور کوئی نہ جانتا ہو جیسے تکریر الراآت و تطنین النونات و تغلیظ اللامات و ترقیق الراآت ان کے غیر محل ہے ظاہر ہے کہ یہ فرض عین نہیں تو اسی لئے ان کے مرتکب پر عقاب مرتب نہیں ہوتا کیونکہ اس میں تکلیف مالا یطاق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زائد تکلیف نہیں دیتا)۔

کرامت: معجزہ کا خلاصہ یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام زبور اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھوڑے وقت میں تمام پڑھ لیتے تھے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ)

دورِ حاضرہ کے قاریوں کا رد بعض شروح الطریقہ میں ہے کہ یہ بہت بڑا فتنہ ہے کہ قاری (تجوید جاننے والا) دیہاتیوں اور صحرانشینوں اور بوڑھوں بوڑھیوں اور غلاموں اور لونڈیوں (عوام) کو کہے کہ تجوید کے بغیر نماز جائز نہیں حالانکہ تجوید ایسے لوگوں کے بس سے بالکل باہر ہے۔

مسئلہ واجب ہے کہ تجوید اتنا قدر سیکھ لے کہ جس سے قرآن کا لفظ و معنیٰ صحیح ہو سکے زیادہ کوشش خلوص و حضورِ القلب میں ہونی چاہیئے۔ ~

① لعنت است ایں کہ بہر لہجہ و صوت
شوق از تو حضور خاطر فوت

② فکر حسن غنا برد ہوشت
متکلم شود فراموشت

③ لعنت است ایں کہ سازدت پے سیم
روز و شب با امیر و خواجہ ندیم

④ لعنت است ایں کہ ہمت تو تمام
کنت معروف لفظ و حرف و کلام

⑤ نقد عمرت ز فکرت معوج
خرج شد در رعایت مخرج

⑥ صرف کردی ہمہ حیات سرہ
در قرآآت سبعہ و عشرہ

⑦ ہمچنیں ہر چہ از کلامِ خدا
جز خدا قبلۂ دلست ترا

⑧ موجب لعن و مائۃ طرد است
حبذا مقبلی کہ زاں فرد ست

⑨ معنئ لعن چیست مردودی
بمقامات بعد خشنودی

⑩ ہر کہ ماند از خدا بیک سرمو
آمد اندر مقام بعد حرو

⑪ گرچہ ملعون نشد زحق مطلق

ہست ملعون بقدر از حق

ترجمہ ① لعنت ہے تم پر اگر تلاوت قرآن میں صرف لہجہ اور اچھی آواز سنوارنے سے تجھ سے حضورِ قلب فوت ہو جاتا ہے۔

② خوش آوازی کی فکر نے تیرے ہوش اڑا دیئے تجھ کو کلام والے (صاحب قرآن) بھول جاتا ہے۔

③ تجھ پر لعنت کہ تجھے زر و سیم کی لالچ نے امیر اور دنیا دار کا ہمنشین بنا دیا۔

④ تجھ پر لعنت کہ تیری تمام ہمت لفظ و حروف و کلام مصروف ہو گئی۔

⑤ نقد عمر کو ٹیڑھے فکر میں تو نے ضائع کر دیا صرف مخارج حروف کی رعایت پر تیری زندگی صرف ہو گئی۔

⑥ تمام زندگی تو نے قرأۃ سبعہ و عشرہ میں صرف کر دی۔

⑦ ایسے ہی کلام خدا سے تیرے دل کا قبلہ غیر خدا ہے۔

⑧ ہزار بار لعنت و پھٹکار کا موجب ہے جو مذکورہ بالا طریق پر زندگی گذارتا ہے اور مبارک ہو اُس مقبول خدا کو جو اس طریق سے علیحدہ ہے۔

⑨ مردود ہونے کا کیا معنیٰ ہے وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دوری میں خوشی ہو۔

⑩ جو اللہ تعالیٰ سے بال برابر دُور ہے اسے مقام بُعد (دوری) میں لذت حاصل ہوتی ہے۔

⑪ اگرچہ ایسا آدمی حقیقی لعنتی نہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے دوری کی وجہ سے ملعون (دور از رحمت) ضرور ہے بقدر بُعد

قرآن کے ذریعے گداگری کی مذمت

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک واعظ پر گذر ہوا جو قرآن مجید پڑھ کر چندہ (گداگری) کر رہا تھا آپ نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھکر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا فرمایا کہ قرآن پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے سوال کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ عنقریب لوگ آئیں گے جو قرآن مجید پڑھ کر لوگوں سے چندہ (گداگری) کے طور سوال کریں گے۔ ایسے لوگوں کو دینا معصیت پر اعانت (مدد) کرنا ہے جیسے مسجد کے اندر سائل کو کچھ دینا معصیت پر اعانت (مدد) کرنا ہے کیونکہ وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے۔

فائدہ ہر نیند سے اُٹھنے کے بعد مسواک کرنا چاہیئے وہ نیند دن کو ہو یا رات کو۔ خبر میں ہے کہ قرآن کے راستوں کو یعنی اپنے مُنہ کو پاک و صاف رکھو مسواک استعمال کر کے۔

مسئلہ مسواک کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز دوسری نماز سے ستر گنا زائد ثواب ملتا ہے۔

جہر بالقرآن کے فضائل

قرآن کو جہر سے پڑھنے پر سات نیتیں کر لی جائیں۔

(۱) ترتیل جس کا وہ مامور ہے۔

(۲) قرآن اچھی آواز سے پڑھنا مندوب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قرآن کو اپنی آوازوں سے مزین کرو۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ ہمارے سے نہیں جو قرآن سے غنا نہیں کرتا یعنی اچھی آواز سے نہیں پڑھتا۔ غنا کا معنیٰ اچھی آواز سے پڑھنے کا مطلب ہے اس سے بہتر ہے جیسی کہا گیا ہے کہ غنا سے مراد استغنا ہے یعنی قرآن مجید پڑھ کر صرف اللہ تعالیٰ پر سہارا کرے کسی دنیا والے پر سہارا نہ ہو۔

(۳) دونوں کانوں کو قرآن سنائے گا اور دل کو بیدار کرے گا تاکہ کلام الٰہی میں تدبر کیا جا سکے اور معانی کو سمجھا جا سکے یہ سب کچھ جہر سے ہوگا۔

(۴) اونچی آواز سے نیند کو ہٹائے گا۔

(۵) کوئی نیند سے اُٹھ کر ذکر الٰہی کرے گا اس کی بیداری اور ذکر کرنے کا سبب اس کی تلاوت قرآن بالجہر ہوگی۔

(۶) کوئی بطال و غافل اسے دیکھے گا تو وہ بھی قیام اللیل کے لئے خوشی سے اُٹھے گا اور خدمت کا مشتاق ہوگا اس طرح سے یہ اس کا نیکی و تقویٰ پر معاون ہوا۔

(۷) بالجہر سے تلاوت بکثرت ہوگی اور وہ اس طرح سے قیام اللیل کی عادت بنائے گا (قوت القلوب)

فائدہ اس طرح سے اس کے اعمال کی کثرت ہوگی جب تلاوت کرنے والے کی اتنا نیات ہوں تو ثواب بھی اتنا ملے گا اس لئے اس کا افضل عمل قرآن بالجہر ہے کیونکہ اسمیں اعمال کثیرہ ہوں اور کثرۃ نیات سے کثرت اعمال ہو سکتے ہیں۔

فائدہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کہیں جمع ہوتے تو ان میں کسی کو قرآن پڑھنے کا حکم فرماتے اور مجتمع ہو کر قرآن سنتے۔

مسئلہ شرح الترغیب میں ہے کہ قرآن بالالحان پڑھنے میں آئمہ کا اختلاف ہے امام مالک اور جمہور کے نزدیک

مکروہ ہے کیونکہ الحان سے قرآن کے نزول کے مطابق نہ ہوگا اور نہ ہی خشوع ہوگا، الحان سے سمجھنا آسان نہ ہوگا لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک الحان مباح ہے ایسے محدثین اسلاف کی جماعت بھی۔ اس لئے کہ یہ رقت کا سبب اور خشیہ الٰہی کو ابھارنے والا ہے۔

مسئلہ اجکار الافکار میں ہے کہ قرآن پڑھنے میں آواز کو حسین اور مزین بنانا مستحب ہے بشرطیکہ نقصان کر کے حد القرأۃ سے نہ نکل جائے۔

مسئلہ اگر قرأۃ میں افراط کیا یہاں تک کہ کوئی حرف بڑھا دیا یا اخفا بڑھا دیا تو ایسا الحان حرام ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ رتل بمعنی اُتْلُ ہے اور تلاوت قرآن مجید میں کئی مقامات پہ ابلاغ آئی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ احکام قرآن پہنچا دو اہل نفوس متمردہ یعنی اقبال علی الآخرہ سے انحراف کرنے والوں کو یعنی عوام کو یہ از قبیل ظاہری معنیٰ ہے جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہر آیت کا ظاہر و باطن و حد و مطلع ہے۔ اور معانی کی تفصیل فرمایئے ان اصحاب قلوب کے لئے جو قلوب اپنے مولیٰ کی طرف متوجہ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کتاب فصلت آیاتہ اس سے خواص (اولیا) مراد ہیں اور یہ از قبیل معنی باطن ہے اور اس کے حقائق سمجھایئے اسرار کے سرداروں کو جو عین مشاہدہ میں خود کو ہلاک کرنے والے اور بحر معانیہ میں غرق ہیں ان سے اخص الخواص مراد ہیں اور یہ از قبیل حد ہے اور ان ارباب طاہرہ کے لئے ایجاد کیجئے جو اپنی ناسوتیہ سے فانی اور لاہوتیہ میں باقی ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ بے شک ہم ڈالیں گے۔ عنقریب ہم تیری طرف وحی کریں گے یہاں وحی کے بجائے القاء قَوْلًا ثَقِیْلًا (بات بھاری) کی وجہ سے ہے اس سے قرآن عظیم مراد ہے جو مکلفین پر تکالیف شاقہ ثقیلہ پر مشتمل ہے نیز قرآن قدیم غیر مخلوق ہے اور حادث قدیم سطوت سے پگھل جاتا ہے سوائے اس کے جو مؤید من اللہ ہو جیسے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

حل لغات ثقل درحقیقت اجسام میں ہوتا ہے پھر معانی میں بھی مستعمل ہونے لگا۔

فائدہ بعض نے کہا وہ ثقیل تھا ملقیہ کے طور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ کبھی وہ آتی ہے گھنٹی کی آواز کی طرح اور وہ مجھ پر بہت سخت گراں ہوتی ہے وہ مجھ سے ہٹتا ہے یعنی دور ہوتا ہے تو میں اسے یاد کر لیتا ہوں جو وہ کہتا ہے اور کبھی میرے لئے فرشتہ مرد (بشر) کی شکل میں متمثل ہوتا ہے تو وہ میرے سے بولتا ہے تو جو کہتا ہے۔ میں اسے یاد کر لیتا ہوں۔

نمونہ وحی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے حضور سرور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سخت سردی میں وحی اترتے دیکھا کہ جب آپ سے وہ فرشتہ علیحدہ ہوتا تو آپ کی جبیں مبارک پسینہ پسینہ ہوتی۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر وجہ مذکور سے جب نزول وحی ہوتا اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹ پر سوار ہوتے تو اونٹ کے اگلے پچھلے بوجھ سے ٹیڑھے ہو جاتے اگر کسی وقت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی صحابی (رضی اللہ علیہ) کی ران پر سہارا لگا کر بیٹھے ہوتے تو اس کی ران کے ٹوٹنے کا خوف ہو جاتا۔ لیکن اس وقت آپ کا چہرہ اقدس گلاب کی طرح ہوتا ہے ؎ بسال گل کہ بعجن چمن افروز اس گل کی طرح جو چمن میں روشن ہوتا ہے۔

فائدہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اٹھائے ہوئی شے کے بوجھ کا حامل کی لطافت حال کے مطابق ہوتا ہے اور اسمیں شک نہیں کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جملہ انبیاء علیہم السلام سے خلق میں لطیف تر اور مزاج وطبع میں اعدل اور روحانیہ ارحمانیتہ میں اکمل اور نشأۃ و فطر میں افضل اور استعداد قابلیت میں اشمل تھے اسی لئے قرآن کو جملہ کتب سماویہ جو اوامر نواہی و احکام و شرائع میں ثقل سے مخصوص کیا گیا ہے بوجہ آپ کی لطافت فطرۃ وشمول رحمت کے اور قم اللیل جملہ معترضہ ہے اس کے اور اس کی تعلیل کے درمیان اور ناشئۃ اللیل الخ میں راز یہ ہے کہ اس سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیام اللیل کی آسانی ظاہر کرنی ہے یعنی اسے ثقل سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ اس قیام کی تکلیف بہ نسبت ثقل کے کالعدم ہے کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عنقریب بوجھ القا کیا جائے گا وہ اصعب اور اشق (سخت مشقت والا) ہے اسی لئے یہ تکلیف (قیام اللیل) سہل ہے۔

فائدہ کشاف میں ہے کہ جملہ معترضہ لانے کا ارادہ اس لئے ہے کہ قیام اللیل بے شک سخت تکالیف میں سے ہے کہ جس کے متعلق قرآن میں وارد ہے کیونکہ رات نیند اور تھکان اتارنے کے لئے ہے تو لا محالہ جو بیدار ہوگا اس کی طبیعت کے لئے بوجھ ہوگا اور نفس سے مجاہدہ کرنا ہوگا لیکن جو اس سے مانوس ہو جائے اس کے لئے اس جیسے بوجھ ہلکے ہو جاتے ہیں۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ سورۃ المزمل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اوائل میں نازل ہوئی ہے اس معنیٰ پر اِنَّا سَنُلْقِیْ الخ میں باقی مدت وحی کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے کہ اس کے حروف باعتبار نون مدغم اور دونوں تنوین بائیس ۲۲ ہیں اور سین استقبال پر دلالت کرتا ہے اور باقی مجموعہ حروف مدت باقیہ پر۔

نکتہ قرآن مجید کو حمل ثقیل اس لئے کہا گیا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تتمیم مکارم الاخلاق کے لئے مبعوث ہوگئے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ وہ قرآن مجید تمام آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اثقل ہوگا (اللہ ہی اپنی مراد کو خوب جانتا ہے)۔

تفسیر صوفیانہ یہ قول ثقیل بہ نسبت نفس ثقیلہ کثیفہ کے ہے کیونکہ اس کے حجابات تہ بہ تہ ہیں اور ادراک حق سے بہت دور ہے ورنہ بہ نسبت خفیفہ لطیفہ کے خفیف و لطیف ہے یہی وجہ ہے کہ کاملین سے تکالیف کی تھکان نہیں ہوتی کیونکہ عبادات انکے عادات کی طرح ہیں اس لئے ان سے عبادات کی کلفت اٹھ جاتی ہے بلکہ وہ ان سے الٹا ذوق و حلاوت پاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ بے شک رات کا اٹھنا۔ یعنی وہ نفس جو اپنے بستر سے عبادت کے لئے رات کو اٹھتا ہے۔

حل لغات یہ نشأ من مکانہ (اپنی جگہ سے اٹھا) سے ہے اس معنیٰ پر موصوف محذوف ہے اور اضافۃ ملابسۃ کی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ نفس جو رات کو اٹھتا ہے۔

ھِیَ یہ خصوصیت سے اَشَدُّ وَطْأً زیادہ دباؤ ڈالتا ہے کلفت ثقل کے لحاظ سے۔

حل لغات وطئ مصدر ہے وطی الشیٔ بمعنی پاؤں سے روندنا اور اس پر بوجھ رکھنا۔ وہ نفس جو رات کو عبادت کے لئے اٹھتا ہے اس کے لئے یہ زیادہ سخت ہے بہ نسبت اس کے جو دن کو عبادت کے لئے قائم ہے۔

فائدہ اس سے ثابت ہوا کہ رات کی عبادت (قیام اللیل) افضل العبادات اور مشقت سے بھرپور ہے اس معنیٰ پر وطئ مصدر مبنی للمفعول (مجہول) ہے کیونکہ عبادت گذار پر جو اپنا بوجھ ڈال رہی ہے وہ رات کی عبادت ہے اسی لئے وہ عابد جو رات کو عبادت سے روندا ہوا ہے بہ نسبت اس کے جو دن کو عبادت سے روندا جاتا ہے زیادہ سخت ہے اور اس کی نصب علی التمیز ہے اور یہ بھی ہو کہ یہ دراصل اشد وطاء اشد ثبات قدم واستقرار رہا ہو۔ خلاصہ یہ کہ اس سے مقصود رات کی عبادت کو اختیار کرنے کا بیان ہے اور خصوصیت سے قیام کا اس لئے حکم فرمایا ہے کہ اس نے رات کو لباس بنایا تاکہ لوگوں کو چھپائے اور انہیں اضطراب و انقلاب اور کسب معاش سے منع کرے اور دن کو معاش بنایا تاکہ اس میں لوگ اپنی معاش کے امور سرانجام دیں اسی لئے اس میں عبادت کے لئے ثابت قدمی مطلوب نہیں (اگر ہو تو قبولیت میں کوئی فرق نہیں دن ہو یا رات)۔

وَّاَقْوَمُ قِیْلًا اور بات خوب سیدھی نکلتی ہے۔

حل لغات قِیْلًا اسم ہے القول سے یہ دراصل قِوْلًا تھا اور واؤ یاء سے بدل گئی قول اور قیل کا ایک ہی معنیٰ ہے یعنی بات میں یہی زیادہ سیدھی ہے اور ثبات و استقرار علی الصواب پر بھی یعنی رات کو نماز میں قرآن پڑھنا صواب تر ہے کیونکہ دل فارغ اور شور و شغب بند اور زبان دل کے موافق ہوتی ہے کہ جو کچھ پڑھتی ہے دل تفکر میں لگ جاتی ہے۔

خاموش شد عالم بشب تا چیست باشی در طلب
زیرکہ بانگ عربدہ تشویش خلوتخانہ بود

ترجمہ: رات کو عالم تمام خاموش ہو گیا تاکہ تو طلب الٰہی میں چستی کرے اس لئے کہ لڑنے جھگڑنے کی آواز خلوتخانہ کے لئے تشویش کا سبب ہوتی ہے۔

فائدہ ناشئۃ اللیل بمعنی قیام اللیل ہو تو بھی جائز ہے اس وقت ناشئۃ مصدر رہے از نشأ جیسے العافیۃ بمعنی العفو اور لسان حبشہ کے موافق ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں نشأ بمعنی قام یا ناشئۃ بمعنی وہ عبادت جو رات کو ہو کہ اس معنی پر الوطی مصدر بمعنی الافاعل ہو گا بہر حال عبادت مطلق اور قیام اللیل ہر دونوں رات کے وقت عبادتگذار پر بہ نسبت دن کے قیام و عبادت کے بہت زیادہ ثقیل ہوتی ہے اب اشد وطا کا معنی اثقل و اغلظا علی المصلی نمازی پر زیادہ سخت اور زیادہ بوجھل، ہو گا رات کی عبادت بہ نسبت دن کی عبادت کے اس اعتبار سے وہ افضل بھی ہے یعنی رات کی عبادت رنج و کلفت کے لحاظ سے سخت تر ہے اس لئے کہ ترک خواب و ترک راحت نفس پر گراں ہے اسی لئے وہ عبادت افضل ہوتی ہے جو نفس پر نہایت گراں ہو۔

فائدہ ناشئۃ اللیل سے رات کی ساعات بھی مراد ہو سکتی ہیں کیونکہ وہ بھی لحظہ بہ لحظہ ایک دوسرے کے بعد حادث ہوتی ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ رات کی گھڑیاں جو حادث ہوتی ہیں ایک دوسری کے بعد لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ناشئۃ رات کی وہ گھڑیاں مراد ہیں جو عشاء کے بعد شروع ہوتی ہیں بہر حال اس تقریر پر ناشئۃ اللیل ساعات اللیل کی صفت ہے اس معنیٰ پر بھی مطلب وہی ہے کہ رات کی عبادت و قیام بہ نسبت دن کے زیادہ سخت و ثقیل تر ہے۔

فائدہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تقریر کے مطابق عشاء سے پہلے کے اوقات ناشئۃ نہ ہوں گے لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں مخصوص ساعات بتایا ہے وہ ہیں نیند کے بعد اٹھنے کی ساعات جو نیند نہیں کرتا اس کے لئے ناشئۃ نہ ہوگی۔

ابوطالب مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تقریر قوت القلوب میں ہے کہ دو عشاؤں (مغرب و عشاء) کے درمیان نوافل پڑھنے چاہئیں یہاں تک کہ شفق ثانی غائب ہو جائے یعنی وہ سفیدی جو سرخی کے اختتام کے بعد شروع ہوتی ہے بعض نے کہا رات کی تاریکی اور ظلمت مراد ہے کیونکہ یہ وہ آخر وہ وقت ہے جو قطر غربی شعاع شمس سے باقی رہتا ہے جو سورج اس طرف کو طے کرتا ہے اور جبل قاف کے گرد گھومتا ہے مشرق کی تلاش میں یہ وقت مستحب ہے عشاء ثانیہ کے لئے یہ دن آخری اور رات کا اوّل ورد ہے اسی میں نماز پڑھنے کا نام ناشئۃ اللیل ہے یعنی رات کی ساعت کیونکہ یہ رات کی پہلی ساعت ہے جو ابھی حادث ہوئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت ابن عامر و ابو عامر نے وطاً کو بالکسر و المد پڑھا ہے از مواطات بمعنی موافقت اگر ناشئۃ تفسیر ہو تو اب معنیٰ یہ ہوا کہ نفس کی قلب سے موافقت سخت تر ہے کہ قلب اس کی لسان ہو اگر ناشئۃ کی تفسیر قیام یا عبادت یا ساعات سے کی جائے تو معنیٰ یہ ہوگا کہ یہ تمام امور نفس پر شاق ہے از جہت قلب کی موافقت کہ اس کی لسان اس میں قائم ہے یا اس کی موافقت سخت ہے کہ قلب کو خشوع و اخلاص چاہیئے اور نفس کے لئے یہ ہر دونوں ناگوار ہیں۔

فائدہ حضرت حسن بصری (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ ظاہر و باطن کی موافقت یہ اس لئے مشکل ہے کہ ظاہر میں تو خلق خدا کے ساتھ رہنا ہوتا ہے لیکن جب ان کی رؤیت منقطع ہوگی تو وہ خلوص نہ ہوگا جو خلق خدا کی وجہ سے تھا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیلًا ؕ بے شک دن میں تمہیں بہت سے کام ہیں۔ چلنا پھرنا اور ضروریات زندگی کے امور کی سرانجام پانی میں تیرنے والے کی طرح اور شواغل میں مشغول ہونے کی وجہ سے عبادت کے لئے فراغت نہ پا سکو گے اسی لئے عبادت کے لئے رات کو لازم پکڑو۔ یہ بیان ہے قیام اللیل کے خارجی داعی (سبب کا) جبکہ پہلے اس سبب کا بیان تھا جو قیام اللیل کے اپنے میں ہے۔

حل لغات السبح پانی یا ہوا میں تیز جانا۔ افلاک میں ستاروں کے چلنے کے لئے استعارہ کیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وکل فی فلک یسبحون اور ہر ستارہ اپنے فلک میں پیرتا ہے۔ اور گھوڑے دوڑنے کیلئے بھی جیسے فالسا بحات سَبْحًا اور آسانی سے پیرنے والوں کی قسم۔ اور عمل میں جلدی کے لئے جیسے اِنَّ لَکَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیلًا اور تاج المصادر میں ہے السبح معاش میں تصرف کرنا اور بعض تفاسیر میں ہے کہ السباحۃ اس عمل میں ہوتا ہے جو پانی میں ہاتھوں اور پاؤں سے ہو۔ بعض نے کہا کہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر تمہارے سے رات کو کوئی وظیفہ (عمل) رہ جائے تو اسے دن کو پورا کر لیا کرو کیونکہ تم دن کو فراغت رکھتے ہو کہ اسمیں فوت شدہ وظیفہ (عمل) کا تدارک کر سکتے ہو تاکہ تمہارے سے وہ مناجات رہ نہ جائے جو تمہارے ذمہ ہے اور یہ تفسیر مناسب بھی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس سے رات کا وظیفہ (عمل) رہ جائے یا کوئی اور نیک کام جو رات کو کیا کرنا ہے تو وہ اسے پڑھ لے (پورا کرلے) صلوٰۃ الفجر اور صلوٰۃ الظہر کے درمیان یعنی گویا اس نے اسے رات کو ہی پڑھا ہے۔

مشائخ کی تلقین مشائخ (مرشدان کرام) اپنے صادق مریدین کو فرمایا کرتے ہیں کہ جب تمہارا کوئی ورد (وظیفہ) رہ جائے تو اس کی قضا پڑھ لیا کرو اگرچہ مہینہ کے بعد تاکہ نفس کو سستی کی عادت نہ ہو جائے۔

فائدہ وِرد (وہ وظیفہ وعمل) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہو یا آپ کی امت کے پسندیدہ و برگزیدہ لوگوں کے یعنی وہ اوراد و وظائف جو اولیائے کرام خواص بزرگوں سے منقول ہیں (جیسے دلائل الخیرات درود مستغاثات۔ حزب البحر۔ قصیدہ غوثیہ وغیرہ وغیرہ)۔

فائدہ قوت القلوب میں ہے کہ جس سے کوئی وِرد (وظیفہ وعمل روزینہ) رہ جائے تو جب بھی اسے یاد آجائے ادا کرے لیکن قضا کی نیت سے نہیں کیونکہ قضا تو فرائض کی ہوتی ہے اور یہ اوراد و وظائف فرائض نہیں مستحبات ہیں تو انکی قضا کیسی، ہاں یہ ارادہ ہو تو جو کمی رہ گئی اس کا تدارک ہو جائے (اگرچہ یہ حضرات اس کی ادائیگی کا نام اب بھی قضاء رکھتے ہیں لیکن ان کی مراد بھی تدارک مافات ہوتی ہے نہ کہ فرائض کی طرح کی قضا یا نفس کو مشقت میں ڈالنے اور اس سے سستی ہٹانے کی نیت ہو تاکہ اس کی عادت عزائم پر عمل کرنے کی عادت ہو رخصت پر نہ ہو۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اور اپنے رب کا نام یاد کرو۔ رات دن اپنے رب کی یاد میں زندگی گذارو جس طریقہ سے ہو تسبیح وتہلیل وتحمید و صلوٰۃ وتلاوت قرآن اور تدریس علوم بالخصوص صبح کی نماز کے بعد اور غروب شمس سے پہلے کیونکہ یہ دونوں اوقات فیض و فتح کے ہیں اور ہمیشہ ذکر و فکر میں رہنا مقربین کی عادات سے ہے دل یا زبان سے یا ارکان سے یا قیام میں بیٹھ کر یا کروٹ پر یعنی پروردگار کو اس کے اسمائے حسنیٰ سے یاد کر۔

اسمائے الحسنیٰ کے پڑھنے کی فضیلت

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو اسمائے الحسنیٰ کا وِرد کرے وہ بہشت میں داخل ہوگا۔

فائدہ ذکر اللہ سے مراد ذکر کے واسطہ سے اس کی فکر کرنا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاذْكُرْ رَبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ (اور اپنے رب کو یاد کرو جب بھول جاؤ۔ کیونکہ ذکر اور نسیان ہر دونوں قلب کی صفات سے ہیں جب مذکور کی تجلی پڑتی ہے تو ذکر و ذاکر ہر دونوں فنا ہو جاتے ہیں۔ جیسے میرے شیخ سیدی سندی روح اللہ روحہ شرح تفسیر الفاتحہ للقنوی قدس سرہ میں فرمایا کہ جو اسمائے مجازیہ میں کسی اسم کا وِرد کرے جتنا آسانی سے کر سکے لیکن اس پر مداومت کرے تو اسے اسی اسم کے سر (راز و رموز) اور اس کے روح کے درمیان میں بعنایت ربانی اتنا مناسبت پیدا ہو جائے گی جتنا وہ اس اسم سے مشغول ہوگا پھر جب وہ مناسبت ان کے مابین مضبوط اور مکمل ہوگی بحسب قوۃ وکمال اشتغال کے اسمائے حقیقیہ کے مدلول کے درمیان اور اس شخص کے درمیان اسی مناسبت سے حاصلہ کے واسطہ اور اس کی قوت کے مطابق قوت وکمال حاصل ہوگا جب یہ مناسبت ثانیہ کی جوالسے اور اسم حقیقی کا حاصل ہوئی جو دحق اور اس کی عطا سے کمال حاصل ہو جائے گا تو پھر اسے اس کے مسمیٰ یعنی حق تعالیٰ کے ساتھ اتنا مقدار پر مناسبت حاصل ہوگی جتنا اس نے مناسبت ثانیہ سے قوۃ وکمال حاصل کیا ہوگا کیونکہ بندے کے تقدس مناسبت کی وجہ اس کی دنس پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اور عالم قدس کے لائق ہوتا ہے اتنا جتنا قدر اس کی دنس

کا ارتفاع ہوگا اس وقت حق تعالیٰ اس کے لئے جلوہ فرمائے گا اس اسم کے مرتبہ سے بندے کی قوۃ وکمال اور اسکی استعداد کی مقدار پر اور اس پر علوم و معارف و اسرار الٰہیہ وکونیہ کا جتنا چاہے گا فیض بخشے گا یا وجہ عام وسلسلۂ ترتیب مرایت، مراتب وحضرات وغیرہ جو وسائط و اسباب و ادوات و مواد معنویہ وصوریہ سے نہیں یا وجہ خاص سے بغیر وسائل و اغیار کے یا دونوں سے اکٹھے کیونکہ یا وجہ وہی ہوسکتی ہے یا یہی اس کے سوا تو اور کوئی وجہ ہے نہیں سوائے ان دونوں کے یکجا جمع ہونے کے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تم قرآن مجید کی تلاوت کا ارادہ کرو تو تلاوت سے پہلے کہو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا مقصد یہ ہے اپنے رب کے اسم کو یاد کرو اور وہی (اسم) تو ہے یعنی اپنے نفس کو پہچان اور اُسے بھلا ورنہ تجھے اللہ تعالیٰ بھلا دیگا۔ اور نفس کے کمال حاصل کرنے کی جدوجہد کر بعد اس کی حقیقت کی معرفت کے۔

تفسیر عالمانہ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا اور سب سے ٹوٹ کر اسی کے ہو رہو۔

حل لغات التبتل بمعنی الانقطاع اور بمعنیٰ دنیا سے دل توڑنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ سب سے توڑ کر مکمل طور عبادت واخلاص نیت اور توجہ کلی سے اللہ کے ہو رہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ اللہ کہہ پھر انہیں چھوڑ دو یعنی نفس کو ماسوای اللہ کے فکر سے خالی کرو اور سب سے منہ پھیر لو۔

دل دردبند و از غیرش بگسل
ہرچہ جز اوست بروں کن از دل

ترجمہ دل اس سے جوڑ اور اسے غیر سے توڑ دے اس کے سوا جو کچھ دل میں ہے اسے باہر کر دے۔

سوال یہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے خلاف ہے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا رھبانیۃ اور تبتل اسلام میں نہیں۔

جواب ہماری تقریر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی کے خلاف نہیں اس لئے حدیث شریف میں التبتل سے نکاح کا ترک مراد ہے اسی لئے حضرت بی بی مریم رضی اللہ عنہا پاکدامن کو البتول کہا جاتا کہ آپ (بی بی) نے مردوں سے نکاح نہیں کیا اور ان سے علیحدہ رہیں اور ہمارے نزدیک نکاح سے روگردانی ناجائز ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانکحوا الایامی او مردوے عورتوں کا نکاح کرو۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تناکحوا تکثروا فانی اباھی بکم الامم یوم القیمۃ نکاح کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ قیامت میں تمہاری وجہ سے فخر کروں گا۔

سوال بی بی فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ عنہا) کو بتول کیوں کہا جاتا ہے حالانکہ آپ (بی بی) نے تو نکاح کیا۔

جواب اس لئے کہ بی بی فاطمۃ الزہرا کو اسرائیلی یعنی بی بی مریم سے مشابہت تھی کہ ماسوائے اللہ تعالیٰ سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتی تھیں نہ یہ کہ نکاح سے روگردان تھیں۔ (معاذ اللہ)۔

فائدہ بعض نے کہا کہ تبل تبتیل کی جگہ پر مستعمل ہوا ہے اس لئے تبتل بمعنی تبل نفسہ ہے یہ اپنے معنیٰ پر آیا ہے اور اس کے رعایۃ فواصل کا حق بھی ادا ہوا۔ اس لئے کہ قرآن مجید کا حسن نظم و ترتیب جملہ کتب سے اعلیٰ اور بے نظیر واقع ہوا ہے بعض نے کہا کہ یہ انقطاع چونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسی طرح نہیں کہ بالکلیہ خود کو ان عوائق سے فارغ کر لیں جو مراقبۂ الٰہی سے روکتے ہیں اور قطع علائق از ماسوی اللہ نہیں فرمایا اسی لئے تبتّل کے بجائے تبتّل کہا ہے اس تقریر پر یہ احتیاک کے قبیل سے ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واللہ انبتکم من الارض نباتاً (اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے بنایا جو اس کا اصل تھا۔ انبتکم منہا فنبتم نباتا اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اگایا پھر تم (انگوری کی طرح اُگ پڑے)۔ ایسے ہی یہاں اصل عبارت یوں تھی تبتل یبتلک عما سواہ تبتیلا تم غیروں سے منقطع ہو کر رہو وہ تمہیں ماسوائے مکمل طور پر منقطع کریگا)۔ اس لئے تبتیل فضل الٰہی اور اس کی مدد کے سوا حاصل نہ ہو سکے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ (تعالیٰ) کو یاد کرو اپنی صفات و افعال کو فنا کر کے اور اس کی طرف توجہ کرو اپنی صفات کو فنا کر کے اور اس کی ذات میں بقا کر۔

فائدہ تبتّل از دنیا سے مراد اگر صرف ظاہری ہو جیسے بعض لوگ ننگے سر اور ننگے پاؤں گذرتے اور فقر و فاقہ ظاہر کرتے رہتے ہیں جو لوگوں کے دکھاوے کے لئے ہوتا ہے جو درحقیقت باطن میں دنیا کا حرص رکھتے ہیں اور اسی ظاہری طریق سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں یہ تبتّل مذموم ہے اگر باطنی ہو فقط تو وہ ممدوح ہے جیسے بعض انبیا علیہم السلام اور اولیا کہ باوجود دولتمندی کے خود کو دنیا کے قریب بھٹکنے نہ دیا اس لئے کہ انہیں حبّ دنیا بالکل نہ تھی اگر انہوں نے بظاہر دنیوی ٹھاٹھ ظاہری رکھا تو وہ بھی بارادہ الٰہی تھا کیونکہ ان کے ارادے اللہ (تعالیٰ) کے ارادہ کے تابع تھے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ وہ انہیں بادشاہی بخشتے اور بڑی (دنیوی) دولت دے جیسے سلیمان و یوسف و داؤد و سکندر وغیرہم علیٰ نبینا وعلیہم السلام اور بعض انبیا و اولیا ظاہری و باطنی ہر طرح سے فقر و فقیری رکھتے تھے جیسے اکثر انبیا (علیہم السلام)۔

فائدہ کبھی تبتّل از مخلوق ہوتا وہ بھی صرف بظاہر جیسے بعض عبادت گذاروں کا حال تھا کہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں کے اندر زندگیاں گذارتے تھے۔ وہ صرف لوگوں کے دل کھینچنے اور تحائف ہدایا

بٹورنے کے لئے اور صرف باطناً جیسے اہل ارشاد کرتے تھے یعنی بعض انبیاء و اولیاء (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) کیونکہ ارشاد الخلق کے لئے مخلوق سے مخالطت (رَل مِل گذارنا) ضروری ہوتا ہے۔ باطناً وظاہراً ہر دونوں طرح جیسے بعض وہ اولیائے کرام جنہوں نے خلوت کو اختیار فرمایا اور ویران جگہوں پر ڈیرے جمائے جہاں لوگوں کا آنا جانا نہ ہو یا بالکل کم ہو۔

نسخہ روحانی بعض بزرگوں نے فرمایا کہ سلوک الی اللہ ہوتا ہی تبتل (علیحدگی اختیار کرنا) ہے مطلب یہی ہے کہ خواہشات نفسانی کا خلاف کرکے غیر اللہ سے روگردانی کرنا اور دائمی ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل طور متوجہ ہونا یہ سفر حرکت معنوی سے طے ہوتا ہے جو ایک مسافر دوسرے مسافر کی طرف جانا چاہیئے تو یہ سفر یوں ہی طے کیا جاتا ہے اگر اللہ تعالیٰ بندے کو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور طالب وطالب ومطلوب کی مثال اس صورت کی ہے جو آئینہ میں ہے لیکن گرد آلود آئینہ میں صورت نظر نہیں آتی اس لئے کہ آئینہ زنگ آلود ہے جب آئینہ کی زنگ ہٹالی جائے گی تو صورت صاف نظر آئے گی لیکن نہ بایں معنی کہ وہ صورت آئینہ میں کوچ کر آئی ہے جو آئینہ اس کی طرف گیا ہے بلکہ اس حجاب کو دور کرنے سے جو آئینہ پر تھا اس سے معلوم ہوا کہ حجاب خود بندے میں ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو اہل بصیرت کے لئے ہر وقت اپنے نور سے جلوہ گر ہے اگرچہ موقعہ ومحل اور تجلی تجلی میں فرق ہے۔

فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو عام تجلی سے نوازتا ہے لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خاص تجلی سے نوازتا ہے۔

فائدہ تجلی عام یہ ہے کہ صورۃ واحدہ ایک ہی حالت میں تمام آئینوں میں نظر آئے اور تجلی خاص یہ ہے کہ ایک ہی آئینہ میں ایک ہی صورۃ جلوہ گر ہو اسی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مخصوص وقت ہے، مخفی نہ ہو کہ وہ ایسا وقت مخصوص ہے کہ اس وقت اس تجلی میں اسے سوائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور کسی کو کوئی دخل نہیں۔

سوال فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ذکر الٰہی میں مستغرق الاوقات اور دائم الانقطاع الی اللہ ہوں جیسے دونوں مذکورہ آیتیں دلالت کرتی ہیں تو پھر دن میں کیسے بہت سے کام سرانجام دینے کا موقعہ ملتا ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا اِنَّ لَکَ فِی النَّہَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا بے شک آپ کو دن میں بہت سے کام ہیں۔

جواب ① ذکر دائمی وانقطاع کلی کا حکم ترقی الی العزیمۃ کے باب سے ہے جیسے کامل ترین کی شان کا تقاضا ہے۔

جواب ④ دن کو ذکر و تسبیح کی مشغولی از قبیل وجوب نہیں بلکہ آپ کو مکمل اختیار ہے کہ آپ کاروبار کریں یا توکل کر کے تمام اوقات ذکر الٰہی میں مصروف رہیں۔

جواب ④ آپ کو دن ہو یا رات کاروبار کا ظاہری شغل ذکر الٰہی کے مراقبہ سے مانع نہیں جیسا کہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا رجال لاتلہیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ۔ ایسے مردانِ خدا بھی ہیں جنہیں تجارت اور بیع ذکر الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔ اور فرمایا الذین ھم علی صلوٰتھم دائمون وہ جو اپنی نمازوں پر مداومت کرتے ہیں۔

جواب ④ یہ احکام بحسب اختلاف الاحوال والاشخاص ہیں بعض وہ ہیں جو کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں بعض وہ ہیں جو ذکر الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں واللہ اعلم بالمرام (مقاصد کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے)۔

تفسیر عالمانہ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وہ مشرق و مغرب کا رب ہے۔ مرفوع علی المعرج ہے یعنی وہ ان دونوں کا رب اور ان کا خالق و مالک ہے اور ان کا جو ان کے مابین ہے اور ہر شے کا دکشف الاسرار میں ہے کہ سرما و گرما کی مشارق و مغارب کی مبنی مراد ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، جملہ مستانفہ ہے ماسوا اللہ کی نفی الوہیت سے اس کی ربوبیت کا بیان ہے یعنی کوئی معبود عبادت کے لائق نہیں سوائے اس کے۔ فَاتَّخِذْهُ (اسی کو بناؤ) اپنے تمام امور اور ضرورتوں کے لئے یہ فا امر کی ترتیب کے لئے اور اس کا موجب الوہیت و ربوبیت ہے اور اللہ تعالیٰ سے خاص ہے۔ وَكِيلًا (کارساز) جملہ امور کی اصلاح و اتمام استرشاد کے لئے اسی کو کارساز بناؤ اور جملہ امور اسی کو سپرد کرد

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ مشرق ذات مطلقہ از حجابات تعینات الاسماء والصفات کا اور مغرب صفات و اسما کا رب ہے اور یہ مغرب اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ حجب صفات کے پردوں سے مستتر ہے اور حجب صفات یہی حجب الذات ہیں اور وہی جمیع الموجودات میں متعین ہے تو اس کے سوا کوئی معبود موجود نہیں پھر اسی کو کارساز بناؤ یعنی نفس کو خودی سے مجرد کیجئے اور اپنے وجود مجازی سے بھی اور اپنے وجود مجازی کے بجائے وجود حقیقی بنایئے اور اپنی جانب چلئے۔

حکایت ایک مرید نے اپنے شیخ (مرشد) سے کہا کہ میں تجرید پر حج ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں شیخ (مرشد) نے فرمایا اپنے نفس سے مجرد ہو کر جا جہاں تیرا دل چاہے۔

فائدہ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال کا متولی خود ہے وہ ان میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور جب وہ اپنے کسی بندے کے احوال کی احسن طریق سے کفالت فرماتا ہے تو اسے ہر شغل کی کفایت کرتا ہے اور اسے تمام اغیار سے مستغنی فرما دیتا ہے پھر ایسے بندے کو کثرت حوائج

ہوتی ہی نہیں کیونکہ جب اسے معلوم ہے کہ اس کا مالک و مولیٰ ہی کافی ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ توحید کی علامت ہے کہ توکل کی بساط پر عیال کی کثرت ہو یعنی اس کا بظاہر کاروبار کوئی نہیں صرف توکل علی اللہ ہے اور ادھر عیالدار بھی ہے لیکن اسے فکر بھی نہ ہو وہ بندہ توحید میں کامل اکمل ہے۔

حکایت حضرت حمشاد دینوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں مقروض ہو گیا اس کی وجہ سے ایک رات کو مجھے فکر ہوئی یہاں تک پریشانی سے نیند نہ آئی تھوڑی آنکھ لگ گئی تو خواب میں میں نے دیکھا کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے تو نے حق تعالیٰ سے اپنا عہد نبھایا فلہٰذا اب قرض کی ادائیگی ہمارے ذمۂ کرم ہے اس پر جاگ ہو گئی پھر ادائیگی قرض کا سبب بھی بن گیا اور اس کے بعد مجھے کبھی قصاب اور سبزی والے سے حساب وکتاب کی ضرورت نہ ہوئی۔

فائدہ حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے مخلوق کو کفیل کار بنایا تو وہ اس سے اس کا اجر مانگے گا اور کبھی اس کے مال میں خیانت بھی ہو جائے گی کبھی تصرف میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے کبھی بہتر سے کتر اور درست و غلط بھی ہو جائے گا تو وہ کفیل راس نہ آئے گا لیکن جس نے راضی ہو کر عقیدہ جما لیا کہ اس کا کفیل اللہ (تعالیٰ) ہے تو وہ کریم اسے بہت بڑا اجر دے گا اور اس کے مقاصد بھی مکمل طور پر پورے کرے گا اور اس پر ایسا لطف و کرم ہو گا کہ اس کے جملہ امور اور اس کے آمال (مقاصد و ضروریات) ہر آرزو تک اس کے موافق بنائے گا یعنی اس کے جملہ امور خود بخود مکمل ہو جائیں گے۔

فائدہ جس نے اللہ (تعالیٰ) کو اپنا وکیل مانا اس پر ضروری ہے کہ اس کے حقوق و فرائض اور وہ جملہ امور جو اس پر لازم ہیں مکمل طور ادا کرے اور اس کے لئے ہر وقت اپنے نفس سے جھگڑے اس معاملہ میں کسی قسم کی سستی اور غفلت نہ برتے۔

وظیفہ فراخئ رزق حضرت زروقی رحمۃ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسم وکیل کا خاصہ ہے حوائج و مصائب کی نفی کرنا جو آندھی، کڑک و ڈراؤنی چیزوں سے ڈرتا ہے تو اسم "وکیل" کے ورد کی کثرت کرے اس اسم کی برکت سے دکھ ٹل جائیں گے اور اس پر خیر و بھلائی اور رزق کے دروازے کھل جائیں گے۔ تفصیل آئیگی۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ (اور کافروں کی باتوں پر صبر فرماؤ) یعنی قریش مکہ کی باتوں پر کہ ان میں کوئی خیر و بھلائی نہیں یعنی وہ خرافات و بکواسات جو اللہ تعالیٰ کے بارے ہیں کہ وہ اس کا شریک ٹھہراتے اور اس کے لئے جورو اور اولاد بتاتے ہیں اور آپ کے حق میں کہ وہ آپ کو ساحر اور شاعر و مجنوں کہتے ہیں اور قرآن کے بارے میں کہ وہ اس کے مضامین کو افسانے اور قصّے کہانیاں سمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ اور انہیں مکمل طور اچھی طرح چھوڑ دو۔ یہ صبر کے امر کی تاکید ہے یعنی اچھی طرح چھوڑ دو کہ اپنے دل اور تصور سے خیال

سے ان کے خیالات ہٹا دو اور نہ ہی ان کی خاطر مدارات اور نہ ہی ان کے کاروبار میں کفایت کرو بلکہ ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو جیسا کہ آنے والا مضمون بتاتا ہے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ الہجر والہجران معنی کسی انسان وغیرہ کو بدن یا زبان یا قلب سے جدا کرنا اور وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا میں ہر تینوں معانی محتمل ہیں اور داعی اس طرف ہے کہ ان سے جہاں تک دور رہنے کی سوچ ہو سکتی ہے وہی بہتر ہے یعنی ان سے دوری اور جدائی میں بھلائی ہے۔

فائدہ اہل حکمت نے فرمایا کہ اعداء پر حسن مدارات کا ہتھیار تیار رکھو یعنی ظاہراً معاملات میں صلح سلوک سے کام لو اور فرصت کو نگاہ میں رکھو تاکہ بوقت فرصت انہیں قابو میں لا سکو۔

آسائش دو گیتی دو حرفست

با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

ترجمہ: دونوں جہاں کی آسائش صرف دو حرفوں میں ہے وہ یہ کہ دوستوں سے لطف و کرم اور دشمن کے ساتھ حسن سلوک۔

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ (اور مجھ پر چھوڑ دو ان جھٹلانے والوں کو) یعنی انہیں اور ان کا ہر معاملہ میرے سپرد کر دیجئے میں ہی انہیں کافی ہوں۔ ن والقلم میں اس کی تفصیل گذری ہے بعض نے المکذّبین کو منصوب واو بمعنی مع کے پڑھا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے مکذّبین کے ساتھ چھوڑ دو اور بعض نے واؤ عاطفہ بتائی ہے اب معنی یہ ہوا کہ مجھے میرے کام پر چھوڑ دو میں اسی طرح کروں گا جیسے حکمت کا تقاضا ہوگا اور مکذّبین کو ان کے حال پر چھوڑ دو جو تمہارے اور قرآن کے ساتھ کر رہے ہیں یہ صناعت فن نحو کے مطابق ہے لیکن پہلا معنیٰ زیادہ موزوں ہے اس لئے کہ نصب معیت کی دلالت پر بمنزلہ نص کے ہے جب فعل لازم ہو اور یہاں تو فعل متعدی ہے۔

أُولِي النَّعْمَةِ نعمت والوں (دولتمندوں) کو۔ ارباب تنعم یعنی صاحبان ناز و نعمت آسان۔ ان سے قریش کے بڑے مراد ہیں کیونکہ وہ صاحبان دولت و تنعم تھے بالخصوص بنو مغیرہ۔

حل لغات نعمت (بالفتح) النول بمعنی تنعم اور بالکسر انعام اور وہ شے جو کسی انعام کے طور دی جائے اور بالضم بمعنی سرور تنعم بمعنی وہ شے استعمال کرنا جیسے نرمی ہو نفاست ہو ماکولات و مشروبات و ملبوسات میں۔ تاج المصادر میں ہے ناز و نعمت سے زندگی بسر کرنا۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں اشارہ ہے کہ نفس نعمت و رزق مذموم نہیں بلکہ اسے ناز و نزاکت اور نفس پروری کے طور استعمال کرنا مذموم ہے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرۃ معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو فرمایا اے معاذ مال تنعم (نفس پروری کے لئے نعمتوں کے استعمال) سے بچنا۔ اس لئے

کہ بندگان خدا متنعم نہیں ہوتے۔

فائدہ اس میں فقرا کو تسلی ہے کہ وہ بہشت میں اغنیا سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے۔

تفسیر عالمانہ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا انہیں تھوڑی سی مہلت دو۔ مہلت دنیا اور بالکل معمولی یعنی انہیں قلیل میعاد تک مہلت دیجئے ان کی سزا کے لئے جلدی نہ کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں عذاب کرے گا یعنی آخرت میں کیونکہ دنیا کی عمر نہایت تھوڑی ہے اور ہر آنے والا وقت نہایت قریب ہے اس معنیٰ پر آنے والا مضمون دلالت کرتا ہے جس میں آخرت کے عذاب کا بیان ہے۔

فائدہ علامہ طبری نے کہا کہ اس کے اور واقعہ بدر کے درمیان نہایت تھوڑا وقفہ ہے اسی لئے بعض نے کہا کہ یہ آیت مدنیہ ہے۔

اِنَّ لَدَيْنَا بے شک ہمارے پاس آخرت میں۔ اور اس میں جو ہم نے بے فرمانوں کے لئے تیار کر رکھا ہے عذاب کے آلات و اسباب سے یہ تفسیر اس سے بہتر ہے جو بعض نے فرمایا کہ لدینا بمعنی فی علمنا ہمارے علم اور ہماری تقدیر میں کیونکہ یہ عاصیوں کے لئے تہدید کا مقام ہے اور آلات عذاب کا بالفعل موجود ہونا زیادہ مؤثر ہے اس سے کہا جائے کہ وہ آلات عاصیوں کے اعمال کی صورتیں قبیحہ ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاصرین نے وان اعمال سیئہ کا ارتکاب کیا جنکی آخرت میں مثالی صورتیں ان کے لئے عذاب کی صورت پیش آئیں گی۔

اَنْكَالًا بھاری بیڑیاں۔ جس سے مجرموں کے پاؤں باندھے جاتے ہیں تاکہ اہانت اور عذاب ہو نہ کہ اس کے بھاگ جانے کے خوف سے۔

حل لغات نکل بالکسر کی جمع ہے لوہے کی بھاری بیڑی اور یہ امر کی تعلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تعذیب بندگان کے اسباب ان گنت ہیں اور وہ انہیں عذاب دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ اور ان سے انتقام لے بھی سکتا ہے لیکن وہ دنیا میں عیش اڑالیں اور انہیں اس کی پرواہ تک نہیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ عزیز حکیم ہے وہ ایسے عیش و عشرت کے بدلہ لینے میں اس کے ہاں بہت سے عذاب دینے کے اسباب موجود ہیں۔ (آئیں گے تو انہیں پتہ چلے گا) اور اللہ تعالیٰ غالب کے ہاں آخرت میں وہ امور سخت ہیں وہ ان سے بدلہ لے گا۔ وَّجَحِيمًا اور بہت بڑی آگ یہ وہ جو دوسری بڑی آگوں سے سخت اور بڑی ہے کشاف میں ہے کہ جحیم وہ نار سخت جو گرمی اور جلانے میں سخت ہے۔

وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ اور گلے میں پھنسا کھانا وہ طعام جو گلے میں پھنس جائے اور ہڈی وغیرہ گلے سے نیچے نہ اُترے اور نہ ہضم ہو سکے یعنی نہ ہضم ہونے والا جو حلق کو پکڑ کر نہ نیچے جانے کا نہ نیچے اترنے کا جیسے

ضَرِیْعٌ (آگ کا کانٹا) اور زقوم (تھوہڑ کا درخت) یہ دونوں کے انگوریوں اور درختوں سے زہر قاتل اس حیوان کے لئے جو انہیں کھائے اس سے کراہت ہے تمام لوگوں کو۔ اس سے جہنم کے ضریع اور زقوم کا اندازہ لگایئے کہ وہ کیسے ہوئے اور یہ ہنئی اور مرئی (رچتا پچتا اور زود ہضم اور خوشگوار طعام کے بالمقابل ہے اور ہنیٔ و مریٔ دونوں طعام اہل جنت کو ملیں گے اور مجرم (کفار) ان طعام سے اس لئے مبتلا ہوں گے کہ وہ دنیا کی نعمتیں اڑائیں لیکن ان کی ناشکری کی۔

وَعَذَابًا اَلِیْمًا اور دردناک عذاب۔ یہ عذاب کی دیگر قسم ہے کہ اس کی کنہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا جیسے اس پر تنکیر دلالت کرتی ہے اور یہ سب ان کے لئے تیار اور ان کے انتظار میں ہے اس معنیٰ پر اس سے ان کا ہر قسم کا عذاب مراد ہے۔

نزول آیۃ ہذا پر سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال مبارک

تفسیر میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے ہوش ہوکر گرے۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ دن کو روزہ سے رہے شام کو افطار کا طعام لایا گیا آپ کے سامنے یہی آیت پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا طعام اٹھالو۔ دوسری شب کو اسی طرح طعام سامنے رکھا گیا اور آیت ہذا کسی نے پھر پڑھ دی تو فرمایا طعام اٹھالو۔ ایسے ہی تیسری شب کو اسی طرح طعام سامنے رکھا گیا اور کسی نے یہ آیت پڑھ دی تو فرمایا طعام لے جاؤ۔ حضرت ثابت بنانی اور یزید جبنی اور یحییٰ رضی اللہ عنہم کو آپ کا یہ حال اور رونے کی کیفیت سنائی گئی انہوں نے آکر آپ کو کھانا کھانے پر مجبور کیا تو ستو کے چند لقمے تناول فرمائے۔

تفسیر صوفیانہ

آخرت میں روحانی عذاب تین قسم ہوگا

① چاہت کی اشیاء کی جدائی کی جلن

② رسوا کرنے والی خجالت کی رسوائی

③ محبوبوں کے فوت ہونے کی حسرت

اس کے بعد جسمانی آگ میں جلنے کی نوبت پہنچے گی اس سے رسوائی و ذلت اور خجالت اور حیا کا تحیر اور سب سے بڑی رسوائی ہوگی جب مجرم کے عیوب کھل کر اس کے سامنے آئیں گے۔

تفسیر عالمانہ

یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ (جس دن تھرتھرائیں گے زمین اور پہاڑ) یہ اس استقرار کی ظرف ہے جو لدینا کا متعلق ہے۔

حل لغات

الرجفہ بمعنی شدید زلزلہ و زعزعہ (سخت ہلنا) یعنی زمین و پہاڑ اللہ کی ہیبت و جلال سے تھرتھرائیں گے تاکہ علامت ہو کہ قیامت آگئی اور معلوم ہو کہ اب اللہ کا حکم جاری ہونے والا ہے اور

بے فرمانوں کافروں کی گرفت کا وقت آگیا ہے ۔

سوال پہاڑ تو زمین کا حصہ ہیں جب الارض کا ذکر ہوا تو الجبال کو علیحدہ کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟

جواب چونکہ وہ بہت بڑے اجسام اور زمین کی میخیں ہیں جب وہ تھرتھرائیں گے تو زمین کو کب قرار رہ سکتا ہے علاوہ ازیں اونچی چیزوں کا تھرتھرانا نیچی چیزوں کے تھرتھرانے سے زیادہ ظاہر ہوتی ہیں انہی کے تھرتھرانے سے جان لبوں پر آجائے گی ان کے گرنے کے خوف سے ۔

وَكَانَتِ الْجِبَالُ اور سخت تھرتھرانے سے باوجودیکہ وہ سخت اور اونچے ہیں ہو جائیں گے پہاڑ كَثِيبًا ریت کا ٹیلہ ۔

حل لغات کثیب ریت کا ٹیلہ (قاموس) از کثب الشیٔ ۔ جمعہ ۔ اسے جمع کیا گویا وہ دراصل فعیل بمعنی مفعول ہے پھر بوجہ غلبہ جمع شدہ ریت پر اس کا استعمال ہوا یعنی ریت کا ٹیلا ۔

مَّهِيلًا (بہتا ہوا) یعنی وہ پہاڑ ریت کے ٹیلے کی طرح ہو جائیں گے ۔

حل لغات ھیل ھیلاً سے ہے بمعنی اس حیثیت سے انہیں نیچے سے ہلایا جائے تو اوپر سے بہنے لگیں گے دھنی ہوئی اون کی طرح ریزہ ریزہ ہو جانے کی وجہ سے ایسی ریت کہ جس پر پاؤں نہ جم سکیں اس اعتبار سے اس کے اجزا جدا جدا ہو کر بہیں گے یہ مجتمع ریت کے ٹیلے ہونے کے منافی نہیں اکیونکہ وہ اپنی صورت کے لحاظ سے ریت کی طرح ہوں گے اور پھر تھرتھراتے وقت ذرہ ذرہ ہو کر پانی کی طرح بہتے ہوئے نظر آئیں گے ، خلاصہ یہ کہ اس دن ہیبت سے سخت پہاڑ ریت کے ٹیلے بنکر تھرتھرائیں گے ۔

حل لغات مہیل ازھال یھیل دراصل مھیولاً تھا ۔ بیع از مباع کی طرح نہ فعیل از ھیل یھیل ۔

سوال صرف جبال کو ریت کے ٹیلہ سے تشبیہ کیوں ؟

جواب یہ انہی سے خاص ہے کیونکہ زمین اپنی جگہ ٹھہری ہوئی ہوگی تھرتھرانے کے بعد چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا ویسئلونک عن الجبال فقل ینسفھا ربی نسفا فیذرھا قاعًا صفصفالا تری فیھا عوجًا ولا امتا (اور تم سے پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں تم فرماؤ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کرکے اڑا دے گا تو اس کو پٹ پر سوار کر چھوڑے گا) ۔

خلاصہ یہ کہ زمین اور پہاڑ ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ یہ فرمایا وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدہ زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے پھر ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے ۔ پھر پہاڑ بہتے ہوئے ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے پھر انہیں ہوا اڑائیگی تو وہ اڑتی ہوئی غبار کی طرح نظر آئیں گے پھر زمین اپنی پہلی حالت پر آجائے گی زمین تانبے کی ہو جائیگی

جیسے تفصیل گذری ہے (پ ۲۹ رکوع آخری) ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس دن بشریت کی زمین اور انانیت کے پہاڑ تھر تھرائیں گے اور تمام انانیت کے پہاڑ ریت کے ٹیلے کی طرح ہو کر اڑتی غبار کی طرح ہو جائیں گے تعینات اعتباریہ موہومہ کو ریت سے تشبیہ اس کے سرعۃ زوال اور تتر بتر ہو جانے کی وجہ سے ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ بے شک ہم نے تمہاری طرف اے اہل مکہ (ربط) احوال آخرت سے ڈرانے کے لئے باب احوال دنیا سے ڈرانے میں شروع ہو رہے ہیں رَسُوْلًا (رسول) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ آپ کا انکی طرف رسول بنکر تشریف لانا دوسروں کی طرف رسول ہونے کے منافی نہیں اس لیے کہ مکہ معظمہ ام القریٰ ہے تو جو اس کی طرف رسول بن کر تشریف لائے ہیں تو گویا تمام اہل دنیا کے رسول ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بارہ میں نص فرمائی ہے وما ارسلنٰك الا كافة للناس اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ اہل وہم کے اوہام دفع ہو جائیں۔ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ کہ تم پر حاضر و ناظر ہیں۔ تم پر قیامت میں گواہی دیں گے اس کی جو تمہارے سے دنیا میں کفر و عصیاں صادر ہوا اسی طرح وہ تمہارے غیروں پر بھی گواہی دیں گے جیسے دوسری جگہ پہ فرمایا وجئنا بك علی هٰؤلاءِ شهيدًا اور تمہیں ہم لائیں گے ان سب پر گواہ۔

كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۔ جیسے ہم نے فرعونوں کی طرف رسول بھیجے۔ موسیٰ علیہ السلام اس لیے کہ ہارون علیہ السلام تو آپ کے معاون تھے اور تابع ہارون علیہ السلام کا عدم ذکر بوجہ عدم تشبیہ کے ہے۔ اور فرعون کی تخصیص اس لئے کہ یہ دنیا کے عیش اڑانے والوں کا سردار تھا بلکہ تجبر و سرکشی میں بے مثال۔ اس کے اور قریش کے درمیان یہی قدر مشترک اور حال کی مشابہت اور عادات میں گہری مناسبت۔ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ (تو فرعون نے رسول کا حکم نہ مانا یعنی حکم نہ مانا) اس فرعون نے جس کا تکبر اور دنیوی عیش کا حال معلوم ہے اس رسول کی جو اس کی طرف بھیجے گئے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور کاف محلاً منصوب ہے اس لئے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ دراصل اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ فَعَصَيْتُمُوْهُ بے شک ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا تو تم نے اس کی نافرمانی کی۔ جیسے اس معنی کی خبر دیتا ہے۔ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ ارسالا كائنا كما ارسلنا الى فرعون رسولا فعصاه یعنی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا اور ان پر ایمان نہ لایا

نکتہ فرعون و رسول کو مظہر کر کے اعادہ میں انتباہ ہے کہ فرعون بہت زیادہ نافرمان تھا اور وہ اس لئے کہ وہ رسالت کی بے فرمانی تھی نہ بایں حیثیت کہ وہ صرف موسیٰ (علیہ السلام) کے نافرمان تھے اور فرعون کی جماعت کے ترک میں بھی یہی نکتہ ہے کہ اس کا ہر فرد گویا فرعون تھا۔

فَاَخَذْنٰهُ تو اس کی نافرمانی کی وجہ سے ہم نے اسے پکڑا۔ اَخْذًا وَّبِيْلًا سخت گرفت
کہ جس کی عام طاقت کسی کو نہیں یعنی فرعون کو ہم نے پانی میں غرق کرکے آگ میں دھکیلا۔

حل لغات الوبیل بمعنی ثقیل و غلیظ۔ اسی لئے الوابل بمعنی بڑی بارش (موسلا دھار) اور یہ کلام تشبیہ سے خارج ہے اسے اس لئے لایا گیا کہ ان کفار مکہ کو وہی عذاب گھیرے گا جو انہیں گھیرا۔

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ پھر کیسے بچو گے۔ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ارسال پھر عصیان پر مرتب ظاہر یہ ہے کہ کمال سلسلہ سے مقدم ہو لیکن اسے مؤخر کرنے سے زیادہ تہویل رہولنا کی کا اظہار ہے یہ فَاَخَذْنٰهُ سے معلوم ہوا یعنی یہ بھی ان کی طرح ماخوذ ہوں گے بلکہ ان سے بھی سخت تر پھر جب اس کے بعد کہا گیا فکیف تتقون تو وہ اس تہویل میں زیادتی کا فائدہ پیدا ہو گیا گویا انہیں یوں کہا گیا ہے دنیا میں بے شک عیش اڑا لو لیکن یہ سمجھ لو تم فرعون کی طرح دنیا میں سخت گرفت سے نہیں پکڑے جاؤ گے تو پھر کیسے خود کو بچا سکو گے اگر وہ بچ گیا یعنی نہ وہ بچ سکا نہ تم بچ سکو گے۔

حل لغات تَتَّقُوْنَ از بمعنی وقیٰ ہے جو دو مفعولوں سے متعدی ہوتا ہے اس پر امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول دلالت کرتا ہے جو انہوں نے بیان کیا جیسا کہ لغت میں ہے کہ اتقاء بمعنی ڈرنا اور خود کو بچانا اور افتعل فعل کے معنی میں آتا ہے جیسے زمخشری نے المفصل (کتاب نحو) میں نفی کی ہے اگرچہ امثلہ عرب اس کی موافقت نہیں کرتیں اور نہ ہی وقیٰ واتقی جذب واجتذب وخطف واختطف کی طرح نہیں (تامل کر)۔

اِنْ كَفَرْتُمْ اگر کفر کرو۔ یعنی کفر پر باقی رہو يَوْمًا اس دن (کے عذاب سے) یہ مفعول ہے تتقون کا اور جائز ہے کہ ظرف ہو یعنی پھر تمہارے لئے کیسے ہوگا قیامت میں ایمان و توحید اگر تم نے دنیا میں کفر کیا تو ایمان کا تمہیں کوئی چارہ نہ ہوگا کیونکہ اس کا وقت نکل گیا۔ اس معنی پر بھی اتقی اپنے حال پر رہا۔ ایسے ہی لوٹا کفرتم کے سے منصوب ہو بمعنی جَحَدْتُمْ اب معنیٰ ہوگا پھر کیسے ڈرو گے اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے جب تم نے دنیا میں اللہ تعالیٰ اور آخرت کی جزا کا انکار کیا۔ يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ (جو بچوں کو کرے گا) اس دن کی شدت ہول اور اس کے اندر عذاب کے سخت مناظر سے یہ یومًا کی صفت ہے اور جعل کا اسناد یوم کی طرف اس کی شدت میں مبالغہ کی وجہ سے ہے ورنہ یوم میں کسی قسم کی تاثیر نہیں۔

حل لغات ولدان نوزائیدہ بچے ولید کی جمع ہے۔ نوزائیدہ بچے کو کہا جاتا ہے اگرچہ اس کا اطلاق عام ہے کہ جس کی نوزائیدگی کا عہد قریب ہو یا اس کے بعد۔ شِيْبًا بوڑھا یعنی نوزائیدہ بچوں کو بوڑھا بنانے کا اس کے بال سفید کرے گا۔

حل لغات: شِیْبًا اَشْیَبْ کی جمع ہے شَیْب بمعنیٰ بالوں کی سفیدی اس کا اصل یہ ہے کہ وہ بضم الشین حُمْر جمع احمر کی طرح لیکن ضمہ واؤ کا مقتضی ہے لیکن یا کے بچاؤ کے لئے اسے مکسر کیا گیا تاکہ فرق ہو درمیان سُود بیض جیسے اسماء میں۔

بچے بوڑھے کیسے: قیامت میں بچے بوڑھے کیسے ہوں گے اس کے چند وجوہ ہیں۔
① حقیقت پر محمول ہے جیسے اہل تفسیر کا مذہب ہے اس کی تائید کرتی ہے وہ حکایت جو کشاف میں ہے۔

حکایت: زمخشری کہتا ہے کہ بعض کتب میں میری نظر سے گذرا کہ ایک شخص کے شام کو کالے سیاہ بال تھے صبح کو اٹھا تو سر اور داڑھی کے بال سفید تھے (ثغامہ (بفتح الثاء المثلثہ و بالغین المعجمہ گھاس سفید) کہتا ہے مجھے خواب میں قیامت کا منظر دکھایا گیا میں نے دوزخ و بہشت دیکھی اور بعض لوگوں کو دیکھا کہ انہیں زنجیروں سے جکڑ کر دوزخ کی طرف لئے جا رہے ہیں ان کے ہولناک منظر کو دیکھا تو میرا یہی حال ہو گیا جسے تم دیکھ رہے ہو۔

حکایت: حضرت احمد دورقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک نوجوان ہمارا ہمسایہ فوت ہو گیا میں نے اس کو خواب میں بوڑھا دیکھا میں نے پوچھا یہ کیا کہا کہ ہمارے قبرستان میں بشرہ مُریسی (معتزلی) مدفون ہوا اس کو جب جہنم کی آگ نے جوش کیا تو قبرستان میں جتنے لوگ تھے سب کے بال سفید ہو گئے۔ (فصل الخطاب)

فائدہ: مُریسی مریس مصر میں ایک بستی ہے اس شخص نے فقہ تو حاصل کی امام ابو یوسف قاضی (تلمیذ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما)، لیکن بعد علم کلام میں لگ کر خلق القرآن کے مسئلہ میں بری طرح پھنسا نہ صرف خود بلکہ بعد میں بے شمار بندگان خدا کو گمراہ کیا[1]

سوال: درد اور ضرر بچوں کے لئے قیامت تو ناجائز ہے بلکہ وہ تو غیر مکلف اور دنیا میں گناہوں سے محفوظ و معصوم تھے بلکہ ہر خطرۂ گناہ سے پاک تھے؟

---

[1] یہ تو حال اس گمراہ کا ہے جو صرف قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ رکھتا تھا اس سے ان گمراہوں کا اندازہ لگانا آسان ہوگا جو رسول اکرم امام الانبیا حبیب کبریا شہ ہر دو سرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل (اہلبیت کرام) اور صحابہ عظام اور آپ کی امت کے اولیا و علمائے اہلسنت کے بے ادب اور گستاخ ہیں۔ اس کی تفصیل اور اس جیسے گستاخوں کے انجام برباد لوگوں کے حالات کے لئے فقیر کی درج ذیل تصانیف کا مطالعہ کیجئے:
(۱) گستاخوں کا برا انجام۔ (۲) جزاء الاعمال بمسخ الاشکال۔ (۳) بے ادب بے نصیب۔
مختصر مریسی بدقسمت کی مناسبت سے چند واقعات ملاحظہ ہوں۔
(بقیہ اگلے صفحہ پر)

جواب ① یہ ہیبت مقام کی وجہ سے ہوگا یہاں تک کہ اس وقت انبیأ علیہم السلام معصوم ہونے کے باوجود گھٹنے بل ہو جائیں گے تو پھر باقی کون ہیں اولیا کرام ہوں یا بوڑھے نوجوان اور بچے۔

حضرت علامہ تلمسانی فرماتے ہیں کہ شیخ نے بیان کیا کہ میں جامع حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ میں موجود تھا کہ ایک شور سنا۔ پتہ چلا کہ کسی نے ایک دشمن صحابہ کو مار ڈالا ہے اُس کے قاتل کو گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس لے گئے اُس قاتل کو سزا دی گئی اور دشمن صحابہ کی لاش کے متعلق حکم دیا کہ جاؤ اسے دفن کر دو۔ پس جب انہوں نے اس کے لئے قبر کھودی تو اس میں ایک بڑا سانپ ظاہر ہوا پھر انہوں نے دوسری جگہ قبر کھودی۔ وہاں بھی وہی سانپ ظاہر ہوا۔ غرضیکہ جہاں قبر کھودتے وہی سانپ نکل آتا۔ آخر انہوں نے تنگ آکر اُسی سانپ کے ساتھ اُسے دفن کر دیا (سعادۃ الدارین للنبهانی صـ۱۵۳)

حدیث شریف میں ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت حسن مرفوعًا روایت کرتے ہیں کہ جو شخص دنیا سے اس حال میں رخصت ہوا کہ وہ میرے یاروں کو گالی دیتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک ایسا جانور مسلط کرے گا جو اس کے گوشت کترے گا قیامت تک اُسی کے درد میں مبتلا رہے گا (اخرجہ ابن الدنیا طی الفراسخ صـ۲۳)

اُس کا خاتمہ خراب ہوا جس نے حضرت ابوبکر و عمر کو گالی دی ابن عساکر نے عبدالرحمٰن محاربی سے روایت کی کہ ایک شخص پر نزع طاری تھی اُسے کہا گیا کہ لا الٰہ اِلّا اللہ کہو۔ اُس نے کہا کہ میں اُن لوگوں کے ساتھ بیٹھتا تھا جو مجھے حضرت ابوبکر و عمر کو گالی دینا سکھلاتے اور پھر اُنکی سب بُرائی کراتے اس وجہ سے میں کلمہ نہیں کہہ سکتا۔ (طی الفراسخ صـ۱۰۲)

بغض شیخین گلے میں طوق بن جانا حضرت علامہ تلمسانی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مصباح الظلام میں علامہ ابو محمد عبد اللہ فقیہ حنبلی سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت مکہ شریف کو حج کے لئے روانہ ہوئی اثنا میں ایک آدمی تھا جو نوافل بہت پڑھتا تھا وہ راستے میں فوت ہو گیا۔ اُس کے دفن کے لئے کوئی کدال وغیرہ نہ تھا جس سے اُس کی قبر کھود کر دفن کریں انہوں نے جنگل میں گھومنا شروع کر دیا۔ ایک بڑھیا عورت کی جھونپڑی دیکھی۔ اس کی جھونپڑی میں لوہے کا ایک بڑا سا کدال پڑا ہے انہوں نے اُس سے طلب کیا۔ اس نے کہا کہ تم حلفیہ عہد کرو کہ ہم اُسے ضرور واپس کر دیں گے انہوں نے واپس کرنے کا حلف اٹھایا اور اُس سے کدال لے کر آ گئے۔ پس اس کدال سے قبر کھودی اور اُسے دفن کر دیا۔ جب فارغ ہوئے تو دیکھا کہ کدال غلطی سے قبر میں رہ گئی ہے اور اُس بڑھیا کا عہد بھی یاد آیا۔ کدال نکالنے کے لئے اُس کی قبر کو کھودا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ کدال اُس مردہ کی گردن میں طوق بنی ہوئی ہے اور ہاتھ بھی اُس میں بند ہیں۔ وہ حیران رہ

فائدہ آیۃ میں مبالغہ ہے وہ یہ کہ وہ یوم ایسا سخت ہے جو نوزائیدہ بچوں کو بوڑھا کر دے گا جبکہ وہ بڑھاپے کے زمانہ سے بہت دور ہیں بوجہ ولادت کے قرب عہد کے تو پھر ان کے علاوہ اس کیفیت کے اور زیادہ

حاشیہ گذشتہ پیوستہ

گئے انہوں نے اُسے ویسے ہی بند کر دیا اور اس واقعہ کو بڑھیا کے پاس جا کر بیان کیا۔ بڑھیا نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ پڑھا اور کہا کہ یہ کدال میرے پاس تھی۔ مجھے خواب میں رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس کدال کو محفوظ رکھنا یہ ایک ایسے شخص کی قبر میں طوق بنے گی جو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتا ہے (سعادۃ الدارین للنبھانی ص۱۵۲)

نوٹ: یہ حال ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یاروں کے گستاخوں کا کیا حال ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معمولی سی بے ادبی پر ملائکہ کرام جیسی معصوم شخصیات کی بھی سرزنش فرماتا ہے صرف دو حکایتیں ملاحظہ ہوں۔

فرشتہ گستاخی کی زد میں زہرۃ الریاض میں ہے کہ ایک دن جبریل علیہ السلام دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! میں نے آج ایک عجیب وغریب واقعہ دیکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا "وہ واقعہ کیا ہے؟"

جبریل علیہ السلام نے عرض کی "یارسول اللہ! مجھے کوہِ قاف جانے کا اتفاق ہوا وہاں مجھے آہ وفغاں رونے چلانے کی آوازیں سنائی دیں۔ جدھر سے آوازیں آرہی تھیں میں ادھر کو گیا تو مجھے ایک فرشتہ دکھائی دیا، جس کو میں نے اُس سے پہلے آسمان پر دیکھا تھا جو کہ اُس وقت بڑے اعزاز واکرام سے رہتا تھا وہ ایک نورانی تخت پر بیٹھا رہتا۔ ستر ہزار فرشتے اُس کے گرد صف بستہ کھڑے رہتے تھے وہ فرشتہ سانس لیتا تو اللہ تعالیٰ اُس سانس کے بدلے ایک فرشتہ پیدا کر دیتا تھا، لیکن آج میں نے اُسی فرشتہ کو کوہ قاف کی وادی میں سرگرداں پریشان آہ وزاری کنندہ دیکھا ہے۔ میں نے اُس سے پوچھا "کیا حال ہے؟ اور کیا ہوگیا؟"

اس نے بتایا "معراج کی رات جب میں اپنے نورانی تخت پر بیٹھا تھا میرے قریب سے اللہ تعالیٰ کے حبیب، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گذرے تو میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم وتکریم کی پرواہ نہ کی۔ اللہ تعالیٰ کو میری یہ ادا، یہ بڑائی پسند نہ آئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ذلیل کر کے نکال دیا اور اُس بلندی سے اس پستی میں پھینک دیا۔ پھر اُس نے کہا" اے جبریل! اللہ کے دربار میں میری سفارش کر دو کہ اللہ تعالیٰ میری اس غلطی کو معاف فرمائے۔ مجھے پھر بحال کر دے۔

یارسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کے دربارِ بے نیاز میں نہایت عاجزی کے ساتھ معافی کی درخواست کی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

(حاشیہ گذشتہ)

دربارِ الٰہی سے ارشاد ہوا " اے جبریل! اُس فرشتہ کو بتادو اگر وہ معافی چاہتا ہے تو میرے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر درُود پاک پڑھے"۔

یارسول اللہ! جب میں نے اُس فرشتہ کو فرمان الٰہی سنایا تو وہ سنتے ہی حضورؐ کی ذات گرامی پر درود پاک پڑھنے میں مشغول ہوگیا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے بال و پر نکلنا شروع ہوگئے اور پھر وہ اس ذلت و پستی سے اڑ کر آسمان کی بلندیوں پر جا پہنچا اور اپنی مسندِ اکرام پر براجمان ہوگیا"۔ (معارج النبوۃ ص ۳۱ ج ۱)

ایک دوسرے فرشتے کو سزا شبِ معراج سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو عجائبات دیکھے ان میں سے ایک یہ دیکھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فرشتہ کو دیکھا اس کے پَر جلے ہوئے تھے۔

یہ دیکھ کر فرمایا "اے جبریل! اس فرشتے کو کیا ہوا؟ عرض کی "یارسول اللہ! اس فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے ایک شہر تباہ کرنے کے لئے بھیجا تھا اس نے وہاں پہنچ کر ایک شیر خوار بچے کو دیکھا تو اسے رحم آگیا یہ اسی طرح واپس آگیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سزادی ہے"۔

یہ سُن کر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اے جبریل! کیا اس کی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کی"۔ قرآن پاک میں موجود ہے وانی لغفار لمن تاب یعنی جو توبہ کرے میں اُسے بخش دیتا ہوں"۔

یہ سُن کر سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دربارِ الٰہی میں عرض کی یا اللہ! اس پر رحمت فرما اس کی توبہ قبول فرما"۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اس کی توبہ یہ ہے کہ آپ پر دس بار درود پاک پڑھے آپ نے اُس فرشتے کو حکم سنایا تو اس نے دس بار درود پاک پڑھا اللہ تعالیٰ نے اُس کو پر بال عطا فرمائے وہ اوپر کو اُڑ گیا اور ملائکہ میں یہ شور برپا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے درود پاک کی برکت سے "کروبیین" پر رحم فرمایا ہے۔ (رونق المجالس ص ۱۱)

ہر کہ باشد عامل صلوٰۃ و سلام	آتش دوزخ شود بروے حرام
بر محمد می رسانم صد سلام	آں شفیع مجرماں یوم القیام

ترجمہ: جو ہمیشہ درود شریف کا عامل ہو۔ اس پر آتش دوزخ حرام ہے۔ میں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے شمار سلام بھیجتا ہوں وہ قیامت میں مجرموں کے شفیع ہیں۔

فائدہ درود شریف ایک ایسی محبوب عادت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے بے پناہ انعامات نصیب ہوتے ہیں۔ اس کے لئے کسی خاص صیغے کی کوئی تخصیص نہیں مثلاً اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم صلی اللہ علی وآلہ وسلم۔ الصلوۃ والسلام علیک یارسول

(باقی اگلے صفحہ پر)

لائق ہیں ایسے ہی قصہ سابقہ سے سمجھیئے کہ جو خواب میں عذاب کا منظر دیکھ کر بوڑھا ہوگیا پھر اس کا کیا حال ہوگا جو جاگتے ہوئے وہ منظر دیکھے گا کہ جس سے پہاڑ بھی پگھل جائیں گے۔

جواب ② یہ تمثیل پر محمول ہے یعنی اس یوم کی شدت ہول کو اس زمانہ سے تشبیہ دی گئی ہے جو نوجوانوں کو بوڑھا بنائے بوجہ کثرت ہموم و احوال (ہولناکیوں) کے کیونکہ ہموم روح کو قلب کے اندر نچوڑنے کا موجب ہیں اور روح نچوڑ جانا حرارت عزیزیہ کے انطفاء (بجھنا) اور اس کے ضعف کا سبب ہے اور حرارت عزیزیہ انطفاء اجزاء اغذائیہ کی بقا کو غیر نامۃ النضج (غذا کا نہ پکنا) بناتا ہے اور یہ بالوں کی سفیدی کا اور جلد بوڑھے ہو جانے کا سبب ہے یہی اللہ تعالیٰ عزیز کی تقدیر میں ہے جیسے قلب کا تغیر ظاہری بشرہ کے تغیر کا موجب ہے اسی لئے ڈر اور خوف سے رنگ زرد اور رسوائی سے رنگ سرخ اور بعض درد و آلام سے رنگ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ جو جسم پر بال ہیں وہ بدن کے تابع ہیں بدن کا تغیر بالوں کو متغیر کر دیتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ کثرت ہموم بڑھاپے کا موجب ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے کہ ؎

دھتنا امور تشیب الوجود
ویخذل فیھا الصدیق

ترجمہ: ہمیں ان امور نے گھیرا جو بچوں کو بوڑھا بناتے ہیں اور دن دوست دوست کو رسوا کرتا ہے۔

چونکہ بڑھاپے کا حصول کثرت ہموم کے لوازم سے ہے اسی لئے اسے شدۃ کنایہ کیا گیا جعل الولدان شیبا سے مراد یہ ہوئی کہ وہ نہایت سخت ہوگا۔

حدیث شریف مع الشرح قیامت میں (اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم علیہ السلام اس خطاب سے اس لئے مخصوص ہوں گے کہ آپ تمام کے اصل ہیں (آدم علیہ السلام عرض کریں گے لبیک وسعدیک (میں حاضر ہوں اور ہر بھلائی تیرے پاس ہے اللہ تعالیٰ) فرمائے گا اے آدم ابعث النار کو نکال) جو آگ کی طرف بھیجے جائیں گے اس کے اہل کو علیحدہ کر۔ (آدم علیہ السلام عرض کریں گے یا اللہ بعث النار کیا) اس کی تعداد کتنا ہے (اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ہزار سے نو سو ننانوے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (تو وہ گفتگو اس وقت ہے) جب بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور حاملہ حمل گرا لئے گی)۔

(باقی حاشیہ)

وعلی آلک واصحابک یا حبیب اللہ جنہوں نے صرف درود ابراہیمی کی تخصیص کی ہے وہ غلطی پر ہیں کیونکہ آیت صلوا علیہ وسلموا تسلیما صلوٰۃ وسلام ہر دونوں لفظوں کا ہونا ضروری ہے اور درود ابراہیمی میں صلوٰۃ تو ہے لیکن سلام نہیں۔

(تفصیل کے لئے فقیر کی کتاب فضائل درود شریف دیکھیئے)۔

فائدہ ابن الملک نے فرمایا کہ یہ بڑھاپا اور وضع حمل اپنے ظاہری معنی پر نہیں کیونکہ وہاں نہ حمل ہوگا اور نہ ہی چھوٹے بچے بلکہ اس سے قیامت کی احوال (ہولناکیاں) کی شدت مراد ہے یعنی اگر وہاں حاملہ اور چھوٹے بچے ہوں تو حاملہ کا حمل گر جائے اور بچہ بوڑھا ہو جائے۔ اس جواب پر نظر ہے۔ اس کا اشارہ جواب ثالث میں آتا ہے (اور دیکھو گے نشہ والوں کو) خوف سے (حالانکہ وہ نشہ والے نہ ہوں گے) شراب سے (لیکن عذاب سخت ہے)۔

جواب ③ یہ بالفرض والتقدیر پر محمول ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ دن ایسا ہے کہ اگر وہاں بچہ ہو تو اس کے سر کے بال سفید ہو جائیں۔ ہیبت و دہشت سے اور وجہ غیر موجہ ہے اگرچہ مذہب ایسے مفسرین کا ہے جسے بہت جلیل القدر سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ قیامت میں بالکل نہیں ہوں گے حالانکہ روایات سے ثابت ہے کہ جو بچے بچپن میں فوت ہوئے وہ بچے ہی قبروں سے اُٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے ایسے ہی روایتوں میں ہے کہ حاملہ عورتیں جو حمل میں فوت ہوئیں وہ حاملہ ہی مبعوث ہوں گی ہماری اس دلیل سے ثابت ہوا کہ میدان حشر میں حمل بھی ہوگا اور بچپن بھی ہاں جب بہشت میں داخل ہوں گے اس وقت سب کے سب تیس سالہ ہوں گے۔

جواب ④ اس دن کو ایسے صفت سے اس کا طول مراد ہو بطریق کنایہ یعنی وہ دن اتنا طویل المدۃ ہوگا کہ بچے بڑھاپے کی مدت پہنچ جائیں گے لیکن اس کے باوجود بھی وہ دن ختم ہونے کا نام نہ لے گا بلکہ بڑھتا ہی جائے گا۔ اس لئے کہ اس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے تو یہ اس کی طوالت مدت سے کنایہ ہے علی سبیل التمثیل نہ یہ کہ وہ تقدیر حقیقی ہے یعنی عرب کی عادت کے مطابق ہے کہ وہ طویل شے کو علی سبیل التمثیل ایسے ہی بیان کرتے ہیں جیسے اسے کبھی تابید اور عدم انقطاع سے تعبیر کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ **ماناحت حمامہ** (جب تک کبوتر آواز دیتا ہے) مالاح کوکب جب تک ستارہ چمکتا رہے (**ما تعاقب الایام والشھور**، جب تک ایام وشہور آتے جاتے رہیں (ان امثلہ میں تابید و عدم انقطاع مطلوب ہے تو آیت میں بھی یہی محاورہ ہے)۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں نفس اور اس کی خواہش کی طرف اشارہ ہے کیونکہ قیامت میں لوگ اپنے نفوس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے فانی سمجھیں گے وہ ایسی فنا جو ان کے اعمال سیئہ قبیحہ خبیثہ خسیسہ کو متاکر رکھ دے۔

تفسیر عالمانہ السَّمَآءُ (آسمان) مبتدا اس کی خبر مُنْفَطِرٌۢ بِہٖ (اس کے صدمہ سے پھٹ جائے گا) اس دن کی شدت سے آسمان پھٹ جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے تو جائز ہے کہ اس دن کی شدت آسمان کے پھٹنے کا سبب ہو۔

ہولناکی کے ذکر کی وجوہ اس دن کی ہولناکی کے ذکر کی دو وجہیں ہیں:
① یجعل الولدان شیباً ② السماء منفطر بہ

اس لئے کہ آسمان کی عظمت و قوت کے باوجود جب وہ اس دن کی شدت سے پھٹ جائے گا تو پھر باقی جملہ مخلوق کا کیا حال ہوگا اس معنی پر با سببیہ ہے اور یہی ظاہر ہے خبر کا مذکر لانا اس کے موصوف مذکر پر محمول کرنے سے ہے یعنی شیئ منفطر، اس طرح سے تعبیر کرنے میں تنبیہ ہے کہ آسمان کی حقیقت تبدیل ہوگی اور اس سے اس کا رسم و رسم مٹ جائے گا نہ رہے گا بس اتنا کہ اسے کوئی شے کہا جا سکے۔

فائدہ القاموس میں ہے کہ السماء معروف ہے وہ مذکر بھی ہے مؤنث بھی اور یہ بھی جائز ہے کہ با بمعنی فی ہو اسی طرف گئے ہیں حضرت مکی رحمہ اللہ نے قوت القلوب میں فرمایا کہ حروف عاملہ ایک دوسرے کی بجائے آتے ہیں اس کی مثال یہی آیۃ منفطر بہ دی اور فرمایا کہ ما بمعنی فی ہے یعنی فی ذلک الیوم (اسی دن میں) بعض نے کہا کہ باء آلہ و استعانۃ کی ہے جیسے فطرت العود بالقدوم میں نے کلہاڑا سے لکڑی کاٹی۔ اب منفطر بہ کا معنی یہ ہوا کہ آسمان اس دن کی شدت و ہول سے پھٹ جائے گا جیسے کسی شے کو اس کے کاٹنے کی چیز سے کاٹا اور چیرا جاتا ہے۔ بعض نے اس وجہ سے رد کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے شان کے لائق نہیں کہ وہ آلہ و استعانۃ سے کام لے اور نہ ہی آسمان کے لئے یہ محاورہ مناسب ہے۔

كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُولًا (اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہو کر رہنا ہے) یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اگرچہ اس کا ذکر پہلے نہیں لیکن چونکہ وہ ہر وقت ہر ایک کے علم میں ہے اس لئے لفظاً مذکور نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اور مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ اسی طرح ہو کر رہے گا جیسے اس نے اسے موصوف فرمایا شدائد سے لازماً اور متحققاً کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کبھی خلاف نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی عقلمند انہیں شک کر سکتا ہے یا ضمیر یوم کی طرف راجع ہے اور مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔

حل لغات الصحاح میں ہے کہ وعد و شر ہر دونوں میں مستعمل ہوتا ہے جب خیر و شر کا اعتبار ساقط کر دیا گیا تو پھر وعد وعدۃ خیر میں اور وعید و ایعاد شر میں مستعمل ہونے لگے۔

اِنَّ هٰذِهٖ یہ اشارہ ان آیات کی طرف ہے جنہیں زبردست وعیدیں مذکورہ سنائی گئیں اور وہ ان لدینا تا یہی آخری آیت جو ابھی مذکورہ تَذْكِرَةٌ بے شک یہ پند و نصیحت ہے اس کے لئے جو اپنے لئے خیر و بھلائی کا ارادہ رکھتا او اپنے رب تعالیٰ کی حاضری کے لئے مستعد (تیار) ہے۔ بعض نے قرآن مجید متقین کے لئے پند و نصیحت اور سالکین کے لئے راہ سلوک اور ہلاکت والوں کے لئے نجات اور راہ حق دیکھنے والوں کے لئے بیان اور متحیرین کے لئے شفا اور خوف والوں کے لئے امان اور مریدین کے لئے انس اور عارفین کے قلوب کے لئے نور اور جو رب العالمین کی طرف راہ چاہتا ہے اس کے لئے ہدایت ہے۔ فَمَنْ شَآءَ تو جو چاہے مکلفین میں سے اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا اپنے رب (تعالیٰ) کی طرف راہ لے۔ ایمان و طاعت سے اس کا قرب حاصل کرے کیونکہ یہی راہ اس کی رضا تک اور اس کے مقام قرب تک پہنچاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ رَبَّکَ یَعۡلَمُ اَنَّکَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ (بے شک تیرا رب جانتا ہے بیشک تم قیام کرتے ہو کبھی دو تہائی رات کے قریب) دو تہائی کم ادنیٰ کا اطلاق کم پر مجاز مرسل ہے از قبیل اطلاق الملزوم علی اللازم کیونکہ جب دو چیزوں کے درمیان کی مسافت جب قریب ہو جائے تو احیاز وعدد کے درمیان کا حصہ کم ہو جاتا ہے اور جب بعید ہو تو کثیر ہوتا ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ اللہ نے اوّل سورۃ ہذا میں قیام اللیل فرض فرمایا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے مکمل ایک سال مشقت کے ساتھ نبھایا یہاں تک کہ قدر واجب کا امتیاز مشکل ہو گیا اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ساری رات قیام میں گذارتے اس خوف سے کہ کہیں قدر کے خلاف نہ ہو جائے یہاں تک کہ قیام سے ان کے قدم سوج گئے اور رنگ زرد ہو گیا اللہ تعالیٰ اس سورۃ کے آخری حصہ میں روک دیا تو گویا قیام اللیل بمقدار مذکور کا حکم منسوخ ہو گیا لیکن تہجد کی فرضیت باقی رہی جتنا ادا کی جا سکے پھر پانچ نمازوں سے اس کی فرضیت بھی منسوخ ہو گئی جیسا کہ روایت میں ہے کہ پانچ نمازوں کے زائد نماز زیادتی ہے۔

وَنِصۡفَہٗ وَثُلُثَہٗ کبھی آدھی رات کبھی تہائی، منصوب ہے اس کا عطف ادنیٰ پر ہے اور ثلث تین اجزا کا ایک اس کی جمع اثلاث آتی ہے یعنی تم دو تہائی رات سے کم قیام کرو اور آدھی اور تہائی رات بھی۔ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَکَ اور ایک جماعت تمہارے ساتھ والی مرفوع ہے اس کا عطف تقوم کی ضمیر پر ہے اور اتنا فصل ان کے درمیان جائز ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اور آپ کے اصحاب میں ایک گروہ بھی آپ کے ساتھ قیام کرے اور من تنبیہ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قیام اللیل سب پر فرض نہ تھا خلاصہ یہ کہ قیام اللیل میں ایک گروہ آپ کی اتباع کرے اور وہ ہیں آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور اسمیں اللہ نے ان کے ساتھ احسان کا وعدہ فرمایا جیسے تم کسی کو وعدہ کرنے کے وقت کہو کہ میں خوب جانتا ہوں کہ جو تو نے میرے ساتھ کیا۔

فائدہ قوت القلوب میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل میں دوسروں کو شامل کیا اور شکر معاملہ وحسن جزا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ملایا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اسمیں اکثر اوقات رسول قلب کو ماسوی اللہ سے ہٹا کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور نفس سے اعراض مگر تھوڑے میں کی طرف اشارہ ہے اور یہ تھوڑا وقت بھی حجاب کے لئے حکمت کا تقاضا ہے۔ اس لئے کہ صوفیہ کرام نے فرمایا کہ اگر حجاب نہ ہو تو اللہ کا عرفان حاصل نہ ہوگا وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ الخ سے رسول قلب کے ساتھ دوسرے قویٰ روحانیہ واعضاء وجوارح مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ اور رات اور دن کو اندازہ فرماتا ہے وہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ان کا مقدر فرماتا ہے کہ اس کے سوا ان کی تقدیر اور کوئی نہیں جانتا اور انکی ساعات

کی مقدر اور اوقات صرف وہی جانتا ہے اور بس اسم جلیل یعنی اللہ مبتدا ہے اور اس پر
یقدر کی بنا قطعی طور اس کے ساتھ اختصاص کے لئے ہے۔ تقدیر بمعنیٰ اندازہ کرنا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ شب و روز اندازہ
کرتا اور ان کی ساعات کی مقدار جانتا ہے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا التقدیر بمعنیٰ شے کی کمیت بیان کرنا اور آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ
رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا اور ایک دوسرے میں داخل کرتا ہے یا اس کا یہ معنیٰ ہے
کہ کسی ایک کو ممکن نہیں کہ وہ دن اور رات کی ساعات معلوم کرسکے اور ان دونوں میں عبادت کا حق ادا کرسکے
وقت معلوم ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ساعات اللیل والنہار کے حقوق کے مطابق کی مقداریں صرف وہی اللہ تعالیٰ جانتا
ہے تم صرف سوچ اور اجتہاد سے جان سکتے ہو جس میں خطأ واقع ہوجاتی ہے اور اس کی اصابت (صحیح مقدار) میں بارہا
خطا واقع ہو چنانچہ تم بسا اوقات مذکورہ مقداروں میں بہت کم رات کا قیام کرتے تھے اسی لئے فرمایا عَلِمَ
اللہ کو معلوم ہے۔ (اَنْ شان ابات یہ ہے لَّنْ تُحْصُوْهُ) اسے ہرگز نہ شمار کرسکو گے، تقدیر اوقات کو ان
کے حقائق پر اور نہ ہی ہمیشہ منبط ساعات کرسکو گے۔ ضمیر مصدر مفہوم کی طرف راجع ہے جو یقدرُ میں ہے۔

حل لغات تاج المصادر میں ہے الاحصأ بمعنیٰ جاننا۔ گننا بر سبیل استقصأ اور کرسکنا، امام راغب رحمہ اللہ نے
فرمایا الاحصأ بمعنی شے کو گنتی سے حاصل کرنا۔

فائدہ مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم ہوا کہ کامل رات کو قیام کرو لیکن ہرگز پورا نہ کرسکو گے کیونکہ
حق واحد ہے اور باطل کثیر ہیں بلکہ حق بہ نسبت باطل کے ایسے ہے جیسے نقطہ کو دائرہ کے تمام اجزاء سے
نسبت ہے اور ایسے ہے جیسے تیر نشان کی طرف پھینکا ہوا لیکن صحیح نشان پر پہنچنا سخت مشکل ہے۔

فائدہ بعض اہل مذہب (معتزلہ وغیرہ) نے اسی سے تکلیف مالا یطاق کا استدلال اسی آیت سے کیا ہے
کیونکہ لَّنْ تُحْصُوْهُ (ہرگز شمار نہ کرسکو گے) حالانکہ تقدیر ساعات اور قم اللیل کا امر بھی فرمایا ہے۔
انکا قال قم اللیل، ممکن ہے اس کا جواب یہ ہو کہ اس سے اس کی ادائیگی مشکل کی طرف اشارہ ہے نہ یہ کہ وہ اسے کر ہی نہیں
سکتے جیسے کہا جاتا ہے لا اطیق (ان انظر الی فلان) میں اس کے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا یعنی اس کا دیکھنا میرے
لئے مشکل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ طبیعۃ کی لیل سے حقیقت کے نہار کی طرف سلوک اللہ تعالیٰ کی تقدیر
سے ہے نہ کہ سالک کی اپنی طاقت سے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اس سلوک کی مدت کا شمار
نہیں کرسکتے کہ اللہ تعالیٰ تک کس طرح ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنا محض اس کے فضل اور رحمت پر ہے نہ کہ تمہاری
سیر و سلوک سے اس لئے کہ بہت سے سالک راہ سے بھٹک کر واپس آگئے منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے

اسی لئے کہا جاتا ہے ضروری نہیں کہ جو اس راہ پہ چلے وہ پہنچ بھی جائے اور نہ ہی ضروری ہے کہ پہنچنے پر اسے ایصال بھی نصیب ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ متصل ہو لیکن صاحب فضل بھی ہو۔

تفسیر عالمانہ فَتَابَ عَلَيْكُمْ تو اپنی مہربانی سے۔ تم پر رجوع کی قیام مقدر کے ترک کی رخصت دے کر۔ توبہ کا مطلب ہے تائب سے مطالبہ اٹھا لینا پھر مشبہ بہ مشبہ میں مستعمل ہوا اسی سے مشتق ہوا فتاب یعنی پھر تمہیں رخصت دی تبعہ کا مطلب کسی پر مضرت (ضرر) کا مرتب ہونا فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ تو تم پر قرآن جتنا آسان ہو پڑھو۔ یعنی رات کو جتنا تمہیں آسانی سے نماز پڑھی جا سکے پڑھو اب اس کی کوئی مقدار مقدر نہیں کہ وہ تہائی رات ہو یا نصف یا دو تہائی وغیرہ اگرچہ بکری دوہنے کی دیر تک یہ کم از کم چار رکعات ہیں بلکہ کبھی دو رکعات بھی ہیں نماز کو قرأۃ سے تعبیر کرنا ایسے ہے جیسے اس کے دیگر ارکان سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ اطلاق الجزا علی الکل کے قبیل سے مجاز مرسل ہے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے اختیار مذکور سے تہجد واجب تھی لیکن رات کا قیام انہیں مشکل ہو گیا تو پھر اس آیت سے اس کا وجوب منسوخ ہوا پھر نفس وجوب بھی پانچ نمازوں سے منسوخ ہوا جو اس کے عموم سے سمجھا جاتا تھا جیسے گذرا۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ دن کی نفلی نماز سے رات کی نفلی نماز کو فضیلت ہے۔

مسئلہ وہ نفل جو پہلے فرض تھی پھر منسوخ ہو گئی وہ دیگر نفلی عبادت سے افضل ہے جیسے فقہائے نے فرمایا کہ یوم عاشورا کا روزہ دوسرے عام نفلی روزے سے افضل ہے اس لئے کہ رمضان کی فرضیت سے پہلے یہی فرض تھا۔

حدیث شریف میں ہے رات کو جتنا ہو سکے نفل پڑھو لیکن نیند کا غلبہ ہو تو سو جائے۔

مسئلہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیٹھ کر نیند کرنے کو مکروہ کہتے تھے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رات کا قیام (عبادت اور نوافل) لازم پکڑو کیونکہ یہ ان صالحین کا طریقہ ہے جو تمہارے سے پہلے گذرے ہیں اور یہ تمہارے رب کے ساتھ قربت اور گناہوں کا کفارہ اور گناہوں سے روکنے والا ہے۔

فائدہ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ تہجد (قیام اللیل) سابقہ انبیاء وامم پر فرض نہ تھی بلکہ صرف ان کے صالح ہونے کا شعار تھا۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کل جعظری جواظ سخاب بالا سواق کو مبغوض رکھتا ہے جو رات کو مردار کی طرح پڑا رہتا ہے دن کو گدھا بن کر

بن کر پھرتا ہے دنیا کے امور میں ہوشیار اور آخرت کے امور سے بے خبر ہے۔

شرح الحدیث الجعظری (سخت - بدخلق - تند مزاج) جواظ ہمچوں شداد - تکبر سے چلنے والا جدڈ - اکھڑ - بسیار خور (بہ) بتونی مال جمع کرنے روکنے والا، خشک مزاج، سخاب از سخب (محرکہ - بفتحتین سخت آواز شور کرنے والا) سخب ہمچو فرح فہو سخاب۔

مسئلہ قیام اللیل کا استحباب کم از کم رات کا چھٹا حصہ مسلسل ہونا چاہیئے یا کچھ حصہ بیدار رہ کر عبادت کرے پھر سو جائے پھر کھڑا ہو کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی رات ایسی نہ ہوتی جس میں قیام نہ فرمایا ہو اور کوئی رات ایسی نہیں جس میں آپ نے آرام نہ فرمایا ہو۔

مسئلہ رات کو جو ورد (عبادت کا طریقہ) کرے وہ شب بیداروں کے حکم میں داخل ہے اسے ان کے حصہ سے حصہ نصیب ہوگا۔

مسئلہ جو رات کے اکثر حصہ یا نصف میں بیدار رہتا ہو وہ تمام رات جاگنے والوں میں شمار ہوگا اور جو باقی حصہ نہیں جاگ سکا اس کے لئے صدقہ وخیرات کرے (قوت القلوب)۔

فائدہ بعض نے فرمایا آیت میں خود قرأۃ القرآن مراد ہے یعنی اس کا حقیقی معنیٰ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم پر قیام اللیل دشوار ہے تو تمہیں اس کے ترک کی اجازت ہے لیکن تلاوت قرآن تم سے جتنا آسانی سے ہو سکتی ہے تلاوت کرو ضروری نہیں کہ اسے نماز میں معین کر کے پڑھو کیونکہ رات کو تمہیں صرف تلاوت مشکل نہیں نماز کے بغیر رات کی تلاوت قیام اللیل کے قائم مقام ہوگی اس معنی پر یہ امر ندب کا ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو رات کو ایک سو آیات تلاوت کرتا ہے قیامت میں قرآن مجید اس پر محبت نہ کرے گا۔

مسئلہ امام طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لم یحاجہ القرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرأۃ القرآن انسان پر لازم اور واجب ہے اگر نہ پڑھے گا تو قرآن مجید اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھگڑا کرے گا اور حجت قائم کر کے اس پر غلبہ پالے گا۔

فائدہ اس معنی پر حجت لجاحۃ باری کا اسناد قرآن مجید کی طرف مجاز ہے نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رات کو ایک سو آیات کی تلاوت قرآن مجید کی حجت بازی سے نجات کے لئے کافی ہے اور رات کو کم از کم ایک سو آیات قرآن کی تلاوت واجب ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو رات کو سورۃ البقر کی دو آیتیں تلاوت کرتا ہے تو وہ اسے کفایت کریں گی۔

فائدہ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الخ مراد ہے اور کفایت سے مراد یہ ہے کہ اس کے لئے قیام اللیل کے قائم مقام ہوں یا ہر شر و برائی سے اس کی حفاظت کریں گی۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کیا تمہارا ایک عاجز ہے کہ وہ رات کو تہائی قرآن کا ورد کرلیا کرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ تہائی قرآن رات کو کون پڑھ سکتا ہے آپ نے فرمایا قل ھو اللہ احد الخ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

مسئلہ اس سے ثابت ہے کہ جو سورۃ اخلاص تین بار پڑھتا ہے اسے پورے ختم قرآن کا ثواب ملتا ہے۔

مسئلہ طویل تر آیت چھوٹی آیت سے افضل ہے اس لئے کہ طویل آیت میں حروف زیادہ ہیں۔ ہاں اگر جسمانی تکلیف سے چھوٹی آیات پڑھے تو اسے طویل آیات جتنا ثواب مل جائے گا بشرطیکہ ایک سو کی گنتی ہو (قوۃ القلوب)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جمع کرو اور اپنے قلوب صافیہ کی کدورات نفس اور اس کی خواہشات سے حفاظت کرو یعنی ان کدورات و خواہشات سے جو تمہارے قلوب پر فیض کرتے ہیں تمہارے میں حقائق و عوارف و معارف کی استعدادات ہیں اور ان کا افشائے کرو یعنی غیروں کو نہ بتاؤ کیونکہ وہ تم پر انکار کریں گے بلکہ اپنی نااہلی کی وجہ سے تمہیں کافر و زندیق و ملحد اور اتحادی کہیں گے اسلئے یہ حقائق و دقائق مکنونات (مخفی اسرار و رموز) الٰہیہ سے ہیں۔

تفسیر عالمانہ عَلِمَ اَنْ اسے معلوم ہے۔ شان ربات، یہ ہے کہ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی تم میں سے بیمار ہوں گے جملہ مستالفہ دوسری حکمت کو بیان کرنے والا اور ترخیص (رخصت) و تخفیف کا سبب بتانے والا ہے۔

حل لغات مرضٰی مریض کی جمع ہے المرض بمعنی انسان کا اعتدال خاص سے خارج ہونا۔

تفسیر صوفیانہ اسمیں مریض قلوب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ انانیت اور حب دنیا و شہوات میں مشغول ہیں ان پر قرآن کے اسرار و حقائق کی کوئی شئے ظاہر نہ ہوگی۔ چنانچہ شیخ سنائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

(۱) عجب بنوہ گر از قرآن نصیبت نیست جز حرفے
کہ از خورشید جز گرمی نیابد چشم نابینا

(۲) عروس حضرت قرآن نقاب آنگہ براندازد
کہ دار الملک ایمانرا مجرد یابد از غوغا

ترجمہ (۱) تعجب نہیں کہ اگر تجھے سوائے حروف قرآن مجید سے کچھ نصیب نہ ہو، جیسے نابینا کی آنکھ سورج کی گرمی کے سوا اسے کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

② عروس قرآن کی بارگاہ اس وقت پردہ اُٹھائے گی جب ایمان کا دار الخلافہ عوغا سے خالی ہو۔

تفسیر عالمانہ وَاٰخَرُوْنَ (اور کچھ لوگ) اس کا مرض پر عطف ہے یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ (زمین کا سفر کریں گے) یہ آخرون کی صفت ہے یعنی زمین میں تجارت کے لئے سفر کریں گے۔

حل لغات ضرب فی الارض بمعنی رزق کی طلب کے لئے زمین میں سفر کیا۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الضرب فی الارض زمین میں پیدل سفر کرنا۔ یَبْتَغُوْنَ تلاش کرنے مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ اللہ کا فضل منافع۔ جو پہلے بالالتزام معلوم ہوا اسمیں اس کی تصریح ہے اور بیان ہے کہ جو منافع حاصل کرتے ہیں وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ یبتغون یَضْرِبُوْنَ سے محلاً (منصوب) حال ہے۔

مسئلہ ابتغاءَ الفضل عام ہے کہ اس میں علم کی تلاش بھی داخل ہے بلکہ یہ تمام مکاسب سے افضل ہے۔

فائدہ اسمیں یہ بھی ہے کہ ان میں معلم الخیر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں موجود تھے بوقت نزول آیت تو پھر وہ اس کی تلاش کے لئے کہاں جاتے ہاں اگر اسے سورۃ کا آخری حصہ مدینہ مانا جائے تو پھر تحصیل العلم کے لئے آیت میں عموم کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ حضرات مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت تحصیل العلم کے لئے کرتے تھے۔

فائدہ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ خطاب خاص کے اعتبار سے ہے اگر اہل قرآن ثانی کے لحاظ سے تو پھر لقاءَ الحکم انہیں حرج میں واقع کرتا ہے۔

درس و تدریس کی فضیلت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجلس علم کی حاضری ہزار رکعت پڑھنے اور ہزار جنازے کی شمولیت اور ہزار مریض کی عیادت سے افضل ہے عرض کی گئی کیا قرأۃ القرآن سے بھی۔ فرمایا تو کیا قرأۃ القرآن علم کے بغیر کوئی فائدہ دے سکتی ہے (یعنی تلاوت قرآن سے بھی گویا حضور مجلس علم افضل ہے)۔

وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دشمنوں سے لڑتے ہوں گے اس کا عطف بھی مرضیٰ پر ہے اور یقاتلون آخرین کی صفت ہے اور سبیل اللہ وہ عمل جو اللہ تعالیٰ تک پہنچائے جیسے جہاد

فائدہ اس میں تنبیہ ہے کہ انہیں عنقریب کفار سے لڑنے کی اجازت ملے گی۔

مسئلہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ اور مال حلال کی کمائی جو خود اور اپنے اہل وعیال پر اور ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرے گا کا مرتبہ برابر بتایا ہے اس لئے کہ ان دونوں کا یکجا بیان فرمایا ثابت ہوا کہ حلال تجارت جہاد کے برابر ہے۔

② عروس قرآن کی بارگاہ اس وقت پردہ اٹھائے گی جب ایمان کا دار الخلافہ عوغا سے خالی ہو۔

تفسیر عالمانہ وَاٰخَرُوْنَ (اور کچھ لوگ) اس کا مرضیٰ پر عطف ہے یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ (زمین کا سفر کریں گے) یہ آخرون کی صفت ہے یعنی زمین میں تجارت کے لئے سفر کریں گے۔

حل لغات ضرب فی الارض بمعنی رزق کی طلب کے لئے زمین میں سفر کیا۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الضرب فی الارض زمین میں پیدل سفر کرنا۔ یَبْتَغُوْنَ تلاش کرنے مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ اللہ کا فضل منافع۔ جو پہلے بالالتزام معلوم ہوا اسمیں اس کی تصریح ہے اور بیان ہے کہ جو منافع حاصل کرتے ہیں وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ یبتغون یَضْرِبُوْنَ سے محلاً (منصوب) حال ہے۔

مسئلہ ابتغاء الفضل عام ہے کہ اس میں علم کی تلاش بھی داخل ہے بلکہ یہ تمام مکاسب سے افضل ہے۔

فائدہ اسمیں یہ بھی ہے کہ ان میں معلم الخیر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں موجود تھے بہ وقت نزول آیت تو پھر وہ اس کی تلاش کے لئے کہاں جاتے ہاں اگر اسے سورۃ کا آخری حصہ مدینہ مانا جائے تو پھر تحصیل العلم کے لئے آیت میں عموم کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ حضرات مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت تحصیل العلم کے لئے کرتے تھے۔

فائدہ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ خطاب خاص کے اعتبار سے ہے اگر اہل قرآن ثانی کے لحاظ سے تو پھر لقاء الحکم انہیں حرج میں واقع کرتا ہے۔

درس و تدریس کی فضیلت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجلس علم کی حاضری ہزار رکعت پڑھنے اور ہزار جنازے کی شمولیت اور ہزار مریض کی عیادت سے افضل ہے عرض کی گئی کیا قراۃ القرآن سے بھی۔ فرمایا تو کیا قراۃ القرآن علم کے بغیر کوئی فائدہ دے سکتی ہے (یعنی تلاوت قرآن سے بھی گویا حضور مجلس علم افضل ہے)۔

وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دشمنوں سے لڑتے ہوں گے اس کا عطف بھی مرضیٰ پر ہے اور یقاتلون آخرین کی صفت ہے اور سبیل اللہ وہ عمل جو اللہ تعالیٰ تک پہنچائے جیسے جہاد

فائدہ اسمیں تنبیہ ہے کہ انہیں عنقریب کفار سے لڑنے کی اجازت ملے گی۔

مسئلہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ اور مال حلال کی کمائی جو خود اور اپنے اہل وعیال پر اور ضرورتمندوں کی ضرورت پوری کرے گا کا مرتبہ برابر بتایا ہے اس لئے کہ ان دونوں کا یکجا بیان فرمایا ہے ثابت ہوا کہ حلال تجارت جہاد کے برابر ہے۔

فائدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مسلمانوں کے شہر میں کوئی سامان لیجا کر بیچے اور اس سفر کی تکلیف پر صبر کرے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا ارادہ ہو اور وہ سامان تجارت صحیح نرخ پر بیچے تو اس کا مرتبہ اللہ کے ہاں شہدا جیسا ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ جتنا میسر ہو پڑھو یعنی اگر دیسا ہو جیسے مذکور ہوا اور رخصت کے اسباب قوی ہوں تو جتنا آسانی سے قرآن پڑھ سکو پڑھو اسمیں مشقت اور تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

سوال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر قیام اللیل (رات کو اٹھ کر) کیسے بھاری محسوس ہوا حالانکہ یہ تو بعض تابعین کے لئے نہایت آسان تھا چنانچہ بہت سے تابعین کے متعلق منقول ہے کہ تمام شب قیام (عبادت) میں گذارتے جیسے امام ابوحنیفہ وسعید بن المسیب وفضیل بن فیاض وابوسلیمان دارانی ومالک بن دینار وعلی بن بکار اویس قرنی (رضی اللہ عنہم وغیرہم)۔

حکایت حضرت علی بن بکار شامی (رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چالیس سال تک مجھے سوائے طلوع فجر کے کسی شے نے غمگین نہیں کیا۔ کسی نے کہا آپ کو تھکان وغیرہ نہیں ہوتی تھی فرمایا قدر مفروض کی فکر سے محافظت کے خطرہ کے سوا اور کوئی شے بوجھ نہیں بنی جیسے گذرا۔

جواب صحابہ کرام کے لئے بھی یہ امر بعید نہ تھا اس لئے کہ بوجھ انہیں تعذر سے پہلے محسوس ہوتا تھا ورنہ بعد کو تو ان کے لئے بھی یہ امر ثقیل نہ تھا چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں منقول کہ وہ صرف ایک رکعت میں پورا ختم قرآن مجید کرتے تھے جیسے حضرت عثمان وتمیم داری رضی اللہ عنہما۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور فرض نماز ادا کرو وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ واجب ادا کرو بعض نے کہا اس سے زکوٰۃ الفطر مراد ہے کیونکہ مکہ معظمہ میں زکوٰۃ وغیرہ فرض نہیں ہوئی تھی یہ بعد کو (مدینہ طیبہ) میں واجب ہوئی اور جس نے اس سے زکوٰۃ فرض مراد لی ہے اس سے سورۃ کے آخری حصہ کو مدنیہ کہا ہے اور اس میں شامل کیا ہے جو نزول سے پہلے ہیں لیکن حکم بعد کو ہوا (غیبی خبر) یہی آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پورا فرمائے گا کہ ان کا دین غالب اور قائم ہوگا یہاں تک کہ زکوٰۃ فرض ہو کر ادا کی جائے۔ اگویا نزول سے پہلے یہ غیبی خبر حضور علیہ السلام کو دیگئی اسے علم ما فی البعد کہا جاتا ہے وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو۔

حل لغات القرض ایک قسم کا کاٹنا اور انسان کا کسی دوسرے کو کچھ مال دینا اس شرط پر کہ وہ اتنا اسے واپس کرے اسے قرض کہتے ہیں اس لئے کہ مقروض کا مال کاٹا جائے گا۔

مسئلہ اس سے غیر فرضی فی سبیل الخیرات کے اخراجات (خرچ) مراد ہیں کیونکہ وہ بھی قرض کی طرح ہیں کہ

ان کی ادائیگی میں کوئی خلاف نہیں۔

فائدہ اس میں نفلی صدقات کی ترغیب ہے۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ فرض کے علاوہ مال میں احسن وجہ کا حق ہے یعنی اطیب اور فقراء کے لئے نفع کے لحاظ سے اکثر مال اچھی نیت سے اور قلب کی صفائی سے صالحین میں سے زیادہ محتاج پر خرچ کرنا۔

فائدہ اس کی تفسیر یہ وجہ اس لئے ہے کہ وہ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ محض مال دینے کا حکم ہے جس وجہ سے ہو اور اَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا میں یہ بات نہیں بلکہ امر مقید ہے کہ وہ حسن بھی ہو۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرنے کا قرض نام رکھنا استعارہ ہے اقراض سے تشبیہ دے کر کیونکہ یہ خرچ کردہ مال اس کی طرف لوٹے گا مع زیادتی کے۔

مسئلہ بعض نے کہا اقرضو اللہ الخ سے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اور اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرنا مراد ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نیز اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا

حدیث شریف میں ہے کہ جو خود پر اور اپنے گھر والوں پر خرچ کرتا ہے وہ اس کے لئے صدقہ ہے یعنی حسن نیت سے اس کا اسے اجر نصیب ہوگا۔

امام غزالی رحمہ اللہ کی ایک تقریر یہاں یہ ایک باریکی ہے وہ مروی ہے حضرت امام غزالی رحمہ اللہ (تعالیٰ) سے فرماتے ہیں قاضی باقلانی رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ اس انسان کا غرض سے بالکلیہ بیزاری کا دعویٰ کفر ہے کیونکہ تنزہ صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اس میں اشراک (دوسرے کو شریک کرنا) کا تصوّر نہیں ہو سکتا۔

سوال صوفیا کرام کہتے ہیں کہ بندہ عمل سے ایک اعلیٰ درجہ تک پہنچ جاتا ہے جب وہ عمل کسی غرض سے نہ کرے بلکہ اس عمل سے اس کی غرض صرف رضائے الٰہی اور اس کے حکم کی تعمیل ہو (اس قول میں غرض کا اثبات ہے تم غرض کی نفی کر رہے ہو۔

جواب صوفیائے کرام کی غرض سے مراد (غرض خفی ہے اور ہماری مراد غرض جلی ہے اور غرض خفی غفلت سے ہوتی ہے یعنی عبادت رضائے الٰہی وامر ربانی کی تعمیل کے تصوّر سے غفلت نہ ہو لیکن یہ مراد بلند قدر ہے (کسی قسمت والے کے نصیب)۔

فائدہ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ یہ اعتراض عام اہل ارادہ پر وارد ہوتا ہے رہے اہل فنا از ارادہ وہ تو منتہی اور کامل ترین ہوتے ہیں ان کی تو غرض ہوتی ہی نہیں ان کا معاملہ تو عجیب و

غریب ہوتا ہے انہیں تو وہی جانتے ہیں جو ان جیسے اہل فنا اور کامل ترین (یا جو ان کے ہمراز ہوتے ہیں) یا جنہیں اللہ تعالیٰ ان کے احوال سے آگاہی بخشے۔ وَمَا دشرطیہ ہے۔ تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ (اپنے لئے جو بھلائی آگے بھیجو گے) وہ بھلائی جو مذکور ہوئی۔ یا جس کا ذکر نہیں ہوا۔ تَجِدُوْهُ (اسے پاؤ گے) شرط کا جواب ہے اسی لئے مجزوم ہے۔ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ط اللہ کے پاس اور بڑا ثواب) اس سے جو پیچھے فوت کے وقت وصیت کرکے چھوڑ آئے ہو۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا ثواب متاع دنیا سے بہتر پاؤ گے اور بڑا اَجْرًا کیونکہ اللہ اپنے بندے کو اجر بے حساب عطا فرماتا ہے۔ خَيْرًا تجدو کا دوسرا مفعول ہے اور یہ تجدوا کے مفعول کی تاکید ہے اس کے اور مفعول ثانی کے درمیان فاصلہ ہے (کوئی حرج نہیں) اگرچہ دو معرفتوں کے درمیان نہیں کیونکہ افعل کا صیغہ بھی معرفہ کے حکم میں ہے اسی لئے اس پر لام تعریف کا ممتنع ہے۔ اعظم کا اجر لوٹے دنیوی ہو یا اخروی۔

قاعدہ بعض نحویوں نے کہا کہ وجد جب بمعنی صادف ہو تو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے یہاں وہی ہے علم کے معنیٰ میں نہیں اس معنیٰ پر بعید نہیں خیرًا ضمیر سے حال ہے۔

حدیث شریف[1] میں ہے جان لو کہ وہ عمل جو کوئی عمل اپنے لئے آگے بھیجے تو وہ اس سے نادم ہوتا ہے جو پیچھے چھوڑ آئے۔

حدیث شریف[2] جب انسان مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کیا چھوڑا لیکن فرشتے کہتے ہیں کیا آگے بھیجا۔

حکایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن (جنتہ) البقیع الغرقد سے گذرے یعنی قبرستان سے جو مدینہ طیبہ میں ہے اسے بقیع الغرقد اس لئے کہتے ہیں کہ اس وقت یہاں غرقد بہت تھے (غرقد) مین مجمہ درخت) تو فرمایا اے اہل قبور السلام علیکم ہمارے ہاں تو یہ خبریں ہیں کہ تمہاری عورتیں بیاہی گئیں اور تمہارے مکانات میں لوگ سکونت پذیر ہوگئے اور تمہارے مال تقسیم ہوگئے آپ کو ہاتف غیبی نے جواب دیا اے عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) ہماری خبریں یہ ہیں کہ جو ہم نے مقدم کیا اسے ہم نے پایا اور جو ہم نے خرچ کیا اس کا ہم نے نفع پایا اور جو ہم نے چھوڑا اس میں خسارہ پایا۔

قدم لنفسك قبل موتك صالحًا

واعمل فليس الى الخلود سبيل

ترجمہ: موت سے پہلے اپنے لئے نیکی بھیج اور نیک عمل کر کیونکہ یہاں ہمیشہ نہیں رہنا۔

حکایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حیس (طعام) تیار فرمایا جسیں کھجور کا دودھ بھی ملایا۔ اس کے بعد ایک مسکین آیا تو آپ نے وہ اسے دیدیا کسی نے کہا آپ کو کیا معلوم کہ یہ مسکین بھی ہے یا نہ۔ آپ نے فرمایا رب المسکین تو جانتا ہے گویا آپ نے وَمَا تقدموا الخ پر عمل فرمایا۔

تو نیکی کن بآب انداز اے شاہ
اگر ماہی نداند داند اللہ

ترجمہ: اے بادشاہ نیکی کر اور دریا میں ڈال اگر اسے مچھلی نہ جانے اللہ تعالیٰ تو جانتا ہے۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو، تمام اوقات و احوال میں اپنے لئے گناہوں کی مغفرت کا اللہ سے سوال کرو کیونکہ انسان بہت کم خطا سے خالی ہوتا ہے۔ سلف صالحین رحمہم اللہ طلوع فجر تک نوافل پڑھ کر صبح تک استغفار کرتے رہتے ہیں۔

مسئلہ استغفار کے وہی کلمات مستحب ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے مثلاً کہے استغفروا اللہ ان اللہ غفور رحیم ٥ میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں بے شک وہ بہت بخشنے والا رحم والا ہے اور استغفرو اللہ انہ کان غفارًا میں اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہوں بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے اور واغفرلنا وارحمنا وانت خیر الغافرین اور ہمیں بخش اور ہم پر رحم فرما تو تمام بخشنے والوں سے بہتر بخشنے والا ہے)۔

ان اللہ غفور بے شک اللہ بخشنے والا ہے شرک کے سوا تمام گناہ بخشتا ہے۔

رحیم (رحم والا ہے) برائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کر دیتا ہے۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ غفور ہے کہ جہل اور کوتاہی والوں کے عیوب چھپاتا ہے رحیم ہے اہل جہل و توقیر سے تخفیف فرماتا ہے اور جسے معلوم ہو کہ غفور وہ ہے جس کے آگے کوئی گناہ بڑا ہے اور وہ استغفار سے بڑھ کر معاف فرماتا ہے الاستغفار بمعنی طلب المغفرۃ اگر وہ انکسار سے ہو تو صحیح ہے اگر توبہ سے ہو تو کامل ہے اگر ان دونوں سے خالی ہے تو باطل ہے۔

تسہیل سکرات کا نسخہ جو استغفار لکھ کر سکرات کی تنگی والے کو پلائے تو اس کی زبان کھل جائے گی اور اس پر موت بھی آسان ہو گی اسے بارہا آزمایا گیا ہے۔

سید الاستغفار سید الاستغفار یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ انت ربی لا الٰہ الا انت ترجمہ: اے اللہ تو میرا پروردگار ہے تو نے مجھے پیدا کیا

خلقتنی وانا عبدک وانا علی عہدک ووعدک ما استطعت اعوذ بک من شر ما صنعت ابوء لک بنعمتک علیّ وابوء بذنبی فاغفرلی انہ لا یغفر الذنوب الا انت

میں تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد و وعد پر ہوں جتنا میری استطاعت ہے میں پناہ مانگتا ہوں اس شر سے جو میں نے کیا تیری اسی نعمت سے جو مجھ پر ہے اس کے ساتھ تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور اپنے گناہوں سے رجوع کرتا ہوں مجھے بخش دے گناہوں کو تیرے سوا کوئی نہیں بخشتا۔

فراغت صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ:

اللہ کی مدد سے سورۃ المزمل کی تفسیر بدھ کے دن ۲۲ ذیقعد ۱۱۱۶ھ کو ختم ہوئی۔اُویسی غفرلہٗ نے سورۃ مزمل کی تفسیر کے ترجمہ سے شب جمعہ آٹھ بجے ۲۰ جمادی الاوّل ۱۴۰۹ھ ۲۹ دسمبر ۱۹۸۸ء کو فراغت پائی۔

الحمد للہ علی ذلک صلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم (بہاولپور پاکستان)

سُورَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ ‏ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ‏ اٰيَاتُهَا ۵۶ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۂ مدثر مکیہ ہے اس میں ‏ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ‏ چھپن آیتیں اور دو رکوع ہیں

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴ وَالرُّجْزَ

اے بالاپوش اوڑھنے والے کھڑے ہو جاؤ پھر ڈر سناؤ اور اپنے رب ہی کی بڑائی بولو اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور بتوں سے

فَاهْجُرْ ۝۵ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝۶ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝۷ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ۝۸

دور رہو اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو اور اپنے رب کے لیے صبر کیے رہو پھر جب صور پھونکا جائے گا

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۝۹ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ۝۱۰ ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ

تو وہ دن کرا دن ہے ‏ کافروں پر آسان نہیں ‏ اسے مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا

وَحِيْدًا ۝۱۱ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝۱۲ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝۱۳ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ

پیدا کیا اور اسے وسیع مال دیا اور بیٹے دیے سامنے حاضر رہتے اور میں نے اس کے لیے

تَمْهِيْدًا ۝۱۴ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝۱۵ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝۱۶ سَاُرْهِقُهٗ

طرح طرح کی تیاریاں کیں پھر یہ طمع کرتا ہے کہ میں اور زیادہ دوں ہرگز نہیں وہ تو میری آیتوں سے عناد رکھتا ہے قریب ہے کہ میں اسے آگ

صَعُوْدًا ۝۱۷ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝۱۸ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝۱۹ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝۲۰

کے پہاڑ صعود پر چڑھاؤں بیشک وہ سوچا اور دل میں کچھ بات ٹھہرائی تو اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی پھر اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی پھر نظر

ثُمَّ نَظَرَ ۝۲۱ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝۲۲ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝۲۳ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ

اٹھا کر دیکھا پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑا پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا پھر بولا یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا یہ

يُّؤْثَرُ ۝۲۴ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝۲۵ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝۲۶ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝۲۷

کوئی دم جاتا ہے ‏ یہ نہیں مگر آدمی کا کلام ‏ کہ میں اسے دوزخ میں دھنساتا ہوں اور تم نے کیا جانا

لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝۲۸ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝۲۹ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝۳۰ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ

دوزخ کیا ہے نہ چھوڑے نہ لگی رکھے آدمی کی کھال اتار لیتی ہے اس پر انیس داروغہ ہیں اور ہم نے دوزخ کے داروغہ نہ کیے

النَّارِ اِلَّا مَلٰۗىِٕكَةً ۠ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ

مگر فرشتے اور ہم نے ان کی یہ گنتی نہ رکھی مگر کافروں کی جانچ کو اس لیے کہ کتاب والوں کو

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ

یقین آئے اور ایمان والوں کا ایمان بڑھے اور کتاب والوں

اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ

اور مسلمانوں کو کوئی شک نہ رہے اور دل کے روگی اور

الْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ

کافر کہیں اس اچنبے کی بات میں اللہ کا کیا مطلب ہے یوں ہی اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا

اور ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور وہ تو نہیں

ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿٣١﴾ كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿٣٤﴾

مگر آدمی کے لیے نصیحت ہاں ہاں چاند کی قسم اور رات کی جب پیٹھ پھیرے اور صبح کی جب اجالا ڈالے

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَنْ شَاۗءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ

بے شک دوزخ بہت بڑی چیزوں میں کی ایک ہے آدمیوں کو ڈراؤ اسے جو تم میں چاہے کہ آگے آئے یا

اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿٣٨﴾ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿٣٩﴾

پیچھے رہے ہر جان اپنی کرنی میں گروی ہے مگر دہنی طرف والے

فِيْ جَنّٰتٍ ڜ يَتَسَاۗءَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿٤٢﴾

باغوں میں پوچھتے ہیں مجرموں سے تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَ

وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے اور

كُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَاۗىِٕضِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾ حَتّٰٓى اَتٰىنَا

بیہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ فکریں کرتے تھے اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے یہاں تک کہ ہمیں

الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ

موت آئی تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی تو انہیں کیا ہوا نصیحت سے منہ پھیرتے

مُعْرِضِيْنَ ﴿٤٩﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ

ہیں گویا وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہوں کہ شیر سے بھاگے ہوں بلکہ ان میں

يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿۵۲﴾ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا

کا ہر شخص چاہتا ہے کہ کھلے صحیفے اس کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں ہرگز نہیں بلکہ ان کو آخرت

يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۵۳﴾ كَلَّاۤ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۵۵﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ

کا ڈر نہیں ہاں ہاں بے شک وہ نصیحت ہے تو جو چاہے اس سے نصیحت لے اور وہ

اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿۵۶﴾

کیا نصیحت مانیں مگر جب اللہ چاہے وہی ہے ڈرنے کے لائق اور اسی کی شان ہے مغفرت فرمانا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا

تفسیر عالمانہ - يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ اے بالا پوش اوڑھنے والے۔

حل لغات تشدیدین دراصل متدثر تھا بالا پوش اوڑھنے والا وہ کپڑا جسم سے مس کرنے والے کپڑے کے اوپر پہنا جائے اسی سے قول سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی جو آپ نے انصار سے فرمایا الانصار شعار والناس دثار اس میں اشارہ ولایت شعار کی طرح ہے کہ اس کا تعلق باطن سے ہے اور نبوت دثار کی طرح ہے کہ اس کا تعلق ظاہر سے ہے اسی لئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انذار کے مقام میں مدثر سے خطاب کیا گیا۔

شان نزول حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ (تعالیٰ) علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں کوہ حرا پر تھا کہ مجھے ندا کی گئی یا محمد انک رسول اللہ میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا کچھ نہ پایا اوپر دیکھا ایک شخص آسمان زمین کے درمیان بیٹھا ہے (یعنی وہی فرشتہ جس نے ندا کی تھی۔ یہ دیکھ کر مجھ پر رعب ہوا اور میں خدیجہ کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ مجھے بالا پوش اڑھا دو انہوں نے اُڑھا دیا اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ اس وقت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔

فائدہ بالا پوش اس لئے کہ سارا جسم لرزرہا تھا اور کاندھے مبارک بھی اترنے والے فرشتے کے رعب سے کہ اس سے پہلے آپ نے اسے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی ابھی اس سے مانوس ہوئے خیال کیا کہ موٹے جنوں میں سے کوئی ہے اسی لئے اس سے خوفزدہ ہوئے۔

شیخ اکبر قدس سرہ کی تقریر حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ بالاپوش اوڑھنا وحی کے نزول کے بعد ٹھنڈک سے اس لئے ہوتا کہ جب نبی علیہ السلام علم یا حکم وارد ہوتا تو وہ جب روح انسانی سے ملتا تو اس سے حرارت عزیزیہ شعلہ زن ہوتی اس سے آپ کا چہرہ اقدس متغیر ہوجاتا اور رطوبت سطح بدن کی طرف منتقل ہوتیں اس حرارت کے غلبہ سے اسی لئے آپ نزول وحی کے وقت پسینہ پسینہ ہوجاتے جب فراغت ہوتی تو مزاج اقدس کو سکون ملتا اور وہ حرارت بھی ٹھنڈی اور مسام مبارک کھل جاتے اس کے بعد خارجی ہوا کو جسم مبارک قبول کرتا جب ہوا جسم میں داخل ہوتی تو مزاج اقدس سردی محسوس فرماتا اسے آپ کو کپکپی ہوتی تو آپ پر بالاپوش ڈالا تاکہ سردی کا جوش نرم پڑے۔ اس کے علاوہ علماء و مشائخ نے اور تقریریں بھی بیان فرمائی ہیں جیساکہ کشف الاسرار و تفسیر الکاشفی میں مذکور ہیں۔

فترت وحی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں فترت وحی کے دوران کہیں جا رہا تھا اچانک آسمان سے آواز سنی اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا زمین و آسمان کے درمیان میں کرسی ڈالے بیٹھا ہے اس کی سطوت وہیبت و عظمت اور شکل بارعب سے مجھ پر رعب طاری ہوگیا میں گھر واپس آیا اور کہا مجھ پر کپڑے ڈالو مجھ پر بالاپوش ڈالا گیا اسی حال میں تھا کہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ اے بالاپوش اوڑھنے والے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

خطاب کا نکتہ حضرت امام سہلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول نزول وحی کے ہول سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالاپوش رہتے تھے اوڑھنے کے لئے گھر والوں سے فرمایا دثرونی، دثرونی (مجھے بالاپوش اوڑھادو) یا اے فلاں نہیں فرمایا تاکہ آپ کو نرمی ولطف وکرم از خدا تعالیٰ کا تصور ہو جیسے يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ وہیں گذرا۔ دوسرا فائدہ اسے آنے والی آیت قُمْ فَأَنذِرْ کی مشاکلت کیوجہ سے اوّل کلام اور قم فانذر کے درمیان مشاکلت خفی (پوشیدہ) ہے لیکن تامل کے بعد معلوم ہوسکتی ہے اور وہ ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی: انا النذیر العریان کی معرفت (یعنی میں عریان نذیر ہوں)

عریان نذیر کی تحقیق نذیر عریان کا معنیٰ ہے جدوجہد کرنے والا چادر کو پنڈلی پر کس کر محنت سے کام کرنے والا۔ اور عرب میں نذیر وہ کہلاتا ہے جو جب کام میں جدوجہد کرتا تو زائد از ضرورت کپڑے اتار کر کام کرتا اور راس کے ساتھ آواز کر کے ڈرانے کا اشارہ بھی اسی انذار و تخدیر کی تاکید کے لئے۔

نذیر عریان کی کہانی یہ بھی کہا گیا ہے کہ نذیر عریان ایک مرد تھا خثعم سے خثعم بروزن جعفر ایک پہاڑ ہے اس کے اہل کو خثعمیوں کہا جاتا وابن انمار وہ قبیلہ کا مورث اعلیٰ سعد کی شاخ ہے (القاموس) اس شخص کو دشمنوں نے پکڑ لیا اور اس کے ہاتھ کاٹ لئے اور کپڑے اتار کر ننگا گھر کو روانہ کر دیا۔ دشمنوں سے رہا ہو کر اپنی برادری کے قریب پہنچا تو انہیں دشمنوں سے ڈرایا برادری نے دیکھا کہ وہ ننگا ہے۔

فائدہ اس کے بعد انذار و تخویف میں بہت زیادہ زور لگانے والے کو نذیر عریان کہنے لگے جب یہ واقعہ اور محاورہ معلوم ہوا تو اب دونوں کلاموں کی مشاکلت کا سمجھنا آسان ہو گیا اسی لئے مدثر کہہ کر ثیاب کو اس کی طرف منسوب کرنا اسی نذیر عریان کے محاورہ کی وجہ سے ہے اور اسی کے مقابل اور اسی سے مرتبط ہے لفظاً بھی اور معنیً بھی۔

قُمْ اپنے بستر یعنی خواب گاہ سے اٹھو۔ **فَاَنْذِرْ** اور تمام لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈراؤ اگرچہ ایمان نہ لائیں۔

مسئلہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی ملت ایسی نہیں جہاں آپ کی دعوت نہ پہنچی ہو اور ہر جگہ پر آپ کے انذار نے آواز دی (یعنی ہر جگہ اسلام کا پیغام پہنچا۔

سوال یہاں صرف فانذر کا ذکر کیوں حالانکہ آپ بشیر (خوشخبری دینے والے) بھی ہیں۔

جواب تخلیہ (بالخاء المعجمہ) تجلیہ (بالجیم المعجمہ) سے پہلے ہوتا ہے چونکہ کفار لوگ نافرمان اور مستحق تخویف تھے تو ایسے لوگوں کے لئے پہلا امر انذار ہی ہوتا ہے۔

حکایت صاحب روح البیان فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ اللہ تعالیٰ قدیرا اس کی فیض کثیر سے مدد فرمائے) کہتا ہے کہ میں حرم نبوی میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرہانے مبارک کی جانب مراقبہ میں تھا کہ مجھے غیبی آواز سنائی دی قُمْ فَاَنْذِرْ اس سے مجھے سخت اضطراب ہوا اور خطاب الٰہی کے دبدبہ سے مجھ پر سخت قسم کی حیرت چھا گئی اس پر مجھے گمان ہوا کہ شاید میں تبلیغ کے لئے مامور ہوا ہوں کہ ان لوگوں کو سمجھاؤں جو حرم محترم میں بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہوں کیونکہ میں نے انہیں حرم محترم میں بے ادبی کرتے دیکھ کر بوجہ غیرت رویا اور خوب رویا تو مجھے ان کے لئے کہا گیا:

اولٰئِكَ الَّذِينَ لعنهم الله فاصمهم واعمٰی ابصارهم یہ وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی لعنت اور انہیں اللہ تعالیٰ بہرہ کرے اور ان کی آنکھیں اندھی ہوں۔ اس کے بعد مجھے الہام ہوا کہ میں خود اپنے لئے پیغامبر ہوں نہ دوسرں کے لئے کہ اپنے نفس کا تزکیہ اور اس کے قویٰ کی اصلاح کروں (اللہ سے ہی اس کی اعانت ہو) آمین۔

(-الشمس-) اگلے صفحہ پر

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے اور رَبَّكَ کو تکبیر سے اس لئے خاص کیا ہے اعتقاداً وقولاً وعظمتہ کبریائی کا عقیدہ ضروری ہے اور جو اوصاف بت کے پجاری اور دیگر ظالمین اللہ تعالیٰ کے لئے ناشائستہ باتیں کہتے ہیں ان سے بیزاری کا اظہار لازم ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اللہ اکبر پھر بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا، اور اس سے بی بی خوش ہوئی اور یقین کیا کہ یہ وحی ربانی ہے کیونکہ شیطان تکبیر وغیرہ کا امر نہیں کرتا۔

مسئلہ اس میں نماز کی تکبیر داخل ہے اگرچہ اوائل النبوۃ میں نماز کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے کہ نماز خاص اوضاع وہیآت کا نام ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کے لئے تعلید کا اہم ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ جمیع تعینات سے منزہ ہے اسی لئے اس میں تنزیہ اللہ اکبر کہنے سے ضروری ہے کیونکہ نمازی کے چہرہ کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کے چہرے کا ذکر صحیح حدیث شریف میں ہے۔

فائدہ فَا شرط کے معنیٰ میں ہے گویا کہا گیا ہو سو ہو تم اللہ (تعالیٰ) کی بڑائی ضرور بیان کرو اسے ہرگز نہ چھوڑ دینا اس دلالت کے لئے ہے حکم الٰہی کو قائم کرنے کے لئے اولین شرط ہے کہ اس کی بڑائی بیان کی جائے اور شرک سے تنزیہ کیونکہ سب سے پہلے صانع کی معرفت پھر اس کی جناب سے ان امور کی تنزیہ جو اس کی شان کے لائق نہیں اس تقریر پر فا تعقیبیہ ہے نہ کہ جزائیہ۔

مسئلہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی اس کی صفت قائم بنفسہ ہے نہ کہ قائم بغیرہ کہ دوسرے میں کوئی کبریائی

ؔ صاحب روح البیان کا دور تو پھر بھی ادب رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں کچھ کم نہ تھا لیکن اگر آج وہ نجدی کی گنبد خضریٰ کے ارد گرد بے ادبی ملاحظہ فرماتے تو خون کے آنسو بہاتے۔ آج نجدی دور میں ادب پر کنٹرول اور بے ادبی کا رواج ہے بلکہ بے ادبی قانونی طور پر کرائی جاتی ہے۔ مثلاً

① جالی مبارک کے سامنے دعا نہیں مانگنے دیتے۔
② جالی مبارک کی طرف پیٹھ کرا کر قبلہ کی سمت دعا مانگنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔
③ جالی مبارک کے سامنے دست بستہ کھڑا نہیں ہونے دیتے۔
④ جالی مبارک کا چومنا اور گنبد خضریٰ کی دیواروں کو مس کرنا تو ان کے نزدیک جرم عظیم ہے بلکہ شرک اور حرام۔ حرام کہہ کر چومنے والے پر غیض و غضب سے پیش آتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

(اویسی غفرلہٗ)

والا اس کے لئے بالمقابل ہے اسی لئے یہ اکبر ہے اور وہ اسکی بنسبت صحیح ہے بلکہ وہ تو حادث ہیں انہیں اس ذات سے کیا نسبت اس لئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شب معراج کہا لا احصٰی ثنآءً علیک انت کما اثنیت علیٰ نفسک ہم تیری ثنا نہیں کر سکتے جیسے تو نے خود اپنی ثنا کی۔ اس معنیٰ پر اللہ تعالیٰ خود ہی مکبر (کبریائی بیان کرنے والا) اور خود ہی مثنیٰ (ثنا گو) لذاتہ بذاتہ ہے جیسے وہ اپنی تکبیر و ثنا جانتا ہے از ازل تا ابد۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (اور اپنے کپڑے پاک رکھو) ثیاب ثوب کی جمع ہے بمعنیٰ لباس یعنی لباس مبارک باوجودیکہ پاک ہے تب بھی اسے نجاسات سے محفوظ اور بچائے رکھیں اور جب میلے ہو جائیں تو پاک پانی سے دھوئیے کیونکہ پاک مومن کے لئے یہ امر قبیح ہے کہ وہ خبیث اشیأ کا حامل ہو۔ نماز میں ہو یا غیر نماز میں اور اسے چھوٹا (سادہ) رکھئے کیونکہ لمبے کپڑے کا دامن پلیدیوں پر پڑے گا اور نجاست آلود ہو جائے گا۔

فائدہ تطہیر چھوٹا (سادہ) لباس پہننے سے کنایہ ہے کیونکہ یہ اس کے لوازم سے ہے اور تقصیر کا مطلب یہ ہے کہ نصف پنڈلی یا گٹوں تھوڑا سا اونچا کیونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر مبارک گٹوں سے تھوڑا سا اوپر ہوتی تھی اور اس سے نیچے چادر وغیرہ کے متعلق نار کی وعید ہے۔

ملفوظ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کپڑا چھوٹا (سادہ) پہنتے تھے کیونکہ یہی زیادہ اور تقویٰ کے قریب تر اور زیادہ باقی رہنے والا ہے یہی وہ پہلا امر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا کہ مذمومہ عادات کا ترک لازم ہے اس لئے کہ مشرکین نجاسات سے کپڑوں کو نہیں بچاتے تھے۔

فائدہ اس میں ظاہری تطہیر سے باطنی تطہیر کی طرف انتقال ہے کیونکہ جو اپنے باطن کو صاف رکھنا چاہتا ہے وہ ہر شے میں خبیث (پلیدی) سے اجتناب اور طہارۃ اختیار کرتا ہے اور دین کی تو بنیاد ہی لطافت پر ہے اور اللہ تعالیٰ بھی لطیف (صفائی والے) عبادتگذار کو پسند فرماتا ہے۔

حدیث شریف (۱) برتن دھونا گھر کا صحن صاف رکھنا غنا (دولتمندی) پیدا کرتے ہیں۔

حدیث شریف (۲) مرفوع حدیث شریف میں ہے کہ اپنے منہ صاف ستھرے رکھو کیونکہ یہی قرآن کا راستہ ہے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ طہارۃ دو ہیں: (۱) جسم (۲) نفس انہی دونوں کی طہارت کا حکم ہے۔ قرآن پاک کی طہارت والی آیات میں۔

فائدہ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کا معنیٰ ہے اپنے نفس کو پاک کر یعنی اسے عیوب والے امور سے صاف ستھرا رکھ اور اپنے قلوب کو پاک کر (القاموس)، یا اپنے اخلاق صاف کر اور انہیں اچھا بنا (قالہ الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

حدیث شریف ③ میں ہے کہ اپنا خلق حسن بنا اگرچہ کفار کے ساتھ اور ابرار کے مجالس میں بیٹھ یا یہ کہ اپنے اعمال اچھے بنا اور ان کی اصلاح کر (الحواشی)۔

حدیث شریف ④ قبر سے انسان اپنے ان کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن میں اسے موت آئی یعنی عمل طیب پر موت آئی تو طیب (پاک) حالت میں قبر سے اٹھنا ہوگا خبیث عمل پر آئی تو خبیث حالت پر اٹھنا ہوگا۔ (عین المعانی) اور مروی ہے کہ بندہ اپنے کپڑوں میں اٹھایا جائے گا یعنی اعمال میں۔ (القاموس) یا یہ اپنے اہل وعیال کو وعظ وآداب سکھا کر خطاؤں سے پاک رکھ۔ اہل عرب کو تو ثوب لباس سے بھی تعبیر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھن لباس لکم وانتم لباس لھن وہ تمہارا لباس ہیں تم ان کا۔ (کشف الاسرار)

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انہیں لباس معصیت اور دھوکہ کا نہ پہن بلکہ پاک لباس پہن (فتح الرحمٰن) شاعر نے کہا ؎

وانی بحمد اللہ لا ثوب فاجر

لبست ولا من غدرۃ اتقنع

ترجمہ: الحمد للہ میں نے نہ تو فسق وفجور کپڑا پہنا اور نہ ہی دھوکے کا میں قناعت پذیر ہوں۔

فائدہ فجور اور دھوکہ والا بھی کپڑے کی غبار آلود کہلاتے ہیں جیسے اہل صدق ووفاء کو طاھر الثیاب کہا جاتا ہے۔

ابوالحسن شاذلی کو زیارت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضرت ابوالحسن شاذلی قدس سرہٗ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا مجھے فرمایا اپنے کپڑے میل کچیل سے صاف کر تاکہ ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی مدد وتائید سے بہرہ مندی حاصل ہو میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے کونسے وہ کپڑے ہیں جنہیں میں میل کچیل سے پاک وصاف دھول فرمایا اللہ نے تمہیں پانچ خلعتیں پہنائی ہیں: ① خلعت محبت ② خلعت معرفت

③ خلعت توحید ④ خلعت ایمان ⑤ خلعت اسلام

جو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے اس پر ہر شے آسان ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ پہچان لیتا ہے تو ہر شے

اس کی نگاہ میں معمولی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانتا ہے تو وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے ہر شے سے بے غم ہو جاتا ہے جو اسلام سے موصوف ہوتا ہے وہ خدا کا نافرمان نہ ہوگا اگر کبھی کوئی گناہ اس سے صادر ہوگا تو عذر (توبہ) کرنے پر معاف ہو جائے گا اور اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے۔ شیخ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب مجھے وَثِيَابَكَ

فَطَهِّرْ مطلب معلوم ہوا ؎

در تو پوشد لطف یزدانی
خلعتے از صفات روحانی

دارش از لوث خشم و شہوت دور
تا بپاکیزگی شوی مشہور

ترجمہ: تجھے لطف یزدان نے صفات روحانی کی خلعت پہنائی ہے۔
اسے خشم (غصہ) اور شہوت کی آلائش سے دور رکھ تاکہ تو پاکیزگی سے مشہور ہو۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (اور بتوں سے دور رہو) روایت حفص میں امام عاصم سے الرجز کو مضموم اور باقیوں نے بکسر الرا پڑھا ہے لیکن معنیٰ ہر دونوں کا ایک ہے اس سے بت مراد ہیں۔ اور الہجر کا معنیٰ سورۃ المزمل میں گذرا میں گذرا۔ یعنی بتوں کی عبادت چھوڑو ان کی عبادت کے قریب نہ بھٹکو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی واجنبنی وبنی ان نعبد الاصنام (مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے دور رکھ)۔

فائدہ رجز بمعنی عذاب بھی ہے یعنی عذاب کو چھوڑ اس ترک پر ثابت قدمی سے جو مآثم (گناہوں) پر لے جائے عذاب کا موجب ہے یہ تسمیۃ المسبب باسم السبب کے قبیل سے ہے یعنی ایسے ہجر (ترک) پر مداومت کیجئے (یہ معنیٰ اس لئے کیا گیا) کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو بتوں کی پرستش اور اس جیسے اور امور سے بیزار تھے۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (اور زیادہ لینے کی نیت سے کسی پر احسان نہ کرو)۔ تستکثر یہ صیغہ مضارع مرفوع کیونکہ بمعنیٰ حال ہے یعنی اس نیت سے نہ دو کہ اس سے زیادہ لیں گے یا کثیر کے طالب نہ ہو۔

مسئلہ اسمیں استغزار کی نہی ہے استغزار یہ ہے کہ کسی کو کچھ اس نیت سے ہبہ کرے کہ اس سے دیئے ہوئے ہبہ سے زائد لے گا یہ جائز ہے اسی پر حدیث وارد ہے وہ یہ کہ المستغزر یثاب یعنی زیادتی کی نیت پر ہبہ کرنے والے کو اس کے ہبہ کا عوض دیا جائے۔ الغزارۃ بغین معجمہ و تقدیم الزا بمعنی الکثرۃ۔

سوال قرآن مجید جب نہی ہے تو پھر وہ جائز کیوں؟

جواب ① یہ نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاص ہے آپ کے حسن اخلاق کے عالی رتبہ کی وجہ سے جیسے زکوٰۃ کا مال آپ کے نفقرًا امتی کو جائز ہے لیکن نہ وہ آپ کے لئے جائز نہ آپ کی اہلبیت کے لئے بوجہ آپ کی شرافت اور عام اشیائے تنزہ کے طور۔

جواب ② بعض نے کہا یہ منت کے قبیل سے ہے اس لئے جو کسی پر احسان کرکے اسے کثیر اور اس پر اعتماد کرتا ہے تو قاعدہ ہے کہ منت لگانا عمل کو ضائع کر دیتا ہے بالخصوص نیکی کرکے اللہ تعالیٰ پر منت سمجھتا ہے مثلاً یہ سمجھے کہ میں نے بہت زیادہ کام کیا بلکہ اسے یہ سمجھنا تھا کہ یہ اس کی منت ہے کہ اس نے اس عمل کی توفیق بخشی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بل اللّٰہ یمن علیکم بلکہ اللہ تعالیٰ پر منت لگاتا (احسان کرتا) ہے بلکہ جو شخص زندگی بھر عبادت میں گذارے اور سمجھے کہ میں اس کا شکر ادا کر رہا ہوں وہ صرف اس کی ایجاد (وجود کی نعمت بخشنے) کا شکر بھی نہ ادا کر سکے گا چہ جائیکہ دیگر ان گنت نعمتوں کا جو اس نے جود و کرم سے بندے کو بیشمار نعمتوں سے نوازا ہے۔

وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ (اور اپنے رب تعالیٰ کے لئے صبر کئے رہو) یعنی اپنے رب تعالیٰ کے حکم پر صبر کیجیو اور مشرکین کی اذیتوں سے درد و الم محسوس نہ کرو کیونکہ تبلیغ پر مامور کو لوگوں کی اذیتوں اور تکلیفوں پر صبر ضروری ہے کیونکہ صبر سے ہر کڑوا میٹھا اور امتحان میں ذوق بڑھتا ہے۔ ؎

تحمل چو زہرت نماید نخست

ولے شہد گردد چو در طبع است

ترجمہ: تحمل (صبر وغیرہ) پہلے زہر محسوس ہوتا ہے لیکن پھر شہد ہو جاتا ہے جب طبع میں رچ جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ اپنے صبر کو جمیع مراتب میں ملاحظہ غیر سے خالی رکھ یعنی معصیت سے صبر اور صبر علی فی البلاء اور تیرا صبر نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یَاۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ یعنی اس بدن کے لباس اوڑھنے والے جو اپنی صورت سے محجوب ہے قُمْ اس سے اُٹھ کھڑا ہو جس کی طرف تو نے رجوع کیا اور اسے پہنا اشتغال طبیعت سے اور خواب غفلت سے بیدار ہو فَاَنْذِرْ اپنے نفس اور اس کے قویٰ اور جمیع ماسوا کو یوم عظیم کے عذاب سے ڈرا دیجئے اگر تو کسی کو بڑا اللہ عظیم القدر سمجھتا ہے تو ایسی تعظیم و تکبیر صرف اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ خاص کردے اس کے سوا تیری نگاہ میں کوئی معظم نہ ہو بلکہ اس کی کبریائی کے مشاہدہ سے تیرے دل میں ہر شئے کمتر ہو باطن کو پاک کرنے سے پہلے اپنے ظاہر

کو پاک کرو غبار آلود اخلاق اور افعال اور مذموم عادات سے اور ہیولیٰ کے رجز جو عذاب کی طرف لے جانے والا ہے کو چھوڑو یعنی اپنے باطن کو لواحق مادیہ و ہیئات جسمانیہ فاسقہ اور غواشی ظلمانیہ ہیولانیہ سے پاک کرو۔ اس متجرد ہونے کے بعد مال نہ دو اعواض و ثواب کثیرہ کی طلب میں کیونکہ منعم کی نعمت سے حجاب اور قصور ہمت ہے بلکہ جو کچھ دو اللہ تعالیٰ کی رضا پر دو جو کچھ کرو اسس پر صبر کرو اس کی دی ہوئی فضیلت کی وجہ سے اس کے سوا کسی غیر شے سے نہیں۔

تفسیر عالمانہ فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ پھر جب صور پھونکا جائے گا۔

حل لغات الناقور وہ شے جس میں سوراخ کیا جائے اور النقر بمعنی آواز کرنا دراصل وہ کھٹکا جو آواز کا سبب بنتا ہے یعنی شے اس حیثیت میں بنانا کہ کھٹکے سے اس سے آواز ظاہر ہو یعنی نفخ: پھونک، کہ وہ بھی ہوا ایک قسم ہے جو حلقوم سے خارج ہوتی ہے اس سے مراد صور ہے یعنی وہ قرن جس میں اسرافیل علیہ السلام ایک بار تمام مخلوق کو بے ہوش کرنے کے لئے پھر دوسری بار زندہ کرنے سے پھونکیں گے فاعول از سبب معنی یہ ہوا کہ صور پھونکا جائے گا فا سببیہ ہے ماقبل کے لئے مابعد کا سبب ہونا نہ برعکس تو یہ بمعنی لام سببیہ کے ہے گویا کہا گیا کہ ان مشرکین کی اذیتوں پر صبر کیجئے کیونکہ ان کے آگے ایک ہولناک دن ہے اسمیں بشارت دینے کے انجام کو پائیں گے اور آپ اپنے صبر کا نیک انجام اور اذا کا ماقبل وہ معنی ہے جس پر فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ عَلَى الْكَافِرِينَ تو وہ دن سخت دن ہے کافروں پر دلالت کرتا ہے یعنی اس دن عذاب اور بڑے حساب کی وجہ سے کافروں پر سخت ہوگا اور ذلک کا اشارہ نقر کی طرف ہے وہ اور یومئذ اس سے بدل معنًا مبنی علی الفتح ہے بوجہ اضافہ غیر متمکن کی طرف کے یعنی اذا کی طرف اصل عبارت ہے اذا نقر فیہ اور خبر یوم عسیر ہے اور علیٰ عسیر کے متعلق ہے جس پر وکان یومًا علی الکفرین عسیرا (اور ہوگا وہ دن کافرین پر سخت) دلالت کرتا ہے، گویا کہا گیا ہے یوم النقر یوم عسیر (صور پھونکنے کا دن کافروں کے لئے سخت ہوگا) غیر یسیر (آسان نہیں) یہ خبر کے بعد خبر ہے کافروں پر اس سختی کی تاکید ہے کہ ان کے لئے آسانی کا احتمال بھی منقطع ہے کسی وجہ سے بھی ان پر آسانی نہ ہوگی۔
نکتہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ دن اہل ایمان کے لئے آسان ہوگا۔

نکتہ اس نقر سے نفخ ثانیہ مراد ہے جس سے لوگ زندہ ہوں گے کیونکہ اسی دن تمام کافروں پر تنگی ہوگی اور پہلا نفخہ کے وقت تو تنگی ان پر ہوگی جو اس وقت زندہ ہوں گے جو مر گئے تو وہ نہ اس کا وقت اور نہ اسس کی تنگی ہوگی (اگرچہ اس کے علاوہ دوسرے عذاب میں مبتلا ہوں گے)

نفخ صور کا کمال اخبار میں ہے کہ صور میں جملہ ارواح کے برابر سوراخ ہیں تو ہر روح اپنے سوراخ میں جمع ہوگا پھونکنے سے ہر روح اڑ کر اپنے جسم میں داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہر انسان زندہ ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے اللہ (تعالیٰ) کا کتنا انعام ہے کہ اس وقت اسرافیل علیہ السلام قرن اپنے منہ میں لئے منتظر کھڑا ہے کہ کب اسے پھونکنے کا حکم ہوتا ہے عرض کی گئی ہم (اسکی آسانی کے لئے) کونسا عمل کریں فرمایا کہو حسبنا اللہ ونعم الوکیل (ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے)

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اس بدن میں جو اٹھایا جائے گا پھونکا جائے گا تو اسمیں تمام نقوش سیئہ جو عذاب کی طرف لے جاتے ہیں منقش ہو جاتے ہیں یا نیکیاں جو نجات دینے والی اور ثواب کی موجب ہیں اور محجوبین پر اس کی سختی کسی سے مخفی نہ رہے گی اگرچہ غیر اہل پر آسانی مخفی ہوگی لیکن وہ بھی اہل کشف وعیاں پر مخفی نہ ہوگی۔

تفسیر عالمانہ ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا اور مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔ وحیدًا ذرنی کی یا سے حال ہے یعنی درانحالیکہ میں اس کے لئے اکیلا کافی ہوں آپ کے انتقام کے لئے میں اسے کفایت کروں گا۔ یا خلقت کی تا تکلم سے حال ہے یعنی میں نے اسے اکیلا پیدا کیا میرے ساتھ کوئی اور شریک نہ تھا یا علمہٗ محذوف سے کہ دراصل ومن خلقته وحیدًا فردًا الخ میں نے اسے اکیلا پیدا کیا کہ اس وقت اس کے پاس مال تھا نہ اولاد۔

شان نزول یہ ولید بن المغیرہ مخزومی کے حق میں نازل ہوئی جو اپنی برادری میں وحید کے لقب سے ملقب تھا ان کا گمان تھا کہ یہ بے نظیر ہے اس کی وجاہت اور مال میں اس کا کوئی ثانی نہیں اور خود بھی اس لقب پر نازاں تھا کہتا تھا۔ انا الوحید بن الوحید لیس لی فی العرب نظیر میں وحید کا بیٹا وحید ہوں کہ میں عرب میں بے نظیر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اسے وحید کہا تہکمًا واستہزاءً جیسے دوسری جگہ فرمایا ذق انک انت العزیز الکریم عذاب چکھ تو تو مغرور ومکرم ہے اور ان کے ذہن کو پھیرنا ہے کہ جس وجہ سے یعنی مال واولاد سے تم اسے وحید سمجھ کر اس کی مدح کرتے ہو وہ تو اس کی وجہ سے قابل مذمت ہے کیونکہ مرنے کے بعد نہ اس کے پاس مال ہوگا نہ اولاد یا وحید ہے اپنے باپ اور نسب سے کیونکہ ولد لزنا تھا وہ قوم میں ملحق تھا ان سے نہ تھا جیسے گذرا یا وحید فی الشرارۃ والخیانۃ والدناءۃ (کمینگی اور شرارت اور خیانت میں بے نظیر)۔

وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا اور میں نے اسے مال دیا وسیع کثیر۔ کیونکہ مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان اس جیسا کوئی مال دار نہ تھا۔ حضرت ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کے پاس ایک لاکھ دینار تھے ۱۳ وَّ بَنِيْنَ اور بیٹے شُهُوْدًا (سامنے حاضر رہتے)۔

حل لغات شہود شاہد کی جمع ہے جیسے قاعد کی قعود از شہدہ ہمچوں سمعہ بمعنی حضرہ اس کے ساتھ حاضر مکہ معظمہ میں جو اس کے سامنے رہتے تھے کاروبار اور تجارت کی وجہ سے کیونکہ بڑا کاروبار کرتے تھے اور بہت بڑے اسباب کے مالک تھے اور بکثرت نوکر چاکر رکھتے تھے یا اس کے ساتھ رہتے تھے مجالس و محافل میں صاحب وجاہت اور معتبر شخصیات سمجھے جاتے تھے اس کے دس بیٹے تھے تین تو مسلمان ہو گئے تھے (۱) حضرت خالد (۲) حضرت ہشام (۳) عمارہ۔

فائدہ مفسرین فرماتے ہیں کہ محدثین کا اتفاق ہے کہ ولید بن الولید (حضرت خالد کا بھائی بھی مسلمان ہو گیا تھا لیکن عمارہ کافر تھا بدر میں قتل کر دیا گیا یا حبشہ میں حضرت نجاشی کے ہاتھوں مارا گیا حضرت سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو مسلمان ہو گئے تھے وہ یہ ہیں۔ (۱) حضرت ہشام بن الولید (۲) حضرت الولید بن الولید (۳) حضرت خالد بن ولید جن کا لقب سیف اللہ تھا باقی دین جاہلیت میں مرے اسی لئے ہم ان کا نام نہیں لیتے۔

وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا اور میں نے اس کے لئے طرح طرح کی تیاریاں کیں۔ میں نے اس کے لئے ریاست اور لمبا چوڑا جاہ و جلال تیار کیا اور اسے کامل نعمت سے نوازا کیونکہ مال و منال اور اولاد کا اجتماع اہل دنیا کے نزدیک انسان کا بڑا کمال ہے اسی لئے اس کا لقب اہل مکہ کے نزدیک ریحانہ قریش تھا ریحانہ ایک خوشبودار گھاس (پودا) ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولید بن مغیرہ وحید سے نفس کی طرف اشارہ ہے جو شر و ظلم و جور اور جہل اور کثرت اموال اور اعمال سیئہ مذمومہ اور اخلاق ذمیمہ کی جملہ اجناس میں بے نظیر ہے اس کے بیٹوں میں اس کے اتباع خبیثہ خسیسہ کی طرف اور اس کی کشادگی اور سلطنت و وجاہت ارباب نفوس متمردہ کے نزدیک اس کا امر حق اور نواہی سے سرکشی اور حق اور ارباب حق کے ساتھ لڑائی رکھنا مراد ہے اور نفس کے اتباع سے اس کے قوی طبعیہ ظلمانیہ مراد ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے اس کے ساتھ چھوڑ دیجئے میں ہی اسپر ابوبکر خفی و عمر روح اور عثمان سر و علی قلب مسلط کر دوں گا یہاں تک کہ وہ اپنے انوار روحانیۃ سے اسکی ظلمات نفسانیہ مٹا دیں گے اور اس کے اعمال کا ستیاناس کر دیں گے اور اس کے بیٹوں یعنی اتباع اور نوکروں چاکروں کو قتل کر ڈالیں گے۔ اور اس کی سلطنت کی بساط لپیٹ دیں گے اور اس کی بالا دستی ختم کر دیں گے۔

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ پھر یہ طمع کرتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔ اس پر جو

تفسیر عالمانہ وہ مال کی وسعت وکثرت دیا گیا ہے مال واولاد سے یعنی عادۃً اپنے جیسوں کی طرح تو دیا گیا ہے پھر اس کو اور کیا دوں۔ ثُمَّ اس کے طمع وحرص کے استبعاد و استنکار کے لئے ہے یعنی جتنا دیا گیا ہے اس سے بڑھ کر اور اسے کیا ملے گا یا یہ معنیٰ ہے کہ یہ چونکہ اس کے منافی ہے کہ یہ کفران نعمت میں بے نظیر اور منعم کی مخالفت میں بے مثل ہے اسی لئے آج کے بعد اسمیں کفر اور نعمتوں کی زیادتی کا اجتماع نہ ہوگا (کَلَّا) ہرگز نہیں یہ اس کے فوائد مال کے طمع سے جھڑک اور زجر وتوبیخ اور اس کی بے سود طمع کو قطع کرتا ہے اس معنیٰ پر یہ ماقبل سے متصل ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا بے شک وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے۔

حل لغات جو جان بوجھ کر حق کو جانتے ہوئے اس کی مخالفت کرے اسے عنید وعائد کہا جاتا ہے یعنی منکر اور لڑائی کرنے والا ہے المعاندۃ بمعنی المفارقۃ والمجانبۃ وخلاف کرکے معاوضہ جیسے عناد عنید یہاں بمعنی معاند ہے جیسے جلیس واکیل وعشیر بمعنیٰ مجالس ومؤاکل ومعاشر۔

فائدہ یہ ماقبل کی تعلیل بر سبیل استیناف تحقیقی ہے کیونکہ منعم کی آیات قرآنیہ باوجودیکہ وہ واضح تر ہیں سے معاندت (معاوضہ) اور باوجود کامل نعمتوں کے حصول کے ناشکری کرنا بالکلیہ محرومی کی موجب ہیں جو کچھ پہلے اسے ملا ہے وہ استدراج (مہلت دینا) ہے۔

فائدہ آیات کی اپنے متعلق (عنید) سے تقدیم تخصیص کے لئے ہے۔

سوال ولید سے ایسے عناد کی تخصیص کیسی جبکہ اس جیسے معاند (معارض الآیات) مکہ معظمہ اس وقت اس سے کچھ کم نہ تھے جیسے ابوجہل وغیرہ، علاوہ ازیں یہ صرف آیات سے رکھتا ہے باقی امور اسلام کی مخالفت سے اسے چنداں دلچسپی نہ تھی؟۔

جواب اس کے خسران کی غایت کا اظہار مطلوب ہے چنانچہ منقول ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد اس کا معاملہ نقصان کی طرف بڑھنے لگا یہاں تک کہ جب مرا تو تنگدست ہو کر مرا ؎

آنکس کہ نصیحت ز عزیزان نکند گوش

بسیار بخاید سر انگشت ندامت

ترجمہ: وہ جو بزرگوں کی نصیحت قبول نہیں کرتا پھر ندامت سے انگلی کا سر بہت چبائے گا۔

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا (میں اسے آگ کے پہاڑ صعود پر چڑھاؤں گا)۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا رھقہ الامرُ غشیہ لبقھر اسے قہر سے ڈھانپ لیا کہا جاتا ہے رھقتہ وارھقتہ ردفتہ واردفتہ کی طرح بمعنی میں اسے اپنے ساتھ

کیا اسی سے ہے ارھقت الصلوٰۃ میں نماز کی تاخیر کی یہاں تک کہ دوسرے وقت نے ڈھانپ لیا الصعود
بمعنی عقبہ شاقہ پھر ہر مشقت والے امر پر استعارۃً استعمال کیا جاتا ہے یہ ارھقہ کا دوسرا مفعول ہے یہی
ظاہر ہے اور اس کی تذکیر یا تو اس لئے ہے کہ وہ طریق کی صفت ہے یا باعتبار اپنے ہم وزنوں کے ہے۔
جیسے کَئُوْدٌ دیا بر وزن فعول ہے بمعنی فاعل اسمیں مذکر و مؤنث برابر نہیں جیسے عقبتہ کئود یہ بعض
تفاسیر میں ہے تو تسمیۃ المحل باسم الحال کے قبیل سے یا مفعول ہے از صعدہ یہی ظاہر ہے معنیٰ یہ ہے کہ اس
کے بجائے کہ زیادتی کے طمع میں ہے میں اسے عقبہ شاقہ المصعد پر چڑھنے پر مجبور کر دوں گا یہاں مضاف
محذوف اس حیثیت سے کہ اسے ہر جانب سے مشقت ڈھانپ لے گی۔

حل لغات الارھاق بمعنی کسی کو عظیم مشقت کا مکلّف بنانا اس حیثیت سے کہ مکلّف (تکلیف دیئے ہوئے) کو ہر طرف سے شدت و مشقت گھیر لے۔

فائدہ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ حالت مراد ہے جب موت کے وقت نزع روح ہوتا ہے اگرچہ اسے موت دیر سے آئے، یہ اس کی مثال ہے جو ایسے عذاب میں مبتلا ہو جس کی طاقت نہ ہو اسے حقیقت پر محمول کرنا بھی جائز ہے۔

حدیث شریف میں ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ صعود ایک سے جہنم میں ایک پہاڑ ہے جس کی چڑھائی ستر سال ہے اسی طرح اس کی نیچے اترنے کی مسافت۔

فائدہ یعنی اس کے اوپر چڑھنا مشکل ہے لیکن ولید بن مغیرہ کو آتشی زنجیروں سے کھینچتے ہوئے ستر سال تک چڑھاتے جائیں گے اور پیچھے سے آگ کے چابک مارتے جائیں گے ستر سال مذکورہ پہاڑ کے اوپر پہنچنے کے بعد اسی طرح آتشی زنجیروں سے جکڑ کر آتشیں چابک مارتے ہوئے نیچے اتریں گے جس پر ستر سال گذریں گے اسی طرح اسے ایسے عذاب سے چڑھاتے اتارتے رہیں گے۔

حل لغات الخریف بمعنی سال یعنی سال کا وہ آخری حصہ جسمیں پھل پک جاتے ہیں اور اپنے کمال کو پہنچتے ہیں اس معنی پر گویا سال تمام ہو گیا علۃ صوریہ کو اسی لئے علت تامہ کہا جاتا ہے (کہ وہ اب اپنے کمال کو پہنچ گئی ہے)۔ (قاموس) میں ہے الخریف بروزن امیر وہ تین ماہ جو گرمیوں اور سردیوں کے درمیان میں ہوتے ہیں کہ ان میں پھل چنے جاتے ہیں۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ کافر کو نار کے ایک ٹیلے پر چڑھنے کی تکلیف دی جائے گی جب وہ اس پر ہاتھ رکھے گا تو پگھل جائے گا پھر وہ اپنی پہلی حالت

پر آجائے گا۔ ایسے ہی جب اس پر پاؤں رکھے گا تو پگھل جائے گا جب اٹھائیگا تو پہلی حالت پہ آجائے گا

اِنَّہٗ فَکَّرَ وَقَدَّرَ (بے شک وہ سوچا اور دل میں کچھ بات ٹھہرائی) یہ وعید کی تعلیل اور اس کے استحقاق کا بیان ہے۔

حل لغات التفکیر بمعنی تفکر و تامل (سوچنا) تاج المصادر میں بمعنی التفکیر بمعنی اندیشہ کرنا (سوچنا) التقدیر بمعنی اندازہ و تیاری کرنا۔ یعنی دل میں سوچا کہ میں قرآن کریم کے حق میں کیا کہہ رہا ہوں اور یہ حال اس کا مبنی بر طعن تھا اور دل میں سوچا اور تیار کی یہ بات کہ میں کہتا ہوں۔

فقتل کیف قدر (تو اس پر لعنت ہو کہ کیسی ٹھہرائی) اس کی سوچ اور اندازے پر تعجب دلانا ہے اس سے وہی غرض ہے جو قریش کسی کے لئے کہتے

قاتلہم اللہ یا اس پر بطریق استہزا ثنا ہے اس معنیٰ پر جو اس نے قرآن کریم کے بارہ میں کہا تھا کہ یہ تو جادو ہے اس کا یہ تصور نہایت رکیک اور حد سے گرا ہوا ہے یا عرب کے قول کی حکایت ہے اسے مدح کے طور پر کہا قُتِلَ کَیْفَ قَدَّرَ اس سے بھی ان سے تہکم اور اس کی تقدیر کی تصویب اور اس کی بات کو عظیم سمجھنے پر تعجب دلانا ہے اہل عرب کا قول قتلہ اللہ ما اشجعہ و آخرہ اللہ با اشعرہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ کتنا بڑا بہادر ہے اور کتنا اچھا شاعر ہے وہ اس لائق ہے کہ لوگ اس سے حسد کریں اور اسے بددعا کریں (جیسے قتلہ اللہ کہیں) اس سے زیادہ تحقیق سورۃ المنافقین میں قاتلہم اللہ کے تحت گزری ہے۔

شان نزول جب حٰمٓ تَنْزِیْلُ الْکِتَابِ مِنَ اللّٰہِ یعنی مومن کا ابتدائی حصہ یا سورۃ حٰم کہ بعض تفاسیر میں ہے اور بعض میں حٰم السجدہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئی اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں تلاوت فرمائی۔ ولید نے سنا اور اس قوم کی مجلس میں آکر اس نے کہا خدا کی قسم میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ابھی ایک کلام سنا نہ وہ آدمی کا نہ جن کا بخدا اس میں عجیب شیرینی اور تازگی اور فوائد و دلکشی ہے وہ کلام سب پر غالب رہے گا۔ اس لئے کہ اس کلام اعلیٰ ثمردار اور نچلا حصہ ثمردار ہے۔

فائدہ ولید نے قرآن پاک کو گھنے دار درخت تازہ اور مضبوط اور جڑ والا درخت جس کے نیچے پانی اور آسمان کی جانب اس کی ٹہنیاں پھل سے بھرپور ہوں اور اسے اعلیٰ و اسفل ثابت کر کے کہا کہ اس کا اوپر کا حصہ ثمردار اور نیچے پانی ہی پانی۔ استعارہ تخلیلیہ ہے

فائدہ ولید نے کہا کہ اس کلام (قرآن) میں حلاوت ہے اور عذوبۃ (مٹھاس) ایسی کسی کلام میں نہیں اس کا اعلیٰ نہال ثمردار کہ اس سے سعادت کلی نصیب ہوتی ہے اور اسفل اس درخت طیبہ کی فضائل کی جڑیں اور بلند حکمتیں ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ (نبی علیہ السلام) قریش پر غلبہ پائے گا مغلوب نہ ہوگا قریش

کو اس کی باتوں سے بہت غم ہوا اور مشہور ہوگیا کہ ولید اپنے آبائی دین
سے برگشتہ ہوگیا۔ ابوجہل نے ولید کو ہموار کرنے کا ذمہ لیا اس کے پاس آکر غمزدہ صورت بنا کر بیٹھ گیا۔ ولید نے
کہا کیا غم ہے ابوجہل نے کہا کہ غم کیسے نہ ہو تو بوڑھا ہوگیا ہے قریش تیرے خرچ کے لئے روپیہ جمع کردیں گے انہیں خیال
ہے کہ تو نے محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی تعریف اس لئے کی ہے کہ تجھے ان کے دسترخوان سے
بچا ہوا کھانا مل جائے اس پر اسے طیش آیا اور کہنے لگا کیا قریش کو میرے مال و دولت کا حال معلوم نہیں ہے
کیا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے اصحاب نے کبھی پیٹ بھر کھانا بھی نہیں کھایا ان کے دسترخواں پر
کیا بچے گا پھر ابوجہل کے ساتھ اٹھا اور قوم میں آکر کہنے لگا ابھی موسم حج میں آئیں گے ان سے ان کا حال پوچھو
کیونکہ تمہارا اور ان کا حال دور تک پھیل گیا ہے لیکن میرا سوال ہے کہ تم کہتے ہو کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم) مجنون ہیں کیا تم نے انہیں کبھی دیوانگی دیکھی ہے سب نے کہا ہرگز نہیں وہ کبھی گلہ نہیں گھونٹا گیا کیونکہ عرب کا عقیدہ تھا
کہ مجنون کا شیطان گلا گھونٹتا ہے اور اسے بیہوش کرتا ہے یہ بات انمیں نہیں پھر پوچھا کیا محمد (مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم) کاہن ہے کیا تم نے کبھی کہانت کرتے دیکھا سب نے کہا نہیں، تم انہیں شاعر سمجھتے ہو کیا تم
نے اسے کبھی شعر کہتے پایا سب نے کہا نہیں پھر کہا تم اسے کذاب کہتے ہو (معاذ اللہ) کیا تمہارے تجربہ میں نہیں کہ
انہوں نے کبھی جھوٹ بولا۔ سب نے کہا نہیں بلکہ قریش میں آپ کا صدق و دیانت ایسا مشہور کہ قریش آپ کو امین
کہتے تھے یہ سن کر قریش نے کہا پھر بات کیا ہے ولید سوچ کر بولا بات یہ ہے کہ وہ جادوگر ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ
اس کی بدولت رشتہ دار رشتہ دار سے باپ بیٹے سے جدا ہو جاتے ہیں بس یہی جادوگر کا کام ہے اور جو قرآن وہ
پڑھتے ہیں وہ دل میں اثر کر جاتا ہے اس کا باعث یہ ہے کہ وہ جادو ہے (اس آیت میں اس کا ذکر فرمایا۔ جادو اس
لئے کہ وہ سمجھتا تھا کہ آپ اہل باطل سے جادو سیکھتے ہیں اس سے قریش بہت خوش ہوئے اور اسے داد دی جیسے
اوپر گزرا۔

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ (پھر اس پر لعنت ہو کیسی ٹھہرائی)۔ ثُمَّ تکرار تعجب دلانے میں مبالغہ ہے اس کی شناعت
بیان کرنے میں ثُمَّ دلالت کرتا ہے کہ دوسرہ نحرہ پہلے سے تعجب دلانے میں زیادہ بلیغ ہے یعنی یہ تراخی بحسب الرتبہ ہے اور اس کے
اس کے لائق بھی یہی ہے کہ اسے بار بار بددعا ہو اس کے بعد کا ثم اپنے اصل یعنی تراخی زمانی کے لئے ہے ثُمَّ نَظَرَ
(پھر نظر اٹھا کر دیکھا) قرآن بار بار اور اس میں سوچا ثُمَّ عَبَسَ (پھر تیوری چڑھائی) تو
منہ پھیرا یعنی منہ پھیر کر ترشی ظاہر کی اس لئے کہ اس میں کوئی ایسی
بات نہ ملی جس سے طعن و تشنیع کر سکے اور نہ ہی کچھ سمجھ میں آیا کہ کچھ کہہ سکے وَبَسَرَ اور منہ بگاڑا عَبَسَ کی اتباع

میں سے ہے، حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لیکن عطف الاتباع علی المتبوع غیر معروف ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ ہر دونوں ایک دوسرے کے مغایر ہیں اس لئے کہ عَبَسَ قطب وجہہ (ماتھے پر شکن ڈالا) تیوری چڑھائی اور بَسَرَ بمعنی دونوں آنکھوں کے درمیان کا حصہ سمیٹ کر اسے گندی طرح بنا کر روسیاہ ہو یعنی منہ بگاڑا یہی حلبی نے ذکر کیا اور اسی پر اعتماد ہے (اسی لئے یہی ترجمہ امام اہلسنت شاہ احمد رضا قدس سرہ نے اختیار فرمایا)۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "العبس" وقت سے پہلے شے میں جلدی کرنا جیسے البسر الرجل حاجتہ (مرد نے وقت سے پہلے اپنی حاجت چاہی) اور عَبَسَ دلبر کا معنیٰ ہے تیوری چڑھانا وقت سے پہلے اور بے ہنگام۔

ثُمَّ اَدْبَرَ پھر حق سے پیٹھ پھیری وَاسْتَكْبَرَ اور اس کی اتباع سے تکبر کیا۔ فَقَالَ حق سے روگردانی کے بعد کہا اِنْ (نہیں) نافیہ ہے بمعنی مَا اسی لئے اس کے بعد اِلَّا آیا ہے هٰذَآ وہ جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں یعنی قرآن اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ مگر جادو دوسروں سے سیکھا ہوا، جسے (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) غیر سے روایت کرتے اور سیکھتے ہیں اور یہ اس کا اپنا جادو بھی نہیں۔

حل لغات اثرات الحدیث وآثرہ اثرا۔ جب دوسروں کے آثار سے کوئی بات بیان کی جائے یعنی ان کے مرنے کے بعد یہ اس کا اصلی معنیٰ ہے پھر بمعنیٰ روایت از کسے باشد۔ اور حدیث وہ جو خلف از سلف صالحین رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کریں کہا جاتا ہے ادعیہ ماثورہ یعنی وہ دعائیں جو اکابر سے منقول ہوں۔

مسئلہ کسی مقصد کے لئے سحر سیکھنے کی شرعًا رخصت ہے لیکن اس کی حقیقت (حق ہونا) کا اعتقاد کفر ہے جیسے کہا جاتا ہے الشرلا للشرولکنی لتوقیہ میں نے شر کو شر کے لئے نہیں بلکہ اس سے بچنے کے لئے سیکھا۔

مسئلہ جادو پر عمل کرنا (اسے حق سمجھنا) بھی کفر ہے اس کا معنیٰ اور اس کے متعلق تفصیل اپنے مقام پہ گذری ہے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ یہ نہیں مگر آدمی کا کلام۔ ماقبل کی تاکید ہے اسی لئے اسے عطف سے خالی لایا گیا ہے۔ ولید بن مغیرہ نے یہ محض سرکشی وعناد سے کہا نہ کہ اعتقاد سے کیونکہ مروی ہے کہ اس نے پہلے اقرار کیا تھا کہ یہ کلام کسی انس وجنس کا نہیں۔ بشر سے اس کی مراد:

① یسار
② جبیر
③ ابو فکیہہ ہے۔

پہلے دو بلاد فارس کے دو غلام تھے وہ مکہ معظمہ میں رہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ان کے ہاں اٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا اور ابو فکیہہ رومی غلام تھا وہ مسیلمہ الکذاب یمامہ والے کی طرف سے مکہ معظمہ میں آیا جایا کرتا تھا۔

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ (عنقریب میں اسے دوزخ میں داخل کروں گا) میں اسے جہنم میں داخل کروں گا۔

فائدہ الصحاح میں ہے کہ سقر دوزخ کے اسماء سے ایک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سقر جہنم کا چھٹا طبقہ ہے۔

حل لغات کہا جاتا ہے سقرته الشمس دھوپ نے اسے اذیت اور درد والم پہنچایا اور دوزخ کو سقر اس کے درد و آلام پہنچانے کی وجہ سے کہا جاتا ہے سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ، سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا سے بدل الاشتمال ہے خواہ اس معنیٰ پر ہے کہ اس میں شدید عذاب ہے خواہ اس معنیٰ پر کہ وہ آگ کا پہاڑ ہے کیونکہ سقر ہر دونوں پر مشتمل ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ (اور تم نے کیا جانا کہ سقر کیا ہے) پہلا ما مبتدأ اور ادراک اس کی خبر ہے اور دوسرا ما سقر کی خبر ہے اسی لئے کہ یہ وہی فائدہ دے رہا ہے جو سقر سے چاہیئے یعنی ہولناکی اور گھبراہٹ وغیرہ بخلاف اس کے کہ جو الحاقہ میں گذرا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں سقر کی وصف کس نے بتائی یعنی وہ تو عقول کے ادراک کے دائرہ سے خارج ہے اسمیں اس کے حال کی عظمت کا اظہار ہے۔

لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ (کہ نہ چھوڑے نہ لگی رکھے) اس کے حال اور وصف کا بیان اور وما ادراک الخ میں جو ضمناً وعدہ کیا گیا اسے پورا کرنے کی خبر ہے یعنی وہ نہ چھوڑے گی اسے جو شے اسمیں ڈالی جائے گی کہ اسے جلا کر راکھ بنا دیگی اور جب وہ شے ہلاک ہو جائے گی تو بھی وہ ہلاک ہونے والی شے مرٹ جائے گی بلکہ وہ اپنی پہلی اور اصلی حالت پر آجائے گی پھر وہ اسے پہلی پہلی طرح جلائے گی ایسے ہی تا ابد جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا (جب ان کے چمڑے جل جائیں گے تو ان کے اور چمڑے بدل دیں گے) یا یہ کہ وہ کسی کو نہ بچائیگی یعنی کسی پر رحم نہ فرمائے گی اور کسی کو ہلاک کرنے میں نہ چھوڑے گی بلکہ اسمیں جو شے ڈالی جائے گی وہ لازماً ہلاک ہو جائے گی کیونکہ وہ غضب الجبار سے پیدا کی گئی ہے۔

حل لغات تہذیب المصادر میں ہے کہ الابقاء بمعنی باقی چھوڑنا اور شفقت کرنا بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ نہ کسی زندہ چھوڑے گا نہ مردہ جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا ثُمَّ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی پھر وہ نہ مرے گا نہ جئے گا۔

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (آدمی کی کھال اتار لیتی ہے)

حل لغات کہا جاتا ہے لاحت النار الشی، احرق اسود نار نے جلاکر راکھ بنا دیا لاحہ اسقرا والعطش سفر یا پیاس نے اس کا حال بدل ڈالا ۔ وہ اس لئے کہ جیسے دسومۃ (لیدار شے) سو جب وہ جل جائے تو وہ سیاہ ہو جاتی ہے البشر بشرۃ کی جمع ہے انسان کے چمڑے کا ظاہری حصہ یعنی جہنم کی آگ آدمی (کافر) کے صرف ظاہری چمڑے کو جلاکر سیاہ کر ڈالے گی بعض دوزخ کی فراخی کی وجہ سے چمڑے کو جھلس لے گی پھر اسے اس حال میں چھوڑے گی کہ گویا وہ رات کی تاریکی سے بھی زیادہ سیاہ ہے۔

سوال لا یبقی ولا تذر کے حکم کے مطابق چمڑے کا سیاہ رہنا کیسا؟

جواب آیت میں یہ دلیل کہاں ہے کہ وہ اپنے میں داخل ہونے والے کو بالکل مٹا ڈالے گی بلکہ اس سے تو اس کا ثبوت ہے کہ اگر وہ مٹا بھی ڈالے تب بھی وہ پہلے اسے سیاہ کرے۔

فائدہ بعض نے یہ معنی کیا ہے کہ وہ لوگوں کو نظر آنے والی ہوگی لواحۃ اسم فاعل ہے بمعنی لامحا زلاح یلوح بمعنی ظہر اور البشر بمعنی لوگ بعض نے کہا کہ وہ دوزخیوں کو پانچ سو سال کی مسافت سے نظر آئے گی جیسے اللہ (تعالیٰ) نے دوسرے مقام پہ فرمایا وبرزت الجحیم لمن یری جو دیکھے گا اس کے لئے دوزخ ظاہر کی جائیگی پھر کافر تک اس کی بو اور گرمی پہنچے گی جیسے مومن کو پانچ سو سال کی مسافت سے بہشت کی ہوا خوشبو پہنچے گی۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ سقر پر انیس (۱۹) فرشتے ہیں جو اس کے متولی اور اہل سقر پہ اسے مسلط کرتے ہیں وہ حضرت مالک اور اس کے ساتھ اٹھارہ فرشتے ہیں (علیہم السلام)۔

دوزخ کے ملائکہ کرام کی مہیب صورتیں دوزخ کے ملائکہ کی آنکھیں چمکدار ان کی داڑھیں بلند قلعوں کی طرح ان کے بال قدموں کو مس کرتے کرتے ہوں گے ان کے مونہوں سے آگ کے شعلے نکلیں گے ان کے دونوں کاندھوں کی درمیانی مسافت ایک سال کی ہوگی ان سے رحمت و رافت نکال کی گئی ہے ایک فرشتہ ستر ہزار کا فر ہاتھ میں لے کر جہنم کی جس جگہ چاہے گا پھینکے گا۔

فائدہ بعض نے کہا یہ انیس (۱۹) دوزخ کے فرشتوں کے رؤسا و نقباء ہیں ورنہ اسمیں کام کرنے والوں کی شمار نہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَا يَعْلَمُ جنود ربك الا هو (اور تیرے رب کے لشکر کو وہی خود جانتا ہے) اور یہ بھی جائز ہے اس ہر ایک کے تحت ان گنت لشکر ہوں۔

۱۹ اعدد کے نکات ارباب معانی و معرفت نے ۱۹ کے عدد اور تخصیص کے نکات بیان فرمائے ہیں۔ ① نفس انسانی کی قوت نظریہ و عملیہ کے فساد کا سبب قوائے حیوانیہ و طبعیہ

ہیں اور قوائے حیوانیہ پانچ ظاہرہ ہیں اور پانچ باطنہ کل دس اور اس کے ساتھ دو، شہوۃ وغضب ملانے سے بارہ ہوئے اور قوائے طبعیہ یعنی جاذبہ وماسکہ وہاضمہ ودافعہ وغاذیہ ونامیہ مولدہ کو ملانے سے کل انیس (۱۹) ہوئے۔

فائدہ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قوائے حیوانیہ سے وہ قویٰ مراد ہیں جو مواد ثلاثہ (حیوان۔ نبات۔ معدن) میں سے حیوان سے مخصوص ہیں اور یہ دو قسم ہیں،

① مدرکہ
② فاعلہ

مدرکہ وہ ہے جسے فعل میں دخل ہے اور باعثہ یا محرکہ یہ بھی دو ہیں:

① شہوت
② غضب اور قوائے طبعیہ

یہ حیوان کے ساتھ نہیں بلکہ یہ نبات (انگوریوں) میں بھی پائی جاتی ہیں وہ سات ہیں تین مخدوم ہیں۔

① غاذیہ
② نامیہ
③ مولدہ اور چار خوادم (خادمہ کی جمع ہیں۔

① جاذبہ
② ہاضمہ
③ ماسکہ
④ دافعہ

فائدہ چونکہ آفات کا منشأ یہی ۱۹ قوی ہیں اسی لئے زبانیہ دوزخ کے بڑے فرشتے بھی ۱۹ ہوئے حضرت سعدی مفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ان قویٰ کے اثبات بمعنیٰ فلسفہ کے اصول ہیں اس سے مختار (اللہ) کی نفی لازم آتی ہے اس طرح سے تفسیراز فلسفہ لازم آتی ہے اگرچہ یہ تفسیر امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کبیر (تفسیر) میں بیان فرمائی ہے پھر ان کی اتباع میں دوسرے مفسرین بھی وہی تفسیر کرنے لگے اور فرمایا کہ حق یہ ہے کہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کیا جائے کیونکہ عقول بشریہ اس جیسی حکمتوں کے ادراک سے عاجز وقاصر ہیں۔

فائدہ اس کی تردید ہوتی ہے امام سہیلی رحمہ اللہ کے اس قول سے کہ فرمایا کہ یہ نکتہ بیان کرنا کہ وہ زبانیہ (دوزخ کے فرشتے) انیس ۱۹ کیوں ہیں اس سے کم وبیش کیوں نہ ہوئے اس کی دلیل (ابجد) کتاب وسنت میں ہے اور ان میں اس کے اشارات بھی ہیں لیکن وہ پوشیدہ راز کی طرح ہے لیکن لوگوں کی عادت ہے کہ جس شے کی انہیں خبر نہ ہو یا اس سے مانوس نہ ہوں اس کا انکار کر دیتے ہیں بلکہ اس سے لاعلمی کی وجہ سے اس کی سختی سے تردید کرتے ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کا نشر و ذکر سوء تاویل سے خطرہ سے باہر نہیں بوجہ اس کے حفظ و تحصیل میں قصور اکثر افہام اور بوجہ اس بہت بڑے میں گھسنے کی قلت استعداد کے (امام السہیلی)

④ دوزخ کے سات ابواب ہیں چھ کافروں کے لئے ایک فاسقوں کے لئے۔ کافر تو دوزخ میں تین امور کی وجہ سے داخل ہوں گے۔

① ترک الاعتقاد۔

② ترک الاقرار۔

③ ترک العمل الصالح۔

دوزخ کے ہر دروازے کو ان تینوں پر ضرب دینے سے اٹھارہ ہوئے اور چونکہ فاسق سے صرف عمل صالح کی کوتاہی ہوئی اسی لئے وہ ایک رہا اس معنیٰ پر دروازے ۱۹ ہوئے۔

③ شب و روز کے ۲۴ گھنٹے ہیں پانچ صلوٰت خمس میں مشغول ہوئے ان میں سے باقی ۱۹ بچے وہ عبادت کے بغیر گذرے تو انہیں دوزخ کے ۱۹ زبانیہ کے ذریعے مختلف عذاب میں مبتلا کیا جائے گا یعنی پانچ نمازوں کی تکریم پر اللہ (تعالیٰ) نے ۲۴ گھنٹوں کے مقابلہ میں پانچ زبانیہ (فرشتے) پیدا ہی نہیں کئے تو وہ صرف نمازی لیکن عاصی لوگوں سے مخصوص نہیں (یعنی وہ ویسے ہی پہلے سے پانچ پیدا ہی نہیں ہوئے) حواشی مفتی سعدی)

④ اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی اس گنتی سے حفاظت کی ہے جس گنتی پر زمین کو جبال نے محفوظ رکھا ہوا ہے وہ ہیں (۱۹) پہاڑ جن کا اصل ۱۹ ہے۔

⑤ عالم کے مدبرات ۱۹ استارے ہیں سات سیارہ ہیں اور بروج ۱۲ ہیں یہی عالم سفلی کی تدبیر پر مؤکل ہیں اور اسمیں یہی لبظاہر مؤثرہ ہیں۔ یہی اپنی تاثیر کے ڈنڈوں سے انہیں اکھیڑیں گے اور ہلاکت گاہوں میں پھینکیں گے۔

⑥ وہ جو حضرت سجاوندی قدس سرہ نے عین المعانی میں بیان فرمایا ہے کہ مفسرین نے اس عدد کی حکمت میں گفتگو کی ہے بہتر ہے کہ اعداد کی حکمت کا مطالبہ ہو اگر کچھ کسی کو طلب ہو تو وہ یہ ہے ۱۹ احاد کا اکثر عدد ہے اور دس عشرات کا سب سے کم عدد ہے ان دونوں کو جمع کرنے پر ۱۹ ہوئے اسی

لئے زبانیہ (دوزخ کے نگران) ۱۹ ہیں۔

⑦ کشف الاسرار میں ہے کہ بسم اللہ شریف کے ۱۹ حروف ہیں اور زبانیہ (فرشتے) بھی ۱۹ ہیں اور مومن اس کے ہر حرف دوزخ کے فرشتے کو دفع کرتا ہے اور اللہ (تعالیٰ) کی رحمت اس کے غضب پر سبقت کئے ہوئے ہے۔

⑧ فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کو کشف الاسرار کے مطالعہ سے پہلے آگاہی ہوئی وہ یہی کہ بسم اللہ کے ۱۹ حروف جیسے حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

نوزدہ حرفست کہ ہژدہ ہزار
عالم ازو یافتہ فیض عمیم

ترجمہ: ۱۹ حروف کے اٹھارہ ہزار عالم نے فیض پایا ہے۔

فائدہ بسم اللہ آیۃ الرحمۃ جسے کفار و فساق نے قبول نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ایک ایک حرف پر ایک ایک غضب کا فرشتہ پیدا فرما کر غضب کی علامت بنا دیا جیسے خازن جنت کو علامت رحمت بنایا جو ہم نے بیان کیا اس پر حدیث دلالت کرتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قبر میں ہر کافر پر ننانوے اژدھا (بڑے سانپ) مسلط کئے جائیں گے جن کے مونہوں میں تیروں کے دندانوں کی طرح داڑھیں ہوں گی جو سیدھی لمبی کھجور کی طرح لمبے ہو۔ ان کی آنکھیں خون کی طرح سُرخ ہوں گی جو منہ کھولے ہوئے اور پیٹ چوڑے ہوں گے انسانوں اور حیوانوں کو ہڑپ کر جائیں گے۔

نکتہ ننانوے سانپوں کے تسلط میں یہ نکتہ ہے کہ کافر نے اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمأ سے کفر کیا اسی لئے اس کا مستحق ہوا کہ اس پر ان اسما کی گنتی پر ننانوے اژدھا مسلط ہوں قبر میں جو اس کے لئے جہنم کے گڑھوں میں ایک گڑھا ہے اور ضروری بھی نہیں کہ اس پر دوزخ میں اتنا قدر اژدھا مسلط ہوں اس سے کم و بیش بھی ہو سکتے ہیں۔

فائدہ ۹ کا عدد قہر و حصر و انقراض کا ہے اس لئے کہ دوزخیوں سے رحمت رحیمیہ ختم کرا دے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے نفوس بشریہ کا اختلال (خلل آجانا) علم و عمل کی وجہ سے ہوگا اور جہنم میں دخول سے بُعد و طرد اور لعنت و حجاب و احتجاب ہے یہ ان کے موجبات پر مرتب ہوئے اور وہ موجبات نو ہیں جو حواس خمسہ ظاہرہ اور باطنہ کے سوا ہیں وہ ہیں:

سیات اعضأ و جوارح جن کے لئے حدیث شریف وارد ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا کہ میں سات اعضاءِ آداب (جوارح) کے لئے سجدہ کرنے پر مامور ہوں ۱/۲ ہاتھ ۳/۴ پاؤں ۵/۶ گھٹنے (۷) چہرہ ۔ اور طبعیہ بشریہ جو سب پر مشتمل اور بحسب الظاہر والباطن تمام میں مؤثر ہے اور جائز ہے کہ مذکورہ بالا کے علاوہ دو اور یہ ہوں (۱) قوت غضبیہ (۲) قوت شہویہ قوت طبعیہ کے بجائے یہی ہو ۔ اس تقریر پر ۱۹ ہو جائیں گے (۵) حواس ظاہرہ (۵) حواس باطنہ (۷) اعضاء جوارح (۲) قوت طبعیہ شہویہ کلمیزان (۱۹)۔

تفسیر عالمانہ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ اور ہم نے نہیں کئے دوزخ کے داروغے ۔ یعنی وہ جو دوزخ کے امور کے مدبّر اور دوزخیوں کو عذاب کرنے پر مقرر ہیں یہ اصحاب النار کا لفظ اس اصحاب النار کا غیر ہے جو لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ (نہیں برابر دوزخی اور بہشتی) کا غیر ہے۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ ہم نے اصحاب النار پر خزنہ (خازن) داروغے) نہیں کئے یعنی مضاف محذوف ہے لیکن یہ معنیٰ بعید از قیاس ہے اس لئے کہ وہ دوزخ کے داروغے ہیں نہ کہ اصحاب النار کے ۔

إِلَّا مَلَائِكَةً مگر فرشتے ۔ تاکہ ثقلین (جن والنس) کے معذّب لوگ ان سے ڈریں نہ وہ ان کے لئے نرم ہوں گے اور نہ ان کی طرف مائل ہوں گے کیونکہ ہم جنس سے نرمی اور رحمت کا گمان ہوسکتا ہے اس لئے رسل کرام علیہ السلام کو ہماری جنس (بشریت) سے بھیجا تاکہ وہ ہم پر رحم فرمائیں ۔

فائدہ نیز فرشتے اس لئے مقرر ہوئے کہ وہ مخلوق میں سے قوی تر اور حق کے ساتھ زیادہ قائم ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہی غضب کرتے اور عذاب کے اعتبار سے سخت تر ہیں ۔

ملکی قوت کا بیان حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فرشتے کی قوت وطاقت ہے ثقلین (جملہ انس وجن) کے برابر اکیلا ہی تمام امت کو دھکیل کر لے جاسکتا ہے اس کے گلے میں پہاڑ ہے جو تمام لوگوں کو جہنم میں پھینک کر وہ پہاڑ اٹھا کر ان پر ڈال سکتا ہے ۔

شان نزول جب یہ آیت نازل ہوئی کہ دوزخ پر ۱۹ داروغے ہیں تو ابوجہل نے قریش کو کہا کیا تمہارے دس دس ملکر ایک ایک (دوزخ کے داروغہ) کو کفایت نہیں کر سکتے ابوالاسود ابن السید بن کلدہ نے کہا (پہلوان نے کیونکہ وہ سخت گرفت اور قوت کا مالک تھا یہاں تک کہ اس کی قوت کا یہ عالم تھا کہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور لوگ اس کے پاؤں سے کھینچتے تو کھینچ سکتے بلکہ وہ گائے کے چمڑے کو ٹکڑے تو کر سکتے لیکن اس کے پاؤں جہاں جمے ہوتے انچ بھی نہ ہٹا سکے) ان دوزخ کے سترہ داروغوں کو تو میں اکیلا کافی ہوں باقی صرف دو تم سارے قریش سنبھال لو ۔ اس پر یہ نازل ہوئی یعنی دوزخ کے داروغے تمہاری

جن کے مرد نہیں کہ جن سے تم طاقت آزمائی کر سکو وہ تو فرشتے ہیں اور ان پر تم میں سے کون ہے جو غلبہ پا سکے ان کا صرف ایک جملہ مخلوق کی ارواح سمیٹ لیتا ہے (جیسے عزرائیل علیہ السلام) ان کا ایک ہی فرشتہ زمین کو اوپر نیچے کر لیتا ہے (جیسے جبریل علیہ السلام) اور تمہارے تمام اس کے ایک فرشتے کو دیکھنے کی طاقت تک نہیں رکھتے اس کا مقابلہ تو بڑی بات ہے۔[1]

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور ہم نے یہ گنتی نہیں رکھی مگر کافروں کی جانچ کو، یعنی انکی گنتی صرف کفار کی آزمائش اور ان کے کفر میں و توع کے لئے مقرر کی گئی ہے یعنی ۱۹ مؤثر یعنی عدد مخصوص ۱۹ کے بجائے اثر سے تعبیر کیا تاکہ تنبیہ ہو کہ وہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں اور کلام کو اس پر محمول اسی لئے کیا گیا ہے کہ وہ مبتدأ و خبر کے دواخل سے نہیں اسی لئے واجب ہے کہ اس کے مفعول ثانی کو مفعول اول پر محمول کیا جائے اور کفار کے فتنے پر ہی انکو فتنہ کہا گیا ہے ورنہ وہ فی نفسہ کوئی فتنہ (آزمائش) نہیں نیز ان کو صرف کفار کی آزمائش کے لئے عدد معین نہیں بنایا گیا بلکہ قرآن مجید میں بھی ان کے اتنا پر اکتفا کیا کہ وہ واقعی ۱۹ ہیں کیونکہ اتنا کم گنتی ہی کفار کے لئے آزمائش بن سکتی ہے کہ وہ سمجھیں گے کہ وہ کل ۱۹ بہت تھوڑے ہیں اور ہم کفار و قریش وغیرہ بہت زیادہ پھر وہ تھوڑے ہمارا کیا بگاڑ سکیں گے اسی لئے وہ اس گنتی کو سُن کر استہزا کیا اس قاعدہ پر آنے والے مضمون میں اہل کتاب کے استیقان اور اہل اسلام کے ایمان اور تصدیق کا دارو مدار ہے۔ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اس لئے کہ ایمان والوں کو یقین آئے۔ یہ جعل کے متعلق ہے اور پر معنیٰ مذکور رہے سین طلب کے لئے ہے یعنی تاکہ اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر یقین حاصل کر سکیں اور قرآن مجید کی تصدیق کریں جب مشاہدہ کیا اسمیں وہی ہے جو ان کی کتابوں میں ہے۔

فائدہ اہل کتاب (یہود) نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوزخ کے داروغوں کی گنتی کا سوال کیا تو آپ نے فرمایا ۱۹ ہیں۔ یعنی دو بار انگلیوں کا اشارہ کیا لیکن دوسری بار ایک انگوٹھا بند رکھا تھا تاکہ وہ ۱۹ کا اشارہ سمجھ سکیں۔

وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِيْمَانًا اور ایمان والوں کا ایمان بڑھے) ان کے ایمان کی کیفیت بڑھے، اس سے جو انہوں نے اہل کتاب کی تسلیم و تصدیق کو دیکھا کہ وہ واقعی ایسے ہے جیسے قرآن نے کہا یا کمیت سے کہ اہل کتاب کا ایمان ان کے ایمان سے مل گیا یعنی ہم متفق ہوئے اسمیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

---

[1] مسلمانوں کو خوشی ہو بلکہ مبارک ہو کہ وہ جملہ ملائکہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی، مرید اور نیاز مند ہیں اور اکثر ملائکہ ہمارے پیرومرشد محبوب سبحانی قطب ربانی قدس سرہ کے عاشق بھی ہیں اور نیاز مند بھی۔

وسلم پر نازل ہوا۔ وَلَا یَرْتَابَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اور کتاب والوں اور اہل ایمان کو کوئی شک نہ رہے یہ استیقان و ازدیاد للایمان کی تاکید ہے کیونکہ ضد الشئ کی نفی اس کے وقوع کے اثبات کے بعد اثبات میں زیادہ بلیغ ہوتی ہے اور وہ نفی جو مستیقن و مؤمن کو کسی شبہ سے طاری ہوتی اس کے بعد اسے ایسا یقین جازم حاصل ہوگا کہ اس کے بعد کبھی شک واقع نہ ہوگا۔

سوال ارتیاب میں اہل کتاب کے ساتھ ایمان والوں کو شامل کیوں نہیں کیا مثلاً کہا جاتا وَلَا یَزْدَادُوْا (اہل ایمان)۔

جواب تاکہ تنبیہ ہو کہ حال میں دونوں نفیوں میں فرق ہے اس لئے کہ اہل کتاب کے ارتیاب کی نفی مقارن ہے اس کو کہ وہ انکے انکار کے منافی ہے اور اہل ایمان کے ارتیاب کی نفی ان کے ایمان کی مقتضی ہے تو ان کے درمیان فرقیت از کجا تا کجا۔

نکتہ پہلے انہیں (اہل ایمان) کو موصول جس کا صلہ جملہ فعلیہ جو حدوث کی خبر دیتا ہے پھر اسے صیغۂ اسم فاعل کے ذکر میں آگاہ کرنا ہے انکے ایمان پر ثابت قدمی اور اسمیں راسخ ہونے میں جبکہ پہلے ان کے ایمان ازدیاد (زیادتی) کی خبر دی گئی۔

وَلِیَقُوْلَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (اور کہیں جن کے دل میں روگ ہے)۔ شک یا منافقت ہے کیونکہ یہ دونوں اندرونی بیماریاں ہیں اس معنی پر قبل از وقت وہ خبر دی گئی جو ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں واقع ہوگی اس لئے کہ منافقت کی بیماری مدینہ طیبہ میں منافقوں میں پیدا ہوئی کیونکہ اہل مکہ میں یا خالص مؤمن تھے یا مکذب (تکذیب کرنے والے) یا شک کرنے والے تھے۔ وَالْکٰفِرُوْنَ اور کافر تکذیب پہ اصرار کرنے والے۔

سوال کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ان کا قول ہذا مقصود الہٰی ہو۔

جواب لام اپنے حقیقی معنیٰ پر نہیں بلکہ عاقبت کی ہے اب کوئی اشکال نہیں۔

مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا (اس اچنبے کی بات میں اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے)۔ مثلاً تمیز ہے ہذا کی یا اس سے حال ہے بمعنی مثلاً بہ جیسے اللہ نے فرمایا هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لئے آیت ہے) یعنی اللہ کی اس عدد عجیب وغریب کی مثل سے کیا مراد ہے۔ اس عدد پر مثل کا اطلاق بر سبیل استعارہ ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے اس کی مثل مضروب کے ساتھ تشبیہ دی ہے یعنی قول جو غرابت میں مستعمل ہوتا ہے وہ غریب بایںمعنی ہے کہ وہ عقد تام ہو کر نہیں جیسے عشرون وثلاثون اور یہ استفہام انکاری ہے ان کا انکار اس سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نہیں اس لئے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے ہوتا تو عدد ناقص نہ ہوتا۔

فائدہ ان کے اس قول کو تعلیل کے ساتھ لانا باوجودیکہ وہ ان کی آزمائش کے باب سے ہے تاکہ آگاہی ہو کہ یہ انکی شناعت میں مستعمل ہے۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ (یونہی اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے)۔ ذٰلِكَ کا اشارہ ماقبل کی طرف ہے۔ معنی ضلال سے یعنی اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کرنا چاہے گمراہ کر دے جیسے ابوجہل اور اس کے ساتھی جو جہنم کے داروغوں اور ان کی گنتی کے منکر ہیں ان کا گمراہ کرنا اس طرح جو مذکور ہوا نہ کہ اس سے کم کیونکہ انہوں نے آیات الٰہی جو حق پر ناطق ہیں کو دیکھنے کے باوجود گمراہی اختیار کی اس کا اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ضلالت ازلیہ کے موافق ہی گمراہ کرتا ہے کیونکہ گمراہی اور صرف اختیار اس کی جانب ہر دونوں اس کے عین ثابتہ کے مقتضیٰ پر ہے۔ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (اور وہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے)۔ اپنی ہدایت جیسے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی وہ اس ہدایت کی مثل جو مذکور ہوئی نہ اس سے ادنیٰ کیونکہ مومن نے ان آیات کے مشاہدہ پر اپنے اختیار کو ہدایت اور اس کی حقیقت صرف کیا (پھیرا) اور اللہ تعالیٰ ہدایت ازلیہ کے موجب ہی کرتا ہے اس لئے کہ ہدایت پانا اور صرف اختیار اس کی جانب ہر دونوں اس کے احوال ازلیہ سے ہیں اسی لئے عالم عین میں دائماً اس کے خلاف نہ ہوگا۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ (اور تیرے رب کے لشکر کو کوئی نہیں جانتا) اس کی جملہ مخلوق کو منجملہ ان کے ملائکہ بھی مذکور ہیں۔

حل لغات جنود جند (بالضم) کی جمع ہے معنیٰ لشکر اور ہر مجتمع اور ہر مخلوق کی علیحدہ قسم ہے۔

حدیث شریف میں ہے بیشک اللہ تعالیٰ کے بہت سے لشکر ہیں منجملہ ان کے ایک شہد کی مکھی کا لشکر بھی ہے۔

اِلَّا هُوَ (مگر وہی) اس کی کثرت کی وجہ سے۔

سوال موسٰی علیہ السلام حضرت موسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اہل سما کی گنتی پوچھی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا بارہ سبط ہر سبط مٹی کے ذرات کے برابر ہے۔

فائدہ الاسرار المحمدیہ میں ہے کہ عالم کا کوئی گھر اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جو آباد نہ ہو لیکن اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اس پر دلیل وہ ہے جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوۃ (تنہائی) میں بھی ستر چھپانے کا حکم فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا مرد و عورت ننگے ہو کر جماع نہ کریں۔

فائدہ اسمیں اشارہ ہے کہ زبانیہ کی گنتی کا اختیار مبنی بر حکمت ہے ورنہ اس کے لشکروں کی گنتی اور ضبط کے دائرہ سے خارج ہے۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جنود کی تعداد اور ان کی کمیۃ و کیفیت اور حقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کیونکہ اس کا علم ماہیات اور ان کے احوال کو محیط ہے۔

تفسیر صوفیانہ لشکروں کو کوئی نہیں جانتا۔ سوا اس کی ھویّۃ کے کہ وہ جمیع جنود تعینات غیر متناہیہ کی جامع ہے بحسب اسماء جزئیہ اور جزئیات اسماء کے۔

ملائکہ کی اقسام بعض عارفین نے فرمایا کہ ملائکہ کی مخلوق کے کئی مراتب ہیں۔

① وہ صرف ارواح ہیں ان میں کوئی عقل نہیں سوائے تعظیم جناب الٰہی کے وہ کچھ نہیں جانتے نہ ہی ان کا کوئی منہ ہو جو عالم یا ان کے نفوس کی طرف مصروف ہو انہیں جلال الٰہی نے حیران کر رکھا ہے وہ صرف اسی میں ہی حیران و مست ہیں۔

② ارواح یہ مدبر ہیں اجسام طبعیہ ارضیہ کے یہ انسانوں اور حیوانوں کی ارواح ہیں جن کے اجسام عنصری طبعی ہیں اور یہ ارواح انہی اجسام کے مدبر ہیں اور وہ اجسام انہی ارواح میں مقصود ہیں اور وہ ایک دوسرے کی تسخیر میں ہیں جیسے اللہ نے فرمایا یتخذ بعضھم بعضا سخریا تاکہ بنائے تمہارے بعض کو بعض کے تابع۔

③ ارواح ہماری مصلحتوں کے لئے ہمارے مسخر ہیں ان کے کئی طبقات ہیں۔

④ بعض وحی لانے پر مقرر ہیں۔

⑤ بعض القائے پر مؤکل ہیں۔

⑥ بعض ارزاق پر۔

⑦ بعض قبض ارواح پر۔

⑧ احیاء الموتیٰ پر۔

⑨ اہل ایمان کی استغفار و دعا پر

اعمال کی جزاء کے لئے جنت میں باغات تیار کرنے پر وغیرہ وغیرہ

مسئلہ مراتب فضیلت میں بھی متفاوت ہے ہیں مثلاً جبریل علیہ السلام عزرائیل علیہ السلام سے اور میکائیل علیہ السلام جبریل علیہ السلام سے اور اسرافیل علیہ السلام میکائیل علیہ السلام پر فضیلت رکھتے ہیں۔

فائدہ اللہ تعالیٰ کے یہ لشکر کسی جنگ کے لئے تیار نہیں بلکہ مملکت ظاہرہ عالم علی و اسفل کی ترتیب کے لئے ہیں۔ کیونکہ جب آسمانوں اور زمینوں میں اس کے لشکر ہیں تو جنگ ہو تو کس سے۔ تو لازماً ثابت ہوا کہ وہ تسخیر کے لشکر ہیں کیونکہ تمام اس کا مسخر ہے ان کے بعض دوسرے بعض کے تابع ہیں اور تمام ملائکہ ہمارے لئے مسخر ہیں وہ سب بارہ بادشاہوں کے ماتحت ہیں وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے عالم خلق کا والی (بادشاہ) بنایا ہے ان کی قرارگاہ فلک اقصیٰ ہے ان کا ہر والی ایسے برج میں ہے جیسے شہر کی چاردیواری پر ہوتے ہیں ہر والی برج

ین تخت پر بیٹھا ہے ان سے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ تک حجابات ہٹا دیئے ہیں وہ اس مسطر کو دیکھتے رہتے ہیں جمیں ان کے اسماً و مراتب اور جو کچھ عالم خلق میں قیامت تک ان کے ہاتھوں جاری ہونا (ذرہ ذرہ) لکھا ہوا ہے اور وہ ہر ایک اس تمام لکھے ہوئے کو اپنے اندر لنفس میں منقش کر لیتے ہیں اور ان میں وہ تمام علوم ایسے محفوظ ہوتے ہیں کہ تغیر و تبدل کا امکان تک نہیں (جیسے ہم اپنے تمام احوال جانتے ہیں بوجہ ہمارے قلوب کے لوح محفوظ کے بالمقابل ہونے کے یہ اولیاً اللہ کا مرتبہ ہے) اس ہر والی (بادشہ) کے دو حاجب ہیں جو ان کے احکام نائبین پر جاری کرتے ہیں ان کے ہر دونوں حاجبوں کا ایک سفیر ہے جو ان دونوں کے درمیان وہ لے کر چلتا ہے جو ان کے لئے القا کیا جاتا ہے۔ اور ان کے لئے فلک ثانی میں منازل ہیں جمیں وہ ٹھہرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں انہیں نازل فرمایا اور وہ منازل اٹھائیس ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَٰهُ مَنَازِلَ ہم نے چاند کی منزلیں مقرر فرمائی ہیں۔ یعنی وہ اپنی سیر سے ان منازل کی ہر منزل کو روزانہ طے کرتا ہے یہاں تک کہ آخری دور تک پہنچکر نیا دورہ شروع کرتا ہے تاکہ چاند اور سورج کی سیر اور پلٹنے سے لوگ سالوں اور حساب کا اندازہ کر سکیں اور ہر شئے کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے مفصل بیان فرمایا انہی منازل میں اللہ تعالیٰ نے انہی ملائکہ کو ٹھہرایا یہ فرشتے ان والیوں (بادشاہوں) حجّاب (حاجبین) ہیں جو فلک اعلیٰ میں ہیں پھر انہیں حکم ہوا کہ وہ ساتوں آسمانوں میں ان کے لئے نُوّاب (نائبین) اور نقباً (نقیب) مقرر کریں ہر آسمان میں ان کے حجاب کی طرح نقیب ہوتا ہے کہ وہ عالم عنصری کے وہ مصالح دیکھیں جو ان والیوں کی طرف القا جاتے ہیں اور جو انہیں حکم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا واوحي في كل سماء امرها اور اللہ تعالیٰ نے ہر آسمان میں اس کا امر القا فرمایا پھر ان نقبا کواکب کے اجسام کو نورانی اور گھومنے والا بنایا اور ان میں ارواح پھونکیں اور انہیں ساتوں آسمانوں میں اتارا ان میں ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ آسمان میں رہے اور انہیں فرمایا کہ میں نے تمہیں اس لئے مقرر فرمایا ہے تاکہ تم ان اٹھائیس حُجّاب کے ذریعے ان بارہ والیوں سے وہی حاصل کرو گے جو وہ لوح محفوظ سے حاصل کرتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان نقبا سبعہ کے ہر ایک کے لئے مقرر فرمایا جو اسمیں پھیرے وہ فلک اس کے لئے ایسے ہے جیسے سوار کے لئے گھوڑے (وغیرہ کی سواری)۔ اسی طرح ان تمام حُجّاب کے افلاک ہیں جن میں وہ پھیرتے ہیں اسلئے ان کو حوادث عالم پر تصرف اور ان پر جھانکنے (یعنی نگرانی و آگاہی) کا حکم ہے ان کے لئے خدام و اعوان ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں ہیں انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے افلاک سواری کے لئے بخشے ہیں وہ بھی انہی میں سے پھیرتے اور مملکت میں ہر روز ان کے ذریعے گھومتے پھرتے رہتے ہیں آسمان و زمین کے

جملہ امور میں سے کوئی شے ان سے فوت نہیں ہوتی سب کچھ ان کی نگرانی اور ان کے تصرف سے ہوتا ہے[1]۔

خلاصہ یہ کہ تمام ولاۃ اور حجاب ونقباء وخدام انہی بارہ ولاۃ کے ماتحت پھرتے رہتے ہیں اور چودہ طبقات انہی کے مسخر ہیں لیکن یہ سب ہمارے لئے مسخر ہیں کیونکہ ہم ہی (اس عالم کے ظہور کے) مقصود اعظم ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا، وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعا منہ اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ سب اسی سے ہے اللہ نے تمہارے لئے مسخر فرمایا۔

نکتہ روزانہ ان کا دورہ ہمارے اوپر اس لئے ہوتا ہے کہ وہ والی (۱۲ بادشاہ) دیکھیں کہ مخلوق کو کونسی ضروریات در پیش ہیں تاکہ وہ انہیں پورا اور حکم الٰہی کا اجرا کریں جیسے اس کا اپنی مخلوق کے لئے ارادہ ہو چکا اس کا یہ معنیٰ نہیں اب حکم فرماتا ہے کہ ایسے کرو اور یوں کرو یہی ولاۃ (۱۲ والی) خلق خدا میں مختلف زمانوں اقدار الٰہیہ کا نفاذ کرتے ہیں[2]۔

دنیوی سلطنین اللہ تعالیٰ نے اس عالم عنصری (دنیا) میں بھی ان کی جنس سے عالم علوی کی طرح والی مقرر فرمائے ہیں ان کے بعض رسل کرام علیہ السلام ہیں بعض ان کے خلفاً بعض سلاطین (بادشاہ) بعض ملوک بعض والی

---

[1] یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادنیٰ خدام میں سے ہیں بلکہ آپ کی امت کے اغواث واقطاب بالخصوص حضور غوث اعظم جیلانی قدس سرہٗ کے ماتحت ہیں لیکن افسوس ہے کہ امتی کہلوا کر پھر کہے کہ ان کو تو تصرف باذن اللہ ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیاء کرام کے لئے ماننا شرک ہے پھر میں کیوں نہ کہوں ھؤلاء قوم جاھلون والوھابیۃ قوم لا یعقلون سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ھم سفھاء الاحلام ۔ (اویسی غفرلہٗ)

[2] اگر یہی امور اولیاء، اللہ یا خود نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے منسوب کئے جائیں تو شرک لیکن اہل اسلام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ امور ملائکہ سرانجام دے رہے ہیں بحیثیت خدام کے کہ جب سے اس ڈیوٹی پہ ہیں کبھی اس میں نہ اُن سے کمی واقع ہوئی ہے اور نہ ہو گی اور نہ ہی ان میں تبدیلی اور موت کا ورود ہے الآن کما کان، ہیں اور قیامت تک ایسے ہی نظام چلائیں گے لیکن محبوبانِ خدا کی یہ ڈیوٹی نہیں وہ تو دیدار خداوندی اور استغراق مشاہدہ میں مصروف انہیں کیا ضرورت کہ وہ اُمور خدمتگذاری میں دخل دیں ہاں اگر وہ چودہ طبقات میں کسی ایک امر کے لئے جو چاہیں باذن اللہ کر سکتے ہیں اس کی ایک نہیں ہزاروں مثالیں اسلام میں موجود ہیں اور بے شمار دلائل پیش کئے جا سکتے ہیں۔

ہیں جمیع امور عالم کے جیسے قاضی اور ان کے ہم مثل (جیسے ملا و مفتی وغیرہ) ان والیوں یعنی زمین والوں کے قلوب کو ان والیوں کے مناسب بنائے ہیں جو آسمان میں ہیں اور انہیں وہ دقائق ہیں جو انہیں عدل والنصاف کی طرف کھینچ جاتے ہیں (جیسے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ) اور ان کے دل شوائب سے پاک مطہر اور عیوب سے مقدس ہوتے ہیں انہی علویوں (آسمانی) ولاۃ کے بالمقابل ہوتے ہیں یہ ارضی ولاۃ اپنی استعداد کے مطابق اگر ان کی استعداد قوی اور حسن ہوتی ہے تو ان کا امر ظاہری صورت میں ظاہر مظہر ہوتا ہے اور والی عادل اور امام فضل ہوتا ہے اگر اس کی استعداد ایسی ہوتی ہے تو آسمانی والی کے امر ظاہر ارضی والی کی ردائۃ (ردی ہونے کی وجہ سے اسمیں ردائۃ وجود قبیح ہوتا ہے ایسا والی (ارضی) ظلم اور نائب ظلم وبخل ہوتا ہے اس پر اسے خود کو ملامت کرنی چاہیئے۔

فائدہ احکام العالم کے اصحاب المراتب کے امہات المراتب علے سبیل الاجمال ہیں لیکن رعایا کی گنتی تو اللہ تعالیٰ خود جانتا ہے۔

ملائکہ کے بعض اقسام اللہ تعالیٰ کے بعض ملائکہ وہ ہیں جو ہمیشہ زمین پر رہتے ہیں آسمان پر نہیں جاتے بعض وہ ہیں جو ہمیشہ آسمان پہ رہتے ہیں زمین پر نہیں آتے لیکن ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے الہام سے اپنی صلوٰۃ و تسبیح معلوم ہے۔ (کتاب الجواہر للشعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر عالمانہ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ (اور یہ نہیں مگر آدمی کے لئے نصیحت) وعظ و پند اور برے انجام بر کفر و گمراہی سے ڈرانا۔

سوال آدمی کی تخصیص کیوں حالانکہ یہ جنات کے لئے بھی ہے۔

جواب یہ نصیحت کے بالقصد اصل ہے یا کہ وہ ۱۹ دوزخ کے فرشتے صرف انسانوں کے لئے نہیں اسی لئے ان کے لئے نصیحت ہے تاکہ ڈریں اور نصیحت حاصل کریں اور انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ کثیر اور بے شمار مخلوق کفار ثقلین (انس و جن) اور ان کے فساق کو اس تھوڑی سی جماعت سے عذاب کر سکتا ہے بلکہ وہ تو اعوان وانصار (مددگاروں) کا محتاج نہیں ہے بلکہ وہ تو ابن آدم کو آنکھ کے ایک بال بدلنے اور اس کی رگوں میں سے ایک رگ پر درد والم مسلط کر کے اسی سے ہی اس کا کام تمام کر سکتا ہے اور دوزخ کے عذاب کے لئے اتنا گنتی (۱۹) اور باقی لشکر کی تخلیق مبنی بر حکمت ہے نہ یہ کہ وہ ان کا محتاج ہے (معاذ اللہ) اور یہ بھی جائز ہے کہ ھِیَ کی ضمیر ان آیات کی طرف راجع ہے جو سقر کے احوال پر ناطق ہیں کیونکہ وہ بھی نصیحت ہیں کیونکہ وہ بھی انذار پر مشتمل ہیں۔

طبقات الملائکہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ان (چودہ طبقات) کے امور کی باگ ملائکہ کے ہاتھ میں رکھی ہے جنہیں ہر برج میں بٹھایا اور ان کا مسکن بنایا اور ان کے لئے تخت بچھایا اور ان کے

لئے حجاب و نقباء مقرر کئے تمام آسمانوں میں ایسے ہی ہر آسمان میں ملائکہ ان کے لئے مسخر کئے اور انہیں چند طبقات پر مقرر فرمائے ۔

① رات اور دن میں عروج و نزول کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ہماری طرف اور ہماری طرف سے اللہ تعالیٰ کی طرف اور وہ ہمارے حق میں سوائے خیر کے کوئی بات جا کر نہیں سناتے ۔

② زمین والوں کے لئے استغفار کرنے والے ۔

③ صرف اہل ایمان کے لئے استغفار کرنے والے بوجہ غلبۂ غیرت الٰہیہ کے جیسے کہ اس کی رحمت کا غلبہ ہے ان کے لئے جو زمین میں ہیں ۔

④ شرائع کے پہنچانے والے ۔

⑤ موت کے مؤکلین

⑥ مؤکلین بالالہام

⑦ علوم کو قلوب تک پہنچانے والے ۔

⑧ ارحام میں جو صورت منقش ہو اس کی تصویر پر مؤکل ۔

⑨ نفخ ارواح پر

⑩ بارش پر

⑪ وہ ۱۹ ملائکہ جو دوزخیوں کے عذاب پر مؤکل ہیں ۔

⑫ ارزاق پر

⑬ صافات (صف بستہ کھڑے ہونے والے) ۔

⑭ زاجرات

⑮ تالیات

⑯ مقسمات

⑰ مرسلات

⑱ ناشرات

⑲ نازعات

⑳ ناشطات

㉑ سابقات

(۴۲) سابحات

(۴۳) ملقات

(۴۴) مدبرات (ان سب کا ذکر قرآن مجید میں مختلف مقامات میں موجود ہے (تفصیل فقیر کی کتاب "فرشتے ہی فرشتے میں پڑھئے) اسی لئے فرشتے کہتے ہیں ما منا الا له مقام معلوم ہمارے میں ہر ایک کا مقام معلوم ہے

قاعدہ عالم میں کوئی حادثہ (واقعہ۔ کام) نہیں جس کے اجرا کے لئے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو مقرر نہ فرمایا ہو یعنی اس کا اجراً ملائکہ کے سپرد ہے لیکن انہیں وہی بارہ وُلاۃ حکم فرماتے ہیں تمام ملائکہ انہی کے حکم اور ان کی سلطنت میں کام کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے خاص فرشتے ہیں اور عامہ لوگ ملائکہ کی ان منازل کا (جو اجرام کواکب میں ان کے لئے مقرر ہیں) مشاہدہ نہیں کر سکتے نہ ہی اعیان الحجاب والنقباء کا انہیں مشاہدہ کر سکتے ہیں لیکن اہل کشف اولیاً انہیں ان کی منازل میں آنکھوں سے (عیاناً) دیکھتے رہتے ہیں (ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون)۔

تفسیر عالمانہ کَلَّا (ہاں ہاں) (لا دع (زجر و توبیخ) کا ہے اسے جو سقر (دوزخ) کے وجود کا منکر ہے یعنی ان کے انکار سے ہٹ جائے کیونکہ وہ حق ہے یا انکار و نفی ہے اس کا کہ وہ اُن کے لئے نصیحت نہیں ہے۔

فائدہ اگر کوئی اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتا تو اس کے منافی نہیں گو وہ اس سے اعراض بھی کرتا ہو کیونکہ وہ اس کا سوء اختیار ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے فرمایا ہے فما لهم عن التذكرة معرضين۔ تو انہیں کیا ہے کہ وہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔

وَالْقَمَرِ (قسم ہے چاند کی) قسم بہ مجرور ہے واؤ قسمیہ سے یعنی چاند کی قسم کہ جس پر اوقات و اجال کی پہچان وابستہ ہے۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے یہ تخصیص تشریف کی ہے اور اس کے عجائبات اور اس کی مختلف حرکات پر قدرت پر نظر کرنے کی تنبیہ ہے کہ باوجود ان کی کثرت اور اختلاف کے ایک ہی نظام پر چل رہا ہے جس میں ذرہ بھر خلل نہیں آتا۔

فائدہ حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے قمر کے خالق کی یعنی ہلال کا جسے تیسری تاریخ کہا جاتا ہے۔

وَاللَّيْلِ اور قسم ہے رات کی۔ ایسے ہی صبح کی یعنی رات کی عزت و احترام کی قسم۔ اِذْ جب بکون الذال اور وہ زمانۂ ماضی کی ظرف ہے

اَدْبَرَ (پیٹھ پھیرے) بروزن افعل بمعنی الضرف و ذھب پھری اور گئی اس لئے کہ ادبار اقبال کی تنقیض ہے۔
وَالصُّبْحِ قسم ہے صبح کی۔

حل لغات الصبح بمعنی فجر اور اول النہار (دن کا پہلا حصہ) کی جمع اصباح۔ المفردات میں ہے الصبح والصباح بمعنی اول النہار (دن کا پہلا حصہ وہ وقت جو سورج کے کناروں میں افق سرخ ہوجاتا ہے اِذْ جب۔ زمانہ مستقبل کے لئے ظرف ہے اور اس پر متفق ہیں کہ اِذْ یہاں پر اس لئے مستقبل کے لئے ہے کہ وہ رات سے تھوڑی سی دیر کے لئے مؤخر ہے۔ اَسْفَرَ (اجالا ڈالے) روشن اور منکشف ہو کیونکہ اسفار بمعنی روشن ہونا ہے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اَسْفَر بمعنی پردہ کھولنا اور اعیان سے مخصوص ہے جیسے سفر العمامۃ عن الراس۔ عمامہ سر سے کھل گیا وسفر الخمار عن الوجہ (دوپٹہ چہرے سے ہٹ گیا) الاسفار یہ رنگوں سے مخصوص ہے جیسے والصبح اذا اسفر یعنی صبح کا رنگ اور چہرہ چمکا و اسفروا بالفجر فجر میں داخل ہوئے اس قول سے۔

اسفرت میں صبح میں داخل ہوا اَصْبَحْتُ کی طرح۔

مسئلہ قوت القلوب میں ہے کہ فجر ثانی شفق شمس کا انشقاق (پھٹنا) شفق سے مراد سفیدی کی وہ چمک جو سرخی کے تحت ہوتی ہے اور حمرۃ یہی ثانی شفق ہے وہ غروب شمس کی ضد ہے اس لئے کہ شمس کی اول شفق غروب کے بعد عشاء سے پہلے وہ سرخی ہے اس کے بعد سفیدی ہے یہ اول اللیل سے پہلے شفق ثانی کہلاتی ہے اور یہی سورج کی شعاع کی سلطنت کی آخری گھڑی ہے کہ اس سفیدی کے بعد رات کی سیاہی اور تاریکی شروع ہوجاتی ہے پھر صبح سے پہلے یہ شفق برعکس ہوتی ہے کہ سورج کے طلوع کی ابتدا شفق اول سپیدی سے ہوتی ہے اس کے بعد سرخی اب اسی کا نام شفق ثانی ہے یہ وقت رات کی سلطنت کی آخری گھڑی ہے اس کے بعد ہی سورج کا قرص (ٹکیہ) طلوع کرے گا۔ خلاصہ یہ کہ الفجر فلک اسفل (نچلا) سے شعاع شمس کے پھٹنے کا نام ہے جب ارض دنیا کے چہرہ پر ظاہر ہوگی۔ پہاڑوں دریاؤں اقالیم عالیہ شرفہ کو اس کی چمک ڈھانپ لے گی اور اس کا شعاع وسط دنیا میں عرضاً پھیلے گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قسم ہے چاند یعنی اس قلب کی جو مستعد صافی اور انذار کے قابل اور نصیحت پذیر اور (اللہ تعالیٰ) کی عظمت کو مدنظر رکھ کر اسکے تذکر (پند و نصیحت) سے نفع پانے والا اور قسم رات کی یعنی نفس کی ظلمت کی جب پیٹھ پھیرے یعنی ظلمت کے پردے قلب سے دور کرے اس پر نور روح کی چمک سے اور اس کے طوالع چمک اٹھیں اور اس کی صبح کے طلوع جب اجالا ڈالے تو کل

طور اس کی ظلمت (تاریکی) زائل اور قلب منور ہو جائے۔

فائدہ اس سے قمر ولیل صبح کے موقعہ و محل کے ذکر حسن واضح ہو گیا جب اس سے پہلے سقر اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر تھا اس لئے کہ سقر میں طبیعت اور جہنم نفس کی طرف اشارہ تھا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ (بے شک دوزخ بہت بڑی چیزوں کی ایک ہے) جواب قسم ہے الکبر کبریٰ کی جمع ہے الف تانیث کی طرح کرکے اس کے ساتھ لاحق کیا گیا تو جیسے فعلة کی جمع فعل پر آتی ہے (جیسے رکبہ کی جمع رکبا) ایسے ہی یہاں فعلی کی جمع فعل آئی ہے ورنہ فعلی کی جمع فعل نہیں فعالی آتی ہے جیسے حبلی کی جمع حُبالیٰ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ سقر بہت بڑی بلاؤں میں ایک ہے یا بہت بڑی ان مصیبتوں سے جو اکثر ہیں ایک یہی سقر ہے اور یہ سقر عظم (بڑائی) میں واحد ہے اس کی کوئی نظیر نہیں جیسے تم کہتے ہو وہ احد الرجال (مردوں میں ایک) ہے یہ اس وقت ہے جب نفس سقر کا معنیٰ عجیب و غریب بیان کیا جائے اگر اس کے خزنہ (نگران فرشتے) کے اعتبار سے ہو تو معنیٰ یوں ہوگا کہ وہ سقر جہنموں میں سے ایک ہے اور وہ ڈرانے کے لحاظ سے بڑی ہے ان مجرموں پر (جو آدم علیہ السلام سے قیام قیامت تک جنول انسانوں میں سے ہیں) قہر کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سے ایک یہ ہے کہ اتنا کثیر التعداد مخلوق پر صرف چند گنتی کے فرشتے عذاب پر مامور ہیں اگر یہ سقر اس اعتبار سے عجیب و غریب ہے کہ وہ آیات الٰہیہ سے ہے تو معنیٰ یوں ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی آیات میں سے ایک یہی ہے نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ آدمیوں کو ڈرانے کے لحاظ سے) یا احدی الکبر کی اس نسبت سے تمیز ہے جو اسے اسم سے ہے اس لئے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ سقر ان بڑی ڈراؤنی چیزوں سے جنہیں اللہ تعالیٰ نے عذاب کرنے کے لئے پیدا فرمایا ہے اس معنیٰ پر تمیز پر اس کا منصوب ہونا صحیح ہے جیسے تم کہتے ہو فلانہ۔ احدی النساء عفافا پاکدامنی کے لحاظ سے عورتوں میں سے ایک ہے۔

حل لغات النذیر نکیر کی طرح مصدر ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ (سقر) ڈرانے کے لحاظ سے بڑی چیزوں میں سے ایک ہے اس کی تاویل کی گئی ہے جس پر جملہ دلالت کرتا ہے یعنی اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ کا معنیٰ ہے کہ وہ (سقر) بہت بڑی ڈرانے والی ہے اور تا محذوف ہوئی (اس لئے کہ نذیرا دراصل نذیرۃ تھا) اگرچہ فعیل بمعنی فاعل لیکن تا کو حذف کرنا پڑا تاکہ مذکر مؤنث کے درمیان فرق ہو یہ تا محذوف ہم نے اس لئے تسلیم کی ہے کہ اِنَّهَا میں ضمیر کا مرجع بتاویل العذاب ہے نہ کہ (سقر کی ذات) یا نذیر بمعنی ذات الانذار (انذار والی) ایسی نسبت کا معنیٰ ہے جیسے کہا جاتا ہے مرأۃ ظاھر یعنی ذات طہارۃ (طہارت والی)۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ (اس کے لئے ہے جو چاہے تم میں سے آگے بڑھے

یا پیچھے ہٹے)۔ یہ البشر سے بدل ہے ساتھ اعادہ حرف جارہ کے اور اَنْ یَّتَقَدَّمَ شائکا مفعول ہے اور مِنْکُمْ مَنْ بے حال ہے اب معنی یہ ہوا کہ یہ سقر اسے ڈرانے والی ہے تم میں سے جو چاہے تو خیر و بھلائی اور جنت وطاعات کی طرف بڑھے پھر اسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا اگر نہ چاہے اور ان امور بالا سے پیچھے ہٹے یعنی گناہوں کا ارتکاب کرے پھر اسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے گا۔

ردمعتزلہ اس میں اشارہ ہے کہ مرحومیت ومحرومیت کے حصول میں بندے کے کسب کو دخل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شریعت زہرا کے نور قمر اور طبیعت ظلمانی ظلمت لیل اور حقیقت بیضا کی صبح کی قسم یاد فرمائی ہے۔ جب طبیعت کی تاریکی پر جس کا غلبہ ہوتا ہے وہی ہوتا ہے اس لئے کہ طبائع ان مراتب کلیہ ثلاثہ کا مظہر ہیں پھر وہ یا اہل شریعت ہوتا ہے یا اہل طریقت یا اہل طبیعت اور نَذِیْرًا لِّلْبَشَرِ یعنی مراتب کلیہ ثلاثہ میں ہم نے اس لئے حصر کی ہے تاکہ انسان کو تنبیہ ہو کہ اس سے احتراز کرے کہ وہ کہیں اہل انذار سے نہ ہو جائے یہ اس کے لئے انذار ہے جو مقام شریعت کی طرف بڑھے یا چاہے تو مقام طبیعت کی جانب پیچھے کو ہٹے اور چونکہ مقام حقیقت تمام مراتب میں سے اعلیٰ ہے وہاں صرف نذرا کاملین ہی پہنچ سکتے ہیں اس لئے اس کا ذکر ترک فرمایا۔

فائدہ ممکن ہے اہل الحقیقۃ بھی ان یتقدم میں داخل ہوں اس لئے کہ اہل شریعت واہل حقیقت ہر دونوں آگے بڑھنے والوں میں سے ہیں اگرچہ ان کے تقدم (آگے بڑھنا) میں بہت بڑا تفاوت (فرق) ہے اس لئے کہ ان دونوں کی سیر ومسارعۃ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ خلاصہ یہ کہ اہل استعداد فضائل وخیرات و کمالات کے عمل سے مقام قلب و روح وسر کی طرف پہنچتے ہیں اور ان کے غیر خواہشات نفسانی ولذات شہوانی کے عمل سے بدن کی جانب ہٹے تو وہ طبیعت کے گڑھے میں گر پڑے۔

تفسیر عالمانہ کُلُّ نَفْسٍ ہر نفس مکلفین انس وجن کے نفوس میں سے ہر ایک بِمَا کَسَبَتْ رَهِیْنَۃٌ اس سے قیدی ہوگا جو اس نے عمل کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر نفس اپنے اعمال کا قیدی ہوگا بعض تفاسیر میں ہے کہ ہر نفس بسبب اپنے بُرے اعمال کے قیدی ہوگا۔

حل لغات رہن الشیٔ سے ہے یعنی دائماً رہن رہا اور ثابت ہوا وارھنتہ یعنی میں نے اسے فلاں کے ہاں مقیم وثابت چھوڑا۔ الرہن ہر وہ شے جو تم کسی کے پاس کسی کی حاصل کردہ شے کے بدلے میں چھوڑو۔ المرتہن وہ ہے جو مرہون شے کو لے اور قیامت میں ہر مکلف کا نفس اللہ تعالیٰ کے ہاں قیدی ہوگا اس کے عوض میں جو دنیا میں اللہ تعالیٰ نے تکالیف اس پر مقرر فرمائیں وہ خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہیں اگر بندے نے انہیں اسی طرح ادا کیا جیسے اس پر واجب ہوئے تو اللہ تعالیٰ اسے آزاد فرمادے گا ورنہ وہ اللہ

تعالیٰ کے ہاں ہمیشہ قیدی رہے گا۔

فائدہ بعض نے فرمایا کہ رہینۃ رہن کا شتیمہ شتم کی طرح اسم ہے اور تاء صفیت سے اسمیت کی طرف نقل ہوئی اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ یہ تاء مبالغہ کی ہے یا تانیث صرف لفظ پر ہے انسان وغیرہ کے معنیٰ پر اس کا کوئی اثر نہیں اور الرہینۃ صفت نہیں ورنہ کہا جاتا رَھِیْنٌ" اس لئے کہ جہاں فعیل بمعنی مفعول ہو وہاں تاء داخل نہیں ہوتی بلکہ اسمیں مذکر و مؤنث برابر ہوتے ہیں ہاں جب اسے بمعنی فاعل محمول ہو تو پھر اس کی مؤنث کے لئے تاء لائی جاتی ہے ایسے ہی برعکس۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے قول اِنَّ رحمۃ اللّٰہ قریب من المحسنین (بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کو قریب ہے) میں ہے۔

فائدہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کل نفس بما کسبت رھینۃ میں رہینۃ بمعنی فاعل ہے یعنی ثابتۃ مُقیمۃ بعض نے کہا کہ یہ فعیل بمعنی مفعول ہے یعنی ہر نفس وہاں کھڑا ہوگا اس جزاء میں جو اس نے دنیا میں عمل کیا چونکہ رہن سے حبس کا معنیٰ متصور ہوتا ہے اسی لئے اسے محتبس کے لئے استعارہ کیا گیا وہ جو شے بھی ہو۔

اِلَّآ اَصۡحٰبَ الۡیَمِیۡنِ (مگر داہنی جانب والے) یہ کل نفس سے استثناء متصل ہے معنیٰ میں کثرت کی وجہ سے اصحاب الیمین وہ مؤمنین مراد ہیں جن کے اعمال صالحہ ہونگے یعنی وہ لوگ اعمال صالحہ کی وجہ سے آزاد ہوں گے جیسے راہن شے کو آزاد کر دیتا ہے جو قرض ادا کر دے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر نفس اپنے کسب اعمال سے اللہ تعالیٰ کے ہاں رہن ہوگا اسے کوئی آزادی نہ ہوگی بوجہ ہیآت اعمال و آثار افعال کے غلبہ اور ان کے لزوم کے اسی وجہ سے انہیں چھٹکارا نہ ہوگا سوائے اصحاب الیمین کے یعنی وہ سعادتمند حضرات جو دنیا میں ہیآت جسدانیہ سے مجرد اور مقام فطرت میں خالص رہے اسی لئے ان کی گردنیں رہن سے آزاد ہوں گی۔

تفسیر عالمانہ فِیۡ جَنّٰتٍ وہ باغات میں ہوں گے۔ یہ سوال کا جواب ہے۔ گویا کسی نے پوچھا کہ اصحاب الیمین کا کیا حال ہوگا تو فرمایا کہ وہ ایسے باغات میں ہونگے جنکی کنہ کو کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی کوئی اس کی وسعت بیان کر سکتا ہے جیسے اس کی تنکیر دلالت کرتی ہے مراد یہ ہے کہ ان کا ہر ایک بہشت کے باغات میں ہوگا۔ یَتَسَآءَلُوۡنَ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ وہ مجرموں سے پوچھتے ہوں گے۔ تفاعل بمعنی فعل ہے یعنی اصحاب یمین مجرموں سے ان کا حال پوچھیں گے۔ مسئول یہاں محذوف ہے اس لئے وہی سوال مسئول عنہ کا عین ہے اور پھر اس کا مابعد بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔

فائدہ مروی ہے کہ اہل الجنۃ جنت میں کبھی جھانک کر نیچے دیکھیں گے تو اہل نار کو دیکھیں گے حالانکہ وہ نار میں ہوں گے تو اصحاب الیمین مجرموں سے پوچھیں گے مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ تمہیں دوزخ میں کس

شے نے داخل کیا۔
یہاں قول مقدر ہے اور وہ یتسالون سے حال ہے دراصل عبارت یوں تھی قائلین ای شیء الخ درانحالیکہ وہ کہیں گے کہ تمہیں کونسی شے نے دوزخ میں کیا یعنی کونسی شے تمہارے دوزخ کے داخلہ کا سبب بنی۔

حل لغات سلک (سلکت الخیط فی الابرۃ) (میں نے سوئی میں دھاگہ داخل کیا) سے ہے اور وہ سلک سے ہے بمعنی ادخال یہ سلوک سے نہیں بمعنی ذہاب (جانا)۔

سوال وہ ان سے کیوں پوچھیں گے حالانکہ انہیں اس کا علم تو تھا۔

جواب ان پر توبیخ کرنے اور حسرت دلانے کے لئے تاکہ یہ حکایۃ اللہ کتاب میں درج ہو کر سامعین کے لئے نصیحت بنے۔

فائدہ ابوعمرو نے سلکم بادغام الکاف فی الکاف (کاف کو کاف میں ادغام کرکے) پڑھا ہے باقی قراء نے اظہار۔

قَالُوْا مجرمین سائلین کو جواباً کہیں گے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ہم نماز نہیں ادا کرتے تھے جبکہ وہ ہم پر فرض تھیں ہم ان کی فرضیت کے عدم اقرار و عدم ادائیگی کی وجہ سے دوزخ میں ہیں۔

فائدہ نَكُ دراصل نکن تھا دوسرے نون کثرت استعمال کی وجہ تخفیفاً حذف کیا گیا۔

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ اور ہم مسکینوں کو طعام نہیں کھلاتے تھے الاطعام کے معنی استمرار کی نفی ہے۔ استمرار الاطعام کی نفی نہیں۔ یہاں بھی اطعام سے وجوب کا انکار مراد ہے ورنہ وہ نماز یا اطعام جو واجب ہی نہیں تو اس کے ترک پر عذاب کیا)۔ اور وہ (کفار) کہا کرتے تھے انطعم من لو یشاء اللہ اطعمہ کیا ہم انہیں کیسے طعام کھلائیں جسے اللہ تعالیٰ نے نہیں کھلایا اسی لئے وہ مساکین پر رحم نہ کرتے کہ انہیں طعام کھلائیں اور نہ ہی اس پر کسی کو ترغیب دلاتے جیسے کہ گذرا۔

مسئلہ اس میں بخل کی مذمت ہے اور یہی آیت دلیل ہے کہ کفار حق مؤاخذہ میں فروع (احکام) کے مخاطب توضیح (کتاب) میں ہے کہ کفار ایمان کے مخاطب ہیں ایسے ہی عقوبات و معاملات کے۔ اس پر اجماع ہے ہاں عبادات میں بھی باعتبار مؤاخذہ کے آخرت میں بھی بالاتفاق (مخاطب ہیں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ (الآیات)۔

مسئلہ وجوب الاداء میں وہ مخاطب ہیں یا نہ اس میں اختلاف ہے ہمارے عراقی مشائخ کہتے ہیں کہ وہ مخاطب ہیں اور ہمارے مشائخ ہماری دیار (روم) کے کہتے ہیں مخاطب نہیں۔

فائدہ بعض تفاسیر میں ہے کہ حنفی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کہے کہ یہ جواب میں کہے کہ وہ کسب خیر میں کوتاہی اور محرومی پر اظہار افسوس کریں گے جب دیکھیں گے کہ نمازیوں اور زکوٰۃ ادا کرنے والے مؤمنوں کو

بڑے درجات و انعامات نصیب ہوں گے (تو کفار افسوس کریں گے)۔

فائدہ یوں کہا جائے تو کوئی حرج نہیں کہ وہ ایمان سے قبل احکام کے مامور ہوں۔

وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ اور بے ہودہ فکر والوں کے ساتھ بے ہودہ فکریں کرتے تھے یعنی ہم باطل باتوں میں شروع ہونے والوں کے ساتھ شروع ہو جاتے تھے۔

فائدہ یہاں باطل سے مراد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مذمت و غیبت اور یہ کہنا کہ وہ (نبی علیہ السلام) شاعر و ساحر و کاہن ہے وغیرہ وغیرہ۔

حل لغات الخوض بمعنی بمعنی الشروع مطلقاً جس شئے میں ہو پھر عرف میں شروع فی الباطل والقبیح اور ما لا ینبغی میں غالب ہو گیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں سب سے بے ہودہ گناہ اس کے ہوں گے جو معصیت الٰہی میں غور و خوض کرتا ہو گا۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے تھے۔ یوم الدین سے یوم الجزا مراد ہے۔ یوم کو جزا کی طرف مضاف کیا کیونکہ وہ دن دہشتناکیوں اور ہولناکیوں میں انتہائی دن ہو گا کیونکہ سب سے زیادہ دہشت و ہولناکی یہاں ہو گی اور آج وہ ان چیزوں کو پائیں گے جن سے انہیں دنیا میں ڈرایا گیا تھا، علاوہ ازیں آج کی دہشت سے پہلے جو انہوں نے دیکھا وہ تو گذر گیا لیکن اس دن میں سخت سزا دینے کے لئے یہ دن ان کے لئے سخت سے سخت تر ہو گا۔

مسئلہ قیامت کی تکذیب و انکار کفر ہے اور دیگر تین امور کا انکار فسق عدم تعمیل فسق ہے اس کے باوجود ترقی من القبیح الی الاقبح (قبیح سے قبیح کی طرف ترقی) کرنے تھے اس میں اس کا بیان بھی ہے کہ ان کی تکذیب مذکور بالا ان کے ساتھ دائماً ان کے مرتے دم تک مقترن رہی جیسا کہ ان کے قول کو یوں بیان کیا گیا۔

حَتّٰى أَتَانَا الْيَقِينُ یہاں تک کہ ہمیں موت آئی اور اس کے مقدمات حالانکہ وہ امر یقینی ہے اور اس کے آنے میں کسی قسم کا شک نہیں خلاصہ یہ کہ وہ اب اعتراف کریں گے کہ ہم پر موت اور ان کے مقدمات آ ستے اور اس وقت ہم مر گئے۔

سوال کیا ان کا ہر ایک ان جملہ امور اربعہ کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا یا کچھ ان کے بعض اور بعض دوسرے سے بعض؟

جواب دونوں امر محتمل ہیں۔ (الکشاف)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ طبیعت کی دوزخ میں انہی رذائل و ذمائم کی وجہ سے داخل ہونے۔

تفسیر عالمانہ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (تو انہیں سفارشیوں کی سفارش کام نہ دے گی) نہ انبیاء علیہم السلام کی اور نہ ملائکہ کی (کیونکہ کافر کی شفاعت کیسی) اگرچہ وہ سب ملکر اس کے لئے (بالفرض محال) سفارش کریں تو بھی ان کا کوئی کام نہ بنے گا۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وہ سفارش تو کریں گے لیکن قبول نہ ہوگی (یہی مطلب ہے ان روایات کا ہے جو میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شفاعت کا انکار فرمایا ہے)۔

مسئلہ آیت سے ثابت ہوا کہ گنہکار مؤمن کی شفاعت ہوگی اور اس سے نفع بھی ہوگا ورنہ کافروں کے لئے شفاعت کے نفع کی تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں۔

رد وہابیہ و خوارج حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ملائکہ کرام و انبیاء عظام علیہم السلام اور شہداء و صالحین (اولیاء کرام) اور جملہ اہل ایمان (نیک لوگ) شفاعت کرینگے دوزخ میں کوئی باقی نہ رہے گا۔ سوائے مذکورہ آیات میں بیان کردہ لوگوں کے اس کے بعد آپ نے یہی آیات یعنی لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ تا بِيَوْمِ الدِّيْنِ تلاوت فرمائی۔

شفاعت کا منظر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تین بار شفاعت فرمائیں گے اس کے بعد ملائکہ کرام اس کے بعد انبیاء علیہم السلام اس کے بعد آباء پھر ابناء اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری رحمت باقی رہ گئی دوزخ میں کوئی باقی نہ رہے گا سوائے اس کے کہ جس پر میں نے جنت حرام کی۔ اہل نار سے ایک شخص کسی ایک جنتی کو کہے گا کہ اے فلاں تمہیں یاد ہے میں نے پانی کا گھونٹ دیا تھا۔ دوسرا کہے گا میں نے تجھے وضو کا پانی دیا تھا ایک اور کہے گا میں نے تجھے کپڑا پہنایا (ایسے ہی میں نے تجھے سواری پر سوار کیا تھا۔ بس پر بیٹھے تیرے لئے سیٹ چھوڑ دی۔ گاڑی کے ڈبے میں جگہ دیدی وغیرہ وغیرہ)۔ اس کے لئے وہ بندہ شفاعت کرکے اسے بہشت میں داخل کرے گا یہ دخول نار کے بعد ہوگا یا پہلے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ تو انہیں کیا ہوا نصیحت سے منہ پھیرتے ہیں) فاء سے بغیر سبب کے قرآن سے منہ پھیرنے کے عذاب کو مرتب کرنا ہے ماقبل کے موجبات کی طرف متوجہ ہونے پر کہ اس سے نصیحت حاصل کرتے اسمیں مکذبین کے برے حال کو بیان کرنا ہے مُعْرِضِيْنَ اس جار مجرور سے حال ہے جو ما کی خبر ہے اور عن اسی کے متعلق ہے یعنی جب قرآن کے مکذبین کا یہ حال ہے جو مذکور ہوا پھر انہیں کونسی شے حاصل ہوئی جو

قرآن سے منہ پھیرتے تھے حالانکہ اس کی طرف متوجہ ہونے کے موجبات ان کی قوت کو بڑھانے اور اس پر ایمان لانے کے اسباب کی تائید موجود تھی (کشف الاسرار) میں ہے کہ پھر کونسا سبب انہیں مانع تھا کہ ہر ایسی پند و نصیحت سے منہ پھیرا لبعض مشائخ نے فرمایا کہ قرآن سے اعراض کا مطلب ہے اس کا انکار اور اس کی اتباع کا ترک۔ کَاَنَّھُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ گویا وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہیں۔ یہ بطریق تداخل معرضین کی ضمیر سے حال ہے۔

حل لغات حمر حمار (گدھا) کی جمع ہے وہ معروف ہے یہ وحشی بھی ہوتا ہے یہاں یہی مراد ہے مستنفرت نفرت الدّواب (جانور بھاگے) سے ہے نہ کہ نفر الحاج (حاجی گیا) سے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ بھڑکے ہوئے گدھوں کی طرح ہیں۔ استنفر بمعنی نفر ہے۔

فائدہ زمخشری نے کہا کہ گویا وہ گدھے ہیں جو بھڑکنا طلب کرتے ہیں اپنے نفوس سے بایں سبب کہ انہوں نے اپنے نفوس کی ہمتوں کو بھڑکنے کے لئے جمع کیا اور اس پر ابھارا اس تقریر پر سین اپنے معنیٰ پر ہے یعنی طلب کے معنیٰ میں باقی ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مستنفرۃ بفتح الفا و الکسرہ ہر دونوں طرح پڑھا گیا ہے اگر بکسر الفا ہو تو معنی نافرہ ہوگا اگر بفتح الفا ہو تو معنی منفرہ (بھڑکائے ہوئے) ہوگا۔

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (کہ شیر سے بھاگے ہوں) (قسورۃ بمعنی شیر) اس لئے ہے کہ جب وحشی گدھا شیر کو دیکھ لیتا ہے تو خوب تیز دوڑتا ہے۔

حل لغات قسورۃ ہمچون حیدرہ لفظا و معنیٰ بروزن فَعْوَلَۃٌ از القسر بمعنی القہر و الغلبہ اس لئے کہ وہ تمام درندے پر غالب و قاہر ہے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا قسورۃ زبان حبشہ میں اسد (شیر) کو کہا جاتا ہے بعض نے کہا کہ وہ تیر مارنے والی جماعت جو شیر کا شکار کریں۔

فائدہ الکاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بھاگے شیر یا شکاری یا دام کی رسّی یا تیر اندازوں یا مختلف آوازوں سے۔

فائدہ انہیں قرآن اور اس کے مواعظ سے روگردانی اور اس سے بدکنے میں ان گدھوں سے تشبیہ دی ہے جو ڈراؤنی چیز سے بھاگنے میں جد و جہد کرے جیسے جنگلی گدھے ڈر کر بھاگتے ہیں یہ بھی قرآن کے سننے سے بھاگتے ہیں اس لئے کہ سننے والے کان اور نصیحت پذیر دل نہیں رکھتے اس کی طرف مثنوی شریف میں اشارہ فرمایا۔

① از کجا ایں قوم و پیغام از کجا
از جمادی جان کجا باشد زجا

② فہمہائے کج مج کوتہ نظر
صد خیال بد در آرد در نگر

راز جز با رازداں انباز نیست
راز اندر گوش منکر راز نیست

ترجمہ ① کہاں یہ قوم پیغام ربانی کہاں ایسے ڈھیلے جیسے روح سے امید کیسی۔
② ٹیڑھے فہم اور کوتاہ نظر والے سو بُرے خیال لاتا ہے نگاہ میں۔
③ راز میں سوائے رازداں کے کوئی شریک نہیں۔ بہرے کان میں راز کوئی راز نہیں۔

فائدہ اسمیں ان کی مذمت اور ان کے حال کی شناعت ہے جو کسی سے مخفی نہیں یعنی انہیں گدھوں سے تشبیہ دنیا ان کی بے عقلی کی شہادت ہے اور دنیا میں وحشی گدھوں کا بھڑکنا ضرب المثل ہے جیسے وہ دشمن سے بھاگتے ہے کہ اس کا مثال لانا مشکل ہے جب وہ خوفزدہ ہوکر بھاگتا ہے۔ عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کسی کی سخت سے سخت اہانت کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے گدھا سے تشبیہ دیتے ہیں۔

حکایت ایک عالم دین جامع مسجد میں بڑے مجمع میں تقریر (وعظ) کر رہے تھے ایک بے وقوف نے (جس کا گدھا گم ہوگیا تھا) مولانا صاحب سے کہا کہ اس جماعت میں اعلان فرمادیں کہ کسی نے میرا گدھا دیکھا ہو تو مجھے خبر دے۔ مولانا صاحب نے فرمایا بیٹھ جائیے میں تمہیں اس کا پتہ دوں گا جسے تیرے گدھا کا علم ہوگا اچانک مجلس وعظ سے ایک شخص اُٹھ کر جانے لگا مولانا صاحب نے فرمایا اسے پکڑ لے یہی تیرا گدھا ہے۔

فائدہ شاید مولانا صاحب نے اس شخص کی مثال اس آیت سے قائم فرمائی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے کلام جلیل سے روگردانی کی۔

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً (بلکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ کھلے صحیفے اس کے ہاتھ میں دیئے جائیں) اس کا عطف مقدر پر ہے جو اس مقام کا تقاضا ہے گویا کہا گیا ہے کہ اس تذکرہ پر اکتفا نہیں کرتے اور نہ ہی اور نہ ہی عناد و مکابرہ سے اس سے راضی ہیں بلکہ اُن کا ہر ایک چاہتا ہے کہ ان کے لئے کھلے اور پڑھے جانے کے لائق کاغذات ہاتھ میں دیئے جائیں۔

شان نزول ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن امیہ اور ان کے ساتھیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ ہم ہرگز آپ کا اتباع نہ کریں گے کہ جب تک ہم میں ہر ایک کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف

سے ایک ایک کے نام بنام علیحدہ کتاب آئے جس میں لکھا ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے فلاں بن فلاں کے نام ہم اسمیں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ تمہاری طرف میرے رسول بن کر آئے ہیں جیسے انہوں نے کہا۔ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے (معراج) کی تصدیق نہیں کرتے جبتک کہ تم ہم پر کتاب نہ اتارو جسے ہم پڑھیں۔

حل لغات امرأ کے متعلق القاموس میں ہے کہ المرء میم کی تینوں حرکات بمعنی انسان یا رجل اس کی اپنے لفظ سے جمع نہیں آتی اور الف وصل کے ساتھ بھی تینوں حرکتیں جائز ہیں لیکن رأ ہمیشہ مفتوح رہے گی اور یہ اسم ہمیشہ معرب رہے گا اور لفظ اِن اپنے جملہ سے ملکر یرید کا مفعول ہے اور صُحُفًا مُّنَشَّرَةً کا مفعول ثانی ہے اس کا مفعول اول لفظ کل کا ضمیر ہے اور منشرۃ صحف کی صفت ہے بمعنی الکتاب۔

فائدہ تاج المصادر میں فرمایا کہ منشرۃ کو شد دلایا گیا اس کی کثرت کی طرف اشارہ ہے یعنی بہت بہت سی کتابیں کھلی ہوئی۔

كَلَّا ہرگز نہیں۔ انہیں طلب آیات اور غلط ارادے سے روکنا اور زجر و توبیخ ہے کیونکہ ان کی یہ طلب محض سرکشی وعناد پر مبنی تھی نہ کہ ہدایت اور رہبری حاصل کرنے کے لئے۔

بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ (بلکہ انہیں آخرت کا ڈر نہیں) بوجہ دنیا کی محبت میں غرق ہونے کے چونکہ انہیں آخرت کا ڈر نہیں اسی لئے وہ پند ونصیحت سے روگرداں ہیں نہ اس لئے کہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیفے کیوں نہیں آئے۔ كَلَّا (ہاں ہاں) یہ اُن کی قرآنی پند ونصیحت سے روگردانی پر زجر و توبیخ اور روکنا ہے۔ اِنَّهٗ (بے شک وہ) یہ ضمیر تذکرہ کے ذکر کی طرف راجع ہے کیونکہ وہ تذکرہ بمعنی ذکر یا قرآن ہے جیسے الموعظۃ بمعنی الوعظ اور الصیحۃ بمعنی الصوت ہے۔ تَذْكِرَةٌ نصیحت ہے اس کی تنوین تعظیم کی ہے یعنی وہ تذکرہ بلیغ اور کافی ہے۔

فائدہ برہان القرآن میں ہے یعنی حق کی تذکیر اس کی طرف عدول فاصلہ کے لئے ہے۔

فَمَنْ شَآءَ تو جو چاہے قبر میں داخل ہونے سے پہلے نصیحت حاصل کرنا۔ ذَكَرَهٗ اس سے نصیحت لے اسے اپنا نصب العین بنائے اور اس کے سبب سے سعادۃ دارین جمع کرلے کیونکہ وہ اس سے ہی ممکن ہے۔ وَمَا يَذْكُرُوْنَ اور کیا وہ نصیحت مانیں۔ محض اپنی مشیت پر نصیحت حاصل کرنا جیسا کہ فمن شاء کے ظاہر قول سے مفہوم ہوتا ہے اس لئے کہ بندے کی مشیت وارادۃ سے اس کے افعال میں کوئی تاثیر نہیں۔

فائدہ جمع کی ضمیر یا تو کافروں کی طرف راجع ہے کیونکہ گفتگو انہی کی ہو رہی ہے یا جو بھی اس کے عموم المعنی کو دیکھے کیونکہ یہ تمام مکلفین کو شامل ہے اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ مگر وہ جو اللہ چاہے، اعم العلل یا اعم الاحوال

سے استثنا مفرغ ہے یعنی وہ کیا نصیحت مانیں علل میں سے کسی علت پر یا احوال میں سے کسی حال میں مگر بسبب ان کے کہ اللہ تعالیٰ چاہے یا اس حال میں کہ اللہ (تعالیٰ) انکی نصیحت چاہے۔

مسئلہ یہ آیت صریح ہے اسمیں کہ بندے کے افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہیں نہ کہ بندے کے اپنے ذاتی ارادہ پر۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ فمن شاء الخ میں تخییر باعطاء المکنۃ تحقیق العبودیت کے لئے ہے۔

الا ان یشاء اللہ مگر یہ کہ اللہ چاہے تخییر با مضا القدرۃ الوہیت کی تحقیق کے لئے ہے۔ ھو وہ اللہ تعالیٰ اھل التقویٰ اہل تقویٰ ہے یعنی لائق ہے کہ اس کے عذاب سے خوف کھایا جائے اور اس کی اطاعت کی جائے اور اس پر ایمان لایا جائے پس تقویٰ مصدر مبنی للمفعول کا ہے۔ و اھل المغفرۃ اور مغفرت والا ہے۔ لائق ہے کہ وہ اسے بخشے جو اس پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرے۔ بعض نے کہا التقویٰ بمعنیٰ التبری ہے یعنی اللہ (تعالیٰ)، کے سوا ہر شے بیزاری اس معنی پر ثابت ہوا کہ جو تقویٰ میں آداب التزام کرتا ہے وہی اہل مغفرت ہے۔

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ سورۃ المدثر (کی تفسیر) ۱۱۱۶ھ کے ذی الحجہ کے اوائل میں ختم ہوئی۔

الحمد للہ فقیر اُویسی غفرلہٗ المدثر کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲ ج ۲ ۱۴۰۹ھ شب بدھ ۹ بجے کو فارغ ہوا۔

فصلی اللہ (تعالیٰ) علیٰ حبیبہ الکریم الامین وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاولپور۔ پاکستان

۱۰ر جنوری ۱۹۸۹ء

سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۴۰ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورہ قیامہ مکیہ ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — چالیس آیتیں اور دو رکوع

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴿۱﴾ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ

روز قیامت کی قسم یاد فرماتا ہوں اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر بہت ملامت کرے کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہم

اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ﴿۳﴾ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيْدُ

ہرگز اس کی ہڈیاں جمع نہ فرمائیں گے کیوں نہیں ہم قادر ہیں کہ اس کے پور ٹھیک بنادیں بلکہ آدمی چاہتا ہے

الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ﴿۵﴾ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ﴿۷﴾

کہ اس کی نگاہ کے سامنے بدی کرے پوچھتا ہے قیامت کا دن کب ہوگا پھر جس دن آنکھ چوندھیائے گی

وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ

ور چاند گہے گا اور سورج اور چاند ملا دیئے جائیں گے اس دن آدمی کہے گا کدھر بھاگ کر جاؤں

لْمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ

رگز نہیں کوئی پناہ نہیں اس دن تیرے رب ہی کی طرف جاکر ٹھہرنا ہے اس دن آدمی کو اس کا سب اگلا پچھلا جتا دیا

مَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

ائے گا بلکہ آدمی خود ہی اپنے حال پر پوری نگاہ رکھتا ہے اور اگر اس کے پاس جتنے بہانے ہوں

تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ

ب لا ڈالے جب بھی نہ سنا جائیگا تم یاد کرنے کی جلدی میں قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دو بیشک اسکا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے

اتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ

ہے تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو پھر بیشک اس کی باریکیوں کا تم پر ظاہر فرمانا ہمارے ذمہ ہے کوئی نہیں بلکہ

رُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ وَوُجُوْهٌ

کافرو تم پاؤں تلے کی دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو کچھ منہ اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے اور کچھ منہ اس دن

مَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾

ے ہوئے ہوں گے سمجھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ وہ کی جائے گی جو کمر کو توڑ دے ہاں ہاں جب جان گلے کو پہنچ جائے گی

وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾

اور کہیں گے کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرے اور وہ سمجھ لے گا کہ یہ جدائی کی گھڑی ہے اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ ﴿٣١﴾ وَلَٰكِن كَذَّبَ

اس دن تیرے رب ہی کی طرف ہانکنا ہے اس نے نہ تو سچ مانا اور نہ نماز پڑھی ہاں جھٹلایا اور منہ

وَتَوَلَّىٰ ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ ﴿٣٣﴾ أَوْلَىٰ لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ أَوْلَىٰ

پھیرا پھر اپنے گھر کو اکڑتا چلا تیری خرابی آ لگی اب آ لگی پھر تیری خرابی آ لگی

لَكَ فَأَوْلَىٰ ﴿٣٥﴾ أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن

اب آ لگی کیا آدمی اس گھمنڈ میں ہے کہ آزاد چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ ایک بوند نہ تھا

مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ

اس منی کا کہ گرائی جائے پھر خون کی پھٹک ہوا تو اس نے پیدا فرمایا پھر ٹھیک بنایا تو اس سے دو جوڑ بنائے

الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿٣٩﴾ أَلَيْسَ ذَٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ﴿٤٠﴾

مرد اور عورت کیا جس نے یہ کچھ کیا وہ مردے نہ جلا سکے گا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا۔

تفسیر عالمانہ لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ روز قیامت کی قسم یاد فرماتا ہوں۔ لا تاکید قسم کا صلہ ہے۔

قاعدہ جو اپنے مدخول کی تاکید کے لئے ہو وہ نفی پر دلالت نہیں کرتا اگرچہ اس کا اصل نفی ہے شاعر نے کہا ؎

تذکرت لیلی فاعترتنی صبابۃ

وکاد ضمیر القلب لا یتقطع (یعنی یقطع)

ترجمہ مجھے عشق کی وجہ سے جو رات عارض ہوئی یاد ہے وہ تھی دل کے گوشے کاٹتی تھی۔

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ میں قسم یاد کرتا ہوں قیامت کی بالا نافیہ ہے لیکن نفی نفس اقسام (یاد کرنے کے لئے) نہیں بلکہ اس نفی کے لئے جو مقسم بہ کے اعظام و تفخیم کی خبر دیتا ہے گویا معنی یہ ہے کہ میں ایسے قسم نہیں یاد فرماتا نہ ہی قسم یاد کر کے اس کی عظمت ظاہر کر رہا ہوں کیونکہ وہ تو کہلاتی ہے کہ اس شان سے بھی اور زیادہ ہو یا کلام معود کی نفی ہے جو قسم سے پہلے ہے اس سے انکار کرنا مطلوب ہے (مثلاً) گویا انہوں نے مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار

کیا تو انہیں (کافروں) کو کہا گیا لا یعنی امر ایسا نہیں پھر کہا گیا اُقْسِمُ الخ (قسم یاد فرماتا ہوں روز قیامت کی) جیسے تم کہتے ہو لا واللہ ان البعث حق جو بھی ہو قسم یاد کرنے کی نفی اس لئے کہ وہ (ایسا امر واضح ہے کہ قسم یاد کرنے کی ضرورت نہیں اس تقریر کو مقسم بہ کی تعیین قبول نہیں کرتی اور نہ ہی اس کی قسم کے شان کی عظمت کا تقاضا ہے جو قائل مذکور نے کہا۔

لطیفہ حضرت المغیرہ بن شعبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں قیامت قیامت۔ ہر بندے کی موت ہی اس کے لئے قیامت ہے۔

حکایت حضرت علقمہ رحمہ اللہ تعالیٰ کسی کی نماز جنازہ میں شریک حاضر ہوئے جب اسے دفنایا گیا تو آپ نے فرمایا اس کے لئے قیامت قائم ہو گئی۔ کسی شاعر نے کہا۔

خرجت من الدنیا وقامت قیامتی

غداۃ اقل الحاملون جنازتی

ترجمہ: میں دنیا سے رخصت ہوا میرے لئے قیامت قائم ہو گئی اسی صبح کو جب اٹھانے والوں نے میرا جنازہ اٹھایا۔

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ (اور اس جان کی قسم جو خود کو ملامت کرے) عین المعانی میں ہے کہ جس شے کی قسم ہو اس کی اور جو اس میں ہے اس کی عظمت شان کا اظہار ہے اس کی لطف صنعت اور عظمت نعمت سے اور قسم کے تکرار میں تنبیہ ہے کہ ہر دونوں مقسم بہ مقصود اور مستقل بالقسم ہیں اس لئے کہ انمیں ایک قسم کی فضیلت ہے (جو اللہ تعالیٰ سے عطا ہوئی)۔

حل لغات اللوم انسان کا اس نسبت سے علیحدہ ہونا جس میں ملامت ہو۔

نفس لوامہ کیا ہے نفس لوامہ امارہ و مطمئنہ کے درمیان واقع ہے ایک کی دو جہتیں ہیں۔

① ایک جہت نفس امارہ کے متصل ہے وہ جہۃ الاسلام جب اس جہت امارہ کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اسے ترک متابعۃ اور اقدام مخالفت پر ملامت کرتا ہے اور وہ اسے اس پر بھی ملامت کرتا ہے جو اس سے ایام ماضی میں اعمال و طاعت نہ ہو سکے اور وہ اسے حیوانیہ ظلمانیہ چراگاہوں میں چرنے (میلان) سے روکتا ہے۔

② دوسری جہت نفس مطمئنہ کے متصل ہے یہ جہت الایمان ہے جب وہ اس جہت سے مطمئنہ کی طرف دیکھتا ہے تو اس کی نورانیت سے منور اور اس کے رنگ میں رنگا جاتا ہے تو بھی وہ اسے ملامت کرتا ہے ان تقصیرات سے جو اس سے سرزد ہوئیں اور ان عذرات پر جو اس کے صادر ہوئیں وہ ہمیشہ اس پر اسے ملامت کرتا رہتا ہے اور اس ملامت پر قائم رہتا ہے

یہاں تک کہ اسے مقام اطمینان نصیب ہوتا ہے اس لئے کہ وہ اس مستحق ہے کہ اس کی قسم یاد فرمائی جائے اس پر کہ بعث ونشر حشر حق ہے۔

قیامت و نفس لوامہ میں مناسبت

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت اور نفس لوامہ دونوں کو قسم میں جمع کرنے کی ایک وجہ تو ان کی تعظیم (عظمت شان) ہے دوسرا ان دونوں کو آپس میں گہری مناسبت ہے وہ اس طرح کہ نفس لوامہ قیامت کے وقوع کی تصدیق اور اقرار کرتا اور اس کے لئے اسباب تیار کرتا ہے اور اس کے اسباب یعنی خیرات (نیکیوں کی کوتاہی اور سستی پر ملامت کرتا ہے اور نفس کا زیادۃ فی الخیر واعمال البر میں تحسین کرتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ اس کی جزا نصیب ہوگی اور کوتاہی پر ملامت کرتا ہے کہ اس طرح سے تو بلند مراتب سے گر جائے گا فلہذا غفلت ونسیان کو دور کردے وغیرہ وغیرہ (اسے یاد کرلے اور فضول باتوں کو چھوڑ) قسم کا جواب محذوف ہے جس پر دلالت کرتا ہے۔

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ (کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے)۔ وہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد اسے اٹھایا جائے گا الانسان سے جنسی آدمی مراد ہے۔ کل کی طرف اسناد لیکن اس سے بعض مراد ہوں یہ استعمال بکثرت ہے ہمزہ واقع کے انکار اور استقباح (قبیح سمجھنا) کے لئے ہے اور مخففہ از ثقیلہ ہے اور ضمیر شان کی ہے اس کا اسم محذوف ہے۔

حل لغات

عظام عظم کی جمع ہے حیوان کلی وہ شے جس پر گوشت ہو یعنی ہڈی یہ عظیم کی جمع بھی ہے جیسے کریم کی کرام اور کبیر کی کبار اسی سے الموالی العظام (عظیم کی جمع)۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ انسان جو بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) کے منکر ہیں انہیں گمان ہے یہ شان (بات) کہ ہم بوسیدہ ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے یا ان کا گمان باطل ہے ہم ان کے بوسیدہ ہونے اور متفرق ہونے اور چورہ چورہ ہونے اور مٹی میں مل جانے اور انہیں ہوا سے اڑا کرلے جانے اور زمین کے کناروں میں ذرہ ذرہ پھیل جانے اور دریاؤں میں بکھر جانے کے بعد ان اعمال کی جزا و سزا کے لئے ضرور جمع کریں گے جو انہوں نے دنیا میں کئے۔

شان نزول

بعض نے کہا کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے داماد عدی بن ربیعہ (یہی وہ دونوں ہیں جن کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اکۡفِنِیۡ جارِیَ السوء اے میرے اللہ دو برے ہمسایوں سے کفایت فرما) کے حق میں نازل ہوئی جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ قیامت کا کوئی حال تو سناؤ کہ کب ہوگی اور اس کا معاملہ کیسا ہے آپ نے اس کی خبر سنائی تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اگر میں قیامت کا دن دیکھ بھی لوں تب بھی نہ مانوں اور آپ پر ایمان نہ لاؤں کیا اللہ تعالیٰ بکھری ہوئی ہڈیاں جمع کردے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ کیا اس کافر کا یہ گمان ہے کہ ہڈیاں بکھرنے اور گلنے

اور ریزہ ریزہ ہونے کے بعد نہیں اٹھنا یہ اس کا گمان غلط ہے، اس معنیٰ پر یہ کلام منکر کے منہ سے نکلی ہوئی ہوگی من یحیی العظام وھی رمیم ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جب وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ العظام کہہ کر اس نے اپنی ذات مراد لی کیونکہ ہڈیاں ہی تو انسان کا ڈھانچہ ہیں اس کی صورت انہی ہڈیوں کے استواء پر موقوف ہے یہ ان کا ردال ہے کہ وہ شک و شبہ سے کہتا تھا اور اس سے مراد بھی بعض انسان ہیں بہر حال اللہ تعالیٰ ہر مردے کو زندہ کرے گا اس میں کسی عاقل متفکر متدل (دلیل پکڑنے والا) کو انکار نہیں۔

بلیٰ (کیوں نہیں) نفی کے بعد مذکور کے لئے ایجاب ہے یعنی جمع کرنا اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہاں ہم جمع کریں گے در انحالیکہ قٰدِرِیْنَ ہم قادر ہیں۔ یہ ضمیر مستکن ہے جو نجمع میں ہے سے حال مؤکدہ ہے اور نجمع بلیٰ کے بعد مقدر ہے عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ اس پر کہ ہم اس کے پور ٹھیک بنا دیں اور پہلے کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیں باوجودیکہ وہ چھوٹے اور باریک ہیں جب ہم ان کو جوڑ سکتے ہیں تو پھر بڑی ہڈیوں کا کام کونسا مشکل ہے۔

حل لغات سلامیات سلامی کی جمع ہے حباری کی طرح بمعنی وہ چھوٹی اور باریک ہڈیاں جو ہاتھ اور پاؤں میں ہیں۔

حدیث شریف لوگوں کے ہر جوڑ پر ہر دن جو سورج طلوع کرتا ہے صدقہ ہے یعنی اس کے ہر جوڑ پر صدقہ ہے جس طرح کا ہو قول سے فعل سے یا مال سے۔

القاموس میں ہے کہ البنان انگلیاں یا ان کے اطراف امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ البنان الاصابع (انگلیاں) بعض نے کہا یہ اس نام سے اس لئے موسوم ہوئیں کہ ان سے انسان کے ان احوال کی اصلاح ہے جن سے وہ اپنے ارادہ کے مطابق قائم رہ سکے۔ بنّ بمعنیٰ یقیم کہا جاتا ہے (ابن بالمکان بین لذلک) اسی لئے ان کا نام لے کر اللہ نے فرمایا بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ اور وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (ان کے ہر پور کو مارو) میں ان کی تخصیص اسی لئے ہے کہ انہی کے ذریعے جنگ اور دفاع کیا جا سکتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم ان کی انگلیاں یعنی اطراف ٹھیک کریں گے اور اس کا آخری حصہ جس سے وہ مکمل ہوتا ہے کو بھی۔ اس تقریر پر البنان الثمر کی طرح مفرد اللفظ اور مجموع المعنیٰ ہے اور اسمیں دو جہتیں ہیں۔

① صغر

② طرف پر ہونا اس کی جس طرف دیکھا جائے بطریق اولیٰ مطلوب ثابت ہوتا ہے اسی لئے اسے خصوصیت سے ذکر فرمایا اور العظام میں بڑے اعمال صالحہ و سیئہ کی طرف اور البنان میں چھوٹی نیکیوں اور برائیوں کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہماری ہر نیکی و برائی کو جمع کر کے ہمیں جزاء و سزا دے گا۔

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کی نگاہ کے سامنے برائی کرے۔

حل لغات الفجر بمعنی شئے کا بہت اور واسع طور پھٹنا الفجور بمعنی دیانت کا ستر (ڈھانپنا) لبعض نے کہا الفجور بمعنی المیل اس معنی پر الکاذب المکذب الفاسق فاجر ہیں اس لئے کہ وہ حق سے مائل ہیں اسی سے اعرابی کا قول سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے اغفرلہ اللھم ان کان فجر ای کذب اے اللہ تعالیٰ بخش دے اسے اگر اس نے جھوٹ بولا۔ اور لام تاکید کی ہے جیسے الفرح لکم میں کہ دراصل الفحکم ہونا تھا (ان یفجر) یرید کا مفعول ہے لبعض کہتے ہیں کہ اس کا مفعول محذوف ہے اس پر لیفجر امامہٗ دلالت کرتا ہے مطلب یہ کہ آدمی شہوات و معاصی کا ارادہ کرتا ہے۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں یرید بمنزلہ فعل لازم کے ہے اس کا معمول مقدر ہے لام استغراق سے بوجہ مقام کے تقاضا کے ہے یہاں انسان کے حال کی قباحت کا اظہار ہے یعنی آدمی اپنے جمیع ارادے اسمیں واقع کرتا ہے کہ وہ برائی کرے۔

فائدہ ابو حیان نے بل کو کلام اوّل سے اعراض کا بنایا ہے یعنی بجمعہا قادرین سے بغیر ابطال مضمون کے اور شروع ہوتے اس بیان کے جس پر انسان ہے یعنی فجور کے انہماک میں بغیر عطف ڈالنے کے دوسروں نے اسے عطف کا بنایا ہے اس کا عطف اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ الخ پر ڈالا ہے یا تو اس لئے کہ وہ استفہام سے جیسے اضرب عن التوبیخ بذلک الی التوبیخ بہذا اس وجہ سے اس توبیخ سے منہ پھیرتا ہوں اسی دوسری وجہ سے دوسری توبیخ کی طرف) یا یہ ایجاب ہے کہ استفہام سے اس طرف منتقل ہوا ہے یہی بلیغ تر اور اولیٰ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہو کہ بلکہ انسان کا ارادہ ہے کہ وہ ماضی اور مستقبل کے تمام اوقات میں معصیت پر مداومت کرے اس سے کسی بھی وقت نہ ہٹے اس تقریر امام یہاں ہر مکان سے زمان کے لئے مستعار ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدمی زندگی بھر گناہ میں گذارنا چاہتا ہے۔ لبعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ انسان چاہتا ہے گناہ کر لوں کل توبہ کر لوں گا لیکن توبہ نہیں کرتا اسی طرح زندگی بھر گناہوں میں مبتلا رہتا ہے توبہ کا قلبی وعدہ پورا نہیں کرتا۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدمی چاہتا ہے کہ آنے والے بعث و حساب کی تکذیب کرے

فائدہ اس میں اشارہ ہے کہ محجوب کا ارادہ ہے کہ وہ اپنی نگاہ کے سامنے برائی کرے بحسب الاعتقاد والنیۃ کے قبل اس کے کہ وہ معصیت عمل میں لائے لیکن مواخذہ ہوگا۔ عزم (پختہ ارادہ) پر جیسا کہ اپنے مقام پر اس کا بیان گذرا ہے۔

يَسْئَلُ پوچھتا ہے، یہ سوال استبعاداً و استہزاءً ہے اَيَّانَ کب ہے یہ دراصل ای آن تھا

خبر مقدم ہے یَوۡمُ الۡقِیٰمَۃِ (قیامت کا دن) مبتدا موخر ہے یعنی یہ دن کب ہے جملہ مستانفہ تعلیلیہ ہے سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ گویا کہا گیا کہ جب وہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو کیا کرتا ہے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ استہزاء کرتا ہوا کہتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہے یا حال ہے الانسان سے جو بل یرید الانسان میں ہے یعنی اسے بعث کا انکار اشتباہ الامر اور صحۃ البعث پر دلیل قائم نہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کا ازالہ ہے کہ وہ ہمیشہ گناہوں میں زندگی بسر کرے اس حال میں ہے کہ وہ سوال کرتا ہے کہ قیامت کب ہے۔

فائدہ یہ انکار دلیل ہے اس کی کہ انسان طبعی طور شہوات کی طرف مائل ہے لیکن قیامت کی خبر اور مرنے کے بعد اٹھنے کی منغص کرتا ہے اسی لئے اس کا اظہار کرتا ہے اور اس کے اقرار سے کتراتا ہے۔

فائدہ ایحسب الانسان دلیل ہے ایسے انسان کے شبہ وجہل کی اور بل یرید الانسان اس کی شہوت و تجاہل کی دلیل ہے گویا دونوں آیتیں دو شخصوں کی فطرت کا حال بیان کرتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ محجوب انسان اپنے نفس ظلمانی کے حجاب کی وجہ سے سوال کرتا ہے کہ قیامت کب ہے ہر لحظہ وہر گھڑی افنائی و ابقائی تجلیات کے آگے پیچھے آنے کی وجہ سے اسے قیامت کا مشاہدہ نہیں ہوتا یعنی آنکھ جھپکنے کے برابر بھی اسے اس کا مشاہدہ نصیب نہیں ہوتا (جیسے اللہ نے فرمایا بَلۡ هُمۡ فِیۡ لَبۡسٍ من خلق جدید۔ بلکہ

تفسیر عالمانہ فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ (پھر جس دن آنکھ چندھیائے گی) حیران و مضطرب اور ادھر ادھر پھرے گی قیامت کی ہولناکیوں سے گھبرا کر۔

حل لغات برق امر اگرچہ بمعنی بجلی کی طرف دیکھ کر دہشت میں آ گیا پھر ہر حیرت میں مستعمل ہونے لگا اگرچہ بوقت بجلی کی طرف دیکھنا نہ بھی ہو۔ بروق السحاب و المعاتہ بادل کی چمکیں اور روشنائیاں کا واحد ہے۔

وَخَسَفَ الۡقَمَرُ (اور چاند بے نور ہوگا) اس کی روشنی چلی جائے گی۔

حل لغات خف لازم و متعدی ہر دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے کہا جاتا ہے خسف القمر چاند بے نور ہوگا خَسَفَہُ اللہُ اسے اللہ تعالیٰ نے بے نور کیا یا اسے مٹا دیا خسف المکان سے ہے بمعنی زمین میں دھنس گیا لیکن یہ معنی آنے والی آیت کے مناسب نہیں بعض نے کہا خسف بمعنی نقصان ہے اس کا استعمال وصف و ذات ہر دونوں میں ہوتا ہے۔

چاند کے پجاری اس میں چاند کے پجاریوں کا رد ہے کیونکہ اگر چاند معبود ہوتا تو خود کو بے نوری سے بچا لیتا اور نہ ہی اس سے نور چھینا جاتا۔

فائدہ فتح الرحمٰن میں ہے کہ الخسوف والکسوف ایک شے ہے یعنی سورج وچاند کے کسی ایک سے کل یا بعض کا نور چلا جانا۔

مسئلہ صلاۃ الکسوف سنت مؤکدہ ہے جب سورج یا چاند گرہن ہو تو لوگ نماز کے لئے جمع ہوں سورج گرہن ہو تو دو رکعت نفل پڑھیں امام الجمعہ ہی پڑھائے اس میں طویل قرأت کرے لیکن جہر نہ کرے اور نہ ہی خطبہ پڑھے۔ لیکن چاند گرہن کے لئے نفل کے لئے کوئی اجتماع نہیں ہر ایک اپنے گھر یا جہاں چاہے دوگانہ پڑھے عام نوافل کی طرح۔

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اور سورج وچاند ملا دیئے جائیں گے روشنی چلے جانے میں یا طلوع از مغرب میں تاریں ڈالنے میں تاکہ پجاریوں کو عبرت ہو اور تکرار القمر جائز ہے کیونکہ جواب خبر دیگئی ہے وہ پہلے نہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خسف القمر یعنی آنکھ حیران ہوگی اور دہشت کے طور موت کی گھبراہٹ سے ثانی جائے گی اور قلب کا چاند نور عقل سے تاریک ہو جائے گا اور شمس روح و قمر قلب جمع ہو جائیں گے یا بینطور دونوں کو مغرب بدن سے اکٹھے طلوع کریں گے اب ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا جیسے زندگی میں تھا بلکہ اب وہ روح بن کر متحد ہو جائیں گے۔

تفسیر عالمانہ يَقُولُ الْإِنسَانُ (منکر قیامت انسان کہے گا) یہ يَوْمَئِذٍ کا عامل ہے یعنی اس روز جب یہ امور واقع ہوں گے تو نا امید انسان کہے گا کیونکہ اس وقت بھاگنے کے علامات ممکنہ کہیں سے نظر نہیں آئیں گے جیسے زید کا متلاشی اس کے نہ ملنے کے امکانات ختم ہونے پر کہتا ہے این زید یہ اس وقت کہتا ہے جب زید کے ملنے کی علامات ختم ہوں أَيْنَ الْمَفَرُّ (کدھر بھاگ کر جاؤں)۔ مفر بمعنی فرار ہے۔ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے اپنے حقیقی معنیٰ میں لینے سے کوئی مانع نہیں۔ یہ کلام اس کے تحیر سے ہوگا۔ كَلَّا (ہرگز نہیں یہ بھاگنے کی طلب وتمنا سے روکنا اور زجر وتوبیخ ہے حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مناسب ہے کہ مایوس کے لئے یہ قول نہ ہو کیونکہ اس وقت اسے کوئی طلب نہ ہوگی۔ ہاں (كَلَّا) اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور جائز ہے کہ یہ مایوس انسان کا اپنے لئے ہو اور پھر وہ اپنے قول کو لوٹے گا کہ لَا وَزَرَ کوئی پناہ نہیں۔ کافروں کو کوئی جائے پناہ نہیں یہ الجبل (پہاڑ) سے مستعار ہے اس لئے کہ الْوَزَرُ (محرکۃ) بمعنی مضبوط پہاڑ پھر ہر اس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس سے پناہ لی جائے اور اس میں جا کر محفوظ ہو جائے اسی پہاڑ سے تشبیہ دے کر مطلق جائے پناہ کو وَزَرَ کہا جاتا ہے لا کی خبر محذوف ہے دراصل لا ملجا ثمہ تھا وہاں کوئی جائے پناہ نہ ہوگی۔

فائدہ بلاغات الزمخشری سے ہے اتل علی من وزر کلا لا وزر جس نے گناہ کیا اسے پڑھ کر سناؤ۔

لَا وَزَرَ یعنی اس کے سامنے یہی آیت پڑھو۔ پہلے وَزَرَ بمعنی گناہ ہے اس لئے الوزر بالکسر بمعنی الاثم ہے
کسی شاعر نے کہا ہے لعمرک ما فی الفتیٰ من وزر

من الموت یدرکہ والکبر

ترجمہ: تیری بقا کی قسم نوجوان کی کوئی موت اور بڑھاپے سے جا پناہ نہیں ۔ یعنی موت اور بڑھاپے سے
کوئی نہیں بھاگ سکتا کیونکہ یہ امرِ الٰہی اور قضا کا اٹل فیصلہ ہے قضا مبرم کسی کو نہیں چھوڑے گی۔
اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِنِ الْمُسْتَقَرُّ اس دن تیرے رب کی طرف جا کر ٹھہرنا ہے یعنی صرف اسی کی طرف
ہی بندوں کو ٹھہرنا ہے وہاں کسی طرف متوجہ نہ ہوں گے سوائے اس طرف کے جہاں اس کا حکم ہوگا یعنی حساب کے
مقام پر یا اس کے حکم کی طرف ان کے معاملات کو ٹھہرنا ہے کیونکہ آج کے دن صرف اسی کا حکم ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے
دوسرے مقام پر فرمایا ان الی ربك الرجعی (بے شک تیرے رب کی طرف لوٹنا ہے) اور فرمایا وان
اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى بے شک تیرے رب کی طرف ہے منتہیٰ سب کا) اور فرمایا والیہ ترجعون (اور اس کی طرف
لوٹائے جاؤ گے) یعنی کوئی حاکم و مالک نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا یا اس کی مشیت کی طرف ہے ٹھہرنے کی جگہ جسے
چاہے بہشت میں داخل کرے جسے چاہے دوزخ میں۔ اس تقریر پر المستقر اسم مکان ہے اور مرفوع بالا بتدا
ہے اور اِلٰی رَبِّكَ اس کی خبر ہے یَوْمَئِذٍ اِلٰی ربك کا معمول ہے یہ المستقر کا معمول نہیں اس لئے کہ اگر
وہ مصدر بمعنی الاستقرار ہو تو اس پر اس کا معمول مقدم نہیں ہو سکتا اگر وہ اسم مکان ہے تو سرے سے وہ عامل
نہیں ایسے ہی اِلٰی ربك یومئذِ المساق کی تقریر ہے (آگے آرہا ہے) وغیرہ وغیرہ۔
یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ (اس دن آدمی کو جتا دیا جائے گا) ہر ایک کو خبر دیجائیگی نیک ہو یا بد۔ اعمال
وزن اور بارگاہ حق کی پیشی اور محاسبہ کے وقت یہ خبر دینے والا اللہ تعالیٰ ہے یا فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے حکم
سے خبر دے گا یا اس کا اپنا علنامہ جب کھل کر اس کے سامنے آجائے گا بِمَا قَدَّمَ (جو اس نے آگے کیا) جیسا
عمل بھی نیکی یا برائی ۔ نیکی پر جزا برائی پر سزا دیا جائے گا وَاَخَّرَ اور جو پیچھے چھوڑا یعنی کوئی عمل نیک یا برا نہ
کیا کہ جس پر اسے جزا یا سزا ہو یا بِمَا قَدَّمَ سے نیکی یا برائی اور وَاَخَّرَ سے بھی نیکی یا برائی مراد ہے یعنی وہ
عمل اس کے بعد کیا گیا۔ یا بِمَا قَدَّمَ سے وہ مال مراد ہے جو اس نے زندگی میں خود کیا وَبِمَا اَخَّرَ سے وہ جو اس
نے مال چھوڑا یا وقف کیا یا اس کی وصیت کی یا بما قدم واخر سے مراد اس کے اگلے پچھلے اعمال مراد ہیں۔

فائدہ شیخ الاسلام انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ گناہ جو تو نے جرأت کر کے آگے بھیجے اور مال جو تو نے
پیچھے چھوڑا تیرے ۔ لئے رب کی حسرت توبہ سے گناہ مٹا دے تاکہ تیرا کوئی گناہ نہ رہے اور مال اللہ
خدا میں لٹا تاکہ کچھ بھی تیرے پاس نہ رہے

گر مُرستی ز پیش بہ باشد
کہ بحسرت ز پس نگاہ کُنی

ترجمہ: مرنے سے پہلے جو کچھ مال خرچ کرے گا تیرے لئے بہتر ہے ورنہ پیچھے رہنے والے مال کو حسرت سے دیکھے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ تمہارا کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ کلام نہ کرے اس کے درمیان کوئی ترجمان اور حجاب نہ ہوگا جو بندے اور اس کے درمیان حائل ہو بندہ اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو وہ عمل دیکھے گا جو اس نے پہلے کئے پھر بائیں جانب دیکھے گا تو وہ عمل پائے گا جو اس عمل کئے آگے منہ کرے گا سامنے دوزخ دیکھے گا اسی لئے اے میرے امتیو! دوزخ سے بچو اگرچہ کھجور ایک ٹکڑا سے۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ" بلکہ انسان خود ہی اپنے حال پر پوری نگاہ رکھتا ہے اَلْاِنْسَان مبتدا بصیرۃ اس کی خبر ہے علیٰ نفسہٖ بصیرۃ کے متعلق ہے اعلیٰ اعمال نفسہٖ یہاں مقدر ہے (یعنی وہ اپنے اعمال پر خود نگاہ رکھتا ہے) موصوف محذوف ہے کہ دراصل بل ھو حجۃ بصیرۃ وبینۃ واضحۃ الخ بل وہ خود حجۃ بصیرہ اور بینہ واضح ہے اپنے اعمال کا اور اپنے اعضائ وغیرہ کا شاہد ہے جو اعمال سیئہ صادر ہوئے۔

سوال تم نے صرف اعمال سیئہ کی قید کیوں لگائی؟

جواب لفظ علیٰ سے یہی مفہوم نکلتا ہے اور آنے والا جملہ بھی اس کی وضاحت کرتا ہے اور بصارۃ کو فعل کے اسناد سے موصوف کرنا مجاز ہے جیسے آیات کو ابصار سے موصوف کیا جاتا ہے تو وہ مجاز ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا جَاءَتْھُمْ آیَاتُنَا مُبْصِرَۃً (جب ان کے ہاں ہماری آیات مبصرہ آئیں) یا البصیرۃ بمعنی ذو بصیرۃ ہے یا تا مبالغہ کی ہے جیسے علامۃ انسابہ میں اس معنیٰ پر بل ترقی کا ہے یعنی انسان کو اعمال سے باخبر کیا جائے گا بلکہ وہ اس خبر کسی دوسرے کا محتاج نہ ہوگا کیونکہ وہ اس وقت اپنے احوال کی تفاصیل کا خود عالم اور اپنے نفس کا خود شاہد ہوگا کیونکہ اس کے جوارح و اعضا خود بول پڑیں گے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلکہ انسان خود حجۃ شاہد ہے جو اپنے علم سے خود شاہد ہے کیونکہ اس کے اعمال کو ہیئت اس کے نفس میں لکھی ہوئی باقی ہوگی بلکہ اس کی ذات میں راسخ ہوگی اور اس کی صفات اس کے اعضا کی صورتوں میں ہوں گے اسی لئے اسے خارج سے کسی دوسرے کی خبر کی محتاجی نہ ہوگی ۔

باش تا از صدمۂ صور سرافیلی شود
صورت خوبت نہان و سیرت زشت آشکار

ترجمہ، صبر کرتا کہ اسرافیلی صور کے صدمہ سے تیری حسین صورت چھپ جائے گی اور سیرت زشت ظاہر ہو جائے گی۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِيْرَهٗ (اور اگر اس کے پاس جتنے بہانے ہوں)۔ یہ بصیرۃ کی ضمیر سے حال یا یُنَبَّأُ سے مرفوع ہے یعنی وہ خود نگاہ رکھنے والا ہے کہ اس کے اعضا اس پر گواہی دیں گے جن کی گواہی قبول ہوگی اگرچہ یہ کتنے بہانے بنائے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ اعضا کی گواہی پر عذر داری کرے اور ان سے جھگڑا کرے کہ میں نے یہ فعل کیا ہی نہیں یا کیا تھا تو فلاں وجہ تھی یا یہ عمل میں نے نہیں کیا یا اس کا مانع موجود تھا یا میں فقیر تھا عیالدار تھا یا مجھے فلاں سے خوف تھا یا مجھے اس کی عطا کا طمع تھا وغیرہ وغیرہ غرضیکہ بے سود بہانے بنائے گا۔

چہ چندیں عذر انگیزی و چندیں حیلہ ہا سازی
چو میدانی کہ میدانم و میدانم کہ میدانی

ترجمہ، کتنا عذر کھڑے کرو گے کتنا حیلے بناؤ جب میں اس راز کو جانتا ہوں اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے میں جانتا ہوں۔

فائدہ یا یہ معنیٰ ہے کہ اسے اس کے اعمال جتلائے جائیں گے اگرچہ وہ ان کے دفعیہ اور دور ہونے کے کتنے حیلے بنائے وہاں دفع اور دوری کے اظہار کا کوئی رواج نہ ہوگا کیوں کہ اس دن حق نے حقیقت کے ساتھ ظاہر ہونا ہے۔

حل لغات المعاذیر المعذرۃ کی جمع ہے جیسے مناکیر منکر کی بعض نے کہا معذار کی جمع ہے اہل یمن کی لغت میں بمعنی الستر ہے یعنی اگرچہ وہ گناہ پر پردے لٹکائے یعنی دنیا میں گناہ کے ارتکاب پر لوگوں کی نگاہوں سے چھپنا اور پوشیدہ ہونا کوئی کام نہ دے گا کیونکہ اس پر اس کا اپنا نفس خود نگاہ رکھنے والا ہے اور فرشتے بھی شاہد ہیں۔

فائدہ الکشاف میں ہے کہ جیسے محتجب کے دیکھنے سے جیسے وہ خود روکتا ہے ایسے معذرت مذنب کی عقوبت کو روکتی ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ اس کے ساتھ حرکت نہ دو یعنی قرآن کے ساتھ۔ لِسَانَكَ اپنی زبان کو جب جبریل علیہ السلام پڑھتے اور آپ پر القا کرتے رہیں لِتَعْجَلَ بِهٖ (اس کے یاد کرنے کی جلدی میں)۔ اس کے حاصل کرنے میں کہ اسے جلدی حاصل کرو اس خوف سے کوئی حرف رہ نہ جائے۔ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ بے شک ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کرنا تمہارے سینہ مبارک میں یہ وعدہ ہے کہ کوئی معنیٰ بھی آپ پر مخفی نہ رہے گا وَقُرْاٰنَهٗ اور اس کا

پڑھنا۔ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی اس کی قرأۃ کا اثبات آپ کی زبان مبارک سے کہ اسے جب چاہو پڑھو۔

حل لغات القرآن مصدر ہے بمعنی القرأۃ جیسے الغفران بمعنی المغفرۃ اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے القرأۃ بمعنی حروف وکلمات کو ایک دوسرے سے ملانا ترتیل میں اور یہ ہر جمع کے لئے مستعمل نہیں کہا جاتا۔ قرات القوم جمعتہم میں نے انہیں جمع کیا۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ توجب ہم پڑھ چکیں۔ یعنی جب قرأۃ قرأۃ کی تکمیل کر لیں بواسطہ جبریل علیہ السلام آپ کی زبان مبارک پر۔

فائدہ نون عظمت یعنی جمع متکلم برائے اللہ تعالیٰ کی طرف فعل (قراءۃ) کا اسناد ایجاب تاخیر میں مبالغہ کے لئے ہے۔

فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ تو اس وقت پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ یعنی جبریل علیہ السلام کی فراغت کے بعد بلا تاخیر پڑھنا شروع کر دیجئے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب ہم اسے جمع اور ثابت کر لیں تمہارے سینے میں پھر اس پر عمل کیجئے۔

حضرت الواسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جمع کا تعلق سر سے اور قرأۃ کا تعلق علانیہ سے ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کا بیان۔ یعنی وہ جو آپ کو اس کے معانی واحکام مشکل محسوس ہوں گے ہم بیان کر دیں گے۔ کلام کے مجمل و مبہم کی شرح کا نام بیان اس لئے ہے کہ وہ معنیٰ مقصود کشف مکمل طور کھولتا ہے۔

مسئلہ ثُمَّ میں دلیل ہے کہ خطاب کے وقت سے بیان کی تاخیر تو جائز ہے لیکن وقت حاجۃ الی العمل سے تاخیر جائز نہیں کیونکہ پہلی صورت میں تکلیف مالا یطاق ہے (وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جائز نہیں)۔

فائدہ اہل التفسیر نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جب نزول وحی ہوتا تو آپ جبریل علیہ السلام کے ساتھ کے ساتھ پڑھنا شروع فرما دیتے ان کے اتمام کا انتظار نہ فرماتے حفظ میں جلدی کرتے اس خوف سے کہیں کوئی مضمون رہ نہ جائے۔ آپ کو حکم ہوا کہ خاموشی سے سنیں جب تک آپ کے دل میں وحی کا القاء وسمع مکمل نہ ہو آپ جلدی نہ کریں جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضیٰ الیك وحیه آپ قرآن میں جلدی نہ کریں قبل اس کے کہ آپ پر وحی کا القاء پورا نہ ہو جائے پھر آپ اسے پڑھتے جائیے یہاں تک کہ آپ کے دل میں راسخ ہو جائے۔

فلاسفہ و وہابیہ کا رد بعض عارفین نے فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ علم کا حصول صحیح ہے یہاں پر گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے حبیب

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ جبریل علیہ السلام سے قرآن لیجئے ایسے طور کہ گویا آپ نے اسی سے ہی لیا ہے۔

ولا سابق بما عندك منا من غير واسطة
بر المحققين يسمون هذه الجهة التى
عدم الوسائط الوجه الخاص والفلا
سفة ينكرون هذا الوجه ويقولون
لا ارتباط بين الحق والموجودات الا من
جهة الاسباب والوسائط فليس عندهم
ان يقول الانسان اخبرنى ربى اى بلا واسطة
مخطئون هذا الحكم فانه كان ارتباط
كل ممكن بالحق من حيث الممكن من جهتين
جهة الواحدة وجهة الكثرة بواسطه و
هو الوجه ولما كان نبينا عليه السلام
اكمل الخلق تكون احكام كثرته وامكانه
مستهلكة بالكلية فى وحدة الحق واحكام وجوبه
كان ياخذ عن الله بلا واسطه اى من
الوجه الخاص وكان ينصبغ فى قلبه ما
يريد الحق ان يخبره فاذا جاءه الكلام
من جهة الوسائط اى من الوجه العام
لصور الالفاظ والعبارات التى استدعتها
احوال المخاطبين كان يبادر اليه بالنطق
به لعلمه بمعناه بسبب تلقيه اياه من
حيث اللاواسطة لينفس عن نفسه ما يجد
من الكربة والشدة التى يلقاها من التنزل
الروحانى فان الطبيعة تنزعج من ذلك
للمباينة الثابتة بين المزاج وبين الروح

ترجمہ۔ جو کچھ آپ کے پاس ہے آپ سے کوئی سبقت
کرنے والا نہیں کہ اس نے آپ سے پہلے کسی سے کچھ لیا ہو
اور محققین اکابر اس عدم وسائط کی جہت کو وجہ خاص
سے موسوم کرتے ہیں اور اس وجہ خاص
کے فلاسفہ منکر ہیں (ایسے ہی وہابی دیوبندی نجدی
بھی) ان کی دلیل یہ ہے کہ موجودات میں اسباب کے
بغیر حق کے درمیان میں اور کوئی رابطہ نہیں وہ کہتے
ہیں یہ کہنا غلط ہے کہ کوئی کہے کہ مجھے میرے رب
تعالیٰ نے بلا واسطہ تک خبر دی ہے ان (فلاسفہ اور
وہابیہ وغیرہ) کی دلیل و دعویٰ غلط ہے کیونکہ ہر ممکن
کا رابطہ حق سے دو طرح ہوتا ہے۔ (۱) جہتہ الواحدہ
(۲) جہتہ الکثرۃ اور یہ وجہ عوام کے لئے ہے
اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خاص اور
تمام مخلوق سے اکمل ہیں۔ اور کثرت کے تمام احکام
اور جملہ ممکنات وحدۃ حق میں فنا پانے والی ہے اور
حضور علیہ السلام کے جواب کے احکام اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ
حاصل ہوتے ہیں بوجہ خاص اور آپ کے قلب اطہر
پر اترتا تھا وہ علم جس کی اللہ تعالیٰ خبر دینا چاہتا جب
آپ کے ہاں کلام آتا وسائط سے اور جہت عام سے
صور الفاظ اور ان عبارات یعنی مخاطبین کے احوال کے
داعی ہیں تو آپ ان الفاظ سے گفتگو فرماتے اور انکے
معانی کا آپ کو علم بھی ہوتا۔ اس سبب سے جو آپ کو اللہ
تعالیٰ کی طرف سے بلا واسطہ حاصل تھا تاکہ آپ اس
کربت وشدت سے آسانی پاتے جو آپ کے مزاج اقدس

الملكي فعرف الحق نبينا عليه السلام
القرآن وان اخذته عنا من حيث
معناه بلا واسطه فان انزالنا اياه
مرة اخرى من جهة الوسائط بيضمن
فوائد زائدة منا مراعاة افهام
المخاطبين به لان الخلق المخاطبين بالقرآن
حكم ارتباطهم بالحق انما هو من جهة سلسلة
الترتيب والوسائط كما هو الظاهر بالنسبة
الى اكثرهم فلا يفهمون عن الله الامن تلك
الجهة ومنها معرفة اكتساء تلك المعاني
العبارة الكاملة وتتجلى فى مظاهرها من
الحروف فتجمع بين كمالاته الباطنة والظاهرة
فيتجلى بها روحانيتك وجسمانيتك ثم
يتعدى الامر منك الى امتك فياخذ منهم
حصة منه علما وعملا (روح البيان ص۲۴۹ ج۹)

کو تنزل روحانی کی وجہ سے ہوتی اس لئے کہ آپ کو اس
تنزل سے پریشانی لاحق ہوتی اس لئے کہ مزاج اقدس
اور روح ملکی کے درمیان سابنیت ہے خلاصہ کہ اللہ
تعالیٰ نے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن
کا علم خود عطا فرمایا ہے اور فرمایا کہ اے حبیب صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم آپ نے مجھ سے قرآن من حیث المعنیٰ
بلا واسطہ حاصل کیا پھر اگر ہم نے اسے دوبارہ نازل
کیا وسائط سے تو اسمیں مزید فوائد ہیں جو مخاطبین کے
افہام کی رعایت پر مبنی ہیں اس لئے کہ قرآن کے
مخاطبین کے ربط بالحق کے احکام ترتیب وسائط کے
سلسلہ سے ہوتا ہے جیسے کہ ان کے اکثر کے لئے ظاہر
ہے کیونکہ ان کے اللہ تعالیٰ سے اسی سلسلہ کے بغیر
سمجھ نہیں سکتے کہ ان معانی کو عبارت کاملہ کی پوشاک
سے سمجھا جاتا ہے اور حروف و کلمات کے مظاہر میں
روشن ہو سکتے ہیں اسی لئے آپ میں کمالات باطنہ و
ظاہرہ کا اجتماع ہوا اسی وجہ سے آپ کی روحانیت و
جسمانیت ہر دونوں متجلی ہوئیں جو متجاوز ہو کر امت
میں مؤثر ہوئیں آپ سے امت کا ہر فرد علم وعمل
اپنا حصہ حاصل کرتا ہے۔

فائدہ لاتحرک به لسانک الخ میں تعلیم وتادیب ہے تعلیم تو یہ ہے کہ اس طرف اشارہ ہے جہۃ الوحدۃ کا باب
اکثر لوگوں پر بند ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اسی طرح سمجھ سکتے ہیں جو ان کے حال کے مناسب ہے یعنی وسائط و
کثرت امکانیہ کی جہت سے اور تادیب یہ ہے کہ جب وحی لانے والے جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے وحی
لاتے ہیں تو اسمیں جو سبقت کرے گا تو تعجیل سمجھی جائے گی اور ظاہر ہوگا کہ وحی لانے والے کی کوئی ضرورت نہیں
اور یہ یقیناً ادب کے خلاف ہے بالخصوص معلم ومرشد کے سامنے اس سے معلوم ہوا کہ لاتحرک به لسانک الخ درمیان
میں بطریق استطراد واقع ہے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استعمال طریق اوّل (وحی) بلا واسطہ کے
اعتبار سے ہر نزول وحی کے وقت واقع ہوتا تھا اور چونکہ آپ کو اس سورۃ کے نزول تک روکا نہ گیا تھا اسی لئے

اسی لئے آپ وحی کے ہر نزول کے وقت عجلت کرتے تھے اسی لئے آپ کو روکا گیا لاتحرک الخ یعنی پھر آپکو اسی طرح مامور کیا گیا جیسے لوگوں سے خطاب عام ہوتا ہے[1] اس کی مثال یہ ہے کہ مدرس و معلم جب شاگر کو جیسے کوئی مسئلہ سمجھانے شروع ہو لیکن شاگرد ایسے کام میں مشغول ہو جائے جو درس کے لائق نہ ہو تو معلم اسے فرمائے گا کہ اس مشغولی کو چھوڑ اور اس طرف متوجہ ہو جو میں کہہ رہا ہوں جب شاگرد مکمل طور متوجہ ہوگا تو معلم مسئلہ کی تکمیل فرمائے گا۔

ربط آیات

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ مجھے یہاں ایک راز القا ہوا ہے جو آیات کے ربط میں لطیف وجہ ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ لاتحرک بہ الخ سے پہلے ہڈیوں اور متفرق عناصر جو ظاہری وجود کے ارکان ہیں کے جمع کرنے کا بیان فرمایا اب جمع القرآن اور اس کے اجزاء کے جمع کرنے کا ذکر ہے جو باطن الوجود کے ارکان ہیں اسی لئے ایحسب الانسان الخ کے بعد ان علینا جمعہ الخ اس بیان معنی پر الجمع الظاہر والجمع الباطن کا اجتماع ہوا اس راز کے القا پر اللہ تعالیٰ کی ہزار حمد۔

تردید روافض از صاحب روح البیان قدس سرہٗ

وقد تحیر طائفة من قدماء الروافض رخذلہم اللہ (تعالیٰ) حیث لم یجدوا المناسبة فزعموا ان ھذا القرآن غیر و بدّل و زید فیہ ونقص۔ (روح البیان صہ ۲۴۹)

ترجمہ: شیعہ کے قدماء (اللہ تعالیٰ انہیں رسوا کرے) آیت کے درمیان ربط نہ سمجھ سکے گمان کیا کہ یہ قرآن متغیر و متبدل ہے اس میں کمی بیشی کی گئی ہے (معاذاللہ)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ ہر وہ شیئیت کے اطلاق کی استعداد رکھتی ہے اس کا ایک ظاہر ملک ہے اور ایک ملکوت (باطن) جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیدہٖ ملکوت کل شیء۔

---

[1] یہ اس قاعدہ کے مطابق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب تک صراحۃً کسی امر سے روکا نہ جاتا آپ اپنے مناسب حال پر عمل فرماتے یہاں بھی ایسے ہوا کہ آپ چونکہ علم لدنی سے قرآن مجید کے پہلے سے عالم تھے اسی لئے آپ جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ پڑھ لیتے تھے جسے بظاہر حضور علیہ السلام کے بھول جانے کے خطرہ پر محمول کیا گیا حالانکہ یہ بات نہ تھی جیسے ہم نے تفصیل سے عرض کر دیا ہے۔

(اُویسی غفرلہٗ)

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ (قدرت) میں ہے ہر شے کا ملکوت (باطن) اور قرآن اشرف الاشیاء ہے بلکہ سب سے مکمل ترین تو اس کا ملک (ظاہر) بھی ہے اور ملکوت (باطن) بھی۔ اس کا ملک تو احکام و شرائع ظاہرہ ہیں کہ جن سے امت کے مصالح متعلق ہیں جیسے عبادات مالیہ و عبادات بدنیہ اور جنایات و وصایات وغیرہ وغیرہ اور اس کا ملکوت و اسرار الہیہ و حقائق لاہوتیہ ہیں جن سے خواص امت اور اس کے اخص الخواص بلکہ خلاصۃ اخص الخواص کے بواطن متعلق ہیں جیسے مکاشفات و مشاہدات سریہ و معاینات روحیہ اور ان ہر دونوں ملک و ملکوت کے مدرکات ہیں جن سے ان کا ادراک کیا جا سکتا ہے ان کے سوا ان کا ادراک مشکل ہے اس لئے کہ وجدانیات و ذوقیات کے لئے فرمان کی عبارات کو گنجائش نہیں کیونکہ وہ منقطع الاشارات ہیں پس لاتحرک الخ میں اس کے لسان ظاہر سے عدم تعبیر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ کہ اسرار الباطن والحقائق تصرف عبارات کو قبول نہیں کرتے ہاں بہ یقین کرنا لازم ہے کہ اس کا جامع مظہر قرآن کے ملک (ظاہر) و ملکوت (باطن) کا جامع ہے وہ ہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ آپ کا ظاہر قرآن کے ملک (ظاہر) کی اتباع کرتا ہے اور آپ کا باطن اس کے ملکوت (باطن) کا ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہر لحظہ قرآن مجید کے متبعین سے بنائے (آمین)۔

تفسیر عالمانہ کَلَّا (کوئی نہیں) جس سے کلام کا ابتدا کیا گیا تھا اب اس کی تکمیل کی جا رہی ہے یعنی ایسے نہیں جیسے آدمیوں نے عقبیٰ کے بارے میں گمان کر رکھا ہے بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ (بلکہ تم عجلت والی (دنیا) کو دُرست رکھتے ہو جو جلدی والی ہے (یعنی نقد سودا ہے) وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ (اور تم آخرت کو چھوڑتے ہو، اس کے لئے عمل نہیں کرتے بلکہ اس کا انکار کرتے ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تم شہوت دنیا کی نعمت کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کی نعمتوں کو چھوڑتے ہو اس معنیٰ پر یہ خطاب امت کو ہے۔

تفسیر عالمانہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ (کچھ منہ اس دن تروتازہ ہوں گے)۔

حل لغات النضرہ بمعنی ظاہری جسم اور کا تروتازہ اور باجمال ہونا اور یہ تنعم (نعمتوں کے حصول) کے اثر سے ہوگا الناضر تروتازہ اور ہر شے سے نرم یعنی بہت سے چہرے ایسے ہوں گے اور ان سے اہل ایمان مخلصین کے چہرے مراد ہیں اس دن کہ قیامت قائم ہوگی تو ان کے چہرے تروتازہ۔ چمکدار ہونگے ان پر نعمت کے اثرات کا نظارہ کیا جائے گا اور بارونق چہرے نظر آئیں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم ان کے چہروں میں نعمتوں کی تروتازگی محسوس کی جائے گی۔ وجوہ مبتدا ناضرۃ اس کی خبر ہے اور یومئذ ناضرۃ سے منصوب ہے اور یہاں نکرہ کا مبتدا ہونا جائز ہے اس لئے

کہ یہ تفصیل کا مقام ہے۔ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ (اپنے رب کو دیکھتے) ناظرہ مبتدا کی دوسری خبر ہے الٰی ربہا ناظرہ کے متعلق ہے۔

حل لغات النظر بمعنی شے کے ادراک و رؤیت کے لئے بصر و بصیرت کو پھیرنا وجود سے دیکھنے سے آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے ذکر المحل وارادۃ الحال کے قبیل سے ہے یہ اہل قال کے نزدیک ہے اور اہل حال کے نزدیک نظر فی البصر سے منحصر نہیں اسی سے اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہوتی ہے اور وہ اس سے منزہ ہے بلکہ اس وقت باطن ظاہر سے تبدیل ہوگا اور تمام ظاہر بصر بلکہ جمیع اجزا اسے دیکھے گا اس طرح سے حق کا مشاہدہ ہوگا جیسے دنیا میں بصیرت سے مشاہدہ (دیدار الٰہی) ہوتا ہے اور آخرت تو ویسے ہی لطافت کا عالم ہے اسی لئے یہاں قالب اور ظاہری جسم کا یہاں کوئی حکم باقی نہ رہے گا بلکہ یہاں قلب و روح کا حکم ہوگا ظاہر یہی ہے کہ آخرت میں اعضا کی صورتیں بھی روح و قلب کی طرح ہوں گی اسے اچھی طرح سمجھ لو (ورنہ وہابی ہو جاؤ گے)۔

فائدہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ

راہ از کدام جانب است گفت از جانب تو نیست

جو از تو گذشتی از ہمہ جانبہا راہست

چوں بصدیقاں بیاکہ دند وزاں راہ سافتند

جز بدل رفتن دراں رہ یک قدم رابار نیست

ترجمہ: (وصال حق کا) راہ کس جانب سے ہے فرمایا تیری جانب سے وہاں کوئی راہ نہیں جب تم توئی سے گذر گئے تو پھر ہر جانب سے راہ ہے جب سے صدیق کھڑے کئے ان سے ہی راہ بنائے وہاں پاؤں سے چلنے کا راہ نہیں دل کے ساتھ چلنا پڑتا ہے۔

فائدہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کچھ منہ اللہ (تعالیٰ) کو عیانا دیکھیں گے اور وہ اس کے جمال کے مطالعہ میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ انہیں ماسوائے اللہ تعالیٰ کی بالکل باخبر نہ ہوگی۔

مسئلہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بلا کیف اور بلا جہت ہوگا ایسے منہ اس لائق ہیں کہ وہ تر و تازہ ہوں کیوں نہ ہو جبکہ وہ اپنے خالق کے دیدار سے سرشار ہوں گے۔

باز کی تربیت مومن کی مثال باز کی ہے کہ باز کو جب پکڑ لیتے ہیں پھر چاہتے ہیں کہ اسے بادشاہ کو ہدیہ پیش کریں تاکہ وہ بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھنے کے لائق ہو تو ایک عرصہ تک اس کی آنکھیں بند رکھتے ہیں اور اس کے پاؤں بیڑیوں میں باندھتے ہیں اور تاریک مکان میں ٹھہراتے ہیں اسے اپنے جوڑے

سے بھی دور اور بھوکا پیاسہ رکھتے ہیں تاکہ ضعیف اور لاغر ہوا اور اپنے وطن کو بھول جائے اور یہاں سے بھاگنے نہ پائے پھر جب اس کی آنکھیں کھولتے ہیں تو اس کے سامنے شمع رکھتے ہیں اور طبلہ کی آواز سناتے اور تھوڑا سا پرندے کا گوشت کھلا کر بادشاہ کے ہاتھ پر بٹھا دیتے ہیں باز اپنے دل میں سوچتا ہے کہ اس جہاں میں میرے جیسا خوش قسمت کون ہوگا کہ شمع میرے آگے اور طبل کی آواز میرے کانوں میں اور کھانے کے لئے پرندے کا گوشت اور میری قرارگاہ بادشاہ کا ہاتھ ہے۔

مؤمن قبر میں کیوں یہی مؤمن کا حال ہے جب اسے خلعت کی پوشاک پہناتے اور شراب محبت پلاتے ہیں تو اس کے ساتھ بھی باز والا معاملہ کرتے ہیں کہ اسے ایک مدت تک قبر میں مقید رکھتے ہیں گویا ہاتھوں پر بیڑیاں پاؤں پر زنجیر ڈالتے ہیں اور آنکھوں کی بینائی بند کر دیتے ہیں (یہ جسم کے ساتھ ہو رہا ہے کہ وہ کہیں آنے جانے کا نہیں روح کی بات نہیں) ایک عرصہ تک قبر (عالم برزخ) میں گذارتا ہے پھر اسے اچانک قیامت کا طبل (نفخ صور) سنائیں گے اس سے بندہ قبر کی مٹی سے سر اٹھا کر آنکھ کھولے گا تو بہشت کا نور دیکھے گا اس وقت اسے دنیا (پرانا وطن) بھول چکا ہوگا۔ پھر اسے شراب وصال پلا کر جنت کے دسترخوان پر بٹھائیں گے پھر جب آنکھ کھولے گا تو خود کو بادشاہ کے ہاتھ پر بیٹھا ہوا دیکھے گا اور بندہ کامل آنکھ کھولے گا تو خود کو مقعد صدق میں پائے گا ملک کا سلام سنے گا ملک کا دیدار کرے گا طوبیٰ وزلفیٰ وحسنیٰ میں شاداں و فرحاں چل کر بارگاہ حق میں پہنچ کر جلال و جمال حق سے سرشار ہوگا۔ یہی ہے معنیٰ قول وجوہ ناضرة الی ربها ناظرة۔

فائدہ اور یہ ہر وقت نہ ہوگا کہ کسی دوسری بہت سی اشیأ دیکھنے منافی نہیں اور اولیٰ یہ ہے کہ تقدیم اہتمام اور رعایۃ الفاصلہ کے لئے ہے کیونکہ اسے مقید کرنا بعض احوال کے ساتھ تقیید بلا دلیل اور مقام مدح کے منافی ہے اور مقام مداح عموم الاحوال کا مقتضیٰ ہے اور غیر مناسب ہے۔ وجوہ یومئذ ناظرة۔ یہ احوال میں عموم کے لئے ہے اور اگر مان لیا جائے تو یہ اختصاص ردعائی ہے کہ اس کے سوا دوسروں کے دیکھنا کالعدم ہے کہ اس کی نظر کے بالمقابل وہ کچھ نہیں جیسے کہا جاتا ہے زید الجواد ھکذا زید ہی ہے ایسا سخی ہے (اسمیں دوسروں کی سخاوت کالعدم قرار دی گئی ہے)۔

تفسیر صوفیانہ جو اہل جنت میں تجلی ذاتی ابدی سے فائز ہوگا اس کے لئے اس کے بعد حجاب نہ ہوگا بلکہ کاملین کو اس کے دیدار کے سوا قرار ہی نہ ہوگا اسی طرف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ اہل جنت کا ایک گروہ وہ ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ کسی وقت مستور و محجوب نہ ہوگا اور آپ خود اپنی دعائیں پڑھتے تھے۔

واسئلك لذة النظر الیٰ وجهك الکریم اے اللہ تجھ سے تیرے وجہ کریم کی نظر کی لذت کا

ابدا دائمًا سرمدا دون ضراء مضرة سوال کرتا ہوں ہمیشہ دائمی سرمدانہ ایسے ضرر سے ولا فتنة مضلة ۔ جو ضرر رساں اور فتنہ سے جو گمراہ کن ہے ۔

فائدہ الضرأ المضرہ سے تجلی کے بعد حصول حجاب اور وہ تجلی جو حجاب سلکنے کو مستلزم ہو اور الفتنۃ المضلہ سے ہر وہ شبہ جو خلل و نقص فی العلم والشہود کا موجب ہو مراد ہے ۔

اوتاد کا ورد صوفیا کرام فرماتے ہیں کہ اوتاد کا ورد یہ ہے اللھم انی اسئلك النظرة الی وجھك الکریم (اے اللہ تیرے کریم چہرے دیکھنے کا سوال کرتا ہوں ۔

فائدہ ہر کس بہشت کی آرزو رکھتا ہے لیکن عاشق کو دیدار الہی کے سوا اور کوئی آرزو نہیں اور پیر طریقت نے فرمایا کہ عارف کو بہشت میں تین نصیب ہوں گی

① سماع

② شراب

③ دیدار

سماع کے لئے فرمایا فھم فی روضة یحبرون اور شراب کے لئے فرمایا وسقاھم ربھم شرابا طھورا اور دیدار کے لئے فرمایا وجوہ یومئذ ناضرة الی ربھا ناظرة سماع کان کا اور شراب لب کا دیدار آنکھ کا حصہ ہے ۔ سماع واجدان کا شراب عاشقوں کا دیدار مجنون کا حصہ ہے ۔ سماع طرب (سرور) بڑھاتا ہے شراب زبان کھولتا ہے دیدار صفت لے جاتا (محویت بخشتا) ہے ۔ سماع مطلوب کو کھرا کرتا ہے ۔ شراب راز کا جلوہ دکھاتا ہے دیدار عارف کو فرد بناتا ہے ۔ سماع کو ہفت اندام چاہئیں لیکن ان کا ساقی کان ہے شراب بہمہ وجوہ نوش اور دیدار ہر موئے تن کو روشن کرتا ہے ۔

مسئلہ تمام اہلسنت وجماعت نے اس آیت کو حقیقت پر محمول کرتے ہوئے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار بلا کیف وتحدید نصیب ہوگا جس نے تاویل کی وہ تاویل حقیقی معنیٰ کو قادح نہیں ۔

تاویل المعتزلہ معتزلہ کا علامہ زمخشری کہتا ہے کہ آیت میں توقع و رجا سے کنایہ ہے جس کا مطلب ہے کہ بندے کرامت ونعمت کی توقع اور امید نہ رکھیں گے سوائے اللہ تعالیٰ کے جیسے دنیا میں سوائے اس سے کسی سے ڈرتے نہ امید رکھتے ۔

جواب اہلسنت علمائے اہلسنت نے فرمایا کہ کنایہ کی طرف بلا ضرورت داعیہ عدول کرنا ہے اور یہاں کوئی ایسی ضرورت نہیں کہ حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کا ارتکاب کیا جائے بلکہ احادیث صحیحہ رویت باری تعالیٰ کے حقیقی معنی کا تعین کرتی ہیں ۔

سوال حدیث شریف میں ہے کہ چاندی کی دو بہشتیں ہیں اور انمیں جو کچھ ہے اور ان کے برتن بھی چاندی کے ہیں اور سونے کی دو بہشتیں ہیں اور ان میں جو کچھ ہے اور ان کے برتن بھی سونے کے ہیں ان کے بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سوائے کبریائی کے اور کوئی شے حائل نہیں اور وہ رِدا اس کے چہرے پر ہے بندے اسی روا کو دیکھتے ہیں۔

فائدہ معتزلہ کہتے ہیں کہ یہی ردا ردا والے اور بندوں کے درمیان حجاب ہے فلہذا قیامت میں بھی رویت باری تعالیٰ ممکن نہیں۔

جواب رِدا والا محجوب نہ ہوگا کیونکہ وجہ (چہرہ) سے اس کی ذات اور رِدا سے مراد وہ عبد کامل المخلوق جو جامع للحقائق الامکانیہ والالہیہ ہے یعنی ردائے کبریا نفس مظہر ہے اور ذات کا مشاہدہ مظہر کے بغیر محال ہے۔

فائدہ ردا وہی خود کبریا ہے اور یہ اضافت بیانیہ ہے الکبریا سے وہ رِدا مراد ہے جو عارف باللہ کے عقول کا لباس ہے اور اسے ردا افہام وتفہیم کے طور کہا گیا ہے ورنہ وہاں درحقیقت کوئی ردا نہیں ہاں رتبہ حجابیہ ہمیشہ باقی رہے گا اور یہ رتبہ حجابیہ مظہر ہے کیونکہ وہ آئینہ کی طرح ہے۔

سوال حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے شب معراج اپنے رب کو دیکھا۔ آپ نے فرمایا نور انی اراہ وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا تھا یعنی وہ مجرد نور ہے اس کا دیکھنا ناممکن ہے

جواب باعتبار تجرد الذات علی الذات عن المظاہر والنسب والاضافات (مظاہر و نسبتوں سے مجرد ذات کا دیکھنا) ناممکن ومتعذر ہے ہاں مظاہر میں اور حجابیۃ المراتب کے ورا اس کا ادراک ممکن ہے۔

معتزلہ کی عجیب تفسیر بعض معتزلہ نے ناظرۃ میں نظر سے انتظار مراد لی ہے اور لفظ الیٰ کو اسم مفرد بنا کر بمعنی نعمت کیا جو رب کی طرف مضاف ہے (اس کی جمع آلا ہے) اس معنی پر الیٰ (بمعنی نعمت) ناظرہ کا مفعول مقدم اور ناظرہ یعنی منتظر ہے اب عبارت یوں ہوگی یومئذ منتظرۃ نعمۃ ربہا (بعض چہرے اس دن اس کی نعمت کا انتظار کرنے والے ہوں گے)۔

تردید از اہلسنت (۱) انتظار کا اسناد وجوہ کی طرف نہیں ہوتا خواہ وہ حقیقی معنیٰ میں ہو یا بمعنیٰ نظر کہ محل بولکر حال مراد ہو۔

(۲) وجہ سے ذات اور انسان (شخص) مراد لینا ظاہر کے خلاف ہے

(۳) الانتظار الیٰ کی طرف متعدی نہیں ہوتا اگر اس سے حرف مراد ہو۔

(۴) یہاں الیٰ بمعنیٰ نعمۃ عقلاً خلاف ہے کیونکہ انتظار تو تکلیف کا اور دکھ کا نام ہے (اسی لئے کہا جاتا

ہے الانتظار اشد من الموت انتظار موت سے زیادہ سخت ہے اور بہشت میں تو نقد نعمتیں ہیں وہاں انتظار کیا اور نقلاً بھی خلاف ہے

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہشت میں ادنیٰ درجہ کا بندہ وہ ہوگا جو جناب الٰہی اور اپنی ازواج (حوران بہشت وغیرہ) اور بہشت کی نعمتوں اور اپنے خدام اور اپنے تخت ہزاروں سال کی مسافت سے دیکھے گا یعنی ہزار سال کی مسافت سے دور سے دیکھے گا اور جو اعلیٰ درجہ کا ہوگا جسے اللہ تعالیٰ اعزاز بخشے گا وہ اس کے چہرے کو روزانہ اسی مقدار پر صبح وشام دیکھے گا اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پڑھا، وجوہ یومئذ ناضرۃ الیٰ ربہا ناظرۃ اس کے بعد آپ نے نظر کو نظر عین اور آنکھ سے دیکھنے سے تفسیر فرمائی۔

فائدہ اس سے ظاہر ہوا کہ مخالف معتزلہ نے اپنی رائے اور خواہش کا اتباع کیا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودھویں کے چاند کو دیکھ کر فرمایا کہ تم اپنے رب تعالیٰ کو ایسے دیکھو گے جیسے چاند کو دیکھ رہے ہو۔ کیا چاند کو دیکھنے میں ایک دوسرے کو رکاوٹ محسوس کرتے ہو۔

فائدہ لاتضامون فی رؤیتہ بفتح التاء وتشدید المیم از الضم در اصل لا تتضامون یعنی تم ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں ہو گے کہ کہو کہ دکھاؤ یا رو چاند کہاں ہے بلکہ ہر ایک مستقل طور دیکھے گا اور یہ روایت بتخفیف المیم بھی آئی ہے از الضیم بمعنی الظلم اس وقت تا مغموم ہو گی یعنی اس وقت دیکھنے میں کسی پر ظلم نہ ہوگا کہ کوئی دیکھے کوئی نہ دیکھے بلکہ تم سب برابر طور دیکھو گے یہ حدیث مشہور ہے اسے تمام امت نے قبول کیا ہے اور یہاں تشبیہ رویۃ برؤیت ہے واضح ہونے کی وجہ سے نہ مری (دیکھے ہوئے چاند) کی مری (اللہ تعالیٰ) سے۔

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ قیامت میں بندے اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے بغیر کیف وکم کے یا کسی اور مثال سے جب بندے اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے تو بہشت کی تمام نعمتیں بھول جائیں گے۔

افسوس بر معتزلہ معتزلہ پر سخت افسوس کہ وہ اس بڑی نعمت کا انکار کر رہے ہیں اور ان کی محرومی پر بھی افسوس۔

فائدہ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہما سے آیت الیٰ ربہا ناظرہ کے بارے میں سوال ہوا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے ثواب مراد ہے (دیدار الٰہی مراد نہیں) آپ نے فرمایا وہ لوگ جھوٹے ہیں وہ آیت لاانہم عن ربہم لمحجوبون خبردار وہ اپنے رب تعالیٰ سے محجوب ہوں گے سے کیوں غافل ہیں پھر فرمایا کہ اہل جنت اپنے رب تعالیٰ کو قیامت میں آنکھوں سے دیکھیں گے اگر اللہ تعالیٰ کو اہل ایمان

نہ دیکھیں گے تو اس کا کفار سے حجاب کیا معنیٰ اور یہ حجاب ان کے لئے عذاب کہنے کا کیا مطلب۔

بدعتی کون صاحب العقد الفرید رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو اس کے خلاف اعتقاد رکھتا ہے وہ مبتدع (بدعتی) اور زندیق ہے حالانکہ اس مطلوب کا شاہد موجود ہے اور اہل بدعت کا رد آسان ہے وہ یہ کہ دیدار الٰہی (نعمت (لذت) کبریٰ تو اہل ایمان ایسی لذت سے کیسے محروم رہیں گے اور جنت تو ہے ہی دار اللذۃ۔

سبق مؤمن پر لازم ہے کہ اس کی نعمت کی لذت کا آرزو مند رہے بالخصوص لذت دیدار کا کیونکہ دوسری نعمتیں بہیمہ اور مشترکہ ہیں لیکن دیدار الٰہی ایک مخصوص نعمت ہے جس میں اشتراک نہیں۔

فائدہ آیت میں دلیل ہے کہ ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بحالت صحو وبسط کریں گے اس لئے کہ نضارۃ بسط کی علامات سے ہے کہ اس وقت نہ حیا حائل ہوگا نہ دہشت (ہیبت) ورنہ عیش منغص ہو جائے گا اگر وہ اسے بوصف جلال دیکھیں تو پہلے سطوہ وجلوۂ جلال سے ہلاک ہو جائیں اسی لئے وہ اس کے نور بحالت انس دیکھیں گے بلکہ اسی سے اسے دیکھیں گے۔

فائدہ اس وقت عارف کی وجود کل کا کل آنکھ ہو جائے گا جو اپنے حبیب حقیقی کو اپنے جملہ وجود سے دیکھے گا اور تمام عیون (آنکھیں) تجلی حق سے استفادہ کریں گی۔

فائدہ ایک گروہ اپنے نفس سے اس کے نفس (ذات) کو دیکھے گا اس وقت عاشق ومعشوق کے درمیان سر ملا کا راز عیاں ہوگا۔ رؤیت کا تقاضا ہے رائی (دیکھنے والا) کی بقا کیونکہ وہ عالم صفات کے مقتضیات سے ہے اور عبد کا وجود حق میں اتم ہے جیسے کہ عالم ذات کا تقاضا ہے۔

فائدہ حضرت نصر آبادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بعض لوگ دیدار کے طالب ہیں بعض مشتاق ہیں بعض عارفین ایسے صرف رؤیت پر اکتفا کئے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں اس کا دیدار کافی ہے اور ہمارا اسے دیکھنا ملل ہے لیکن اس کی نظر رؤیت بلا علت ہے اور اس کی برکت اتم اور نفع کے لحاظ اشمل ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید میں قرب سے قریب مراد یہ ہے کہ مخلوق کو ادراک حق سے منع کیا گیا ہے یعنی اس کا احاطہ کوئی نہیں کر سکتا۔ جیسے ہوا حاسۂ بصر کو گھیرے تو وہ بصر دیکھنے کا ادراک نہیں کر سکتی ایسے ہی جب پانی میں غوطہ لگانے والا کچھ نہیں دیکھ سکتا اگرچہ آنکھ کھولے تب بھی پانی کا قرب اسے کچھ دیکھنے نہیں دیتا ایسے ہی حق تعالیٰ تو بندے کو اس کے نفس سے قریب تر ہے لیکن وہ اس کی اقربیت کی وجہ سے اسے نہیں دیکھ سکتا جیسے بندہ اپنے بُعد اور ذات حق کے علو کی وجہ سے ذات حق کو نہیں دیکھ پاتا کیونکہ یہ مٹی کا پتلا کہاں وہ رب الارباب لیکن جب اس کا اپنا ارادہ ہوگا اس کا بندہ اسے دیکھ سکے گا پھر اپنے علو (اپنی شان کے لائق) سے تنزل (اپنی شان کے لائق) فرماتا ہے اور اپنے بندے کو رؤیت کے لئے رفعت دیتا ہے تو پھر بندہ اس کے دیدار سے مستفید ہو سکتا ہے۔ اسی لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے رب

تعالیٰ کو ایسے دیکھو گے جیسے سورج اور چاند کو دیکھتے ہو حالانکہ وہ دونوں قرب و بُعد میں متوسط ہیں خلاصہ یہ کہ شے کا انتہائی قرب بھی حجاب ہے تو انتہائی بعد بھی۔

فائدہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو ہر ایک دیکھ رہا ہے لیکن چونکہ بندے کو اس کا عرفان نہیں اسی لئے کہتا ہے کہ میں اسے نہیں دیکھ سکتا اسی لئے عام آدمی اور عارف میں فرق ہے اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کسی کو کسی کے دیدار کا دل میں بہت زیادہ شوق ہو لیکن اس کی اس کے ساتھ جان پہچان نہیں پھر وہ اسے کہیں ملے اور علیک سلیک ہو لیکن اسے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ وہی ہے جس کے دیدار کا اس کے دل میں اشتیاق ہے تو اس کا یہ ملنا اور دیکھنا نہ ملنے اور نہ دیکھنے جیسا ہے دوسری مثال یوں سمجھئے کہ بادشاہ بھیس بدل کر شہروں میں پھرتے رہتے ہیں لیکن عوام سنے چونکہ اسے نہیں دیکھا ہوتا اسی لئے اسے دیکھتے رہتے ہیں لیکن چونکہ پہچانتے نہیں اسی لئے ان کا دیکھنا نہ دیکھنے کے برابر ہے حالانکہ وہ اسے بار بار دیکھ چکے ہوتے ہیں تب بھی اُن سے کوئی بادشاہ کے متعلق پوچھے گا تو یہی کہیں گے کہ ہم نے بادشاہ کو نہیں دیکھا ایسا آدمی آنکھ کے باوجود بھی بادشاہ کی ذات کے متعلق اندھا ہے تو اس جیسا بڑھ کر اور محجوب کون ہوگا اگرچہ اس کی بادشاہ پر نظر پڑے تب بھی اسے گہرائی سے نہ دیکھے گا کیونکہ اسے اس کی شناسائی نہیں۔

فائدہ ان دونوں مثالوں سے عارف و غیر عارف کا فرق معلوم ہوگیا ہوگا علاوہ ازیں نظر نظر میں بھی فرق ہے بعض تیز بینائی کے مالک ہوتے ہیں بعض کمزور نگاہ والے اسی لئے صوفیائے کرام نے فرمایا کہ شہود حق والوں میں بھی فرق ہے اگرچہ ان سب کو بساط حق پر رسائی ہے لیکن بعض زیادہ شہود رکھتے ہیں بعض بہت کم یہ فرق بھی حقائق میں نہ ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ اگر عین ذات کا مشاہدہ کریں تو وہ فضیلت میں سب برابر ہوں۔

فائدہ بعض عارفین نے فرمایا کہ مخلوق حق تعالیٰ کے قریب تر اور اس کی ہمسائیگی میں ہے اس طرح سے انہیں بہت بڑی بشارت اور مبارک ہو کیونکہ ہمسایہ کا حق ہوتا ہے لیکن اسے عارف باللہ ہی سمجھتے ہیں۔

سبق ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس ہمسائیگی کا کم از کم موت کے وقت تو تصور میں لائے پھر حق تعالیٰ سے مطالبہ کرے کہ حضور ہمسایہ کا بھی حق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خود فرمایا رب احکم بالحق اے رب تعالیٰ حق کا فیصلہ فرمایئے یعنی وہ حق جو تو نے ہمارے لئے مشروع فرمایا اور ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرما جس سے ہمارے لئے کوئی انکار نہ ہو یعنی وہ جو تیرے کرم کا تقاضا ہے اور یہ اختصار اور خشوع و خضوع اور ذلت کی دعا ہے۔

حکایت حجاج (بن یوسف ظالم) نے ایک شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے کہا میرا آپ سے ایک کام ہے کہا وہ کیا عرض کی وہ یہ کہ میرے پنجہ میں پنجہ ملا کر صرف تین قدم میرے ساتھ چلئے حجاج نے ویسے ہی کیا جیسے اس نے کہا جب تین قدم چل کر قتل کا ارادہ کیا تو اس شخص نے عرض کی اس حق صحبت (رفاقت) کے صدقے مجھے

معاف کر دے حجاج نے اسے معاف کر دیا (اسی طرح ہارون الرشید کا قصہ بھی نفحۃ الیمن میں مذکور ہے)۔

تفسیر عالمانہ وَوُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ اور بعض منہ اس روز ہوں گے بَاسِرَۃٌ (بگڑے ہوئے)۔ یومئذ باسرۃ متعلق ہے باسرۃ بمعنی سخت تیوری والے ہیں کہ ان پر سرور خوشی، کا ہرگز کوئی نشان نہ ہوگا اور یہ کافروں دمن فقنون کے منہ ہوں گے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا البسر بمعنی شے کا وقت سے پہلے جلدی آنا۔

سوال وُجوہٌ یومئذ باسرۃٌ موت سے تو وہ تے منہ نہیں بنائیں گے پھر انہیں باسرہ کیسے کہا گیا؟

جواب یہ محاورہ اس کے لیے ہے جو وقت سے پہلے ہو اور یہ ان کے لئے اس لئے کہا گیا ہے کہ نار جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ان کے منہ ایسے ہو جائیں گے اور ان کے لئے لفظ بسراسی لئے خاص کہا گیا کہ گویا تنبیہ ہے کہ جو کچھ انہیں بعد کو پہنچے گا وہ بمنزلہ تکلف کے ہے اور اس کے قائم مقام ہے کہ ان کے منہ کا ہونا وقت سے پہلے ہے اس پر اگلا مضمون دلالت کرتا ہے۔

تَظُنُّ کہتے ہوں گے۔ وہی سیاہ منہ والے بحسب علامات توقع رکھیں گے اور یہ جملہ خبر ہے بعد خبر کے اور ابوحیان وطسی نے ترجیح دی ہے کہ ظن بمعنی یقین ہے اور ان مصدریہ اس کے منافی نہیں جیسے بعض کا گمان ہے کہ وہ فعل تحقق صرف کے بعد واقع نہیں ہوتا لیکن ظن اور وہ جو علم کا معنیٰ دے اس کے بعد ان مصدریہ اور مشددہ ومخففہ تینوں واقع ہوئے اس پر رضی نے نص کی ہے۔

اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَۃٌ ان کے ساتھ وہ کی جائے گی جو کمر کو توڑے) سخت اور عظیم مصیبت جو کمر توڑ دے گی

حل لغات فاقرہ سے ہی فقیر بمعنی مفقور وہ جس کی فقر کمر توڑ ڈالے گویا وہ سخت شدت میں ہے اور اسے تحمل (بوجھ اٹھانے) کی قدرت نہیں ان موہنوں کی طرح جو ہر خیر و بھلائی کی امید رکھتے ہوں گے کہ انھیں فرحت سرور کے امور پیش ہوں گے اور یہ مصیبت و شدت کی توقع میں ہوں گے کیونکہ دو آیتوں کا مقابلہ کا تقاضا یونہی ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ ان کے لئے ہوگا جو رؤیت باری تعالیٰ سے محجوب ہوں گے ؎

فراق بتر در جہاں بلائے نیست

ترجمہ: فراق سے بڑھ کر جہاں میں اور کوئی بلاؤ مصیبت نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّهَا ایسے مسرور چہرے صرف اپنے رب کی طرف دیکھیں گے نہ کہ اس کے غیر کی طرف اعراض از دنیا اور اقبال علی اللہ کے ایام دنیا میں دنیا کی طرف متوجہ اور اللہ تعالیٰ سے روگرداں رہے اسی لئے قیامت میں ہر دونوں کو پوری پوری جزا

ملے گی بعض نے کہا کہ آخرت میں بعض منہ بارونق ہونگے نور قدس سے منور ہونے اور
عالم نور وسرور اور دائمی نعمت سے اتصال کی وجہ سے اور بعض منہ بگڑے ہوئے اور سیاہ ہونگے بوجہ تیوری چڑھانے
اور اس تاریکی سے جو انہیں دوزخ سے پہنچیگی اور وہ میت جو قیامت کی ہولناکیوں اور جہنم کی شدت سے دیکھیں گے۔

تفسیر عالمانہ کَلَّآ (ہاں ہاں)۔ یہ دنیا کو آخرت پر ترجیح پر زجر و توبیخ ہے یعنی اس سے ہٹ جاؤ اور متنبہ ہو جاؤ
اپنے سے آگے والی موت سے جس سے منقطع ہو جائے گا وہ جو تمہارے اور دنیا کے درمیان تعلق
ہے اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ (جب جان گلے کو پہنچ جائے گی) ضمیر نفس کی ہے اگرچہ اس کا پہلے ذکر نہیں کیونکہ گفتگو
اس کے بارے میں ہو رہی ہے یہ اس کے وجود کی دلیل کافی ہے مثلاً عرب کہتے ہیں ارسلت ان کا مطلب ہوتا
ہے آئی بارش حالانکہ اس سے قبل آسمان وغیرہ کا ذکر ان سے نہیں سنا جاتا تو ارسلت کی ضمیر السماء کی طرف لوٹاتے
ہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ نفس ناطقہ پہنچ جائے گا اس سے روح مراد ہے سینہ کے اوپر کے حصہ تک اعالی الصدر سے وہ
وہ ہڈیاں مراد ہیں جو سینہ کی سرحد پر دائیں بائیں واقع ہیں جب روح اس مقام تک پہنچتی ہے تو غرغرہ اسکرات کی
آواز) شروع ہو جاتا ہے یعنی جب روح سینہ اور گردن کی ہڈیوں تک پہنچتی ہے (کشف الاسرار) میں ہے کہ جب روح
گردن کے چنبر تک پہنچتی ہے۔

حل لغات تراقی ترقوہ کی جمع ہے (ترقوہ) بفتح التاء والواو وسکون الراء وضم القاف) القاموس میں ہے الترقوہ
کی تا مضموم نہ پڑھی جائے وہ ہڈی جو سینے اور کاندھے کی سرحد کے درمیان واقع ہے العاتق
کاندھے پر چادر ڈالنے کی جگہ۔ بعض نے ان ہر دونوں کو ترقوتان کہا ہے لیکن باعتبار افراد اس کی جمع تراقی ہے
تراقی تک روح کا پہنچنا عدم اشفاء سے کنایہ ہے۔ اشفا یعنی اس کے کنارہ تک پہنچنا اور نزدیک ہونا اذا بلغت میں عامل
اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ کا معنیٰ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب روح حلقوم تک پہنچ جائے گی اور اسے اللہ (تعالیٰ) یعنی جہاں
اللہ تعالیٰ کا امر ہے کی طرف اٹھایا جائے گا۔

وَقِیْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ اور کہا جائے ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا۔ اس کا عطف بلغت پر ہے حضرت حفص
(قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے من سانس توڑے بغیر تھوڑا سا وقفہ (سکتہ) کیا ہے بعض نے اس کی وجہ بتائی ہے کہ سکتہ
نہ ہو تو نون ساکن راء میں مدغم ہوگا اور راء ثقیلہ کے بعد قاف کا آنا مکروہ ہے کہ ادغام میں اس کا تلفظ غلیظ (سخت)
ہو جاتا ہے علاوہ ازیں مبتدا و خبر قطع تام اور استفہام اور مستفہم عنہ فی النفس کے درمیان تام اور فرار اور اظہار مکروہ
ہے اور سکتہ میں یہ خرابیاں نہیں ہیں اس لئے کہ قراء (مجودین) کے نزدیک اتصال نون ساکن بالراء لحن شمار ہوتا ہے اب
معنیٰ یہ ہوا کہ جو میت کے سرہانے ہو وہ کہتا ہے کوئی ہے جو اس پر جھاڑ پھونک کرے تاکہ اس کی جان بچ جائے
کہ عموماً جھاڑ پھونک یعنی تعویذ وغیرہ سے (اگر موت کا وقت نہ پہنچا ہو) شفا مل جاتی ہے جھاڑ پھونک بھی کہا جاتا ہے

بسم اللہ ارقیک میں تجھے اللہ تعالیٰ کے نام سے جھاڑ پھونک کرتا ہوں۔ (از باب ضرب) اس معنیٰ پر یہ استفہام طلبی ہے یعنی جو لوگ میت کے سرہانے ہوتے ہیں وہ تلاش میں ہوں کہ کوئی (طبیب ڈاکٹر حکیم) ایسا ہے جو اس کا علاج کرے یا جھاڑ پھونک کرے (تاکہ اسے شفا مل جائے) یا یہ استفہام انکاری ہے گویا موت کے وقت ناامید ہو کر کہتے ہیں کہ اسے موت نے دبوچ لیا ہے اب کوئی ہے جو اسے موت کے پنجہ سے بچالے۔ یہی معنیٰ ظاہر ہے (اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا)۔

فائدہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ من راق میں تنبیہ ہے کہ موت جب دبوچ لے تو پھر اس وقت کسی کی جھاڑ پھونک تعویذ وغیرہ کام نہیں دیتا اسی طرف اشارہ ہے شعر ذیل کا۔ ؎

واذا المنیۃ انشبت اظفارھا

الفیت کل تمیمۃ لا تنفع

ترجمہ: جب موت اپنے پنجے گاڑ دے تو تم جتنا تمیمہ ڈالو کوئی کام نہ دیں گے۔

تحقیق تمیمہ چند کوڑیاں ہوتیں جو عربی لوگ اپنے بچوں کے گلے میں ڈالتے تاکہ نظر بد سے حفاظت ہو یہ باطل ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے تمیمہ ڈالا اس نے شرک کیا[1]

فائدہ شعر مذکور میں شاعر نے بھی اس قسم کا تمیمہ مراد لیا ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہ (من راق) ان فرشتوں کا کلام ہے جو اس کی روح قبض کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اب کون اٹھا کر لے جاتا ہے ملائکہ رحمت یا ملائکہ عذاب (کیونکہ ہم تو اپنی ڈیوٹی سے فارغ ہوگئے (یاد رہے کہ روح نکالنے والے ملائکہ اور ہیں اور روح کو آسمان پر لے جانے والے اور) اس وقت راق الراقی سے ہوگا از باب علم۔

سوال تم نے راق سے اٹھا کر لے جانے والے فرشتے مراد لئے ہیں یہ تو آنے والے مضمون سے مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ آنے والا مضمون فلا صدق فلا صلیٰ میں معذب لوگوں کا بیان ہے اور اٹھا کر لے جانے والے

---

[1] ہم بھی اس قسم کے تو ہمات کو برا سمجھتے ہیں جو عوام نے از خود بنا رکھے ہیں لیکن وہ تعویذات اور جھاڑ پھونک جن کا ثبوت احادیث مبارکہ سے ثابت ہے انہیں بھی شرک کے کھاتہ میں ڈال دینا وہابیوں نجدیوں کا کارنامہ ہے ورنہ اسلام نے مسلمانوں کے غلط طریقوں کے استعمال کو کفر و شرک نہیں کہا گناہ کہا ہے۔ ۱۲۔

(اویسی غفرلہ)

فرشتے عذاب والے ہوں گے تو رحمت والے بھی؟

جواب ضمیر جنس انسان کی طرف راجع ہے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جس پر موت طاری ہے وہ اہل نار ہے یا اہل جنت۔

موت کے فرشتے کتنے ہیں الکلبی نے کہا کہ موت کے وقت سات فرشتے حاضر ہوتے ہیں رحمت کے اور سات عذاب کے انکا افسر ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) بھی ہوتا ہے جب بندے کی روح حلقوم تک لاتے ہیں تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ اب اسے کون لے جائے رحمت کے فرشتے یا عذاب کے اسی معنٰی پر من راق حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ملائکہ کافر کی رُوح سے کراہت کرتے ہیں کہ اس کے قریب جائیں، تو انہیں حضرت ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) فرماتے ہیں کہ اس کافر کی روح کون اٹھا کر لے جائے گا۔

وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ اور سمجھنے لگا کہ یہ جدائی کی گھڑی ہے۔ مرنے والا جب موت کے فرشتوں کو دیکھتا ہے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ تشریف لائے ہیں۔ اب میرا محبوب دنیا سے جدائی کا وقت آگیا ہے اور اس کی نعمتیں مجھ سے چھوٹنے والی ہیں جس کے خسیس متاع کے حاصل کرنے میں میں نے اپنی نفیس اور قیمتی عمر ضائع کی۔

سوال اس وقت تو یقینی امر ہوتا ہے قرآن نے اسے الظن سے کیوں تعبیر کیا؟

جواب چونکہ انسان ظاہری زندگی کے لمحات میں دنیا سے شدید محبت کی وجہ سے آگے بڑھنے کی طمع میں ہوتا ہے اس سے اس کی امید منقطع بھی نہیں ہوتی اسی لئے اسے گویا موت کا یقین ہی نہیں ہوتا بلکہ غالب ہوتا ہے محض اسی حیاۃ دنیا میں رہنے کی امید کی وجہ سے۔

نکتہ ردِ وہابیہ امام (رازی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ روح جوہر قائم بنفسہ اور باقی رہنے والی ہے موت کے بعد ایک خاص معدن میں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کو فراق سے تعبیر کیا ہے اور فراق تب ہو سکتا ہے جب تسلیم کرنا پڑے گا کہ روح باقی رہنے والی ہے کیونکہ فراق و وصال صفت ہیں ان کا موصوف نہ ہو تو یہ صفت نہیں بن سکتیں تو الفراق والوصال کے تقاضا پر روح کو باقی رہنے والا ماننے پڑے گا۔

حکایت حضرت مزنی نے فرمایا کہ امام شافعی رحمہا اللہ تعالیٰ کے مرض الموت کے وقت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کی حضرت کیا حال ہے فرمایا میں دنیا سے کوچ کر رہا ہوں دوستوں سے جدا ہو رہا ہوں (واللہ اعلم) برے اعمال سے ملوں گا (کسرِ نفسی سے فرمایا)، اور موت کے گھونٹ پی رہا ہوں اللہ کے ہاں

ہاں حاضر ہوں گا نامعلوم میری روح جنت میں جائے گی کہ جس پر خوش آمدید کہا جاؤں گا یا دوزخ کی طرف کہ میرے لئے افسوس کہا جائے گا اس کے بعد یہ اشعار پڑھے ۔

① ولما قسا قلبی وضاقت مذاہبی

جعلت رجائی عفوک سلما

② تعاظمنی ذنبی فلما قرنته

بعفوک ربی کان عفوک اعظما

ترجمہ ① میرا دل قساوۃ اور میرے زندگی کے لمحات گناہوں سے تنگ ہیں تو میں نے اپنی رضا تیری عفو کی طرف سپرد کردی۔

② میرے گناہ بڑے ہیں میں اسے تیری عفو سے ملاتا ہوں تو اے میرے رب معافی وعفو میں عظیم تر ہے۔

اور بعض نے کہا ۔

فراق لیس یشبہ فراق

قد انقطع الرجاء عن التلاق

ترجمہ: یہ فراق عام فراق جیسا نہیں اب تو ملاقات کی امیدیں بھی منقطع ہوگئیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب بندے پر سکرات طاری ہوتی ہے کہ اس کے جوڑ ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ السلام علیکم یارو! اب ہم ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہیں اور قیامت میں ملیں گے (خدا حافظ)۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ۔

① کوس رحلت بکوفت دست اجل

اے دو چشم وداع سر بکنید

② دست کف ودست وساعد و بازو

ہمہ تودیع یکدگر بکنید

③ برمن افتادہ مرگ دشمن کام

آخر اے دوستاں گذر بکنید

④ وائے روزگارم بشد بنادانی

من نکردم شما حذر بکنید

ترجمہ ① کوچ کا نقارہ بجایا اجل نے اے میری دو آنکھوں سر سے الوداع کرلو۔

② اے ہاتھ اور ہتھیلیو اور کہنیو اور بازو۔ تم سب ایک دوسرے سے الوداع کہو۔

③ مجھ پر موت آئی دشمن کی مراد پوری ہوئی آؤ دوستو آخری بار مجھ سے گذر جاؤ۔

④ افسوس زندگی نادانی میں گذر گئی میں نہ کر سکا تم ڈر کرو۔

قبر پر چار فرشتے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قبر میں جب بندہ داخل ہوتا ہے تو اس کی قبر کے کنارے پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

① سر کی جانب

② پاؤں کی جانب

③ دائیں جانب

④ بائیں جانب

جو سر کی جانب ہوتا ہے وہ کہتا ہے کہ اے ابن آدم ترے اجل متفرق ہو گئے آمال کمزور پڑ گئے اور وہ جو دائیں جانب ہے وہ کہتا ہے ترے مال گئے تیرے اعمال تیرے ساتھ باقی ہیں اور وہ جو بائیں جانب ہے وہ کہتا ہے اشغل گئے اور وبال باقی رہ گیا اور وہ جو پاؤں کی جانب ہے وہ کہتا ہے تجھے مبارک ہو اگر تیری روزی (کمائی) حلال کی رہی اور تو خدمت (عبادت ذو الجلال) میں رہا۔

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ جائیگی۔

حل لغات التفات بمعنی ایک دوسرے پر لپٹنا یعنی ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جائے گی موت کی پریشانی کے وقت۔ الساق عضو مخصوص (پنڈلی) ہے التفات بھی لپٹنا ایک دوسری پر چڑھنا ہے یا اس سے فراق دنیا کی شدت کا آخرت کے آنے کی شدت کا ایک دوسری سے لپٹنا مراد ہے الساق کے لپٹنے کی شدت کی مثال دی گئی ہے اور مجاز معنیٰ کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب انسان کو کوئی سنے دہشت میں ڈالتی ہے تو وہ ایک پنڈلی کو دوسری سے ملاتا ہے اور شدید معاملہ کو بھی ساق سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس کا امر کا اس کے لئے ظہور ہوتا ہے اور مزید تفصیل و تحقیق یوم یکشف عن الساق الخ میں گذری ہے۔

فائدہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے میت کی پنڈلیاں مراد ہیں جب اسے کفن میں ان کو آپس میں ملایا جاتا ہے۔

الی ربک یومئذ المساق تیرے رب کی طرف ہانکنا ہے۔ اس کے حکم کی طرف نہ اس کے غیر کی طرف لیکن اس وقت اس کے سوا اور کوئی حکم نہ ہوگا۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جزا کی طرف کہ پھر ہر انسان کی واپسی دنیا کی آرزو کرے گا اس معنی پر المساق کا میم مصدری کا ہے اور یہ بھی السوق ہے بمعنیٰ چلانا ہانکنا اور الف لام مضاف الیہ محذوف کا عوض ہے کہ در اصل کہ لسوق الانسان تھا۔

تفسیر عالمانہ فَلَا صَدَّقَ (اس نے نہ تو سچ مانا) انسان نے اسے جسکی تصدیق اس پر واجب ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کی جو آپ نازل ہوا۔ یہاں پر لا صدّق بمعنی لم یصدّق ہے یہ ماضی داخل ہوئی تکرار قوت کی وجہ سے۔

قاعدہ لاَ کا اس ماضی پر داخل ہونا حسن ہے جب ماضی کا تکرار ہو جیسے لا قام ولا قعد عرب صرف ماضی پر لاَ داخل نہیں کرتے جب تک اس کے بعد لا کا تکرار نہ ہو جیسے لا زید فی الدار ولا عمرو یا اس کا معنیٰ یوں ہے کہ اس نے نہ مال صدقہ کیا یعنی زکوٰۃ نہ دی لیکن یہاں زکوٰۃ کے معنی کی ترجیح تلاش کرنی پڑے گی کہ وہ صلوٰۃ سے مقدم کیوں ورنہ قرآن کا دستور ہے کہ ہر جگہ پہلے نماز کا ذکر کرتا ہے بعد کو زکوٰۃ کا۔ ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ کفار مکہ کی عادت تھی کہ مساکین پر خرچ نہ کرنا اور مسکینوں کے طعام پر کسی کو برانگیختہ نہ کرنا شدید اور قوی ضرورت کے بعد کرتے تھے ورنہ عموماً ان کی ایسی عادت نہ تھی یہ بھی ہے کہ صلّٰی کی تاخیر محض فواصل سے ہو جیسا کہ اہل فن پر مخفی نہیں۔

وَلَا صَلّٰی اور نہ نماز پڑھی۔ اپنے اوپر فرض نہ سمجھی۔

مسئلہ اس میں دلالت ہے کہ حق مؤاخذہ میں کفار بھی فروع شرعیہ کے مخاطب ہیں یعنی کفار بھی ایمان کے ترک کی طرح نماز وغیرہ کے ترک پر مذمت اور عقاب کے مستحق ہیں اگرچہ دنیا میں اس پر ادائیگی واجب نہیں۔

وَلٰکِنْ کَذَّبَ (ہاں جھٹلایا) وہ جو مذکور ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کو اور استدراک احتمال کے دفع کے لئے ہے کیونکہ تصدیق کی نفی اثبات تکذیب کو مستلزم نہیں۔ اس لئے کہ شک تصدیق و تکذیب کے درمیان ہے اس معنیٰ پر آیت میں تکرار بھی نہیں وَتَوَلّٰی (اور منہ پھیرا) طاعت الٰہی وطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روگردانی کی۔

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓی اَهْلِهٖ (پھر اپنے گھر کو چلا) یعنی گھر والوں اور دوستوں کی طرف۔ یَتَمَطّٰی (اکڑتا ہوا فخر [illegible] سے اپنے چلنے میں فخر کا تصور کر کے یعنی لوگوں کی طرف چلا تو دل میں فخر کرے میں ایسا ویسا ہوں اور ایسے کارنامے سرانجام دیئے یعنی تکذیب اور منہ پھیرنا۔

حل لغات المط بمعنی المدّ اس لئے فخر کرنے والا پاؤں دراز کر کے چلتا ہے یعنی قدم بڑھا کر چلنا تبختر (فخر وغیرہ) لوازم سے ہے اس چلنے کو فخر و کبر سے کنایہ کیا گیا ہے یتمطّٰی دراصل یتمطّطُ تھا بمعنی یتمدد۔ طاَ آخری یاَ سے تبدیل ہوئی تاکہ دو ہمجنس یکجا نہ آئیں جیسے تقضّی البازی ہیں کہ دراصل تقضّض تھا یا المطا سے ہے (بالمقصور) بمعنی پیٹھ [illegible] لئے کہ ایسا شخص تبختر (فخر و کبر تکبر) میں پیٹھ مروڑ کر چلتا ہے اس کا الف واؤ سے تبدیل ہوا ہے اور یتمطّٰی ذَهَبَ کے فا[illegible] سے حال ہے۔

غیب دانی رسول خدا کی غیبی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب میری امت فخر و ناز کی چال چلے گی اور ان کے فارس و روم خادم ہوں گے تو ان کی آپس میں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔

فائدہ المطیطاً بروزن حمیرا بمعنی تبختر (فخر و ناز کی چال اور ہاتھ کھینچکر چلنا) اس بمعنی سخت قسم کی جنگ۔
اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی اے مکذب انسان (تیری خرابی آگئی اب آگئی) ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی (پھر تیری خرابی آگئی اب آگئی) بتکرار تاکید کے لئے ہے۔

حل لغات ویل، لک کی جگہ پر مستعمل ہوا ہے اولیٰ سے ہے بمعنی قرب اس سے اس پر بد دعا ہے کہ اسے عنقریب خرابی آئے گی دراصل اولاك اللہ ما تکرھه اللہ تعالیٰ تیرے قریب کردے وہ خرابی جو تجھے ناگوار ہے اس کی لام زائدہ ہے جیسے ردف لکم میں (لام زائدہ ہے ثلاثی کا باب (افعل) مزید کی طرف نقل کر کے اپنے متعدی بدو مفعول بنایا گیا۔ القاموس میں ہے کہ اولیٰ لک تہدید و وعید ہے یعنی اسے قریب ہوئی وہ جو اسے ہلاک کرے گی یا ہلاکت تیرے قریب ہے اسی معنیٰ پر اولیٰ اسم ہے بمعنی احریٰ، یعنی تجھے ہلاکت زیادہ لائق ہے ہر شے سے اس تقریر پر یہ خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اے مکذب) تجھے مرگ سخت لائق ہے پھر عذاب دردناک قبر میں پھر ہول قیامت کا پھر دائماً دوزخ میں رہنے کا سخت عذاب تیرے لائق ہے۔

ابوجہل ضدی تھا مروی ہے کہ آیت ہذا کے نزول کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ معظمہ کی ایک وادی میں ابوجہل کو کپڑوں سے پکڑ کر ایک بار یا دو بار کھینچا اور اس کے سینے پر ہاتھ مار کر فرمایا اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی الخ ابوجہل نے کہا اے (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم مجھے ڈراتے ہو تم اور تمہارا خدا جو چاہو کرو میں اس وادی (مکہ معظمہ) کا سردار اور معزز ترین شخصیت ہوں تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے جب بدر کے دن اسے اللہ تعالیٰ نے بری طرح پچھاڑا بلکہ بری طرح اسے قتل کرایا کہ اسے عفرا کے دو چھوٹے بچوں نے ذبح کیا ابھی مکمل طور جان نہ نکلی تھی تو اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چڑھ گئے اور سر کاٹ کر اس کا کام تمام کیا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر امت کا فرعون ہوتا ہے میری امت کا فرعون ابوجہل تھا۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی کیا انسان اس گھمنڈ میں ہے کہ وہ آزاد چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ بیکار زندہ رہے گا اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی اور نہ اس کو سزا ہوگی بعض نے کہا کیا اس کا خیال ہے کہ وہ قبر میں جانے کے بعد نہیں اٹھایا جائے گا۔

حل لغات سدیٰ بمعنی مہمل (بے کار۔ کہا جاتا ہے اَسْدَیْتُ ابلی اسداءً (میں نے اونٹ کو آزاد چھوڑ دیا) اور کہتے ہیں اسدیتُ حاجتی و سدیتھا میں نے اپنی حاجت کو چھوڑا اسے پورا نہ کیا اور انکار کا تکرار اس کے گمان کو توڑنے کے لئے ہے کہ جیسے وہ حشر کا انکار بار بار کرتا ہے ایسے اس کی سزا کی خبر میں تکرار کیا گیا۔

فائدہ اسی سے مرنے کے بعد اُٹھنے (حشر) کا استدلال بھی ہو سکتا ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کو قدرت و آلہ و فعل کی عطا بغیر کسی عمل کے مکلف بنانے اور بغیر کسی نیک عمل کے امر اور قبائح سے نہی کے تقاضا کرے گا کہ اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) بندے کے قبیح اعمال سے راضی ہے اور وہ اس کی حکمت بالغہ کے لائق نہیں اسی لئے دنیا میں بندوں کا مکلف بنانا ضروری ہوا اور اللہ (تعالیٰ) کی طرف سے بلا وجہ مکلف بنانا بھی نا مناسب ہے کیونکہ رحیم و کریم ہے سوائے اس کے کہ اسمیں یہ حکمت ہو کہ اعمال صالحہ سے امتیاز ہو جائے کہ زمین پر مفسد کون ہیں اور اس کے بعد واضح ہو کہ متقین کون ہیں اور فجار کون پھر ہر نفس کو اس کے عمل کے مطابق جزاء و سزا ہو اور مکمل جزاءً و سزا دنیا میں نا مناسب ہے اسی لئے ضروری ہوا کہ بندوں کو مرنے کے بعد اٹھنا ہو اور قیامت برپا کی جائے۔

سوال عالم دنیا کو دار الجزاء کیوں نہ بنایا گیا؟

جواب دار دنیا نہایت تنگ حویلی ہے یہ جزاءً و سزا کے لائق نہیں ہو سکتی اسی لئے مشائخ کبار نے فرمایا کہ جو اپنے اعمال و احوال کے نتائج اس دار دنیا میں مانگتا ہے وہ بہت بڑا بے ادب اور ایسے کام کو ہاتھ لگا رہا ہے جو حقیقت کے سراسر خلاف ہے۔

اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی (کیا وہ ایک بوند نہ تھا اس منی کا کہ گرائی جائے) جملہ مستانفہ ان کے گمان مذکور کے ابطال کے لئے ہے اس کا دار و مدار اس پر ہے کہ ایسا نہیں ہو گا کہ مرنے کے بعد اُٹھنا ہے اس آیت سے اس کی ابتدائی تخلیق سے استدلال کیا گیا ہے۔

فائدہ حضرت ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس آیت سے مرنے کے بعد اُٹھنے کا استدلال صحیح ہے اور یہ دوسری دلیل ہے استفہام بھی توبیخ ہے۔

حل لغات النطفہ بالضم صاف پانی قلیل ہو یا کثیر المنی مرد ہو یا عورت کا وہ پانی جس سے بچے پیدا ہوں اور الحبل (حمل) دونوں سے مل کر ہوتا ہے یُمْنٰی (بالیاء) منی کی صفت ہے اور ربالتاء نطفہ کی بمعنی تصب (گرائی جائے) رحم میں بہائی جائے مِنیٰ ہیجوں الیٰ (مکہ معظمہ کے قریب جگہ) کا نام رکھا گیا کہ اسمیں قربانیوں کے خون بہائے جاتے ہیں۔

فائدہ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انسان ایک تھوڑا سا پانی نہ تھا وہ معروف پانی جو نہایت خسیس القدر اور جس سے طبع کو نفرت ہے سے پیدا ہوا اسی لئے ان کو نکرہ لایا گیا اور رحم میں ڈالا جاتا ہے اسمیں پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کو خستہ قدر اور پھر اپنی کامل قدرت پر متنبہ فرمایا کہ ایک ایسی خسیس شے سے کامل انسان بن گیا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ منی میں اس کے حقیر حال کی طرف اشارہ ہے گویا کہا گیا کہ انسان اس منی سے پیدا ہے جو نجاست کا مخرج ہے پھر اسے کب لائق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طاعت سے سرکشی کرے کہ جو اسے حکم فرمائے اور اس امر سے روکے تو وہ روگردانی کرے۔

نکتہ اسی معنی علیٰ سبیل الرمز عیسیٰ و مریم (علیہما السلام) کے لئے بیان فرمایا کانَ یا کلان الطعام اس سے مراد قضا حاجت ہے۔

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً (پھر وہ ہوا علقہ) چالیس دن کے بعد وہ نطفہ خون جامد کا لوتھڑا بنا غلیظا ورسرخ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعد اس کے وہ سفید پانی تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ثُمَّ خلقنا النطفة علقة پھر ہم نے نطفہ کو علقہ (خون کی پھٹک) بنایا۔ اس کا عطف الم یک الخ پر ہے اس لئے عدم کون کا انکار کون کے فائدہ دیتا ہے اصل عبارت یوں ہے کان الانسان نطفة ثم کان علقة انسان نطفہ تھا پھر خون کی پھٹک ہوا۔ فَخَلَقَ پھر اسے مقدر فرمایا یعنی چالیس دن کے بعد وہ ٹکڑا گوشت کا بنا جو تفریق الاعضاً اور ایک دوسرے سے امتیاز کے قابل تھا اس کے بعد اس گوشت کو ہڈیاں بنائیں جن سے اعضا کی تمیز ہو سکے یعنی گوشت کو سخت بنا کر ان ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا تاکہ اس کی تخلیق و تصویر حسین و جمیل ہو کر قویٰ کے افاضہ اور نفخ روح کے لئے مستعد ہو جائے۔ فَسَوّٰى پھر ٹھیک بنایا یعنی برابر بنا کہ اس کی تخلیق مکمل کی۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ پھر اس کی صورت اور اعضا درست کر کے اس میں روح پھونکی۔

حل لغات جعل بمعنی اسے پیدا کیا اسی طرح جیسے حکمت الہیہ کا تقاضا تھا یعنی اسے دُرست بنایا اپنی حکمت کے مقتضیٰ پر بعض نے کہا کہ تسویۃ و تعدیل کا معنیٰ ہے ہر عضو کو ایسا جوڑا بنایا جو اپنے دوسرے کے برابر ہے۔ فَجَعَلَ مِنْهُ (تو اس سے بنائے) الانسان سے باعتبار جنس کے یا منی سے جَعَلَ بمعنی خَلَقَ ہے اسی لئے ایک مفعول پر اکتفا کیا گیا اور وہ ہے:

الزَّوْجَيْنِ دو جوڑے۔ دو صنف الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ مرد اور عورت۔ الزوجین سے بدل ہے اور جائز ہے کہ یہ اعنی سے منصوب ہوں اور سب کو معلوم ہے کہ فا تعقیب کا فائدہ دیتی ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس کا ما قبل و مابعد آپس میں متباین ہوں اس معنی پر ممکن ہے خلق فسوّٰی مقدار مقدر پر خلق کے معنی امیں محمول ہوں وہ خلق کے جوزومین کے تفرقہ کی صلاحیت رکھے اور فجعل منه الزوجین تفرقہ پر محمول ہو۔ (۴۰) اَلَيْسَ ذٰلِكَ کیا نہیں

ہے وہ) عظیم الشان جس نے یہ انشا بدیع کی۔ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰی قادر کہ وہ مُردے زندہ کرے۔ حالانکہ یہ ابتدائی تخلیق سے (بہ نسبت تمہارے) زیادہ آسان ہے عقل کے قیاس میں کیونکہ اب مادہ تو ہے یعنی ریڑھ کی ہڈی۔

سورۃ قیامہ کے اختتام پر مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب یہ سورۃ پڑھتے تو اختتام پر پڑھتے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ بَلٰی تیری پاکی اے اللہ ہاں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان فرماتے کہ احیاء پر وہ عدم قدرت سے منزہ و مقدس ہے اور اقرار فرماتے ہیں اس کی قدرت احیاءُ الموتیٰ کے لئے ثابت ہے ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اختتام سورۃ قیامۃ پر فرماتے۔ بلٰی واللہ بلٰی واللہ (ہاں بخدا ہاں بخدا)۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو سورۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھے امام ہو یا غیر امام تو چاہیئے کہے سبحان ربی الاعلیٰ اور جو سورۃ قیامۃ پڑھے اور آخر تک پہنچے تو کہے سبحانک اللّٰھمّ بلٰی امام ہو یا غیر امام۔

حدیث شریف میں ہے جو تم میں سورۃ والتین والزیتون پڑھے اور اس کے الیس اللہ باحکم الحاکمین تک پہنچے تو کہے۔ بلٰی و انا علٰی ذٰلک من الشاھدین (ہاں میں اسپر شاہدین سے ہوں) جو سورۃ لا اقسم بیوم القیٰمۃ پڑھے اور آخر الیس ذٰلک بِقٰدِرٍ الخ تو کہے سبحانک اللّٰھم بلٰی اور جو سورۃ والمرسلات عرفا پڑھے اور فبای حدیث الخ آخر تک پہنچے تو کہے آمنا باللہ (ہم ایمان لے آئے)۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ اہل دنیا مُردوں کو اعراض از دنیا اور اقبال علی الآخرہ والمولیٰ سے زندہ کرتا ہے نیز وہی نفوس مُردوں کو اس پر قلوب کے انوار کی چمک سے زندہ کرتا ہے وہی مردہ مردہ قلوب تحت ظلمۃ نفوس کافرہ ظالمہ کو نور روح وسر دخفی سے زندہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف عجز کی نسبت کرتا ہے وہ اس کے ساتھ کفر کرتا ہے ہم اللہ تعالیٰ سے رحمت اور حسن خاتمہ کا سوال کرتے ہیں۔

تاریخ اختتام سورہ القیامہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سورہ قیامت کی تفسیر سے اس کی مدد سے جسکی رحمت عام ہے ۲۱ ذی الحجہ ۱۱۱۶ھ میں فراغت ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ القیامۃ کی تفسیر کے ترجمہ سے شب سوموار مبارک ساڑھے آٹھ بجے ۲ ج ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ جنوری میں فراغت پائی۔

انا الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ
بہاولپور۔ پاکستان

سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ۳۱ رُكُوْعَاتُهَا ۲

سورۂ دہر مکیہ ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — اکتیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾

بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾

بے شک ہم نے آدمی کو پیدا کیا ملی ہوئی منی سے کہ وہ اسے جانچیں تو اُسے سنتا دیکھتا

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ

کردیا بے شک ہم نے اسے راہ بتائی یا حق مانتا یا ناشکری کرتا بے شک ہم نے کافروں کے لیے تیار کر رکھی

سَلٰسِلَا۠ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴿۴﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ

ہیں زنجیریں اور طوق اور بھڑکتی آگ بے شک نیک پئیں گے اس جام میں سے جس کی ملونی کافور ہے وہ کافور

مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ﴿۵﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۶﴾

کیا ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے نہایت خاص بندے پئیں گے اپنے محلوں میں اُسے جہاں چاہیں بہا کر لے جائیں گے

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ﴿۷﴾ وَيُطْعِمُوْنَ

اپنی منتیں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوئی ہے اور کھانا

الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ﴿۸﴾ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ

کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور اسیر کو ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے

لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ﴿۹﴾ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ﴿۱۰﴾

لیے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَجَزٰىهُمْ

نہایت سخت ہے تو انہیں اللہ نے اس دن کے شر سے بچا لیا اور انہیں تازگی اور شادمانی دی اور ان کے صبر پر

بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ﴿۱۲﴾ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا

انہیں جنت اور ریشمی کپڑے صلہ میں دیئے۔ جنت میں تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے نہ اس میں دھوپ دیکھیں گے

شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾

نہ ٹھٹھر اور اس کے سائے ان پر جھکے ہوں گے اور اس کے گچھے جھکا کر نیچے کر دیئے گئے ہوں گے

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِآنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا ﴿١٥﴾ قَوَارِيرَا

اور ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا جو شیشے کے مثل ہو رہے ہوں گے کیسے شیشے

مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٦﴾ وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا

چاندی کے ساقیوں نے انہیں پورے انداز پر رکھا ہوگا اور اس میں وہ جام پلائے جائیں گے جس کی ملونی

زَنْجَبِيلًا ﴿١٧﴾ عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا ﴿١٨﴾ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ

ادرک ہوگی وہ ادرک کیا ہے جنت میں ایک چشمہ ہے جسے سلسبیل کہتے ہیں اور ان کے آس پاس خدمت میں پھریں گے

مُّخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُورًا ﴿١٩﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ

ہمیشہ رہنے والے لڑکے جب تو انہیں دیکھے تو انہیں سمجھے کہ موتی ہیں بکھیرے ہوئے اور جب تو ادھر نظر اٹھائے ایک چین

نَعِيمًا وَّمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٠﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّإِسْتَبْرَقٌ وَّحُلُّوا

دیکھے اور بڑی سلطنت ان کے بدن پر ہیں کریب کے سبز کپڑے اور قنادیز کے اور انہیں چاندی کے

أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿٢١﴾ إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ

کنگن پہنائے گئے اور انہیں ان کے رب نے ستھری شراب پلائی ان سے فرمایا جائے گا یہ تمہارا صلہ

جَزَاءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا ﴿٢٢﴾ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا

اور تمہاری محنت ٹھکانے لگی بے شک ہم نے تم پر قرآن بتدریج اتارا

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ

تو اپنے رب کے حکم پر صابر رہو اور ان میں کسی گنہگار یا ناشکرے کی بات نہ سنو اور اپنے رب کا نام صبح و شام

بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ

یاد کرو اور کچھ رات میں اسے سجدہ کرو اور بڑی رات تک اس کی پاکی بولو بے شک

هٰؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُونَ وَرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿٢٧﴾ نَحْنُ

یہ لوگ پاؤں تلے کی عزیز رکھتے ہیں اور اپنے پیچھے ایک بھاری دن کو چھوڑ بیٹھے ہیں ہم نے

خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَالَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿٢٨﴾

انہیں پیدا کیا اور ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اور ہم جب چاہیں ان جیسے اور بدل دیں

إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَاءُونَ
بے شک یہ نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ
إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ يُدْخِلُ مَن يَشَاءُ
اللہ چاہے بے شک وہ علم و حکمت والا ہے اپنی رحمت میں لیتا ہے
فِي رَحْمَتِهِ ۚ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣١﴾
جسے چاہے اور ظالموں کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

تفسیر عالمانہ هَلْ أَتَىٰ بے شک گذرا۔ استفہام تقریری و تقریبی ہے کیونکہ هَلْ بمعنی قَدْ ہے یہ دراصل أَهَلْ أَتَى الخ تھا بمعنی قَدْ أَتَى تحقیق آیا (تھا) یعنی گذرا۔ هَلْ سے پہلے الف چھوڑ دیا گیا کیونکہ وہ استفہام میں ہی واقع ہوتا ہے اور اس کا لزوم استفہام کو ہے ملفوظ ہو یا مقدر حسب بمعنیٰ قد ہوتا کہ ہمزہ سے استفہام سے تقرر و تقریب ثابت ہو اس لئے کہ وہ ماضی کو حال کے ماضی کے قریب کرنے کے لئے موضوع ہے اس پر دلیل یہی ہے کہ یہاں معنی مراد نہیں کیونکہ اللہ (تعالیٰ) کے لئے استفہام محال ہے تو ضروری ہوا کہ اسے خبر کے معنی پر محمول کیا جائے جیسے تم کہتے ہو هل وعظتک اس سے مقصود یہ ہے کہ تم اپنے مخاطب سے اقرار کراؤ کہ واقعی تم نے اُسے نصیحت کی اور یہ کبھی انکار کے لئے بھی آتا ہے مثلاً هل يقدر احد على مثل هذا تو اس سے تمہاری مراد یہی ہے کہ تیرے سوا اور کوئی قادر نہیں۔ عَلَى الْإِنسَانِ انسان پر زمانہ قریب ماضی میں اس سے انسان کی جنس مراد ہے نطفہ کے قرینہ سے اس لئے کہ آدم علیہ السلام تو نطفے سے پیدا نہیں ہوتے یا جنس سے مراد بنو آدم ہیں یا عام ہے کہ وہ خود اور ان کی جملہ اولاد بطریق تغلیب کے یا البعض کی حال کی نسبت مجازاً کل کی طرف ہے۔ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ ایک وقت دہر سے۔

حل لغات الحين مطلق وقت اور ایسا مبہم وقت جو تمام زمانوں کی صلاحیت رکھے تھوڑا ہو یا زیادہ المفردات میں ہے کہ حین شے کا بلوغ وحصول اور وہ مبہم ہے مضاف الیہ سے مخصوص ہوتا ہے جیسے ولات حین مناص جس نے کہا کہ حین چند معانی میں آتا ہے اجل۔ موت۔ ساعۃ۔ زمانہ مطلق تو اس نے وہ تفسیر کی جو اسے معنی ملا اگے اسے متعلق کر دیا الدھر طویل زمانہ اب معنی یہ ہوا کہ اس پر ممتد زمانے کا ایک حصہ محدود آیا اس سے انسان کا ماں کے پیٹ میں نوماہ گذارنا مراد ہے کہ اس کے بعد ہی مذکور ہونے لگا (یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے)

لَمْ يَكُنْ نہ تھا اس میں۔ یہ حین کی دوسری صفت ہے بحذف الضمیر شَيْئًا مَّذْكُورًا کوئی شے مذکور) بلکہ تھا بھو بسرا اس کا نام و نشان تک نہ تھا انسانیت کا تو اس پر اطلاق تھا ہی نہیں کیونکہ وہ اس وقت اصلاب آباء میں نطفہ تھا تو نطفے اور انسانیت میں شے مذکور ہونے کے درمیان کی مدت نہایت محدود ہے۔

سوال عالم ارواح میں تھا پھر اسے کیسے کہا جا سکتا ہے لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا۔

جواب انسانیت سے اس وقت مذکور شے ہوا جب روح بدن سے ہوا اس سے قبل عالم ارواح میں انسانیت سے کیسے مذکور ہو سکتا تھا انسانیت سے تب مذکور ہوا جب عالم اجسام سے متعلق ہوا۔

حکایت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ کسی نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہی آیت پڑھی تو آپ رو پڑے اور فرمایا لیتہا تمت آپ نے اس سے یہی شے غیر مذکور مراد لی کہ نہ ہم پیدا ہوتے اور نہ ہی مکلف ہوتے (عین المعانی) آیت میں استفہام تقریری ہو تو منکر بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) کو برانگیختہ کیا جائے کہ وہ اس کا اقرار کرتے ہوئے کہے (نعم) ہاں کہ اس پر زمانہ قریب میں اس پر ایک تھوڑا سا وقت گذرا ہے کہ وہ اس وقت مذکور تک نہ تھا پھر اس سے پوچھا جائے کہ پھر اسے کس نے پیدا کیا جبکہ وہ نہ تھا جب وہ اس کا اقرار کرلے تو پھر اسے کہا جائے کہ جس نے تجھے عدم سے پیدا کیا اس پر کونسا امتناع ہے کہ تجھے مرنے کے بعد زندہ اٹھائے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انسان اللہ تعالیٰ کے علم میں شے تھا اگرچہ فی نفس الامر مذکور نہ تھا اس لئے روح قدیم الایام شے ہے لیکن وہ عام مذکور نہ تھا کیونکہ وہ عالم غیب میں تھا لیکن عالم شہادت سے لاشعور تھا اور زنا ویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان کی ایک صورت علمیہ غیبیہ ہے دوسری صورت عینیہ شہادیہ ہے اور وہ ہر دونوں صورتوں کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کے علم ازلی ابدی میں مذکور ہے کیونکہ اس کے علم سے کوئی شے پوشیدہ نہیں اس لئے کہ اشیاء کے ساتھ اس کا علم ایجاد سے پہلے ہی ازلی ابدی ہے ان کے وجود سے پہلے انہیں پیدا کیا حالانکہ وہ معدوم تھے کتم عدم میں اور اس کا علم بنفسہٖ متلزم ہے اس کے علم کو اعیان اشیاء سے کیونکہ اشیاء اس کے اسماء و صفات کی مظاہر ہیں اور اسماء و صفات عین ذات ہیں (اسے اچھی طرح سمجھ لے) یعنی انسان پر جو وقت گذرا وہ بہ نسبت حق کے بھولا بسرا تھا اور وہ کیوں نہ ہو جب اپنی صورت پر پیدا شدہ تھا اور اس کی صورت حق تعالیٰ کے ہاں حاضر و مشہود تھی اور استفہام انکاری ہے بخلاف محجوبین از علم المعرفۃ والحکمۃ الالٰہیہ کے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے انسان تجھ پر ایک ایسا وقت آیا جب اسمیں اللہ تعالیٰ تیرا ذکر (نام) تک نہیں کرتا تھا

تفسیر عالمانہ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا یعنی اس کے جسم کو ضمیر کے بجائے الانسان کا اظہار زیادہ تقریر کے لئے ہے۔ مِن نُّطْفَةٍ نطفہ (منی) سے یہاں تک کہ چالیس دن تک

خون کی پھٹک ہوگیا اسی دن تک گوشت کی بوٹی پھر ۱۲۰ دن کے بعد اس میں روح پھونکی گئی جیسے ابوالانسان آدم علیہ السلام کو گارے سے بنایا گیا پھر انہیں مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان چالیس سال تک ٹھہرایا گیا تب وہ حمأ مسنون (بودار سیاہ مٹی کی طرح) انکا ڈھانچہ ہوا اس پر بھی آپ کے ڈھانچہ پر چالیس سال گذرے تب بھی بجتی مٹی کی طرح ہوئے اس پر بھی چالیس سال گذرے ایک سو بیس سال میں ڈھانچے کی تکمیل ہوئی تو روح پھونکی گئی جیسا کہ ضحاک کی روایت ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اولاد آدم میں ایک دن کے برابر آدم علیہ السلام پر ایک سال گذرتا تھا۔

فائدہ بعض نے پہلے لفظ انسان سے آدم علیہ السلام سے اور دوسرے سے آپ کی اولاد مراد لی ہے یہ اس وقت ہے کہ حین زمانہ طویل اور دراز کہ جس کی مقدار معلوم نہ ہو لیکن ہر دونوں میں جنس انسان مراد لینا موزوں اور زیادہ ظاہر بھی یہی ہے اسی لئے اس سے مقصود ہے انسان کو اس کی تخلیق ظاہر کرکے پند و نصیحت کرنا کہ وہ بالکل نہ تھا لیکن کیا ہے اس سے جب سنے گا کہ وہ کوئی شے ہی نہ تھا اور نہ کہیں اس کا ذکر تھا۔ پھر وہ مذکور ہوا لیکن پیدا ہوا کہ ایک حقیر و خسیس پانی سے اس طرح سے وہ بعث (مرنے کے بعد اٹھنے) کو بعید نہ سمجھیگا (اور نہ ہی اس کا انکار کر سکے گا)۔

اَمْشَاجٍ ملی ہوئی۔

حل لغات امشاج مشیج کی جمع ہے جیسے سبب کی اسباب یا کتف کی اکتاف دونوں لغتیں ہیں یا یہ مشجت الشئ (خلطتہ) میں تے شے کو ملایا۔

سوال نطفہ واحد امشاج جمع پھر موصوف وصفت کیسے؟

جواب نطفہ مفرد سے مرد و عورت کے ہر دونوں کا مجموعہ پانی مراد ہیں اور ان کی جمع مختلف اوصاف کی وجہ سے ہے اور رقت غلاظت (گاڑھا ہونا) اور ان کے مختلف خواص کی وجہ سے بھی کہ مرد کی منی سفید غلیظ اور اسمیں عقد کی قوت ہوتی ہے اور عورت کی زرد اور رقیق اور اسمیں انعقاد کی قوت ہوتی ہے انہی دونوں سے بچہ بچی پیدا ہوتے ہیں جس کا پانی اوپر آئے گا بچہ، بچی اس کے مشابہ (ہمشکل) ہوں گے اور بچہ۔ بچی میں جوڑ۔ ہڈی۔ قوت مرد کے پانی سے اور گوشت۔ خون۔ بال عورت کے پانی سے (جیسا کہ حدیث مرفوع میں ہے)۔

اعجوبہ خبر میں ہے کہ ہر انسان نطفہ پر اس کی قبر کی مٹی چھڑکی جاتی ہے ان دونوں کے مختلف پانیوں اور مختلف جگہوں کی مٹی کی ملاوٹ کی وجہ سے نطفہ امشاج سے موصوف ہوا۔

فائدہ حضرت حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نطفہ ملایا ہوا حیض کے خون سے اس لئے کہ جب حمل ٹھہرتا ہے تو حیض اٹھ (ختم ہو) جاتا ہے صاحب قاموس اسی طرح گئے ہیں چنانچہ فرمایا نطفہ امشاج وہ ہے جو عورت کے پانی اور خون سے ملایا ہوا ہے۔ اس تقریر پر امشاج جمع ہے کہ اسمیں دو نطفے (مرد و عورت کے) اور خون عورت کا ہے خلاصہ یہ کہ امشاج کا معنیٰ یہ ہے کہ نطفے کے مختلف الوان و اطوار ہیں ایسے ہی قتادہ نے فرمایا اور امام راغب نے فرمایا کہ

امشاج سے مراد وہ قوی مختلف ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نطفہ سے پیدا فرمایا جن کی طرف اشارہ ہے وَلَقَدْ خلقنا الانسان من سلالة من طين ثم جعلناه نطفة فى قرار مكين ثم خلقنا النطفة علقة (الآیۃ)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نطفہ سے مراد وہ قوت قابلیہ متجشمہ ہے جو قوت کے فاعلیہ کے نطفہ سے ملی ہوئی ہے یعنی ہم نے اسے فیض الٰہی کی قوت سے پیدا کیا جو فاعل سے متعلق ہے اور فیض مقدس کی قوت سے جو قابل سے متعلق ہے پس فیض اقدس ذاتی بمنزلہ مرد کے پانی کے ہے اور فیض اسمائی بمنزلہ عورت کے پانی کے ہے۔

نَّبۡتَلِیۡهِ (کہ ہم اسے جانچیں) خلقنا کے فاعل سے حال مقدرہ ہے کہ دراصل مریدین نبتلیہ تھا (اسکا معنی ہے) ہم اس کی آزمائش رکھتے ہیں تاکہ اسے مکلف بنائیں (جس کا بیان آئے گا) تاکہ اس کے حال سے ہمارا تفصیلی علم فی العین ہو اور کے احوال کے تعلق فی العلم اجمالاً تھا تاکہ اس کے احوال ظاہر ہوں کہ کون قبول کرتا ہے اور کون رد کرتا ہے اور اہل سعادت کون ہے اور اہل شقاوت کون۔

فَجَعَلۡنٰهُ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا پھر ہم نے اسے سمیع و بصیر بنایا تاکہ آیات تنزیلیہ سن سکے اور آیات تکوینیہ کا مشاہدہ کر سکے گویا وہ ابتلاء (آزمائش) کا مسبب ہے اسی لئے اس کا عطف خلق مقیدبہ پر فا کے ساتھ ہے گویا کہا گیا ہے انا خلقناہ مریدین الخ بے شک ہم نے اسے مکلف بنانے کے لئے پیدا کر کے اسے ایسے امور دیئے جن کی وجہ سے اسے مکلف اور اس سے امتحان (آزمائش) لیا جا سکے جیسے سمع و بصر اور جملہ آلات تفہیم و تمیز۔

سوال عقل کا ذکر کیوں نہیں حالانکہ وہ بھی آلات تفہیم و تمیز سے ہے۔

جواب منجملہ اسباب و آلات کا ذکر کر دیا گیا
یہ ضروری نہیں کہ جملہ آلات و اسباب یہاں مذکور ہوں ویسے یہاں ان آلات کا ذکر مطلوب ہے جس مخلوق کے سعدا کی تکمیل ہو اور وہ پہلے نمبر پر سمع ہے پھر بصر اس کے بعد ہی عقل کو سمجھنے کا موقعہ ملتا ہے۔

فائدہ صیغۂ مبالغہ کے اختیار میں اشارہ ہے اس پر کمال احسان و اتمام انعام کی طرف اور بصیرًا جعلنا کا مفعول ثانی ہے ثانی کے بعد۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انسان کو جمیع مسموعات کا سمیع اور جمیع مبصرات کا بصیر بنایا جیسے حدیث قدسی میں فرمایا کنت سمعہ و بصرہ الخ میں اس کی سمع و بصر ہو جاتا ہوں مجھ سے سنتا دیکھتا ہے اسی لئے مسموعات اور مبصرات میں دیکھنے سننے میں کوئی شے رہ نہیں جاتی (اے مسکین اسے اچھی طرح سمجھ لے)۔

---

[1] جس کی تشریح و تفسیر پ ۱۸ ع اول میں گذری ہے ۱۲ اویسی غفرلہ۔

فائدہ حضرت عثمان مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ملی ہوئی نو اشیائ سے آزمائش فرمائی ہے تین فتان (فتنہ میں ڈالنے والی) ہیں،

① سمع۔ ⑤ خواہشات نفسانی۔
② بصر۔ ⑥ اس کا دشمن شیطان۔
③ لسان۔ تین مؤمن ہیں،
تین کافرات ہیں: ⑦ عقل۔
④ نفس۔ ⑧ روح۔ ⑨ قلب۔

جب اللہ تعالیٰ بندے کی مدد فرماتا ہے تو عقل کو قلب پر غلبہ بخشتا ہے تو عقل قلب پر شاہی کرتا ہوا نفس اور اس کی خواہشات کو قیدی بنا لیتا ہے اسی لئے اسے کسی قسم کی حرکت کا چارہ نہیں رہتا اس وقت نفس روح سے مانوس اور خواہشات نفسانی عقل کی جنس سے ہو جاتی ہیں اور اس کے لئے کلمۂ الٰہی بلند ہوتا ہے اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا قاتلوھم حتّٰی لا تکون ان سے لڑو یہاں تک فتنہ نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ بے شک ہم نے اسے راہ بتائی۔ ماقبل پر مرتب ہے یعنی اعطاالحواس پر تو یہ جملہ مستانفہ تعلیلیہ ہے اسے سمیع و بصیر بنانے میں یعنی اعطاء الحواس الظاہرہ والباطنہ اور ان سے متجلی ہونا ہدایت پر مقدم ہے اب معنٰی یہ ہوا کہ ہم نے اسے خیر و شر نجات و ہلاکت دکھائی سمجھائی آیات کے انزال اور نصب دلائل سے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا وھدینہ النجدین اور ہم نے اسے دو راہوں کی رہبری کی یعنی اسے خیر و شر کا راستہ بیان کیا اس لئے کہ واضح اور اونچے راستہ کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ یہاں ہدایت محض دلالت مراد ہے نہ کہ وہ دلالت جو مطلوب تک پہنچائے (کذا فی بعض التفاسیر)۔

اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا یا حق مانتا یا ناشکر کرتا۔ یہ دونوں ھدینہ کے مفعول سے حال ہیں الارشاد میں ہے کہ ہم نے اسے دونوں حالتوں میں ایسے راہ پر چلنے کی قدرت دی جو مطلوب تک پہنچا دے۔ اِمّا ذی الحال کی تفصیل کے لئے ہے کیونکہ وہ احوال پر دلالت کے لحاظ سے مجمل ہے مراد معلوم نہ ہوتی تھی کہ یہ دلالت اسے حالت کفر میں ہوئی یا حالت ایمان میں تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ اس کا تعلق ہر دو نوں حالتوں سے ہے شاکر موحد (مؤمن سعادتمند) کفور منکر۔ اس لئے شکر منعم کا اقرار اور ناشکری کی جڑ منعم کا انکار ہے اسی لئے اہل عرب کہتے ہیں فلاں شاکر النعمۃ یا کفور النعمۃ ہے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الکفور کافر النعمۃ اور کافر الدین ہر دونوں کو کہا جاتا ہے یہ بھی جائز ہے کہ اِمّا التقسیم کے لئے ہو بایں حیثیت کہ ذو الحال کو مطلق اعتبار کیا جائے یعنی وہ

جو ماہیتہ من حیث ھی ھی پر دال ہے اور اما کے ہر دونوں کو اس کی قید بنایا جائے تو ان ہر دونوں کو مقید کرنے سے ایک قسم حاصل ہوا جو ان دونوں کی تقسیم کردہ شدہ ہے کہ بعض ان میں بالاھتدا اس کے حصول میں شاکر ہیں اور بعض انہیں اھتدا سے روگردانی کرکے کافر ہیں۔

فائدہ کفورا کو شاکر کے بعد لانے میں فواصل کی رعایت کی وجہ سے ہے یعنی رؤس الآیات کی وجہ سے اور اسمیں آگاہ کرنا ہے کہ بہت قلیل انسان ہیں جو ناشکرے نہ ہوں ہاں مواخذہ کفران مفرط (حد سے زائد) پر ہے اور شکرگذار نہایت قلیل ہیں اسی لئے نہیں فرمایا اما شکورا و اما کفورا۔ یا اما شاکرا و اما کافرا غالباً صیغہ کو شاکر اور مُثاب (ثواب دیا ہوا) اور معاقب (عذاب دیا ہوا) سے کنایہ ہے اور چونکہ صرف کفران مؤاخذہ کو مستلزم نہیں اسی لئے صرف اس سے کنایہ نہیں کیا گیا بخلاف مجرد شکر کے کہ وہ اثابتہ (ثواب دینا) کو متلزم ہے وعدۂ کریم کے مقتضٰی کے۔ اسکلئے مطلق شکر پر اثابت دائر ہے اسکلئے اسمیں مبالغہ نہیں کیا گیا لیکن کفران مطلق پر مواخذہ نہیں بلکہ اسمیں افراط (حد سے زائد) میں مواخذہ دائر ہے اسی لئے اسمیں مبالغہ کا صیغہ لایا گیا ہر دونوں میں وسعت رحمت کے تقاضے ہیں اور اشارہ ہے کہ اس کے غضب پر رحمت کو سبقت ہے۔

فائدہ حضرت ابوالسماک نے اما میں بفتح الہمزہ پڑھا ہے اور یہ حسن قرأت ہے اب معنٰی یہ ہوا کہ بہر حال وہ جو شاکر ہے تو بھی ہماری توفیق سے اور وہ جو کفور (ناشکرہ) ہے تو اپنے سوء اختیار سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انسان کو اھتدا میں اس شکر کے سبیل کی طرف جو دائیں ہاتھ جمالیہ سے متعلق ہے یا سبیل کفر کی طرف جو بائیں ہاتھ جلالیہ سے متعلق ہے بعض نے اپنے مقتضائے حقائق استعدادات ازلیہ سے سبیل شکر اختیار کیا اور بعض نے اپنے مقتضائے حقائق اور قابلیات ازلیہ سے سبیل کفر اختیار کیا۔ جیسا کہ اللہ (تعالیٰ) نے حدیث قدسی میں فرمایا کہ یہ اہل جنت ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں اور اہل نار ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں مدح و ذم کی اگر مدح و ذم متعلق ہوں گی تو ان سے نہ کہ مجھ سے۔

ربط جب دونوں گروہوں کے ذکر کے بعد اب ان کے وعد و وعید کا بیان فرمایا چنانچہ فرمایا اِنَّآ اَعْتَدْنَا بے شک ہم نے آخرت میں تیار کی۔

حل لغات اعتداد بمعنی شے کو ایسا تیار کرنا کہ بوقت ضرورت حاضر و موجود ہو لِلْکٰفِرِیْنَ کافروں کیلئے افراد انسان سے جسے ہم نے راہ دکھایا سَلٰسِلَا (زنجیریں) جن سے انہیں جہنم کی طرف کھینچ کر لے جایا جائے گا۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ ہم نے جہنم میں کافروں کے لئے زنجیریں تیار کی ہیں ستر ہاتھ کی وہ تنوین کے بغیر ہے حضرت حفص (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) کی قرأۃ میں ہاں وقف کو تو کبھی الف سے پڑھا جاتا ہے کبھی الف کے بغیر۔

حل لغات کہا جاتا ہے تسلسل الشئ اضطرب (متحرک ہوا) اسکاسے مقصود ہے تسلسل و تردد اس کے لفظی تردد سے اس کے معنوی تردد پر تنبیہ ہے اسی سے ہے سلسلہ ۔ القاموس میں ہے بالفتح ایک شے کو دوسرے تک پہنچانا (اسی سے ہے سلسلۂ قادریہ، اولیسیہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ) اور بالکسر دائرہ از حدید (لوہا) وغیرہ۔

وَّ اَغْلٰلًا اور طوق۔ جن سے انہیں اہانت اور عذاب کے کھینچکر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا یہ طوق حق کو قبول نہ کرنے کی بے فرمانی سے نہیں ہوگا بلکہ ان کی تحقیر کے طور ان کے گلے میں زنجیریں ڈالکر کھینچا جائے گا کہ انہوں نے اللہ کے سامنے طوق نیاز نہ جھکائی تو یہ سزا پا رہے ہیں اس طرح سے انہیں جہنم کی آگ سے جلایا جائے گا کہ وہ دنیا میں خوف خدا کی آگ سے نہ ڈرتے تھے۔

(فائدہ) یاد رہے کہ کافروں کے گلے میں طوق ڈالنا ان کے بھاگنے کے خوف سے بھی نہ ہوگا۔

حل لغات اغلال غل (بالضم) کی جمع ہے وہ شے جو عذاب دینے کے طور کسی کو کوئی شے گلے میں ڈالی جائے۔ وَّسَعِیْرًا بھڑکتی آگ۔ وہ آگ جس سے جلائے جائیں گے جبیں وہ ہمیشہ جلتے رہیں گے اور زنجیروں سے کھینچکر جہنم کی طرف اس لئے لے جائے جائیں گے کہ وہ حق کے نافرمان رہے (باقی وجوہ اوپر مذکور ہوئے)۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ (تعالیٰ) نے حق سے محجوب اور خلق میں مشغول لوگوں کے لئے حُبِّ دنیا اور اس کی طلب میں تعلقات ظاہرہ کی زنجیریں اور ان کے دنیا کی طرف رغبت اور اسمیں رغبت کی وجہ سے عوائق باطنہ کے طوق اور بعد و طرد و لعن کی نار جہنم تیار کی ہے۔

سوال کافروں کی وعید کی تقدیم کیوں حالانکہ وہ مقام اجمال میں مؤخر تھے؟

جواب ① تاکہ ذکر دونوں اکٹھے ہوں۔

جواب ② ان کے لئے انذار اہم و انفع ہے۔

جواب ③ تاکہ جس کا کلام کا آغاز اہل ایمان سے ہوا اس کا اختتام بھی ان کے ذکر سے ہو۔

جواب ④ ان کے اوصاف تفصیل ہے اور تفصیل کا ذکر تقدیم چاہتا ہے۔

جواب ⑤ نظم کریم یعنی عبارات کلام الٰہی کے اطراف کے تجاورب کی وجہ سے کبھی اس کی تقدیم خلل کا سبب بنتی ہے اسی لئے اسے یہاں مؤخر کیا گیا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الْاَبْرَارَ بے شک نیک لوگ۔

ربط شاکرین کے حسنِ حال کا بیان شروع ہو رہا ہے جبکہ اس سے پہلے کافرین کے سوء الحال کا بیان تھا۔

نکتہ بِرّ کی صفت میں آگاہی بخشی کہ یہ جوان لوگوں کو کرامات و انعامات نصیب ہوئے۔ اس برّ (نیکی) کی برکت سے ہے۔

حل لغات ابرار برّ کی جمع ہے جیسے بزکی جمع ابرار ہے یا بار کی جمع ہے جیسے شاہد کی اشہاد برّ و بار اس لئے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کا مطیع ہے کہا جاتا ہے مبراته (میں نے اس کی اطاعت کی) ابرّه میں اس کی اطاعت کرتا ہوں جیسے علمته وضربته (میں نے اسے جانا۔ میں نے اسے مارا)۔

فائدہ حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا البر من لا یوذی الذر ولا یضمر الشر وہ جو چیونٹی تک کسی کو نہ ستائے اور نہ ہی دل میں کسی کے لئے شر چھپائے۔ ؎

لا تؤذ نملا ان اردت کمالکا

فان لہا نفسہا تطیب کمالکا

ترجمہ: چیونٹی کو اذیت نہ دے اگر تو کمال چاہتا ہے کیونکہ اس کا جی بھی تیری طرح خوش ہوتا ہے۔

المفردات میں ہے البر البحر کی نقیض ہے اس سے وسعت کا تصور ہوتا ہے اسی سے البر (نیکی) مشتق ہے کیونکہ اس سے بندے کا اپنے رب سے خیر کی وسعت کا تصور ہے کہ وہ اس کی بے حد وحساب اطاعت کرے گا یہ اعتقاد و اعمال فرائض و نوافل کو شامل ہے۔

فائدہ حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ ابرار وہ ہیں جن میں عشرہ مبشرہ (جن دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے زندگی میں بہشت کی خوشخبری سنائی) کے عادات میں سے کوئی عادت رکھتا ہو۔

فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تین سو ساٹھ اخلاق ہیں جو توحید کے عقیدہ کے ساتھ انہیں کسی ایک سے متلبس ہو وہ بہشت میں داخل ہوگا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کوئی ایک مجھ میں ہے یا نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آپ میں وہ تمام ہیں ان سب سے اللہ کو محبوب تر سخاوت ہے۔

یَشْرَبُوْنَ (جنت) میں پئیں گے۔

حل لغات الشرب بمعنی بہنے والی شے کا تناول (منہ میں لینا) پانی ہو یا کوئی شے۔

فائدہ یہ پینا مطیعین کے لئے ابتداءً ہوگا اور معذبین کو (خدا نہ کرے کسی کو دوزخ کے عذاب سے فارغ کرکے بحکم عدل بہشت میں داخلہ کے بعد مِنْ کَاْسٍ اس جام میں سے شیشے کا پیالہ جس میں شراب ہو اور خود شراب پر بھی مستعمل ہوتا ہے علی طریق المحل بارادۃ الحال اکثر کے نزدیک یہی مراد ہے۔

قاعدہ حضرت ضحاک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ قرآن مجید میں ہر جگہ کاس سے شراب مراد ہے پہلی تقریر پر مِنْ ابتدائیہ اور دوسری تقریر میں مِنْ تبعیضیہ یا بیانیہ ہے۔

کَانَ ہے اللہ تعالیٰ کی تکوین سے۔ مِزَاجُهَا جس کی ملونی۔ وہ شے جو اس جام میں ملائی جائے گی۔

حل لغات کہا جاتا ہے مزج الشراب خلطہ (شراب ملایا) مزاج العبدان (بدن میں صفرا اور بلغم و خون اوران ہر ایک کی کیفیات کا ملنا۔
کافُورًا کافور۔ کافور کا پانی۔

فائدہ مقام محمدی میں ایک چشمہ کا نام ہے اسی طرح تمام چشموں کا پانی سفیدی میں کافوری سفیدی کی طرح ہوگا ایسے ہی خوشبواور ٹھنڈک میں مزہ میں نہیں اسی لئے خود کافور تو نہیں پیا جاتا۔ ایسے ہی اس کے ہم مثل یہاں تک کہ جب اسے آگ جیسا بنائے گا یعنی اسے کسی دوسری شے میں ملایا جائے۔

تحقیق کافور وہ مشہور خوشبو ہے اس سے اکفان (مردوں کے کفن) کو خوشبوناک کیا جاتا ہے اس کی اچھی خوشبو کی وجہ سے۔

حل لغات کافور کفر سے بمعنی الستر (ڈھانپنا) سے مشتق ہے کیونکہ وہ اپنی خوشبو سے اشیا کو ڈھانپ لیتا ہے القاموس میں ہے کافور ایک مشہور خوشبو ہے درخت سے لیا جاتا ہے بحر الہند اور چین میں ہوتا ہے اس کے سایہ کے نیچے بکثرت لوگ سما سکتے ہیں۔ اس کی لکڑی سفید اور نرم ہوتی ہے اس کے اندر میں کافور ہوتا ہے وہ کئی قسم ہے اس کا رنگ سرخ ہوتا ہے مٹی ڈالنے سے سفید ہو جاتا ہے اور بہشت میں ایک چشمہ ہے یہ جملہ کاس کی صفت ہے۔ عَیْنًا (چشمہ) کاس سے بدل ہے یعنی کافور چشمہ ہے۔ (العین بمعنی چشمہ پانی کے چشمے کو عین سے تشبیہ محض ہیئت اور اس میں سے پانی بہنے کی وجہ سے ہے۔ یَشْرَبُ بِھَا عِبَادُ اللّٰہِ (جسمیں سے اللہ کے نہایت خاص بندے پئیں گے)۔ عین کی صفت عِبَادُ اللّٰہِ سے مؤمن ابرار مراد ہیں اس لئے عباد کی اضافت الی اللہ تحریمی اکثر عبد مؤمن کو خاص کرتی ہے ایسے ہی یائے متکلم کی طرف اضافت سے عبد مؤمن مراد ہوتا ہے جیسے یا عِبَادِیَ کیونکہ یہی حقیقی مؤمن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں کہ اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا وہ گویا عبد ہی نہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نہایت خاص مؤمن بندے جام کے ساتھ شراب طہور پئیں گے اس لئے کہ وہ اس میں ملا ہوا ہوگا جیسے تم کہتے ہو شربت الماء بالعسل۔ میں نے پانی کو شہد میں ملا کر پیا اس میں لذت کی قوت کی طرف اشارہ ہے۔

فائدہ اسمیں اشارہ ہے کہ مقربین قوت والے ہی کافوری شراب پئیں گے جو خالص شراب طہور ہی ہوگا جسمیں اور کسی شے کی ملاوٹ نہ ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ یشرب منھا ہو یعنی با بمعنی من ہے لیکن با لانا جائز ہے اس لئے کہ حروف عاملہ ایک دوسرے کے قائمقام آتے رہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا فَاَنْزَلْنَا بِہِ الْمَآءَ (اس سے ہم نے پانی اتارا) اسمیں با بمعنی من ہے۔ یعنی انزلنا من السحاب الماء (ہم نے بادل سے پانی

آنارا - اس کی شیخ (ابو طالب رحمہ اللہ تعالیٰ) مکی نے قوت قلوب میں تصریح فرمائی۔
یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا اپنے ٹھکانوں میں جہاں چاہیں گے لے جائیں گے۔

حل لغات التفجیر والفجر (پانی بہانا) المفردات میں ہے الفجر بمعنی شے کو وسیع کر کے چیرنا جیسے فجر الانسان السکک فلاں انسان نے سکر کو چیرا۔ فجرتہ الفجر، میں نے اسے چیرا وہ چر گیا۔ فجرتہ فتفجر، میں نے اسے چیرا وہ چر گیا۔
اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ انہیں اپنے ٹھکانوں میں جہاں بہا کر لے جائیں جیسا کہ تفصیل کی بنا (مصدر) سے معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ تشدید کثرت کا فائدہ دیتی ہے اور وہ جاری کرنا آسان ہو گا انہیں کوئی رکاوٹ نہ ہو گی بلکہ وہ اپنی قوت و اندفاع سے جاری ہوں گی اسی لئے کہ انہار اشجار وغیرہ کی طرح اہل جنت کے تابع ہوں گی پس مصدر تفجیرا اس فعل کا مؤکد ہے جو سہولت کے معنیٰ کو متضمن ہے اور یہ جملہ عیناً کی دوسری صفت ہے۔

تفسیر صوفیانہ ① تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ابرار میں ان بندگان خدا کی طرف اشارہ ہے جو مخلصین اور اس اسم اعظم کے فیض سے مخصوص ہیں جو ان جمیع اسما کو شامل ہے یعنی وہ لوگ جنہیں ان کا رب اسم باسط سے متجلی ہو کر پلائے گا محبت کے جام سے شراب طہور عشق جیس کا فور تعین کی ٹھنڈک ملائی ہوئی ہے اور وہ جاری ہونے والا ہے ان کے ارواح و اسرار و قلوب کی انہار میں فور رحمت و شمول نعمت کے ساتھ۔

تفسیر صوفیانہ ② حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابرار سے وہ سعادتمند لوگ مراد ہیں جو حجاب آثار و افعال سے بروز ادر حجب صفات سے محجوب اور وہ ان کے ساتھ واقف نہیں بلکہ عین الذات کی طرف سے بقا عالم الصفات کے متوجہ ہیں اور وہی متوسط فی السلوک ہیں وہ محبت حسن الصفات کے جام پیتے ہیں نہ صرف محبت حسن الصفات بلکہ ان کے شراب محبت ذات کی لذت بھی ملاوٹ ہے اور یہ چشمہ کافوری لذت بر داٹھنڈک (یقین کی لذت اور بیاض نوری و تفریح قلبی کا فائدہ بخشتا ہے اس قلب کو حرارت شوق اور تقویت سے جلا ہوا ہے اس لئے کہ کافور میں تبرید و تفریح و خاصیت ہے اور کافور ایک چشمہ ہے جس سے صرف وہ بندگان خدا پیتے ہیں جو اس کے خاص ہیں وہ اہل وعدہ ذاتیہ ہیں جن کی محبت صرف ذات سے ہے نہ کہ اہل صفات سے ان کے نزدیک قہر و لطف اور نرمی و سختی اور نعمت و بلا اور شدۃ و رضا کا کوئی فرق نہیں بلکہ ان کے دلوں میں محبت مع الاضداد قرار پکڑ چکی ہے انہیں نعمتوں اور مصیبتوں اور رحمت و زحمت سے برابر طور لذت محسوس ہوتی ہے ان کے ایک نے فرمایا ؎

ھوای لہ فرض تعطف ام جفا
و مشربہ عذب تکدر ام صفا
وکلت الی المحبوب امری کلہ
فان شاء احیانی و ان شاء اتلفا

ترجمہ: اس کی محبت میرے لئے فرض ہے لطف فرمائے یا جفا اس کا گھاٹ میٹھا ہے میلا ہو یا صاف
میں نے اپنے تمام امور محبوب کو سپرد کر دیئے اس کی مرضی چاہے زندہ رکھے چاہے موت دے۔

فائدہ ہاں ابرار چونکہ منعم و لطیف و رحیم سے محبت کرتے ہیں اسی لئے ان کی محبت قہار و مبتلی و منتقم کی تجلی سے برقرار نہ ہو سکی اور نہ ہی اس سے انہیں لذت محسوس ہوتی ہے بلکہ وہ اس سے کراہت کرتے ہیں اسے بہا کرے جاتے ہیں کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے چشمے ہیں وہاں نہ دوئی ہے نہ غیریت ورنہ کافور ظلمت و حجاب انانیۃ اور دوئی اور سیاہی نہ بنتی۔

فائدہ بعض نے کہا کہ جیسے دنیا میں ان کے احوال مختلف تھے ایسے ہی آخرت میں ان کے گھاٹ مختلف ہوں گے پھر ہر ایک اپنے حال کی مناسبت سے پیئے گا مثلاً وہاں مختلف چشمے ہوں گے حیاؔ کے صبر کے وفا کے وغیرہ وغیرہ۔

شراب کی اقسام شراب یا نفسانی شیطانی یہ جو دنیا میں اہل فسق پیتے ہیں اور یہ حرام ہے۔

حدیث شریف میں ہے جب بندہ شراب (دنیوی) ہاتھ میں لیتا ہے اسے ایمان قسم دے کر کہتا ہے کہ اسے مجھ میں داخل نہ کریں اور یہ ایک برتن میں نہ ٹھہر سکیں گے اگر وہ بندہ (منحوس) شراب پی لیتا ہے تو ایمان (اس کا نور) اس سے بھاگ جاتا ہے چالیس دن اس کے ہاں واپس نہیں لوٹتا اگر وہ توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے لیکن شراب پینے سے عقل کا تھوڑا سا حصہ اس سے نکل جاتا ہے جو مرتے دم تک اس کے پاس واپس نہ لوٹے گا۔

① جسمانی رحمانی یہ آخرت میں اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔

② روحانی ربانی یہ دارین (دنیا و آخرت) میں اہل محبت اور اہل شوق کو نصیب ہوتا ہے یہ تمام شرابوں (دنیوی - اخروی) سے لذیذ تر ہے حضرت مولانا جلال الدین قدس سرہ نے فرمایا ؎

الا ساقیا انی لظمان و مشتاق

ادر کاسا ولا تنکر فان القوم قد ذاقوا

خذ الدنیا و ما فیہا فان العشق یکفینا

لنا فی العشق ضات و بلدان و اسواق"

ترجمہ: اے ساقی میں پیاسہ اور مشتاق ہوں ایک جام پلا اور انکار نہ کر کیونکہ اسے اور لوگوں نے بھی چکھی ہے۔ دنیا و مافیہا مجھ سے لے لے ہمیں عشق کافی ہے کیونکہ عشق میں ہمارے لئے باغات اور شہر اور بازاریں ہیں۔

تفسیر عالمانہ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ (منتیں پوری کرتی ہیں)۔ جملہ متانفہ ہے گویا کہا گیا ان حضرات کو یہ بلند مرتبہ مل جاتا ہے تو پھر کیا کرتے ہیں اس کے جواب میں کہا گیا یوفون الخ یعنی جب انہوں نے اپنے اوپر جو واجب کیا تھا اسے پورا کیا تو پھر جو ان پر اللہ تعالیٰ نے واجب کیا وہ کیوں نہ پورا کرتے جیسے نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ حج وغیرہ یہ ان کے ادائے واجب کو زیادہ سے زیادہ پورا کرنے میں مبالغہ ہے۔

حل لغات ایفاءً بمعنی شے کو پورا اور مکمل طور ادا کرنا۔ النذر (منت) یہ ہے کہ جو چیز آدمی پر واجب نہیں ہے وہ کسی شرط سے اپنے اوپر واجب کرے مثلاً اگر یہ کہے کہ اگر میرا مریض اچھا ہو یا میرا مسافر بخیر واپس آئے تو میں راہِ خدا میں اس قدر صدقہ دوں گا یا اتنی رکعتیں نماز پڑھوں گا محض اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے پیش نظر۔

مسئلہ اس نذر کی وفا واجب ہوتی ہے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ لوگ طاعت و عبادت اور شرع کے واجبات کے عامل ہیں حتیٰ کہ جو طاعات غیر واجبہ اپنے اوپر نذر سے واجب کر لیتے ہیں اس کو بھی ادا کرتے ہیں۔

مسئلہ اس نذر میں اختلاف ہے جو وہ نیکی کو خود پر واجب کر دیتے ہیں مثلاً کہا کہ اگر فلاں دار میں داخل ہوا تو اس پر یہ ہوگا اور وہ ہوگا وغیرہ۔ بعض علماء نے کہا کہ یہ یمین کی طرح ہے بعض علماء نے اسے نذر میں داخل کیا ہے۔

مسئلہ: کہا گیا ہے کہ نذر وعدہ کی طرح ہے اگر وہ بندے سے ہے تو اس کا نام نذر ہے اگر اللہ تعالیٰ سے ہے تو وہ وعدہ کریمہ ہے۔

مسئلہ نذر (منت) قربت مشروعہ ہے یہ صرف طاعت میں صحیح ہے۔

حدیث شریف یہی ہے کہ جس نے منت مانی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو چاہیئے اطاعت کرے (یہ واجب ہے) اگر کہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی کرے گا تو نافرمانی نہ کرے ا بلکہ اس کا کفارہ دے)۔

حکایت حضرت ہارون بن معروف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک نوجوان آیا اور کہا کہ میرے باپ نے قسم کھائی ہے کہ اپنی عورت کو طلاق اگر میں کوئی دوا مع مسکر (نشہ والی شے) پیئوں میں اسے ابی عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس لے گیا کہ اس کا فتویٰ کیا ہے فرمایا انہوں نے اس کی رخصت نہیں اور فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کل مسکر حرام (ہر نشہ والی شے حرام ہے)

مسئلہ جملہ اطباء ملکر کہیں کہ اس مریض کی شفاء شراب پینے میں ہے تو نہ پیئے جب تک اس کے لئے اور دوائی سے علاج ہو سکتا ہے اگر اس کے سوا اور کوئی دوائی نہ ہو تو ایک قول میں ہے کہ پی لے (صحیح یہ ہے

کرنے پڑے۔

فائدہ جو واجب اللہ تعالیٰ کا ہے اس میں زیادہ اہتمام ہونا چاہیئے بہ نسبت اس کے جو بندہ نے اپنے اوپر خود کیا ہے لیکن بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واجب کی تو کوئی پرواہ نہیں کرتے اپنے اوپر خود کردہ واجب کا خوب اہتمام کرتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی پنجوقتہ نماز فرض ہے اس کی پرواہ نہیں لیکن منت مانیں کہ فلاں مشکل آسان ہوگئی یا کوئی کام نہ ہوتا تھا منت ماننے پر ہوگیا تو اب اس منت کو پورا کرنے کے لئے جلدی اور خوب اہتمام کرتے ہیں یہ حماقت وجہالت ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابرار وہ ہیں اس عہد کو پورا کرتے ہیں جو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں ہے جب صبح ازل میں ہوا کہ جب انہیں آلات واسباب پر قدرت ملی تو وہ اپنی استعدادات کی کمین گاہوں اور فطرت کے غیوب سے حقائق ومعارف وعلوم وفضائل ظاہر کریں گے اور تزکیہ وتصفیہ کر کے انہیں قوت سے فعل کی طرف نکالیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَيَخَافُونَ يَوْمًا اور ڈرتے ہیں اس دن سے۔ (قیامت کے دن سے)۔ كَانَ شَرُّهُ (جس کی برائی، شدت اور سختی اور عذاب۔ مُسْتَطِيرًا (پھیلی ہوئی ہے) کھلم کھلا مکمل طور ہر طرف پھیلی ہوئی ہے یعنی ہر کس اس سے متاثر ہوگا۔

حل لغات (الاستطار یعنی جلانے والا آگ اور الفجر المستطیر (پھیلنے والی کناروں میں) القاموس میں ہے المستطیر بمعنی الساطع المنتشر" استطر الفجر (انتشر الفجر پھیل گئی۔ یہ طار سے زیادہ بلیغ ہے جیسے نفر سے استنفر اور قیامت کی ہولناکیوں اور اس کے شدائد منتشرہ کو شر کہا گیا کہ وہ ایسے خوب پھیلے گا کہ آسمانوں اور زمینوں کو بھر دے گا یہ اس کی عین حکمت وصواب ہے لیکن اس کے لئے ضرر رساں ہوگا جس پر نازل ہوگا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں خیر وبھلائی (پھیلائی ہوئی) نہیں ہوگی کیونکہ قیامت کا دن جیسے ضرر رساں ہے ایسے ہی وہ راحت رساں بھی ہے

فائدہ حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلایا وشدائد آخرت میں عام ہوں گے عوام کے لئے اور علاء خاص ہوگی خواص کے لئے۔

فائدہ یوفون بالنذر الخ ان کے اعمال اور جمیع واجب کی ادائیگی کا بیان ہے اور یخافون الخ ان کی نیات کا بیان ہے کہ انہیں یوم البعث (مرنے کے بعد اٹھنے) والجزاء پر اعتقاد تھا اسی لئے وہ اللہ سے ڈرتے تھے کیونکہ طاعات کا اتمام اعتقادیات پر موقوف ہے جن میں یہ دونوں ہوں گے ان کا نام اللہ نے ابرار رکھا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض عارفین نے فرمایا کہ ارباب سلوک فی طریق الحق کی طرف اشارہ ہے جو اس کی طلب وسلوک میں اپنے نفسوں پر گوناگوں ریاضت اور قسم قسم کے مجاہدات واجب کرتے ہیں اور آرام ونیند

چھوڑ دیتے ہیں وہ اپنے اجسام کو بھوک کی سزا اور پیاس سے جگر کو جلاتے ہیں اور کلام اغیار کو سننے سے کان کو بند رکھتے اور آنکھوں کو محبوب حقیقی کے سوا کو دیکھنے سے بند رکھتے اور دلوں پر مطلوب ازلی کے محبت کے سوا مہر لگاتے اور اپنے نفسوں کو اس دن سے ڈراتے ہیں جسیں صفت قہر اور غضب کی تجلی کا ظہور ہو جو قلب پر ہیبات مظلم سے تسلط کرے اور تمام شرور سے بڑا شر ہے ایسے لوگ ایسے شر سے بچنے کی جدوجہد کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ایسے شر سے خلاص بخشکر اپنے حرم آمن میں داخل فرماتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر یعنی باوجودیکہ انہیں طعام کی خود بھی خواہش اور ضرورت وغیرہ ہوتی ہے جیسے اللہ نے دوسری جگہ پر فرمایا لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ نیکی کو ہرگز نہ پہنچو گے یہاں تک وہ خرچ کرو جس سے محبت کرتے ہو یا اطعام (طعام کھلانا) کی محبت میں تو وہ بطیب خاطر طعام کھلاتے ہیں اس معنیٰ پر ضمیر فعل کے مصدر کی طرف راجع ہوگی جیسے اعدلوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى میں اعدلوا کے عدل کی طرف ضمیر هُوَ راجع ہے یا اللہ تعالیٰ کی محبت میں یا اطعام اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے یہی زیادہ مناسب ہے (لوجه الله) کی وجہ سے جس کا بیان آتے گا اس معنیٰ پر مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاعل متروک ہے کہ دراصل علیٰ حبہم للہ تھا اور جائز ہے کہ فاعل کی طرف مضاف اور مفعول متروک ہو یعنی علیٰ حب اللہ الاطعام۔

حل لغات طعام شراب (پینے) کے خلاف اسے کبھی شراب (پینے) پر بھی استعمال کرتے ہیں اس لئے طعم الشئ بمعنی اس کا چکھنا وہ ماکول (کھائی ہوئی) ہو یا مشروب (پی ہوئی) ظاہر یہ ہے کہ یہاں خصوص ہے یعنی کھانا مراد ہے نہ کہ عموم۔

جملہ طاعات دو قسم جان اے جان من کہ جملہ طاعات کا مجموعہ دو امروں میں محصور ہے۔

(۱) طاعات امر اللہ اس کا اشارہ یوفون بالنذر الخ میں ہے۔

(۲) شفقت علیٰ خلق اللہ اس کا اشارہ ویطعمون الطعام الخ میں ہے اولاً کنایہ ہے محتاجوں پر احسان اور ان کے ساتھ پیار و محبت جس رنگ میں ہو اگرچہ وہ بعینہ طعام سے بھی نہ ہو اور چونکہ طعام انواع احسان اشرف نوع ہے اسی لئے جنس احسان کو اسی نوع سے تعبیر کیا گیا۔ (حواشی ابن الشیخ)

تفسیر صوفیانہ بعض اہل معرفت نے فرمایا کہ وہ لوگ منافع مالیہ سے خالی ہو کر رذائل سے اپنے نفوس کا تزکیہ کرتے ہیں بالخصوص بخل سے اس لئے کہ حب المال کثیف ترین حجابات سے ہے ایسے لوگ ایثار کی فضیلت سے موصوف ہوتے یہ لوگ دوسروں کی محتاجی دور کرنے میں جان کی بازی لگاتے ہیں اور اپنے نفوس جہالت رذیل صفت سے پاک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت میں حِکَم و شرائع کا روحانی طعام ان لوگوں کو نوازتے ہیں جن کا ذ

ابھی ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ مِسْكِيْنًا مسکین کو۔ وہ فقیر جس کی کوئی شے نہ ہو اور کمانے سے عاجز یعنی درویش بے مایہ۔
حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مسکین وہ جو تراب البدن کیجانب دائم السکون ہو وَّيَتِيْمًا اور یتیم کو وہ بچہ جس کا باپ نہ ہو۔ وَّاَسِيْرًا اور قیدی کو۔

حل لغات الاسر یعنے چمڑے کے لمبے تسمہ سے باندھنا قیدی کو بھی اسی لئے الاسیر کہا جاتا ہے کہ اسے ایسی رسی سے باندھا جاتا ہے پھر ہر گرفتار مقید کو کہا جانے لگا اگرچہ اسی چمڑے کی رسی سے باندھا ہوا بھی نہ ہو اب معنٰی یہ ہوا کہ اس قیدی کو جو گرفتار ہے اور کسی کی مدد اور قید سے آزادی کا کوئی حیلہ اور سبب نہ رکھتا ہو جو نا بھی ہو۔ اسی لئے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم قیدیوں کی طرف بعض مسلمانوں کے ذریعے طعام بھیجتے تھے اور فرماتے کہ قیدی کو طعام کھلانا واجب ہے۔ اگرچہ کافر ہو۔

مسئلہ دار السلام میں اسیر احسان ضروری ہے عام علماء کے نزدیک اگرچہ وہ حاکم وقت کے نزدیک واجب القتل یا منت لگا کر چھوڑنا ہو یا فدیہ لینا ہو یا غلام بنانا ہو کسی حال میں اس کا قتل اس کے دوسرے حال کی وجہ سے اطعام کے وجوب کے منافی نہیں جیسے کسی ایک کو ایک وجہ سے سزا دینی ہے تو اس کے منافی نہیں اسے دوسری وجہ سے سزا دی جائے اسی لئے یہ نامناسب ہے کہ کسی پر قصاص لازم ہے تو قتل کے سوا اسے کی اور سزا بھی دی جائے۔

فائدہ یا معنٰی یہ ہے کہ مومن قیدی کو طعام کھلاتے ہیں اسمیں مملوک اور عبد اور کنیز اور مسجون داخل ہے یعنی وہ مسجون فقیر جو کسی مسلمان کے حق ادا نہ کرنے پر قیدی کیا ہے۔

فائدہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرضدار کو بھی اسیر سے موسوم فرمایا چنانچہ فرمایا غریمک اسیرک (تیرا قرضدار تیرا قیدی ہے) فاحسن الی اسیرک تو اپنے قیدی پر احسان کر۔ یعنی اسے مہلت دے یا اسے دین معاف کر دے سالم یا کچھ یہ کامل احسان ہے۔

حدیث شریف میں ہے جو تنگدست (مقروض) کو مہلت دیتا ہے یا اس سے قرض معاف کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ عرش کے تلے جگہ دے گا کہ جہاں اس کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا یعنی اسے قیامت کی گرمی سے بچائے گا۔

عجوبہ بعض نے کہا عورتیں منکوحہ اپنے شوہروں کی قیدی ہیں۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو وہ تمہارے ہاں قیدی ہیں۔

حل لغات حدیث شریف میں عوانی فرمایا یہ العانی بمعنی الاسیر کی جمع ہے القاموس میں ہے العوانی بمعنی النسا اس لئے کہ ان پر ظلم ہوتا ہے جس کا وہ بدلہ نہیں لے سکتیں۔

صوفی قیدی حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک الاسیر وہ ہے جو طبیعت اور صفات النفس کی قید میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ حضرات حکمائے الٰہیہ جو ان کے ہاں محبوب ہیں طعام کھلاتے ہیں مسکین سرّ کو جو کہ وہ سرّ روح کے حکم ماتحت اس کی فرمانبرداری کے قرب میں ہے اور اس کی ذلت روح کے حکم کی عزت میں ہے اور یتیم قلب کو کہ وہ اپنے رب روح سے بعد عہد و بعد مکان کی وجہ سے یتیم ہے۔ اور قیدی اعضا کو کہ وہ قیود احکام و شریعت و آثار طریقت کی رسیوں میں مقید ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ (ان سے کہتے ہیں) ہم تمہیں خاص اللہ تعالیٰ کے لئے کھانا دیتے ہیں یعنی اس کی رضا کے لئے ہم تمہیں طعام کھلاتے ہیں یہ ارادہ قول پر یطعمون کے فاعل سے حال ہے۔ کہ دراصل قائلین اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ الخ تھا ان کا یہ کہنا زبان قال سے ہو یا حال سے تاکہ اس منت کا وہم جو صدقات خیرات کو ضائع کر دیتی ہے اور جزا کے بدلہ کی توقع جو اجر کو نقصان پہنچاتی ہے زائل ہو سہ

ہرچہ دہی می دہ و منت منہ

وآنچہ بمنت دہی آں خود مدہ

منت و مزدیکہ در احسان بود

وقت جزا موجب نقصان بود

ترجمہ: جتنا جی چاہے راہ خدا میں دے لیکن کسی کو احسان نہ جتلا ورنہ منت جتلانے کے لئے دیتا ہے تو بہتر ہے سے دے ہی نہ۔ منت اور مزدوری کا خیال ہو تو وہ جزا کے وقت نقصان کا موجب ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عجیب صدقہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ کسی کے گھر میں صدقہ بھیجتیں تو قاصد سے سوال کرتیں کہ صدقہ لے کر گھر والے کیا کہتے قاصد عرض کرتا آپ کو دعائیں دیتے آپ ان کے لئے دعا فرماتیں تاکہ صدقہ کا ثواب ضائع نہ جائے بلکہ خالص ذات الٰہی کے لئے ہو اس میں کسی پر احسان کا اظہار نہ ہو۔

وجہ اللہ کی تحقیق وجہ عضو معروف ہے اسے ذات سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ یہ اشرف الاعضا ہے بعض نے کہا کہ وَجْہِ سے مجازاً رضائے الٰہی مراد ہے کیونکہ رضا اور غضب کے آثار چہرے

معلوم ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً (تم سے بدلہ نہیں مانگتے)۔ اس پر مال اور نفس کا

جزا و اجر میں فرق اجر وہ جو عمل کا ثواب لوٹایا جائے دنیوی ہو یا اخروی اسے کہا جاتا ہے جو عقد سے ہو عقد کے قائم مقام اور اس کا اطلاق صرف نافع (نفع والی شئے) میں ہوتا ہے بخلاف جزا کے کہ اس میں بولی جاتی ہو جو عقد سے ہو یا غیر عقد سے ہو مفید ہو یا ضرر رساں۔

(المجانۃ) برابر کا بدلہ دینا یعنی نعمت کا بدلہ نعمت سے دینا۔ وَلَا شُکُوْرًا (اور نہ شکر گذاری) یعنی تم سے زبان کا شکریہ کہنا مدح کرنا۔ دعا دینا نہیں چاہتے وہ مصدر ہے بر وزن دخول اور جملہ ماقبل کی تقریر و تاکید ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سے ہم بدلہ و ثنا نہیں چاہتے کہ ہم اعراض و اعواض سے محجوب نہیں اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تم سے ہم نہیں چاہتے کہ تم دنیا میں ہماری تعریف کرو اور نہ ہی عذاب آخرت کی شکر گذاری دعا کے طور اس لئے کہ جو ثواب آخرت کی نیت پر کوئی عمل کرتا ہے تو وہ لوجہ اللہ نہیں بلکہ حظ نفس کے لئے ہے جیسے اللہ نے فرمایا۔ فمن کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحا ولا یشرک بعبادۃ ربہ احدا جو دیدار الٰہی کا امیدوار ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں شرکاء کی شرکت سے مستغنی ہوں جو نیک عمل کرکے میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کر دے میں اسے اور اس کی شرکت کو چھوڑ دیتا ہوں۔

فائدہ خلاصہ یہ کہ عبدِ مخلص کا معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے کیونکہ غیر اللہ کے پاس تو اس کا حق ہے ہی نہیں تو پھر اس سے کیا وہ طلب کرے گا۔

سبق اسمیں اسے نصیحت ہے جو نصیحت کا خواہاں ہے وہ یہ کہ اطعام (طعام کھلانا) وغیرہ حرام ہے جب اسمیں غیر کا لحاظ اور نفس کا حظ ہو اسی لئے کہ واجب ہے کہ ہر عبادت خالص لوجہ اللہ ہو اسمیں معمولی طور بھی ریا کی ملاوٹ نہ ہو نہ ہی اپنا کوئی ذاتی فائدہ مدنظر ہو۔

زعمرو اے پسر چشم اجرت مدار

چو در خانۂ زید باشی بکار

ترجمہ: اے عزیز عمرو سے اجر کی امید نہ رکھ جب تو زید کے گھر میں کام میں مشغول ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا بے شک ہمیں اپنے رب سے ایسے دن کا ڈر ہے۔ یعنی اس دن

کے عذاب سے وہ نخاف کا مفعول ہے اسی تقریر پر من ربنا اس سے حال مقدم ہے اگر اسے مقدم کیا جائے تو وہ اس کی صفت ہو جائے گا یا اس کا مفعول من ربنا ہے بواسطۂ حرف جر کے جیسا کہ اس کے متعدی ہونے کا قاعدہ ہے کیونکہ کہا جاتا ہے خاف منہ (وہ اس سے ڈرا) اس معنی پر یوماً اس سے محلاً بدل ہے یہاں کوئی مقدر نہ ہوگا اس لئے کہ وہ متعدی بنفسہ ہے یا یہاں دوسرا نخاف مقدر ہوگا۔ عَبُوْسًا (جو بہت ترش) یہ اسناد الفعل الی زمانہ کے قبیل سے ہے معنیٰ یہ ہے اس دن چہرے ترش ہوں گے ہولناکیوں کی شدت سے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ قیامت کے دن میں کا فرایسا ترش رو ہوگا کہ اس کی دونوں آنکھوں سے گندے بدبودار تیل کی طرح پسینہ بہے گا۔

حل لغات العبوس بمعنی سینے کی تنگی سے چہرے کا سکڑنا یا عبوس کو اسد عبوس سے تشبیہ ہے کہ وہ شدت اور حملہ کے وقت ایسے ہی ہوتا ہے یعنی جب کسی شے کو دیکھتا ہے تو ضرر رسانی کے اقسام کے وقت سختی اور تیزی سے چہرہ ترش کر لیتا ہے تو یہ تشبیہ میں مبالغہ کے قبیل سے ہے العبوس الاسد بمعنی العباس یعنی خوب تیوری چڑھانے والا شیر۔ قَمْطَرِيْرًا (نہایت سخت ہے، سخت تیوری والا۔ الکشاف میں ہے کہ وہ تیوری جو دونوں آنکھوں کے درمیان جمع ہو جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے وجہ قمطریر تیوری کی شدت سے منقبض چہرہ۔

فائدہ حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ (تعالیٰ) سے سوال ہوا کہ قمطریر کیا ہے فرمایا کہ وہ کیسا سخت نام ہے سبحان اللہ وہ کیسا سخت نام ہے یعنی قیامت کا دن اور وہ اپنے نام سے بھی زیادہ سخت ہے یہ جملہ معترض تعلیل میں ہے ان کے اطعام کے لئے۔

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ (تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس دن کے شر سے بچا لیا) ان کے خوف اور اس سے انکے تحفظ کی وجہ سے یعنی اس روز کی سختی سے انہیں اللہ تعالیٰ نے بچا لیا شر ذلک الیوم وقیٰ کا دوسرا مفعول ہے اس لئے کہ وہ متعدی بدو مفعول ہے۔

حدیث شریف صحیح (بخاری) میں ہے کہ ایک شخص زندگی میں کوئی نیکی نہ کر سکا مرتے وقت گھر والوں کو وصیت کی کہ مرنے کے بعد اسے کر اس کی راکھ کا ایک حصہ ہوا میں اڑا دینا ایک حصہ دریا میں پھینک دینا کیونکہ بخدا اگر اللہ تعالیٰ اس کے عذاب دینے پر قادر ہوا کہ جیسے اسے عذاب کرے گا ایسے جملہ عالم میں کسی کو نہ کیا ہوگا جب مر گیا گھر والوں نے اس کی وصیت پر عمل کیا اللہ تعالیٰ نے جنگل کو حکم فرمایا کہ اس کے ذرات جمع کرے اور دریا کو بھی حکم فرمایا کہ اس کے ذرات جمع کرے جب وہ بارگاہ حق میں پیش ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا۔ عرض کی تیرے ڈر سے اے میرے پروردگار اور تو خوب جانتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے سبب سے۔

حل لغات حدیث شریف میں ہے لئن قدر اللہ بتخفیف الدال از قدرت یعنی یوم القیامت اس کی قدرت کا تعلق اس کے جسم سے عذاب کرنے پر ہوا۔ اس مسکین نے گمان کیا کہ فنا علی الوجہ المذکور ملحق بالمحال ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت محال سے متعلق نہیں اسی لئے اس پر کفر لازم نہ ہوا اور برّ و بحر سے اس کے ذرات جمع کرنے سے مراد اس کے اجزاء اصلیہ ہیں جو قیامت میں سب کے جمع کئے جائیں گے یہ بھی جائز ہے کہ یہ برزخ کے حال پر محمول ہو کیونکہ برزخ میں سوال روح وجسد دونوں سے ہوگا جیسا کہ مذہب حق (اہلسنت) کا عقیدہ ہے۔ وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا (اور انہیں تازگی اور شادمانی دی) یعنی فجار کے عبوس وحزن کے بجائے ان کے چہروں میں تازگی وخوبروئی اور قلوب میں شادی و فرحت بخشی یہ دونوں ثانی دو مفعول ہیں۔

حل لغات تاج المصادر میں ہے کہ التلقیہ بمعنی کسی کے آگے کوئی شے لانا المفردات میں ہے کہ لقیتہ، استقبلتہ میں نے اس کا استقبال کیا (آگے آیا)، اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا قول وَلَقّٰهُمْ (۱۲) وَجَزٰىهُمْ اور ان کے ہر ایک کو بطریق اجر و عوض کے دیئے۔ بِمَا صَبَرُوْا اصل ان کے صبر کا۔ ما مصدریہ ہے یعنی طاعات کی مشقات اور اجتناب محرمات میں خواہشات نفسانی اور اموال کے ایثار کے ترک پر۔

صبر کی قسمیں حدیث شریف میں ہے کہ صبر چار قسم ہے۔

1. صدمہ اولیٰ پر
2. ادائے فرض پر
3. محارم کے اجتناب پر
4. مصائب پر

جَنَّةً جنت جَزٰىهُمْ کا مفعول ثانی ہے یعنی باغات کہ جو چاہیں کھائیں وَّحَرِيْرًا (اور ریشمی کپڑے) جنہیں پہنیں اور آرائش کریں۔

فائدہ یہاں جنت سے دار السعادۃ جو جمیع عطایا و کرامات پر مشتمل ہے مراد نہیں ورنہ ذکر حریر کی ضرورت نہیں کیونکہ جنت کی نعمتوں میں یہ بھی شامل ہے بلکہ یہاں جنت سے صرف باغ مراد ہے جیسے ہم نے اوپر ذکر کیا اس لئے کہ اس کا ذکر حریر کے لباس کو مانع نہیں علاوہ ازیں باغ اطعام کا صلہ اور قبر جوع (بھوک) کا صلہ اور حریر صبر بر ننگا از لباس کا صلہ ہے اس لئے کہ مال کا ایثار بھوک اور کپڑے سے ننگا ہونے تک پہنچاتا ہے۔

ایثار اہل بیت رضی اللہ عنہم کا واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ یہ آیت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی کنیز فضہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے ان حضرات کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر

منت مانو تو صاحبزادے شفایاب ہو جائیں گے ان حضرات نے ان کی صحت پر تین روزوں کی نذر مانی اللہ تعالیٰ کے تقرب اور اس کی رضا جوئی اور صاحبزادوں کی صحت و شکر میں اللہ تعالیٰ نے شہزادگان کو صحت دی نذر کی وفا کا وقت آیا سب صاحبوں نے روزے رکھے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک یہودی شمعون خیبری سے تین صاع (صاع ایک پیمانہ ہے) جَو لائے۔ صاع چار مد کا ہے ہر مد رطل اور تہائی رطل کا ہے۔ حضرت داؤدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا معیار مرد کے چار چُلّوں سے مختلف نہیں لیکن مرد نہ تو بڑی ہتھیلی والا ہو نہ چھوٹی کا درمیانہ ہو اس لئے کہ ہر جگہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صاع نہیں ملتا۔ بہرحال خاتون جنت نے ایک صاع ایک دن پکایا جب افطار کا وقت آیا اور روٹیاں سامنے رکھیں تو ایک سائل آیا عرض کی اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر لانے والو میں ایک مسکین مسلمان بھوکا ہوں مجھے طعام کھلاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دستر خوان عطا فرمائے چونکہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پانچ ٹکڑے ہر ایک کے لئے علیحدہ پکا کر ہر ایک کے آگے رکھا تھا اسی لئے سب نے اپنا اپنا حصہ اٹھا کر مسکین کو دے دیا۔ مروی ہے کہ جب مسکین کی آواز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کان مبارک میں گونجی تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ؎

فاطم ذات المجد والیقین

یا بنت خیر الناس اجمعین

اما ترین البائس المسکین

قد قام بالباب له حنین

یشکو الی الله و یستکین

یشکو الینا جائعاجزین

ترجمہ: اے فاطمہ بزرگی اور یقین والی۔ اے تمام لوگوں سے بہتر شخصیت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صاحبزادی۔ کیا کمزور مسکین کو نہیں دیکھ رہی ہو جو ہمارے دروازے پر کھڑا زاریاں کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں شکایت اور عاجزی کر رہا ہے غمگین ہو کر ہمیں بھوک کا شکوہ سنا رہا ہے۔

بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا ؎

امرك یا ابن عم سمع طاعة

ما بی من نوم ولا فزاعه

ارجو اذا اشبعت ذا مجاعه

الحق بالاخیار والجماعه

وادخل الخلد ولی شفاعه

ترجمہ: تیرا حکم اے چچازاد سر آنکھوں پر مجھے اس سے نہ ملامت ہے نہ زاری۔
جب تم بھوکے کا پیٹ بھروگے تو میں حق کی امید رکھتی ہوں ایسے اخبار میں ہے اور سب کا اتفاق ہے۔
اور بہشت میں داخل ہوگی اور مجھے شفاعت (ابا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نصیب ہوگی۔
تمام طعام اٹھا کر مسکین کو دے دیا اور خود بھوک پر صبر کیا اور رات بسر کی اور صرف پانی پر گزارہ کیا اور دن کو پھر۔
شام کو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دوسرا صاع پیس کر پکایا اور افطار کے وقت تمام جمع ہوئے طعام سامنے تھا ابھی افطار کرنے والے ہی تھے کہ باہر سے کسی نے آواز دی السلام علیکم اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے والو میں مہاجرین کا ایک یتیم ہوں میرا باپ یوم العقبہ میں شہید ہوا برائے کرم مجھے طعام کھلاؤ اللہ تمہیں جنت کے دستر خوان عطا فرمائے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب یتیم کی آواز سنی تو حضرت خاتون جنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

انی لاعطیہ ولا ابالی

واوثر اللہ علی عیالی

جیاعاً وھم اشبالی

اصغرھم لقتل فی القتال

ترجمہ: میں اپنا طعام یتیم کو دیتا ہوں اور اس کی مجھے پرواہ نہیں اور میں اپنے بچوں پر یتیم کو ترجیح دیتا ہوں اور وہ بھوکے رہیں لیکن طعام اس بچے کو دوں گا جس کا باپ جنگ میں شہید ہوا۔
چنانچہ تمام صاحبان نے جو تمام طعام آگے رکھا تھا یتیم کو دے دیا اور خود بھوکے سو گئے تیسرے روز حسب سابق بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاع جو کا آٹا پیس کر پکایا۔ شام کو افطار کے لئے تمام اکٹھے ہوئے طعام سامنے رکھا ابھی افطار کرنے والے ہی تھے تو باہر سے آواز آئی السلام علیکم اے اہل بیت نبوت! میں قیدی ہوں مجھے طعام کھلاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دستر خوان سے کھلائے سب نے اپنا طعام اٹھا کر قیدی کو دے دیا۔

بھوک سے نڈھال کنبہ چوتھے روز شہزادے حسنین رضی اللہ عنہما ہاتھ میں ہاتھ ملا کر بارگاہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ شہزادے بھوک سے چوزہ کی طرح ہیں اور کانپ رہے ہیں پوچھا شہزادو یہ کیا ہے شہزادوں نے ماجرا سنایا تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا وہ محراب میں بیٹھی ہیں لیکن بھوک کی وجہ سے پیٹ پیٹھ سے لگ چکا ہے اور آنکھیں دھنس گئی ہیں آپ کو یہ معاملہ ناگوار گذرا تو حضرت جبریل علیہ السلام آ گئے اور عرض کی اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل بیت کے بارہ میں خوشگوار فرمائے لیجئے یہ سورۃ دہر (اتیٰ) اور یہ انہیں پڑھ کر سنایئے۔

تردید شیعہ ① اس واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ابرار صرف اہل بیت ہیں اور کوئی نہیں کیونکہ قاعدہ تفسیر مسلّم جانبین ہے کہ آیت خصوص عموم کے منافی نہیں ہوتی فلہذا مورد خاص ہے تو حکم عام ہے یعنی عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خصوصی سبب کا اسی لئے اسمیں بحسب اشتراک عمل اہل بیت کے سوا اور حضرات صحابہ و اولیاء داخل ہیں۔

② راوی کے ضعف سے قصہ ضعیف ہو جاتا ہے یہ بھی قصہ ایسا ہی ہے لیکن چونکہ علمائے کرام میں یہ قصہ مشہور ہے اور کتب میں مسطور ہے اس لئے اہل بیت کی فضیلت سے انکار نہیں لیکن عقیدہ کی بنیاد یا کوئی حکم شرعی اس سے مستنبط نہیں ہوگا۔

③ حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ (باوجودیکہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے عشاق سے ہیں وہ بھی) فرماتے کہ "ہذا حدیث مفتعل" یہ حدیث موضوع منگھڑت ہے اسے رواج نہیں دے گا سوائے احمق اور جاہل کے اور ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے موضوع کہا ہے اور روایت سے ثابت کی کہ اس روایت کے موضوع ہونے میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔

تحقیق صاحب روح البیان صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صحت روایت کا تقاضا یوں ہو سکتا ہے کہ آیت مدنیہ ہو کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غزوۂ احد کے بعد ہی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا اور جمہور مفسرین نے فرمایا کہ سورۃ ہل اتٰی مکیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے مسامحت فرمائے۔

تحقیق سورۃ دہر مدنیہ ہونے کی علامہ فناری رحمہ اللہ الباری نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں فرمایا اور بہت بڑے اکابر علماء سے نقل کیا کہ سورۃ ہل اتٰی علی الانسان (الدہر) مدینہ پاک میں نازل ہوئی ایسے ہی مجاہد و قتادہ (رضی اللہ عنہما) نے فرمایا سوائے ایک آیت کے وہ ہے وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا کہ یہ مکیہ ہے۔ ایسے ہی حضرت حسن و عکرمہ (رضی اللہ عنہما) اور الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سورۃ مدنیہ ہے سوائے آیت فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ الخ کے یہ مکیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیدی کی حاضری مدینہ پاک میں ہوگی کیونکہ آیۃ قتال کے بعد ہی قیدی کا سوال ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ قتال سے پہلے قیدی کہاں) اور سب کو معلوم ہے کہ جہاد کا حکم مدینہ پاک میں ہوا اور یہ بھی ہے آیات مکیہ کو آیات مدنیہ ملایا جاتا ہے اسی لئے ایسی سورۃ کے لئے تم کہہ سکتے ہو کہ وہ سورۃ مکیہ ہے یا وہ سورۃ مدنیہ ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سورۃ (دہر) کی آیات زیادہ مدنیہ ہیں اور اہل تفسیر کا قاعدہ ہے کہ جس سورۃ کی آیات جس طرح کی زائد ہوں اسی نام سے موسوم ہوتی ہیں اسی لئے یہ سورۃ مدنیہ ہونے کی حقدار ہے نہ کہ مکیہ کی۔

ایمان افروز فیصلہ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نحن لا نشك فی صحة القصة (واللہ اعلم) ہم قصہ کی صحت میں شک نہیں کرتے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا جنت میں تکیہ لگائے ہوں گے۔ عَلَى الْاَرَآئِكِ آراستہ وپیراستہ تختوں پر۔ جزاہم کی ھم ضمیر سے متکئین حال ہے اور اس کا عامل جزا ہے اور جزا کو متکئین سے اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ وہ آسائش وآرائش کے لحاظ سے بہترین حالت ہے اس کے بالمقابل اس کا غیر۔ گویا جزا میں داخل نہیں۔

حل لغات آرائک حجلہ میں تختے جو موتیوں اور یاقوت کے جڑاؤ سے مزین اور اس کی لکڑیاں سونے اور چاندی کی ہونگی اور موتیوں کے مختلف رنگ ہوں گے۔ اریکہ کی جمع ہیچوں سفینہ اور حجلہ میں ہی اریکہ ہوتا ہے حجلہ (بتحریک) حجال کا واحد ہے۔ حجال دلہنوں کی پالکیاں جو کپڑوں اور پردوں سے مزین کی جاتی ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ علی الارائک متکئین کے متعلق ہے اس لئے کہ ارتکا علی سے متعدی ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ٹھہرے ہوئے اور تکیہ لگائے ہوئے تختوں پر ہوں گے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا متکئین علیٰ فرش فرش پر تکیہ لگائے ہوئے اور یہ بھی جائز ہے مقدر کے متعلق ہو اور وہ متکئین کی ضمیر سے حال ہو یعنی بہشت میں تکیوں وغیرہ پر تکیے لگا کر تختوں میں قرار پکڑے ہوں گے اس تقدیر پر اتکا بمعنی اعتماد ہو گا لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا اس میں نہ دیکھیں گے دھوپ نہ ٹھٹھر یعنی نہ حرارت نہ برودت جیسے دنیا میں دیکھتے تھے اس لئے کہ حرارت دیارِ عرب پر غالب ہے اور برودت (ٹھٹھر) دیارِ عجم اور روم پر یہ ضمیر سے دوسرا حال ہے یعنی ان پر معتدل ہوا گزرے گی اس میں گرمی ہوگی نہ سردی جو کسی کو ایذا دے۔

فائدہ لَا يَرَوْنَ الخ میں کنایہ اسی معنیٰ سے ہے۔

حل لغات الزمہریر، بمعنی سخت سردی مشتق از زمہر الیوم ای اشتد بردہ۔ آج کی سردی سخت ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جنت کی ہوا ایسی ہے کہ اسمیں سردی نہ گرمی یعنی معتدل گرم نہ سرد القر بالضم بمعنی البرد (سردی)۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ نے اللہ تعالیٰ کو شکایت کی کہ میرے حصے ایک دوسرے کو کھا رہے ہیں مجھے سانس نکالنے کی اجازت بخشئے اللہ نے سال میں دو سانس نکالنے کی اجازت بخشی ایک موسم سرما میں ایک موسم گرما میں۔ یہ جو تم موسم سرما میں سخت سردی

۱؎ تبصرہ اُویسی غفرلہٗ: قصہ صحیح ہے تو اس سے روافض اہلبیت کرام کی فضیلت سے خلافت بلا فصل یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے کیونکہ اوّل کے لئے نص قطعی ضروری دوسرے کے لئے جزی فضیلت کے کلی فضیلت پر ترجیح کیوں۔

محسوس کرتے ہو اسی جہنم کا سرد سانس ہے اور گرما میں جو گرمی محسوس کرتے ہو اس کا گرم سانس ہے۔

علی وفاطمہ رضی اللہ عنہا کا نور جنت میں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اہل جنت نے جنت میں ایک روشنی دیکھی جو سورج کی روشنی کی طرح تھی اس سے تمام جنتیں روشن ہوگئیں اہل جنت حضرت رضوان (علی نبینا علیہ السلام) بہشت کے داروغہ سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا کہ بہشت میں دھوپ ہوگی نہ ٹھٹھر اور یہ روشنی کہاں سے آگئی۔ رضوان علی نبینا علیہ السلام فرمائیں گے کہ یہ روشنی سورج کی ہے نہ چاند کی بلکہ حضرت فاطمہ و حضرت علی رضی اللہ عنہما کی ہے کہ وہ دونوں ہنسے تو ان کے ہنسنے سے جنتیں روشن ہوگئی ہیں انہیں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا هَلْ اَتٰى على الانسان۔ الی ان قال كان سعيكم مشكورًا۔

تفسیر صوفیانہ [۱]

حضرت قاشانی رحمہ اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہ نہ دیکھیں گے جنت الذات میں نہ دھوپ یعنی اس کی طرف حرارۃ الشوق مع الحرمان اور نہ ٹھٹھر یعنی الوقوف مع الاکوان اسی لئے وقوف مع الاکوان کمر توڑ ٹھٹھر ہے

تفسیر صوفیانہ [۲]

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جنت الوصال شمس مشاہدہ کی وہ گرمی نہ دیکھیں گے جو مشاہدہ کو ایسا مٹا دے کہ لذت مشہود نہ پا سکیں کیونکہ مشاہدہ کا حملہ مشاہد امشاہدہ کرنے والوں کو بالکل ایسا فنا کر دیتی ہے کہ وہ محبوب معبود کے شہود کی لذت کو محسوس ہی نہیں کرتا۔ اسی معنیٰ کی طرف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعا میں ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَرْزُقْنَا مُشَاهدتك — اے اللہ ہمیں اپنے مشاہدہ کی لذت نصیب فرما۔

اور نہ دیکھیں گے زمہریر یعنی حجاب اور پردہ کی ٹھٹھر۔

تفسیر عالمانہ

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا اور اس کے سائے اس پر جھکے ہوں گے ہاس کا عطف ماقبل پر اور اس کی طرح حال ہے۔

حل لغات

ظلال ظل (بالکسر) کی جمع ہے الفتح (کشادگی) کی نقیض ظلالہا دانیۃ کا فاعل ہے از الدنو بمعنی القرب بحسب الجانب یا بحسب السمک (بلندی) ضمیر جنت یا اشجار کی طرف راجع ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جنت میں درختوں کے سائے ان کے ہر حالت سے قریب ہوں گے یہاں تک کہ خود سائے سایہ کرنے والی اشیاء محسوس ہونگے اگرچہ دھوپ نہ ہوگی تب بھی سائے کا ہونا ان کے لئے زیادتی نعمت کا سبب ہوں گے اور راحت رسانی کا موجب اس لئے کہ دنیا میں سایہ بھی راحت سمجھا جاتا تھا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا اور اس کے گچھے جھکا کر نیچے کر دیئے جائیں گے۔ یعنی میوے لینے والے کے لئے اشجار کے اثمار (پھل) ان کے لئے نیچے کر دیئے جائیں گے تاکہ آسانی سے حاصل کر سکیں بیٹھے ہوں یا کھڑے ہوں یا لیٹے ہوں پورے طریق سے ان کے لئے تابع اور آسان ہوں گے۔

حل لغات ذُلِّلَت الذل (بالکسر) سے ہے الصعوبت (سختی) کی تنقیض ہے جملہ دانیۃ سے حال ہے یعنی ان کے قریب اور ان کے گچھے ان کے تابع ہوں گے القطوف قطف (بکسر القاف) کی جمع بمعنی العنقود (گچھے) وقطفت العنب (میں نے انگور کا گچھا علیحدہ کیا)۔ عنقود کو قطف اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ لیتے وقت علیحدہ علیحدہ ٹکڑا حاصل ہوتا ہے وَيُطَافُ (اور دور ہوگا)۔

حل لغات ازطاف بمعنی دار۔ چکر لگایا الطواف ولاطافہ ہر دونوں لازم ہیں بمعنی کسی شئے کے اردگرد چکر لگانا۔ یہاں بانیۃ کی باء سے متعدی ہے عَلَيْهِمْ (ان پر) ابرار پر جب شراب طہور اور اپنے اردگرد چکر لگانے والے خدام کو دیکھیں گے (تفصیل آتی ہے)۔ بِاٰنِيَةٍ (برتنوں کا)

حل لغات انا کی جمع ہے جیسے اکیتہ کسا کی۔ الاوانی جمع الجمع ہے (المفردات) آنیہ دراصل آنیتہ تھا (دو ہمزوں سے) بروزن افعلۃ بعض تفاسیر میں ہے کہ اگرچہ اسمیں بائے تعدیہ کی ہے لیکن فاعل کے قائم مقام ہے کیونکہ یطاف کا معنی مفعول ہے ورنہ ظاہر یہ ہے کہ نائب فاعل علیہم ہو۔ مِنْ فِضَّةٍ چاندی سے (برتن)، وَّاَكْوَابٍ (اور کوزوں کا)۔

حل لغات کوب کی جمع ہے بڑا کوزہ جس کا سر مدور (دائرہ دار) ہو اور اس کا دستہ وغیرہ نہ ہو کیونکہ اس سے پانی وغیرہ پینا آسان اور ہر طرف سے پیا جا سکتا ہے۔ اسے پیتے وقت کی طرف پھیرنے کی ضرورت نہیں ہوتی آج بھی وہ بلاد عرب میں مستعمل ہے۔

ربط جب اللہ تعالیٰ نے ابرار کے طعام ولباس ومسکن کی وصف بیان فرمائی تو ان کے شراب (پینے) کی وصف بھی بتائی تو اس پر ان برتنوں کی وصف مقدم فرمائی جن سے وہ شراب طہور پئیں گے لیکن اسے لفظ مجہول سے بتایا کیونکہ مقصود مایطاف (وہ شے جو ان کے اردگرد پھیری جائے گی) نہ کہ چکر لگانے والے اس کے بعد چکر لگانے والوں کو وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ الخ سے بیان فرمایا كَانَتْ قَوَارِيْرَا۟ قَوَارِيْرَا۟ مثل ہو رہے ہوں گے کیسے شیشے۔

حل لغات قارورہ ہے القاموس میں ہے القارورہ وہ جس میں شراب اور اس کی مثل قرار پکڑے یعنی آبگینہ۔ مِنْ فِضَّةٍ چاندی کے، ہوں گے ایسے کہ وہ جامع ہوں گے درمیان شیشے کی صفائی اور شفاف ہونے اور چاندی کی نرمی اور اس کی سفیدی کی کہ وہ جو ان کے اندر ہوگا وہ باہر سے نظر آئے گا اس معنیٰ پر کان تامہ ہے اور قواریرا اول کانت کے فاعل سے حال ہے تشبیہ میں مبالغہ کے طور یعنی آبگینے شیشے کے ہونگے نہ کہ چاندی کے اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ آبگینے شیشے کے ہوں گے جو چاندی سے تیار کئے گئے بلکہ ان پر یہی حکم ہے کہ وہ آبگینے ہیں اور وہ چاندی سے یہ بلیغ تشبیہ کے باب سے ہے کیونکہ وہ فی نفسہا شیشے کے نہیں ہوں گے اور نہ ہی چاندی کے۔

فائدہ وہ چیزیں جو بہشت میں ہیں وہ دنیا میں نہیں سوائے ایک نام کے۔[1]

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ بہشت کے آبگینے کی حقیقت دنیا کے شیشے اور چاندی کے مباین (مخالف) مختلف ہوں گے کہ یہاں کا شیشہ اور چاندی کثیف الجوہر اس میں کسی قسم کی لطافت نہیں اور بہشت کے آبگینے میں کثافت کیا وہاں تو لطافت ہی لطافت ہے کیونکہ دنیا کے آبگینے جلد ٹوٹ اور خراب اور ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن جنت کے آبگینے نہ ٹوٹنے کے نہ خراب ہونے نہ مٹنے کے۔ ثابت ہوا کہ ان دونوں کو صرف اسمی مشارکت ہے بعض اوصاف ہیں مثلاً چاندی سے سفیدی اور صفائی اور بقا ہیں اور شیشے سے شفاف وصاف ہونے میں مشابہت ہے ورنہ درحقیقت وہ دنیوی آبگینوں کے مغایر لیکن ان کے اوصاف کے جامع اس معنی پر قارورہ (شیشہ) فقط چاندی کا ان پر اسمی اطلاق صحت کے لئے کافی ہے۔[2]

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنت کی ارض (زمین) چاندی کی اور اس کی ہر زمین کے برتن اسی کی چاندی سے تیار کئے جائیں گے۔

---

[1] اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بشریت ہے لیکن صرف نام کہ ہماری بشریت کے متعلقات ولوازمات اور ان کی بشریت کے متعلقات ولوازمات کا نام ایک ہے ورنہ فرقیت از کجا تا کجا مثلاً ان کے بال ہمارے بال بیکار لیکن ان کے بالوں میں شفا، ہمارے بالوں میں دائمی بیماری۔ ان کی لب اطہر ہماری تھوک لیکن ان کی لب اطہر میں شفا ہماری تھوک میں بیماری ان کا پسینہ اقدس ہمارا پسینہ، لیکن ان کا پسینہ معطر، ہمارا بدبو دار ان کا بول وبراز اقدس پاک اور شفا اور ہم سراپا بدبو گندگی کا ڈھیر۔ ان کا خون اقدس پاک اور بہشت کا تحفہ دینے والا ہمارا خون پلید ان کی آنکھ دیکھے تو عرش کے پار اور اندھیرے اجالے میں اور آگے پیچھے دیکھنے میں برابر اور ہم خود سوچ لیں ان کے کان سنیں تو عرش تا تحت الثریٰ کی باتیں اور ہم ۔ ۔ ۔ ۔ (فقیر اویسی غفرلہٗ)

---

[2] سمجھانے کے لئے بشریت کا مسئلہ عرض کر دیا ہے کیونکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم معاشر الانبیاء کے خمیر نسیم جنت سے ہیں (خصائص کبریٰ) جب ان کے خمیر اقدس جنت سے ہے تو جنت کی ہر شے نور ہے وہاں ظلمات وکثافت کا تصور کسی ظالم دماغ اور کثیف ذہن کو ہو گا اور یہ کہنا کہ اہلسنت انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے قائل ہی نہیں یہ سراسر بہتان ہے بشریت کے قائل ہی نہیں بشریت کے ہم قائل ہیں لیکن اپنی بشریت کثیف ہے اور ان کی لطیف اور نورانی لیکن جس کا مادہ ہی ضد ہے وہ نہیں مانتا۔ (اویسی غفرلہٗ)

ایک اور تقریر اس سے ایک اور طریقہ سے تقریر کی جا سکتی ہے وہ یہ کہ بہشت کے برتن چاندی اور شیشہ کے ہوں گے اور دنیا کے شیشہ کی اصل ریت اور بہشت کے قارورہ (شیشہ) کی اصل جنت کی چاندی ہے تو جیسے وہ اللہ تعالیٰ قادر ریت کثیف کو صاف شیشہ لطیف سے تبدیل کر سکتا ہے ایسے ہی قادر ہے کہ وہ جنت کی چاندی کو شیشہ کی طرح صاف و شفاف بنا دے۔

سبق اس میں تنبیہ ہے کہ جنت کے قارورہ کو دنیا کے قارورہ سے وہی نسبت ہے جو ریت کو چاندی سے یعنی انہیں آپس میں کیا نسبت تو پھر دنیا کے قارورہ کو جنت کے قارورہ سے کیا نسبت (حواشی ابی الشیخ)

فائدہ کان تامہ اختیار کرنے میں ایک نکتہ ہے اگرچہ ناقصہ بھی ہو سکتا ہے وہ یہ کہ قواریرا اول تکوین الٰہی کی خبر ہے اس سے آیت کی اہمیت کا اظہار ہے کہ یہ قدرت ایزدی کے نشان کا پتہ دیتا ہے قواریرا ثانی پہلے قواریر کا بدل ہے علی سبیل الایضاح والتبیین یعنی وہ آبگینے چاندی سے تیار شدہ ہیں اور جملہ اکواب کی صفت ہے۔

فائدہ قواریرا ثانی تنوین ثانی سے پڑھا گیا ہے اور دونوں بغیر تنوین کے پڑھے گئے ہیں اور دوسرا قواریر مرفوع پڑھا گیا ہے اس وقت وہ مبتدأ ہی محذوف کی خبر ہے (قال ابن الجوزی رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

مسئلہ سب نے وقف کے وقت الف پڑھا ہے سوائے حمزہ (قاری) اور ورش قاری رحمہما اللہ تعالیٰ کے۔

فائدہ بعض نے اسے منصرف پڑھا ہے اس لئے کہ مصحف امام میں الف کے ساتھ واقع ہے اور مصحف میں الف کے ساتھ اس لئے مکتوب ہے کہ وہ آیت کا ابتدأ ہے گویا وہ قوافی و فواصل کے مشابہ ہے کہ انہیں وقف پر الف کہا جاتا ہے۔

قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ساقیوں نے انہیں اندازوں پر رکھا ہوگا۔ یہ قواریر کی صفت ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جن پر خدام شراب پلانے کے لئے چکر لگا رہے ہوں گے ان پینے والوں نے ان برتنوں کو اپنے انداز پر رکھا ہوگا ان کا یہ ارادہ ہوگا کہ وہ مقدار و شکل معین پر ہوں جیسے ان کی خواہش ہوگی تو ان کی خواہش کی مقدار پر آئیں گے اور انسان جسے پیتا ہے اس کا منتہائے مراد یہی ہوتا ہے کہ وہ صاف و شفاف ہو اسے اللہ تعالیٰ نے قواریر میں بیان فرمایا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ ستھرا ہو اسے اللہ نے مِنْ فِضَّةٍ میں بیان فرمایا ہے اور مخصوص شکل و مقدار چاہتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ نے قدروہا تقدیرا میں بیان کیا ہے۔

فائدہ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال حسنہ پر انہیں اندازہ کریں گے تو انہی کے اندازہ پر آئیں گے۔

فائدہ بعض علماء نے فرمایا کہ قدروا کی ضمیر چکر لگانے والے خدام کی طرف راجع ہے جیسا کہ "یطاف علیہم" سے مفہوم ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ خدام ان کے پینے کا اندازہ کریں گے یہاں مضاف محذوف ہوگا کہ دراصل قدر ‌راستقوائھم یعنی ان کی پیاس بجھانے اور سیر ہو کر پینے کا اندازہ کہ اس سے کم ہو نہ زائد ہو۔ اور وہی پینے

والے کے لئے لذیذ تر ہوتا ہے کہ اسے اس کی ضرورت کی مقدار پر ملا - اس لئے کہ اعتدال کی دونوں طرفین (نقصان و زیادہ) مذموم ہیں جیسا کہ امام مجاہد (مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ لا فیض فیہا ولا غیض (نہ زائد نہ کم) اور الضحاک (مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ وہ خدام کی ہتھیلیوں کی مقدار میں ہوں گے۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا اور وہ بہشت میں پلائے جائیں گے۔ انہیں اللہ تعالیٰ پلائے گا یا چکر لگانے والے خدام اللہ تعالیٰ کے حکم سے پلائیں گے اور اسمیں ان کی زیادہ تعظیم مراد ہے جو یشربون من کاس بصیغہ معلوم میں نہیں کَأْسًا شراب (طہورا) کے جام کَانَ مِزَاجُهَا جس کی ملونی۔ یعنی وہ شے جو دوسری شے میں ملائی جائے۔ زَنْجَبِيلًا ادرک (وہ ایک جڑ ہے جو زمین میں ہوتی ہے۔ نہ کل کی طرح اس کی انگوری اور سرد ہے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ جس میں کافور کی ملونی ہے وہ ادرک کی ملونی کا غیر ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ پینے کی شے ادرک کے مشابہ ہو گی یعنی وہ جس میں ادرک کی ملونی ہو کیونکہ عرب میں وہ پینے کی شے لذیذ سمجھی جاتی ہے جس میں ادرک ملی ہو کیونکہ وہ زبان کو صاف کرتا اور طعام کو ہضم کرتا ہے۔

فائدہ جبکہ اس چشمہ کو ادرک کا نام دیا گیا اس سے وہم پیدا ہوا کہ وہ حلق میں آسانی سے نہ اتر سکے گا نہ ہی اس کے پینے سے سہولت ہو گی جبکہ جلانے والی شے کا تقاضا ہے اس وہم کو دور کیا کہ

عَيْنًا یہ زنجبیل سے بدل ہے یعنی وہ ادرک چشمہ ہے فِيهَا تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا بہشت میں اس کا نام ہے سلسبیل۔ ان فرشتوں کے نزدیک جو بہشت کے خازن (علیہ السلام) اور ان کے خدام ہیں کیونکہ حلق میں اترنے میں آنے میں سہولت اور اس کے اتارنے میں آسانی ہے تو وہ چشمہ ہے جس کے یہ صفات ہیں۔

تحقیق سلسبیل بعض نے کہا کہ اس پر یہی نام بولا جاتا ہے اور وہ اس صفت سے موصوف ہے یہ نہیں کہ اس چشمہ کا یہی علم نام ہے یعنی سلسبیل صفت ہے علم نہیں ورنہ وہ علمیت و تانیت کی وجہ سے غیر منصرف ہوتا اور قراء عشرہ میں کسی نے بھی غیر منصرف نہیں پڑھا بعض نے کہا کہ یہ باوجودیکہ غیر منصرف ہے کہ اس میں علم و تانیث معنوی ہے لیکن منصرف پڑھا جاتا ہے رؤس الآیات کی رعایت کی وجہ سے۔

فائدہ الکواشی (تفسیر) میں ہے کہ یہ لفظ مفرد بر وزن فعلیل ہمچون در دبیس کہا جاتا ہے شراب سلسل وسلسال و سلسبیل وہ شراب جو حلق سے آسانی سے اترے خوشگواری اور صفائی کی وجہ سے اسی لئے با پر زائدہ ہونے کا حکم ہے یعنی اس کے ہونے اور نہ ہونے سے معنیٰ میں کوئی فرق نہیں پڑتا ورنہ با حروف زائدہ سے نہیں (کیونکہ حروف زائدہ کا مجموعہ الیوم تنساہ ہے انمیں با نہیں ہے) بعض نے کہا کہ با زائد لائی گئی سلسال پر تاکہ خماسی ہو کر غایۃ سلاست و حلاوۃ پر دلالت کرے ابن المبارک نے از راہ اشارہ فرمایا کہ یہ سل من اللہ الیہ سبیلا سے ہے (کہو اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی طرف راستہ)۔

نکتہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ ابرار کے شراب کی ملونی سے پہلے کافور سے پھر ادرک سے بنائی کہ اہم مقصود ہے (حلق میں دخول کے وقت) برودت محسوس ہو کہ میدان حشر کی گرمی اور ریگپیر اط سے عبور اور گوناگوں نعمتوں کے حظ پانے اور کھانے والی اشیا کھانے کے بعد پیاس محسوس کریں گے اور انہیں پینے کی چیزوں کی ضرورت ہوگی جو ان کے پینے سے کھانے کی اشیا کی خواہش میں اضافہ کرے پھر انہیں کھانے پر مدد دے اسی لئے ان کے پینے سے لذت محسوس کریں گے اسی لئے ادرک کی ملونی کا ذکر سب سے مؤخر ہے کہ وہ ان کے معقولات و مشروبات کو ہضم کرے۔

تفسیر صوفیانہ[1] تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ادرک میں شراب وحدت کی طرف اشارہ ہے جیسے ادرک کی ملونی ہے جو مفہوم توحید سے سمجھی جاتی ہے اور سلسبیل میں اس شراب وحدۃ کی طرف اشارہ ہے جو امتزاج زنجبیل کثرۃ سے صاف ہے اسے سلسبیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ آسانی سے حلق میں اترنے والی شراب ہے اپنی بساطت و صرافت کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ[2] حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا مزاج ادرک ہے لذت اشتیاق کا کیونکہ انہیں شوق نہ تھا تاکہ ان کا شراب ادرک خالص ہو جو کہ وہ نہایت حرارت طلب ہے ان کے وصول کے لئے لیکن انہیں اشتیاق فی الصفات کی سیر کا اور تمام صفات کا حصول ان کے لئے امتناع ہے اسی لئے حرارت طلب کی لذت سے ان کی محبت اس طرح صاف نہ ہوگی جیسے عین جمع ذات میں مستغرقین کی لذت محبت صاف ہے اس لئے ان کا شراب عین کافوریہ صاف مقرر ہوا اور زنجبیل ایک چشمہ ہے جنت میں اس لئے حرارت عین اس محبت کا جو منبع الوحدۃ سے مع الہجران اٹھتی ہے اس کا نام سلسبیل اس لئے ہے کہ وہ حلق سے آسانی سے اترتا ہے اور اس کا ذائقہ حلق میں محسوس ہوتا ہے اور عشاق مہجورین طالبین سالکین کا سبیل وصال ذوق و سکر میں ہے جو انہیں عشق سے وہ حرارت نصیب ہوتی ہے کہ جس کے ذوق کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔

تفسیر عالمانہ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ اور ان کے آس پاس پھریں گے۔ ابرار کے وِلْدَانٌ (لڑکے) کیونکہ وہ خدمت میں پھرتیلے ہوتے ہیں ولید کی جمع ہے مدت ولادت کے قریب زمانہ والا مُخَلَّدُونَ ہمیشہ رہنے والے یا ہمیشہ ہوں گے اپنی طفولیت اور رونق میں ہمیشہ تک متغیر نہ ہوں گے یعنی وہ بچے جو ابرار کی خدمت میں ہوں گے ان کا سن تبدیل نہ ہوگا۔ الخلد بچپنے میں ہمیشہ۔ التاج میں ہے الخلد از روح یعنی وہ روحانی ہوں گے ان کا کوئی جسم نہ ہوگا۔ اِذَا رَأَيْتَهُمْ جب تو انہیں دیکھے)۔ یا وہ جس کی شان ہے دیکھنا (یعنی یہ خطاب عام ہے۔ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا تو انہیں سمجھے کہ موتی ہیں۔ اس کی جمع اللآلی ہے تلالا الشئی (لمع المعان اللؤلؤ۔ وہ تنہے موتی کی طرح چمکی مَّنْثُورًا بکھرے ہوئے ان کے حسن اور صاف رنگ اور چہروں کی چمک مجلس خدمت میں گوناگوں خدمات میں مشغولی کے وقت اپنے

اپنے مخادیمن کے ہاں بکھرے ہوئے موتی محسوس ہوں گے اور خدمت میں جلد باز ہوں گے اگر انہیں ایک صف میں کھڑا کر دیا جائے تو پروئے ہوئے موتیوں کا ہار گمان ہوگا اگر وہ متفرق ہو جائیں تو پروئے موتی کے ہار سے زیادہ حسین منظر نظر آئے گا تو ایک دوسرے پر نورانی شعاع پڑنے کی وجہ سے کیونکہ حد درجہ کے سفید اور چمکیلے جسم والے ہیں گویا صف بستگی کی کیفیت سے منتشر ہونے کی کیفیت مختلف ہوں گی اور ان کا یہی منظر خوب ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کے ایک جگہ مقید ہونے کے بجائے منتشر ہونا جنت میں ان کے لئے منثور و موزوں ہے اور حوروں کے لئے "لُؤلُؤ مکنون" کہا گیا یعنی پوشیدہ خزانہ وہ ان کے لئے موزوں ہے کیونکہ وہ بچوں کی طرح منتشر (پھیلی ہوئی) نہیں ہوں گی بلکہ وہ خیموں میں پردہ نشین ہوں گی۔

فائدہ اسمیں اشارہ ہے کہ ولدان کے ظواہر سے نفع اٹھانا ہونا بخلاف سفید رنگ کی حوروں کے وہ تمام رنگوں کا جامع ہے لذۃ طعم کے لئے۔

مسئلہ اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں لواطت نہ ہو گی جس نے ایسا قول کیا وہ باطل مردود ہے جیسا کہ بارہا اس کی تحقیق کی ہے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ ایسے ہوں گے جیسے فرش مصفی پر گوہر آبدار غلطاں ہوں۔

حکایت مامون (رشید خلیفہ عباسی) کا نکاح بوران بنت حسن بن سہل سے ہوا پہلی رات اس کے ہاں بھیجی گئی وہ ایسے فرش پر تھا جو سونے کی تاروں سے بنا ہوا تھا اس پر دارالخلافہ کی عورتوں نے موتی نچھاور کئے ہوئے تھے

مامون نے اس منظر کو دیکھ کر تحسین کی اور کہا کہ کیا خوب کہا ابو نواس نے گویا اس نے یہ منظر دیکھ کہا ہے ؎

کان صغری وکبریٰ من فقاقعها

حصباء د رعلی ارض من الذهب

ترجمہ: اس کے میدان کی چھوٹی بڑی کنکریاں ایسے موتی پڑے نظر آتے ہیں جو گویا سونے کی زمین ہے۔

فائدہ بعض نے کہا ان بکھرے موتی سے تشبیہ دی گئی ہے جو صدف سے تازہ نکلے ہوتے ہوں جن میں ابھی سوراخ نہ کیا گیا ہو یعنی گویا وہ صدف کے تازہ مروارید ہوں گے کہ تا حال انہیں کسی کے ہاتھ نے مس نہیں کیا اور نہ کسی کے ہاں رونق کا سبب بن کر انمیں کمی واقع نہیں ہوئی۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ ولدان مخلدون ای بچے جنہیں اللہ تعالیٰ نے صرف اہل ایمان کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا غلمان کو ولدان اس لئے کہا کہ انہیں ان کی شکل وصورت سے مشابہت کے علاوہ جنت میں انہیں اسی طرح خطاب ہوگا جیسے دنیا میں بڑے بچوں کو بھی پیار سے چھوٹے بچوں کی طرح خطاب کیا جاتا ہے۔

ازالۂ وہم ولدان کے لفظ سے وہم نہ ہو کہ ان کی ولادت بہشت میں ہو گی بلکہ یہ خدام بچے کفار کی چھوٹی اولاد ہو گی، جنہیں اہل جنت کی خدمت کے لئے بہشت میں داخل کیا جائے گا انہیں عرفی پیار سے ولدان (بچے) کہا جائے گا۔

ولدان کی تحقیق مزید اللباب میں ہے کہ ولدان کے متعلق اختلاف ہے بعض نے کہا کہ انہیں بہشت میں بغیر ولادت کے اہل جنّت کے لئے پیدا فرمائے گا کیونکہ بہشت میں سلسلۂ ولادت نہ ہو گا یہی وہ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ان کے آس پاس بچے پھریں گے گویا وہ پوشیدہ موتی ہیں یعنی ایسے چھپے ہوئے جنہیں لوگوں کے ہاتھوں نے نہ چھوا ہو گا

ہزار خدام ایک مخدوم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر ایک بہشتی کے ایک ایک ہزار غلام ہوں گے اس کی خدمت میں ہوں گے جہاں کا مخدوم چاہے گا۔

مخدوم کا حسن و جمال حضرت حسن بصری ارحمہ اللہ تعالیٰ نے جب یہ آیت تلاوت کی تو فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سوال ہوا کہ یہ حسن و جمال تو خدام کا ہے انکے مخدوم کا حسن و جمال کیسے ہو گا آپ نے فرمایا مخدوم خدام میں حسن و جمال و جمال کے لحاظ سے ایسے ہو گا جیسے چودھویں کا چاند ستاروں میں۔

ولدان کہاں سے آئیں گے ① حضرت علی و حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ ولدان ان مسلمانوں کے بچے ہوں گے جو بچپن میں فوت ہوئے جن کے عملنامہ میں نہ نیکیاں ہوں گی نہ برائیاں۔

② حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اطفال المشرکین بہشت میں خدام المسلمین ہوں گے۔

③ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ مسلمانوں کے وہ بچے (خدام) ہوں گے کہ جن کی نہ نیکیاں کہ جن پر انہیں جزا نصیب ہوا اور نہ برائیاں کہ جن پر انہیں سزا ہو اسی لئے وہ یہاں خدمت کے لئے رکھے جائیں گے۔

فائدہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اس پر کہ ان اموات کفار کو جو دنیا میں خدمت کے لائق نہ تھے صغیر (بچپن کی وجہ سے) اب انہیں خدمت کے لائق بنا دے اپنی کمال قدرت و تمام رحمت سے۔

فیصلہ از امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بہتر تحقیق وہ ہے جو محققین نے فرمایا کہ اطفال المشرکین اہل بہشت سے ہوں گے۔

فائدہ شرح المشکوٰۃ میں امام طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسمیں توقف بہتر ہے یہ حکم نہ دیا جائے کہ وہ اہل جنت ہیں جیسے بعض کا مذہب ہے اور نہ یہ کہا جائے کہ وہ اپنے آبا کے ساتھ ہوں گے جیسے بعض کا مذہب ہے۔

اطفال المشرکین کے مذاہب

اس مسئلہ پر تین مذہب ہیں:
① وہ بہشتی ہیں۔
② وہ دوزخی ہیں۔
③ توقف بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولدان سے مراد تجلیات ذاتیہ ہیں مقرط ہوں گے قرطہ اسمائو صفات سے جو ابرار کے آس پاس بھریں گے تو جب اسے دیکھے گا تو سمجھیگا کہ وہ انوارات کے شعاعوں اور انوار صفات و اسما کی چمک سے بکھرے موتی ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا رَاَیْتَ ثَمَّ اور جب ادھر تو نظر اٹھائے) بہشت میں الارشاد میں ہے کہ یہاں مفعول ملفوظ نہیں اور نہ مقدر ہے اور نہ منوی بلکہ اس کا معنیٰ ہے جس کا مقصد یہی ہے بہشت میں جدھر دیکھو گے رَاَیْتَ نَعِیْمًا نعمتیں ہی نعمتیں دیکھو گے بے شمار۔ جن کا شمار نہیں ہو سکتا نعیم جس سے چین و آرام حاصل کیا جائے۔ وَّمُلْكًا كَبِیْرًا اور بڑا ملک۔ وسیع اور خوشگوار

حدیث شریف میں ہے کہ اہل جنت کا ادنیٰ مرتبہ والا وہ ہوگا کہ جب اپنے ملک میں نظر کرے گا تو ہزار برس کی راہ تک ایسے ہی دیکھے گا جیسے اپنے قریب کی جگہ دیکھتا ہو (شوکت و شکوہ یہ ہوگا کہ ملائکہ بے اجازت نہ آئیں گے)۔

فائدہ آیت میں ترقی و تعمیم ہے یعنی وہاں اور امور دیگر اعلیٰ و اعظم ہوں گے قدر مذکور کے علاوہ۔

تفسیر صوفیانہ[۱] فصول میں ہے کہ نعیم راحت اشباح (اجسام وغیرہا) ملک کبیر لذت ارواح اور نعیم ملاحظہ دار اور ملک کبیر مشاہدہ دیدار ہے اور دار دیدار کے بغیر بے کار ہے عربی مقولہ مشہور ہے الجار ثم الدار پہلے ہمسایہ پھر دار۔

فائدہ زاہد فردوس کی تلاش میں اور ہم دیدار کی طلب میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ[۲] تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب تم کو مقام توحید و حال وحدۃ تحقق ہوگا تو پھر تم نعیم شہود و ملک مشہود اور کبیر فی ذاتہ والصفات والاسما والافعال تک پہنچو گے۔ اس معنیٰ پر ملک کبیر سے مراد دنیا میں وہ شہود جو معنوی جنت کو حاصل ہوتا ہے یعنی انبیاء و اولیاء کو اور ملک (بالضم) فارسی میں بمعنی پادشاہ اور معرفت و دیدار سے بڑھ کر اور کوئی بادشاہی نہیں (مُلک (بالضم و بالکسر) میں فرق) بعض تفاسیر میں ہے کہ ملک (بالضم) مامورین میں امر و نہی سے تصرف کرنا اسی سے مُلک ہے اور (بالکسر اعیان المملوکہ اپنی مشیت پر تصرف کرنا اسی سے مالک ہے پہلا دوسرے کو جامع ہے اس لئے ہر مُلک مالک ہے لیکن ہر مالک ملک نہیں۔

تفسیر عالمانہ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ ان کے بدن پر ہیں کریب (باریک ریشم) کے سبز کپڑے، علیہم ظرف خبر مقدم ہے اور ثیاب مبتدأ مؤخر ہے اور جملہ علیہم یطوف علیہم کی ضمیر سے حال ہے یعنی معطوف علیہم کے بدن پر کپڑے ہوں گے الخ عالی بمعنی فوق وظہور یعنی سر اور جسم پر۔

حل لغات سندس باریک ریشم خوش منظر اور سندس کی اضافت ثیاب خاتم فضہ کی اضافت کی طرح ہے یعنی بہشتیوں کا لباس جسمانی باریک ریشم کا ہوگا۔

حل لغات زجاج عالیہم کی نصب علی الظرفیۃ پر راضی نہیں (پسند نہیں کرتا) بمعنی فوقہم اس لئے کہ ظروف میں یہ اسم معروف نہیں خضر اخضر کی جمع ثیاب صفت ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ویلبسون ثیابا خضراء وہ سبز لباس پہنیں گے۔ ضمیر معطوف علیہم کے لئے ہے اس لئے کہ یہ ان کی نعمتوں اور کرامتوں کی تعداد کا مقام ہے اس معنی پر ثیاب ان کی صفت ہو نہ کہ ولدان جو ان کے آس پاس پھریں گے۔

فائدہ امام (رازی) نے فرمایا کہ اس سے ان کے وہ خیمے مراد ہیں جو ان کے اوپر تانے جائیں گے اب معنی یہ ہوگا کہ ان کے آراستہ کمروں کے اوپر ریشم اور باریک کپڑے ہوں گے کیونکہ یہ بادشاہی کی علامات میں سے ہے۔

وَاِسْتَبْرَقٌ اور دبیز (موٹے ریشم کے) مرفوع ثیاب پر اس کا عطف ہے بحذف المضاف یعنی کپڑے استبرق کے۔ استبرق استبرہ کا معرب ہے بمعنی الغلیظ (گاڑھا موٹا) اس کی تشریح سورۃ الرحمٰن میں گذری ہے یہ بفتح الہمزہ ہے اس لئے کہ اس دیباج غلیظ (موٹا ریشم) کا اسم ہے جو چمکدار ہے۔ وَحُلُّوٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اس کا عطف ویطوف علیہم پر ہے یہ لفظاً ماضی اور معنیً مستقبل ہے اساور حلوا کا مفعول ثانی ہے بمعنی یحلون (پہنائے جائیں گے) تحلیۃ بمعنی زیوروں سے آراستہ کرنا۔ اسمیں ان کی تعظیم ہے ورنہ کہا جاتا وتحلوا اساور اسورۃ کی اور سوار کی جمع ہے عورت کا کنگن وہ اس لئے کہ سابق زمانہ میں کنگن پہنتے تھے ویسے جس کی تعظیم و تکریم مطلوب ہوتی اسے کنگن پہناتے۔

سوال کیف وج (سورتوں) میں من اساور من ذھب (سونے کے کنگن) ہے اور یہاں چاندی کے؟

جواب ممکن ہے کہ انہیں ایک ہاتھ میں سونے کا کنگن پہنایا جائے دوسرے میں چاندی کا جیسے بعض عورتیں دنیا میں قسمیں بدل کر زیورات پہنتی ہیں اور بہترین ہاتھ کے زیورات (کنگن وغیرہ) وہی سمجھے جاتے ہیں جو مبنوں کے ہوں بلکہ اس سے زائد بھی ہوں (جیسے غرباء و مساکین عورتوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ دونوں ہاتھوں میں زنگا رنگ چوڑیاں پہنتی ہیں)، ایسے ہی ان بہشتیوں کا حال ہوگا کہ سونے چاندی۔ موتی۔ جواہرات وغیرہ ہاتھوں

میں پہنیں۔

جواب ۲ مختلف اوقات میں تبدیلی کریں کہ کبھی چاندی کے پہنیں تو کبھی سونے کے۔

جواب ۳ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی کنگن میں دونوں جنسوں کی ملاوٹ ہو کیونکہ اہل جنت کے زیورات ان کے اعمال اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوں گے مثلاً مقربین کے سونے کے ابرار کے چاندی کے

جواب ۴ جو جسکی رغبت ہوگی اور طبیعت چاہے گی وہی پہنائے جائیں گے کیونکہ انسان طبائع میں مختلف ہوتے ہیں کوئی سفیدی کو پسند کریں گے تو ان کے کنگن چاندی کے ہوں گے کوئی زرد رنگ پسند کریں گے تو ان کے کنگن سونے کے ہوں گے۔

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا اور انہیں ان کے رب نے ستھری شراب پلائی۔

شراب طہور کی قسمیں مذکور سابقاً دو قسموں کے علاوہ ایک قسم شراب طہور کی اور ہے جیسا کہ ستی کا اسناد رب تعالیٰ کی طرف بتاتا ہے اور اسے طہور اس لئے کہتے ہیں کہ وہ باطن کو پاک کرتا ہے اخلاق ذمیمہ اور اشیائے موذیہ جیسے غل دغش اور حسد وغیرہ اور جو پیٹ میں ناپسندیدہ مکروہ اور اذیت والی ہیں پیٹ سے نکالتا ہے اسی سے حاصل ہوتی ہے وہ صفائی جس سے اس کا باطن نور الٰہی کے انعکاس کے لئے تیار ہو سکے یہ صدیقین کے منازل کی انتہائی منزل ہے اسی لئے اسی پر ثواب ابرار کا اختتام فرمایا۔

حل لغات اس معنیٰ پر طہور بمعنیٰ مطہر بصیغۂ اسم فاعل ہے بعض نے کہا یہ طاہر کا مبالغہ ہے اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ دنیوی شراب کی طرح نجس نہیں۔ اور نہ ہی اسے پلید ہاتھ لگے ہیں اور نہ ہی غلیظ پاؤں پہنچے ہیں اور نہ ہی اس کا مآل نجس ہے بلکہ اس سے جو پسینہ آئے گا تو ان کے جسموں سے مشک سی خوشبو مہکے گی۔

چار نہریں حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حوض کوثر تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخصوص ہے اس کا ذکر خیر سورہ کوثر میں آئے گا (انشاء اللہ) اس کے علاوہ چار نہریں اور ہیں جو متقیوں کے لئے ہیں۔

① پانی
② دودھ
③ شراب (طہور)
④ شہد

تھوڑا سی جھلک اس کی محمد (شریف) میں مرقوم ہے اس سے دو چشمیں خدا تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے ہیں جو دائماً جاری ہیں اس سے دو چشمیں اہل یمین کے ہیں دو چشمیں وہ ہیں جو ہر وقت چھلک رہے ہیں یہ چار

چشمے سورۃ رحمٰن (شریف) میں بیان ہو چکے ہیں۔

فائدہ ایک چشمہ رحیق ہے وہ بھی ابرار کے لئے ہے ایک چشمہ تسنیم ہے وہ مقربین کے لئے ان ہر دونوں کا بیان سورۃ المطففین میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

شان اہلبیت کرام دو چشمے صرف اہلبیت کرام رضی اللہ عنہم کے لئے ہیں وہ ہیں کافور اور زنجبیل ان دونوں کو سلسبیل کہا جاتا ہے شراب طہور بھی انہی سے ہے محققین (صوفیہ کرام) اسے شراب شہود سے تعبیر کرتے ہیں وہ دل کے آئینہ کو انوار قدم کے لمعات سے روشن کر کے اسے نقوش مکوسی ازل و ابد کے لائق بناتا ہے اور اس کے وقت و حال کو ایسے صاف کرتا ہے کہ غیریت کے شوائب وحدت کے شوارع میں نہیں رہتے اور دوئی کا رنگ تبدیل ہو کر شراب کے جام یکرنگ ہو جاتا ہے۔

همہ جامست و نیست گوئی می

یامدامست و نیست گوئی جام

ترجمہ: تمام جام ہے اسے نہ کہہ کہ شراب بھی ہے یا وہ تمام شراب ہے تو پھر اسے جام نہ کہو۔

ملفوظ عارف باللہ ایک عارف باللہ نے فرمایا کہ اگر کل (قیامت) میں دارالبقا کے بزم نشینوں کو شراب طہور پلائیں گے تو آج خمخانۂ افضال کے بادہ خواروں (عرفاء) کو اسی شراب طہور کا کامل حصہ نقد عطا فرمایا گیا ہے۔

از سیقاہم ربہم بین جملہ ابرار مست

در جمال لایزالے ہفت و پنج چار مست

ترجمہ: سقاہم ربہم کو دیکھ کہ تمام ابرار مست ہیں لیکن لم یزل کے جمال سے سارے کے سارے عشاق مست ہیں۔

یعنی اے جوانمرد حقیقی شراب تو وہ ہے جو دست غیب سے دل کے جام میں پہنچے اور عارف باللہ اسے نوش فرماتا ہے لیکن کسی کو شراب مست کرتا ہے کسی کو دیدار۔

واسکر القوم دور کاس

وکان سکری من المدیر

ترجمہ: لوگوں کو تو مَی کا دور بے ہوش کر رہا تھا لیکن میں ساقی کے دیدار سے سرمست تھا۔

حکایت کسی بزرگ نے خواب میں سیدنا معروف کرخی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ عرش معلیٰ کے طواف میں مست ہیں اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے پوچھا یہ کون ہے عرض کی معلوم نہیں فرمایا یہ معروف کرخی ہے (رضی اللہ عنہ) کہ

ہمارے عشق (محبت) میں مست ہے جب تک میرے دیدار سے سرشار نہ ہوگا ہوش میں نہیں آئے گا۔

قاعدہ صوفیانہ جو اس دنیا میں شراب طہور سے محروم ہے وہ آخرت میں بھی محروم رہے گا۔

حکایت کسی نے حضرت سہل تستری (رضی اللہ عنہ) کے اقتدا میں نماز پڑھی جب آپ نے وسقاھم ربھم شرابًا طھورًا تلاوت فرمائی تو آپ کے ہونٹ متحرک نظر آئے گویا آپ کسی چیز کو چوس رہے رہے ہیں جب آپ نے نماز سے فراغت پائی تو آپ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ قرآن پڑھ رہے تھے یا کچھ پی رہے تھے فرمایا بخدا جب تک میں نے شراب طہور کی لذت محسوس نہیں کی میں نے گویا تلاوت کی ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ عالیہم میں اشارہ ہے کہ اہل جنت وہ جو ملابس صفات الٰہیہ و اخلاق ربانیہ سے ملبوس ہیں وہ سبز رنگ کے ہیں یعنی صفات ذاتیہ اور استبرق یعنی صفات اسمائیہ اور ان کے اساور (کنگن) میں اشارہ ہے ان کے اسمائے ذاتیہ و صفاتیہ کے کنگن جو بارونق اور چمکدار ہیں اور وسقٰھم ربھم الخ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں شراب طہور پلاتا کا سۂ ربوبیت سے اور ان کی تربیت کرتا ہے شراب محبت ذاتیہ سے جو وہ رقبۂ اغیار کی کدورت (میل کچیل) سے پاک ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ ھٰذَا (بے شک یہ)۔ یہاں قول مضمر ہے یعنی انہیں کہا جائے گا بے شک وہ جو تم گونا گوں کرامات و انعامات دیکھ رہے ہو۔

فائدہ ممکن ہے یہ خطاب منجانب اللہ ابرار کو دنیا میں ہو کہ وہ جو انواع عطایا سے مذکور ہوا ہے۔ کَانَ لَکُمْ جَزَآءً تمہارا صلہ ہے بدلہ ہے تمہارے اعمال حسنہ کا۔

سوال اعمال حسنہ کا صلہ کیسے حالانکہ اہلسنت کا مذہب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ ہیں (جب بندوں کا اس میں دخل ہی نہیں تو صلہ و بدلہ کیا؟)۔

جواب بندوں کو کسب کا اختیار تھا اور اللہ تعالیٰ کی تخلیق (اسی کسب کی وجہ سے یہ صلہ و بدلہ نصیب ہوگا) وَکَانَ سَعْیُکُمْ (اور تمہاری محنت) تمہاری دوڑ دھوپ دنیا میں کار خیر میں۔ مَشْکُوْرًا (ٹھکانے لگی) اللہ تعالیٰ کو پسند آئی اور مقبول ہوئی۔ ثواب کے لائق ہوئی تمہارے خلوص نیت کی وجہ سے اس سے ان کے سرور و فرحت میں اضافہ ہو گا جیسے سزا یافتہ لوگوں کو غم و حزن میں اضافہ ہوگا جب انہیں کہا جائے گا یہ بدلہ ہے تمہارے ردی اعمال اور برے کردار کا اور شکر یہاں مجازًا اس معنیٰ میں مستعمل ہے اور اس شکر سے تشبیہ دے کر کہ وہ ایک عمل کے بدلہ میں

نکتہ بعض نے کہا کہ قیامت میں بندے کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس سے وہ اپنے رب سے راضی ہو اسی میں اشارہ ہے کَانَ لَکُمْ جَزَآءً کا۔ اور اعلیٰ درجہ ہے کہ اللہ بندے سے راضی ہو اسی طرف اشارہ ہے وَکَانَ سَعْیُکُمْ مَّشْکُوْرًا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ تمہاری جزاء ہے بوجہ تمہاری استعدادات فطریہ کے وَكَانَ سَعْيُكُم مَّشْكُورًا یعنی تمہاری جزا ضائع نہیں ہوئی بسبب ریا سمعہ کے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا۔ بے شک ہم نے تم پر قرآن تبدریج اتارا۔ جدا جدا قسطوار اتارا حکم بالغہ سے جیسا اس کا تقاضہ تھا نہ اس کے سوا اور کوئی وجہ جیسا کہ ضمیر کا تکرار مع اِنَّ سے ثابت ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ میرا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لایا ہوا قرآن کہانت اور جادو ہے جھوٹ بولتے ہیں کیونکہ میں ملک حق ہو کر نہایت تاکید فرماتا وہ وحی حق اور تنزیل صدق ہے میری طرف سے ہے فلہذا اے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے طعن سے ملال نہ کیجئے اس لئے کہ آپ بر نبی صادق برحق ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ اپنے پروردگار کے حکم پر صبر رو۔ کافرین پر مدد کی تاخیر سے اس لئے کہ اس کا انجام محمود ہے مقابلہ وانتقام کے متعلق عجلت نہ کیجئے کیونکہ جملہ امور اپنے اوقات سے مرہون ہیں اور ہر آنے والا آئے گا۔ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اور ان میں سے نہ سنو۔ کافروں میں سے۔ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا کسی گنہگار اور ناشکرے کی کوئی بات یا دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات ان کو برابر رہنے دو۔

سوال لفظ اَوْ تخییر کے لئے ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے جالس الحسن او ابن سیرین حضرت حسن بصری کے پاس بیٹھو یا ابن سیرین کے پاس رحمہما اللہ، یا انمیں سے کسی ایک ساتھ تو یہاں بھی اَوْ ہے (تو اس کا معنیٰ یہ ہو کہ آثم کی بات سنو یا کفور کی)۔

جواب وہ قاعدہ امر کا ہے یہاں نہی ہے اور نہی میں اختیار نہیں ہوتا مثلاً لا تکلم زیدا او عمرا (زید یا عمرو سے نہ بول) تو اس کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ کسی سے نہ بول اسی قاعدہ پر آیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ تم کسی گناہ کے مرتکب اور کسی کفر کے غالی کی بات نہ سنو اس لئے کہ مجموعی طور اس کا معنیٰ کل واحدہ منہا ہو جاتا ہے کیونکہ اَوْ سے انقسام (تقسیم ہونا) کفر کی دعوت کا ہے نہ ان کی ذات کا اور کفر کی دعوت دونوں ایک کی ہے۔ اثم بھی کفر کی ایک نوع ہے علیحدہ بات ہے کہ کفر اخبث الانواع ہے اور کفر قابل تقسیم نہیں فلہذا وہی مطلب ہوا کہ کسی کی ایک بات نہ سنو۔

امر و نہی کے رو کا فرق در اصل نہی علی الوصفین اس کی علیت کی آگاہی کرتی ہے تو مطلب یہ ہے کہ یہاں اٰثم و کفر میں اطاعت کی نہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب اس آیت میں کفر میں اطاعت کی نہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب اس آیت میں کفر میں اطاعت کی نہی مراد ہے تو اس سے وہ مفہوم نہ ہوگا کہ اثم و کفر کی بات نہ سنو اور ان کی وہ سنو جو نہ اثم ہے نہ کفر۔ بلکہ ان کی کسی بات میں اطاعت سے (مطلق) نہی ہے۔

فائدہ اثم سے بھی کفر کی بات مراد ہے اس لئے کہ اصول کا قاعدہ ہے کہ جب عام خاص کے بالمقابل ہو تو وہ عام خاص کے سوا تمام اقسام مراد ہوتے ہیں پھر کفر کا علیحدہ ذکر کرنا محض اس اخبث الانواع کی وجہ سے

تاکہ تنبیہ ہو کہ کفر انتہائی خبیث گناہ ہے اسی معنیٰ پر ہر کفور آثم ہے لیکن ہر آثم کفور نہیں اس تقریر سے ثابت ہوا کہ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ آثم تابع ہے اور کفور متبوع۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آثم وہ ہے جو اثم کی دعوت دے جیسے عتبہ بن ربیعہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی کہ آپ اپنی دعوت اسلام ترک کر دیں تو میں آپ سے اپنی لڑکی بیاہ دوں گا ایسے ہی کفور وہ ناشکرا جو کفر کی دعوت دے جیسے ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی آپ دعوت اسلام چھوڑ دیں میں آپ کو دولتمند بنا دوں گا۔

سوال حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کفار و آثمین کی دعوت سے نہی کا کیا معنیٰ جبکہ آپ تو معصوم محض (خالص) ہیں آپ سے ان کی قبولیت دعوت کا تصور نہیں ہو سکتا۔

جواب تاکہ تنبیہ و اشارہ ہے کہ انسان من حیث الانسان شہوات سے مرکب ہے وہ اس کے غلبہ سے سہو و غفلت کا شکار ہو سکتا ہے اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و امداد سے مستغنی ہو اس میں سب سے بڑھ کر رسول معصوم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کو بھی تنبیہ کی گئی۔

سبق ہر مسلم پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور تضرع و زاری کرے تاکہ جمیع امور میں فتنوں اور آفتوں سے وہ اس کی حفاظت فرمائے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی بات نہ سنو جو صفات و احوال سے یا اپنی ذات حق سے یا اپنی صفات نفس اور اس کی ہیآت سے محجوب ہے یا افعال و آثار تک ٹھہرا ہوا ہے یا اپنے افعال اور کرتوتوں افعال الٰہی سے محجوب ہے تو تم بھی ان کی موافقت میں محجوب ہو جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا اور صبح و شام اللہ تعالیٰ کے نام کو یاد کرو، بکرۃ اول النہار اصیلاً آخر النہار۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مداومت مراد ہے جمیع اوقات میں کیونکہ بکرۃ و اصیل سے دوام مراد ہوتا ہے۔

پاس انفاس کا ثبوت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ذکر مامور بہ کو ہر سانس آتے جاتے وقت ادا فرماتے تھے پاس انفاس جو صوفیہ کرام میں مشہور ہے اس کی دلیل حدیث شریف یہی ہے۔

فائدہ اس کا منصوب ہونا علی الظرفیۃ ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ نماز صبح و ظہر و عصر پر مداومت کرو اس لئے کہ اصیل کا اطلاق مابعد عصر تا مغرب پر ہوتا ہے ایسے ہی مابعد زوال پر بھی اس معنیٰ پر یہ ظہر و عصر کو شامل ہے۔

سوال تم نے تہجد کا معنیٰ کہاں سے سمجھا؟
جواب تسبیح کے لفظ اور اس کی ظرف کی تاخیر سے یہ دونوں دلالت کرتی ہیں کہ یہ حکم ماقبل سے دوسرا ہے اور وہ تہجد ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ بے شک یہ کفار مکہ۔

ربط احوال کفار کی طرف عود فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرح صدر مبارک کے بعد کہ اِنَّا نَحْنُ نزلنا الذکر الخ میں ہے۔

يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ جلدی والی کو دوست رکھتے ہیں۔ جلدی والی سرائے کو یعنی دنیا کو اسی لئے اس کی فانی لذات میں منہمک رہتے ہیں اسمیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اشارہ ہے کہ وہ کفر پہ لوٹتے پڑے ہیں اسی لئے وہ کسی حیثیت سے بھی اتباع کے لائق نہیں کیونکہ ان سے حق کا معمولی شائبہ بھی نہیں وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ اور چھوڑتے ہیں اسے جو ان کے آگے ان کے لئے تیار رہیں ہی نہیں۔ یہ یوماً حال ہے یا اپنے پیچھے چھوڑتے ہیں اس معنیٰ پر یذرون کی ظرف ہے۔

حل لغات وراء آگے پیچھے ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے ظاہر یہ ہے کہ دونوں استعمالوں میں یہ جہۃ متواری کا اسم ہے یعنی وہ جہت جو چھپی ہوئی اور تجھ سے پوشیدہ ہے اور جو شے پیٹھ کے پیچھے ہو اس کا چھپا ہونا تو ظاہر ہے لیکن کبھی منہ سامنے والے شے بھی چھپی ہوتی ہے وہ مشاہدہ و معائنہ میں نہیں آسکتی اسی معنی پر وہ پیچھے والی جہت کے مشابہ ہوگی اسی لئے اس کے لئے آگے والی جہت کے لئے اسے استعارۃً بولتے ہیں۔
يَوْمًا ثَقِيْلًا بھاری دن کو۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتے۔ یوماً یذرون کا مفعول ہے ثقیلاً یوم کی صفت ہے۔
سوال ثقیل تو اعیان جسمیہ کی صفت ہوتی ہے امتدادت وہمیہ کی صفت نہیں ہوتی امتدادات سے ہے تو پھر ثقیلاً اس کی صفت کیسی۔
جواب اس کی شدت سے تشبیہ دے کر کہ گویا وہ بھی ایک بوجھل شے ہے اس معنیٰ پر یہ استعارہ تخییلیہ ہوگا۔
سبق آیت میں دنیا داروں نعمت کے پالوں کو وعید ہے جو دنیا و دولت کے نشہ میں ظلم و رشوت کا بازار گرم رکھتے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ صرف ہم نے ہی انہیں نطفہ سے پیدا کیا۔ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ اور ہم نے ان کے جوڑ بند مضبوط کئے اعصاب سے تاکہ وہ ان سے اٹھ بیٹھ۔ پکڑ۔ دفع۔ حرکۃ کر سکیں۔ پھر خالق منعم کا حق یہ ہے کہ اس کا شکر کیا جائے نہ کہ اس سے کفر کیا جائے۔

سبق اسمیں ترغیب ہے کہ بندہ اپنے مالک کے آگے سر جھکائے۔

حل لغات الاسر یعنی مضبوط کرنا اسی سے ہے۔ "اسر الرجل ای رونق بالقد" (اس نے رسی سے مضبوط کیا) یہاں مضاف مقدر ہے یعنی المفاصل (جوڑ)

فائدہ کشف الاسرار میں معنیٰ لکھا کہ ہم نے انسان کی تخلیق مضبوط کی کہ وہ اپنی خلقت اور اعضا میں محکم رہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے اسے مضبوط پیدا فرمایا۔

فائدہ حضرت امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسمیں ترکیب انسانی کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا کہ جس کے تامل میں ہم مامور ہیں چنانچہ فرمایا وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اور کیا اپنے نفسوں میں نہیں دیکھتے ہو۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے اس کے مخرج بول و غائط کو مضبوط بنایا کہ جب بول و غائط خارج ہو جاتے ہیں تو وہ مخرج بول و غائط پہلے کی طرح منقبض ہو جاتے ہیں۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مخارج ارادہ سے پہلے ڈھیلے نہیں ہوتے وَاِذَا شِئْنَا اور جب ہم چاہیں ان کی تبدیلی۔ بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ ان جیسے اور بدل دیں۔ یعنی ان کے مرنے کے بعد ان جیسے اور بدل دیں تبدیل اکثر دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یبدل اللہ سیاٰتهم حسنات ان کی برائیوں کو نیکیوں سے اللہ تعالیٰ تبدیل کرے گا یعنی برائیاں مٹا کر ان کے بدلے نیکیاں لائے۔ تَبْدِیْلًا عجیب تبدیلی جس میں کوئی شک نہیں یعنی مرنے کے بعد اٹھنا۔ جیسا کہ لفظ اذا اسی کی خبر دیتا ہے۔ اس معنیٰ پر نشاۃ آخری میں مثلیت ہے یعنی شدید مضبوطی میں اور باعتبار اجزاء اصلیہ کے۔

سوال اس تقریر پر امثالهم کا مطلب صحیح نہیں رہتا کہ اس میں غیریت ضروری ہے اور بعث میں انسان کے اجزاء اصلیہ میں غیریت کیسی؟

جواب یہاں غیریت کثافت و لطافت کے اعتبار سے ہے یعنی دنیا میں کثیف تھے تو بعث پر اجزاء لطیف ہونگے تو غیریت بحیثیت عوارض کے ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب ہم چاہیں تو ہم امثال سے انہیں تبدیل کریں خلقت میں یعنی انہیں موت دے کر دوسری نشاۃ میں اسی طرح کی صورت و ہیئت میں زندہ کریں پہلی تقریر پر معنیٰ ہو کہ جب ہم چاہیں تو ان کے غیر پیدا کریں جو کہ وہ ہماری اطاعت کریں جیسا کہ دوسرے مقام پہ فرمایا یستبدل قوما غیرکم تبدیل کرے دوسری قوم جو تمہاری غیر ہو۔

فائدہ اس میں ترہیب ہے اس معنیٰ پر مثلیت با عتبار صورت کے ہے لیکن ان کے اعمال و طاعت کی غیریت اس کے منافی نہیں اور لفظ اذا تحقق قدرت و قوت داعیہ کی دلالت کے لئے ہے ورنہ لفظ ان مناسب تھا کیونکہ اسمیں تبدیل کے لئے تحقق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انکی تعیین استعدادات کے ساتھ پیدا فرمایا اور میثاق ازلی و اتصال حقیقی سے قوت بخشی۔ ہم چاہیں ان جیسے اور بدلیں کہ ان سے اپنے افعال

سے ان کے افعال سلب کرلیں اور اپنی صفات سے ان کی صفات محو کردیں اور ان کی ذوات اپنی ذات میں فانی کردیں تو وہ ابدال بن جائیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ (بے شک یہ نصیحت ہے) یہ اشارہ سورۃ یا آیات قریبہ کی طرف ہے یعنی نصیحت ہے یاد دلانے والی جو ضروری ہے تحصیل سعادۃ ابدیہ میں اسے نصیحت کا عین بنانے میں مبالغہ ہے۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ یہ نصیحتیں ہیں جن سے عقول غافل ہیں۔

شان اہلبیت رضی اللہ عنہم حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا معاملہ ایثار اہل ایمان کو نصیحت ہے تاکہ ان جیسا عمل کرکے ان جیسی جزا پائیں۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا۔ تو جاہے اپنے رب (تعالیٰ) کی طرف راہ لے) وہ وسیلہ بنائے جو اس کے ثواب تک اسے پہنچاوے یعنی عمل صالح کے ساتھ اس کا قرب پائے دوگنے اجر و ثواب پاکر۔

فائدہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ جو اس دن کے بھار اور شدت سے نجات چاہے تو وہ راستہ اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے قریب کرنے والا ہو یعنی طاعت (اختیار کرے)۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے) یہ تحقیق حق اور بیان ہے کہ بندوں کو اپنی مشیت غیر کافی ہے اس کی طرف راہ اختیار کرنے میں جیسا کہ حرف شرط کے ظاہر سے مفہوم ہوتا ہے کیونکہ اپنے فعل مدخول کو مصدر صریح کے معنیٰ میں لاکر ظرف کے قائمقام ہوتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارا اپنا راستہ اختیار کرنا کچھ نہیں اور نہ ہی تم کسی وقت اس کی تحصیل میں قدرت پا سکتے ہو جب تک تمہارے لئے اللہ کی مشیت نہ ہو کیونکہ بندے کی مشیت صرف کسب تک محدود ہے ورنہ تاثیر و تخلیق مشیت الٰہی پر موقوف ہے کیونکہ علم کلام کا قانون ہے کہ مشیت بندے کے لئے افعال اختیاریہ سے نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے اور یہ اس کے منافی نہیں کہ بندے کے فعل کا اس سے تعلق ہو وہ مشیت بندے کے اختیاری ہے اور فعل اس کی اس مشیت اختیاری سے واقع ہو اگرچہ مشیت مستقلہ اسمیں نہیں ایسے جبر متوسط کہا جاتا ہے۔ یہ جبر متوسط اہلسنت کے نزدیک صحیح ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اہلسنت کا امر قدر و جبر کے مابین ہے۔

فائدہ عین المعانی میں ہے کہ فَمَنْ شَآءَ الخ تکلیف العبودیت کی حجت ہے اور وما تشاؤن الخ قہر الوہیۃ کا اظہار ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (بے شک اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے)۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا بیان ہے جو اساس علم و حکمت پر مبنی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ علم و حکمت میں بڑا ہے ہر ایک کے

ساتھ اس کی اہلیت کے مطابق کرتا ہے ان کے لئے وہی چاہتا ہے جو اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم وہی چاہتے ہو جو میں چاہتا ہوں کہ میرے ارادہ پر تمہارا ارادہ ہوتا ہے اس لئے کہ تمہارے ارادہ سے میرا ارادہ فائق ہے بلکہ میرے ارادے کا عین ہے کیونکہ میرے ارادے کے تمہارے ارادے مظاہر ہیں بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے ساتھ اس کے جو انہیں علوم ودیعت فرمائے اور حکیم ہے ان کی ابداع کی کیفیت کا اور ان کا انہیں ظاہر کرنے کا ساتھ انکے کمال کے اظہار کے۔

تفسیر عالمانہ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ اپنی رحمت میں لیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اپنی اس کی اس مشیت کے احکام کا بیان ہے جو اس کے علم و حکمت پر مرتب ہے یعنی اپنی رحمت میں اسے داخل کرتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے کہ وہ اسمیں داخل ہو اس سے وہ مراد ہے جو اپنی مشیت کو اللہ تعالیٰ کے راستہ اختیار کرنے میں صرف کرتا ہے یعنی اسے ان اعمال کی توفیق دیتا ہے جو دخول جنت کا موجب ہیں یعنی ایمان و طاعت وَالظّٰلِمِيْنَ اور ظالمین کے لئے یعنی ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنی مشیت کو مذکورہ مشیت کے خلاف پھیرا۔ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے الم درد پہنچانے میں اور انتہائی دردناک ہے۔

فائدہ زجاج نے کہا ظالمین منصوب ہے ماقبل کی وجہ سے اصل میں یوں ہے يدخل من يشاء في رحمته ويعذب الظّٰلمين اس معنیٰ پر اَعَدَّ لَهُمْ اس مضمیر فعل کی تفسیر ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو اپنی رحمت معرفت میں داخل کرتا ہے لیکن اس کے بعض بندے ظالم ہیں کہ ہدایت کی جگہ ضلالت اور مغفرت کی جگہ پر جہالت رکھ دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے حجاب کا عذاب تیار کر رکھا ہے جو کہ وہ روح و جسم دونوں کو درد پہنچائیگا نیز انہیں یہ عذاب بھی ہوگا کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے سامنے غیر کے ساتھ کھڑے کئے جائیں گے اپنے آثار کے ساتھ۔

فائدہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ کو اس عذاب پر ختم کیا جو یوم البعث والحشر میں تیار کر رکھا ہے سورۃ کا حسن الفاتحہ (آغاز) کی طرح حسن الخاتمہ (اختتام) ہے جیسا کہ اہل نظر و اہل فہم سے مخفی نہیں۔

اختتام از صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ اس سورۃ الانسان کی تفسیر ذوالاحسان کی مدد سے منگل کے دن ۴ محرم ۱۱۱۷ھ کو ختم ہوئی۔

فقیر اُویسی غفرلہٗ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہربانی سے تفسیر انسان (دہر) کے ترجمہ سے ۱۱ ج ۲ ۱۴۰۹ھ ، ۲۰ جنوری ۱۹۸۹ء بروز اتوار قبل صلوٰۃ العصر فارغ ہوا۔

محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ
بہاول پور۔ پاکستان

سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ   بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝   (اٰيَاتُهَا ٥٠) (رُكُوْعَاتُهَا ٢)

سورۂ مرسلات مکیہ ہے اس میں   اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا   پچاس آیتیں اور دو رکوع ہیں

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝١ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝٢ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝٣ فَالْفٰرِقٰتِ
قسم ان کی جو بھیجی جاتی ہیں لگاتار پھر زور سے جھونکا دینے والیاں پھر ابھار کر اٹھانے والیاں پھر حق ناحق کو خوب جدا
فَرْقًا ۝٤ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝٥ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝٦ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝٧ فَاِذَا
کرنے والیاں پھر ان کی قسم جو ذکر کا القا کرتی ہیں حجت تمام کرنے یا ڈرانے کو بیشک جس بات کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو ضرور
النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝٨ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝٩ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝١٠ وَاِذَا
ہونی ہے پھر جب تارے محو کر دیئے جائیں اور جب آسمان میں رخنے پڑیں اور جب پہاڑ غبار کر کے اڑا دیئے جائیں اور
الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝١١ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝١٢ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝١٣ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا
جب رسولوں کا وقت آئے کس دن کے لیے ٹھہرائے گئے تھے روز فیصلہ کے لیے اور تو کیا جانے وہ روز
يَوْمُ الْفَصْلِ ۝١٤ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٥ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٦ ثُمَّ
فیصلہ کیا ہے جھٹلانے والوں کی اس دن خرابی کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہ فرمایا پھر
نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝١٧ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝١٨ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٩
پچھلوں کو ان کے پیچھے پہنچائیں گے مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی کرتے ہیں اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی
اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝٢٠ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝٢١ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝٢٢
کیا ہم نے تمہیں ایک بے قدر پانی سے پیدا نہ فرمایا پھر اسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا ایک معلوم اندازہ تک
فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝٢٣ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝٢٤ اَلَمْ نَجْعَلِ
پھر ہم نے اندازہ فرمایا تو ہم کیا ہی اچھے قادر اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی کیا ہم نے زمین کو
الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝٢٥ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۝٢٦ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ
جمع کرنے والی نہ کیا تمہارے زندوں اور مردوں کی اور ہم نے اس میں اونچے اونچے لنگر ڈالے اور ہم نے تمہیں خوب
مَّآءً فُرَاتًا ۝٢٧ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝٢٨ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝٢٩
میٹھا پانی پلایا اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی چلو اس کی طرف جسے جھٹلاتے تھے

انطلقوا الى ظل ذي ثلث شعب ﴿۳۰﴾ لا ظليل ولا يغني من اللهب ﴿۳۱﴾
چلو اس دھوئیں کے سائے کی طرف جس کی تین شاخیں نہ سایہ دے نہ لپٹ سے بچائے

انها ترمي بشرر كالقصر ﴿۳۲﴾ كانه جملت صفر ﴿۳۳﴾ ويل يومئذ للمكذبين ﴿۳۴﴾
بے شک دوزخ چنگاریاں اڑاتی ہے جیسے اونچے محل گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی

هذا يوم لا ينطقون ﴿۳۵﴾ ولا يؤذن لهم فيعتذرون ﴿۳۶﴾ ويل يومئذ
یہ دن ہے کہ وہ نہ بول سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے کہ عذر کریں اس دن جھٹلانے والوں

للمكذبين ﴿۳۷﴾ هذا يوم الفصل جمعنكم والاولين ﴿۳۸﴾ فان كان لكم كيد
کی خرابی یہ ہے فیصلہ کا دن ہم نے تمہیں جمع کیا اور سب اگلوں کو اب اگر تمہارا کوئی داؤں ہو تو

فكيدون ﴿۳۹﴾ ويل يومئذ للمكذبين ﴿۴۰﴾ ان المتقين في ظلل وعيون ﴿۴۱﴾
مجھ پر چل لو اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی بے شک ڈر والے سایوں اور چشموں میں ہیں

وفواكه مما يشتهون ﴿۴۲﴾ كلوا واشربوا هنيئا بما كنتم تعملون ﴿۴۳﴾ انا
اور میووں میں جو ان کا جی چاہے کھاؤ اور پیو رچتا ہوا اپنے اعمال کا صلہ بیشک

كذلك نجزي المحسنين ﴿۴۴﴾ ويل يومئذ للمكذبين ﴿۴۵﴾ كلوا وتمتعوا قليلا
نیکوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی کچھ دن کھالو اور برت لو

انكم مجرمون ﴿۴۶﴾ ويل يومئذ للمكذبين ﴿۴۷﴾ واذا قيل لهم اركعوا لا
ضرور تم مجرم ہو اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی اور جب ان سے کہا جائے کہ نماز پڑھو تو

يركعون ﴿۴۸﴾ ويل يومئذ للمكذبين ﴿۴۹﴾ فباي حديث بعده يؤمنون ﴿۵۰﴾
نہیں پڑھتے اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی پھر اس کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے

تفسیر عالمانہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

والمرسلت عرفا ﴿۱﴾ فالعصفت عصفا ﴿۲﴾ والنشرت نشرا ﴿۳﴾ فالفرقت فرقا ﴿۴﴾

فالملقيت ذكرا ﴿۵﴾ قسم ان کی جو بھیجی جاتی ہیں لگاتار پھر زور سے جھونکا دینے والیاں پھر ابھار کر اٹھانے والیاں پھر حق ناحق کو خوب جدا کرنے والیاں پھر ان کی قسم جو ذکر کا القا کرتی ہیں) واؤ قسمیہ ہے المرسلات بمعنی الطوائف المرسلہ کی جمع ہے بمعنی ایک گروہ بھیجا ہوا اس لئے کہ ملائکہ کرام ہر دن یا ہر سال یا ہر حادثہ میں ایک گروہ کی صورت

میں بھیجے جاتے ہیں عرفاً بمعنی متابعۃ از عرف الفرس گھوڑے کے وہ بال جو گردن کے اوپر متابع ہوتے ہیں یہ تشبیہ بلیغ ہے کہ ملائکہ مرسلہ کو ان کے تتابع میں گھوڑے کے بالوں سے تشبیہ دی گئی ہے عرفاً منصوب علی الحالیۃ ہے یعنی وہ ملائکہ ایک دوسرے کے پیچھے گھوڑے کے بالوں کی طرح آتے ہیں یا عرف بمعنی معروف نکرہ یعنی (خیر) معروف بمعنی المنکر یعنی الشیٔ القبیح) کی نقیض وہ اس لئے کہ ملائکہ کرام اگر رحمت کے بھیجے جاتے ہیں تو ظاہر ہے اگر عذاب لے کر آتے ہیں تب بھی انبیاء علیہم السلام اور مومنین کے نزدیک معروف ہوتے ہیں اور وہ اس لئے کہ اعداء پر عذاب اہل ایمان ملا دینا پر احسان ہے اس لمعنی پر اس کی نصب علی العلیۃ (مفعول لہٗ) ہے۔

حل لغات عصفت الریح سے ہے بمعنی ہوا سخت ہوئی عصفاً مصدر مؤکد (مفعول مطلق ہے ایسے ہی نشراً و فرقاً اور فاً دلالت کرتی ہے کہ وہ نزول کے وقت بڑی تیزی سے آتے ہیں کہ حکم ہوتے ہی بلا تاخیر زمین پر پہنچ جاتے ہیں یہ عطف الصفۃ علی الصفۃ کے قبیل سے ہے کیونکہ سب کا موصوف ایک ہے النشر بمعنی البسط الفائ میں واؤ کی طرف عدول اس لئے ہے کہ وہ مرسلات نہیں قسم اول کو اللہ تعالیٰ نے انہیں دو صفتوں سے موصوف فرمایا ایک دوسری کے آگے پیچھے وارد ہوتی ہیں۔ قسم ثانی کو تین اوصاف سے موصوف فرمایا الفرق بمعنی الفصل الالقاء بمعنی الایصال والانزال نہ کہ بمعنی الطرح (پھینکنا) ذکراً بمعنی الوحی الملقیات کا مفعول ہے القاء کو ماقبل سے فاً کے ساتھ مرتب کرنے میں لائق ہے اسکی بارادۂ نشر و فرق تاویل کی جائے اس کی مکمل بحث آئے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

دنیوی امور پر مامور ملائکہ کرام یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان ملائکہ کرام کی قسم یاد فرمائی جو اس کے اوامر کی تعمیل کے لئے بھیجے جاتے ہیں مثلاً تدبیر اور ایصال ارزاق ہوا ؤں اور بارشوں میں تصرف کرکے اور بندوں کے دن رات کے اعمال کی کتابت وقبض الارواح انکی صفت عصف ان کی تیز رفتاری کی وجہ سے ہے عصف الریاح کی طرح کہ تعمیل حکم میں اور دوسرے گروہوں کے پہنچنے سے بہت تیز ہیں وحی لے کر نیچے آتے ہوئے اپنے پر پھیلاتے ہیں یا زمین کے کونے کونے میں شرائع پھیلاتے ہیں یا مردے نفوس کے کفر و جہل کو مٹاتے ہیں یعنی وحی لاکر انہیں زندہ کرتے ہیں کہ حق و باطل کا فرق کرتے ہیں کہ ذکر و حی الٰہی انبیاء علیہم السلام کی طرف لاتے ہیں۔

عُذْرًا حجت تمام کرنے کو اہل حق کے لئے دنیا و آخرت میں ان سے معذرت کرتے ہوئے ان کی اتباع حق کی وجہ سے۔ اَوْ نُذْرًا یا ڈرانے کو اہل باطل کے لئے۔

حل لغات عذر مصدر ہے از عذر بمعنی محا الاساءۃ، برائی مٹائی۔ نذر اسم مصدر ہے اور انذر بمعنی خوف نذرا یہ مصدر ہے کیونکہ کوئی ایسا مصدر مجرد مسموع نہیں جس کا وزن فعل ہو اور اس کی ماضی افعل مزید ہو

اس کی نصب علی سبیل البدلیتہ از ذکرًا ہے۔

فائدہ ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر مبدل منہ بمعنی جمیع الوحی ہو تو عذرًا او نذرًا بدل البعض من الکل ہو گئے اس لئے کہ مطیعین کی مغفرت اور معاندین کی تخویف کے متعلق جملہ الوحی کا بعض ہے اگر ذکر مبدل منہ سے صرف وہ مراد ہو جو مؤمن کی سعادۃ و کافر کی شقاوۃ سے خاص ہے تو پھر بدل الکل من الکل ہو گا اس لئے کہ القاً سعادۃ المؤمن کے متعلق مع القاً الـ ... رو محوا الاسأۃ کا متعلق متحد بالذات ہیں ایسے القاً شقاوۃ الکافر کا متعلق مع القاً انذار الکافر متحد بالذات ہیں یا انکی نصب صفات مذکورہ کی علیتہ (مفعول) کی وجہ سے ہے یہ صرف صفت اخیرہ کی علیتہ کی وجہ سے ہے یہی اولیٰ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ملائکہ کرام وحی القاً کرتے ہیں تاکہ معتذرین الی اللہ بالتوبہ والاستغفار کے گناہ مٹ جائیں تاکہ باطل والوں اور گناہ پر اصرار کرنے والوں کو ڈرائیں۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے تاکہ اعذار من جانب اللہ کے لئے مخلوق کی طرف سے کسی کو حجت بازی کا موقعہ نہ ہو مثلاً کہے کہ میرے پاس تو کوئی رسول نہیں آیا تھا اور کافروں کو عذاب الٰہی کے ڈرانے کے لئے۔

فائدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عذرًا او نذرًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو میں تمہیں بیدار کرتا ہوں تاکہ میں تمہیں یاد کروں اور تمہارے گناہ معاف کروں اور تمہاری خطائیں مٹاؤں۔

فائدہ بعض نے کہا کہ یہاں مضاف محذوف ہے کہ دراصل ورب المرسلات الخ المرسلات کے رب کی قسم۔

سوال الارشاد میں ہے کہ نشر الشرائع و نشر النفوس والعزق کو القاً کی تقدیم کیوں حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ فرق بین الحق والباطل نشر کے ساتھ ہو نہ کہ بعد کو علاوہ ازیں القاً الذکر (وحی وغیرہ) علی الانبیاً نشر الشرائع فی الارض واحیاً النفوس الموتی اور فرق بین الحق والباطل مقدم ہوتا ہے پھر بھی تقدیم۔

جواب تاکہ معلوم ہو کہ القاً کی اصلی غایتہ یہی ہے اور اسی کی سب سے زیادہ اہمیت ہے یا اس لئے تاکہ معلوم ہو کہ ہر اوصاف مذکورہ مستقبل بالدلالۃ ہیں اس پر کہ ملائکہ کا ہر گروہ اپنی اسی صفت کا تعظیم کا استحقاق رکھتا ہے اور اس لائق ہے کہ اس کی قسم یاد کی جائے اگر انہیں ان کے وقوع پر ترتیب وار ذکر کیا جاتا تو یہ سمجھا جاتا کہ یہ سب مل کر ہی تعظیم اور قسم کے لائق ہیں۔

فائدہ ان آیات میں ملائکہ کرام کے علاوہ اور اشیاء بھی مراد لی گئی ہیں لیکن محققین کے نزدیک مستند یہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور ہم نے سورۃ المدثر کی تفسیر میں کہا کہ المرسلات ناشرات ملقیات ملائکہ وغیرہ ہیں۔

وہابی دیوبندی مار حکایت کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں صبیغ نامی نے عراق سے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، سے آیات ذاریات و مرسلات کا مطلب پوچھا اس کی ویسے بھی عادت تھی کہ وہ لوگوں سے مشکل آیات کے مطالب پوچھتا تاکہ اس کی علمی دھاک عوام کے ذہنوں میں بیٹھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے اسے درہ مار کر فرمایا لو وجد تک محلوق الراس لضربت الذی عیناک موروح البیان صفحہ ۱۲۱ اگر تو سر کے بال منڈواتا (سر منڈا) ہوتا تو میں تیرا سر اڑا دیتا (قتل کر دیتا)۔

نشانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ عالم دین اور قرآن مجید کے مفسر اور قاری کو کیوں قتل کرتے اس کی وجہ بھی روح البیان رحمہ اللہ سے سنیئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عالم دین کو اس لئے قتل کی دھمکی کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا تھا کہ خوارج کی یہ نشانی ہے سیماھم التحلیق وہ سر منڈے (گنجے) ہوں گے کہ میری امت میں پیدا ہوں گے خوارج کی یہی نشانی ہے کہ وہ سر کے بال منڈوائیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت کاروائی سیدنا فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو خط لکھا تھا اس وقت آپ ہی عراق کے گورنر تھے کہ ایک سال تک اس سے دور رہو اسے قریب نہ بھٹکنے دو بلکہ بات تک نہ کرو۔ سال کے بعد اس صبیغ نامی (مولوی) نے توبہ کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں معذرت کی کہ وہ ایسا ہرگز نہ کرے گا۔

مسئلہ تشدد از زبان حضرت امام شافعی حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب بھی اہل کلام (بدمذہب) کا وہی حکم ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبیغ کے لئے فرمایا۔

بدمذہب کی شہر بدری کا حکم قاموس میں ہے الضبیغ بروزن امیر بن عسیل یہ شخص لوگوں کو آیات مشکلہ کے سوالات میں پریشان کرتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق سے بصرہ

اگر دن زدنی، لیکن یہ کام حکومت وقت کا ہے عوام کے لئے نہیں لیکن اس سے صلحکلیوں کے منہ پر طمانچہ ہے کہ وہ بدمذہب کے ساتھ رواداری اور مروت کا درس دیتے ہیں انشاء اللہ قیامت میں یہ بھی سزا میں اپنے یاروں (بدمذاہب) کے ساتھ نتھی کئے جائیں گے یاد رہے کہ دور حاضرہ میں بدمذاہب سے صلحکلی قسم کے لوگ زیادہ خطرناک ہیں اس لئے کہ دور حاضرہ جمہوریت کا ڈھنڈورہ پیٹتا ہے اور بدمذاہب عیار و چالاک ہوتے ہیں وہ عوام کو پھنسانے کے استاد ہیں عوام بے چارے جب اپنے مسلک اہلسنت کے سرکردہ مولویوں و پیروں اور لیڈروں کو بدمذاہب کے ساتھ رواداری اور مروت دیکھتے ہیں تو آسانی سے ان کے دام تزویر سے پھنسکر اپنا دین وایمان گنوا بیٹھتے ہیں ان کے دین وایمان کا بربادی کا موجب یہی صلحکلی بنے اسی لئے بہ نسبت اصلی بدمذاہب کے انہیں زیادہ سزا ملے گی۔

کی طرف ایک سال تک شہر بدر کر دیا۔[1]

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ بے شک وہ جو تم وعدے دیئے جاتے ہو واقع ہوگا۔ یہ قسم کا جواب ہے یعنی جس قیامت کے آنے کا وعدہ دیئے جاتے ہو وہ ضرور واقع ہوگی کیونکہ انما حصر یہ نہیں بلکہ اس کا ما موصولہ اگرچہ انما کے ساتھ متصل ہو کر لکھا گیا ہے اسی طرح مصحف میں ہے وعدہ دی ہوئی وہی قیامت کا آنا ہے اس لئے کہ اس کے بعد جو علامات مذکور ہیں وہ قیامت کی ہیں لیکن کلبی نے اس کا معنیٰ کیا ہے کہ تم جو وعدہ دیئے جاتے ہو خیر و شر سے وہ ضرور بالضرور واقع ہوں گے اس نے موصول کے عموم لفظ کا اعتبار کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انما توعدون الخ وہ جو تم کلی فنا فی اللہ کا وعدہ دیئے جاتے ہو وہ واقع ہوگا یعنی اہل معرفت شہود اور ارباب ذوق و وجود کو حاصل ہوگا اور اہل حجاب و احتجاب کے لئے بھی اگر رفع الحجاب و کشف النقاب کے لئے مستعد ہوں گے تو اسی وقوع محقق کی طرف اشارہ ہے۔

کل شیء ھالک الا وجھہ ہر شے ہلاک ہونے والی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے۔ یعنی ابھی اور آیت کل من علیھا فان میں یعنی ہر شے عین بقاء میں فنا پائے گی کیونکہ ہر مقید مطلق کے اطلاق میں ایسے گم ہوگا جیسے ستاروں کا نور سورج کے نور میں اور جیسے تثنیہ (دو ہونا) ثلیثہ (تین) میں اور اربعیتہ (چار ہونا) کے اعتبارات کا دو تین چار میں۔

تفسیر عالمانہ ربط: اس کے بعد آثار قیامت کے ظہور اور اس کے دلائل کے حصول کی اہل شقاوت کو یوں خبر دی کہ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ (جب ستارے محو کر دیئے جائیں گے یعنی ختم کئے جائیں گے۔

حل لغات طمس بمعنی شے کے وہ آثار مٹانا جو اس کی ذات پر دلالت کریں یہ واذا الکواکب انتثرت کے موافق ہے (اور جب ستارے جھڑ پڑیں) یا ان کا نور ختم ہو جائے گا لیکن پہلا معنیٰ اولیٰ ہے کیونکہ اس میں اضمار کی حاجت نہیں النجوم مرفوع ہے محذوف کا جس کی تفسیر مابعد کرتا ہے یا مرفوع بالابتداء ہے اور طمست اس کی خبر ہے لیکن پہلا اولیٰ ہے کیونکہ اذا شرط کا معنیٰ ہے اور شرط بالفعل اولیٰ ہوتی ہے اور دونوں جملے محلاً مجرور ہیں جارہ اذا ہے اس کا جواب محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے فاذا طمست النجوم وقع ما توعدون او جوزیتم علی اعمالکم جب ستارے محو کئے جائیں گے تو واقع ہوگی وہ جو وعدہ دیئے

---

[1] اللہ تعالیٰ کوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا اسلام کا عاشق پیدا فرمائے تاکہ تمام بد مذاہب کو شہر بدر کر دے کم از کم پاکستان میں تو کوئی ایسی سبیل ہو کہ وہابی دیوبندی کانگرسی گاندھی کے دیس کو، شیعہ کو ایران مرزائیوں کو لندن۔ ہماری جان چھوٹے۔ (آمین)

(فقیر اویسی غفرلہ)

جلتے ہو یا اپنے اعمال کی جزا دیئے جاؤ گے اور محذوف پر ما توعدون لواقع دلالت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں حواس عشرہ ظاہرہ و باطنہ کے ادراک الحقائق سے طلوع شمس حقیقت کے وقت مٹائے جانے کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ (اور جب آسمان میں رخنے پڑیں گے) خوف رحمٰن سے اسمیں رخنے پڑجائیں گے اور پھٹ جائیں گے جس کی وما لها من فروج اس کے لئے کوئی سوراخ (رخنہ) نہیں، کی نفی تھی آسمان کے پھٹنے سے دروازے کھل جائیں گے الفرج بمعنی الشق (پھٹنا) کیونکہ ہر مشقوق کو فرج (کھلا) کہہ سکتے ہیں یعنی وہ وقت جب آسمان میں سوراخ ہو جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ارواح کے آسمان کے پھٹنے کی طرف اشارہ ہے جب ان پر تجلیات جلالیہ کے نورانی شعلے پڑیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ (اور جب پہاڑ غبار کر کے اڑا دیئے جائیں گے)۔ دانوں کی طرح ریزہ ریزہ جیسے منسف سے دانے ریزہ ریزہ کئے جاتے ہیں منسف وہ آلہ جس سے دانے چھلکوں سے توڑے اور صاف کئے جائیں۔ ایسے ہی دوسرے مقام پہ فرمایا و بست الجبال بسًّا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

حل لغات نسف و بسّ بمعنی پراگندہ کرنا اور بکھیرنا۔

تفسیر عالمانہ اسمیں خیالات فاسدہ اور اوہام کاسدہ کے پہاڑوں کا مشاہدات و ہوادی المعانیات کے وقت لاشے ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ (وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ اور جب رسولوں کا وقت آئے گا)۔ ان کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے تاکہ وہ تشریف لا کر اپنی امتوں کی گواہی دیں گے اور یہ قیامت کے آنے پر ہوگا اس کے وقوع سے پہلے رسل کرام علیہم السلام تشریف نہیں لائیں گے اور اس کا علم ان کی طرف مسلم ہے یعنی رسل کرام علیہم السلام کا ران کی گواہی کے لئے تشریف لانا علامات قیامت سے ہے اور وہ تعیین و تبیین دنیا میں حاصل نہ تھی اس لئے کہ اس کا وقت آخرت ہے جب قیامت آئے گی تو انہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ گواہی کے لئے تشریف لاؤ کہ اب گواہی کا وقت آگیا ہے۔

فائدہ یا اس کا معنی یہ ہے کہ جب رسل کرام علیہم السلام اس وقت پہنچیں گے جس کے وہ منتظر تھے یعنی یوم القیمۃ کے اس لئے کہ جیسے توقیت بمعنی تحدید الشئ و تعیین الوقت کے لئے آتا ہے ایسے ہی کسی شے کو کسی کے لئے ایک وقت محدود میں مقصد مقرر کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے پہلا معنی ذوات میں مستعمل نہیں ہوتا جب تک احداث ہیں جثث (جثے) نہیں زید موقت نہیں جا سکتا جب تک مضاف مضمر نہ ہو اس لئے کہ موقت

اس میں کوئی شے مضمر نہ ہو۔ زید موقت حضورہ (زید کی حاضری کا وقت مقرر ہے) تو رسل کرام کے لئے بھی یہی ہے کہ ان کی تشریف آوری مقرر ہے نہ کہ ان کی ذوات مقدسہ موقت و مقرب ہیں اس لئے ذوات خود قارہ ہیں ان میں تعیین کا کیا اعتبار ہاں زمانیات متجددہ (انت نیا) ہیں (اسی لئے ان میں تعیین کا اعتبار ضروری ہے) ایسے ہی مفسرین نے فرمایا۔

فائدہ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے وقوع معنی ثانی میں جثث پر بلا اضمار الشی میں بحث ظاہر ہے تو اس قول کی طرف صاحب کشف وغیرہ گئے ہیں (انہوں نے مجاز کا اعتبار کیا ہوگا)۔

فائدہ ابوعمر (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) نے وقتت اصل پر پڑھا ہے کیونکہ اس کا مادہ وقت ہے باقی قرآء رحمہم اللہ نے واؤ کو ہمزہ سے تبدیل کر کے پڑھا ہے اس لئے کہ ضمہ واؤ کی جنس سے ہے ان دونوں کو جمع کرنا دو مثلوں کے جمع کرنے کے مترادف ہے اور وہ ثقیل ہے اسی لئے تو کسرہ یا پر ثقیل ہے اسی لئے تو ولا تنسوا الفضل میں واؤ کو الف سے تبدیل نہیں کیا گیا کیونکہ واؤ کا ضمہ اس کو لازم نہیں۔

فائدہ کشف الاسرار میں ہے کہ الف واؤ دو لغتیں ہیں اسی لئے عرب واؤ کو الف سے تبدیل کرتے ہیں مثلاً کہتے ہیں وسادۃ سے اسادۃ اور کتاب مؤرخ سے مورخ اور قوس موتر سے مؤتر۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں رسل قلب وسر کی طرف اشارہ ہے اور ان کی گواہی کی تعیین امت اعضاء و جوارح پر کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ اسی دن کے لئے ٹھہرائے گئے تھے۔ یہاں فعل مقدر ہے یعنی انہیں کہا جائے گا واذا الرُّسُلُ الخ کا جواب ہے یعنی کہا جائے گا کہ اس دن کے لئے امور مؤخر ہوئے جو رسل کرام علیہم السلام کے متعلق تھے۔ یعنی ان کا جمع ہونا اور تشریف لانا جیسے دوسرے مقام پر فرمایا یوم یجمع اللہ الرسل الخ اس سے اس دن کی عظمت اور اسی سے تعجب دلانا مطلوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب رسل یعنی ثواب و عقاب کے ملائکہ مقرر ہوں گے اور اس میقات پر پہنچیں گے جو ان کے لئے مقرر ہے یا خوشخبری سنانا راحت و فرحت سنانا یا ان کو عذاب و عقاب اور کرب و ذلت پہنچانا اس دن کے لئے جو بہت بڑا ہے جسے مؤخر کیا گیا ہے اعمال کے وقت ثواب و عقاب کی مہلت سے اور رسل بشر علیہم السلام بھی یعنی انبیاء علیہم السلام تشریف لائیں گے ان کے لئے وقت مقرر ہے اور میثاق میں بھی تشریف لا کر مطیع و عاصی اور سعید و شقی کے درمیان فرق بتائیں گے کیونکہ وہ اپنی امتوں کو انکی علامات سے پہچانیں گے۔

لِیَوْمِ الْفَصْلِ روز فیصلہ کے لئے۔ یوم تاجیل کا بیان ہے یعنی وہ دن جس دن مخلوق کے درمیان فیصلہ

ہوگا اور ہر ایک حقوق پورے کئے جائیں گے نیک اور بُرے کے لئے حکم کیا جائے گا ارباب شہود الوحدۃ الذاتیہ اور اصحاب شہود کثرۃ اسمائیہ وصفاتیہ کے درمیان امتیاز ہوگا۔

فائدہ بعض نے کہا کہ اس دن محبوب کو محبوب سے جدا کیا جائے گا سوائے اس کے کہ جس کا معاملہ للہ فی اللہ ہوگا اور درمیان رسولوں علیہم السلام اور ان کی امتوں کے اور درمیان بندے کے اور اس کے ماں باپ اور بھائی کے مگر یہ کہ وہ حق وعدل میں متفق ہوں تو پھر نہیں۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ اور تو کیا جانے وہ روز فیصلہ کیا ہے۔ ما مبتدا ادراک اس کی خبر ہے یعنی تجھے کس نے عالم اور راز خود جاننے والا بنایا کہ وہ کیا ہے اور اس کی کُنہ ایسی ہے کہ اس کی مثل نہ دیکھی گئی اور اس جیسی شدت پہلے کسی نے دیکھی نہ سنی۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں کونسی شے نے جاننے والا بنایا کہ وہ کیا دن ہے فیصلہ کا کیونکہ اس کی کنہ کو کوئی نہیں جانتا (ضمیر کے بجائے اسم مظہر یعنی یوم الفصل لایا گیا اس کی زیادہ گھبراہٹ اور ہولناکی کے اظہار کے لئے۔

سوال ما کو مبتدا اور یوم الفصل کو خبر کیوں بنایا جاتا ہے اس کے برعکس کیوں نہیں جیسے سیبویہ نے اختیار کیا ہے۔

جواب یہاں اہم مقصد ہے یوم الفصل کو امر بدیع اور اس کی ہولناکی کا اظہار کہ اس کا نہ کسی کو اندازہ ہوسکتا ہے اور نہ اس کی کُنہ معلوم ہوسکتی ہے جیسے ما کی خبریت سے معلوم ہوتا ہے نہ یہ کہ یہ بھی امور بدلعہ سے ایک یوم الفصل بھی ہے جیسے اس کے برعکس کرنے سے ہوتا ہے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ اس ہولناک دن میں خرابی ہے لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کی، کیونکہ اسی دن رب رحمان مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ اسی دن خرابی ان (کا فرول یکذبون) کے لئے ثابت ہے۔

حل لغات دراصل الویل مصدر منصوب فعل کے قائم مقام ہے دراصل اھلکہ اللہ اھلاکاً یا ھلک ھو ھلاکا تھا (اسے اللہ تعالیٰ خوب ہلاک کرے یا وہ خوب ہلاک ہوا)۔ اس سے عدول کر کے مرفوع کیا گیا تاکہ ہلاکت کے ثبات و دوام پر دلالت ہو کہ جس پر خرابی ہے وہ دائمی ہے یومئذ ظرف یا صفت ہے ویل اہلاک یا ہلاک کے قائم مقام ہے اسی لئے اس کا فروع واقع ہونا جائز ہے ورنہ نکرہ مبتدا واقع نہیں ہوسکتا اور وہ چونکہ مصدر اس فعل کے قائم مقام ہے جو فاعل معین سے مخصوص سے صادر ہوگا اسی لئے وہ نکرہ بھی اسی فاعل متخصص کی وجہ سے مبتدا بننے کے لائق ہے جیسے نحویوں نے سلامٌ علیک میں سلام نکرہ کو مبتدا مانا ہے تو اسی تخصیص فاعل کی وجہ سے۔

فائدہ بعض نے کہا الویل جہنم میں ایک وادی ہے کہ اگر اسمیں پہاڑ ڈالے جائیں تو پگھل جائیں۔

ملفوظ جنید بغدادی رضی اللہ عنہ سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس دن اس شخص کے لئے بہت بڑی خرابی ہے جس نے دنیا میں باطل دعوے بلند کر رکھے تھے۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں فرمایا جیسے قوم نوح و عاد و ثمود وغیرہم وہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پہلے ہلاک ہوئے اور ان کی ہلاکت یوم الفصل کی تکذیب کی وجہ سے تھی یہ جملہ مستانفہ : انکار ہے عدم اہلاک کے انکار میں اس کا اثبات و تقریر ہے کیونکہ نفی کی نفی میں اثبات اور تحقق ہوتا ہے گویا کہا گیا کہ عدم اہلاک نہ ہوا بلکہ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ **ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ** پھر پچھلوں کو ان کے پیچھے لگائیں گے ان سے وہ کفار مراد ہیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت مبارکہ کے بعد تھے یہ مرفوع ہے اس کا عطف ثم کے ساتھ نحن محذوف پر ہے یعنی پھر ہم ان کے پیچھے لگائیں گے انہیں جو ان کی طرح کفر و تکذیب میں ان کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ یعنی اہلاک میں ہم انہیں اولین کے پیچھے لگا دیں گے اس معنیٰ پر یہ کلام ماقبل معطوف پر نہیں اس لئے کہ عطف واجب کرتا ہے کہ معنیٰ یوں ہو اهلكنا الاولين ثم اتبعناهم الآخرين فی الاهلاک کیونکہ اولین کا اہلاک تو واقع ہو چکا اور آخرین کا ابھی نہیں ہوا اسی لئے ماننا پڑے گا کہ نتبع مرفوع ہے لیکن ماقبل سے مقطوع ہے بلکہ جملہ مستانفہ ہے علی وجہ الاخبار از وقوع زمانہ مستقبل میں مبتدا کو محذوف مان کہ دراصل ثم نحن نتبعہم الآخرین تھا۔

فائدہ اس میں کفار مکہ کو وعید ہے۔

كَذٰلِكَ ایسا ہی۔ اس کام کی طرح جس کی خبر اوپر مذکور ہوئی کاف محلاً منصوب ہے اس لئے کہ مصدر موصوف محذوف کی کہ دراصل فعلاً ذلك الفعل الخ تھا۔

نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ہم مجرمین کے ساتھ کرتے ہیں۔ یعنی ہمارا طریقہ ایسے ہی جاری ہے کہ مجرم کو یونہی سزا دیتے ہیں اس میں جرم کے انجام اور اس کے برے اثر کے ترتب سے ڈرانا ہے **وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ** اس دن کے جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہے یعنی جب آیات الٰہی و انبیاء علیہم السلام کی انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ہلاک کیا تو ان کے لئے خرابی ہے۔

جواب[۱] اس میں تکرار نہیں اس لئے کہ پہلا ویل آخرت کے عذاب کا ہے اور یہ دنیا کے عذاب کا۔

[۲] برہان القرآن میں ہے کہ اس سورۃ میں ویل کا دس بار تکرار ہے لیکن محال یہ ہے کہ ہر ایک اپنے

---

[۱] یہ سوال مقدر کے جوابات ہیں۔ سوال مشہور ہے جسے منکرین بار بار دہراتے ہیں کہ قرآن میں تکرار فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے۔ صرف اس اعتراض کے جواب میں فقیر نے ایک کتاب لکھی ہے "قہر الدیان علی منکر تکرار القرآن"۔

اویسی غفرلہ

دوسرے کا غیر ہے اسی لئے یہ تکرار مستہجن (مکروہ) نہیں بلکہ مستحسن ہے کیونکہ اگر دلیل کا تکرار نہ ہو تو معنی یہ ہوتا ہے کہ ان کے بعض امور سے تو ڈرایا جا رہا ہے اور بعض سے نہیں۔

جوابِ ۳ بعض نے کہا کہ عرب کی عادت ہے کہ وہ جس طرح اختصار و ایجاز کو مستحسن سمجھتے ہیں ایسے ہی تکرار و اطناب کو بعض مواقع میں مستحسن سمجھتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ ترغیب و ترہیب میں بجائے ایجاز کے کلام کی طوالت مطلب کے ادراک میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

جوابِ ۴ کبھی تکرار میں بھی وہ ذوق حاصل ہوتا ہے جو صاحب ذوق کو معلوم ہے اور یہ امر کوئی مخفی نہیں

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ کیا ہم نے تمہیں پیدا نہیں کیا۔

قاعدہ تجوید تمام قرآء نے قاف کو کاف میں ادغام کیا ہے اور نقاش رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن کثیر (قاری صاحب تجوید نہ کہ یہ ابن کثیر جو صاحب تفسیر ہے) اور نافع کی قرأت میں بروایت قالون و عاصم (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ میں اسی طرح ہے اور ایک روایت حفص (قاری رحمہ اللہ تعالیٰ) میں اظہار ہے (الایضاح)

مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ایک بے قدر پانی سے یعنی نطفے گندے ذلیل سے یعنی خوار و بے مقدار میم اصلی ہے از مہانۃ بمعنی قلت اور خست۔ اور ہر وہ شے جس کی قدر نہ ہو کہ اس کی پرواہ کی جائے بلکہ اسے بے کار سمجھ کر پھینک دیا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا" تو ہم نے تمہیں ایسے پانی سے پیدا کیا۔ اسی لئے آنے والے جملہ کو اس پر عطف ڈالا فَجَعَلْنٰهُ تو ہم نے اسے رکھا" اس کی پانی کو فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ایک محفوظ جگہ میں۔ رحم میں بکسر الحاء المہملہ بچہ دانی جو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے قرار بمعنی استقرار (نطفہ) کی جگہ المکین بمعنی الحصین (محفوظ) یعنی ہم نے پانی کی قدرت پا گیا اور ہر طرح کے تعرض سے صحیح سالم اور محفوظ رہا۔

حل لغات المکین از مکانۃ ہے بمعنی التمکن یہ بمعنی منزل و مرتبہ از کون سے نہیں مثلاً کہا جاتا ہے ابل مکین فی مکۃ یعنے وہ مکہ معظمہ میں متمکن ہے اور کہا جاتا ہے مکین عند الامیر فلاں امیر کے ہاں دو مرتبہ اور ذو منزلۃ ہے تو اس وقت یہ فعیل ہو گا نہ کہ مفعل۔

اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ایک معلوم اندازہ تک۔ ایک مقرر وقت تک جو اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ولادت کے لئے جو کہ نو ماہ مشہور ہیں یا اس سے کم و بیش یہ فجعلنا کی ضمیر سے محلاً منصوب حال ہے یعنی مؤخر الی مقدار معلوم من الزمان یعنی زمانہ کی ایک مقدار معلوم مؤخر کرکے فَقَدَرْنَا پھر ہم نے اندازہ فرمایا یہاں اندازہ سے تقدیر الخلق مراد ہے یعنی اس کی خلقت اور اس کے جوارح و اعضا اور الوان (رنگ) اور مدت حمل و حیات کا اندازہ (تقدیر) جیسا کہ قدر مخفف (لغۃ) اسپر دلالت کرتا ہے بمعنی قدر (مشدد) مخفف نافع (قاری رحمہ اللہ) کی قراۃ ہے اور مشدد کسائی کی۔ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ تو ہم کیا ہی اچھے قادر ہیں۔ اور قادرین بمعنی المقدرون بھی ہے اسی

معنی کی طرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ گئے ہیں اور جائز ہے کہ یہ فقدرنا از قدرۃ ہو یعنی ہم اس پر قادر ہیں اس کی تخلیق و تصویر میں جیسے ہم چاہیں اعادہ کریں ایسے ہی حقیر و ذلیل مادہ سے اور قدرت سے مراد وہ ہے جو وجود مقدور سے بالفعل مقارن ہے اس کی تائید و تقویت فنعم القادرون سے ہوتی ہے کہ ہم نے اسے پیدا کیا اور اسے احسن صور و ہیات میں بنایا۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ خرابی ہے اس دن کے جھٹلانے والوں کے لئے ہماری قدرت کو اس پر یا اعادہ پر۔

فائدہ امام ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شدت عذاب سے اس کے لئے جو خلق اول کو ماننے کے باوجود خلق ثانی یعنی اعادہ کا منکر ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا کیا ہم نے زمین کو نہیں بنایا جمع کرنے والی۔

ربط پہلے اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ نعمتیں جتلائیں جو انفسی تھیں کیونکہ وہ اصل کی مانند ہیں اب وہ نعمتیں جتلاتا ہے جو آفاقی ہیں۔

حل لغات کفاتًا از کفت جمع کرنا کفات اسم ہے جو جمع کرے یکفت ملائے جمع کرے از کفت الشئ، ضمہ وجمعہ، اسے ملایا۔ جمع کیا ضمام و جماع کی طرح وہ شے جو ملائے اور جمع کرے جیسے تقویٰ جماع کل خیر یعنی تقویٰ ہر خیر و بھلائی کو جمع کرنے والا ہے۔ الخمر جماع کل شر، شراب ہر گناہ اور برائی کو جمع کرنے والا ہے۔ کفاتا نجعل کا مفعول ثانی ہے اس لئے کہ وہ الم نصیر ها کفاتا کے معنیٰ میں ہے وہ جمع کرتی ہے۔ اَحْيَآءً بہت سے زندوں کو اپنی پیٹھ پر یہ منصوب فعل مضمر سے جس پر کفاتًا دلالت کرتا ہے و یکفت بمعنی تجمع ہے ورنہ اسماً جامدہ ایسے ہی اسم مکان و اسم زمان غیر عاملہ ہیں اگرچہ مشتقہ ہوں اور اسم مصدر میں اختلاف ہے ہاں مصدر اور اسم فاعل اسمائے عاملہ ہیں جو اسے من یکفت (وہ جو جمع کرے) کا اسم بناتا ہے یا کفت کی جمع بمعنی الواؤ (برتن) سمجھتا ہے تو وہ (سوائے زمخشری کے) اس کے عمل سے منع کرتا ہے اور زمخشری نے کہا کہ کفات اسم ہے اور عامل ہے اسی لئے اس غلطی کی وجہ سے اس پر طعن و تشنیع کی گئی ہے۔ وَّاَمْوَاتًا اور مُردوں بے شمار کو مال پیٹ میں اسی لئے زمین کو ماں سے تشبیہ دیتے ہیں کہ جیسے وہ اولاد کو گلے لگاتی ہے اور بھینچتی ہے ایسے ہی زمین زندوں اور مُردوں کو جمع کرتی اور گلے لگاتی ہے۔ یا اس لئے کہ لوگ زمین میں جمع ہوتے ہیں نیز اس لئے کہ لوگوں کو باہمی جمع کرتی ہے کہ وہ اس میں سکونت رکھتے ہیں ایسے ہی زمین زندوں کے لئے وہ چیزیں اپنے اندر جمع کر لیتی یعنی چھپا لیتی ہے جو ان سے گندگیاں خارج ہوتی ہیں احیاء و اموات کی تنکیر تعریف استغراقی کے معنی میں ہے کہ تعریف افرادی و نوعی نہیں۔

فائدہ یہ بھی جائز ہے کہ کہا جائے کہ زمین تمام مردہ و زندہ انسانوں کو جمع کرتی ہے لیکن سب زندہ مُردے اسی میں منحصر نہیں بلکہ بعض حیوان کو ہوا جمع کرتی ہے بعض اور رہیں جو پانی میں ہیں اس معنیٰ پر یہ سب کے لئے کفات جمع کرنے

کرنے والی نہ ہوئی بلکہ لبعض کی ہے اس تقریر پر احیأ اموات کی تکبیر اپنے معنی پر ہے۔

مسئلہ قفال (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ نباش کی قطع ید (ہاتھ کاٹنا) واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو کفات بنایا اور وہ میت کے لئے محافظ ہوئی اور سارق وہی ہے جو مال محفوظ کو چرائے نباش (کفن چور) نے بھی گویا محفوظ کو چرایا اس لئے اس کی قطع ید ضروری ہوئی (اس پر فتویٰ نہیں یہ صرف حضرت قفال رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنا اجتہاد ہے)۔

وَّجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ اور ہم نے اس میں لنگر ڈالے) پہاڑ ایک جگہ ثابت کھڑے ہونے والے اور بلند میں جبلنا کا مفعول مقدر ہے اور رواسی اس کی صفت ہے (اور وہ محذوف (جبالا) ہے)۔

حل لغات رَوَاسِيَ، رسا الشئ یرسو (وہ شے ثابت ہے)۔ اور پہاڑ بھی زمین پر ثابت ہیں کہ کبھی زائل نہیں ہوتے۔

شٰمِخٰتٍ (اونچے اونچے) یہ صفت کے بعد صفت ہے۔

حل لغات الشامخ بمعنی عالی۔ مرتفع یعنی اونچے بہت اونچے اسی سے ہے۔ شمخ انفہ (اس کی ناک اونچی ہے) اس کے لئے بولتے ہیں کہ جیسے کبر (تکبر) ہو مین المعانی میں ہے کہ شامخات ثوابت الاصول ورواسخ العروق اور شامخات بمعنی مرتفع الفروع۔

فائدہ نحویہ غیر ذوی العقول کی جمع مذکر یعنی شامخات لانا عام اور مطرد ہے جیسے اشہر معلومات وغیرہ وغیرہ اور تنکیر تفخیم کی ہے یا خبر دینا ہے کہ وہ جو زمین پر پہاڑ نظر آتے ہیں یہ اس کے بعض ہیں ورنہ پہاڑوں کی گنتی غیر معروف اور نامعلوم ہے اور نہ ہی دیکھے جا سکتے ہیں اس لئے کہ آسمان میں بھی پہاڑ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا من جبال فیہا برد آسمان میں بعض ٹھنڈے پہاڑ ہیں۔

وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا اور ہم نے تمہیں خوب میٹھا پانی پلایا۔ کہ زمین میں نہریں اور چشمیں پیدا کئے یا یہ کہ ہم نے انہیں پینے کے لئے پیدا کئے اور ان سے پانی پینے کی قدرت بھی دی ایسے ان سے تمہارے جانور اور کھیتیاں پانی پیتی ہیں اور کوفہ کی نہر (دریا) کا نام فرات ہے کہ اس کا پانی لذیذ ہے۔

فائدہ حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میٹھا پانی زمین اور آسمان سے ہے۔

فائدہ فرات واحد وجمع ہر دونوں کے لئے آتا ہے اس کی تا اصلی ہے اور تنکیر تفخیم کی ہے یا تبعیض پر دال ہے اس لئے کہ آسمان پر بھی میٹھا پانی بلکہ آسمان میں ہی زمین کا پانی جمع اور وہاں سے ہی یہاں پر آتا ہے۔

وَيْلٌ خرابی ہے (وادی ہے جہنم میں) يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن جھٹلانے والوں کی، کہ ایسی عظیم نعمتوں

کو جھٹلاتا ہے۔ اِنْطَلِقُوْٓا اس دن مکذبین کو کہا جائے گا تو بطریق توبیخ وزجر کے چلو یا جاؤ اور قائل جہنم کے خازن (داروغے) ہوں گے اور جہنم کے نگران اِلٰی مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ اس کی طرف جسے تم جھٹلاتے تھے دنیا میں عذاب سے اور بہ تکذبون کے متعلق ہے اسے نظم رعایت کی وجہ سے مقدم کیا گیا ہے۔

اِنْطَلِقُوْٓا بالخصوص چلو اِلٰی ظِلٍّ سایہ کی طرف جہنم کی آگ کے دھوئیں کی طرف جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا وظل من یحموم یعنی دھواں غلیظ۔ سیاہ۔ ذی ثلاث شعب تین شاخوں والا موٹے پن کی وجہ سے اس کی تین شاخیں ہوں گی جیسے تم بڑے دھوئیں کو دیکھتے ہو کہ وہ شاخیں بن کر اٹھتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ وہ بہت بڑا دھواں ہوگا تو اس سے شاخوں کا متفرق ہونا لازمی امر ہے۔

اعجوبہ بعض نے کہا کہ جہنم کی آگ سے ایک زبان ظاہر ہوگی جو کفار کو خیموں کی طرح گھیر لے گی۔ سرداق وہ خیمہ جو گھر کے صحن میں تانا جاتا ہے اس جہنم کی نار کی زبان سے تین شاخیں پھیلیں گی جو کفار پہ سایہ کریں گی حساب سے فراغت تک وہ دھواں کا فروں پہ سایہ کی طرح رہے گا لیکن اہل ایمان پر عرش کا سایہ ہوگا۔ (الحمد علی ذالک)

نکتہ (۱) قاضی (بیضاوی) تفسیر کبیر سے اخذ کر کے لکھتے ہیں کہ اس دھوئیں کی تین خصوصیت اس لئے کہ انوار القدس سے نفس کو حجاب (۱) حس (۲) خیال (۳) وہم سے ہوتا ہے اسی لئے اس دھوئیں کی شاخیں تین ہوں گی۔

(۲) اس عذاب تک انسان کو تین چیزوں نے پہنچایا۔

(۱) قوت وہمیہ شیطانیہ جو دماغ میں حلول کرتی ہے جو نفس کو مشوش کر کے اسے ادراک حقائق سے دفع کرتی ہے۔

(۲) قوت شہویہ بہیمیہ جو قلب کے بائیں جانب ہے جو نفس کو اوصاف الٰہیہ سے موصوف نہیں ہونے دیتی۔

(۳) قوت غضبیہ سبعیہ یہ قلب کے دائیں جانب ہے جو نفس کو حق اعتدال کو قائم کرنے سے دفع کرتی ہے اسی لئے قیامت میں اس دھوئیں کا ایک ٹکڑا کافروں کے سروں پہ ہوگا اور دوسرا دائیں جانب تیسرا بائیں جانب اور یہ صحیح ہے کہ انسان عقائد فاسدہ اور اعمال باطلہ اپنی قوائے ثلاثہ (واہمہ وغضبیہ وشہویہ) سے صادر ہوتے ہیں چونکہ یہ تینوں قوٰی ان جملہ آفات کا سرچشمہ ہیں جو انسان سے صادر ہوتے ہیں اس لئے دھوئیں کی تین شاخیں ہو جائیں گی۔

سبق جو چاہتا ہے کہ کل قیامت میں اس سیاہ عذاب رساں دھوئیں سے محفوظ رہے اسے چاہیئے کہ نور عقل سے تمسک کر کے صفت شیطانی وطبعی و وہمی کی تاریکی سے گذر جائے ؎

تاریکی خشم وشہوت حذر کن

کہ از دود آں چشم دل تیرہ گردد

غضب چوں در آمد رود عقل بیروں
ہوی چوں شود چیرہ جان خیرہ گردد

ترجمہ: غصہ شہوت کی تاریکی سے خطرہ کر۔ اس لئے کہ دھوئیں سے دل کی آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔
جب غصہ آتا ہے تو عقل باہر آجاتی ہے خواہش نفسانی جب پیدا ہوتی تو مضبوط جان بھی کمزور ہو جاتی ہے۔

فائدہ ممکن ہے کہ انہیں ایسے دھوئیں سے عذاب دینے کا موجب یہ ہوا کہ انہوں نے قوی ثلاثہ۔

(۱) سمع

(۲) بصر

(۳) فواد کو ضائع کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وجعل لکم السمع والابصار والافئدہ قَلِیلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ اور تمہارے لئے سمع ابصار اور افئدہ (دل) بنائے تم میں بہت تھوڑے ہیں جو شکر گزار ہوں کیونکہ ان کا شکر اور رعایت تمام سعادات کا سرچشمہ ہے اور ان کی تضیع تمام بدبختیوں کا سرچشمہ۔

صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی تحقیق فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک ایک اور وجہ ہے وہ یہ کہ ایمان تین امور کا نام ہے۔

(۱) تصدیق۔

(۲) اقرار۔

(۳) عمل صالح۔

ان تینوں کے ضائع کرنے پر تین شاخیں مسلط کی گئیں اس کی دلیل آیات مذکورہ میں مثلاً انطلقوا الی ماکنتم بہ تکذبون اس آیت میں تکذیب کو سبب بتایا تو تکذیب قلب کی صفت ہے اور قلب پر تمام قوی واعضا کا دارومدار ہے یہ فاسد تو زبان بلکہ تمام ارکان فاسد تو زبان بلکہ تمام ارکان فاسد۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکذیب قلب کے لئے ظلمۃ باطنہ ہے ترک الاقرار و ترک عمل صالح سے اس کی ظلمت دوگنی ہو جاتی ہے تو دنیا میں جتنا ظلمات باطنہ دوگنی ہوں گی اتنا ہی آخرت میں وہ ظلمات ظاہر ہو کر دوگنی ہوں گی اس لئے کہ ہر عمل کی آخرت میں صورۃ شخصیہ جسدانیہ (جسمانی) ہوگی۔ لَا ظَلِیْلٍ نہ سایہ دے اغذاز ظل تاکید کے لئے جیسے نوم "نائم" یعنی وہ دھواں کافر کو گرمی دوزخ سے سایہ کر کے فائدہ نہ دے گا ظل کو ظلیل سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے کہ اس دن دوزخ کی گرمی سے بچاؤ کا کوئی سایہ نہ ہوگا بلکہ وہ دھواں خود جہنم کی گرمی ہوگی اور اسے سایہ سے تعبیر کرنا کفار سے استہزاء ہے کیونکہ سایہ کا کام تو یہ ہوتا ہے کہ جس پر پڑے اسے گرمی سے بچائے یہاں الٹا اس کے لئے عذاب بنے گا اسی لئے اسے سایہ کہہ کر کفار سے استہزا کیا گیا۔

نکتہ سایہ کی طرف چلنے کے حکم میں ان کے عذاب کو دوہرا کرنے کے لئے ہوگا کہ پہلے بھی وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے پھر انہیں دھوئیں کے سایہ میں مزید عذاب ہوگا کہ اس سے بجائے اس کے کہ راحت پاتے عذاب پاکر مزید دکھ اور تکلیف پائیں گے ورنہ نکلا ہر وہ سایہ کو دیکھ کر پہلے تو خوش ہوں گے کہ سایہ سے کچھ تو سکون ملے گا لیکن اس کے برعکس سایہ سے عذاب میں اضافہ پائیں گے جیسے سورۃ الواقعہ میں گذرا۔

وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ اور نہ ہی آگ کی لپیٹ سے بچاتے یعنی جیسے دنیا میں سایہ دھوپ کی گرمی سے بچاتا ہے وہ دھوئیں کا سایہ انہیں جہنم کی گرمی سے نہ بچائے گا۔

فائدہ لا ظلیل مجرور (محلاً) ظل کی صفت ہے اور غیر لفظ اس کے موصوف ہونے سے مانع نہیں اب معنی ہوا ظل غیر ظلیل وغیر مغن بالاغنی کا مفعول محذوف ہے اور وہ شیئاً ہے اور من بیانیہ ہے یعنی از اغنی و عنی وجہہ اکلنے مجھ سے اپنا چہرہ دور کیا اس لئے کہ کسی شے سے غنا اس سے بُعد (دوری) ہی ہے جیسا کہ اس کا محتاج اس کی قربت کی کوشش کرتا ہے اسی لئے اغنائے اس کا الغاد مراد ہوتا ہے اب معنی یہ ہوا کہ یہ سایہ دھوپ کی گرمی سے ٹھنڈک نہ دے گا اور نہ ہی آگ کی لپیٹ سے بچائے گا۔

حل لغات اللهب ہر وہ شے جو آگ کے اوپر ہو سرخ ہو یا زرد یا سبز جب آگ بھڑکے (یعنی شعلہ)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ظل رُوح و ظل قلب ایسے سائے ہیں کہ ان کے منافع و اثرات دراز ہیں اور نفس و ہوی کے کوئی سائے نہیں بعض نے کہا کہ خبیثہ کا شجر نور وحدت سے منقطع ہے بوجہ اس کی ذاتی ظلمت کے وہ سایہ طوبیٰ کے شجر کی طرح سایہ دار نہیں اسی لئے وہ راحت و فرحت کا فائدہ نہیں دیتا بخلاف اس نفس طیبہ کے شجرہ کے جو نور وحدت سے منور ہے لیکن وہ شعب (شاخیں) مختلفہ متضادم جیسے شیطانیہ۔ سبعیہ، بہیمیہ سے غیر منشعبہ ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ بے شک وہ چنگاریاں اڑاتی ہے اس لئے وہ شاخیں ایسی ہیں کہ یوم قیامت میں چنگاریاں اڑ جائیں گی اس کی ہر ایک چنگاری كَالْقَصْرِ اونچے محل کی طرح ہوگی یعنی وہ اپنے عظم میں اونچے محل کی طرح ہوگی جیسا کہ اس پر كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ کی تفسیر دلالت کرتی ہے۔

حل لغات شرر شراۃ کی جمع ہے وہ شے جو آگ سے متفرق ہو کر ستاروں کی طرح اُڑے جیسا کہ قاموس میں ہے کہ الشرار والشرر ہمچوں کتاب و جبل وہ جو آگ سے اُڑے اس کا واحد تا سے ہے یعنی شررۃ" کالقصر صفت کی جمع ہے شرر کے لئے القصر مفرد ہے بمعنی بلند مکان اسے جمع کی صفت اس لئے لایا کہ اس کا ہر ایک گویا ایک علیحدہ مکان ہے بعض نے کہا کہ بمعنی بڑی لکڑیاں اسی لئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا بمعنی الخشب العظام المقطعہ بڑی بڑی لکڑیاں جو ٹکڑے ٹکڑے ہوں اور فرماتے ہیں کہ ہم موٹی اور بڑی لکڑی

کو تین تین ہاتھ یا اس سے چھوٹی بڑی کاٹ کر سردیوں میں آگ جلانے کے لئے رکھ چھوڑتے تھے انکو ہم القصر کہا کرتے تھے اس لئے کہ ممدودہ (دراز) سے کٹ کر مقصورہ (چھوٹی) کر دی گئیں۔

سبق غور کیجئے کہ یہ تو دھوئیں کے انگاروں کا حال ہے پھر جہنم کی آگ کے انگارے جیسے ہوں گے (خدا نہ کرے) اسمیں داخل ہونا پڑا تو پھر تمہارا کیا حال ہوگا۔

۱ کَاَنَّہٗ گویا وہ چنگاریاں۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ گویا وہ آگ اس کے بعد ضمیر لفظ نار کی طرف لوٹائی گئی ہے نہ کہ اس کے معنیٰ کی طرف اسی لئے فرمایا کَاَنَّہٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔

حل لغات جمل کی جمع ہے جیسے حجارۃ حجر کی جمع تا جمع کی تانیث کی ہے اسم جمع ہے الجمل نر اونٹ ناقہ (اونٹنی (مادہ) جب اونٹوں میں اونٹنی نہ ہو تو انہیں جِمالۃ (بالکسر) کہتے ہیں الصفر اصفر کی جمع ہے الصفرۃ اس رنگ کا نام ہے جو سواد و بیاض کے درمیان ہو اور یہ ابیض کو قریب تر ہے اسی (سواد) کی ملاوٹ کی وجہ سے کبھی اسے سواد (سیاہ) سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ گویا ہر شرارہ زرد رنگ کے اونٹ ہوں گے یا سیاہ اونٹوں کی طرح ہوں گے۔ اس لئے کہ اونٹ کی سیاہی کو زرد سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے ہرنی کو آدم سے تشبیہ دی جاتی ہے اس لئے کہ اس کی سفیدی موتی کی طرح اس کے اوپر ہوتی ہے یا اس لئے اونٹ کی زردی بالوں کے سروں میں ملکر سیاہ بن جاتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کی چنگاریاں قیر (تارکول، تیل) کی طرح سیاہ ہوں گی پہلے اسے قصر سے تشبیہ ہے عظم میں پھر اونٹ سے تشبیہ رنگ اور کثرت ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنے اور رل ملکر آنے اور حرکت میں۔

المفردات میں ہے کہ کَاَنَّہٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ میں صفر سے مراد وہ زرد جو معاون (کان) سے نکلتا ہے اسی لئے تانبہ کو صفر کہا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر وہ صفت جو اوصاف بہیمیہ و سبعیہ و شیطانیہ بحسب غلظۃ و شدۃ کے اونچے محلات و بروج مضبوط کی طرح ہیں یا گویا وہ عظیم الہیکل زرد اونٹوں کی طرح ہیں۔ اور وہ طویل شرارے ہیں انمیں نار کی قوت کی شدت ہے یعنی قوت غضبیہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَیْلٌ بڑی مشقت ہے یَوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ اس دن جھٹلانے والوں کو قیامت کے ہونے کو اور گنہگاروں کے احوال کی وجہ سے۔

اور کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویل ہے مکذبین کو جو مشقت دوزخ اور اس کے شراروں کا یقین نہیں کرتے تھے۔

تفسیر عالمانہ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ یہ وہ دن ہے کہ وہ نہ بول سکیں گے ۔ یہ ان کے جہنم میں داخلے کے وقت اشارہ ہے یوم مرفوع خبر ہے ہذا مبتدا کی یہ وہ دن جس میں مکذبین کوئی بات نہ کر سکیں گے اس لئے کہ سوال و جواب اور حساب اس سے پہلے ختم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں قیامت کا دن طویل ہو گا اس کے کئی مواطن و مواقیت ہیں بعض مواطن و مواقیت میں بولیں گے۔ بعض میں نہیں ان ہر ایک کو یوم سے تعبیر کیا گیا ہے یا کوئی ایسی بات نہ کریں گے جو انہیں فائدہ دے ایسا بولنا بھی نہ بولنے کے برابر ہے ۔

فائدہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ بولیں گے بوجہ فقدان آلات نطق اور عدم اجازت کے کہ ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی بعض نے کہا کہ تحیر کی شدت اور دہشت کی قوت کی وجہ سے نہ بولیں گے حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں ربوبیت کی ہیبت اور گناہوں کا حیا نہ بولنے دے گا حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ۔

سر از جیب غفلت بر آور کنوں
کہ فردا نماند بخجلت نگوں

ترجمہ: سر غفلت کے گریبان سے باہر لا تاکہ کل قیامت میں شرمساری سے تیرا سر نگون نہ ہو ۔

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ اور نہ انہیں اجازت ملے گی۔ یعنی انہیں عذر کرنے کی اجازت نہ ملے گی فَيَعْتَذِرُوْنَ کہ اس کا عذر کریں ۔ اس کا عطف یؤذن پر ہے یہ بھی نفی کے سلک میں منتظم ہے یعنی نہ انہیں اجازت ہو گی نہ اس کے بعد عذر اسے اذن کا سبب نہیں بنایا جا سکتا ورنہ یہ منصوب ہوتا اور منصوب ہوتا تو وہم گذرتا کہ انہیں عذر کی گنجائش ہے حالانکہ اس سے وہ ممنوع ہوں گے کہ اس کا ذکر کر سکیں اور یہ واقع کے خلاف ہوتا کہ اگر انہیں عذر کی گنجائش ہوتی تو پھر انہیں روکا کیوں گیا یعنی اسے کوئی عذر کی گنجائش نہ ہو گی جس نے منعم سے منہ موڑا اور اس کی نعمتوں اور احسانات سے کفر کیا۔ وَيْلٌ خرابی اور غم يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ جھٹلانے والوں کی۔ ان اخبار کو اور اسے جو حق واقع ہونے والے کو لایا هٰذَا یہ وہ دن ہے جس کے احوال (ہولناکیاں) اور احوال کا مشاہدہ آنکھوں سے دیکھا يَوْمُ الْفَصْلِ فیصلہ کا دن ہے کہ اس میں حق و باطل کا فیصلہ ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ نفس و شیطان کی عارف کے قلب کے جوار سے جدائی اور ہر محب کا غیر محبوب سے علیحدگی کا دن ہے ۔ اس میں عارف و محب محبوب کے جود شہود و وجود میں کلی طور مستغرق ہو گا۔

تفسیر عالمانہ جَمَعْنٰكُمْ اے امت محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم نے تمہیں جمع کیا وَالْاَوَّلِيْنَ اور تمام اگلوں کو امتوں میں سے یہ فیصلے کی تقریر و بیان ہے اس لئے حق و باطل اور حق و باطل والے

کے درمیان فیصلہ نہیں ہوسکتا جب تک سب ایک جگہ پر نہ ہوں اس لئے ان کا جمع کرنا ضروری ہوا بالخصوص اس مذہب کے قاعدہ پر کہ غائب پر کوئی فیصلہ قائم نہیں ہوتا فَاِنْ کَانَ لَکُمْ کَیْدٌ فَکِیْدُوْنِ (۳۹) اگر تمہارا کوئی داؤ ہے۔ حیلہ وغیرہ کہ جس سے تم اپنے سے عذاب دفع کرسکو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب منجانب اللہ کفار کو ہے فَکِیْدُوْنِ تو مجھ پر چلاؤ۔ دراصل فکیدونی تھا یا متکلم محذوف ہوئی کسرہ ونون کا یہ پر اکتفا کیا گیا ہے وہ امر ہے یکید بمعنی مکر وحیلہ اور دھوکہ کرنا اب معنیٰ یہ ہوا کہ اپنے لئے کوئی حیلہ بناؤ میرے عذاب سے چھٹکارا پاؤ اگر تمہیں امکان ہے کیونکہ جن کی تم دنیا میں تقلید و اقتدا کرتے تھے اور تم سب یہاں حاضر موجود ہو یعنی اللہ کے سامنے کونسا حیلہ یا مکر چل سکے گا اسی لئے وہ اپنے سے عذاب دفع نہ کرسکیں گے۔

بمکر وحیلہ عذاب خدا ردنہ شود

نیاز باید و اخلاص و نالۂ سحری

تواں خرید بیک آہ ملک ہر دو جہاں

ازاں معاملہ غافل مشو کہ حیف خوری

ترجمہ: مکر وحیلہ سے عذاب خدا رد نہ ہوگا۔ نیاز واخلاص اور نالہ سحری چاہیئے۔ ایک ہی آہ سے دونوں جہاں خریدے جاسکتے ہیں اس معاملہ سے غافل نہ ہو ورنہ افسوس کرے گا۔

فائدہ یہ اہانۃ کا امر ہے اور خطاب تعجیز و تقریع کا ہے ورنہ ان کا مکر وفریب اہل ایمان کے ساتھ صرف دنیا میں تھا۔ اس سے کفار کو شرمسار کرنا مطلوب ہے کیونکہ دنیا میں وہ لوگوں کے حقوق کھاتے اور ان سے بٹورتے تو کئی حیلے وفریب کرکے دنیا میں ایسے چکر و مکر اور دھوکے ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا تب اللہ نے ان سے خطاب فرمایا کہ اب تمہارے چیلے مکر وفریب دیکھے سب جواب دے گئے یہاں مکر وفریب ممکن ہی نہیں تو گویا ان کی عاجزی کا اظہار اور زجر و توبیخ اور رسوا کرنا مطلوب ہے کیونکہ ایسا خطاب ان سے ہوتا ہے جہاں کا عجز یقینی ہے۔

فائدہ بعض تفاسیر میں ہے کہ اگر مکر وفریب موجود ہے تو تمہیں نفع نہ دے گا۔ لَکُمْ کَانَ کے متعلق ہے یا عبارت یوں ہو فان وجد نافعا لکم تو اس وقت نافعاً حال ہوگا۔

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے کہ یہاں ظاہر ہوگیا ہے کہ عذاب سے بچنے کا ان کے پاس کوئی حیلہ نہیں۔

تفسیر عالمانہ إِنَّ الْمُتَّقِينَ بے شک (کفر و تکذیب سے ڈرنے والے) اس لئے کہ یہی مکذبین کے بالمقابل ہیں۔ آیۃ معتزلہ کا رد ہے فِي ظِلَالٍ سایوں میں جمع ظل جیسے شعاب شعب یا ظلۃ کی جیسے قباب قبۃ کی یعنی وہ لمبے چوڑے حقیقی سایوں کے تلے ہوں گے جیسے جملہ کا اطلاق دلالت کرتا ہے نہ کہ مکذبین کے ظلال سائے کہ وہاں مجاز تھا یعنی متقین بہشت میں سایہ دار درختوں کے نیچے ہوں گے۔

فائدہ بعض نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ ان کی خبر دیتی ہے کہ وہ باغات میں پھلدار درختوں کے سایوں تلے ہوں گے۔

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہ) کہتا ہے کہ اس سے ان کی راحت عظمیٰ سے کنایہ ہے اس لئے کہ ظل راحت کے لئے بھی آتا ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے قول وندخلہم ظلاً ظلیلاً وغیرہ میں۔

نکتہ ظل اس لئے ذکر فرمایا تاکہ قلوب کو اس کا شوق ہو کیونکہ بعض بلاد سخت گرم اور قلیل الماء والاشجار والظلال ہوتے ہیں ان کو ایسے سایہ دار درختوں میں جانے کا طبعی شوق ہوتا ہے۔

وَعُيُونٍ اور چشموں میں ہیں۔ میٹھے پانی کے کہ ان سے پیاس دور ہو (۴۲) وَفَوَاكِهَ اور میووں میں یعنی رنگارنگ میووں کے درمیان مِمَّا يَشْتَهُونَ جو ان کا جی چاہے یعنی تمنا آرزو کریں انہیں حاصل کریں نہ کہ بھوک اور پیٹ بھرنے کے لئے بلکہ شہوت و تلذذ کے لئے خلاصہ یہ کہ وہ گوناں گوں نعمتوں اور قسم وقسم تنعم میں ہوں گے اپنے مخالفین کے برعکس (۴۳) كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ کھاؤ پیو رچتا پچتا صلہ اپنے اعمال کا۔ یہاں یہ قول مقدر ہے اور وہ متقین سے حال ہے یعنی انہیں کہا جائے گا جنت کی نعمتیں اور اس کے ثمرات کھاؤ اور اس کا پانی اور شراباً طہوراً پیو رچتا پچتا عام بغیر بیماری اور بدنظمی کے اس کا صلہ ہے جو تم دنیا میں اعمال صالحہ کرتے تھے بالخصوص روزہ جیسا کہ سورہ الحاقہ میں گذرا یہ امر اکرام ہے ان سے رضا و رغبت اور محبت کا اظہار ہے یہاں سے ان قائلین سے تمسک پکڑا ہے جو کہتے ہیں عمل صالحہ کی جزا واجب ہے جیسا کہ باء سببیہ سے ظاہر ہے ہم انہیں جواب میں کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے وعدہ سے جس کا خلاف نہیں ہوتا نہ بالذات کہ اس کا عدم ممتنع یا نقص ظلم کا موجب ہو۔

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ایسے ہی یہ بڑی جزا ہم محسنین کو دیتے ہیں کہ جن کے عقائد اور اعمال اچھے ہیں نہ کہ معمولی جزا۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ خرابی اس دن مکذبین کو ہے۔ کہ ان کے مخالفین تو ایسے جیسے بڑے ثواب کو پہنچے اور وہ رہے دردناک شدید عذاب دائمی میں ہاتھ ملتے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ متقین باللہ ماسواء سے یعنی نور وحدۃ کے ساتھ ظلمت کثرۃ سے اور نور معرفت کے ساتھ ظلمۃ النکرۃ سے ڈرنے والے ظلال اوصاف الٰہیہ و اخلاق ربانیہ میں اور میاہ

العلوم والحکم کے چشموں میں اور وہ میوے جو ان کا جی چاہے تجلیات روحانیہ و تنزلات نورانیہ سے انہیں کہا جائے گا کھاؤ مواہب ھنیہ (خوشگوار) کے طعام اور پیؤ مشارب توحید یہ کا شراب رچتا پچتا صلہ ہے اس کا جو تم اعمال صالحہ و خصال حسنہ کرتے ہو ہم اسی طرح محسنین یعنی ہمارے حال مطلق کے مشاہدین کو جزا دیتے ہیں احسان الجزاء و جزاً لاحسان کے مکذبین کو خرابی ہے۔

تفسیر عالمانہ كُلُوْا کھاؤ، دنیا کی فانی نعمتوں سے وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا نفع اٹھاؤ تھوڑا یا تھوڑے زمانہ میں یعنی اپنے آجال کے انتہا تک تھوڑا سا نفع اٹھالو کیونکہ دنیا کا زمانہ اس کے متاع کی طرح تھوڑا ہے۔

اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ بے شک تم مجرم ہو، کافر ہو عذاب کے مستحق ہو بالآخر تمہارے لئے دائمی عذاب ہے۔

فائدہ فعل مقدر (قول سے متعلق ہے اور مکذبین سے حال ہے اسی لئے کواشی میں ہے کہ میں مکذبین پر وقف اچھا نہیں سمجھتا اگر اس سے کلوا منصوب ہو یعنی مقول سے حال ہونے کی حیثیت سے اب معنیٰ یہ ہوا کہ خرابی ان کے لئے ثابت ہے جنہیں کہا جائے گا ان کو نصیحت دے کر کہ دنیا کے اسباب کچھ نہیں جیسے تم گناہ کر رہے ہو اور اس کی اتباع کو دائمی نعمت والی پر ترجیح دے رہے ہو یہاں یہ سوال وارد نہ ہو کہ انہیں یہ کیسے کہا جائے گا جبکہ وہاں آخرت میں تمتع کیسا اس لئے کہ آخرت میں انہیں "طلب اکل و تمتع بہ نعیم" دنیا کا امر حقیقۃً نہ ہوگا کیونکہ وہاں دنیا کی نعمتیں ممکن ہی نہیں بلکہ یہ امر تذکیر مذکور (دنیا) کے لئے ہوگا اس معنیٰ پر یہ توبیخ و تحسیر و حسرت (دلانا)، تحصرین (حزن میں ڈالنا) امر ہوگا۔

فائدہ ان کے اجرام (جرم کرنا) کو علت بنانے میں دلیل ہے کہ مجرم کا انجام یہی ہے کہ اس کا دنیا میں کھانا اور نفع اٹھانا تھوڑے دنوں کے لئے پھر دائمی ہلاکت میں رہنا ہوگا (معاذ اللہ)

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ خرابی ہے اس دن میں مکذبین کو کہ دنیا کے تھوڑے سے اسباب سے نفع اٹھا کر خود کو عذاب دائمی کے آگے لگا دیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تم مجرم ہو کہ ہیآت ردیہ و ملکات غیر مرضیہ (ناپسندیدہ) کو عمل میں لاتے ہو خرابی ہے اس دن مکذبین کے لئے کہ انہوں نے اخلاق ذمیمہ کو افضل سمجھ کر اوصاف حمیدہ کی تکذیب کی۔

تفسیر عالمانہ (۴۸) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اور جب مکذبین کو کہا جائے کہ ارْكَعُوْا نماز پڑھو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اس سے ڈرو اس کے وحی کو قبول کر کے اور دین کی اتباع کر کے سر جھکاؤ اور اس تکبر و نخوت کو چھوڑو اسی لئے رکوع اور کسی کے سامنے سر جھکانا اس کی تعظیم و تواضع ہے اور سجدہ سب سے بڑھ کر تعظیم و تواضع میں اسی لئے کہا جاتا ہے کہ غیر اللہ کے سجدہ کفر ہے اگر عبادۃ کا ہو اگر تعظیم کا ہو تو خطرۂ عظیم سے خالی نہیں۔[1] (حاشیہ ملے آگے)

فائدہ حواشی ابن الشیخ میں ہے کہ رکوع لغت میں حقیقۃً مطلق انحناء معنی کو کہا جاتا ہے اور نماز کا رکوع بھی منجملہ اس کے افراد کے ہے اس کی اطاعت و خضوع سے تعبیر کرنا مجاز لغوی ہے اسے انحناء حسی سے تشبیہ کی وجہ سے۔

لَا یَرْکَعُوْنَ تو نہیں پڑھتے نہ ڈرتے اور نہ اسے قبول کرتے بلکہ جس عادت پر تھے اپنے تکبر پر ڈٹ جاتے بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب انہیں نماز کا حکم کیا جائے یا رکوع کا تو نہ کرتے۔

شان نزول مروی ہے یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثقیف والوں کو نماز کا حکم فرمایا تو کہا ہم نہ گرتے ہیں نہ ہی کبڑے ہوتے ہیں یعنی رکوع والے کی طرح کمر ٹیڑھے نہیں ہوتے کیونکہ ہمارے لئے ذلت ہے اس لئے کہ رکوع کی حالت میں پیٹھ سیدھی کر کے دبر کو پیچھے کی طرف کھڑا کرنا پڑتا ہے اور یہ ہمارے لئے عیب اور عار ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس دین میں خیر و بھلائی نہیں جس میں رکوع و سجود نہ ہو۔

فائدہ بعض تفاسیر میں ہے کہ جاہلیت میں بتوں کو سجدہ تو کرتے لیکن رکوع نہیں کرتے تھے اسی لئے رکوع اہل اسلام کی نماز علامت ہو گیا۔

فائدہ اسمیں دلیل ہے کہ کفار بھی فروع کے مخاطب ہیں آخرت میں مواخذہ کے حق میں (جیسے بار بار گذرا)۔

فائدہ حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ وہ کفار مسلمان نہیں ہوں گے اس لئے کہ اسلام کا رکن اعظم نماز ہے شہادتین کے بعد۔

تارک نماز کی مذمت: اس میں تارک نماز کی مذمت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے داعی کی دعوت قبول نہیں کرتا جبکہ مؤذن پانچ وقت اسے اللہ تعالیٰ کے گھر اور نماز قائم کرنے کے لئے بلاتا ہے ایسے ہی تمام داعین الی اللہ تعالیٰ کا قیاس کیجئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب اُن سے کہا جاتا ارکعوا یعنی لذاتیہ حیوانیہ سے فنا پا کر لذاتیہ روحانیہ میں بقا پاؤ اس لئے کہ نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ روح و سر کی مناجات ہے اور اس مناجات سے بڑھ کر اور کوئی شے لذیذ تر نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ خرابی ہے اس دن مکذبین کی۔ لعنت ہے اس دن ان لوگوں پر جو نماز کے رکوع و سجود کی تکذیب کرتا ہے اور شرف اسلام کو نہیں پاتا۔

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ پھر کونسی بات پر (یہ اس خبر پر جو حق کی خبر دیتی ہے اور ماکان و مایکون کے صدق کو بیان

---

[1] اسی لئے ہم اہلسنت کے نزدیک سجدہ تعظیم حرام (مکروہ تحریمی)۔

کرتی ہے۔ بَعْدَهٗ اس کے بعد یعنی قرآن مجید جو دارین کی باتیں بوتا اور دونوں جہانوں کی خبریں عجیب طریقے اور معجزے کے طور پر بتاتا ہے۔ اور حجج قاطعہ و براہین ساطعہ پر اس کی مضبوط بنیاد ہے یُؤْمِنُوْنَ (ایمان لائیں گے) جب قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے جو کہ یہ جمیع احادیث (باتوں) کا جامع ہے

فائدہ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ الخ شرط محذوف کا جواب اور کلمہ بعد بمنزلہ ثُمَّ کے ہے افادۂ تراخی رتبی کا یعنی جب وہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ وہ مذکورہ امور سے موصوف ہے تو پھر کونسی کتاب پر ایمان لائیں گے۔

نکتہ سورۃ کو کفار پر تعجب دلانے پر ختم فرمایا کیونکہ استفہام تعجیب کے لئے آتا ہے اس سے واضح فرمایا کہ یہ کفار مکہ انتہائی درجہ کے تمرد و عناد میں ہیں کہ وہ ایسے برہان روشن اور دلیل قاطع پر ایمان نہیں لاتے اور دین مضبوط کی حقیقت (حق ہونا) کو نہیں مانتے کہ یہ قرآن انتہائی درجہ کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز انتہائی طبقہ میں ہے۔

فائدہ خبر میں ہے کہ ان آیات کے پڑھنے کے بعد کہا (آمنّا) ہم ایمان لائے۔

استدلال معتزلہ بعض معتزلہ نے اس سے دلیل پکڑی ہے کہ قرآن قدیم نہیں کیونکہ آیت لفظ حدیث ہے اور وہ قدیم کی نقیض ہے اس لئے کہ قدم و حدوث ایک شے میں جمع نہیں ہو سکتے۔

جواب از اہلسنت ۱؎ ہم کہتے ہیں کہ لفظ حدیث سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ قرآن حادث ہے کیونکہ یہاں حدیث بمعنی خبر ہے نہ کہ محدث (نو پیدا شدہ)

جواب ۲؎ اگر مان لیں کہ حدیث بمعنی محدث ہے تو بھی ان کا دعویٰ صحیح نہیں ہو سکتا اس لئے کہ عبارت قرآن میں کوئی ایسی تصریح نہیں جس میں ہو کہ قرآن محدث ہے صرف حدیث سے حدوث سمجھنا جہالت ہے اس لئے کہ آیت کا مطلب تو یہ ہے کہ بعد قدیم کلام کے کونسی بات پر ایمان لاؤ گے۔

جواب ۳؎ مان لیا کہ حدیث سے حدوث کی دلیل ہے تو اس سے زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ جو الفاظ ہم پڑھتے ہیں وہ معانی پر دلالت کرتے ہیں وہ حادث ہیں اور اسمیں تو ہمارا بھی اختلاف نہیں خلاف اس معنی پر ہے جو بذاتہٖ اللہ تعالیٰ ہے وہ ہمارے نزدیک قدیم ہے۔

شان نزول حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ والمرسلات شب جن میں نازل ہوئی ہم سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رکاب سعادت میں تھے جب منیٰ کی غار (جو مسجد خیف کے ملحقہ ہے) میں پہنچے والمرسلات نازل ہوئی ہم حضور سے اس کو پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کی تلاوت فرماتے تھے اچانک ایک سانپ نے جست کی ہم اس کو مارنے کے لئے لپکے وہ بھاگ گیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تم اس کی برائی سے بچائے گئے وہ تمہاری برائی سے یہ غار منیٰ میں غار والمرسلات کے نام سے مشہور ہے

غار جن کی زیارت فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میں نے اس غار مبارک کی زیارت کی اور اس میں سورۃ والمرسلات بھی تلاوت کی اور وہ غار ایک اونچی پہاڑی کے اندر کے حصہ میں ہے اس غار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کا نشان پاک ہے یتبعلہٗ ب الالآن اب بھی اس سے تبرک حاصل کیا جاتا ہے اس کے فضل کرنے اور کثرۃ انعامات دینے اور زیارت حرم خود اور حرم مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی توفیق بخشنے ہر وہ مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اس کے نور جمال وکمال کے مظہر اتم ہیں۔

فراغت از صاحب روح البیان سورۃ والمرسلات کی تفسیر خالق کائنات کی مدد سے عاشورہ محرم کی عمر ۱۱۱۱ھ یعنی پارہ ۲۹ کی تفسیر اسی تاریخ کو ختم ہوئی

اور فقیر اویسی غفرلہ پارہ ۲۹ کی تفسیر سے ۱۵ ج ۲ ۱۴۰۹ھ ۲۳ جنوری ۱۹۸۹ء شب بدھ ساڑھے آٹھ بجے کو فارغ ہوا۔ بہاولپور (پاکستان)۔

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۴۰ رُكُوْعَهَا ۲

سورۂ نبا مکیہ ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — چالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿۲﴾ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴿۳﴾ كَلَّا

یہ آپس میں کاہے کی پوچھ گچھ کررہے ہیں بڑی خبر کی جس میں وہ کئی راہ ہیں ہاں ہاں

سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿۶﴾ وَّالْجِبَالَ

اب جان جائیں گے پھر ہاں ہاں جان جائیں گے کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہ کیا اور پہاڑوں کو

اَوْتَادًا ﴿۷﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴿۸﴾ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۹﴾ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ

میخیں اور تمہیں جوڑے بنایا اور تمہاری نیند کو آرام کیا اور رات کو پردہ پوش

لِبَاسًا ﴿۱۰﴾ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّجَعَلْنَا

کیا اور دن کو روزگار کے لیے بنایا اور تمہارے اوپر سات مضبوط چنائیاں چنیں اور ان میں ایک

سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا

نہایت چمکتا چراغ رکھا اور پھر بدلیوں سے زور کا پانی اُتارا کہ اس سے پیدا فرمائیں

وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ

اناج اور سبزہ اور گھنے باغ بے شک فیصلہ کا دن ٹھہرا ہوا وقت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا

فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ

تو تم چلے آؤ گے فوجوں کی فوجیں اور آسمان کھولا جائے گا کہ دروازے ہوجائے گا اور پہاڑ چلائے جائیں گے کہ ہوجائیں گے

سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾

جیسے چمکتا ریتا دور سے پانی کا دھوکا دیتا بے شک جہنم تاک میں ہے سرکشوں کا ٹھکانا اس میں قرنوں رہیں گے

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ

اس میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہ پائیں گے اور نہ کچھ پینے کو مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کا جلتا پیپ جیسے کو تیسا بدلہ بیشک

كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾

انہیں حساب کا خوف نہ تھا اور انہوں نے ہماری آیتیں حد بھر جھٹلائیں اور ہم نے ہر چیز لکھ کر شمار کر رکھی ہے

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾

اب چکھو کہ ہم تمہیں نہ بڑھائیں گے مگر عذاب بیشک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے باغ ہیں اور انگور

وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَّابًا ﴿٣٥﴾ جَزَاءً
اور اٹھتے جوبن والیاں ایک عمر کی اور چھلکتا جام جس میں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں نہ جھٹلانا صلہ تمہارے
مِنْ رَبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَٰنِ لَا
رب کی طرف سے نہایت کافی عطا وہ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے رحمٰن کہ اس سے
يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿٣٧﴾ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ
بات کرنے کا اختیار نہ رکھیں گے جس دن جبریل کھڑا ہوگا اور سب فرشتے پرا باندھے کوئی نہ بول سکے گا
إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَاءَ
مگر جسے رحمٰن نے اذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی وہ سچا دن ہے اب جو چاہے اپنے
اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ﴿٣٩﴾ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا
رب کی طرف راہ بنالے ہم تمہیں ایک عذاب سے ڈراتے ہیں کہ نزدیک آگیا جس دن آدمی دیکھے گا جو
قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ﴿٤٠﴾
کچھ اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا ہائے میں کسی طرح خاک ہو جاتا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان رحم والا ہے

تفسیر عالمانہ

عَمَّ (کا ہے کی) یہ دراصل عَنْ مَا تھا، نون میم میں مدغم ہوا کیونکہ یہ غُنّہ
میں مشترک ہیں عَمَّا ہوا پھر الف لِمَ، بِمَ، فِیْمَ، اِلٰامَ وعلامَ کی طرح الف بھی گر گیا کیونکہ یہ بھی
دراصل لِمَا، بِمَا، فیما، الیٰ ما، علیٰ ما تھے استفہامیہ وغیرہ کے درمیان فرق کے لیے یا کثرتِ استعمال
کی وجہ سے تخفیفاً۔ العشر میں غیر محذوف میں آیا ہے جیسے ابو البقا نے کہا مبہم اس لیے ہے تاکہ مسؤل عنہ
(جس کے بارے میں کفار کرتے تھے) کے شانِ فخیم معلوم ہو کہ وہ کیسی ہے اور اجناس معہودہ سے خارج ہے
گویا وہ اپنے ہم جنس سے خارج ہے اسی لیے اس کے متعلق پوچھ گچھ ہو رہی ہے۔ یہ استفہام اپنے حقیقی معنی میں نہیں
بلکہ محض تفخیم کے لیے ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ (مسؤل عنہ) مجہول نہیں کیونکہ اس سے کون سی شے مخفی

ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کتنی عظیم الشان شے سے سوال کرتے ہیں۔ یَتَسَآءَلُوْنَ ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں یعنی اہلِ مکہ مرنے کے بعد اٹھنے اور حشر جسمانی کے متعلق آپس میں پُوچھ گچھ کرتے اور گفت گو کرتے اور انکار و استہزاء کے پیرایہ میں ایک دوسرے سے سوال کرتے یعنی وہ آپس میں اس کی حقیقت اور مسمّٰی سے سوال نہیں کرتے تھے بلکہ اس کے وقوع سے جو اس کے احوال میں سے ایک حال اور اس کے اوصاف میں سے ایک وصف کے متعلق پوچھ گچھ کرتے اگرچہ ما کی وضع حقائق الاشیاء و اسماء کے مسمیات کی طلب کے لیے ہے جیسے ما الملک، ما الروح (فرشتہ و روح کیا ہے) یعنی ان کی حقیقت اور ان کے مسمّٰی کیا ہیں لیکن کبھی شے کا حال و وصف کے متعلق بھی آتا ہے جیسے ما زید۔ زید (کی وصف) کیا ہے؟ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے عالمٌ یا طبیبٌ۔ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ (بڑی خبر کی) النبا وہ خبر جو بڑی شان و خطر بھری ہو۔ یہ مسئول عنہ کے شان کا بیان اور جواب ہے۔ گویا کہا گیا ہے کہ کا ہے کی پُوچھ گچھ کرتے ہیں، کیا میں تمہیں اس کی خبر دوں۔ اس کے بعد بطریق جواب کے کہا گیا عن النبا العظیم اس بڑی خبر سے جو دائرۂ خلق کے علوم سے خارج ہے، پُوچھ گچھ کرتے ہیں یہ لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار (آج شاہی کس کی، اللہ واحد قہار کی) کے طریق پر ہے۔

ف: اس طریق سے سوال و جواب کا ایک فائدہ ان کے سمجھانے اور وضاحت کے زیادہ قریب ہے عن اس مدلول کے متعلق ہے جس پر مذکور دلالت کرتا ہے وہ مضمر ہے اور اس کا حق ہے کہ وہ مقدر ہو سکے، اس کے بعد بیان میں جلدی اور سوال کی ترتیب کے لیے۔ اس لیے جار اپنے متعلق سے مقدم ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ عن النبا العظیم ایک دوسرا استفہام ہے کہ دراصل اعن النبا العظیم، ام وغیرہ تھا (کیا بڑی خبر سے یا اس کے غیر سے) مذکور (استفہام) کی وجہ سے دوسرا استفہام محذوف ہو گیا اس کی نظیر قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے: افان مت فھم الخالدون۔ دراصل افھم الخالدون تھا (کیا اگر میں مر جاؤں تو کیا وہ دنیا میں ہمیشہ رہیں گے)۔

الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ (جس میں وہ کئی راہ ہیں) یہ نبا کی صفت کے بعد صفت ہے۔ پہلی صفت عظیم ہے اس کے خطرناک ہونے کی تاکید کے بعد تاکید ہے اور آگاہ کرنا ہے کہ ان کی پوچھ گچھ کا مدار یہی ہے فیہ مختلفون کے متعلق ہے اس پر مقدم ہے اس کے اہتمام اور فواصل کی رعایت کی وجہ سے

اور صلہ جملہ اسمیہ ثبات کی دلالت کے لیے ہے یعنی وہ اختلاف میں راسخ (پکے) ہیں کیونکہ ان کے بعض جو قیامت کے انکاری اور اسے محال سمجھنے میں راسخ اور پختہ یقینی رکھتا ہے وہ کہتا ہے بس یہی حیاتِ دنیا ہی ہے مریں گے جئیں گے اور ہمیں دہر ہی ہلاک کرے گا پھر ہم نہیں اٹھائے جائیں گے۔ اور ان کے بعض اقراری ہیں لیکن ان کا گمان ہے کہ ان کے بُت ان کی سفارش کریں گے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

ھٰؤلاء شفعاءنا عند اللہ۔ (اللہ کے ہاں یہی بُت ہماری سفارش کریں گے)

ان کے بعض شک میں تھے، چنانچہ کہتے:

ما ندری ما الساعۃ ان نظن الا ظنا وما نحن بمستقنین (ہمیں معلوم نہیں کہ قیامت کیا ہے ہمیں تو صرف اس کا گمان ہی ہے ہمیں اس کا کوئی یقین نہیں)

تفسیر صوفیانہ اس میں قیامتِ کبریٰ کی طرف اشارہ ہے اور وہ ہے فناء کے بعد بقاء، یا بعث القلب کی طرف جو نفس کی موت کے بعد ہوتا ہے رُوح اور اس کے قُویٰ تو اس کا اقرار کرتے ہیں لیکن نفس اور اس کی صفات انکاری ہیں کیونکہ یہ جاہل ہیں چہ جائیکہ انھیں اس کا کوئی ذوق نصیب ہو جو جس کا ذائقہ نہیں چکھتا وہ اس سے انکار کرتا ہے۔ حضرت کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

زاہد تعجب گر کند از عشق تو پرہیز
لیکن لذت ایں بادہ چہ داند کہ نخوردا ست

ترجمہ: زاہد اگر تعجب کرتا ہے عشق سے، تو تو اس سے دُور رہ کیونکہ جو اس شراب کی لذت نہ جانے وہ کیا پیئے گا۔

حقیقت کے بادہ خوروں کو مبارک اور محروموں کو حسرت ہی حسرت۔

تفسیر عالمانہ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ (ہاں ہاں اب جان جائیں گے) کلّا کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں انہیں زجر ہے اور وعید ہے جیسے سیعلمون سے ثابت ہوتا ہے یعنی بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) کوئی امر نہیں کہ اس کے انکار یا شک کرنے سے نہ ہو کہ اس سے انکار یا شک کر کے پوچھ گچھ کرتے ہیں اس لیے کہ جس کی پُوچھ گچھ کر رہے ہیں وہ حق ہے اُسے کوئی دفع نہیں کر سکتا اس نے واقع ہوتا ہے لاریب۔ یقیناً اس میں کسی قسم کا شک نہیں ہے ثُمَّ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ (پھر ہاں ہاں جان جائیں گے) زجر و وعید کا تکرار تاکید و تشدید میں مبالغہ کے لئے ثُمَّ میں دلیل ہے کہ وعید ثانی شدید تر ہے یعنی ثم کی وضع تراخی زمانی کے لئے ہے لیکن مجازاً کبھی تراخی رتبی کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی شدۃ و قطاعۃ میں معطوفین کے درمیان تباعد کے لئے، اس میں تباعد رتبی کو تراخی زمانی سے تشبیہ کی وجہ سے کہ وہ مطلق

تباعد بین الامرین پر مشتمل ہیں اور یہاں مجازی معنیٰ مراد ہے کیونکہ تشدید و تہدید کا مقام ہے اور اس پر محمول کرنے میں زیادہ تاکید ہے اگرچہ بعض نے اسے حقیقی معنی پر محمول کیا ہے اور یہ کہا کہ تم اس کی حقیقت نزع روح کے وقت جانو گے پھر مدتِ مدید کے بعد یومِ قیامت میں، اور ظاہر ہے کہ یوم القیٰمۃ نزع روح کے بڑی مدت کے بعد واقع ہوگا یا یہ معنی ہے کہ تم جانو گے بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) کی حقیقت، جب قبروں سے اٹھو گے پھر بحسب العمل جزاء کی حقیقت (حق ہونا)۔

ف: بعض نے ان کے اختلاف کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختلاف پر محمول کیا ہے پھر اختلاف میں صدور الفعل از متعدد کا اعتبار ہے نہ کہ ان کی آپس میں مخالفت جانبین سے اس لیے کہ وہ سارے کے سارے اگرچہ زجر و وعید کے مستحق تھے لیکن یہ استحقاق ہر دو جانب کی وجہ سے جانب آخر سے مخالفت کے لیے نہیں اس لیے کہ ان کی مخالفت میں حقیقت تو ہے نہیں، یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کی مخالفت سے مواخذہ ہو بلکہ مواخذہ ہے تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے۔ اس تقریر پر کلّا کی زجر انہیں پوچھ گچھ اور دونوں معنیٰ مذکورہ سے اختلاف کی وجہ سے ہے، اور سیعلمون بطریق استیناف انہیں وعید اور زجر کی تعلیل ہے اور سین تقریب و تاکید کا ہے اس کا کوئی مفعول نہیں جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے کہ وُہ اپنی پوچھ گچھ والی شے کے وقوع اور جس میں اختلاف کر رہے ہیں کے وقوع میں نہیں بلکہ یہ تو وہ ہے کہ جو اس کی گوناگوں ہولناکیاں اور عقوبات پائیں گے اور تساءل و اختلاف کے بالمقابل اس کے وقوع کے پانے کو علم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ انہیں چاہیئے کہ ایسے غلط سوال سے باز آجائیں کیونکہ عنقریب وہ جو حلول کرنے والی ہے اسے جان لیں گے جب ان پر عذاب و عقاب نازل ہوا۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا (کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا) جملہ مستانفہ ہے نبأ اور متساءل عنہ کی تحقیق ہے بعض متعدد ایسے شواہد سے جو اس کی حقیقت پر ناطق ہیں اور اس کے کہ اس پر زجر و وعید سے متنبہ فرمایا۔ یہاں سے واضح ہوگیا کہ متساءل عنہ بعث (مرنے کے بعد اٹھنا) ہے نہ کہ قرآن و نبوت النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا۔ ہمزہ تقریر کے لیے ہے۔ المهاد یعنی بچھونا و فراش، جیسے دوسری آیت میں فرمایا: جعل لکم الارض فراشا (تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا)

حلِ لغات

ابن الشیخ نے فرمایا المهاد مصدر ہے ماهدت بمعنی مهدتُ، جیسے سافرت بمعنی سفرت ہے۔ اس کا اطلاق زمین ممهود (بچھائی ہوئی) پر ہوتا ہے یعنی کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا کہ اس پر تم چلتے پھرتے ہو جیسے کوئی اپنے بچھونے پر چلتا پھرتا ہے تاکہ وہ زمین تمہاری قرارگاہ اور چلنے پھرنے کی جگہ ہو۔ مهادًا، جَعَلَ کا مفعول ثانی ہے اگر جعل بمعنی تصییر ہو، اس کا حال

مقدر ہے اگر بمعنی غلق ہو، یہ بھی ہے کہ مہد کی جمع ہے جیسے کعب کی جمع کعاب ہے اس کی جمعیت (جمع ہونا) زمین کے مختلف اماکن کی وجہ سے جیسے بستیاں، بلاد (شہر) وغیرہ یا اس میں تصرف کی وجہ سے کہ اس کے بعض کھیتی کے لئے، بعض سکونت کے لئے وغیرہ وغیرہ۔

ف : اسے مہد بھی پڑھا گیا ہے بچے کے گہوارے سے تشبیہ دے کر، یعنی بچے کا وہ بچھونا جس پر وہ نیند کرتا ہے۔ تسمیۃ المفعول بالمصدر کے قبیل سے ہے یعنی مہد بمعنی ممہود۔

وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا (اور پہاڑوں کو میخیں) اوتاد سے اس کے لنگر مراد ہیں تاکہ ساکن ہو اور اپنے اوپر مقیمین کو کہیں نہ لے جائے جیسے وہ پانی پر ہچکولے کھا رہی تھی، جیسے گھر کو میخوں سے مضبوط کیا جاتا ہے تشبیہ بلیغ کے قبیل سے ہے۔

حل لغات اوتاد، وتد کی جمع ہے۔ وہ شے جو گاڑی جائے اور اس سے متزلزل و متحرک شے کو مضبوط کیا جائے، جیسے تختہ وغیرہ کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ یعنی میخ (کیل)۔

سوال : اللہ تعالیٰ کا ارادہ و قدرت زمین کو روکنے کے لیے کافی نہ تھی کہ اس نے پہاڑوں سے زمین کو ہلنے سے روکا؟

جواب : ضرور تھی لیکن وہ مسبب الاسباب ہے، اور یہ بھی اس کی کمال قدرت کی دلیل ہے۔

اولیاء کرام کی شان ہم اہلسنت والجماعت کہتے ہیں کہ دنیا اللہ والوں کے طفیل بس رہی ہے اسے ہمارے دور کے معتزلہ (وہابی، نجدی، دیوبندی) شرک و بدعت سے تعبیر کرتے ہیں۔ دو صدی پہلے یہی عقیدہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے بیان فرمایا، ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

قال بعضھم الاوتاد علی الحقیقۃ سادات الاولیاء و خواص الاصفیاء فانھم جبال ثابتۃ وبھم تثبت ارض الوجود۔ (روح البیان ۱۶، ص ۲۹۶) [1]

بعض نے کہا کہ اوتاد در حقیقت سادات اولیاء اور خواص اصفیاء ہیں، اس لیے کہ وہ جبال ثابتہ ہیں کہ ان سے ہی ارض الوجود ثابت ہے۔

اوتاد و ابدال میں فرق حضرت ابوسعید خراز قدس سرہٗ سے اوتاد و ابدال کے متعلق سوال ہوا کہ ان میں کون افضل ہے؟ فرمایا: اوتاد۔ عرض کی گئی: وہ کیسے؟ فرمایا کہ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ابدال، ایک سے دوسرے حال کی طرف بدلتے رہتے ہیں۔ اور اوتاد ان تک انتہا، اور ان سے ارکان ثابت
ہیں ان پر ہی خلق کا قوام (دار و مدار) ہے۔

ف : حضرت ابنِ عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اوتاد اہلِ استقامت اور اہلِ صدق ہیں ان کے احو
متغیر نہیں ہوتے وہ مقامِ تمکین میں ہوتے ہیں۔

اوتاد کی تعداد دنیا میں کل چار اوتاد ہوتے ہیں :

(۱) مشرق کی حفاظت کرتا ہے اس کا اسم گرامی عبد الحیّ ہے۔

(۲) مغرب کا محافظ ہے اس کا اسم گرامی عبد العلیم ہے۔

(۳) شمال کی نگرانی کرتا ہے اس کا نام عبد المرید ہے۔

(۴) جنوب کی حفاظت کرتا ہے اس کا نام عبد القادر ہے۔

ابدال کی ڈیوٹی ابدال سات ہیں، وہ ہفت اقلیم کے کُرہ کی علواً و سفلاً حفاظت کرتے ہیں۔ ان کی ڈیو
بھی یہی ہے کہ جب ان میں سے کوئی ایک فوت ہوجائے تو چہل تن میں سے ایک ا
کی جگہ پر لایا جاتا ہے وہ چہل تن نجباء ہیں اور نجباء کی تکمیل سی صد (۳۰۰) نقباء میں سے ایک سے ہوتی ہے
نقباء کی تکمیل صلحاء سے کی جاتی ہے۔ ابدال ایک جگہ پر مقیم نہیں رہتے مگر وہ کمزور ہوتے ہیں علاج معالجہ کو
کھاتے پیتے ہیں، کپڑے پہنتے ہیں، ابدال بننے سے پہلے نکاح کرتے ہیں، قطب الابدال کی نظیر سہیل ست
ایسے ہی قطب الارشاد کی نظیر جدی (ستارہ) ہے۔

ابدال زمانہ سابق کے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے زمانۂ اقدس میں حضرت عصام ا
قرنی حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا تھے ان کے وصا
بعد حضرت ابن عطاء احمد رضی اللہ عنہ جو مکہ معظمہ و یمن کے درمیان کسی گاؤں میں رہتے تھے سیدنا بلال ح
رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے زمانۂ اقدس میں ابدالِ سبعہ میں سے ایک
اور سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ اوتادِ اربعہ میں سے ایک تھے۔ [1]

---

[1] ہمارے دور میں بعض بدقسمت فرقے "ابدال" کے وجود اور ان کی اس اصطلاح اور ان کے تصرفا
کمالات و کرامات کے منکر ہیں۔ امام اجل جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر ایک بہترین
لکھی ہے، فقیر (محمد فیض احمد اویسی) نے بھی ان کے فیض سے ایک کتاب تحریر کی، اس کا خلاصہ
نذرِ قارئین ہے : (باقی برصفحہ آئندہ

تفسیر عالمانہ وَّ خَلَقْنٰكُمْ (اور ہم نے تمہیں پیدا کیا) اس کا عطف مضارع بکم پر ہے اور اسی کے حکم میں ہے کیونکہ یہ بھی انا جعلنٰکم کی قوۃ میں ہے یا اس پر جو انکار تقریر کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تحقیق ابدال ابدال دراصل رجال اللہ میں سے ایک مخصوص مقام پر فائز ہوتے ہیں ان کے متعلق احادیث مبارکہ میں بکثرت ارشادات وارد ہیں قرآن مجید میں انھیں رجال اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ وہ مردانِ حق جنہیں تجارت اور خرید و فروخت یادِ خداوندی سے غافل نہیں کرتی۔

ان کا وجودِ مسعود حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تک رہا ہے اور حضور کے عہدِ مبارک سے لے کر ظہورِ مہدی اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام تک رہے گا۔ کائنات کے قیام اور نظام کا دار و مدار انہی مردانِ خدا پر ہے۔ عبد و معبود کے درمیان کا رشتہ انہی کی تعلیمات وہدایات پر قایم ہے۔ امورِ تکوینی کے انصرام اور تصرفات کونیہ کی قدرت سے مشرف ہوتے ہیں ان کی برکات سے بارشیں برستی ہیں۔ نباتات پر سرسبزی آتی ہے کائنات ارضی پر مختلف قسم کے حیوانات کی زندگی انہی کی نگاہِ کرم کی مرہونِ منت ہے۔ شہری آبادیاں تقلب احوال و تحول اقبال، سلاطین کے عروج و زوال، انقلابات زمانہ اغنیاء و مساکین کے حالات میں ردّ و بدل، اصاغر و اکابر کی ترقی و تنزل جنود و عساکر کا اجتماع و انتشار، بلاؤں اور وباؤں کا رفع و دفع ہونا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کروڑوں طاقتوں کا مظاہرہ انہی کے اختیار میں ہے۔ آفتاب عالم تاب خداوند تعالیٰ کے عطا کردہ نور سے تمام کائنات کو روشن رکھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے غیب الغیب سے ایک نوران حضرات پر وارد کرتا ہے جس سے وہ بنی آدم کے نظام کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ ان حضرات کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ اولیائے ظاہرین

۲۔ اولیائے مستورین

(۱) اولیائے ظاہرین کے سپرد مخلوقِ خدا کی ہدایت و اصلاح ہوتی ہے۔ یہ لوگ مخلوقِ خدا کی ہدایت اور اصلاح کے لئے زندگیاں وقف کر دیتے ہیں اور اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ وہ دشوار ترین حالات کے سامنے بھی اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔

(۲) اولیائے مستورین کے سپرد انصرامِ تکوینی ہوتا ہے۔ یہ اغیار کی نگاہوں (نگاہِ ظاہرین) سے مستور

(باقی اگلے صفحہ)

مقتضی ہے ۔ کیونکہ وہ اس قوت میں ہے کہ کہا جائے قد جعلنا کم ازواجا ۔ جوڑے در انحالیکہ تم کئی قسم ہو یعنی نر و مادہ ، تاکہ ہر صنف اپنی دوسری صنف سے تسکین پائے اور معاشرہ و معاش کا معاملہ منتظم ہو اور نسل کا سلسلہ بڑھے ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور پوشیدہ ہوتے ہیں ، مگر یہ بھی صاحب خدمت ہوتے ہیں ۔ انہیں اپنے انصرامی امر کی سرانجام دہی کے سلسلے میں اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی ، انھیں اصطلاحِ صوفیہ میں رجال الغیب اور مردانِ غیب کہا جاتا ہے ۔ ان میں سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی اتباع میں ان کے قدم بہ قدم چل کر عالم شہادت تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور مستوی الرحمٰن کا مقام پاتے ہیں ، وہ نہ تو پہچانے جا سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں حالانکہ وہ عام انسانی شکل میں رہتے ہیں اور عام انسانوں میں صبح و شام مصروفِ کار رہتے ہیں ۔ انہی کے بارے میں حدیثِ قدسی میں ہے :

اَوْلِیَائِیْ تحت قبائی لا یعرفھم سوائی ۔ (روح البیان) — میرے ولی میری قدرت کی قبا میں ہیں انہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا ۔

ان میں سے ایسے حضرات بھی ہیں جو اپنے اپنے مقامات پر متعین ہیں ۔ عالمِ احساس میں جس انسان کی شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں لوگوں کو پردۂ غیب سے پیچھے کی خبریں دیتے ہیں ۔ پوشیدہ امور سے بعض اوقات پردہ اٹھا دیتے ہیں اور پھر ان میں سے ایسے حضرات بھی ہیں جو تمام کائناتِ ارضی پر پھرتے ہیں ، لوگوں سے اپنا تعارف کراتے ہیں اور پھر آناً فاناً غیب ہو جاتے ہیں ، ان سے باتیں کرتے ہیں ، ان کی مشکلات کا حل بتاتے ہیں ان کے مسائل کا جواب دیتے ہیں اور جنگلوں ، پہاڑوں ، صحراؤں اور سمندروں میں قیام کرتے ہیں ایسے حضرات میں قوی تر حضرات شہروں میں بھی قیام کرتے ہیں صفات بشری کے ساتھ صبح و شام بسر اوقات کرتے ہیں ، آبادیوں میں اعلیٰ مکانات میں رہائش پذیر ہوتے ہیں ۔ احباب کی خوشی اور غمی میں شریک ہوتے ہیں ۔ لوگوں کو اپنے معاملات میں شریک کرتے ہیں ، بیمار پڑتے ہیں تو اپنے حلقۂ احباب سے عیادت کرواتے ہیں ، علاج کرواتے ہیں ، اولاد و اسباب ، اموال و املاک رکھتے ہیں ۔ لوگوں کی دشمنیوں ، بدگمانیوں ، ایذا رسانیوں اور حسد و بغض کے اثرات برداشت کرتے ہیں ۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کے حسنِ احوال اور کمالاتِ باطنی کو اغیار کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتا ہے ۔ صاحبانِ نظر ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں ، صاحبانِ احوال ان کی زیارت کو آتے ہیں ۔ انہی میں سے تھے سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ جن کی زیارت کے لئے سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن کی بستی قرن میں تشریف لے گئے تھے ۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

حل لغات — زوج دونوں جوڑوں کی ہر دوسری قسم کو کہا جاتا ہے وہ حیوان ہو یا غیر حیوان، جیسے موزہ، جوتا۔ اسی لئے دو کو زوج نہیں کہا جا سکتا بلکہ زوجین کہا جا سکتا ہے۔ اسی لیے لائق ہے کہ کہا جائے قرضتہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱)

رجال اللہ کے اقسام رجال اللہ (مردانِ خدا) کو بارہ[۱۲] اقسام میں منقسم کیا گیا ہے:

(۱) اقطاب　(۲) غوث　(۳) اماماں
(۴) اوتاد　(۵) ابدال　(۶) اخیار　(۷) ابرار
(۸) نُقبا　(۹) نُجبا　(۱۰) عمد　(۱۱) مکتوبان
(۱۲) مفردان

اقطاب: ہر زمانہ میں صرف ایک قطب ہوتا ہے۔ یہ قطب سب سے بڑا ہوتا ہے، اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ قطب عالم، قطب کبریٰ، قطب الارشاد، قطبِ مدار، قطب الاقطاب، قطبِ جہاں اور جہانگیرِ عالم، عالم علوی اور عالم سفلی میں اسی کا تصرف ہوتا ہے اور سارا عالم اسی کے فیض و برکت سے قائم ہوتا ہے۔ قطبِ عالم کا وجود درمیان سے ہٹا دیا جائے تو سارا عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ قطب عالم براہِ راست اللہ تعالیٰ سے احکام وفیض حاصل کرتا ہے اور ان فیوض کو اپنے ماتحت اقطاب میں تقسیم کرتا ہے۔ وہ دنیا کے کسی بڑے شہر میں سکونت رکھتا ہے، بڑی عمر پاتا ہے۔ نورِ خاص مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکات ہر سمت سے حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے ماتحت اقطاب کے تقرر، تنزل اور ترقی کے اختیار کا مالک ہوتا ہے۔ ولی کو معزول کرنا، ولایت کو سلب کرنا، ولی کو مقرر کرنا، اس کے درجات میں ترقی دینا اسی کے فرائض میں ہے۔ وہ ولایت شمس پر مقرر ہوتا ہے لیکن اس کے ماتحت اقطاب کو ولایت قمر میں جگہ ملتی ہے۔ قطب عالم اللہ تعالیٰ کے اسم رحمٰن کی تجلی کا مظہر ہوتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہرِ خاص تجلی الولایت ہیں۔ قطب عالم سالک بھی ہوتا ہے اور اس کا مقام ترقی پذیر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مقامِ فردانیت تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ مقامِ محبوبیت ہے، رجال اللہ میں اس قطب عالم کا نام عبداللہ بھی ہے۔

اقطاب کی قسمیں اقطاب کی کئی قسمیں ہیں۔ یہ اقطاب تمام کے تمام قطب عالم کے ماتحت ہوتے ہیں۔ قطب ابدال، قطب اقالیم، قطبِ ولایت وغیرہ وغیرہ۔ بعض اوقات مختلف افراد کی تربیت کے لیے ایک ایک قطب کا تعین کیا جاتا ہے۔ قطب زہاد، قطب عباد، قطب عرفاء، قطب کلاں۔ یہ اقطاب شہروں، قصبوں، گاؤں غرضیکہ جہاں جہاں انسانی معاشرہ ہے وہاں وہاں ایک قطب مقرر ہے جو اس کی محافظت اور اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ وہ بستی مومنوں سے آباد ہو خواہ کافروں سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

بالمقراضین (میں نے اسے دو قینچیوں سے کاٹا) وقصصتہ بالمقصین (میں نے اسے دو قینچیوں سے کاٹا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مگر قطب اپنے فرائض سرانجام دیتا رہتا ہے۔ مومنوں کی بستیوں میں اسم ہادی کی تجلی سے کام لیا جاتا ہے اور کافروں کی پرورش یا نگرانی اسم مضل کے ماتحت ہوتی ہے۔

غوث بعض صوفیہ نے غوث اور قطب ایک ہی شخصیت کو قرار دیا ہے، مگر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ کے نزدیک قطب الاقطاب اور غوث میں بڑا فرق ہے۔ بعض اوقات قطب اور غوث کے اوصاف ایک ہی شخصیت میں جمع ہو جاتے ہیں۔ قطبیت کی وجہ سے قطب الاقطاب اور غوث غوثیت کے اعتبار سے غوث العالم کہلاتا ہے۔

امامان قطب الاقطاب کے دو وزیر ہوتے ہیں جنہیں امامان کہتے ہیں۔ ایک قطب کے داہنے ہاتھ رہتا ہے جس کا نام عبدالملک ہے۔ اور دوسرا بائیں ہاتھ بیٹھتا ہے، اس کا نام عبدالرب ہے۔ داہنے ہاتھ والا قطب مدار سے پاتا ہے اور عالمِ علوی سے افاضہ کرتا ہے۔ بائیں ہاتھ والا قطب مدار سے فیض حاصل کرتا ہے مگر عالم سفلی پر افاضہ کرتا ہے۔ صوفیہ کے نزدیک بائیں ہاتھ والے امام کا رتبہ دائیں ہاتھ والے امام سے بلند تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قطب الاقطاب کی جگہ خالی ہوتی ہے تو بائیں ہاتھ والا ترقی پاتا ہے اور اس کی جگہ دائیں ہاتھ والا مقرر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم کون و فساد میں انتظام کرنا اور امن برقرار رکھنا زیادہ مشکل ہے۔ اس عالم میں معاشرہ اپنی خواہشات غیظ و غضب اور فساد و شر کی وجہ سے سخت انصرام و انتظام کی ضرورت کا تقاضا کرتا ہے اس لیے یہ وزیر زیادہ مستعد، تجربہ کار اور مضبوط رکھا جاتا ہے۔ اس کی نسبت عالم علوی کے احوال زیادہ اصلاح یافتہ ہیں جہاں مشکلات کا سامنا کم ہوتا ہے۔

اوتاد دنیا میں چار اوتاد ہوتے ہیں یہ عالم کے چاروں آفاق (گوشوں) پر متعین ہیں۔

۱۔ مغربی افق والے اوتاد کا نام عبدالودود،

۲۔ مشرقی افق والے کا نام عبدالرحمٰن،

۳۔ جنوبی افق والے کا نام عبدالرحیم،

۴۔ شمالی افق والے کا نام عبدالقدوس ہوتا ہے۔

قیامِ عالم میں یہ اوتاد میخوں کا کام دیتا ہے اور پہاڑوں کی طرح زمین پر امن برقرار رکھنے کا کام دیتے ہیں۔

الم نجعل الارض مھاداً والجبال اوتاداً۔ کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو اوتاد نہیں بنایا؟

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس لیے کہ وہ دو ہیں ، اسی لیے صرف المقراض و المقص نہ کہا جائے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں صوفیائے کرام نے اوتاد حضرات کے مقامات ، فرائض ، مراتب اور قیام امن میں ان کے کردار کو تفصیلی طور پر بیان فرمایا ہے۔

ابدال انھیں بدلا بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا میں بیک وقت سات ہوتے ہیں اور سات اقالیم پہ متعین ہوتے ہیں۔ یہ سات انبیاء کے مشرب پر کام کرتے ہیں، یہ لوگوں کی روحانی امداد کرتے ہیں اور عاجزوں اور بیکسوں کی فریاد رسی پر مامور ہیں :

۱۔ ابدال اقلیم اول	برقلب ابراہیم علیہ السلام	نام عبدالحی
۲۔ ابدال اقلیم دوم	برقلب موسیٰ علیہ السلام	نام عبدالعلیم
۳۔ ابدال اقلیم سوم	برقلب ہارون علیہ السلام	نام عبدالمرید
۴۔ ابدال اقلیم چہارم	برقلب ادریس علیہ السلام	نام عبدالقادر
۵۔ ابدال اقلیم پنجم	برقلب یوسف علیہ السلام	نام عبدالقاہر
۶۔ ابدال اقلیم ششم	برقلب عیسیٰ علیہ السلام	نام عبدالسمیع
۷۔ ابدال اقلیم ہفتم	برقلب آدم علیہ السلام	نام عبدالبصیر

مندرجہ بالا سات ابدالوں میں سے عبدالقادر اور عبدالقاہر کو ان مقامات ، ممالک اور اقوام پر مسلط کیا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہونا ہوتا ہے ، یہ مقہوری بنتے ہیں ۔ ان سات ابدالوں کو قطب اقلیم بھی کہتے ہیں ۔

مندرجہ بالا ابدال کے علاوہ پانچ ابدال اور بھی ہوتے ہیں جو یمن میں رہتے ہیں اور پورے شام پر ان کی حکومت ہوتی ہے انہیں قطب ولایت کہتے ہیں ۔ قطب عالم کا فیض قطب اقالیم پر اور قطب اقالیم کا فیض قطب ولایت پر ، اور قطب ولایت کا فیض تمام اولیائے جہاں پر وارد ہوتا رہتا ہے ۔

علاوہ ازیں تین سو پچاس (۳۵۰) ابدال اور بھی ہوتے ہیں جن میں سے تین سو (۳۰۰) قلب آدم علیہ السلام پر ہیں ۔ میر سید محمد جعفر مکی نے چار سو چار (۴۰۴) تعداد بتائی ہے ، جو مختلف انبیاء علیہم السلام کے مشرب پر ہوتے ہیں اور مختلف خدمات سرانجام دیتے رہتے ہیں ۔

مفردان افراد کو کہتے ہیں جو قطب عالم ترقی کرتا ہے وہ فرد ہو جاتا ہے ۔ مقام فردانیت پر پہنچ کر تصرفات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے ۔ قطب مدار عرش سے تحت الثریٰ تک متصرف ہوتا ہے ۔ (باقی بر صفحہ آیندہ)

ف : الجوہری نے درۃ الغواص میں اور صاحبِ قاموس نے فرمایا کہ دو کے لیے کہا جاتا ہے زوجان وھما زوج۔ ...

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور فرد متحقق ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ تصرف اور تحقق میں بڑا فرق ہے۔ قطب مدار تو علی الدوام تجلی صفات میں رہتا ہے مگر خود تجلی ذات میں ہوتا ہے۔ قطب مدار خاص ہے فرد اخص ہے۔ فردانیت مقامِ انبساط محبت ہے۔ یہاں پہنچ کر مراد باقی نہیں رہتی۔ بعض اولیاء کو تجلی افعالی ہوتی ہے بعض کو تجلی اسمائی بعض کو تجلی آثاری۔ بعض مقامِ صحو میں ہوتے ہیں بعض مقامِ سُکر میں، بعض بیک وقت دونوں مقامات پر۔ مقاماتِ اولیاء اللہ خارج از حد و حصر ہوتے ہیں مگر اہلِ فردانیت تمام مقامات سے برتر ہوتے ہیں۔ تنزل کی ایک ہے مگر عروج و ترقی حدود و انتہا سے مبرا ہے۔ افراد ترقی کر کے جب فردانیت میں کامل ہوتے جاتے ہیں تو ان کا رتبہ محبوبیت آجاتا ہے، پھر محبوبیت بھی مقبولانِ بارگاہ میں خاص امتیاز ذات کے ہوتی ہے۔ حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی و سلطان المشائخ حضرت محبوبِ الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہما اسی مقامِ محبوبیت کے مالک تھے۔ بحر المعانی میں لکھا ہے:

"روزے ایں فقیر در کشتی دریائے نیل مصر با حضرت خضر علیہ السلام مصاحب بود۔ سخن درمیان شاہدان لایزالی می رفت۔ خضر علیہ السلام می فرمود کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ نظام الدین بدایونی در مقام معشوقی بودند کہ امثالِ ایشاں دیگرے نہ رسید۔"[1]

ایک دن یہ فقیر دریائے نیل مصر میں کشتی میں حضرت خضر علیہ السلام سے رفاقت پذیر ہوا، شاہدان لایزال کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ نظام الدین بدایونی مقامِ معشوقی میں تھے ان کے سوا اور کوئی اس مقام پر نہ پہنچ سکا۔

اخیار : ابدال میں سے چالیس اخیار کہلاتے ہیں۔

نقباء : یہ تین سو ہیں سب کا نام علی ہے۔

نجباء : یہ تعداد میں ستر ہیں، نام حسن ہے اور مصر میں رہتے ہیں۔

عمد : یہ چار ہیں، محمد ان کا نام ہے، زمین کے مختلف زاویوں میں کام کرتے ہیں۔

مکتومان : یہ حضرات چار ہزار کی تعداد میں ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، ملتے ہیں، لیکن یہ لوگ اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتے۔ ان پر اپنا حال آشکار نہیں ہوتا۔ ایسے لباس میں ہوتے ہیں کہ اغیار پہچاننے سے عاجز ہوتے ہیں۔ یہ اپنے مقام سے خود ناآشنا ہوتے ہیں، یا یوں کہئے کہ حالت اخفا میں ہوتے ہیں۔

---

[1] اسی سے بعض غلط کار حیثیتیہ کو غلط فہمی ہوئی تو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہٗ نے ان کا خوب رد فرمایا۔ اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "قدمی ہذٖہ علیٰ رقبۃ کل ولی" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

(باقی اگلے صفحہ پر)

کہ یہ دو شقوں میں سے ایک پر اکتفا کے قبیل سے ہو۔ اور زوجہ عورت کے لیے کہنا یہ لغت ردیئہ ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے، اسکن انت و زوجک الجنۃ (تم اور تمہاری جورو جنت میں ٹھہرو) جو کسی کا قرین ہو اسے بھی زوج کہا جاتا ہے اس کے موافق ہو یا مخالف اسی لیے بعض نے یہاں یہ معنی کیا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا درانحالیکہ تم ہر ایک دوسرے کے بالمقابل اوصاف والے ہو جیسے فقر و غنا (دولت مندی) اور صحت و مرض اور علم و جہل اور قوت و ضعف اور ذکورۃ و انوثۃ (نر و مادہ) طول قصر وغیرہ اور اسی سے ہی آزمائش ہوگی کہ فضیلت والا شکر کرے اور جسے وہ فضیلت نہ ملے وہ صبر کرے اور اس سے نعمت کی قدر معلوم ہوگی کہ صبر سے شکر کا موقعہ ملے گا اور یہ سب کی سب کمان قدرتِ الٰہی اور اس کی نہایت حکمت کی دلیل ہے۔ وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ (اور ہم نے تمہاری نیند کو کیا) اس بخار کی رطوبات سے جو دماغ کو چڑھتے ہیں کی وجہ سے دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا ہونا اسی لیے اہلِ ریاضت کو نیند کم آتی ہے کیونکہ ان کے دماغ کی رطوبت کم ہو جاتی ہے سُبَاتًا (آرام) موت یعنی موت کی مانند، کیونکہ نیند والا میت کی طرح ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) **ف**: مندرجہ بالا تشریحات کے علاوہ ان رجال اللہ (مردانِ خدا) میں سے بہت سے اور اقسام ایسے ہیں جو کائنات کے انتظامات و انصرامات میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ بھی رجال الغیب کی صفت میں آتے ہیں مگر ان کے صحیح مقامات سے اہلِ خرد پوری طرح آگاہ و آشنا نہیں اور نہ ہی ان کے احوال و مقامات کا ادراک ان کی عقل وسعتوں میں سما سکتا ہے۔ یہ حضرات اپنے فرائض میں اس قدر مربوط اور مستعد ہوتے ہیں کہ ہم ظاہر بیں اندازہ نہیں کر سکتے۔

گزشتہ صفحات میں جہاں ہم نے قارئین کو رجال اللہ (مردانِ خدا) سے آشنا کرنے کے لیے ایک حقیر سی کوشش کی ہے وہاں ان حضرات کا مختصر سا ذکر دور از موضوع نہ ہوگا جو ہمارے ظاہری احوال و معاملات کی روحانی اصلاح اور نگرانی فرماتے ہیں۔ ان میں علماء، مشایخ، صوفیہ، صلحاء، اتقیا اور مجدد شامل ہیں۔ علماء و مشائخ کے ہزاروں مقامات و مراتب ہیں۔ وہ معاشرۂ انسانی کی ظاہری باطنی اصلاح کے لیے مختلف اندازِ رشد و ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان کے اثرات خصوصیت کے ساتھ مسلم معاشرے پر مرتسم ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کی اصلاحی کوششیں غیر مسلموں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، مگر تاریخ عالم نے عالمِ اسلام کے اذہان و افکار میں جن انقلابات کی نشان دہی کی ہے وہ ان علماء و مشایخ کی شبانہ روز کاوشوں کے رہینِ منت ہیں۔ ان میں صوفیہ بالخصوص روحانی اور قلبی اصلاح میں مصروف رہے۔ ان کی اس مساعیِ جمیلہ نے اسلامی معاشرے کی اخلاقی نشو و نما میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے احکامِ الٰہیہ اور مقامِ مصطفٰے کی عظمت کو لوگوں کے دلوں میں نقش کرنے میں گرانقدر کام کیا، انہوں نے مُردہ دلوں کو حیاتِ تازہ بخشی، اور مردہ نعشوں کو و نفخت فیہ من روحی کے پیغام سے زندہ کر دیا۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "ابدال کے احوال" میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

حلِ لغات

السبات از سبتٌ ہے بمعنی القطع (کاٹنا) کیونکہ نیند والا حرکت سے کٹا ہوا ہے۔ اسی سے یوم السبت (ہفتہ کا دن)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدا کا سلسلہ اتوار کو شروع کر کے چھ دنوں میں (یعنی جمعہ کو) ختم کر دیا اور ہفتہ کا دن کام سے خالی رہا، اسی لیے اس کا نام یوم السبت رکھا گیا اور اس لیے کہ اسی دن (سنیچر) کو اہلِ کتاب کاروبار کو منقطع کر دیتے ہیں یعنی چھٹی کرتے ہیں۔ النوم دو توفیوں کی ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا۔ — اللہ تعالیٰ نفسوں کو موت کے وقت فوت کرتا ہے اور وہ جو اپنی نیند میں نہیں مرتا۔

یعنی اسے فوت کرتا ہے جو نیند میں نہیں مرا، وہ اس لیے کہ دونوں کو اس میں مشارکۃ تامہ ہے کہ حیاۃِ دنیوی کے کام نیند والے سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ اس معنی پر اس کی تنوین نوعی ہے۔ یعنی ہم نے تمہاری نیند کو ایک قسم کی موت بنا دیا، یعنی وہ موت کہ منقطع ہو جائے اور دائمی نہ ہو، اس لیے کہ نیند کے وقت روح کی روشنی صرف ظاہری بدن سے منقطع ہوتی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے:

النوم اخ الموت (نیند موت کی مانند ہے)

ف: نیند بقدرِ ضرورت ہو تو نعمتِ جلیلہ ہے۔ بعض نے کہا کہ نوم سبات ہے یعنی قطع کرنا احساس و حرکت سے، تاکہ قویٰ حیوانیہ کو راحت ملے اور تھکان دُور ہو۔ لیکن مقام کے مطابق پہلا معنی لائق ہے۔

وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ (اور رات کو بنایا) وہ رات کہ اس میں نیند واقع ہوتی ہے **لِبَاسًا** پردہ پوش۔

حلِ لغات

کہا جاتا ہے: لبس الثوب بمعنی استتربہ (کپڑے میں چھپا)۔ ہر وہ شے جو انسان کے قبح کو چھپائے اسے لباس کہا جاتا ہے۔ مرد کو عورت کا (عورت کو مرد کا) لباس کہا گیا کہ وہ قبح کے ارتکاب سے ایک دوسرے کو روکتے (اور اس کا سبب ہیں)، ایسے ہی البعل (شوہر) اور وہ چونکہ ایک دوسرے پر مشتمل ہیں اسی لئے ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هُنَّ لباسٌ لکم وانتم لباسٌ لھن (وہ تمہارا لباس ہیں تم ان کے لباس ہو)

تقویٰ کو بھی لباس کہا جاتا ہے بطریقِ تمثیل و تشبیہ۔ اسی طرح خوف و جُوع کو بھی تمثیل و تشبیہ کے طریق سے لباس کہا گیا ہے اور اس کا صاحبِ خوف و جُوع پر تصور کر کے مثلاً کہتے ہیں:

تدرع فلان الفقر (فلاں نے فقر کا قمیض پہنا)

ولبس الجوع (اس نے بھوک کا لباس پہنا)۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ رات تمہارے لیے لباس ہے کہ وہ اپنی تاریکی سے تمہیں ڈھانپ لیتی ہے جیسے تمہیں

لباس ڈھانپ لیتا ہے۔ امید ہے اس سے وُہ ڈھانپنا مراد ہے جو نیند کا وقت طاری ہوتا ہے اور سردیوں میں اپنے اوپر لحاف وغیرہ اوڑھ لیا جاتا ہے۔ رات کو اس نوعیت سے لباس سے تشبیہ زیادہ مکمل ہے اور اعتبار مقصد میں زیادہ دخیل ہے۔

صُوفیہ کرام کی شب حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی فتوحات میں ہے کہ رات اصحاب اللیل کی لباس ہے کہ وُہ انھیں اغیار کی نظروں سے چھپا لیتی ہے تاکہ خلوۃ میں لذت مکالمہ (گفتگو) یا محاضرہ (حضوری) مشاہدہ (دیدار کا جلوہ) سے ہر ایک استعداد کے مطابق پھل کھائیں۔

ف: حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شب راہِ سلوک پر چلنے والوں کے لیے پردہ اور دن سحر گاہ کے بیداروں کا بازار ہے ؎

اللیل للعاشقین ستر
یا لیت اوقاته قد دم

ترجمہ: رات عشاق کے لیے پردہ ہے، کاش وہ ہمیشہ رہتی!

؎

چوں در دل شب خیال او یار منست
من بندۂ شب کہ روز بازار منست

ترجمہ: جب دل میں شب خیال میرا یار ہے اسی لیے میں شب کا غلام ہوں کہ دن میرا بازار ہے۔

ربط: اللہ تعالیٰ نے رات کو نیند کا محل بنایا اور وُہ موت کی مانند ہے، اور دن کو بیداری کا محل بنایا' اسے حیاۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (اور دن کو معاش کے لیے بنایا) یعنی معیشت کا وقت یعنی حیات کرتم اپنی نیند سے بیدار ہو جاؤ جو کہ وہ موت کی مانند ہے' جیسے اس کے لیے فرمایا: وھو الذی جعل لکم الیل لباسا۔ اور نوم کو سباتاً فرمایا اور دن کو نشور بنایا۔

سوال: جعل یقظتکم حیاۃ (اور تمہارے لیے بیداری کو حیات بنایا) کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: تاکہ اس کے اور وجعلنا نومکم سباتاً کے درمیان مطابقت ہو۔ بلکہ اس یقظۃ کو نہار سے تعبیر فرمایا کیونکہ اکثر نہار (دن) یقظہ (بیداری) کو مستلزم ہے تاکہ وجعلنا الیل سے جعلنا النہار کی مطابقت ہو اور اس سے معلوم ہو کہ رات ہمیشہ نہ رہے گی، اس کے درمیان میں جو ذکر نوم ہے وُہ

اس کے دوام کے لیے قرینہ تھا۔

حلِ لغات معاش مصدر ہے از عاش یعیش عیشاً و معاشاً و معیشۃً و عیشۃً۔ اس تقدیر پر مضاف کا مقدر کرنا ضروری ہے اور اس کی تفسیر وقت سے ہو (جیسے ہم نے ابتداء میں لکھا ہے) یا یہ اسمِ زمان بروزن مفعل تو اس وقت مضاف کے حذف کی ضرورت نہیں کیونکہ ظرف زمان وقت کے معنیٰ دمفہوم کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے الم نجعل الارض الخ کیا ہم نے ارضِ بشریہ کو تمہاری استراحت اور انواع منافع بشریہ میں انتشار کے لیے تمہارا بچھونا نہیں بنایا اور تمہارے نفوس قالبیہ جبال کو ارض بشریہ کے قوائم نہیں بنائے، اور تمہیں جوڑے جوڑے نہیں بنایا ایک روح دوسرا نفس یا قلب (مذکر) اور نفس (مؤنث، اور تمہاری نیند کو غفلت نہیں بنایا کہ لذات اور شہوات کو پورا کرنے کے لیے تمہیں راحت و استراحت ملے، کیا تمہاری طبیعت رات کو تمہاری روحانیت کے دن کا پردہ پوش نہیں بنایا، کیا تمہاری روحانیت کو معاش کا وقت نہیں بنایا کہ اس میں تم اپنی طاعات و عبادات کی روزی کما سکو، اور یہی بعث (مرنے کے بعد جی اُٹھنے) کی صورتیں ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا (اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط چنائیں چُنیں)

حلِ لغات شداد' شدید کی جمع ہے یعنی سات آسمان قویۃ الخلق اور محکمۃ البناء ہیں کہ ان میں دہور کا مکرات و مرات آنا اور عصور (زمانوں) کا بار بار گزرنا مؤثر نہیں۔

آسمانوں کی موٹائی اور مسافت حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شداد بمعنی غلاظ ہے یعنی گاڑھے اور موٹے۔ ہر آسمان پانچ سو سال کی مسافت کے برابر موٹا ہوتا ہے۔

نکتہ: ان کی تخلیق کو بناء سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ بمنزلہ قُبّاب (قبوں) کے ہیں کہ مخلوق کے اوپر کھڑے کیے گئے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں قلب کے سات طبقات کی طرف اشارہ ہے:

(۱) طبقۂ صدر، یہ جوہرِ اسلام کا معدن ہے۔

(۲) طبقہ رقلب، یہ جوہرِ ایمان کا معدن ہے۔

(۳) شغاف (پردہ)، یہ عشق و محبت اور شفقت کا معدن ہے۔

(۴) فؤاد ، یہ مکاشفہ و مشاہدہ اور رؤیۃ کا معدن ہے ۔

(۵) جنۃ القلب ، یہ حُبِ الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے اسے محبۃ کونیہ سے کوئی تعلق نہیں ، نہ ہی عشقِ عالمین سے اسے کوئی واسطہ ہے ۔

(۶) سویدار ، یہ علم لدنی کا معدن اور حکمت کا گھر ہے ۔

(۷) بیت العزۃ ، یہ کامل ترین کا قلب ہے ، یہی اسرار الٰہیہ کا گھر ہے جو کبھی باطن سے ظاہر کی طرف خارج نہیں ہوتا اور نہ ہی کبھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ

وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا (اور ہم نے رکھا چراغ) سورج ، اسے چراغ سے تعبیر کرنا مترادفات سے ہے ، جیسے خلقنا کو بنینا سے تعبیر کیا گیا

حلِ لغات

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ السراج وہ چراغ روشن جو فتیلہ (بٹ) اور تیل سے روشن کیا جائے ۔ پھر ہر روشن شے کو سراج (چراغ) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سراج (چراغ) کو مصباح (دیا) بھی کہا جاتا ہے ۔

وَّهَّاجًا (نہایت چمکتا) وقاد اسے متلالا ۔

حلِ لغات

وھجت النار ، اضاءت آگ روشن ہوئی ، یا حرارت میں انتہا کو پہنچنے والا چراغ (سورج) از الوھج بمعنی الحر (گرمی) وہی جو مفسرین نے فرمایا کہ سراجًا وہّاجًا وہ چمکنے والا جو نور و حرارت کا جامع ہے یعنی چراغ افروختہ و تاباں ۔ یہ لفظ سورج و چاند کو کہا جاتا ہے کہ دونوں ابتداءً نورِ عرش سے پیدا کئے گئے اور قیامت میں بھی ان کا نور عرش میں لوٹایا جائے گا ۔

سورج اور چاند کی روشنی میں فرق کیوں

حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی حدیث شریف نہ سناؤں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنی کہ آپ سورج اور چاند کی ابتدائی تخلیق اور پھر موجودہ صورت میں ہونے کے متعلق فرمایا کرتے تھے ؟ ہم نے عرض کی فرمائیے ۔ فرمایا کہ اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو احکام صادر فرمائے تو آدم علیہ السلام کے لیے کوئی حکم باقی نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے شمسین (سورج اور چاند) کو نورِ عرش سے پیدا فرمایا ان دونوں (شمسین) کے بارے میں اس کے علم میں تھا کہ یہ سورج رہے گا تو اسے دنیا کے برابر پیدا فرمایا جس کا نور مشارق و مغارب تک پھیلا ہوا تھا اور جس کے متعلق علم تھا کہ اسے چاند بنایا جائے گا تو اسے سورج سے عظم (موٹائی) میں چھوٹا بنایا ۔ یہ دونوں اس لیے چھوٹے نظر آتے ہیں کہ بہت زیادہ بلندی پر اور بہت

دُور ہیں۔ پھر سورج اور چاند کو اسی طرح چھوڑا جاتا جیسے ابتدائی تخلیق میں تھے تو رات اور دن کا فرق معلوم نہ ہوتا اور نہ مزدور کو علم ہوتا کہ وہ کب کام کرے اور کب نہ کرے، اور نہ ہی روزے دار کو معلوم ہوتا کہ کب روزہ رکھے اور کب افطار کرے، اور عورت کو معلوم نہ ہوتا کہ کب عدت گزارے، اور نہ ہی اہلِ اسلام کو نماز کے اوقات معلوم ہوتے، اور نہ ہی حج کا وقت معلوم ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نظرِ شفقت کرتے ہوئے رحم فرمایا اور جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا کہ اپنا پَر چاند کے چہرے پر مارے تاکہ اس سے حرارت مٹ جائے اور اس کا نور باقی رہے، اسی لیے فرمایا:

وجعلنا الیل والنھار اٰیتین فمحونا اٰیة الیل وجعلنا النھار مبصرا۔ — اور ہم نے رات اور دن کو دو آیتیں بنایا، پھر ہم نے رات کی آیت کو مٹا کر دن کو راہ دکھانیوالا بنایا۔

یہ چھائیاں جو تم چاند پر دیکھتے ہو (لکیروں کی طرح) یہ وہی جبریل علیہ السلام کے پروں سے مٹانے کے نشانات ہیں جب قیامت قائم ہوگی اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا تو دوزخیوں اور بہشتیوں کے درمیان امتیاز ہو جائے گا۔ لیکن ابھی جنّت وجہنّم میں داخل نہیں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ سُورج اور چاند کو بلائے گا، انہیں جب بلایا جائیگا تو وہ سیاہ ہوں گے ان میں نور نہ ہوگا اور ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے نہایت غمگین، آہستہ رفتار سے کاندھے کانپتے ہوئے آئیں گے اس دن کی ہولناکیوں اور رب رحمان کے خوف سے۔ جب عرشِ الٰہی کے سامنے آئیں گے تو عرشِ الٰہی کے بالمقابل سجدہ ریز ہو جائیں گے اور عرض کریں گے اے اللہ! تُو ہماری طاعت بجا لانے اور ادائیگیِ عبادت اور حکم کی تعمیل کو خوب جانتا ہے اسی لیے ہمیں ان کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہ فرمانا، جنہوں نے ہماری پرستش کی تُو خُوب جانتا ہے کہ ہم نے انہیں اپنی پرستش کی دعوت نہیں دی تھی، اور نہ ہی ہم نے کبھی تیری عبادت سے سُستی اور غفلت برتی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا تم سچ کہہ رہے ہو اور میں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ مخلوق کو پیدا کر کے لوٹاؤں، میں نے ہی تمہیں اسی طرف لوٹایا جہاں سے میں نے تمہیں پیدا کیا، اس لیے اب ادھر لوٹو جہاں سے تم پیدا ہوئے۔ عرض کریں گے: یا اللہ! تُو نے ہمیں کہاں سے پیدا فرمایا؟ فرمایا جائے گا: عرش کے نُور سے، اسی لیے ادھر جاؤ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) فرمایا: سورج اور چاند سے نور کی ایک ایسی چمک اُٹھے گی جس سے آنکھوں کے نور اُچک لیے جائیں گے، اس کے بعد سورج اور چاند نورِ عرش میں مل جائیں گے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یبدئ و یعید وہی ابتداءً پیدا کرتا ہے وہی سب کو لوٹائے گا۔ (کشف الاسرار)

روایت دیگر الشیخ رضی اللہ عنہ نے الفتح المکی میں لکھا کہ ستارے سب کے سب جہنم میں سیاہ اجسام اور عظیم الخلقت ہو کر داخل ہوں گے، ایسے ہی سورج اور چاند، ان کا ہمیشہ طلوع وغروب جہنم میں ہے۔

تطبیق از صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ

فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ خبر سابق اور اس خبر میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ سورج اور چاند دو چیزوں کے حامل ہیں:

۱۔ نور

۲۔ حرارت

جو نور کے قبیل سے ہے وہ عرش میں بغیر جسم کے داخل ہوگی، اس لیے کہ جسم غلظہ (کثافت) سے خالی نہیں، اور وہ جو حرارت کے قبیل سے ہوگی وہ اپنے اجسام کے ساتھ نار میں جائے گی۔ اسی طرح سے ہر شئے اپنے اصل کی طرف رجوع کرے گی۔

(وہابی کُش سوال صاحب روح البیان قدس سرہٗ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ ہر شے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی، اسے سوال کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ)[1]

فان قلت الظاهر ان يتصل نورهما بنور النبي صلى الله تعالى عليه وآله وسلم لانهما مخلوقان من نوره۔

اگر تم کہو کہ ظاہر یہ ہے کہ سورج و چاند دونوں کا نور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹایا جاتا کیونکہ وُہ دونوں آپ کے نور سے پیدا ہوئے۔

(روح البیان ج ۱ ص ۲۹۷)

(وہابی کُش جواب اس کا جواب وہی دیا کہ گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہابی نجدی، دیوبندی کا کلیجہ جل کر راکھ ہو جائے اور عشاق نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان و جگر راحت و سرور سے مسرور ہو۔ اویسی غفرلہٗ)[2]

قلت ان العرش والكرسي خلقا من نوره وخلق القمران من نور العرش فهما في الحقيقة

میں کہتا ہوں کہ عرش و کرسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کئے گئے اور سورج و چاند

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

مخلوقان من نورالنبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ومتصل نورھما بنورہ والکل نورہ[1] والحمد للہ۔

عرش کے نور سے تو درحقیقت سورج وچاند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے پیدا ہُوئے اور ان کا نور آپ سے ہی متصل ہوا بلکہ کل کائنات آپ کے نور سے ہی ہے، والحمد للہ۔

۵

شمسۂ نہ مسند و ہفت اختران
ختمِ رسل خواجۂ پیغمبران

ترجمہ: شمس نہ مسند اور ہفت ستاروں کا، وہ ختمِ رسل اور خواجۂ پیغمبران ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) (روح البیان مطبوعہ استنبول ج ۱۰ ص ۲۹۷)

الحمد للہ علیٰ ذلک (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں نیک عقیدہ بخشا)

وَّ اَنْزَلْنَا (اور ہم نے اتارا) نون عظمۃ کا ہے اور جمعیۃ الذات والاسماء والافعال کی طرف اشارہ ہے۔ مِنَ الْمُعْصِرٰتِ (نچوڑنے والیوں سے) بدلیوں (بادلوں) سے جب نچوڑی جاتی ہیں۔ یعنی نچوڑے جانے کے قریب بدلیاں ہوتی ہیں تو انھیں ہوائیں نچوڑتی ہیں تو بارش ہوتی ہے۔ یہ اُس وقت کا حال ہے جب کہ ابھی نچوڑی نہ جائیں، انزال از استعداد والے سے نہ کہ واقع ہونے والے سے، ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گی، اور ہمزہ حینونۃ (وقت بتانے) کا ہے۔

حل لغات: المعصرات اسم فاعل اس کا ہمزہ احصد الزرع کی طرح ہے یعنی کھیتی کاٹنے کا وقت

---

[1] اس مسئلہ کو دورِ حاضرہ میں وہابیوں نجدیوں معہم دیوبندیوں نے الجھادیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بشر ہیں تو محض ہمارے جیسے، فرق ہے تو صرف نبوت کا۔ پھر یہ تاثر دیتے ہیں کہ جیسے ہماری بشریت خاک محض ہے ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت بھی خاک محض ہے انہیں نُور ماننا شرک ہے ہاں نورِ ہدایت مراد ہو سکتا ہے۔ یہ تمام ان کے ڈھکوسلے اور عقلی باتیں ہیں ورنہ درحقیقت بات وہی حق ہے جو ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا بشری شکل میں ہونا حق ہے لیکن حقیقت نور ہے اور بشریت بھی نوری ہے کیونکہ احادیثِ مبارکہ کی تصریحات پھر ان کی تشریحات سے ثابت ہے کہ آپ اوّل المخلوق ہیں اور وہ اولیّت حقیقتِ محمدیہ کی بحث سے قطع نظر آپ کا مادۂ بشری اصلی بھی اول المخلوق ہے جسے احادیثِ مبارکہ میں اوّل تخلیق کا ذکر ہے۔ مثلاً حدیثِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھ لیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

آگیا۔ والمعصرات الجاریۃ یعنی لڑکی کا وقت آگیا ہے کہ اس کی طبیعت رحم کو نچوڑے تو حیض کرے۔ المفردات میں ہے کہ المعصرہ وہ عورت جو حیض کرے اور داخل ہو عصرِ شباب (جوانی کے زمانہ) میں۔ اگر یہ ہمزہ حینونۃ کا نہ ہو تو لائق ہے کہ اسے معصرات (بفتح الصاد) پڑھا جائے کہ یہ صیغہ اسم مفعول ہے کیونکہ ہوائیں بادلوں کو نچوڑتی ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ معصرات سے خود وہ ہوائیں مراد ہوں جن کا وقت آگیا ہو کہ وہ بادلوں کو نچوڑیں تو بادل برسیں۔ اس معنی پر بصیغہ اسم فاعل ہے اور ہمزہ حینونۃ کا ہے۔

سوال: کیوں نہ یہ ہمزہ تعدیہ کا ہو؟

جواب: اس لیے کہ ہوائیں عاصرہ ہیں معصرہ نہیں اگر ہمزہ تعدیہ کا مانیں تو ہواؤں کو معصرہ ماننا پڑے گا اور یہ صحیح نہیں۔

مَآءً ثَجَّاجًا پانی بہتا ہوا بکثرت یعنی بارش مُوسلا دھار (پے در پے) کہ پانی بہت زیادہ ہو جائے تو اس سے عظیم نفع ہو۔

حل لغات کہا جاتا ہے: سج الماء، سال بکثرۃ وانصب پانی بہت زیادہ بہا و ثجہ غیرہ اپنے غیر کو بہایا اسے انڈیلا۔ یہ لازم و متعدی دونوں کی طرح ہے اسی دوسرے متعدی سے ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

افضل الحج العج والثج۔ (بہترین حج عج و ثج ہے)

العج بمعنی تلبیہ (لبیک کہنا) سے آواز بلند کرنا، الثج بمعنی ھدی (قربانی) کا خون بہانا، اسے زجاج نے الصباب سے تعبیر کیا ہے بمعنی گویا وہ خود بہا ہے بطور مبالغہ کے ہے، گویا یہ بھی متعدی ہے اس کے وانزلنا من السماء ماء کے مابین کوئی منافات نہیں اس لیے کہ ابتدائی انزال آسمان سے ہوتا ہے پھر بادل سے زمین کی طرف آتا ہے یہ حقیقی طور پر تو بارش بنتی ہے کہ اس کے اسباب آسمان میں تیار ہوتے ہیں منجملہ ان کے سورج کی گرمی بھی ہے کہ وہ حرارت شمس اجزاء مائیہ تو زمین تر کی گہرائیوں یا دریاؤں اور نہ دل سے ہوا کے خلاء کی طرف ابھارتی اور چڑھاتی ہے اس سے بادل بن کر بارش ہوتی ہے اس معنی پر حقیقۃً بارش بادلوں سے ہوگی اور آسمان سے مجازاً باعتبار سبب کے، اور مسبب الاسباب صرف اللہ ہی ہے۔

لِنُخْرِجَ بِهٖ تاکہ ہم نکالیں پانی کے سبب یعنی اس کے زمین تک پہنچے اور پانی کے زمین میں اختلاط (ملنا) سے اور اس کے ساتھ جو اس میں ہے یہ لام مصلحت کی ہے نہ کہ غرض سے، جیسے معتزلہ کہتے ہیں حَبًّا (اناج) بہت جیسے قوت بنایا جائے انسان کے لئے، وہ کہ جس سے بدن کا قوام ہو جیسے گندم اور جو وغیرہ۔

حلِ لغات عین المعانی میں ہے الحب اسم جنس ہے اس سے مراد جمع ہے۔ امام راغب نے فرمایا الحب والجبة (بالفتح) گندم اور جَو وغیرہ جو کھانے کے لائق ہوں۔ الحب و الحبۃ (بالکسر) خوشبُو والی چیزوں کے بیج، اور حبۃ القلب کو دانے سے مشابہت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

وَّ نَبَاتًا اور سبزہ بہت یعنی جانوروں کا چارہ۔ یعنی بارش سے جانوروں کا چارہ جیسے گھاس وغیرہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ۔ (کھاؤ اور جانوروں کو چراؤ)

نکتہ: حب (دانہ) کی تقدیم باوجودیکہ وُہ وجود میں آنے میں نبات (سبزہ) سے بعد میں ہوتا ہے، اس کی اصالت وشرافت کی وجہ سے۔ کیونکہ انسان کی اکثر اغذیہ کا تعلق دانے سے ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے تاکہ ہم نکالیں (بارش سے) موتی اور چارہ (جانوروں کے لئے)۔

ف: حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بارش کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے اس سے سبزہ اگتا ہے، جو قطرہ دریا میں گرتا ہے اس سے موتی بنتا ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو مشہور ہے کہ ہر قطرہ موتی نہیں بنتا بلکہ بارش کا وہ قطرہ موتی بنتا ہے جو خاص موسم میں دریا میں گرے۔ ہاں حضرت عکرمہ کے قول کو عام کہا جائے کہ وُہ موتی ہوں یا کوئی اور شے جیسے کوڑیاں وغیرہ۔

وَّ جَنّٰتٍ (اور باغات) تاکہ ان سے انسان میوے حاصل کرے۔

حلِ لغات الجنۃ دراصل سترہ (ڈھانپنے) کو کہا جاتا ہے مصدر بنے از جنّہ یعنی سترہ (اسے ڈھانپا)، پھر اس کا اطلاق کھجور اور ایسے درخت پر ہوتا ہے جو گھنا ہو اور اس کی ٹہنیاں آپس میں ایک دوسری سے لپٹی ہوئی ہوں۔ اور جو زمین درختوں والی ہو اسے بھی جنّت کہا جاتا ہے۔

ف: الفرّاء نے کہا، جنّۃ وہ باغ ہے جس میں کھجور اور انگور ہوں۔ لیکن اس آیت میں اس سے مراد درخت ہیں نہ کہ زمین۔

اَلْفَافًا (گھنے لپٹے ہوئے) کہ آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہُوئے ہوں۔ ایسے اچھے باغات سمجھے جاتے ہیں جیسے دنیا میں باغات کو دیکھا جاتا ہے یعنی بہت زیادہ اور ایک دوسرے کے نزدیک۔

حلِ لغات بعض نے کہا الفاف وہ جمع ہے کہ اس کا کوئی واحد نہیں جیسے اوزاع و اخیاف (خیف بہن بھائی یعنی ماں ایک اور باپ مختلف)، یا اس کا واحد لف ہے جیسے کن کی جمع اکنان، یا لفیف کی جمع ہے جیسے شریف کی اشراف۔ وہ لف کی جمع لفّاء (جیسے خضر کی جمع خضر) کی جمع الفاف ہے۔ اس معنی پر الفاف جمع الجمع ہے، یا ملتفہ کی جمع ہے بحذف الزوائد۔

تفسیر عالمانہ وَّخَلَقْنٰكُمْ (اور ہم نے تمہیں پیدا کیا) اس کا عطف مضارع بکم پر ہے اور اسی کے حکم میں ہے کیونکہ یہ بھی انا جعلنٰکم کی قوۃ میں ہے یا اس پر جو انکار تقریر کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تحقیق ابدال ابدال در اصل رجال اللہ میں سے ایک مخصوص مقام پر فائز ہوتے ہیں ان کے متعلق احادیث مبارکہ میں بکثرت ارشادات وارد ہیں قرآن مجید میں انھیں رجال اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ وہ مردانِ حق جنہیں تجارت اور خرید و فروخت یادِ خداوندی سے غافل نہیں کرتی۔

ان کا وجودِ مسعود حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تک رہا ہے اور حضور کے عہدِ مبارک سے لے کر ظہورِ مہدی اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام تک رہے گا۔ کائنات کے قیام اور نظام کا دارومدار انہی مردانِ خدا پر ہے۔ عبد و معبود کے درمیان کا رشتہ انہی کی تعلیمات و ہدایات پر قایم ہے۔ امورِ تکوینی کے انصرام اور تصرفات کونیہ کی قدرت سے مشرف ہوتے ہیں ان کی برکات سے بارشیں برستی ہیں۔ نباتات پر سرسبزی آتی ہے کائنات ارضی پر مختلف قسم کے حیوانات کی زندگی انہی کی نگاہِ کرم کی مرہونِ منت ہے۔ شہری آبادیاں تقلب احوال و تحول اقبال، سلاطین کے عروج و زوال، انقلابات زمانہ اغنیاء و مساکین کے حالات میں ردّ و بدل، اصاغر و اکابر کی ترقی و تنزل جنود و عساکر کا اجتماع و انتشار، بلاؤں اور وباؤں کا رفع و دفع ہونا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی کروڑوں طاقتوں کا مظاہرہ انہی کے اختیار میں ہے۔ آفتاب عالم تاب خداوند تعالیٰ کے عطا کردہ نور سے تمام کائنات کو روشن رکھتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے غیب الغیب سے ایک نوران حضرات پر وارد کرتا ہے جس سے وہ بنی آدم کے نظام کی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ ان حضرات کو دو قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔ اولیائے ظاہرین

۲۔ اولیائے مستورین

(۱) اولیائے ظاہرین کے سپرد مخلوقِ خدا کی ہدایت و اصلاح ہوتی ہے۔ یہ لوگ مخلوقِ خدا کی ہدایت اور اصلاح کے لئے زندگیاں وقف کر دیتے ہیں اور اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں ہوتے۔ وہ دشوار ترین حالات کے سامنے بھی اپنے کام میں لگے رہتے ہیں۔

(۲) اولیائے مستورین کے سپرد انصرامِ تکوینی ہوتا ہے۔ یہ اغیار کی نگاہوں (نگاہِ ظاہرین) سے مستور

(باقی اگلے صفحہ)

مقتضی ہے۔ کیونکہ وہ اسی قوت میں ہے کہ کہا جائے قد جعلنا کم ازواجا۔ جوڑے درانحالیکہ تم کئی قسم ہو یعنی نر و مادہ، تاکہ ہر صنف اپنی دوسری صنف سے تسکین پائے اور معاشرہ و معاش کا معاملہ منتظم ہو اور نسل کا سلسلہ بڑھے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور پوشیدہ ہوتے ہیں، مگر یہ بھی صاحب خدمت ہوتے ہیں۔ انہیں اپنے انصرامی امور کی سرانجام دہی کے سلسلے میں اظہار کی ضرورت نہیں ہوتی، انھیں اصطلاح صوفیہ میں رجال الغیب اور مردان غیب کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی اتباع میں ان کے قدم بہ قدم چل کر عالم شہادت تک رسائی حاصل کرتے ہیں اور مستوی الرحمن کا مقام پاتے ہیں، وہ نہ تو پہچانے جا سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں حالانکہ وہ عام انسانی شکل میں رہتے ہیں اور عام انسانوں میں صبح و شام مصروف کار رہتے ہیں۔ انہی کے بارے میں حدیث قدسی میں ہے:

اَوْلِیَائِیْ تحت قبائی لا یعرفھم سوائی۔ میرے ولی میری قدرت کی قبا میں ہیں انہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (روح البیان)

ان میں سے ایسے حضرات بھی ہیں جو اپنے اپنے مقامات پر متعین ہیں۔ عالم احساس میں جس انسان کی شکل چاہیں اختیار کر سکتے ہیں لوگوں کو پردۂ غیب سے پیچھے کی خبریں دیتے ہیں۔ پوشیدہ امور سے بعض اوقات پردہ اٹھا دیتے ہیں اور پھر ان میں سے ایسے حضرات بھی ہیں جو تمام کائنات ارضی پر پھرتے ہیں، لوگوں سے اپنا تعارف کراتے ہیں اور پھر آناً فاناً غیب ہو جاتے ہیں، ان سے باتیں کرتے ہیں، ان کی مشکلات کا حل بتاتے ہیں ان کے مسائل کا جواب دیتے ہیں اور جنگلوں، پہاڑوں، صحراؤں اور سمندروں میں قیام کرتے ہیں ایسے حضرات میں سے قوی تر حضرات شہروں میں بھی قیام کرتے ہیں صفات بشری کے ساتھ صبح شام بسر اوقات کرتے ہیں، آبادیوں میں اعلیٰ مکانات میں رہائش پذیر ہوتے ہیں۔ احباب کی خوشی اور غمی میں شریک ہوتے ہیں۔ لوگوں کو اپنے معاملات میں شریک کرتے ہیں، بیمار پڑتے ہیں تو اپنے حلقۂ احباب سے عیادت کرواتے ہیں، علاج کرواتے ہیں، اولاد و اسباب، اموال و املاک رکھتے ہیں۔ لوگوں کی دشمنیوں، بدگمانیوں، ایذا رسانیوں اور حسد و بغض کے اثرات برداشت کرتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ان کے حسن احوال اور کمالات باطنی کو اغیار کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ صاحبان نظر ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں، صاحبان احوال ان کی زیارت کو آتے ہیں۔ انہی میں سے تھے سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ جن کی زیارت کے لئے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یمن کی بستی قرن میں تشریف لے گئے تھے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

حلِ لغات زوج دونوں جوڑوں کی ہر دوسری قسم کو کہا جاتا ہے وہ حیوان ہو یا غیر حیوان، جیسے موزہ، جوتا۔ اسی لئے دو کو زوج نہیں کہا جاسکتا بلکہ زوجین کہا جاسکتا ہے۔ اسی لیے لائق ہے کہ کہا جائے قرضتہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱)

رجال اللہ کے اقسام

رجال اللہ (مردانِ خدا) کو بارہ ۱۲ اقسام میں منقسم کیا گیا ہے:

(۱) اقطاب (۲) غوث (۳) امامان

(۴) اوتاد (۵) ابدال (۶) اخیار (۷) ابرار

(۸) نقبا (۹) نجبا (۱۰) عمد (۱۱) مکتوبان

(۱۲) مفردان

اقطاب: ہر زمانہ میں صرف ایک قطب ہوتا ہے۔ یہ قطب سب سے بڑا ہوتا ہے، اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ قطب عالم، قطب کبریٰ، قطب الارشاد، قطبِ مدار، قطب الاقطاب، قطب جہاں اور جہانگیر عالم، عالم علوی اور عالم سفلی میں اسی کا تصرف ہوتا ہے اور سارا عالم اسی کے فیض و برکت سے قائم ہوتا ہے۔ اگر قطبِ عالم کا وجود درمیان سے ہٹا دیا جائے تو سارا عالم درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ قطب عالم براہِ راست اللہ تعالیٰ سے احکام و فیض حاصل کرتا ہے اور ان فیوض کو اپنے ماتحت اقطاب میں تقسیم کرتا ہے۔ وہ دنیا کے کسی بڑے شہر میں سکونت رکھتا ہے، بڑی عمر پاتا ہے۔ نورِ خاص مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکات ہر سمت سے حاصل کرتا ہے۔ وہ اپنے ماتحت اقطاب کے تقرر، تنزل اور ترقی کے اختیار کا مالک ہوتا ہے۔ ولی کو معزول کرنا، ولایت کو سلب کرنا، ولی کو مقرر کرنا، اس کے درجات میں ترقی دینا اسی کے فرائض میں ہے۔ وہ ولایت شمس پر فائز ہوتا ہے لیکن اس کے ماتحت اقطاب کو ولایت قمر میں جگہ ملتی ہے۔ قطبِ عالم اللہ تعالیٰ کے اسم رحمٰن کی تجلی کا مظہر ہوتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہرِ خاص تجلی الولایت ہیں۔ قطب عالم سالک بھی ہوتا ہے اور اس کا مقام ترقی پذیر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مقامِ فردانیت تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ مقامِ محبوبیت ہے، رجال اللہ میں اس قطب عالم کا نام عبداللہ بھی ہے۔

اقطاب کی قسمیں اقطاب کی کئی قسمیں ہیں۔ یہ اقطاب تمام کے تمام قطب عالم کے ماتحت ہوتے ہیں۔ قطب ابدال، قطب اقالیم، قطب ولایت وغیرہ وغیرہ۔ بعض اوقات مختلف افراد کی تربیت کے لیے ایک ایک قطب کا تعین کیا جاتا ہے۔ قطب زہاد، قطب عباد، قطب عرفاء، قطب متوکلان۔ یہ اقطاب شہروں، قصبوں، گاؤں غرضیکہ جہاں جہاں انسانی معاشرہ ہے وہاں وہاں ایک قطب مقرر ہے جو اس کی محافظت اور اصلاح کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ وہ بستی مومنوں سے آباد ہو خواہ کافروں سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

بالمقراضین (میں نے اسے دو قینچیوں سے کاٹا) وقصصتہ بالمقصین (میں نے اسے دو قینچیوں سے کاٹا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مگر قطب اپنے فرائض سرانجام دیتا رہتا ہے۔ مومنوں کی بستیوں میں اسم ہادی کی تجلی سے کام لیا جاتا ہے اور کافروں کی پرورش یا نگرانی اسم مضل کے ماتحت ہوتی ہے۔

غوث بعض صوفیہ نے غوث اور قطب ایک ہی شخصیت کو قرار دیا ہے، مگر حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ کے نزدیک قطب الاقطاب اور غوث میں بڑا فرق ہے۔ بعض اوقات قطب اور غوث کے اوصاف ایک ہی شخصیت میں جمع ہو جاتے ہیں۔ قطبیت کی وجہ سے قطب الاقطاب اور غوثیت کے اعتبار سے غوث العالم کہلاتا ہے۔

امامان قطب الاقطاب کے دو وزیر ہوتے ہیں جنہیں امامان کہتے ہیں۔ ایک قطب کے داہنے ہاتھ رہتا ہے جس کا نام عبد الملک ہے۔ اور دوسرا بائیں ہاتھ بیٹھتا ہے، اس کا نام عبد الرب ہے۔ داہنے ہاتھ والا قطب مدار سے پاتا ہے اور عالم علوی سے افاضہ کرتا ہے۔ بائیں ہاتھ والا قطب مدار سے فیض حاصل کرتا ہے مگر عالم سفلی پر افاضہ کرتا ہے۔ صوفیہ کے نزدیک بائیں ہاتھ والے امام کا رتبہ دائیں ہاتھ والے امام سے بلند تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قطب الاقطاب کی جگہ خالی ہوتی ہے تو بائیں ہاتھ والا ترقی پاتا ہے اور اس کی جگہ دائیں ہاتھ والا مقرر ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عالم کون و فساد میں انتظام کرنا اور امن برقرار رکھنا زیادہ مشکل ہے۔ اس عالم میں معاشرہ اپنی خواہشات غیظ و غضب اور فساد و شر کی وجہ سے سخت انصرام و انتظام کی ضرورت کا تقاضا کرتا ہے اس لیے یہ وزیر زیادہ مستعد، تجربہ کار اور مضبوط رکھا جاتا ہے۔ اس کی نسبت عالم علوی کے احوال زیادہ اصلاح یافتہ ہیں جہاں مشکلات کا سامنا کم ہوتا ہے۔

اوتاد دنیا میں چار اوتاد ہوتے ہیں یہ عالم کے چاروں آفاق (گوشوں) پر متعین ہیں۔

۱۔ مغربی افق والے اوتاد کا نام عبد الودود،

۲۔ مشرقی افق والے کا نام عبد الرحمٰن،

۳۔ جنوبی افق والے کا نام عبد الرحیم،

۴۔ شمالی افق والے کا نام عبد القدوس ہوتا ہے۔

قیام عالم میں یہ اوتاد میخوں کا کام دیتا ہے اور پہاڑوں کی طرح زمین پر امن برقرار رکھنے کا کام دیتے ہیں۔

الم نجعل الارض مهاداً والجبال اوتاداً۔ — کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو اوتاد نہیں بنایا؟

(باقی اگلے صفحہ پر)

اس لیے کہ وہ دو ہیں، اسی لیے صرف المقراض و المقص نہ کہا جائے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں صوفیاءِ کرام نے اوتاد حضرات کے مقامات، فرائض، مراتب اور قیامِ امن میں ان کے کردار کو تفصیل طور پر بیان فرمایا ہے۔

ابدال انھیں بدلاء بھی کہا جاتا ہے۔ یہ دنیا میں بیک وقت سات ہوتے ہیں اور سات اقالیم پر متعین ہوتے ہیں۔ یہ سات انبیاء کے مشرب پر کام کرتے ہیں، یہ لوگوں کی روحانی امداد کرتے ہیں اور عاجزوں اور بیکسوں کی فریاد رسی پر مامور ہیں؛

۱۔ ابدال اقلیم اول	برقلب ابراہیم علیہ السلام	نام عبد الحی
۲۔ ابدال اقلیم دوم	برقلب موسیٰ علیہ السلام	نام عبد العلیم
۳۔ ابدال اقلیم سوم	برقلب ہارون علیہ السلام	نام عبد المرید
۴۔ ابدال اقلیم چہارم	برقلب ادریس علیہ السلام	نام عبد القادر
۵۔ ابدال اقلیم پنجم	برقلب یوسف علیہ السلام	نام عبد القاہر
۶۔ ابدال اقلیم ششم	برقلب عیسیٰ علیہ السلام	نام عبد السمیع
۷۔ ابدال اقلیم ہفتم	برقلبِ آدم علیہ السلام	نام عبد البصیر

مندرجہ بالا سات ابدالوں میں سے عبد القادر اور عبد القاہر کو ان مقامات، ممالک اور اقوام پر مسلط کیا جاتا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہونا ہوتا ہے، یہ مقہوری بنتے ہیں۔ ان سات ابدالوں کو قطب اقلیم بھی کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا ابدال کے علاوہ پانچ ابدال اور بھی ہوتے ہیں جو یمن میں رہتے ہیں اور پورے شام پر ان کی حکومت ہوتی ہے انہیں قطبِ ولایت کہتے ہیں۔ قطب عالم کا فیض قطب اقالیم پر اور قطب اقالیم کا فیض قطب ولایت پر، اور قطبِ ولایت کا فیض تمام اولیائے جہاں پر وارد ہوتا رہتا ہے۔

علاوہ ازیں تین سو پچاس (۳۵۰) ابدال اور بھی ہوتے ہیں جن میں سے تین سو (۳۰۰) قلبِ آدم علیہ السلام پر ہیں۔ میر سید محمد جعفر مکی نے چار سو چار (۴۰۴) تعداد بتائی ہے، جو مختلف انبیاء علیہم السلام کے مشرب پر ہوتے ہیں اور مختلف خدمات سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

مفردان افراد کو کہتے ہیں جو قطب عالم ترقی کرتا ہے وہ فرد ہو جاتا ہے۔ مقام فردانیت پر پہنچ کر تصرفات سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔ قطب مدار عرش سے تحت الثریٰ تک متصرف ہوتا ہے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

ف : الجوہری نے درۃ الغواص میں اور صاحبِ قاموس نے فرمایا کہ دو کے لیے کہا جاتا ہے زوجان وعمانوج۔ ممکن ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور فرد متحقق ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ تصرف اور تحقق میں بڑا فرق ہے۔ قطب مدار تو علی الدوام تجلی صفات میں رہتا ہے مگر خود تجلی ذات میں ہوتا ہے۔ قطب مدار خاص ہے فرد اخص ہے۔ فردانیت مقامِ انبساط و محبت ہے۔ یہاں پہنچ کر مراد باقی نہیں رہتی۔ بعض اولیاء کو تجلی افعالی ہوتی ہے بعض کو تجلی اسمائی بعض کو تجلی آثاری۔ بعض مقامِ صحو میں ہوتے ہیں بعض مقامِ سُکر میں، بعض بیک وقت دونوں مقامات پر۔ مقاماتِ اولیاء اللہ خارج از حد و حصر ہوتے ہیں مگر اہلِ فردانیت تمام مقامات سے برتر ہوتے ہیں۔ تنزل کی ایک ہے مگر عروج و ترقی حدود و انتہا سے مبرا ہے۔ افراد ترقی کرکے جب فردانیت میں کامل ہوتے جاتے ہیں تو ان کا رتبہ محبوبیت آجاتا ہے، پھر محبوبیت بھی مقبولانِ بارگاہ میں خاص امتیاز ذات کے ہوتی ہے۔ حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی، سلطان المشائخ حضرت محبوبِ الٰہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہما اسی مقامِ محبوبیت کے مالک تھے۔ بحرالمعانی میں لکھا ہے:

"روزے ایں فقیر در کشتی دریائے نیل مصر با حضرت خضر علیہ السلام مصاحب بود۔ سخن درمیان شاہدان لایزالی می رفت۔ خضر علیہ السلام می فرمود کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ نظام الدین بدایونی در مقام معشوقی بودند کہ امثالِ ایشاں دیگرے نہ رسید۔"[1]

ایک دن یہ فقیر دریائے نیل مصر میں کشتی میں حضرت خضر علیہ السلام سے رفاقت پذیر ہوا، شاہدان لایزال کے متعلق گفتگو شروع ہوئی۔ فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی اور شیخ نظام الدین بدایونی مقامِ معشوقی میں تھے ان کے سوا اور کوئی اس مقام پر نہ پہنچ سکا۔

اخیار : ابدال میں سے چالیس اخیار کہلاتے ہیں۔

نقباء : یہ تین سو ہیں سب کا نام علی ہے۔

نجباء : یہ تعداد میں ستر ہیں، نام حسن ہے اور مصر میں رہتے ہیں۔

عمد : یہ چار ہیں، محمد ان کا نام ہے، زمین کے مختلف زاویوں میں کام کرتے ہیں۔

مکتوبان : یہ حضرات چار ہزار کی تعداد میں ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں، ملتے ہیں، لیکن یہ لوگ اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتے۔ ان پر اپنا حال آشکار نہیں ہوتا۔ ایسے لباس میں ہوتے ہیں کہ اغیار پہچاننے سے عاجز ہوتے ہیں۔ یہ اپنے مقام سے خود ناآشنا ہوتے ہیں، یا یوں کہئے کہ حالت اخفا میں ہوتے ہیں۔

---

[1] اسی سے بعض غلط کار چشتیہ کو غلط فہمی ہوئی تو حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہ نے ان کا خوب رد فرمایا۔ اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "قدمی علیٰ رقبۃ کل ولی" میں ہے۔ اویسی غفرلہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

کہ یہ دو شقوں میں سے ایک پر اکتفا کے قبیل سے ہو۔ اور زوجہ عورت کے لیے کہنا یہ لغت ردیّہ ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں ہے، اسکن انت و زوجك الجنۃ (تم اور تمہاری جورو جنت میں ٹھہرو) جو کسی کا قرین ہو اسے بھی زوج کہا جاتا ہے اس کے موافق ہو یا مخالف اسی لیے بعض نے یہاں یہ معنیٰ کیا کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا درانحالیکہ تم ہر ایک دوسرے کے بالمقابل اوصاف والے ہو جیسے فقر و غنا (دولت مندی) اور صحت و مرض اور علم و جہل اور قوت و ضعف اور ذکورۃ و انوثۃ (نر و مادہ) طول قصر وغیرہ اور اسی سے ہی آزمائش ہوگی کہ فضیلت والا شکر کرے اور جسے وہ فضیلت نہ ملے وہ صبر کرے اور اس سے نعمت کی قدر معلوم ہوگی کہ صبر سے شکر کا موقعہ ملے گا اور یہ سب کی سب کمان قدرتِ الٰہی اور اس کی نہایت حکمت کی دلیل ہے۔ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ (اور ہم نے تمہاری نیند کو کیا) اس بخار کی رطوبات سے جو دماغ کو چڑھتے ہیں کی وجہ دماغ کے اعصاب کا ڈھیلا ہونا اسی لیے اہلِ ریاضت کو نیند کم آتی ہے کیونکہ ان کے دماغ کی رطوبت کم ہو جاتی ہے سُبَاتًا (آرام) موت یعنی موت کی مانند، کیونکہ نیند والا میّت کی طرح ہوتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ف : مندرجہ بالا تشریحات کے علاوہ ان رجال اللہ (مردانِ خدا) میں سے بہت سے اور اقسام ایسے ہیں جو کائنات کے انتظامات و انصرامات میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ بھی رجال الغیب کی صفت میں آتے ہیں مگر ان کے صحیح مقامات سے اہلِ خرد پوری طرح آگاہ و آشنا نہیں اور نہ ہی ان کے احوال و مقامات کا ادراک ان کی عقلی وسعتوں میں سما سکتا ہے۔ یہ حضرات اپنے فرائض میں اس قدر مربوط اور مستعد ہوتے ہیں کہ ہم ظاہر بیں انداز نہیں کر سکتے۔

گزشتہ صفحات میں جہاں ہم نے قارئین کو رجال اللہ (مردانِ خدا) سے آشنا کرنے کے لیے ایک حقیر سی کوشش کی ہے وہاں ان حضرات کا مختصر سا ذکر دوراز موضوع نہ ہوگا جو ہمارے ظاہری احوال و معاملات کی روحانی اصلاح اور نگرانی فرماتے ہیں۔ ان میں علماء، مشایخ، صوفیہ، صلحاء، اتقیا اور مجدّد شامل ہیں۔ علماء و مشائخ کے ہزاروں مقامات و مراتب ہیں۔ وہ معاشرۂ انسانی کی ظاہری باطنی اصلاح کے لیے مختلف اندازِ رشد و ہدایت پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ ان کے اثرات خصوصیت کے ساتھ مسلم معاشرے پر مرتسم ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کی اصلاحی کوششیں غیر مسلموں پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں، مگر تاریخ عالم نے عالمِ اسلام کے اذہان و افکار میں جن انقلابات کی نشان دہی کی ہے وہ ان علماء و مشایخ کی شبانہ روز کاوشوں کے رہینِ منت ہیں۔ ان میں صوفیہ بالخصوص روحانی اور قلبی اصلاح میں مصروف رہے۔ ان کی اس مساعیِ جمیلہ نے اسلامی معاشرے کی اخلاقی نشوونما میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ انہوں نے احکامِ الٰہیہ اور مقامِ مصطفیٰ کی عظمت کو لوگوں کے دلوں میں نقش کرنے میں گرانقدر کام کیا، انہوں نے مُردہ دلوں کو حیاتِ تازہ بخشی، اور مردہ نفسوں کو و نفخت فیہ من روحی کے پیغام سے زندہ کر دیا۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "ابدال کے احوال" میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

حلِ لغات السبات از سبتٌ ہے بمعنی القطع (کاٹنا) کیونکہ نیند والا حرکت سے کٹا ہوا ہے۔ اسی سے یوم السبت (ہفتہ کا دن)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی پیدا کا سلسلہ اتوار کو شروع کرکے چھ دنوں میں (یعنی جمعہ کو) ختم کر دیا اور ہفتہ کا دن کام سے خالی رہا، اسی لیے اس کا نام یوم السبت رکھا گیا اور اس لیے کہ اسی دن (سنیچر) کو اہلِ کتاب کاروبار کو منقطع کر دیتے ہیں یعنی چھٹی کرتے ہیں۔ النوم دو توفیوں کی ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا۔ — اللہ تعالیٰ نفسوں کو موت کے وقت فوت کرتا ہے اور وہ جو اپنی نیند میں نہیں مرتا۔

یعنی اسے فوت کرتا ہے جو نیند میں نہیں مرا، وہ اس لیے کہ دونوں کو اس میں مشارکۃ تامہ ہے کہ حیاۃِ دنیوی کے کام نیند والے سے منقطع ہو جاتے ہیں۔ اس معنی پر اس کی تنوین نوعی ہے۔ یعنی ہم نے تمہاری نیند کو ایک قسم کی موت بنا دیا، یعنی وہ موت کہ منقطع ہو جائے اور دائمی نہ ہو، اس لیے کہ نیند کے وقت روح کی روشنی صرف ظاہری بدن سے منقطع ہوتی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے:

النوم اخ الموت (نیند موت کی مانند ہے)

ف: نیند بقدرِ ضرورت ہو تو نعمتِ جلیلہ ہے۔ بعض نے کہا کہ نوم سبات ہے یعنی قطع کرنا احساس وحرکت سے، تاکہ قویٰ حیوانیہ کو راحت ملے اور تھکان دُور ہو۔ لیکن مقام کے مطابق پہلا معنی لائق ہے۔

وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ (اور رات کو بنایا) وہ رات کہ اس میں نیند واقع ہوتی ہے **لِبَاسًا** پردہ پوش۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے: لبس الثوب بمعنی استتر بہ (کپڑے میں چھپا)۔ ہر وہ شے جو انسان کے قبح کو چھپائے اسے لباس کہا جاتا ہے۔ مرد کو عورت کا (عورت کو مرد کا) لباس کہا گیا کہ وہ قبح کے ارتکاب سے ایک دوسرے کو رد کتے (اور اس کا سبب ہیں)، ایسے ہی البعل (شوہر) اور وہ چونکہ ایک دوسرے پر مشتمل ہیں اسی لئے ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ھُنَّ لباسٌ لکم وانتم لباسٌ لھن (وہ تمہارا لباس ہیں تم ان کے لباس ہو)

تقویٰ کو بھی لباس کہا جاتا ہے بطریقِ تمثیل وتشبیہ۔ اسی طرح خوف وجُوع کو بھی تمثیل وتشبیہ کے طریق سے لباس کہا گیا ہے اور اس کا صاحبِ خوف وجُوع پر تصور کر کے مثلاً کہتے ہیں:

تدرع فلان الفقر (فلاں نے فقر کا قمیض پہنا)

ولبس الجوع (اس نے بھوک کا لباس پہنا)۔

اب معنی یہ ہُوا کہ رات تمہارے لیے لباس ہے کہ وہ اپنی تاریکی سے تمہیں ڈھانپ لیتی ہے جیسے تمہیں

بناس ڈھانپ لیتا ہے۔ امید ہے اس سے وُہ ڈھانپنا مراد ہے جو نیند کا وقت طاری ہوتا ہے اور سردیوں میں اپنے اوپر لحاف وغیرہ اوڑھ لیا جاتا ہے۔ رات کو اس نوعیت سے بناس سے تشبیہ زیادہ مکمل ہے اور اعتبار مقصد میں زیادہ دخیل ہے۔

صُوفیہ کرام کی شب حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ کی فتوحات میں ہے کہ رات اصحاب اللیل کی بناس ہے کہ وُہ انھیں اغیاری نظروں سے چھپالیتی ہے تاکہ خلوۃ میں لذت مکالمہ (گفتگو) یا محاضرہ (حضوری) مشاہدہ (دیدار کا جلوہ) سے ہر ایک استعداد کے مطابق پھل کھائیں۔

ف: حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے فرمایا کہ شب راہِ سلوک پر چلنے والوں کے لیے پردہ اور دن سحرگاہ کے بیداروں کا بازار ہے ؎

اللیل للعاشقین ستر
یالیت اوقاته قد دم

ترجمہ: رات عشاق کے لیے پردہ ہے، کاش وہ ہمیشہ رہتی!

؎

چوں دردل شب خیال او یار منست
من بندۂ شب کہ روز بازار منست

ترجمہ: جب دل میں شب خیال میرا یار ہے اسی لیے میں شب کا غلام ہوں کہ دن میرا بازار ہے۔

ربط: اللہ تعالیٰ نے رات کو نیند کا محل بنایا اور وُہ موت کی مانند ہے، اور دن کو بیداری کا محل بنایا، اسے حیاۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا (اور دن کو معاش کے لیے بنایا) یعنی معیشت کا وقت یعنی حیات کہ تم اپنی نیند سے بیدار ہو جاؤ جو کہ وہ موت کی مانند ہے، جیسے اس کے لیے فرمایا: وھو الذی جعل لکم الیل لباسا۔ اور نوم کو سباتاً فرمایا اور دن کو نشور بنایا۔

سوال: جعل یقظتکم حیاۃ (اور تمھارے لیے بیداری کو حیات بنایا) کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: تاکہ اس کے اور وجعلنا نومکم سباتاً کے درمیان مطابقت ہو۔ بلکہ اس یقظۃ کو نہار سے تعبیر فرمایا کیونکہ اکثر نہار (دن) یقظہ (بیداری) کو مستلزم ہے تاکہ وجعلنا الیل سے جعلنا النہار کی مطابقت ہو اور اس سے معلوم ہو کہ رات ہمیشہ نہ رہے گی، اس کے درمیان میں جو ذکرِ نوم ہے وُہ

اس کے دوام کے لیے قرینہ تھا۔

حلِ لغات معاش مصدر ہے از عاش یعیش عیشاً و معاشاً و معیشۃً و عیشۃً۔ اس تقدیر پر مضاف کا مقدر کرنا ضروری ہے اور اس کی تفسیر وقت سے ہو (جیسے ہم نے ابتداء میں لکھا ہے) یا یہ اسمِ زمان بروزن مفعل تو اس وقت مضاف کے حذف کی ضرورت نہیں کیونکہ ظرف زمان وقت کے معنی و مفہوم کرتا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے الم نجعل الارض الخ کیا ہم نے ارضِ بشریہ کو تمہاری استراحت اور انواع منافع بشریہ میں انتشار کے لیے تمہارا بچھونا نہیں بنایا اور تمہارے نفوس قالبیہ جبال کو ارض بشریہ کے قوائم نہیں بنائے، اور تمہیں جوڑے جوڑے نہیں بنایا ایک روح دوسرا نفس یا قلب (مذکر) اور نفس (مؤنث)، اور تمہاری نیند کو غفلت نہیں بنایا کہ لذات اور شہوات کو پورا کرنے کے لیے تمہیں راحت و استراحت ملے، کیا تمہاری طبیعت رات کو تمہاری روحانیت کے دن کا پردہ پوش نہیں بنایا، کیا تمہاری روحانیت کو معاش کا وقت نہیں بنایا کہ اس میں تم اپنی طاعات و عبادات کی روزی کما سکو، اور یہی بعث (مرنے کے بعد جی اٹھنے) کی صورتیں ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ وَّبَنَيۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعًا شِدَادًا (اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط چنائیں چنیں)

حلِ لغات شداد، شدید کی جمع ہے یعنی سات آسمان قویۃ الخلق اور محکمۃ البناء ہیں کہ ان میں دھور کا کرات و مرات آنا اور عصور (زمانوں) کا بار بار گزرنا مؤثر نہیں۔

آسمانوں کی موٹائی اور مسافت حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شداد بمعنی غلاظ ہے یعنی گاڑھے اور موٹے۔ ہر آسمان پانچ سو سال کی مسافت کے برابر موٹا ہوتا ہے۔

نکتہ: ان کی تخلیق کو بناء سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ بمنزلہ قُبّاب (قبوں) کے ہیں کہ مخلوق کے اوپر کھڑے کئے گئے ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ اس میں قلب کے سات طبقات کی طرف اشارہ ہے:

(۱) طبقہ صدر، یہ جوہرِ اسلام کا معدن ہے۔

(۲) طبقہ رقلب، یہ جوہر ایمان کا معدن ہے۔

(۳) شغاف (پردہ)، یہ عشق و محبت اور شفقت کا معدن ہے۔

(۴) فؤاد ، یہ مکاشفہ ومشاہدہ اور رؤیۃ کا معدن ہے ۔

(۵) حبۃ القلب ، یہ حُبِ الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے اسے محبۃ کونین سے کوئی تعلق نہیں ، نہ ہی عشق عالین سے اسے کوئی واسطہ ہے ۔

(۶) سویدار ، یہ علم لدنی کا معدن اور حکمت کا گھر ہے ۔

(۷) بیت العزۃ ، یہ کامل ترین کا قلب ہے ، یہی اسرار الٰہیہ کا گھر ہے جو کبھی باطن سے ظاہر کی طرف خارج نہیں ہوتا اور نہ ہی کبھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ

وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا (اور ہم نے رکھا چراغ) سورج ، اسے چراغ سے تعبیر کرنا مترادفات سے ہے ، جیسے خلقنا کو بنینا سے تعبیر کیا گیا ۔

حلِ لغات

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ السراج وہ چراغ روشن جو فتیلہ (بٹ) اور تیل سے روشن کیا جائے ۔ پھر ہر روشن شے کو سراج (چراغ) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور سراج (چراغ) کو مصباح (دیا) بھی کہا جاتا ہے ۔

وَّهَّاجًا (نہایت چمکتا) وقاد اسے متلالا ۔

حلِ لغات

وهجت النار ، اضاءت آگ روشن ہوئی ، یا حرارت میں انتہاء کو پہنچنے والا چراغ (سورج) از الوهج بمعنی الحر (گرمی) وہی جو مفسرین نے فرمایا کہ سراجًا وهاجًا وہ چمکنے والا جو نور و حرارت کا جامع ہے یعنی چراغ افروختہ و تاباں ۔ یہ لفظ سورج و چاند کو کہا جاتا ہے کہ دونوں ابتداءً نورِ عرش سے پیدا کئے گئے اور قیامت میں بھی ان کا نور عرش میں لوٹایا جائے گا ۔

سورج اور چاند کی روشنی میں فرق کیوں

حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی حدیث شریف نہ سناؤں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے سنی کہ آپ سورج اور چاند کی ابتدائی تخلیق اور پھر موجودہ صورت میں ہونے کے متعلق فرمایا کرتے تھے ؟ ہم نے عرض کی فرمائیے ۔ فرمایا کہ اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو احکام صادر فرمائے تو آدم علیہ السلام کے لیے کوئی حکم باقی نہ رہا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے شمسین (سورج اور چاند) کو نورِ عرش سے پیدا فرمایا ان دونوں (شمسین) کے بارے میں اس کے علم میں تھا کہ یہ سورج رہے گا تو اسے دنیا کے برابر پیدا فرمایا جس کا نور مشارق و مغارب تک پھیلا ہوا تھا اور جس کے متعلق علم تھا کہ اسے چاند بنایا جائے گا تو اسے سورج سے عظم (موٹائی) میں چھوٹا بنایا ۔ یہ دونوں اس لیے چھوٹے نظر آتے ہیں کہ بہت زیادہ بلندی پر اور بہت

دُور ہیں۔ پھر سورج اور چاند کو اسی طرح چھوڑا جاتا جیسے ابتدائی تخلیق میں تھے تو رات اور دن کا فرق معلوم نہ ہوتا اور نہ مزدور کو علم ہوتا کہ وہ کب کام کرے اور کب نہ کرے، اور نہ ہی روزے دار کو معلوم ہوتا کہ کب روزہ رکھے اور کب افطار کرے، اور عورت کو معلوم نہ ہوتا کہ کب عدت گزارے، اور نہ ہی اہلِ اسلام کو نماز کے اوقات معلوم ہوتے، اور نہ ہی حج کا وقت معلوم ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر نظرِ شفقت کرتے ہوئے رحم فرمایا اور جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا کہ اپنا پَر چاند کے چہرے پر مارے تاکہ اس سے حرارت مٹ جائے اور اس کا نور باقی رہے، اسی لیے فرمایا:

وجعلنا الیل والنہار اٰیتین فمحونا اٰیۃ الیل وجعلنا النہار مبصرا۔ اور ہم نے رات اور دن کو دو آیتیں بنایا، پھر ہم نے رات کی آیت کو مٹا کر دن کو راہ دکھانیوالا بنایا۔

یہ چھائیاں جو تم چاند پر دیکھتے ہو (لکیروں کی طرح) یہ وہی جبریل علیہ السلام کے پروں سے مٹانے کے نشانات ہیں جب قیامت قائم ہوگی اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے درمیان فیصلہ فرمائے گا تو دوزخیوں اور بہشتیوں کے درمیان امتیاز ہو جائے گا۔ لیکن ابھی جنّت و جہنّم میں داخل نہیں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ سُورج اور چاند کو بلائے گا، انہیں جب بلایا جائیگا تو وہ سیاہ ہوں گے ان میں نور نہ ہوگا اور ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے نہایت غمگین، آہستہ رفتار سے کاندھے کانپتے ہوئے آئیں گے اس دن کی ہولناکیوں اور رب رحمان کے خوف سے۔ جب عرشِ الٰہی کے سامنے آئیں گے تو عرشِ الٰہی کے بالمقابل سجدہ ریز ہو جائیں گے اور عرض کریں گے اے اللہ! تُو ہماری طاعت بجا لانے اور ادائیگی عبادت اور حکم کی تعمیل کو خوب جانتا ہے اسی لیے ہمیں ان کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہ فرمانا، جنہوں نے ہماری پرستش کی تُو خُوب جانتا ہے کہ ہم نے انہیں اپنی پرستش کی دعوت نہیں دی تھی، اور نہ ہی ہم نے کبھی تیری عبادت سے سُستی اور غفلت برتی ہل کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا تم سچ کہہ رہے ہو اور میں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ مخلوق کو پیدا کر کے لوٹاؤں، میں نے ہی تمہیں اسی طرف لوٹایا جہاں سے میں نے تمہیں پیدا کیا، اس لیے اب ادھر لوٹو جہاں سے تم پیدا ہوئے۔ عرض کریں گے: یا اللہ! تُو نے ہمیں کہاں سے پیدا فرمایا؟ فرمایا جائے گا: عرش کے نُور سے، اسی لیے ادھر جاؤ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) فرمایا: سورج اور چاند سے نور کی ایک ایسی چمک اُٹھے گی جس سے آنکھوں کے نور اُچک لیے جائیں گے، اس کے بعد سورج اور چاند نورِ عرش میں مل جائیں گے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یبدئ و یعید وہی ابتداءً پیدا کرتا ہے وہی سب کو لوٹائے گا۔ (کشف الاسرار)

روایت دیگر الشیخ رضی اللہ عنہ نے الفتح المکی میں لکھا کہ ستارے سب کے سب جہنم میں سیاہ اجسام اور عظیم الخلقت ہو کر داخل ہوں گے، ایسے ہی سورج اور چاند، ان کا ہمیشہ طلوع و غروب جہنم میں ہے۔

تطبیق از صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ خبر سابق اور اس خبر میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ سورج اور چاند دو چیزوں کے حامل ہیں:

۱۔ نور

۲۔ حرارت

جو نور کے قبیل سے ہے وہ عرش میں بغیر جسم کے داخل ہوگی، اس لیے کہ جسم غلظہ (کثافت) سے خالی نہیں، اور وہ جو حرارت کے قبیل سے ہوگی وہ اپنے اجسام کے ساتھ نار میں جائے گی۔ اسی طرح ہر شے اپنے اصل کی طرف رجوع کرے گی۔

(وہابی کُش سوال صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ ہر شے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی، اسے سوال کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ)[1]

فان قلت الظاهر ان یتصل نورهما بنور النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم لانهما مخلوقان من نوره۔

اگر تم کہو کہ ظاہر یہ ہے کہ سورج و چاند دونوں کا نور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹایا جاتا کیونکہ وُہ دونوں آپ کے نور سے پیدا ہوئے۔

(روح البیان ج ۱ ص ۲۹۷)

(وہابی کُش جواب اس کا جواب وہی دیا کہ گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہابی نجدی، دیوبندی کا کلیجہ جل کر راکھ ہو جائے اور عشّاق نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان و جگر راحت و سرور سے مسرور ہو۔ اویسی غفرلہٗ)[2]

قلت ان العرش والکرسی خُلقا من نوره وخلق القمران من نور العرش فهما فی الحقیقة

میں کہتا ہوں کہ عرش و کرسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا کیے گئے اور سورج و چاند

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

مخلوق ان من نور النبی صلی اللہ علیہ و اٰلہٖ وسلم ومتصل نورھما بنورہ والکل نورہ[1] و الحمد للہ۔

عرش کے نور سے تو در حقیقت سورج وچاند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نور سے پیدا ہوئے اور ان کا نور آپ سے ہی متصل ہوا بلکہ کل کائنات آپ کے نور سے ہی ہے، والحمد للہ۔

۵

شمسۂ نہ مسند و ہفت اختران
ختم رسل خواجۂ پیغمبران

ترجمہ: شمس نہ مسند اور ہفت ستاروں کا، وہ ختم رسل اور خواجۂ پیغمبران ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) (روح البیان مطبوعہ استنبول ج ۱۰ ص ۲۹۰)

الحمد للہ علیٰ ذلک (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں نیک عقیدہ بخشا)

وَ اَنْزَلْنَا (اور ہم نے اتارا) نون عظمہ کا ہے اور جمعیۃ الذات والاسماء والافعال کی طرف اشارہ ہے **مِنَ الْمُعْصِرَاتِ** (نچوڑنے والیوں سے) بدلیوں (بادلوں) سے جب نچوڑی جاتی ہیں۔ یعنی نچوڑے جانے کے قریب بدلیاں ہوتی ہیں تو انھیں ہوائیں نچوڑتی ہیں تو بارش ہوتی ہے۔ یہ اُس وقت کا حال ہے جب کہ ابھی نچوڑی نہ جائیں، انزال از استعداد والے سے نہ کہ واقع ہونے والے سے، ورنہ تحصیل حاصل لازم آئے گی، اور ہمزہ حینونۃ (وقت بتانے) کا ہے۔

حل لغات: المعصرات اسم فاعل اس کا ہمزہ احصد الزرع کی طرح ہے یعنی کھیتی کاٹنے کا وقت

---

[1] اس مسئلہ کو دورِ حاضرہ میں وہابیوں نجدیوں معہم دیوبندیوں نے الجھا دیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بشر ہیں تو محض ہمارے جیسے، فرق ہے تو صرف نبوت کا۔ پھر یہ تاثر دیتے ہیں کہ جیسے ہماری بشریت خاک محض ہے ایسے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت بھی خاک محض ہے انہیں نور ماننا شرک ہے ہاں نورِ ہدایت مراد ہو سکتا ہے یہ تمام ان کے ڈھکوسلے اور عقلی باتیں ہیں ورنہ درحقیقت بات وہی حق ہے جو ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بشری شکل میں ہونا حق ہے لیکن حقیقت نور ہے اور بشریت بھی نوری ہے کیونکہ احادیث مبارکہ کی تصریحات پھر ان کی تشریحات سے ثابت ہے کہ آپ اول المخلوق ہیں اور وہ اولیت حقیقتِ محمدیہ کی بحث سے قطع نظر، آپ کا مادہ بشری اصلی بھی اول المخلوق ہے جسے احادیث مبارکہ میں اول تخلیق کا ذکر ہے۔ مثلاً حدیثِ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھ لیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

آگیا۔ والمعصرات الجاریۃ یعنی لڑکی کا وقت آگیا ہے کہ اس کی طبیعت رحم کو نچوڑے تو حیض کرے۔ المفردات میں ہے کہ المعصرہ وہ عورت جو حیض کرے اور داخل ہو عصرِ شباب (جوانی کے زمانہ) میں۔ اگر یہ ہمزہ حینونۃ کا نہ ہو تو لائق ہے کہ اسے معصرات (بفتح الصاد) پڑھا جائے کہ یہ صیغۂ اسم مفعول ہے کیونکہ ہوائیں بادلوں کو نچوڑتی ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ معصرات سے خود وہ ہوائیں مراد ہوں جن کا وقت آگیا ہو کہ وہ بادلوں کو نچوڑیں تو بادل برسیں۔ اس معنی پر بصیغۂ اسم فاعل ہے اور ہمزہ حینونۃ کا ہے۔

سوال: کیوں نہ یہ ہمزہ تعدیہ کا ہو؟

جواب: اس لیے کہ ہوائیں عاصرہ ہیں معصرہ نہیں اگر ہمزہ تعدیہ کا مانیں تو ہواؤں کو معصرہ ماننا پڑے گا اور یہ صحیح نہیں۔

مَآءً ثَجَّاجًا پانی بہتا ہوا بکثرت یعنی بارش موسلا دھار (پے در پے) کہ پانی بہت زیادہ ہو جائے تو اس سے عظیم نفع ہو۔

حل لغات کہا جاتا ہے: ثج الماء، سال بکثرۃ و انصب پانی بہت زیادہ بہا و ثجہ غیرہ اپنے غیر کو بہایا اسے انڈیلا۔ یہ لازم و متعدی دونوں کی طرح ہے اسی دوسرے متعدی سے ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے:

افضل الحج العج و الثج۔ (بہترین حج عج و ثج ہے)

العج بمعنی تلبیہ (لبیک کہنا) سے آواز بلند کرنا، الثج بمعنی ھدی (قربانی) کا خون بہانا، اسے زجاج نے الصباب سے تعبیر کیا ہے بمعنی گویا وہ خود بہا ہے بطور مبالغہ کے ہے، گویا یہ بھی متعدی ہے اس کے وانزلنا من السماء ماء کے مابین کوئی منافات نہیں اس لیے کہ ابتدائی انزال آسمان سے ہوتا ہے پھر بادل سے زمین کی طرف آتا ہے یہ حقیقی طور پر تو بارش بنتی ہے کہ اس کے اسباب آسمان میں تیار ہوتے ہیں منجملہ ان کے سورج کی گرمی بھی ہے کہ وہ حرارتِ شمس اجزاء مائیہ تو زمین تر کی گہرائیوں یا دریاؤں اور ندیوں سے ہوا کے خلاء کی طرف ابھارتی اور چڑھاتی ہے اس سے بادل بن کر بارش ہوتی ہے اس معنی پر حقیقۃً بارش بادلوں سے ہوگی اور آسمان سے مجازاً باعتبار سبب کے، اور مسبب الاسباب صرف اللہ ہی ہے۔

لِّنُخْرِجَ بِهٖ تاکہ ہم نکالیں پانی کے سبب یعنی اس کے زمین تک پہنچے اور پانی کے زمین میں اختلاط (ملنا) سے اور اس کے ساتھ جو اس میں ہے یہ لام مصلحت کی ہے نہ کہ غرض سے، جیسے معتزلہ کہتے ہیں حَبًّا (اناج) بہت جسے قوت بنایا جائے انسان کے لئے، وہ کہ جس سے بدن کا قوام ہو جیسے گندم اور جَو وغیرہ۔

حلِ لغات عین المعانی میں ہے الحب اسم جنس ہے اس سے مراد جمع ہے۔ امام راغب نے فرمایا الحب والحبۃ (بالفتح) گندم اور جَو وغیرہ جو کھانے کے لائق ہوں۔ الحب و الحبۃ (بالکسر) خوشبو والی چیزوں کے بیج، اور حبۃ القلب کو دانے سے مشابہت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

وَّ نَبَاتًا اور سبزہ بہت یعنی جانوروں کا چارہ۔ یعنی بارش سے جانوروں کا چارہ جیسے گھاس وغیرہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ۔ (کھاؤ اور جانوروں کو چراؤ)

نکتہ: حب (دانہ) کی تقدیم باوجودیکہ وُہ وجود میں آنے میں نبات (سبزہ) سے بعد میں ہوتا ہے، اس کی اصالت و شرافت کی وجہ سے۔ کیونکہ انسان کی اکثر اغذیہ کا تعلق دانے سے ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے تاکہ ہم نکالیں (بارش سے) موتی اور چارہ (جانوروں کے لئے)۔

ف: حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بارش کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے اس سے سبزہ اگتا ہے، جو قطرہ دریا میں گرتا ہے اس سے موتی بنتا ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو مشہور ہے کہ ہر قطرہ موتی نہیں بنتا بلکہ بارش کا وہ قطرہ موتی بنتا ہے جو خاص موسم میں دریا میں گرے۔ ہاں حضرت عکرمہ کے قول کو عام کہا جائے کہ وُہ موتی ہوں یا کوئی اور شَے جیسے کوڑیاں وغیرہ۔

وَّ جَنّٰتٍ (اور باغات) تاکہ ان سے انسان میوے حاصل کرے۔

حلِ لغات الجنۃ دراصل سترہ (ڈھانپنے) کو کہا جاتا ہے مصدر ہے از جنّہ یعنی سترہ (اسے ڈھانپا)، پھر اس کا اطلاق کھجور اور ایسے درخت پر ہوتا ہے جو گھنا ہو اور اس کی ٹہنیاں آپس میں ایک دوسری سے لپٹی ہوئی ہوں۔ اور جو زمین درختوں والی ہو اسے بھی جنّت کہا جاتا ہے۔

ف: الفرّاء نے کہا، جنّۃ وہ باغ ہے جس میں کھجور اور انگور ہوں۔ لیکن اس آیت میں اس سے مراد درخت ہیں نہ کہ زمین۔

اَلْفَافًا (گھنے لپٹے ہوئے) کہ آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہُوئے ہوں۔ ایسے اچھے باغات سمجھے جاتے ہیں جیسے دنیا میں باغات کو دیکھا جاتا ہے یعنی بہت زیادہ اور ایک دوسرے کے نزدیک۔

حلِ لغات بعض نے کہا الفاف وہ جمع ہے کہ اس کا کوئی واحد نہیں جیسے اوزاع و اخیاف (خیفی بہن بھائی یعنی ماں ایک اور باپ مختلف)، یا اس کا واحد لفّ ہے جیسے کنّ کی جمع اکنان، یا لفیف کی جمع ہے جیسے شریف کی اشراف۔ وہ لف کی جمع لفّاء (جیسے خضر کی جمع خضراء) کی جمع الفاف ہے۔ اس معنی پر الفاف جمع الجمع ہے، یا ملتفہ کی جمع ہے بحذف الزوائد۔

نکتہ : ابن الشیخ نے فرمایا ، الحب (دانہ) کو مقدم کیا گیا کہ وہ انسان کی غذاؤں میں اصل ہے ، دوسرے نمبر پر نبات کا ذکر ہے کہ تمام حیوانات اس کے محتاج ہیں اور آخر میں جنّات کو لایا گیا اس لیے کہ میوہ جات ایسی ضروریات میں شامل نہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

مرنے کے بعد جی اُٹھنے کے دلائل

جان اے جانِ من کہ جتنے اللہ تعالیٰ کے افعال مذکور ہوئے ان سب میں مرنے کے بعد جی اُٹھنے کی حقیقت اور اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔ اس کے تین وجوہ ہیں ،

(۱) اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ، کیونکہ جو ذات ایسے افعال بدیعہ وعجیب وغریب بلا مثال سابق (کہ جس سے دوسری شے تیار کی جاسکے اور بلا قانون اس پر دوسری شے بنائی جاسکے) ، پر قادر ہے ، وہ اس کے اعادہ پر زیادہ قادر وقوی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کا تقاضا یہی ہے کیونکہ جس ذات نے ایسی مصنوعات کو (عجیب وغریب طریقہ پر جو غایات جلیلہ ومنافع جمیلہ سے بھرپور ہیں اور وہ بھی صرف مخلوق کے لئے ، اسے اپنی کوئی غرض نہیں وہ ہر غرض وغایت سے منزّہ ومقدّس ہے) پیدا فرمایا تو اس کے علم وحکمت کے منافی ہے کہ وہ انھیں بالکل فنا کردے کہ پھر ان کی عاقبت باقی نہ رہے۔

(۳) خود نفسِ فعل بھی یہی بتاتا ہے کیونکہ نیند کے بعد جاگنا یہ نمونہ ہے مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا جس کا ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں ایسے ہی دانے کا مٹی سے اور سبزے کا زمین سے نکالنا ، ہم اس کا بار بار معائنہ کر رہے ہیں ، تو گویا ان آیات میں اللہ تعالیٰ بندوں کو فرماتا ہے کہ کیا یہ افعال آفاقیہ وانفسیہ گوناگوں دلائل سے دلالت نہیں کر رہے ہیں کہ مرنے کے بعد اٹھنا حق ہے اور اس پر یقین کرنا ایمان باللہ کا موجب ہے ۔ تو پھر اے میرے بندو ! اس میں انکار واستہزار کے طور پر باتیں کیوں بنا رہے ہو ، کیوں آپس میں اس کے متعلق پوچھ گچھ کر رہے ہو ؟

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجًا یعنی ارواح کے آسمانوں سے نفحات الالطاف کو متحرک کر کے علوم ذاتیہ و حکم ربانیہ کا پانی انڈیل کر ، تاکہ نکالیں اس کے ذریعہ سے دانے اور سبزہ یعنی تمہارے ارواح کے آسمانوں کے بادلوں سے تمہارے قلوب کی زمین پر نازل علوم وحکم کا پانی تاکہ اس سے نکالیں محبت ذاتیہ کے دانے اور شوق و اشتیاق و وُدّ ، انزعاج (بے قراری) وعشق (اور ان جیسے اور امور) کا سبزہ اور باغات گھنے یعنی محبت و مودت اور عشق کے باغات جو آپس میں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ (بے شک فیصلوں کا دن) وہ دن کہ اللہ تعالیٰ مخلوق اور سعادتمندوں اور بدبختوں کے درمیان فیصلے فرمائے گا باعتبار ہیأت وصور و اخلاق و اعمال کے تفاوت وتناسب کے کَانَ (ہے) اللہ تعالیٰ کے علم و تقدیر ازلی میں، ورنہ یہاں یوم الفصل غیر مقید ہے زمانہ ماضی کی قید نہیں کیونکہ یہ امر تو حدوث زمان سے پہلے مقدر ہو چکا مِیْقَاتًا (ٹھہرا ہوا وقت) اولین و آخرین کا مرنے کے بعد جی اٹھنا۔ اور وہ جو اس پر جزا مرتّب ہو گی ثواب و عقاب کی، یہ نہیں کہ اس میں آگے پیچھے کیا جائے۔ اس تقریر پر میقات بمعنی وقتِ معیّن جو مطلق سے مخصوص ہے، تو یہاں وہ وقت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے بعث و جزا کے وقت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ (جس دن صور پھونکا جائے گا) یہ یوم الفصل سے بدل یا عطف بیان ہے اس کی تفخیم و تہویل میں مزید فائدہ دینے کے لیے ہے اور نفخ کے فصل میں تاخّر میں کوئی حرج نہیں اس لئے وُہ دن دراز ہے جس کے آغاز میں نفخ ہوگا۔ پھر فصل (فیصلے ہی فیصلے) اور مبادی و آثار وغیرہ۔

حلِ لغات النفخ بمعنے کسی شے میں ہوا پھونکنا، اسی سے نشأۃ اولیٰ کا نفخ روح جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ونفخت فیہ من روحی (اور میں نے اس میں اپنی روح پھونکی) کہا جاتا ہے انتفخ بطنہ (اس کا پیٹ پھول گیا)۔ جب دن چڑھ آئے یا کوئی آدمی موٹا ہو جائے تو استعارۃً کہتے ہیں انتفخ النھار (دن چڑھا)، رجل منفوخ (موٹا آدمی)، الصور ایک نورانی قرن ہے اس میں پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس دن کہ بوقتِ بعث (مرنے کے بعد جی اٹھنے کے وقت) دوسرا نفخ پھونکا جائے گا یہاں تک کہ ارواح اجسام میں مل جائیں گی اور زندگی دوبارہ لوٹ آئے گی۔

فَتَاْتُوْنَ (تو تم چلے آؤ گے) یہ خطاب عام ہے اور فاء فصیحیہ ہے اس جملہ کی وضاحت کرتی ہے جو محذوف ہے اسے دلالۃ الحال کے بھروسہ پر محذوف کر دیا گیا اس لیے کہ معلوم ہو کہ وہ آنا نہایت ہی جلد تر ہوگا جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا:

فقلنا اضرب بعصاك الحجر۔

(تو ہم نے کہا اپنا عصا پتھر پر مارو)

فانفلق (تو وہ پانی بہ نکلا)۔ ایسے ہی نفخ صور ہوتے ہی تو تم قبروں سے نکل کر موقف کی طرف بلا تاخیر چلے آؤ گے

اَفْوَاجًا (فوجوں کی فوجیں)

حل لغات افواج، فوج کی جمع ہے یعنی لوگوں کی جماعت۔ المفردات میں ہے فوج وہ جماعت جو جلدی

اور تیزی سے گزرے یعنی قبور سے نکلتے ہی تمہارا حال یہ ہوگا کہ تم امم (ٹولے) ہوجاؤ گے، ہر امت (ٹولہ) اپنے امام (نبی علیہ السلام) کے ساتھ ہوگی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم ندعو کل اناس بامامھم (اس دن بلائیں گے ہم تمام لوگوں کو ان کے امام (نبی علیہ السلام) کے ساتھ)

یا یہ معنی ہے کہ تم گروہ در گروہ آؤ گے اور جماعتیں مختلفۃ الاحوال اور متباینۃ الاوضاع میں اپنے اعمال کے اختلاف و تباین کے حسب حال پر۔

قبور سے میدانِ حشر تک کا منظر

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبور سے نکل کر میدانِ حشر تک پہنچنے کے منظر کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اے معاذ (رضی اللہ عنہ)! تُو نے بہت بڑے امر کا سوال کیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی چشمانِ مبارک نیچے کرلیں اور فرمایا: میری اُمت کے اس وقت دس گروہ ہوں گے:

۱۔ بندروں کی صورت میں۔

۲۔ خنزیروں کی شکل میں۔

۳۔ پاؤں اُوپر، سر نیچے اوندھے ہو کر چلنے والے۔

۴۔ اندھے

۵۔ گونگے بہرے

۶۔ زبانوں کو منہ میں لوٹانے والے جبکہ ان کی زبانیں سینے پر لٹکی ہوں گی، ان کے موہنوں سے پیپ بہ رہی ہوگی، ان کی بدبُو سب لوگوں کو ناگوار ہوگی۔

۷۔ ہاتھ پاؤں کٹے ہُوئے

۸۔ آگ کے ٹھنڈوں پر سُولی چڑھاتے ہوئے۔

۹۔ بعض کی مردار سے بھی زیادہ بدبُو ہوگی۔

۱۰۔ بعض کو کالے تیل کے جُبّے پہنائے ہوں گے جو اُن کے جسموں سے چمٹے ہوئے ہوں گے۔

چغلخوروں کا عذاب

وہ جو قبور سے حشر کے میدان میں بندروں کی صورت میں ہوں گے وہ چغلخور ہوں گے۔ القتات بالضم قات (بالتشدید) کی جمع بمعنی نمّام (سخن چین یعنی چغلخور)

چغلخور کی کہانی

کسی نے غلام خریدا، بیچنے والے نے کہا اس میں اور تو کوئی عیب نہیں صرف چغلخور ہے۔ مشتری نے کہا کوئی حرج نہیں۔ غلام کو مشتری گھر لے گیا۔ چند

روز گزرے ایک دن مشتری کی عورت کو کہا کہ تیرا شوہر تجھے نہیں چاہتا بلکہ وہ تجھ پر ایک سوکن لانے والا ہے میرا مشورہ ہے کہ تو اُسترا لے کر اُس کے سوتے وقت اس کی گُدّی کے بال مُونڈ کر مجھے دے میں تیرے لیے اس پر جادُو کردوں تاکہ وہ صرف تجھ سے ہی محبت کرے (عورت کو یہ پٹّی پڑھا کر مرد کے پاس گیا) مرد سے کہا تیری عورت نے کسی اور سے یارانہ کرلیا ہے اور وہ تجھے ٹھکانے لگانے کا پروگرام بنا چکی ہے، اس کا تجربہ کرنا ہے تو جھُوٹی نیند سو جا پھر دیکھ تماشا۔ چنانچہ عورت نے رات کے وقت اپنے شوہر کو سوتا دیکھ کر استرہ گردن پر رکھا ہی تھا کہ مرد نے عورت سے وہ اُسترہ چھین کر اسے قتل کردیا، صبح عورت نے رشتہ داروں نے طیش میں آکر مرد کو قتل کر دیا۔ اس طرح دو قبیلوں میں جنگ چھڑ گئی اور معاملہ طول پکڑ گیا۔ (دورِ حاضرہ میں اس قسم کے چغل خوروں کی کمی نہیں، اللہ تعالیٰ ہر بندۂ خدا کو اپنے انجام کی بھلائی کے سوچنے کی توفیق دے اور اس فقیر بے نوا کو بھی۔ آمین! اویسی غفرلہٗ)

حرام خور خنزیر کی شکل میں

وہ جو قبور سے خنزیر کی شکل میں اُٹھ کر میدانِ حشر میں آئیں گے وہ اہل السحت یعنی حرام خور ہوں گے اس لیے کہ حرام دین و مروّت کی جڑ کاٹتا ہے۔

سُود خور کا عذاب

جن کے سر نیچے اور پاؤں اوپر یعنی اوندھے قبور سے نکل کر حشر کے میدان میں چلیں گے وہ سُود خور ہوں گے۔

مختلف اعمالِ بد پر سزا

(۱) فیصلہ میں ظلم کرنے والے اندھے ہو کر قبور سے نکلیں گے۔

(۲) اپنے اعمالِ صالحہ پر عُجب کرنیوالے گُونگے بہرے اُٹھیں گے۔

(۳) زبانوں کو منہ میں لوٹانے والے جبکہ اُن کی زبانیں سینے تک لٹک جائیں گی، وہ مولوی اور واعظ (مقرر) ہوں گے جن کے افعال اقوال کے خلاف ہوں گے۔

(۴) جن کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں گے وہ ہمسایوں کو ایذاء دینے والے ہوں گے۔

(۵) جو آگ کی سُولی پر چڑھائے جائیں گے وہ جو عوام کو ظلم وستم کے طور پر حکّام کے ہاں گرفتار کراتے، چغلیاں کھاتے ناجائز طور پر جاسوسی کرتے۔

(۶) وہ لوگ جن میں مردار سے بھی زیادہ بدبُو ہو گی وہ ہوں گے جو شہوات و لذات کے درپے رہتے اور حقوق ادا نہ کرتے۔

(۷) اور وہ جو تارکول کے جُبّے پہنائے جاتے وہ اہل کبر (متکبر) اور خود خیالی پر خود کو بلند مرتبہ سمجھنے والے۔

ف: جباب، جبّہ کی جمع ہے یعنی معروف لباس۔

حدیث شریف میں نشر علی ترتیب لف ہے اور ہر عمل والے کا حال اس کے گناہ کے مناسب بیان کیا گیا ہے اور ان صورتوں پر قبور سے اُٹھنے کا مطلب اہلِ کبیر کو معلوم ہے اس کے بعد ہر اہل معاصی کی بیا

مع ان اسباب کے مذکور ہوئیں جو انہیں ان معاصی کی طرف لے گئیں اور یہ اہم ہے اس لیے کہ تخلیہ کے بعد تجلیہ ہوتا ہے (صفائی کے بعد سنگار) لیکن ہیئات الصالحین کی طرف اجمالی طور پر اشارہ کیا گیا ہے، چنانچہ من امتی میں من تبعیضیہ ہے اور وہ اشارہ کرتا ہے ان کی طرف جن کی شکلیں تبدیل ہوں گی یہ میری اُمت کے بعض ہیں اور ان کے دیگر بعض صالحین ہوں گے (اللھم اجعلنا منھم)۔

سعادت مندوں کا قبور سے اُٹھنے کا حسین منظر خلاصہ یہ کہ جیسے اشقیاء اپنے اعمالِ قبیحہ کی صورتوں پر اٹھیں گے، ایسے ہی سعید (نیک بخت) لوگ اپنے اچھے اعمال پر حسین صورتوں پر اٹھیں گے یہاں تک کہ بعض کے چہرے چودھویں رات کے چاند یا سورج کی طرح چمکتے ہوں گے، جیسا کہ صحیح روایات میں آیا ہے، ذکرہ الثعلبی ونحوہ فی التفاسیر۔

ف: اس حدیث کو اہلِ ظرفین (علمائے ظواہر) نے قبول کیا۔ ابنِ حجر (رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ اس کا ظاہر خود شاہد ہے کہ یہ حدیث موضوع[1] ہے، یہ جہل ہے، حقیقت امر سے بے خبری کا ثبوت ہے اس لیے کہ قیامت ظہور الصفات کا دن ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم تبلی السرائر (اس دن چھپی باتوں کی جانچ ہوگی)

اور اس میں شک نہیں کہ ہر صفت کی صورت مناسب ہے اس کے جو اس کا عمل ہے۔ نیک ہے تو نیک صورت، بُرا ہے تو بُری صورت، اور اس کا کسی عاقل نے انکار نہیں کیا۔

حدیث موضوع معنیً صحیح ہم نے مانا کہ حدیث لفظاً موضوع ہوگی لیکن معنیً صحیح ہے جو احادیثِ صحیحہ سے مؤید ہے (یہی قاعدہ دورِ حاضرہ کے خوارج کے اعتراضات کیلئے مناسب ہے کہ اول ماخلق اللہ نوری، لولاک لما خلقت الافلاک وغیرہ شانِ رسالت کے متعلق روایات کو موضوع یا ضعیف کہہ دیتے ہیں حالانکہ نہ وہ موضوع ہوتی ہیں نہ ضعیف، وہ اپنے ضعفِ ایمانی سے ایسے کہہ دیتے ہیں۔ اہلِ سنّت کو اور دلائل یاد نہ ہوں تو اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ یہ روایات معنیً صحیح ہیں، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عاشقاں را بدلیل چہ کار۔ اویسی غفرلہٗ)

سبق اے مومن برادر! سنگدل نہ ہو، پتھر نہ بن ان لوگوں سے جن کے دلوں سے فیوض کی نہریں اور حکمتوں کے چشمے بہتے ہیں، اور جد و جہد کر اور اس کی طرح نہ ہو جس کے متعلق کہا جاتا ہے:

حفظت شیئا وغابت عنک اشیاء۔ (تو نے ایک شے بچائی لیکن تجھ سے بہت سی اشیاء ضائع ہوگئیں) بعض ایسے بندگانِ خدا بھی دنیا میں ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کتاب (حکم) بلاواسطہ حاصل کرتے ہیں اسی لیے ان کے درمیان میں کوئی سند نہیں اور وہ ہر بات براہِ راست اللہ تعالیٰ سے کرتے ہیں اور یہ سلسلہ ترتیب تاقیامت

---

[1] اس کا جواب آنے والے مضمون میں ہے۔

باقی ہے (لیکن وہ نبی نہ ہوگا بلکہ ولی ہوگا اس سے کہیں دجّال قادیانی کی تائید نہ سمجھ لیں - اویسی غفرلہٗ)

لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں اسی لیے کہیں ایسا بندہ دعویٰ کرتا ہے تو اکثر لوگ اس کا انکار کر دیتے ہیں بلکہ عوام تو اپنے رسوم پر اوندھے پڑے ہوتے ہیں اور ظواہر کے پابند، انہیں حقائق سے آگاہی نہیں اور نہ ہی بواطن کی خبر (ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اہلِ معرفت سے بنائے، آمین - اویسی غفرلہٗ)

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ (اور آسمان کھولا جائے گا) اس کا عطف ینفخ پر ہے بمعنی الفتح اور اسے ماضی کے ساتھ لانے میں تحقیق پر دلالت کے لیے ہے کہ گویا آسمان اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے پھٹ گئے اور ریزہ ریزہ ہوگئے، جبکہ اس سے قبل ان میں کسی قسم کا رخنہ نہ تھا فَكَانَتْ (تو ہو جائیگا) بسیار سوراخوں کی وجہ سے اَبْوَابًا (دروازے) بہت سے دروازوں والا فرشتوں کے نزول کے لیے جو آج غیر عادت اتریں گے یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی کی کہ یوم تشقق السماء بالغمام (اس دن آسمان پھٹ جائے گا بادل سے) اور غمام سے وہی مراد ہے جو دوسری جگہ فرمایا:

هل ينظرون الا ان يأتيهم الله - نہیں دیکھیں گے مگر یہ کہ ان کے ہاں آئے گا اللہ تعالیٰ -

یعنی اس کا امر اور خوف بادلوں کے سایوں میں اور فرشتے -

ف: بعض نے کہا الفتح بمعنی الکشف ہے کہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیگا - جیسے دوسری جگہ فرمایا: واذا السماء کشطت (اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے) ابواب سے راستے مراد ہیں یعنی جب آسمان اپنی جگہ سے ہٹ جائیگا تو وہ جگہ راستے ہی ہو جائیں گے جہاں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی -

وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ (اور پہاڑ چلائے جائیں گے) چلانے والا خود اللہ تعالیٰ ہے، فرمایا:

یوم نسیر الجبال وتری الارض بارزۃ - اس دن کہ ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور دیکھو گے زمین صاف کھلی ہوئی -

یعنی پہاڑ خلا میں اُڑیں گے اللہ تعالیٰ کے اڑانے اور اس کی تسخیر سے اپنی ہیئت پر ان کو اپنی جگہ سے اکھاڑنے کے بعد اور ہوا میں چلائے جائیں گے یہ نفخۂ ثانیہ کے بعد مخلوق کے قبروں سے اُٹھنے کے وقت ہوگا تاکہ وہ اس کا مشاہدہ کریں پھر انہیں ہوا اڑا دے گی - چنانچہ فرمایا: فَكَانَتْ سَرَابًا (جیسے چمکتا ریت دُور سے پانی کا دھوکا دیتا)

حلِ لغات السراب وہ جو دوپہر کے وقت دیکھا جاتا ہے کہ گویا وہ پانی ہے - امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ جنگلوں میں پانی کی طرح چمکتا نظر آتا ہے اسے سراب اس لیے کہا جاتا ہے کہ آنکھوں کی

یعنی آتی جاتی محسوس ہوتی ہے۔ گویا سراب وُہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو اور سراب جس کی کوئی حقیقت ہو، یعنی پھر وہ پہاڑ چلانے کے ساتھ سراب کی طرح (یعنی لاشیٔ) ہو جائیں گے اجزاء کے تفرق اور جواہر کے ذرہ ذرہ ہو جانے کی وجہ سے، جیسے فرمایا:

وبست الجبال بسا (اور ہو جائیں گے پہاڑ ریزہ ریزہ)

اس کے بعد وُہ اڑتی ہُوئی غبار کی طرح ہو جائیں گے اگرچہ نفخۂ اولیٰ سے ہی ان کی ٹوٹ پھوٹ ہو جائے گی لیکن بادل کی طرح، اور زمین کا برابر ہو جانا نفخۂ ثانیہ سے ہوگا۔

ف: بعض نے کہا کہ جبال کا بار اول حال توڑ پھوڑ ہے، جیسے فرمایا:

وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ۔ اور زمین اور پہاڑ اٹھائے جائیں گے تو یکبارگی توڑ پھوڑ ہو گی۔

بار دوم دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح ہوں گے۔ بار سوم غبار جیسے ہو جائیں گے اس وقت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر علیحدہ علیحدہ حصے ہو کر غبار کی طرح پھیلائے جائیں گے۔ چوتھی بار جڑوں سے نکل کر ریزہ ریزہ ہو کر اڑیں گے پہلی تینوں بار میں اپنی جگہ پر پڑے رہیں گے زمین ان کے نیچے دبی ہو گی ظاہر نہ تھی جب ہوا انہیں پھیلائے گی تو اب زمین نظر آئے گی یہی مراد ہے:

فقل ینسفھا ربی نسفا۔ (تو فرمائیے انہیں ریزہ ریزہ کرکے پھیلائے گا میرا پروردگار) سے۔
پانچویں بار انہیں ہوائیں زمین سے اٹھا کر خلاء میں اڑا ئیں گی۔ اب یوں محسوس ہو گا کہ گویا وہ پہاڑ غبار ہیں یہی مراد اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہے:

وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب۔ اور تم دیکھتے ہو پہاڑوں کو تمہارا گمان ہے کہ یہ خوب جمے ہوئے ہیں حالانکہ یہ بادل کی طرح اڑیں گے۔

یعنی اب تو تمہاری نظروں میں پہاڑ اپنی جگہوں میں ساکن محسوس ہوتے ہیں حالانکہ قیامت میں یہ پہاڑ بادلوں کی طرح چلیں گے انہیں ہوائیں چلائیں گی ذرہ ذرہ غبار کی طرح کر کے۔ اس کی وجہ یہ ہے جسم والی شے کسی طرف متحرک ہو تو اس کا تحرک محسوس نہیں ہوتا جب رفتار تیز ہو بالخصوص جب دُور ہو۔ چھٹی بار سراب ہو جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قیامت کبریٰ کے وقت جسے فنا فی اللہ کہا جاتا ہے نفوس کی انانیت اور اس کے تعینات ایسے زائل ہو جائیں گے کہ گویا وہ سراب ہیں یہاں تک کہ انھیں دیکھو گے تو وہ لاشیٔ محسوس ہوں گے لیکن

عوام محجوب لوگ جب اہلِ فنا، کو اپنی طرح کھاتا پیتا دیکھتے ہیں انہیں گمان ہوتا ہے کہ ان کے نفوس باقی ہیں کیونکہ وہ باقی باللہ ہوتے ہیں اس پر وہ ان سے بدگمانی کرتے ہیں حالانکہ ان کے اور ان باقی باللہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اتنا بڑا فرق کہ اس کا وہم وگمان نہیں ہوسکتا اس لیے کہ ان کے جبال نفوس کو بشریت کی زمین سے عنایتِ الٰہی و توفیقِ ایزدی کی ہوائیں اڑا کر لے گئی ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے لاشئ بنادیا ہے اور ان کے آسمانِ ارواح کھولے گئے ہیں تو اب وہ دروازے ہی دروازے ہیں یعنی سر و خفی و اخفی کے دروازے یہ حضرات ان دروازوں سے داخل ہو کر مقامِ اَو ادنیٰ تک پہنچ کر حق کے ساتھ مل جاتے ہیں پھر ان بلند حقیقت والے دروازوں سے اتر کر عالمِ ولایت کی طرف دیکھتے ہیں تو پھر ابوابِ عقل و قلب میں داخل ہوتے ہیں یہ ابواب متخیلہ مفکرہ وحافظہ وذاکرہ ہیں ان سے دروازوں سے مقامِ قاب قوسین میں مع الخلق ہوتے ہیں اسی حیثیت سے کہ مخلوق ان کے ساتھ ہوتی ہے اس مقام پر وہ مخلوق کے ساتھ رہ کر حق سے محجوب نہیں ہوتے ان کی یہ جانب ولایت ہے اور نہ محجوب ہوتے ہیں حق کے ساتھ مخلوق سے اور ان کی یہ جانب نبوت ہے۔ ایسے حضرات بہ ظاہر اس قول کے مصداق ہوتے ہیں کہ یوحیٰ الیّ الخ۔

سبق : جو لوگ ان کے مقام سے محجوب ہیں وہ انہیں کیا جانیں اور انہیں ان کے شان کا ادراک کہاں اور ان کے امر کی حقیقت کی انہیں کیا خبر۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا (بیشک جہنم تاک میں ہے) وہ حکم وقضاءِ الٰہی کی انتظارگاہ میں انتظار کر رہی ہے اور جہنم کے داروغے بھی کفار کا انتظار کر رہے ہیں جو انہیں اس میں عذاب کریں گے۔

حلِ لغات

مرصاد اسم مکان ہے بمعنی انتظارگاہ جیسے منہاج وہ جگہ جہاں راستہ طے کیا جائے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ المرصاد، موضع الرصد (انتظارگاہ) ہم مرصد لیکن مرصاد وہی جگہ جو صرف انتظار کے لیے مقرر ہو۔

ف : ان جہنم کانت مرصادا میں تنبیہ ہے کہ اس پر سب کا گزر ہوگا، گو مرصاد کو عام رکھا گیا کیونکہ پل صراط اعداء کی مجلس ہے لیکن اولیاء کی صرف گزرگاہ ہے۔ لیکن پہلا معنیٰ اولیٰ ہے اس لیے کہ ایسے مکان کا انتظار ہولناک ہے اور عذاب کرنے کے لیے ہے اور صرف کافروں اور اشقیاء کے لیے ہے۔

لِلطَّاغِيْنَ (سرکشوں کے لیے) یہ محذوف کے متعلق ہے وہ یا تو مرصاد کی صفت ہے کہ دراصل مرصادا کائنا للطاغین ہے اور مَاٰبًا (ٹھکانا) اس سے بدل ہے بمعنی مرجعًا وہ جگہ جہاں وہ رجوع کریں گے یا حال ہے مآبا سے حال اس لیے مقدم ہوا کہ ذوالحال نکرہ ہے اگر مؤخر ہوتا تو اس کی صفت ہوتی۔

حل لغات طاغین از طغی الخ اس نے دین حق سے کفر کر کے سرکشی کی اور دنیا میں کفر کر کے کلفت ہیں، دہ اصل حد سے بڑھ جانا، یہاں مشرکین مراد ہیں۔ جیسا کہ مابعد کی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ایسے لوگوں کا عذاب غیر متناہی ہے ان کے باطل اعتقاد کی وجہ سے ایسے ہی ان لوگوں کا جن کا کوئی اعتقاد نہ تھا۔

ف: جن کا اعتقاد صحیح تھا جیسے وہ مسلمان (سُنّی) مومن اگرچہ گنہ گار، ایسے کو عذاب (اگر ہوا) تو متناہی ہوگا۔

لّٰبِثِیۡنَ فِیۡهَاۤ (اس میں رہیں گے) حال مقدرہ ہے ضمیر سے جو طاغین میں مضمر ہے یعنی درانحالیکہ جہنم میں رہیں گے۔

حلِ لغات اللبث مکان میں ٹھہرنا، کبھی اس سے نہ نکلنا کہا جاتا ہے لبث بالمکان فلاں لازمی طور پر مکان میں ٹھہرا۔

اَحۡقَابًا (قرنوں) ان کے لبث کی ظرف ہے۔

حلِ لغات احقاب، حقب کی جمع ہے اسی سال یا زائد بمعنی الدھر بمعنی ایک سال بمعنی کئی سال (القاموس) دراصل الحقب بمعنی تزادف وتتابع ہے احقب بمعنی اردف اسی سے ہے الحقبی بمعنی الرفادۃ فی القتب یعنی ہر وہ شے جو کجاوے میں رکھی جائے، اور المحقب بمعنی المردف۔ تاج المصادر میں ہے الاحقاب حقیبہ (ایک مدت) میں رکھنا اسی سے ہے حدیث شریف فاحقبھا علیٰ ناقۃ یعنی اسے اونٹنی پر کجاوے کے حقیبہ (ایک حصہ) پر بٹھایا، اور بمعنی الارداف زینی یعنی سواری پر پیچھے بٹھانا، کسی کے پیچھے بیٹھنا بٹھانا، یہاں احقاباً بمعنی دھور اً متتابعاً ہے کہ ایک حقب (زمانہ) گزرنے کے بعد دوسرا اس کے ساتھ متصلاً شروع ہو جائے الیٰ غیر نہایۃ اس لیے کہ حقب پے درپے زمانوں کے لیے ہی استعمال ہوتا ہے۔

نکتہ: حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ احقاب اس لیے فرمایا کہ کفار کے نزدیک یہ نہ ہونے والی بات سمجھی جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے بھی وُہ فرمایا جو ان کے وہم گم کر دے، اور اس سے ہمیشگی ہے یعنی وہ دوزخ میں ہمیشہ ٹھہریں گے۔

حکایت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہجر کے مرد سے پوچھا کہ حقب کیا ہے؟ کہا اسّی سال جس کا ہر دن ہزار سال کا ہوتا ہے۔

ف: اس سے ان کی مراد تابید ودوام ہوتی ہے۔

ف: ایسے ہی حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ احقاب تینتالیس حقب کا، ہر حقب ستّر خریف کا اور ہر خریف سات سو سال کا، ہر سال تین سو ساٹھ دن کا، ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کا۔ ایسے ہی حضرت

ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ایسے ہی اگر ایک حقب سے ستر ہزار سال مراد ہوں جن کا ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہو جیسا کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ حقب زمانہ کی ایک مبہم مدت کا نام ہے محض اسی سال کی کوئی قید نہیں۔ ایسے ہی قاموس میں ہے الحقبۃ (بالکسر) الدھر کی ایک مدت جس کا کوئی وقت مقرر نہیں۔

خلاصہ یہ کہ احقاب کا کوئی معنی ہو لیکن یہ تناہی پر دلالت کرتا ہے اگرچہ وہ جمع قلت ہے لیکن بمنزلہ جمع کثرت کے ہے یعنی احقاب بمعنی حقوب ہے یا بمنزلہ الاحقاب کے ہے معرف بلام الاستغراق۔ پھر اس سے اگرچہ دلیل ملتی ہے کہ دوزخی سے طویل مدت کے بعد دوزخ سے نکالے جائیں گے لیکن یہ لفظ کے مفہوم سے ہے تو مفہوم کا منطوق سے کیا مقابلہ کیونکہ آیت میں تصریح ہے،

یریدون ان یخرجوا من النار وما ھم بخارجین منھا ولھم عذاب مقیم۔ کافر ارادہ کریں گے کہ وہ دوزخ سے نکلیں لیکن وہ دوزخ سے نہ نکل سکیں گے اور ان کیلئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔

اور قاعدہ ہے کہ منطوق مفہوم سے راجح ہوتا ہے اس لیے اس احقاب کا منطوق سے معارضہ نہ ہوگا بلکہ اس سے مراد ان کا ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے۔

ناسخ و منسوخ ابو حیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ احقاب کا مفہوم فلن نزیدکم الا عذابا (تو ہم تمہارا نہیں بڑھائیں گے مگر عذاب) ہے۔ اس کے دیگر وجوہ آئیں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِیْمًا وَّ غَسَّاقًا (اس میں کسی طرح کی ٹھنڈک کا مزہ نہ پائیں گے اور نہ ہی کچھ پینے کو مگر کھولتا پانی اور دوزخیوں کا جلتا پیپ) یہ نیا جملہ ہے لایذوقون کا معنی لا یحسون (محسوس نہ کریں گے) نہ پائیں گے ورنہ ذوق اصلی معنی ہے وجود طعم یعنی نہیں پائیں گے ہاں اسے شراب کی مناسبت سے یہاں لایا گیا ہے ویسے عرف میں اگرچہ تھوڑی سی شے کو کہا جاتا ہے لیکن کثیر کے لیے بھی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ ذوق کا مفہوم کثیر میں ہوگا۔ برد سے مراد وہ شے ہے جو انہیں راحت پہنچائے اور ان سے آگ کی گرمی دور کرے ورنہ وہ جہنم میں زمہریر کا مزہ تو چکھیں گے ہی، یعنی ایسی ٹھنڈک نہیں پائیں گے جس سے وہ نفع پا سکیں گے یا اس طرف مائل ہو سکیں، اس کی تنکیر نوعیۃ کی ہے۔

ف : قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ برد سے راحت پانا مراد ہے کیونکہ عرب گرم علاقہ ہے اسی لیے وہ کہتے ہیں،

برد اللہ عیشک (اللہ تعالیٰ تیرا عیش راحت والا بنائے)

اس اعتبار کو سامنے رکھ کر انسان گرمی میں ٹھنڈک سے راحت پاتا ہے۔ البرد، حرارۃ کی نقیض ہے اور

کہا جاتا ہے برد، یہ اس وقت بولتے ہیں جب ٹھنڈک ثابت ہو جائے اور برد کا ثبوت ایسے ہے جیسے حرکۃ کا حر (گرمی) سے، وبرد الانسان (انسان ٹھنڈا ہو گیا، یعنی مرگیا) وبردہ، قتلہ (اسے قتل کیا) اسی سے ہے: السیوف البوارد (قتل کرنے والی تلواریں) اس لیے کہ میت میں روح کے فقدان سے گرمی نہ ہونے سے برد کہا گیا یا سکون کی وجہ سے، اور نوم (نیند) کو بھی برد کہتے ہیں اس لیے کہ نائم کے ظاہر بدن کو ٹھنڈک عارض ہوتی ہے۔ یا اس لیے کہ نیند نائم کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔ کیا نہیں معلوم کہ جب پیاسے کو نیند آجائے تو اس کی پیاس کو سکون مل جاتا ہے، یا اس لیے کہ اسے سکون عارض ہوتا ہے۔ اور ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ نوم موت کی جنس سے ہے۔

لا یذوقون فیھا بردا کا معنی ہے کہ دوزخ میں نیند نہ کر سکیں گے کہ جس سے راحت پائیں۔

خلاصہ یہ کہ دوزخ میں آسائش ہوگی نہ آرام کہ جس سے ٹھنڈک پائیں۔ الشراب سے مراد وہ شے ہے جو ان کی پیاس بجھائے اور الا بمعنی لکن ہے۔ الحمیم بمعنی گرم پانی، وہ پانی کہ جونہی اسے منہ کے قریب لائیں گے ان کے چہرے کا چمڑا اُدھڑ جائے گا، جب اسے پئیں گے تو آنتیں پاش پاش ہو جائیں گی۔ الغساق وہ پیپ جو دوزخیوں کے چمڑے سے بہے گی اور ان کے پیٹ سے گندے قطرے بن بن کر گرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے طاغین کے لیے خبر دی ہے کہ وہ جہنم میں کوئی ٹھنڈی چیز نہ پائیں گے جو انہیں جہنم کی گرمی سے سکون دے اور نہ ہی پینے کی کوئی شے کہ جس سے پیاس بجھائیں، ہاں چکھیں گے تو گرم پانی اور بدبودار پیپ۔ اس معنی پر یہ استثناء منقطع ہے۔

ف: الزجاج نے فرمایا کہ وہ جہنم میں نہ پائیں گے سایہ کی ٹھنڈک اور نہ نیند کی ٹھنڈک۔ غرضیکہ برد سے مراد وہ شے ہے جس سے راحت و سکون پا سکیں۔ اس معنی پر ولا شرابا بمعنے ولا بارداً ہے تعمیم کے بعد تخصیص ہے راحت پہنچانے میں کمال کی وجہ سے، جس سے مجموعی طور پر معنی ہوگا راحت پہنچانے والی شئے، اس تقریر پر بھی مستثنیٰ منقطع ہوگا البرد والشراب سے۔

اگر غساق کی تفسیر زمہریر سے کی جائے تو استثناء فقط البرد سے ہوگا نہ کہ الشراب سے، کیونکہ زمہریر وہ شے نہیں جسے پیا جائے، جیسے استثناء حمیما کا الشراب سے ہے اس کی تاخیر محض آیات کے رؤس کی وجہ سے ہے۔ پہلی تقریر کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اگر غساق کی بدبو کا ایک قطرہ دنیا میں انڈیلا جائے تو اس کی بدبو تمام اہلِ دنیا کو پہنچے گی۔"

اگر اس کی تفسیر اس پیپ سے کی جائے جو دوزخیوں سے بہے گی تو استثناء الشراب سے ہوگا۔

غساق کی تحقیق

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غساق عذاب کے رنگوں میں سے ایک رنگ ہے جو سخت ٹھنڈا ہے یہاں تک کہ اگر جہنمی اس میں ڈالے جائیں تو اللہ تعالیٰ سے

سوال کریں گے کہ انھیں دوزخ میں ہزار سال رہنا منظور ہے وہ ہمارے لیے آسان ہے مگر یہ ٹھنڈک ہماری برداشت سے باہر ہے کہ اس میں صرف ایک دن ٹھہرایا جائے۔

شہر بن حوشب نے کہا کہ غساق جہنم میں ایک وادی ہے جس میں تین سو تینتیس (۳۳۳) غاریں ہیں ہر غار میں تین سو تینتیس (۳۳۳) گھر ہیں، ہر گھر میں چار کونے ہیں، ہر کونے میں ایک گنجہ (زہریلا) سانپ ہے اتنا بڑا کہ دنیا میں اس سے بڑی اور کوئی مخلوق نہ ہوگی اس کے ہر سانپ کے سر میں زہر ہوگی۔ الشجاع بمعنی الحیۃ (سانپ)۔

ف : بعض نے کہا لایذوقون لٰبثین کی ضمیر منوی ہے حال سے، یہ جملہ مستانفہ نہیں یعنی وہ دوزخ میں احقاب (مدۃ معلومہ) تک ٹھہریں گے اس میں اس مدت تک سوائے حمیم و غساق کے اور کچھ نہ پئیں گے، پھر دوسرے احقاب سے حمیم و غساق کی دیگر جنس عذاب کی بدلیں گے۔ اس تقریر پر یہ حال متداخلہ ہوگا اور احقاباً، لٰبثین کی ظرف ہے جو لایذوقون کے مضمون سے مقید ہے۔ اس مقید کی انتہا مطلق لبث کی انتہار کو مستلزم نہیں، اس معنیٰ پر عذاب کا وقت مقرر کرنا ہے نہ کہ ان کے جہنم میں ٹھہرنے کو۔

ف : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اہلِ نار کو معلوم ہو جائے کہ وہ دنیا کی عمر برابر دوزخ میں ٹھہریں گے تو یہ سُن کر خوش ہوں گے، اگر اہلِ جنت سُن پائیں کہ وہ جنت میں صرف دنیا کی عمر برابر ٹھہرینگے تو غمگین ہوں گے۔

ف : یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احقاباً، لایذوقون کی ظرف ہو، یہ اس کے مذہب پر ہوگا جو ما بعد لا کے عامل کے معمول کی تقدیم جائز سمجھتا ہے اس کے نزدیک یہ لٰبثین کی ظرف نہیں اس تقریر پر لبث و خروج کی تناہی (متناہی ہونا) ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس وقت احقاباً، لبث کی ظرف نہیں۔

ف : یہ بھی ہے کہ احقاباً سرے سے ظرف نہ ہو بلکہ وہ لٰبثین کی ضمیر متسکن سے حال ہو اور لٰبثین بمعنی حقبین یعنی نکدین بمعنی محروم از خیر و برکۃ سکون و حرکۃ میں اس وقت احقابا حقب (بلفتح الحاء وکسر القاف) ہوگا۔

از حقب الرجل بمعنی حرم الرزق (فلاں رزق سے محروم ہوگیا) حقب العام (یہ سال خیر اور بارش سے محروم ہوگیا) اس وقت "لایذوقون فیھا بردا" ان کے لبث کی تفسیر ہوگی اس سے ان کے احقاب میں ٹھہرنے کی مدت کی تناہی (متناہی ہونا) کا توہم نہیں ہوگا جس کی توجیہ کی ضرورت ہو، یہ خلاصہ اس کا جو مفسرینؒ نے یہاں فرمایا۔

دوزخ کا منظر حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جہنم پر ایک دن آئے گا جس میں اس کے دروازے ایک دوسرے پر مارے جائیں گے۔ اس روایت کی سند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے (العرائس) اور انہی سے مروی ہے کہ جہنم پر ایک وقت آئیگا کہ جہنم کے دروازے ایک دوسرے سے لگ کر بجیں گے یعنی دوزخ میں کوئی بھی نہ ہوگا۔

ف : یہ احقاب کی مدت گزرنے کے بعد ہوگا۔

ف : عرائس میں ہے کہ الشعبی نے فرمایا کہ جہنم دارین کی آبادیوں میں جلد تر ختم اور ویران ہونے والی ہے۔

حدیث صحیح میں ہے :

> جرجیر جہنم کی گہرائی میں پیدا ہوگی بوجہ آگ کے بجھ جانے اور عذاب کے مرتفع ہونے کے جیساکہ سبقت رحمتی علیٰ غضبی (میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے) کا تقاضا ہے (شرح الفصوص از داؤد القیصری رحمہ اللہ)

ف : جرجیر ایک مشہور سبزی ہے۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ کی عارفانہ تقریر حضرت عبدالرحمان جامی قدس سرہٗ نے شرح الفصوص الحکم میں فرمایا کہ جان اے جانِ من! کہ وہ دوزخی جن کے لیے فرمایا گیا ہے : خالدین فیہا (اس میں ہمیشہ رہیں گے) (جیسا کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ اور آپ کے متبعین کے کلام سے ظاہر ہے) کے تین حالات ہیں :

(۱) جب دوزخ میں داخل ہوں گے ان کے ظواہر و بواطن پر عذاب مسلط کر دیا جائے گا اور ان پر جزع و اضطراب کا غلبہ ہوگا تو عرض کریں گے کہ یا تو ان سے عذاب کی تخفیف ہو یا ان کا فیصلہ کیا جائے یا اجازت دی جائے تاکہ واپس دنیا میں چلے جائیں۔ ان کی اس استدعا کی کوئی شنوائی نہ ہوگی۔

(۲) جب دوزخی دیکھیں گے کہ ان کی شنوائی نہیں ہوئی خود کو عذاب پر طفل تسلیوں میں مشغول رکھیں گے حتیٰ کہ ان کے براطن سے عذاب اٹھا لیا جائے گا اور اللہ کی وہ آگ بجھ جائے گی جو اُن کے دلوں پر جھانک رہی تھی۔

(۳) جب احقاب کا عرصہ گزرے گا تو عذاب سے مانوس ہو جائیں گے، عذاب ان کی عادت بن جائے گا اس لئے باوجود طویل مدت کے عذاب کے شدّت محسوس نہ کریں گے اور نہ ہی درد والم۔ یہاں کہ الٹا عذاب سے لذت پائیں گے اور رجاء شیریں محسوس کریں گے بلکہ ان پر اگر نسیم جنّت کا جھونکا آ گیا تو اس سے کراہت و نفرت کریں گے بلکہ نسیم جنت کی راحت کو عذاب سمجھیں گے جیسے جُعل (سیاہ بھنورا) ۔ گندگی کے کیڑے

کو گندگی کی بدبُو بُوئے گلاب ہے (اور بُوئے گلاب ان کے لیے بدبُو) ۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو عذابِ نار سے بچائے ۔ آمین !

ف : الجُعل (بضم الجیم وفتح العین) چھوٹا کیڑا جو گوبر وغیرہ میں ہوتا ہے ، اس کی جمع جعلان (بالکسر) ہے۔

شرح عقائد سے تائید حضرت مولانا رمضان اور مولانا صلاح الدین رحمہم اللہ تعالیٰ شرح العقائد میں رقمطراز ہیں : بعض اہلِ اسلام نے فرمایا کہ وہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خبر دی ہے کہ جنّتی جنّت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے' حق ہے ۔ لیکن جب موت کا مینڈھا اہلِ جنّت و اہلِ نار کے درمیان ذبح کیا جائیگا اور ندا دی جائے گی کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے (ابداً ، ابداً) اس کے بعد اہلِ نار نجات سے مایوس ہوکر عذاب کی عادت بنالیں گے ، اسی لیے اس سے درد محسوس نہ کریں گے یہاں تک کہ اُلٹا اس سے لذّت پائیں گے ، اگر ان پر بادِ نسیم بھی گزرے گی اس سے نہ صرف کراہت و نفرت کریں گے بلکہ اسے عذابِ جان محسوس کرینگے ، جیسے سیاہ بھنورا کہ گندگی سے مشکِ گلاب کی لذّت اور بُوئے گلاب سے اذیّت و تکلیف محسوس کرتا ہے ۔

اس تقریر پر ان اللہ یغفر الذنوب جمیعاً (بیشک اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دیتا ہے) اپنے عموم پر ہوگا ان سے عذاب کے ارتفاع کی وجہ سے اور لا یخفف عنهم العذاب (ان سے عذاب کی تخفیف نہ ہوگی) بھی اپنے معنی میں صحیح ہے کہ ان سے اس عذاب کی تخفیف نہیں ہوگی جو ان کے لیے مقدر ہے۔

تفسیر صُوفیانہ بعض کاملین نے فرمایا کہ جب اہلِ جمال دار الجمال میں قرار پکڑیں گے تو اس میں ان پر جمال کا اثر ظاہر ہوگا جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ ذوق حاصل کرتے رہیں گے لیکن ان سے جمال کا جلال ہمیشہ پوشیدہ رہے گا لیکن اسے محسوس ضرور کریں گے اگرچہ اسے دیکھ نہ سکیں گے اور نہ ہی اس سے ہمیشہ تک درد و الم پائیں گے ۔ ایسے ہی جب دار الجلال میں جلال کی دار والے ٹھہریں گے تو احقاب کے بعد ان کے بواطن جلال کا جمال اثر انداز ہوگا جس سے وہ ہمیشہ ہمیشہ ذوق پائیں گے لیکن ان پر نار الجلال کا اثر پوشیدہ رہے گا کہ نہ تو وہ اسے محسوس کریں گے اور نہ ہی دیکھیں گے اور نہ ہی ہمیشہ ہمیشہ اس سے درد و الم پائیں گے لیکن یہ سب کچھ مرورِ احقاب پر ان کے ظواہر و بواطن کو نار کے جلانے کے بعد ہوگا ، اور ان کے ہر ایک کو آخرت کے سالوں میں ایک ہزار سال تک نار جلاتی رہے گی دنیا کے صرف ایک دن کے شرک کے عوض میں پھر اسی طرح اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عذاب ان پر ہر احقاب کے مرور کے بعد ہوگا اور یہ وہی حال ہے کہ ان پر دائمی طور پر عذاب ہی عذاب یعنی وہ حال کہ جس پر وہ ازل میں تھے درمیان میں ابتلاءات رحمانیہ آئے اور ابتلاء حادث ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ونبلوکم بالشر والخیر فتنۃ والینا ترجعون۔ ہم تمہیں خیر و شر سے امتحان کے طور پر آزمائیں گے پھر تم ہماری طرف لوٹ کر آؤ گے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دار البوار (ہلاکت کے گھر دوزخ) سے بچائے (آمین)۔

فیصلہ از صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ یہ تو تقریریں ہیں جو صوفیہ کرام اور مفسرین عظام نے بیان فرمائیں جو اس آیت کے متعلق آرار کا اظہار فرمایا نقل فرمانے میں حرج نہیں صرف عقیدے کی بات ہے تو اس میں ہم سب کا عقیدہ ہونا ضروری ہے کہ خلود الکفار فی النار اور ان پر عذاب ابداً ہے اگر احقاب کے مرور کے بعد بھی اسی طرح ہو تو بھی حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وبدالھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون۔ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے وہ ظاہر ہوگا جس کا وہ وہم و گمان نہ کرتے تھے۔

اب انہیں یقین ہوگا کہ ہاں یہ عذاب ہے اور دائمی ہے۔

معتزلہ کا رد جیسے معتزلہ سمجھتے تھے اور دنیا میں ان کا یہی عقیدہ تھا کہ غیر تائب گنہ گار پر عذاب کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے (معاذ اللہ) پھر آخرت میں جب وُہ دیکھے گا جس کا اسے وہم و گمان نہ تھا کہ ایسے گنہ گار کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا (تو پھر معتزلی افسوس کرے گا لیکن اس وقت کا افسوس اسے کوئی کام نہ دے گا)

میّت کے ایصالِ ثواب کا منکر مرنے کے بعد افسوس کرتا تھا الشیخ الامام المفتی عزالدین بن عبدالسلام کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا ان سے سائل نے سوال کیا کہ آپ تو ان ہدایا (خیرات و صدقات) کے پہنچنے کے منکر تھے جو مرنے کے بعد میّت کو بھیجے جاتے (مثلاً اہلِ اموات کو طعام اور قرآن مجید وغیرہ پڑھ کر بخشا جاتا) تو آپ نے جواب دیا:

ھیھات ھیھات وجدت الامر بخلاف ماکنت اظن۔ (روح البیان، جلد ۱۰ صفحہ ۳۰۵) افسوس صد افسوس! میں نے اس امر کے خلاف پایا جس کا مجھے گمان یہ تھا[1]

---

[1] یہ کہ مُردوں (اہلِ اموات) کو کوئی ثواب نہیں پہنچتا لیکن یہاں تو پہنچ رہا ہے اور میں محروم ہوں۔ ایسے ہی وہابی دیوبندی مرنے کے بعد حسرت کریں گے لیکن کیا فائدہ! ایصالِ ثواب کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

سوال : اہلِ کبائر کے لیے خلود ہوگا جیسا کہ بعض مقامات سے ثابت ہوتا ہے اور یہ اہلسنت کے مذہب کے خلاف ہے ۔

جواب : اہلِ کبائر کے لیے جہاں خلود کا لفظ آیا ہے وہاں طویل المکث یعنی جہنم میں کافی مدت تک ٹھہرنا مراد ہے ۔

خلاصہ اہلِ ظاہر و اہلِ باطن (صوفیہ کرام) متفق ہیں کہ کفار کے لیے نار میں ٹھہرنا خلود دائمی (حقیقی) ہے وہ فرعون ہو، ہامان ہو، نمرود ہو، کوئی ہو۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ احقاب کے گزرنے کے بعد ان کے ظواہر سے عذاب کا ارتفاع ہوگا یا کیونکہ ہر ایک نے اپنے مبلغ علم پر تاویل کی ہے لیکن زیادہ حق نص قرآنی کا ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے وہ وہی ہے خالدین فیھا ابداً (ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے) واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ۔

کفار کے اقسام حجۃ الاسلام رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کفار تین قسم ہیں :

(۱) وہ جسے ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی پہنچا، آپ کے صفاتِ مبارکہ بھی اور آپ کی دعوتِ کریمہ (اسلامیہ) بھی ۔ اس نے دار الاسلام میں کھلم کھلا انکار کر دیا۔ یہ تو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا اس کا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔

(۲) جسے نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اسمِ پاک تو پہنچا لیکن صفات کا علم اسے نہ ہوا، مثلاً سنا کہ معاذ اللہ وہ کذاب ہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں، ان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ہے، وہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں ۔

(۳) جسے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اسم مبارک پہنچا نہ آپ کی کوئی رسم تو یہ پچھلے دو گروہ کفر میں معذور ہیں ایسے ہی اشعری رحمہ اللہ سے بھی نقل ملتا ہے (شرح العقاید لمصلح الدین رحمہ اللہ) ۔

مومن کے اقسام حضرت مولانا داؤد قیصری رحمہ اللہ نے شرح الفصوص میں لکھا کہ وعید وہ عذاب ہے جو اسم منتقم (صفت الٰہی) سے متعلق ہے اس کے احکام پانچ گروہ میں ظاہر مومن ہیں اور یہ دو قسموں میں منقسم ہیں :

(۱) موحّد (اہلِ توحید) عارف عامل (اہل عمل صالح) ۔

(۲) محجوب ، جب ان پر سلطان المنتقم کا تسلط ہوتا ہے تو یہ نیران الجحیم اور گوناگوں عذابوں میں عذاب پاتے ہیں لیکن ہمیشہ تک ان کے لیے نہیں جو خلود کے اہل نہیں کیونکہ ان سے یہ عذاب شافعین کی شفاعت سے دور ہوگا ۔ اور سب سے آخری شافع خود اللہ تعالیٰ ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے ۔

تفسیر عالمانہ جَزَآءً وِّفَاقًا (جیسے کو تیسا بدلہ) جزاء دیے جائیں گے پوری ان کے اعمال و اخلاق کے موافق، گویا وہ وفاق کی عین ہے۔ یہ مبالغہ ہے یا جزاءً ذا وفاق تھا مضاف کو حذف کیا گیا یا دراصل وافقہا وفاقاً تھا اس معنی پر وفاق مصدر اپنے فعل کا مؤکد ہے جزاء کی طرح اور جملہ جزاءً کی صفت ہے ان کے مابین موافقت کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا میں گناہ عظیم یعنی کفر کے مرتکب ہوئے تو اسی لیے سزا بھی عظیم دئے گئے یعنی جہنم کے عذاب سے عذاب کئے گئے۔ اور قاعدہ ہے کہ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا (برائی کی سزا اس جیسی برائی) اس معنی پر وہ موافق ہو گئے۔ بعض نے کہا وہ سزا وفاق (موافق) اس لیے ہے کہ ان کے استحقاق میں اضافہ نہ کیا گیا اور نہ اس میں کمی کی گئی۔

ف: حضرت سعدی مفتی رحمہ اللہ نے فرمایا: چونکہ کفار کی نیت اور ارادہ کفر پر دائمی تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
انھم کانوا لایرجون حسابا (بیشک وہ حساب کی توقع نہیں رکھتے تھے) اس لیے کہ اس کا معنیٰ ہے کہ وہ کفر پر مداومت کا ارادہ رکھتے تو انہیں حساب کی توقع نہ تھی اسی لئے ان کا عذاب غیر متناہی اور دوزخ میں احقاب بعد احقاب ٹھہرنا ان کے ارادہ کے موافق ہے اور پھر انہوں نے اس تصدیق کو جو راحت و سرور کا موجب تھی خود تکذیب سے بدل دیا جو اس کی نقیض ہے یعنی گرم پانی اور بدبودار پیپ سے جزاء دیے گئے اس کے بدلے جو تصدیق کرنے والے اہل ایمان کو نصیب ہوا جنت کی ٹھنڈی ہوائیں اور شراباً طہورا۔

ف: علم و پانی کو چونکہ گہری مناسبت ہے اسی لیے خواب میں پانی دیکھنے کو علم سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض محققین نے فرمایا کہ طبیعۃ حیوانیہ کا جہنم میں قوائے بشریہ انتظار کرتے ہیں، یہی ارباب نفوس امارہ کی طبیعۃ اور ان ظالموں جو اپنے نفوس پر خواہشات نفسانی اور بدعات سیئہ (بُرے عقیدوں جیسے رفض، مرزائیت، وہابیت، دیوبندیت، اباحۃ، زندقہ، الحاد، حلول، فضول) سے ظلم کرتے ہیں کی ہوائے نفسانی کی جہنم کے داروغے ہیں۔ یہ ان کا انجام ہے کہ وہ اس جہنم میں احقاب کے عرصۃ تک ٹھہریں گے یعنی حکم بشریت کے نکلنے اور ملابس شریعت میں ملبوس ہونے اور طریقت و حقیقت کی خلعت پہننے تک اس میں برد یقین نہ چکھیں گے بوجہ ان کی بشریت کے چہرے پر رفع حجاب کے شراب محبت نہ پئیں گے حُبِّ دنیا میں انہماک کی وجہ سے سبب طبیعت کی جہنم کے مگر گرم پانی اور وہ پیپ جو ان کی طبیعت کے چمڑے سے بہتا ہے۔

ف: حضرت قاشانی نے فرمایا کہ حمیم (گرم پانی) جہل مرکب کے اثر سے ہوگا اور غسّاق (پیپ) جو اہر فاسقہ کی محبت کی ہیئات اور اس کی طرف میلان کی ظلمت سے ہوگا۔ یہ جزاء ان کے ان اعمال کے موافق ہو گی جن کا انہوں نے ارتکاب کیا اور وہ عقاید و اخلاق جن پر وہ تھے اور یہ عذاب ان کے علم و عمل کے فساد کی وجہ سے ہے انہوں نے

جزاء کی امید پر صالح عمل نہ کیے اور نہ ہی صالح علم سیکھے جن سے آیات کی تصدیق کرتے۔

تفسیرِ عالمانہ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا (بے شک انہیں حساب کا خوف نہ تھا) ان کے استحقاق کی جزاء مذکور کی تعلیل اور ان کی قوت عملیہ کے فساد کا بیان ہے یعنی وہ امر آخرت کا انکار کرتے اور انہیں یہ خوف نہ تھا کہ ان کے اعمال کا حساب ہوگا اسی لیے وہ ہر برائی کو کر گزرتے، اور طاعات میں معمولی طور پر بھی راغب نہ تھے۔

سوال: تم نے رجاء کی تفسیر و ترجمہ خوف سے کیوں کیا؟

جواب: چونکہ انسان پر حساب کا سخت ترین معاملہ ہے اور جو معاملہ سخت ہے اس کی امید نہیں رکھی جاتی بلکہ اس سے خوف اور ڈر ہوتا ہے۔

وَكَذَّبُوْا (اور انہوں نے جھٹلائیں) اس میں ان کی قوتِ نظریہ کے فساد کا بیان ہے بِاٰيٰتِنَا (ہماری آیات) جو اس پر ناطق تھیں۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ اس سے آیات قولیہ و فعلیہ مراد ہیں جو رسل کرام علیہم السلام کی زبانوں اور ہاتھوں سے ظاہر ہوئیں كِذَّابًا (حد سے بڑھ کر جھٹلائیں) اسی لیے وہ گناہوں کا اصرار (بار بار) کرتے تھے اور کفر بھی اور گوناگوں معاصی۔ اسی لیے ہولناک عذابوں میں مبتلا کئے گئے یہ انہیں اس کے موافق سزا ملی جو ان کے اعمال و کردار تھے۔

ف: یہ فعال از باب تفعیل اسی فعل کا شائع ہے فصحاء کے درمیان مشہور اور جاری ہے جیسے کَلَّم کلاماً۔

حکایت زمخشری کہتا ہے کہ میں اسی آیت کی تفسیر کر رہا تھا مجھ سے سُن کر ایک فصیح عربی نے کہا، فسرتھا فسارًا (تو نے بہترین تفسیر بیان کی) اس سے قبل ایسا نہیں سُنا گیا تھا۔

قاعدہ بعض علماء نے فرمایا بعض اسماء کے دو حروف تضعیف میں سے ایک کو یاء سے تبدیل کرنا جائز ہے جیسے دینار کہ دراصل دنّار تھا تاکہ ہم وزن مصدر سے ملتبس نہ ہو۔ اور جیسے سینات حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے ارشاد میں جو کہ آپ نے اپنے کاتب کو فرمایا:

طوّل الباء و اظهر السينات و دوّر الميم۔ — باء کو لمبا کر کے لکھ، سینات کو کھول کر لکھ اور میم کا دائرہ کھینچ کر۔

یہ سینات دراصل سننات تھا، پہلا نون یاء سے تبدیل ہوا، سنّ کی جمع نہ کہ سین کی، اس لیے کہ بسم اللہ میں تو صرف ایک سین ہے نہ کہ بہت سین۔

ف: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے مبالغہ کے طور پر سین کو سینن سے تعبیر کیا ہو گویا آپ نے فرمایا سین کے سِنّ (دانت) کو اظہار میں سین کی طرح بنا (اس کے بعد دو دانت اور ہیں اسی لیے سینات فرمایا) اسی طرح

سید میر شریف نے فرمایا۔

وَكُلَّ شَيْءٍ (اور ہر شے کو) یعنی اشیاء میں سے کوئی شے منجملہ ان کے اعمال بھی ہیں۔ اس کا منصوب ہونا فعل مضمر میں سے جس کی تفسیر فرمائی اَحْصَيْنٰهُ (ہم نے شمار کر رکھی ہے محفوظ و مضبوط کر رکھا ہے، یہ انتصاب (منصوب ہونا) علی شریطۃ التفسیر ہے (علم نحو کی مشہور بحث ہے تفصیل و تحقیق فقیر کی کتاب نعم الحامی میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

یہی راجح ہے اپنے فعل سے جملہ کے تقدم کی وجہ سے اور اس جملہ کا معترضہ ہونا کوئی نقصان نہیں دیتا جیسے کہ بحث آئے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ) یا اس لیے کہ یہاں اہم مقصود احصاء (شمار کر رکھنے) کی اخبار (خبر دینا) از کل شیء ہے۔

كِتَابًا (لکھ کر) یہ مصدر مؤکد ہے احصینٰہ بغیر لفظ اس لیے کہ احصاء وکتابۃ ایک ہی شے ہیں یعنی ضبط کے معنی میں شریک ہیں، گویا فرمایا کہ ہر شئے کو ہم نے خوب شمار کر رکھا ہے یعنی احصاء کو کتابت ثبات بالعلم اور قوت میں مساوی ہیں یا معنی یہ ہے کہ ہم نے خوب لکھا اور اسے خوب ثابت رکھا۔ ممکن ہے یہ احتباک سے ہے یعنی فعل ثانی فعل اول کے قرینہ کی وجہ سے اور پہلے کا مصدر دوسرے کے قرینہ سے حذف کرنا کہ دراصل احصینٰہ احصاءً تھا، یا کتاباً حال بمعنی مکتوباً فی اللوح و فی صحف الحفظۃ (لکھی ہوئی لوح محفوظ میں اور فرشتوں کے حفظ صحیفوں میں) اور جملہ معترضہ ان کے کفر بالحساب اور تکذیب بالآیات کی تاکید کے لیے ہے یعنی وہ دونوں جزاء و سزا کے لیے محفوظ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر شے جو تمہارے اعمال صورتیں اور تمہارے عقاید کی ہیئتیں ہیں ہم نے انہیں خوب مضبوط کر رکھا ہے ان کے نفوس اور نفوس سماویہ کے صحیفوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَذُوْقُوْا (تو چکھو) دوزخ کا عذاب۔ فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا (تمہارا نہیں بڑھائیں گے عذاب پر عذاب) فذوقوا کی فاء جزائیہ ہے جو دلالت کرتی ہے کہ امر بالذوق ان کے حساب سے کفر و آیات سے تکذیب کا سبب ہے اور اس سے معلل ہے اس تقریر پر وکل شیء الخ معترضہ ہے سبب و مسبب کے درمیان جو دونوں اطراف کی تاکید کرتا ہے کیونکہ یہ جیسے دلالت کرتا ہے کہ ان کے معاصی مضبوط و محفوظ ہیں ایسے ہی جو اس پر متفرع ہے یعنی عذاب کی بھی تاکید کرتا ہے کہ اس نے لامحالہ واقع ہونا ہے اور وہ ان کے استحقاق پر مقدر ہو چکا ہے۔

ف: التفات تشدید فی التہدید کی خبر دینا ہے اور لفظ لن اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ ترک زیادہ اس قبیل سے ہے

جو تحت صحت داخل نہ ہو یعنی غضب کے اظہار میں مبالغہ ہے جیساکہ مخفی نہیں۔

حدیث شریف مروی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
قرآن مجید میں غضب بر اہل نار کی وعید میں یہی آیت سخت تر ہے اس لیے کہ عذاب سے نکلنے سے مایوسی کا سخت بیان ہے کہ جوں ہی وہ دردناک عذاب سے فریاد کریں گے انہیں سخت تر عذاب میں مبتلا کیا جائیگا اس لحاظ سے ان کا ہر عذاب سخت سے سخت تر ہوگا اور شدت میں انتہا تک پہنچے گا اگرچہ بحسب عدد و مدت ان کے عذاب کے مراتب غیر متناہی ہوں گے۔

سوال: یہاں اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام کا بیان ہے حالانکہ دوسری جگہ پر ہے ولا یکلمھم اللہ الخ (ان سے اللہ تعالیٰ کلام نہ کرے گا)

جواب: کلام سے لطف و شفقت مراد ہے یعنی ان سے لطف و شفقت نہ ہو گی بلکہ قہر و جلال ہوگا۔

سوال: آیت میں جس زیادہ عذاب کا ذکر ہے یا ان کے استحقاق سے نہ ہوگا تو ظلم ہے اگر ان کے استحقاق سے ہوگا تو پہلے انہیں عذاب نہ کرنا ان سے احسان ہے اور جو احسان کیا جائے اس سے رجوع کریم کے لائق نہیں ہوتا۔

جواب ۱: وہ اس کے مستحق تھے اور اس کے دوام ہی کو زیادہ کہا گیا ان کے ثقل عذاب کی وجہ سے اور بعض اوقات مستحق سے ترک عذاب اسے بری کر دینے اور عذاب معاف کر دینے کا موجب نہیں ہوتا کہ اسے رجوع فی الاحسان کہا جاسکے۔

جواب ۲: وہ دنیا میں کفر و تکذیب اور اذیت الرسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اذیتِ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) میں بڑھتے تھے۔ اسی استحقاق پر اللہ تعالیٰ نے ان کے عذاب کو بڑھایا تو یہ ظلم نہ ہوا۔

سوال: فذوقوا الخ میں تکرار ہے کیونکہ پہلے کہا گیا لا یذوقون فیھا الخ

جواب: یہ تکرار تقریر دعویٰ میں (یعنی یہ دعویٰ کہ عذاب جزاء وفاق ہے) زیادہ مبالغہ کے لیے ہے۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا (بے شک ڈر والوں کو کامیابی کی جگہ ہے)

ربط: کافروں کے بُرے انجام کو بیان کرنے کے بعد اہلِ ایمان کے محاسن احوال میں شروع ہیں جیسے قرآنی عادت ہے اور ان کے بیان کی تقدیم کی وجہ بتانے کی ضرورت نہیں یعنی وہ جو کفر اور کفار کے اعمال کے جملہ قبائح سے بچے ان کے لیے بڑی کامیابی ہے اپنے مقاصد میں، اس معنی پر اس کے مابعد کی تفسیر بتاتی ہے حدائق الخ سے یا مفازا بمعنی کامیابی کی جگہ، پہلے معنی پر مفاز مصدر میمی دوسرے پر اسم مکان ہے۔

سوال: ہلاکت سے خلاصی ظفر (فتحیابی) بالذات سے اہم ہے تو اہم کو چھوڑ کر غیر اہم کا ذکر کیوں؟

جواب: ہلاکت سے خلاصی نعمتوں کی کامیابی کو مستلزم نہیں اس لیے کہ خلاصی از ہلاکت تو اعراف والوں کو

حاصل ہے لیکن وہ جنت کی نعمتوں سے کامیاب نہیں بخلاف نعمتوں سے کامیابی کے کہ وہ خلاصی از ہلاکت کو مستلزم ہے اسی لیے اس کا ذکر اولیٰ ہوا۔

حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا (باغ ہیں اور انگور) یعنی وہ باغات جن میں گوناگوں پھلدار درخت اور انگور ہوں گے۔ اعنابًا کا تعمیم کے بعد تخصیص ہے اس کی شرافت کی وجہ سے حدائق، مفازاً سے بدل الاشتمال ہے اگر مصدر میمی ہو اس لیے کہ اس پر فوز بطور دلالت التزامی دلالت کرتی ہے یا بدل البعض ہے اگر وہ اسم مکان ہو۔

حل لغات حدائق، حدیقۃ کی جمع ہے، وہ باغ جس میں اشجار بکثرت ہوں۔ اور اس باغ کو بھی حدیقۃ کہا جاتا ہے جس کے ارد گرد دیوار ہو اور اس میں کھجوریں اور پھل ہوں۔

المفردات میں ہے کہ الحدیقۃ زمین کا وہ ٹکڑا جس میں پانی بھی ہو اسے ہیئت میں آنکھ کے حدقہ در پانی کے حصول سے تشبیہ دی گئی ہے۔

الاعناب، عنب کی جمع ہے بمعنی انگور۔ بعض نے کہا کہ اس سے اس کا میوہ مراد ہے نہ کہ درخت، اس لیے شرافت اس کے میوے میں ہے نہ کہ اس کے درخت میں۔

وَكَوَاعِبَ (اور اُٹھتے جوبن والیاں)

حل لغات کواعب، کاعب کی جمع ہے۔ کہا جاتا ہے کعبت المرأۃ کعوبا (عورت کے پستان ظاہر ہوئے ایسے جیسے گٹہ اٹھتا ہے) یعنی نوجوان عورتیں جن کے پستان دائرہ دار ہوں یعنی جب پستان ظاہر ہوں تو گٹے کی طرح دائرہ دار اُبھریں اور اونچے ہوں یا مغزل کے فلکہ کی طرح انھیں نواھد، ناھدۃ و ناھد کی جمع بھی کہا جاتا ہے بمعنی وہ عورت جس کا پستان گٹے کی طرح ہو اور اُبھرنے کے لیے ظاہر ہو۔

اَتْرَابًا (ایک عمر کی)

حل لغات کہا جاتا ہے، لدۃ الرجل اس کا ساتھی اور اس کا ہم سن اور ولادت میں برابر ہو، واؤ کی عوض ہے یعنی نوجوان، یہ الولادۃ سے ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لدات وہ عورتیں جن کی نشو و نما اکٹھے ہو تساوی میں تشبیہ کی وجہ سے، اور ترائب سے تماثل ہے (وہ پسلیاں جو سینے میں ہوتی ہیں) اور ان کے اکٹھے زمین پر وقوع کی وجہ سے۔

ف: تفسیر زاہدی میں ہے کہ عورتیں سولہ سالہ اور مرد تینتیس ۳۳ سالہ ہوں گے اور وہ جو تفسیر زاہدی میں ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ سولہ سالہ اس لیے ہوں گی کہ یہی مرد کے سن کا نصف سن ہے اور کعوب کی وصف بھی

اس کی دلیل ہے یعنی پستانوں کا اُبھرنا' مطلب یہ کہ وہ بالغ ہوں گی اور عورتوں کے مکمل سن میں ہوں گی حسن و لطافت و مصاحبت و معاشرۃ کی صلاحیت میں، اس لیے کہ صغر سنی میں ایسی بات نہیں ہوتی ۔ مطلب یہ کہ صغر سن نہیں ہوں گی کہ صغر سنی میں شہوت کی کمزوری ہوتی ہے' اور بوڑھی نہیں ہوں گی کہ اس سن میں شہوت ٹوٹ جاتی ہے اس کے درمیانہ سن میں ہوں گی' جیسے شباب کا زور کہا جاتا ہے یعنی ان میں مرد کا پانی جاری ہو سکے گا بُوڑھی نہیں ہوں گی اور نہ ہی حدِ حسن سے ان کا حسن متغیر ہو گا۔

نکتہ : یہاں ایسی عورتوں کا ذکر اس لیے کہ تنعم جسمانی کی وجہ سے مرد کا دنیوی نظام اور آخرت کی لطافت انھی پر موقوف ہے۔

وَّكَاْسًا دِهَاقًا (اور چھلکتا جام) وہ جام جو شرابًا طہورا سے پُر ہو۔

حل لغات

دھاقًا بمعنے دھقةً مبالغہ کے طور پر جام کو اس صفت سے موصوف کیا گیا ہے کہ وہ اتنا پُر ہو گا۔ کہا جاتا ہے : ادھق الحوض و دھقہ بمعنی ملأہ (حوض کو پُر کیا)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا (اس میں نہیں سنیں گے) متقی لوگ باغات میں نہیں سنیں گے لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا (بیہودہ بات اور نہ جھٹلانا) یعنی لغوبات نہ بولیں گے۔

حلِ لغات

لغو بمعنی وہ شے جو بیکار سمجھ کر پھینک دی جائے اور اسے بے فائدہ بنا کر چھوڑ دیا جائے' اور نہ ہی ایک دوسرے کو جھٹلائیں گے کہ کسی سے کوئی بات اپنے خلاف نہ سنیں گے بخلاف اہلِ دنیا کے کہ اپنی مجلسوں میں بالخصوص شراب کی مجلس میں ایک دوسرے کے خلاف بولتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ

بعض اہلِ معرفت نے فرمایا کہ باغات سے حق سے ہی باتیں سنیں گے اس لیے جو حق سے حق. ہو گیا تو اسے حق حق ہی سنائی دے گا اور دنیا و آخرت میں صرف اسی کا ہی مشاہدہ کرے گا۔

تفسیر عالمانہ

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ (صلہ تیرے رب کی طرف سے)
جزاء مصدر مؤکد منصوب ہے یہ اس قوت میں ہے کہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ متقین کو جزاء دے گا مفازا (کامیابی کی جگہ) پر عظیم جزاء جو تیرے رب کی جانب سے ہے تنوین تعظیم کی ہے عَطَآءً (صلہ) عطاء محض اس کا فضل و احسان اس لیے کہ اس پر کوئی شے واجب نہیں۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے ایک ہی شے کو جزاء و عطاء کیسے بتایا، یہ مطلب تو غیر ظاہر ہے۔
جواب : ٹھیک ہے کہ جزاء میں ثبوت الاستحقاق کی دلیل ہے اور عطاء میں بلا استحقاق کی اس طرح

سے دو نقیضوں کو جمع کرنا ہے لیکن غور سے دیکھا جائے تو سوال وارد نہیں ہوتا وُہ یہ کہ استحقاق کا ثبوت
بحکم وعدہ ہے کہ اس نے ایسے وعدہ فرمایا کہ نیک کام کرو نیک جزاء ملے گی۔

لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ یہ کام کرو گے تو اس کا ثواب دینا اللہ پر واجب ہے نیکی کا ثواب محض
اس کا وعدہ ہے جو طاعت کے مقابلہ میں نصیب ہوگا اسی کو ہم جزاء سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی صلہ کو
اس نظر سے دیکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا صلہ دینا واجب تو ہے نہیں پھر بھی دے رہا ہے تو یہ اس کا فضل
اور احسان ہے اور عطاء ہے یہ کفار کے لیے جزاء وفاقا کے مقابلہ میں ہے یہ عطاء اس لیے کہ اہل ایمان
کی جزاء از قبیل فضل ہے کہ عمل کی بہ نسبت بے پایاں ہے اور کافروں کی جزا (سزا) اس کا عدل ہے اور یہ
صحیح معنیٰ میں جزاء ہے کہ بدل الکل من الکل ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ یہاں جزاء و عطاء درحقیقت ذاتاً
ایک ہیں اگرچہ مفہوماً ایک دُوسرے کی غیر ہیں۔

نکتہ عطاء کو جزاء کا بدل بنانے میں یہ لطیف نکتہ ہے کہ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ جزاء محض اس کی
عطاء اور فضل ہے اور یہی مقصود ہے اور بیان کرتا ہے کہ یہی جزاء تمہاری اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہے اور
بدل کا حق بھی یہ ہے کہ وہی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اور مبدل منہ کا ذکر تو محض وسیلہ ہوتا ہے (جیسے فن نحو
میں مفصلاً مذکور ہے)

حِسَاباً (نہایت کافی) یہ عطاء کی صفت ہے بمعنی کافی۔ یہ مصدر وصف کے قائم مقام ہے بمعنی
محسب۔ بعض نے کہا بحسب الاعمال یعنی وعدہ مطابق ہر ایک کو اس لئے عمل کی جزاء ملے گی دُگنی کئی گنی
اس سے سات سو تک، بلکہ کسی کو بلا حساب (ان گنت) اور وہ جو اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے وہ بھی حسب
میں داخل ہے یعنی مقدار میں اس لیے کہ حسب (بفتح السین وسکونہا) بمعنی القدر والتقدیر، اس تقریر
پر اس کا اصل ہوگا عطاء بحساب، جار حذف کر کے اسم کو منصوب کیا گیا۔

فائدہ صوفیانہ بعض اہل معرفت نے کہا کہ جب جزاء اللہ تعالیٰ سے ہوگی تو اس کی تو کوئی انتہاء
نہ ہوگی کیونکہ وہ اعواض (بدلوں) کی عدد پر نہ ہوگی بلکہ حد سے زیادہ ہوگی کیونکہ جس کی
اور انتہاء نہ ہو تو اس کی عطاء بھی لاحد و لا نہایۃ ہوگی۔ بعض نے کہا کہ عطاء من اللہ فضل الٰہی کی جگہ
ہے نہ کہ جزاء کی جگہ پر، جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ جزاء علی الاعمال اور فضل من اللہ اللہ تعالیٰ کی محبت والے
خواص سے مخصوص ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ متقین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات و
صفات سے نفوس مظلمہ اور تاریکی میں پھینکنے والوں سے ڈرتے ہیں تو ان

کے لیے مفاز ہے یعنی ذاتِ الٰہی اور اس کی صفات کے حدائق یعنی باغات قلوب کے جو منزہ اور ارضیہ ہیں، اور اعناب یعنی اشجار المعانی والحقایق، ثمرزار یعنی محبت ذاتیہ کا شراب جو عقل کی آنکھ شہود غیرو غیریت سے مخمور کر دے اور ان کے لیے کواعب واتراب ہیں یعنی لطائف و معارف کے ابکار اور چھلکتا جام شرابِ محبت و خمرِ معرفت سے پُر، اس میں نہ سنیں گے لغو یعنی ہواجس نفسانیہ اور نہ کذاباً (جھٹلانا) یعنی وساوس شیطانیہ جزاء من ربک یعنی فضل تام اور کافی بغیر عمل کے۔

ف: حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ متقین سے وہ حضرات مراد ہیں جو بالمقابل ہیں طاغین کے اور وہ حدعدالت جو شرع وعقل نے متعین کی ہے سے اپنے افعال میں تجاوز کرنے والے ہیں اور وہ رذائل اور افعال کی ہیأت سوء سے متنزل ہیں وہ بڑی کامیابی میں اور اس نار سے نجات میں ہیں جو طاغین کا ٹھکانا ہے، اور وہ باغات ہیں جنان اخلاق سے، اور اعناب ہیں ثمراتِ افعال اور ان کے ہیآت سے، اور کواعب ہیں جنت افعال میں آثار اسمار کی صورتوں سے، اتراب یعنی متساوی ترتیب میں، اور محبت الآثار کی لذت کا جام چھلکتا ہوا جس کی ملونی زنجبیل وکافور ہے اس لیے کہ جنۃ الآثار والافعال والوں کا مطمح نظر اس کے ماوراء میں نہیں یہ آثار کے ساتھ موثر سے اور عطار کے ساتھ معطی سے محجوب ہیں ان کو وہ عطار کافی ہے ان کی ہمتوں اور ان کے مطمح نظر کے مطابق ان کی کفایت کرے گی اس لیے کہ وہ اپنی ہمتوں کے قصور کی وجہ سے اس کے ماوراء کا اشتیاق نہیں ان کے لیے جس لذت میں ہے اس سے بڑھ کر اور کوئی شے ذوق والی نہیں۔

تفسیر عالمانہ

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا (وہ جو رب ہے آسمانوں کا اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے) یہ ایک سے بدل ہے اس سے ہر شے کا رب اور خالق مراد ہے الرَّحْمٰنِ (رحمٰن) ہر موجود شے پر اپنی حکمت سے اور بقدر استعداد مرحوم (جس پر رحم کیا جائے) خیر و برکت سے فیض یاب فرماتا ہے یہ مجرور ہے کہ رب کی صفت ہے بعض نے کہا کہ پہلے رب کی صفت ہے جو بھی ہو اس میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ یہاں سب کے لیے ربوبیت اور رحمت واسعہ کاملہ کے ذکر میں انتباہ ہے کہ جزار مذکور کا دارومدار اسی پر ہے۔

فائدہ صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کا رب تعالیٰ جو انہیں وہ عطار بخشتا ہے وہ رحمٰن ہے اس لیے ان کی عطائیں ظاہری بڑی نعمتوں میں سے ہیں نہ کہ باطنی، ان کا مشرب اسم رحمٰن سے ہے نہ کہ کسی اور اسم سے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ رب ہے آسمانوں کا یعنی ارواح کا اور زمینوں کا یعنی نفوس کا اور جو ان کے مابین ہیں سر اور قلب اور ان کے قوائے روحانیہ، اور وہ رحمٰن ہے

یعنی موصوف ہے یہ جمیع اسماء وصفات جمالیہ وجلالیہ اس لیے کہ یہ اللہ جو جامع ہے کے اور رحیم کے درمیان ہے اس کی ایک جانب الوہیت کی طرف ہے جو مشتمل ہے قہر پر اور دوسری جانب رحیم کی طرف جو کہ جمالی محض ہے۔

تفسیر عالمانہ

لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا (اس سے بات کرنے کا اختیار نہ رکھیں گے) جملہ مستانفہ تقریر کرتا ہے اس کی کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ سے ثابت ہوتا ہے وہ غایۃ عظمۃ و کبریائی کا مالک اور جزاء و عطاء مذکورہ دینے میں وہ مستقل بالذات ہے کسی کو اس پر قدرت نہیں وہ سب پر قادر ہے اور لا یملکون کی ضمیر اھل السموٰت والارض کی طرف راجع ہے منہ کا مِن تاکید کا صلہ ہے جیسے بعت منك میں جس کا معنی ہے بعتك اور خطابا کا صلہ ہے اس پر مقدم ہے اس طرح بیان منقلب ہو گیا۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ مالک نہیں ہوں گے اس کے، وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی طرف سے کوئی بات کر سکیں جیسے مِلک کا لفظ بتاتا ہے اس لیے کہ مملوک اپنے مالک پر کسی سے گفتگو کا حق نہیں رکھتا کیونکہ اللہ تعالیٰ عظمت و کبریائی میں متفرد اور امر و نہی اور خطاب کے ملک میں متوحد ہے۔

خلاصہ یہ کہ وہ اپنے عذاب کی کمی اور ثواب کے اضافے میں اس کے اذن کے بغیر کسی قسم کی گفتگو نہ کر سکیں گے یہ زیادہ بلیغ اور زیادہ مؤکد وجہ ہے گویا یوں ہی کہا گیا کہ جس عذاب و ثواب کا ذکر ہو چکا ہے اس کے بارے میں کوئی گفتگو نہ کر سکیں گے اس سے اس آیت اور ماقبل کے مضمون وعید کفار و وعدۂ مومنین کے درمیان رابطہ بھی حاصل ہوا اس گفتگو کی نفی سے شفاعت باذنہ تعالیٰ کی نفی نہیں ہو سکتی۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ چونکہ اہل الافعال ہیں اسی لیے وہ مقام صفات تک نہیں پہنچ سکتے اسی لیے انہیں گفتگو سے کوئی حصہ نصیب نہ ہو گا۔

تفسیر عالمانہ

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا (جس دن کھڑے ہوں گے جبریل (علیہ السلام) اور فرشتے پرا باندھے) ملائکہ کے تاخیر یہاں تعمیم بعد تخصیص کے قبیل سے ہے اور سورۃ القدر میں روح کی تاخیر تخصیص بعد تعمیم کے قبیل سے ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ روح ملائکہ کی جنس سے ہے لیکن دوسرے ملائکہ سے خلقت اور قدر و شرافت میں عظیم تر ہے اس لیے کہ وہ انسانی روح کے بالمقابل ہے اور دیگر ملائکہ بمقابلہ قوائے روحانیہ کے ہیں اور ظاہر ہے کہ روح اپنے قویٰ سے اعظم ہے کیونکہ وہ اس کے ایسے تابع ہیں جیسے سلطان کے امراء اور لشکر و رعایا

ف : روح کی تفسیر جبریل علیہ السلام سے کرنا ضعیف ہے، اگرچہ وہ روح القدس والروح الامین سے مشہور ہیں اس لیے کہ روح بہ نسبت ان کی ذات کے نہیں پھر ان کی کیا تخصیص ہے کیونکہ کل ملائکہ روحانیون ہیں اگرچہ وہ اجسام لطیفہ ہیں اور ان ارواح معروفہ کا غیر ہیں اگر جبریل علیہ السلام کو روح اس نسبت سے کہا گیا ہے کہ وہ نافخ الروح اور حامل الوحی ہیں، اور وحی بھی بمنزلہ روح کے ہے کہ وہ روح کی طرح معنوی زندگی بخشتی ہے لیکن

یہ بھی جبریل علیہ السلام کے لیے تخصیص کا سبب نہیں اس لیے کہ ان سے شان و مرتبہ میں اسرافیل علیہ السلام عظیم تر ہیں بلکہ دوسروں سے بھی اگر صف باندھنے میں ایک کو علیحدہ نمایاں کرنا تھا تو وہ اس کے زیادہ حقدار اسرافیل علیہ السلام ہیں نہ کہ جبریل علیہ السلام۔ بس یہی کہا جائے، یہاں رُوح کی مراد کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

تحقیق صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ علیہ

فقیر (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہاں اگرچہ روایات کا اختلاف ہے لیکن ملک علام تعالیٰ کی مدد سے کہتا ہوں کہ صفاً حال ہے بمعنی مصطفین کیونکہ وہ بکثرت ہیں اور بہ نسبت بندوں کے امرِ الٰہی کے قائم ہونے میں بھی اسی لیے میرے دل میں تو یہی معنیٰ آیا ہے۔ بعض نے کہا وہ دو صفیں ہوں گی:

(۱) روح کی

(۲) ملائکہ کی

بعض نے کہا کہ بہت زیادہ صفیں ہوں گی یہی زیادہ موافق اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی والملٰئکۃ صفاً صفا کے اور یوم ظرف ہے اس کے قول لَا يَتَكَلَّمُوْنَ (کوئی نہ بول سکے گا) کے اور اس کا قول اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (مگر جسے رحمٰن نے اذن دیا اور اس نے ٹھیک بات کہی) لا یتکلمون سے ضمیر سے بدل ہے اور اس کی ضمیر اھل السمٰوٰت والارض کی طرف راجع ہے جن میں سے ملائکہ اور روح بھی ہے اور یہی زیادہ راجح ہے کیونکہ کلام غیر موجب اور مستثنیٰ منہ مذکور ہے اس جیسی ترکیب میں بدل علی الاستثناء مختار ہوتا ہے۔

ف: اُن کا قیام اور صف بندی اللہ تعالیٰ کی عظمۃ سلطانی اور ربوبیت کی کبریائی اور یومِ بعث کی ہولناکی کہ جس پر سورۃ کے اول و آخر تک مضمون کا مدار ہے کی تحقیق کے لئے ہے اور جملہ مستانفہ ماقبل لا یتکلمون الخ کے مضمون کی تقریر اور تاکید کے لئے ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اھل السمٰوٰت والارض جب اس دن جنس کلام میں سے کوئی بات نہ کر سکیں گے مگر وہ بول سکے گا ان میں سے جسے بولنے کی اجازت ہوگی اور جسے اجازت ہوگی وُہ ٹھیک بات کرے گا یعنی حق اور سچ اور واقع فی المحل جس میں کسی قسم کی خطا کا شائبہ نہ ہوگا، اور انہیں اس رب العزت سے گفتگو کا موقعہ ہی کیا ہو جبکہ اس کا کلام مطلق گفتگو سے اخص و اعز ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ الّا من اذن لہ الرحمٰن الخ منصوب ہے اور اصل استثناء ہے (بدل کے طور نہیں) اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ گفتگو نہ کر سکیں گے مگر اس شخص کے حق میں جس کے لیے رحمٰن نے اجازت دی ہو، اور وہ شخص کہ جس نے دنیا میں حق بات کہی ہوگی یعنی کلمۂ توحید اور کلمۂ شہادت نہ کہ اس کا غیر یعنی مشرک وغیرہ اس نے

دنیا میں کلمۂ حق نہ کہا تھا بلکہ کلمۂ کفر و شرک کہتا رہا۔ اور ضمیر کے بجائے الرحمٰن کا اظہار اس تنبیہ کے لیے کہ کلام کا اذن پر دار و مدار بھی اس کی انتہائی رحمت ہے نہ یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ پر کوئی حق ہے۔

تفسیر صوفیانہ عرائس (البیان) للبقلی رحمہ اللہ میں ہے کہ دنیا میں جس کا کلام من حیث الاحوال اور احوال من حیث الوجد اور وجد من حیث الکشف اور کشف من حیث المشاہدہ اور مشاہدہ من حیث المعاینہ ہوگا، وہ دنیا و آخرت میں ماذون ہے کہ وہ بساط حرمۃ و ہیبۃ پر حق تعالیٰ سے گفتگو کرے اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے مخلوق کو ورطۂ ہلاکت سے بچاتا ہے۔

ف: حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خالص وُہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور صواب وہ ہے جو علیٰ وجہ السنۃ ہو۔

ف: اسی دن علی العموم ہیبت اہل الجمع کے لیے ظاہر ہوگی ورنہ خواص و اصحاب الحضور وہ تو ہمیشہ مشہد العز میں ہیبت کی صفت میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ۲ اس میں اشارہ ہے کہ وہ اسرار و قلوب اور اُن کے قُوٰی ارواح کے آسمانوں اور نفوس کی زمین کے درمیان ہیں نفسِ امّارہ اور ہوائے نفسانی کے بارے میں گفتگو نہ کر سکیں گے بوجہ ان کے اس خُونی رشتے کی جو ان کے درمیان ہے کیونکہ سب کے سب روح کی اولاد اور جسم کی اولاد ہیں جیسے نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کنعان کے بارے میں اجازت نہ ملی یعنی انہیں اس کی نجات کی قدرت نہ تھی کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ گفتگو کر سکتے ہیں جب ان کے ہاں خطاب ربّی پہنچا کہ لا تسئلن ما لیس لک بہ علم (مجھ سے اس کا سوال نہ کرو جس کا تمہیں علم نہیں)۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ یہ وجہ مذکور پر ان کے قیام کی طرف اشارہ ہے وہ علی الابتداء محلاً مرفوع اور اس کی خبر اس کا مابعد ہے یعنی وہ عظیم الشان دن کہ جس میں رُوح اور فرشتے پرا باندھ کر کھڑے ہوں گے نہ وہ اور نہ اور کوئی اللہ تعالیٰ کی ہیبت و جلال سے گفتگو نہ کر سکے گا الْيَوْمُ الْحَقُّ (سچا دن ہے) لامحالہ ثابت اور متحقق ہے اسے کوئی پھیرنے والا نہیں جو کسی دوسرے وقت میں تبدیل کر دے اور نہ کوئی موڑنے والا ہے کہ اس کے بجائے کوئی اور دن مقرر کر سکے۔ اس لیے سب کو معلوم ہے کہ وہ متحقق ہے تو وقوع کے لحاظ سے بھی متحقق ہے صبح کی طرف کہ رات گزرنے کے بعد اس کے وقوع کا یقین ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ وُہ جمیع اوقات اور ہر گھڑی واقع اور ثابت ہے لیکن وہ اسے دیکھ نہیں سکتا کیونکہ وہ اس نفس میں مشغول ہے جو اسے غافل کئے ہوئے ہے اور اس کی خواہشات میں شاغل ہے۔

تفسیر عالمانہ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ مَاٰبًا (اب جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ بنالے) فا رفصیحہ ہے جو شرط محذوف کی خبر دیتی ہے اور شاء کا مفعول محذوف ہے کیونکہ یہ مشیت شرط واقع ہے اور اس کا مفعول مضمون الجزاء ہے والیٰ ربہ ماٰبا بعد سے متعلق ہے اس کی تقدیم محض اہمیت دینے اور فواصل کی رعایت کی وجہ سے گویا کہا گیا کہ اگر ایسا معاملہ ہے جیسے مذکور ہوا کہ یوم مذکور لامحالہ متحقق ہوگا تو پھر جو چاہے اپنے رب کے ثواب کو مرجع بنائے وُہ رب تعالیٰ جس کا شانِ عظیم مذکور ہوا کہ اس پر ایمان لائے اور اس کی اطاعت کرے۔

ف: حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ماٰبا بھی سبیلاً او رجارہ اسی سے متعلق ہے اس لیے کہ اس میں اقتضاء و ایصال کا معنیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ماٰب بمعنی مرجع و رجوع دنیا سے آخرت کی طرف پھر آخرت سے رب دنیا و آخرت کی طرف اس لئے اہل اللہ پر یہ دونوں (دنیا و آخرت) حرام ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ (بے شک ہم تمہیں ڈراتے ہیں) اس کے ساتھ جو سورۃ میں آیات ناطقہ مذکور ہوئیں مرنے کے بعد اُٹھنے کے متعلق اور اس کے متعلق جو اس کے بعد ہوگا (یعنی آخرت کی ہولناکیاں وغیرہ) یا ان آیات کے علاوہ جملہ مضامین ڈرانے والے جو قرآن مجید میں وارد ہیں اور یہ خطاب مشرکینِ عرب اور کفارِ قریش کو ہے کیونکہ وہی مرنے کے بعد اُٹھنے کے منکر تھے۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب عام ہے مَن کے عموم کی طرح، اس لیے کہ انذار میں ہر گروہ کو فائدہ ہے (کفار ہوں یا اہلِ ایمان)

عَذَابًا قَرِیْبًا (ایک عذاب سے کہ نزدیک آگیا) وہ ہے عذابِ آخرت، اور قرب سے اس کے یقینی طور پر آنے کا تحقق مراد ہے اور اس لیے کہ وہ بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے قریب ہے اور ممکن ہے۔ اگرچہ یہ اسے بعید اور غیر ممکن سمجھتے ہیں۔ لیکن عنقریب وہ اسے قریب دیکھیں گے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

کانھم یوم یرونھا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰھا۔ گویا وہ اس دن دیکھیں گے کہ وہ تو نہیں ٹھہرے مگر شام کی چند گھڑیاں یا صبح کی۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہلِ معرفت نے فرمایا کہ عذابِ قریب سے نفس اور دنیا اور خواہشات کی طرف التفات مراد ہے، اور حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اعمال فاسدہ کی ہیآتِ فاسقہ کا عذاب مراد ہے اور عذاب القہر والسخط کے بہ نسبت انہیں قریب ہے، یہ وُہ ہے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا یعنی ان کے خود کردہ کردار۔

تفسیر عالمانہ یَوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰہُ (اس دن کہ آدمی دیکھے گا وہ جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا) یداہ تثنیہ ہے کہ دراصل یدان تھا اس کا نون اضافت سے گر گیا یوم 'عذاباً' سے بدل ہے یا مضمر محذوف کی ظرف اور وہ عذاباً کی صفت ہے یعنی وہ عذاب جو ہوگا اس دن کہ آدمی مشاہدہ کرے گا اس کا جو اس نے آگے بھیجا' بھلائی یا برائی، یعنی پائیگا اپنے کردار اچھے یا بُرے ۔ ما موصولہ منصوب ہے ینظر سے کیونکہ وہ متعدی بنفسہٖ ہوتی ہے اور الیٰ سے بھی اور عائد محذوف ہے کہ دراصل قدمتہ ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ اس دن دیکھے گا کہ اس نے کیا شے آگے بھیجی، اس معنیٰ پر ما استفہامیہ منصوب قدمت سے اور ینظر سے متعلق ہے المرء عام ہے مومن و کافر، کیونکہ اس دن ہر ایک اپنے اعمال دیکھے گا جو اعمال ناموں میں مثبت ہوں اچھے یا بُرے ۔ مومن تو اپنے نیک اعمال کی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی اُمید رکھے گا لیکن اپنے بُرے عمل سے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرے گا اور کافر کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا کہ وَیَقُوْلُ الْکٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ (اور کافر کہے گا ہائے میں) یعنی اے میری برادری اس معنی پر منادی محذوف ہے یہ بھی ہے کہ محض تحسر اور محض تنبہ ہے اس میں منبہ کی تعیین کا کوئی ارادہ نہیں یعنی کافر کہے گا کاش میں کُنْتُ تُرٰبًا (کسی طرح خاک ہو جاتا) دنیا میں نہ پیدا ہوتا نہ مکلف ہوتا یہ محلاً مرفوع ہے کہ لیت کی خبر ہے ۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ کافر کہے گا اس دن میں مٹی ہوتا اور اُس دن نہ اُٹھایا جاتا جیسے پہلے گزرا ہے کہ کہے گا یا لیتی لم اوت کتابیہ (کاش میں آج کتاب (عملنامہ) نہ دیا جاتا) یہاں تک کہ یلیتہا کانت القاضیۃ (کاش کوئی فیصلہ ہوتا) ۔

ف : بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کو بھی اس دن اٹھائے گا تو وہ جانور جو سینگ نہیں رکھتا اور اسے سینگ والے جانور نے مارا ہوگا تو سینگ والے جانور سے بھی قصاص لیا جائے گا یعنی مقابلہ کا قصاص نہ کہ تکلیف کا پھر اسے اللہ تعالیٰ مٹی بنائے گا تو کافر آرزو کرے گا : کاش ! میں مٹی ہوتا ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا :
قیامت میں ہر حق والے کو حق ادا کیا جائے گا' یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے وہ بکری حق لے گی جس کے سینگ نہیں ۔

ف : یہ حدیث شریف صریح ہے اس میں کہ جانور بھی مرنے کے بعد اٹھیں گے اور انھیں بھی مقابلہ کے قصاص کے لیے اٹھایا جائیگا نہ کہ جزاء و سزاء اور عذاب کے لیے ۔

ابلیس کے لیے حسرت کا مقام بعض نے کہا کہ الکافر سے یہاں ابلیس مراد ہے کہ جب وہ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد اور ان کے ثواب کو دیکھے گا تو آرزو

کرے گا کہ کاش! میں مٹی ہوتا۔ یعنی وہی جسے میں نے حقارت کی نظر سے دیکھ کر کہا تھا:

خلقتنی من نار و خلقتہ من طین۔ مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔

یعنی ابلیس آدم علیہ السلام کے عیب نکالتا تھا کہ وہ مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور خود کے لیے کہتا تھا کہ وہ نار سے پیدا کیا گیا ہے، یوں وہ اپنی تعریف کرتا تھا لیکن بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو کرامت سے اور آپ کی اولاد مومن کو ثواب سے نوازے گا، اس کا مشاہدہ کرے گا ادھر اپنا عذاب دیکھے گا، اس کی شدت پر کہے گا، کاش! میں بھی مٹی ہوتا اور آدم علیہ السلام سے کوئی نسبت رکھتا کیونکہ اس درویش کو جو دبدبہ اور شان وشوکت نصیب ہو رہی ہے جس سے دیگر مخلوق محروم ہے ؎

۱ خاک را خوار و تیرہ دید ابلیس
کرد انکارش آن حسود خسیس

۲ ماند غافل ز نور باطن او
نشد آگہ ز سر کامل او

۳ بہر گنجے کہ ہست در دل خاک
این صدا دادہ اند در افلاک

۴ کہ بجز خاک نیست مظہر گل
خاک شو خاک تا بروید گل

ترجمہ: (۱) خاک کو ابلیس نے خوار اور بیکار سمجھا اسی لیے اس حاسد کمینے نے انکار کر دیا۔

(۲) اس کے نورِ باطن سے غافل رہا، اس کے راز کامل سے آگاہ نہ ہوا۔

(۳) وہ خزانہ جو خاک کے دل میں ہے یہی صدا دی جا رہی ہے افلاک میں

(۴) کہ خاک کے سوا گل کا مظہر اور کوئی شے نہیں، خاک ہو خاک تاکہ تجھ سے گل پیدا ہوں۔

مسئلہ: مومن جن ثواب پائیں گے سزا بھی، لیکن مٹی نہیں ہوں گے، یہی اصح ہے ان کے اہل ایمان جنہ میں انسان مومنوں کے ساتھ ہوں گے یا اعراف میں انہیں نعمتیں ان کے مناسب حال پر ملیں گی ان کے کفار انسان کفار کے ساتھ دوزخ میں ہوں گے۔ ان کا عذاب ان کے حال کے مناسب ہوگا۔

ف: بعض نے کہا کنت ترابا میں تراب سے مؤمن کے سجدہ کی مٹی مراد ہے جس سے دوزخ کی آگ بجھائی جائے گی اور مؤمن کے پاؤں کی وہ مٹی جو نماز کی ادائیگی کے وقت پاؤں سے لگتی ہے قیامت میں کافر آرزو کرے گا کاش میں مومن کے قدموں کی خاک ہوتا!

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یوم ینظر المرء ما قدمت ید قلبہ الخ اس دن مرد دیکھے گا وہ جو آگے کیا اس کے قلب ونفس کے ہاتھوں نے نیکی اور برائی کو اور کافر نفس جو حق کو چھپاتا رہتا ہے کاش میں ہوتا روح وسر وقلب کے قدموں کی خاک ان کے آگے عاجز اور ان کے اوامر ونواہی پر قائم ہوتا۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اس دن کی عظمت کا یہ حال ہوگا کہ دنیا کے شب وروز کے چوبیس گھنٹوں کے مطابق چوبیس خزانے لائے جائیں گے اور میدانِ قیامت میں ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کھولیں گے اور بندے کے پیش کریں گے اس میں رونق اور جمال ونور وضیاء ہوگا۔ دنیا میں بندہ جن گھڑیوں میں عبادت میں مصروف رہا، حسنات وخیرات وطاعات میں وہ اوقات بسر ہوئے تھے انہی اوقات کے مطابق حسن ونور اور رونق دیکھے گا اسے ان اوقات سے اتنی خوشی وراحت اور سرور وفرحت نصیب ہوگی کہ اگر اس کی خوشی اور فرحت دوزخیوں میں بانٹ دی جائے تو دوزخ کی دہشت کو بھول جائیں۔ پھر دوسرا خزانہ کھولیں گے وہ تاریکی، ظلمت، بدبُو اور وحشت سے پُر ہوگا۔ دنیا کی جن گھڑیوں میں انسان برائیوں میں مصروف رہا ہوگا بجذاوہ ظلمت ووحشت اس کی بداعمالیوں کی ہوگی ان سے وہ انسان مغموم ومحزون بلکہ جزع فزع اور رنج والم پائے گا، اگر وہ تمام اہلِ جنت پر تقسیم ہو تو اس سے ان پر بہشت کی تمام نعمتیں کھٹی ہو جائیں پھر اور خزانہ کھولیں گے دنیا کی جن گھڑیوں میں طاعت کی ہوگی نہ گناہ (چونکہ طاعت خوشی کا موجب ہے اور معصیت ملال اور رنج والم کا) اس لیے اس پر یہ خزانہ محض حسرت کا موجب بنے گا۔ ایسے ہی وہ اوقات جن میں سوتا رہا، غافل رہا، مباحاتِ دنیا میں مشغول رہا، یہ بھی اس کے لیے حسرت اور افسوس کا سبب بنے گا۔ اسی طرح اس کے سامنے ایک اور خزانہ کھولا جائے گا اور اس کے پیش کیا جائے گا جو اوقات کسی طاعت وعبادت میں گزرے اس سے اسے خوشی اور راحت نصیب ہوگی اور جو اوقات کسی معصیت میں گزرے اس سے اسے رنج اور غم والم ہوگا اور جو اوقات بیکار بسر ہوئے ان سے حسرت اور افسوس ہوگا۔

سبق: جب کوتاہی کرنے والے مؤمن کا یہ حال ہوگا اس وقت نہ معلوم کافر پر کیا گزرے گی، اسے حسرت وافسوس، آہ وزاری اور فریاد کے سوا کیا حاصل ہوگا!

فضائل سُورۃ نباء (۱) حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس نے سورۃ نباء پڑھی اسے قیامت میں شراباً طہوراً پلائی جائے گی۔

(۲) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ نباء، سورۃ قٓ، سورۃ النجم، سورۃ بروج اور سورۃ طارق سیکھو، اس لیے کہ اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ ان کی کیا برکتیں ہیں تم اپنے جملہ کاروبار چھوڑ کر ان کی تلاوت میں مصروف رہو۔ ان کی تلاوت کرو اللہ تعالیٰ کے قریب ہو جاؤ گے، بے شک اللہ تعالیٰ ان کے صدقے سوائے شرک کے تمام گناہ بخشتا ہے۔

(۳) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کو بڑھاپا اتنی جلدی کیوں آگیا؟ آپ نے فرمایا: مجھے سورۃ ہود، واقعہ، المرسلات، عم یتساءلون، اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جو تلاوتِ قرآن کرے وہ اسے سمجھے بھی، معانی پر بھی توجہ دے اس لیے کہ مقصد معنیٰ سے حاصل ہوتا ہے نیز اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کا غم اور وعید کا مطالعہ اور اسے ہر وقت سامنے رکھے۔ اس کا غم بڑھاپا لاتا ہے (اور یہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے) کیونکہ فربہ مولوی[1] اور قاری (بسیار خور شہوت پرست) کی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذمت فرمائی ہے اس لیے کہ بسیار خوری انسان پر غفلت طاری کرتی ہے جو کچھ پڑھتا ہے اس طرف توجہ نہیں کرنے دیتی، ورنہ اگر وہ پڑھنے کے ساتھ اس کے معانی کی طرف توجہ دیتا پھر ان سے عبرت حاصل کرتا تو ضعیف و نحیف اور کمزور رہتا بلکہ غم سے پگھل جاتا اس لیے کہ غم کے ہوتے چربی جسم میں قرار نہیں پکڑتی۔

حکایت سیدنا امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:
کوئی موٹا مولوی (عالم) فلاح نہ پائے گا سوائے محمد بن الحسنؒ کے۔

---

[1] ایسے ہی دین واسلام کے جملہ میں کام کرنے والے علماء و مولویوں کے علاوہ قراء اور شعراء اور نعت خوان حضرات پر لازم ہے کہ وہ نفس پرستی اور شہوت پرستی کو مدنظر نہ رکھیں بلکہ صرف اور صرف رضائے الٰہی اور رضائے حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پیشِ نظر رکھیں ورنہ انجام برباد ہوگا۔ عیش کے چند روز آرام سے تو گزریں گے لیکن بعد کو پریشانی اور ذلت کا سامنا ہوگا۔ ہم نے بچپن سے ایسے حضرات کو دیکھا جن کا ان شعبوں میں کام کرنے سے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ تھے لیکن مرے تو بُرے حال میں ؎

خدایا بحقِ بنی فاطمہ
کہ بر قولِ ایماں کنی خاتمہ

(اویسی غفرلہٗ)

عرض کی گئی ، وہ کیوں ؟

فرمایا : اس لیے کہ عقلمند دو حالتوں سے خالی نہیں :

۱ - اسے آخرت اور مرنے کے بعد کے سرمایہ کا غم ہو گا۔

۲ - دنیا کا خیال اور تصور اس کی معاش کا' اور چربی جسم میں غم کے ساتھ نہیں ٹھہر سکتی۔

اگر وہ ان دونوں سے خالی ہے تو اس میں اور بہائم (جانوروں) میں کوئی فرق نہیں ہے کہ جانور کا جسم بھی خوراک وغیرہ سے موٹا ہو جاتا ہے اور اس (موٹے آدمی) کا مشغلہ بھی صرف خورد و نوش ہے تو ان دونوں (جانور و آدمی) میں کیا فرق رہا !

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان رحمۃ اللہ علیہ (صاحبِ روح البیان رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ) بعونِ الٰہی تفسیر سُورۃ النباء سے ۲۲ محرم ۱۱۱۷ھ کو فراغت ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہ' نے ۲۱ جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ / ۳۰ جنوری ۱۹۸۹ء کو بروز سوموار مبارک صبح ۹ بجے فراغت پائی۔ بہاول پور ، پاکستان۔

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ ‏ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ‏ (اٰيَاتُهَا ۴۶) (رُكُوْعَاتُهَا ۲)

سورہ النازعات مکیہ ہے اس میں ‏ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ‏ چھیالیس آیتیں اور دو رکوع ہیں

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ﴿۴﴾

قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں اور نرمی سے بند کھولیں اور آسانی سے پیریں پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ﴿۵﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۶﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۷﴾ قُلُوْبٌ

پھر کام کی تدبیر کریں کہ کافروں پر ضرور عذاب ہوگا جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی کتنے دل

يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ﴿۸﴾ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿۹﴾ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي

اس دن دھڑکتے ہونگے آنکھ اوپر نہ اٹھا سکیں گے کافر کہتے ہیں کیا ہم پھر الٹے پاؤں پلٹیں گے

الْحَافِرَةِ ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ﴿۱۱﴾ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا هِيَ

کیا ہم جب گلی ہڈیاں ہو جائیں گے بولے یوں تو یہ پلٹنا تو نرا نقصان ہے تو وہ نہیں مگر

زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۱۴﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ

ایک جھڑکی جبھی وہ کھلے میدان میں آپڑے ہونگے کیا تمہیں موسیٰ کی

مُوْسٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۶﴾ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ

خبر آئی جب اسے اس کے رب نے پاک جنگل طویٰ میں ندا فرمائی کہ فرعون کے پاس جا اس نے سر

طَغٰى ﴿۱۷﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ فَاَرٰىهُ

اٹھایا اس سے کہہ کیا تجھے رغبت اس طرف ہے کہ ستھرا ہو اور تجھے تیرے رب کی طرف راہ بتاؤں کہ تو ڈرے پھر

الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ فَقَالَ

موسیٰ نے اسے بہت بڑی نشانی دکھائی اس پر اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی پھر پیٹھ دی اپنی کوشش میں لگا تو لوگوں کو جمع کیا پھر پکارا پھر

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

بولا میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں تو اللہ نے اسے دنیا و آخرت دونوں کے عذاب میں پکڑا بے شک اس میں سیکھ ملتا ہے

لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا

اسے جو ڈرے کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا بنانا مشکل یا آسمان کا اللہ نے اسے بنایا اس کی چھت

فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾

اونچی کی پھر اسے ٹھیک کیا اس کی رات اندھیری کی اور اس کی روشنی چمکائی اور اس کے بعد زمین پھیلائی

أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾

اس میں سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو جمایا تمہارے اور تمہارے چوپاؤں کے فائدہ کو

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ ﴿٣٤﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾ وَبُرِّزَتِ

پھر جب آئے گی وہ عام مصیبت سب سے بڑی اس دن آدمی یاد کرے گا جو کوشش کی تھی اور جہنم ہر دیکھنے

الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿٣٦﴾ فَأَمَّا مَن طَغَىٰ ﴿٣٧﴾ وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾ فَإِنَّ الْجَحِيمَ

والے پر ظاہر کی جائے گی تو وہ جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو بے شک جہنم ہی اس کا

هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٣٩﴾ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾

ٹھکانا ہے اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا

فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٤١﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ﴿٤٢﴾ فِيمَ أَنتَ

تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کے لیے ٹھہری ہوئی ہے تمہیں اس کے

مِن ذِكْرَاهَا ﴿٤٣﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ مُنتَهَاهَا ﴿٤٤﴾ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخْشَاهَا ﴿٤٥﴾ كَأَنَّهُمْ

بیان سے کیا تعلق تمہارے رب ہی تک اس کی انتہا ہے تم تو فقط اُسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے گویا جس

يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ﴿٤٦﴾

دن وہ اسے دیکھیں گے دنیا میں نہ رہے تھے مگر ایک شام یا اس کے دن چڑھے

تفسیر عالمانہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا (قسم ان کی کہ سختی سے جان کھینچیں) واؤ قسمیہ اور قسم مقسم بہ کی عظمت شان پر دلالت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ مخلوق میں جس کی چاہے قسم یاد فرمائے تنبیہ ہے اس کی عظمت پر۔

حل لغات

النازعات، نازعۃ کی جمع ہے بمعنی ملائکہ کی جماعت نازعۃ بطور ملائکہ کی صفت مؤنث باعتبار ان کے طائفہ کے ہے پھر اس طائفہ کے اعتبار سے نازعات جمع مونث لائی گئی بمعنی طوائف (گروہ درگروہ) ملائکہ نازعات اسی پر ناشطات وغیرہ کا قیاس کر۔ ورنہ ظاہر ہے کہ نازعین ناشطین وغیرہ کہا جاتا لنزع بمعنی شدت سے شے کو اپنی مقر (جگہ) سے کھینچنا۔ الغرق بحذف الزوائد مصدر ہے بمعنی اغراق یعنی غرق کرنا، اور کمان کو زور سے کھینچنا۔ اور غرق بمعنی پانی میں ڈوبنا اور بلا میں۔ یہ مفعول مطلق ہے نازعات کا، کیونکہ یہ بھی نزع کی ایک نوع ہے اس کی شرط ہے کہ وہ موجود ہو یعنی مصدر کا عامل کے ساتھ متفق ہونا۔ اور الاغراق فی النزع بمعنی اس میں خوب غوطہ لگانا اور اس کے درجات کے انتہا کو پہنچنا کہا جاتا ہے۔ اغرق النازع

فی النفوس یہ اس وقت بولتے ہیں کہ جب کمان کھینچنے میں اتنا زور لگایا جاے کہ فصل تک کمان پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ان گروہوں کی قسم یاد فرمائی جو کفار کے اجسام سے ارواح کو سختی سے نکالتے ہیں نیز ارواح کو ان انگلیوں اور ناخنوں کی الٹی طرف سے اور ہر بال کے نیچے سے، جیسے درخت کی جڑیں زمین کے اطراف میں پھیلی ہوں تو ان جڑوں کو ہر طرف سے سمیٹا جائے یا جیسے سفود کی زیادہ شاخوں والے کو تراؤن سے اور جیسے زندہ حیوانوں کی کھال ادھیڑنا یا جیسے انسان کو تلوار کی ہزار ضربیں لگانا یا اس سے بھی زیادہ سخت۔

ملائکہ سے ملک الموت اور اس کے اعوان (مددگار) عذاب کے فرشتے مراد ہیں جو انہیں جہنم کی زہر بجھے ہوئے جربے چبھوتے ہیں، میّت سمجھتی ہے کہ اس کا پیٹ کانٹوں سے بھر گیا ہے گویا اس کا سانس سوئی کے سوراخ سے نکالا جارہا ہے گویا زمین پر آسمان ٹوٹ پڑا ہے اور وہ ان دونوں کے درمیان پسا جارہا ہے۔ جب کافر کی روح نکالی جائے گی تو کانپ رہی ہوگی اور کالے تیل کی طرح سیاہ شہد کی مکھی کی مقدار میں ہوگی اس کے عمل کے مطابق اسے زبانیہ (ملائکہ عذاب) لے کر قبر اور سجّین میں عذاب کرتے ہیں، یہ رُوحانی عذاب ہے جب قیامت قائم ہوگی تو جسمانی عذاب روحانی عذاب کے ساتھ ملایا جائیگا۔ النازعات غرقاً ارواحِ کفار کے قبض کی کیفیت کی طرف اشارہ ہے جس پر لفظ کا مدلول شاہد ہے۔

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا[1] (اور نرمی سے بند کھولیں) یہ معنیً دوسری قسم ہے بطریق عطف کے۔

حلِ لغات النشط شئے کو اپنی مقر (جگہ) سے نرمی سے کھینچنا۔ اس کی نصب علی المصدریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ملائکہ کے گروہ کی قسم یاد فرمائی ہے جو اہلِ ایمان کی ارواح کو نہایت نرمی اور آرام سے نکالتے ہیں جیسے بوکا کنویں سے نکالا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے: نشط الدلو من البئر (فلاں نے بوکا کنویں سے نکالا) جیسے بال مکھن سے یا جیسے قطرہ مشک سے۔ یہ بھی ملک الموت اور ان کے مددگار ملائکہ رحمت ہیں اہلِ ایمان کی روح اگرچہ پیروں اور انگلیوں کے سروں سے نکالی جائے گی لیکن وہ درد محسوس نہ کرے گا، جیسے کافر درد و الم محسوس کریگا۔ اور مؤمن کے نفس کو بدل کے ساتھ شدید تعلق نہیں جیسے کافر کے نفس کو تھا کیونکہ مومن کا نفس عالم قدس سے متعلق ہے اور درد و الم اسے ہوتا ہے جس کا دنیا سے تعلق ہو، اور جس کا دنیا سے تعلق ہی نہ ہو اسے درد و الم کیسا! بالخصوص وہ جو موت سے پہلے اختیاری موت سے فوت ہو (محبوبانِ خدا)

---

[1] والناشطات نشطاً میں اہلِ ایمان اور اعمالِ صالحہ والوں کے لیے خوشخبری ہے ان کی ارواح ان کے اجسام سے بآسانی نکل جاتی ہیں، اس کیفیت کو جانوں کے کھولنے سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ بندھن کھلتے اچھل کود شروع کر دیتا ہے۔ پس اسی طرح فرشتے بعض ارواح کو نکالتے ہیں تو وہ آسانی سے نکل آتی ہیں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مومنین صالحین کی ارواح خداوند قدوس کی ملاقات کے

مومن کی روح کو چند لمحات کے لیے چھوڑیں گے تاکہ سکون پا لے اور کفار کے لیے ایسا نہ ہوگا۔

مومن اور شیطان

سکرات کے وقت مومن ضعیف الیقین اور قاصر فی العمل کے پاس شیطان اس وقت آتا ہے جب رُوح حلقوم تک پہنچتی ہے اس کے ماں باپ، بہن بھائی یا پیارے دوست کی شکل میں آ کے کہتا ہے: یہودیت اختیار کر لے، نصرانی ہو جا یا اس کی مثل اور مذہبی[1] ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور میں شیطان ابلیس کی حاضری

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک دن ابلیس شکل بدل کر حاضر ہوا اس کے ہاتھ میں پانی کی شیشی تھی عرض کی: میں اسے بحالتِ نزع لوگوں کو ان کے ایمان کے بدلے بیچا کرتا ہوں۔

اس سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت روئے اور اہلبیت کو بھی رُلایا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! غم نہ کھائیے میں اپنے بندوں کو اس سے محفوظ رکھتا ہوں بحالتِ نزع انہیں شیطان ابلیس کے مکر سے بچاتا ہوں۔

موت کے وقت دیدارِ ملائکہ

موت کے وقت میّت ملائکہ کو اپنے اعمال کی حیثیت پر دیکھتی ہے، اعمال نیک ہوں تو ملائکہ اچھی صورت میں نظر آتے ہیں، اگر اعمال بُرے ہوں تو ملائکہ قبیح شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ ملائکہ کرام مومن کی رُوح کو جو شہد کی مکھی کے برابر ہوتی ہے جنت کے ریشم میں لپیٹتے ہیں، اور وہ اس کے عمل کے حسن صورت کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کی نہ عقل گم ہوتی ہے اور نہ وہ علم جو اس نے دنیا میں حاصل کیا۔

اہلِ علم کا علم موت کے وقت

حضرت حبیب نجار رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بتاتا ہے کہ موت کے بعد اہلِ علم کا علم اس کے پاس محفوظ رہتا ہے، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا جب وہ انطاکیہ میں شہید ہوئے تو فرمایا:

یالیت قومی یعلمون بما غفر لی ربی — کاش! میری قوم جانتی جو اللہ تعالیٰ نے میری عزت افزائی فرمائی۔

اس کے بعد مومن کی روح ہوا (خلاء) اڑتے ہیں اور اس کی قبر میں اس کے تنعم (آرام و راحت) کے اسباب تیار کرتے ہیں اور رُوح کے لیے علیین میں روحانی نعمتیں تیار کرتے ہیں۔ پھر جب مومن قبور سے اٹھیں گے تو جسمانی و روحانی نعمتیں جمع ہو کر اس کی نعمتوں میں اضافہ ہو جائے گا۔

---

[1] مرزائی ہو جا، شیعہ ہو جا، وہابی ہو جا، دیو بندی ہو جا، مودودی ہو جا وغیرہ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ اویسی غفرلہٗ

ف : النا شطات نشطاً میں ارواحِ مومنین کے قبض کی طرف اشارہ ہے جس پر کہ لفظ اور مدلول کی شہادت
شاہد ہیں۔

سوال : مؤمن کی کیفیتِ قبضِ روح تم نے نہایت شاندار بیان فرمائی ہے حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ
وسلم کے متعلق حدیث شریف میں ہے جب آپ کی رُوحِ اقدس قبض ہُوئی تو آپ کے لیے شدید تکلیف کا ذکر
ہے، چنانچہ آپ فرماتے تھے :

واکرباہ ' اے تکلیف

اور فرماتے : لا الٰہ الا اللہ   اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور فرماتے :

اللھم اعنی سکرات الموت (اے اللہ سکرات الموت میں میری مدد فرما)

اور ہاتھ مبارک پانی کے پیالے میں ڈال کر چہرۂ منور پر ملتے تھے جب بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی یہ کیفیت
کہ آپ سکرات کے گھیرے میں ہیں تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا :

یا اکرب ابتاہ (اے ابا کی تکلیف)

یہ سُن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا :

اے فاطمہ ! (رضی اللہ عنہا) تیرے باپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) پر آج جیسی اور کوئی تکلیف
نہ ہوگی۔

جب سکرات کے وقت خود نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا یہ حال ہے تو پھر دوسرا کون ہے جس
نرمی کی بات کی جائے ؟

(یہ سوال عموماً رسولِ پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اپنے جیسا بشر سمجھنے والے بے ادب اور گستاخ
کرتے ہیں اور سادہ لوح عوام کو چکّا دیتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم بشری لباس میں ضرور ہیں اور آپ پر بشریت کے تمام متعلقات لاحق ہوتے ہیں لیکن ان کی
حقیقت ہماری بشریت جیسی نہیں، آپ کی حقیقت بلکہ آپ کے ہر امر کی حقیقت نور ہے، ظاہری اطوار
میں بشری امور صحیح ہیں لیکن ان اطوار کو اپنے اوپر قیاس کرنا گمراہی اور بے دینی ہے۔ اس کی مثال
سکرات سمجھ لیجیے کہ آپ کی سکرات کی کیفیت سخت سہی لیکن بخدا وہ بشر کی حقیقت کی حیثیت سے نہیں
صورۃً سکرات ہے لیکن درحقیقت وہ تجلّیاتِ ربانیہ و انوارِ حقّانیہ کا پرتو ہے اسی لیے اس کا نام ہمار
سکرات جیسا ہے لیکن ہماری سکرات اور ہے آپ کی سکرات اور۔ اس لیے اب سمجھ لیں کہ آپ بشر ضرور

لیکن آپ کی حقیقت اور ہے اور ہماری اور۔ یہی تقریر[1] صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ سے سوال مذکور کے جواب میں سُنیئے۔ اویسی غفرلہٗ)

جواب ۱: اجیب بان مزاجه الشریف کان اعدل الامزجة فاحسن بالالم اکثر من غیره اذا الخفیف علی الاخف ثقیل۔	آپ کا مزاج شریف اعدل الامزجہ تھا اسی لئے درد کو غیروں سے زیادہ محسوس فرمایا کیونکہ خفیف اخف پر ثقیل ہوتا ہے۔
جواب ۲: ان یبتلیه الله تعالیٰ بذلك لیدعوا الله ان یجعل لامته سهلا یسیرا۔	اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس درد میں مبتلا کیا تاکہ آپ امت کے لیے سہولت کی دعا مانگیں۔
جواب ۳: قد روی انه طلب من الله ان یحمل علیه بعض صعوبة الموت تخفیفا علیٰ امته فانه بالمؤمنین رءوف رحیم۔	روایت کیا گیا کہ آپ نے خود دعا مانگی کہ آپ پر بوجھ ڈالا جائے تاکہ امت پر تخفیف ہو کیونکہ آپ اہلِ ایمان کے لیے رؤف و رحیم تھے۔
جواب ۴: وایضاً فیه تسلیة امته اذا وقع لاحد منهم شیٔ من ذلك الکرب عند الموت۔	اس میں امت کو تسلی ہے کہ اگر موت کے وقت تکلیف ہو تو آپ کی تکلیف یاد کرے۔
جواب ۵: وایضاً لکی یحصل من شاهد من اهله ومن غیرهم من المسلمین الثواب لما یلحقهم علیه من المشقة کما قیل بمثل ذلك فی حکمة مایشاهد من حال الاطفال عند الموت من الکرب الشدید۔	تاکہ آپ کے اہل میں سے مشاہدہ والوں اور دوسرے مسلمانوں کو ثواب ملے جب وُہ آپ کا درد سُن کر پریشان ہوں جیسے بچوں کی تکلیف عند الموت سے اوپر والوں کو پریشانی ہوتی ہے۔
جواب ۶: وایضاً راحة الکمل فی الشدة لانها من باب الترقی فی العلوم و	کاملین کو شدۃ میں راحت ہوتی ہے کیونکہ یہ علوم و درجات میں ترقی کے باب

---

[1] میری تقریر کا تعلق اگرچہ تمام جوابات سے ہے لیکن آسان اور عام فہم جواب ۶ کے فاھل الحقیقۃ الخ میں ہے اگرچہ صاحب روح البیان کا یہ جواب مجمل ہے تفصیل ہماری کتاب "سیرۃ حبیب کبریا" میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

الدرجات واقل الامر للنا قصين كفارة الذنوب فاهل الحقيقة لاشدة عليهم فى الحقيقة لاستغراقهم فى بحرالشهود وانما الشدة لظواهرهم والحاصل كما ان الناس لاترفع عن الدنيا قائم فكذا الشدة لاترفع عن الظواهر فى هذا المواطن۔

سے ہے اور دوسروں کو اس سے کفارہ ذنوب ہوتا ہے درحقیقت اہلِ حقیقت کو تکلیف ہوتی ہی نہیں کیونکہ وہ بحرِ شہود میں مستغرق ہوتے ہیں ہاں ان کے ظواہر کو شدت ہوتی ہے جیسے دنیا سے نہیں اٹھ جائیگی دنیا قائم تو شدۃ بھی قائم ہے وہ ظواہر سے اس دنیا میں نہ اُٹھے گی۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۳۱۵)

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا (اور آسانی سے پیریں) یہ اور قسم ہے معنیً بطریق عطف کے۔

حلِ لغات السبح بمعنی ہوا یا پانی میں تیز تیز پیرنا سبحًا نصب علی المصدریہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے اس گروہ کی قسم یاد فرمائی ہے جو اڑنے میں تیز ہیں آسمان سے زمین کی طرف اُترتے ہیں انہیں پیراک سے تشبیہ دی گئی ہے، یہ تعمیم بعد تخصیص کے قبیل سے ہے کیونکہ نزول اولین مطلقاً قبض الارواح کے لیے ہے اور ان دوسروں کا نزول عامہ امور و احوال کے لیے ہے۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا (پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں)

حلِ لغات اس کا السّٰبحٰت پر عطف بالفاء ہے تاکہ دلیل ہو کہ سبق سبح پر بغیر مُہلۃ کے مرتب ہے ان کا موصوف ایک ہے سبقا کی نصیب علی المصدریہ ہے یعنی اس کے لیے سبقت کرتے ہیں جس کے وُہ مامور ہیں اور جو خدمت ان کے ذمہ ہے اس کی سرانجام دہی کے لیے بہت جلد پہنچتے ہیں السبق الراع سے کنایہ ہے کہ جو ان کی خدمت مقرر ہے اس کی سرانجام دہی میں پھرتیلے ہیں اس لیے سبقت یعنی تقدم فی السیرالراع کے لوازم سے ہے۔ لیکن سبقت یہاں پر مسبوق کے وجود کو مستلزم نہیں اس لئے کہ ان کے بالمقابل کوئی مسبوق نہیں۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (پھر کام کی تدبیر کریں) اس کا عطف السابقات پر بالفاء ہے اس لیے کہ تدبیر کا ترتّب سبقٌ پر ہے بغیر تراخی کے۔

حلِ لغات التدبیر بمعنی تفکر، امور کے پیچھے امراً مفعول ہے مدبرات کا۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے وُہ ملائکہ مراد ہیں جو تدبیر امور میں مؤکل ہیں یعنی وہ فرشتے جو بندوں کے لیے دنیویٰ اخروی امور کی تدبیر کرتے ہیں جیسے انہیں کیا گیا ہے بغیر کمی بیشی کی

اور مقسم علیہ محذوف ہے وہ ہے لتبعثن (تم ضرور ضرور مرنے کے بعد زندہ اٹھائے جاؤ گے) جس پر مابعد کا مضمون دلالت کرتا ہے یعنی قیامت کا ذکر بعث کی وجہ یہ ہے کہ موت دائمی ہے اجر و جزار کی تاکہ عالمِ وجود میں جور و ظلم ہمیشہ نہ رہے اور ہمارا رب بندوں کے لیے ظالم نہیں، تو گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ملائکہ قبض ارواح کے لیے تمہارے آجال ختم ہونے پر تمہارے ہاں اُتریں گے پھر معاملہ بعث تک چلے گا اس کے بعد وہی ہوگا جو مذکور ہوگا تو جو موت کا اقرار کرتا ہے اسے بعث کا بھی اقرار کرنا ہوگا اسی لیے نازعات کی قسم اور بعث کو جمع فرمایا جو کہ وُہ جواب قسم ہے۔

ف: اس سورۃ کے عنوان کے وجوہ ہیں ہم انہیں ذکر نہیں کرتے وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں جو کشاف میں ہے اگرچہ یہ ذکر تنزیل کے جزیل (عظیم الشان) ہونے پر دلالت کرتا ہے (لیکن طوالت کے پیشِ نظر اسے چھوڑا جا رہا ہے)

تفسیر صُوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ قسم ان نفوس مشتاقہ کی یاد فرمائی جا رہی ہے جن پر نزوع (ترک ماسوی اللہ) طاری اور جناب حق کی طرف متوجہ اور بحارِ شوق و محبت (عشق) میں غرق ہیں وہ جو نفس کے مکر اور طبیعت کی قید سے آزاد ہیں یعنی وہ نفوس کی صفات کی قیود اور علائق بدن سے فارغ ہیں۔

حلِ لغات

یہ ثور ناشط سے ہے وُہ بیل جو ایک شہر سے دوسرے شہر جا پہنچے، یا ان کے قول "نشط من عقاله" سے ہے (وہ پاؤں کی رسّی کی قید سے نجات پا گیا) یا اس سے وہ نفوس مراد ہیں جو بحارِ صفات میں پیرتے ہوئے عین ذات اور مقام الفناء فی الوحدۃ کی طرف سبقت کر جاتے ہیں پھر وُہ تدبیر کرتے ہیں کثرت کی طرف رجوع کرنے کی تاکہ دعوۃ الی الحق والہدایۃ اور نظام فی مقام التفصیل بعد الجمع کے امر کی تکمیل کر سکیں۔

مدبّرات اولیاءِ کرام ہیں

نفوس شریفہ (اولیاء کرام) کے لیے بعید نہیں کہ ان سے اس عالم میں آثار کا ظہور ہو وہ ابدان سے مفارقت (وصال، وفات) کر گئے ہوں یا ابدان میں ہوں اس کی دلیل انسان کے خواب کی ہے کہ وہ خواب میں بہت سے بندگانِ خدا کی زیارت کرتا ہے تو وہ اسے اس کے مطلوب کی رہبری کرتے ہیں، بہت سے شاگرد خواب میں مسائل کا حل پُوچھتے ہیں تو وہ خواب میں ہی ان کے مسائل کا حل بتا دیتے ہیں۔

حکایت

حضرت زرارہ رضی اللہ عنہ سے بعد وصال خواب میں سوال ہُوا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا: طلبِ رضائے الٰہی اور آرزو کی کمی۔

حکایت ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ورقا بن بشر رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا، پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا؟ فرمایا: میں مشکل سے نجات پاگیا۔ میں نے پوچھا: آپ نے کون سا عمل افضل پایا؟ فرمایا: خشیتِ الٰہی سے رونا۔

حکایت ایک نوجوان لڑکی طاعون سے مرگئی اس کے والد نے اسے خواب میں دیکھ کر پوچھا: بیٹی! آخرت کا حال سنائیے۔ کہا: ابا جی! ہم ایک امرِ عظیم میں ہیں جانتے ہیں لیکن ہم عمل نہیں کرسکتے، تم عمل تو کرتے ہو لیکن جانتے نہیں ہو بخدا صرف ایک دو تسبیح (سبحان اللہ کہنا ایک یا دو بار) ایک رکعت یا دو رکعتیں میرے اعمال نامے میں دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہیں۔

اس طرح کی حکایات بے شمار ہیں۔

کرامت بعض ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کسی کی دیواریں سے ہی داخل ہو کر اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں یہ خرقِ عادت کے طور ہوتا ہے۔[1]

(تصرفاتِ اولیاءِ کرام ہمارے دور کے معتزلہ (وہابی نجدی، دیوبندی، مودودی) اولیاءِ کرام کے تصرفات کے نہ زندگی میں قائل ہیں نہ برزخی زندگی میں، اگرچہ زبان سے صرف کرامت حق کہہ دیتے ہیں، لیکن اگر کسی کامل ولی کا کوئی تصرف بیان کرو تو شرک کے فتوے سے رُکتے نہیں۔

صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ صدیوں پہلے یہی عقیدہ لکھ گئے[2] جو اس صدی میں ہمارا ہے، الحمد للہ علی ذالک۔ وہ لکھتے ہیں:

فاذا کان اللہ بید الروح و ھو — جب تدبیر روح کے ہاتھ میں ہے اور وہ

---

[1] ہمارے پیرو مرشد حضرت خواجہ محمد محکم الدین سیرانی اویسی حنفی رضی اللہ عنہ دہلی کی کسی مسجد میں دوگانہ پڑھ رہے تھے استاد و شاگرد مسئلہ معراج پر بحث کر رہے تھے شاگرد کو اشکال تھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بجسدِ عنصری کس طرح آسمانوں کو چیر کر عرش پر پہنچے حضرت خواجہ قدس سرہٗ نے نماز سے فراغت کے بعد شاگرد کا ہاتھ پکڑا اور مسجد کی دیوار پار کر کے واپس استاد کے سامنے کھڑا کر دیا، فرمایا، اس طرح تشریف لے گئے تھے۔ پھر واپس تشریف لائے۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "ذکرِ سیرانی" میں ہے۔ فقیر اسے عقلی دلیل سے عرض کرتا ہے کہ اولیاءِ کرام ریاضت و عبادت سے کثافت بشری سے ایسے لطیف ہو جاتے ہیں جیسے رُوح یا آنکھ کی بینائی۔ تو پھر لطیف اشیاء کو کثافتیں حائل نہیں ہوتیں جیسے عینک سے دیکھیں تو بینائی کو آنے جانے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔
اویسی غفرلہٗ

[2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

فی ھذا الموطن فکذا اذا انتقل منہ الی البرزخ بل ھو بعد مفارقتہا البدن اشد تاثیر و تدبیرا لان الجسد حجاب فی الجملۃ الا تری ان الشمس اشد احراقا اذا لم یحجبہا غمام او نحوہ۔ (روح البیان ج ا ص ۳۱۶)

اسی وطن دنیا میں ہے ایسے ہی جب دنیا سے رخصت ہو کر برزخ میں منتقل ہوتا ہے بلکہ وہ تو بدن سے جدائی کے بعد زیادہ تاثیر و تدبیر رکھتا ہے اس لیے کہ جسد حجاب ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ سورج جب بادل وغیرہ سے محجوب نہ ہو تو زیادہ گرم ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ (جس دن تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی) یہ منصوب ہے جواب مضمر سے وہ ہے لتبعثن (مرنے کے بعد زندہ اٹھائے جاؤ گے)۔

حل لغات الراجفۃ سے واقع ہونے والی مراد ہے کہ جس میں اجسام ساکنہ جیسے زمین و پہاڑ تھرتھرائیں گے یعنی سخت ترمتحرک ہوں گے اور بہت زیادہ تھرتھرائیں گے اس دن کے ہول سے، یہ ہے نفخۂ اولی فعل کا اسناد مجازاً جیسے فعل کا اسناد سبب کی طرف مجازاً ہوتا ہے اس لیے کہ نفخۂ اولی کا حدوث ہی اجرام ساکنہ کے تھرتھرانے کا سبب ہے۔ الرجفان سے ہے یعنی تھرتھرانا۔ اسی لیے زلزلہ کو رجفہ کہا جاتا ہے کہ اس میں سخت تھرتھرانا اور کثرت القلب ہے۔ اس میں تنبیہ ہے تغیر سفلی تغیر علوی پر مقدم ہے، اگرچہ یہ کوئی قطعی فیصلہ نہیں۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ (اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی) واقع ہوئی پہلی کے وقوع کے بعد، یعنی اس کے بعد آئے گی۔ یہ نفخۂ ثانیہ ہے کیونکہ پہلے کے بعد ہوگا۔

حل لغات کہا جاتا ہے ردفہ کسمعہ و نصرہ اس کے پیچھے لگا جیسے ارد فہ وارد فتہ معہ میں نے اسے اس کے ساتھ سوار کیا (قاموس) یہ حال مقدرہ ہے الراجفۃ سے، وقوع کی صحت ثابت کرنے والا ہے بعث کی طرف ہے یعنی تم پہلے نفخہ سے اٹھائے جاؤ گے درانحالیکہ نفخۂ ثانیہ اس کے پیچھے آنے والا ہے اس سے پہلے نہیں کیونکہ وہ اس ممتد زمانہ کے لیے ہے جس میں دونوں نفخے واقع ہوں گے ان کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا (کشاف)

اب معنیٰ ہوگا کہ تم اٹھائے جاؤ گے اس واسع وقت میں جس میں دونوں نفخے واقع ہوں گے اور وہ اس کے بعض وقت میں اٹھائے جائیں گے یعنی نفخۂ ثانیہ کے وقت۔

سوال: الارشاد میں ہے کہ اس کا امتداد کیسا جبکہ وہ تو نفخۂ ثانیہ کے وقت اٹھ کھڑے ہوں گے۔

جواب: اس کا امتداد محض اس کی تہویل (ہولناکی) کی وجہ سے ہے یعنی وہ دن بڑا ہولناک ہے

کہ اس میں ایسے دو عظیم حادثے واقع ہوں گے کہ پہلے کے وقوع سے کوئی زندہ باقی نہ رہے گا سب کے سب مرجائیں گے۔ دوسرے کے وقوع سے تمام مردے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

قُلُوْبٌ (کتنے دل) مبتدا ء ہے اس کی تنکیر وصف محض کے قائم مقام ہے خواہ اسے تنویع پر محمول کیا جائے اگرچہ اس کے بالمقابل کوئی نوع مذکور نہیں اس لیے کہ معنیٰ اس کی خانہ پُری کر دیتا ہے یا یہ تنکیر تکثیر پر محمول کی جائے جیسے شر اہر ذاناب میں اس لیے کہ تفخیم جیسے کیفیت میں ہوتی ہے کمیت میں بھی ہوتی ہے ، گویا کہا گیا بہت سے دل یا کتنے کار دل۔

تفسیر صوفیانہ جیسے تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قلوب ان نفوس کے جو متمردہ اور سرکش اور حق سے نفرت کرنے والے ہیں۔

تفسیر عالمانہ **یَوْمَئِذٍ** (اس دن) جب دونوں نفخے واقع ہوں گے وہ **وَّاجِفَةٌ** (دھڑکتے ہوں گے) کے متعلق ہے یعنی سخت اضطراب میں ہوں گے اپنے بُرے اعمال اور قبیح افعال کی وجہ سے اس لیے کہ وجیف سے قلب کا شدید اضطراب مراد ہے اور اس کی پریشانی خوف و خطر سے۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ تمام قلوب نہیں دھڑکیں گے بلکہ کفار کے قلوب، اس لیے کہ اہلِ ایمان تو بیخوف ہوں گے۔

اَبْصَارُهَا (ان کی آنکھیں) جیسا کہ یقولون دلالت کرتا ہے، ورنہ قلوب کی کوئی آنکھیں نہیں، ہاں قلوب کی طرف ابصار کا اسناد اس لئے ہے کہ قلوب ہی خوف کا محل ہے اور وہ ہے بھی انہی کی صفات سے۔ **خَاشِعَةٌ** (ذلیل ہوں گی خوف سے) کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے رُوگردانی کرتے اور ماسوی اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے اس انتظار میں ہوں گے کہ نہ معلوم اب ان پر کیا مصیبتیں نازل ہوں گی خشوع کا اسناد ابصار کی طرف مجازاً ہے اس لیے کہ خشوع کا ظہور آنکھوں سے ہی ہوتا ہے **يَقُوْلُوْنَ** (کہتے ہیں) جملہ مستانفہ بیانیہ ہے یعنی کفار کہتے ہیں اب یعنی وہ جو بعث (مرنے کے بعد جی اُٹھنے) کے منکر اور اس پر آیات ناطقہ کی تکذیب کرتے تھے جب انھیں کہا جاتا کہ بے شک مرنے کے بعد تم جی اُٹھو گے، تو انکار و تعجب کرکے کہتے **ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ** (کیا ہم پھر اُلٹے پاؤں پلٹیں گے) مرنے کے بعد۔ پہلی حالت میں اس سے مرنے کے بعد زندہ ہونا مراد لیتے۔

حلِ لغات حافرۃ ان کے قول سے ہے رجع فلان فی حافرتہ (فلاں لوٹا اپنے اس طریقہ پر جس میں وہ آیا) فحفرها یعنی جس راستہ سے آیا اسی پر واپس گیا۔

سوال: اسے حافرۃ کیوں کہا گیا حالانکہ وُہ تو مذکورہ معنی پر محفورہ ہے حافر تو وہ ہے جو اس راستہ پر چل رہا ہے۔

جواب: یہ مجاز ہے عیشۃ راضیۃ کے قبیل سے ہے یعنی حافرۃ بمعنی منسوب الی الحفر، جیسے عیشۃ۔ وہ بھی منسوب الی الرضا۔ یا قابل کو فاعل سے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس کا دونوں سے تعلق ہے، تو مشابہت کی وجہ سے ثانی کا اوّل پر اطلاق کیا گیا ہے، جیسے کہتے ہیں؛ صام نہارہ۔ زمان فعل کو فاعل سے تشبیہ کی وجہ سے، اور مجاہد اور خلیل بن احمد نے فرمایا؛ حافرہ وہ زمین کہ جس میں قبور کھودی جاتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے؛

زمین ہمارے اجسام کا گڑھا اور ہمارے سینوں کی قبر ہے۔

تفسیر عالمانہ

ءَاِذَا (کیا جب) اس کا عامل مضمر ہے جس پر مردودون دلالت کرتا ہے یعنی کیا جب کُنَّا (ہو جائیں گے) عِظَامًا نَّخِرَۃً (گلی ہڈیاں) پھر لوٹائے اور اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو زندہ ہونے کے لیے بہت دُور کی بات ہے یہ ان کا رد (مرنے کے بعد جی اٹھنے کا) اور اس کی نفی کی تاکید ہے یعنی انہیں انکار تھا کہ مرنے کے بعد اٹھنا ایک ایسی حالت ہے جو بدن کی توڑ پھوڑ کے بعد صحیح ہو کر پھر زندہ ہو جانا ناممکن سا ہے ان کا گمان تھا کہ یہ توڑ پھوڑ جسمانی حقیقۃً انسان کے مٹنے کا نام ہے (جیسے وہابیہ نجدیہ اور ان کی ایک شاخ (غلام خانی دیوبندی فرقہ) کا خیال ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، اگر ہم ان کی بات تسلیم کریں کہ انسان صرف اسی ہیکل مخصوص (ظاہری جسم) کا نام ہے تو بھی ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ معدوم کا اعادہ ممتنع ہو، اس لیے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جملہ ممکنات پر قادر ہے وہ جمیع اجزائے عنصریہ اور حیات کے اس کی طرف اعادے پر قادر ہے کیونکہ تمام اجزاء اس کے علم میں متمیز ہیں اگرچہ مخلوق کے علم میں غیر متمیز ہے جیسے پانی اور دودھ آپس میں مل جائیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ دودھ کہاں اور پانی کہاں، لیکن مخلوق کی عقل اس کے ادراک سے عاجز ہے)[1]

حل لغات

النخر بمعنی ہڈیوں کا گل جانا اور خشب بمعنی لکڑیوں کا گل جانا۔ عِظم (بکسر العین) بمعنی ہڈیاں۔ یعنی بلی داستخواں (ہڈیوں اور لکڑیوں کا ایسی حالت میں ہو جانا کہ اگر انہیں ہاتھ وغیرہ لگ جائے تو ریزہ ریزہ ہو کر علیحدہ علیحدہ ہو جائیں) نخرۃ ناخرۃ سے ابلغ ہے کیونکہ وہ مبالغہ یا صفت مشبہ ہے جو ثبوت (دوام) پر دال ہے اسی لیے اکثر نے اسی کو اختیار کیا لیکن ناخرہ رؤس قریات

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

کے لحاظ سے اشبہ ہے۔ اسی لئے بعض نے اسی کو اختیار کیا۔ بعض نے کہا کہ نخرۃ، ناخرۃ کا غیر ہے اس لیے کہ نخرۃ گلی ہڈیاں اور ناخرۃ وہ ہڈیاں جو فارغ اور کھوکھلی ہوں جن سے ہوا کے جھونکوں سے آواز سنائی دے، یہ نخیر، النائم والمجنون سے ہے (نیند والے اور مجنون کے خراٹے) نہ کہ النخر بمعنی البلی سے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ النخر ناک کی آواز اور ناک کے جس سوراخ سے آواز نکلے اسے منخران کہا جاتا ہے یعنی ناک کے دو سوراخ۔

قَالُوْا (بولے) ماضی کا صیغہ اس لیے ہے کہ ان کے اس کفر کا صدور بطریق استمرار نہیں سابق کفر کی طرح کہ جسے مضارع سے تعبیر کیا گیا (کہ اس میں استمرار تھا) یعنی استہزاء کے طور پر بولے تِلْكَ (لوٹنا) اور اُلٹے پاؤں پلٹنا۔ اس میں تنبیہ ہے کہ ان کے اعتقاد سے اس کا وقوع نہایت بعید تھا اِذًا (اس وقت) اور اس تقریر پر كَرَّةٌ (لوٹنا) رجوع الکرۃ بمعنی رجوع کیا ایک بار، اس کی جمع کرات ہے ـــــ خَاسِرَةٌ (گھاٹے کا سودا ہے) صاحب خسارہ ہے اسم فاعل کی نسبت کر ارادہ پر یا وہ لوگ خسارہ والے ہیں بطریق اسناد مجازی کے، یعنی فعل کا اسناد اس طرف جو اسے وجود میں مقارن ہے جیسے تجارۃ رابحۃ (نفع کی تجارت والے) الربح تجار کا نفع کا فعل تجارۃ بمعنی عقد المبادلہ، نفع اور تجارت وجود میں متقارن ہیں ورنہ وہ تو خسارہ والے تھے ہی۔ الکرۃ اس میں لوٹنا خسارہ ہی خسارہ ہے یعنی اگر لوٹنا ہوا تو ہم اس وقت گھاٹے میں ہوں گے کیونکہ ہم تو اس کی تکذیب کرتے ہیں اس معنی کا فائدہ اذا سے حاصل ہوا اس لیے کہ یہ صرف جواب وجزا کا ہے عند الجمہور۔ اور اسے استہزاء پر اس لیے محمول کیا گیا ہے کہ انہوں نے قطعی طور پر اس کی نفی کی اور مشکوک محتمل الوقوع کی صورت میں اسے محال سمجھا۔ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ (تو وہ نہیں مگر ایک جھڑکی) یہ ان کے انکار کی گفتگو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب اور مقدر کی تعلیل ہے، یعنی اے کافرو! پلٹنا مشکل امر نہ سمجھو اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے معمولی امر ہے کیونکہ یہ تو محض ایک آواز ہے یعنی وہ ایک آواز سے حاصل ہو جائے گی اس میں دوبارہ آواز کی ضرورت ہی نہیں ہوگی جسے وہ سنیں گے حالانکہ وہ ابھی زمین کے پیٹ (قبور) میں ہوں گے۔ اس سے نفخہ ثانیہ مراد ہے لوگوں کے صور میں ایک ہی پھونکا ہوگا تاکہ ان کا قافلہ اٹھ کھڑا ہو۔ کرہ کو زجرہ سے تعبیر کرنے میں تنبیہ ہے کہ وہ دونوں ایسے متصل ہیں گویا ایک دوسرے کے عین ہیں۔ کہا جاتا ہے زجر البعید (اس کے اونٹ کو جھڑکا) یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس پر زیادہ زجر کریں فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (جبھی وہ کھلے میدان میں آ پڑے ہوں گے) تمام مخلوق کا میدان میں آ پڑنا اچانک ہوگا اس میں پلٹنے کے فوراً بعد میدانِ حشر میں حاضری کا بیان ہے یعنی وہ پلٹنا جسے زجرہ سے تعبیر کیا گیا ہے اذا مفاجاتیہ ہے

فائدہ دیتا ہے کہ جس کا انہیں انکار تھا وُہ اچانک اور نہایت تیزی سے ہوگا۔

حلِ لغات الساهرة چٹیل اور ہموار زمین، اسے ساہرہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ سُراب (چمکتا ریت) کا اجرا ایسے میدان پر ہوتا ہے، اہلِ عرب کہتے ہیں: عین ساہرہ (چشمہ جاری پانی والا) اس کی نقیض نائمہ (چشمہ پانی نہ بہنے والا) ہے بیاض الارض (زمین کی سفیدی) اس کو پانی اور گھاس سے خالی ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے جریان السراب (چمکتے ریت کا بہنا) سے تشبیہ دے کر ریت کے بہنے کو پانی کے بہنے سے تشبیہ دی ہے، اسی لیے اسے ساہرہ کہا گیا' یا اس لیے کہ اس پر چلنے والا ہلاکت کے خوف سے اس میں نہیں سوتا، اسی وجہ سے تشبیہ ہے: سهر ہچوں فرح (وُہ رات کو نہیں سویا) یا اس سے جہنم مراد ہے کہ اس میں جہنمی نہیں سوتے۔ یا یہ کہ اس کا سین صاد کا مقلوب ہے صَهَرَتْهُ الشمس (اسے سورج نے جلایا) سے ہے۔ اور امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی اصل حقیقت وہ زمین ہے جو بار بار روندی جائے، تو گویا وہ اس روندنے سے ویران و بیکار رہے۔

ساهرة کی تفاسیر (۱) حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: الساهرة وہ چاندی کی زمین جس سے کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو، لہٰذا اسے اللہ تعالیٰ نے اسی وقت پیدا کرنا ہے۔

(۲) حضرت ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: شام کی زمین ساہرہ ہے۔

(۳) حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: بیت المقدس کا پہاڑ ساہرہ ہے۔

(۴) بعض نے کہا کہ ساہرہ ایک زمین کا نام ہے جو بیت المقدس کے نزدیک جبلِ اریحا کے نواح میں ہے وہاں حشر بپا ہوگا اس وقت اسے اللہ تعالیٰ فراخ فرما دے گا جتنی ضرورت ہو گی۔

حدیث شریف میں ہے:

بیت المقدس ارض المحشر والنشر ہے۔

ف: حضرت مولانا خفاری تفسیر الفاتحہ میں لکھتے ہیں کہ لوگ جب قبور سے اٹھیں گے اور اللہ تعالےٰ ارادہ فرمائے گا کہ اس زمین کو بدل دے جو اس کی غیر ہو تو زمین اللہ تعالیٰ کے اذن سے دراز ہو جائیگی اور محشر اسی پر ہوگا تو مخلوق اسی پر جمع ہو گی جسے اللہ تعالیٰ نے تبدیل کر دیا ہوگا جیسے وُہ چاہے گا یا اس کی صورت بدل دے گا، یا اس کے سوا کوئی اور ہو گی۔ اسی کو ساہرہ کہا گیا ہے۔ اسے اللہ ایسے دراز فرمائیگا جیسے کو دراز کیا جاتا ہے اور وہ وسیع ہوتی جائے گی۔ اس کے اکیس اجزاء کو اکانوے اجزاء تک بڑھا دیا جائیگا یہاں تک کہ نہ اس میں ٹیڑھاپن ہوگا اور نہ اونچ نیچ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فَاِذَا ھُمْ بِالسَّاھِرَۃِ یعنی ارض الحیاۃ ظاہر ہوگی جیسے وہ اس سے پہلے ممات کی زمین کے پیٹ میں تھے۔

تفسیر عالمانہ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى (کیا تمہیں موسیٰ (علیہ السلام) کی خبر نہیں آئی) یہ جملہ مستانفہ ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی ہے آپ کی قوم کی تکذیب سے کہ انھیں بھی تکالیف پہنچتی رہیں حالانکہ وہ آپ کی قوم سے زیادہ قوی اور بڑے عظیم القدر (دنیوی) تھے یعنی فرعون وغیرہ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارے پاس آیا وہ جو اس سے عبرت حاصل کی جائے یا وہ جو ان کی بات آپ کے پاس آئی ہے اس میں ترغیب ہے اس کے سننے کی اور اس کی طلب میں برانگیختہ کرتا ہے گویا کہا گیا: کیا تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام کی بات آئی ہے جو آپ سے پہلے گزرے ہیں یا میں آپ کو اس کی خبر دوں، جیسے حضرت حسن (بصری) رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موسیٰ علیہ السلام کی خبر دینا ہے یہ ایسے ہے جیسے کوئی اپنے دوست کو کہتا ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ شہر والوں پر کیا گزری حالانکہ اسے معلوم ہے کہ اسے اس شہر کے حالات سے بے خبری ہے اور اللہ تعالیٰ نے (بلا تمثیل ایسے فرمایا تاکہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دے، اگر یہ تقریر ہو کہ آپ کو اس کی پہلے خبر ہے جیسا کہ قصہ کے ایجاز (اختصار) سے بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے تو یہ استفہام تقریری ہے کہ اسے اقرار پر محمول کیا جائے کہ اسے آپ اس سے قبل جانتے ہیں۔

تو اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا ایسے نہیں کہ تمہیں موسیٰ علیہ السلام کے حالات معلوم ہیں تو پھر آپ اپنے دل کو تسلی دیجئے قوم کی تکذیب سے، اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وعدہ وعید کے حالات سنا کر انہیں تسلی دیجئے جیسے وہ صبر کرتے تھے تم بھی صبر کر دیکھو پھر جیسے وہ فرعون اور اس کی قوم پر غالب ہوئے تم بھی اہل مکہ پر غلبہ پاؤ گے۔

خلاصہ یہ کہ تمہیں ابھی موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کی خبر پہنچے گی گویا اس سے قبل آپ موسیٰ علیہ السلام کی خبر نہ رکھتے تھے اور نہ ہی (تفصیلی حالات) آپ کے پاس پہنچے تھے ورنہ آپ کفار کے انکار بر بعث اور ان کے استہزاء سے محزون نہ ہوتے بلکہ اس سے تسلی پاتے۔ اس تقریر پر ھل بمعنی قد کے ہے جو حکم کو حال کے قریب کرتا ہے اور اس سے پہلے ہمزہ استفہامیہ محذوف ہے اور یہ تقریر کے لیے ہے اور زائد اس لیے کہا گیا تاکہ تسلی ہو کیونکہ یہی اس معنی پر زیادہ ظاہر ہے نہ اس لیے کہ یہ نظم (عبارت) میں مقدر ہے۔

اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ (جب اس کے رب نے اسے ندا دی) حدیث کی ظرف ہے۔

حلِ لغات النادات والنداء (پکارنا) القاموس میں ہے النداء بمعنی الصوت (آواز) اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا تمہارے ہاں موسیٰ علیہ السلام کی خبر آئی جس وقت انھیں اس کے رب نے ندا دی کیونکہ اس سے اس کی خبر حادث مراد ہے تو ضروری ہے کہ اس کا ایک زمانہ ہو جس میں وہ حادث ہو یہ اتیان کی ظرف نہیں کیونکہ اتیان اور ندار کا وقت علیحدہ علیحدہ ہے اس لیے اتیان ندا، کے وقت نہیں ہوا تھا یا یہ اذکر مقدر کا مفعول ہے اسی لیے موسیٰ پر سجاوندی علیہ الرحمۃ نے علامتِ وقف لازم فرمائی ہے۔ اور فرمایا اگر وصل ہو تو اذ اتیان الحدیث کی ظرف ہو گی اور وہ محال ہے شاید وہ حدیث (لفظ) کے عامل ہونے کی طرف متوجہ نہ ہو سکے یا اس لیے کہ حدیث (لفظ) بمعنی خبر (اسم) ہے لیکن اس سے زیادہ قوی عامل پہلے موجود ہے بہرحال ابہام سے خالی نہیں بہرحال مُوسیٰ[1] پر وقف کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ (لبعض التفاسیر)

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ (پاک جنگل میں) مبارک مطہر جس کی اللہ تعالیٰ نے تطہیر فرمائی اس سے جو اس کے لائق نہیں گفتگو کرنے کے وقت، یا اس لیے مقدس کہا کہ ارض مقدسہ مطہرہ از شرک وغیرہ کے حدود میں ہے دراصل وادی اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس پر پانی بہتا ہو، اسی لیے دو جبلوں کے درمیانی راستہ کو وادی کہا جاتا ہے، اس کی جگہ اودیہ ہے استعارۃً طریقہ کو کہا جاتا ہے یعنی مذہب و اسلوب کے لیے، مثلاً کہتے ہیں،

فلان فی واد غیر وادیك ۔ فلاں تیرے مذہب کے خلاف دوسرے مذہب و اسلوب پر ہے۔

طُوًى (طویٰ میں) بضم الطاء والتنوین مکان سے تاویل کر یا بغیر تنوین کے بقعۃ (مطلق جگہ) کی تاویل سے فرّا نے کہا: میرے نزدیک اس کا منصرف ہونا احب ہے کیونکہ مجھے معدول (طویٰ) کی کوئی نظیر نہیں ملی، یعنی اس طویٰ (وادی) میں کوئی اسم نہیں ملا کہ جو اس سے یہ عدول کر کے آیا ہو، وہ ایک وادی ہے جو مدینہ طیبہ اور مصر کے درمیان میں واقع ہے۔ اس معنی پر وادٍ کا عطف بیان ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ طویٰ مجرد عالم ارواح ہے اس لیے کہ وہ مواد (کثرت) کے تعلق سے مقدس ہے اس کا طویٰ نام اس لیے ہے کہ اس نے تمام موجودات اجسام و نفوس کو لپیٹ کر اپنے تحت رکھا ہُوا تھا اور وہ سب اس کے قبضہ و قہر میں تھے

---

[1] آیت کے اختتام پر ہے مُوسیٰ ۵ اویسی غفرلہٗ

دراصل یہ عالم الصفات ہے اور مقام مکالمہ ہے صفات کی تجلیات کا، اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ نے اس وادی میں ندا دی اس عالم کی نہایت وُہ افق اعلیٰ ہے جہاں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھا تھا۔

تفسیر عالمانہ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ (فرعون کے پاس جاؤ) یہاں قول محذوف ہے یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ فرعون کے پاس جاؤ اِنَّهٗ طَغٰى (اس نے سر اٹھایا) امر کی تعلیل یا اس لیے کہ اس کی تعمیل ضروری ہے۔

حلِ لغات طغیٰ، الطغیان سے ہے بمعنی حد سے متجاوز ہونا یعنی اس نے اپنے خالق کے آگے سر اٹھایا یعنی کفر کیا اور مخلوق پر سر اٹھایا کہ ان پر تکبر کیا اور انھیں عبد بنایا تو جیسے عبودیت میں کمال صدق مع الحق اور حسن الخلق مع الخلق کے بغیر نہیں ہو سکتا، ایسے ہی طغیان میں کمال یہی ہے کہ خالق و مخلوق دونوں سے بُرا معاملہ ہو۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وُہ اپنی انانیت سے ظاہر ہُوا اس لیے کہ فرعون نفس قوی رکھتا تھا حکیم (دانشور) اور وادیٔ افعال میں چلنا خوب جانتا تھا اس نے صفات کے تمام جنگلات طے کر لیے تھے اور اپنی انانیت کی وجہ سے محجوب ہو گیا اور صفاتِ ربوبیت سے منسوب تھا لیکن اس نے انہیں اپنی طرف منسوب کر لیا، اپنی فرعونیت اور جبروتیت اور طغیان کی وجہ سے ان لوگوں سے ہو گیا جن کے متعلق حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

شریر ترین وہ لوگ ہیں جن پہ جیتے جی قیامت قائم ہو جائے وہ جو توحید الصفات کے بجائے نفس میں نفس اور اس کی خواہشات کو قائم کر دے اور جملہ حجابات میں سے یہی بڑھ کر حجاب ہے۔

تفسیر عالمانہ فَقُلْ هَلْ لَّكَ (اس سے کہہ کیا تجھے رغبت و توجہ ہے) اِلٰٓى (اس طرف) اَنْ تَزَكّٰى (کہ تُو ستھرا ہو) ایک تا حذف کر کے کہ دراصل تتزکّٰی تھا بمعنی تتطهر یا پاک ہو کفر و طغیان کی غبار اور کدورت بشریہ و قاذورات (گندگیاں) طبعیۃ کی میل کچیل سے۔ لك مبتدا، محذوف کی خبر ہے الی ان اسی کے مبتدا مضمر کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا هل لك، ادعوك سے مجاز ہے (میں تجھے جذبہ دلاتا اور دعوت دیتا ہوں) اس کا قرینہ یہی قرب و مجاورت والا مضمون ہے وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ (اور میں تجھے رب تعالیٰ کی طرف راہ بتاؤں) اور معرفۃ کا راستہ بتاؤں تو تو اس کا عرفان حاصل کرے، اس میں اشارہ ہے کہ عبارت میں مضاف مضمر ہے تزکیہ کی تقدیم تقدیم التخلیہ علی التحلیہ کے قبیل سے ہے (پہلے صفائی پھر سنگار) فَتَخْشٰى (کہ تُو ڈرے)

کیونکہ خشیت معرفت کے بعد حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ بیشک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندے علماء ڈرتے ہیں۔

علم و لاعلمی بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں فرمایا لن افعل (فرعون ماننے والا نہیں) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی جب وہ نہیں مانے گا تو میرا اس کے پاس جانے کا کیا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ تم جاؤ ضرور، جیسا کہ تمہیں حکم ہے (اس کی حکمت میں جانتا ہوں) آسمان میں بارہ ہزار ملائکہ علم القدر کے طالب ہیں لیکن اسے حاصل نہیں کر سکے۔

نکتہ: ہدایت کی غایت خشیت اس لیے ہے کہ خشیت جملہ امور کی اصل ہے، اسی سے ہر خیر آتی ہے۔ جو بے خوف ہے وہی برائی پر جرأت کرتا ہے۔

حدیث شریف: جو خائف ہوتا ہے وہ اوّل شب کو چل پڑتا ہے تو وہ منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے: ادلج القوم (قوم اول رات کو چلی) جب آخر شب کو چلیں تو کہا جاتا ہے ادلجوا (بالتشدید)۔

ف: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا کہ فرعون کے ساتھ استفہام کے لہجہ میں بات کریں کیونکہ اس طرح سے اس پر تلطف فی القول (نرم لہجہ میں گفتگو) اور خاطر و مدارات اثر کرے گا، اس کی سرکشی کی بنا پر یہی اس کا تقاضا ہے یہ اجمال ہے اس کی تفصیل دوسرے مقام پر فرمائی: فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی (اس سے نرم لہجہ سے گفتگو کرو ممکن ہے وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈرے) یا اس لیے کہ یہ موقعہ صرف دعوتِ توحید پیش کرنے کا تھا نہ کہ امر صریح کا، نیز اس میں تزکی کے متعلقات جیسے شرک، جہل، کفران کا ذکر بھی نہیں۔ ہاں بعض تفصیل پر مضمون کے اشتمال کی وجہ ظاہر ہے۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى (پھر اسے موسیٰ علیہ السلام نے بہت بڑی نشانی دکھائی) فاء فصیحیہ ہے خبر دیتی ہے ان جملوں کی جو دوسری صورتوں میں مفصل مذکور ہیں جس میں تفصیل بتائی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئیں یہاں تک کہ فرعون نے کہہ ڈالا لائیے جو تم لائے ہو یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو امرِ الٰہی سنایا اور توحید و طاعت کی دعوت دی تو فرعون نے آپ سے معجزہ طلب کیا جو آپ کی دعوت کے صدق پر دلالت کرے۔

حلِ لغات اراءۃ تبصیر و تعریف سے ہے اس لیے کہ اس لعین (فرعون) نے جب معجزہ دیکھا اور اسے پہچانا تو کہا یہ تو سحر (جادو) ہے۔

ف: دکھانے کی بات موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہے، ان کی جرأت کا اظہار ہے اور ان کی طرف منسوب کرنا بوجہ ظاہر کے ہے جیسے اس کی نسبت اپنی طرف نونِ عظمت سے ہے۔ چنانچہ فرمایا:

ولقد اریناہ اٰیاتنا (بے شک ہم نے اسے اپنی آیات دکھائیں) تو مبنی برحقیقت ہے۔

ف : آیۃ کبریٰ سے ڈنڈے کا سانپ مراد ہے اور آیۂ صغریٰ سے اس کے سوا دیگر معجزے مراد ہیں۔ وہ اس لیے کہ ڈنڈے کا سانپ بن جانا تمام معجزات سے پہلے دکھایا گیا، اسی لیے لائق ہے کہ اس سے یہی مراد ہے جیسا کہ فاء تعقیب کا تقاضا ہے۔

فَكَذَّبَ (اس پر اس نے جھٹلایا) فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اور آپ کے معجزے کو جادو کہا معجزے کو دیکھ کر بلا سوچے سمجھے، اور عقل و ناصح اور قلب کی شہادت لیے بغیر کہہ دیا محض تکبّر و تمرد کی بناء پر۔

وَعَصٰى (اور نافرمانی کی) اللہ تعالیٰ کی سرکشی سے بعد معلوم کرنے صحت امر و وجوب طاعت سخت اور قبیح ترین نافرمانی کہ سرے سے رب العالمین کے وجود کے انکار پر جرأت کی۔ عطف سے معلوم ہوا کہ ارارۃ الکبریٰ پر وہ تکذیب مترتب ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ یعنی تکذیب لسانی باوجودیکہ اسے حق کا جزم (یقین) حاصل ہوا۔ وہ یہ کہ اسے یقین تھا کہ جس کی تصدیق واجب ہو اس کی تصدیق نہ کرنا تکذیب ہے اور یہی نافرمانی ہے ورنہ جس کی تصدیق واجب نہیں اس کی تکذیب نافرمانی نہیں۔

ف : یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ معنیٰ ہو کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی اس امر میں جس کا وہ مامور تھا لیکن اس کی مذمت اور تقبیح حال میں، پہلا معنیٰ زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ وہ ملعون اور اس کی قوم اس کے مامور تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور وہ (فرعون) ربوبیت کا دعویٰ ترک کر دے نہ کہ صرف بنی اسرائیل کو قید و بند اور ان کو صعوبتوں کا چھوڑ دینا۔

تفسیر صوفیانہ

بعض اہلِ معرفت نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو صرف آیۃ دکھائی۔ اگر آپ اسے انوار الصفات فی الآیات دکھاتے تو نہ وہ (فرعون) کفر کرتا اور نہ ربوبیت کا دعویٰ کرتا کیونکہ وہ مقامِ محبت و عشق و اذعان ہے اس لیے کہ رؤیۃ الصفات تواضع کی مقتضی ہیں اور رؤیۃ الذات جنگ کی لیکن چونکہ اس کے ساتھ نور صفۃ کے شہود کا نصیب نہ تھا اسی لیے وہ ان کے رؤیۃ کے وقت حظ محبت نہ پا سکا۔ اسی لیے اس سے انقیاد (فرمانبرداری) و اذغان (یقین) نہ ہوسکا اسی لیے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فکذّب وعصیٰ۔

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ اَدْبَرَ (پھر پیٹھ دی) روگردانی کی طاعت سے۔ کلمہ ثمّ اس معنیٰ کا مقتضی ہے کیونکہ اس کا معنیٰ تراخی زمانی کے لیے ہے اور اس کی ابطال الامر میں سعی مہلت کی مقتضی ہے یا اس سے اس کا مجلس سے انصراف (پھرنا) مراد ہے۔

حلِ لغات : امام راغب نے فرمایا ادبر بمعنی اعرض (روگردانی کی) وولّی دبرہ (اور اس

نے پیٹھ پھیری) ہے۔

یَسْعٰی (اپنی کوشش میں لگا) سرکشی و عناد سے نہ کہ اعتقاد سے، معارضۂ آیت میں کوشش کرنے لگا کہ ممکن ہے اس کا معارضہ ہو جائے۔ یہ باطل سے طفل تسلی ہے مجلس سے دفع وقتی کے طور۔ یہ ادبر کے فاعل سے حال ہے بمعنی مسرعا مجتہدا (جلدی سے کوشش میں لگ گیا)

ف : کشاف میں ہے کہ جب فرعون نے اژدہا کو دیکھا تو مرعوب ہو کر جلدی سے بھاگا اور تیز تیز قدم اٹھانے لگا حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فرعون طیش بھرا آدمی تھا۔

فَحَشَرَ (تو لوگوں (جادوگروں) کو جمع کیا) جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

فارسل فرعون فی المدائن حاشرین۔ فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو بھیجا۔

اور فرمایا:

فتولیٰ فرعون فجمع کیدہ۔ تو فرعون نے پیٹھ پھیر کر اپنے مکر کو جمع کیا۔

یعنی وہ جو جس سے تدبیر مکر کی جاسکے یعنی جادوگروں کو اور ان کے آلات کو، اور یہ بھی جائز ہے کہ اس نے تمام لوگوں کو جمع کیا۔

فَنَادٰی (پھر پکارا) خود اسی جگہ پر جہاں اس کے ساتھ جمع ہوئے، یا منادی کے ذریعے پکارا **فَقَالَ** (پھر کہا) اپنی حکومت و سلطنت کے بل بوتے پر بولا **اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی** (میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں) کہ میرے اوپر اور کوئی رب نہیں یعنی میں ان سب سے اونچا ہوں جو امور سلطنت کے والی ہیں اور اعلیٰ افعل التفضیل کا صیغہ بہ نسبت ان کے ہے جو اس کے ماتحت امراء و ملوک تھے۔

ف : حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ اصنام جو میری صورت پر ہیں وہ تمام خدا (رب) ہیں لیکن میں سب سے برتر ہوں۔

نکتہ : اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

انک انت الاعلیٰ (بے شک تو ہی (اے موسیٰ) اعلیٰ ہے)

کیونکہ تیرا فرعون کے جادوگروں پر غلبہ ہے تو گویا فرعون پر غلبہ ہے۔

ف : فرعون کا اس دعویٰ سے یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں اور انگوریوں کا خالق ہے کیونکہ اس کے فساد میں بدیہی امر ہے، اور جو اس میں شک کرے کہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ نہیں تو وہ مجنون (پاگل) ہے۔ اگر فرعون پاگل ہوتا تو اس کی طرف رسول (علیہ السلام) نہ بھیجا جاتا بلکہ وہ ایک دہریہ (کمیونسٹ) صانع و حشر و نشر کا منکر تھا۔

فرعون کا دعویٰ

فرعون اپنی قوم سے کہتا تھا کہ عالم کا کوئی معبود نہیں کہ جس کا تم پر امر و نہی ہو یا وہ تمہارے پاس رسول بھیجے بلکہ تمہارا مربی و محسن صرف اور صرف میں ہوں میرے سوا اور کوئی نہیں۔

ف: بعض نے کہا کہ جب فرعون نے دیکھا کہ ڈنڈا سانپ بن گیا ہے اور یہ اعلیٰ معجزہ ہے، اس سے اسے اپنے عجز و ذلت کا یقین ہو گیا تو اسے لائق نہ تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کرتا۔ ہاں اس وقت اس کا حال پاگلوں جیسا ہو گیا تھا، اسے خود خبر نہ رہی کہ وہ کیا بک رہا ہے۔

ابلیس کا دعویٰ

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لطائف (کتاب) میں ہے کہ جب ابلیس نے فرعون کا دعویٰ سنا تو کہا: مجھے ایسے دعویٰ کی طاقت نہیں، میں نے تو آدم (علیہ السلام) کو دیکھ کر صرف انا خیر منہ (میں اس سے بہتر ہوں) کہا تھا تو اتنی بڑی مصیبت میں گرفتار ہوں اور فرعون نے اتنا بڑا دعویٰ (انا ربکم الاعلیٰ) کیا ہے تو نہ معلوم اس پر کیا گزرے گی۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا کہ مخلوق (جملہ خلائق) میں اتنا بڑا دعویٰ کسی نے نہیں کیا جیسے انسان (فرعون وغیرہ) نے ربوبیت کا دعویٰ کیا (انا ربکم الاعلیٰ کہہ دیا) ابلیس جیسے بڑے خبیث نے بھی اس سے بیزاری ظاہر کی اور کہا میں ایسے دعوے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کیونکہ میں اس مرتبہ کا ہرگز نہیں۔ میرا ایک ہی گناہ کافی ہے۔

ف: شیطان صرف جلال ہے اور ملک (فرشتہ) جمال محض ہے۔ لیکن انسان دونوں ہاتھوں (جلال و جمال) سے پیدا شدہ ہے۔

فرعون و منصور رحمہ اللہ کا فرق

حضرت شیخ رکن الدین علاءُ الدولہ سمنانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ایک دفعہ میرا خیال ہوا کہ میں حضرت حسین منصور حلاج کی زیارت کروں، مراقبہ کیا تو ان کی روح کو علیین کے عالی مقام میں پایا، میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی:

یا الٰہ العالمین! یہ کیا قصہ ہے کہ فرعون انا ربکم الاعلیٰ کہے اور منصور انا الحق کہے، دعویٰ دونوں کا ایک ہے، لیکن حسین (منصور) کی روح علیین میں اور فرعون کی روح سجین میں، ایسا کیوں ہے؟ جواب ملا کہ فرعون خود بینی سے مارا گیا، دیکھا تو خود کو دیکھا اور مجھے اس نے بھلا دیا اور حسین (منصور) نے فقط مجھے دیکھا اور خود کو بھلا دیا۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ؎

۱ گفت فرعونے انا الحق گشت پست

گفت منصورے انا الحق و برست

۲ آں انا را لعنت اللہ در عقب
و ایں انا را رحمت اللہ اے محب

۳ زانکہ او سیسہ سنگ بود اے عقیق
آں عدوے نور بود و ایں عشیق

۴ ایں انا ھُو بود در سرائے فضول
نہ از رائے اتحاد و از حلول

ترجمہ: (۱) فرعون نے انا الحق کہا تو ذلیل ہوا، منصور نے انا الحق کہا تو نجات پائی۔
(۲) فرعون کی انا سے لعنت اس کے گلے کا ہار بنی، منصور کو انا سے رحمتِ الٰہی نصیب ہوئی۔
(۳) اس لیے کہ فرعون پتھر تھا اور منصور عقیق، فرعون نور کا دشمن تھا منصور عاشق تھا۔
(۴) منصور کا انا ھو تھا سرائے فضول (دُنیا) میں اتحاد و حلول سے نہ تھا۔

سوال: کیا وجہ ہے کہ ابلیس نے ربوبیت کا بھی دعوٰی نہ کیا لیکن طوقِ لعنت پہنا، فرعون نے ربوبیت کے دعوٰی کے باوجود اسے ملعون نہیں کہا گیا (اگرچہ ملعون ہے) یعنی ابلیس کی طرح مخصوص اور معیّن کر کے لعنتی نہیں کہا گیا۔

جواب: (۱) ابلیس کی نیت فرعون کی نیت سے بدتر تھی۔
(۲) بعض نے کہا قولاً و فعلاً و قصداً سب سے پہلے مخالفت کی بنیاد ابلیس نے رکھی باقی مخلوق اس مخالفت میں اس کی تابع ہے۔ اور فرعون کا دعوٰی ربوبیت کا تھا۔ جو بھی بغاوت کرتا ہے ان سب کے دل میں وسوسہ ڈالنے والا ابلیس ہے اور مخالفتِ ربّانی میں ان سب کا پیشرو اور مقتدا ہے۔
(۳) ابلیس خود براہِ راست اللہ تعالیٰ کا بالمقابل ہوا اور دوسرے لوگ انبیاء کے بالمقابل ہو کر بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اُترے۔
(۴) یہ لوگ کبھی اپنی غلطی پر زاری اور کبھی اپنے گناہوں کا مخلوق کے ہاں اعتراف کر لیتے ہیں بخلاف ابلیس کے کہ وہ اتنا ڈھیٹ ہے کہ اس نے کبھی اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کیا، نہ کبھی اس نے عجز و نیاز اور زاری و انکساری کی۔
(۵) یہی کفر کی بنیاد رکھنے والا ہے تو اس کے بعد والوں کے گناہ بھی اس کے سر ہو رہے ہیں۔ تا قیامت جتنا فسق و فجور ہوگا، پہلے اس کے کھاتے میں لکھا جائے گا۔
(۶) ابلیس بلا واسطہ ذاتی طور پر مظہرِ ضلالۃ و غوایۃ (گمراہی) ہے۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى تو اللہ تعالیٰ نے اس سبب مذکور سے اسے پکڑا دنیا و آخرت کے عذاب میں۔

حلِ لغات النکال بمعنی التنکیل جیسے السلام بمعنی التسلیم ۔ یعنی عذاب کرنا ۔ یعنی وہ جو اسے دیکھے یا سنے یا عمل میں لائے ، وہ جو اسے عذاب میں مبتلا کر دے ۔ یہ محلاً منصوب ہے اس لئے کہ یہ مصدر مؤکد ہے جیسے وَعْدَ اللّٰہِ اور صبغۃ اللّٰہ ۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

نکل اللّٰہ بہ نکال الاٰخرۃ والاولی ۔ یعنی آخرت میں دوزخ میں جلانا اور دنیا میں دریا میں ڈبونا ۔

اور اخذ معنیٰ مجازی میں ہے جو دنیا و آخرت دونوں کی گرفت عام ہے ورنہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز لازم آئیگا' اس لیے دنیوی گرفت میں اس کا حقیقی معنی ہے اور آخرت کی گرفت میں مجازی ۔ یہ معنیٰ عام اس لیے کیا گیا کہ آخرت کا عذاب بھی وقوع میں متحقق ہے اور نکال کی دنیا و آخرت کی طرف اضافت میں باعتبار وقوع نفس الاخذ کے ہے ، نہ اس لیے کہ اس میں کہ منع کا معنی دونوں میں ہے بلکہ اس لیے کہ یہ آخرت میں تو اس کا تصور نہیں ہاں دنیا میں ہے اس لیے کہ اخرویہ عقوبت کو دیکھا نہیں لیکن سننے سے اس کے عذاب سے اس سے رُک جائے گا ۔

تفسیرِ صُوفیانہ تاویلات قاشانیہ میں ہے کہ حق نے ردائے کبریائی میں ظہور انانیت کی شدت کے ساتھ منازعت فرمائی تو بالمقابل کو حق نے قہر و جبر سے ملعون کر کے دوزخ میں پھینکا اور اس کی توڑ پھوڑ کر دی اس قہر کا ذکر ہے فاخذہ اللّٰہ الخ میں ۔

اور حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا چونکہ فرعون اپنے دعوے میں صادق نہ تھا اسی لیے دنیا و آخرت میں رُسوا ہُوا ایسے ہی اس کا حشر ہوگا جو مقامات عالیہ کے دعاوی تو کرتا ہے لیکن ہے خالی ہاتھ ۔

حضرت بشر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان سے لمبے چوڑے دعاوی کروائے لیکن اسے حقائق سے خالی رکھا ۔

حضرت سری سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا جو کسی اعلیٰ مرتبہ کے لباس میں خود کو دکھاتا ہے وہ لباس اس کا عذاب بنے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرعون کے قصہ میں بیان فرمایا کہ جب اس نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تو اسے اللہ نے دنیا و آخرت کے عذاب میں پکڑا ، اللہ تعالیٰ نے اس کے ہر دعویٰ کو بلکہ خود اسے بھی جھوٹا کہا ۔

فرعون کے چار سو سال الوسیط میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا : موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے اللہ تعالیٰ ! تُو نے فرعون کو چار سو سال کی مہلت دی اور وہ انا ربکم الاعلیٰ کا دعویٰ کرتا اور تیری آیات کو جُھٹلاتا اور تیرے رسولوں (علیہم السلام) کو مشقت میں ڈالتا جا رہا ہے ۔ تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بذریعہ وحی فرمایا : اے موسیٰ (علیہ السلام) ! وہ میری مخلوق کے ساتھ حسنِ خلق اور نرمی سے پیش آتا ہے اسی لیے دُنیا میں اُسے اس کا بدلہ دے رہا ہوں ۔

ف : ہر کافر کی ہر نیکی کا یہی حال ہے ، بہر حال مؤمن کی نیکی کا ثواب آخرت میں بہت زیادہ ہوگا ۔

فرعون کافر مرا آیت دلالت کرتی ہے کہ فرعون کافر ہو کر مرا۔ فتوحاتِ مکیہ شریف میں ہے :
فرعون ونمرود مؤید ان فی النار (فرعون و نمرود ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے)[1]

(ازالۂ وہم) وہ اقوال جو اس تصریح کے برعکس شیخ اکبر قدس سرہٗ کی طرف منسوب ہیں وہ محض بطور مباحثہ مذکور ہیں بطور فیصلہ و نظریہ نہیں۔ مباحثہ و نظریہ (عقیدہ) اور تصریح اور ظنیات میں فرق ہے لیکن افسوس جاہل صوفیوں اور پاگل نجدیوں وہابیوں نے شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تصریح سے آنکھ چرا کر مباحثات کی عبارات لے لیتے ہیں۔

سبق : (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ اس مقام پہ شیخ اکبر قدس سرہٗ کے حق میں ادب کا سبق دیکھتے ہوئے لکھتے ہیں :)

فصن لسانك من الاطالة فانها من اشد ضلالة۔ (روح البیان ج ۱۰ ص ۳۲۳)	طوالت کرنے سے زبان کو روک، اس لیے کہ یہ سخت ترین گمراہی ہے۔

(مولوی اشرف علی تھانوی نے امام شعرانی قدس سرہٗ کی تحقیق کی چوری کر کے ثابت کیا کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ تمام اتہامات و بہتانات سے بری ہے مستقل تصنیف صرف اسی موضوع پر ہے بنام التنبیہ الطربی امام شعرانی قدس سرہٗ کی کتاب کا ایک باب ہے "الجواھر والیواقیت" میں۔ فقیر اویسی پ ۱۱ میں تفصیل لکھ آیا ہے اور علیحدہ تصنیف بھی لکھی ہے الورد الاعطر فی اسرار الشیخ الاکبر)

صاحب روح البیان کی تحقیق درباره فرعون : فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ فرعون سے دو کلمے صادر ہوئے : (۱) انا ربکم الاعلیٰ (۲) ما علمت لکم من الٰہ غیری۔
ان دونوں کے درمیان کا فاصلہ بعض کے نزدیک چالیس سال ہے بظاہر دعوئ ربوبیت دعوئ الوہیت پر محمول ہے اور اعلیٰ کی تفسیر میں کہنا کہ جتنا صاحبِ ولایت (حکومت اور بادشاہت) ہیں پر غالب اور بلند و بالا ہوں، اس کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے حکومت کے دعوے سے دعوئ الوہیت ثابت نہیں ہوتا جیسے دوسرے دہریے اور فرقۂ معطلہ کے لوگوں کا حال ہے کہ الوہیت کے مدعی نہیں اگرچہ وہ اپنے دور کے رئیس اعظم تھے۔
(اس مقام میں گہرا غور و فکر کر)

---

[1] اس تصریح سے وہ جاہل صوفی عبرت حاصل کریں جو سیدنا محی الدین شیخ اکبر پہ بہتان لگاتے ہیں کہ ان کے نزدیک فرعون مومن ہے اور وہ بہشت میں جائیگا، اور نجدی وہابی بھی شیخ مکرم کو اس پر موردِ الزام ٹھہراتے ہیں اور طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بیشک اس میں جو فرعون کا قصہ اور جو اس کے ساتھ ہوا مذکور ہوا لَعِبْرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی اس کے لیے عبرت ہے جو (اللہ سے) ڈرتا ہے۔ بڑی عبرت اور وعظ اس کے لیے کہ جس کی شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے یعنی جسے معرفت حق نصیب ہے کیونکہ عارف باللہ اور اس کی شئون کا عالم اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے سرکشی نہیں کرتا اور نہ ہی انبیائے کرام کا مقابلہ کرتا ہے کیونکہ نزول عذاب سے ڈرتا ہے اور عقلمند وُہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے ؎

۱	چو برگشتہ بختے در افتد بہ بند	از و نیک بختاں بگیرند پند
۲	تو پیش از عقوبت در عفو کوب	کہ سودے ندارد فغان زیر چوب
۳	بر آر از گریبان غفلت سرت	کہ فردا نماند خجل در برت

ترجمہ: (۱) اگر کوئی بدبخت کسی گناہ کی قید میں پھنس گیا ہے اس سے نیک بخت لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

(۲) تو سزا سے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکا اس لیے کہ اس وقت زیادہ فائدہ نہ دے گی جب ڈنڈے سر پر برسے۔

(۳) گریبان غفلت سے سر باہر لا تاکہ کل ندامت سے تیرا سر سینہ میں نہ ہو۔

ف: بر بمعنی سینہ۔

تفسیر عالمانہ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا (کیا تمہاری سمجھ کے مطابق تمہارا بنانا مشکل ہے) ان اہلِ مکّہ کو خطاب ہے جو بعث (مرنے کے بعد جی اُٹھنے) کے منکر تھے، وہ اپنے گمان پر اسے سخت سمجھتے تھے یہ استفہام بطور توبیخ و تبکیت کے ہے اس کے بعد اس کا ہونا قدرتِ الٰہی کے لیے آسان سے آسان تر ہے چنانچہ فرمایا: فانما ھی زجرۃ واحدۃ (بیشک وُہ ایک ہی جھڑکی ہے)

شدّۃ یہاں بمعنی صعوبۃ (مشکل) ہے نہ کہ بمعنی صلابۃ۔ کیونکہ یہ معنیٰ مقام کے مناسب نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا تمہارے مرنے کے بعد تمہیں پیدا کرنا تمہارے اندازہ اور گمان پر زیادہ مشکل اور سخت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لیے دونوں برابر ہیں۔

اَمِ السَّمَآءُ (یا آسمان) پیدا کرنا بغیر مادہ کے اس کی عظمت و قوت ترکیب انطوار کے باوجود ایسے عجیب طریقوں سے عقول حیران ہیں یہ استفہام تقریری ہے تاکہ اقرار کریں کہ آسمان کا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے پھر ان پر لازم ہو جائے کہ کوئی انہیں کہے کہ اے بے وقوفو! جو ذات سخت سے سخت مشکل سے مشکل پر قادر ہے

تو پھر وہ تمہارے میدانِ حشر میں لوٹانے اور اٹھانے پر کیوں قادر نہیں یہ تو (تمہارے اندازے کے مطابق) زیادہ آسان اور سہل تر ہے بطریقِ اعادہ کے تمہارا پیدا کرنا زیادہ اولیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہو تو پھر تم کیسے انکار کرتے ہو۔ انتم مبتداء اور اشد اس کی خبر ہے اور خلقاً تمیز ہے والسماء کا انتم پر عطف ہے اس کی خبر محذوف، اس لیے کہ اس پر انتم کی خبر دلالت کرتی ہے کہ در اصل ام السماء اشد خلقاً تما **بَنٰهَا** (اسے بنایا) اللہ تعالیٰ نے، یہ جملہ مستانفہ ہے آسمان کی پیدائش کی کیفیت ہے جو ام السماء سے معلوم ہوتی ام السماء پر کلام مکمل ہوتی ہے اور بنٰها سے نیا کلام شروع ہوتا ہے اور ام متصلہ ہے۔

ف: بناء سقف کی جگہ پر مستعمل ہے اس لیے کہ آسمان بلند چھت ہے اور بناء کا استعمال اسافل (نیچی چھت والوں) پر ہوتا ہے نہ کہ بلند چھت والوں کے لیے، لیکن یہاں اس لیے اعالی (بلند چھت والوں) پر اس لیے ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ وہ چھت ہے لیکن وہ اختلال و انحلال (خلل پڑنے) سے دور ہے بناء (تیار شدہ مضبوط مکان) کی طرح ہے اس لیے کہ بناء (تیار شدہ مکان) بہ نسبت چھت کے اختلال سے بعید تر ہوتا ہے۔

رَفَعَ سَمْكَهَا (اس کی چھت اونچی کی) بناء کا بیان ہے یعنی اس کے ارتفاع کی مقدار زمین سے اونچی بنائی کہ یہاں سے اُوپر جانا دراز اور بلند ہے جس کی پانچسو سال کی مسافت ہے اور یہ قاعدہ ہے جس شے کو نیچے سے اُوپر اندازہ کیا جائے تو اس کا نام سمک ہے اور اوپر سے نیچے اندازہ کیا جائے تو اس کا نام عمق ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ وہ نچلی سطح جو آسمان سے متصل ہے اور آسمان کی وُہ سطح اعلیٰ جو اس کے اوپر والے سے متصل ہے کا نام ارتفاع ہے گویا ارتفاع آسمان کی موٹائی کا نام ہے۔ اس کی مسافت بھی پانچسو سال ہے۔

فَسَوّٰىهَا (پھر اسے ٹھیک کیا) **وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا** (اور اس کی رات اندھیری کی)

حلِ لغات الغطش بمعنی ظلمت (تاریکی) امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا اصل اغطش ہے وہ شخص جس کی آنکھ میں تھوڑی سی دُھند (تاریکی) ہو کہا جاتا ہے اغطشہ اللہ (اسے اللہ تعالیٰ نے تاریک کیا) واغطش اللیل (رات تاریک ہوگئی) وہ لازم و متعدی ہے۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے اندھیری رات بنایا اس کا نُور لے لیا۔

سوال: اللیل زمانۂ ظلمت کا نام ہے جو غروب الشمس سے حاصل ہوتا ہے، اور اغطش لیلها کا معنی ہے کہ کوئی مظلم (تاریک کرنے والا) اسے تاریک کرتا ہے، یہ تو قیاس سے بعید ہے۔

جواب: اس وقت غروب الشمس میں جو تاریکی رات کو حاصل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تقدیر سے ہوتی ہے اب اشکال نہ رہا۔

وَ اَخْرَجَ ضُحٰهَا (اور اس کی روشنی چمکائی) اس سے دن کو نکالا، اسے ضُحٰی سے تعبیر کیا یعنی سورج کی روشنی اور ضحٰی کا وہی وقت ہے جس میں سورج چمکتا ہے اور اس کی تابانی مکمل ہوتی ہے کیونکہ یہ وقت نہایت پاکیزہ اور برگزیدہ ہے محل کو اسم اشرف نام سے جو اس میں حلول کرے اسی لیے یہ وقت ذکر و فکر کے زیادہ لائق ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے امتنان (منت و احسان) کا وقت ہے اسے اللیل کے ذکر کو مؤخر کرنے میں بھی یہی راز ہے۔

نکتہ: اسے احداث کی بجائے اخراج میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ تاریکی کے بعد روشنی چمکانا انعام میں اتم اور احسان میں اکمل ہے اور لیل و ضحٰی کی اضافت آسمان کی طرف محض اس کی حرکت اور اس کے حدوث دوران کی وجہ سے ہے۔ اور اضافت کے لیے معمولی ملابست کافی ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ضُحٰی کی اضافت اس کی طرف شمس کے واسطہ سے ہو، یعنی سورج کی روشنی سے ظاہر کیا، یہاں مضاف محذوف ماننا پڑے گا اور اسے ضحٰی اس لیے کہا کہ یہی وقت سورج کی تابانی اور کمال اشراق (چمکنے) کا ہے۔

ف: امام زاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دنیا کے شب و روز آسمان میں پیدا ہوتے ہیں اس لیے کہ سورج اور چاند اس میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

بعض عارفین نے فرمایا کہ اللیل (رات) نر ہے اور النہار (دن) مادہ، جب رات دن کو ڈھانپتی ہے تو دن حاملہ ہو کر بچے جنتا ہے تو اس سے زمانہ کے ڈھانپنے سے کائنات ظاہر ہو جاتی ہے۔ بایں معنیٰ تمام کائنات اولاد الزمان ہے۔ اور دن کا رات سے نکلنا ایسے ہے جیسے بی بی حوّا آدم (علیہ السلام) سے ظاہر ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

و اٰیۃ لھم الیل نسلخ منہ النھار فاذا ھم مظلمون۔	اور ان کی آیت رات ہے کہ ہم اس سے دن کھینچ لیتے ہیں تو اچانک وہ تاریکی میں ہوتے ہیں۔

اور فرمایا:

یولج الیل فی النھار و یولج النھار فی الیل۔	وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔

جیسے عیسیٰ علیہ السلام بی بی مریم میں اور بی بی حوّا آدم (علیہ السلام) میں، جب ابناء النہار کو خطاب فرمایا تو کہا: یولج الیل، اور جب ابناء الیل کو خطاب فرمایا تو کہا: یولج النھار۔

بعض اہلِ حقائق نے فرمایا کہ رات کا دن میں اور دن کا رات میں آنے جانے سے اشارہ ہے بُرائیوں اور نیکیوں کے ایک دوسرے میں داخل ہونے میں کہ جیسے دنیا ہمیشہ رات میں نہیں رہتی اور نہ ہی ہمیشہ دن میں رہتی ہے۔ بلکہ دن اور رات ایک دوسرے کے پیچھے رہتے ہیں، ایسے ہی مومن نور ایمان و عمل صالح سے

خالی نہیں ہوتا اور نہ ہی عمل فاسد فکر کاسد سے۔

خطاب نبی بہ علی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و رضی اللہ عنہ) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ

اگر برائی ہو جائے تو متصلاً نیکی کر لیا کرو کیونکہ یوم قیامت میں اللہ تعالیٰ رات کو جہنم میں ڈالے گا اور دن کو جنت میں۔ اسی لیے بہشت میں رات نہ ہوگی جیسے (آج دنیا میں) دن میں رات نہیں ہوتی ایسے ہی جہنم میں دن نہ ہوگا یعنی جنت میں دن ایمان اور عمل صالح کا نور ہے بحسب المراتب، اور جہنم میں رات کافر کا کفر اور برا عمل ہے تو جیسے کفر ایمان نہیں ہو سکتا ایسے ہی رات دن نہیں ہو سکتی، ایسے ہی نار نور نہیں ہوتا تو اہل نور اپنی صفت کے غلبہ سے نور ہی رہیں گے۔ اور قلب اور تجلیات کے مطابق یہ قالب کے حال کے برعکس ہے اس کے نہار معنوی پر لیل تعاقب نہیں کرتی اگرچہ بعض اوقات نورانیت اس پر چمک اٹھتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا (اور اس کے بعد زمین پھیلائی) یہاں بعد بمعنی قبل ہے جیسے اسی کے قول بعد الذکر بمعنی قبل الذکر ہے یعنی قبل القرآن (نازل ہوئی زبور) یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے بچھایا اس کے اہل کی سکونت کے لیے اور اس کے اطراف میں چلنے پھرنے کے لیے۔ بعض نے کہا کہ یہاں پر بعد اپنے معنی میں ہے یعنی تاخر کے معنی میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا فرمایا لیکن بچھایا آسمان کے استواء کے بعد، جیسا کہ فرمایا:

ثم استوٰی الی السماء فسوّٰھن سبع سمٰوٰت۔	پھر استواء فرمایا اپنی شان کے لائق پھر انھیں سات آسمان بنائے۔

پھر زمین بچھائی۔

ف: الارشاد میں ہے کہ الارض کا منصوب ہونا فعل مضمر سے ہے جو مقدم ہے وہ شریطۃ التفسیر کے قاعدہ پر محذوف ہے جس کی تفسیر دحٰھا کرتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے اس طرف جو مذکور ہوا آسمانوں کی بناء اور ان کی بلندی کی رفعت اور تسویہ وغیرہ نہ کہ خود آسمانوں کی طرف اور اس کے بچھنے کی بعدیت سے مراد اس کے ذکر بعدیت ہے جیسا کہ لسانِ عرب و لسانِ عجم میں مروج ہے۔ اس لیے کہ اکثر کا اتفاق ہے کہ زمین اور اس کا مافیہا آسمان اور ما فیہا کی تخلیق سے پہلے ہے اور تقدیم الارض قصر کا فائدہ نہیں دیتی اور نہ ہی اس سے تعیین البعدیہ فی الوجود ثابت ہوتا ہے جیسے ابھی ہم اس کا انتصاب علی شریطۃ التفسیر میں بیان کر آئے ہیں اور نہ ہی بعد کا بیان اس کا فائدہ دے گا۔

نکتہ: البتہ اس کے ذکر کی تاکید میں تنبیہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ میں مقصور ہے کہ احوال آسمان میں دلیل ہے کہ وہ بڑی قدرت کا مالک ہے یا اس میں آگاہی ہے کہ زمین کے ذکر کی تاخیر میں انسان پر

لازم کرنا ہے کہ وہ قدرت کا اقرار کرے کیونکہ اس کے منافع زیادہ تر اور کثر ما فی الارض سے متعلق ہیں بلکہ لوگوں کے مصالح اسی میں اظہر ہیں، اس کے تفصیلی احوال کا احاطہ کرنا اس کے لیے سمجھنے کا مکمل سامان ہے۔ اس کی مزید تحقیق اسی مضمون کے مطابق حم السجدہ میں گزری ہے۔

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا (اس سے اس کا پانی نکالا) کہ اس سے چشمے بہائے اور نہریں جاری کیں وَمَرْعٰهَا اور اس کا چارہ۔

حلِ لغات: مرعیٰ بمعنے رعی (بالکسر) چارہ۔ یہ دراصل چراگاہ کے معنیٰ میں ہے از الرعی (بالفتح) پانی۔ اور مرعیٰ (چراگاہ) زمین کی طرف منعوب ہوتا ہے اس لحاظ سے کہ یہ اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔

سوال: حرفِ عاطف کیوں نہیں لایا گیا؟

جواب[1]: یہ دحٰھا کا بیان وتفسیر ہے (بیان وتفسیر میں حرفِ عطف نہیں لایا جاتا)

جواب[2]: دحٰھا کا تکملہ ہے اس لیے سکونت صرف بسط (بچھونا) اور تمہید (دراز کرنا) وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ امر معاش ماکل ومشارب (کھانے پینے کی اشیاء) برابر میسر نہ ہوں۔

وَالْجِبَالَ (پہاڑوں کو) فعل مضمر سے منصوب ہے جس کی تفسیر ہے اَرْسٰهَا (جمایا) انہیں ثابت کیا اور زمین کو دراز ہوجانے سے جمایا۔ یہ حق کی تحقیق وتنبیہ کے کہ زمین کا جمنا جو پہاڑوں کی طرف ہے اور قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آیا ہے کہ انھیں رواسی سے تعبیر کیا گیا ہے وہ پہاڑوں کا ذاتی تقاضا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے جمانے سے ہے اگر وہ نہ ہو تو وہ خود بھی جم نہیں سکتے چہ جائیکہ زمین کو جما سکیں مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ (تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے) مفعول لہ بمعنی تمتیعا یعنی فائدہ دینا۔

حلِ لغات انعام، نعم (بفتحتین) کی جمع ہے یعنی چرنے والا مال یعنی چوپایہ۔ الصحاح (لغت) میں ہے کہ یہ لفظ اکثر اونٹوں کے لیے آتا ہے، لیکن یہاں مراد عام ہے اونٹ، گائیں بھیڑ بکریاں وغیرہ۔ یعنی یہ تمہارے چوپایوں کے نفع کے لیے کیا گیا ہے کیونکہ زمین بچھانا اور پانی اور چارہ کا نکالنا انھیں اور ان کے جانوروں کو پہنچتا ہے۔ اور مرعیٰ سے عام ہے اسے انسان وغیرہ کھائیں مراعی (چرنا) سے استعارہ ہے علی الاطلاق ماکول (کھائی ہوئی شے کے تناول کی وجہ سے) جیسے مرسن کا استعارہ ناک کے لیے (مرسن بمعنی رسّی باندھنے کی جگہ) (المنجد) اسی لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی اور چارہ کا ذکر کر کے اسی طرف رہبری فرمائی ہے جو زمین سے نکلنے والی شے ہے اس سے تم فائدہ اٹھاؤ یہاں تک کہ نمک سے، کیونکہ وہ پانی سے ہے۔

ف: عتبی نے فرمایا کہ اخرج منہا ماءھا ومرعاھا جوامع الکلم سے ہے کہ دو چیزوں کا ذکر ان تمام اشیاء کو حاوی ہے جو زمین کے لوگوں اور جانوروں کے کھانے اور چارے کے لیے خارج ہوتی ہیں جیسے سبز گھاس

اور درخت، دانے، ثمر، نمک، آگ۔ اس لیے آگ سبز درخت سے ہے اور نمک پانی سے۔

نکتہ: اس استعارہ میں بعث کے منکرین مخاطبین اہلِ مکہ کو تنبیہ اور انہیں دنیا سے نفع اٹھانے اور آخرت سے غفلت برتنے میں جانوروں کے ساتھ تشبیہ فرمایا ہے۔

فَإِذَا جَاءَتِ الطَّامَّةُ الْكُبْرَىٰ پھر جب آئے گی وہ عام مصیبت سب سے بڑی)

حلِ لغات: الصحاح (کتاب لغت) میں فرمایا کہ جو شے بکثرت ہو کر غلبہ پائے تو اس کے لیے کہا جاتا ہے: طمّ، عام ہو گئی۔ الکبریٰ، اکبر کی تانیث از کَبُرَ بمعنی عَظُمَ، کَبِرَ (بالکسر) سے نہیں بمعنی اسنّ (بوڑھا) ہو گیا۔

ربط: ان کے معاد (انجام آخرت) میں شروع ہیں بعد بیان ان کی معاش کے فاء مابعد کے ماقبل پر ترتب پر دلالت کے لیے ہے کہ دنیوی معاش نہایت معمولی شے ہے جیساکہ اس پر لفظ متاع دلالت کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب آیا وقت بڑی مصیبت دہشتناک کے طلوع کا جو تمام بڑی بڑی عام مصیبتوں سے بڑی اور غالب ہے اسے کُبریٰ کی صفت سے موصوف کرنا تاکید کے لیے ہے اگر اس کی صرف مخلوق پر بڑی اور غالب ہونے کی تفسیر کی جائے تو یہ صفت مخصصہ ہو گی اس سے مراد قیامت کے خلاف ہو گی کہ جنہیں دیکھ کر ہر ہولناک شے بھول جائیگی اور نفخہ ثانیہ سے ہی تمام مخلوق قبور سے نکل کر میدانِ حشر میں جمع ہو گی۔

ف: سورۃ النازعات میں طامّۃ کی اور سورہ عبس میں صاخّہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ طم عام مصیبت کا غلبہ، اگرچہ نفخۂ اولیٰ سے بوقتِ ہلاکت (فنا) ہو ہی جائیگا لیکن یہ صخّ یعنی اس سخت آواز سے پہلے ہو جائیگا جس کے لیے لوگ زندہ قبور سے اٹھیں گے اور اس کے لیے چیخیں گے جیسے آواز سخت سے نائم سے جاگ اٹھتا ہے۔ اس معنی پر اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہے۔ اس لیے پہلا (طامّہ) پہلی سورت نازعات میں دوسرا (صاخّہ) دوسری سورت (عبس) میں اگر اس سے نفخۂ ثانیہ مراد ہو تو دونوں کے لیے احسن موقعہ ہے اس لیے طم ورد تتبعها الرادفة کے بعد ہے اور الصّخ تو اس کے بعد ہے جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو آواز دینا (جھڑکنا) چھوڑ دیا تھا (واقعہ کی تفصیل سورۂ عبس میں آتی ہے)

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ (اس دن آدمی یاد کرے گا جو کوشش کی تھی) یوم اعنی سے منصوب ہے الطامۃ الکبریٰ کی یاددہانی کے لیے ہے ما موصولہ ہے سعی بمعنی عمل (عمل کیا ہے) ہے، یعنی انسان یاد کرے گا ہر وہ عمل جو اس نے دنیا میں کیا تھا نیکی یا بُرائی کہ اسے صحیفۂ اعمال (عملنامہ) میں مرتب (تیار) دیکھے گا حالانکہ وہ اس سے زیادہ غفلت اور درازیِ زمانہ کی وجہ سے بھول گیا ہوگا جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: احصاه الله ونسوه (اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے جو وہ بھول گئے ہیں)

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ (اور جہنم ظاہر کی جائے گی) اس کا عطف جاءت پر ہے یعنی پورے طور پر کہ کسی سے مخفی نہ ہو ظاہر کی جائے گی بعد اس کے کہ پہلے اس کا صرف نام سنتے تھے اس سے مطلق نار مراد ہے جسے جہنم کہا جاتا ہے نہ یہ کہ اس کے سات طبقات (درکات) میں سے ایک طبقہ (درکہ) لِمَنْ يَّرٰى (دیکھنے والے کے لئے) جو بھی ہو جیسا کہ لفظ مَنْ دلالت کرتا ہے کیونکہ عموم الفاظ سے ہے۔

ف : مروی ہے کہ اس سے جب پردے ہٹائے جائیں گے تو جوش مارے گی جسے ہر دیکھنے والا دیکھے گا مومن ہو یا کافر۔ و برزت الجحیم للغاوین (اور گمراہوں (کافروں) کے لیے دوزخ ظاہر کی جائے گی) سے اس کی نفی نہیں کہ اسے مومن نہیں دیکھیں گے کیونکہ خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی (جیسے اصول کا قاعدہ ہے) غرضیکہ دوزخ کو کافر تو دیکھیں گے ہی مومن بھی دیکھیں گے جب پل صراط کو عبور کرینگے۔

اعجوبہ : بعض نے کہا کہ یہاں صرف کفار کا مراد ہے کیونکہ مومن پوچھتے رہیں گے کہ دوزخ کہاں ہے جس سے ہمیں ڈرایا جا رہا تھا، فرمایا جائے گا جب تم نے پل صراط کو عبور کیا تو وہ بجھی رہی۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى (اور وہ جس نے سرکشی کی) فاذا جاءت الخ کا جواب ہے، آیت فاما یاتینکم منی ھدًی فمن تبع ھدای الخ کے طریق پر اہل عرب کہتے ہیں:

ان جئتنی فان قدرت احسنت الیك۔ اگر تم میرے پاس آئے اگر مجھے قدرت ہوئی تو تیرے ساتھ احسان کروں گا۔

اور کہا جاتا ہے:

اذا کانت الدعوة فاما من کان جاھلا فھناك مقامه۔ جب دعوت ہوگی تو جاہل آئے گا تو اس کی یہ جگہ ہے اگر عالم آئے گا تو اس کی وہ جگہ ہے۔

اب مطلب یہ ہوا کہ بہرحال وہ جو سرکش اور متمرد از طاعۃ اور نافرمانی میں حد سے متجاوز ہے جیسے نضر اور اس کا باپ حارث جو طغیان و کفر کے غلو میں مشہور تھے۔

وَاٰثَرَ (اور اختیار کی) الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (دنیوی زندگی) فانی جو مٹنے والی ہے اور جس میں نفع اٹھا رہا ہے اس میں منہمک ہے اور ایمان و طاعت سے حیات اُخروی ابدی کے لیے تیاری نہیں کی۔

فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى (بے شک وہ جہنم (جس کا ذکر اوپر ہوا) اس کا ٹھکانا ہے) اس نار سے خارج نہ ہوگا جیسے مؤمن عاصی (گنہ گار) کو نکال لیا جائے گا کیونکہ یہاں کافر کی گفتگو ہو رہی ہے۔

ف : اس میں نصیحت اور خوب وعظ و پند ہے، اور لام اضافۃ کے قائم مقام ہے اور مضاف کا سب کو معلوم ہے یعنی ٹھکانے والا یعنی سرکش۔ جیسے کہا جاتا ہے: غض الطرف (مرد نے آنکھ بند کی) تو یہاں مرد کا معنی معلوم ہے کیونکہ آنکھ مرد ہی بند کرتا ہے، وہ اس لیے کہ جب خبر جملہ ہو تو اس میں ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو اس کا رابطہ مبتدا سے کرے۔ اسی لیے لام کو عائد کے قائم مقام کھڑا کیا عدم التباس کی وجہ سے، اسی لیے ایسے مقام پر رابطہ کی

ضرورت نہیں ہوتی۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ (اور وہ جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا) یعنی عام مصیبت سب سے بڑی کے دن جب انسان اپنے اعمال یاد کرے گا اپنے مالک کے سامنے کھڑے ہونے کے وقت، کیونکہ سب کے مبدأ و معاد کا علم ہے اس لیے کہ اس کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف حساب کے لیے ہوگا۔ اسی لیے اس کی حاضری سے پہلے اسے اس کا پورا علم ہو۔

ف: بعض تفاسیر میں ہے کہ مقام یا مصدر میمی ہے بمعنی القیام یا اسم مکان ہے بمعنی موضع القیام یعنی وہ جگہ جسے اللہ تعالیٰ نے بندوں کے حساب وجزا کے لیے متعین فرمایا ہے۔ بعض نے کہا مقام زائد تاکید کے لیے ہے

نکتہ: خوف کو طغیان کے بالمقابل لایا گیا ہے ورنہ ظاہر یہ ہے کہ انقیاد وطاعت اس کے بالمقابل میں اس میں اشارہ ہے کہ خوف ہی اطاعت کے اسباب میں سے پہلا سبب ہے پھر رجا، پھر محبت، تو پہلا عوام کے لیے، دوسرا خواص کے لیے، تیسرا اخص الخواص کے لیے۔

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (اور نفس کو وہ خواہش سے) اس کی جبلۃ بشریہ کے حکم کی طرف مائل ہونے سے متاع حیات دنیا اور اس کی زینت کا اعتبار نہ کیا اور نہ ہی اس کے نقش ونگار سے دھوکا کھایا اور نہ ہی اس کی زیب وزینت کو اچھا سمجھا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اس کا انجام برا ہے۔ اور الھوی نفس کا اس طرف مائل ہونا جو وہ چاہتا ہے اور اس سے لذت پاتا ہے بغیر اسباب شرع کے۔

حدیث شریف میں ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ان اخوف ما اتخوف علی امتی الھوی وطول الامل اما الھوٰی فیصد عن الحق واما طول الامل فینسی الاٰخرۃ۔	مجھے اپنی امت پر ہوئی اور طول امل کا بہت زیادہ خوف ہے جس سے وہ آخرت کو بھلا دے گی۔

ف: بعض اکابر نے فرمایا کہ ہوئی سے مراد وہ سات شہوات ہیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے،

زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث۔	لوگوں کے لیے سنگاری گئی ہے شہوات کی محبت عورتوں اولاد اور ڈھیروں کے ڈھیر سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان دار اور چوپائے اور کھیتیاں۔

انھیں صرف دو چیزوں میں درج فرمایا، چنانچہ فرمایا:

انما ھذہ الحیٰوۃ الدنیا لھو ولعب۔ بے شک یہ حیاتِ دنیا لھو ولعب

پھراسے صرف ایک شے میں درج فرمایا وہ ہے ہوٰی جو اسی آیت میں مذکور ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہوٰی جمیع شہوات کی جامع ہے، جو ہوٰی سے نجات پا گیا وُہ جمیع قیود و برازخ سے چھوٹ گیا۔

انبیاء و صدیقین کی شان حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا: ہوٰی (خواہشِ نفسانی) سے کوئی نہیں بچ سکتا سوائے انبیاء اور بعض صدیقین کے۔

نسخۂ روحانی خواہشاتِ نفسانی سے بچنے کا بہترین نسخہ ادب ہے جو اس پر مداومت کرتا ہے وُہ خواہشاتِ نفسانی سے بچ جاتا ہے۔

ف: بعض نے فرمایا: انسان کی حقیقت ہی خواہشِ نفسانی ہے اس پر اور کوئی شے زائد نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا و نہی النفس عن الھوی۔ تو اس کا ناہی کون ہو سکتا ہے، اس میں تامل کر۔

تفسیر صوفیانہ فقیر (اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ انسان حقیقۃِ الٰہیہ، حقیقۃِ کونیہ، حقیقۃ ملکیہ اور حقیقۃِ حیوانیہ کا برزخ ہے تو بحیثیت حقیقۃِ الٰہیہ و ملکیہ کے نفس کو کونیہ و حیوانیہ سے روکتا ہے جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود کو مخاطب ہو کر فرمایا السلام علیك ایھا النبی۔ تو جانب ملکیہ سے جانب بشریہ کی طرف یا مقام جمع سے مقام فرق کی طرف۔

تفسیر عالمانہ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی (بیشک جنت ہی اس کا ٹھکانا ہے) نہ کہ اس کا غیر۔ نہی النفس عن الھوٰی کا معنیٰ ہے اسے تمام خواہشات سے روکنا۔ اس معنی پر اس کی لام استغراق کی ہے ورنہ حصر کا کوئی معنی نہیں اس لیے مومن فاسق اگر دوزخ میں داخل ہوگا تو بہشت میں ضرور داخل ہوگا اسی لیے اس کے لیے حصر نہ ہوئی۔ ہاں یہ مطلب ہو کہ حصر کا معنیٰ یہ ہے کہ جو داخل ہو جائیگا پھر اس سے نہ نکلے گا۔

ف: بعض تفاسیر میں ہے کہ جنّت سے مطلق دارالثواب مراد ہے۔ یہ "ولمن خاف مقام ربہ جنتان" کے خلاف نہیں اس لیے کہ اس کے لیے دو جنتیں محض فضلِ الٰہی سے دارالثواب میں نصیب ہوں گی، ایک جنۃ النعیم جسمانی نعمتوں سے پُر اور دُوسری جنۃ التلذذ لذاتِ روحانیہ سے پُر۔

ف: فصول میں ہے کہ یہ آیت اُس شخص کے حق میں ہے جو گناہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے اس کا ارادہ کر کے اس سے باز آجائے، اللہ تعالیٰ کے خوف سے اس معصیت کا ارتکاب نہ کرے ؎

۱	گر نفسے نفس بفرمان تست	شبہ میاور کہ بہشت آن تست
۲	نفس کشد ہر نفسے سوئے پست	ہر کہ خلافش نفسے زبر دست

ترجمہ : (۱) اگر ایک لمحہ بھی نفس تیرے حکم میں ہے اس میں شک نہ کر کہ یہی تیری بہشت ہے۔

(۲) نفس ہر آن تمہیں پستی کی طرف لے جانا چاہتا ہے جو اس کے خلاف کرے گا وہ نجات پا جائے گا۔

حکایت محمد بن الحسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں سو رہا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی میں نے کہا دیکھو کون ہے؟ کہا گیا کہ ہارون الرشید خلیفہ کا قاصد۔ کہا خلیفہ آپ کو بلاتا ہے۔ میں گھبرا گیا کہ نہ معلوم کیا حکم شاہی ہے۔ میں قاصد کے ساتھ بادشاہ کے پاس گیا تو کہا کہ میں نے آپ کو ایک مسئلہ سمجھنے کے لیے تکلیف دی ہے، وہ یہ کہ میں نے ام محمد یعنی زبیدہ کو کہا ہے کہ میں امام العدل ہوں اور امام العدل لازماً بہشت میں جائیگا، زبیدہ نے جواباً کہا ہے تو ظالم عاصی (گنہ گار) ہے اس لیے کہ تو نے اپنے لیے از خود بہشت کی شہادت دی اس سے تو نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے، لہٰذا تو نے اپنے اوپر بہشت حرام کر ڈالی۔ میں نے کہا اے امیر المومنین! جب تو نے کبھی گناہ میں مبتلا ہو کر اس وقت یا بعد میں خوف کیا یا نہ۔ کہا بخدا! میں تو اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتا رہتا ہوں۔ میں نے کہا تیرے لیے ایک نہیں دو جنتیں ہیں (ان شاءاللہ) کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ولمن خاف مقام ربہ جنتان۔ خلیفہ خوش ہو گیا اور کہا آپ تشریف لے جائیے۔ جب میں گھر پہنچا تو روپوں کی تھیلی مجھ سے پہلے پہنچ چکی تھی۔

حکایت عبدالملک بن مروان وقت کا بادشاہ تھا اور ابو حازم امام وزاہد تھے۔ عبدالملک نے آپ سے پوچھا کہ کل قیامت میں میرا اور آپ کا کیا ہو گا؟ حضرت ابو حازم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر تم قرآن پڑھتے تو تمہیں قرآن جواب دیتا، کہا کیسے؟ فرمایا قرآن کہتا ہے، فاما من طغی تا فان الجنۃ ھی الماوٰی۔

فائدہ صوفیانہ دنیا میں ہر نفس میں شہوت کی آگ ہے اور آخرت میں اس کے لیے عقوبت کی آگ ہو گی جو آج اپنی آگِ شہوت میں جلا کل قیامت میں عقوبت کی آگ میں جلے گا۔ جو آج اپنی شہوت کی آگ کو ریاضت و مجاہدہ سے ٹھنڈا کرتا ہے وہ آخرت کی آتشِ عقوبت سے بچ جائے گا۔ اسی طرح ہر مومن کے دل میں بہشت ہے جسے جنتِ عرفان کہا جاتا ہے اور آخرت کی بہشت کا نام رضوان ہے، جو آج دنیا میں عرفان کی جنت کو طاعت سے آراستہ کرتا ہے کل قیامت میں جنتِ عرفان میں پہنچ جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا، فاما من طغٰی یعنی جو فطرتِ انسانیہ کے طور طریقہ سے بڑھا اور حدِ عدالت شریعت سے رتبۂ بہیمیہ یا سبعیہ تک پہنچا اور اپنے تجاوز میں زیادتی کر کے لذاتِ حسیہ کو محبت لذاتِ سفلیہ سے حقیقت پر ترجیح دی تو اس کا مرجع جحیم اور جہنم کا ٹھکانا ہے اور جو اپنے

رب تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا یعنی ترقی کر کے مقامِ قلب اور مشاہدۂ قبولیت الٰہی تک نفس کو پہنچا اور نفس کو خوفِ عقاب اور قہر کی وجہ سے خواہش سے روکا تو بحسبِ درجات اس کے لیے جنّت ٹھکانا ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ آیت میں مبتدی (صوفی) کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اس کے قصد الی اللہ کے وقت اسے رخصت و رفاہیت جائز نہیں ہوتی حجاب کے خوف سے جب وہ مقام تصفیہ و معرفۃ تک پہنچ جاتا ہے تو پھر اسے نفس کو خواہش سے روکنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے کہ اس وقت اس کا نفس و جسم و شیطان روحانی ہو جاتے ہیں، سب کی ایک خواہش ہو جاتی ہے یعنی جو روح کی چاہت ہوتی ہے ان سب کی چاہت وہی ہوتی ہے بالخصوص نفس کی۔ اسی لیے یہ اس میں اہلِ نُہیٰ و منتہیٰ مع الرب ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ ہو اس کی شہوت لذتِ حقیقیہ مقبولہ سے تبدیل ہو جاتی ہے۔

تفسیرِ عالمانہ يَسْـَٔلُوْنَكَ (تم سے پوچھتے ہیں) اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ سے پُوچھتے ہیں عَنِ السَّاعَةِ (قیامت کے بارے میں) اَيَّانَ مُرْسٰهَا (کہ وہ کب کے لیے ٹھہری ہوئی ہے) اس کا ٹھہرنا، قیام (قائم ہونا) ان کی مراد یہ تھی کہ اسے اللہ تعالیٰ کب قائم اور ثابت اور ظاہر کرے گا۔ ایّان ظرف ہے بمعنی متیٰ (کب) در اصل آن و وقت کو کہا جاتا ہے۔

حلِ لغات المرسیٰ مصدر میمی ہے بمعنی الارساء بمعنی للاثبات، اور وہ مبتدا ایّان اس کی خبر بتقدیر المضاف ہے اس لئے زمانہ کے ساتھ حدث کی خبر نہیں دی جاتی در اصل متی وقت ارسائہا تھا۔

ف : مشرکین جب قیامت کی خبریں اور ان کے ہولناک اوصاف سُنتے، مثلاً کہا گیا کہ وہ طامہ کبریٰ اور صاخّہ اور قارعہ ہے، تو بطریق استہزا کہتے : ایان مرسٰها کب ٹھہری ہوئی ہے وہ قیامت۔

فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا (تمہیں اس کے بیان سے کیا تعلق) مشرکین کے سوال از قیامت سے انکار اور رد ہے۔

حلِ لغات فیم در اصل فیما تھا جیسے عمّ در اصل عمّا تھا اس کا بیان گزرا۔ الذکریٰ بمعنی الذکر جیسے البشریٰ بمعنے البشارۃ۔ یعنی تم کس خیال میں ہو کہ تم اس کا وقت بتاؤ اور انھیں اس کے متعلق پتا دو، یہاں تک کہ وہ آپ سے اس کے بیان کا سوال کرتے ہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا :

یسئلونک کانک حفی عنہا (آپ سے سوال کرتے ہیں گویا اس کی تفتیش میں لگے ہوئے ہیں) آپ اس کا وقت بتانے کے لیے نہیں آئے ہیں (بلکہ آپ توحید سکھانے کے لیے تشریف لائے ہیں) کیونکہ

یہ تو آپ کے علم کی ایک فرع (شاخ) ہے اور آپ کے لیے وہ کیا شے ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخفی رکھا ہے۔

ذکرٰیھا میں مضاف اور اس کا صلہ وہ ہے (لھم) اور استفہام انکاری ہے انت مبتدا اور فیم اس کی خبر اس پر مقدم ہے من ذکرٰیھا اس کے متعلق ہے جس کے متعلق خبر ہے۔

اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا (تمہارے رب ہی تک اس کی انتہا ہے) اس کے علم کی انتہا کسی کو معلوم نہیں تو پھر ان کے سوال کرنے کا کیا معنیٰ!

حدیث شریف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چاہا کہ قیامت کے متعلق اللہ تعالیٰ سے سوال کریں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب! اس کے علم سے آپ کو کیا (یعنی اس سوال سے روک دیا، فرمایا: جب میں خود ہی اس کا علم عطا کروں گا تو پوچھنے کا کیا مطلب۔ تفصیل گزر چکی ہے۔ اویسی غفرلہٗ) اسی لیے اس کے پوچھنے سے احتراز کیجئے کیونکہ اس کے علم کی انتہا تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ کسی کو اس کی خبر نہیں دیتا اس لیے کہ اس کی اطلاع و آگاہی خاصۂ خدا ہے (اس کا علم حضور علیہ السلام کو بعد میں عطا ہوا جیسے اوپر گزرا۔ اویسی غفرلہٗ)

ف: حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم اس کے علم میں کون سا فکر کرتے ہو یا اس کے ذکر میں خیال کرتے ہو اس کے علم کی انتہا تو اللہ تعالیٰ تک ہے کیونکہ جو علمِ قیامت کو جانتا ہے اس کا علم محو ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں پھر اس کی ذات اس کی ذات میں فنا ہو جاتی ہے تو پھر وہ قیامت کو کیا جانے کیونکہ اب نہ اس کی ذات نہ علم بلکہ وہاں تو اور تیرا علم کہاں، بلکہ اسے اللہ واحد ہی جانتا ہے۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا (تم تو فقط اسے ڈرانے والے ہو جو اس سے ڈرے) تمہارا کام ہے اس کی تعمیل جس کا تمہیں حکم ہے کہ بس اتنا کہہ دو کہ وہ قریب ہے اور بہ تفصیل کہ اس میں گوناگوں ہولناکیاں ہیں، باقی رہی تعیینِ وقت، وہ سپرد نہیں کی گئی کہ جس کی وجہ سے آپ سے اس کا سوال کریں جب یہ آپ کے وظائف میں شامل نہیں تو پھر وہ آپ سے سوال ہی کیوں کرتے ہیں، آپ کا تو وظیفہ ہے کہ آپ اسے اسے ڈرائیں جو اسے نہیں جانتا۔ یہ قصر الصفۃ علی الموصوف کے قبیل سے ہے۔

سوال: تخصیص اس سے کہ جو ڈرے اسے ڈراؤ، یہ کیوں؟ حالانکہ آپ تو عوام کے لیے مبعوث ہوئے ہیں کوئی ڈرے یا نہ۔

لہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس کے علم سے بھی نوازا ہے۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب طلوع الشمس فی علوم الخمس ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

جواب: کیونکہ ڈرنے والے ہی نفع حاصل کرتے ہیں اسی لیے ان کا نام لیا گیا اور سنانا صرف انہی کے لیے مؤثر ہوگا۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: فذکر بالقراٰن من یخاف وعید (قرآن یاد دلاؤ اسے جو میری وعید سے ڈرتا ہے)

ف: جمہور کا خیال ہے کہ منذر من یخشاھا اضافۃ الصفۃ الی المعمول کے قبیل سے تخفیف علی الاصل کے لیے ہے اس لیے اصل اسما میں اضافت ہے ان میں عمل بوجہ شبہ بالفعل کے ہوتا ہے اور جس نے اسے تنوین سے پڑھا اس نے یہ اعتبار کیا کہ ان میں اصل عمل کرنا ہے ان میں اضافت صرف تخفیف کے لیے ہے۔

کَاَنَّھُمْ (گویا وہ) منکرین یعنی کفارِ مکہ **یَرَوْنَھَا** (اس دن کہ قیامت کو دیکھیں گے) جس کے آنے کے متعلق پوچھ رہے ہیں **لَمْ یَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِیَّۃً اَوْ ضُحٰھَا** (دنیا میں نہ رہے تھے مگر ایک شام یا اس کے دن چڑھے۔ اَلضُّحٰی اشراق الشمس سے استوار تک کا نام ہے پھر یہی صبح تک عشی ہے (کشف الاسرار) جملہ اسم موصول سے حال ہے علی تقدیر الاضافۃ، ورنہ منذر کا مفعول ہے، گویا کہا گیا ہے کہ انہیں ڈراؤ درانحالیکہ وہ تشبیہ دیے ہوئے ہیں اس کے ساتھ جو انذار کے بعد اس میں نہیں ٹھہرا مگر مدتِ قلیل یعنی ایک دن کی شام کی چند ساعات یا صبح کی، نہ کہ کامل دن۔ تنوین مضاف الیہ کا عوض ہے جب مضاف محذوف ہوا تو اس کے ضحٰی کو اسی کے عشی کی طرف مضاف کیا گیا، چونکہ ضحٰی اور عشی ایک ہی دن کے ہیں اسی لیے ان کے درمیان ملابست محقق اور ایک دوسرے کی طرف اضافت صحیح ہوگی۔

سوال: الا عشیۃ اور ضحٰی کیوں نہ فرمایا اضافۃ میں کون سا فائدہ ہے؟

جواب: اگر کہا جاتا لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰی، تو احتمال ہوتا کہ عشیۃ کسی دن کا اور ضحٰی کسی اور دن کا، پھر وہم پیدا ہوتا کہ وہ اول یوم میں ٹھہرے رہے دوسرے یوم کے آخری زمانہ تک، جب لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحاھا کہا گیا تو وہ احتمال نہ رہا صرف یہی مطلب ہوا کہ وہ اسی دن کی صبح و شام کے چند لمحات۔

ف: الارشاد میں ہے کہ ان کا دنیا میں ٹھہرنا یا قبور میں قیام کا مقتضی نہیں، ہاں وہ اس کا مقتضی ہے کہ انذار کے یا وعید کے بعد ان کا اتنا دیر ٹھہرنا تاکہ انذار کا محقق ہو اور ان کا رد ہو کہ وہ اسے دیر تک کا زمانہ سمجھتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں فنا فی اللہ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ وجدانی امر ہے اسے نہیں پہچانا جا سکتا وہی جانتا ہے جسے نصیب ہو اور وہ حضرات جنہیں یہ دولت نصیب ہے وہ اپنے نفوس غلیظہ کے ساتھ باقی ہوتے ہیں ایسے وہ زبان قال سے کیسے سمجھیں یا سمجھائیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے جو نہیں چکھتا وہ کیا جانے وہ کیا ہے۔ کانھم یوم یرونھا الخ کا مطلب یہ ہے کہ یہ سمجھیں گے کہ نہیں ٹھہرے مگر ایک شام یا اس کے دن چڑھے بوجہ آخر الفناء کے اتصال کے آخر بقائے سے۔

حضرت عارف عطار قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گر بقا خواہی فنائے خود گزیں

اولین چیزے کہ می زاید بقاست

ترجمہ : اگر بقاء چاہتا ہے تو فنا اختیار کر سب سے پہلی چیز جو بڑھتی ہے وہ بقاء ہے۔

فضائل نازعات حدیث شریف میں ہے :

من قرأة سورة	جو سورۂ نازعات پڑھتا ہے
النازعات کان ممن حبسه	اسے اللہ تعالیٰ قبر اور قیامت میں
الله فی القبر والقیامة	اتنی دیر ٹھہرائے گا جتنی دیر اس نے
حتی یدخل الجنة قدر صلاة	فرض نماز ادا کی یہاں تک کہ بہشت میں
مکتوبة وهو عبارة من استقصار	داخل ہو جائے اس سے تھوڑی مدت گزرنا
مدة اللبث فیما یلق من البشری	مراد ہے اور ساتھ ہی خوشخبری اور پڑھنے والے
والکرامة فی البرزخ والموقف ۔	کی کرامت کا بیان ہے کہ اسے برزخ اور
(حواشی ابن الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)	موقف میں ایسی کرامت نصیب ہوگی۔

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ خالق البریات کی مدد سے پیر کے دن ۲ صفر الخیر ۱۱۱۷ھ کو سورہ نازعات کی تفسیر سے فراغت پائی۔

فراغتِ اویسی فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورہ نازعات کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲۴ جمادی الثانی ۱۴۰۶ھ / ۲ فروری ۱۹۸۹ء بروز جمعرات شام تین بجے فراغت پائی۔ الحمد للہ علی ذالک و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الکریم - بہاول پور

سُورَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۴۲ رُكُوْعُهَا ۱

سورۂ عبس مکیہ ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — بیالیس آیتیں اور ایک رکوع ہیں

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ③ اَوْ يَذَّكَّرُ

تیوری چڑھائی اور منہ پھیرا اس پر کہ اس کے پاس وہ نابینا حاضر ہوا اور تمہیں کیا معلوم شاید وہ ستھرا ہو یا نصیحت لے تو اسے

فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ④ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑤ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ⑥ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا

نصیحت فائدہ دے — وہ جو بے پروا بنتا ہے — تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو — اور تمہارا کچھ زیاں نہیں اس

يَزَّكّٰى ⑦ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ⑧ وَهُوَ يَخْشٰى ⑨ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ⑩ كَلَّآ

میں کہ وہ ستھرا نہ ہو اور وہ جو تمہارے حضور ملکتا آیا اور وہ ڈر رہا ہے تو اسے چھوڑ کر اور طرف مشغول ہوتے ہو یوں نہیں یہ تو

اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ⑫ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ⑭

سمجھانا ہے — تو جو چاہے اسے یاد کرے — ان صحیفوں میں کہ عزت والے ہیں — بلندی والے پاکی والے

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ⑮ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ⑯ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ⑰ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ

ایسوں کے ہاتھ لکھے ہوئے جو کرم والے نکوئی والے آدمی مارا جائیو کیا ناشکر ہے — اسے کاہے سے بنایا

خَلَقَهٗ ⑱ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ⑲ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ⑳ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ㉑

پانی کی بوند سے اسے پیدا فرمایا پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا پھر اسے راستہ آسان کیا پھر اسے موت دی پھر قبر میں رکھا

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ㉒ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ㉓ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ㉔

پھر جب چاہا اسے باہر نکالا کوئی نہیں اس نے اب تک پورا نہ کیا جو اسے حکم ہوا تھا تو آدمی کو چاہیئے اپنے کھانوں کو دیکھے کہ

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ㉕ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ㉖ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ㉗

ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا — پھر زمین کو خوب چیرا — تو اس میں اگایا اناج

وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ㉘ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ㉙ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ㉚ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ㉛ مَّتَاعًا

اور انگور اور چارہ اور زیتون اور کھجور اور گھنے باغیچے اور میوے اور دوب تمہارے

لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ㉜ فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ㉝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ㉞

فائدے کو اور تمہارے چوپاؤں کے پھر جب آئے گی وہ کان پھاڑنے والی چنگھاڑ اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی

وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ㉟ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ㊱ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ

اور ماں اور باپ اور جورو اور بیٹوں سے ان میں سے ہر ایک کو اس دن ایک فکر ہے کہ وہی اسے بس

يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ﴿٣٨﴾ ضَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ﴿٣٩﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ

ہے — کتنے منہ اس دن روشن ہوں گے — ہنستے خوشیاں مناتے — اور کتنے مونہوں پر اس دن

عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿٤٠﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿٤١﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿٤٢﴾

گرد پڑی ہوگی — ان پر سیاہی چڑھ رہی ہے — یہ — وہی ہیں — کافر — بدکار

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

تفسیر عالمانہ

عَبَسَ (تیوری چڑھائی) دوسرے باب سے ہے۔

حل لغات: العبس والعبوس ترشرو ہونا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تیوری چڑھائی۔

وَتَوَلّٰی (اور منہ پھیرا)، اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی (اس پر کہ اس کے پاس نابینا آیا) ضمیر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف راجع ہے، اور یہ آپ کے منہ پھیرنے کی علت ہے یہ بصریوں کی رائے ہے کیونکہ یہ آپ کے زیادہ قریب ہے۔ یعنی آپ نے منہ پھیرا اس لیے کہ آپ کے پاس نابینا آیا۔

تعارف ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا سے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دوسرے مؤذن تھے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ان بلالا یؤذن بلیل فکلوا واشربوا حتی یؤذن ابن ام مکتوم۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیں تو کھاؤ پیو یہاں تک کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اذان دیں۔

آپ اولین مہاجرین سے ہیں آپ کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں دو بار نماز کا خلیفہ بنایا جب آپ جنگ کے لیے تشریف لے جاتے۔ بعض نے تین بار کا بھی کہا ہے، آپ کا مدینہ میں وصال ہوا۔

بعض نے کہا آپ (جنگ) قادسیہ میں شہید ہوئے۔ قادسیہ ایک گاؤں کوفہ کے قریب میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو قادسیہ کی جنگ میں دیکھا کہ آپ نے زِرہ پہنی ہوئی تھی اور آپ کے پاس سیاہ جھنڈا تھا۔

مروی ہے کہ جس دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فتح ہوئی اس روز کو یوم القادسیہ کہا جاتا ہے۔ آپ نے عجم پر اسی جگہ فتح پائی اور اس میں بہت مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے نام میں اختلاف ہے، بعض نے کہا عبداللہ بن شریح بن مالک بن ربیعہ فہری بنو عامر ابن لوئی سے۔ بعض نے کہا عمرو بن قیس بن زائدہ بن الاصم بنو عامر بن ہلال سے۔

آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماموں زاد ہیں۔ ام مکتوم آپ کی دادی کا نام ہے۔ (کشاف)

حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا (اور یہ ان کا وہم ہے) اور یہ ابن عبدالبر وغیرہ نے صراحۃً لکھ دیا کہ ام مکتوم آپ کی ماں کا نام ہے اس کا اصلی نام عاتکہ بنت عامر بن مخزوم ہے۔

شانِ نزول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کفارِ مکہ کے بڑے بڑے لیڈروں شیبہ کے بھائی عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، عباس بن عبدالمطلب، اُبَی بن خلف اور اُمیہ بن خلف، و لید بن مغیرہ کو دعوتِ اسلام دے رہے تھے اس اُمید پر کہ یہ اسلام قبول کرلیں کیونکہ عوام کی عادت ہے کہ ان کے بڑے مان جائیں تو چھوٹے بھی مان جاتے ہیں۔ جیسے مشہور ہے: الناس علی دین ملوکھم (عوام اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں)۔ اس دوران میں عبداللہ ابنِ اُم مکتوم نابینا حاضر ہوئے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بار بار ندا کر کے عرض کیا کہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے مجھے بھی تعلیم فرمائیے۔ ابنِ مکتوم نے یہ نہ سمجھا کہ حضور دوسروں سے گفتگو فرمارہے ہیں۔ صرف کوئی بات سننے سے لازم نہیں آتا کہ آپ مشغول ہیں کیونکہ اس کا دیکھنا بھی ضروری ہے علاوہ ازیں حضور گفتگو بھی آہستہ آہستہ کر رہے تھے ابنِ ام مکتوم درمیان میں بولنا شروع ہو گئے، یہ معلوم نہ تھا کہ اس سے قطع کلام ہوگا۔ یہ بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر گراں گزری اور آثارِ ناگواری چہرۂ اقدس پر نمایاں ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی دولت سرائے اقدس کی طرف واپس ہوئے۔ اس سے ابن ام مکتوم محزون و ملول ہوئے، اس خیال سے گھر چلے گئے کہ مبادا اللہ تعالیٰ مجھ پر ناراض ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرفداری میں آیات نازل فرما دیں۔

نکتہ: نابینا فرمانے میں عبداللہ بن ام مکتوم کی معذوری کی طرف اشارہ ہے کہ قطع کلام ان سے اس وجہ سے واقع ہو۔

ف : آیت کے نزول کے بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ بن ام مکتوم کا اکرام فرماتے تھے ۔

امام زاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت ہذا کے نزول کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُلایا اور اپنی چادر مبارک بچھا کر اس کے اُوپر بٹھایا ۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ کی تکریم کرتے تھے ۔ جب آپ ابن ام مکتوم کو دیکھتے تو فرماتے : مرحبا بمن عاتبنی فیہ ربی (مرحبا یہ وہ ہیں جن کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ نے (محبوبانہ) عتاب فرمایا) یعنی بقاء المحبۃ ۔ (میں نے اسے محبوبانہ عتاب سے تعبیر کیا ہے ۔ اویسی غفرلہٗ) اور فرماتے : ھل لک من حاجۃ (کوئی حاجت ہو تو بتاؤ)

ف : کہا جاتا ہے کہ آپ عمر بھر اتنے مغموم نہ ہوئے جتنا اس سورۃ عبس کے نزول سے ہوئے کیونکہ اس میں عتاب محبوبانہ ہے اس لیے کہ شانِ محبوبی کے خلاف گفتگو فرمائی اور ساتھ ہی خطاب کو چھوڑ کر صیغۂ خطاب سے گفتگو فرمائی ۔ یہ عتاب بظاہر معمولی ہے (لیکن محبوبوں کے لیے بہت زیادہ) بلکہ دیکھا جائے تو یہ اہلِ ایمان کے لیے ایک عقدہ کا حل ہے اور اس میں متقین کو تنبیہ ہے ۔

گستاخ و منافق امام مسجد کی حضرت عمر رضی اللہ نے گردن اڑا دی

اس ظاہری عتاب کی کیفیت کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک منافق امام مسجد کی گردن اڑا دی جب آپ کو معلوم ہُوا کہ وُہ اپنی امامت کی قرأت میں صرف سورۃ عبس ہی پڑھتا ہے ۔ صرف اس بات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس امام مسجد کے کفر پر استدلال[1] کیا اور اس کی قوم کے سامنے اس کی اوقات واضح کردی کہ یہ ہے رسول کے گستاخ کا انجام ۔

ف : حضرت ابن زید نے فرمایا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وحی کی کوئی شے چھپاتے تو یہی واقعہ چھپانے کا تھا لیکن چھپایا نہیں اور نہ ہی آپ کا یہ منصب تھا ایسے ہی چھپاتے تو آیت تحریم (لم تحرم ما احل اللہ لک ۔ پ ۲۸) چھپاتے ، اور چھپانا ہوتا تو امسک علیک زوجک تا واللہ احق ان تخشاہ (پ ۲) چھپاتے ۔

---

[1] اس سے اندازہ کرنا مشکل نہ ہوگا کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت بڑی دولت ہے ۔ جتنا عشق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیب ہُوا باقی عشاقِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان حضرات کے ریزہ خوار ہیں ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عشق کے تفصیلی واقعات فقیر کی کتاب 'الاصابہ' کے باب عشق الصحابہ میں ملاحظہ ہوں ۔ اویسی غفرلہٗ

ازالۂ وہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فعل ترکِ اولیٰ کے قبیل سے ہے اسی لیے اسے گناہ کہنا بدقسمتی کی دلیل ہے کیونکہ آپ کا اس وقت کا اجتہاد طلب الاولیٰ (اسلام صنادید قریش) کے لیے تھا۔

سوال: حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو اعمیٰ (نابینا) سے یاد کرنا ان کی تحقیر ہے۔

جواب: (۱) یہ عنوان تحقیر کی علامت ہے ان کی تعظیم کی عتابِ محبوبانہ کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے تیوری چڑھانے سے روکا۔

(۲) یہ عنوان حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے اقدامِ بیجا سے معذرت کا رنگ بھی ہے کہ اگرچہ اس نے محبوب علیہ السلام کی گفتگو میں مداخلت کی کہ آپ صنادید قریش سے گفتگو فرما رہے تھے۔

(۳) یہ عنوان ان پر نرمی کے استحقاق کے لیے ہے کہ وہ اس معذوری کی وجہ سے سختی کی بجائے نرمی کے مستحق ہیں۔

(۴) یہ آپ کے زیادہ انکار کی دلیل کا اظہار ہے جو مقام کے اقتضاء معلوم ہوئی کہ محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس نابینا سے رُوگردانی کرنا نامناسب ہے کیونکہ یہ آپ کے خلقِ کریم کے خلاف ہے۔

وَمَا يُدْرِيكَ (اور تمہیں کیا معلوم) یہ التفات بھی اسی لیے ہے کہ اسی عتاب کی تشدید کے لیے ہے کیونکہ عتاب مشافہہ آیا وہ دخیل ہے عام عادت میں کہ عتاب کرتے ہوئے پہلے لوگوں (عوام) کو مخاطب کیا جاتا ہے پھر جس کو عتاب کرنا ہے اس سے بالمشافہہ گفتگو کی جاتی ہے بلا تمثیل یہاں بھی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو اس کے متعلق کس نے بتایا ہے آپ نے اس کے باطن کو کس طرح معلوم کر لیا کہ اس سے (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے) منہ پھیرا۔ یہاں کلام ختم ہوا اسی لیے یہاں وقف کیا جاتا ہے اس کے مابعد مفعول نہیں بلکہ جملہ مستانفہ ہے۔

ف: امام سہیلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: غور کیجئے کہ کلام میں کس طرح نزاکت ہے کہ پہلے صیغۂ غائب ہے عبس وتولّٰی ورنہ کہا جاتا عبست وتولیت، یہ کلام اس طرح ہے جیسے ایسے غائب سے گفتگو ہو جس سے روگردانی کی گئی ہو پھر بطورِ عتاب بالمشافہہ گفتگو ہو، چنانچہ فرمایا وما یدریك (اور تمہیں کیا معلوم) کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ محبوب علیہ السلام کی یہ بے توجہی صرف رغبت فی الخیر کے ارادہ پر تھی اور آپ چاہتے تھے کہ شاید بڑے مشرک مسلمان ہو جائیں یعنی ولید یا امیہ وغیرہ۔ ان جیسے مشرکوں کے مسلمان ہونے پر اور بھی بکثرت لوگ مسلمان ہو جاتے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معرض وعاتب (عتاب کرنے والے) کی طرح کلام کیا، پھر خطاب کے صیغہ سے گفتگو کی تاکہ محبوب (علیہ السلام) کو الحاش (وحشت

دلانے) کے بعد تانیس (اُنس دلانا) ہو۔

سوال : ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے اور بقدر ضرورت مسائل واحکام سے بھی واقف تھے اور کافر ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ آپ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو کفار کی بہت بڑی جماعت کے اسلام قبول کر لینے کی امید تھی، حضرت ابن ام مکتوم (رضی اللہ عنہ) کا مداخلت فی الکلام کرنا بہت بڑی خیر و بھلائی کے انقطاع کا موجب تھا اور یہ بظاہر حرام ہے کفار کا اسلام لے آنا اہم امر تھا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ جو کچھ ابن ام مکتوم نے کیا وہُ بظاہر گناہ و معصیت تھا اور جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہُ واجب اور ضروری تھا پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں عتاب کیا (اگرچہ وہ عتاب محبوبانہ تھا) ۔

جواب : بظاہر تو معاملہ یُوں ہی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فعل اغنیار کو فقرار پر مقدم کرنے کا وہم ہوتا ہے اور ان سے لاپرواہی سے ان کے قلوب کو ٹھیس پہنچنے کا اندیشہ ہے اور یہ منصب نبوت کے لائق نہیں، کیونکہ اس سے ترکِ افضل لازم آتا ہے جس کی تفصیل پہلے گزری ہے اسی لیے عتاب فرمایا۔

لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ شاید وہُ نابینا (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ) پاک ہو (بتشدید بن) دراصل یتزکّی تھا بمعنی یتطھر پاک اس سے جو آپ سے انوار حاصل کرتا ہے گناہوں کی آلائشوں سے ۔

سوال : لعلّ میں تو شک کا احتمال ہے یہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کیوں ؟

جواب : تحقق التزکّی کے لیے تحقق کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ عظمت و کبریائی والوں کی عادت ہے کہ ایسے الفاظ بول کر یقینی امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں، یا یہ لعلّ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے ہے کہ آپ اس کے پاک ہونے کی امید رکھیں اس میں تنبیہ ہے کہ نابینا (ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ) سے اعراض کر کے ایسے لوگوں سے تزکّی کی امید رکھنا جس سے تزکّی کا یقین ہے یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے :

لعلك ستندم على ما فعلت (امید ہے کہ تم عنقریب اپنے فعل سے ندامت اٹھاؤ گے)
(یعنی یقیناً ندامت ہوگی)

اَوْ يَذَّكَّرُ (یا نصیحت پائے) (بتشدید ین) کہ دراصل یتذکر تھا از التذکر بمعنی الفاظ یعنی نصیحت حاصل کرنا فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى (تو اسے نصیحت نفع دیتی) یعنی تمہاری نصیحت اسے فائدہ دیتی اگرچہ وہ تزکّی کے درجے تک نہ بھی پہنچتا۔

ف : کشاف میں ہے معنیٰ یہ ہے کہ تم نہیں جانتے کہ جس سے تزکی و تذکر کی امید ہے اور اگر تمہیں معلوم ہوتا جو تم سے زیادتی ہوئی ہے الخ اسی طرف اشارہ ہے قول یزکی میں یعنی گناہوں سے پاک اور صاف ہونے کی طرف اشارہ ہے اور او یذکر میں تحلیہ کی طرف بعض طاعات سے اسی لیے ان کے درمیان کلمہ تردیدیہ ہے ،

او یذکر کا عطف یزکّی پر ہے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ جو کافروں کے تزکیہ کے درپے ہوتا ہے تو ان سے کسی قسم کی تذکی و تذکر حاصل نہ ہوگا اور اس میں تنبیہ ہے کہ علم کے لیے لائق ہے کہ متعلم کی تعلیم سے تزکیہ مطلوب ہو اس کے جسم اور صورت کو نہ دیکھے جیسے عوام کا نظریہ ہے کہ متعلم کو بھی لازم ہے کہ وہ بھی اہل تعلیم کے حصول میں ضلالت کی پلیدیوں سے پاک اور قلب کی تطہیر از ادناس جہالت جہالت کا ارادہ ہو نہ کہ دنیا کے بیکار امور۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی (اور وہ جو بے پروا بنتا ہے) اما تفصیلیہ ہے یعنی وہ جو ایمان سے بے پروا ہے اور اس سے جو تمہارے پاس علوم و معارف ہیں سب کو قرآن مجید حاوی ہے۔

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی (تم اس کے تو پیچھے پڑتے ہو) اس میں ایک تاء محذوف ہے تخفیفاً کہ دراصل تتصدّی تھا یعنی درپے ہو اس کی طرف متوجہ ہونے کو، اور اس کی رہبری اور اصلاح کرنے کا اہتمام کرتے ہو اور نابینا سے اعراض اور بے پروائی۔

ف : اس میں کفار سے مزید نفرت دلانا ہے اور ان کی سنگت اس لیے کہ جس سے رُوگردانی کرنی ہے اس کی طرف متوجہ ہونا اچھے لوگوں کا کام نہیں۔

حلِ لغات التصدّی بمعنی کسی شے کے پیچھے لگنا اس کے ساتھ مقید ہونا اور اس کے لیے اہتمام کرنا اس کی نقیض التشاغل عنہ ہے اس سے رُوگردانی کرنا۔

المفردات میں ہے التصدی یعنی شے کے بالمقابل ہونا صدائے بازگشت کی طرح صدی بمعنی پہاڑ کی بازگشت۔

کشف الاسرار میں ہے حرص کر کے شئے کے ایسے پیچھے لگنا جیسے پیاسا پانی کے پیچھے لگتا ہے۔

بعض نے کہا تصدّی دراصل تصدّد ہے از الصدد بمعنی وہ شے جو تیرے سامنے ہو اور چہرہ کے برابر آگے ہو۔ ایک دال کو حرکت کے موافق الف کے ساتھ تبدیل کیا گیا۔

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى (اور تمہارا اس میں زیاں نہیں کہ وہ ستھرا نہ ہو) تم پر کوئی گناہ اور زیاں نہیں اس میں کہ وہ پاک اور ستھرا نہ ہو وہ جو اسلام سے بے پروا ہے یہاں تک کہ تم اس کے لیے اہتمام کرو اور اعراض کرو جو مسلمان ہے تمہارے ذمّہ تو صرف پیغام پہنچانا ہے پھر اس کے لیے تمہارا اہتمام کیسا؛ جیسے اسلام کی قابلیت نہیں کیونکہ وہ تو حبِ دنیا کے لیے ہی پیدا ہوا ہے اور آخرت سے روگردانی پر اس کی پیدائش ہوئی ہے۔

ف : اس میں اس کی اہانت ہے جو اسلام سے رُوگردانی کرتا ہے۔ ما نافیہ ہے اور کلمہ فی المقدار ہے

ما کے اسم سے متعلق ہے اور وہ بھی محذوف ہے اور جملہ تصدیٰ کی ضمیر سے حال ہے جو جہت انکار کا مقررہ ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى (اور وہ جو تمہارے حضور بلکتا آیا) درانحالیکہ وہ دوڑتا اور طالب ہے اس کا جو تمہارے پاس رشد و ہدایت اور نیک خصلتیں ہیں وَ هُوَ يَخْشٰى درانحالیکہ وہ ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ سے یا کفار سے اور ان کے آنے پر آپ کو اذیت پہنچانے سے۔

ف: حضرت سعدی المفتی نے فرمایا کہ یہ عبارت از قبیل احتباک ہے کہ غنا ر کا ذکر فقر پر دلالت کرنے کے لیے اولاً و ثانیاً اور جاء اور یخشی کا ان کی نقیضین کے لیے ثانیاً و اولاً۔

فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى (تو اسے چھوڑ کر اور طرف مشغول ہوتے ہو) یہاں بھی تخفیفاً ایک تاء محذوف ہے کہ دراصل تتلھّٰی تھا بمعنی تتشاغل۔

حل لغات: تلھّٰی از لَھِیَ عن الشیٔ (بکسر الھاء) یلھٰی لھیًا بمعنی اعرض عنہ یعنی اس سے رُوگردان ہُوا نہ از لھوتُ بالشیٔ (بالفتح) اَلھُوْ، لھواً بمعنی میں اس سے کھیلا۔

تفسیر کا ادب تلھّٰی کا مادہ لھو اس لیے نہیں کہ یہ ضمیر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے اور یہ آپ کی شان کے لائق نہیں کہ آپ میں لھو ہو (معاذ اللہ) بخلاف اشتغال عن الشیٔ، کسی سے رُوگردانی کرنا یہ آپ سے ممکن ہے بوجہ مصلحت (دین) کے۔ اگر بقول بعض مفسیر اسے لھو سے مان لیا جائے اور یہ ترجمہ ہو کہ آپ کا اہلِ تغافل کے ساتھ مشغول ہونا لھو کی جنس سے ہے فلہذا کیا حرج ہے کہ لھو کی نسبت ہو لیکن یہ ایسا مطلب ہے کہ اس سے کوئی فائدہ مرتب نہیں ہو سکتا اور خلل من وجہ سے خالی بھی نہیں (اور وہ شانِ رسالت کے لائق نہیں) اس میں ایک اور خرابی لازم آتی ہے وہ یہ کہ حضور علیہ السلام تو دعوتِ اسلام دے رہے تھے اور اسے لھو و لعب کہنا ایک ایسا امر ہے کوئی بھی اہلِ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ماننے کے لیے تیار نہیں۔ (اسے کوئی بے ایمان مراد لیتا ہے تو بے ایمان کا کیا اعتبار) کیونکہ یہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل تغافل سے تشاغل کا کیا معنی، اگر تبلیغ و ارشاد کے لیے تھا تو پھر وہ لہو کہاں، تو یہ بے نفع کیسا۔

نکتہ: دونوں جملوں میں انت (ضمیر) کی تقدیم دلیل ہے اس کی کہ انکار کا دارومدار حضور علیہ السلام ہے کہ آپ جیسے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو لائق نہیں کہ ایسے مستغنی اسلام کے درپے ہوں اور فقیر طالب (ابن ام مکتوم) سے منہ موڑیں۔

نکتہ: لَہٗ اور عنہٗ کی تقدیم میں تعریض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں مضمونوں کا اہتمام فرمایا اس میں تنبیہ ہے کہ یہ قصہ ارواح و احوال کے لیے عبرت ہے نہ کہ اجسام و اموال کے لیے۔

اور اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزیز وہ ہے جو ایمان و طاعت سے مالا مال ہے اگرچہ وہ لوگوں کی نظر دل میں حقیر و ذلیل ہے، بلکہ ذلیل وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اس کے کفر و معصیت کی وجہ سے ذلیل کرے اگرچہ لوگوں کے ہاں عزیز (معزز) ہو (جیسے ہم کہتے ہیں بدمذہب اور بدعقیدہ آدمی اگرچہ کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو وہ ہمارے نزدیک جُوتے کی نوک کے برابر بھی نہیں اور صحیح العقیدہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو وہ ہمارے سر کا تاج ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنا کانٹوں کی سیج پر بیٹھنے اور آگ کی مالا گلے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

ف: عبس و تولّیٰ کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی کسی فقیر (مسکین) کے سامنے تیوری نہ چڑھائی اور نہ ہی کبھی رُو گردانی فرمائی اور نہ ہی کبھی کسی دولت مند کے لیے اہتمام فرمایا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس مبارک میں فقراء اور امراء سب ہوتے[1] یعنی درگاہِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں ہی فقراء کو کامل و مکمل احترام نصیب ہوتا ہے۔

مسئلہ: اس میں چھوٹے کو بڑے کا ادب سکھایا ہے، بلکہ اس میں تمام حاملینِ شرع و علم و احکام کو سبق ہے کہ اہلِ خیر کو مقدم رکھیں خواہ وہ کتنا ضعیف (کم مرتبہ) اور شریف (سید) کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو، اگر علم و عمل کی دولت سے عاری ہو تو اس پر اہلِ علم اور اہلِ خیر کو تقدیم دیں (مجھے دورِ حاضرہ کے علماء کرام پر تعجب ہے کہ وہ جاہل، بے عمل پیروں (اہلِ دنیا) کو اہلِ علم اور نیک سیرت اشخاص پر ترجیح دیتے ہیں صرف ان جاہل پیروں (اہلِ دنیا) کو خوش کرنے کے لیے، ایسے علماء کے منہ میں جہنم کی لگام دی جائے گی[2] اگرچہ یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے لیے ہے لیکن حکم عام تا یوم القیام ہے۔

تفسیر صُوفیانہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے درجۂ فقر اور اس کے اہل کی تعظیم اور دنیا کی خست اور اس کے اہل کی تحقیر بیان کی ہے اسی لیے فقراء (صلحاء و اولیاء اللہ) کی صحبت میں مشغول ہونا چاہیے کیونکہ انہی سے صدق و تجرد کی خوشبو آتی ہے ان کی صحبت بابرکت سے فائدہ نصیب ہوتا ہے بخلاف صحبت اہلِ دنیا کے کہ اس سے زیاں ہی زیاں ہے بلکہ صحبت میں ضیاع ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من تحامل علی فقیر لغنی — جس نے فقیر پر غنی کے لیے بوجھ ڈالا

---

[1] بلکہ آج تک ہے کہ گنبد خضراء کے خواجہ سراؤں کو فقیر نے آنکھوں سے بڑے بڑے امیروں کو دھکیلتا دیکھا۔ وہاں پتا چلتا ہے کہ دربارِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے فقیر ہی درحقیقت امیر ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

[2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ففقد هدم ثلث دینہ ۔ (یا اس کے ساتھ انصاف نہ کیا) اس نے دین کا تہائی حصہ منہدم کردیا ۔

حل لغات تحامل از تحاملت علی الشیٔ ہے بمعنی تکلفت الشیٔ علی مشقۃ و تحامل فلان علی فلان (میں نے کسی کو مشقت کا مکلف بنایا ، فلاں نے فلاں کے ساتھ انصاف نہ کیا)

تفسیر صوفیانہ ۲ بعض اکابر نے فرمایا کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکابر قریش کی عزت افزائی اس لیے فرمائی کہ اعزاء از مخلوق مظاہر العزۃ الالٰہیہ ہیں ان کی تقدیم علی الفقراء اہل الصفۃ کی عادت سے ہے تاکہ صفتِ کبریائی کا حق ادا ہو سکے جب اس میں اس کو صفت کبریائی مشارکاً نہ سمجھے بلکہ مظہر سمجھے لیکن اس سے بڑھ کر اور مرتبہ ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حکم فرمایا جو کہ یہ سورہ عبس کے مطابق حکم ہوا کہ :

واصبر نفسک مع الذین یدعون ربہم بالغداۃ والعشی (الآیۃ) خود کو ان کے ساتھ لازم پکڑو جو صبح و شام رب تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ۔

اس میں اشارہ ہے کہ آپ ہر شے میں مشاہدۂ حق کریں کسی کی تخصیص نہیں علی الاطلاق مشاہدہ ہو جو کہ وہی حق ہے جیسے فرمایا :

جعت فلم تطعمنی و ظمئت فلم تسقنی (الحدیث کما فی الجواہر للشعرانی) میں بھوکا رہا مجھے کسی نے کھانا نہ کھلایا ، میں پیاسا رہا مجھے کسی نے پانی نہ پلایا ۔ (الحدیث ، الجواہر للشعرانی رحمہ اللہ)

تفسیر عالمانہ کلآ (یوں نہیں) مستغنی از اسلام کے درپے ہونے سے اور مسترشد کے ارشاد سے اعراض سے جھڑکا ہے ۔

ف : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب یہ آیات حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنائیں تو خوفِ خدا سے آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہوگیا ، ایسے محسوس ہوا کہ خشکی سے آپ کا چہرۂ اقدس راکھ کی طرح خشک ہوگیا ہے اس خوف سے کہ نہ معلوم اللہ تعالیٰ اس پر کیا حکم صادر فرماتا ہے ۔

جب جبریل علیہ السلام نے عرض کی کلا ۔ اس سے آپ کے چہرۂ اقدس پر مسرت ظاہر ہوئی اور تسریہ ۔ التسریۃ بمعنی غم ہٹا دینا ۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! آئندہ ایسا نہ کرنا کیونکہ یہ آپ کے شایانِ شان نہیں ۔

اِنَّهَا (بیشک قرآن) ضمیر مؤنث باعتبار خبر کے ہے جو کہ مؤنث ہے تَذْكِرَةٌ (سمجھانا ہے) پند و نصیحت ہے اس سے نصیحت حاصل کرنا واجب اور اس کے موجب پر عمل کرنا ضروری فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (توجو چاہے اسے یاد کرے) قرآن کو حفظ کرے اسے نہ بھلائے یا اس سے نصیحت حاصل کرے اس لیے کہ جو اس سے رُوگردان ہے وہ اسلام سے رُوگرداں ہے اس کے معاملہ میں کسی قسم کا اہتمام نہیں چاہیے فِیْ صُحُفٍ (ان صحیفوں میں)

حلِ لغات صحف صحیفہ کی جمع ہے۔ عرب کے نزدیک ہر مکتوب (لکھا ہوا) صحیفہ ہے اور یہ مضمر کے متعلق ہے اور وہ تذکرۃ کی صفت ہے اور موصوف کے صفت کے درمیان جملہ معترضہ اس میں ترغیب اور اس کی حفظ کی تحریص کے لیے لایا گیا ہے یعنی وہ ان صحیفوں میں ہے جو لوحِ محفوظ سے لکھے گئے ہیں یا یہ ان کی دُوسری صفت ہے اور دو خبروں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

ف : سجاوندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ محذوف کی خبر ہے کہ دراصل "ھی فی صحف" تھا، یہاں پر وقف لازم کی علامت رکھی گئی تاکہ وہم نہ ہو کہ اس کا تعلق اسی کے ماقبل سے ہے اور اس سے متعلق ہو تو وہ ناجائز ہے مثلاً عبارت ہوگی من شاء ذکرہ فی صحف۔ (یہ اس لیے کہ من شاء کا ذکر صحیفوں میں نہیں)

مُّكَرَّمَةٍ (عزّت والے ہیں) اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرّم ہیں کیونکہ وہ قرآن کریم کے صحیفے ہیں مَّرْفُوْعَةٍ (بلندی والے) اٹھائے ہُوئے ساتویں آسمان میں یا مرفوع المقدار والذکر (بلند قدر اور بلند ذکر والے) ہیں کیونکہ مشہور ہے کہ وہ آسمانِ دُنیا کے بیت العزت میں رکھے ہوئے ہیں مُّطَهَّرَةٍ (پاکی والے) شیاطین کے ہاتھوں کے چھُونے سے منزّہ اور پاک ہیں بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ (ایسوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے) ان لکھنے والے ملائکہ کے ہاتھوں سے جو اسے لوحِ محفوظ سے لکھتے ہیں۔

حلِ لغات سفرۃ، سافر کی جمع از سفرٌ ہے بمعنی لکھنا، اس لیے کہ لکھنے میں سَفر کا معنی ہے سفر بمعنی کشف، توضیح۔ اور کاتب سافر ہے یعنی وہ شے کو بیان اور واضح کرتا ہے السفر (بفتحتین) کو اس لیے سفر کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کے اخلاق کو بیان اور واضح کرتا ہے۔

ف : علماءِ کرام نے فرمایا کہ سفرۃ کا لفظ انہی ملائکہ سے خاص ہے ان کے ماسوا دیگر پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا اگرچہ لغت کی رُو سے جائز ہے اور باء مطھرۃ کے متعلق ہے۔

نکتہ : قفال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ چونکہ اسے صرف مطہر ملائکہ کرام کا ہاتھ لگا ہے تو اس کی طرف تطہیر کا اسناد ہُوا کہ اسے صرف مطہر ملائکہ کا ہی ہاتھ لگا ہے۔

ف : قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا لا یمسّہ الا المطھرون میں بھی یہی ملائکہ کرام مراد ہیں اسی لیے یہ محلاً

مجرور ہے کہ صحف کی صفت ہے کہ دراصل عبارت یُوں ہے فی صحف کائنۃ بایدی یا مکتوبۃ بایدی سفرۃ اسی لیے بعض نے وقف لازم مطھرۃ پر کیا ہے تاکہ وہم نہ ہو کہ باء کا تعلق اسی سے ہے ۔

کِرَامٍ قُرب و شرافت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ہیں از کرامت ۔ کریم کی جمع ہے یا اہلِ ایمان پر مہربان ہیں کہ ان کے لیے استغفار کرتے ہیں از کرم جو لوم کی نقیض ہے ۔

ف : ابن عطاء نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ابن آدم کے ساتھ والے (کراماً کاتبین) فرشتے ہیں خواہ وہ اپنی زوجہ سے جماع کرے یا قضائے حاجت کو جائے، اس کی مراد وہی کراماً کاتبین ہیں اس میں سوچ بچار کر۔

بَرَرَةٍ (پاکیزہ) بوجہ ان کے تقدس عن المواد کے، اور ان کے جواہر کا تعلقات سے تنزہ کا، یا وہ اللہ کے مطیع ہیں ان کے قول فلان یبر خالقہ (فلاں اپنے خالق کی اطاعت کرتا ہے) کے، یا سچے ہیں بر فی یمینہ سے ۔ یعنی وہ اپنی قسم میں سچا ہے، بارّ کی جمع ہے جیسے فاجر کی جمع فَجَرَۃٌ ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ (آدمی مارا جائیو) شنیع تر دعا ہے انسان کے لیے، کیونکہ قتل دنیا کے شدید فظیع ترین امور سے ہے ۔ اس کی تفسیر لعنت سے بھی ہے یعنی کافر لعنتی ہو جائیو، عین المعانی میں بمعنی عُذِّب (عذاب کیا جائیو) ہے ۔ مَآ اَكْفَرَهٗ (کیا ناشکر ہے) باوجودیکہ اس پر اللہ تعالیٰ کے اَن گنت احسانات ہیں لیکن پھر بھی ناشکر ہے کیونکہ مخلوق میں بڑا کافر ہے اُس کے کُفران میں حد سے بڑھ جانے سے فعل تعجب لایا گیا ہے ظاہر کے اعتبار سے، کیونکہ حقیقی تعجب کا معنی ہے کہ اس شخص سے تعجب کا صدور ہو جو جاہل ہو اس وجہ سے کہ اس پر شے کا سبب مخفی ہے اور وُہ ذات کہ جس کا علم جمیع علوم کو محیط ہے اس سے خفار کا تصور توبہ توبہ ، تو اسی معنی پر یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو تعجب دلانا اور جن پر لعنت و بُری دُعا استعمال ہوئی اس کے استحقاق کا اظہار ہے ۔ اب معنی ہوگا کہ اے بندو! اس سے تعجب کرو جو اللہ تعالیٰ سے کفر کر رہا ہے اور باوجودیکہ وہ اس کے احسانات کو جانتا ہے تب بھی ناشکری کر رہا ہے بلکہ تم بھی اس پر بددعا کرو قتل اور لعنت وغیرہ کی کہ وہ اس کا مستحق ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ بعض مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے کافر کو لعنت فرمائی اور اس کے کفر کو عظیم کفر بنایا جو اپنے صانع کی معرفت حاصل نہ کر سکا اور نہ ہی اپنے نفس کو پہچان سکا اگر وہ نفس کو پہچان لیتا تو صانع کی معرفت حاصل کر لیتا ۔

ف : ابن الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ دُعا عرب کے اسلوب پر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ عاجز ہے تو ایسی بددُعائیں کر رہا ہے ورنہ وہ دشمنوں سے انتقام لیتا ایسے ہی یہ تعجب بھی حقیقی معنی میں نہیں بلکہ اس کے عظیم اور شدید ترین غضب و غصہ کا اظہار ہے ورنہ وہ عجز و جہل سے منزہ و

مقدس ہے بلکہ اس سے مقصود (یعنی اسے دعا کے طرز پر لانا) دلیل ہے اس کے غضب اور غصے کی، اور تنبیہ ہے کہ ایسا کافر سخت ترین عقوبات اور شنیع ترین سزا کا مستحق ہے اور صیغۂ تعجب سے اس کی بلیغ مذمت ہے کہ وہ قبیح ترین فعل کا مرتکب ہُوا ہے اور غصہ اور غضب اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے ایسے ہی اس کا کسی کی مذمت کرنا بھی۔

ف: ما اکفرہ کو استفہام بنانا بھی جائز ہے اور انسان سے من استغنیٰ عن القرآن یعنی وہ جو قرآن سے لاپروا ہے جس کے اوصاف مذکور ہُوئے، یا اس سے انسان کی جنس مراد ہے جو اسے اور اس کے ہم مثل اور کو بھی شامل ہے نہ کہ باعتبار جمیع افراد کے۔

تفسیر عالمانہ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ (اسے کاہے سے بنایا) کیسی حقیر ذلیل شے سے اسے بنایا یعنی فکر بھی نہیں کرتا، سوچتا بھی نہیں کہ اسے اللہ تعالیٰ نے کس شے سے پیدا کیا، اسے خود بیان فرمایا مِنْ نُّطْفَةٍ (پانی کی بوند سے) (یعنی منی پلید سے) خَلَقَهٗ (اسے پیدا کیا) تو جس کی اصل ایسی حقیر و ذلیل شے ہو اسے تکبّر و تجبر و کفران کب لائق ہے اس منعم کے ساتھ جس نے ایسی حقیر و ذلیل شے کو ایسی قیمتی اور حسین و جمیل اور بارونق صورت بخشی۔

ف: حضرت سجاوندی رحمہ اللہ نے من نطفۃ پر وقف مطلق کی علامت وضع فرمائی دوسرے خلقہ کو مقدر مان کر، جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے اور اس نے خلقہ فقدرہ دوسرا جملہ مستانفہ مانا ہے بوجہ انسان کی تخلیق اور اس پر انعام کے اتمام کے، اور جس نے اس کا متعلق مابعد بنایا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اس نے وقف نہیں کیا۔

فَقَدَّرَهٗ (پھر اسے طرح طرح کے اندازوں پر رکھا) اسے جو اس کی صلاحیت پر اور اس کے لائق اعضاء و جوارح اور اشکال اور کمیّت و کیفیت پر اسے تیار کیا یعنی مقدار معلوم پر اعضاء و اشکال اور کمیت و کیفیت سے اسے مستعد بنایا اس کے لیے کہ وہ اس میں قدر لائق تک پہنچ سکے اپنی مصلحت کے ساتھ اس سے عطف الشیٔ علیٰ نفسہٖ لازم نہیں آیا اس لیے کہ خلق ماخوذ ہے القدر سے بمعنی اللہ تعالیٰ نے اسے مقدر فرمایا تقدیر اوّلی پر، پھر اسے طرح طرح سے مقدر فرمایا علقہ سے مضغہ سے وغیرہ وغیرہ، پھر مذکر یا مؤنث، بدبخت یا نیک بخت۔ بعض نے کہا دونوں وجہوں پر فاء تفصیلیہ ہے اس لیے کہ تقدیر دونوں معنوں کو متضمن ہے۔

ثُمَّ السَّبِیْلَ یَسَّرَهٗ (پھر اس کا راستہ آسان کیا) منصوب ہے مضمر سے، ظاہر اس کی تفسیر کرتا ہے یعنی اس کا ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ آسان کیا کہ رِحم کا منہ کھولا حالانکہ وہ تنگ تھا ولادت سے پہلے، اور اسے القاء کیا کہ اوندھا ہو جا یعنی اُلٹا کہ پاؤں اُوپر اور سر نیچے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کی ولادت ممکن نہ ہوتی اور اس کا دین و دنیا کا راستہ آسان کیا خیر و شر کے لیے، اور ان دونوں میں چلنے کی آسانی دی اس پر اسے قدرت اور

پہچان بھی دی کہ اس کے لیے نافع کیا ہے اور ضار (ضرر رساں) کیا اور انبیاء علیہم السلام بھیجے اور کتابیں نازل کیں وغیرہ وغیرہ۔

سوال: السبیل معرفہ باللام کیوں بالاضافۃ کیوں سبیلہ ہونا چاہیے۔

جواب: عموم کے لیے ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ عام انس وجن کے لیے بمعنی ثانی اور حیوانات کے لیے بمعنی اول۔
حضرت ابن عطار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس کے لیے مقدر ہے توفیق اس کے رُشد وہدایت اور اتباع نجات آسان کی۔

اور حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا: آسان کی ہر وُہ سے جو اس کے لیے پیدا کی گئی اور مقدر کی۔
ثُمَّ اَمَاتَهٗ (پھر اُسے موت دی) اس کی رُوح قبض کی اس کے اجل مقدر مسمی کے وقت **فَاَقْبَرَهٗ** (پھر اسے قبر میں مدفون کرایا) قبر میں مدفون ہو تاکہ پوشیدہ ہو، اس کی تعظیم وتکریم کے لیے، اسے زمین پر بے پردہ ایسے ہی درندوں اور پرندوں کے لیے دوسرے حیوانات کی طرح۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اسے درندوں کے لیے ایسے آوارہ نہیں پھینکا یا پھینکا جاتا تو نواویس ( ) کے لیے، یہ قبر میں دفنانا مسلمانوں کا اکرام ہے۔

حل لغات کہا جاتا ہے: قبر المیت دفنہ بید (اسے اپنے ہاتھ سے دفنایا) القابر بمعنی الدافن (اپنے ہاتھ سے دفنانے والا) القبر بمعنی میت کی قرارگاہ۔ اقبرہ، امر بدفنہ (اس کے دفنانے کا حکم دیا یا مکنّ منہ اس کے دفنانے پہ قدرت تھی، ورنہ حقیقی قبر میں داخل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہی قبور میں دفن کرنے کا حکم دیتا ہے۔

المفردات میں ہے اقبرتہ (میں نے وہ جگہ تیار کی جس میں وہ دفنایا گیا) جیسے اسقیتہ (میں نے اس کے لیے پانی تیار کیا تاکہ وہ پیے)

بعض نے کہا اس کا معنی ہے اس نے اسے القار کیا کہ کیسے دفنایا جائے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

کندن گورے کہ کمتر پیشہ بود — کے زفکر وحیلہ واندیشہ بود
جملہ حرفتہا یقین از وحی بود — اول اولیک عقل آنرا فزود

ترجمہ: قبر کا کھودنا کہ بڑا اکثر پیشہ ہے یہ مکر وحیلہ واندیشہ سے کیسے ہو تمام صنعتیں یقینی طور پر وحی سے حاصل ہوتی ہیں پہلے وحی پھر عقل سے اضافہ ہوتا ہے۔

موت بھی نعمت ہے اماتۃ (موت دینا) کو اللہ تعالیٰ نے نعمت کہا ہے لیکن یہ صرف اہلِ ایمان کے لیے ہے کیونکہ وُہ دنیا کی قید سے چھوٹ جاتا ہے اور اس کے لیے موت

شان یہ ہے کہ وہ تحفہ اور دائمی زندگی اور ہمیشہ کی نعمتوں کی طرف پہنچانے والی ہے لیکن یہ کافر اور بد مذہب (گندے عقیدے اور بُرے اعمال والے) کے لیے دُکھ درد اور بلاء و مصیبت کی کنجی ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ اماتت کا ذکر اقبار (قبر کا ادخال) کا مقدمہ ہے یا تخویف و تذکیر کے لیے ہے کہ حیوٰۃ دنیوی فانی اور اس کا انجام موت ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے : ؎

فلا تمشین فی منکب الارض فاخرا

فعما قلیل یحتویك ترابها

ترجمہ : زمین کے کاندھے پر فخر و ناز (اکڑ کر) نہ چل، بہت تھوڑے عرصہ کے بعد اس کی مٹی تجھے گھیر لے گی۔

یا موت کی استعداد کے لیے اس کا ذکر کیا گیا ہے یا اس کے بالمقابل انشرہ کی رعایت کے لیے ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کمال قدرت اور کامل حکمت کا مالک ہے۔

ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ (پھر جب وہ چاہے گا اسے منتشر کرے گا) اس کا انشار و احیاء و بعث (مرنے کے بعد اٹھانا) اس کی مشیت پر ہے کہ جب چاہے گا قبور سے زندہ کر کے اُٹھائے گا۔

نکتہ : انشار کو اس کی مشیت سے متعلق کرنے میں تنبیہ ہے کہ اس کا کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔

ف : موت کا وقت مقرر ہے کیونکہ ہم یقین کرتے ہیں کہ مثلاً ہمارے زمانے کے لوگ ڈیڑھ صدی سے تجاوز نہیں کرتے لیکن ایسا حتمی اندازہ انشار کے لیے نہیں (ایسے ہی مفسرین نے فرمایا)۔

ف : موت کا سِن معلوم اور اصل محدود ہے کہ اسے صرف اور صرف مشیت کے سپرد نہیں کیا جاتا اور انشار کو مشیت سے مقید کرنا ضروری نہیں کہ موت بھی مقید بہ مشیت ہو اس کے لیے کہ انشار وہ دور ہے کہ اس میں زمانے کا اجراء ہوتا ہی نہیں یا اس لیے کہ وہ زمانۂ قیامت کا مقدمہ بلکہ قیامتِ صغریٰ قیامتِ کبریٰ کی طرح مجہولہ ہے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ میّت اگر اہلِ سعادت ہو تو اس کا انشار (قبور سے اٹھایا جانا) اہلِ سعادت سے ہو گا اگرچہ وہ اہلِ شقاوت کے ساتھ مدفون ہو۔ ایسے ہی اہلِ شقاوت کا اہلِ شقاوت کے ساتھ انشار ہو گا چاہے اس کا مدفون اہلِ سعادت کے ساتھ ہو۔

اسی لیے صاحب المشارق رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے خطبہ میں فرمایا :

اعجوبہ ثم اذا شاء منها انشره ای من مکة — پھر جب چاہے اس سے یعنی مکہ سے مرنے

فان من دفن بمكة ولم يكن لائقا بها تنقله الملائكة الى موضع آخر۔
(روح البیان ج ۱ ص ۳۳۴)

کے بعد اٹھائے اس لیے کہ وہ جو مکہ معظمہ کے گورستان (جنۃ المعلیٰ) میں مدفون ہو لیکن وہاں کے لائق نہ ہو تو اسے ملائکہ دوسری جگہ منتقل کر دیتے ہیں۔

حدیث شریف ۱ میں ہے:

من مات من امتی یعمل عمل قوم لوط نقله الله الیهم حتی یحشر معهم۔

میرا امتی جہاں مرے بدقسمتی سے وہ قوم لوط کا عمل کرتا ہے (یعنی لواطت کا ارتکاب کرتا ہے) تو اسے اس کی قبر سے نقل کر کے لوطیوں کے ساتھ پہنچایا جاتا ہے تاکہ قیامت میں ان کے ساتھ اس کا حشر (اٹھنا) ہو۔
(معاذاللہ)

حدیث شریف ۲ میں ہے:

من مات وهو یعمل عمل قوم لوط سار به قبره حتی یصیر معهم و یحشر یوم القیامة معهم۔
(الدر المنتشرۃ للامام السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ)

جو شخص قوم لوط کا عمل کرتا مرے (یعنی اس بُرے عمل سے اسے توبہ نصیب نہ ہوئی) تو اس کی قبر چل کر وہاں پہنچتی ہے جہاں لوط کی قوم ہے وہ ان میں مل جاتا ہے یہاں تک کہ قیامت میں وہ ان کے ساتھ اُٹھے گا۔
(معاذاللہ)

شیعہ کا انجام بد ایک شخص مسمی بہ ابن ہیلان سخت شیعہ تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جی بھر کر گالیاں بکتا تھا ایک دن ایک دیوار ڈھا رہا تھا، دیوار اس پر گری اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا، اسے جنۃ البقیع (مدینہ طیبہ کے گورستان) میں دفنایا گیا۔ جس قبر میں دفنایا گیا دوسرے روز وہ وہاں نہ ملا، نہ وہ مٹی ملی جو اس کی قبر کے اندر ڈالی گئی لیکن قبر اوپر سے صحیح و سالم تھی تاکہ وہم نہ ہو کہ کسی نے اس کی قبر کو کھود کر کہیں باہر پھینکا ہو گا، جسے جم غفیر نے دیکھا۔ یہاں تک کہ حضرت قاضی جمال الدین رحمہ اللہ وہاں تشریف لے گئے اور لوگ اس قبر دیکھنے کے لیے دُور دُور سے آئے اور یہ قصہ دور دور تک پھیل گیا اور یہ واقعہ بھی عجوبۂ روزگار سے شمار ہوا اور جس اس سے عبرت حاصل کی اللہ تعالیٰ نے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت وسلا

کا سوال کرتے ہیں۔

حکایت حضرت محمد بن ابراہیم موذن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موسمِ حج میں مَیں نے ایک شخص کو مُردہ پایا اُسے اٹھا کر قبر تک لے جانے کے لیے کوئی آدمی نہ ملا، میں اکیلا نہ اٹھا سکتا تھا، ایک آدمی نے میری مدد کی، ہم نے اس کی قبر کھود کر اسے قبر میں رکھا تو دوسرا شخص چلا گیا۔ میں اس کی لحد کے لیے اینٹیں لینے گیا واپس آیا تو مُردہ موجود نہ تھا، اس کی قبر ایسے ہی کھلی چھوڑ دی۔

حکایت دیگر بعض بزرگوں کا فرمان ہے کہ ہم نے بہت سے دوستوں کو دیکھا کہ وہ مدینہ منورہ کے باہر مرے لیکن خواب میں دیکھے گئے انہوں نے دیکھنے والے سے کہا کہ ہماری اولاد سے سلام کہہ دینا کہ ہم اپنی قبر سے اٹھوا کر جنۃ البقیع میں پہنچا دیئے گئے ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار کے قریب ہی مدفون ہیں، اگر وہ ہماری قبر کی زیارت کو آئیں تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مزار کے فلاں طرف ہماری قبر ہے، وہاں آ کر ٹھہریں اور السلام علیکم کہہ کر دُعا کریں۔ (المقاصد الحسنہ للسخاوی)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو لائق نہیں کہ وہ کفر پر مرے اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نطفۂ وجودِ مطلق سے بنا کر اسے اپنی ذات و صفات کی مظہریت کے لیے تیار فرمایا پھر اس کے لیے ظہور بمظاہر اسماء جمالیہ و جلالیہ کا راستہ آسان فرمایا پھر اسے اس کی انانیت سے موت دی، پھر فنا از رؤیۃ فنا کی قبر میں دفنایا، پھر جب چاہے گا تو فنا کے بعد بقا کی صورت میں اٹھائے گا۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ وہ نعمت کی قدر پہچانے، عُجب و غرور ظاہر نہ کرے یعنی وہ کمالاتِ الٰہیہ ہیں ان کا اپنے لیے دعویٰ نہ کرے یعنی علم و قدرت و ارادہ وغیرہ کا مدعی نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ **كَلَّا** (کوئی نہیں) یہ انسان کو زجر اور رکاوٹ ہے اس سے جس پر وہ ہے۔

ف: حضرت سجاوندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ **كَلَّا** بمعنی **حقًا** ہے اسی لیے انہوں نے یہاں وقف نہیں کیا بلکہ اَمَرَہٗ پر وقف فرمایا ہے اس لیے کہ کلّا جب بمعنی حقًا ہو تو وہ ماقبل کا تابع ہوتا ہے۔

لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ (ابھی پُورا نہیں کیا جو اسے حکم ہوا ہے) بعض تفاسیر میں ہے کہ یہ ما صلہ کا ہے تاکید کے لیے فعل پر داخل ہُوا جیسے فبما رحمۃ من اللہ۔ اور لَمّا بمعنی لَمْ ہے اس میں توقع کا معنیٰ نہیں اور ما امرہٗ کا ما موصولہ ہے عائد اس کا محذوف ہے کہ دراصل ما امرہ بہ ہے پہلے حرف جارہ محذوف ہُوا ما امرہ ھُوَ بچا پھر ھُوَ عائد بھی حذف کر دیا گیا نیز یہ کہ عائد باقی رہ جائے بوقتِ حذف محذوفہ ضمیر ھُوَ انسان کی طرف عائد ہو اور جو ضمیر باقی ہے وہ ما موصولہ کی طرف راجع ہوگی،

(اسے اچھی طرح سمجھ لے اور اس جیسے اوروں کا بھی یہی قاعدہ ہے۔)

اب معنٰی یہ ہُوا کہ انسان نے پُورا نہیں کیا وُہ جو اسے اللہ تعالیٰ نے ایمان و طاعت کا حکم فرمایا یعنی ایمان لایا نہ طاعت کی، عرفان حاصل کیا نہ نیکی کمائی۔

ف : عدم القضاء عموم النفی پر محمول ہے، ہاں محکوم علیہ ہی مستغنی ہے یعنی حق سے رُوگردانی والا یا اس کی جنس کے لوگ۔ لیکن نہ مطلقاً بلکہ وہ جن پر عدم القضاء کا اطلاق ہو سکے۔ یعنی بعض افراد۔

سوال : اگر بعض افراد مراد ہیں تو فعل کا اسناد کُل کی طرف کیوں؟

جواب : تاکہ ملامت خوب پھیلے اور اس قسم کے لوگ ایسی غلطی کے ارتکاب سے باز آجائیں یا یہ کہ اس کا مصداق کل من حیث ہو کل بطریق رفع ایجاب کلّی' نہ کہ سلب کلی کے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ جمیع افراد انسان نے پُورا نہ کیا وُہ جو انھیں حکم تھا بلکہ خلل ڈالا بعض نے کفر کر کے بعض نے عصیان سے، اس لیے کہ فنونِ نعماء شاملہ کی تفصیل کُل کے لیے ہے تو یہ بھی مِن حیث الکل کے لیے ہے کہ کوئی بھی اس سے مختلف نہ ہو (لیکن انبیاء و اولیاء کاملین کا استثناء اپنے مقام پر حق)

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں جملہ بنو آدم مراد ہیں کیونکہ کوئی بھی اوامرِ الٰہی کے حقوق کی ادائیگی میں کما حقہٗ عہدہ برآ نہیں ہو سکتا (جیسا کہ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:) ؎

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش	عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش	کس نتواند کہ بجا آورد

ترجمہ : وہ بندہ بہتر ہے جو اپنی کوتاہی کا عذر بارگاہِ خداوندی میں لائے ورنہ اس کے خداوند ہونے کے لائق کسی کو کیا امکان کہ عبادت بجا لائے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہرگز کوئی بھی ادا نہ کر سکا وہ جو ہمیں حکم ہوا مواجب الحقوق کو حقائق اسماء کے ظہور اور فضائل صفات قیام سے۔

تفسیر عالمانہ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ (تو آدمی کو چاہیئے کہ وہ اپنے کھانوں کو دیکھے)

ربط : ان نعمتوں کی گنتی میں شروع ہیں جو انسان سے متعلق ہیں بعد ان کی نعمتوں کی تفصیل کے' جو اس کی تخلیق سے متعلق تھیں، فرمایا کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے کھانے کو دیکھے کہ اس کی معاش میں کتنے امور گردش کرتے ہیں' ہم نے اس کے طعام میں کیا کیا تدبیریں کی ہیں۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انسان اپنے طعام کو دیکھ کر اپنی قدر و منزلت کی خست

اور اپنی زندگی کی فنار پر غور کرے۔

حدیث شریف میں ہے،

ان مطعم ابن آدم جعلہ اللّٰہ مثلا للدنیا و ان قزحہ وملحہ فانظر الی ماذا یصیر۔	اللہ تعالیٰ نے آدمی کے کھانے کو دنیا سے مثال دی ہے کہ اس کے مصالحہ اور نمک کا انجام بالآخر وہی ہے جو اسے معلوم ہے (یعنی گندگی)

حلِ لغات: کہا جاتا ہے قزح القدر (ہنڈیا کا مصالحہ) یعنی اس میں کھانے کے لیے مصالحہ ڈالنا، تابل بروزن صاحب وھاجزا ابزار الطعام طعام کا مصالحہ۔ اور ملحہ بمعنی اسے نمکین بنانا۔

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ (کہ ہم نے اچھی طرح پانی ڈالا) یعنی غیث بمعنی وہ بارش جس کی ضرورت ہو۔ یہ طعامہ سے بدل الاشتمال ہے کیونکہ پانی طعام کے حدوث کا سبب ہے دوسرا پہلے پر مشتمل ہے اور یہ بھی ضروری ہے مبدل منہ بدل پر مشتمل ہو اس وقت عائد محذوف ہے۔ دراصل صببنالہ تھا، صبًّا ڈالنا عجیب **ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ** (پھر زمین کو خوب چیرا) انگوری سے **شَقًّا** عجیب اور لائق اس کے ساتھ جو زمین کو چیرتا ہے انگوری سے چھوٹی بڑی اور اس کی شکل وہیئت **فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا** (تو اس میں اگایا ہم نے) اس زمین میں جو انگوری سے چیری گئی، فار تعقیب کی ہے **حَبًّا** (اناج) کیونکہ زمین چرنے کے بعد انگوری بڑھتی اور پھیلتی رہتی ہے حتیٰ کہ اس کی مکمل نشوونما کے بعد اس سے اناج برآمد ہوتا ہے

حلِ لغات الحب ہر وہ کھیتی جو درانتی سے کاٹی جائے جیسے گندم اور جَو وغیرہ، اور وہ حبہ (اناج) کی جنس سے ہے جیسے تمر وتمرۃ، یہ قلیل وکثیر کو شامل ہے اس کی تقدیم اس لیے ہے کہ وہ کھانوں (اغذیہ) میں اصل ہے۔

وَّعِنَبًا (اور انگور) اس کا عطف حبًّا پر ہے اور عطف کے لوازم سے نہیں کہ معطوف ان تمام امور سے مقید ہو جن سے معطوف علیہ مقید ہے اس میں اعتراض وارد نہ ہو کہ انگور تو زمین چیر کر نہیں نکلتا ایسے ہی اس کے اور ہم مثل اشیاء (الارشاد) نیز اس کا جواب یہ بھی دیا جا سکتا ہے کہ انگور میں خرمین کا چرنا ہوتا ہے وہ یوں ہے کہ اس کے اول خروج میں باعتبار اصل کے چرنا ہوتا ہے۔ اور یہاں درخت مراد ہے نہ کہ ثمر۔

سوال: ثمرات میں صرف انگور اور زیتون کا ذکر کیوں؟

جواب : چونکہ انگور اور زیتون ثمرات میں زیادہ مشہور ہیں اور عموماً طعام کے کھانے کے بعد دسترخوان کی زینت بنتے ہیں۔ اس لیے ان کا ذکر خصوصیت سے ہُوا۔

سوال : انگور کا الگ ذکر کیوں؟

جواب : انگور ایسی شے ہے کہ اسے میوہ کے طور پر لذّت حاصل کرنے کے لیے بھی کھایا جاتا ہے اور غذا کے طور بھی، بلکہ غذا کے لیے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔

وَّقَضْبًا (اور چارہ) تر و تازہ گھاس جیسے فصفصہ (جانوروں کا گھاس) کہا جاتا ہے، فارسی میں اسپست۔ اس کا معرب اسفست (اردو میں چارہ) ہے۔ اپنے مصدر قَضْبٌ کے نام سے موسوم ہے بمعنی بہت زیادہ کاٹنا (چبانا) اس کے کٹنے کے تکرار و تکثر کی وجہ سے کیونکہ سال میں اسے متعدد بار کاٹا جاتا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے، فرمایا: وہ چارہ جو کھجور سے ٹکڑے کر کے کاٹا جائے، اسے بعض نے ترجیح دی ہے انگور کے ساتھ مذکور ہونے کی وجہ سے، بعض نے کہا وہ پودینہ اور گرفہ ہے اور گندنا کی طرح کا گھاس کھانے کے لیے، جس کی ٹہنی اصل سے کاٹی جائے۔ بعض نے کہا کہ نجوہ سبز۔

نکتہ : بعض نے کہا اسے علیحدہ ذکر کرنے میں نباتات کے مختلف ہونے پر تنبیہ ہے کیونکہ بعض وُہ ہیں جنہیں کاٹا جائے تو پھر اسی طرح لَوٹ آتی ہیں بعض نہیں لوٹتیں اور القت کپڑے دھونے والی یعنی اشنان[1] کا دانہ۔ بعض نے کہا وہ سیاہ خشک دانہ جسے زمین میں دفن کرنے پر اس کا چھلکا نرم ہو جاتا ہے پھر اسے پیس کر روٹی پکائی جاتی ہے عام طور پر قبیلہ طے کے دیہاتیوں کی غذا ہے۔ بعض نے کہا وہ شے جو تر کھائی جائے جیسے تربوز، کھیرا، بینگن، کدو وغیرہ۔

وَّزَيْتُوْنًا (اور زیتون) اس کا نچوڑ (تیل)۔ اس سے مراد اس کا درخت ہے، اس کی عمر تین ہزار سال بھی ہوتی ہے۔ اسے علیحدہ ذکر اس لیے فرمایا کہ یہ کثیر الفوائد ہے بالخصوص اہلِ عرب کے لیے۔ اس لیے کہ وہ اسے ہر طرح سے استعمال کرتے ہیں، کھانے میں، تیل نکال کر سالن میں، اس کے تیل سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، صفائیِ بدن کے لیے، کیونکہ یہ صابن میں ملا کر بدن پر ملنے سے بدن خوب صاف ہوتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اسے خوشبو کے طور پر استعمال فرماتے تھے **وَّنَخْلًا** (اور کھجور) یعنی کھجور کا درخت۔ نخلۃ کی جمع ہے۔ تر اور خشک ہر طرح کام دیتی ہے، یہ نافع تر غذا ہے، عجوہ (کھجور) میں زہر و سحر (جادو) اتارنے کی خصوصیت ہے۔ اس کے درخت کی تخلیق آدم علیہ السلام کی مٹی مبارک کا

---

[1] ایک قسم کی بُوٹی جس سے ہاتھ دھوئے جاتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

بقیہ ہے (جیسے تفصیلاً گزرا) وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا (اور گھنے باغیچے) حدیقۃ کی جمع ہے ۔ باغات درختوں والے، اور کھجوروں اور درختوں کے باغات ، یا ہر وہ جو چار دیواری میں ہو، اور کھجور کا باغیچہ (قاموس) یہاں تخصیص کے بعد تعمیم کے قبیل سے ہے ۔

حلِ لغات غلب، اغلب کی جمع ہے، جیسے حمر احمر یا حمراء کی جمع ہے وصف الرقاب سے مستعار ہے، کہا جاتا ہے : الرجل اغلب واسد اغلب (سخت گردن والا مرد اور شیر)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ عظیم باغیچے ۔ اور حدائق کو غلب سے موصوف کرنا ان کے گھنے ہونے اور زیادہ درختوں والے ہونے کی وجہ سے یا اس لیے کہ وہ گھنے درختوں والے باغیچے ہیں ۔ پہلے معنیٰ پر استعارہ معنویہ ہے دوسرے پر مجاز مرسل ہے ، جیسے مرسن کا اطلاق ناک پر ہوتا ہے ، اور حدائق پر ان کی وصف کا اطلاق اس کے متعلقات یعنی اشجار کی وجہ سے ہے ۔ اسے لغت کی بنا پر استعارہ سے موسوم کیا گیا ۔

کشف الاسرار میں ہے کہ الغلب وہ درخت جو پھل نہ دیں جیسے شمار (ایک قسم کا پودا ۔ المنجد) اور چاول اور عرعر (سرو کی مانند درخت (المنجد)) اور دردار (زرد پھولوں اور خاردار پتوں والا درخت (المنجد))

وَّفَاكِهَةً (اور میوے) بہت ، مذکورہ میوہ جات کے علاوہ ۔

مسئلہ : انگور اور اناج اور کھجور میوے ہیں صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ، امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک نہیں اس لیے کہ عطف مغایرت کا مقتضی ہے اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ظاہر ہے یہ مراد ہے کہ انگور اور کھجور نیز ان چیزوں سے ہیں جنہیں غذا کے طور پر کھایا جاتا ہے ۔ جب یہ بات پائی گئی تو اس کے میوہ کے معنیٰ میں قصور متحقق ہو گیا یعنی وہ شے جس سے طعام سے قبل یا بعد صرف لذت حاصل کی جائے ۔ اس معنیٰ پر ان پر علی الاطلاق میوہ کا معنیٰ نہ پایا گیا یہاں تک کہ اگر کوئی قسم کھائے کہ وہ میوہ نہ کھائے گا تو اس کے کھانے سے حانث نہ ہو گا کیونکہ یہ من وجہ غذا ہیں اور من وجہ میوے ہیں ، اور اس کا عطف فاکہۃ (میوہ) پر ہے اس کے من وجہ فاکہہ (میوہ) ہونے کے منافی نہیں اس لیے کہ فاکہہ معطوفہ سے مراد من کل الوجوہ میوہ ہو اور یہ ظاہر ہے کہ فاکہہ من کل الوجوہ اور فاکہہ من وجہ میں فرق اور مغایرت ہے اسی لیے اس کا یا اس پر ایک دوسرے کا عطف جائز ہے جیسے قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ وارد ہے ۔

وَّاَبًّا (اور دوب) یعنی چراگاہ ۔

حل لغات از اَبّہ بمعنی امّہ (قصدہ ، اس کا ارادہ کیا) اس لیے اس کا ارادہ کیا جاتا ہے ، جانوروں کے چارہ کے لیے کاٹنے یا از ابّ لکذا ہے جب جانور کے لیے اسے تیار کرے کیونکہ وہ چرانے کے لیے تیار رہتی ہے اور ابّ لوطنہٖ جب وہ وطن جانے کی تیاری کرے تو کہتے ہیں

اُبّ لوطنه (اس نے وطن جانے کی تیاری کی) ایسے ہی اُبّ سیفه (اس نے تلوار کھڑی کرنے اور ظاہر کرنے کا ارادہ کیا) وہ زمانہ جس میں فصل کی تیاری اور اس کے آنے کا وقت ہو، یا اُبّ خشک میوہ جو موسم سرما کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ یہی معنیٰ ماقبل کو مناسب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

خلقتم من سبع و رزقتم من سبع فاسجدوا للہ علی سبع۔	تم سات چیزوں سے پیدا کیے گئے ہو اور سات چیزوں سے رزق دیے جاتے ہو، فلہذا اللہ تعالیٰ کو سات اعضاء سے سجدہ کرو۔

ف: جن سات چیزوں سے ہم پیدا کیے گئے ہیں وہ ہیں:

نطفہ اور علقہ الخ جن کا ذکر بار بار گزرا، اور سورۃ مومنون کے پہلے رکوع میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ اس سات اطوار ہیں یعنی نطفہ وغیرہ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور وہ سات جو ہمیں رزق میں عطا ہوئی ہیں وہ یہی ہیں حبًّا، عنبًا تا اُبًّا اور حدائق حساب سے اس لیے خارج ہیں کہ وہ ان مذکورہ اشیاء کے اصول و منابت ہیں اور جن سات اعضاء پر سجدہ کا حکم ہے وہ یہ ہیں:

۱- چہرہ (۲ و ۳) دونوں ہاتھ (۴ و ۵) دونوں پاؤں
(۶ و ۷) دونوں گھٹنے

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ (تمہارے لیے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لیے)

مفعول لہ یہ تمہارے اور تمہارے مویشی (جانوروں) کے فائدے کے لیے ہیں اس لیے مذکورہ نعمتوں میں سے بعض انسانوں کا طعام ہیں بعض جانوروں کا چارہ ہیں۔ صیغۂ خطاب کے التفات میں امتنان (منت لگانا) کی تکمیل ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں حب ذاتیہ کے حَب (دانہ) اور خمیر محبت صافیہ جو صفات کے انگور سے تیار کی گئی ہے اور خمر محبت افعالیہ جو رطب سے تیار کی گئی ہے اور زیتون معرفت اور نخل توحید جو کہ بلند ہے کہ اس پر مدعی کذاب چھلانگ لگا سکے اور فاکہہ وجدانیات و ذوقیات اور حدائق شوق و اشتیاق اور ودّ و تجرید وغیرہ اور اَبّ چراگاہ شہوات حیوانیہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ بعض ان برگزیدہ نعمتوں میں سے خواص جیسے ارواح و اسرار و قلوب کے لیے مخصوص ہیں اور بعض عوام جیسے نفوس بشریہ و قوائے طبعیہ و عنصریہ کے لیے۔

تفسیر عالمانہ

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ (پھر وہ آئے گی جب وہ کان پھاڑنے والی چنگھاڑ)

ربط : انسان کے مبداء خلق و معاش کے ذکر کے بعد اب اس کے احوال معاد میں شروع ہو رہے ہیں فاء مابعد کے ماقبل پر مرتب ہونے کی دلالت کے لیے ہے کہ یہ نعمتیں دنیویہ عنقریب مٹنے والی ہیں جیسے اس پر لفظ دلالت کرتا ہے یعنی ان کا مٹنا نہایت جلدی اور ان کا مضمحل (خراب ہو جانا) بعجلت ہوگا اذا کا جواب محذوف ہے جس پر یوم یفر الخ دلالت کرتا ہے یعنی ہر ایک اپنے آپ میں مصروف ہوگا۔

حلِ لغات الصّاخة وہ ہولناک آواز جس کے لیے لوگ چیخیں گے، از صخ لحدیثہ (اس کی بات سے چیخا اور سنا) یہ نفخۂ ثانیہ کی صفت ہے، اس لیے کہ قبور میں لوگ اس کی آواز سے چیخیں گے، استماع کا اسناد مسموع کی طرف مجازاً ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ آواز جس سے کان بہرے ہو جائیں اس کی شدت کے وقوع کی وجہ سے۔ بعض نے کہا کہ یہ صخہ بالحجر (اسے پتھر سے توڑا) سے ماخوذ ہے۔ اور یہ کان چیرنے والی آواز نفخہ میں حقیقۃً ہوگی (یہاں کوئی مجازی معنیٰ نہیں)۔

یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡهِ (اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے) باوجودیکہ ان میں سے دُنیا میں آپس میں موانست اور مہربانی تھی **وَ اُمِّهٖ** (اور اپنی ماں سے) باوجودیکہ جانتا ہے کہ اس کے اس پر بے شمار حقوق (واحسانات) ہیں **وَ اَبِیۡهِ** (اور اپنے باپ سے) باوجودیکہ دنیا میں اس سے بے شمار شفقتیں اور مہربانیاں دیکھیں **وَ صَاحِبَتِهٖ** (اور اپنی جورو سے) باوجودیکہ دنیا میں یہی اس کی سب سے بڑی مونس اور غمگسار تھی **وَ بَنِیۡهِ** (اور اپنی بیٹیوں سے) باوجودیکہ دنیا میں اُن کا ہر وقت خیال رکھتا تھا لیکن یہاں ان سب سے مُنہ پھیرے گا اور انہیں اپنے قریب نہیں پھٹکنے دے گا اور نہ اُن کا حال پُوچھے گا جیسے دُنیا میں ان کے معاملات میں لگا رہتا تھا کیونکہ اس وقت اپنی پڑی ہوگی اور اسے معلوم ہوگا کہ اب یہ میرے کام نہیں آئیں گے یوم اعنی فعل سے منصوب ہے الصاخہ کی تفسیر کر رہا ہے اور بنیہ محبوب ترین کی تاخیر مبالغہ کے لیے ہے کیونکہ ماں باپ بھائی سے اقرب ہیں اور دنیا میں زیادہ قلبی لگاؤ جورو سے تھا اور بہ نسبت ماں باپ کے اولاد سے تعلق شدید تر تھا، لیکن محبت کے یہ تمام رشتے ٹوٹ جائیں گے۔

مسئلہ : جیسے یہ آیت مردوں کے لیے ہے ویسے ہی عورتوں کے لیے بھی ہے۔ یہ عرب کے دستور کے مطابق ہے کہ اکثر مسائل عورت کے مرد کے ماتحت مندرج ہوئے۔

ف : حضرت عبداللہ بن طاہر ابہری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جب انسان اپنے مذکورہ بالا رشتوں کا عجز دیکھے گا اور تمام تدبیریں ٹوٹتی ہوئی ملاحظہ فرمائے گا تو اس کی طرف بھاگے گا جو یہ تمام دُکھ درد اور غم و الم دُور کرے گا اگر اسے دنیا میں ایسا کرتا یعنی ماسوی اللہ پر اعتماد نہ کرتا تو اسے کوئی شے عاجز نہ کرتی ایسے ہی وہ فسحۃ توکّل میں آجاتا اور تفویض کے سایہ تلے آرام کرتا (تو اب اسے یہ وقت نہ دیکھنا پڑتا)۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں مرد کے قلب کے فرار کا اپنے بھائی سرّ سے اور اپنی ماں نفس سے اور اپنے باپ رُوح سے اور اپنی جورو قوائے بشریہ سے اور اپنے بیٹوں اعمال و احوال سے فرار کی طرف اشارہ ہے، اس لیے کہا کہ اس دن کوئی بھی اپنے عمل سے نہ چھوٹ سکے گا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور مہربانی سے ہی نجات ملے گی۔

حدیث شریف میں ہے:

لن یدخل احدکم الجنۃ بعملہ	کوئی بھی جنت میں اپنے عمل سے داخل نہ ہوگا۔

عرض کی گئی:

ولا انت یا رسول اللہ۔	یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ بھی؟

آپ نے فرمایا:

ولا انا الا ان یتغمدنی اللہ۔	میں بھی، مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ غفران میں ڈھانپ لے گا۔

تفسیر عالمانہ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ (ہر ایک کو اس دن میں ایک فکر ہے کہ وہی اسے بس ہے) جملہ مستانفہ ہے سبب فرار کے بیان کے لیے وارد ہے۔

حل لغات شأن ان امور و احوال کے لیے بولا جاتا ہے جو عظمت والے ہوں یعنی مذکورین میں سے ہر ایک کو ایک شغل ہوگا جس نے اسے مشغول کر رکھا ہوگا اور ایک ہولناک حادثہ ہوگا جو اس کے تمام میں پھنسا ہوگا وہی اسے کافی ہوگا۔

نکتہ: حضرت ابن الشیخ رحمہا اللہ نے فرمایا کہ وُہ غم اور الم جس نے اس کے سینہ کو بھر دیا ہوگا اس میں اتنی گنجائش نہ ہوگی کہ وہ کسی دوسرے کو جگہ دے سکے۔ اسے غنی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وُہ بہت سی چیزوں کا مالک ہوتا ہے ایسے اس کا ہم و الم بھی گویا اس کے بہت سے امور کا مالک ہے۔

حکایت حضرت شیخ فریدالدین عطار قدس سرہٗ نے قیامت کے منظر کی ایک کہانی منظوم فرمائی ہے

۱ کشتیٔ آورد در دریا شکست — تختۂ زاں جملہ بر بالا نشست
۲ گربہ و موشے دراں تختہ بماند — کارشاں با یکدگر نخستہ بماند

۳	نہ ذکر بر موش را روے گریز	نہ بموش آں گربہ را چنگال تیز
۴	ہر دو شاں از ہول دریاے عجب	در تحیر باز ماندہ خشک لب
۵	در قیامت تیز ایں غوغا بود	یعنی آنجا نے تو نے ما بود

ترجمہ :(۱) کشتی دریا میں لایا، وہ ٹوٹ گئی، ایک تختہ ملا جس پر بیٹھا۔

(۲) ایک بلی اور ایک چوہا بھی تختے پر آ گئے، ان دونوں کا کام پختہ رہا۔

(۳) نہ چوہے کو بھاگنے کا تصور، نہ بلی کو چوہے کو پکڑنے کا خیال۔

(۴) دریا کے ہول سے دونوں حیران اور خشک لب تھے۔

(۵) قیامت میں بھی یہی غوغا اور شور ہوگا یعنی وہاں مَیں اور تُو کی گنجائش نہیں۔

حدیث شریف ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم! قیامت میں لوگ کیسے اُٹھیں گے؟ آپ نے فرمایا: ننگے پاؤں اور ننگے جسم۔ عرض کی: تو عورتیں؟ آپ نے فرمایا، وُہ بھی۔ عرض کی: عورتیں اور مرد ایک جگہ کیسے ننگے پھریں گے؟ اس پر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

ف : ہاں ایک دوسرے سے اس خوف وخطر سے بھاگنا ہوگا کہ وُہ اپنے مطالبہ کے لیے پیچھے پڑ جائیں گے۔ مثلاً بھائی کہے گا تُو نے مجھے اچھے آداب نہ سکھائے۔ ماں باپ کہیں گے: تُو نے ہمارے حقوق ادا نہ کئے۔ زوجہ کہے گی: تُو نے مجھے حرام کا مال کھلایا، اور یہ کیا وہ کیا۔ بیٹے کہیں گے: تُو نے ہماری اچھی تربیت نہ کی اور نہ ہی ہمیں صحیح راہ بتلائی۔ یا بھاگنے کا سبب ان سے بغض ہوگا۔

قولِ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قابیل اپنے بھائی ہابیل سے اور نبی علیہ السلام اپنی ماں سے اور ابراہیم علیہ السلام اپنے اَب سے اور نوح علیہ السلام اپنے بیٹے سے اور لُوط علیہ السلام اپنی جورو سے فرار اختیار کریں گے۔ لیکن یہ فرار فرار مذکور کے قبیل سے نہیں۔

ف : ایسے ہی مروی ہے کہ مرد اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے بھاگے گا کہ وہ اسے اس بُری حالت میں نہ دیکھ پائیں۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو شخص آج دنیا میں نفس پروری میں مشغول ہے کل بھی اسی نفس کے شغل میں مشغول ہوگا۔ جو آج دنیا میں اپنے رب تعالیٰ سے مشغول ہے کل قیامت میں بھی اسی کے ساتھ مشغول ہوگا۔

ف : حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تیرا نفس دنیا وعقبیٰ میں تیرے رب تعالیٰ سے مشغول کر دے

جو دنیا میں نفس کی خواہش پوری کرے اور شہوات کی اتباع کرے آخرت میں اس کے نفس کی مشغولی کی خبر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہے، یوم یفر المرء الخ تو اے عزیز! جب تم دنیا و آخرت میں نفس کے ساتھ ایسے مشغول ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور طاعت کے لیے کب فراغت پاؤ گے۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ عارف وہ ہے جو بظاہر تو ہے مخلوق کے ساتھ لیکن اس کا دل ان سے جدا اور خدا تعالیٰ سے مشغول ہے ؎

ولقد جعلتك فی الفؤاد محدثی

وابحت جسمی من أراد جلوسی

ترجمہ : میں نے تجھے دل میں تو بٹھا لیا ہے اگر جسم میں بیٹھنا چاہتا ہے تو میرا جسم بھی حاضر ہے۔

تفسیر عالمانہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ (اور کتنے منہ اس دن روشن ہوں گے) مذکور لوگوں کے انجام اور ان کی تقسیم کا بیان شروع ہے کہ ان میں کچھ سعادتمند ہوں گے اور کچھ شقی اور اس وحشت والی میں داخلہ کے کہ جس کا نام سن کر دل دہل جاتا ہے۔ مبتدا اگرچہ نکرہ ہے مسفرۃ اس کی خبر ہے، یومئذ دراصل اذ یفر المرء تھا مسفرۃ کے متعلق ہے یعنی ان کے چہرے اور ذوات و صفات چمکتی ہوں گی نور سے۔

حلِ لغات اسفر الصبح سے ہے اضاءہ (اسے چمکایا) یہ لوازم الابواب سے ہے۔ المفردات میں ہے لون (رنگ) سے ہے یعنی ان کے رنگ چمکدار ہوں گے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے کہ یہ شب بیداری کی وجہ سے ہو گا۔ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے)

حدیث شریف میں ہے :

من کثرت صلاته باللیل حسن وجهه بالنهار۔ جو رات کو کثرت سے نماز پڑھتا ہے دن کو اس کا چہرہ روشن ہو گا۔

ف : حضرت ضحاک نے فرمایا : آثارِ وضوء سے چہرے چمکدار ہوں گے۔

ف : بعض نے کہا کہ راہِ خدا میں جو بہت زیادہ غبار آلود ہوتا ہے اس کا چہرہ چمکدار ہو گا۔

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ (ہنستے خوشیاں مناتے) اس سے جو دائمی نعمتوں اور دائمی رونق کا مشاہدہ کریں گے۔

ف : حضرت کاشفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ضاحکۃ بمعنی خنداں (ہنستا) مستبشرۃ (شادمان، فرحناک بسبب نجات از نیران و وصول بروضۂ جنان۔

بعض تفاسیر میں ہے ضاحکۃ بمعنی مسرور اور شادماں، خیر و برکت سے اشارات دیے ہوئے، گویا وہ ضاحکۃ کا بیان ہے۔

ف : عین المعانی میں ہے کہ ضاحکہ ہوں گے بوجہ آنکھوں کی ٹھنڈک کے، اور مستبشرہ ہوں گے قلب کے سرور سے۔ بعض نے کہا خوش ہوں گے کفار کی گالیوں سے بچاؤ کی وجہ سے اور اپنے نفوس کے فرحت میں ہونے۔

ف : ابنِ طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے غفلت کے پردے ہٹائے تو اللہ تعالیٰ کے قرب سے ہنس پڑے اور خوش ہوئے اس کے مشاہدہ سے۔

حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے چہرے خوش ہوں گے اپنے مولیٰ پر نظر کرنے سے، اور اللہ تعالیٰ انہیں ہنسائے گا اپنی خوشنودی سے۔

حضرت سہل قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ان کے چہرے منور ہوں گے نورِ توحید اور اتباعِ سنّت سے۔

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ منور ہوں گے چہرے اربابِ ارواح و اسرار کے، اور عارفین کے قلوب معارفِ الٰہیہ اور حقائقِ لاہوتیہ سے چمکیں گے اور علوم و حِکَم سے ہنسیں گے اور خوش ہوں گے مکاشفات کی نعمتوں اور مشاہدات کے عطیوں سے۔

ف : فقیر (صاحبِ رُوح البیان حضرت علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس دن چہرے روشن ہوں گے دُنیا میں تزکیہ و تصفیہ اور کدورت کے زوال سے سفید ہونے کی وجہ سے، اور ہنسیں گے اس لئے وہ دنیا میں زندگی بھر اللہ تعالیٰ کے خوف سے روتے رہے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں ماسوی اللہ کے دیکھنے سے مطلقاً اندھی ہو جائیں گی جیسے شعیب و یعقوب علیٰ نبیّنا و علیہما السلام کے لیے ہوا۔ وہ خوش ہوں گے اس خوف کے بدلے سے امن میں جو انہیں دنیا میں تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لہم البشریٰ فی الحیٰوۃِ الدنیا و فی الاٰخرۃ۔ — انہیں حیاتِ دنیا اور آخرت میں بشارت ہے۔

کہ انہیں ملائکہ کہیں گے خوف نہ کھاؤ اور جنّت و رؤیت سے خوش ہو جاؤ۔

حلِ لغات

الضحک بمعنی چہرے کے انبساط اور سرورِ نفس کی وجہ سے دانتوں کا کھل جانا اور ظاہر ہو جانا۔ دانتوں کے مقدمات (اگلے حصوں) کا نام ضواحک ہے، اور یہ صرف اور صرف سرور میں استعمال ہوتا ہے جیسے آیت میں ہے۔ امام راغب نے فرمایا استبشر بمعنی فرحت سے ایک

کیفیت پائی۔ بشوتہ میں نے خوش کن خبر دی جس سے اس کے چہرے کا چمڑا کھل گیا، وہ اس لیے کہ جب جی خوش ہوتا ہے تو خون جسم میں ایسے پھیل جاتا ہے جیسے درخت میں پانی۔

تفسیر عالمانہ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ (اور کچھ چہرے ایسے ہوں گے جن پر غبار اور گرد ہوگی اس دن)

حدیث شریف میں ہے:

یلجم الکافر العرق ثم تقع الغبرۃ علی وجوھھم۔	کافر کو پسینے کی لگام دی جائیگی اس وجہ سے ان کے چہرے غبار آلود ہو جائیں گے۔

بعض نے اس سے فراق اور ذلّت کی غبار مراد لی ہے۔

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ (ان پر سیاہی چڑھ جائے گی) اور ظلمت لپیٹ لے گی دھوئیں کی طرح چہرے میں اس جیسی سیاہی اور غبار کے اجتماع سے کوئی قبیح ترین چہرہ نہ دیکھا جائے گا جیسے زنگی کا سیاہ اور غبار آلود چہرہ ہوتا ہے۔

ف: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا، القترۃ وہ دھواں جو گوشت وغیرہ بھوننے سے اور اگربتّی کے جلنے سے اٹھتا ہے۔ قترۃ غبرۃ کی طرح ہے اور اسے کاذب دھوئیں سے مشابہت ہے۔

فائدہ صوفیانہ: حضرت سری سقطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان پر ظاہر ہوگا بُعد و فراق کا حُزن، اس لیے کہ وہ محجوب رہے اور دروازۂ حق سے ہٹائے جائیں گے۔

حضرت سہل قدس سرہٗ نے فرمایا ان پر اعراض اللہ اور غضب اللہ کا غلبہ ہوگا، اسی وجہ سے ہر آن اور ہر لحظہ ظلمت اور گرد و غبار میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (یہ وہی ہیں کافر بدکار) یعنی وہ جن کے چہرے سواد اور غبار سے موصوف ہیں وہ کفر و فجور کے جامع ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں پر سیاہی اور غبار کو جمع فرمایا۔

حدیث شریف میں ہے:

ان البھائم اذا صارت ترابا یوم القیامۃ حول ذلک التراب فی وجوہ الکفار۔	بیشک جب قیامت میں جانور مٹی ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اس مٹی کو کفار کے چہروں کی غبار بنا دے گا۔

ف: عین المعانی میں ہے کہ وہ کافر ہیں حقوق اللہ (نہ ادا کرنے) کی وجہ سے اور فاجر ہیں حقوق العباد

(نہ ادا کرنے) کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ فجور وہ ہے جو کفر سے غیر مقارن ہو وہ مذمومیۃ اور سببیۃ حقارت و خذلان کے درجہ میں مقارن نہیں اس لیے کہ اصل فجور کذب اور میل از حق ہے اسے گناہِ کبیرہ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اکثر اس کا استعمال مومن عاصی پر بھی ہوتا ہے لیکن لائق ہے کہ اس سے خوف و خطرہ کیا جائے۔ اس لیے کہ کبیرہ گناہ کفر کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں، جیسے صغیرہ گناہ کبیرہ کی طرف لے جاتے ہیں۔

ف: کسی بزرگ نے فرمایا کہ زر و سیم اور ہر قسم کے اموال عین دنیا نہیں ہاں دنیا کے ظروف اور برتن ضرور ہیں۔

ف: دین سوز اور درد، اور دنیا حسرت و بادسرد ہے۔ قارون کی تمام دنیا زر و سیم اور جملہ اموال مکروہ نہ تھے، ہاں جب اس سے حقوق اللہ کا مطالبہ ہوا تو اس نے ان کی ادائیگی سے انکار کر دیا، اس کی دنیا کی طرف کشش اور زر و سیم سے محبت مکروہ تھی، جس نے خواب میں ایک پیسہ تک نہ دیکھا ہو پھر لمحوں میں فرعون (دنیا دار) بن جاتے، پھر جب دنیا کی وجہ سے اہلِ دنیا ہی ہوگا کیونکہ اس کا دل حرصِ دنیا میں آلودہ ہو جائیگا ایسے ہی بہت سے دنیادار جن کی دُنیا و دولت شمار سے باہر ہو لیکن وہ اپنا دل دنیا سے کھینچ لے اور اپنے اوپر دنیا کا معمولی داغ بھی نہ آنے دے اور اسی حالت میں مرجائے تو اسے کہا جائے گا دیندار دنیا گزار۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے سورۂ عبس کے آخر میں فرمایا: **وجوہ یومئذ مسفرۃ ضاحکۃ مستبشرۃ**۔ اور جو دین گزار (دین چھوڑنے والا) دنیا دار ہے اس کے لیے بھی فرمایا **وجوہ یومئذ علیہا غبرۃ** الخ۔

تفسیر صوفیانہ ۲

بعض مشائخ نے فرمایا کہ اصحاب نفوس متمردہ و ارباب ہوائے نفسانی کے چہروں پر غبار انانیت اور غبار انیت ہے انہیں دُوئی کی سیاہی اور ثنویۃ (غیریت) کی ظلمت ڈھانپ لے گی۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے وجودِ حق کو اپنے وجود کی غبار سے چھپایا اور اپنے ظلمانی نفوس کو منقطع کیا ہوگا ارواحِ منورہ کی متابعت سے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے (آمین)

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ: (صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا) سورہ عبس کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل سے ۸ صفر الخیر، ۱۱۱۱ھ بروز سوموار مبارک مکمل ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ عبس کے اردو ترجمہ سے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہربانی سے ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۴۰۹ھ/ ۶ فروری ۱۹۸۹ء بروز سوموار مبارک فراغت پائی۔

سُورَةُ التَّكْوِيرِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ — آيَاتُهَا ٢٩ رُكُوعُهَا ١

سورۃ تکویر مکیہ ہے اور اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — انتیس آیتیں اور ایک رکوع

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿١﴾ وَإِذَا النُّجُومُ انكَدَرَتْ ﴿٢﴾ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿٣﴾

جب دھوپ لپیٹی جائے — اور جب تارے جھڑ پڑیں — اور جب پہاڑ چلائے جائیں

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿٤﴾ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴿٥﴾ وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿٦﴾

اور جب تھلکی اونٹنیاں چھوٹی پھریں اور جب وحشی جانور جمع کیے جائیں — اور جب سمندر سلگائے جائیں

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿٧﴾ وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ﴿٨﴾ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ﴿٩﴾

اور جب جانوں کے جوڑ بنیں — اور جب زندہ دبائی ہوئی سے پوچھا جائے کس خطا پر ماری گئی

وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿١٠﴾ وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ ﴿١١﴾ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ﴿١٢﴾ وَإِذَا

اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں — اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے — اور جب جہنم بھڑکایا جائے — اور جب

الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ﴿١٣﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ﴿١٤﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿١٥﴾ الْجَوَارِ

جنت پاس لائی جائے — ہر جان کو معلوم ہو جائے گا جو حاضر لائی — تو قسم ہے ان کی جو الٹے پھریں — سیدھے چلیں

الْكُنَّسِ ﴿١٦﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ﴿١٧﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿١٨﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ

تھم رہیں — اور رات کی جب پیٹھ دے — اور صبح کی جب دم لے — بے شک یہ عزت والے رسول

كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿٢١﴾ وَمَا

کا پڑھنا ہے — جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا — وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے — اور

صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ

تمہارے صاحب مجنون نہیں — اور بے شک انہوں نے اسے روشن کنارہ پر دیکھا — اور یہ نبی غیب بتانے میں

بِضَنِينٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿٢٥﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا

بخیل نہیں — اور قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں — پھر کدھر جاتے ہو — وہ تو نصیحت ہی ہے

ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ

سارے جہان کے لیے — اس کے لیے جو تم میں سیدھا ہونا چاہے — اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ چاہے

اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾

اللہ سارے جہان کا رب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

تفسیر عالمانہ اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ (جب دھوپ لپیٹی جائے) شمس کا مرفوع ہونا فعل مضمر کا فاعل ہے جس کی تفصیل فعل مذکور کرتا ہے کوّرت مذکور کا فاعل نہیں اس لیے کہ فاعل مقدم نہیں ہوتا اور بعض کے نزدیک الشمس مرفوع بالابتداء ہے کیونکہ مقدر کرنا اصل کے خلاف ہے۔ لیکن ترکیب اول اولیٰ ہے کیونکہ اذا میں شرط کا معنی ہے اور شرط فعل سے مخصوص ہے بہرحال دونوں وجوہ کے لحاظ سے جملہ محلاً مجرور ہے باضافۃ اذا۔

حل لغات کوّرت بمعنی لُفَّت (لپیٹی گئی) کوّرت العمامۃ (میں نے عمامہ کو لپیٹا) یعنی بعض اجزاء کو دوسرے اجزاء پر لپیٹا بطریق دائرہ کے۔

ف: اس سے سورج کا اٹھا لینا اسے اپنی جگہ سے ہٹا لینا مراد ہے کیونکہ جب کپڑا اپنی جگہ سے ہٹایا جائے یا چھپایا جائے یعنی صندوق وغیرہ میں رکھا جائے تو کہا جاتا ہے یلف لفاً ویطوی، جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا یوم نطوی السماء اس دن کہ ہم آسمان کو لپیٹیں گے تو گویا آسمان اور رفع میں علاقہ لزوم ہے تو اس لیے اس کی تکویر سے اس کا رفع مراد ہے۔ حضرت مفتی سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا معنی مراد ہو تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ اس روایت کو صحیح مان لینے سے ثابت ہے کہ سورج گرہ مضبوط ہے تو جائز ہے کہ تکویر کا حقیقی معنیٰ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ اس میں تکویر کی قابلیت فرما دے کہ اسے منبسطہ (دراز) کر کے پھر اسے لپیٹے۔ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

ف: سورج کی روشنی جو آفاق میں پھیلی ہوئی ہے اس کا لپیٹنا مراد ہو تو کوّرت کی ضمیر کا اسناد سورج کی طرف مجازی ہو گا یا مضاف محذوف ہو گا اس سے مراد یہی ہے کہ سورج زائل ہو جائے گا

اس کے ساتھ اس کی دھوپ (روشنی) بھی کیونکہ لازم کا زوال ملزوم کے زوال کو مستلزم ہے یہاں بھی لف (لپیٹنا) اعدام (مٹانا) سے مجاز ہو گا کیونکہ حقیقی معنی مراد لینے کا کوئی جواز نہیں کیونکہ ضوء (روشنی) اعراض میں سے ہے اس میں لپیٹنے کا کیا معنی۔

ف : بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ سورج کے وجود کو باقی رکھ کر اس کی دھوپ (روشنی) مٹا دے۔ صاحبِ کشاف کا کہنا ہے کہ سورج جب تک باقی ہے اس کی روشنی پھیلی رہے گی اس کا پلٹنا محلِ نظر ہے۔ اس کا ایک جواب تو وہی ہے جس کا اشارہ کیا گیا کہ لازم کے مٹنے سے ملزوم مٹ جاتا ہے، دوسرا یہ کہ سورج آسمان سے زمین پر پھینکا جائیگا جیسے ستاروں کو انکدار (گدلا ہونا) سے موصوف کیا گیا ہے اس کے طعن پر بھی یہی جواب دیا گیا۔

ف : کورہ بمعنی القاہ علی الارض (اسے زمین پر ڈالا گیا)

حدیث شریف میں ہے :

ان الشمس والقمر نوران مکوران فی النار یوم القیامۃ۔

بیشک سورج اور چاند دونوں نور ہیں قیامت کے دن انہیں جہنم میں پھینکا جائے گا۔

سوال : اس حدیث شریف کے متعلق حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ سورج اور چاند کا کون سا گناہ ہے کہ انھیں دوزخ میں پھینکا جائے گا۔

جواب : امام فخرالدین رازی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ——————— امام حسن بصری کا سوال ساقط ہے اس لیے کہ سورج اور چاند دونوں جماد ہیں ان کا آگ میں پھینکا جانا انکے ضرر کے سبب نہیں بلکہ الٹا ان کے ڈالے جانے سے جہنم کی آگ کو زیادہ کرنا ہے۔

ایسے ہی امام طیبی نے فرمایا کہ ان دونوں کو جہنم میں ڈالا جانا محض اس لیے ہوگا کہ اس کے سبب سے اہلِ نار کے عذاب میں اضافہ ہو، بالخصوص ان کی روشنی کے پجاریوں کو، نہ اس لیے کہ خود ان (سورج و چاند) کو عذاب ہو۔ کیونکہ وہ دونوں تکلیف سے فارغ ہیں انھیں دوزخ میں ڈالنا آگ کو آگ میں ڈالنا ہے۔ یہ ایسے ہے کہ جیسے ملائکہ مؤکل دوزخ میں ہیں۔

ف : ایسے ہی تفسیر الفاتحہ للفناری رحمہ اللہ میں ہے کہ جب آسمان ایک ایک ہو کر لپیٹا جائے گا تو اس کے ستارے دوزخ میں پھینکے جائیں گے۔

علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ کی امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرفداری

فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ادق (دقیق تر) ہے اس لیے کہ نور (شمس و قمر) کو نار میں نہیں پھینکا جاتا،

ہاں وہ مادہ شمسی جو ناری ہے اسے آگ میں پھینکا جائے گا ورنہ اس کا جو مادہ نوری ہے وہ عرش سے ملحق ہوگا اور اس کا ناری مادہ نار میں۔ جیسے سورۂ نباء میں تحقیق گزری ہے اس میں رجوع کیجئے۔

سوال: سورج اور چاند کا دوزخ میں ڈالنا کیسا جبکہ علم ہندسہ سے ثابت ہو چکا کہ سورج کا کرۂ عظم زمین سے کئی گنا زیادہ ہے علم ہندسہ کی تحقیق پر سورج زمین سے ایک سو ساٹھ بار اور اس کی چوتھائی اور اس کا آٹھواں بار زائد دوہرا ہے۔

جواب: (۱) اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ سورج کو ایک اخروٹ کے چھلکے میں داخل کر دے اس کی قدرت کو ماننے کے باوجود انکار کیوں؟

(۲) حدیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین کو قیامت میں کئی گنا دراز کر دے گا کہ دارین کی وسعت اس کے تابع ہوگی باوجودیکہ اس کے اہل کی کثرت اور وسعت کے کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک کافر جہنمی کی ڈاڑھ اُحد (جبل) کے برابر ہوگی اور اس کا جسم تین سو دنوں کی راہ کے برابر ہوگا۔ جب ہر کافر کی اتنی موٹائی لمبائی ہوگی تو پھر اندازہ کیجئے کہ جہنم کتنی وسیع ہوگی۔ اس معنی پر سورج کا کرہ تو وہاں ایسے پڑا ہوگا جیسے کسی گھر میں اخروٹ کا دانہ۔ اور دارین کی حد اللہ ہی جانے۔

وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ (اور جب تارے جھڑ پڑیں)

حلِ لغات النجوم نجم کی جمع ہے۔ طلوع کرنے والا ستارہ۔ اسی سے انگوری کے زمین سے نکلنے اور رائے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

نجم النبت والرائی۔ (انگوری اور رائے ظاہر ہوئی)

نجم دراصل مرۃ (باری) کو کہا جاتا ہے اور کبھی مصدر کے معنی میں بھی آتا ہے۔ انکدرت جھڑ پڑیں، بکھریں اور گریں جلدی سے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا، واذا الکواکب انتثرت (اور جب تارے جھڑیں

ہ صاحب روح البیان جناب علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرفداری فقیر اویسی غفرلہٗ کو محبوب لگ رہی ہے اس لیے کہ امام فخرالدین رحمہ اللہ کے اعتراض سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا علمی وقار گر رہا تھا اور حسن بصری جمیع سلاسل روحانیہ کے پیران پیر ہیں ہم لوگ ان کا وقار علمی بلند دیکھنا چاہتے ہیں صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے بہترین توجیہ کر کے سلاسل طیبہ کے پیران پیر پر بدگمانی سے کم فہم لوگوں کو بچا لیا اسی لیے فقیر کی گزارش ہے کہ پیروں فقیروں کے ماننے والے صرف اور صرف تفسیر روح البیان سے ہی اپنی علمی پیاس بجھائیں۔ اویسی غفرلہٗ

الانکدار الانصباب (پانی گرانا) اس لیے کہ قیامت میں آسمان بارش کی طرح ستارے برسائے گا یہاں تک کہ آسمان پر ایک ستارہ بھی باقی نہ رہے گا تمام ستارے آسمان سے زمین پر گر پڑیں گے۔

ستاروں کی تحقیق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ستارے آسمان وزمین کے درمیان قنادیل سے نور کی زنجیروں سے لٹکے ہوئے ہیں اور وہ زنجیریں نورانی فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جب تمام آسمان وزمین والے مرجائیں گے تو وہ ستارے ان نورانی فرشتوں کے ہاتھوں سے گر پڑیں گے کیونکہ ان ستاروں کے روکنے والے ہی نہ رہیں گے تو پھر ستارے آسمان پر کیسے رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اس روحانی سورج کی روشنی کے لپٹنے کی طرف اشارہ ہے جو حیات کا سبب ہے اور زائل ہونے اور حواس عشر (ظاہرہ و باطنہ) کے ستاروں کے جھڑ جانے کی طرف اشارہ ہے نیز اس وجود اضافی کی طرف جو وجود مطلق حقیقی کے ظہور حقیقۃ۔ کے وقت کا عکس ہے کے مٹنے اور نجوم ہویات وہیاکل ماہیات کے مضمحل (لاشئ) ہو جانے کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا کیونکہ یہ تو نسب (نسبتین) عدمیہ و اعتبارات محضہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ (اور جب پہاڑ چلائے جائیں) روئے زمین سے اٹھائے جائیں۔ پہلے نفخ صور کی چنگھاڑ سے اپنی جگہوں سے دور کئے جائیں نہ کہ بادلوں کی طرح پھیلائے جائیں، اس لیے یہ نفخہ ثانیہ کے بعد ہوگا۔

حل لغات

السیر بمعنے زمین پر چلنا۔

ف : چلانا دو قسم ہے :

۱۔ چلنے والے کا بالاختیار والارادہ چلنا، جیسے ھو الذی یسیرکم (وہ اللہ تعالےٰ جو تمہیں چلاتا ہے)

۲۔ قہر و تسخیر سے، جیسے پہاڑوں کا (قیامت میں)۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں بلند اعضاء و جوارح کی طرف اشارہ ہے جو تعینات کی زمین سے چلے جائیں نیز انواع و اجناس کے جبال جو عالم تعینات میں واقع ہیں کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَإِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (اور جب حملکی اونٹنیاں چھوٹی پھریں)

حل لغات : العطل بمعنی زینت و شغل کا فقدان (نہ ہونا) ہر اس شخص کو معطل کہا جاتا ہے جو بزعم خویش سمجھتا ہے کہ عالم (جہان) کو صانع سے فارغ ہے کہ اب وہ اسے مضبوط و مزین و مرتب کرے۔ اور کہا جاتا ہے : عطل الدار عن ساکنیھا والابل عن راعیھا

(دار ساکنین سے اور اُونٹ چرانے والوں سے فارغ ہے)

اب معنی یہ ہُوا کہ جب اونٹنیاں بیکار ضائع مہمل چھوڑ دی جائیں گی ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائیگی حالانکہ وہ اپنے مالکوں کی محبوب و مرغوب تھیں اور وہ اس سے پہلے یعنی دنیا میں ان کی دیکھ بھال میں ہر وقت مشغول رہتے تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

یوم لا ینفع مال و لا بنون ۔ (اس دن مال نفع دے گا نہ بیٹے)

ف : حضرت امام ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بطریق مثل فرمایا ہے اس لیے کہ قیامت میں حاملہ اونٹنیاں کہاں ۔ یعنی قیامت کی ہولناکی کا یہ منظر ہوگا کہ اگر اس وقت اس کے پاس حاملہ اونٹنیاں ہوں تب بھی انہیں چھوڑ دے گا اور اسے اپنی پڑی ہوگی ۔ یہاں یوم القیامۃ سے نفخۂ ثانیہ کے بعد کا وقت مراد ہے یا قیامت کے مبادی کا وقت مراد ہے پھر ممکن ہے کہ بوقت مبادی اونٹنیاں ہوں اس تقریر پر یہ تمثیل نہیں بلکہ حقیقت ہے ۔

وَاِذَا الْوُحُوْشُ (اور جب وحشی جانور)

حلِ لغات القاموس میں ہے کہ الوحش بمعنی جنگل کا جانور ۔ الوحیش کی طرح اس کی جمع وحوش و وحشان آتی ہے اس کا واحد وحشی ہے ۔

ابن الشیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وحشی اس جنگلی جانور کا نام ہے جو انسان سے مانوس نہ ہو، اور وہ مکان جو انسان سے خالی ہو ۔ گھریلو جانور کی نقیض ۔

حُشِرَتْ (جمع کئے جائیں) ہر جانب سے اور ایک دوسرے سے اور انسان سے نفرت اور جنگلوں اور ویرانوں میں متفرق ہونے کے باوجود ایک جگہ جمع ہو جائیں گے اور ان کا یہ جمع ہونا اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے ہوگا ۔

ف : بعض نے کہا کہ جانور اظہار عدل کے لیے قصاص کے طور پر اٹھائے جائیں گے ۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں ہر شے اٹھائی جائے گی یہاں تک کہ مکھیاں بھی قصاص کے لیے مابین فیصلہ کے بعد انہیں مٹی بنا دیا جائے گا صرف وہ چیزیں رہ جائیں گی جو بنو آدم کے سرور کا موجب ہوں اور ان کی صورت سے فرحت حاصل ہو جیسے طاؤس (مور) اور بلبل وغیرہ ۔ جب قصاص کے لیے حیوانات کو اٹھایا جائیگا تاکہ عدل کا تقاضا پورا ہو تو پھر انس و جن مکلفین کے لیے کسی کو کیا وہم و گمان ہو سکتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ان قویٰ بشریہ طبعیہ کی طرف اشارہ ہے جو جناب حق اور باب القدس سے متنفر ہیں کہ وہ ہلاکت کے بعد اس کی طرف جمع کئے جائیں جہاں ان سے وہ ظاہر ہو جو ان سے صادر ہوا ۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (اور جب سمندر سلگائے جائیں) یعنی گرم کئے جائیں یا بھر جائیں ایک دوسرے میں جاری ہونے سے یہاں تک کہ ایک سمندر بن جائیں جن میں کڑوے اور میٹھے کی ملاوٹ ہو اور وُہ تمام رُوئے زمین پر پھیل جائیں۔

حلِ لغات سجر التنور (تنور سلگانا) سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ لکڑیوں سے بھر دیا جائے یہاں تک کہ اس کا اُوپر کا حصہ گرم ہو جائے اس لیے کہ جہنم دریاؤں کی گہرائیوں میں ہے لیکن اب وہ اوپر سے بند ہے اس کی حرارت کا اثر دریاؤں کے اوپر نہیں پہنچتا تاکہ زمین والوں کے لیے اس کا انتفاع آسان ہو جب دنیا کی مدت انتہار کو پہنچے گی تو پردہ اُٹھ جائے گا پھر جہنم کی گرمی کی تاثیر دریاؤں میں پہنچے گی اس سے دریاؤں کا پانی گرم ہو کر اہلِ نار کے لیے حمیم بن جائے گا یا ان کے پیچھے دبور کی ہوا کھول دی جائیگی اس کے جھونکوں سے آگ کی گرمی میں تیزی آجائے گی اس سے وُہ پانی آگ بن جائیگا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا

حکایت فتوحاتِ مکیہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب دریا کو دیکھتے تو فرماتے کہ اے دریا! تو کب آگ، بنے گا۔

ف : دریاؤں کے پُر ہونے کی وجہ ہے کہ جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر اُڑتی غبار کی طرح ہو جائیں گے تو پھر وہ اپنی جگہ پر نہ ٹھہر سکیں گے اسی لیے لامحالہ ان کے اجزا زمین پر پھیل کر اُن جگہوں کو پُر کریں گے جو زمین کی کھائیاں ہیں اس طرح سے زمین برابر ہو جائے گی تمام دریا مل کر پانی سے بھرپور ہو کر ایک سمندر بن جائیں گے۔

اعجوبہ بعض نے کہا میٹھے پانی کو نمکین پر غلبہ دیا جائیگا پھر سیلاب بن کر ثور (بیل جو زمین کے نیچے کھڑا ہے) تک پہنچ جائے گا وہ سب کو نگل لے گا تمام پانی وہ بیل اپنے پیٹ میں جمع کرلے گا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہ رہے گا۔

حضرت امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ اس لیے کہ تمام پانی آگ بن جائے گا۔ ایسے افعال میں تشدید کبھی تکثیر کا فائدہ دیتی ہے اور تکرار کا بھی، اور فعل کی تخفیف دونوں (کثیر و قلیل) کا احتمال رکھتی ہے۔

نکتہ : اس سورۃ میں سجّرت کی تخصیص سعّرت کی وجہ سے ہے اس لیے کہ اکثر مفسرین کے نزدیک سجرت کا معنیٰ اوقدت (آگ جلائی جائے گی) ہے۔ یعنی وہ دریا آگ بن جائیں گے۔ اس معنیٰ پر تسعیر النار (آگ جلانا) اور تسجیر البحار (دریاؤں کا آگ بن جانا) دونوں وعیدیں ہیں۔

نکتہ : سورۃ الانفطار میں فُجِّرَت، الکواکب انتثرت کے موافق ہے اس لیے کہ ستاروں کے گرنے اور رُوئے زمین پر پانی کے بہنے اور قبور کے کریدنے سے ہر ایک اپنے قرین کو ملے گا۔

ف: بعثرۃ یعنی مٹی کا الٹنا (کریدنا) یعنی شے کو اپنی جگہ سے ہٹانا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے بحار معرفۃ ذاتیہ و حکم صفاتیہ و علوم اسمائیہ کی طرف اس لیے کہ جب وہ تجلی وحدانی سے ایک دریا ہو جائیں گے یعنی بحر الذات جو جمیع مراتب پر مشتمل ہے، نیز اشارہ ہے ان بحار کی طرف جو اعتبارات الوجود اور اس کے بشئون کلیہ سے ظاہراً و باطناً اور غیباً و شہادۃً دنیا و آخرت میں واصلِ حق ہوئے۔ کیونکہ وہ جمع ہو کر واحد ہوئے اس سے بحر الوجود ایک بحرِ ذخار ہو گیا کہ جس کا ساحل (کنارہ) نہ قعر (گہرائی کی انتہاء) اور اشارہ ہے بحر عناصر کی طرف کہ وہ ایک دوسرے کی طرف بہتے ہوئے ہر ایک کے اجزا اصل سے مل کر ایک دریا بنے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا النُّفُوْسُ (اور جب جانوں کے) ظاہر یہ ہے کہ اس سے انسان کے نفوس مراد ہیں اور یہ بھی ہے کہ یہ عام ہے جو جنات کو بھی شامل ہے (کذا فی بعض التفاسیر) زُوِّجَتْ (جوڑ بنیں)

حلِ لغات التزویج ایک دوسرے کا جوڑا بنانا۔ اور یہ مقارنت کا مقتضی ہے، یعنی اپنے اجساد سے ملائے جائیں یعنی نفوس کو اجسام میں رد کیا جائے اور ہر نفس کو اپنے ہم شکل اور اس طبقہ میں ملایا جائے جس طبقہ کا وہ تھا خیر سے یا شر سے یعنی نیک کو نیک سے برے کو برے سے یا ملائے جائیں اپنی کتاب (عمل نامہ) یا عمل سے مثلاً نفوس متمردہ اپنے اعمال سیئہ سے اور مطمئنہ اپنے اعمال صالحہ سے یا اہلِ ایمان کے نفوس حور سے اور کافروں کے شیطانوں سے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ان ارواح کی طرف ہے جو اشباح کی ہیاکل (شکلوں) کو فیض بخشنے والے ہیں عالمِ امر سے، تو وہ ملائے گئے اپنے بواعث و موجبات سے یعنی اسماء و صفات الٰہیہ اور اسباب لاہوتیہ سے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْمَوْءٗدَۃُ (اور جب زندہ دبائی ہوئی سے) یعنی زندہ قبر میں دفنائی ہوئی سے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے وئد یئد بنتہ (اس نے اپنی بچی کو زندہ دفنایا یا وہ زندہ دفناتا ہے) وأداً (زندہ دفنانا) الموؤدۃ (وہ بچی جسے زندہ قبر میں دفنایا گیا)

جاہلیت کے عرب جاہلیت کے عربوں کی عادت تھی کہ وہ بچیوں کو قبروں میں زندہ دفن کر دیتے یا افلاس (تنگ دستی) کے خوف سے یا لونڈی بننے کے خطرہ سے یا یا ان کی وجہ سے عار کے لحوق کے ڈر سے۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ ملائکہ بنات اللہ (اللہ کی لڑکیاں)

ہیں (معاذ اللہ) فلہذا لڑکیاں اسے دے دو وہی ان کا زیادہ مستحق ہے۔

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا طریقہ

کشاف میں ہے کہ جب کسی کے ہاں بچی پیدا ہوتی اور وہ اسے زندہ درگور کرنا چاہتا تو اسے اُون یا اُن بکریوں اور اونٹوں کے بالوں کا جُبّہ پہناتا جو اُونٹ بکریاں جنگل میں چرتی تھیں۔ اگر وہ بچی کو جان سے مار ڈالنا چاہتا تو اُسے چھوڑے رکھتا یہاں تک کہ وہ چھ سال کی ہو جاتی، پھر اس کی ماں سے کہتا کہ اسے سنگار کر خوشبو وغیرہ لگا دے میں اسے سُسرال لے جاؤں گا۔ اور وہ پہلے ہی جنگل میں اس کے لیے گڑھا کھود چکا ہوتا۔ جب بچی کو اُس گڑھے پر لے جاتا تو اسے کہتا کہ اس کے اندر جھانک۔ جب وہ بچی اُس گڑھے کے اندر جھانکتی تو وہ (ظالم باپ) اُسے پیچھے سے دھکا دے دیتا وہ بچی اس میں گر پڑتی، پھر وہ اس پر مٹی ڈال دیتا، یہاں تک کہ اسے زمین کے برابر کر کے لوٹتا۔

ف: بعض نے کہا کہ حاملہ عورت وضعِ حمل کے قریب ہوتی تو اُسے اُس کھودے ہوئے گڑھے پر لے جاتا اگر وہ بچی جنتی تو اسے گڑھے میں پھینک کر گڑھے کو مٹی سے بھر دیتا۔ اگر وہ عورت بچہ جنتی تو اسے اٹھا کر گھر لے جاتا۔

سُئِلَتْ (پوچھا جائے گا) اس سے اللہ تعالیٰ پوچھے گا عدل کے اظہار کے لیے، یا فرشتہ پوچھے گا اللہ تعالیٰ کے حکم سے **بِاَیِّ ذَنْبٍ** (کس خطا پر) ان خطاؤں پر جو قتل کے موجب ہیں عقلاً و نقلاً **قُتِلَتْ** (ماری گئی) جسے باپ نے قتل کر کے خود زندہ درگور کیا یا اس پر راضی تھا اور سوال لڑکی کی طرف متوجہ کرنے میں بچی کی تسلی اور زندہ درگور کرنے والے پر کمال غیظ و غضب اور اسے درجۂ خطاب سے گرا دینے کا اظہار اور اس کی رسوائی و ذلت میں مبالغہ جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا،

ءانت قلت للناس اتخذونی و امی الٰہین۔ کیا تو نے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں دونوں کو معبود بناؤ۔

اسی لیے زندہ درگور کرنے والے سے بچی کے قتل کرنے کے سبب کا سوال نہیں ہوا اور ذلت و رسوائی کی وجہ یہ ہے کہ جب جنایت کرنے والے کے سامنے سوال کر کے جنایت کو اس کی طرف منسوب کیا جائے تو جنایت کرنے والے کو اپنے اور جس پر جنایت کی، کے حال پر غور و فکر پر اُبھارنا ہوتا ہے اس پر سمجھتا ہے کہ جس کے ساتھ میں نے یہ غلطی کی وہ تو بالکل بری الذمہ اور جس کی جتنی سزا مقرر ہو اس کا میں مستحق ہوں اس سے وہ اپنے غلط فعل پر بڑا یقین کرتا ہے یہ بھی ایک قسم کا استدراج ہے جو علی طریق التعریض واقع ہے اور یہ زیادہ بلیغ ہوتا ہے اسی لیے تصریح کے بجائے اسے اختیار کیا گیا۔

سوال: زندہ درگور بچی کے لیے صیغہ غائب کیوں، اس کے لیے تو صیغۂ خطاب موزوں تھا۔

جواب، زندہ درگور لڑکی کی خبر دینا مطلوب ہے، نہ اس سے حکایت کہ اس سے سوال ہوا تو اس نے

جواب میں کچھ کہا ہو تو نقل کے طور صیغۂ خطاب لایا جاتا یہاں چونکہ اس کے متعلق صرف خبر دینا مطلوب ہے اسی لیے صیغۂ غائب لانا موزونیت رکھتا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مشرکین کے چھوٹے بچوں کے عذاب جہنم کا سوال ہُوا تو آپ نے فرمایا کہ ان کو عذابِ جہنم نہ ہوگا۔ آپ نے اس کا استدلال اسی آیت سے فرمایا کہ ذنب (گناہ) کے بغیر کسی پر عذاب نہیں ہوتا۔

ف : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الوائد (زندہ درگور کرنے والا) اور موؤدہ (زندہ درگور کی ہوئی) جہنم میں ہوں گے جب موؤدہ بالغہ ہو۔

تفسیرِ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جن اعمال میں ریاء و سمعہ (شہرت پسندی) اور خواہش نفسانی کی ملاوٹ ہو تو ان سے سوال ہوگا کہ کس سبب سے تمہاری نورانیت و روحانیت باطل ہوئی نیز نفس ناطقہ موؤدہ (زندہ درگور کیا ہوا) جسے نفس حیوانیہ وائد (زندہ درگور کرنے والا) نے قبر بدن میں دبایا سے سوال ہوگا کہ کس گناہ میں مارا گیا یعنی اس گناہ کے اظہار کی طلب میں کہ جس سے نفس حیوانیہ نے نفس ناطقہ پر غلبہ پایا کہ اس پر غضب یا شہوت یا ان کے غیر کو مسلط کر کے اسے اس کے خواص و افعال سے روک کر اسے ہلاک کر دیا اس کے طلب اظہار کو سوال سے کنایہ کیا گیا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الوائدة والموءودة فی النار لان النفس الناطقة فی النار مقارنة للنفس الحیوانیة ۔ کذا قال القاشانی ۔	الوائد اور الموءودہ جہنم میں ہیں اس لیے کہ نفس ناطقہ نفس حیوانیہ کا قرین (مقارن) ہے۔ کذا قال القاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (اور جب نامۂ اعمال کھولے جائیں) اس لیے کہ وُہ موت کے وقت لپیٹ لیے جاتے ہیں حساب کے وقت کھولے جائیں گے پھر وہ نامۂ اعمال والے کے ہاتھ میں بکھیر کر دیئے جائیں گے جو تمام انسانوں کے نامہ ہائے اعمال ان کے دائیں بائیں بکھرے پڑے ہوں گے ہر ایک ان کے لکھے ہوئے مضامین سے آگاہی پائیگا اور سب کے اعمال اس میں موجود و محفوظ ہوں گے اسی لیے انسان کہے گا :

مال ھذا الکتاب لا یغادر صغیرة ولا کبیرة الا احصاھا۔	اس کتاب کو کیا ہے کہ وہ نہ چھوٹا گناہ چھوڑتی ہے نہ بڑا مگر اس نے گن لیا (محفوظ کر لیا)

حدیث شریف میں ہے کہ لوگ ننگے جسم اور ننگے پاؤں قبور سے اٹھائے جائیں گے۔ اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! وہاں عورتوں کے ساتھ کیا کیا جائیگا، (کیا وہ بھی ننگے بدن ہوں گی اور مرد بھی؟) آپ نے فرمایا: مشغولی سے ایک دوسرے سے بے خبر ہوں گے۔ بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: وہ مشغولی کیا ہوگی؟ فرمایا: صحیفوں (نامہ ہائے اعمال) کا کھلنا کہ اس میں جوار اور رائی کے دانوں کے برابر ہوں گے۔

ف: بعض نے نشورت کا معنی بیان فرمایا کہ اعمال والوں کے آگے نامہ ہائے اعمال متفرق ہوں گے۔

ف: حضرت مرثد بن وداعہ نے فرمایا کہ قیامت میں صحیفے عرش کے نیچے سے اڑکر اہلِ ایمان کے (بلند باغ کے اندر) دائیں ہاتھ پر واقع ہوں گے اور کفار کے صحیفے بائیں ہاتھ پر، جب وہ سموم اور کھولتے پانی میں ہوں گے اور ان میں ان کے اعمال لکھے ہوں گے۔ لیکن یہ صحیفے نامہائے اعمال کے علاوہ ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ان قویٰ ونفوس کے صحیفوں کی طرف ہے جن میں اعمال کی ہیآت مندرج ہیں جو موت اور شمس روح کے لپیٹے جانے کے وقت انہیں بعث اور بدن میں لوٹنے کے وقت کھولا جائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ (اور جب آسمان جگہ سے کھینچ لیا جائے) اکھاڑا اور ہٹایا جائے کہ اس کا ماوراء ظاہر ہو جائے یعنی بہشت وعرش جیسے ذبیحہ (جانور) سے کھال اتاری جاتی ہے اور وہ پردہ کہ جس سے کوئی شے چھپی ہو دُور کر لی جائے۔

حل لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ کشط الناقة سے ہے بمعنی اس کا چمڑا اس سے کھینچا اسی سے استعارہ ہے الکشط روعہ بمعنی زال (اس کی گھبراہٹ دُور ہوئی)۔

تفسیر صوفیانہ اس میں سماء ارواح کا ارض اشباح سے علیحدہ ہونے اور ظہور واسماء وصفات کے بطون وخفاء کی طرف کھنچ جانے کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ (اور جب جہنم بھڑکایا جائے) کافروں کے لیے ایسا سلگایا جائے کہ انہیں ہمیشہ کے لیے جلا کر راکھ بنا دے۔

ف: سعر یعنی غضب الٰہی اور بنی آدم کی خطائیں، اور اسعار سے جہنم کے شعلوں کا بھڑکنا مراد ہے، نہ ابھی ان کا حدوث اس سے اس کا اعتراض دفع ہو گیا جو کہتا ہے کہ جہنم غیر مخلوق ہے یعنی وہ اب موجود نہیں، اس لیے کہ اس میں دلیل ہے کہ اس کا بھڑکنا قیامت کے دن سے معلق ہے وہ اس لیے کہ اس میں زیادتی اور اشتداد ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں خسران وخذلان کی جحیم کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اسے اعمال سیئہ کی لکڑیوں اور احوال قبیحہ کے پتھروں سے بھڑکایا ہے بالخصوص غضب وشہوت کی آگ جس پر وہ دنیا میں زندگی بسر کرتے رہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ (اور جب جنت پاس لائی جائے)

حلِ لغات: الازلاف بمعنی قریب کرنا یعنی متقین کے قریب کی جائے گی تاکہ وہ اس میں داخل ہوں، جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا:

وازلفت الجنۃ للمتقین غیر بعید۔ اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی وہ ان سے دُور نہ ہوگی۔

ف: حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ متقیوں کو جنت کے قریب پہنچایا جائے گا نہ کہ بہشت کو اپنی جگہ سے ہٹا کر لایا جائے گا۔

ف: تقریب سے مراد تعکیس ہے مبالغہ کے طور کیا گیا ہے یعنی جنّت کو قریب لانے سے متقین کا قریب لانا مراد ہے، اسے برعکس کر کے جنت کو قریب لانا کہا گیا ہے، جیسے دوزخیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

ویوم یعرض الذین کفروا علی النار۔ اور اس دن کافروں کو دوزخ پر پیش کیا جائیگا

یہ ان کافروں کی تحقیر اور انہیں حسرت میں ڈالنے کا مبالغہ ہے۔ یا اس سے تقریب معنوی مراد ہے۔ یعنی انہیں جنت کے داخلے کا مستحق بنانا اور باعزّت بہشت میں داخل کرنا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں آثار رضا و لطف کی نعمتیں متقیوں کے قریب کرنے کی طرف اشارہ ہے، ایسی ہی جنۃ الوصول والوصال جمال وکمال کے عُشّاق کے قریب کرنے کی طرف اشارہ ہے اور وہ بارہ خصلتیں ہیں، جیسا کہ صوفیہ کرام نے فرمایا وہ چھ دنیا میں یعنی نفختین کے درمیان وہی جن کا ذکر اسی سورۃ کے اوّل میں مذکور ہیں واذا البحار سجّرت تک صرف الوحوش حشرت سے مراد یہ ہے کہ انہیں ہر طرف سے صرف قصاص کے لیے جمع کیا جائے گا، اور چھ آخرت میں یعنی نفخۂ ثانیہ کے بعد۔

ف: حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے چھ علامات ظاہر ہوں گی یہاں تک کہ لوگ بازاروں میں کاروبار میں مصروف ہوں گے کہ سورج بے نور ہوگا ابھی اس حالت سے گھبراہٹ میں ہوں گے کہ اچانک ستارے آسمان سے جھڑنے شروع ہو جائیں گے ابھی اس کی پریشانی دُور نہ ہوگی تو پہاڑ زمین پر گرنے شروع ہو جائیں گے اور زمین تھرتھرائے گی اس پر انس وجن گھبرا کر ایک دوسرے کے پاس جمع ہونے لگیں گے تو ان کے ہاں دنیا بھر کے جانور اور پرندے اور وحشی اکٹھے ہو جائیں گے اور

اور ان تمام کا ایک دوسرے سے خلط ملط ہوگا تو جن انسانوں سے کہیں گے ٹھہرو ہم تمہیں اس کی اصل حقیقت سے آگاہ کریں، جنات دریاؤں پر جائیں گے تو وہ آگ ہو چکے ہوں گے اور ان سے آگ کے شعلے نکل رہے ہونگے وہ اسی حالت میں ہوں گے تو ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان یکبارگی پھٹ جائیں گے، اس کے بعد اچانک آندھی چلے گی جو ان سب کو نیست و نابود کر دے گی (معالم)۔

تفسیر عالمانہ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ (ہر جان کو معلوم ہو جائے گا جو حاضر لائی) یہاں عائد الی الموصول محذوف ہے کہ دراصل ما احضرتہ تھا نفس عام ہے جیسے دوسری جگہ مصرح ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم تجد کل نفس ما علمت من خیر محضرا۔ — اس دن ہر نفس جان لے گا بھلائی کو جو اس کے آگے حاضر ہو گی۔

اور فرمایا:

ھنالك تبلو کل نفس ما اسلفت۔ — اور وہاں ہر نفس نے جو کچھ بھیجا ہو گا پائیگا۔

سوال: نکرہ سیاق الاثبات میں عام نہیں ہوتا بلکہ افراد نوعیہ کے لیے ہوتا ہے۔

جواب: یہ قانون مطرد (جاری۔ دائمی) نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تنوین افراد شخصیہ کے لیے ہو، اس میں تنبیہ ہے کہ نفوس میں چند ایسے ہوں گے جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا ہو گا اسے دیکھ لیں گے۔

سبق: ہر نفس پر لازم ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے تاکہ ایسا نہ ہو کہ وہی نفس اس کا ہو۔

سوال: صرف ایک نفس کا اس وقت ہر نفس کو ایک دوسرے کا علم ہو جائیگا۔

جواب: یہ محض تنبیہ کے لیے ہے جیسے تم کسی کو نصیحت کرو تو ایسے کہو گے: لعلك ستندم علی ما فعلت (عنقریب تم اپنے کئے پر ملامت اٹھاؤ گے) بہت تھوڑے لوگ اپنے کئے پر نادم ہوتے ہیں اس سے تمہاری مراد ہرگز نہیں ہو گی کہ یقیناً اسے ندامت ہو گی یا ممکن ہے کہ نہ ہو یا شاید ہو بلکہ تمہاری مراد یہ ہے کہ عاقل پر لازم ہے کہ جس پر ندامت کی امید ہو یا ممکن ہے وہ ندامت اس پر واقع ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

سبق: یہ حال تو ہے نادر الوقوع یا ممکن الوقوع یا مرجو الوقوع کا اور جس کا وقوع یقیناً ہو اس سے کیوں نہ اجتناب کیا جائے۔

ف: مَآ اُحضرت سے ان کے اعمال نیک اور بُرے پیش ہوں گے اس سے یا تو ان اعمال کے صحیفے مراد ہیں، جیسے نشر سے ظاہر ہوتا ہے یا خود صاحبانِ اعمال۔ اس لیے کہ یہاں (دُنیا میں)، جو اعمال ظاہرہ صور عرضیہ میں ہوتے رہے وُہ آخرت میں صور جوہریہ میں ظاہر ہوں گے ان کی مناسبت سے نیک اعمال کی

حسین صورتیں بُرے اعمال کی قبیح صورتیں (معاذاللہ) اعمال کی آخرت میں کیفیاتِ مخصوصہ و ہیآت معینہ ہوں گی۔
سوال: صلہ کا اسناد نفوس کی طرف کیوں؟ ایسے ہی احضار کی طرف حالانکہ حاضری کا حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہوگا۔
جواب: چونکہ دنیا میں ان کا عامل وہی تھا گویا اس نے ہی انہیں موقف میں حاضر کیا اور اس کے علم کا معنی یہ ہے کہ وہ ان اعمال کا آخرت میں مشاہدہ کرے گا جیسے ان کی حقیقت ہے اگر اچھے اعمال ہیں تو اچھی صورت میں مشاہدہ کرے گا اس سے بڑھ کر جنہیں وہ دنیا میں (اعمال کو اچھا سمجھ کر) عمل کرتا تھا اس لیے کہ طاعات کا ارتکاب دنیا میں مشقت سے خالی نہیں اور احادیث مبارکہ میں وارد ہے کہ جنت مکارہ (تکالیف) کے گھیرے میں ہے اور اگر وہ اعمال برے ہیں تو ان کا بری صورتوں میں مشاہدہ ہوگا کیونکہ وہ اس کی خواہش نفسانی کے موافق اسے دنیا میں مزین (زینت والی) محسوس ہوتیں جیسے احادیث میں وارد ہے کہ دوزخ شہوات کے گھیرے میں ہے۔
ف: بعض نے کہا کہ علم بالاعمال کنایہ ہے ان اعمال کی جزا ہے اس لیے کہ جزاء کو علم لازم ہے۔
سوال: علمت اذا کا جواب ہے حالانکہ موقف کے مناظر اور اس علم کا ایک ہی زمانہ ہے حالانکہ شرط و جزا کے زمانے ایک دوسرے کے غیر ہوتے ہیں۔
جواب (۱): وہ وقت (موقف) وسیع ہوگا اس کی وسعت کے لمحات گویا ایک دوسرے کے غیر ہیں۔

(۲) بارہ امور جو مذکور ہوئے وہ اول وقت یعنی نفخۂ اولیٰ میں ہوگا اور یہ جزاء آخر میں اس معنی پر دونوں وقت متغایر ہو گئے۔

(۳) اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے اعمال کو تمام جملہ اوقات میں دیکھتا رہے گا بلکہ اس دراز کے اوقات میں کسی وقت میں ہوگا۔

(۴) یا اس وقت ان کی صورتوں کو جانے گا جب امور مذکورہ واقع ہوں گے بلکہ اس وقت دیکھے گا اور جانے گا جب صحائف (نامۂ اعمال) کھولے جائیں گے۔

(۵) بعض ہولناکیاں اس دن کے مبادی ہیں بعض روادف ہیں لیکن پھر ان سب کی طرف علم کی نسبت کر دینا ان کی ہولناکی کی عظمت کے پیش نظر ہے۔
ف: حضرت عمرو ابن عباس رضی اللہ عنہما اس سورۃ کو پڑھتے پڑھتے جب علمت نفس ما احضرت الخ تک پہنچے تو فرمایا سورۃ کو اسی مضمون کے لیے جاری کیا گیا ہے۔
ف: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے یہ سورت پڑھی جب وہ علمت نفس ما احضرت تک پہنچا تو فرمایا: ہائے پشت کا ٹوٹنا۔ آپ کا یہ فرمانا قیامت کے خوف اور اعمال کی جزا کے لیے تھا کیونکہ اُس دن ہر نیک اپنی خیر و بھلائی کے بدلے میں کرامت اور عطا دیکھے گا اور ہر بُرا ملامت

دیکھے گا۔ نیک نیکی دیکھ کر حسرت کرے گا اور کہے گا کاش اس سے زیادہ نیکی کر لیتا اور بُرا غم و اندوہ میں مبتلا ہو کر کفِ افسوس ملے گا کہ میں نے اتنا بُرا کام کیوں کیا، لیکن اس وقت اس کی حسرت اور افسوس کوئی کام نہ دے گا۔

(۱) تو امروز فرصت غنیمت شمار — کہ فردا ندامت نیاید بکار

(۲) بکوش اے توانا کہ فرمان بری — کہ در ناتوانی بسے غم خوری

ترجمہ: (۱) آج فرصت کو غنیمت شمار کر، کل (بروزِ قیامت) ندامت کام نہ آئے گی۔

(۲) اے طاقت ور! آج ہی فرمانِ (خدا) کی تعمیل میں کوشاں رہ، ورنہ ناتوانی (بڑھاپے) میں بہت پچھتائے گا۔

حدیث شریف میں ہے:

العبد المؤمن بین مخافتین عمر قد مضی لا یدری ما اللہ صانع فیہ و اجل قد بقی لا یدری ما اللہ قاض فیہ فلیتزود العبد لنفسہ من نفسہ ومن دنیاہ لآخرتہ ومن الشیبۃ قبل الکبر ومن الحیاۃ قبل الممات فواللہ ما بعد الموت من مستعتب وما بعد الدنیا الا الجنۃ او النار۔

بندۂ مومن دو خوفوں کے درمیان ہے:

(۱) گزری زندگی سے خائف ہے کہ نہ معلوم اس سے کیا سرزد ہوا کہ جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوا۔

(۲) باقی عمر گزرے گی تو نہ معلوم اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی ہو سکے گی یا نہ۔

عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اپنے لیے اپنے آپ سے ہی کام لے اور دنیا میں آخرت کا سامان تیار کرے اور بڑھاپے سے پہلے ہی جوانی میں کمالے مرنے سے پہلے دنیوی زندگی میں اعمال صالحہ جمع کر لے بخدا موت کے بعد کوئی عذر قابلِ قبول نہ ہوگا اور دنیا سے کوچ کے بعد جنّت ہے یا دوزخ۔

ف: حضرت الواسطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت علمت کل نفس الخ میں ہے کہ ہر جی کو معلوم ہے اور یقین ہے کہ جو کچھ عمل کیا اور جد و جہد کی وہ اس مشہد (یوم القیامۃ) میں کام نہ آئے گی ہاں وہ نجات یافتہ ہوگا جسے فضلِ الٰہی کی خلعت نصیب ہوگی اور جو اعمال کی جزاء کے انتظار میں رہا وہ ہلاک ہوا۔ (یعنی انسان

کو صرف فضلِ خداوندی پر بھروسا کرنا چاہیئے نہ کہ اعمال پر)

ف: برہان القرآن میں ہے کہ اس سورۃ میں نفس ما احضرت اور انفطار میں وما قدمت وما اخرت ہے اس لیے کہ یہ جملہ واذا القبور بعثرت کے قریب ہے اور قبور دنیا سے متعلق ہیں وہی اسے یاد دلاتی ہیں جو دنیا میں تھا وہ آخرت میں کام آئے گا اس لیے کہ ہر خاتمہ اپنے مرتبہ و مکان کے لائق ہے اور یہ سورۃ از اول تا آخر شرط و جزا اور قسم و جواب پر مشتمل ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ (تو قسم ہے) لا صلہ کی ہے جو سابق کلام کے لیے وارد کی گئی ہے یعنی امر اس طرح نہیں جیسے تم سمجھتے ہوا ے کافرو! کہ قرآن سحر یا شعر یا بناوٹی قصے کہانیاں ہے، پھر اقسم سے قسم کا آغاز فرمایا **بِالْخُنَّسِ** (ان کی جو اُلٹے پھریں)

حل لغات الخنس، خانس کی جمع ہے بمعنی متأخر (الٹا پھرنے والا) از خنس الرجل عن القوم خنوسا (فلاں قوم سے پیچھے ہٹنا) از باب دخل بمعنی تأخر۔ الخنوس کا اصل ہے الرجوع الی خلف (پیچھے کی طرف لوٹنا) الخناس وہ شیطان جو انسان کے قلب پر سونڈ رکھتا ہے جب بندہ ذکر کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے جب غافل ہوتا ہے وسوسہ کے لیے لوٹ آتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ قسم ہے اُن ستاروں کی جو الٹے پھرتے ہیں یہ وہ ہیں ان پانچ چمکیلے ستاروں کے نام یہ ہیں

(۱) مریخ (بالکسر) اس کا نام بہرام بھی ہے۔

(۲) زحل، اس کا نام کیوان بھی ہے۔

(۳) عطارد، اس کا نام کاتب بھی ہے۔

(۴) زہرہ، اس کا نام اناہید بھی ہے۔

(۵) مشتری، اس کا نام اودیس اور برجیس بھی ہے۔

ہر ستارہ مجرہ کو قطع کرتا ہے سوائے ان پانچوں کے۔ بعض نے ان پانچوں اور نیرین (سورج، چاند) کو نظم میں بیان کیا ہے: ؎

ہفت کوکب ہست گیتی را | گاہ از ایشاں مدار و گاہ خلل
قمرست و عطارد و زہرہ | شمس و مریخ و مشتری و زحل

ترجمہ: سات ستارے ہیں کہ جن کی وجہ سے زمانے کا مدار اور خلل بھی،

(۱) قمر (۲) عطارد (۳) زہرہ (۴) شمس (۵) مریخ (۶) مشتری (۷) زحل۔

ف: یہ وہ سات ستارے ہیں جن میں سے ہر ایک اپنے فلک میں پیرتا ہے چاند اول فلک میں اس کے

قریب والا اس کے متصل، اسی طرح علی الترتیب۔

اَلْجَوَارِ الْكُنَّسِ (سیدھے چلیں تھم رہیں) [1]

حلِ لغات الجواری، جاریۃ کی جمع ہے بمعنی سائرۃ۔ الکنس، کانس کی جمع ہے پناہ گاہ مستتر یہ میں داخل ہونے والا۔ یہ دونوں خُنّس کی صفت ہیں کیونکہ وہ ستارے اپنے افلاک میں پیرتے ہیں یا وہ سورج یا چاند کے ساتھ خود بخود پیرتے ہیں اور پھر لوٹ کر سورج کی روشنی میں چھپ جاتے ہیں جیسا کہ اہلِ ظواہر کا خیال ہے اور ظاہر ہے کہ ستارے کو جب آخر برج میں دیکھا جاتا ہے تو اپنے اول مقام کی طرف لوٹتا ہے اسی کا نام خنوس ہے اور کنوس کا مطلب ہے ستارے کا سورج کی روشنی میں چھپ جانا۔ لیکن قران (سورج، چاند) میں یہ معنیٰ نہیں۔

ف : عین المعانی میں ہے کہ ان کا خنس ہونا اس معنیٰ پر ہے کہ وہ اپنے مجریٰ میں چلتے اور اپنی پناہ گاہ میں چھپتے ہیں۔ کناس بمعنی ان کے چھپنے کی جگہ، جیسے ہرنی اپنی پناہ گاہ میں چھپتی ہے۔

حلِ لغات یہ کنس الوحش سے ہے از باب جلس یعنی وحشی (جانور) اپنی پناہ گاہ میں چھپا، یعنی اس کا وہ گھر جس میں وہ رہتا ہے جسے اس نے درخت کی ٹہنیوں سے تیار کیا ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ تمام ستارے لوگوں کی نگاہوں سے چھپ جاتے ہیں اور رات کو طلوع کرتے ہیں اپنی جگہوں سے، جیسے وحشی جانور اپنی کمین گاہوں (لبسیروں) میں دن کو چھپ جاتے ہیں لیکن رات کو باہر نکلتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں حواس خمسہ باطنہ کی طرف اشارہ ہے جو شمس روح اور قمر قلب کے ساتھ اپنے بروج کی طرف چھپ کر بحسب شمس و قمر قلب کی شعاعوں کے چلتے ہیں کیونکہ ان دونوں (روح و قلب) کی شعاعوں کا ان پر غلبہ ہے۔ اور چمکیلے ستارے پانچ ہیں :

(۱) زہرہ (۲) عطارد (۳) مشتری (۴) بہرام (۵) زحل

یہ حواس خمس ہیں اور شمس مظہر رُوح اور چاند مظہر قلب ہے۔

تفسیر عالمانہ **وَالَّيْلِ** (اور قسم ہے رات کی) اس کا عطف الخنس پر ہے۔
اِذَا عَسْعَسَ (جب پیٹھ دے) پیچھے ہٹ جائے اس کی تاریکی کیونکہ

---

[1] حضرت صدر الافاضل مراد آبادی قدس سرہٗ نے فرمایا یہ پانچ ستارے ہیں جنہیں خمسہ متحیرہ کہتے ہیں :
(۱) زحل (۲) مشتری (۳) مریخ (۴) زہرہ (۵) عطارد (کذا روی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) (خزائن العرفان)
اویسی غفرلہٗ

صبح کی آمد سے رات کی تاریکی پیٹھ پھیر جاتی ہے، جیسے الوسیط میں فرمایا جب طلوع صبح کو ہوتا ہے تو متصلاً ادبار اللیل ہو جاتا ہے تو مناسب یہ ہے کہ عسعس کی تفسیر ادبر سے کی جائے تاکہ وجود کے تعاقب کی طرح ذکر میں بھی تعاقب ہو یا اقبل از قبیل اضداد ہے ایسے ہی سعسع۔ اور یہ رات کے مبداٴ میں ہوتا ہے، یہی معنی رعایت مقابلہ مع قرینہ کے زیادہ مناسب ہے **وَالصُّبْحِ** (اور قسم ہے صبح کی) اس کا بھی الخنس پر عطف ہے **اِذَا تَنَفَّسَ** (جب دم لے) یعنی طلوع کرے یا اس سے مبداٴ طلوع مراد ہے اذا کا عامل قسم کا معنیٰ ہے اذا اور اس کا ما بعد محلاً حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قسم ہے رات کی در انحالیکہ پیٹھ پھیرے اور صبح کی قسم در انحالیکہ وہ روشن ہو۔

حل لغات تنفس الصبح، تبلج یعنی اضاء واشرق (صبح چمکی) اور تنفس الصبح عبارت طلوع وانبساط سے اپنی روشنی کے تحت اس اعتبار سے کہ اس سے رات کی تاریکی ذائل ہو جاتی ہے عسعسۃ بمعنی وہ تاریکی جو رات کے آخری حصّہ سے حاصل ہوتی ہے۔ النفس دراصل ریح مخصوص جس سے قلب کو راحت حاصل ہو اور اس کے چلنے سے اسے فرحت پہنچے۔

حدیث شریف میں ہے:

لا تسبوا الریح فانھا من نفس الرحمٰن۔

ہوا کو گالی مت دو اس لیے کہ وہ رحمان کا نفس ہے (یعنی اس کی شان کے لائق ہے، اس سے دکھ ٹلتا ہے)

ف: صبح کی آمد کی وجہ سے وہ جو راحت اور بادِ نسیم سے خوشی ہوتی ہے کو تشبیہ اس مخصوص ہوا سے دی گئی ہے اس ریح مخصوص کا نام نفس ہے پھر استعارۃً اس پھونکے کو نفس کہا جاتا ہے اسی لیے صبح کو متنفس کہا گیا پھر اس کے تنفس سے اقبال وطلوع صبح اور تاریکی سے روشنی کا آنا کنایہ ہے کیونکہ تنفس بمعنی مذکور اسے لازم ہے استعارہ کے طور کنایہ متفرعہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نور حیات سے تعلق روح اور طلوع نور شمس کے وقت جسمیت کی شب ظلمت کی قسم جب پیٹھ پھیرے ظلمت کے جانے کی ابتداء کے ساتھ اور صبح کی یعنی اسی طرح شمس کے نور کے اثر کی جب افادۂ حیاۃ کے لیے بدن میں پھیلے۔

اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں لیلۂ طبعیہ کی طرف اشارہ ہے کہ اتباع احکام شرعیہ اور مخالفات آثار طبعیہ کی وجہ سے غیب بشریہ کی اندھیروں میں شعاع رکھتی ہے اور نہار روحانیہ کی صبح کی طرف جب آداب طریقت کو کھولے اور ظاہر کرے یہی سب سے اعظم اور افضل قسم ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهٗ (بیشک وہ) یہ ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے یعنی وہ قرآن کریم جو اس مذکور ہولناک اور ڈراؤنی خبروں کا ناطق ہے اور قسم کا جواب ہے۔

ف: ان اشیاء مذکورہ کی قسم کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کمال حکمت اور جلال قدرت کا ظہور ہے۔ فقیر (صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ان کی قسموں کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے نور ہے اسی لیے قلب نورانی پر ہی وارد ہوتا ہے کیونکہ قلب بمنزلہ قمر کے ہے اور روح پر جو بمنزلہ سورج کے ہے اور قوائے روحانیہ پر جو بمنزلہ باقی تمام چمکیلے ستاروں کے ہیں اور یہ انوار وجود انسانی میں ظاہر نہیں ہوتے جب تک آثار طبعیہ کے آثار اور آثار نفس اور آثار قلب و رُوح زائل نہ ہوں جب انوار رُوح اور اس کے قوٰی لیلۂ وجود میں چمکتے ہیں تو جو کچھ وجود میں ہوتا ہے وُہ تمام چمک اٹھتا ہے اور تاریکیاں دُور ہو جاتی ہیں۔

لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (عزت والے رسول کا پڑھنا ہے) اس سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں آپ نے قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی جانب سے پڑھا ہے سہیلی نے کہا یہ جائز نہیں کہ کہا جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے اگرچہ آپ بھی عزت والے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) اس لیے کہ کفار کے اس مقالہ کے رد و تکذیب میں یہ آیۃ نازل ہوئی۔ جنہوں نے کہا تھا کہ یہ قرآن نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے از خود فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ انه لقول رسول کریم ۔ اور جبریل علیہ السلام کو امین اس لیے فرمایا ہے کہ وحی کے امین ہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ قول (قرآن) اللہ تعالیٰ کا ہی تو ہے لیکن اسے جبریل علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا اس لیے ہے کہ اسے (قرآن کو) وہی لے کر آئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس معنیٰ پر اس کا اسناد جبریل علیہ السلام کی طرف باعتبار سبب ظاہری انزال و ایصال کے ہے جس پر یہ دلیل قوی موجود ہے کہ رسول سے حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں وہ یہ کہ بعد کو فرمایا کہ وہ بڑی قوت والا ہے وغیرہ وغیرہ جو یہ تمام صفات صرف اور صرف جبریل علیہ السلام کی ہیں یعنی قرآن لانے والا وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انبیاء علیہم السلام کی طرف، اور وُہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و معظم ہے ایسے ہی لوگوں کے نزدیک بھی کیونکہ وُہ افضل العطایا لاتا ہے یعنی معرفت و ہدایت اور وہ اہلِ ایمان پر مہربان اور کفار پر اور اعداء پر قہر برساتا ہے۔ **ذِىْ قُوَّةٍ** (قوت والا ہے) یعنی سخت قوت والا، جیسے ان کے لیے فرمایا ہے، شدید القوی جس امر کے لیے انہیں مقرر کیا جائے اس پر بڑی قوت رکھتا ہے اسی سے عاجز ہوتے ہیں نہ کمزور۔

جبریلی قوت و طاقت حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوت بیان فرمائی مجھے کچھ نمونے سنائیے۔ عرض کی کہ میں نے لُوط علیہ السلام کی چار بستیاں پانی کی تہ سے اپنے پروں کے اگلے حصے سے اٹھائیں آسمان

تک لے گیا جن کے کتّوں کے بھونکنے اور مرغوں کی آواز آسمان والوں نے سُنی پھر میں نے انہیں الٹ دیا (جن کی تفصیل قرآن میں ہے)

ثمود کی قوم کا انجام

حضرت جبریل علیہ السلام کی قوت تھی کہ ثمود کی قوم پر صبح کے وقت ایک چیخ ماری تو سب کے سب گھٹنوں کے بل زمین پر ڈھیر ہو گئے۔

جبریل علیہ السلام کی پرواز

سیدنا جبریل علیہ السلام آسمان سے زمین پر پھر زمین سے آسمان پر آنکھ جھپکنے سے پہلے آجاتے ہیں۔

شیطان کو ہندوستان دھکیل دیا

حضرت جبریل علیہ السلام نے شیطان ابیض کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد پھرتا دیکھا (یہ وہ شیطان ہے جو انبیاء علیہم السلام کے درپے آزار رہتا ہے) اسے ایک معمولی سا دھکا دیا تو مکہ معظمہ سے ہندوستان کے آخری کونے میں جا گرا۔ اسی شیطان کو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ باتیں کرتا دیکھ کر اسے پھونک ماری تو اُسے بیت المقدس سے ہندوستان کے آخری کونے کے جبل (پہاڑ) پر پہنچا دیا۔

ف: بعض نے کہا کہ قوت سے ادائیگی طاعتِ الٰہی مراد ہے کہ وہ اول خلق سے لے کر آخر زمانہ تکلیف تک معمولی طور بھی خلل و نقصان نہیں کر پاتے۔

تفسیر صُوفیانہ

اس میں صفت رُوح کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ ذوسلطنت ہے مملکت انسانیہ کی جمیع حقائق کائنہ پر اس کی شاہی ہے۔

تفسیر عالمانہ

عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ (مالک عرش کے حضور) اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ ذی العرش اس لیے ہے کہ قلوب پر اس کی انتہائی کبریائی ہے عند ظرف ہے اس کے مابعد کے لیے، یعنی مَكِينٍ (عزت والا) مرتبہ بلند والااکرام وتشریف کی عندیت کے نزدیک نہ کہ مکانی عندیۃ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسی امثال سے بلند و بالا ہے، مثلاً فرمایا، انا عند المنكسرة قلوبهم (میں منکسر المزاج کے قلوب کے نزدیک ہوں) ایسے مقامات پر اس کا قرب واکرام مراد ہے جبریل علیہ السلام کے ہاں مراتب کا ایک مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر آیۃ فان اللہ هو مولاه و جبریل (اللہ اس کا مولیٰ ہے اور جبریل) اپنے بعد فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ انھیں اللہ کے عندیہ کے مرتبہ سے وافر حصہ عطا ہوا ہے، مثلاً اس ملازم کے درمیان جو بادشاہ کے تخت کے نزدیک ہو دوسرا وہ جو وضوء کے لیے وضوء کی جگہ وغیرہ پر ہو۔ مُطَاعٍ (وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے) ملائکہ مقربین کے مابین کہ اس کے ان احکامات کی قدر کرتے اور اس کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ان کا

اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بلند مرتبہ ہے ۔ اسی مرتبہ عالی کی وجہ تھی کہ آسمان والوں نے شب معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلیے آسمان کے دروازے کھولے تو جبریل علیہ السلام کے کہنے پر۔ اہلِ سمار پر جبریل علیہ السلام کی طاعت ایسے ضروری ہے جیسے اہلِ ارض پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

ف : اسی میں اشارہ ہے کہ رُوح مطاع قویٰ کا بہ نسبت طرف سر وقلب کے۔

ثَمَّ اَمِیْنٍ (امانت دار ہے) وحی پر ، انھیں اللہ تعالیٰ نے خیانت اور خطاؤں سے معصوم فرمایا ہے۔

حلِ لغات ثم (بضم الثاء) وصف امانت کی تعظیم اور باقی تمام صفات سے اس کی تفضیل ہے ۔ اسی معنی پر یہ تراخی علی طریق الرتبی ہے کہ فاضل سے افضل و اعظم کی طرف یعنی امانت کی طرف ترقی ہے۔

فضائلِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر رسول سے حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہوں تو ذوالقوۃ آپ کے لیے یہ ہے کہ آپ طاعت میں صاحبِ قوت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک صاحبِ قدر وصاحبِ مرتبہ اور صاحبِ مطاع ہیں یعنی آپ مستجاب الدعوۃ ہیں اسی لیے آپ کے چچا ابو طالب نے آپ سے عرض کی :

ما اطوعك ربك یا محمد ۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ تعالےٰ آپ کا کتنا جلدی کہا مانتا ہے ؟

آپ نے اسے فرمایا :

وانت یا عم لو اطعته اطاعك ۔ اے چچا ! اگر تم بھی اسی کی اطاعت کرو تو تمہاری بات بھی مانے گا ۔

(رد وہابیہ دیوبندیہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو امین کہا تو امین کا معنی صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے وہی لکھا جو آج ہم اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کہتے ہیں تو دیو بندی وہابی اس پر شرک کا فتویٰ دیتے ہیں صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی مندرجہ ذیل عبارت پڑھ کر ان پر بھی یہی فتوی جاری کرکے دکھائیں یا پھر آپ کے لئے علم غیب مانیں (ف : اہلِ اسلام کو مطمئن ہونا چاہیے کہ عقاید و مسائل وہی حق ہیں جو امام اہلسنّت احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ بیان فرماتے ہیں ۔ صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ کی عبارت یہ ہے جو انہوں نے امین کے ترجمہ میں لکھی :)[1]

امین یعنی بر اسرار غیب ۔ (امانت دار غیب کے اسرار و رموز کے)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

صوفیانہ معنی اس میں اشارہ ہے کہ افاضۂ فیض روحی ہر ایک پر بحسب استعداد فطری روح امین ہے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ (اور نہیں تمہارے صاحب) اے اہلِ مکہ اور صاحبکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں اس کا جواب قسم پر عطف ہے اسی لیے فتح الرحمٰن میں فرمایا اور یہ بھی جواب قسم ہے۔

بِمَجْنُونٍ (مجنون) جیسے تم کہتے ہو۔

نکتہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کے صاحب کہنے میں گویا انہیں چیلنج ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے ساتھ طویل زندگی بسر کر چکے ہیں تم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقل مبارک کو آزمایا اور تم نے حضورِ اکرم کو جملہ مخلوق سے بہتر پایا۔ تمہارا اقرار ہے کہ آپ امین اور صادق ہیں بلکہ تم نے خود آپ کو الامین الصادق کا لقب دیا ہے۔

جبریل علیہ السلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ماننے والوں کے دلائل جن لوگوں نے حضرت جبریل علیہ السلام کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فضیلت دی ہے (اگرچہ یہ مذہب کسی نے بھی قبول نہیں کیا لیکن چونکہ انہوں نے دلائل دئے ہیں اس لیے نقل کر رہا ہوں ان کی تردید اس کے بعد آئے گی۔ اویسی غفرلہٗ) جبریل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہاں پر چھ خصائل سے موصوف فرمایا ہے جو ہر ایک کمالِ شرافت اور بلندیٔ شان پر دلالت کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف جنون کی نفی کی ہے اور ان دونوں میں تفاوت عظیم ہے۔

مذہب مذکور کی تردید (۱) یہ استدلال ضعیف ہے۔ اس لیے کہ یہاں صرف کفار کی تکذیب مطلوب تھی جو وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کہا:

یا ایہا الذی نزل علیہ الذکر انک لمجنون۔ اے وہ جس پر ذکر نازل کیا تو تو مجنون ہے۔

(معاذ اللہ)

نہ کہ یہاں آپ کے فضائل کی گنتی مطلوب ہے نہ جبریل اور اُن کے مرشد سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان فضائل کا موازنہ۔

(۲) حقیقت بین نگاہ سے دیکھا جائے تو جبریل علیہ السلام کا ان صفات سے موصوف ہونا بھی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت اور بزرگی کے طفیل ہے کہ ان کو یہ فضائل وکمالات حضور نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسبت سے نصیب ہوئے۔

(۳) علاوہ ازیں حیثیت جبریل علیہ السلام باجملہ صفات سے موصوف بھی رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مؤید اور آپ کی طرف پیغاماتِ الٰہیہ پہنچانے والے ہیں اس سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بلند مرتبہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ جبریل علیہ السلام جیسا آپ کا پیغام رساں ہے۔

(۴) جبریل علیہ السلام تو سفیر محض ہے کہ ذی العرش سے حکم لاتا ہے اگرچہ یہ بلند شان فرشتہ اور ملک مقرب ہے لیکن وہ تو مرسل الیہ کے ہاں سفیر کی حیثیت سے حاضر ہوتا ہے[1]

تردید از مفتی سعدی قدس سرہٗ حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کلام صرف اس لیے چلائی گئی منزل (نازل کردہ کتاب) کی حقیقت چلائی گئی ہے تاکہ دلالت ہو کہ قیامت کی ہولناکیاں کتنی سخت ہیں جیسا کہ فلا اقسم الخ کی فاء سببیہ دلالت کرتی ہے اس کا تقاضا یہی تھا کہ لانے والے کے اوصاف بیان کئے جائیں اسی لیے جبریل علیہ السلام کی صفات بیان کرنے پر زور دیا گیا نہ کہ اس کی جس ذات پر یہ کتاب نازل ہوئی اسی لیے اس ذات سے صرف ان کے بہتان کے ازالہ پر اکتفاء کیا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ روح مجنون نہیں یعنی حقائق القرآن اور اس کے دقائق و احکام و شرائع اور وعدہ و وعید سے مستور نہیں بلکہ اس پر اس کے جمیع اسرار مکشوف ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ رَاٰهُ (اور بیشک اس نے اسے دیکھا) بحذار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔ عین المعانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا نہ کہ جن کو۔ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ (آسمان کی ایک طرف میں)

حل لغات مبین، ابان سے ہے لازم بمعنی ظاہر یعنی روشن، مشرق کی جانب شمس کے مطلع اعلیٰ میں یہاں پر افق بمعنی وہ جگہ جہاں سے سورج طلوع کرتا ہے اس پر المبین سے موصوف کرنا اس لیے کہ خود افق کو تو شے کے تبین و ظہور سے کوئی دخل نہیں، ہاں اس اعتبار سے دخل ہے کہ وہاں سے ستاروں کا طلوع ہوتا ہے اور ظاہر ہے الکوکب المبین (روشن ستارہ) سورج ہی ہے اور ابانۃ

---

[1] مذہب مذا معتزلہ کی اڑائی ہوئی غبار تھی جو اعتزال کے مرٹنے کے بعد اس مذہب کا نام و نشان تک نہیں رہا موجود انہم اس موضوع پر فقیر کی کتاب "جبریل امین خادم دربانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کیجئے۔
اویسی غفرلہٗ

(ظہور) کا اسناد اس کے مطلع کی طرف مجاز ہے باعتبار اس کے کہ وہ اس کے لیے سبب ہے اس لیے کہ یہاں صرف بیان ہے کہ جو اس سے طلوع کرتا ہے وہ روشن ہے پھر اس سے مخصوص ہوا جو روشن ہے وہ ہے سورج تمام مطالع سے اعلیٰ وارفع ہے اور وہ مطلع ہے جس سے سورج طلوع کرتا ہے کیونکہ وہ سب سے اونچا ہے اور نہار (دن) نہایت طویل اور ممتد (دراز) ہے اور یہ مطلع اس وقت ہوتا ہے جب سورج بُرج اسد میں پھرنے سے پہلے راس سرطان میں ہوتا ہے اور دن انتقاص (گھٹنا) کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور یہ تمام لفظ مبین کی صفت سے معلوم ہُوا اس لیے کہ جُونہی کوکب ستارہ (سورج) ارفع و اعلیٰ ہوگا اور جونہی دن طویل تر ہوگا جب بیان و اظہار واتم و اکمل ہوگا۔

جبریل علیہ السلام کی اصلی صورت

مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے چاہا کہ آپ انہیں اصلی صورت میں دیکھیں جس پر وہ پیدا ہوئے۔ عرض کی میں اس پر از خود کوئی قدرت نہیں رکھتا اور نہ ہی مجھے اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی تو اصلی صورت میں حاضر ہُوئے غار حرا میں بعثت کے اوائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ انہوں نے تمام آفاق کو سینہ سے بھر دیا ہے دونوں پاؤں زمین پر ہیں سر مبارک آسمان سے لگ رہا ہے، ایک پَر مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہے ان کے چھ سو پر ہیں جو زبرجد اخضر کے ہیں، انھیں دیکھتے ہی آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ جبریل علیہ السلام بنو آدم کی صورت میں تبدیل ہو کر آئے اور آپ کو گلے لگایا اور آپ کے چہرہ مبارک سے غبار صاف کی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی گئی کہ آپ کی بعثت کے بعد آپ جیسا حسین چہرہ نہیں دیکھا گیا، اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا میرے پاس جبریل علیہ السلام اصلی صورت میں آئے اور مجھے گلے لگا کر اپنا حسن میرے حسن (بشری) میں ملا دیا۔

مسئلہ: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی اور نبی علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو اس کی اصلی (پیدائشی) صورت میں نہیں دیکھا۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص سے ہے۔

سوال: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جبریل علیہ السلام کی اصلی (پیدائشی) صورت کے دیکھنے سے غشی کیوں؟

جواب: یہ بھی آپ کے کمالِ علم و اکمل آگاہی کی دلیل ہے اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی میں دوسرے مقام پر ہے:

لو اطلعت علیهم لولیت منهم فرارا و لملئت منهم رعبا۔

اگر تم ان (اصحاب کہف) سے آگاہ ہو جاؤ تو ان سے پیٹھ پھیر کر بھاگو اور ان سے رعب میں بھر جاؤ۔

ان سے پیٹھ پھیرنا اور رعب سے بھر جانا صرف ان کے جسم سے دیکھنے سے نہیں۔ کیونکہ ان کے ظاہری جسم تو ان جیسے تھے بلکہ یہ رُعب اور ہیبت اس علم سے تھی جو ان کے دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو آگاہی ہوئی۔ اور اس کی دوسری نظیر خود جبریل علیہ السلام ہیں کہ شبِ معراج رفرف کے دیکھنے سے ان پر غشی طاری ہُوئی حالانکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر کسی قسم کی غشی طاری نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب جبریل علیہ السلام پر غشی طاری ہُوئی تھی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مجھے جبریل علیہ السلام کی فضیلتِ علمی معلوم ہُوئی۔ اس نظیر جبریل (علیہ السلام) سے ثابت ہوئی کہ غشی علم کی دلیل ہے جیسا کہ غشی جبریل علیہ السلام کے بعد ان کی علمی فضیلت کا اظہار گویا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی غشی سے اپنی علمی فضیلت کا اظہار فرمایا۔

فیصلہ حتمی رفرف کو دیکھ کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر غشی کا طاری نہ ہونا اور جبریل علیہ السلام پر غشی کا طاری ہونا، ادھر جبریل علیہ السلام کی اصلی شکل کو دیکھ کر حضور علیہ السلام پر غشی کا طاری ہونا عجیب امر ہے[۱] (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:)

لانه اذ ذاك فی نهاية التمكين وفرق بين البداية والنهاية والله تعالىٰ اعلم۔ (روح البیان، ج ۱۰، ص ۳۵۳)	اس لیے کہ رفرف کی آمد کے وقت حضور علیہ السلام پر غشی کا طاری نہ ہونا تمکین کی نہایت کی وجہ سے ہے۔ اور ابتدا و انتہا میں بہت بڑا فرق ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اسے افق میں دیکھا یعنی نہایت طور قلب کو جو روح کے قریب ہے وہی نافث قدسی کے القا کا مکان ہے۔ علاوہ ازیں رسول سے مراد روح قدس ہے جو انسان کے روح میں وحی پھونکتا ہے۔ (روح سے مطلق القا مراد ہے نہ کہ وحی اصطلاحی۔ اویسی غفرلہٗ)

اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دیکھا جبریل روح کو اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں فناء کے بعد بقاء کے افق

---

[۱] اس کا فیصلہ اسی طرح ہوگا جس طرح ہم دیوبندی وہابی گروہ کو علمِ غیب اور اختیار کی نفی کی آیات کا ایک جواب دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت چونکہ تدریجی احکام پر مشتمل ہے اسی لیے آپ کے احوال بھی تدریجاً ظہور پذیر ہُوئے، جو آیات نفی کی ہیں وہ ابتدائی احوال کی ہیں اور جو اثبات کی آیات ہیں وُہ احوال دیگر کی ہیں۔ یہی قاعدہ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے رقم کیا ہے۔

اویسی غفرلہٗ

کے نزدیک۔

تفسیر عالمانہ وَمَا هُوَ (اور وہ نہیں) عَلَى الْغَيْبِ (غیب بتانے میں) وہ جو وحی سے خبر دیتے ہیں اس کے علاوہ دیگر غیوب بِضَنِيْنٍ (بخیل) یعنی وہ وحی کے اظہار سے بخل نہیں کرتے کہ بعض وحی کو روک کر چھپا دیں، نہ پہنچائیں اور اسے چھپائے نہیں رکھتے جیسے کاہن چھپائے رکھتا ہے اس وقت تک ظاہر نہیں کرتا جب تک اُجرت وصول نہ کرے یا اس سے تعلیم کا سوال کیا جائے تو وہ تعلیم نہ دے۔

مسئلہ: اہلِ علم سے کوئی مسئلہ (پوچھنے پر) چھپانا بخل (اور گناہ) ہے۔

حلِ لغات ضَنّ بالشئ یضن (بالفتح) ضَنّاً (بالکسر) وضنانةً (بالفتح) یعنی بخل کیا فھو ضنین بہ بمعنی بخیل، یضن (بالکسر) ایک لغت ہے لیکن بالفتح افصح ہے (ذکرہ البیہقی فی تہذیب المصادر فی باب ضرب) چنانچہ فرمایا: الضن والضنانۃ بخیلی کرنا، اس کا مضارع یضن اس کی فتح افصح ہے اس معنی پر از باب علم ہے جیسے بعض نے تصریح کی، چنانچہ فرمایا ہومن ضننت بالشئ (بکسر النون) وہ ضِننت الخ (میں نے کسی شے کا بخل کیا) سے ہے اور یہی قراءۃ نافع وعاصم وحمزہ وابن عامر کی نشر میں فرمایا اسی طرح ہے وہ تمام ان مصاحف میں جو تمام لوگوں کے ہاں مروج ہیں، ورنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءۃ میں ظاء کے ساتھ ہے یعنی اسے الظنین پڑھا گیا ہے بروزن فعیل بمعنی مفعول یعنی متہم۔

الظنین کی تحقیق الظنین کی قراءۃ مطابق معنیٰ ہوگا وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متہم نہیں بلکہ وہ ثقہ معتبر (قابلِ اعتماد) ہیں ہر اس بات میں جس کی خبر دیتے ہیں اس میں کسی قسم کا وہم نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جو بات کرتے ہیں ظن (گمان) سے کرتے ہیں الظنۃ بمعنی تہمۃ کہا جاتا ہے: اتہمت فلانا بکذا (میں نے فلاں پر ایسے ایسے تہمت لگائی) اس قراءۃ کو ابو عبیدہ نے اختیار کیا ہے اس لیے کہ کفار آپ کو بخیل نہیں کہتے تھے بلکہ متہم کرتے تھے اسی لیے بخل کی نفی سے تہمت کی نفی اولیٰ ہے علاوہ ازیں بخل متعدی بالباء ہوتا ہے نہ کہ بعلیٰ (اور یہاں علی الغیب میں علیٰ ہے)۔

ف: الکشاف میں ہے کہ یہی عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) کے مصحف میں ہے اور حضرت اُبی (بن کعب رضی اللہ عنہ) کے مصحف میں بالضاد ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں طریقوں سے پڑھتے تھے۔

مسئلہ: قرآن کی تلاوت کرنے والے پر مخرج ظاء و ضاد کا فرق سمجھنا ضروری ہے (اس کے لیے فقیر اویسی

عفرلہٗ کی کتاب رفع الفساد فی مخرج الظاء والضاد پڑھیے اس لیے کہ ضاد کا مخرج حافۂ لسان اور داڑھوں سے زبان کے دائیں طرف جو زبان کے متصل ہے زبان کی بائیں جانب سے بھی اس کا مخرج ہو سکتا ہے اور ظاء کا مخرج زبان کے کنارے سے ہے اور ثنایا علیائے کے اصول سے ہے۔

مخرجِ ضاد و ظاء میں وہابیوں کا رد[1]

(صاحبِ روح البیان جناب علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ نے فرمایا:)

فان قیل فان وضع المصلی احد الحرفین مکان الآخر قلنا قال فی المحیط البرھانی اذا اُتی بالظاء مکان الضاد اوعلی العکس فالقیاس اُن تفسد صلاتہ وھو قول عامۃ

اگر سوال ہو کہ اگر نمازی ایک حرف دوسرے کی جگہ پڑھے اس کا کیا حکم ہے، محیط برہانی میں ہے جب ظاء ضاد کے بجائے پڑھے یا برعکس تو قیاس یہ ہے کہ نماز فاسد ہے یہی عام مشائخ کا قول ہے ہمارے

---

[1] ہمارے دور میں بعض دیوبندی اور غیر مقلد وہابی اور شیعہ ضاد کو ظاء مخرج میں پڑھتے ہیں حالانکہ وہابیوں اور دیوبندیوں کے مرکز کے پناہ گزیں نجدی بھی ضاد کو ظاء پڑھنے والے کے سخت مخالف ہیں لیکن چونکہ غیر مقلد بدعتی ہیں اس لیے یہ بدعت میاں نذیر حسین دہلوی نے نکالی، محض اہلسنت کی مخالفت میں بعض دیوبندی بھی ان کے ساتھ ہو گئے۔ اس مسئلہ میں دونوں وہابی اور دیوبندی بدعتی ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب "رفع الفساد" میں پڑھیے یہاں یہ بتانا ہے کہ ضاد کو ظاء پڑھنا کفر ہے اور نماز فاسد ہو جاتی ہے خطاءً وسہواً ایسا کرنا گمراہی ہے۔ اس کے بکثرت حوالہ جات "رفع الفساد" اور "احسن التحریر تحت ولا الضالین" میں فقیر نے لکھے ہیں یہاں طوالت کے خوف سے چند ضروری حوالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

دیوبندی وہابی بدعتی ہیں ضاد کو ظاء پڑھنے کی بدعت ہندوستان میں میاں نذیر حسین دہلوی نے نکالی اور اس سے پہلے شیعوں نے فتنہ برپا کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دونوں فرقے نمازوں میں ضاد کو ظاء لازمی طور پر پڑھتے ہیں۔ اور دیوبندی چونکہ وہابی مذہب کی شاخ ہے اسی لیے وہابیوں کی دیکھا دیکھی اور صرف اہلسنت کی مخالفت میں ضاد کو ظاء پڑھتے ہیں ورنہ ان کے اکابر مولوی تھانوی اور مولوی گنگوہی ہماری طرح ضاد کو ظاء پڑھنے پر فسادِ نماز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ و فتاویٰ امدادیہ)

اعجوبہ مخالفین ہر بات کو نجدیوں (حرم مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ) کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن افسوس کہ ضاد کو ظاء کے مخرج میں اُن کے خلاف کر رہے ہیں کیونکہ حرمین شریفین کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

المشايخ وقال مشائخنا بعدم الفساد للضرورة وفي حق العامة خصوصا العجم فان اكثرهم لا يفرقون بين الحرفين وان فرقوا ففرقا غير صواب وفي الخلاصه لو قرأ بالظاء مكان الضاد او بالضاد مكان الظاء تفسد صلاته عند ابي حنيفة ومحمد واما عند عامة المشايخ كابي مطيع البلخي و محمد بن سلمة لا تفسد صلاته۔

مشایخ نے عدم فساد کا کہا ہے عوام کے حق میں بالخصوص عجم کے لیے، اس لیے کہ ان کے اکثر دو حروف کے مخارج نہیں جانتے اگر فرق سمجھیں بھی تو صحیح نہیں ہوتا۔ خلاصہ میں ہے کہ اگر ضاد کے بجائے ظاء پڑھے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک نماز فاسد ہے، لیکن عام مشایخ جیسے ابومطیع بلخی و محمد بن مسلمہ کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۳۵۳)

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ (اور قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں) یعنی بعض سمع کے چرانے والے، اس پر رجیم دلالت کرتا ہے کیونکہ رجیم بمعنی جو چنگاریوں سے مار بھگایا جائے، اور یہ نفی ہے ان کے قول کی جو انہوں نے کہا کہ یہ کہانت یا سحر ہے جیسا کہ فرمایا، وما تنزلت به الشياطين (اور نہیں نازل کیا اسے شیاطین نے)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بیشک وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مواہب غیبیہ الہامات سریہ خبر دینے کے وقت کذب وافترائے سے متہم نہیں اور نہ ہی وہ بعض قوائے بشریہ کا قول ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) امام ضاد کو ظاء بالکل نہیں پڑھتے بلکہ ضاد ہی پڑھتے ہیں جیسا کہ حجاج و زائرینِ مدینہ طیبہ کو معلوم ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ محض بہ بنائے ضد ضاد کو ظاء پڑھتے ہیں۔

ازالہ وہم فیض، حوض، ریاض وغیرہ کو ظاء پڑھنا یہ عجمی لفظ کی وجہ سے ہے ضاد عجمی الفاظ میں نہیں بلکہ قرآن مجید کا لفظ ہے یہ ایسے ہے جیسے اب عربی لوگ ق کو گ بولتے ہیں مثلاً موقف کو موگف (اڈہ) قریب کو گریب وغیرہ لیکن جب قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو صحیح قاف پڑھتے ہیں ایسے ہم عجمی ضاد اپنی عجمیت میں پڑھیں گے تو ظاد، لیکن جب قرآن مجید پڑھتے ہیں تو ضاد کو اس کے مخرج میں پڑھتے ہیں۔ اویسی غفرلہ

تفسیر عالمانہ فَاَیۡنَ تَذۡہَبُوۡنَ (تو کہاں جا رہے ہو؟) امر قرآن میں جس راہ پر چل رہے ہیں اس کی گمراہی کا اظہار ہے فاء مابعد کی ماقبل کے ساتھ ترتیب کے لیے ہے اس بارے میں کہ وحی بالکل ظاہر اور وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو، یہ ایسے ہے جیسے تم اسے کہتے ہو جو اس سیدھے راستے کو چھوڑ دے جو سب سے بڑا ہو اور اس کے آگے بہت ظاہر ہو لیکن وہ بھٹک کر دوسرا راستہ اختیار کرے کہ کہاں جا رہے ہو۔ اس سے اس کی گمراہی کا اظہار اور اس کے تعسف سے انکار ہے۔ اسی طریقہ پر قرآن مجید کے حق میں ایسی باتیں جو اس کے لائق نہیں جبکہ واضح ہے کہ وہ وحی ہے حق ہے، کہنے والوں کو کہا گیا کون سے طریقے پر چل رہے ہو؟ کیا وہ اس سے زیادہ امن والا ہے کہ جس کی حقیقت ظاہر اور جس کی استقامت واضح ہے۔

ف: این ظرف مکان مبہم تذہبون سے منصوب ہے۔ ابوالبقاء نے کہا کہ اس کا اصل الٰی این تذہبون تھا حرفِ جر حذف کر دیا گیا ہے یہ بھی ہے کہ الٰی کے حذف کا قول نہ کیا جائے بلکہ کہا جائے تذہبون تؤمّون کے معنی کو متضمن ہے یعنی کہاں کا ارادہ کر رہے ہو۔

ملفوظ جنید قدس سرّہٗ حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا: اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ہم سے نکل کر کہاں جاؤ گے۔ کوئی شے ایسی نہیں جو ہمارے ہاں نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں کہ طریقِ حق سے طریقِ باطل کی طرف سے کیوں جا رہے ہو اور دوسرے کی اقتدار چھوڑ کر اتباع نفس اختیار کر رہے ہو۔

تفسیر عالمانہ اِنۡ ہُوَ (نہیں وہ) ان نافیہ ہے ھو (ضمیر) قرآن کی طرف راجع ہے اِلَّا ذِکۡرٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (مگر عالمین کے لیے ذکر (نصیحت) ہے) اور ان کے لیے تذکیر، اس سے انس و جن مراد ہیں جس پر عقل دلالت کرتی ہے اس لیے کہ وہی وعظ و تذکیر کے محتاج ہیں لِمَنۡ شَآءَ مِنۡکُمۡ (اس کے لیے جو تم میں سے چاہے) اے طاعت و ایمان کے مکلفویہ عالمین سے بدل البعض من الکل ہے اعادہ جار سے اور اصل متبوع اور فرع تابع کے درمیان تخالف نہیں کیونکہ پہلا باعتبار ذات کے ہے دوسرا باعتبار تبع کے ہے اَنۡ یَّسۡتَقِیۡمَ (اس کے لیے کہ جو تم میں سیدھا ہونا چاہے) ان یستقیم لمن شاء کا مفعول ہے اس کے لیے جو تم میں سے حق کی تلاش و صواب کے لزوم کی استقامت چاہے اسے العٰلمین سے بدل بنانے میں باوجودیکہ وہ جمیع مکلفین کو شامل ہے یہ نکتہ ہے کہ وہی تذکیر سے نفع اٹھانے والے ہیں نہ کہ ان کے غیر گویا وہ اس سے نصیحت حاصل کرنے کے لیے یہی مخصوص ہیں نہ کہ ان کے غیر وَمَا تَشَآءُوۡنَ (اور تم کیا چاہو) استقامت تمہاری ایسی مشیت جو استقامت کو مکمل طور پالے کسی نہ کسی وقت اسے وہ جو

استقامت کو چاہے وُہ اس لیے کہ لمن شاء منکم دلالت کرتا ہے کہ ان میں بعض وُہ تھے جو استقامت چاہتے اور ان کے بعض نہ چاہتے اور یہ خطاب انہیں ہے جو استقامت کو چاہتے تھے۔

ابوجہل کی ہٹ مروی ہے کہ جب لمن شاء منکم ان یستقیم نازل ہوئی تو ابوجہل نے کہا اس کا ہمیں اختیار دیا گیا ہے اگر چاہیں گے تو سیدھے رہیں گے، نہیں چاہیں گے تو نہیں۔ 'قدریہ' مذہب کا سر (اصل) یہی ابوجہل ہے اس پر نازل ہوئی وما تشاءون الخ۔

اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ (مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ) یہ اقامۃ المصدر موقع الزمان کے قبیل سے ہے یعنی مگر اس وقت جب استقامت کو اللہ تعالیٰ چاہے جو کامل استقامت پر مشتمل ہو تمہاری مشیت کامل استقامت کو حاصل نہیں کر سکتی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر اس لیے کہ مشیت اختیاریہ حادثہ مشیت ہوتی ہے اس کے لیے مُحدِث ہونا ضروری ہے اور اس کا حدوث موقوف ہوتا ہے کہ اس کا محدث اس کی ایجاد چاہے تو۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہُوا کہ فعل الاستقامۃ استقامت پر موقوف ہے اور یہ ارادہ موقوفۃ الحصول ہے اس پر کہ اسے اللہ تعالیٰ ارادہ عطا فرمائے۔ اور قاعدہ ہے کہ موقوف علی الموقوف علی الشئ موقوف ہے اسی شئ پر تو اہلسنت کے مذہب پر واضح ہوا کہ افعال العباد ثبوتاً ونفیاً موقوفۃ الحصول ہیں مشیتِ الٰہی پر۔

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ (سارے جہان کا رب) تمام مخلوق کا مالک اور تمام ارزاق جسمانیہ و روحانیہ کا مربّی۔

حدیثِ قدسی میں ہے:

یا ابن آدم ترید و اُرید فتعب فیما ترید و لا یکون الا ما اُرید۔

اے ابن آدم! تیرا بھی ارادہ ہے اور میرا بھی تُو اپنے ارادہ پر بڑی مشقت اٹھاتا ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو میرا ارادہ ہوتا ہے۔

مسئلہ: حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے انبیاء علیہم السلام پر نازل کردہ بکثرت کتب میں دیکھا ہے کہ جو بھی کسی کام کو اپنی مشیّت کی طرف منسوب کرتا ہے وہ کافر ہے۔

ملفوظ ابوبکر واسطی رحمہ اللہ حضرت ابوبکر واسطی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اپنی جمیع صفات میں اپنا عجز تصور کرو وہ چاہو جو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے تو کوئی کام نہیں کرتا سوائے اس کی قوت کے اور کوئی اطاعت نہیں کرتا سوائے اس کے فضل کے اور کوئی بے فرمانی نہیں کرتا سوائے اس کے رسوا کرنے کے، اب بتا تیرے لیے کیا باقی رہا جس پر تُو فخر کرتا ہے اپنے اعمال پر اور تجھے تو سوائے اس کی توفیق کے کچھ حاصل نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ہر صفت میں عاجز بنایا ہے تو اس کی مشیت

کے سوا کچھ چاہتا ہی نہیں اور تو جو کام کرتا ہے اسی کی قوت سے ہی اور تو کوئی فرمان بجالاتا ہے تو اسی کے فضل سے ہی، نافرمان ہوتا ہے تو اس کے رسوا کرنے سے۔ پھر تیرا کیا ہے کہ جس پر تو فخر کرتا ہے اور نازاں ہے کہ میرے پاس بھی اعمال ہیں۔ خلاصہ یہ کہ تیرا کچھ ہے ہی نہیں ؎

ز سرتا پا ہمہ در ہیچ ہیچ
چہ پا چہ سر ہمہ ہیچم در ہیچ

ترجمہ: سر سے پاؤں تک تمام کچھ بھی نہیں پاؤں ہوں یا سر بس نام ہی ہے باقی کچھ بھی نہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ جسے پسند ہو کہ روزِ قیامت ایسا دیکھے گویا کہ وہ نظر کے سامنے ہے تو چاہیے کہ سورۃ اذا الشمس کورت اور سورہ اذا السماء انفطرت اور سورہ اذا السماء انشقت پڑھے (ترمذی)

ف: اس لیے کہ ان سورتوں میں قیامت کے ہولناک احوال کا تفصیل سے بیان ہے۔

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیر سورۃ التکویر ملک قدیر کی مدد سے وسط صفر الخیر ۱۱۱۷ھ میں مکمل ہوئی۔

فراغتِ مترجم اللہ تعالیٰ کی مدد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ کرم سے فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ التکویر کی تفسیر کے ترجمہ سے ۳ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ / ۱۰ فروری ۱۹۸۹ء شبِ ہفتہ قبل صلوٰۃ العشاء فراغت پائی۔ بہاولپور، پاکستان۔

سُورَةُ الانْفِطَارِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰيَاتُهَا ١٩ رُكُوْعُهَا ١

سورہ انفطار مکیہ ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ﴿۱﴾ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ﴿۲﴾ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ﴿۳﴾

جب آسمان پھٹ پڑے اور جب تارے جھڑ پڑیں اور جب سمندر بہا دیئے جائیں

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ؕ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ

اور جب قبریں کریدی جائیں ہر جان جان لے گی جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے اے آدمی تجھے کس چیز نے

مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ﴿۶﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ﴿۷﴾ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ

فریب دیا اپنے کرم والے رب سے جس نے تجھے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا پھر ہموار فرمایا جس صورت میں چاہا تجھے

مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ﴿۸﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ﴿۹﴾ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ﴿۱۰﴾

ترکیب دیا کوئی نہیں بلکہ تم انصاف ہونے کو جھٹلاتے ہو اور بے شک تم پر کچھ نگہبان ہیں

كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّ

معزز لکھنے والے جانتے ہیں جو کچھ تم کرو بے شک نکوکار ضرور چین میں ہیں اور بیشک

الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿۱۴﴾ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿۱۶﴾

بدکار ضرور دوزخ میں ہیں انصاف کے دن اس میں جائیں گے اور اس سے کہیں چھپ نہ سکیں گے

وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۙ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ

اور تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن پھر تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن جس دن کوئی جان کسی

نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

جان کا کچھ اختیار نہ رکھے گی اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہے

تفسیر عالمانہ

سورہ الانفطار مکیّہ ہے اس کی ۱۹ آیات ہیں۔ ایک رکوع ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (اللہ کے نام سے شروع وہ مہربان رحم والا)

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ (جب آسمان پھٹ پڑے) ملائکہ کے نزول سے، جیسے دوسرے مقام پر فرمایا:

يوم تشقق السّماء بالغمام ونزل الملٰئكة تنزيلا۔ اس دن کہ بادلوں پر آسمان پھٹ پڑیں گے اور ملائکہ خوب اتارے جائیں گے۔

یا اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے، اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ غیر نظام مقصود پر آسمان کا پھٹنا ہوگا اور یہ پھٹنا اس کی بنیاد کے نزول کی وجہ سے ہوگا، اس کا اعراب اذا الشمس کوّرت کی طرح ہے۔

تفسیر صوفیانہ سماء الارواح والقلوب والاسرار کے تعینات مرتفع اور ان کے تشخصات زائل ہو جائیں گے اور حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب سماء روح حیوانی روح انسانی کے انفراج (کشادگی) سے اور موت کی وجہ سے پھٹ پڑے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (اور جب ستارے جھڑ پڑیں) یعنی سیاہ اور متفرق ہو کر اپنی جگہوں سے ایسے بکھر پڑیں جیسے موتی ہار کے ٹوٹنے سے بکھر جاتے ہیں۔

ف: یہ دونوں قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں جو عالم علوی سے متعلق ہیں اس لیے کہ آسمان اس عالم میں زمین پر ایسے ہے جیسے مکان کی چھت۔ قاعدہ ہے کہ جو کسی مکان کو ڈھانا چاہتا ہے تو پہلے چھت کو توڑنا شروع کرتا ہے۔ اسی قاعدہ پر ہے اذا السماء انفطرت، پھر آسمان کے ڈھانے پر ستاروں کا جھڑنا لازمی امر ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ (اور جب سمندر بہا دئے جائیں) مانع کے زوال اور زمین کے تزلزل اور اس کے پھٹنے اور برابر ہونے سے دریا ایک دوسرے سے مل کر (بڑے) ساتوں دریا ایک سمندر کی صورت اختیار کریں گے، وہ سات دریا یہ ہیں،

(۱) بحر الروم (۲) بحر الصقالبہ (۳) بحر جرجان (۴) بحر القلزم (۵) بحر فارس (۶) بحر چین (۷) بحر الہند

ان تمام دریاؤں کو ایک کر کے اس مچھلی کے پیٹ میں ڈالا جائے گا جس پر ساتوں زمینیں قائم ہیں۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ جب زمین پانی چوس لے گی تو برابر ہو جائے گی، اس کو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ تسجیر (آگ سے سلگنا) سے تعبیر کرتے ہیں پھر ان تمام دریاؤں میں بحرِ محیط داخل ہو جائے گا یعنی سب بحر محیط میں مل جائیں گے کیونکہ یہی ان سب کا اصل ہے اور وہ سب اسی کی شاخیں ہیں ایسے ہی بڑی نہریں بھی۔ کیونکہ وہ اپنی وسعت کی وجہ سے بحار ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں بحار ارواح و اسرار و قلوب کی طرف اشارہ ہے کہ تجلی احدی سے یہ سب ایک دوسرے میں جاری ہیں لیکن پھر یہ سب ایک ہو جائیں نیز اشارہ بحار اجسام عنصریہ کی طرف کہ وہ بھی ایک دوسرے میں جاری ہیں لیکن زوال برازخ حاجزہ از ذہاب کے بعد اپنے اصل کی طرف چلے جائیں گے یعنی ارواح حیوانیہ کی طرف جو خرابیِ بدن سے مانع ہے نیز اس کے اجزاء کا رجوع اپنے اصل کی جانب اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (اور جب قبریں کریدی جائیں گی) مٹی ہٹا کر مُردوں کو نکالا جائے گا اور وہ سورۃ العادیات میں آرہا ہے اس کے منافی نہیں۔

حلِ لغات

البعثرۃ بمعنی استخراج (نکالنا) قلب کی طرح۔ اور تاج المصادر میں ہے البعثرۃ بمعنی اِدھر اُدھر کرنا اور ظاہر کرنا۔ اسی لیے بعض علماء نے کہا کہ جب قبریں زیر و زبر ہوں گی یعنی مٹی ہٹائی جائے گی تاکہ ان کے مُردے مدفون اور خزانے ظاہر اور زندہ ہوں اس کی نظیر بحثر ہے لفظاً و معناً کہا جاتا ہے: بحثرت المتاع و بحثرته یعنی میں نے سامان کو اُوپر نیچے کیا۔ اس وقت قبور کے نچلے حصوں کو اوپر کیا جائے گا ان کے اموات کو نکالنے کے لیے، اسی لیے سورۃ البراۃ کو سورۃ المبعثرۃ کہا جاتا ہے کہ اس نے منافقین کے اسرار آشکار کردئے ہیں ان دونوں (بعثر و بحثر) بعث و بحث سے مرکب ہیں راء کے ساتھ جو دونوں سے ملائی گئی ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا جو اس قسم کی ترکیب رباعی و خماسی کو جائز سمجھتا ہے جیسے ھلّل و بسمل (لا الٰہ الا اللہ اور بسم اللہ کہا) وہ کہتا ہے کہ بعثر مرکب از بعث و اثیر ہے یعنی اس کی مٹی الٹی اور اس کے اندر جو کچھ ہے اسے بکھیرا، اور یہ اس حرف سے بعید بھی نہیں اس لیے کہ بعثر بعث و اثر کے معنی کو متضمن ہے اور یہ دونوں علامات قیامت سے اور عالم سفلی سے متعلق ہیں اس لیے کہ آسمان اور تاروں کی تخریب کے بعد دریاؤں کے ایک دوسرے میں نفوذ سے جو کچھ زمین پر ہوگا تمام کا ویران ہونا لازمی امر ہے کیونکہ یہ بمنزلہ ایک مکان کے ہے پھر اس کا نچلا حصہ اوپر کو اور اوپر کا نیچے ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں قبور تعینات کے خراب اور متعین کے تعینات سے مطلق ہو جانے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تعینات حقائق مطلقہ کی قبریں ہیں اور قبور الابدان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ موت سے ان کے اندر سے ارواح و قویٰ نکلتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

عَلِمَتْ نَفْسٌ (ہر جان جان لے گی) نیک یا بد سب کو اپنا کردار معلوم ہو جائے گا جس کی تفصیل گزری ہے پہلی سورۃ (التکویر) میں۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے کہ نفس سے یہاں پر اسم جنس اور اس کے افراد مراد ہیں تاکہ سامع کا ذہن اس کی حقارت اور اس کے قلت و ضعف منافع ذاتی کو سمجھے ہاں جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے وہ مستثنیٰ ہے مَّا قَدَّمَتْ (جو اس نے آگے بھیجا) دنیوی حیات میں کار خیر یا شر، اس لیے کہ لفظ ما الفاظ عموم میں ہے وَ اَخَّرَتْ (اور جو پیچھے) اچھے یا بُرے طریقہ کو جو اس کے بعد عمل ہوتا رہے گا۔

حدیث شریف

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:
جو شخص نیکی کی دعوت دیتا ہے اور اس کی دعوت قبول کر لی جاتی ہے تو اس کا اجر اسے

بھی ملتا رہے گا اور عمل کرنے والوں کی نیکی میں کمی نہ ہوگی اور جو برائی کی دعوت دیتا ہے اور اس کی دعوت قبول کر لی جاتی ہے جو اس برائی پر عمل کرے گا تو اس کا گناہ دعوت دینے والے کے لیے بھی لکھا جائے گا اور برائی والوں کی برائی میں کمی نہ آئے گی۔

ف : یا ماقدم سے گناہ اور ما اخر سے طاعت مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ علمت نفس ماقدمت وما اخرت کا مطلب یہ ہے کہ نفس قوت کو فعل کی طرف نکالے اعمال حسنہ یا اعمال سیئہ کی طرف، اور وما اخرت وہ جو باقی ہے قوت میں بحسب نیت۔

ف : علمت الخ اذا کا جواب ہے یعنی جب یہ امور واقع ہوں گے اور دنیا خراب ہو جائے گی تو ہر حی جان لے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قبور سے اٹھتے ہی جان لے گا بلکہ جب نامہ ہائے اعمال کھلیں گے۔ جیسا کہ سابقہ سورۃ التکویر میں گزرا۔

ف : اس سے ایک ہی زمانہ مراد ہے جس کا آغاز نفخۂ اولیٰ اور منتہیٰ مخلوق کے فیصلہ تک نہ کہ متعدد زمانے بحسب تعدد لفظ اذا کے اسے بار بار لانا تہویل (ہولناکی) کی وجہ سے ہے جو اس میں دہشت ناک امور واقع ہوں گے اور علم سے علم تفصیلی مراد ہے جو نامۂ اعمال کے پڑھنے اور محاسبہ کے وقت معلوم ہو گا ورنہ علم اجمالی تو بعث وحشر کے ابتدائی زمانہ میں معلوم ہو جائے گا اس لیے کہ مطیع سعادت اور عاصی شقاوت کے آثار ابتداء میں ہی جان جائے گا۔

ف : ابن الشیخ رحمہ اللہ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ ان جملہ امور کو جاننا اس کی جزا سے کنایہ ہے کیونکہ کلام سے مقصود زجر از معصیت اور ترغیب بر اطاعت ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ (اے انسان) تمام عاصیوں کو خطاب عام ہے بالخصوص کفار کو، کیونکہ وہ مجمل ومفصل کے درمیان واقع ہے یعنی علمت الخ اور ان الابرار کے درمیان، اور بل تکذبون بالذین الخ بنو فلان قتلوا زیدا کے قبیل سے ہے جب اس کا ان کا کوئی ایک ہو۔

ف : امام سہیلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: اس سے امیہ بن خلف مراد ہے لیکن لفظ عام ہے اس کے اور اس کے غیر سب کے لیے صلاحیت رکھتا ہے۔

شانِ نزول بعض نے کہا اس سے ولید بن مغیرہ یا اسود بن کلدۃ الجمحی مراد ہے اس نے بلحائے مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کا پروگرام بنایا لیکن کامیاب

نہ ہو سکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت اور رحم وکرم کا مظاہرہ زہرۃ الریاض میں ہے اس (اسود بن کلدۃ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر ضرب لگائی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا، وہ شدتِ درد سے کہنے لگا:

یا محمد الامان الامان منی الجفاء و منك الكرم فانی لا أوذیك ابدًا۔	یا محمد! امان، امان۔ مجھ سے جفاء آپ سے کرم۔ میں آپ کو کبھی ایذاء نہ دوں گا۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۳۵۷)

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چھوڑ دیا۔

مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ (تجھے کس چیز نے فریب دیا کرم والے رب سے) ما استفہامیہ مبتداء کی جگہ میں ہے غرّك اس کی خبر ہے استفہام استعجاب و توبیخ کا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تجھے کون سی شَے نے گناہ کرنے پر ابھارا اور عذابِ الٰہی سے بے خوف کرکے دھوکا اور جرأت دی، اور دہشتناک امور کو تُو نے جان لیا جو تیرے سامنے ہیں اور عنقریب اپنے اعمال کا مشاہدہ کرے گا۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے غرّہ بفلان اذا جراٗہ علیه و امنه المحذور من جهته مع انه غیر ماٗمون (اس نے فلاں چیز پر جرأت کی اور اس کے خوف سے بے خوف وخطر ہوا حالانکہ وہ مأمون نہ ہو)

نکتہ: اس عنوان کو کریم سے بیان میں آگاہ کرنا ہے کہ وہ ایسی ذات نہیں کہ اس سے فریب کاری کی جائے کہ جیسے شیطان گمراہ کرے اور رکھے کہ یہ کر وہ کر، کچھ نہ ہوگا کیونکہ تیرا رب کریم ہے جس نے تجھ پر دنیا میں کرم فرمایا ایسے ہی آخرت میں لطف وکرم فرمائے گا، یہ قیاس بیکار اور تمنّا باطل ہے بلکہ اس امر میں مبالغہ ہے جو ایمان و طاعت پر توجہ اور کفر وعصیان سے اجتناب کا موجب بنے۔ گویا کہا گیا ہے کہ تجھے تیرے رب تعالیٰ کے عصیان پر کس چیز نے برانگیختہ کیا تیرا رب جو ایسے صفات سے موصوف ہے جو ایسی غلط کاریوں سے روکنے والی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہی آیت کریمہ پڑھی تو فرمایا، اسے فریب دیا اس کے جہل نے۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: بخدا اس کے شیطان نے اسے فریب دیا۔

نکتہ: اس سے ثابت ہوا کہ کریم کے فضل و کرم کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے فریب نہ کھایا جائے ایسے ہو کیوں جب اس کی صفات قہریہ بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ اس کے دوسرے کے متقابل ہیں اسی لئے فرمایا:

نبئ عبادی انی انا الغفور الرحیم — خبر دیجئے میرے بندوں کو کہ میں غفور رحیم ہوں

وان عذابی ھو العذاب الالیم۔ — اور بیشک میرا عذاب دردناک ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہونا اس کا کریم اس سے عزہ ہونا جائز بلکہ آسان کرتا ہے کیونکہ اس کی کثیر نعمتیں اور عظیم منن اور قدرت کاملہ اس سے نہیں روک سکتیں بلکہ اس سے اکثر ہے کہ اس سے کرم ہی کرم نصیب ہو۔

حکایت حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اگر آپ کو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر کے پوچھیں کہ ماغرك بربك الکریم، تو آپ کیا کہیں گے؟ فرمایا: میں کہوں گا مجھے تیرے لٹکے ہوئے پردوں نے مغرور کیا۔ اسے ابن السماک نے نظم میں کہا: ؎

یاکاسب الذنب أما تستحی — واللہ فی الخلوۃ ثانیکا

غرك من ربك امھالہ — وسترہ طول مساویکا

ترجمہ: اے گناہ کرنے والے! تجھے حیا نہیں آتی، خلوت میں تیرا دوسرا رب ہی تو ہے۔ تجھے دھوکا دیا رب تعالیٰ کے مہلت دینے نے اور اس کے طویل ستر نے تیرے گناہوں کو۔

نکتہ: صاحب الکشاف نے کہا کہ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے قول میں ایک طرف گناہوں کا اعتراف اور دوسری طرف اس کی ستاری سے اغترار کا اظہار ہے۔

ف: یہ اعتذار نہیں جیسے طماع[1] (رحمت کی امید رکھنے والا) کہتا ہے اور نہ ہی قصاص ہے جیسے حشویہ کا گناہ ہے۔ یہ دونوں حضرت فضیل کو اپنے ائمہ میں شمار کرتے ہیں (وہ اپنے گمان پر ایسے کہتے ہوں گے ورنہ درحقیقت آپ تو اہلسنت والجماعت کے نہ صرف امام بلکہ شیخ المشایخ ہیں رحمہ اللہ تعالیٰ)

نکتہ: فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس باب میں حق یہ ہے کہ یہ اختلاف احوال الناس پر مبنی ہے کیونکہ جو صرف اشارہ کو سمجھتا ہے اس جیسا وہ کہاں جو ایسے اشارات سمجھتا ہی نہیں۔ اور گناہ گناہ میں بھی فرق ہے ایسے ہی گمان گمان میں۔ اسی لیے اہلِ اشارہ یعنی صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ

---

[1] طماع یعنی مرجئہ اویسی غفرلہٗ

نے فرمایا کہ بجائے دوسرے اسمار کے اسم کریم کا لانا اس لیے ہے کہ یہ اسم گویا از جہتہ الثقلین ہے؂

خود تو دادی مژدۂ لا تقنطوا — من چرا ترسم زعصیان و عتو

چوں تو ہر شکستہ راسازی درست — پس خطا ہا بر امید عفو تست

ترجمہ: خود تو تُو لا تقنطوا (نا امید نہ ہو) کا مژدہ سناتا ہے، پھر میں گناہ و خطا سے کیوں ڈروں، جب تُو ہر ٹوٹے دل کو جوڑتا ہے تو پھر میری خطائیں تیری عفو کی اُمید پر ہیں۔

ف: حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے تیرے احسانات نے مغرور کیا جو تُو نے مجھ پر زمانہ سابق میں کئے اور اب تک ہو رہے ہیں؂

يقول مولاى اما تستحى — مما أرى من سوء أفعالك

فقلت يا مولاى رفقا فقد — افسدنى كثرة أفضالك

ترجمہ: اے میرے مالک! مجھے تو کہتا ہے تُو حیار نہیں کرتا اس سے جو میں تیرے بُرے افعال دیکھتا ہُوں۔ مَیں نے عرض کی: میرے مالک! نرمی فرمائیو، مجھے تیرے فضل و کرم نے بگاڑ دیا ہے (اسی امید پر ایسے ہو جاتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی سیرت کا نمونہ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے ایک غلام کو بار بار پکارا لیکن اس نے جواب نہ دیا حالانکہ وُہ دروازے پر ہی موجود تھا۔ جب حاضر ہُوا تو آپ نے فرمایا: تُو نے میرے بار بار پکارنے پر جواب کیوں نہ دیا؟ اس نے عرض کی: آپ کے حلم کے بھروسے پر اور آپ کی سزا سے امن کی وجہ سے۔ آپ نے اس کے بہتر جواب پر احساناً اسے آزاد کر دیا۔

صُوفیانہ نکتہ بعض اہلِ اشارہ نے فرمایا کہ اس خطاب میں مخالف کو تہدید اور موافق سے پیار ہے، بھلا مخالف ایسا خطاب کیسے کرتا ہے جس سے موافق جیسا پیار جھلکتا ہو۔ اس میں وہ راز ہے جسے صرف اہلِ اشارہ ہی سمجھتے ہیں۔

حکایت ایک ولی کامل کا بیان ہے کہ میں نے بصرہ کے بازار میں ایک جنازہ دیکھا جسے صرف چار آدمی اٹھا کر دفنانے جا رہے تھے ان کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ میں نے کہا عجیب بات ہے بصرہ کے بھرے بازار میں مسلمان کے جنازہ کے ساتھ کوئی بھی ساتھ نہیں۔ میں جنازہ کے ساتھ ہو لیا، اس کی نماز پڑھائی اور دفنانے میں شریک رہا۔ ان چاروں آدمیوں سے اس کے متعلق پُوچھا تو کہا ہم کچھ نہیں جانتے

ہمیں تو یہ عورت کرایہ پرلے آئی ہے جو قبر کے سرہانے کھڑی ہے۔ جب وہ چاروں آدمی چلے گئے تو وہ عورت ہاتھ اٹھا کر دیر تک وہاں دُعا مانگتی رہی، فراغت پر ہنسی، جب وہ جانے لگی تو میں نے پُوچھا: بی بی! مجھے اس راز سے آگاہ فرمائیے۔ فرمایا: یہ مُردہ میرا بیٹا ہے، اُس نے زندگی میں کوئی گناہ نہ چھوڑا آج سے تین روز پہلے یہ بیمار ہُوا اور مجھے کہا، امّی! جب میں مرجاؤں تو ہمسایوں کو میری موت کی خبر تک نہ دینا، وُہ میری موت سے خوش ہوں گے اور میرے جنازہ کے لیے بھی نہیں آئیں گے لیکن تم ایسے کرنا کہ میری انگوٹھی پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھوا کر میری انگلی میں پہنا دینا اور مرنے کے بعد اپنا پاؤں میرے چہرے پر رکھ کر کہنا کہ یہ ہے سزا اس کی جو خدا کا نافرمان ہو، جب تم مجھے دفنا چکو تو ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا کہ یا الٰہی! میں اپنے بیٹے سے راضی ہُوں تُو بھی اس سے راضی ہو جا۔ اب میں نے اس کی تمام وصیتیں پُوری کر دی ہیں اور اب جیسا کہ آپ نے دیکھا ہے میں نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے تو میں نے قبر کے اندر سے بیٹے کی آواز سنی وُہ فصیح الفاظ میں کہہ رہا تھا: امّی جان! تشریف لے جائیے میں اپنے رب کے ہاں حاضر ہُوا تو اُسے رحیم وکریم پایا وُہ مجھ سے راضی ہے۔ میں نے جب اس کی یہ بات سنی تو میں ہنس پڑی اس کے حال کے سرور سے۔ (شرح الاسمار للامام القشیری رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

حدیث شریف صحیح حدیث میں ہے:

ان اللہ یدنی المؤمن فیضع علیہ کنفہ وسترہ فیقول أتعرف ذنب کذا فیقول نعم ای رب حتی قررہ بذنوبہ ورأی فی نفسہ انہ ھلک قال سترتھا علیک فی الدنیا وأنا أغفرلک الیوم۔

بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو قریب کرکے اس پر اپنا پردہ ڈال کر فرمائیگا کیا تُو نے فلاں گناہ کیا تھا؟ کہے گا ہاں میرے پروردگار۔ یہاں تک کہ وُہ اپنے تمام گناہوں کا اقرار کرے گا اور اپنے دل میں یقین کرے گا کہ بس اب میں مارا گیا لیکن اللہ تعالیٰ اسے فرمائیگا کہ دنیا میں مَیں نے تیرے گناہ چھپائے تھے آج بھی تیرے گناہ بخش رہا ہُوں۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْ خَلَقَكَ (جس نے تجھے پیدا کیا) یہ دوسری صفت ربوبیت کے لیے مقررہ اور کرم کی مبینہ ہے اس لیے کہ خَلق بمعنی اعطاء الوجود ہے اور وہ عدم سے بہتر ہے اس میں تنبیہ ہے کہ جو خَلق (تخلیق) اور وہ جو اس کے قریب ہیں پر قادر ہے کہ اسے ابتداءً پیدا کیا تو

وہ اس کے اعادہ پر بھی قادر ہے۔ یعنی اے انسان! تُو نہ تھا تو تجھے پیدا کیا **فَسَوّٰلكَ** (پھر ٹھیک بنایا) تیرے اعضاء صحیح وسالم ٹھیک ٹھاک منافع کے لیے مستعد بنائے یعنی ہر ایک عضو کو ایسا مرتب فرمایا کہ جس منفعت کے لیے پیدا کیا اس میں وُہ استعداد موجود ہے مثلاً پکڑنا ہاتھ کے لیے، چلنا پاؤں کے لیے، بولنا زبان کے لیے، دیکھنا آنکھ کے لیے، سُننا کان کے لیے وغیرہ وغیرہ **فَعَدَلَكَ** (پھر ہموار فرمایا) ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ ہموار کیا ایسے ہموار کہ کسی ایک میں کوئی تفاوت نہیں مثلاً دو ہاتھوں یا پاؤں یا کانوں میں کوئی ایک لمبا ہو دوسرا چھوٹا ہو یا دو آنکھوں میں ایک بڑی ہو اور دوسری چھوٹی یا بعض اعضاء سفید ہوں اور بعض سیاہ یا بعض بال کالے ہوں یا بعض سُرخ۔

ف: بعض علماءِ تشریح نے فرمایا کہ اللہ نے آدمی کے جُثہ کو دونوں جانبوں سے برابر بنایا یہاں تک کہ اس کے کسی حصہ میں تفاوت نہیں، نہ ہڈیوں نہ شکلوں میں نہ اوردہ (رگوں) میں نہ شریانوں میں نہ ان اعصاب میں جو ان میں نافذ اور ان سے خارج ہیں غرضیکہ دونوں جانبوں میں جو کچھ ہے وُہ اپنی دوسری جانب کے برابر ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے: عدله عن الطريق (اسے راستہ سے پھیرا) اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے انسان! تجھے خِلقت (تخلیق) مکروہہ سے وُہ باقی حیوانات میں ہے سے پھیرا اور تجھے بہترین تخلیق میں بہترین اور دوسری مخلوق سے ممتاز بنایا جیسے دوسری جگہ پر فرمایا: فی احسن تقویم۔

ف: فعدّلك بھی ایک قرأت میں ہے یعنی اے انسان! تجھے معتدل متناسب الخلق بنایا کہ اس میں کسی قسم کا تفاوت نہیں اس کا مطلب بھی وہی ہے جو مخفف کا ہے (فعدلك)۔

صوفیانہ معنیٰ حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تجھے تسوية الخلقة- بالمعرفة اور ایمان کے لیے ٹھیک ٹھاک بنایا۔ حضرت ذوالنون قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اے انسان! تجھے ایجاد کیا پھر جملہ مکونات کو تیرا مسخر کیا لیکن تجھے کسی کی تسخیر میں نہیں دیا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے وُہ انسان جو اس کی صورت میں پیدا ہوا، گویا تجھے کمال مظہریت اور تمام مشابہت بہ احسن صورت کی وجہ سے غرور ہے تجھے احسن تقویم میں ٹھیک ٹھاک بنایا اور تیری ظاہری اور معنوی شکل وصورت صحیح سالم اور معتدل اور جمیع کمالاتِ الٰہیہ وکیانیہ کے قبول کا مستعد بنایا جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اوتیت جوامع الكلم (میں جوامع الکلم عطا کیا گیا ہوں) یعنی کلم الٰہیہ وکیانیہ۔

تفسیر عالمانہ **فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ** (جس صورت میں چاہا ترکیب دیا) جار رکبك کے متعلق ہے اور ما زائدہ نکرہ کو عام کرنے کے لیے ہے، شآء صورت کی صفت اور عائد محذوف ہے۔

سوال : جملہ کا عطف ماقبل پر کیوں نہیں؟

جواب : یہ عدلك کے بیان کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ اے انسان! تجھے اللہ تعالیٰ صورِ عجیبہ حسنہ میں سے چاہا اور اس کی مشیئت و حکمت کا تقاضا ہوا یا صورِ مختلفہ حسن و قبح میں اور طول و قصر میں اور نر و مادہ میں شبہ بعض اوقات کے ساتھ یا خلاف الشبہ ترکیب دیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر وہ نسب جو اس کے اور آدم کے درمیان ہے اس کو جس شبیہ میں چاہتا ہے اس کی صورت بناتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت الواسطی رحمہ اللہ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے مطیعین اور عاصین (گنہگاروں) کی صورتیں بنائیں جسے صورتِ ولایت میں بنایا وہ اس جیسا نہیں جسے عداوت کی صورت پر بنایا یعنی بعض صورتیں صورۃ جمالیہ لطیفہ پر ہیں بعض صورۃ جلالیہ قہریہ پر۔

صاحبِ روح البیان کے پیر و مرشد کی صوفیانہ تقریر میرے شیخ و سند قدس سرہٗ نے اپنی کتاب اللائحات البرقیات میں فرمایا کہ میرے دل میں یہ القاء ہوا کہ صورۃ ترکیبیہ صورۃ علمیہ[1] و صورۃ روحیہ[2] و صورۃ مثالیہ[3] و صورۃ جسمیہ[4] اور دیگر ان صورتوں کو شامل ہے جو صورتیں اطوار میں مرکب ہیں لیکن مقصود بالذات یہی چار صورتیں ہیں، اور صورۃ علمیہ و روحیہ میں ترکیب عقلی و معنوی ہے اور صورۃ مثالیہ و جسمیہ حسی و روحی ہے اور صورۃ علمیہ میں ترکیب سے مراد ظہور الذات اور صورۃ روحیہ میں ظہور الصفات اور صورۃ مثالیہ میں ظہور الافعال اور صورۃ جسمیہ میں ظہور الآثار ہے اور ظہورات ان ترکیبات بمنزلہ نتائج کے ہیں قیاسات سے اور بمنزلہ مجموع کے اجتماعات سے اور ان کا اجزاء بس یہی احکام الوجوب و احکام الامکان ہیں اور احکام الوجوب سے مراد اسماء الٰہیہ فاعلہ مؤثرہ ہیں اور احکام الامکان سے حقائق کونیہ قابلہ متاثرہ ہیں اور ان اجزاء سے ترکیب جس صورت میں ہو تو ظہور محل کے لیے ہے وہ محل جو اس کے آثار و خواص مجتمعہ کے ظہور کا مظہر ہے اور اس محل جامع (جیسے نشأۃ انسانیہ میں یہاں خطاب ہے) میں اس ظہور اجتماعی کے وقت اگر اجزائے احکام الوجوب کا غلبہ ہو تو وہ نشأۃ (انسانیہ) علویہ ہوتی ہے یعنی اس کا میلان علو و حق کی جانب ہوتا ہے یہی فطرۃ اصلیہ الٰہیہ پر باقی اور فیض و تجلی اور وصول الی عالم القدس کے لیے مستعد و قابل ہوتی ہے اگر اس وقت احکام الامکان کے اجزاء کا غلبہ ہو تو وہ نشأۃ (انسانیہ) بجانب سفل و خلق مائل اور فطرۃ اصلیہ ازلیہ سے خارج اور فیض و تجلی اور وصول الیٰ عالم القدس کے قابل اور مستعد نہیں ہوتی بلکہ وہ عالم دنس میں جہالت و غفلت و نسیان کی گرد و غبار میں پڑی رہتی ہے اسے نہ اپنی خبر ہوتی ہے نہ رب تعالیٰ کی، اور وہ اندھی گونگی بہری ہوتی ہے اسے دائیں کی خبر نہ بائیں کی ایسی فطرت والے لوگ جانوروں جیسے بلکہ ان سے بھی گئے گزرے ہوتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ كَلَّا (کوئی نہیں) اس پر وقف ہے ردع (زجر) کا کلمہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے کرم پر مغروری سے باز آجاؤ اور کرمِ الٰہی کو کفر و معاصی کا ذریعہ نہ بناؤ کیونکہ وہ شکر و طاعت کا موجب ہے۔ بعض نے کہا اس کا وقف سر کبک پر ہے جیسے سجاوندی نے علامت مطلق سر کبک پر وضع فرمائی اور كَلَّا بمعنی حقًا ہے اور یہ ما بعد کی تحقیق کی تاکید کے لیے ہے بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ (بلکہ تم انصاف ہونے کو جھٹلاتے ہو) الارشاد میں ہے کہ اس کا عطف جملہ پر ہے جو کلام کا سیاق ہے گویا زجر کے بعد جملہ معترضہ لایا گیا اور کہا گیا تم اس سے باز نہیں آؤ گے بلکہ اس سے بڑھ کر جرأت کرو گے کہ مرنے سے جزاء و بعث کا انکار کرو گے اس لیے کہ یہاں دین سے جزاء اور بدلہ دینا (انصاف کرنا) مراد ہے اسی سے ہے الدیان فی صفۃ اللّٰہ (اللہ تعالیٰ کی صفت میں انصاف) یا تم تکذیب کرو گے دین و اسلام کی، یہ دونوں اس کے منجملہ احکام سے ہیں تم نہ سوال و جواب کی تصدیق کرو گے نہ ثواب و عذاب کی وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ (اور تم پر کچھ نگہبان ہیں) یہ تکذبون سے حال ہے اور حافظین کی جمع مخاطبین کی کثرت سے ہے یا باعتبار اس کے کہ ان کا ہر ایک ملائکہ کی گویا ایک جماعت ہے جیسا کہ منقول ہے کہ ہر انسان کے دو فرشتے رات کو ہوتے ہیں دو دن کو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم جزاء کی تکذیب کرتے ہو حالانکہ اے مکلف انسانو! تم پر ہماری طرف سے تمہارے اعمال کے نگہبان ملائکہ ہیں كِرَامًا (معزز) کریم کی جمع ہے یعنی وہ ہمارے معزز اس لئے ہیں کہ وہ ہماری طاعت کے پابند اور ادائے امانت میں بے مثال ہیں اس لیے کہ کریم خائن نہیں ہوتا۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کرم کی صفت موصوف کر کے ان سے مذمت کی نفی فرمائی ہے بعض نے کہا وہ کرام اس معنیٰ پر ہیں کہ حسنات کے لکھنے میں جلدی اور برائیوں کے لکھنے میں توقف کرتے ہیں، اس امید پر کہ ممکن ہے خطاکار استغفار اور توبہ کرے تاکہ اس کا گناہ اور توبہ یکجا لکھیں۔

ف: زہرۃ الریاض میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام کرام اس لیے فرمایا کہ جب نیکی لکھتے ہیں تو اسے فوراً بارگاہِ رب العزت میں لے جاتے ہیں اور حضوری کے بعد گواہی دیتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ! تیرے فلاں بندے نے نیکی کی ہے لیکن برائی سے خاموش رہ کر عرض کرتے ہیں: الٰہی! تو ستار العیوب ہے یہ تیرے فلاں فلاں بندے روزانہ تیری کتاب پڑھتے اور مدح کرتے ہیں ہم ان کی پردہ دری نہیں کرنا چاہتے۔ اس میں تعطف (مہربانی کرنا) کا معنیٰ ہے جیسے سورۃ عبس میں گزرا لیکن وہ یہاں مناسب نہیں، جیسے بعض تفاسیر میں ہے۔

كَاتِبِيْنَ (لکھنے والے ہیں) اعمال کے يَعْلَمُوْنَ (جانتے ہیں) اس لیے کہ وہ تم پر حاضر ہیں اور تم سے جدا نہیں ہوتے مَا تَفْعَلُوْنَ (جو کچھ تم کرو) افعال میں سے قلیل و کثیر اور تھوڑا اور بہت، اس سے

تجاوز نہیں کرتے۔

حدیث شریف میں ہے:

کراماً کاتبین کی تعظیم و تکریم کرو، وہ تم سے جُدا نہیں ہوتے سوائے دو حالتوں کے:

۱۔ جنابت کے وقت

۲۔ بیت الخلاء میں جانے کے وقت

مسئلہ: عین المعانی میں ہے کہ یعلمون دلالت کرتا ہے کہ سہو و خطاء اور اس غلطی کو نہیں لکھتے جس پر عتاب نہیں، ایسے ہی وہ گناہ جس پر فوراً استغفار کر لیا جائے اسی لیے یکتبون نہیں فرمایا۔

قاعدہ: ما تفعلون اگرچہ افعال قلوب و جوارح سب کو عام ہے لیکن یہ مخصوص عنہ البعض ہے کہ اس سے صرف افعال الجوارح مراد ہیں اس لیے کہ اس کا ماسوا مغیبات (غیب) سے ہے اور مغیبات اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہاں جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بتلا دے۔ یہی وجہ ہے کہ قلوب کا عمل غیب ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی اُمّت کے بہت سے اولیاءِ کرام قلوب و صدور کے علوم کو جان لیتے تھے (تفصیل کے لیے دیکھیے فقیر کی کتاب فیض الغفور فی علم مافی الصدور۔ اویسی غفرلہٗ)

کراماً کاتبین کا علم کشف الاسرار میں ہے کہ کراماً کاتبین کا علم دو قسم ہے:

(۱) وہ جو ظاہر ہے قول یا حرکتِ جوارح انہیں وہ کراماً کاتبین جانتے ہیں اس کے ظاہر کی وجہ سے اور لکھتے بھی ہیں اس کے ظاہر کی حیثیت سے۔

(۲) وہ جو باطن ہے دل میں، بعض علماء کہتے ہیں کہ انہیں باطن کے نیک عمل کی خوشبو اور بُرے کی باطنی بُرائی کی بدبو محسوس ہوتی ہے تو عمل صالح کو مجمل صالح اور برائی کو مطلق بُرائی لکھ دیتے ہیں۔ اس کی تحقیق سورۃ الزخرف اور سورۃ قٓ میں اسی مضمون کے مطابق تفصیلاً لکھی جا چکی ہے۔

سوال: فعل کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا لیکن قول کی تصریح نہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: (۱) فعل قول سے اکثر واقع ہوتا ہے۔

(۲) کبھی قول سے فعل بھی مراد ہوتا ہے۔

ملفوظِ فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ جب یہ آیت قرآنی پڑھتے تو فرمایا کرتے کہ یہ آیت غافلین پر کتنی سخت ہے لیکن مطیعین کے لیے مژدۂ بہار اور عاصیوں کے لیے تہویل و تشدید و انذار۔

نکتہ: کراماً کاتبین کے لیے عظیم شنار کا اظہار جزاء کے معاملہ میں تفخیم مطلوب ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جلیل القدر امور میں سے ہیں کہ ایسے عظیم القدر اور کریم المنزلۃ اس کے لیے مقرر ہوئے تعظیم ان کی صفت کرام سے ظاہر ہے نہ کہ کتابت وحفظ سے۔

کراماً کاتبین کے وجود کا منکر فرقہ

کراماً کاتبین کے وجود کے منکرین کا کہنا ہے کہ اگر وہ ہمارے پاس ہیں اور ان کی کتابیں (صحیفے) اور قلمیں بھی ہیں تو پھر ہمیں نظر کیوں نہیں آتے۔ اس طرح کا دعویٰ تو ہم بھی کر سکتے ہیں کہ ہمارے ساتھ پہاڑ ہیں اور بہت اور لوگ لیکن نظر نہیں آتے یہ تو جہالات میں داخلی ہونا ہے (اسی طرح وہابی دیوبندی فرقہ کا سوال سمجھئے یہ کہتے ہیں کہ اگر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاضر و ناظر ہیں اور نور بھی، تو پھر نظر کیوں نہیں آتے! پھر اہلسنت کو طنزاً کہتے ہیں کہ حضور حاضر ہیں تو پھر تم مصلّے پر کیوں چڑھ جاتے ہو؟ وغیرہ وغیرہ۔ میں سمجھتا ہوں یہ سوال انہوں نے مذکورہ بالا فرقہ سے سرقہ کیا ہے تو جو جواب صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے اس فرقہ کو دیا ہے وہی جواب ہم دیوبندیوں وہابیوں کو دیں تو ہمارا حق ہے، صاحب روح البیان قدس سرہٗ کا جواب پڑھئے۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

وجوابه ان الملائكة من قبيل الاجسام اللطيفة فحضورهم لا يستلزم الرؤية الا ترى ان الله امد المؤمنين فى بدر بالملائكة وكانوا لا يرونهم الا من شاء الله رؤيته وكذا الجن من هذا القبيل ولذا قال تعالىٰ انه يراكم هو وقبيله من حيث لا ترونهم فكما ان الهواء لا يرى للطافته فكذا غيره من اهل اللطافة۔[1]

(روح البیان ج ۱۰ ص ۳۶۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ ملائکہ اجسام لطیفہ کے قبیل سے ہیں ان کا حاضر ہونا رؤیۃ کو مستلزم نہیں کیا نہیں دیکھتے ہو بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنین کی (غزوہ) بدر میں ملائکہ سے مدد کی اس وقت وہ لوگ ملائکہ کو نہیں دیکھتے تھے مگر جنہیں اللہ تعالیٰ نے چاہا دیکھ لیا ایسے ہی جنات اسی قبیل سے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابلیس اور اس کا قبیلہ تمہیں دیکھتا ہے لیکن تم انہیں نہیں دیکھتے ایسے ہی ہوا لطافت کی وجہ سے نہیں دیکھی جاتی لیکن اہلِ لطافت کا علم اور ہے۔

---

[1] اس جواب کی تین تقریریں ہیں لہٰذا تینوں حاضر و ناظر کے منکر کے جوابات سمجھئے:

(۱) ملائکہ اجسامِ لطیفہ ہیں اور یہ مسلّم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جملہ ملکوت وقدس ولاہوت سے لطیف تر ہیں آپ کی روحانیت سے قطع نظر آپ کی بشریت بھی لطیف سے لطیف تر ہے اسی لیے آپ کا سایہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نہ تھا جیساکہ سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے مکتوبات مبارکہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لطافت پر ایک یہی دلیل قائم فرمائی ہے۔ اگر کوئی خوش نصیب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لطافت کو ہی سمجھ لے تو بھی حاضر و ناظر اور نور و بشر کا مسئلہ کسی اُلجھن میں نہ رہے گا لیکن جس بدقسمت کے ذہن سے یہ خناس دُور ہی نہ ہو کہ بس وہ ہم جیسے بشر ہیں تو اسے قیامت تک یہ مسئلہ سمجھ نہ آئے گا۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ ملائکہ غزوۂ بدر میں موجود و حاضر تھے، بدقسمت کفار کو کیا نظر آنے تھے لیکن بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ملائکہ کرام کو دیکھا لیکن بشری لباس میں۔ بہرحال یہ دلیل بھی ہماری مؤید ہے اس لیے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت سے خوش بختوں کو بیداری میں اور بیشمار سعادتمندوں کو خواب میں نظر آتے ہیں اور خواب میں آپ کا دیکھنا عین ذات کو دیکھنا ہے، اگرچہ یہ مسلم مسئلہ ہے لیکن منکرین کی تسلی کے لیے صرف ایک دلیل معراج کا واقعہ عرض ہے اور وُہ یہ کہ تمام منکرین مانتے ہیں کہ رسالتمآب کی ملاقات بیداری میں اور عالم شہادت میں انبیاء کرام سے ہوئی ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انبیاء کرام کسی عالم میں ہوں رسالتمآب کو بیداری اور عالم جسمانی میں بیت المقدس اور آسمانوں میں ان کا مشاہدہ ہوا ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریعی حیثیت اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی تابعداری کے پیش نظر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عالم برزخ اور عالم ارواح کے واقعات اور امور کا مشاہدہ کرامت اور خرق عادت کے طور پر اربابِ احوال کو کسی خاص حال اور مقام میں ہونا ممکن اور جائز ہے اور یہ ممکنات میں سے ہے کہ بیداری میں کوئی صاحبِ حال اپنے مقام سے عالمِ برزخ اور عالمِ ارواح میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کا مشاہدہ کرے۔ افسوس ہے کہ مخالفین ایسی پختہ اور مضبوط دلیل ماننے کے باوجود بھی انھیں مسئلہ حاضر و ناظر اور مسئلہ نور سمجھ نہیں آیا۔ اسے کہتے ہیں ضد، ورنہ مسئلہ اتنا مشکل اور پیچیدہ نہیں کہ سمجھ نہ آسکے۔

بہرحال خواب میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت حق ہے، اس کے دلائل اور شواہد فقیر نے اپنی کتاب "زیارتِ رسول" اور "حاضر و ناظر" اور "تفسیر اویسی" میں تفصیل سے لکھے ہیں۔ یہاں تبرکاً ایک خواب اور ایک حوالہ عرض ہے:

عبدالواحد ابن آدم فرماتے ہیں میں نے حضور اور آپ کے ہمراہ صحابہ کی ایک جماعت کو خواب میں دیکھا کہ آپ انتظار میں کھڑے ہیں میں نے اس کا سبب پوچھا۔ حضور نے ارشاد فرمایا: میں محمد بن اسمٰعیل (بخاری) کو ساتھ لے جانے کے انتظار میں کھڑا ہوں۔ چند دنوں کے بعد مجھے بخاری (رحمہ اللہ تعالیٰ) کی وفات کی خبر مل گئی۔ میں نے سوچا تو بخاری کی وفات کا وہی وقت تھا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ہمراہ صحابہ کی جماعت کو میں نے انتظار میں کھڑے دیکھا تھا۔" (مقدمہ فتح الباری ص ۔۔۔)

(باقی صفحہ آئندہ)

کراماً کاتبین کے منکرین کا دوسرا سوال

کراماً کاتبین کا لکھنا اور ضبط کرنا اگر کسی فائدہ کے لیے نہیں تو عبث ہے اور اللہ تعالیٰ عبث فعل سے بلند و بالا ہے تو اس سے بندے کو ہی کوئی فائدہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی فعل نہ نافع ہے نہ ضرر رساں، بلکہ وہ اس سے بلند و بالا ہے۔ لکھائی تو بھُولنے کی وجہ سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے منزّہ اور مقدّس ہے، زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے لیے نہیں لکھواتا بلکہ قیامت میں بندوں پر اتمامِ حجّت کے لیے لکھواتا ہے (جیسے حکومتی ادارہ سی آئی ڈی) لیکن یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ جس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جور و ظلم نہیں کرتا تو اس کے لیے تو ایسی حجت کے اثبات کی ضرورت ہی نہیں اگر اس کا یہ عقیدہ نہیں تو اس کے لیے لکھوانے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ممکن ہے وہ کہہ دے کہ یہ لکھنے والے بھی تمہارے ہیں فلہٰذا ان سے ظلم و جُور کے لیے لکھوالیا گیا ہے۔ (معاذ اللہ)

جوابِ حق از اہلسنّت

اللہ تعالیٰ کا ہر فعل دنیا میں بندوں کے دستور و رواج کے مطابق ہوتا ہے تاکہ معنیٰ کی تقریر ذہنوں میں مضبوط سے مضبوط تر طریق سے راسخ ہو اور دنیا میں اہلِ دنیا کا دستور ہے کہ مجرم کا جرم اس کے اپنے قرار سے جو تحریر میں ہے یا گواہ عادل حاکم کے حضور میں گواہی دیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت میں ہر امت کے نبی علیہ السلام سے گواہی لینی ہے اور مجرم کے جرم کے اقرار میں اس کا نامۂ اعمال دکھانا ہے تاکہ مجرم کو جرائم کی سزا پر کامل حجت ہو۔

انتباہ: دیدارِ رسول عوام کو خواب میں اور خواص کو بیداری میں ہوتا ہے جیسے حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے مرید علی ہیتی رحمہ اللہ کو فرمایا کہ تُو خواب میں دیکھ رہا تھا، میں بیداری میں۔

(۳) تیسری دلیل صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے ابلیس کی دی کہ وہ ہر جگہ موجود ہوتا ہے لیکن نظر نہیں آتا، یہی دلیل حضرت مولانا عبدالسمیع انصاری رامپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیر بھائی دیوبندیوں کو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر کے متعلق دی تو مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (اور ان کے بعد تمام دیوبندی تا حال) اُلجھے کہ شیطان اس حیثیت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ علم و طاقت رکھتا ہے اسی کلمۂ کفر پر دیوبند کے فضلاء کو علمائے عرب و عجم نے مرتد اور خارج از اسلام لکھا اور اب بھی ہمارا ان سے سوال ہے کہ "براہین قاطعہ" کے مذکورہ بیان کو یا قرآن و حدیث سے ثابت کرو یا اپنے بڑوں کی غلطی اور خطا اور پھر ان کے ارتداد کا اقرار کرو ورنہ قیامت میں ہی فیصلہ ہوگا (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اویسی غفرلہٗ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علاوہ ازیں جب بندے کو یقین ہوگا کہ اللہ تعالیٰ میرا رقیب ونگہبان اور حفظہ فرشتے اس کے اعمال کی حفاظت اور کتابت کر کے نامۂ اعمال تیار کر رہے ہیں اور یہی میرا نامۂ اعمال قیامت میں بھرے مجمع میں پیش ہوگا تو یہی تصور بندے کو بہت سے جرائم و معاصی سے بچائے گا اور بہت سی برائیوں سے مانع ہوگا (تو اس سے بندے کا فائدہ مطلوب ہے)

سوال منکرین افعال القلوب نظر نہیں آسکتے، نہ ہی انہیں ملائکہ لکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ما فی الضمائر کا بھی حساب لے گا۔ چنانچہ فرمایا:

وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ۔ — اور اگر ظاہر کرو جو تمہارے دلوں میں ہے یا پوشیدہ رکھو اللہ تعالیٰ تم سے حساب لے گا۔

جواب ۱ از اہلسنت: پہلے گزر چکا ہے کہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے تو پھر سوال کیسا!

جواب ۲ از امام غزالی قدس سرہٗ سیدنا امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہر وہ ذکر جسے تیرا قلب سمجھتا ہے اسے حفظہ ملائکہ سنتے ہیں کیونکہ ان کا شعور تیرے شعور کے بالکل قریب ہے (اگرچہ پوشیدہ ہے) ہاں جب تیرا شعور تیرے ہاتھ سے نکل جائے وہ اس وقت ہوتا ہے جب تو (ذاکر) مذکور میں بالکل گم ہو جاتا ہے تو پھر تیرے شعور سے حفظہ غائب ہو جاتے ہیں اور یہ صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ جب تک قلب ذکر کی طرف التفات رکھتا ہے اس وقت تک وہ اللہ تعالیٰ سے روگرداں ہے۔

جواب ۳ اسے یوں سمجھئے کہ ملائکہ کرام کی اطلاع علی الوقائع کا قیاس عام لوگوں پر اطلاع پر کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ ان کی شانیں علماً و عملاً عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہیں[1]

دیوبندی وہابی کُش حوالہ (کراماً کاتبین کے کمالات کے منکرین کو جواب دیتے ہوئے صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے لکھا)

علیٰ ان من اصلح من الناس سریرتہ قد یکشف الضمائر و یطلع علی الغیوب باطلاع اللہ فما ظنک بالملائکۃ — علاوہ ازیں جو اپنے باطن کی اصلاح کرتا ہے تو ضمائر کھولا جاتا ہے اور غیوب پر اطلاع بخشی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی اطلاع سے

---

[1] یہی جواب دشمنانِ انبیاء بالخصوص امام الانبیاء والمرسلین کے کمالات کے اور اولیاء کرام کے کمالات کے منکرین کو سمجھنا چاہئے کہ وہ ہر بات میں انہیں اپنے اوپر اور عامیانہ حیثیت پر قیاس کرتے ہیں ؎

کافراں دیدند احمد را بشر
ایں نمی دانند کان شق القمر

اویسی غفرلہٗ

الذین هم الطف جسما و اخف روحاً۔ تو تیرا ملائکہ کے متعلق کیا خیال ہے جو کہ جسم کے اعتبار سے لطیف تر اور روح کے لحاظ سے زیادہ خفیف ہیں۔

(روح البیان ج ۱ ص ۳٦١)

تفسیر عالمانہ اِنَّ الْاَبْرَارَ (بیشک نیکوکار) وہ جنہوں نے نیکی کی اور اپنے ایمان میں سچے ہیں کہ فرائض کی ادائیگی کرتے اور معاصی سے اجتناب کرتے ہیں۔

حلِ لغات: ابرار، برّ (بالفتح) کی جمع بمعنی صادق، مطیع، محسن۔

مسئلہ: حسنات میں بہتر نیکی لا الٰہ الا اللہ (محمد رسول اللہ) ہے پھر والدین کی خدمت پھر شاگردوں کو اساتذہ کی نیاز مندی[1] خدمت اور مریدین کو اپنے مرشدین کی غلامی (خدمت گزاری) (لیکن مرشد بھی وہی ہو جسے شرع مطہرہ شریف کہے اگر نفس پرور مرشد بن بیٹھا ہے تو اس سے کوسوں دور بھاگنا عین اسلام ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

ف: فتح الرحمٰن میں ہے کہ ابرار وہ ہیں جو اپنی نیکی و احسانات و خدمات عام رکھتے ہیں مثلاً اپنے رب تعالیٰ کی عبادت و اطاعت اور لوگوں کو حتی الامکان نفع رسانی وغیرہ۔

حدیث شریف میں ہے: بروا اٰباءھم کما بروا ابناءھم۔ اپنے والدین سے اس طرح احسان کرو جس طرح انہوں نے اپنی اولاد سے کیا۔

لَفِیْ نَعِیْمٍ (نعمتوں میں ہیں) جنت کی نعمتیں اور ثواب۔ تنوین تفخیم کا ہے وَاِنَّ الْفُجَّارَ (اور بے شک بدکار) دروغ گو (جھوٹے) اور منکرین حشر، فاجر کی جمع ہے اور فجور بمعنی دیانت کی پردہ دری لَفِیْ جَحِیْمٍ (مزور دوزخ میں ہیں) اور جہنم اور اس کے عذاب میں۔ تنوین تہویل (ہولناکی کے اظہار) کے لیے ہے اور دونوں یکتبون کا بیان ہیں کہ وہ لکھتے کیوں ہیں یا ان کی غایت یا نعمتیں ہیں یا جہنم۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ذکر و طاعت و معرفت اور شہود و حضور و وصال کی نعمتوں اور غفلت و معصیت جہل و اجتناب اور غیبوبت و فراق کی جحیم کی طرف اشارہ ہے۔

ف: حضرت الخواص رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ نعیم بھلی جو اس سے ہو اور جحیم اچھی جو اس کے ساتھ ہو۔ مثنوی شریف میں ہے: ے

---

[1] اہلِ مغرب کی دیکھا دیکھی نئی پود کو نہ ماں باپ کی قدر رہی نہ اساتذہ کی، یہاں تک کہ بعض علماء و پیر کہلوانے بھی اپنے اساتذہ کے دشمن بن گئے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

(۱) ہر کجا باشد شہ مارا بساط　　ہست صحرا گر بود سم الخیاط

(۲) ہر کجا کہ یوسفی باشد چو ماہ　　جنت است او ارچہ باشد قعر چاہ

ترجمہ: (۱) جہاں بادشاہ کی رہائش ہے وہ صحرا (فراخ جگہ) ہے اگرچہ سوئی کے سوراخ کے برابر ہے۔

(۲) جہاں یوسف جیسا حسین ہو وہ جگہ بہشت ہے اگرچہ کنوئیں کی گہرائی ہو۔

تفسیر عالمانہ یَصْلَوْنَهَا (اس میں جائیں گے) جحیم کی صفت ہے یا جملہ مستانفہ ہے سوال پر مبنی ہے دوزخ کی ہولناکی سے اٹھا گویا کہا گیا کہ ان کا کیا حال ہوگا؟ جواب دیا کہ جہنم کی گرمی میں داخل ہوں گے جیسے خلیل نے کہا، صلی الکافر النار بمعنی قاسی حرھا و باشرہ بید نہ (اس کی گرمی اس کے بدن کو چھوگئی) نعیم کا وصف اس کے لائق بیان نہ کرنا اس لیے ہے کہ کلام مکذبین کے لیے بیان ہو رہا ہے اور فاجروں کی سزا کا ذکر ہے اور یہ مقام تخویف ہے علاوہ ازیں جب فجار کی سزا معلوم ہوجائے گی تو ابرار کی تبشیر کی خبر خود بخود ہوجائے گی اس لیے کہ تعرف الاشیاء باضدادھا (اشیاء اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں) یَوْمَ الدِّيْنِ (انصاف کے دن) وہ جزا کا دن جس کی کفار فجار تکذیب کرتے تھے وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ (اور نہیں ہوں گے وہ (کفار و فجار) جحیم سے آنکھ جھپکنے کی دیر غائب) ہمیشہ اس میں رہیں گے کسی وقت بھی اس سے باہر نہ نکل سکیں گے۔ اس سے نفی الغیبۃ یعنی غائب ہونے کی نفی ہے نہ کہ نفی دوام الغیبۃ۔

ف: بعض نے کہا کہ وہ اس سے پہلے بھی بالکل چھپے ہوئے نہ تھے بلکہ قبور میں اس کی لُو سے جلتے رہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

القبور روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران۔　　مومن کی قبر بہشت کے باغیچوں میں ایک باغیچہ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ (اور تو کیا جانے) یہ خطاب ہر اس سے ہے جسے درایۃ (جاننا) حاصل ہو (یعنی عام ہے تاقیامت) ما مبتدا اور ادراک اس کی خبر ہے مَا يَوْمُ الدِّيْنِ (کیسا انصاف کا دن) ما خبر ہے یوم الدین کی۔ ما وصف کی طلب کے لیے ہے اگرچہ اس کی وضع طلب الحقیقۃ و شرح الاسم کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کس نے تجھے داری و عالم بنایا کہ انصاف کا دن کیسا ہے یعنی وہ عجیب شے ہے ہول اور گھبراہٹ میں۔ یعنی اس وقت تک اس کی کنہ کو کوئی معلوم نہیں کر سکا

کیونکہ وہ مخلوق کے علم سے خارج ہے جونسی صورت تصور میں لائیں گے وہ اس سے فوق اور کئی گنا ورار ہے ،
ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ (پھر تو کیا جانے کیسا انصاف کا دن ہے) ثمّ کے ساتھ تکرار
ترقی فی الرتبہ کے لیے مفید ہے تاکید اور زیادتی تخویف کے لیے ہے مجموعی طور پر مخاطبین کی تعجیب اور شان یوم کی
تفخیم کے لیے ہے اور یوم الدین کا اظہار بجائے اضمار کے یوم کے ہول و فخامت کی تاکید ہے يَوْمَ لَا تَمْلِكُ
نَفْسٌ لِّنَفْسٍ (جس دن کوئی جان کسی جان کے لیے اختیار نہ رکھے گی) اس میں اس دن کا اجمال حال ہے
پہلے اس میں ابہام تھا اور یہ بتایا گیا کہ اس کا علم علوم خلائق کے دائرہ سے خارج ہے اور ایک وعدہ پورا
کرنے کی خبر بھی اس لیے کہ ان کے ادراء (جاننا) کی نفی سے ادراء (جاننا) میں اس وعدہ کریمہ کی خبر
دی گئی ہے ۔

قاعدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : قرآن میں جہاں بھی ما ادرٰىك ہے وہاں
اس کا علم ظاہر فرمایا اور جہاں وما یدریك ہے وہاں (عوام سے) اس کی نفی ہے

ف : یوم مرفوع خبر ہے مبتدا محذوف کی اور اس کی نصب اسم غیر متمکن کی طرف اضافت کی وجہ سے ہے
گویا کہا گیا ھو یوم لا یملك فیہ الخ وہ دن ہے کوئی نفس نفوس میں کسی نفس نفوس کا مالک نہ ہوگا یا منصوب فعل اذکر
محذوف سے گویا یوم الدین کے تفخیم اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کی معرفت کا شوق دلانے کے بعد فرمایا کہ
اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن کو یاد کرو الخ اس لیے کہ تمہیں کیا معلوم کہ وہ کیسا ہے ۔

ف : نفس میں نفس ملکیہ ، بشریہ ، جنیہ سب شامل ہیں اور شے میں ہر وہ شے شامل ہے جو تحصیل منفعت
اور دفع ضرر کے قبیل سے ہے ۔

وَالْاَمْرُ اور جملہ امور يَوْمَئِذٍ اس دن کہ کوئی نفس کسی نفس کے لیے مالک نہ ہوگا ۔
لِّلّٰهِ اللہ وحدہٗ کے لیے ہیں ۔ الامر اوامر کا واحد ہے اس لیے کہ امر و حکم و قضاء ملک مطاع کی شان
کے لائق ہے اور تمام مخلوق اس کی ربوبیت کے غلبہ اور حکم کے ماتحت ہے اور یہ امور کا واحد ہو تو بھی جائز ہے
کیونکہ محشر میں جملہ امور اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہوں گے اس میں اس کے سوا اور کوئی تصرف نہ کر سکے گا

ف : اس میں اللہ تعالیٰ نے اس دن انسان کے ضعف کی خبر دی ہے اس دن نہ انہیں اموال نفع
دیں گے نہ اولاد نہ اعوان (مددگار) نہ شفعاء (سفارش کرنے والے) جیسے دنیا میں ہوتا تھا ، بلکہ نفع دیگا
تو ایمان ، نیکی و طاعت ، اور نہ ہی کسی کو طاقت ہوگی کہ وہ اللہ کے اذن و امر کے بغیر بول سکے کیونکہ حقیقتاً
دنیا و آخرت میں اسی کا ہی امر ہے لیکن محجوب کو آخرت میں ہی اس کا غلبہ ظاہر ہوگا اس لیے کہ محجوب
سمجھتا ہے کہ دنیا میں اسے اللہ تعالیٰ نے مالک بنا دیا ہے اور کوئی نہ کوئی شے امور و امر کی دی ہے لیکن

جب قیامت کا دن ہوگا تو اسے یقین ہوگا کہ ہر امر و ملک تو اللہ تعالیٰ کا ہے ۔ اس میں اس کا نہ کوئی مزاحم ہے نہ شریک ، اگرچہ صورۃً ۔

ف : اس میں ارباب دعاوی اور اصحاب المخالفۃ کو تہدید اور اس کی سخت گرفت اور عظیم غلبہ پر تنبیہ ہے ۔

فضیلت سورۃ الانفطار حدیث شریف میں ہے کہ جو سورۃ اذا السماء انفطرت پڑھے گا اسے اللہ تعالیٰ ہر قبر اور پانی کے ہر قطرہ کے برابر اجر عطا فرمائے گا اور قیامت میں اس کا حال اچھا بنائے گا ۔

فراغتِ صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ مالک الاقطار کی مدد سے سورۃ الانفطار کی تفسیر ۲۲ صفر الخیر ۱۱۱۷ھ کو مکمل ہوئی ۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مہربانی سے تفسیر سورۃ الانفطار کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۲ رجب ۱۴۰۹ھ بروز اتوار ظہر کی نماز سے قبل فراغت پائی ۔ (الحمد للہ علیٰ ذالک) بہاولپور ۔ پاکستان ۔

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ٣٦ رُكُوْعُهَا ١

سورۂ مطففین مکیہ ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — چھتیس آیتیں ہیں

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝١ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝٢ وَاِذَا كَالُوْهُمْ

کم تولنے والوں کی خرابی ہے وہ کہ جب اوروں سے ماپ لیں پورا لیں اور جب انہیں

اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝٣ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝٤ لِيَوْمٍ

ماپ تول کر دیں کم کر دیں کیا ان لوگوں کو گمان نہیں کہ انہیں اٹھنا ہے ایک عظمت

عَظِيْمٍ ۝٥ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٦ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ

والے دن کے لیے جس دن سب لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے بیشک کافروں کی لکھت سب سے نیچی جگہ سجین میں

سِجِّيْنٍ ۝٧ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝٨ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٩ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٠

ہے اور تو کیا جانے سجین کیسی ہے وہ لکھت ایک مُہر کیا نوشتہ ہے اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے

الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝١١ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢ اِذَا

جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں اور اُسے نہ جھٹلائے گا مگر ہر سرکش جب

تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں کہے اگلوں کی کہانیاں ہیں کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ

مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٤ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝١٥ ثُمَّ اِنَّهُمْ

چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے ہاں ہاں بیشک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں پھر بیشک انہیں

لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝١٦ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝١٧ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ

جہنم میں داخل ہونا پھر کہا جائے گا یہ ہے وہ جسے تم جھٹلاتے تھے ہاں ہاں بیشک نیکوں کی

لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝١٨ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝١٩ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝٢٠ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝٢١

لکھت سب سے اونچی محل علیین میں ہے اور تو کیا جانے علیین کیسی ہے وہ لکھت ایک مہر کیا نوشتہ ہے کہ مقرب جس کی زیارت کرتے ہیں

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝٢٢ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ۝٢٣ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ

بیشک نکوکار ضرور چین میں ہیں تختوں پر دیکھتے ہیں تو ان کے چہروں میں چین کی تازگی

النَّعِيْمِ ۝٢٤ يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝٢٥ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ

پہچانے نتھری شراب پلائے جائیں گے جو مہر کی ہوئی رکھی ہے اس کی مہر مشک پر ہے اور اسی پر چاہیے کہ للچائیں

الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

للچانے والے اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے وہ چشمہ جس سے مقربان بارگاہ پیتے ہیں بے شک

اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾

مجرم لوگ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے اور جب وہ ان پر گزرتے تو یہ آپس میں ان پر آنکھوں سے

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ

اشارے کرتے اور جب اپنے گھر پلٹتے خوشیاں کرتے پلٹتے اور جب مسلمانوں کو دیکھتے کہتے بے شک یہ لوگ بہکے

لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ

ہوئے ہیں اور یہ کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہ بھیجے گئے تو آج ایمان والے کافروں سے

يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

ہنستے ہیں تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہیں کیوں کچھ بدلہ ملا کافروں کو اپنے کیے کا

سورہ مطففین میں اختلاف ہے مکیہ ہے یا مدنیہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اللہ کے نام سے شروع وہ مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ

وَيْلٌ (خرابی ہے) سخت شر یا ہلاکت یا دردناک عذاب۔

ابن کیسان نے کہا کہ یہ ہر کرب کے لیے ہے، بلاء و مصیبت میں واقع ہوتا ہے جب تم نے کسی کے لیے کہا ویل، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہارا مخاطب نزول البلاء اور وقوع المحنۃ کا مستحق ہے اور وہ اس لائق ہے کہ کہے واویلاہ۔

بعض نے کہا کہ اس کا اصل وی لفلان (اسے حزن ہو) تخفیفاً اس کے ساتھ ملائی گئی۔ فارسی میں بمعنی وائے۔ وہ مبتدا ہے اگرچہ نکرہ ہے اس لیے کہ یہ دعا کے موقعہ پر ہے جیسا کہ اس کی تفصیل سورۃ والمرسلات میں گزری ہے۔

لِّلْمُطَفِّفِيْنَ (کم تولنے والوں کی) بھر تول میں لوگوں کے حقوق گھٹانے والوں کی۔

حل لغات : التطفیف بمعنی کیل و وزن میں کمی کرنا اور ان میں نقص و خیانت کرنا کہ مشتری کو حق کامل تام نہ دے اس لئے کہ جو شے گھٹائی جائے وہ طفیف حقیر ہے جو خفیہ طور کیال (بھرنے والا) وزان (وزن کرنیوالا) سے یہ فعل ہوتا ہے جو اس کی دناءۃ وخساسۃ (حقارت) کی نشانی ہے کیونکہ زیادہ گھٹائے تو وہ ظاہر ہو جائیگا پھر اس سے روکا جائے گا (کیونکہ عوام میں اس کا کھوٹ مشہور ہوگا تو اس سے لین دین نہ کریں گے) اسی خساسۃ دناءۃ کی وجہ سے اس کا نام مطفّف ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کہا جاتا ہے : طفف الکیل قلل نصیب المکیل لہ فی ایفائہ واستیفائہ (اس نے حق والے کا حصہ لینے دینے میں گھٹایا)

ف : حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظاہر ہے اس تفعیل کی بنا تکثیر کے لیے ہے اس لیے کہ گھٹانا ان کی عادت بن گئی تھی کہ بھر تول میں گھاٹا کرتے تھے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ تعدیۃ کا ہو۔

شانِ نزول مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو لوگوں کی عادت دیکھی کہ وہ بھر تول میں گھٹاتے بڑھاتے تھے۔

(صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے شانِ نزول مختصر لکھا ہے حضرت صدر الافاضل مولانا سید علامہ محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ خزائن العرفان میں رقمطراز ہیں :

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے تو یہاں کے لوگ پیمانہ میں خیانت کرتے تھے بالخصوص ایک شخص ابو جُہینہ ایسا تھا کہ وہ دو پیمانے رکھتا تھا، لینے کا اور دینے کا اور۔ اُن لوگوں کے حق میں یہ آیتیں نازل ہُوئیں اور اُنھیں پیمانے میں عدل کرنے کا حکم دیا گیا۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

پانچ کے بدلے میں پانچ آیات کے نزول کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کے پاس تشریف لائے، ان کو آیات سُنائیں اور فرمایا : پانچ پانچ کی وجہ سے :

(۱) کوئی قوم عہد توڑتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر دشمن کو مسلّط کرتا ہے۔

(۲) کوئی قوم منزّل من اللہ احکام کے مطابق فیصلے نہیں کرتی مگر ان میں فقر وفاقہ (تنگدستی) پھیل جاتی ہے۔

(۳) کسی قوم میں فاحشہ زنا وغیرہ ظاہر ہو تو اس میں موت عام ہو جاتی ہے۔

(۴) بھر تول میں کمی بیشی کرتے ہیں تو انگوریوں سے روکے جاتے اور قحط میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

(۵) زکوٰۃ روکتے ہیں تو ان سے بارش بند ہو جاتی ہے ۔

واہ اہلِ مدینہ اہلِ مدینہ نے جب سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی سنا ہے تا حال بھر تول میں کمی نہیں کرتے (صاحب روح البیان قدس سرہٗ کے زمانہ گیارھویں صدی کی تخصیص نہیں بلکہ ہمارے زمانہ (پندرھویں صدی) تک بدستور اسی طرح ہے ۔ اویسی غفرلہٗ)

حکایت: سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو زعفران تول رہا تھا اور ترازو کے ایک پلڑے کو جھکائے ہوئے تھا۔ فرمایا، ترازو کے دونوں پلڑے برابر کر لے اس کے بعد جتنا جی چاہے جھکا دے۔

ف: گویا آپ نے اُسے یہ فرمایا کہ ابتداءً دونوں پلڑے برابر ہوں، جیسے عادۃً برابر ہوتے ہیں پھر جتنی جس سے مروت کرنی ہے کرے ۔

عجمیوں کو پند و نصیحت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اے عجمیو! تمہارے دونوں امر مکمل ہونے چاہئیں (یعنی بھر تول) کیونکہ تم سے پہلے لوگ انہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے ۔ عجمیوں کی تخصیص اس لیے ہے کہ یہ دونوں ان میں برابر طور پر رائج تھے لیکن حرمین طیبین میں متفرق طور مروّج تھے مکہ معظمہ میں وزن مروج تھا اور مدینہ طیبہ میں ماپ ۔

غلط بھر تول پر وعیدیں (۱) حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں ہر (غلط) وزن اور ماپ والا دوزخ میں ہوگا ۔ عرض کی گئی: اگرچہ آپ کا بیٹا ہو؟ فرمایا: وہ بھی اس میں غلطی کرے گا تو وہ بھی جہنم میں ہوگا ۔

(۲) حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے ہمسایہ کے ہاں تشریف لے گئے جس پر نزع طاری تھی اور کہہ رہا تھا: اے مالک! میرے آگے آگ کے دو پہاڑ ہیں مجھے ان پر چڑھنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ آپ نے اس کے گھر والوں سے پوچھا: یہ ایسے کیوں کہتا ہے؟ عرض کی گئی: اس کے ماپ کے دو پیمانے تھے ایک سے لیتا تھا دوسرے سے دیتا تھا ۔ یعنی ان کے درمیان کچھ فرق تھا ۔ فرمایا کہ میں نے وہ دونوں پیمانے منگوا کر توڑ ڈالے ۔ اس کے بعد میں نے اس سے پوچھا تو کہا کہ اب مجھ میں وہ عادت نہیں (نزع سے بچ گیا ہوگا پھر یہ کام شروع ہوا اور پہلے والی غلط نہ کرتا ہوگا)

(۳) حضرت فضیل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ترازو میں کمی کرنے والا کا منہ قیامت میں کالا ہوگا۔

(۴) فصول سبعین میں ہے کہ جو کیل و وزن میں خیانت کرتا ہے کل قیامت میں اسے دوزخ کے گڑھے میں پھینک کر اسے آگ کے دو پہاڑوں کے درمیان بٹھایا جائیگا اور کہا جائیگا کہ ان دونوں پہاڑوں کو ماپ اور تول۔ لیکن وہ اسے جلائیں گے ہے

تو کم دہی و بیش ستانی بکیل و وزن
روزے بود کہ از کم و بیشت خبر کنند

ترجمہ: تو ماپ تول میں کم دیتا اور زیادہ لیتا ہے، ایک دن آئے گا کہ تجھ سے کمی وبیشی کی خبر لیں گے۔

اَلَّذِیْنَ (وہ) الخ یہ مطففین کی صفت کاشفہ ہے اور اس تطفیف کی کیفیت کی شرح کرتی ہے جس سے ان کی مذمت کی جارہی ہے اور انہیں ویل کی دعا کی گئی **اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ** (جب اوروں سے ماپ میں) یعنی خرید وغیرہ کریں۔

حل لغات: اکتیال بمعنی ماپ سے لینا اتزان کی طرح بمعنی وزن سے لینا۔

یَسْتَوْفُوْنَ (پورا لیں)

حل لغات: الاستیفاء بمعنی پورا لینا یعنی وافی اور وافر لیتے ہیں۔

سوال: استیفاء کا صلہ عن آتا ہے یہاں علیٰ کیوں؟

جواب: استیفاء استیلاء کے معنی کو متضمن ہے یا اس طرف اشارہ ہے کہ ایسی ماپ انہیں مضر ہے لیکن حیز الشرط کہ جیسے کلمۂ اذا متضمن ہے میں علی اعتبار الضرر نہیں کیونکہ اس سے معنیٰ میں خلل آتا ہے بلکہ فی نفس الامر بموجب الجواب اس لیے استیفاء سے پورا حق لینا بغیر نقص کے مراد نہیں بلکہ صرف وافی وافر لینا جیسے اور جس جہت سے حیلے بہانے کر کے لیں مثلاً وہ ترازو کو دبا کر اور حرکت دے کر اور اس کے پُر کرنے کا حیلہ کر کے پیمانوں اور ترازوؤں کے ذریعے سے بہت کچھ کما لیتے تھے۔

وَاِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ (اور جب ماپ تول کر دیں)

حل لغات الکیل پیمانہ سے ماپنا تاکہ مکیل (ماپی ہوئی) کی مقدار معلوم ہو۔ الوزن الزنۃ (تولنا) تاکہ موزون (تولی ہوئی شے) کی مقدار معلوم ہو۔ یعنی جب وہ لوگوں کو مبیع وغیرہ ماپ تول کر دیں ان کے حقوق ادا کریں، یہاں حرف جار محذوف ہے فعل کو بلاواسطہ معمول تک پہنچایا گیا جیسا کہ تاج المصادر میں ہے وزنت فلانا درھماً ووزنت لفلان (میں نے

فلاں کو درم وزن کرکے دیا) کا ایک معنی ہے اصل لام جارہ کے ساتھ ہے حذف کرکے فعل تک پہنچانا بھی جائز ہے اسی سے یہ آیت ہے۔ اس معنی پر ھُم منصوب المحل علی المفعولیۃ ہے نہ کہ مرفوع جو کانُوا کی تاکید ہو اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب واؤ ضمیر کے بعد ضمیر ہو تو درمیان میں الف خالی نہیں لکھا جاتا جیسے نَصَرُوْكَ میں اور اسی قاعدہ پر آیت ہذا ہے کیونکہ مصحف میں خالی الف لکھا ہوا نہیں اور جب ضمیر ظرف میں ہو یعنی مرفوع اور تاکید کے لیے ہو تو اس وقت واؤ کے بعد الف خالی لکھا جاتا ہے اس لیے کہ مؤکد ماقبل کا کا لجزء نہیں ہوتا بخلاف مفعول کے (کہ وہ کا لجزء ہوتا ہے) اور شاس بوالسماء میں اکثر الف حذف کرتے ہیں کیونکہ واو الجمع کو اسم سے بہت قلیل اتصال ہوتا ہے۔

سوال : مصحف کا خط قیاس سے وراء ہے پھر اس پر قیاس کیوں؟

جواب : اس جیسی مثالوں میں مصحف میں الف نہیں لکھا گیا تو پھر اس سے عدول نہیں ہو سکتا۔

يُخْسِرُوْنَ (کم کر دیں) ان کے حقوق کم کر دیں حالانکہ کیل و وزن کی وضع بھی تعدیل و تسویہ (برابر کرنا) کے لیے ہے۔

حلِ لغات : کہا جاتا ہے خسر المیزان و اخسرہ ترازو کو کم کیا، گھٹایا۔

سوال : یخسرون میں کیل و وزن دونوں اور یستوفون میں صرف اکتیال، ورنہ کہا جاتا ہے اذا اکتالوا علی الناس او اتزنوا یہ کیوں؟

جواب : کیل و وزن کے وقت جتنی قدرت مطففین کو اکتیال میں حاصل تھی اتنی اتزان میں نہ تھی (کشاف)

گویا مطففین وزن و کیل والی اشیاء کو مکیال (ماپ کے پیمانے) سے لیتے تھے اور حق پورا کرنے اور چوری میں انہیں اکتیال (ماپنا) میں ہی آسانی و سہولت حاصل تھی اس لیے کہ پیمانے کو جھٹکا دے کر یا کوئی حیلہ بہانہ کرکے بہت کچھ کما لیتے تھے اور جب دیتے تو ماپ اور وزن کرکے دیتے تو وزن و کیل دونوں میں گھٹانے میں اچھا خاصا ہاتھ پاؤں مار لیتے اسی لیے پہلے میں صرف اذا اکتالوا اور دوسرے میں کالوھم او وزنوھم فرمایا۔ اس کی تائید مذکور حدیث مبارک سے ہوتی ہے کہ اس میں کیل میں اقتصار علی التطفیف ہے۔ اس میں دونوں صورتوں میں موزون و مکیل کے درپے نہیں ہوئے، اس لیے کہ کلام اس میں ہے کہ وہ لین دین کے معاملہ میں بُرے تھے مخصوص ماخوذ و معطی کی بات نہیں۔

ف : ابو عثمان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت کا حقیقی مطلب میرے نزدیک یہ ہے کہ لوگوں کے دکھاوے پر تو بہت عبادت کرے لیکن اُن سے اوجھل ہو تو بُرائی میں لگ جائے یا عبادت اچھی طرح نہ کرے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں عبادت و طاعت میں کوتاہی کرنے والے لیکن کمال رافت و رحمت کے طالبین کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے

ارزاق کا پیمانہ پُورا کرنا چاہتے ہیں اور اسے طاعت وعبادت کا پیمانہ کم کرکے اور گھٹا کر دیتے ہیں یہی بیّن خسارہ ہے۔

ف : حضرت قاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تطفیف فی المیزان حقیقی یعنی عدل کی طرف اشارہ ہے، اور اس کے موزونات یعنی اخلاق و اعمال کی طرف ، اور مطففین وہی ہیں جو اپنے نفوس کے کمالات کو معتبر سمجھے اور خود کو لوگوں سے افضل گمان کرتے ہیں۔ **یستوفون** انہیں کثیر سمجھتے ہیں اور اپنے حقوق میں زیادتی کرتے ہیں یعنی فضائل علمیہ وعملیہ کا اظہار اپنی حد سے زیادہ کرتے ہیں بوجہ عُجب اور تکبّر کے جو اُن میں ہے اور جب اپنے کمالات لوگوں کے کمالات سے زائد معتبر سمجھ کر اُن کی قدر ومنزلت گھٹاتے اور انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنی رعونت نفسانی اور لوگوں پر اپنی افضلیت کے گھمنڈ میں دونوں میں عدالت کی رعایت نہیں کرسکتے جیسے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لیے فرمایا : یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا (جو عمل کیا ہی نہیں اس کے لیے چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے)

ف : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس میں نفس قاصر فی التوحید الحقیقی کے حال کی طرف اشارہ ہے اس لیے جب اسے روح نے اس کا خسارہ دیا اس کے نقصان و قصور کی وجہ سے جو اس میں ہے تو میزان میں کچھ داخل نہیں کیونکہ کچھ ہو تو داخل ہو اور اسے داخل بھی کون کرے ، اس اعتبار سے اس کی اور اس کے نفس کی شان گھٹ گئی باقی توحید رسمی اس کی طلب روح سے پُورا کرنا چاہتی کیونکہ اس کا اس سے طلب کرنا حق ہے اور اسے سوائے طلب کے اور کچھ حاصل نہیں۔

تفسیر عالمانہ

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ (کیا ان لوگوں کو گمان نہیں) یعنی ان مطففین کو جو مذکورہ بالا ہولناک اور وصف شنیع سے موصوف ہیں۔

ف : اَلَا تنبیہ کا نہیں اس لیے کہ تنبیہ کا ہوتا تو اس کا مابعد مثبت ہوتا اور یہاں منفی ہے علاوہ ازیں الا تنبیہیہ کا قاعدہ ہے کہ اگر اسے حذف کر دیا جائے تو معنیٰ میں فرق نہیں پڑتا۔ جیسے الا انھم لفی سکرتھم یعمھون (خبردار بیشک وہ نشہ میں حیران پھر رہے ہیں) لیکن یہاں یہ بات نہیں اس لیے کہ اگر الا حذف کر دیا جائے تو معنیٰ میں خلل پڑتا ہے ، بلکہ یہ ہمزہ استفہامیہ انکاریہ داخل ہے لا نافیہ پر ، اور جائز ہے کہ یہ اَلا عرض و تحضیض علی الظن کا ہو۔

اَنَّھُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ (بے شک انہیں اٹھنا ہے ایک عظمت والے دن کے لیے) جس کی عظمت کا اندازہ نہیں ہوسکتا اور اس کی ہولناکیاں بے انتہا ہیں اور اس میں ان سے ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا اس لیے کہ جو اس کا گمان کرتا ہے اگرچہ گمان ضعیف ہی سہی یعنی وہ شک و وہم کی حد تک ہو

تب بھی ایسے قبائح کے ارتکاب کی جُرأت نہ کرتا پھر جو اس کا یقین کرتا ہے وُہ کیسے جرأت کر سکتا ہے ۔ ظن کا ذکر مبالغہ کے لیے ہے تاکہ تطفیف سے رُک جائیں ورنہ مؤمن کو بعث و محاسبہ کا گمان کیسا بلکہ اس کا تو اعتقاد جازم ہے۔ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (جس دن سب لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے) یوم منصوب ہے اَعنی محذوف سے ، لرب العٰلمین سے پہلے مضاف امر محذوف ہے یعنی محض رب العالمین کا حکم ہوگا تو سب حاضر ہو جائیں گے کوئی اور شے انہیں لائے گی یا رب العالمین محاسبہ کے لیے حاضر ہوں گے وہاں ان کی تطفیف ظاہر ہوگی اور اس کی سزا وغیرہ یا وہ رب العالمین کے ردکرنے ارواح الی الاجساد کی وجہ سے حاضر ہوں گے ۔

ف : مروی ہے کہ وہ قبور سے اُٹھ کر چالیس سال اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے رہیں گے ۔ ایک روایت میں ہے دنیا کے تین سال کے برابر ۔ ان کے پسینے ان کے آدھے کانوں تک ہوں گے ۔ ان کے ہاں کوئی خبر آئے گی نہ امر ، وہ مقامِ ہیبت ہوگا کہ کسی کو سخن کی ہمت نہ ہوگی پھر ان کے لیے حکم ہوگا کہ انہیں مقامِ ہیبت سے مقامِ محاسبہ میں لاؤ ۔

کامل مومن کی شان

کامل مومن کی شان یہ ہوگی کہ اسے صرف اتنا ٹھہرنا ہوگا جتنا وہ فرض نماز کی ادائیگی سے واپسی تک دیر لگاتا ہے ۔

سوال : رب العٰلمین لانے کی تخصیص کیوں جبکہ اس کی اور صفات بھی تو ہیں ؟

جواب : مالکیۃ و تربیۃ کی طرف اشارہ ہے کتنا ظالم و قوی ہو اس کے سامنے حاضری سے نہ بچ سکے گا کیونکہ سب اس کے مملوک ہیں اور اس کی قدرت کے قبضہ میں مسخّر ہیں اور وہ کسی کو نہ چھوڑے گا یہاں تک کہ مظلوم عاجز تک ۔ کیونکہ تربیت کا تقاضا یہی ہے کہ کسی کے حقوق ضائع نہ ہوں ۔

ف : ان تشدیدات میں اشارہ ہے کہ تطفیف اگرچہ شے حقیر سے متعلق ہو لیکن اس کا گناہ کبیرہ (بڑا) ہے ۔

مسئلہ : بعض نے کہا آیت میں ہر وہ شخص بھی شامل ہے جو حقوقِ الٰہی میں کمی کرتا ہے زکوٰۃ میں ، نماز میں ، روزہ میں ، وہ سب اس وعید میں داخل ہیں ۔

حکایت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سورت پڑھی جب یوم یقوم الناس لرب العٰلمین تک پہنچے تو زور زور سے رونے لگے یہاں تک کہ آپ سے آگے پڑھا نہ جا سکا غلبۂ گریہ اور حساب و جزاء کے تصوّر سے ۔

حکایت دیگر

ایک اعرابی نے عبدالملک بن مروان (اموی خلیفہ) کو کہا تُو نے اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے مطففین کے حق میں کیا فرمایا ہے ۔ اس کا مقصد یہ تھا

کہ مطفف کو اللہ تعالیٰ نے عظیم وعید سنائی ہے حالانکہ وہ قلیل مال لیتا ہے لیکن اے عبد الملک ! تیرا کیا حال ہوگا کہ تو مسلمانوں کا مال بغیر وزن وکیل کے دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہا ہے ۔

کَلَّآ (بیشک) یہ حرف ردع (زجر و توبیخ) کا ہے اس سے منع کرنا ہے جس پر وہ تھے یعنی تطفیف و غفلت از بعث و حساب اس معنیٰ پر یہاں وقف مستحسن ہے اگر بمعنی حقا ہو تو نہ ۔ کیونکہ اس وقت یہ ما بعد سے متصل ہے ۔ **اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ** (بیشک کافروں کی لکھت سب سے نیچی جگہ سجّین میں ہے) ردع کی تعلیل ہے ۔

حلِ لغات

الکتٰب مصدر بمعنی مکتوب ، جیسے لباس بمعنی ملبوس ہے یا اپنے حال پر ہے بمعنی کتابت ۔ لام تاکید کی ہے ، اور سجّین جامع کتاب کا علم (نام) ہے ، وہ شر کا دفتر ہے ثقلین (جن و انس) کے کفار و فساق اور شیاطین کے اعمال کا مرکز ہے ۔ یہ وصف سے منقول ہے حاتم کی طرح او ر منصرف ہے کیونکہ اس میں ایک سبب ہے یعنی تعریف ۔ اس کا اصل فعیل از سجن ساجن کا مبالغہ ہے یا اس لیے کہ وہ مطروح ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ وہ ساتوں زمینوں کے نیچے ایک اندھیرے اور وحشت والی جگہ میں ہے وہی ابلیس اور اس کی ذریت کا مسکن ہے انہیں ذلیل کرنے اور ان کی شان کی تحقیر کے لیے ۔ وہاں راندۂ درگاہ شیاطین حاضر ہوتے ہیں جیسے ابرار کے دفتر میں مقرب فرشتے تشریف لاتے ہیں ۔ اس معنیٰ پر سجّین مسجون کا مبالغہ ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ فجار منجملہ ان کے مطففین ہیں ان کی کتاب (وہ جس پر ان کے اعمال لکھے جاتے رہے) یا نامۂ اعمال اسی مدوّن کتاب میں ہے اس میں مذکور لوگوں کے اعمال کے قبائح ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان کی استعداد فطری کی کتاب ان کی طبیعت (جو فسق و فجور کی خوگر ہے) کی سجّین میں لکھی ہوئی ہے بائیں ہاتھ کی قلم سے ان کی پیشانیوں کے صفحات کے اوراق پر ، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

السعید من سعد فی بطن امہ و الشقی من شقی فی بطن امہ ۔

سعید وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے سعادتمند ہو کر آیا اور شقی وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے شقی بن کر آیا ۔

تفسیر عالمانہ

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ (اور تو کیا جانے سجّین کیسی ہے) اس کے معاملہ کی ہولناکی کا اظہار ہے یعنی جیسے کہ وہ ہے وہاں کسی کا علم نہیں پہنچ سکتا **كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ** (وہ لکھت ایک مہر کا نوشتہ ہے)

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رقم بمعنی موٹا خط۔

حلِ لغات

بعض نے کہا کہ رقم بمعنی تعجیم الکتاب (کتاب پر نقطہ لگانا)۔ کتاب مرقوم کو دونوں معنوں پر محمول کیا جا سکتا ہے یعنی وہ لکھی ہوئی اور اس کی لکھت واضح اور روشن ہے اس حیثیت سے کہ جو بھی اسے دیکھتا ہے اس سے بلا دقت مطلع ہو جاتا ہے اس میں غور و خوض نہیں کرنا پڑتا اور نہ ہی خصوصی توجہ دینی پڑتی ہے۔ یا وہ کتاب کھلے الفاظ سے ہے ہر ایک اسے جان سکتا ہے لیکن کتاب والوں کے لیے اس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں یعنی وہ کتاب ایسی علامات پر مشتمل ہے جو کتاب والے کی شقاوت پر دلالت کرتی ہے کہ وہ دوزخی ہیں اور ان کے شر کی علامت ہے جیسا کہ مقام مضمون سے واضح ہے کیونکہ یہ تہویل کا مقام ہے۔

ف: القفال نے فرمایا کہ کتاب مرقوم سجّین کی تفسیر نہیں بلکہ وہ انّ کی خبر ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ فجار کی کتاب سجّین میں ہے اور بیشک وہ لکھی ہوئی کتاب ہے اور وما ادراك ما سجّین دو خبروں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتاب الفجار یعنی وہ جو رذائل کے مرتکبین کے جو اعمال لکھے گئے جنہوں نے عقل و شرع کی متفقہ حدِ عدالت سے نکلنے میں زیادتی کی وہ سجّین میں ہیں وہ وجود میں سے ایک مرتبہ ہے اس کے قیدی تنگ و تاریک اور اندھیری قید میں مقید ہیں کھوؤں سانپوں اور بچھوؤں کی طرح پیٹ کے بل چلتے اور وہ طبیعت کے نچلے مراتب و درکات میں ہیں۔ وہ اہلِ شر کے اعمال کا دفتر ہے اسی لیے اس کی تفسیر میں فرمایا کتاب مرقوم یعنی وُہ جگہ ہے جہاں ان کے اعمال لکھے ہوئے ہیں۔ ان کے رذائل و شرور کی ہیئات کے نقوش ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ

وَيْلٌ (خرابی ہے) يَّوْمَئِذٍ (اس دن) کہ لوگ رب العٰلمین کے سامنے اٹھیں گے اور یہ اسی کے متصل ہے اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

بعض نے کہا کہ اس دن کہ جب کتاب (نامۂ اعمال) دئے جائیں گے لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (جھٹلانے والوں کے لیے)

کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ویل یہ کلمہ تمام برائیوں کا جامع ہے یعنی عذاب و عقاب اور شدّتِ محنت اسی دن مکذبین کو ہے۔

الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (جو انصاف کے دن کو جھٹلاتے ہیں) یہ مکذبین کی صفت ذامّہ (مذمت کرنے والی) ہے یہ ایسے ہے جیسے تم کہتے ہو فعل ذلك فلان الفاسق الخبيث (اسے فلاں فاسق خبیث نے کیا) اس لیے کہ ان کی تکذیب اَلا يظن اولٰئك الخ سے معلوم ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ بعض اہلِ اشارہ (صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ وہ جو حق اور اس کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں یعنی وہ اہلِ نفوس جو دُنیا کی طرف متوجہ اور حق سے رُوگردانی کرتے ہیں اور دین سے، جو وہی دین اسلام ہے اور ہر ایک کو اس کے دین کے مطابق جزاء و سزا ہوگی جس کا کوئی دین نہ ہوگا اس کی بُری جزاء ہے اور بہت بڑی خرابی ہے اور جس کا دین ہے اس کی احسن جزاء ہے اور کریم کا دیدار نصیب ہوگا۔ اے عزیز! تصدیق کو لازم پکڑ۔

تفسیر عالمانہ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ (اور اسے نہ جھٹلائیگا مگر سرکش) نظر و اعتبار کی حدود سے تجاوز کرنے والا، تقلید میں غلو کرنے والا، جو سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مرنے کے بعد زندہ اٹھانے کی قدرت نہیں حالانکہ وہ مشاہدہ کرچکا ہے کہ وہ جب ابتدائی تخلیق پر قادر ہے تو پھر اعادہ پر کیوں قادر نہیں! اس سے ولید بن مغیرہ اور نضر بن حارث وغیرہما جیسے مشرکین مراد ہیں۔ اَثِيْمٍ بکثرت گناہ کرنے والا۔ شہوات ناقصہ فانیہ میں منہمک کہ انہوں نے اسے لذات تامہ باقیہ میں مشغول کر رکھا ہے بلکہ ان کے انکار سے برانگیختہ کیا ہوا ہے۔

ف: اعتداء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے قوۃ نظریہ کو بالکل بیکار کر رکھا ہے جس کا کمال یہ ہے کہ اسی ہی انسان کو وحدۃ صانع اور اس کی جملہ صفات کمالیہ سے موصوف ہونے کا عرفان حاصل ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ علم و ارادہ و قدرۃ وغیرہ۔ اور اثم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے اپنی قوتِ علیہ کو ضائع کردیا کہ جس سے انسان خیر و بھلائی کو جانتا ہے کہ کون سے اعمال سے یہ حاصل ہوتی ہے۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا (جب اس پر ہماری آیاتِ ناطقہ پڑھی جائیں) قَالَ (کہے) فرطِ جہالت اور اعراض حق کی وجہ سے حالانکہ حق کے سوا کہیں پناہ نہیں اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (اگلوں کی کہانیاں ہیں) پہلے لوگوں کی حکایات اور اخبار باطلہ۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ یہ وہ حکایات ہیں جو قدیم سے لکھی چلی آرہی ہیں۔

حلِ لغات اساطیر اسطور (بالضم) و اسطارہ (بالکسر) وُہ بات جس کا کوئی نظم و ضبط نہ ہو۔

كَلَّا (کوئی نہیں) یہ حد سے بڑھنے والے کو قول باطل اور آیات کی تکذیب سے روکنا ہے ممکن ہے یہ مجموعی طور اور قول سے منع کرنا ہے بَلْ سکتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے) حفص نے عاصم (رحمہما اللہ تعالیٰ) سے بَلْ کو باظہار اللام مع سکتہ خفیفہ بغیر قطع کے پڑھا ہے اور رَانَ سے ابتداء کیا ہے اور باقیوں نے بَلْ کی لام کو راء میں

ادغام کیا ہے اور حمزہ، کسائی، خلف وابوبکر عن عاصم (رحمہم اللہ تعالیٰ) فتح رار کا امالہ کرتے ہیں ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حفص نے دو ثقلتوں سے فرار کیا :

(۱) رار مفخمہ (پر)

(۲) ادغام ″

اس پر قل ران کا اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس میں دو متقارب المخرج میں ادغام کیا گیا ہے اس میں کوئی سکتہ نہیں ۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حفص (رحمہ اللہ) نے بل کی لام اور من راق کی رار پر سکتہ کیا ہے کہ کہیں بل ران میں ادغام سے برّان صیغۂ تثنیہ سے اور من راق میں مرّاق (تثنیہ) سے اشتباہ نہ ہو کہ بر ھیغہ صفت اور مرّاق مارق کا مبالغہ ہے ۔ ما کانوا میں ما موصولہ اور عائد محذوف ہے اور یہ محلاً مرفوع الفاعلیۃ ہے ۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہماری آیات اس لائق نہیں کہ ان کے بارے میں ایسے باطل مقولے کہے جائیں بلکہ ان کے قلوب پر زنگ چڑھ گیا ہے اور ان پر غلبہ ہے ان کے کفر وعصیان کی کمائیوں کا اب ان کے قلوب ایسے ہیں جیسے آئینہ پر زنگ ، وہی ان کے اور معرفتِ الٰہی کے درمیان حائل ہے ۔

حدیث شریف

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ان العبد کلما اذنب ذنبا حصل فی قلبہ نقطۃ سوداء حتی یسود قلبہ و لذلک قالوا ما قالوا والرین صدأ یعلو الشیٔ الجلی والطبع و الدنس ۔

(ترمذی)

جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑجاتا ہے جب اس گناہ سے باز آجاتا ہے اور توبہ واستغفار کرتا ہے تو دل صاف ہوجاتا ہے اور اگر پھر گناہ کرتا ہے تو وہ نقطہ بڑھتا [illegible] یہاں تک کہ تمام قلب سیاہ ہوجاتا ہے ۔ اور یہی رَین یعنی وہ زنگ ہے جس کا آیت میں ذکر ہوا ۔

حلِ لغات

ران وہ زنگ جو روشن شئ پر چڑھ جائے ۔ مُہر کا دھبّہ اور گرد ۔ کہا جاتا ہے :
ران ذنبہ علی قلبہ رینا وریونا غلب (اس کے دل پر گناہ غالب ہوگیا) کوئی کسی پر غالب ہوجائے تو کہتے ہیں : رانک وبک وعلیک کما فی القاموس ۔ یعنی بلاواسطہ و بواسطہ باء و علیٰ متعدی ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے : ران فیہ النوم (اس میں نیند راسخ ہوگئی) التعریفات

میں ہے کہ ران وہ حجاب جو کسی قلب اور عالم قدس کے درمیان حائل ہو جائے استیلائے ہیأت نفسانیہ اور رسوخ ظلمانیہ جسمانیہ سے یہاں تک کہ وہ قلب انوارِ ربوبیت سے بالکل محجوب ہو جائے اور غین (معجمہ) رین سے کم درجہ ہے۔

تحقیق الغین والرّین غین ایک باریک پردہ ہوتا ہے جو تصفیہ اور تجلی کے نور سے ہٹ جاتا ہے اس لیے اس میں ایمان باقی ہوتا ہے اور رَین کثیف پردہ ہوتا ہے جو قلب و ایمان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ الاقفال سے دل پر تالے پڑ جاتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ طبع سے اقفال سخت تر ہے ایسے ہی طبع رَین سے۔

تفسیرِ صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ دل پر زنگ راسخ ہو جاتا ہے جس سے اس کا جوہر گدلا پڑ جاتا ہے زنگ کے چمٹنے سے دل بے رونق ہو جاتا ہے اور دل پر گناہوں کے پے درپے ہونے ان کے راسخ ہونے سے رَین (زنگ) تیز ہوتا ہے دل کے نزدیک ایک پردہ متحقق ہو جاتا ہے تو اس کے لیے مغفرت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں (نعوذ باللہ منہ)۔

ف: حضرت ابوسلیمان دارانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ران و قسوۃ دونوں غفلت کی باگیں ہیں جو ہوشیار اور بیدار ہے تو وہ قسوۃ و رَین سے محفوظ و مامون ہے۔

دل (روحانی) کا علاج جو چاہے کہ اس کے دل پر ران و قسوۃ نہ ہو تو وہ روزوں پر مداومت کرے اگر اس کے باوجود بھی قسوۃ نہ جائے تو سالن کھانا چھوڑ دے۔

روحانی دل کیا ہے بعض اکابر صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دل سارے کا سارا شیشہ ہے وہ ہمیشہ زنگ آلود نہیں رہتا اگرچہ حدیث شریف میں مطلقاً فرمایا گیا ہے:

ان القلوب لتصدأ کما یصدأ الحدید	قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہا،
وان جلاءھا ذکر اللہ و تلاوۃ القرآن۔	اس کی روشنی ذکرِ الٰہی و تلاوتِ قرآن سے ہوتی ہے۔

ف: اس صدأ سے یہ مراد نہیں کہ وہ طخاء ہے جو قلب کے مُنہ پر اُبھرا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ قلب جب غیر سے متعلق ہُوا یعنی وہ بجائے مسبب کے جاننے کے اسباب کے علم میں مشغول ہوا تو دل کا

تعلق غیر اللہ سے ہوگیا وہ قلب کا زنگ بن گیا وہ تجلّیٔ حق قلب تک پہنچنے سے مانع ہُوا ورنہ حضرۃ الٰہیہ تو ہمیشہ متجلّی ہے اس کے حق میں کسی قسم کے حجاب کا تصوّر نہیں ہو سکتا پھر جب اس قلب نے جہت خطاب شرعی محمود سے اس تجلی کو قبول نہ کیا اس کے غیر کو قبول کرنے کا نام صدأ (زنگ) اور کن اور قفل وغیرہ رکھا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس پر یوُں تنبیہ فرمائی:

وقالوا قلوبنا فی اکنہ مما تدعونا الیہ۔

اور کافروں نے کہا کہ ہمارے قلوب پردوں میں ہیں اس سے جس طرف تم ھمیں دعوت دیتے ہو۔

تو اس کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ان کے قلوب اس دعوت سے پردے میں ہیں جس طرف انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دعوت دیتے ہیں نہ مطلقاً کِنّ (پردہ) میں۔ چونکہ ان کے دل غیر کی طرف لٹکے ہوئے ہیں اس لیے جس طرف انہیں دعوت دی جاتی ہے اس سے وہ اندھے ہیں اسی لیے وہ کوئی شے نہیں دیکھ سکتے ورنہ قلوب ہمیشہ فطری روشنی پر ہیں صیقل کئے ہوئے صاف شفاف ہیں۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مسکین فقیہ میکند انکار حُسن دوست
با او بگو کہ دیدۂ جاں را جلی کند

ترجمہ: مسکین فقیہ ظاہر میں دوست کے حُسن کا انکار کرتا ہے اسے کہو کہ وہ جان کی آنکھ روشن کرے (پھر حُسنِ یار دیکھے)

تفسیر عالمانہ **کَلَّآ** (ہاں ہاں) زجر اور رکاوٹ ہے اس عمل سے جو رین میں ڈالے **اِنَّهُمْ**: بیشک وہ مکذبین **عَنْ رَّبِّهِمْ** اپنے پروردگار سے **يَوْمَئِذٍ** (اس دن) یہ اور یوم یقوم الناس لرب العلمین (دونوں) **لَّمَحْجُوْبُوْنَ** (دیدار سے محروم ہیں) کے متعلق ہیں۔ یہ لوگ دیدارِ الٰہی سے اپنے قبیح کرتوتوں کی وجہ سے محروم ہوں گے اس لیے کہ ان کے قلوب کے آئینے زنگ آلود ہیں اور زنگ کی ظلمت قلوب سے اجسام پر سرایت کر چکی ہے اسی لیے وہ نور تجلّی کا محل نہیں رہے بخلاف اہلِ ایمان کے کہ وہ اللہ کے دیدار سے سرشار ہوں گے اس لیے کہ ان کے نیک عمال کی وجہ سے ان کے قلوب کے آئینے صیقل کئے ہوئے صاف اور شفاف ہیں اور صقالۃ اور صفائی کا نور ان کے قلوب سے ان کے اجسام پر سرایت کر گیا ہے اسی لیے وُہ ذی استعداد ہیں کیونکہ نور التجلی کا عکس ان کے قلوب وقوالب (اجسام) پر پڑ رہا ہے اور ان کے قلوب جمیع جہات سے چہرے بن گئے ہیں

و جہ باقی کے چہرے کی طرح بلکہ وہ بالکلیہ آنکھیں ہی آنکھیں بن گئے ہیں۔

ف: حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جب اللہ کے دشمن اس کے دیدار سے محجوب ہوں گے اور اُسے نہ دیکھ سکیں گے تو لامحالہ وُہ اپنے اولیاء کرام کو جلوہ سے نوازے گا اور وہ اس کے دیدار سے سرشار ہوں گے۔

ف: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے مسئلہ رؤیت پر استدلال فرمایا ہے کہ خطاب کی دلیل سے اہلِ ایمان کو رؤیۃ نصیب ہوگی۔ اگر سب کے سب دیدار سے محجوب ہوں تو خطاب بے معنی ہو جاتا ہے اور خطابِ خداوندی بے معنیٰ نہیں ہو سکتا اور نہ پھر دوست و دشمن میں کیا فرق ہوگا! اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ بہشت گویا اہلِ ایمان کے لیے مہمانی کا مقام ہے ؎

بے دیدن میزبان چہ باشد
چون دشمن و دوست را چہ باشد

ترجمہ: میزبان کے دیدار کے بغیر مہمانی نہ ہوگی بلکہ وہ مہمان بھی دشمن کی طرح کنوئیں میں ہے۔

ع پس فرق دران میان چہ باشد

ترجمہ: پھر دشمن اور دوست کے درمیان کیا فرق ہوا!

ملفوظاتِ اولیاءِ کرام

(۱) حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جب ایک قوم (کفار) غضب کی وجہ سے محجوب از رؤیت ہوگی تو دوسری قوم کو (اہلِ ایمان) اس کی رضا سے دیدار نصیب ہوگا۔

(۲) حضرت شیخ الاسلام عبداللہ انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وُہ (کفار) رؤیۃ رضا سے محجوب ہوگی اس لیے کہ شقی (بدبخت کافر) جب اسے محشر میں جلوہ گر دیکھے گا تو اسے غضبناک کیفیت میں دیکھے گا یہ دخولِ جنّت سے پہلے کا حال ہے۔

(۳) حضرت حسین بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسے وُہ (کافر) دنیا میں اللہ تعالےٰ کی توحید سے محجوب رہے ایسے ہی آخرت میں اس کے دیدار سے محروم رہیں گے۔ خلاصہ یہ کہ موحّد (مومن) دیدار سے محجوب نہ ہوگا۔

(۴) دُنیا میں کافروں کو قسوۃ قلبی اور اس شقاوۃ نے محجوب رکھا جو ازل میں ان پر سبقت کر گئی اسی لیے وہ قرب و مشاہدہ کے بساط (فرش) پر نہ آسکے۔ اسی لیے وُہ بعید اور محجوب رہے۔ خلاصہ

یہ کہ حجاب وہی انتہائی بُعد و طرد (دھتکار) ہے۔

(۵) حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حجاب دو ہیں:

(۱) بُعد

(۲) ابعاد

حجاب بُعد میں تو کبھی قریب نہیں ہونے دے گا اور حجاب ابعاد میں تادیب کے بعد قرب حاصل ہوگا جیسے آدم علیہ السلام کے لیے ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **انھم عن ربھم لمحجوبون** بیشک وُہ اپنے رب سے محجوب ہوں گے اس لیے کہ ان کے قلوب نے نور کو قبول نہ کیا تھا اور صفاءِ اول فطری کی طرف عود کرنے سے رُکے رہے جیسے ماءِ کبریتی مثلاً جب وہ کسی شے میں مخلوط ہو جائے یا بھاپ بن کر اوپر کو چڑھ جائے تو پھر وُہ ٹھنڈے پانی کی طبیعت میں نہ لوٹ سکے گا کیونکہ اب اس کا جوہر دوسری شے میں حلول کر گیا ہے بخلاف گرم پانی کے کہ اس کی صرف کیفیت بدل گئی تھی طبیعت نہیں بدلی تھی اسی لیے گرمی ہٹنے کے بعد وہ اپنی اصلی حالت میں عود کرے گا۔ اسی لیے کافر دائمی عذاب کے مستحق ٹھہرے (کہ ان میں جوہر ہی مٹ گیا تھا)

حلِ لغات

المفردات میں ہے کہ الحجب، المنع (روکنا) پہنچنے سے۔ آیت میں اشارہ ہے کہ پردے انہیں دیدارِ الٰہی سے مانع ہیں جس کا اشارہ فضرب بینھم بسور ای حجاب ان کے درمیان پردے لٹکائے جائیں گے جو انہیں لذتِ جنت سے روکیں گے وہ لذت اہلِ جنت تک محدود رہے گی اہلِ نار تک وہ پردے نہیں پہنچنے دیں گے، ایسے ہی اہلِ نار کی اذیت ان تک محدود رہے گی وہ پردے اہلِ جنت تک نہیں پہنچنے دیں گے۔

صاحبِ کشاف کی معتزلانہ تقریر

صاحبِ کشاف نے کہا دوزخیوں کا دیدار محجوب ہونا (حقیقی نہیں) بلکہ یہ ایک تمثیل ہے ان کے استخفاف و اہانت کے لیے ایسا فرمایا ہے اس لیے کہ شہنشاہ کے دربار میں ذوالوجاہت اور مکرم لوگ ہی حاضر ہو سکتے ہیں اور کمینے در رذیل لوگ اس کی حاضری سے محجوب رہتے ہیں، چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

اذا اعتروا باب ذی مھابۃ رجبوا۔ والناس مابین مرجوب و محجوب انتھی ای مابین معظم و مھان۔	جب ذو ہیبت و شوکت کے دروازے پر حاضر ہوتے ہیں تو ان کی عزت ہوتی ہے اس لئے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں بعض کی

عزت ہوتی ہے بعض کے آگے پردے لٹکائے
جاتے ہیں یعنی بعض معظم ہوتے ہیں بعض ذلیل۔

معتزلی کا پردہ چاک (صاحبِ کشّاف خود کو سُنّی حنفی کہلاتا ہے جیسے ہمارے دور میں دیو بندی وہابی ہو کر خود کو سُنّی حنفی کہلاتے ہیں اسی لیے اہلسنّت مذاق کے خلاف معتزلیہ کے پردے میں قرآن کا مفہوم بیان کیا تو تاڑنے والوں نے تاڑ لیا اور واشگاف الفاظ میں کہہ دیا کہ یہ صاحبِ کشّاف کا سنّیت حنفیت سے انحراف اور اعتزال کو فروغ دینا ہے۔ اسی طرح دیو بندیوں کے وہابیانہ پروگرام کا ہم اپنے دَور میں پردہ چاک کر کے عوام پر واضح کر دیتے ہیں کہ دیو بندیوں کا سُنّی حنفی کہلانا صرف نام ہی ہے ورنہ درحقیقت یہ بھی وہابیت کو فروغ دے رہے ہیں۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کشّاف کی مذکورہ بالا تقریر لکھ کر اس کا پردہ یوں چاک کرتے ہیں:[1]

وانما جعلہ تمثیلا لا کنایۃ اذ لایمکن	اسے تمثیل بنایا ہے نہ کہ کنایہ کیونکہ حقیقی معنٰی
ارادۃ المعنی الحقیقی علی زعمہ	کا مراد ممکن نہیں، یہ اس کا گمان ہے
من حیث انہ معتزلی۔ (ص ۳۶۹)	کیونکہ وُہ معتزلہ ہے۔

معتزلہ کا رد بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت کو تمثیل کہنا ظاہرِ معنٰی سے عدول ہے حالانکہ وہ مکشوف ہے کیونکہ ان کے قول ھو محجوب عن الامیر کا ظاہرِ معنی یہ فائدہ دیتا ہے کہ وہ بادشاہ کے دیدار سے ممنوع ہے اور یہی اس کی اہانت کا سب سے بڑا سبب ہے۔ (اسی لیے صاحبِ کشّاف کا اسے تمثیل میں داخل کرنا اسے مفید نہ ہوا[2])

سوال معتزلی: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ لمحجوبون کا معنی ہے وہ (کفار) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محجوب ہوں گے۔ اور ابن کیسان سے منقول ہے کہ وہ کرامت سے محجوب ہوں گے۔ (ان دونوں حوالوں سے ثابت ہُوا کہ یہاں دیدارِ الٰہی کا اثبات اہلِ ایمان کے لیے نہیں ہو سکتا)

جوابِ سُنّی: اِن دونوں حضرات نے حاصلِ معنٰی مراد لیا ہے اس لیے کہ جو محجوب از رؤیۃ ہے وہ لازماً معظم الرحمۃ والکرامۃ (سب سے بڑی رحمت اور کرامت) سے ممنوع ہے اور آخرت میں اہلِ ایمان کے لیے سب سے بڑی رحمت و کرامت دیدارِ الٰہی ہی ہے۔ آیت سے تو الٹی رؤیۃ ثابت ہوئی الحمد للہ تعالیٰ علی بذل

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

نوالہ وعطائہ وعلی شہود جمالہ ولقائہ (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس کی رحمت کی بخشش و عطا پر اور اس کے شہود جمال و لقاء پر)

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اِنَّهُمْ (پھر بیشک انہیں) باوجودیکہ وہ رؤیۃ الٰہی سے محجوب ہیں لَصَالُوا الْجَحِيْمِ (جہنم میں داخل ہونا ہے) اور اس کی گرمی میں گزر اوقات کرنی ہے بغیر حائل کے۔ یہ دراصل صالون (الجحیم) تھا، نون اضافت کی وجہ سے محذوف ہوا اور ثُمَّ رتبہ کی تراخی کے لیے ہے اس لیے کہ ان کے لیے جہنم کے داخلے کا عذاب حجاب واہانت اور حرمان از رحمت وکرامت کا عذاب سخت تر ہوگا۔ اس لیے کہ حجاب اگرچہ عذاب روحانی ہے تاہم جسمانی عذاب سے سخت تر ہے۔ لیکن نار سے محض نجات عذاب سے آسان ہے اس لیے حسّی عذاب میں دو عذاب ہیں (جیسا کہ مخفی نہیں) ثُمَّ يُقَالُ پھر کہا جائے گا انہیں توبیخ و تقریع کے طور پر از جہۃ الزبانیہ (نار کے داروغہ) ان کی تصریح اس لئے نہیں کہ مقصود قائل کا ذکر نہیں بلکہ قول ہے نیز اس میں تعمیم ہے قائل کے احتمال کو کہ نہ معلوم کہنے والا کون اس سے خوف میں اور سختی کا اضافہ ہے هٰذَا (یہ) عذاب، یہ مبتداء ہے اس کی خبر الَّذِي كُنْتُمْ (وہ جو تھے تم) دنیا میں بِهٖ (جیسے) تُكَذِّبُوْنَ کے متعلق ہے (تم جھٹلاتے تھے) اسے چکھو بہٖ کی تقدیم فاصلہ کی رعایت کے لیے ہے نہ کہ حصر کے لئے، اس لیے کہ وہ اس کے بہت سے دیگر احکام کی بھی تکذیب کرتے تھے۔ كَلَّا (ہاں، ہاں) یہ زجر و توبیخ ہے دوبارہ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ (بے شک نیکوں کی لکھت) ان کے وہ اعمال جو لکھے ہوئے ہیں کتٰب مضاف مصدر ہے مقدر کی طرف لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ اونچے محل علیین میں ہے، یعنی دفتر جو جملہ اعمال الابرار کا جامع ہے۔

عِلِّیِّیْن کی تحقیق علیّون علم (اسم) ہے دفتر خیر کے لیے جس کی ملائکہ اور صلحاء ثقلین (جن و انس) کے اعمال کے لیے مدوّن کیا گیا علی بروزن فعیل کی جمع سے منقول ہے از علو مبالغہ کے لیے اس نام سے موسوم کرنے کے وجوہ ہیں:

(۱) چونکہ یہ جنت میں اعلیٰ درجات کی بلندی کا سبب ہے۔

(۲) یہ ساتویں آسمان میں ہے اس کی بلندی کی وجہ سے اس کا یہ نام ہوا اور اس میں کروبین رہتے ہیں ان کی وجہ سے اس نام سے اس کی تکریم و تعظیم ہوئی۔

عمل میں اخلاص ضروری ہے مروی ہے کہ ملائکہ بندے کے اعمال لے کر اوپر کو جاتے ہیں تو سمجھتے ہیں یہ تو کچھ نہیں لیکن جب اوپر پہنچ جاتے ہیں جہاں تک اللہ چاہتا ہے اپنی سلطنت میں، انہیں اللہ تعالیٰ وحی فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے نگران تھے میں اُس کا

رقیب ہوں اس کے قلب کا، چونکہ اس نے خلوص سے عمل کیا ہے اس لیے اسے علیین میں پہنچا دو اور میں نے اسے بخش دیا۔ ایک دوسرے بندے کا عمل لے کر اُوپر جاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ اس کا بہتر عمل ہے جب وہ وہاں تک پہنچتے ہیں جہاں تک اللہ چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ ملائکہ کو وحی فرماتا ہے کہ تم میرے بندے کے نگران ہو اور میں اس کے دل کا رقیب ہوں اس نے چونکہ عمل میں خلوص نہیں کیا اس لیے اسے سجین میں پھینکو۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ کراماً کاتبین (نگران فرشتے) بندے کے اخلاص اور ریاء پر مطلع نہیں ہو سکتے جب تک انہیں اللہ تعالیٰ آگاہ نہ فرمائے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ (اور تو کیا جانے علیین کیسی ہے) یعنی وہ خلق کے دائرۂ درایۃ سے خارج ہے۔ **كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ** (وہ لکھت مہر کیا نوشتہ ہے) وہ لکھا ہوا بین الکتابۃ (کھلم کھلا) ہے جسے آسانی سے (بلا تکلف) پڑھا جا سکتا ہے یا نشان دار ہے ایک ایسی علامت ہے جس سے ہر سعادتمند کی سعادت اور اس کی دائمی نعمتوں اور لازوال ملک سے کامیابی پر دلالت کرتی ہے۔

ف: چونکہ علیّون علم منقول از جمع ہے اسی لیے اس پر مفرد کے احکام جاری ہیں یعنی کتاب مرقوم۔ لیکن اس پر اعراب جمع کا ہے جیسا کہ اس پر فی (جارہ) داخل ہے تو جمع کے صیغہ کے مطابق مجرور ہے اور یہ علیّون مرفوع بالخبریہ ہے ما استفہامیہ مبتدا ہے یہاں صورۃ جمع پر ہے بعض نے کہا کہ اسم مفرد علی لفظ الجمع ہے عشرین اور اس کے ہم جنسوں کی طرح لیکن اس کا واحد نہیں۔

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ (مقرب فرشتے اس کی زیارت کرتے ہیں) وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرّم و مقرّب ہیں یعنی حاضر ہوتے ہیں اور ضیاع سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

مقرب فرشتوں کی تعداد

فتح الرحمٰن میں ہے کہ تمام آسمانی فرشتوں سے یہ فرشتے مقرب ہیں اور کل سات ہیں۔ یہاں مقرب فرشتہ حاضر ہو کر اس کی مشایعت کرتا ہے اور اسے وہاں تک آگے (اوپر) لے جاتا ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ قیامت میں برسرِ میدان گواہی دیں گے جو اس میں ہے۔

نکتہ

اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں ویل یومئذ للمکذبین کے بالمقابل طوبیٰ کیوں ترک کیا گیا حالانکہ یہاں بھی طوبیٰ یومئذ للمصدقین کہا جاتا اس لیے کہ ملائکہ مقربین کی یہاں کی حاضری سے اس کی تعظیم وجلالت معلوم ہوئی اسی لیے ذکر کی بجائے ترک میں فائدہ ہے۔ علاوہ ازیں اس سے اس کی تفخیم شان بھی معلوم ہوئی کہ یہ جگہ دوسرے مقامات سے عظیم الشان ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سعادت مندوں کے اعمال کی صورتیں اور ان کے نفوس نورانیہ کی ہیأت اور ان کے ملکات فاضلہ علیین میں ہیں، اور وہ سجین کے بالمقابل ہے۔ بلندی اور ارتفاع درجات، اور اس معنی پر کہ یہ اہلِ خیر کے اعمال کا دفتر ہے جیسے فرمایا کتاب مرقوم یعنی محل شریف (شرافت اور بزرگی والی جگہ) ہے جِرمِ سماوی سے اہلِ خیر کے اعمال کی صورتیں منقوش ہیں یا وہ عنصر انسانی مراد ہے جس جگہ خواص اہل اللہ جو اہلِ توحید ذاتی ہیں حاضری دیتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الْاَبْرَارَ (بیشک نکوکار) سعادت مند جو نفوس کی صفات کی خرابی سے ڈرنے والے ہیں لَفِیْ نَعِیْمٍ (البتہ نعمتوں میں ہیں)

ربط: اس کے بعد ان نعمتوں کی تین کیفیات بتائیں:

(۱) اس کا قول عَلَى الْاَرَآئِكِ یعنی تختوں پر جو آراستہ و پیراستہ ہیں اریکۃ کا اطلاق اہلِ عرب کے نزدیک فقط تختہ پر نہیں ہوتا جب تک کہ وہ آراستہ و پیراستہ نہ ہو۔

ف: الحجلۃ (بالتحریک) دلہن کا وہ کمرہ جسے کپڑوں اور پردوں اور دیگر آرائش کی چیزوں سے مزین کیا جائے۔

يَنْظُرُوْنَ (دیکھتے ہیں) جو چاہیں، جہاں تک آنکھ کھول کر دیکھیں جنت کے عجیب وغریب مناظر یا وہ نعمتیں وکرامتیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت میں ان کے مناسب تیار فرمائی ہیں کہ انہیں دیکھ کر شاداں وفرحاں ہوتے ہیں کہ وہ حسین صورتیں اور بہترین اور بارونق چیزیں ہیں۔

ف: اسی طرح اعدائے خدا کا حال ہوگا کہ وہ دوزخ میں عذاب کئے جائیں گے۔

ف: بہشتیوں کے تخت کچھ اس طریقے کے ہوں گے کہ ان کی صفائی اور لطافت ان کے مناظر دیکھنے میں حائل نہ ہوگی مفعول کا حذف تعمیم کے لیے ہے اور علی الارائك خبر کے بعد خبر ہے یا خبر میں منوی سے یا ینظرون کے فاعل سے حال ہے اور تقدیم فواصل الآی کی رعایت کی وجہ سے ہے اور ینظرون جملہ مستانفہ ہے یا منوی فی الخبر یا فی الظرف سے حال ہے، بمعنی ناظرین۔

ف: ابنِ عطاء رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علی الارائك کا مطلب ہے کہ وہ معرفت کے تختوں پر معروف کا نظارہ کریں گے یا قربت کے تختوں پر رؤف کا دیدار کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اربابِ مقاماتِ عالیہ کی طرف اشارہ ہے وہ دیکھتے ہیں جمیع مراتب وجود کو ان کے مطالعہ سے کوئی شے حاجب نہیں ہوتی بخلاف اغیار کے کہ وہ مطالعۂ احوال ملکوت سے محجوب ہیں اور اس میں رمز ہے ہر ایک اہلِ درجات کے لیے اسماء وصفات

ایک مخصوص باغ ہے بعض ان میں وہ ہیں جنہیں یہ دیکھتے ہیں بعض ان میں اُونچے اور اعلیٰ ہیں ان میں سے کوئی اور برگزیدہ نہیں سوائے اشرف (زیادہ برگزیدہ) کے، وہ ہے قطب الاقطاب۔

تفسیر عالمانہ

(۲) تَعۡرِفُ فِیۡ وُجُوۡهِهِمۡ نَضۡرَةَ النَّعِیۡمِ (تو ان کے چہروں پر چین کی تازگی پہچانے) نعمتوں کی کیفیات سے یہ دوسری کیفیت ہے وہ یہ کہ نعمتوں کی رونق اور تازگی ان کے چہروں پر جھلکتی صاف نظر آئے گی جب بھی ان پر نگاہ پڑے گی تو یقین ہو جائیگا کہ یہی اہلِ نعمت ہیں بوجہ اس کے کہ ان کے چہروں پر ایسے قرائن ہوں گے جو دلالت کرینگے کہ یہ وہی ہیں مثلاً تبسم اور خوشی کے آثار ان کے چہروں پر نمودار رہوں گے، جیسے اغنیاء اور پُرسکون اہلِ دولت کے چہروں سے ان کی دولت وغناء کا پتا چلتا ہے اسی لیے تریٰ کے بجائے تَعۡرِفُ کہا گیا ہے اس لیے کہ معرفۃ کو اکثر پوشیدہ امور سے تعلق ہوتا ہے اور رؤیۃ کو ظاہر سے، اور خطاب عام ہر اسے جو خطاب کے لائق ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس وقت ان کے آثار نعمت اور احکام بہجۃ (رونق) کسی خاص دیکھنے والے سے مخصوص نہ ہوگا۔

ف: حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لذۃ النظر سورج کی طرح ان کے چہروں پر چمکے گی جب وہ زیارتِ الٰہی سے فراغت پا کر اپنی جگہوں کی طرف لوٹیں گے۔ بعض نے کہا کہ ان کے چہروں پر محبوب کی خوشنودی کے آثار پہچانے جائیں گے۔

(۳) یُسۡقَوۡنَ مِنۡ رَّحِیۡقٍ (شراب خالص پلائے جائیں گے) یہ ان تینوں اوصاف میں سے ایک ہے۔ سقی متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا وہی نائب فاعل ہے ثانی من رحیق ہے اس لیے کہ مِن تبعیضیہ ہے گویا کہا گیا ہے کہ بعض شراب مقدر معلوم ہے یعنی وہ شراب جو رحیق سے ابتدا کی گئی ہے اس معنی پر مِن ابتدائیہ ہے۔ الرحیق صاف شراب یا خالص شراب۔ اب معنی یہ ہوا کہ جنت میں شراب خالص پلائے جائیں گے جس میں کھوٹ ایسی شے نہ ہوگی جو طبع کو ناگوار ہو، نہ ایسی کہ اسے فساد میں ڈالے نیز وہ شراب خمار کی کدورت (میل کچیل) اور مزے کی تبدیلی اور سر کا درد پیدا کرنے کی خرابیوں سے پاک ہوگا۔ مَّخۡتُوۡمٍ مُہر لگایا ہوا خِتٰمُهٗ (جس کی مُہر) وہ شے جس سے مُہر لگائی جائے اور اسے غیر کے تصرف میں آنے پر پابندی لگائی جائے۔ مِسۡكٌ مشک خالص ہوگی۔ مِسک مشہور خوشبو یعنی اس کے برتنوں اور پیالوں پر گارے کی بجائے مُشک لگائی جائے گی۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ وہ جو مُہر لگائی جائے گی وہ تر مشک ہوگی جس سے مُہر کو تر کرکے اللہ تعالیٰ کا حکم مکتوب ہوگا کہ اسے کوئی ہاتھ نہ لگائے نہ اُسے کھولے سوائے ابرار کے، یہ ان کی تعظیم و تکریم کے لیے ہوگا۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کی کمالِ نفاست کی تمثیل ہے کیونکہ نفیس شئے پر ہی مُہر لگائی جاتی ہے

گارے کی بجائے مُشک کا لگایا جانا اس کی نفاست کی دلیل ہے۔

ف : بعض نے ختام الشئ بمعنی خاتم اور آخری کہا ہے۔

اب معنٰی یہ ہُوا کہ اس کی مہر مشک ہوگی کہ جب پینے والا اس سے پینے کے اختتام پر منہ ہٹائے گا تو اس سے مشک سی خوشبو محسوس کرے گا اس لیے کہ اس میں مشک کی ملاوٹ ہوگی جیسے دنیا میں بعض پینے کی چیزوں میں ہوتا ہے کہ پینے سے فراغت کے بعد خوشبو محسوس ہوتی ہے جو ابتدار میں محسوس نہیں ہوتی۔

ف : حضرت ابوالدردا رضی اللہ عنہ نے فرمایا : الرحیق چاندی سا سفید شراب جس کے آخر میں پینے پر مُہر لگائیں اگر اس سے دنیا کا کوئی آدمی ہاتھ ڈبو کر نکالے تو دنیا بھر کا ہر ذی رُوح اس کی خوشبو سُونگھے۔

وَفِيْ ذٰلِكَ اور اس میں خاص اسی شراب میں نہ دنیا کی کسی اور نعمت میں جنھیں میل کچیل کے علاوہ جلد تر فنا ہونے والی ہیں یا جن لوگوں کے احوال مذکور ہوئے نہ کہ ان کے غیر جو اصحاب الشمال (دوزخی) ہیں **فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ** (چاہیے للچائیں للچانے والے) رغبت کریں رغبت کرنے والے اللہ تعالٰی کی اطاعت میں جلد بازی کر کے یعنی وُہ نیک عمل کریں تاکہ ایسے شراب خالص کے حقدار بن جائیں۔

ف : یہ امر تحضیض و ترغیب کا ظاہراً اور وجوب کا ہے باطناً ایمان و اطاعت کے واجب ہونے سے۔

حلِ لغات التنافس شئے مرغوب (نفیس) میں تغالب (ایک دوسرے پر غلبہ پانا) گویا دو میں سے ہر ایک کا ارادہ ہو کہ وُہ خالص اس کے لیے ہو دراصل یہ النفس سے ہے بوجہ نفس کے عزیز ہونے کے۔

ف : امام بغوی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ دراصل یہ اس نفیس شئے سے ہے جس پر لوگوں کے نفوس حرص کریں اور ہر ایک اسے اپنے لیے چاہے اور خود کو دوسرے پر ترجیح دے۔

المفردات میں ہے کہ المنافسة بمعنی نفس کی کوشش کرنا افاضل سے تشابہ اور کسی کو ضرر نہ دے کر ان سے لاحق ہونا۔

فائدہ صوفیانہ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ تنافس کی علامت یہ ہے کہ شئے سے دل کا لٹک جانا اور دل کا اس کی طرف پہنچنے کا تصور اور اس کے ذکر سے دل کا متحرک ہونا اور لوگوں سے دُور ہونا اور تنہائی سے انس اور گزشتہ زمانہ کے ضیاع سے رونا اور اس کا ذکر سُن کر حلاوت (لذت) پانا اور کلامِ رحمٰن میں تدبر اور نعمتوں کے حصول کی خوشی و شکر اور مناجات کے درپے رہنا۔

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ اور اس کی ملونی تسنیم سے ہوگی۔ اس کا عطف خِتٰمُهٗ

پر ہے یہ رحیق کی دوسری صفت ہے ان کے درمیان جملہ معترضہ اس کی نفاست کا مقررہ ہے یعنی جو ملونی شراب خالص میں ہوگی وہ تسنیم کا پانی ہوگا اور یہ چشمے کا علم (نام) معیّن ہے جو جنۃ عدن کے نیچے جاری ہے اور اسے تسنیم اس لیے کہتے ہیں کہ مصدر کے نام سے موسوم ہے بمعنی بلند اس لیے کہ یہ جنّت کے تمام شرابوں سے بلند قدر ہے گویا یہ علو المکانۃ سے ہے یا اس لیے کہ یہ اہلِ جنۃ کو اوُپر آئے گا۔ اس معنیٰ پر یہ علو المکان سے ہے۔

ف : مروی ہے کہ ہوا میں تسنیم چلے گی تو ان کے برتنوں میں شراب خود بخود آجائے گا۔ جب برتن لبریز ہوجائیں گے تو خود بخود رُک جائے گا یہاں تک کہ اس کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرے گا۔ اس طرح وہ اسے لینے کے لیے کہیں نہ جائیں گے۔

عَيْنًا منصوب علی المدح والاختصاص ہے بتقدیر اُعنی **يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ** اسے مقربینِ جنابِ الٰہی پئیں گے یعنی جنہیں معنوی رُوحانی قُرب نصیب ہوگا یعنی وُہ خالص پانی پئیں گے جو تمام اہلِ جنّت کو ملے گا۔ اس سے اصحاب الیمین مراد ہیں، اس معنیٰ پر بار زائدہ ہے یا بمعنی مِن ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اس تسنیم کی طرف اشارہ ہے کہ جنّت روحانیہ میں ہے یعنی معرفت و محبّتِ الٰہی اور وُہ لذّت جو ذاتِ کریم کے دیدار سے نصیب ہوگی۔ الرحیق وُہ رونق و تازگی جو دیدارِ الٰہی کی زیارت سے تو کبھی اس کی مخلوقات کے نظاروں سے۔

ف : مقربین ابرار سے افضل ہیں یہ حضرات محبتِ غیر میں نہ تھے اسی لیے ان کا شراب بھی خالص ہوگا جن کی محبتِ الٰہی میں غیر کی محبّت کی ملاوٹ ہوگی ان کے شراب میں بھی ملونی ہوگی ؎

ما شرابِ عیش مے خواہیم بے دردیٔ غم
صاف نوشان دیگر و درد ے فروشان دیگر ند

ترجمہ : ہم شراب خالص چاہتے ہیں جس میں غم کی ملاوٹ نہ ہو، صاف نوش اور ہیں ملاوٹ والا شراب فروش اور۔

کسی اور نے فرمایا : ؎

(۱) تسبیح زہی وصف جمال تو بست — وز ہر دو جہان ورا وصال تو بست
(۲) اندر دل ہر کسے ذکر مقصود یست — مقصود دل زہی خیال تو بست

ترجمہ : (۱) تسبیح و عبادت خُوب لیکن مجھے تو تیرے جمال کا وصف کافی ہے

ہر دو جہان کی تمام نعمتوں سے میرے لیے تیرا وصال کافی ہے۔

(۲) ہر دل میں ہر ایک کا مقصود تیرا ذکر ہے لیکن میرا مقصود تو یہ ہے کہ میرے دل میں صرف تیرا ہی خیال ہو۔

ف: بحر المعانی میں ہے کہ رحیق اس شراب خالص کی طرف اشارہ ہے جو خمارِ کونین کی کدورت سے مبرا ہو۔ اور مہر شدہ برتنوں سے قلوبِ اولیاء و اصفیاء مراد ہیں جن کی مُہر بُوئے محبت ہے ان برتنوں سے شراب نہیں پیتے سوائے سلوک الی اللہ کے طریق پر چلنے والے طالبین صادقین کے ؎

علی نفسه فلیبك من ضاع عمره

ولیس له منها نصیب ولا سهم

ترجمہ: وہ اپنا ماتم کرے جس کی عمر ضائع ہو گئی جسے اس سے نہ کچھ ملا نہ اس کا حصہ مقرر ہُوا۔

تسنیم وہ اعلیٰ مراتب ہیں محبت ذاتیہ کے جن میں صفات و افعال تک کی ملونی نہ ہو، اور مقربین سے فانی فی اللہ اور باقی باللہ حضرات مراد ہیں جن کے متعلق کسی عارف باللہ نے کہا کہ وہ شرابِ محبت خالص سے سرشار ہیں جس میں کسی دوسری شے کی ملونی نہیں ؎

علیك بها صرفا فان شئت مزجها

فعدلك عن ظلم الحبیب هو الظلم

شرح البیت مع ترجمہ العدل بمعنی عدول الظلم بالفتح، دانتوں کا پانی اور ان کی چمک، و بالضم بمعنی جَور۔ اب ترجمہ یُوں ہُوا کہ اگر تم محبت سے کچھ ملانا چاہتے ہو تو محبوب کے منہ کا پانی اور اس کی چمک ملاؤ۔ اگر تم خالص محبت حاصل نہیں کر سکے تو محبوب کے منہ کے صاف پانی کو ملا کر پینے سے منہ نہ پھیرو۔

ف: جب تک بساطِ قرب پر مجلس انس اور ریاض قدس میں ساقی رضا کے ہاتھ اس خالص شراب کا گھونٹ نہ پیے گا ان سخنوں کے اسرار کی خوشبو اس کی جان کے دماغ تک نہ پہنچے گی ؎

سرمایۂ ذوق دو جہان مستی عشقست

آنہا کہ ازیں مے نچشیدند چہ دانند

ترجمہ: دونوں جہانوں میں ذوق کا سرمایہ عشق کی مستی ہے، جنہوں نے چکھا ہی نہیں وہ کیا جانیں۔

تفسیرِ عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا (بیشک وہ جو مجرم ہیں) جُرم و ذنب والے۔

ف : کفر اور اہلِ ایمان کی ایذاء سے بڑھ کر کون سا گناہ ہے کہ انہیں صرف ایمان لانے پر اذیت و تکلیف پہنچائی جاتی ہے، اس سے قریش کے رؤسا مراد ہیں اور ان کے بڑے مجرم مشرکین جیسے ابوجہل، ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور ان جیسے دیگر کَانُوْا تھے وہ دنیا میں مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ایمان والوں سے یعنی سچے ایمان والوں سے یَضْحَکُوْنَ ہنسی مذاق کرتے ان کے فقراء کے ساتھ، جیسے عمار و صہیب و بلال و خبیب وغیرہم (رضی اللہ عنہم) جار مجرور کی تقدیم فواصل کی رعایت کے لیے ہے۔

وَاِذَا مَرُّوْا اور جب فقراء مومنین گزرتے ہیں بِهِمْ مشرکین کے قریب سے، اور وہ اپنی مجلسوں میں ہوتے ہیں۔ یہی زیادہ ظاہر ہے اگرچہ اس کا برعکس بھی جائز ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے مرّ، مرّاً، مروراً بمعنی گزرا، گیا۔ جیسے استمر و مرہ و بہ بمعنی اس پر گزرا۔ (القاموس)

تاج المصادر میں ہے المر بمعنی کسی کے پاس سے گزرنا۔

ف : یہ بار اور علیٰ دونوں سے متعدی ہوتا ہے۔

یَتَغَامَزُوْنَ ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے، ان کے عیوب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے کہ ان کو دیکھو کہ خود کو دُکھ میں ڈالتے اور لذات کا ترک کرتے اور مشقات اٹھاتے ہیں اس امید پر کہ آخرت میں انہیں بہت بڑا اجر و ثواب ملے گا حالانکہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں اور نہ کوئی سزا و جزا، کیونکہ اس کا کوئی یقین نہیں اور یہ بالکل بعید از عقل ہے۔

حلِ لغات التغامز تفاعل از غمز بمعنی آنکھوں کی پلکوں اور ابروؤں سے اشارہ کرنا، مراد اس سے یہ ہے کہ کسی کو عیب وار ظاہر کرنا۔

تاج (المصادر) میں ہے التغامز بمعنی کسی کو آنکھ سے اشارہ کرنا۔

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ اور جب وہ اپنی مجالس سے اپنے گھروں اور ان ساتھیوں کے پاس لوٹتے ہیں جو ان جیسے جاہل گمراہ اور ان کے تابع ہیں۔ انقلاب بمعنی انصراف، تحول، رجوع (لوٹنا) انْقَلَبُوْا فَكِهِیْنَ لوٹتے ہیں درانحالیکہ وہ ان کی بُرائی اور مذاق سے لذت حاصل کرنے والے ہوتے ہیں۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ وہ صرف آنکھوں کے اشارے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ گھروں اور دوستوں میں ان کے عیوب و نقائص بیان کر کے لذت محسوس کرتے۔

وَإِذَا رَاَوْهُمْ اور جب وہ مجرمین کو دیکھتے جہاں بھی ہوتے قَالُوْٓا کہتے اہلِ ایمان کی طرف تحقیر کے طور اشارہ کرتے ہوئے اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ بے شک یہ گمراہ ہیں، اہلِ اسلام میں سے جسے دیکھتے تو انہیں گمراہی کی طرف منسوب کرتے بطریق تاکید کے۔ اور کہتے کہ انہوں نے اپنے آباء کا دین قدیم چھوڑا اور جدید دین میں داخل ہوئے اور کہتے ہیں کہ حاضر نعمتوں کو چھوڑا لہ طلب ثواب کے سبب سے ان غریبوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ ہوگا یا نہیں۔

صوفیہ پر طنز کرنے والے نجدی وہابی

مذکورہ بالا طریقہ کی طرح بعض غافل (جاہل) علماء (نام کے) ان فقراء پر طنز کرتے ہیں جو سالکین ہیں کہ وہ گمراہ ہیں اور مجنون ہیں بالخصوص جب اہلِ سلوک کسی مدرسہ (خانقاہ) سے تعلق رکھتا ہو اسے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ گمراہ سمجھتے ہیں ؎

منعم کنی زعشق وے اے زاہد زمان
معذور دارمت کہ تو او را ندیدۂ

ترجمہ: افسوس اے زاہدِ زمان تجھ پر کہ تُو مجھے عشق سے منع کرتا ہے میں تجھے معذور سمجھتا ہوں کہ تُو نے اُسے دیکھا نہیں۔

وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ (اور یہ کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہ بھیجے گئے) مجرمین مسلمین پر، جملہ قالوا سے حال ہے، معنیٰ یہ ہے وہ جو انہوں نے کہا درانحالیکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے مؤکل بنا کر نہیں بھیجے گئے کہ وہ ان کے امور کی نگرانی اور ان کے اعمال کی محافظت کریں اور گواہی دیں ان کے رشد و گمراہی کی، بلکہ وہ تو مامور ہیں کہ وہ خود اپنے نفوس کی اصلاح کریں انہیں دوسروں کے احوال کے پیچھے لگنے کا کیا فائدہ، ان پر تہکم اور خبر دینا ہے کہ جن باتوں کی انہوں نے جرأت کی یہ تو وہ کہہ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف رسول بنا کر بھیجا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قول مجرمین کے منجملہ اقوال سے ایک ہے گویا انہوں نے کہا کہ یہ مسلمان گمراہ ہیں اور وہ ہم پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ یہ انکار ہے اس سے جو اہلِ اسلام انہیں شرک سے روکتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے یہ ان سے بطور معنی نقل کیا گیا ہے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (تو آج ایمان والے) معہود فقراء مِنَ الْكُفَّارِ (کافروں سے) معہودین ہی زیادہ ظاہر ہے کہ اگرچہ دونوں جانبوں سے تعمیم ممکن ہے۔ يَضْحَكُوْنَ (ہنستے ہیں) جب انہیں ذلیل اور زنجیروں سے جکڑے ہوئے دیکھتے ہیں اور ان پر گوناگوں ذلّت و خواری چھائی ہوئی ہے بعد اس کے کہ وہ عزت و کبر میں تھے اور ان پر طرح طرح کے عذاب چڑھ دوڑے ہیں بعد اس کے کہ وہ نعمتوں اور آسائشوں میں تھے۔

ف : بعض تفاسیر میں ہے کہ امید ہے کہ فا، شرط مقدر کا جواب ہے گویا کہا گیا ہے کہ جب تم نے جان لیا وہ جو مذکور ہوا تو یقین کرو کہ آج قیامت کے دن، اس معنیٰ پر لام عہد کی ہے اور الذین مبتدا، اور من الکفار یضحکون کے متعلق ہے یہاں یہ وہم نہ ہو کہ یہ موصول کا بیان ہے ظاہری اتصال کو دیکھ کر، کیونکہ یہ وہم بغیر تفکر فی المعنیٰ سے ہوگا اور یضحکون مبتدا کی خبر ہے اور یہی الیوم کا ناصب ہے۔ اس طرح سے معنیٰ صحیح ہے۔

عَلَى الْاَرَآئِكِ (تختوں پر بیٹھے) موتیوں اور یاقوت سے آراستہ و پیراستہ تخت۔ **يَنْظُرُوْنَ** (دیکھتے ہیں) یعنی کافروں پر ہنستے ہیں درانحالیکہ وہ انہیں اور ان کے بُرے حال کو دیکھتے ہیں یہ یضحکون سے حال ہے **هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ** (کیوں کچھ بدلہ ملا کافروں کو اپنے کیے کا) اللہ تعالیٰ کی طرف یہ کلام مستانفہ ہے یا ملائکہ سے یہ استفہام تقریر کا ہے۔ **ثُوِّبَ** ماضی بمعنی یثوب مضارع ہے ماضی سے تعبیر کرنا اس کے تحقق کی وجہ سے ہے۔

حلِ لغات

تثویب اور اثابۃ بمعنی بدلہ دینا، بُرائی کے بدلہ دینے پر استعمال ہوتا ہے۔ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اثابۃ محبوب بدلہ میں مستعمل ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فاثابھم اللہ بما قالوا جنّات تجری۔ تو انہیں اللہ تعالیٰ ان کی باتوں کا بدلہ جنات دے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

بعض نے کہا مکروہ کے بدلہ میں بھی مستعمل ہے جیسے فرمایا :

فاثابکم غما بغم (تو انہیں غم کا بدلہ غم دیا) یہ بطور استعارہ ہے۔

قاعدہ

قرآن کریم میں جہاں بھی تثوب آیا ہے بُرائی کے بدلہ میں آیا ہے جیسے ھل ثوب الخ اور تاج المصادر میں ہے : التثویب بمعنی سزا دینا۔ تہذیب المصادر میں تثویب بمعنی ثواب دینا۔ القاموس میں ہے : التثویب بمعنی بدلہ دینا۔ یہ تاج المصادر کے موافق ہے۔ اس سے وہ بدلہ مراد ہے جو اہلِ ایمان سے ٹھٹھا کرتے تھے۔ آیت میں صراحت ہے کہ وہ آخرت میں ہوگا اور یہ کافروں کے اس ٹھٹھے کا بدلہ ہے جو وہ دنیا میں مسلمانوں سے کرتے تھے۔

(چنانچہ صدر الافاضل مولانا مراد آبادی قدس سرہٗ لکھتے ہیں : منقول ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت میں تشریف لے جا رہے تھے منافقین نے انھیں دیکھ کر آنکھوں سے اشارے کیے اور مسخرگی سے ہنسے اور آپس میں ان حضرات کے حق میں بیہودہ کلمات کہے تو اس سے پہلے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پہنچیں وہ آیتیں نازل ہوئیں جو اوپر مذکور ہوئیں ——

خزائن العرفان ۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

ف: اس میں اہلِ ایمان کو تسلی ہے کہ حال اُلٹ ہوگا کہ آخرت میں کافروں پر مسلمان ہنسیں گے کہ ان کی عظمت ہے کیونکہ اعداء کی اہانت سے اولیاء کی تعظیم ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کرام کے لیے ان کے اعداء سے بدلہ لیتا رہتا ہے[1] جیسے شیر اپنے بچے کے لیے (بلا تمثیل) ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت کا سوال کرتے ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ضحک اور استہزاء اور مسخری کرنا اور عیب کے اظہار کے لیے آنکھوں سے اشارہ کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ اور ان میں انہاک و مشغولی مجرمین کا کام ہے یا ان کا جو مشرکین سے ملحق ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

فراغتِ صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ اللہ مددگار کی مدد سے سورۃ المطففین کی تفسیر سے ۲۶ صفر الخیر ۱۱۱۷ھ کو فراغت ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ المطففین کی تفسیر کے ترجمہ سے بفضلہٖ تعالیٰ و بوسیلہ حبیبہٖ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۸ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ / ۱۴ فروری ۱۹۸۹ء شب بدھ فراغت پائی، فللّٰہ الحمد علیٰ ذٰلک۔

---

[1] جیسے غلام اللہ خان (راولپنڈی) سے بدلہ لیا کیونکہ وہ اولیاء کرام کی کھلم کھلا گستاخیاں کیا کرتا تھا، موت بھی آئی تو ذلت کی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فقیر کی کتاب "گستاخوں کا بُرا انجام"۔ اویسی غفرلہٗ

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اٰيَاتُهَا ۲۵ رُكُوْعُهَا ۱

سورۂ انشقاق مکیہ ہے اور اس میں پچیس آیتیں ہیں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۲ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝۳

جب آسمان شق ہو اور اپنے رب کا حکم سنے اور اسے سزاوار ہی یہ ہے اور جب زمین دراز کی جائے

وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝۴ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝۵ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ

اور جو کچھ اس میں ہے ڈال دے اور خالی ہو جائے اور اپنے رب کا حکم سنے اور اسے سزاوار ہی یہ ہے اے آدمی بیشک تجھے

كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۝۶ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۝۷ فَسَوْفَ

اپنے رب کی طرف ضرور دوڑنا ہے پھر اس سے ملنا تو وہ جو اپنا نامۂ اعمال دہنے ہاتھ میں دیا جائے اس سے

يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝۸ وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۹ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ

عنقریب سہل حساب لیا جائے گا اور اپنے گھر والوں کی طرف شاد شاد پلٹے گا اور وہ جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے

وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ۝۱۲ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ

پیچھے دیا جائے وہ عنقریب موت مانگے گا اور بھڑکتی آگ میں جائے گا بے شک وہ اپنے گھر میں خوش

مَسْرُوْرًا ۝۱۳ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝۱۴ بَلٰۤى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ۝۱۵ فَلَاۤ اُقْسِمُ

تھا وہ سمجھا کہ اسے پھرنا نہیں ہاں کیوں نہیں بے شک اس کا رب اسے دیکھ رہا ہے تو مجھے قسم

بِالشَّفَقِ ۝۱۶ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝۱۷ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝۱۸ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝۱۹

ہے شام کے اجالے کی اور رات کی اور جو چیزیں اس میں جمع ہوتی ہیں اور چاند کی جب پورا ہو ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۰ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۝۲۱ ۩ بَلِ

تو کیا ہوا انہیں ایمان نہیں لاتے اور جب قرآن پڑھا جائے سجدہ نہیں کرتے بلکہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ۝۲۲ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ۝۲۳ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ

کافر جھٹلا رہے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو اپنے جی میں رکھتے ہیں تو تم انہیں دردناک عذاب کی

اَلِيْمٍ ۝۲۴ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۲۵

بشارت دو مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے وہ ثواب ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا

بسم اللہ الرحمن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع وہ مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ (جب آسمان شق ہو) اس کا اعراب اذا السماء انفطرت کی طرح ہے یعنی آسمان شق ہو گا سفید بادل سے جو اس سے نکلے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا :

یوم تشقق السماء بالغمام ۔ جس دن آسمان شق ہوگا بادل سے ۔

بام آلہ کی ہے جیسے کہتے ہو : انشقت الارض بالنبات (زمین شق ہوئی انگوری سے)

ف : اس بادل میں ملائکہ کرام ہوں گے اُتریں گے تو ان کے ہاتھوں میں نامہائے اعمال ہوں گے یا وہ عذاب کے فرشتے ہوں گے اور یہ سخت اور ڈروالا وقت ہوگا کہ جہاں سے خیر اترتی تھی اس روز وہاں سے عذاب اتر رہا ہوگا تو آسمان کا شق ہونا اور امر الٰہی سے ملائکہ کے نزول سے ہوگا۔ بعض نے فرمایا آسمان کے گرنے اور ٹوٹنے سے شق ہوگا۔ بعض نے کہا : قیامت کے ہول سے' اور وہ کیوں نہ ٹوٹے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قہر میں ہے اس کے لیے یہ تو رائی کے دانے سے بھی کم قدر ہے ۔

تطبیق الاقوال مذکورہ اقوال مختلفۃ الالفاظ ہیں ان کی تطبیق یُوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے آسمان پھٹے گا پھر اس سے ملائکہ کا نزول ہوگا پھر ویرانی ، اور اس کا فساد و اختلال ہو جائے گا ۔

ف : حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : آسمان کا پھٹنا مجرہ سے ہوگا۔ مجرہ (بفتح المیم) آسمان کا دروازہ ۔ آسمان کے درمیان سفید مستطیل ہے اس نام سے اس لیے موسوم ہے کہ اس میں مجر کا اثر ہے یعنی حاجیان وکہکشاں کا راستہ ، اس جگہ سے آسمان شق ہوگا تو گویا وُہ جوڑ لگی ہُوئی اور ایک دوسرے کے ملنے کی جگہ ہے تو وہاں پھٹ جائے گا ۔

اَذِنَتْ لِرَبِّهَا (اور اپنے رب کا حکم سُنے) او رفرمانبرداری کرے اور اس کی قدرت کی تاثیر کا یقین کرے جب اس کے شق ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور قدرت کے تعلق کے وقت مامور و مُطاع کی طرح فرمانبرداری کرے جیسے مامور و مطواع (فرمانبردار) کی طرح آمر و مطاع کی فرماں برداری کرتا ہے ۔

ف : یہ استعارہ تمثیلیہ ہے مجاز مرسل پر متفرع ہے کیونکہ جب اذن (سننا) کا اطلاق اس کے لیے کیا گیا جس میں حاسۂ سمع و استماع ہو تو اس سے اجابت و انقیاد (فرمانبرداری) کا معنی مجازاً ہوگا اور جب اذن یعنی استماع آسمان جیسے کے لیے جبکہ اس کی شان استماع و قبول نہیں یہ استعارہ تمثیلیہ ہوگا ۔

ف : اللہ تعالیٰ کا قول اتینا طائعین (ہم خود بخود آئے) قدرت ایجاد و ابداع میں نفوذ قدرت بغیر ممانعت کے دلالت کرتا ہے ، ایسے ہی واذنت لربہا تفریق واعدام میں نفوذ قدرت بغیر کسی ممانعت کے دلالت کرتا ہے ۔

ف : رب کی اضافت ارض کی طرف کے عنوان سے علت حکم سے آگاہ کرنا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ زمین کا یہ انقیاد ارباب الحقائق کے نزدیک اس عقیدہ پر محمول ہے کہ زمین میں باقی حیوانات کی طرح حیاۃ و ادراک ہے اس لیے کہ صوفیہ کرام اور اہلسنت کا مذہب ہے کہ

ما من شئ الا ولہ نصیب من تجلی الاسم الحیّ۔ (ص ۳۷۵)

کوئی ایسی شے نہیں جس میں اسم حیّ (تعالیٰ) کی تجلی نہ ہو۔

اور اس کا بارہا گزر ہو چکا۔

(فلاسفہ اور عقل کے بندے تو پہلے سے اس عقیدہ کے منکر ہیں، اب ہمارے دَور میں وہابی دیوبندی مرزائی وغیرہ بھی عمداً یا لاشعوری سے منکر ہیں۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

وَحُقَّتْ (اور اسے لائق بھی یہی ہے)

تفسیر عالمانہ **حلِ لغات**: یہ ان کے قول ھو محقوق بکذا و حقیق بہ سے وہ اس کے لائق ہے یعنی وہ اس لائق بنائی گئی ہے کہ وہ سُنے کیونکہ وُہ بھی اللہ تعالیٰ کی مربوبہ و مصنوعہ ہے یعنی اس کی شان ہے بہ نسبت قدرت قاہرہ ربانیہ کے کہ وہ ہر وہ امر پورا کرے جو اس کے مقدور میں ہے اور خلاف نہ کرے کسی امر میں بھی۔

ف: جملہ کا حق یہ ہے کہ یہ معترضہ ماقبل کی تقریر کرے نہ کہ معطوفہ کی۔

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ (اور جب زمین دراز کی جائے) اس کے جبال اور ٹیلے زائل کرنے اپنی جگہوں سے اور اسے برابر کرنے سے یہاں تک کہ صاف ستھرے صحیفے کی طرح ہو جائے، یا یہ کہ اس کے اجزا کے ننانوے اجزاء بنائے جائیں تاکہ تمام مخلوق حساب کے لیے ٹھہر سکے ورنہ اس تھوڑی سی زمین پر وہ سب کے سب سما نہ سکیں گے۔

حل لغات: مدہ بمعنی امدہ یعنی زادہ (اسے بڑھایا)

حدیث شریف میں ہے:

اذا کان یوم القیامۃ مد اللہ الارض مد الادیم حتی لایکون لبشر من الناس الا موضع قدمیہ۔

جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ زمین کو ادھوڑی کی طرح پھیلائے گا یہاں تک کہ وہاں کسی فرد بشر کو سوائے دو قدم رکھنے سے زیادہ جگہ نہ ملے گی (بوجہ مخلوق کی کثرت کے)

شرحِ حدیث جب ادھوڑی کو بڑھانے کے لیے کھینچا جائے تو کہتے ہیں مد الادیم (اس نے ادھوڑی کو بڑھانے کے لیے کھینچا اور برابر کیا۔ بعض روایات میں ہے مد الادیم العکاظی ۔ قاموس میں ہے کہ عکاظ بروزن غراب ایک بازار ہے جنگل میں نخلہ و طائف کے درمیان۔ عرب کی عادت تھی کہ ذیقعد کی پہلی سے بیس تک قبائل جمع ہو کر ایک دوسرے پر فخر کا اظہار کرتے تھے ور اشعار پڑھتے تھے، اسی سے ہے الادیم العکاظی ۔

وَاَلْقَتْ مَافِيْهَا (اور جو کچھ اس میں ہے ڈال دے) پھینک اپنے پیٹ والے مُردے ور خزینے اپنے ظاہر پر، جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

واخرجت الارض اثقالها ۔ اور نکال دے گی زمین اپنے تمام بوجھ۔

ف : یہ اسناد مجازی ہے ورنہ پھینکنا اور نکالنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا کام ہے ۔

سوال : خزائن کا نکلنا تو دجّال کے وقت ہوگا نہ کہ قیامت میں ۔

جواب : کیونکہ قیامت کا وقت وسیع ہے اسی لیے اس کا اعتبار ابتداء سے ہے کہ خروج دجّال کے وقت کنوز کا نکالنا محمول پر مجاز ہے کیونکہ وہ اس کی بڑی علامات سے ہے اسی لیے مطلب یہ ہوگا کہ قربِ قیامت میں اخراج الکنوز ہوگا اور بعث کے وقت اخراج الموتیٰ (مُردوں کا نکالنا) ۔

وَتَخَلَّتْ (اور خالی ہو جائے) بالکل اس سے جو کچھ اس میں ہے یہاں تک کہ کوئی شے اس کے اندر نہ رہے یا وہ بہ تکلف اپنی اندرونی اشیاء کو باہر کرے گی ۔ جیسے تکرّم الکریم اور ترحم الرحیم ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کا کرم اور رحمت انتہا کو پہنچے اور اپنی طبع پر زور دے کر اس سے بڑھ کر کرم اور رحمت کرے ۔

وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا اور القاء و تخلی میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے **وَحُقَّتْ** اور یہ اسے لائق ہے اور اس کی حقیقت ہے، یعنی اس کی شان ہے بہ نسبت قدرت ربانیہ کے ۔

سوال : اسے دوبارہ کیوں لائے ؟

جواب : پہلا آسمان کے لئے ہے اور یہ زمین کے لیے ہے ۔ جب یہ دونوں اپنے متعلق کے متصل ہیں تو تکرار کیسا !

ف : اذا کا جواب محذوف ہے یعنی اذا وقعت ھذہ الامور الخ جب یہ امور واقع ہوں گے تو ایسے خوفناک مناظر سامنے ہوں گے جن کا بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اذا کا جواب یہ ہے کہ انسان یا عذاب و ثواب دیکھے گا ۔

تفسیرِ صوفیانہ (۱) اس میں اشارہ ہے سماء روح حیوانیہ کے انشقاق کی طرف رُوح انسانی سے علیحدگی اور زوال کی طرف اور ارض بدن کے بسط کی طرف نزع روح سے اور اس کے

القاء ما فیہا یعنی روح و قویٰ کو اور اس کے خالی ہونے کا کل ما فیہا یعنی آثار و اعراض بالحیوٰۃ و المزاج و الترکیب و الشکل اور اس کے ساتھ رُوح سے خالی ہونے کی طرف۔

(۲) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے انشقاق سماء روح کا از ظلمۃ غیم نفس امارہ اور اس کے انقیاد فیض ربانی کے لیے ساتھ تیاری استعداد اس کے کہ اس میں تصرف کرے بغیر منع و انکار کے اور اشارہ ہے ارض نفوس کی طرف جو اپنے ارباب کے لیے لبسط اور احکام بشریہ سے خالی ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ (اے انسان) جنس انسان جو مؤمن اور کافر اور عاصی کو شامل ہے اور خطاب علی سبیل البدل ہر مکلف کو عام ہے اور کہتے ہیں یہ عموم سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ نداء میں نص کے قائم مقام ہے گویا ہر شخص کو علٰحدہ علٰحدہ خطاب ہے۔ گویا کہا گیا ہے یا فلاں یا فلاں وغیرہ وغیرہ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا (تجھے اپنے رب تعالیٰ کی طرف ضرور دوڑنا ہے)۔

حلِ لغات: الکدح نفس کا عمل میں جد و جہد کرنا۔ الکد نفس کا ایسی جد و جہد کرنا کہ اس میں مؤثر ہو جائے الجہد (بالفتح) بمعنی مشقت اور تکلیف کرنا۔ الکد عمل اور طلب کسب میں سخت کوشش کرنا' از کدح جلدہ۔

اب معنی یہ ہُوا کہ اے انسان! تُو اپنے رب کے ملنے کے لیے جد و جہد اور مشقت اور سعی کرنے والا ہے یعنی اس کے ملنے کے وقت کی طرف یعنی موت اور اس کے مابعد کے احوال کی طرف جنہیں ملاقات سے تمثیل دی گئی، گویا وہ اس کے لیے خُوب کوشش کر رہا ہے۔

حدیث شریف صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ہم اعمال کے لیے کیسے جد و جہد کریں حالانکہ قلم خشک ہو گیا اور تقدیریں لکھی جا چکیں۔ آپ نے فرمایا:

اعملوا فکل میسر لما خلق لہ۔ عمل کرو ہر بندے کو اس کی آسانی دی جاتی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔

فَمُلٰقِيْهِ پھر اس سے ملنا ہے اعمالِ خیر و شر کی جزاء کے لیے، اس کے بعد لامحالہ اس سے کوئی گریز نہیں، نہ ہی بھاگنے کی راہ۔ اسی لیے کہا جاتا ہے اپنے رب تعالیٰ کے لیے عمل کر لے، جو تیرا عمل ہوگا وہ تجھے ضرور ملے گا یعنی دنیا میں جن اعمال کی سعی کی جا رہی ہے وُہ دراصل آخرت میں جزاء کی صورت میں ملیں گے اگر جد و جہد اور سعی نیک ہے تو نیک جزاء ملے گی ورنہ بُری۔

سبق اے عزیز! دُنیا میں اس کام کی سعی کر جو تجھے آخرت میں نجات دے، اور اس سے دُور بھاگ جو تجھے ہلاکت و تباہی اور خجالت و رُسوائی میں ڈالے اور تیرا معاملہ خراب ہو جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

الناد م ینتظر الرحمۃ والمعجب ینتظر المقت وکل عامل سیقدم الی ما اسلف۔

نادم کو رحمت کا انتظار کرنا چاہیے، اور مُعجب (عُجب والے) کو عذاب کا، اور ہر عامل کو اپنے اسلاف کی پیروی کرنی چاہیے۔

ف: حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر انسان اپنی موت کے لیے سعی کر رہا ہے یعنی سانسوں کے ساتھ چل رہا ہے۔ جیسے کہا گیا ہے کہ تیرے سانس تیرے قدم ہیں ان کے اختتام پر موت سے ملاقات ہو گی۔

ف: فملقیہ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان اپنے رب کی صورت میں پیدا ہُوا ہے، اس کی جدوجہد اسماء الٰہیہ وصفاتِ لاہوتیہ میں تحقق ہونے پر جدوجہد کے مطابق اپنی استعداد پر اس کی ملاقات کرے گا۔

تفسیر عالمانہ فَاَمَّا مَنْ (تو وہ جو) (مؤمن سعید) من موصولہ، یہ تفصیل اس کی ہے جو پہلے اجمال تھا اُوْتِیَ (دیا جائے گا) ماضی بمعنی مضارع ہے بوجہ تحقق کے ماضی لائی گئی۔

کِتٰبَهٗ اپنا نامۂ اعمال جس میں وہ اعمال لکھے ہوں گے جن کے لیے اس نے دنیا میں جدوجہد کی بِيَمِيْنِهٖ (داہنے ہاتھ میں) اس لیے کہ جو اعمال صالحہ کرتا تھا اس کا کاتب دہنی جانب میں لکھتا تھا۔

نکتہ اعمال کے لکھنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ عبد مکلف جب سمجھے گا کہ اس کے اعمال لکھے جا رہے ہیں اور یہ بھرے مجمعے میں پیش ہوں گے تو یہ تصور اسے ارتکاب سے زجر و توبیخ کا سبب بنے گا، جب کسی کو اپنے سردار کے لطف وکرم پر بھروسا ہو اور اس کے عفو وستر پر اعتماد ہو تو اس پر اس کے خدام کی آگاہی اس کے اعمال پر کوئی رعب وہیبت نہ ڈالے گی۔

فَسَوْفَ يُحَاسَبُ (تو عنقریب اس سے حساب لیا جائے گا) قیامت میں بعد مدت کے جتنا اس کی حکمت کے تقاضا سے مقدر ہے حِسَابًا يَّسِيْرًا (حساب آسان) جس میں نہ مناقشہ نہ ایسا اعتراض جو اسے بُرا لگے یا اس سے مشقت اٹھائے جیسے اصحاب شمال سے سخت حساب ہو گا۔

حلِ لغات حساب بمعنی محاسبہ یعنی کسی کی گنتی کرنا۔ اس سے بندے کے اعمال کی گنتی اور ان کا اظہار جزاء و سزا کے لیے۔

تفسیر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اُمّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آسان حساب یہ ہے کہ بندے کے گناہ کا اس سے اعتراف کرا کر اسے معاف کر دینا یعنی اس کے اعمال اس کے سامنے پیش کیے جائیں جنہیں وہ جانے کہ نیکیاں یہ ہیں اور برائیاں

یہ پھر نیکیوں کا ثواب عطا کیا جائے اور گناہوں سے درگزر۔

یہ حساب اس معنیٰ پر آسان ہے کہ حساب سے اس پر نہ شدّت ہو نہ مناقشہ یہاں تک کہ یہ بھی نہ کہا جائے کہ یہ تُو نے کیوں کیا اور اس سے عذر کا مطالبہ کیا جائے یا اس سے اس کی جہت طلب کی جائے کیونکہ عذر کا مطالبہ ہو تو کوئی عذر پیش نہ کرے گا تو شرمسار ہوگا (اسی لیے سرے سے اس سے عذر داری کا موقعہ ہی نہ دیا جائیگا

ے

برادر زکار بدان شرم دار	کہ در روے نیکان شوی شرمسار
بجاے کہ دہشت خورد انبیاء	تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: اے بھائی! بُرے کاموں سے شرم کر، کہ نیک لوگوں کے سامنے شرمساری ہوگی جہاں انبیاء علیہم السلام دہشت میں ہوں گے تو جو بھی عذر گناہ رکھتا ہے آج کرلے (توبہ کرلے)

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

عرض الجیش أعنی عرض الاعمال لانہا نزی اھل الموقف واللہ الملک فیعرفون بسیماھم کما یعرف الاجنا دھنا۔

عرض الجیش یعنی اعمال کا لشکر پیش ہوگا اس لیے کہ اعمال اہلِ مواقف کی ایک ہیئت ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے، تو انہیں ایسے پہچانا جائے گا جیسے لشکر پہچانے جاتے ہیں اپنی صورت و ہیئت سے۔

ف: کہا گیا ہے اس قسم میں عاصی مؤمن داخل ہیں۔ یحاسب حسابا یسیرا وصف الکل بوصف الجزء کے قبیل سے ہے اگرچہ عاصیوں کا حساب مطیعین کی طرح آسان نہ ہوگا لیکن کا تعرض ہوگا (جس کا ذکر پہلے ہوا) مناقشہ نہ ہوگا جیسے اصحاب اشتمال سے مناقشہ ہوگا لیکن اس قسم میں کل مومن مطیعین بھی شامل ہیں۔

ف: بعض نے کہا کہ عاصی مومن کو نامۂ اعمال دوزخ سے نکلنے کے بعد دیا جائے گا۔ بعض نے کہا انہیں نامہ ہائے اعمال بائیں جانب سے دیے جائیں گے لیکن پیچھے سے نہیں لیکن یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ بائیں جانب اور پیٹھ کے پیچھے سے دیے جانے کا ایک ہی مطلب ہے۔ بعض نے کہا کہ آیت میں اس عاصی مومن کا ذکر نہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دوزخ میں ضرور داخل کرے گا سزا کے بعد نکالا جائے گا۔ یہی قول ظاہر ہے۔

دُعائے نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم اپنی دعا میں کہتے: اللھم حاسبنی حسابا یسیرا (اے اللہ! میرا حساب آسان فرما)

ازالۂ وہم اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بھی نامۂ اعمال ہوں گے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اُمت کی رہبری اور تعلیم کے لیے ہوگا ورنہ وہ تو معصوم ہیں اور بہشت میں بلا حساب و کتاب داخل ہوں گے۔[1]

وَّيَنْقَلِبُ اور پلٹے گا حساب یسیر کے مقام سے **إِلَىٰٓ أَهْلِهِ** اپنے گھر والوں اہلِ ایمان کی طرف یا اہلِ ایمان کے گروہ جو اس کے طریق سعادۃ و کرامت کے رفقاء ہوں گے **مَسْرُورًا** (شاد شاد) اپنے حال پر فرحاں و شاداں کہ وہ اہلِ نجات سے ہے در انحالیکہ وہ کہے گا ہاؤم اقرؤا کتابیہ (لو یہ میری کتاب پڑھو)۔

ف : یہ پلٹنا دخولِ جنت سے پہلے میدانِ حشر میں ہوگا نہ کہ جیسے عین المعانی میں لکھا کہ یہ دلیل ہے کہ اس کے تمام اہل (گھر والے) بہشت اس سے پہلے بہشت میں ہوں گے تو یہ ان کے پاس پلٹے گا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ اس کی کتاب استعداد فطری کی طرف جو دیوان ازل میں لکھی ہوئی ہے اسمائے جمالیہ کے کاتبین کے قلم سے کہ جو یہی کتاب دیا گیا اس کے ساتھ اسمائے جلالیہ مناقشہ نہ کریں گے اور وہ پلٹے گا اپنے اہل کے ہاں مسرور ہو کر فیض تجلّی جمال اور لطف کے ساتھ۔

تفسیر عالمانہ **وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ** (اور جس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا)

سوال : کتاب کا تکرار کیوں؟ اس میں ضمیر پر اکتفا کیا جا سکتا تھا۔

جواب : دونوں کتابوں کے اختلاف اور اشتمال کی تفاسیر کی وجہ سے (کہ وہ اہل سعادت کی کتاب یا اہلِ شقاوت کی) اور مآل کے حکم میں بھی دونوں کتابیں ایک دوسری کے مخالف ہیں۔

بہرحال نامۂ اعمال دیا جائے گا **وَرَآءَ ظَهْرِهٖ** اس کی پیٹھ کے پیچھے سے، اس کی جانب سے، اوق کا ظرف ہے جو ظرف مکان میں مستعمل ہے۔

ف : کلبی نے کہا کہ اس کا دایاں ہاتھ باندھ کر بایاں اُلٹا کر کے پیٹھ کے پیچھے سے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا سورۃ الحاقہ اور مضمون میں منافات نہیں کہ وہاں پیٹھ کا ذکر نہیں صرف شمال (بائیں ہاتھ کا) ذکر ہے۔ حضرت امام (فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یہ احتمال بھی ہے کہ بعض کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ

---

[1] یہی قاعدہ ہر قول و عمل میں جاری سمجھیں اس سے بے شمار مسائل حل ہو جائیں گے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہر قول و فعل من حیث الارشاد والتعلیم ہوتا ہے جسے وہابیہ دیوبندیہ من حیث البشریۃ سمجھ کر آپ پر طرح طرح کے الزامات و اتہامات تراشتے ہیں کبھی لاعلمی کبھی عدم اختیار، کبھی کچھ۔ سچ ہے وہابیۃ قوم لا یعقلون۔ اویسی غفرلہٗ

میں بعض پیٹھ کے پیچھے دئے جائیں گے۔

ف : تفسیر الفاتحہ للفناری رحمہ اللہ الباری میں ہے کہ بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال منافقین کو دیا جائیگا اس لیے کہ کافر کے لیے تو کوئی نامۂ اعمال نہیں کیونکہ صرف کفر ہی اس کے مواخذہ کے لیے کافی ہے اور وہ فروع کے مکلفین بھی نہیں ہیں اور جنہیں پیٹھ کے پیچھے نامۂ اعمال دیا جائے گا وہ لوگ جنہوں نے کتاب اللہ کو پیٹھ کے پیچھے ڈالا تھا اور اس کے عوض ثمن قلیل حاصل کیا جب قیامت کا دن ہوگا۔ اسے حکم ہوگا کہ تو اپنا نامۂ اعمال پیٹھ کے پیچھے سے لے یعنی ان جگہوں سے جہاں تو نے زندگی (دنیا) میں کتاب اللہ کو پھینکا تھا یعنی وہ کتاب الٰہی جو آسمان سے نازل ہوئی تھی نہ کہ نامۂ اعمال، اس لیے کہ اس نے جب کتاب اللہ کو پیٹھ کے پیچھے ڈالا تھا تو اس کا گمان تھا کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں ہے۔

مسئلہ : حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے 'البستان' میں لکھا کہ کفار کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ کیا ان پر نگران فرشتے (کراماً کاتبین) مقرر ہیں یا نہیں۔ بعض نے کہا نہیں ہیں اس لیے کہ ان کا امر (کفر) ظاہر ہے اور وہی ان کا ایک عمل سزا کے لیے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

یعرف المجرمون بسیماھم۔ (مجرمین اپنی نشانی سے پہچانے جائیں گے)

تردید قول مذکور ہم اس قول کے قائل نہیں، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ کفار کے لیے بھی نگران فرشتے (کراماً کاتبین) کے لیے بھی آیت کا نزول ہے۔ کیا اس کے قول کو نہیں دیکھتے ہو اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

بل تکذبون بالدین و ان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون۔ — بلکہ تم جزاء کی تکذیب کرتے ہو اور تم پر نگران فرشتے کراماً کاتبین ہیں جانتے ہو جو تم عمل کرتے ہو۔

اور دوسری آیت میں فرمایا :

واما من اوتی کتابہ بشمالہ۔ — اور وہ جو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

اور فرمایا :

واما من اوتی کتابہ وراء ظھرہ۔ — اور وہ جو نامۂ اعمال پیٹھ کے پیچھے دیا جائیگا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ کفار کے لیے نامہ ہائے اعمال اور نگران فرشتے (کراماً کاتبین) ہیں۔

سوال : کفار کی کوئی نیکی تو ہوتی نہیں پھر داہنا فرشتہ کیا لکھتا ہوگا؟

جواب : جو بائیں طرف فرشتہ لکھتا ہے وہ دائیں طرف والے سے اجازت لے کر لکھتا ہے اس معنی پر یہ گواہ ہے اگرچہ کچھ نہ بھی لکھے۔

فَسَوْفَ يَدْعُوْا (وہ عنقریب مانگے گا) بعد مدت مدید کے عذابِ شدید سے جس کی برداشت نہ کرتے ہوئے طلب کرے گا ثُبُوْرًا (موت) اپنے لیے موت کی تمنا کرے گا یعنی ہلاکت و تباہی کی، اور کہے گا یاثبوراہ تعال (ہائے موت آجا) فہذا اوانک (یہ تیرا آنے کا وقت ہے) لیکن اس وقت موت کہاں، یعنی جب اسے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال نہ ملے گا تو یقین کرے گا کہ وہ دوزخی ہے تو اس کی گفتار یہی ہوگی واثبوراہ۔

حلِ لغات الفراء نے کہا کہ اہلِ عرب کہتے ہیں، فلان یدعو لهفه فلاں افسوس پکارتا ہے یعنی کہتا ہے والهفاہ ہائے افسوس! بعض نے کہا الثبور مشتق ہے المثابرہ علی الشئ یعنی شے پر مداومت کرنا۔ اور آخرت کی ثبور کو اس لیے ثبور کہا گیا کہ وہ کافر کو لازم ہو گی اس سے کبھی زائل نہ ہوگی، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لا تدعوا الیوم ثبورا واحدا وادعوا ثبورا کثیرا۔	آج ایک ہلاکت نہیں بلکہ بیشمار ہلاکتیں مانگو۔

حکایت کشف الاسرار میں ہے کہ پیر بوعلی سیاہ بازار سے گزر رہے تھے کہ سائل کہہ رہا تھا بڑے دن کے صدقے مجھے کچھ دو۔ پیر بوعلی سیاہ سنتے ہی بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو پوچھا گیا کہ اس وقت بیہوشی کیوں؟ فرمایا: اس دن (قیامت) کی عظمت وہیبت سے کہ اس سے بڑھ کر بڑا دن اور کون ہے[1]۔ پھر فرمایا:

واحزناه علی قلة الحزن واحسرتاه علی قلة التحسر۔	افسوس قلتِ حزن پر افسوس قلتِ حسرت پر۔

یعنی جیسے اس دن کا حزن اور حسرت نہیں اس پر افسوس صد افسوس۔

وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا (اور بھڑکتی آگ میں جائیگا) اس میں داخل ہو کر اس کی گرمی میں جلے گا اس پر عذاب ہوگا بغیر کسی حائل کے اس کے جسم کو جہنم کی آگ جلائے گی۔

ف : اس میں دلیل ہے کہ ان کا ثبور (ہلاکت) کا پکارنا جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا اس کی

---

[1] بزرگوں کی باتیں عجیب ہوتی ہیں ایک دفعہ ہمارے شیخ خواجہ محکم الدین سیرانی قدس سرہٗ نے ایک دکاندار سبزی فروش کو یہ کہتے سنا، سوئے، پالک، چُوکا (یہ تینوں سبزیاں ہیں) آپ کو وجد آگیا۔ کسی نے پُوچھا: ایسا کیوں؟ فرمایا: وہ نصیحت کر رہا تھا کہ جو ایک پل سوئے وُہ چُوک گیا۔ اویسی غفرلہٗ

امام (فخرالدین رازی رحمہ اللہ) نے تصریح فرمائی ہے۔

سوال: قرآن مجید میں ہے:

فاذا ألقوا منها مکانا ضیقا دعوا هنالك ثبورا۔ جب جہنم میں ڈالے جائیں گے تو ثبور (ہلاکت) پکارینگے۔

یہ آیت صریح ہے کہ ثبور کا پکارنا جہنم میں داخل ہونے کے بعد ہوگا اور تم کہتے ہو پہلے ہوگا۔

جواب: ان میں منافات نہیں اس لیے کہ ان کا ہائے ہائے پکارنا جہنم میں داخل ہونے سے پہلے بھی ہوگا بعد میں بھی، بلکہ ہمیشہ ہوگا۔ علاوہ ازیں واؤ مطلق جمع کے لیے ہے نہ کہ ترتیب کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے اس شخص کی طرف جس کی کتاب استعداد فطری دیوان ازل میں اسمائے جلیلہ کے کاتبین کے قلم سے لکھی ہوئی ہے وہ دنیا میں آرزو کرتا ہے کہ کاش وہ فانی فی الحق ہوتا اور اپنی انیت سے ہلاک (فناء) ہو جاتا اور وہ جلے گا نارِ ریاضت ومجاہدہ میں، یہ اس کی پوری سزا ہے اس کی جو اس نے اپنے رب تعالیٰ کے امر کی مخالفت کی اس کے حکم ولیس البر بأن تأتوا البیوت من ظهورها (یہ نیکی نہیں کہ تم گھروں کو ان کی پشتوں سے آؤ) کی، یعنی ان کے غیر مدخل سے یعنی ظواہر اعمال پر محافظت کرنا اور ان کے بواطن کے حقوق کی رعایت نہ کرنا یعنی احوال میں تقویٰ نہ کرنا کیونکہ حضرت ربوبیت تک پہنچنا اور اس میں داخلے کا سبب تقویٰ ہے اور تقویٰ تمام نیکیوں کا جامع اسم ہے اعمالِ ظاہرہ یا احوال باطنہ ایسے ہی اتباع الموافقات اور اجتناب المخالفات پر قائم رہنا بھی ضروری ہے حضرت قاشانی علیہ الرحمۃ نے فرمایا واما من اوتی کتابه وراء ظهره (جو نامۂ عمل پیٹھ کی جہت سے دیا گیا) یعنی اس جہت سے جو روح وجسم کی ظلمت سے متصل ہے اس لیے کہ انسان کا چہرہ وہ جہت ہے جو بدن ظلمانی کی جانب ہے۔ بائیں ہاتھ دئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا انسان صور الحیوانات میں ظلمات کی طرف لوٹایا جائے گا عنقریب وہ ثبور (موت) کو پکارے گا اس لیے کہ وہ ورطۂ ہلاکت روح اور عذاب ابدی میں مبتلا ہو جائے گا اور مهاوی الطبیعۃ کی نار آثار کی جہنم میں داخل ہوگا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهٗ (بے شک وہ) یعنی اس لیے کہ یہ جملہ مستانفہ ما قبل کی علت بیان کرنے کے لیے ہے **كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ** (تھا دنیا میں اپنے گھر والوں میں) یعنی اپنے اہل وعیال اور قبیلہ میں یا اپنے ان ساتھیوں سے جو اس کے ساتھ مسرور تھے، جیسے کہا جاتا ہے: جاءنی فلان فی جماعة (وہ میرے پاس آیا جماعت میں) یعنی ان کے ساتھ **مَسْرُوْرًا** (خوش) دولتمند اور اکڑباز خوش حال یعنی فانی مال پر نازاں وشاداں اور ناپائدار جاہ ومرتبہ پر خوش اور منعم کی

نعمتوں سے محجوب، جیسے اہلِ دُنیا فجار کا طریقہ ہے کہ امورِ آخرت میں سے کوئی امر بھی ان کے دل میں نہیں کھٹکتا اور نہ ہی اپنے انجام پر معمولی طور پر غور و فکر کرتے ہیں جیسے صلحا متقین کا طریقہ ہے کہ وہ ہر وقت متفکر رہتے اور انجام سے ڈرتے رہتے ہیں، جیسے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انا کنا فی اھلنا مشفقین (ہم اپنے گھروالوں میں ڈرنے والے تھے) خلاصہ یہ کہ کافر تھا فارغ تھا آخرت کے غم سے اس کے دل میں گھمنڈ تھا اس کی سزا دیا گیا غم سے جو باقی و دائمی ہے بخلاف مومن کے کہ اس کا دل دنیا میں گریہ و زاری میں رہتا تھا اس کی اسے سزا ملی کہ وہ ہمیشہ مسرور رہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ رُوح علوی وُہ جسے دائیں ہاتھ میں کتاب دی گئی اور نفس سفلی کی طرف اشارہ ہے جسے پیٹھ کے پیچھے کتاب دی گئی اور اس کے اہل سے مراد انسان کے قوائے جسمانیہ ظلمانیہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهٗ ظَنَّ بیشک اس نے گمان کیا یعنی یقین کیا (تفسیر الفاتحہ للفناری) اور فتح الرحمٰن میں لکھا کہ ظن یہاں پر اپنے معنیٰ پر ہے حسبان نہ کہ وہ ظن جو بمعنی یقین ہے یہ اس کے سرور کی تعلیل ہے جو اسے دُنیا میں تھا یعنی اس کافر نے دنیا میں گمان کر رکھا تھا اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ (کہ اسے پھرنا نہیں) اللہ تعالیٰ کی طرف ہرگز نہیں لوٹے گا تکذیب کے طور گمان کرتا تھا کہ مرنے کے بعد اُٹھنا ہے ہی نہیں۔

حل لغات الحور الرجوع (لوٹنا) المحار المرجع والمصیر (لوٹنے کی جگہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں یحور کا معنیٰ نہیں جانتا تھا یہاں تک کہ میں نے ایک اعرابی عورت (دیہاتی) سے سنا وُہ اپنی لڑکی کو کہتی تھی حوری، حوری ارجعی (لوٹ آ)۔ اور کہا جاتا ہے حوالی اھلك (اپنے گھروالوں کے پاس لَوٹ)۔ حدیث شریف اسی محاورہ سے ہے نعوذ باللہ من الحور بعد الکور یعنی الرجوع عن حالۃ جمیلۃ (ہم پناہ مانگتے ہیں اچھی حالت سے بُری حالت کی طرف لوٹنے سے)

ف: الحواری اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ کپڑے کو سفیدی کی طرف لوٹاتا ہے۔

بَلٰی (ہاں کیوں نہیں) مابعد لفظ لَنْ کے لیے ایجاب ہے یعنی ہاں ضرور لوٹو گے اس طرح نہیں جیسے کافر کا گمان ہے اِنَّ رَبَّهٗ (بیشک اس کا رب) جس نے اُسے پیدا کیا کَانَ بِهٖ اس کے اعمال جو جزا کا موجب ہیں کو جار بَصِیْرًا (دیکھ رہا ہے) کے متعلق ہے یعنی اس سے کوئی شے مخفی نہیں، تو لوٹنا اور اعمال کا حساب و جزا حتمی اور لازمی ہے اس لیے کہ اس کی حکمت

کے لیے ناجائز ہے کہ اسے مہمل (بیکار) چھوڑ دے اور اسے بُرے اعمال کی سزا نہ دے۔ یہ تمام مکلّفین کو معاصی سے زجر ہے۔

ف: حضرت واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دیکھ رہا ہے کہ اس نے پیدا کیا اور کیوں پیدا کیا اور کس شئے سے پیدا کیا اور اس کے لیے سعادت مقدر فرمائی یا شقاوت اور اس کے لیے اجل و رزق کیا لکھا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ (قسم ہے شفق کی) شفق سے مراد ہے وہ سرخی جو غروبِ شمس اور اس کی غیبوبہ کے بعد افقِ مغرب میں دیکھی جاتی ہے اس میں مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے، یہ عامہ علماء کا مذہب ہے۔ یا وہ سفیدی جو اسی سرخی کے اختتام پر شروع ہوتی ہے اس میں عشاء کا وقت داخل نہیں ہوتا۔ بعض نے کہا کہ وُہ سفیدی بالکل غائب نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک افق سے دُوسرے افق کی طرف چلی جاتی ہے (اس کی تحقیق سورۂ مزمل شریف میں گزری ہے)

ف: سیّدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی روایات میں ایک یہی روایت ہے اور مروی ہے کہ آپ نے اس قول سے رجوع فرمالیا تھا اسی لیے فتویٰ قول اول پر ہے وہی قول امامین (امام ابویوسف و امام محمد رحمہم اللہ) وغیرہما کا ہے۔

ف: اسے اس نام سے (دونوں معنوں پر) اس کی رقّت کی وجہ سے موسوم کیا گیا لیکن اسے سفیدی کے معنیٰ سے زیادہ مناسبت ہے اس لیے کہ وہ شفقت سے ہے اور شفقت یہی رقت قلبی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ شمس یعنی دھوپ (روشنی) رقت و ضعف میں اس وقت شروع ہوتی ہے جب سورج غائب ہو جائے یہاں تک کہ اس پر رات کی سیاہی آفاق (تمام کناروں) پر غالب ہو جائے۔

ف: حضرت عکرمہ و مجاہد رضی اللہ عنہما نے فرمایا: شفق دن کو کہتے ہیں کیونکہ شفق شمس (سورج) کا اثر ہے اور سورج دن کا ستارہ ہے اس کا اثر نہار (دن) ہے۔ اس تقریر پر قسم (بالشفق میں) رات اور دن دونوں پر واقع ہوگی اس لیے کہ ایک میں معاش ہے دوسرے میں مساکن (سکون) ہے اور دونوں سے امورِ عالم کو قیام ہے۔

حل لغات

المفردات میں ہے کہ الشفق بمعنی غروبِ شمس کے وقت دن کی روشنی کا رات کی سیاہی سے اختلاط۔

تفسیر صُوفیانہ

(۱) امام قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا اقسم بالشفق قسم ہے اس نوریّہ کی جو فطرت انسانی سے افق بدن میں غروب و محجوب کے بعد جو ظلمت نفس سے مل گئی ہے اس کی قسم سے اس کی عظمت کا اظہار ہے اس سے کسب کمال اور درجات میں ترقی کا امکان ہے۔

(۲) تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شفق کی قسم یاد فرمائی اس لیے کہ وحدت حقیقیہ ذاتیہ اور کثرۃ نسبیہ اسمائیہ کی مظہر ہے کیونکہ درحقیقت شفق لیل وحدۃ کے سواد اور کثرت نہار کے بیاض کے درمیان برزخ ہے اسی لیے وہ اس لائق ہے کہ اس کی قسم یاد کی جائے۔

نکتہ اللیل وحدت کی مظہر اس لیے کہ اشیاء محسوسہ اس میں ایسے فنا ہو جاتی ہیں جیسے تعینات حقیقۃ الوحدۃ میں اس پر آیت وجعلنا اللیل لباسًا (ہم نے رات کو لباس بنایا) دلالت کرتی ہے کیونکہ اشیاء رات کی سیاہی میں چھپ جاتی ہیں اور فرمایا: وجعلنا النھار معاشًا (اور ہم نے دن کو معاش کا سبب بنایا) دلیل ہے کہ نہار کثرت کا مظہر ہے کیونکہ اس میں اشیاء کا ظہور ہوتا ہے اور امورِ کثیرہ کی معاش اسی پر مشتمل ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ اور قسم ہے رات کی اور جو چیزیں اس میں جمع ہوتی ہیں۔

حلِ لغات: امام راغب نے فرمایا کہ الوسق بمعنی متفرق کو جمع کرنا۔ اب معنیٰ ہوا قسم ہے رات کی اور اس کی جسے اس نے جمع کیا اور اپنے میں ملایا اور اسے اپنی ظلمت میں چھپایا۔ اس معنی پر ما موصولہ ہے۔ کہا جاتا ہے: وسقہ فاتسق واستوسق (اس نے اسے جمع کیا تو وہ جمع ہو گیا) اور دونوں (اتساق واستیساق) وسق کے مطاوع ہیں اور ما سے مراد وہ چیزیں ہیں جو رات میں جمع ہو جاتی ہیں اور اس میں پناہ لیتی اور گزارتی ہیں اپنے مکان میں، جیسے جانور وحشرات و ہوام وسباع (درندے) وغیرہ، وہ اس لیے کہ جب رات ہوتی ہے تو ہر شے اپنے ٹھہرنے کی جگہ میں جمع ہو جاتی ہے ورنہ اس سے قبل دن میں سب کے سب منتشر تھے۔

تہجد گزاروں کی قسم آیت میں تہجد گزار حضرات بھی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صبح کو اٹھ کر استغفار کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے تو ما وسق سے وہی لوگ مراد ہوں تو جائز ہے اور انکی قسم یاد کرنا موزوں ہے۔

تفسیر صوفیانہ

(۱) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے ظلمت بدن کی رات کی اور وہ جو اس میں جمع ہیں قویٰ وآلات واستعدادات جن سے اکتساب علوم و فضائل اور ترقی فی المقامات اور مراہب وکمالات حاصل کرنا ممکن ہے۔

(۲) تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ قسم نفس مطمئنہ کی جو نفس امارۃ کی تاریکی میں پوشیدہ ہے اور پہنچنے مقام مامول کے اور یہ نفس حکم نفس امارہ کی طرف رجوع سے مطمئنہ ہے اور اس کے لیے تلوین فی التکوین باقی ہے یعنی ان کاملین کے اوصاف اس میں باقی ہیں جو ذریتہ محمدیین کہلاتے ہیں اسی لیے اسے اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کا حکم ہے۔ چنانچہ فرمایا:

یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک۔ اے نفس مطمئنہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کر۔

اس رجوع سے مقصود ذاتی نفس رجوع نہیں بلکہ مقصود کل ہے یعنی مرجوع الیہ سے اتصال اور وما وسق کا معنی ہے وہ جو جمع ہیں اس میں قوائے روحانیہ جو نفس امارہ کے یدِ تصرف سے نجات پا چکے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ (اور قسم ہے چاند کی جب پُورا ہو) مجتمع اور کامل ہو یعنی چودھویں شب کو۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے پُر ہو چاندنی راتوں میں۔

حل لغات کہا جاتا ہے: امورفلاں متسقۃ - اس کے جملہ امور صلاح پر مجتمع ہیں جیسے اس کے لئے کہا جائے منتظمۃ"۔ قاموس میں فرمایا کہ وسقہ یسقہ بمعنی جمعہ وجلہ، اسے جمع کیا اور اٹھایا۔ اسی سے ہے واللیل وماوسق والتسق انتظم۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کی قسم اس لیے یاد فرمائی کہ ان میں ایک حال سے دوسرے حال میں پھرنا ہوتا ہے اسی لیے قسم یاد کرنے کے لیے مناسب ٹھہرے یعنی اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی ان تغیرات کی جو افلاک وعناصر میں ہیں احوال خلق کے تغیر پر، مثلاً شفق کی حالت اپنے ماقبل یعنی ضوءِ نہار (دھوپ) کے اور اپنے مابعد یعنی رات کی تاریکی کے مخالف ہے ایسے ہی واللیل وما وسق دلالت کرتا ہے نور کے بعد ظلمت کے حدوث پر ایسے ہی احوال حیوانات کے تغیر کا حال ہے کہ بیداری سے نوم کی طرف تبدیل ہوتے ہیں ایسے ہی والقمر اذا اتسق دلالت کرتا ہے کمال قمر پر بعد اس کے کہ وُہ ناقص تھا۔

تفسیر صُوفیانہ (۱) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے قمر قلب صاف کی خسوف نفس سے جب جمع ہوں اور قلب کا قمر مکمل ہو کر کامل ہو جائے۔

(۲) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قمر کی قسم میں عارف کے قلب کی طرف اشارہ ہے جب دائرہ کی شکل میں ہو کر چودھویں کے چاند کی طرح ہو جائے۔

تفسیر عالمانہ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ (ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے) طبقاً لترکبن کا مفعول ہے یعنی تم ملو گے ایک حال سے دوسرے حال کو یعنی پہنچو اور تلاش کرو ایک حال کو دوسرے حال کے بعد جو دونوں شدت وفظاعۃ میں ایک دوسرے کے مطابق ہوں۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے ماھذا یطبق ھذا (یہ فلاں کے مطابق نہیں) یعنی لا یطابقہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مطابقۃ اسمائے متضایفہ میں سے ہے وہ یہ کہ شے کو دوسری پر اس کی قدر کے مطابق کیا جائے جیسے طابقت النعل بالنعل (میں نے جوتے کو دوسرے جوتے کے مطابق کیا) اور کبھی اس کا اطلاق اس شے میں ہوتا ہے جو ایک شے کے کبھی موافق ہو کبھی دوسری شے کے۔ بعض نے کہا طبق طبقۃ کی جمع ہے بمعنی مرتبہ' وہی زیادہ موافق ہے دکوب کو جو اعتلاء کے معنیٰ کی خبر دیتا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم احوال پر چڑھو گے احوال کے بعد یعنی طبقات پر جو شدۃ میں بعض اپنے دوسرے سے سخت تر ہو گا مثلاً موت اور اس کے مابعد کے قیامت کے مواطن اور اس کے ہولناک مناظر یہاں تک کہ دارین کی ایک دار میں ٹھہرنا نصیب ہو۔

ف : اسے مُفرد کے صیغہ سے پڑھا گیا ہے یہ انسان کو خطاب ہے باعتبار لفظ کے نہ اعتبار اس کے شمول کے تمام افراد کو' جیسے پہلی قرأۃ میں تھا اور عن طبق محلاً منصوب ہے اس لیے کہ طبقاً کی صفت ہے یعنی ایک طبق سے تجاوز کر کے دوسرے طبق پر' یا مشرکین کی ضمیر سے حال ہے یعنی درانحالیکہ تم تجاوز کرنے والے ہو طبق کے لیے' یا تو تجاوز کرنے والا ہو' اے انسان علی قرأۃ ثانیہ' اس تقریر پر عن اپنے مشہور معنےٰ میں ہے یعنی المجاوزۃ اسے کلمہ بعد کے معنی میں کہنا حاصل معنی کی تفسیر ہے نہ یہ کہ عن بمعنی بعد ہے۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ عن بمعنی بعد اس لیے کہ انسان جب ایک شے سے دوسری شَے کی طرف پہنچتا ہے تو وہ پہلی حالت کے بعد ہوا اسی لیے اس کے لیے جائز ہے کہ وہ بعد کے معنیٰ میں ہو نیز عن مجاوزہ و بُعد کا معنی دیتا ہے اور لفظ بُعد کے مشابہ ہے اسی لفظی مناسبت سے عن بُعد کے معنی میں آیا ہے ایسے ہی ایک دوسرے میں آتے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہاں اس قلب انسانی کو خطاب ہے جو گونا گوں ریاضات اور طرح طرح کے مجاہدات اور تقلبات سے ان احوال سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہے جو شدۃ و مشقۃ میں جیسے بھوک شب بیداری اور خاموشی اور عزلت (گوشہ نشینی) وغیرہ ایک دوسرے کے مطابق ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (تو کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے) یعنی جب ان کا یہ حال ہو گا قیامت میں' جیسے مذکور ہوا تو پھر ان کا کیا حال ہے کہ وہ جو ایمان نہیں لاتے یعنی انہیں ایمان لانے سے کون سی شے مانع ہے جبکہ اس کے موجبات کی تائیدات ان کے ہاں بہت زیادہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں نفس و ہوٰی و قوائے بشریہ طبعیہ کی طرف اشارہ ہے اور ان کا ایمان نہ لانا قلب کی طرف ایسے ہی اس کے امر کی احکام شریعۃ و آدابِ طریقت و آثار حقیقت میں اتباع نہ کرنا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا قُرِئَ عَلَیۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا یَسۡجُدُوۡنَ (اور جب ان پر قرآن پڑھا جائے سجدہ نہیں کرتے) جملہ شرطیہ محلاً منصوب علی الحالیۃ ہے ما قبل سے منسلک ہے، یعنی انہیں کون روکتا ہے ان کے حال عدم سجود و خضوع اور عاجزی سے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قرآن پاک پڑھتے ہیں یا آپ کا کوئی صحابی یا اُمتی، تو یہ بھی اہلِ زبان ہیں ان پر واجب ہے کہ وہ اعجازِ قرآن پر جزم کریں جب اسے سنیں اور عقیدہ رکھیں کہ یہ کلامِ الٰہی ہے اور یقین کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم دعوئے نبوت میں سچے ہیں پھر جملہ اوامر و نواہی میں ان کی اطاعت کریں۔

مسئلہ: ممکن ہے اس سے تلاوت القرآن کا نفس سجدہ مراد ہو اور القرآن سے خصوصیت سے یہی آیتِ سجدہ مراد ہو نہ کہ مطلق قرآن۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے پڑھا واسجد واقترب (سجدہ کر اور قریب ہو) آپ نے اور آپ کے تمام اصحاب رضی اللہ عنہم نے سجدہ کیا، اس پر قریش (کے مشرکین) تالیاں اور سیٹیاں بجانے لگے۔

مسئلہ: اسی سے امامِ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سجدۂ تلاوت کے وجوب کا استدلال فرمایا ہے۔

قاعدۂ اصول فقہ: جس فعل کے ترک پر مذمت کی جائے وہ فعل واجب ہوتا ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ آیت کی تلاوت پر سجدہ فرمایا ایسے ہی خلفاءِ راشدین نے۔ اور کل سجدے چودہ ہیں یہ ان کا تیرھواں ہے۔

مسئلہ: ہمارے ائمہ (احناف) کے نزدیک سجدۂ تلاوت پڑھنے سننے والے دونوں پر واجب ہے اس کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔

ف حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ مفصل (سورتوں) میں کوئی سجدہ نہیں۔ ایسے ہی حضرت حسن (بصری رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یہ سجدہ غیر واجب ہے۔

مسئلہ: ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک یہ سجدہ لا یسجدون پر ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سورۃ کے اختتام پر۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب پڑھا جاتا ہے نفس و ہوٰی اور قوٰی بشریہ طبعیہ پر مواعظ الٰہیہ قرآنیہ جو رسول قلب پر نازل ہوئے ہیں پڑھے جاتے ہیں تو سُن کر یہ عجز و نیاز اور انقیاد (فرمانبرداری) نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے اوامر ادا کرتے اور نہ ہی اس کے نواہی سے رُکتے اور نہ ہی دیگر احکام بجالاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ بَلِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُکَذِّبُوْنَ (بلکہ کافر جھٹلا رہے ہیں) قرآن ناطق کو جو مذکور ہوئے قیامت احوال واہوال کو باوجودیکہ اس کے موجبات تصدیق متحقق ہیں اسی لیے اس کی تلاوت کے وقت خشوع وخضوع نہیں کرتے یہ وضع الظاہر موضع المضمر کے قبیل سے ہے تاکہ ان کے کفر پر مُہر ثبت ہو، اور آگاہ کرنا ہے کہ یہی ان کے عدمِ خضوع کی علت ہے۔

ف: سورۃ البروج میں فی تکذیب الخ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دونوں سورتوں (انشقاق و بروج) کے فواصل آیات کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے اور اس طرح معنیٰ ولفظ میں بھی تغیر نہیں آیا اور معنیٰ کی جودت بھی بحال رہی ہے۔

ف: بعض تفاسیر میں ہے کہ تکذیب کا معنیٰ ہے قلبی طور تکذیب کرنا اور یہی ظاہر یعنی عدم تصدیق اور یہ اضراب (رُوگردانی) میں ترقی ہے اس لیے کہ عدمِ ایمان شک سے بھی ہوتا ہے اور تکذیب شدۃ الکفر سے اور قاعدہ ہے کہ قوت انکار اضراب (روگردانی) پر اُبھارتی ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُوْعُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ خُوب جانتا ہے جو اپنے جی میں رکھتے ہو) جو اپنے قلوب میں چھپاتے اور اپنے سینوں میں جمع کرتے ہو کفر وحسد اور بغی وبغض، اللہ تعالیٰ اس پر تمہیں دُنیا وآخرت میں سزا دے گا۔ اس معنیٰ پر ما موصولہ ہے۔

حلِ لغات کہتے ہیں: ادعیت الشیٔ (میں نے شے کو برتن میں رکھا) پھر وہ، اور الوعی استعارہ کیا گیا ہے حفظ کے معنیٰ کے لیے، یا یہ کہ وُہ خود اپنے نامۂ اعمال میں جمع کر رہے ہیں اور بُرائیوں کا ذخیرہ بنا رہے ہیں اپنے لیے گُوناگُوں عذاب سے جنہیں قیامت میں انہیں تفصیل سے معلوم ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے وہ جو اپنے نفوس اور بواطن کے برتنوں میں محفوظ کر رہے ہیں اعتقادات فاسدہ اور ہیآت فاسقہ سے۔

اور حضرت نجم الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے ان کا شہواتِ دنیا میں غرق کرنا اور میزان عذاب اُخرویہ میں جلانا مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (تو کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دو) انتہائی دردناک عذاب، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم مذکور یقینی طور ان کے عذاب کرنے کا

موجب ہے یعنی ان کے ساتھ بھی استہزاء و تہکم ہو گا جیسے یہ آج اہلِ اسلام فقراء و مساکین کر رہے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ یستھزئ بھم (اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنی شان کے لائق استہزاء فرمائے گا) کیونکہ خوشخبری کو ان کی دردناک خبر کے بجائے استعمال کرنا اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں کو خبر دو دردناک عذاب کی۔ اس میں اہلِ ایمان کو خوش کرنے کی خبر ہے کہ انہیں ثواب خوش کُن عطا ہو گا جس سے انہیں راحتِ جسمانیہ و روحانیہ نصیب ہو گی اس لیے کہ تخصیص فضول نہیں (بلکہ کسی خاص اشارہ کے لیے ہے)

اسی لیے فرمایا اِلَّا الَّذِیْنَ (مگر جو) یہ استثناء منقطع ضمیر منصوب سے ہے جو کہ فبشرھم میں الذین کفروا کی طرف راجع ہے اور مستثنیٰ وہی اہلِ ایمان ہیں جو ان سے خارج ہیں یعنی وہ جو اٰمَنُوْا (ایمان لائے) سچا اور پکا، اور ایمان علمی، اپنے قلوب کو کدورتِ نفس سے صاف کر کے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور اچھے کام کئے) طاعات مامور بہا سے اور اکتساب فضائل سے لَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ (ان کے لئے وُہ ثواب ہے کہ کبھی ختم نہ ہو گا) غیر ممنون بمعنی غیر مقطوع بلکہ متصل (مسلسل) دائم۔

حلِ لغات

مَنّ مَنًّا سے ہے بمعنی قطعہ قطعا اسے کاٹا کاٹنا یا بمعنی ممنون بہ علیھم ان پر منت لگایا ہُوا۔ اس لیے کہ منت نعمت کو مکدر کر دیتی ہے از من علیہ منۃ لیکن پہلا معنی ظاہر ہے، دوسرا معنی تحقیق الاجر کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ ماجور اپنے عملِ طاعت لربہ کی وجہ سے اجر کا مستحق ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جیسے اس کا فضل ہُوا کہ اس نے عمل پر قدرت عطا فرمائی اور اپنے فضل و کرم سے ہدایت بخشی۔

ملفوظِ حسن بصری رضی اللہ عنہ

سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ دنیا میں بڑے جوانمرد و سخی کہ تمام مال و دولت لٹا کر بھی کسی پر منت و احسان نہ جتلاتے اور اپنی ذات کے لیے سخت بخیل کہ ایک لمحہ ضائع نہ کرتے نہ باپ کے لیے نہ بیٹے کے لیے۔

تفسیر صُوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ان کے لیے اجر ہے آثار و صفات کے ثواب سے جنۃ نفس و قلب میں غیر مقطوع کیونکہ وہ کون و فساد سے بیزار اور مواد سے متجرد تھے۔

اور تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الا الذین اٰمنوا الخ وہ جو ایمان لائے روح و سر و قلب اور ان کے قوائے روحانیہ سے وعملوا الصّٰلحٰت (اچھے اعمال کیے) دنیا سے روگردانی اور اللہ تعالیٰ

کی طرف توجہ کی لھم اجر غیر ممنون ان کے لیے اجر ہے نفوس و اجتہاد و اکتساب کی منت سے نہیں بلکہ فضلِ ربانی ورحمتِ یزدانی ہے۔

نکتہ بعض علماء کرام نے فرمایا کہ ان سورتوں کی ترتیب میں نکتہ یہ ہے سورۃ انفطار میں نگران ملائکہ (کراماً کاتبین) کی تعریف تھی سورہ مطففین میں نامہ ہائے اعمال کے مستقر کی تعریف تھی اس سورۃ انشقاق میں وہی نامہ ہائے اعمال بارگاہِ حق میں پیش ہوئے، ہر وقت عطا کا بیان ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

فراغت صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ تفسیر سورۃ الانشقاق کی تفسیر ملک خلاق کی مدد سے صفر الخیر کی آخری تاریخ ۱۱۱۷ھ میں مکمل ہوئی۔

فراغت مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ سورۃ الانشقاق کی تفسیر کے ترجمہ سے ۹ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۸۹ء بروز جمعرات فارغ ہوا۔ الحمد للہ علی ذلک۔

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اٰيَاتُهَا ۲۲ رُكُوْعُهَا ۱

سورہ بروج مکیہ ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — بائیس آیتیں ہیں

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝١ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝٢ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝٣ قُتِلَ اَصْحٰبُ

قسم آسمان کی جس میں برج ہیں اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے اور اس دن کی جو گواہ ہے اور اس دن کی جس میں حاضر

الْاُخْدُوْدِ ۝٤ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝٥ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝٦ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ

ہوتے ہیں کھائی والوں پر لعنت ہو اس بھڑکتی آگ والے جب وہ اس کے کناروں پر بیٹھے تھے اور وہ خود گواہ ہیں جو کچھ مسلمانوں

بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝٧ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝٨

کے ساتھ کر رہے تھے اور انہیں مسلمانوں کا کیا برا لگا یہی نہ کہ وہ ایمان لائے اللہ عزت والے سب خوبیوں سراہے پر

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ

کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے بے شک جنھوں

فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ

نے ایذا دی مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو پھر توبہ نہ کی ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے آگ

الْحَرِيْقِ ۝١٠ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کا عذاب بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں

الْاَنْهٰرُ ڛ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ۝١١ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ۝١٢ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ

رواں، یہی بڑی کامیابی ہے بے شک تیرے رب کی گرفت بہت سخت ہے بے شک وہ پہلے کرے، اور

وَيُعِيْدُ ۝١٣ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝١٤ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝١٥ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝١٦ هَلْ

پھر کرے اور وہی ہے بخشنے والا اپنے نیک بندوں پر پیارا عزت والے عرش کا مالک ہمیشہ جو چاہے کر لینے والا کیا تمہارے

اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ۝١٧ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ۝١٨ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ۝١٩

پاس لشکروں کی بات آئی وہ لشکر کون فرعون اور ثمود بلکہ کافر جھٹلانے میں ہیں

وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ۝٢٠ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝٢١ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝٢٢ ع

اور اللہ ان کے پیچھے سے انہیں گھیرے ہوئے ہے بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے لوح محفوظ میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع وہ مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ

وَالسَّمَآءِ (قسم آسمان کی) جو علوی جرم والا ہے وہ آسمان ہے اس میں عرش داخل ہے ذَاتِ الْبُرُوْجِ جس میں برج ہیں، بُرج کی جمع بمعنی القصر (محل) بروج سے وہ بارہ ستارے مراد ہیں جو فلک اعلیٰ میں ہیں۔ السماء سے فلک الافلاک مراد ہے۔ لیکن سعدی المفتی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شرع میں فلک الافلاک کا اطلاق عرش پر ہوتا ہے نہ کہ آسمان پر۔ یہ بھی جائز ہے اس سے وہ فلک مراد ہو جو ہمیں قریب تر ہے۔ یہ آیت ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح (بیشک ہم نے آسمان کو مصابیح سے سنگارا) کی طرح ہے۔ سعدی مفتی کے جواب میں وہی کافی ہے جو ہم نے کہا کہ آسمان سے مراد علوی جرم والا ہے۔

نکتہ: آسمان کو قصور (محلات) سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ اس میں اکابر و اشراف مخلوق نازل ہوتی ہے کیونکہ وہ سیارات کی منازل و ثوابت کی قرارگاہیں ہیں۔

ف: حضرت امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بروج کے اسماء یہ ہیں:

(۱) الحمل اس سے ابتدا ہوتی ہے اس لیے استدراۃ الافلاک کا مبدا ر برج حمل ہے جیسا کہ علم الافلاک میں ہے اسی برج میں نیسان ہے اسی میں عشرون تمام ہوتے ہیں۔

ولادت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقت

اسی سے ہے ولادت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اسی سے نبی علیہ السلام کی ولادت طلوع الغفر کے وقت ہوئی۔ الغفر بفتح الغین المعجمہ وسکون الفاء قمر کی منزل ہے یہ تین چھوٹے ستارے ہیں اور غفر ماہ کے ظاہر میں پہلی رات کو طلوع کرتا ہے کیونکہ اس کا وقت النطح سے نطح شرطان کو کہا جاتا ہے الشرطان بالمعجمہ و بفتحتین یہ حمل کے دو ستارے ہیں یہ دونوں اس کے قرن ہیں ان کی جنوبی جانب میں اور قاموس میں ان دونوں کی جانب شمالی میں ایک چھوٹا سا ستارہ ہے۔ بعض نے کہا یہ اس کو ان دونوں سے ملا کر تین سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے ان تینوں چھوٹے ستاروں کی منزل ایک ہے۔ گویا وہ چولھے کا پایہ ہیں وہی لبطن الحمل ہے۔

(۲) حمل کے بعد ثور ہے۔

(۳) پھر جوزاء ہے اسے نسر بھی کہا جاتا ہے اور جبار اور توأمان بھی۔ اور قاموس میں ہے کہ توأم جوزار کی منزل ہے اور جوزار کا سر ھقعۃ ہے یہ تین ستارے ہیں جوزار کے دو کاندھوں کے اوپر۔ جونہی یہ فجر کے وقت طلوع کرتا ہے موسم گرما کی گرمی سخت ہو جاتی ہے۔

(۴) السرطان (المہملہ) (۵) اسد (۶) سنبلہ (۷) میزان (۸) عقرب

عقرب میں سے دو زبانین ہیں وہ دونوں اس کے قرن ہیں اور دونوں چمکیلے ستارے ہیں کما فی القاموس زبانیین اور اسد کے دو سرینوں اور پاؤں کے درمیان سماک ہے وہ دو ستارے ہیں، سماک بروزن کتاب اس کے ساتھ ہی عفر طلوع کرتا ہے یہی انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا وقت ہے اسی کے بارے میں کہا ہے: ؎ خیر المنازل فی الابد

بین الزبانی والاسد

ترجمہ: ہمیشہ بہترین منزل ہے زبانیین و اسد کے درمیان۔

کیونکہ اسد سے اس کی ذنب (دُم) متصل ہے اور اس میں کوئی ضرر نہیں اور عقرب سے اس کے دو زبانیین ہیں ان میں کوئی ضرر نہیں ضرر اس کی ذنب (دُم) سے ہے جب وہ اسے اوپر کرے یعنی ضرر شولۃ سے ہے اور منازل میں شولۃ وہ ہے جو عقرب اپنی دُم اونچی کرے۔ وہ دو ستارے چمکیلے ہیں انہیں چاند نورانی کرتا ہے انہیں حمۃ العقرب (عقرب کا ڈنک اور زہر) کہا جاتا ہے۔

(۹) قوس (۱۰) جدی (۱۱) دلو

(۱۲) حوت وہ دلو کی رسّی ہے یہی قمر کی منزل ہے جسے بروج اور منازل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی بارہ برجوں پر مہینے مقرر فرمائے۔ چنانچہ فرمایا:

ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا۔ — بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ ماہ ہے۔

فصول اربع کی تفصیل

کشف الاسرار میں ہے کہ یہ بروج چار فصلوں پر مشتمل ہیں ان میں ایک فصل بہار کا ہے تین ماہ کا سورج ان تینوں مہینوں میں حمل و ثور و جوزاء میں ہوتا ہے:

فصل دوم گرمیوں کا ہوتا ہے، اس کے بھی تین ماہ ہیں ان تینوں مہینوں میں سورج سرطان و اسد و سنبلہ میں رہتا ہے۔

تیسرا فصل خریف کا ہے اس میں سورج تین مہینے تین ستاروں میزان و عقرب و قوس میں ہوتا ہے۔

چوتھا فصل سرما کا ہے تین ماہ سورج جدی و دلو و حوت میں ہوتا ہے۔

ان چاروں فصلوں کی ہر ایک کی اپنی اپنی طبیعت ہے اور ان چاروں میں سورج کی گردش بھی مختلف ہے۔

تحقیق مزید از صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ

فقیر (صاحبِ رُوح البیان) کہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے، فصلِ ربیعی عبارت ہے تین ماہ سے: (۱) اُذار (۲) نیسان (۳) اُیار

جب پہلے ماہ کی سترہ راتیں گزرتی ہیں تو دن رات برابر ہو جاتے ہیں یعنی ہر ایک بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے پھر دن رات سے ایک جَو کے برابر بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ سترہ دن حزیران کے گزرتے ہیں تو فصل صیف (موسم گرما) شروع ہو جاتا ہے اس کے بعد تموز ہے اس کے بعد اغستوس ہے اس میں دن پندرہ گھنٹے اور رات نَو گھنٹے کی ہوتی ہے یہی دن سال کے تمام دنوں سے بڑا ہوتا ہے اور رات سارے سال کی راتوں میں سب سے چھوٹی ہوتی ہے، پھر رات بڑھنے لگتی ہے اسی طریقے سے جیسے دن ایک جَو کی مقدار بڑھتا تھا یہاں تک کہ سترہ دن ایلول کے گزرتے ہیں تو فصل خریف شروع ہو جاتا ہے اس کے بعد تشرین اول ہے جو خریف کا وسط ہے پھر تشرین ثانی ہے یعنی فصل خریف کا آخری ہے اس میں دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں اس کے بعد رات بقدر جَو بڑھنے لگتی ہے یہاں تک کہ سترہ دن کانون اوّل کے گزرتے ہیں یہی اول فصل شتاء ہے پھر کانون ثانی ہے پھر شباط ہے اس میں طول اللیل انتہاء کو پہنچتا ہے کہ رات پندرہ گھنٹے کی اور دن نو گھنٹے کا ہوتا ہے یہی سال کے تمام دنوں میں سب سے چھوٹا دن ہے یہی حساب سالانہ قیامت تک جاری رہے گا اللہ تعالیٰ یہی دن میں رات کو داخل کرتا ہے کہ رات کی ساعات گھٹا کر دن کی ساعات بڑھاتا ہے بلکہ جب کانون اول کے سترہ دن گزرتے ہیں تو پھر یہی گنتی حزیران کی گزرتی ہے تو چھ ماہ ختم ہوتے ہیں یعنی:

(۱) کانون اول (۲) کانون ثانی (۳) شباط (۴) اذار (۵) نیسان (۶) ایار

پھر دن کو رات میں داخل کرتا ہے یعنی دن کی ساعات گھٹا کر رات کی ساعات بڑھاتا ہے اور یہ بھی چھ ماہ میں:

(۱) حزیران
(۲) تموز
(۳) اغستوس
(۴) ایلول
(۵) تشرین اول
(۶) تشرین ثانی

یہ سب عزیز علیم کے اندازے اور اس کے پھیرے پر ہے اجرام علویہ کو نہج مستقیم پر۔

ف: بروج سے مراد نجوم ہیں جو کہ قمر کی منزل ہے اور یہ اٹھائیس ہیں جن کے ہر ایک میں ایک منزل طے کرتا ہے کہ نہ اس میں خطا کرتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے جب چاند آخری منزل پہ پہنچتا ہے تو باریک ہو کر

قوس کی شکل اختیار کرکے دو راتیں چھپ جاتا ہے اگر ماہ تیس دنوں کا ہو۔ اگر انتیس کا ہو تو صرف ایک رات چھپتا ہے۔

نکتہ : نجوم کو بروج کہنا قصور سے تشبیہ کی وجہ سے ہے کہ قمر اس میں نزول فرماتا ہے گویا وہ برج اس کیلیے بمنزلہ قصر (محل) کے ہے اور ان سے ظاہر ہونے کی وجہ سے بہ نسبت بعض لوگوں کے، جیسے عرب، اس لیے کہ بُرج اس کے ظہور سے خبر دیتا ہے اور ساتھ ساتھ اس کے محاسن پر مشتمل ہونے کے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: تبرجت المرأۃ (عورت بُرج کے مشابہ ہوئی) محاسن کے اظہار میں۔ ہاں بارہ بروج کو ظہور نہیں انھیں محسوس نہیں کیا جا سکتا اور بروج بارہ ہیں انہی اٹھائیس منازل پر منقسم ہیں اور سورج ان تمام بروج بارہ میں سال بھر چلتا ہے اور چاند صرف ایک ماہ میں اور ان سے بندگانِ خدا کے لیے منافع و مصالح متعلق ہیں ان کی اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی ان کے قدر و شرف کے اظہار کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں رُوحِ انسانی کی طرف اشارہ ہے کہ وُہ ترقی و درجات میں صاحبِ مقامات ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ اور قسم ہے اس دن جس کا وعدہ ہے یعنی یوم القیامۃ کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم یاد فرمائی، تنبیہ ہے اس کی قدر و شرف پر اس حیثیت سے کہ وُہ فیصلے اور جزا کا دن ہے وہ دن ہے جس میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ملک اور حکم ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے روح کے آخری درجات کی طرف کشف توحید ذاتی کے اور وہ ہے قیامت کبریٰ۔

تفسیر عالمانہ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ (اور قسم ہے اس دن کی جو گواہ ہے) اس دن تمام اولین و آخرین حاضر ہوں گے اور انسان اور جن اور ملائکہ کرام و انبیاء عظام (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) اور حاضر ہوں گے اس میں عجائب و غرائب۔

(صاحبِ رُوح البیان قدس سرہ العزیز صفحہ ۳۸۵ پر ردِّ وہابیہ دیوبندیہ رقمطراز ہیں:)

فالشاهد بمعنى الحاضر من الشهود[1] شاہد بمعنی حاضر ہے از شہود بمعنی

---

[1] اس پر فقیر اویسی غفرلہ، پارہ ۲۲ میں بہت کچھ لکھ چکا ہے مزید ضرورت نہیں لیکن وہابی دیوبندی فرقہ کے لیے سامانِ عبرت کافی ہے جبکہ وہ شاہد بمعنی حاضر ماننے کے لیے کبھی تیار (باقی صفحہ آئندہ پر)

بمعنی الحضور لا بمعنی الشاھد الذی یثبت بہ الدعاوی والحقوق۔ الحضور نہ کہ وہ شاہد (گواہ) جس سے دعاوی اور حقوق ثابت کئے جاتے ہیں۔

ف : شاھد و مشھود کی تنکیر ابہام فی الوصف کے لیے ہے یعنی وہ شاہد ومشہود جن کی کُنہ کو کوئی نہیں جانتا۔ بعض نے کہا مشھود سے یوم الجمعہ مراد ہے اور شاھد سے وہ لوگ جو اس میں حاضر ہوتے ہیں نماز اور ذکر کے لیے۔ جمعہ وہ دن ہے کہ سورج کسی دن پر طلوع وغروب نہیں کرتا جو یوم الجمعہ سے افضل ہو اس میں ایک ایسی ساعت ہے جس میں کوئی بھی مؤمن کوئی دُعا مانگے تو ضرور مستجاب ہوتی ہے اور کوئی پناہ مانگے تو اسے ضرور پناہ ملتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے :

اکثروا علی من الصلوٰۃ یوم الجمعۃ فانہ یوم مشھود تشھدہ الملٰئکۃ۔ جمعہ کے دن مجھ پر درود شریف کی کثرت کیا کرو اس لیے کہ یہ دن مشہود ہے کہ اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔

ف : بعض نے کہا مشھود یوم عرفہ ہے اور شاہد وُہ لوگ جو حج کے لیے اس میں حاضر ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ قسم یاد فرمائی ہے حج کی عظمت کے لیے جن کی گنتی ستر ہزار ہے (کشف الاسرار)

ف : بعض نے کہا شاھد سے ہر دن مراد ہے اور مشھود سے وُہ لوگ جو اس دن میں موجود ہیں اس معنی پر مشہود بمعنی مشھود علیہ ہوگا اور شاہد از شہادت ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر دن آتے ہی اعلان کرتا ہے کہ میں نیا دن ہُوں جو بھی مجھ میں کوئی کام کرے گا میں اس کی گواہی دُوں گا، مجھے غنیمت سمجھو جب سورج ڈوب جائے گا پھر مجھے قیامت تک نہ پا سکو گے۔

دریغا کہ بگزشت عمر عزیز   بخواہد گزشت ایں دمے چند نیز
گزشت آنچہ در ناصوابی گزشت   دراین نیز ہم در نیابی گزشت

ترجمہ : افسوس کہ عمر عزیز گزر گئی۔ یہ چند لمحات بھی گزر جائیں گے وہ وقت جو خطاؤں میں گزرا یہ بھی نہ پائے گا جب گزر گیا۔

تفسیر صوفیانہ بعض صوفیہ کرام نے فرمایا کہ الشاھد وہی حق ہے من حیث الجمعیۃ، وہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نہیں ہوتے جب یہ معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بیان کیا جائے۔ ہاں ضد بری بلا ہے اللہ تعالیٰ ضد سے بچائے اسی ضد نے ابلیس کو مروا ڈالا۔ اویسی غفرلہٗ

مشہود بھی ہے من حیث التفرقہ (کثرت) یا چاہو تو کہو من حیث الاجمال و من حیث التفصیل در حقیقت اسے کوئی نہیں دیکھتا اس کے سوا۔ بعض نے کہا الشاھد نفس الروح اور المشھود نفس الطبع۔ حضرت حسین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ آیت علامت ہے اس کی کہ کون مکوّن سے نہ مفصل ہے نہ مقترن۔

تفسیر عالمانہ

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ (کھائی والوں پر لعنت ہو) قسم کا جواب ہے بحذف اللام المؤکدہ یہ خبر ہے دعا نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ کھائی والے ہلاک ہوئے اللہ تعالیٰ کے غضب و لعنت سے۔ لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ دعائیہ جواب پر دلالت کرتا ہے خبر یہ نہیں۔ القتل کنایہ از لعنت ہے اس حیثیت سے کہ قتل غلیظ ترین عقوبات سے ہے یہ ایسے سخت غصہ سے ہی واقع ہوتا ہے جو خیر اور اس رحمت سے بعید کرنے کا موجب ہے جس میں لعنت کا معنیٰ ہے گویا قتل لعنت کے لوازم سے ہے گویا کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کی قسم یاد فرمائی کہ کفارِ مکہ ملعون میں کھائی والوں کی طرح۔ اظہریت کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ وارد ہوئی اہلِ ایمان کی تثبت کے لیے کہ جس پر وہ ہیں وہ اس پر ثابت قدم رہیں اور کفار کی اذیتوں پر صبر کریں اور انہیں یاد دلایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان کو پہلے بھی اسی طرح اذیتیں پہنچی رہیں وہ صبر کرتے تھے تم بھی صبر کرو اس طرح سے انہیں اس سے مانوس کرنا ہے اور صبر کی تلقین ہے کہ کفارِ مکہ سے جتنی بھی اذیتیں پہنچیں گھبراؤ نہیں اور یقین کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہے اور اذیت رساں کھائی والوں کی طرح ملعون ہیں اور اسی کے حقدار ہیں جو انہیں ملا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ جملہ دعائیہ نہیں کیونکہ قسم یاد کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور دعاء عاجز کرتا ہے اور وہ عجز سے پاک ہے۔ اس کی تشریح سورۃ عبس میں گزری۔

حلِ لغات

الاخدود زمین میں شگاف ڈالنا۔ اور شق مستطیل جیسے نہر گہرائی والی یعنی عمیق القرار۔ یہ در اصل انسان کے خدین سے ہے یعنی وہ دو رخسار جو ناک کو دائیں بائیں لگے لگائے ہوئے ہیں۔ اور عین المعانی میں ہے کہ اسی سے ہے المجاری الدموع علیہ وہ جگہیں آنکھوں سے آنسو بہہ کر جاری ہوتے ہیں۔

شمار اصحاب الاخدود

وہ تین تھے:

(۱) انطیانوس رومی شام میں

(۲) بخت نصر فارس میں

(۳) یوسف ذونواس نجران میں۔ نجران (بتقدیم النون و تاخیر الجیم) یمن میں ایک جگہ ہے جو

سنہ میں فتح ہوئی - نجران بن زیدان بن سبا، کے نام سے موسوم ہے۔

اصحاب الاخدود کی وجہ تسمیہ ان میں سے ہر ایک نے گڑھا کھودا جس کا طول چالیس گز اور عرض بارہ گز، اس گڑھے کو خدود کہا گیا اسے آگ سے پُر کرکے ان لوگوں کو اس میں ڈالا جاتا جو اہلِ ایمان اپنے دینِ حق کو نہ چھوڑتے اور مرتد ہو کر ان کے دین کو قبول نہ کرتے۔

ف : مفسرین فرماتے ہیں قرآن ان لوگوں کے حق میں نازل ہُوا جو نجران میں تھے یعنی اصحاب الاخدود، جو یہ ہیں :

ذونواس الحمیری الیہودی اور اس کا لشکر۔

عبداللہ بن ثامر اور اس کے ساتھی عبداللہ بن ثامر رضی اللہ عنہ ایک صالح انسان تھا نجران میں آیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھا، نجران میں اس نے دین حق کی دعوت دی، بہت سے لوگوں نے ان کی دعوت (دین حق کی) قبول کی۔ ذو نواس مذکور (یہودی) لشکر لے کر ان کے ہاں پہنچ کر کہنے لگا نصرانیت ترک کرکے یہودیت (باطل اور منسوخ شدہ) قبول کرو یا پھر آگ میں جلنے کے لیے تیار ہو جاؤ، انہوں نے کہا کہ آگ میں جلنا منظور ہے لیکن دینِ حق چھوڑنا گوارا نہیں۔ ابو نواس نے خندقیں مذکورہ کھدوائیں اور انھیں آگ سے پُر کروا کر حضرت عبداللہ بن ثامر رضی اللہ عنہ کے ایک فرمانبردار (مرید) کو خندق میں ڈالنے کا حکم دیا یہاں تک کہ بارہ ہزار یا بیس ہزار یا ستر ہزار بندگانِ خدا کو آگ نے پھونک دیا۔

ف : ذو نواس کا نام زرعہ بن حسان تھا حمیر اور گرد و نواح کا بادشاہ تھا اسے یُوسف بھی کہا کرتے تھے اس کی زلفوں کی دو گرھیں ہر وقت متحرک رہتیں تنوس بمعنی تضطرب، نواس اس کے ساتھ ذو نسبلت کا ہے۔

حکایت مروی ہے کہ اہل نجران سے ایک شخص ایک جنگل میں گھوم رہا تھا اس کا نام تھا دوس ذو ثعلبان، اس کو انجیل کا ایک جلا ہوا ورق کہیں سے ملا اسے حبشہ کے بادشاہ کے پاس لایا اور وہ نصرانی تھا کہا تیرے دین والوں کو آگ میں جلا دیا گیا اور ان کی بابت اگر یقین نہ آئے تو لو یہ جلا ہوا ایک ورق دیکھ لیجئے، اس سے بادشاہ گھبرایا اور روم کے بادشاہ کو لکھا کہ اس کی مدد کیجئے اور چند ترکھان بھیجئے تاکہ اس کے لیے کشتیاں تیار کریں، بادشاہِ روم نے اس کے لیے ترکھان بھیجے تاکہ کشتیاں تیار کریں، کشتیوں کی تیاری کے بعد وہ کشتیوں پر سوار ہو کر ساحل تک پہنچے ان کے مقابلہ میں اہلِ یمن بھی جنگ کے لیے نکلے۔ تہامہ میں خونریز جنگ ہوئی، حمیر بادشاہ مقابلہ کی تاب نہ لا کر گھبرایا کہ کہیں اسے گرفتار نہ کرلیں گھوڑے سمیت دریا میں چھلانگ لگا دی اور دریا میں ڈوب کر مر گیا۔

تو حبشہ نے حمیر پر غلبہ پالیا اور اس پر قابض ہوئے یہاں تک ظہورِ اسلام کے وقت ان کی بادشاہی بدستور تھی۔[1]

مزید واقعات اصحاب الاخدود مع تبصرات

ننھے ولی اور بُت پرست کا مقابلہ

(یہ واقعہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ کے حوالہ سے اور فقیر ان کی عبارت کے ترجمہ کے ساتھ تفسیر عزیزی پارہ ۳۰ سورۃ البروج کے علاوہ صحیح مسلم و جامع ترمذی اور مسند احمد وغیرہ سے درج کرتا ہے۔ اویسی غفرلہ)

کشف الاسرار میں ہے کہ اصحاب الاخدود بُت پرست تھے از اصحاب ذو نواس یمنی اس کے زمانہ میں ایک جادوگر تھا شعبدہ باز کاہن، اور بادشاہی کا دارومدار اسی کے شعبدوں اور جادو پر سمجھا جاتا تھا ایک دن کہا کہ بادشاہ سلامت! میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرے قویٰ مجھے جواب دے گئے ؎

دیدہ از ہر شعاع تیرہ شود گوش وقت سماع خیرہ شود
نہ زباں را محال گویائی نہ تن خستہ را توانائی

ترجمہ، آنکھیں ہر شعاع سے سیاہ ہو گئیں، کان سننے کے وقت بیکار ہو گئے نہ زبان کو بولنے کی طاقت نہ خستہ تن کو چلنے کی طاقت۔

بہتر ہے مجھے ایک نوجوان ہونہار ہوشیار دے دیا جائے، میں اسے جادو سکھادوں تاکہ بادشاہی امور میں خلل نہ آئے۔ چنانچہ مشارق الانوار میں ہے کہ دورِ سابق میں ایک بادشاہ تھا اس کا ایک جادوگر تھا جب وہ بوڑھا ہو گیا اور اس کے دانت گرنے لگے بادشاہ سے کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں میرے سپرد ایک نوجوان کیجئے تاکہ میں اسے جادو سکھاؤں۔ بادشاہ نے اس کے پاس ایک نوجوان بھیجا اس سے جادو سیکھنے کے لیے۔ راستے میں ایک راہب تھا، جب لڑکا جادوگر کے پاس جاتا تھوڑی دیر راہب کے پاس بیٹھ جاتا اور اس کی باتیں سنتا اس کی باتیں لڑکے کو بھا گئیں۔ اس طرح جادوگر کے پاس پہنچنے میں دیر ہو جاتی۔ ایک دن جادوگر نے لڑکے کو

---

[1] مفسرین کرام نے اصحاب الاخدود کے واقعات مختلف اور مختلف تبصروں کے ساتھ نقل فرمائے ہیں فقیر نے تفسیر عزیزی کے حوالہ سے صدائے نوی شرح مثنوی معنوی میں نقل کئے ان میں سے کچھ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے نقل فرمائے ہیں کچھ فقیر کے اضافے ہیں اور کچھ تبصرے۔

اویسی غفرلہٗ

مار پیٹا کر وہ دیر سے کیوں آتا ہے۔ لڑکے نے راہب سے شکایت کر دی۔ راہب نے کہا پھر پوچھے تو کہنا مجھے اور لوگوں کو ایک بلا نے روک لیا تھا، وہ شیر تھا یا اژدہا۔ چنانچہ واقعی دوسرے روز راستے میں اژدہا یا شیر کھڑا تھا، لوگ آنے جانے سے رُکے ہوئے تھے۔ لڑکے نے کہا آج میں آزماتا ہوں کہ راہب افضل ہے یا جادوگر۔ چنانچہ دُعا مانگی اور ایک ہاتھ میں لے کر کہا:

اللھم ان کان أمر الراهب أحب الیك من أمر الساحر فاقتل هذه الدابة حتی یمضی الناس۔

اے اللہ! اگر تیرے ہاں راہب کا معاملہ جادوگر سے محبوب تر ہے تو اس جانور (بلا) کو قتل کر دے تاکہ لوگ راستہ طے کریں۔

یہ کہہ کر پتھر جانور کو مارا، وہ جانور وہیں ڈھیر ہو گیا اور لوگ بآسانی راستہ طے کرنے لگے۔ لڑکا راہب کے پاس آیا اور تمام ماجرا کہہ سنایا۔ راہب نے کہا تیرا معاملہ مجھ سے بڑھ گیا تُو مجھ سے افضل ہو گیا ہے، اب تیرے مرتبہ کو میں خوب پہچان گیا لیکن یاد رکھ عنقریب تیرا امتحان ہو گا مگر میرا نام نہ بتانا۔

اب لڑکے کی یہ شان ہو گئی کہ مادرزاد اندھوں کو انکھیارا کر دیتا، برص والے کو شفاء دیتا، بیماروں کو دُعاؤں سے تندرست بنا دیتا۔ بادشاہ کے ایک ہم نشین نے جو اندھا تھا یہ سب کچھ سنا تو لڑکے کے پاس چلا آیا لڑکے کو بے شمار ہدایا و تحفے پیش کئے اور کہا اگر تُو نے شفاء دے دی تو یہ سب ہدایا اور تحفے تیرے۔ لڑکے نے کہا میں کون ہوں شفاء دینے والا، شفاء تو اللہ تعالیٰ دے گا اگر تُو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا تو تیرے لیے دُعا مانگوں شفاء وہی دے گا، وہ ایمان لے آیا اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء دی۔ وہ سیدھا بادشاہ کے پاس چلا گیا اور وہ عہدہ سنبھال لیا جس پر وہ پہلے فائز تھا۔ بادشاہ نے پوچھا تو بینا کیسے ہو گیا کہا: اللہ تعالیٰ نے شفا دی۔ بادشاہ نے کہا: میرے سوا بھی کوئی اللہ ہے؟ کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ بادشاہ نے اسے سخت عذاب میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ اسے اس لڑکے کا نام بتانا پڑا۔ لڑکا بادشاہ کے پاس گرفتار کر کے لایا گیا۔ بادشاہ نے کہا: بیٹے! تیرا جادو بہت چل گیا تُو مادرزاد اندھوں کو شفا دیتا اور برص والوں کو تندرست کرتا ہے۔ کہا میں نہیں میرا رب شفاء دیتا ہے۔ بادشاہ نے اسے بھی سخت عذاب میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ اسے راہب کا نام بتانا پڑا۔ راہب گرفتار کر کے لایا گیا اسے کہا کہ اپنا دین حق چھوڑ دے۔ راہب نے کہا: جان تو دے سکتا ہوں ایمان نہیں دے سکتا۔ بادشاہ نے آرہ منگوا کر اس کے سر پہ رکھ کر اسے چیر دیا، دو ٹکڑے کر دیا۔ پھر لڑکے کو لایا گیا اسے کہا دین حق چھوڑ دے اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے چند آدمی بلوائے اور حکم دیا کہ اسے پہاڑ پر لے جاؤ اور پہاڑ کی چوٹی پر سے اسے نیچے گرا دو۔ جب پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو لڑکے نے دعا مانگی:

اللّٰھُمَّ اکفنیھم بما شئت ۔ (اے اللہ! تو مجھے ان سے کافی ہو جیسے تُو چاہے)
یعنی ان کے شر سے بچا جس سبب سے تو چاہے ۔ چنانچہ پہاڑ متحرک ہُوا اور وہ سارے کے سارے پہاڑ سے نیچے لڑھک گئے (اور پاش پاش ہو گئے ۔ لڑکا بادشاہ کے پاس پہنچ گیا بادشاہ نے کہا وہ جو تیرے ساتھ گئے تھے ان کا کیا ہوا؟ لڑکے نے کہا میرا رب تعالیٰ انہیں کافی ہُوا ۔ بادشاہ نے چند اور آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے کشتی میں سوار کرکے دریا میں لے جاؤ اور درمیان میں جا کر اسے دریا میں پھینک دو اگر اپنے دین سے نہیں ہٹتا ۔ اسے دریا میں لے گئے ، اس نے پہلے کی طرح دعا مانگی ؛

اللّٰھم اکفنیھم بما شئت (اے اللہ! جیسے تُو چاہے ان سے مجھے کفایت فرما) یعنی بچا ۔
اس کی دُعا سے کشتی الٹی اور وہ سارے کے سارے غرق ہو گئے اور وہ لڑکا پھر بادشاہ کے پاس آگیا بادشاہ نے پُوچھا ساتھیوں کا کیا ہوا؟ کہا : میرا رب تعالیٰ ان کو کافی ہوا (یعنی وہ سب دریا میں غرق ہو گئے) لڑکے نے کہا اے بادشاہ! تو مجھے ہرگز نہیں مار سکتا جب تک کہ جس طرح میں کہوں اس طرح نہ کرو ، بادشاہ نے کہا : وہ کیا؟ کہا : تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو اور مجھے سُولی پر لٹکا دو ، پھر میرے کشکول سے تیر لے کر یہ لفظ کہہ کر مجھے تیر ماریں بسم اللہ رب الغلام (اس اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے) چنانچہ بادشاہ نے اسی طرح کیا اور تیر پھینکا اور تیر کنپٹی لگا یعنی آنکھ اور کان کی جگہ ۔ لڑکا اپنا ہاتھ تیر والی جگہ (کنپٹی) پر رکھ کر فوت ہو گیا ۔ لوگوں نے یہ منظر دیکھ کر دینِ حق قبول کر لیا اور ایک زوردار نعرہ بلند ہُوا اٰمنّا بِربِ الغلام (ہم سب اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے) ۔ لوگوں نے بادشاہ سے کہا کہ لیجئے جس چیز کی روک تھام کر رہے تھے وہی پیش آئی ۔ پہلے تو کوئی اِکا دُکا مسلمان ہوتا تھا اب خلقِ کثیر نے دینِ حق قبول کر لیا ۔ بادشاہ نے غصہ میں آکر بڑی بڑی خندقیں کُھدوائیں (یہ خندقیں چالیس چالیس گز طول میں اور بارہ بارہ گز عرض میں تھیں) اور ان کو خوب آگ سے بھروا کر اعلان کر دیا کہ جو شخص اپنے دین سے نہ پھرے گا اسے ان خندقوں میں جھونک دیا جائے گا ۔ لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے لیکن دینِ حق سے نہیں ہٹتے تھے ۔ ایک مومنہ عورت لائی گئی جس کے پاس شیر خوار بچہ تھا ، شاید بچے کی وجہ سے آگ میں گرنے سے گھبرائی ۔ بچے نے خدا کے حکم سے آواز دی اماں صبر کر تو دینِ حق پر ہے ۔ بعض روایات میں ہے کہ اس بی بی کے تین بیٹے تھے ، ان میں ایک شیر خوار ، دو سرے بڑے تھے ۔ بادشاہ نے اس بی بی سے کہا کہ اپنا دین ترک کر دے ورنہ تجھے بمع لڑکوں کے آگ میں جھونک دوں گا ۔ بی بی نے کہا ہم جان تو دے سکتے ہیں مگر دینِ حق نہیں چھوڑ سکتے ۔ اس کے انکار پر اس کے بڑے لڑکے کو آگ میں ڈال دیا گیا ، پھر کہا اے عورت ! اپنا دین چھوڑ دے لیکن عورت دینِ حق پر ڈٹی رہی ۔ بادشاہ نے اس کے دوسرے بیٹے کو بھی آگ میں جھونک دیا پھر عورت سے

کہا کہ اپنا دین ترک کردے۔ کہا میں دینِ حق نہیں چھوڑ سکتی۔ پھر اس کے شیر خوار بچے کو اس سے چھین کر آگ میں پھینک دیا، اس پر عورت کا دل لرز گیا لیکن بچے نے مرنے کے بعد کہا اماں! مت گھبرا تو دینِ حق پر ہے، تجھے کوئی خطرہ نہیں[1]۔

---

[1] بادشاہ اور اس کے وزیر خندقوں کے آس پاس بیٹھے نہایت سنگدلی سے مسلمانوں کے جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ بدبختوں کو ذرا رحم نہ آتا تھا ان مسلمانوں کا صرف یہ قصور تھا کہ کفر کی ظلمت سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لائے تھے جس کی بادشاہت سے زمین و آسمان کا کوئی گوشہ باہر نہیں، جو ہر چیز کے ذرہ ذرہ احوال سے باخبر ہے۔ جب ایسے خدا کے پرستاروں کو محض اس جرم پر کہ وہ کیوں اس اکیلے کو پوجتے ہیں آگ میں جلایا جائے تو کیا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ ایسا ظلم و ستم یونہی چلتا رہے گا اور وہ خداوند قہار ظالموں کو سخت ترین سزا نہ دے گا!

مفسرینِ کرام لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا غضب آیا، وہی آگ پھیل گئی اس نے بادشاہوں اور امیروں کے سارے گھر جلا ڈالے۔

یاد رکھیے کہ یہ بات کچھ اصحابِ اُخدود پر منحصر نہیں جو لوگ ایمان داروں کو دینِ حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے جیسے کفارِ مکہ کر رہے تھے پھر اپنی ان نالائق حرکات سے تائب نہیں ہوں گے ان سب کے لیے دوزخ کا عذاب تیار ہے جس میں بے شمار قسم کی تکلیفیں ہوں گی اور بڑی تکلیف آگ لگنے کی ہو گی جس میں دوزخی کا تن من سب گرفتار ہو گا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر میں بیان فرمایا ایک قصہ نجران کی سرزمین میں ہوا یہ شہر ملک یمن میں واقع ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ ایک شخص مسلمانوں میں سے (اس وقت مسلمان انجیل ہی کے تابعدار تھے) ایک شخص کے مکان پر آ کر نوکر ہوا اور رات دن اس کے دروازے پر بیٹھا رہتا تھا تاکہ جس کام کا حکم ہو بجا لاؤں اس مسلمان شخص کو انجیل مقدس یاد تھی ہمیشہ اس کو پڑھتا رہتا تھا، اس مذکورہ شخص کی بیٹی کو ایسا نظر آیا کہ انجیل پڑھنے کے وقت ایک نورِ عظیم اس کے سینے سے نکلتا ہے اور جہان میں پھیل جاتا ہے۔ لڑکی نے اپنے باپ کے پاس اس عجیب بات کا ذکر کیا تو اس کے باپ نے بھی اس کے انجیل پڑھنے کے وقت ایک سوراخ سے جھانکا کہ فی الواقع ایک نورِ عظیم ظاہر ہوتا ہے اُس نوکر سے پوچھا کہ یہ کیا کلام ہے؟ اور اس کی تاثیر کیا ہے؟ کہ تجھ سے سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ وہ مسلمان

(باقی صفحہ آئندہ پر)

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ بادشاہ نے شیر خوار بچے کی ماں کو کہا کہ آگ تیرے سامنے ہے جو بجھنے والی نہیں، یہ کہہ ماں بیٹے کو آگ میں جھونک دیا اور یہ شیر خوار بچہ وہ ہے جو گہوارے میں بولا تھا وہ شیر خوار دوسرے ان بچوں میں سے تھا جنہوں نے شیر خوارگی میں گہوارہ میں کلام کیا، ان سب کی تفسیر سورۂ یوسف میں گزری ہے۔

۹۰ سال پہلے یہ قصہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ اقدس سے نوّے سال پہلے ہوا۔

مسئلہ : اس حدیث شریف میں کراماتِ اولیاء کا اثبات ہے۔

مسئلہ : اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جان بچانے کے وقت جھوٹ بولنا جائز ہے خواہ جان کا خطرہ اپنے لیے ہو یا دوسرے کے لیے۔

واہ ننھا ولی مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک ویران جگہ کو کھودا گیا تو وہ ننھا ولی جس کا قصہ اوپر مذکور ہوا جسے بادشاہ نے شہید کیا تھا، اُسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وہاں کے بادشاہ کے خوف سے اور رؤسا کے ڈر سے اس بھید کو چھپاتا تھا۔ لیکن وہ گھروالا اس کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا اور تنگ کرتا تھا، یہاں تک کہ ناچار ہو کر دین اسلام اور انجیل مقدس کا احوال اس سے بیان کیا، پس وہ اہل خانہ اور اس کی بیٹی (دونوں) فی الفور مسلمان ہو گئے اور انجیل پڑھ کر اس کی تلاوت میں مشغول رہنے لگے۔ رفتہ رفتہ یہ بات اس شہر میں مشہور ہوئی تو ستاسی آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے یہاں تک کہ یوسف نو اس حمیری کے بیٹے نے جو اس شہر کا بادشاہ تھا اور بت پرستی میں مستغرق تھا ان سب مسلمانوں کو (جو نوّے آدمی تھے) اپنے حضور میں بلایا اور ایک خندق کھدوائی اور خوب آگ سے بھڑکائی اور حکم دیا کہ تم لوگ اگر عیسٰی کے دین سے نہ پھرو گے تو تم کو اس میں جلا ڈالوں گا۔ اس جماعت میں بھی ایک عورت بچے والی تھی دودھ پیتا بچہ اس کی گود میں تھا۔ اس شیر خوار بچے نے بلند آواز سے کہا کہ ماں بسم اللہ اس آگ میں گھسو اس کا بدلہ ہمیشہ رہنے کی بہشت ہے۔ پھر جب مسلمان ہلاک ہو چکے بادشاہ اور اس کے صاحب خندق کے پاس کرسیوں پر بیٹھے تھے کہ یکایک اس آگ کے شعلے ایسے بھڑکے کہ ان سب کو جلا کر خاکستر کر دیا اور قصہ حضرت عیسٰی کے آسمان پر اُٹھ جانے کے بعد واقع ہوا تھا۔ اُس روز سے نجران کے لوگوں نے دین نصرانی کو حق جان کر قبول کر لیا۔ چنانچہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے تک اُسی دین پر تھے۔ ان کے سردار سید اور عاقب وغیرہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کو مدینہ منورہ میں آ کر حضرت عیسٰی کے متعلق بحث وتکرار کی تھی اور آیت مباہلہ انہی کے جواب میں نازل ہوئی تھی۔ اویسی غفرلہٗ

دیکھا گیا کہ وہ بدستور اپنی انگلی کنپٹی پر رکھے ہوئے ہے۔ جب انگلی کنپٹی سے ہٹائی گئی تو خون بہنے لگا، جب انگلی کنپٹی پر پھر رکھی گئی تو خون رُک گیا، اس کے ہاتھ میں ایک انگشتری تھی جس پر لکھا تھا، ربّی اللّٰہ (میرا رب اللہ تعالیٰ ہے) اس کی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کو اطلاع دی گئی آپ نے جواب لکھا کہ اسے چھپا کر اوپر مٹی ڈال دو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا کہ اس صاحب الاخدود بچے کو اپنے حال پر چھوڑ دو یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ قبر سے بعث ونشور کے لیے اٹھائے۔

آخری قصہ از اصحاب الاُخدود فارس کی زمین میں واقع ہوا تھا اس کی کیفیت حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ مجوسی بھی اصل میں کتاب آسمانی رکھتے تھے اور ایک پیغمبر کے دین کے تابع تھے اور شراب ان کے دین میں بدن کے نفع کے واسطے اس قدر حلال تھی جو بے ہوش نہ کرے۔ ایک روز مجوسیوں کے بادشاہ نے شراب بہت زیادہ پی لی اور اس مستی کی حالت میں اپنی بہن سے صحبت کی، جب ہوش آیا تو نہایت نادم اور پشیمان ہوا اور اپنی بہن سے اس عار کی تدبیر پوچھی۔ بہن نے کہا کہ اس کی تدبیر یہ ہے کہ تو بہن کے حلال ہونے کا دعویٰ کر، اور کہہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں بھی بہن بھائی کا نکاح ہوتا تھا میں بھی اُسی وضع پر قائم ہوں۔ بادشاہ نے لوگوں کو جمع کر کے اس مذہب اور مسئلہ کو بیان کیا، لوگوں نے ہرگز قبول نہ کیا پھر بادشاہ کی بہن نے کہا کہ ان کو کوڑوں سے مارو۔ اس نے ایسے ہی کیا۔ لیکن لوگوں نے قبول نہ کیا۔ پھر اس کی بہن نے کہا کہ ان کی گردن مار۔ اُس نے ویسے ہی کیا۔ لیکن لوگوں نے اسے بھی قبول نہ کیا۔ پھر اس نے کہا کہ خندقیں کھدواؤ اور ان پر ایندھن بھروا کر آگ ڈلوا دے، جب آگ خوب دہک جائے تو حکم کر کہ جو کوئی اس مسئلہ سے انکار کرے اس کو آگ میں پھینک دو[1]۔ انہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قتل اصحٰب الاخدود الخ

---

[1] قدرتِ الٰہی سے عین لوگوں کے جلانے کی حالت میں خود بھی جل گیا، اس روز سے مجوس کے مذہب میں آتش پرستی اور بہن کا حلال ہونا جائز ہُوا۔

ولیہ کاملہ کی کرامت اس قسم کا واقعہ تفسیر زاہدی میں منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں مسلمانوں کا ایک شہر تھا اس میں قحط پڑا تو مسلمان اس شہر کے غول کے غول حبش کی طرف بھاگ گئے حبش کے کافروں نے اپنے بادشاہ سے عرض کی کہ اگر یہ قحط زدہ مسلمان اس شہر میں آئیں گے تو

(باقی صفحہ آئندہ پر)

النَّارِ اخدود سے بدل الاشتمال ہے کیونکہ اخدود نار (آگ) پر مشتمل تھی اور اخدود آگ سے ہی زیادہ ہیبت ناک ہوئی اور سخت ہولناک۔ گویا معنیٰ یہ ہے کہ آگ اخدود میں۔ یا ال ضمیر کے قائم مقام ہے جیسا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ہم پر غلّہ کی تنگی ہو جائے گی اور یہاں بھی قحط پڑ جائے گا۔ بادشاہ نے حکم دیا تو شہر کے دروازہ پر ایک خندق کھودی گئی اور اس کو آگ سے بھر دیا گیا اور بادشاہ خود بھی اپنا تخت بچھا کر وہاں بیٹھا اور ایک ہاتھی کے برابر (بڑا) بُت وہاں کھڑا کیا اور شہر میں منادی کرا دی کہ ان غریب الوطن اور باہر سے آئے ہوؤں میں سے جو کوئی بُت کو سجدہ نہ کرے تو اس کو آگ میں جھونک دو۔ اتفاقاً ایک مسکین عورت کہ اس کی گود میں بچّہ تھا پکڑ کر لائے اور اس سے کہنے لگے کہ اس بت کو سجدہ کر، اس نے کہا معاذ اللہ۔ بادشاہ نے خفا ہو کر کہا کہ اس کے بچّے کو اس سے چھین کر آگ میں ڈال دو۔ جب بچّہ اس سے چھین کر آگ میں ڈال دیا گیا تو وہ ماں نہایت بیقرار ہوگئی، تب اس بچّہ نے آگ کے اندر سے آواز دی کہ اے امّاں! کچھ خوف نہ کر، بے دھڑک چلی آ کہ یہ آگ نہیں ہے پھول ہے۔ اس عورت نے ہاتھ اٹھا کر جنابِ باری میں دُعا کی: "یا رب! تُو دیکھتا ہے اور جانتا ہے تیرے رُوبرو بیان کرنے کی حاجت نہیں۔" فی الفور اس آگ سے ایک شعلہ چالیس گز اونچا اُٹھا اور ان پر قنات کی مانند ہو کر سب کو گھیر لیا اور ایک ایک کو جلا دیا۔

ف: ان ظالموں کو دنیا میں ہی ہاتھوں ہاتھ صلہ ملا، انھیں ذرا مہلت نہ ملی اور ان کا کام الٹا ہو گیا۔ یعنی جو آگ اہلِ ایمان کے لیے تیار کی تھی اس میں خود ہی جل گئے۔

ف: ان کافروں کو مسلمانوں کے ایمان لانے پر عداوت تھی برخلاف اور کافروں کے کہ باوجود مسلمان کے ایذا دینے کے سالہا سال مہلت پائی اور وجہ صرف یہی تھی کہ ان کی عداوت ایمان کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ریاست کی طمع اور مال و جاہ کی امید اُس میں ملی ہوئی تھی اور ان لوگوں کو عداوت خالص ایمان کے لیے تھی حالانکہ وہی ایمان صحیح تھا۔

فی الواقع اُس جماعت نے ظلم میں کمال درجے کی زیادتی کی تھی کہ ایسی جلد سزا کو پہنچی کیونکہ دوسرے ظالم جو کسی پر ظلم کرتے ہیں اپنے رُوبرو مار دھاڑ نہیں کرتے بلکہ ملازموں کو حکم دیتے ہیں کہ مجرموں کو سزا دیں اور یہ ظالم جو خندق والے تھے ایمان والوں سے ظلم اپنے روبرو کرواتے تھے۔

حجاز کے ملک کے قریب چار بستیوں میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا یہ واقع ہُوا۔ ان چاروں قصّوں سے مراد اہلِ مکّہ کو ڈرانا ہے تاکہ وہ عبرت پکڑیں۔ پہلا قصّہ ملک شام میں ہوا جس کو صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، دوسرا یمن کے ملک میں، تیسرا فارس کے ملک، چوتھا بنی اسرائیل قوم کے علاقہ میں۔

(تفسیر عزیزی از حضرت شاہ عبد العزیز) اویسی غفرلہٗ

اہل بصرہ و کوفہ کے مذہب کا اختلاف ہے ذَاتِ الْوَقُوْدِ (بھڑکتی آگ والی) صاحبِ آتش، ایندھن سے جلائی ہوئی۔

حلِ لغات الوقود وہ شے جس سے آگ جلائی جائے یعنی ایندھن، اس میں آگ غایۃ عظمت اور شعلوں والی ہے اور ان کی کثرت پر دلالت کرتی ہے جو اس میں شعلوں کے ارتفاع اور غایۃ عظمت پر دلالت کرتی ہے یعنی لکڑیوں اور لوگوں کے بدن میں سے (جو اس میں جلائے جا رہے تھے) اس معنیٰ پر اس کی لام استغراقی دلالت کرتی ہے۔ اگر یہ معنیٰ نہ لیا جائے تو اسے ایسی توصیف کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ نار لکڑیوں کے بغیر نہیں جلتی اُس آگ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور وہ جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ ظلم و ستم کر رہے تھے اس کو دیکھ رہے تھے ان کے ملعون ہونے کی خبر دینے سے مومنین کو تسلی دینا ظاہر ہے کہ اس طرح جو کافر اس وقت مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں وہ بھی گرفتارِ لعنت ہوں گے جس کا اثر خواہ دنیا میں مرتب ہو جیسے بدر وغیرہ میں مقتول و مخذول ہوئے یا صرف آخرت میں، جیسا کہ عام کفار کے لیے یقینی ہے اور دشمن کے عذاب کی خبر سے تسلی ہونا امر طبعی ہے اور ان لوگوں کا بیٹھنا اُس ظلم و ستم کے انتظام اور نگرانی کے لیے تھا اور شہود میں علاوہ نگرانی کے اُن لوگوں کی سنگدلی کی طرف اشارہ ہے کہ دیکھ کر بھی رحم نہ آتا تھا اور اس کو حکم باللعن میں خاص دخل ہے کہ یہ سنگدلی علل لعنت سے ہے اور ان کافروں نے اُن مسلمانوں میں اور کوئی عیب نہیں پایا تھا سوائے اس کے کہ وہ خدا پر ایمان لے آئے تھے۔

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ (جب وہ اس پر بیٹھے تھے) اذ ظرف قتل کے متعلق ہے اور ضمیر اصحٰب الاخدود کی طرف راجع ہے۔ قعود، قاعد کی جمع ہے یعنی ملعون ہوئے جب اہلِ ایمان کو آگ سے جلایا درانحالیکہ وہ آگ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اونچے مکانوں پر جو آگ کے کناروں پر تھے۔

ف : لفظ علیٰ اس معنیٰ کا مشعر ہے جیسے کہا جاتا ہے مررت علیہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے اونچے مکان سے گزرا جو اس کے قریب ہے۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ وہ تختوں اور کرسیوں پر بیٹھ کر آگ میں پھینکے جانے والوں کا تماشا دیکھ رہے تھے کیونکہ اگر وہ آگ پر بیٹھتے تو جل جاتے۔

خلاصہ یہ کہ قاتلین اونچے مکان وغیرہ پر بیٹھ کر تماشا دیکھتے تھے۔ اہلِ ایمان کو آگ پر لایا جاتا اگر وہ دینِ حق کو چھوڑ دیتا تو اسے چھوڑ دیتے ورنہ اسے آگ میں ڈال دیتے اور وہ جل جاتا۔

حدیث شریف : وکان علیہ السلام اذا ذکر اصحٰب الاخدود تعوذ باللہ من جھد البلاء (حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب اصحاب الاخدود کا ذکر فرماتے تو سخت ترین بلائے سے

پناہ مانگتے)

ف : جہد البلاء سے مراد وہ حالت ہے جس سے موت اختیار کرنی پڑے یا کثرۃ عیال اور فقر کما فی القاموس، اور الجہد (بالفتح) بمعنی مشقّت اور جہد عیشہ جیسے فرح بمعنی نکد و اشتد (یعنی سخت ہوا)

وَهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ (اور وہ خود گواہ ہیں جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے) یعنی ہر ایک بادشاہ کو گواہی دیتا کہ ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل میں کوتاہی نہیں کی کہ مومن کو آگ میں ڈالنے پر کوئی رحم نہیں کیا اور نہ ہی شفقت کی۔ یا قیامت میں گواہی دیں گے کہ اہلِ ایمان کے ساتھ کیا کیا، یعنی ان کی زبانیں اور ہاتھ اور پاؤں ان کے کرتوت کی گواہی دیں گے اسی معنی پر مضمون قرآنی کا یہی تقاضا ہے اور روایات اسی پر ناطق ہیں۔

ف : بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ وہ سرکش لوگ جنھوں نے اہلِ ایمان کو آگ میں ڈالا تھا وہ آگ کے ارد گرد تماشائی بنے بیٹھے تھے۔

کرامت اہلِ ایمان

ایک روایت میں ہے کہ وہ آگ چالیس گز اُونچی ہوئی اور ان سرکشوں کو جلا دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو نجات دی اور وہ صحیح و سالم رہے۔ اور بُرا مکر (تدبیر) خود اہلِ مکر ہی کو گھیرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کی ارواح آگ میں جلنے سے پہلے ہی قبض کر لی، جیسے بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا زوجۂ فرعون سے کیا جیسے گزرا (پ ۲۸ آخری رکوع میں) اسی پر محمول کیا ہے۔ ولهم عذاب الحريق فى الدنيا (اور ان کے لیے دنیا میں جلا دینے والا عذاب ہے) (یعنی ان کے لیے دنیا میں آگ کا اور آخرت میں جہنم کا عذاب ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

تفسیر صُوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ نفوس متمردہ متکبرہ اور جناب حق سے روگردانی اور دائمی عذاب نیران کے مستحق اور رسوائی اور خسران کے مارے ہوئے ہیں اور جلے ہوئے ہیں اخلاق ردیئہ کے آگ سے سنگار کئے ہوئے ہیں اوصاف خبیثہ نفسیہ ہوائیہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں ارتکاب شہوات اور لذات کے انہماک میں اور نفس اور خواہشات نفسانیہ اور ان کے قوائے طبیعیہ ان کے بعض بعض پر گواہی دیں گے اپنے ان کرتوتوں کی جو مومنین یعنی روح و سر و قلب کے ساتھ کرتے تھے یعنی اُن کی مخالفت و مجادلہ و مخاصمہ کرتے تھے۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ (اور انہیں مسلمانوں کا کیا بُرا لگا) اور کون سے عیوب تھے۔

حلِ لغات : کہا جاتا ہے نقم الامر اذا عابہ وکرھہ (کوئی امر عیب کیا اور اس سے

کراہت کی) المفردات میں ہے: نقمت الشئ اذا انکرته اما باللسان و اما بالعقوبة (میں نے شے سے کراہت کی زبان سے یا سزا سے)

اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ (یہی ناکہ وہ ایمان لائے اللہ عزت والے تمام خوبیوں والے پر)

سوال: لفظ مضارع سے کیوں، حالانکہ ان سے تو ایمان زمانۂ ماضی میں پایا گیا تھا۔

جواب: اس پر استمرار و دوام کی وجہ سے جو آنے والے زمانوں میں انہوں نے استقلال کا عزم بالجزم ظاہر کیا کیونکہ اگر وہ مستقبل میں کفر کرتے تو پھر ان پر گزشتہ کفر پر عذاب کیسا، گویا کہا گیا کہ یہی ناکہ وہ اپنے ایمان پر استمرار اور مداومت کر رہے ہیں۔

سوال: حضرت موسٰی علیہ السلام کے ہمعصر جادوگروں نے مضارع کا صیغہ کیوں کہا جب ایمان لائے تو فرعون نے ان کو عذاب دیا تو کہا وما تنقم منا الا ان اٰمنا باٰیات ربنا (اور تو ہم پر عذاب نہیں کرتا مگر اس لیے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب تعالٰی کی آیات پر)

جواب: کیونکہ ان کا موسٰی پر ایمان لانا فرعون کے نزدیک بُرا تھا اس کے نزدیک ان سے بدلہ لینا واجب تھا (اسی لیے وہ صیغہ مضارع بول رہے تھے)

ف: استثناء مفرغ ان کی برأت کی خبر دیتا ہے کہ ان پر جس طرح کا الزام لگایا جا رہا ہے وہ اس سے بیزار ہیں، جیسے کسی شاعر نے کہا: ؎

ولا عیب فیھم غیر ان سیوفھم

تلام بنسان الاحبة والوطن

ترجمہ: ان میں کوئی عیب نہیں سوائے اس کے ان کی تلواریں کند ہیں محبوبوں کے تیروں اور وطن کی وجہ سے۔

یعنی جسے یہ لوگ عیب سمجھ رہے ہیں درحقیقت عیب نہیں، جیسے شاعر نے جس شے کو عیب بتایا ہے وہ درحقیقت عیب نہیں اور نہ ہی اس لائق ہے کہ اسے عیب شمار کیا جائے قول شاعر میں استثناء ہمارے مسئلہ کے منافی نہیں کیونکہ شاعر اگرچہ محض دعوٰی کر رہا ہے اور ہمارا مسئلہ تو تحقیقی ہے (محض شعر کی تمثیل سمجھانے کیلئے ہے)

ف: اللہ تعالٰی کی صفتِ عزیز کا معنٰی ہے وہ ذات جس کے عذاب کا خوف ہو، اور حمید کا معنٰی ہے منعم جس سے ثواب کی امید ہو، اس کی تاکید کی اگلے ارشاد سے الذی ملك السمٰوٰت والارض (اسی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت) اس میں آگاہ کرنا ہے کہ ان (اہلِ ایمان) کے ایمان کا تعلق

کیسی ذات سے ہے۔ ملک بمعنی بادشاہی، اور اس صفت کو مؤخر کیا اس لیے ملک تام حاصل نہیں ہوتا جب تک قدرت کامل حاصل نہ ہو، اس پر لفظ عزیز دلالت کرتا ہے، ایسے ہی جب تک اسے علم کامل حاصل نہ ہو وہ افعالِ حمیدہ پر قدرت نہیں رکھتا۔

نکتہ: کشف الاسرار میں ہے کہ ذاتِ الٰہی کو ان صفات سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ کفار کی چند روز کی مہلت اس لیے نہیں دیتا کہ وہ کفار پر عذاب کرنے پر قادر نہیں بلکہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ جن اہلِ ایمان کو کفار اذیتیں دے رہے ہیں وہ کمال ثواب کو پہنچ جائیں جو اس کے بغیر وہ کسی دوسرے عمل سے نہیں پہنچ سکتے علاوہ ازیں اسی طرح اس کی سابق قضاء و قدر میں لکھا جا چکا ہے۔

ف: اس میں کفار کی مذمت ہے ان کی انتہائی جہالت پر کہ وہ اپنے ایسے برے افعال کو اپنی مدح اور تعریف سمجھتے ہیں بلکہ وہ مدح کے سبب کو عیب اور عیب کے سبب کو مدح خیال کرتے ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ (اور اللہ تعالیٰ ہر شے پہ گواہ ہے) یعنی خدا مومن و کافر کے جملہ اقوال و افعال پر گواہ ہے اور جانتا ہے۔

ف: اس میں اہلِ ایمان کے لیے وعدہ کریمہ اور کفار عذاب کرنے والے کے لیے وعید شدید ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا علم جملہ اشیاء کو تفصیلی ہے منجملہ ان کے فریقین (کافر و مومن) کے اعمال ہیں جو جزا و سزا کامل کا سبب ہے۔

حاضر و ناظر کی تحقیق

حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الشہید العلیم ومنہ قولہ تعالیٰ شہد اللہ ای علم اللہ والشہید الحاضر وحضورہ بمعنی علمہ ورؤیتہ وقدرتہ والشہید مبالغۃ من الشاھد. واذا علم العبد أن اللہ تعالیٰ شہید یعلم أفعالہ ویری أحوالہ سہل علیہ ما یقاسیہ لاجلہ. (ص ۲۹۰)

شہید بمعنی علیم ہے اسی سے ہے شہد اللہ بمعنی علم اللہ، شہید بمعنی حاضر ہے اور اس کا حضور بمعنی علم و رؤیۃ و قدرت اور شہید شاہد کا مبالغہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے جب کسی کا عقیدہ ہو کہ وہ شہید ہے یعنی اس کے جملہ افعال کو جانتا ہے اور تمام احوال کو دیکھتا ہے تو جو گناہ اس سے سرزد ہونے کا امکان ہے وہ اس قیاس سے صادر نہ ہوگا۔

(یہی الفاظ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مستعمل ہیں یعنی شاہد و شہید،

اور ان دونوں کا معنی حاضر و ناظر ہے ولکن الوہابیۃ قوم لا یعقلون ۔ اویسی غفرلہٗ)

حکایت ایک شخص برائیوں کے ارتکاب پر خوب مارا جاتا ہے لیکن وہ صبر کرتا ہے یہاں تک کہ اس سے کسی قسم کی چیخ و پکار نہ سنی جاتی ۔ کسی نے پوچھا ، اتنی شدید مار پر اتنا صبر کیوں ؟ کیا تجھے اس سے درد محسوس نہیں ہوتا ؟ کہا کیوں نہیں ہوتا لیکن میں چیختا چلاتا اس لیے نہیں کہ مجلس میں میرا ایک محبوب موجود ہوتا ہے ، اگر میں چیخوں چلاؤں اس سے میرے چہرے کی رونق بگڑ جائے گی اور وہ مجھے دیکھ رہا ہوتا ہے میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے منغص نہ ہو۔

سبق : جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دم بھرتا ہے پھر چیونٹی یا مچھر کی یا کسی اور کی اذیت پر صبر نہیں کرتا تو پھر وہ اپنی محبت میں کیسے سچا ہو سکتا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر پر اکراہ سے صبر اولیٰ ہے اگرچہ کتنا ہی عذاب ہو صرف اللہ تعالیٰ کے خوف سے ، لیکن شرع میں زبان کفر کے اجراء کی رخصت بھی ہے ۔

حکایت مسیلمۃ الکذاب مسیلمۃ الکذاب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دو صحابیوں کو گرفتار کر کے ایک سے پوچھا ، کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں (معاذ اللہ) اس نے اقرار کیا تو اسے چھوڑ دیا دوسرے سے کہا تو اس نے کہا ، تو جھوٹا ہے ۔ اسے شہید کر دیا ۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اما الذی ترکہ فاخذ بالرخصۃ فلا تبعۃ علیہ و اما الذی صبر فاخذ بالفضل فھنیئا ۔	جس نے مسیلمۃ الکذاب کی رسالت کی گواہی دی اس نے رخصت پر عمل کیا اس پر کوئی باز پرس نہیں اور جس نے صبر کیا اور شہید ہو گیا اس نے فضیلت پر عمل کیا اسے مبارک ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے یعنی سماوات الارواح و ارض الاشباح والاجساد پر شہید یعنی حاضر ہے اس لیے کہ وہ سب اسی کے مظہر ہیں اور ذاتاً و صفاتاً و اسماءً کا ظہور انہی میں ہے اس لیے کہ ذات جمیع توابع وجودیہ کو مستلزم ہے ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ (بے شک جنہوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو ایذا دی)

حل لغات : الفتن سے مراد ان کا آگ میں جلانا مراد ہے اور فتنہ بمعنی ایذا دینا یعنی انہیں ان کے

دین کے بارے میں آزمایا اور ایذار اور عذاب کیا جس طرح ان سے ہوسکا تاکہ وہ دین حق کو چھوڑ دیں، جیسے اصحاب الاُخدود اور دوسرے ظالموں نے کیا جیسے کفار سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر عذاب کرتے تھے وغیرہ۔ اس معنیٰ پر موصول جنس کے لیے ہے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ابتلاء سے بلاء پہلے کیوں دفع نہ کی وہ اس لیے کہ اہل الولاء کوئی محبوبِ خدا ابتلاء سے خالی نہیں ہوتا ہے

وهيهات هيهات الصفاء لعاشق

وجنة عدن بالمكاره حفت

ترجمہ: عاشق سے آرام وقرار بہت دُور ہے اس لیے کہ جنت عدن تکالیف وغیرہ کے گھیرے میں ہے۔

ثُمَّ بعد اس کے کہ کیا جو کچھ کیا **لَمْ يَتُوبُوْا** پھر توبہ نہ کی اپنے کفر و فتنہ سے اس لیے کہ وہ جو مذکور ہوا فتنہ فی الدین سے وہ کافر کے دین سے بھی متصور نہیں ہوسکتا۔

نکتہ لفظ ثم لانے میں آگاہ کرنا ہے کہ وہ کریم کیسا حلیم ہے کہ قہر میں جلدی نہیں کرتا بلکہ توبہ قبول کرلیتا ہے خواہ کتنا ہی عرصہ گناہ میں گزر جائے۔

مسئلہ: امام (فخرالدین رازی رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ اس (اہلسنت) کی دلیل ہے کہ قاتل کی توبہ قبول ہے۔

فَلَهُمْ (تو ان کے لیے) آخرت میں ان کے کفر کے سبب سے **عَذَابُ جَهَنَّمَ** جہنم کا عذاب ہے جو ہمیشہ عذاب میں رہیں گے **وَلَهُمْ** (اور ان کے لیے) بسبب ان کے اہلِ ایمان کے فتنہ کے **عَذَابُ الْحَرِيْقِ** آگ کا عذاب یا عظیم عذاب جو ان کے جلانے میں دوسرے جہنمیوں کے عذاب سے زائد ہو، اس سے دونوں معطوفوں کی مغایرت ظاہر ہوگئی اگر وہ ایک دوسرے میں سے ظاہر ہیں اور یہ بھی ہے کہ عذاب جہنم سے سردی یعنی زمہریر کا عذاب اور عذاب الحریق سے جلانے کا عذاب مراد ہو کیونکہ جزاء از جنس عمل ہوتی ہے۔

حل لغات الحریق اسم بمعنی احتراق حرقۃ کی طرح۔ اور علامہ کاشفی رحمہ اللہ کا کہنا کہ عذاب الحریق بمعنی آتش سوزاں کا عذاب اشارہ کرتا ہے کہ حریق بمعنی نار محرقہ ہے جیسا کہ المفردات میں فرمایا کہ الحریق بمعنی النار۔ ایسے الحرق (بالتحریک) نار یا اس کا شعلہ (القاموس) اور حرق الشئ بمعنی بغیر شعلے کے شے میں حرارت واقع کرنا جیسے کپڑے کو کوٹ کر جلانا، اور احراق بمعنی کسی شے میں

ایسی آگ واقع کرنا جو شعلے والی ہو اسی سے استعارہ ہے۔

احرقنی بلومہ (اس نے مجھے اپنی ملامت سے جلایا)

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ایذارسانی میں حد کرے۔

ف: فقیر (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ الحریق اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے اور اس کا مقابلہ میں آنا زیادہ جلانے کا معنیٰ دیتا ہے اس لیے کہ عطف ترقی کے قبیل سے ہے کہ جس طرح ان کے قبائح میں ترقی ہُوئی عذاب میں بھی ویسے ہی ہوئی۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (بیشک جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے) یہاں علی الاطلاق اہلِ ایمان مراد ہیں وہ ایذاء دیے ہوئے ہوں یا اور لَهُمۡ (ان کے لیے) بسبب ایمان و عمل صالح کے منجملہ اس کے صبر علیٰ ایذاء الکفار اور ان کا جلانا بھی ہے۔

ف: پہلے جملہ میں فاء لانا اور دوسرے میں جواز الامرین کی دلیل ہے۔

جَنّٰتٌ باغ ہیں جو ان کے ایمان و عمل صالح کی جزا ہے کفار کے مقابلہ میں کہ ان کی جزا جہنم وغیرہ ہے تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ (جن کے نیچے نہریں جاری ہیں) ان کی جزاء ہے احتراق و حرارت کے مقابلہ میں۔

ف: الارشاد (تفسیر) میں ہے کہ اگر جنّات سے مراد اشجار (درخت) ہیں تو ان کے پانی کا جاری ہونا ظاہر ہونا ظاہر ہے اگر اس سے وُہ زمین مراد ہو جس پر اشجار مشتمل ہیں تو ان کے نیچے اس کے ظاہر پر جاری ہونے کے اعتبار سے ہے، اس لیے کہ اشجار زمین کے میدان کو چھپا دیتے ہیں جیسے انھیں اسم جنۃ کہنا بتاتا ہے۔

ذٰلِكَ وہ مذکور عظیم الشان یعنی حصول الجنان الۡفَوۡزُ الۡكَبِیۡرُ (بڑی کامیابی ہے) جس کے سامنے دنیا ومافیہا ہیچ ہے اس لیے کہ اس میں گوناگوں اور عجیب و غریب مرغوب اشیاء ہیں اس معنی پر یہ حصر اضافی ہے۔

ف: برہان القرآن میں ہے کہ ذٰلك مبتداء الفوز اس کی خبر الکبیر اس کی صفت ہے اور اس کی نظیر قرآن میں نہیں۔

حلِ لغات الفوز بمعنی نجات از شر اور خیر کی کامیابی، اگر اس میں اشارہ جنّات کی طرف ہے تو یہ مصدر بمعنی مفعول ہے بطور مبالغہ ورنہ اپنے حال پر مصدر رہے۔

نکتہ: امام (فخر الدین رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ ذٰلك فرمایا تلك نہیں۔ اس میں ایک باریک نکتہ ہے؛

وہ یہ کہ ذٰلک میں اللہ تعالیٰ کے ان جنّات کے حصول کی خبر دینے کی طرف اگر تلک ہوتا وہ اشارہ صرف جنّات کی طرف ہوتا اور یہ چنداں خوش کُن نہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ کی خبر دینے میں مسرت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خبر دے رہا ہے اپنی رضا کے اظہار پر اور مومن کے لیے سب سے بڑی خوشی ہے کہ اس کا رب اس سے راضی ہو الفوز الکبیر سے بھی رضائے الٰہی مراد ہے نہ کہ حصولِ جنّت۔

ف : فقیر (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک حصولِ جنّت فوزِ کبیر ہے اور رضائے الٰہی فوزِ اکبر ہے۔ ہاں تلک نہ کہنے کی ایک وجہ اور ہے وُہ یہ کہ جنّات من حیث الجنات کامیابی نہیں کامیابی بایں معنیٰ ہے کہ وہ حاصل ہوں اور ان کا داخلہ نصیب ہو (اور وہ رضائے الٰہی سے ہوگا)

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ (بیشک تیرے رب تعالیٰ کی گرفت بہت سخت ہے) جملہ مستانفہ ہے اور یہ خطاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے کہ کفارِ مکہ کو بھی اس مضمون میں عذاب کی وعید سے وافر حصہ ہے جیسا کہ عنوانِ ربوبیت پھر اس کی اضافت طرف ضمیر راجع بہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ظاہر ہے۔

حلِ لغات

البطش شے کو حملہ کر کے لینا اور سختی سے حاصل کرنا۔ کہا جاتا ہے، یدٌ باطشۃ (گرفت والا ہاتھ)

اسے شدۃ سے موصوف کرنے میں اس کے وہ گُنے کئی گنے شدۃ کی طرف اشارہ ہے کہ جبابرہ وظالمین کی گرفت تم نے دیکھی ہے کہ وہ کبھی انتقام اور بدلہ دیر کے بعد لیتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اس سے قبل انتقام و بدلہ سے عاجز تھے بلکہ اس میں ان کی اپنی کوئی مصلحت و حکمت ہوگی۔

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ بیشک وہ پہلے کرے اور پھر کرے مخلوق کو لوٹائے گا۔ انہیں عدم سے وجود میں لاتا ہے پھر انہیں مارے گا اور خیر و شر کی جزاء کے لیے بغیر کسی کے دخل کے (ان دونوں امور میں) ان سب کو لوٹائے گا۔

ف : اس میں مزید تقدیر شدّۃ ہے اس کی گرفت کے لیے' یا معنیٰ یہ ہے کہ کافروں کے لیے دنیا میں گرفت کرتا ہے اور آخرت میں پھر اپنی گرفت لوٹائے گا یعنی دنیا میں کافروں پر اپنی گرفت ظاہر کرتا ہے اور آخرت میں پھر ان پر گرفت ظاہر فرمائے گا، یہ اس کے عدل کا نشان ہے یعنی گرفت کرتا ہے اور آخرت میں عذاب کی ابتداء کر کے پھر اسی میں عذاب لوٹائے گا' جیسے فرمایا:

وبدلنا ھم جلوداً غیرھا۔ ہم ان کے چمڑے تبدیل کریں گے سوائے ان کے جو پہلے تھے۔

حدیث شریف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دوزخیوں کو آگ کھائے گی یہاں تک

کہ کوئلہ ہو جائیں گے پھر ان کی تخلیق جدید ہو گی، یہی آیت ہذا کی مراد ہے۔

رازدانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بیان

سیّدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوزخ کے متعلق راز کی بات پوچھی تو فرمایا:

یاحذیفۃ ان فی جھنم لسباعا من نار و کلابا من النار وسیوفا من نار و کلالیب من نار وانہ یبعث ملائکۃ یعلقون اھل النار بتلک الکلالیب باحناکھم ویقطعونھم بتلک السیوف عضوا عضوا ویلقونھا الی تلک السباع والکلاب کلما قطعوا عضوا عاد اٰخر مکانہ غضاطریا۔

اے حذیفہ! جہنم میں درندے ہیں آگ کے اور کُتے ہیں نار کے اور تلوار ہیں نار کی اور آگ کے لوہے کے کُنڈے ہوں گے اور ملائکہ کرام بھیجے جائیں گے جو اِن کُنڈوں کو اہلِ نار کے حلقوم میں ڈال کر انہیں لٹکا کر ان تلواروں سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہیں درندوں اور کُتوں کے آگے ڈال دیں گے جب ایک ٹکڑا کاٹا جائیگا تو اسی جگہ پر اور ترو تازہ ٹکڑا پیدا ہو جائے گا۔

ف: یا معنیٰ یہ ہے کہ وُہ انسان کو مٹی سے پیدا کر کے پھر اسے مٹی میں لوٹائیگا یا اسے نطفہ سے ابتدار کر کے اسے آخرت میں لوٹائے گا۔

حلِ لغات

کہا جاتا ہے: بدأ اللہ الخلق و أبدأھم فھو بادئھم و مبدئھم۔ ان سب کا ایک ہی معنیٰ ہے المبدئ بمعنی ابتدار ظاہر کرنے والا ہے۔ المعید بمعنی عدم کے بعد وجود میں لانے والا، گویا اعادہ بدأ ثانی ہے۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ المبدئ بمعنی المعید یعنی موجد، لیکن وہ ایجاد جس کی مثل پہلے نہ ہو اس کا نام ابدار ہے، اس کی مثل پہلے ہو تو اس کا نام اعادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کی ابتدائً تخلیق فرمائی پھر وہی انہیں لوٹائیگا یعنی قیامت میں اٹھایا جائے گا اس معنیٰ پر تمام اشیار کی ابتدار اسی سے ہوئی اور اسی کی طرف لوٹیں گے۔

المفردات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی المبدءُ والمعید ہے یعنی سب کے مبدا و نہایت میں وہی سبب ہے، بعض نے کہا کہ ابدار بمعنے شئے کا ایسے طریقے سے ظاہر کرنا جسے اسی طرح پھر لوٹایا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے مخلوق کی اس حکم پر ابتدار کی کہ وہ اسے لوٹائے گا، ایسے مبدئ کو معید کہا جاتا ہے۔ اسی لیے

کہا جاتا ہے کہ یہ دو اسم ایسے ہیں کہ دراصل ایک ہیں، یُوں کہ پہلے معنی کی تکمیل دوسرے سے ہوتی ہے۔ ایسے ہی ہر اسم کا معنیٰ تمام نہیں ہوتا، اس میں جو اسمائے الٰہیہ کے کمال کی طرف اس کا معنیٰ لوٹتا ہے سوائے اس اسم کے کہ جس میں اس کے معنیٰ کی تکمیل ہے۔

ف: حضرت امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و احسان کی ابتدا کرتا ہے اپنے بندوں کے لیے، پھر اسے لوٹاتا ہے اور بار بار لوٹاتا ہے کیونکہ کریم وہ ہے جو اپنی صنائع کی تربیت کرے۔

خاصیۃ المبدئ حاملہ کے پیٹ پر بوقتِ سحر انتیس بار پڑھنے سے حمل ساقط نہیں ہوتا (ثابت رہ کر پُورے وقت کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔

خاصیۃ المعید اسم معید کو بار بار پڑھا جائے تو بھُولی ہوئی یاد آجاتی ہے بالخصوص جس وقت اس کے ساتھ المبدئ بھی ملایا جائے۔

هُوَ الْغَفُوْرُ (اور وہی بخشنے والا) اس کے لیے جو کفر سے توبہ کرے اور ایمان لائے، ایسے ہی اس کے غیر کی بھی توبہ قبول کرتا ہے، ایسے ہی جو معاصی (گناہوں) سے تائب ہو اور جو گناہوں سے توبہ کرکے نہ مرے چاہے تو اسے بھی بخش دے **الْوَدُوْدُ** (اپنے بندوں کو پیارا) اور جو اس کی اطاعت کرے اُس کا محب ایسے ہی جو توبہ کرے۔ جیسے فرمایا: ان اللہ یحب التوابین (بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے پیار کرتا ہے)

ف: یہ بھی اس کے فضل بعدل کا نشان ہے ایسے ہی انسان کو رد اور نابود فرمائے گا اور پھر اسے اپنے فضل سے نواز کر بلند قدر بنائے گا۔

فضل او دلنواز غمخواراں
عدل او سینہ سوز جباراں

ترجمہ: اس کا فضل غمخواروں کا دلنواز ہے اس کا عدل جبار و سرکشوں کا سینہ سوز ہے۔

لطیفہ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بُت خانہ (مشرکین کے گروہ) میں سے نکل کر مقبول بن گئے اور ان کی سابقہ خطائیں بخشی گئیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ غفور و ودود ہے اور عبد اللہ بن اُبیّ (رئیس المنافقین) کی مسجد نبوی شریف میں زندگی بسر کرنے کے باوجود تمام نیکیاں مردود۔ اس لیے کہ اللہ کی گرفت بہت سخت ہے۔

حلِ لغات الودود یہاں پر فعول بمعنی فاعل ہے یہی مقام کا تقاضا ہے۔ اور حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الودود بمعنی بندوں سے پیار کرنے والا کہ ان کو کامل نعمتوں سے

نوازتا اور دائمی عافیت بخشتا ہے۔ اس معنیٰ پر فعول بمعنی مفعول ہے اس لیے کہ صالح بندے کرتے ہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ کی محبت کا نام اس کی اطاعت کرنے اور اس کے امر کی موافقت کرنے اور اس کی تعظیم اور اس کی ہیبت دل میں رکھنے کا۔

تفسیر صوفیانہ (۱) اہلِ حقیقت کا اتفاق ہے کہ جو محبت عوض کی منتظر ہے یہ معلولہ (بیمارِ محبت) ہے حقیقی محبت یہ ہے کہ ہر طمع و لالچ اور راثر سے صاف ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے محبوب ترین محب وہ ہیں جو میری عبادت کرتے ہیں بغیر کسی طمع اور لالچ کے، اور ربوبیت بھی ان کا حق کامل ادا کرتی ہے۔

بعض اکابرین نے فرمایا کہ عشق کا معنیٰ ہے دو روحوں کا آپس میں لپٹنا، اور محبت کا معنیٰ ہے اس لپٹنے سے صاف اور خالص ہونا اور ودّ کا معنیٰ ہے اس پر ثابت رہنا اور اسے قلب میں رکھنا۔ الہوٰی حُب کا قلب میں پہلا وقوع۔

(۲) تاویلات النجمیہ میں ہے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ودود اس کے لیے ہے جو اس کی طرف اس محبت سے متوجہ ہے جس کا اشارہ یتقرب الخ میں ہے یعنی جو ایک بالشت بھر میرے قریب ہوتا ہے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ جو محبت سے اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے تو وہ ودّ سے اس کے قریب ہو جاتا ہے اس لیے کہ ودّ بہ نسبت محبت کے قلب میں زیادہ مضبوط ہو کر ثابت ہونے والی ہے کیونکہ یہ الوتد سے ہے بمعنی میخ۔ القاموس میں ہے کہ الود، الوتد بمعنی میخ۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الودود وہ ہے جو جمیع خلائق کے لیے بھلائی چاہے اور ان پر احسان فرمائے اور دُگنا فضل و کرم فرمائے۔ یہ الرحیم کے معنیٰ کے قریب ہے لیکن رحمت مرحوم کی طرف اضافۃ کا نام ہے اور مرحوم محتاج و مضطر ہوتا ہے اور رحیم کے افعال مرحوم ضعیف مستدعی ہیں اور ودود کے افعال اس کے مستدعی نہیں بلکہ وہ ودّ کے تقاضا سے ابتداءً احسان کرتا ہے جیسے مرحمۃ کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مرحوم کے لیے خیر و بھلائی کا ارادہ کرنا اور اس کی کفایت کرنا اور وہ رقت سے منزّہ ہے، ایسے ہی الرحمۃ کا معنیٰ ہے یعنی اس کا کرامت و نعمت کا ارادہ کرنا اور وہ (اللہ تعالیٰ) میل المودۃ سے منزّہ ہے۔

بندہ ودود بندہ ودود وہ ہے جو خلقِ خدا کے لیے وہی چاہے جو وہ خود اپنے لیے چاہتا ہے اور اس سے بلند تر وہ ہے جو دوسروں کو خود پر ترجیح دے۔ جیسے کسی نے کہا کہ کاش میں دوزخ پر پُل بن جاؤں اور لوگ اس پر سے گزریں تاکہ دوزخ کی اذیت سے بچ جائیں اور اس سے

بڑھ کر باکمال وُہ ہے جو ایسے ایثار کے باوجود کسی سے حسد اور بُغض وکینہ نہ رکھے اور اگر کسی سے اذیت پہنچے اس پر خفا نہ ہو، جیسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کمال ہے کہ غزوۂ اُحد میں آپ کے دانت مبارک شہید ہُوئے اور چہرۂ اقدس خُون آلُود ہوا، تب بھی کہہ رہے تھے:

اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون۔ اے اللہ! میری قوم کو بخش دے اس لیے کہ وہ جانتے نہیں۔

کفّار کا دکھ پہنچانا آپ کے ارادۂ خیر میں مانع نہ ہُوا۔

وصیۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم لعلی رضی اللہ عنہٗ

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استدعا کی کہ میں مقربین سے سبقت لے جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ جو قطع کرے آپ اس کو صلہ دیں اور جو آپ کو اپنی دَین سے محروم کرے آپ اسے عطیات سے نوازیں، جو آپ پر ظلم کرے آپ اُسے معاف فرما دیں۔

خاصیۃ الودود

الحب کے لیے، بالخصوص زن وشوہر کے لیے، جو اسم یا ودود کو ہزار بار پڑھ کر کسی کھانے کی چیز (میٹھی وغیرہ) پر پڑھ کر دَم کرے پھر زن وشوہر اکٹھے مل کر کھائیں تو عورت مرد کے تابع ہوگی، یہاں تک کہ عورت کو مرد کی اطاعت کے بغیر چین نہ آئے گا۔

تجارت میں برکت

مروی ہے کہ یہ اسم اعظم ہے تاجر کی دعائیں، ان الفاظ کا ورد کرے:
یا ودود یا ذا العرش المجید یا مبدیٔ یا معید أسألك بنور وجھك الذی ملأ ارکان عرشك وبقدرتك التی قدرت بھا علیٰ جمیع خلقك وبرحمتك التی وسعت کل شیٔ لا الہ الا أنت یا مغیث اغثنی یا مغیث اغثنی یا مغیث اغثنی۔ (الحدیث)

ف: اس حدیث کا بہت سے ائمہ نے ذکر کیا ہے۔

ف: فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میں سحر اعلیٰ کے وقت لسانِ قلب سے کہتا رہا یا ودود، پھر میری زبان سے بے اختیار نکلا کہ میں کہہ رہا تھا یا رب اجعلنی محیطا (اے رب! مجھے محیط بنادے) اس سے میں سمجھا کہ اسم مذکور میں عظیم تاثیر ہے احاطہ کے بارے میں، اس لیے کہ الودود بمعنی المحبوب ہے اور ہے کہ جمیع اسماء الٰہیہ اسم اعظم سے محبت اور اس کی طرف میلان رکھتے ہیں اس سے ثابت ہُوا کہ اسم اعظم الودود ہے بمعنی المودود اور دوسروں کے لیے ودود بمعنی اسم الفاعل۔

وظیفہ یا ودود: جو شخص اسم ودود کا ورد بکثرت کرتا ہے بمعنی المودود تو اس سے جمیع مظاہر

محبت کرینگے اور اسے جمیع اسرار کا احاطہ نصیب ہوگا اور وہ تمام توجہات تک پہنچ جائیگا۔

تفسیر عالمانہ

ذُوالْعَرْشِ (عرش کا مالک) اس کا خالق۔ بعض نے کہا عرش سے مجازاً ملک مراد ہے یعنی مخلوقات سفلیہ اور مخترعات علویہ پر سلطنت قاہرہ والا۔ اگرچہ وہ تخت پر نہ ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے ،ثلّ عرش فلان (فلاں کی سلطنت گئی) اَلْمَجِیْدِ (بزرگی والا) یعنی وہ جس کی ذات شرافت والی اور اس کے افعال جمیل اور اس کی عطار جزیل ہو گویا جس کی ذات سے احسن فعال کا اقتران ہو وہ مجید ہے وہی ماجد ہے لیکن ان کا ایک (مجید) مبالغہ پر دلالت کرتا ہے گویا یہ اسم جلیل و اسم وہاب اور اسم کریم کا جامع ہے۔

حل لغات

القاموس میں ہے: المجید بمعنی الرفیع، العالی، الکریم شریف الفعال (شریف فعال والا) کہا جاتا ہے، مجدہ بمعنی عظمہ و اثنی علیہ (اس کی عظمت و ثناء بیان کی) اور اس کی عطائیں کثیر ہیں۔ التمجید بمعنی کسی کی اچھی صفات بیان کرنا اور اسے العرش کی صفت سے بھی پڑھا گیا ہے اور عرش کا مجد یعنی اس کی بلندی اور عظیم المقدار اور حسن الصورۃ والترکیب اس لیے کہ عرش احسن الاجسام ہے باعتبار ترکیب وصورۃ کے۔

عرش کی پہنائی

عرش الٰہی کے مقابلہ میں کرسی ایسے ہے جیسے ایک حلقہ زمین کے جنگل۔

ف: جب کرسی کا یہ حال ہے جو اپنی وسعت کے باوجود کوئی حیثیت نہیں رکھتی تو باقی اجرام علویہ وسفلیہ اس کے سامنے کیا ہیں۔

مسئلہ: حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عرش کو اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار فرمایا نہ یہ کہ کوئی مکان ہے اس کی ذات کا (معاذ اللہ) وہ مکین ہے (جیسے ابنِ تیمیہ اور اس کے مقلد نجدی اور وہابی دیوبندی کہتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ)

درسِ عبرت

بعض علماء کرام نے فرمایا کہ تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنی بڑی وسعت والے عرش کو دانوں سے بھر دے اور پرندہ پیدا کردے جو ایک دانہ ایک ہزار سال تک کھاتا رہے پھر یہ تمام دانے ختم کردے، دانے ختم ہو جائیں گے لیکن آخرت کی مدت ختم نہ ہوگی، اس کے باوجود آدم زادہ اس مدت کے عذاب سے نہیں ڈرتا۔ یہ آدم زادے کیسے نڈر ہو گئے ہیں کہ عمریں ایک حقیر شے (دنیا کی لذت اور گناہوں) میں ضائع کر رہے ہیں جو یہ لذات سریع الزوال (بہت جلد مٹنے والی) ہیں۔

عارف باللہ کا مرتبہ

اس میں قلبِ اشارہ کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے استواء (اس کی شان کے لائق) کی جگہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

قلب العارف عرش اللہ ۔ (عارف کا دل عرشِ اللہ ہے)

عارف باللہ کی مجد اور شرافت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سوائے قلب العرش کے اور کسی جگہ نہیں سماتا۔

خاصیّتِ اسمِ ذُوالعرش اس اسم مبارک (ذوالعرش) کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے بزرگی اور شرافت اور طہارۃ ظاہرًا و باطنًا نصیب ہوتی ہے، یہاں تک کہ عالم الابدان والصور میں۔

برص کا علاج برص والا بکثرت (بہت دنوں تک) روزے رکھے اور افطار کے وقت اس اسم (ذوالعرش) کو کثرت سے پڑھے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی سبب سے یا بلا سبب برص دفع ہو جائے گی۔

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (ہمیشہ جو چاہے کر لینے والا ہے) کہ اُس کا ارادہ اس کی مراد کے خلاف نہیں ہوتا اس کے اپنے افعال سے اور اپنے غیر کے افعال سے یہ اہلِ حق (اہلسنت) کی دلیل ہے کہ کوئی شے اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہوتی (خلافًا للمعتزلہ) یہ خبر مبتدا، محذوف ہے۔

نکتہ فعال بصیغہ مبالغہ (فاعل کا مبالغہ) اِس لئے کہا کہ اِحیاء (زندہ کرنا) و اِماتتہ (مارنا) اعزاز (عزت دینا) اذلال (ذلیل کرنا) اغناء (غنی کرنا) اقتار (تنگدست کرنا) شفاء، امراض (مریض کرنا) تقریب (قریب کرنا) تبعید (بعید کرنا) عمارہ (آباد کرنا) تخریب (خراب کرنا) وصل، فرق، کشف، حجاب و دیگر شئون کی کثرت کی وجہ سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کرتا ہے جو ارادہ کرتا ہے اہلِ ایمان اور کافروں سے اور اربابِ ارواح و اسرار و قلوب و اصحابِ نفوس و اہلِ ہوٰی سے کہ اگر ارادہ کرے کہ وہ اربابِ نفوس کو اربابِ ارواح بنا دے تو وہ اس پر قادر ہے اور وہ عادل بھی ہے اور اگر وہ اس کے برعکس کرے تو بھی کر سکتا ہے اور یہ اس کا اس میں فضل ہوگا اور چاہے تو کسی کو اپنے جلال سے محجوب کر دے جیسے منکرین سے کرتا ہے اور چاہے تو اپنے جمال کے جلووں سے جلوہ گر فرمائے جیسے مقربین کو اور چاہے تو کسی کو اپنے فیض سے فیضیاب فرما دے جیسے عارفین کو۔

ف: حضرت قفال رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اپنے اولیاء کو جنت میں داخل کر دے گا تو اسے کوئی نہیں روک سکتا اور اعداء کو جہنم میں داخل کرے گا تو اعداء کی کوئی مدد نہ کر سکے گا اور بعض عاصیوں کو مہلت دیتا ہے جتنی دیر چاہے یہاں تک کہ اسے سزا دینا چاہے تو بعض کو جلد سے جلد سزا دے جو، چاہے کرے (مالک ہے)۔

حکایت: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے تو چند لوگ طبع پرسی کے لیے حاضر ہوئے

عرض کی ؛ حکم ہو تو طبیب کو بلایا جائے ۔ فرمایا ، مجھے اس نے دیکھا ہے ، عرض کی گئی پھر اس نے کیا کہا ؟ فرمایا ، اس نے کہا ہے فعال لما یرید ۔

تفسیر عالمانہ هَلْ اَتٰىكَ (کیا تمہارے پاس آئی ہے) یعنی بیشک آئی ہے کیونکہ یہ استفہام تقریر ہے حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ (لشکروں کی بات) وہ کافروں کی جماعتیں جنہوں نے انبیاء علیہم السلام پر لشکر کشی کی زمانۂ ماضی میں اور ان کی خبر سب کو معلوم ہے کہ ان سے کیا صادر ہوا کفر و گمراہی میں سرکشی کی تو پھر سب کو خبر ہے کہ ان کے لیے کیسے کیسے سنگین عذاب نازل ہوئے فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ (فرعون و ثمود) الجنود سے بدل ہے اگرچہ بظاہر یہ مبدل منہ کے مطابق نہیں کہ وہ جمع ہے اور یہ واحد لیکن معنیً مطابق ہے کہ اس سے فرعون کا لشکر مراد ہے یہاں مضاف محذوف ہے یعنی فرعون کے لشکر کی بات تمہارے پاس آئی اور وہ حالات بھی جو انہوں نے تکذیب کی اور وہ خبریں بھی کہ ان کا کیا حشر ہوا فرعون کے قصے اور اس کے لشکر کا ڈوبنا اور موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کا معاملہ بالکل واضح اور روشن ہے ایسے ہی صالح علیہ السلام کی قوم ثمود کی ہلاکت بھی سب کو معلوم ہے کیونکہ یہ اہلِ عرب کی گزرگاہ تھی اور ان کے شہروں میں ان کا آنا جانا تھا ۔

ف ؛ ثمود کا ذکر فرعون سے مؤخر اس لیے کیا حالانکہ قوم ثمود پہلے گزری ہے صرف رعایت الفواصل کی وجہ سے ہے ۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تیرے پاس محجوبین کی بات نہیں آئی کہ وہ انانیت میں کیسے مارے گئے جیسے فرعون اور اس کے طور کے دوسرے لوگ یا آثار و اغیار سے تباہ ہوئے جیسے قوم ثمود اور جو ان کے ساتھ متصل ہوئے ۔

تفسیر عالمانہ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ بلکہ کافر یعنی کفارِ مکہ جھٹلانے میں ہیں ، یہ ان کی مماثلت سے اضراب ہے اور بیان ہے کہ یہ کفر اور سرکشی میں بڑھ کر ہیں اور تکذیب کی تنکیر تعظیم کی ہے گویا یہ ان کی مثل نہیں ہیں کفر و تکذیب میں بلکہ ان سے سخت تر ہیں استحقاق عذاب و استیجاب عقاب میں کیونکہ وہ قرآن ناطق کی تکذیب میں سخت ڈٹے ہوئے ہیں لیکن وہ بھی اس لیے نہیں کہ وقوع حدوث کی تکذیب کر رہے ہیں بلکہ اس لیے کہ قرآن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے کو جھٹلاتے ہیں باوجودیکہ اس کا امر واضح اور اس کا حال دلائل بینات سے ظاہر ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ تکذیب میں ہیں کہ ان کی عادت و جبلت صفت و تکذیب پر ہے یا ان کی جبلت ہی ایسی ہے کہ اس سے ان کا جدا ہو جانا ان کے لیے مشکل ہے سوائے چند ایک کے ، وہ ہیں کاملین جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛ فمن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ

من نور ۔ تو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے یعنی اس کی استعداد میں نور بنایا ہی نہیں تو اس کے لیے نور نہیں ہے

خوے بد در طبیعتے کہ نشست

زہد جز بوقت مرگ از دست

ترجمہ : بُری عادت جس طبیعت میں بیٹھ گئی وہ موت سے پہلے ہاتھ سے نہ جائے گی۔

ف : اس میں اہلِ حق کے منکرین کی تکذیب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اُن کے ساتھ رہنے کے حالات سے تو ان سے باخبر ہیں لیکن انھیں واردات اوپر سے وارد ہوتے ہیں ان کے ایسے حالات سے بے خبر ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ (اور اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے سے انھیں گھیرے ہوئے ہے) قدرت سے یہ تمثیل ہے ان کے عدمِ نجات سے عذابِ الٰہی سے کہ محیط سے محاط فوت نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر ہر طرف سے راہ بند ہوتے ہیں کہ جہاں سے وہ نکل کر بھاگ سکے۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ محیط وہ ہے جس سے محاط فوت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ محیط سے کوئی شے کیسے فوت ہو جائے جب وہ اللہ تعالیٰ عارفین کے نزدیک کافرین کو بلکہ جملہ موجودات کو محیط ہے بایں معنی کہ صورِ موجودات میں اسی کا جلوہ ہے۔ پس وہ سبحانہٗ تعالیٰ جمیع اسماء کی احدیت سے تمام موجودات میں ساری ہے ذاتاً وحیاۃً وعلماً وقدرۃً ایسے ہی دیگر صفات سے، اور احاطہ سے مراد یہی سرایت ہے یعنی آسمانوں اور زمینوں کا کوئی ذرّہ اس سے غائب نہیں اور ہر وہ جو اس سے غائب ہے وہ عدم سے لاحق ہے اور اہلِ حق نے کہا کہ یہ احاطہ وہ نہیں جو ظرف کا مظروف کے لیے ہوتا ہے نہ ہی کل کا اجزاء پر اور نہ ہی احاطہ کلی کا جزئیات پر بلکہ یہ احاطہ ایسے ہے جیسے ملزوم کا لازم سے اس لیے کہ تعینات لاحقہ ذات مطلقہ کیلئے لازم ہیں بالواسطہ یا بلا واسطۃ بالشرط یا بلا شرط اور وحدت ملزوم میں کثرۃ لوازم قادح نہیں اور اس کے منافی ہے واللہ تعالیٰ اعلم بالحقائق (اللہ تعالیٰ حقائق کو خوب جانتا ہے)

تفسیرِ عالمانہ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ (بلکہ وہ قرآن شرف والا ہے) اس طرح نہیں جیسے کافروں نے کہا بلکہ جس کی انہوں نے تکذیب کی یہ قرآن شرافت والا اور اعلیٰ قدر ہے تمام کتبِ الٰہیہ سے نظم و معنیٰ میں اور مکارمِ دنیویہ و مکارمِ اخرویہ کو متضمن ہے فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (لوحِ محفوظ میں) یعنی محفوظ ہے تحریف سے اور شیطان کی پہنچ سے۔

حلِ لغات لوح وہ صحیفہ (کتاب جس کی لمبائی چوڑائی ہو لکڑی کی، یا عظمت والی ہے) (قاموس) امامِ راغب نے فرمایا : لوح، الواح کا واحد ہے بمعنی سفینہ، اور وہ شے جس پر لکھا جائے، لکڑی کی ہو یا کسی اور شے کی۔ یہاں پر یہی مراد ہے۔

لوحِ محفوظ کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ کو سفید موتیوں سے بنایا اس کے دونوں کنارے سُرخ رنگ کے ہیں اور اس کا طول آسمان و زمین کی درمیانی مسافت کے برابر، اور عرض ما بین المشرق و المغرب کے برابر۔ اللہ تعالیٰ اسے ہر روز تین سو ساٹھ نگاہِ کرم سے نوازتا ہے وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہی عزت و ذلت دیتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

لوحِ محفوظ پر نامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم [1] صدر لوحِ محفوظ پر لکھا ہے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہ ودینہ الاسلام ومحمد عبدہ ورسولہ فمن اٰمن بہ وصدق وعدہ واتبع رسلہ أدخلہ الجنۃ۔ (ص ۳۹۶)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا دین اسلام ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اس کا عبد اور رسول ہے جو اس پر ایمان لائے اور اس کا وعدہ سچا کیا اور اس کے رسولوں کی اتباع کی اللہ تعالیٰ نے اسے بہشت میں داخل کیا۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے بلکہ وہ جو تلاوت کیا اور پڑھا گیا ہے کافروں و منافقوں کے سامنے، وہ قرآن عظیم مجید شریف ہے مثبوت ہے لوحِ قلبِ محمدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) میں اور ان کے وارثین اولیاء عارفین محبین عاشقین کے الواحِ قلوب میں وہ محفوظ ہے نفس امارہ کافرہ کے ہاتھوں کی تحریف اور ہوائے ماکر اور تمام قوائے بشریہ سے جو ساری ہیں اقطارِ وجودِ انسانی میں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، وانا لہٗ لحافظون (اور ہم ہیں اس کی حفاظت کرنیوالے) یعنی حفاظ کے سینوں اور مومنین کے قلوب میں۔

فراغت صاحبِ رُوح البیان قدس سرّہٗ سورۃ البروج (اللہ تعالیٰ کی ذات سے وہی ہے جو اس کی طرف رجوع و عروج ہے) کی تفسیر سے عصر کے وقت ۶ ماہِ مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۱۱۱۷ھ میں فراغت پائی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے بعد مغرب ۱۱ رجب المکرم ۱۴۰۶ھ میں شب پیر کو تفسیر سورۃ البروج کے ترجمہ سے فراغت پائی الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

---

[1] درود تاج میں ہے اسم مکتوب ..... منقوش فی اللوح والقلم۔ اس کی دلیل یہی حدیث ہے۔ اویسی غفرلہٗ۔

سُورَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّة — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — (۱) اٰيَاتُهَا ۱۷ رُكُوعُهَا ۱

سورۃ الطارق مکیہ ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — سترہ آیتیں ہیں

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾ اِنْ

آسمان کی قسم اور رات کو آنیوالے کی — اور کچھ تم نے جانا وہ رات کو آنے والا کیا ہے — خوب چمکتا تارا — کوئی

كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ

جان نہیں جس پر نگہبان نہ ہو — تو چاہیئے کہ آدمی غور کرے کہ کس چیز سے بنایا گیا بنایا گیا جست کرتے پانی

دَافِقٍ ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾ يَوْمَ

جو نکلتا ہے پیٹھ اور سینوں کے بیچ سے — بے شک اللہ اس کے واپس کردینے پر قادر ہے — جس

تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ

جس دن چھپی باتوں کی جانچ ہوگی تو آدمی کے پاس نہ کچھ زور ہوگا نہ کوئی مددگار آسمان کی قسم جس سے مینہ اترتا ہے اور زمین کی جو

ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ

اس سے کھلتی ہے — بے شک قرآن ضرور فیصلہ کی بات ہے اور کوئی ہنسی کی بات نہیں بے شک کافر اپنا سا داؤں چلتے ہیں

كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

اور میں اپنی خفیہ تدبیر فرماتا ہوں — تو تم کافروں کو ڈھیل دو انہیں کچھ تھوڑی مہلت دو

سورۃ الطارق[1]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ (آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی)

حل لغات: دراصل طارق اسم فاعل از طرق طرقاً، طروقاً سے ہے بمعنی رات کو آیا۔

امام الماوردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الطرق کا اصل الدق (کوٹنا) ہے، اسی سے مطرقۃ (ہتھوڑا) ہے کیونکہ وہ لوہا کوٹتا ہے۔ الطریق (راستہ) کیونکہ وہ پاؤں سے روندا جاتا ہے۔ رات کے قاصد کو طارق اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ دروازے کھٹکھٹانے کا محتاج ہے کیونکہ رات کو اکثر دروازے بند ہوتے ہیں، پھر وسعت دے کر ہر وہ جو رات کو آئے (ظاہر ہو) اسے طارق کہتے ہیں چاہے کوئی ہو اس

---

[1] اس سورۂ مبارکہ میں کائنات کے حسین وجمیل مظاہر کی طرف انسان کو متوجہ کیا گیا ہے تاکہ وہ ان مظاہر کو دیکھ کر قیامت کے وجود کا یقین کر سکے۔ اویسی غفرلہٗ

توسیع میں اور وسعت دے کر عام کر دیا گیا یہاں تک کہ ان صُورِ خیالیہ کو جو رات کو ظاہر ہوں ان بھی طارق کہتے ہیں لیکن یہاں ستارہ مراد ہے جو رات کو ظاہر ہوتا ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نجم کو طارق اسی لیے کہا گیا کہ اس کا ظہور رات کو ہوتا ہے۔

ہند بن عتبہ نے غزوۂ اُحد میں کہا ؎

نحن بنات طارق

نمشی علی النمارق

ترجمہ: ہم طارق کی بیٹیاں ہیں ہم گدیلوں پر چلتی ہیں۔

یعنی ہمارے باپ ستاروں کی طرح ہیں بزرگی و بلندی میں۔

ایک دوسرے شاعر نے کہا: ؎

یا راقد اللیل مسرورا باولہ ان الحوادث قد یطرقن اسحارا

لا تفرحن بلیل طاب اولہ فرب آخر اللیل اجج النارا

ترجمہ: اے اول رات کو سونے والو! حوادث تو سحروں کے وقت ظاہر ہوتے ہیں رات کے پچھلے حصے کی خوشی سے خوش نہ ہو۔ بسا اوقات رات کے آخری حصے میں آگ بھڑکائی گئی۔

قلب محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم: حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وما طرق علی قلب محمد من زوائد البیان والانعام۔ قسم ان زوائد بیانات اور انعامات کی جو قلبِ سیدِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم سے نمودار ہوئے۔ (ص ۳۹۶)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سماء قلب و کواکب واردات قلبیہ والہامات غیبیہ عظیمۃ الشان وقوی البرہان کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ ربط: اس کے فخامۃ امر و شہامۃ قدر کی وجہ سے اس کے بعد فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ (اور کچھ تم نے جانا کہ رات کو آنے والا کیا ہے)

یعنی کس نے طارق کا علم دیا، اس لیے اس کا علم مخلوق سے حاصل نہیں ہو سکتا جب تک خلّاق علیم نہ بتلائے۔ گویا سوال ہوا کہ وہ ہے کیا؟ تو فرمایا اَلنَّجْمُ الثَّاقِبُ خوب چمکدار تارا۔

حلِ لغات النجم ستارہ طلوع کرنے والا۔ الثقب بمعنی سوراخ کرنا۔ الثقوب والثقابۃ آگ کا روشن ہونا۔ کہا جاتا ہے ثقبہ ثقبا اس میں منفذ او مسلکا بنایا اور سوراخ کیا۔

ثقبت النار تثقب ثقوبا (آگ روشن ہوئی اور شعلہ نکالا) و ثقب النجم (ستارہ چمکا) شہاب ثاقب بمعنی چمکتا ستارہ ۔ پہلے اسے طارق کے وصفِ عام سے متصف کیا گیا پھر اس کی مخصوص صفت سے تفسیر فرمائی تاکہ اس کی شان کی عظمت کا اظہار ہو۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ خوب چمکتا ستارہ ہے یعنی درخشندہ و فروزاں، جیسے شعلۂ آتش ۔ اس لئے وہ اپنے نور سے روشن کرتا ہے اور اسے بھی جس پر تاریکیاں واقع ہوں یا افلاک کو، اور انھیں راستہ بناتا ہے۔

تفاسیر نجم ثاقب

(۱) بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ایک ہی ستارہ نہیں بلکہ تمام ستارے ہیں کیونکہ طارق اسم جنس ہے ۔ چنانچہ حضرت حسن کا ہی قول ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ہر ستارہ چمکتا ہے اگرچہ ان کی چمک چمک میں فرق ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور ستاروں کی قسم یاد فرمائی اس لیے کہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت پر دلالت کرتے ہیں یا معہود ستارہ اس کی تیزئ چمک کی وجہ سے یہ رکب السلطان کے قبیل سے ہے ۔

(۲) حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ، طارق جدی ہے ۔

(۳) اور زحل کے متعلق ابن زید نے کہا ، یہ ساتویں آسمان پر چمکتا ہے وہ اپنی نورانیت سے ساتوں آسمانوں پر روشنی پھیلاتا ہے ۔

(۴) بعض نے کہا ، وہ صبح کا ستارہ ثریا ہے ، کیونکہ اہلِ عرب اسی کو ہی النجم کہتے ہیں۔

شانِ نزول

ایک شب سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ابو طالب کچھ ہدیہ لائے حضورِ اکرم اس کو تناول فرما رہے تھے اس دوران میں ایک تارا ٹوٹا اور تمام فضا اس سے بھر گئی ، ابو طالب گھبرا کر کہنے لگے ، یہ کیا ہے ؟ سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا : یہ ہے جس سے شیطان مارے جاتے ہیں اور یہ قدرتِ الٰہی کی نشانیوں میں سے ہے ابو طالب کو اس سے تعجب ہوا ، اُسی وقت جبریلِ علیہ السلام نازل ہُوئے اور یہ آیت لائے والسماء و الطارق الخ

تفسیر صُوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کوکبِ اسم جمال کی طرف جو چمکتا ستارہ ہے اور کوکب اسم جلال کی طرف ۔ امام قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے روحِ انسانی اور وہ عقل مراد ہے جو ظلمتِ نفس میں ظاہر ہوتی ہے ۔ یہ وہ ستارہ ہے جس سے نفس کی ظلمت روشن ہوتی ہے اور وہ اس میں چلتا ہے اور اسی کے نور سے دمکتا اور ہدایت پاتا ہے ، جیسے فرمایا ، وبالنجم هم يهتدون (اور وہ ستارے سے ہی راہ پاتے ہیں)

تفسیر عالمانہ اِنْ کُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَیْهَا حَافِظٌ (کوئی جان نہیں جس پر نگہبان نہ ہو)
یہ جواب قسم اور اس کے درمیان جملہ معترضہ ہے جملہ مقسم بہ کی فخامت کی تاکید کے لیے
لایا گیا ہے جو جملہ مقسم علیہا کے مضمون کی تاکید کے تابع ہے۔ اِن نافیہ ہے لَمَّا بمعنی اِلَّا ہے۔

قاعدہ زجاج نے کہا کہ لمّا بمعنی اِلّا دو جگہوں پر استعمال ہوتا ہے،
(۱) اِن نافیہ کے بعد (جیسے یہاں ہے)
(۲) باب قسم میں، جیسے تم کہتے ہو، سالتک لما فعلت بمعنی الا فعلت، اور حفظ کا باب
متعدی بعلی ہے مھیمنۃ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے۔

اب معنی یہ ہوا کہ کوئی نفس ہو طیبہ یا خبیثہ، انسیہ یا جنیہ نہیں ہے مگر اس پر حافظ نگران رقیب ہے
یعنی اللہ تعالیٰ نے جیسے فرمایا؛
وکان اللہ علیٰ کل شیءٍ رقیبا۔ (اللہ ہر شے پر رقیب ہے)

حکایت ایک عورت مکہ معظمہ میں فاسقہ و فاجرہ تھی اس نے دعویٰ کیا کہ طاؤس یمانی کو طاعت الٰہی
سے پھیر لوں گی اور اسے معصیت میں مبتلا کروں گی۔ طاؤس یمانی نیک مرد، خوش خلق اور
خوش طبع انسان تھا وُہ عورت طاؤس یمانی کے پاس آئی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کیں اور اشارہ کنایہ سے
اپنا مطلب بیان کر گئی۔ طاؤس یمانی بھی اس کا مقصد سمجھ گئے ازراہِ مزاح فرمایا کہ آج صبر کر کل فلاں جگہ آجانا۔
کل دونوں اس معہود جگہ پر پہنچ گئے وہاں تو مجمع کثیر تھا طاؤس یمانی نے کہا اب اپنا مقصد پورا کر لے۔ اس عورت
نے کہا یہاں تو لوگ بکثرت ہیں ہماری برائی کو دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔ طاؤس یمانی نے کہا خدا کی بندی! لوگوں
کے دیکھنے سے تو شرما رہی ہے اس ذات سے نہیں شرماتی جو سب کو اور ہر جگہ دیکھتا ہے۔ کیا تو انہی سے ہے
جو لوگوں سے تو ڈرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ طاؤس یمانی کا یہ قول عورت کے دل پر اثر کر گیا
وہ اُسی وقت تائب ہوئی اور اولیاء کی صف میں شامل ہو گئی۔

حکایت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک چرواہے غلام کے پاس سے گزرے، فرمایا ایک بکری کی ضرورت
ہے بیچو گے؟ عرض کی: بکریاں میری نہیں میرے مالک کی ہیں، میں نہیں بیچ سکتا۔ آپ نے فرمایا
مالک سے کہہ دینا ایک بکری بھیڑیا کھا گیا ہے۔ عرض کی مالک سے تو کہہ دوں گا لیکن اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا۔
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اس کا جواب پسند آیا آپ نے بکریاں غلام سمیت خرید کر غلام کو آزاد کر دیا اور
بکریاں اسی غلام کو عطا کر دیں۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما غلام کے مقولہ "این اللہ" یعنی مذکورہ
بالا جواب کو یاد فرماتے تھے۔

سبق: بہت سے لوگ (صاحب المراقبہ) ترکِ معصیت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے حیاء اور اس کی ہیبت کی وجہ سے یہ بات ان پر زیادہ مؤثر ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اس کے عذاب کے ڈر سے ترکِ معصیت کریں۔

ف: بعض نے کہا کہ حافظ سے مراد فرشتہ ہے جو اس کے اعمال کی نگہبانی کرتا اور جو بھلائی برائی کرتا ہے تو وہ اسے لکھ لیتا ہے جیسے فرمایا:

وان علیکم لحافظین (اور بیشک تم پر نگران فرشتے ہیں)

ہمارے اعمال کے نگرانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں ہمارے اعمال پیش ہوتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تعرض علی اعمالکم فما کان من حسنۃ حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئۃ استغفرت اللہ لکم (ص ۳۹۸)

میرے سامنے تمہارے اعمال پیش کیے جاتے ہیں جو نیکی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں برائی ہو تو تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔

مومن کے ایک سو بیس نگران فرشتے

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ہر مومن کے ساتھ ایک سو بیس فرشتے نگران ہیں جو اس سے شیاطین کو ایسے ہٹاتے ہیں جیسے شہد کے پیالے سے مکھیاں ہٹائی جاتی ہیں اگر مومن کو اس کے نفس کے آنکھ جھپکنے کی دیر سپرد کیا جائے تو اسے شیاطین اُچک کے لے جائیں (گمراہ کر دیں)

ف: لمّا کو مخففہ بھی پڑھا گیا ہے اس وقت ان مخففہ اور ما زائدہ اور لام فاصلہ کی ہوگی درمیان مخففہ اور نافیہ کے۔

اب معنیٰ یہ ہوگا کہ شان یہ ہے کہ ہر نفس اس پر نگران ہے۔

ف: آیت میں نفوس کی تخویف (ڈرانا) ہے ان امور سے جو ضارہ (ضرر رساں) ہیں اور ترغیب ہے ان شئون میں جو نافعہ ہیں۔

ف: بعض تفاسیر میں ہے کہ نفس سے عام نفس مکلّف مراد ہے انسان ہو یا جن، اور نفس المکلف بھی عموم الحفظ کے لیے بعض وجوہ سے ایسے ہی کل نفس مراد ہو سکتے ہیں اس میں نفوس حیوانیہ مطلقاً شامل ہیں بلکہ ہر شے ماسوی اللہ اس لیے کہ نفس سے ذات مراد ہے اس لیے کہ ہر شے کا نفس اس کی ذات ہے اور اس کی ذات اس کا نفس ہے اور حافظ سے خود اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے اس لیے کہ وہ شے کے احوال کو جانتا ہے اور اس تک اس کے منافع پہنچاتا اور اس سے ضرر رساں چیزوں کو دفع کرتا ہے۔

ف: بندہ حافظ ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے جوارح وقلب اور اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے

غضب کے حملہ اور علاوہ شہوت اور نفس کے دھوکا اور غرور شیطان سے اس لیے کہ وہ گرنے والی دیوار کے کنارے پر ہے اور اسے یہی ملکات گلے پڑے ہوئے ہیں جو اسے ہلاکت تک پہنچاتے ہیں۔

خاصیۃ الحفیظ اسم حفیظ کے خواص میں سے ایک یہ ہے کہ اسے لکھ کر گلے میں ڈال دو اگرچہ درندوں کے درمیان سوتے رہو، درندوں سے اور ہر موذی شے سے حفاظت رہے گی۔

تفسیر صُوفیانہ حافظ اللہ ہے اگر نفس سے تمام نفوس مراد ہوں اگر اس سے وہی اصطلاحی نفس مراد ہے یعنی قوّتِ حیوانیہ تو اس کا حافظ رُوحِ انسانی ہے۔

تفسیر عالمانہ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ تو چاہیے انسان غور کرے فکر کرے انسان جو جہل و نسیان کا مرکب ہے اور نشور و حشر و میزان کا منکر ہے مِمَّ خُلِقَ کہ کس چیز سے بنایا گیا ہے مِمَّ دراصل مِمَّا تھا الف تخفیفاً محذوف ہوا جیسے عَمَّ میں گزرا۔ یعنی غور کرنے پر اسے واضح ہوگا کہ کن مواد سے اس کی پیدائش مقدر ہوئی جبکہ اس نے حیات کی بُو بھی نہ سُونگھی تھی پھر وہی رب تعالیٰ اس کے اعادہ پر قادر ہے بلکہ زیادہ قادر ہے اگر عقل سے کام لیا جائے تو پھر یہ یوم اعادہ و جزاء کے لیے وہ عمل کرے جو اسے اسی دن نفع دے اور محنت کرے اور ایسے کام نہ کرے جو اس کا نگران فرشتہ لکھ لے تو اسے ہلاکت میں ڈالے خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ (جست کرتے پانی سے) جملہ مستانفہ ہے، استفہام مقدر کا جواب ہے گویا کہا گیا کہ کس شئے سے پیدا ہوا تو جواب ملا ایسے پانی سے جو جست والا ہے وُہ پانی جس میں دفع کے ساتھ گرنا اور تیزی سے بہنا ہو یعنی دفق بمعنی پانی کا گرانا از باب نصر۔

سوال: اسے نسبت کے معنیٰ سے کیوں تاویل کیا گیا ہے؟

جواب: اس لیے ٹپکنا سے متصور نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ تو ٹپکایا ہُوا ہے نہ کہ ٹپکنے والا، پھر اسے دافق سے موصوف کیا گیا اس سے قطع نظر کرکے کہ وہ اسی سے صادر ہو۔

ف: بعض نے فرمایا کہ ماء مصبوب یعنی وُہ پانی جو رحم میں گرایا ہوا، جیسے کہا جاتا ہے سرٌّ کاتِمٌ یعنی راز چھپایا ہُوا۔ اور عیشۃ راضیۃ اور عیش پسندیدہ بمعنی مرضیۃ، اس تقریر پر یہ فاعل بمعنی مفعول ہوگا۔ اس سے مراد وہ پانی ہے جو رحم میں دو پانیوں سے مل کر ایک ہو جائے، جیسے اگلا مضمون بتاتا ہے اور چونکہ وہ دونوں مل کر ایک ہوگئے ہیں اسی لیے اسے مفرد سے تعبیر کیا گیا ہے ایسے ہی اسی ممتزج کو دافق کی صفت دی گئی یہ توصیف المجموع بوصف بعض اجزائہ کے قبیل سے ہے۔

يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ (نکلتا ہے وہ جست والا پانی پیٹھ اور سینوں کے

بیچ سے) صلب شدید سے، اسی اعتبار سے پیٹھ کو صُلب کہا جاتا ہے، یعنی مرد کی پیٹھ اور عورت کے سینے کے بیچ سے۔

حلِ لغات الترائب عورت کے سینے کی پسلیاں اور ہڈیاں جہاں ہار ٹھہرا رہتا ہے، اس کی ہر ہڈی کو تریبۃ کہا جاتا ہے۔ حضرت علی و حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا پستانوں کے درمیان۔ القاموس میں ہے کہ سینہ کی ہڈیاں یا وہ جو اس کی دونوں ہنسلیوں کے ساتھ متصل ہے یا چار پسلیاں ہیں سینے کی دائیں اور چار اس کے بائیں جانب یا دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں اور دونوں آنکھیں یا ہار کے ٹھہرنے کی جگہ۔ اسی لیے باپ بچے کی معاش کے مصالح کا حامل ہوتا ہے اور ماں کو بچے سے رقّتِ قلبی اور محبت زیادہ ہوتی ہے۔

نکتہ بَیْنَ کے لفظ میں اشارہ ہے کہ نطفہ زن و شوہر کے جملہ اجزاء بدن سے تیار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اولاد اکثر ماں کے مشابہ ہوتی ہے کیونکہ نطفہ کا پانی مرد کی صُلب میں اور عورت کے سینہ میں جمع ہوتا ہے پھر اس کے بعد جاری ہو کر رحم میں ایک ہو کر جمع ہو جاتے ہیں۔

منی کی تحقیق قُوت القلوب میں ہے کہ منی دراصل خُون ہے جو صُلب کے جوڑوں پر چڑھتا ہے اور وہی اس کا مسکن ہوتا ہے پھر اسے حرارت جسمانی پکاتی ہے یہاں تک کہ وہ سفید ہو جاتا ہے (یہی منی ہے) جب صُلب کے جوڑ منی سے بھر جاتے ہیں تو پھر وُہ اپنی جگہ سے نکلنا چاہتی ہے اور اس کے نکلنے کا مسلک دو رگیں ہیں جو مرد و عورت کے فرج سے متصل ہیں انہی سے منی گرتی ہے۔

ف: اسئلۃ الحکم (ایک کتاب) میں ہے وہ طریق بول سے نکلتی ہے اور طریق بول ایک رقیق چمڑا ہے جس کی تشخیص مشکل سے ہوتی ہے تاکہ منی پیشاب کے پانی سے نہ مل جائے جس سے اس کے جوہر کی حرارت فاسد ہو جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انسان پیدا کیا گیا ہے رطوبت رحمانی کے پانی سے جس کی طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ:

انہ أجد نفس الرحمٰن من قبل الیمن۔ (ص ۳۹۹) — میں نفس رحمٰن کی خوشبو یمن سے پاتا ہوں۔

وُہ پانی فوارۂ محبت کے منہ سے نکلتا ہے جس کی طرف حدیث قدسی شریف میں اشارہ ہے:

کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق الخارج من بین الصلب۔ — (ترجمہ) میں مخفی خزانہ تھا میرا ارادہ ہوا کہ پہچانا جاؤں تو مخلوق کو پیدا کیا جو صلب کے درمیان سے پیدا ہوتی ہے۔

وہ پانی صلب مرد یعنی قوۃ فاعلیہ الٰہیہ سے، جس کا نام الید الیمنی ہے جسے حدیث شریف میں بیان کیا گیا کہ

ثم مسح یدہ الیمنیٰ علی جانب الظہر الایمن فاستخرج منہ ذریۃ بیضاء کالفضۃ البیضاء و الترائب و ترائب امرأۃ القابلیۃ ۔	پھر دایاں ہاتھ صلب کی دائیں جانب پھیرا تو اس سے چاندی جیسے سفید ذرات نکالے اور عورت قابلیۃ کے سینے سے پیدا کیا ۔

اور اس سے وہ قابلیت مراد ہے جس کا نام الید الیسریٰ ہے جس کا ذکر حدیث شریف میں ہے ،

ثم مسح یدہ الیسری علی جانب الظہر الایسر فاستخرج منہ ذراری حماء سوداء ۔	پھر بایاں ہاتھ بائیں طرف پیٹھ کے اوپر پھیرا تو اس سے کوئلہ کی طرح سیاہ ذریت نکالی ۔

یہی وہ انسان ہے جو اپنے رب خالق عزّ اسمہٗ کی صورت (جو اس کی شان کے لائق ہے) سے پیدا ہوا فیض و قبول کے پانی سے جو فاعلیۃ و قابلیۃ کے دونوں ہاتھوں سے گوندھا گیا ، جس کا اشارہ حدیث قدسی شریف میں ہے : (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) ،

خمرت طینۃ آدم بیدی اربعین صباحًا ۔	میں نے آدم (علیہ السلام) کا گارا چالیس دنوں تک اپنے ہاتھ (قدرت) سے گوندھا ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّہٗ (بیشک اللہ تعالیٰ) ضمیر خالق کی طرف لوٹتی ہے اس کا قول خلق دلالت کرتا ہے اس پر کہ انسان ابتداءً مذکورشے سے پیدا کیا گیا ہے عَلٰی رَجْعِہٖ لَقَادِرٌ (اس کی موت کے بعد اس کے اعادہ پر قادر ہے) بین القدرۃ ہے کہ اس کے متعلق عجز کا تصور بھی نہیں ہو سکتا اور عامل یعنی لقادر پر جار و مجرور کی تقدیم اس کے اہتمام کی وجہ سے ہے اسی حیثیت سے کہ خصوصیت سے اسی میں گفتگو ہے اور وہ اس کے منافی نہیں کہ وہ اس کے سوا اور چیزوں پر قادر نہیں ۔

ف : بعض نے کہا کہ انسان کو پیدا کیا اپنی قدرت کے اظہار کے لیے اور اسے رزق سے نوازا اپنے کرم کے اظہار کے لیے ، اور اسے موت دے گا جبروت کے اظہار کے لیے ، پھر اسے زندہ کرے گا ثواب و عقاب کے اظہار کے لیے ۔

یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ (جس دن چھپی باتوں کی جانچ ہو گی) رجعہ کی ظرف ہے اور اجنبی کا فاصل ہونا اسے مضر نہیں اس لیے کہ ظرف میں توسع ہوتا ہے ۔

حلِ لغات السرائر، سریرۃ کی جمع بمعنی السّر یعنی وہ شے جو چھپائی اور مخفی رکھی جائے یعنی وہ امور جو معلوم اور واضح لیکن چھپے ہوئے ہیں قلوب میں عقاید و نیّات وغیرہا سے ایسے ہی اعمال میں سے قیامت میں ان کا امتیاز ہوگا اچھے ہیں یا بُرے یعنی اللہ تعالیٰ ضمائر (قلوب) کے مخفیات (پوشیدہ امور) اور مخفی اعمال کہ طیّب وخبیث کا امتیاز ہو۔

گر پردہ ز روے کار ما بردارند
آن کیست کہ رسواے دو عالم نشود

ترجمہ: اگر پردہ ہمارے اعمال سے اٹھایا جائے تو وہ کون ہے جو دونوں عالم میں رُسوا نہ ہو۔

الابلاء بمعنی الابتلاء والاختبار (آزمائش، جانچ) اس کا اطلاق کشف وتمیز پر بھی ہوتا ہے اسم السبب علی المسبب کے قبیل سے ہے اس لیے کہ اختبار (جانچ) تعریف وتمیز کے لیے ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو امر و نہی سے آزمانا اس علم سے ہے جو اس نے انہیں ازل سے جانا۔

ف: بعض نے کہا سرائر سے فرائض جیسے روزہ، نماز، زکوٰۃ، غسل از جنابت مراد ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان اسرار و رموز ہیں کیونکہ اگر بندہ کہے کہ یہ میں نے کیا حالانکہ کیا نہ ہو تب بھی ہم تو سمجھیں گے کہ ممکن ہے اس نے کیا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی جانے اور اس کا بندہ۔ ہاں یہ اسرار (پوشیدہ امور) کی صحت قیامت میں ظاہر ہو گی۔

ف: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت میں ہر راز ظاہر کرے گا تو بعض بندوں کے لیے زینت ہوگا اور بعض کے لیے عیب، یعنی جس نے امانات الٰہیہ ادا کی ہوں گی اس کا چہرہ چمکدار ہوگا اور جس نے ضائع کی ہوں گی اس کا چہرہ غبار آلود ہوگا۔

فَمَا لَهٗ (تو آدمی کے پاس نہ ہوگا) ٗہ ضمیر انسان کی طرف راجع ہے اور ما نافیہ ہے **مِنْ قُوَّةٍ** زور اس کے نفس میں کہ اپنے نفس سے وہ عذاب دفع کر سکے جو اس پر نازل ہوگا **وَّلَا نَاصِرٍ** اور کوئی مددگار خارج سے جو اس کی مدد کر سکے کیونکہ اس دن ہر ایک اپنے عمل میں گروی ہوگا اور جو اس پر گزرا خیر یا شر اس کی جزاء و سزا میں مشغول ہوگا۔

ف: قوت منفیہ وہ قوت ہے جو اس کے اندر ذاتی طور پر رکھی گئی نہ کہ مطلقاً ورنہ عطف کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اس لیے جو دوسرے سے فائدہ اٹھایا جا سکے وہ بھی قوت ہوتی ہے پھر جب اس کی نفی ہو چکی تو پھر عطف کا کیا فائدہ۔

ف: قوۃ عبارت ہے انسان کے اندر رکھی ہوئی اس کے جسم کی طاقت سے، اور اس کی وہ طاقت جو

ضعف (کمزوری) کی نقیض ہے التعریفات میں ہے قوۃ حیوان کی وُہ طاقت جو افعال شاقہ پر رکھتا ہے۔

حلِ لغات نصر المظلوم بمعنی اعانہ (اس کی مدد کی) نصرہ منہ نجاہ و خلصہ (اسے نجات دی اور اسے چھٹکارا دیا)

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے اس قوۃ کی طرف جو بسبب نیّۃ الباطن و عمل الظاہر ہے، وُہ نیت خالص جو عمل سے خالی ہو کبھی نیت والے کو فائدہ دیتی ہے لیکن جب ساتھ عمل بھی ہو تو سونے پر سہاگہ۔

تفسیر عالمانہ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (آسمان کی قسم جس سے مینہ اُترتا ہے)

حلِ لغات : ذات مؤنث ہے ذو کی، بمعنی صاحب۔ الرجع (مینہ) اس نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ عرب کا خیال تھا کہ بادل زمین کے دریاؤں سے پانی لے جاتا ہے پھر اسے زمین کی طرف لوٹاتا ہے۔ یا وہ اس سے نیک فالی کرتے تاکہ بارش لے کر لوٹے، اسی لیے اسے اَوْبٌ بھی کہتے ہیں اسی نیک فالی پر (سیئوب) تاکہ لوٹے۔ اس معنی پر رجع مصدر لازم ہے بمعنی رجوع نہ کہ متعدی سے۔ ایسے ہی بعض علماء نے فرمایا۔ یا اس لیے کہ وہ اسے وقتاً فوقتاً لوٹاتا ہے اس کے ایجادُ احداث کے بعد۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ رجع مینہ کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ لوٹاتی ہے وُہ پانی جو اس نے پانی سے حاصل کیا۔

کشف الاسرار میں ہے کہ وہ ہر سال لوٹتا ہے اور بار بار لوٹتا ہے۔

عبد القادر جُرجانی نے کتاب الاعجاز میں لکھا کہ آسمان کو ذات الرجع اس لیے کہا کہ سورج اور چاند غائب ہو کر طلوع کرتے ہیں اور بعض ستارے لوٹتے ہیں۔

وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (اور زمین کی جو اس سے کُھلتی ہے) وُہ شے جو زمین سے ظاہر ہوتی ہے جیسے انگوری، اس لیے کہ نشور کے لیے حکایت کی گئی ہے یعنی زمین کا پھٹنا اور نبات کا ظاہر ہونا عیون کے اظہار کے لیے، بہرحال صدع سے مراد نبات الارض ہے اس لیے کہ وہ زمین چیر کر نکلتی ہے اور اس سے زمین کھلتی ہے۔

حلِ لغات لغت میں الصدع بمعنی الشق (پھٹنا) ہے۔ المفردات میں ہے کہ اجسام صلبہ (سخت) کا پھٹنا صدع ہے جیسے شیشہ، لوہا، ان کی طرح دیگر اشیاء۔

ف : آیت میں آسمان مینہ والا' جیسے باپ اور زمین کھلنے والی جیسے ماں اور وہ جو ان سے ظاہر ہوتے ہیں جیسے اولاد، کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اوّلاً آسمان کی یاد فرمائی اسے صفت سے خالی

کرکے دوبارہ اسے مقیّد کرکے کہ وہ مینہ والا ہے ایسے ہی زمین کھلنے والی ، اشارہ فرمایا اپنی منت کا انسان پر کہ اس کے لیے کیسی منافع والی چیزیں بنائیں اور یہ دلیل ہے ان میں اس کے علم تام وقدرت کاملہ پر۔

تفسیر صوفیانہ اس میں آسمانِ روح کی طرف اشارہ ہے کہ بارش والا ہے نشأۃ ثانیہ میں اور ارضِ بدن کی طرف کہ پھٹنے سے کھلنے والی ہے روح سے اس کے نکلنے کے وقت یا اس کے نکلنے کے وقت یا اس کا کھلنا ہے اس کے اتصال کے بعد۔

تفسیر عالمانہ اِنَّہٗ (بے شک وہ) قرآن جو منجملہ اس کے یہ آیات تلاوت کردہ جو مبدائے حال انسان اور اس کے معاد پر ناطق ہیں لَقَوْلٌ ضرور بات ہے (کلام کیلئے جو گفت گو والی ہے اس لیے قول بمعنی مقول بکثرت استعمال ہوتا ہے فَصْلٌ (فیصلہ کی) حق وباطل کے درمیان فیصلہ کن ہے اور انتہائی بات کمال کے ساتھ، گویا وہ نفس فیصلہ ہی ہے جیسے اسے فرقان کہا جاتا ہے بمعنی فارق۔ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (اور وہ کوئی ہنسی کی بات نہیں)

حلِ لغات الھزل بمعنی لعب۔ اور فتح الرحمٰن میں ہے وہ جو مستعمل غیر موضوع لہ میں بغیر مناسبت کے جِدّ کی نقیض، یعنی وہ بات جس کی حقیقت کا معنی قصد کرکے بیان کی جائے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ قرآن میں ہنسی مذاق کا شائبہ تک نہیں سارے کا سارا جدّ ہے ہنسی نہیں، اس کا حق یہ ہے کہ اس سے گمراہ ہدایت پائیں اور سرکش گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کھیل اور باطل میں ہنسی نہیں۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ جو اس سے ہنسی کرتا ہے یا مزاح کے طور اسے سامنے لاتا ہے کافر ہو جائے گا۔

مسئلہ: ہدیۃ المھدیین میں ہے جو کوئی قرآن کا انکار کرے یا اس سے مسوزی کرے یا عیب لگائے کافر ہو جائے گا۔

الم نشرح سا کا گریبان چاک کر دیا۔ یا کہا قل ھو اللہ کا چڑا ادمیڑا۔ یا یہ کہ تو انا اعطینٰک الکوثر سے بھی چھوٹا ہے۔ یا کسی کو کہا گیا کہ تو قرآن کیوں نہیں پڑھتا وہ جواب میں کہے میں قرآن سے سیر ہوگیا۔ یہ اور اس طرح کے دیگر کلمات وامثال کفر ہیں۔

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وہ ایسی باتوں سے احتراز واجتناب کرے۔

اِنَّھُمْ (بیشک وہ) اہل مکہ اور معاندینِ قریش یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا (اپنا سا داؤں چلتے ہیں)

قرآن کے امور کے ابطال اور اس کے نور بجھانے میں یعنی مکر و فریب کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم اور قرآن شریف کے بارے میں اپنی قدرت و طاقت کے مطابق وَّ اَکِیۡدُ کَیۡدًا (اور میں اپنی خفیہ تدبیر فرماتا ہوں) ان کا مقابلہ کرتا ہوں تدبیر مضبوط سے کہ جس کا رد ممکن نہیں اس حیثیت سے کہ میں انہیں ایسی مہلت دیتا ہوں جسے وہ نہیں جانتے مخلوق عاجز ضعیف کا مکر قدیم قادر قوی (رب تعالیٰ) کی تدبیر کا کیا مقابلہ کرے گا ۔ دنیا میں تلوار سے انتقام اور آخرت میں عذاب نار کو استدراج کہنا مشاکلۃ سے ہے کہ ان کے عمل و کسب کے مقابلہ میں واقع ہوا کر وہ ان کی جزاء ہے ۔ ورنہ کید بمعنی مکر و حیلہ سازی ہے اور اس کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا حقیقی معنیٰ مراد لے کر منسوب کرنا ناجائز ہے اور شے کی جزاء اسی اسم سے علیٰ سبیل المشاکلۃ (عرب وغیرہ میں) بکثرت شائع ذائع ہے فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ (تو تم کافروں کو ڈھیل دو) ان سے انتقام کے در پے نہ ہو اور نہ ہی ان پر ہلاکت کی دعا مانگو اور نہ ہی ان کی ہلاکت میں جلدی کرو اَمۡهِلۡهُمۡ (انھیں مہلت دو)

حلِ لغات یہ مھّل سے بدل ہے ، وہ دونوں یعنی تمہیل و امہال لغاتِ عرب میں مستعمل ہیں ، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : و مھلھم قلیلا (اور انہیں تھوڑی سی مہلت دو)

حکایت حضرت ہمام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام سے مروی ہے فرمایا کہ جب مصحف لکھا گیا تو تین آیات پر شک گزرا انہیں بکری کی ران کی ہڈی پر لکھ کر مجھے حضرت ابیّ بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا گیا ۔ میں نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر وہی لکھی ہوئی آیات پیش کیں انہوں نے پڑھیں تو اس میں لکھا تھا :

(۱) لاتبدیل للخلق ۔

آپ (ابی بن کعب) نے لکھا : لاتبدیل لخلق اللہ ۔

(۲) اور لکھا تھا لم یتسن ۔

آپ نے لکھا : لم یَتَسَنَّہْ ۔

(۳) اور لکھا تھا فامھل الکافرین ۔

آپ نے الف مٹا کر لکھا : فمھل الکافرین ۔

اسے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ نے بھی پڑھ کر تصدیق فرمائی ، اسے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر (قرآن کمیٹی کے) ممبران کے ہاں لے گیا تب انہوں نے اسی طرح مصحف میں درج فرمایا ۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ قرآن کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے وہ اسے تحریف و تبدیل سے محفوظ

رکھتا ہے کیونکہ اس نے اسے حفاظ القرآن کے سینوں میں محفوظ رکھا ہے[1]۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مشکلات کے وقت اہل الحل (حل المشکلات حضرات) کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

رُوَیْدًا (تھوڑی سی) مہلت۔

حل لغات: کہا جاتا ہے اورد، یورود بمعنی نرمی کی، دیر کی، اسی سے ہے بنی رُوید (المفردات)

الارشاد (تفسیر) میں ہے کہ وہ دراصل رود (بالضم) کی تصغیر ہے بمعنی المھل (مہلت) یا ارواد مصدر ہے اورد کا بمعنی ترخیم (دُم بریدہ کرنا) وہ یا مصدر مؤکد ہے عامل کے معنیٰ کا، یا نعت ہے مصدر محذوف کی یعنی امھلھم امھالا رویدا بمعنی قریب یا قلیل یسیر (معمولی) اس لیے کہ ہر آنے والا زمانہ قریب ہے جیسے کہا جاتا ہے: گرچہ قیامت دیر آید ولے می آید (اگرچہ قیامت دیر سے آئیگی لیکن آئیگی ضرور)

ف: اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی ہے رمز و اشارہ سے کہ قیامت میں ان سے مکمل طور بدلہ لیا جائے گا۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اس آیت کے نزول اور واقعہ بدر میں تھوڑا سا وقفہ ہے۔

حکایت ہارون الرشید کے ہاں ابن السماک تشریف لے گئے ہارون الرشید نے آپ سے نصیحت چاہی، اس وقت وہ چٹائی پر بیٹھا تھا۔ حضرت ابن السماک نے فرمایا کہ اے امیرالمومنین تیری تواضع تیرے شرف بابں تیرے شرف سے افضل ہے۔ ہارون الرشید نے کہا: ایسا بہتر جواب میں نے کسی سے نہیں سُنا۔ حضرت ابن السماک نے فرمایا: ہاں امیرالمومنین سُن لیں کہ جسے مال وجمال اور شاہی سلطنت اور شرافت نصیب ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنے شرف میں تواضع کرے اور جمال میں عفت (پاکدامنی) کرے اور اپنے مال سے راہِ خدا میں دے اور اپنی سلطنت میں عدل و انصاف کرے تو اُسے مخلصین کے دفتر میں لکھ دیا جاتا ہے۔ ہارون الرشید نے کاغذ منگوا کر اسے لکھ لیا اور عرض کی، اور فرمایئے۔ فرمایا، اے امیرالمومنین! اللہ تعالیٰ نے مہلت دی تو گویا اس نے مہلت دے دی اور عیب چھپائے تو گویا اس نے بخش دیا پھر کہا اے امیرالمومنین! یوں سمجھ لو کہ گویا ساری دنیا تیرے آگے ہے اسی طرح کی اور دنیا تیرے لیے ہو اور مانا کہ مشرق و مغرب تیرے قبضے میں آجائے لیکن ملک الموت تشریف لائیں گے تو تیلے

---

[1] اس میں شیعہ و روافض کا رَدّ ہے کہ ان کا گمان ہے کہ قرآنِ مجید میں (معاذ اللہ) تبدیلی ہوئی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی مرضی سے اسے جمع کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب "شیعہ اور قرآن"۔ اویسی غفرلہٗ

تیرے سامنے (آگے) کیا ہوگا (کچھ نہ ہوگا خالی ہاتھ دنیا سے جاؤ گے) عرض کی، اور فرمائیے۔ فرمایا، آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھا (تو بھی چکھے گا) عرض کی، اور فرمائیے۔ فرمایا (مرنے کے بعد) صرف دو مقام ہیں جنت اور دوزخ (اب سوچ لے کہ تو کس مقام کے لائق ہے) یہ سن کر ہارون الرشید پر غشی طاری ہوگئی اور اتنا کہا حسبی (مجھے اتنا کافی ہے) حضرت ابن السماک نے فرمایا، اسے چھوڑ دو یہاں تک کہ مرجائے، جب ہارون الرشید نے ہوش سنبھالا تو اسے حضرت ابن السماک کا مقولہ سنایا تو ہارون الرشید نے ابن السماک سے پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کہا، فرمایا، اے امیرالمومنین! تیرے لیے یہ اعزاز کچھ کم تھا اگر تو اس وقت مر جاتا تو لوگ کہتے کہ امیرالمومنین خوفِ خداوندی سے مرگیا۔ ہارون الرشید نے فرمایا: آپ نے خوب فرمایا اس پر عزت و احترام سے آپ کو روانہ کیا۔ حضرت حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

بہلتے کہ سپہرت دہد ز راہ مرو

ترا کہ گفت ایں زال ترک دستان کرد

ترجمہ: وہ مہلت جو تجھے دورِ زمانہ نے دی راہِ حق سے نہ ہٹ۔ تجھے کس نے کہا کہ اس بوڑھی (دنیا) نے مکر کرنا چھوڑ دیا ہے۔

سبق: اسے مبارک ہو جس کے ارادے کم اور عمر لمبی اور اعمال صالحہ کثیر ہوں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دسوکا میں آنے والوں سے نہ بنائے۔

فراغت صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ: سورۃ الطلاق کی تفسیر سے چمکنے والے ستاروں کے خالق کی مدد سے اتوار کے دن ۱۴ ربیع الاول ۱۱۱۷ھ میں فراغت ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے تفسیر سورۃ طارق کے ترجمہ سے ۱۲ رجب المکرم بروز سوموار ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۹۸۹ء فراغت پائی (الحمد للہ علیٰ ذٰلک)۔

سُورَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — (اٰيَاتُهَا ۱۹) (رُكُوعُهَا ۱)

سورۃ الاعلیٰ مکیۃ ہے — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — اس میں انیس آیتیں ہیں

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝۱ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝۲ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝۳

اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے جس نے بنا کر ٹھیک کیا اور جس نے اندازہ پر رکھ کر راہ دی

وَالَّذِيْ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝۴ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ۝۵ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ۝۶

اور جس نے چارا نکالا پھر اُسے خشک سیاہ کردیا اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۚ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝۷ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝۸ فَذَكِّرْ اِنْ

مگر جو اللہ چاہے بے شک وہ جانتا ہے ہر کھلے اور چھپے کو اور ہم تمہارے لیے آسانی کا سامان کردیں گے تو تم نصیحت

نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝۹ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝۱۰ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝۱۱ الَّذِيْ

فرماؤ اگر نصیحت کام دے عنقریب نصیحت مانے گا، جو ڈرتا ہے اور اس سے وہ بڑا بدبخت دور رہے گا جو سب سے

يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝۱۲ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۱۳ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝۱۴

بڑی آگ میں جائے گا پھر نہ اس میں مرے اور نہ جیئے بے شک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝۱۵ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝۱۶ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ

اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو اور آخرت بہتر اور باقی رہنے

اَبْقٰى ۝۱۷ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝۱۸ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۝۱۹

والی بے شک یہ اگلے صحیفوں میں ہے ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں

سورۃ الاعلیٰ جمہور کے نزدیک مکیّہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى (اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے)

حلِ لغات: التسبیح بمعنی التنزیہ، اور اللہ کا اسم ہے اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے پیش نظر اس کے سوا کسی دوسرے پر اس کا اطلاق جائز نہیں یا اس کی صفات سلبیہ کے اعتبار سے اس کی صفت ہے قدوس کی طرح یا صفات ثبوتیہ کے اعتبار سے علیم کی طرح یا باعتبار اس کے افعال کے ایک فعل ہے خالق کی طرح لیکن اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات بعض علماء کے نزدیک

توقیفیہ میں اس کی تحقیق گزر چکی ہے الاعلیٰ رب کی صفت ہے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اسم کی صفت ہو لیکن پہلا زیادہ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کے لیے علواً کا یہ مطلب ہے کہ وہ بلند ہے اس سے کہ اسے محیط ہو سکے واصفین کا وصف، بلکہ عارفین کا علم بھی اسے محیط نہیں ہو سکتا۔ اور اعلویۃ کا مطلب یہ ہے کہ وہ مطلق زیادہ علو والا ہے۔

ف : اس کے لیے علو اور کبر کا معنیٰ یہ نہیں کہ اس کی کوئی جہت ہے یا کبر جسمانی لحاظ سے ہے کیونکہ وہ ایسے اوصاف سے بلند و بالا ہے، بلکہ اس کے علو کا یہ مطلب ہے کہ وہ نعوتِ جلال و کبریائی میں بلندی کے لائق ہے۔ جس نے اس کی بلندی و کبریائی کو جانا وہ اس کے لیے تواضع و تذلل کرتا ہے جیسے اس کے صالحین بندوں کا طریقہ ہے۔

ف : اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس کا اسم منزّہ ہے اس میں الحاد اور ٹیڑھی تاویلات سے، مثلاً اس کیلئے علو فی المکان کا قول کرے[1] اس کے علو فی المکان کا معنیٰ نہ کرے اور استواء سے استقرار کا معنیٰ بتائے نہ کہ استیلاء۔ (جیسے ابن تیمیہ اور اس کے ہم نواؤں کے متعلق حاشیہ پر فقیر اویسی غفرلہ نے عرض کر دیا ہے) ایسے ہی اس کے اطلاق میں کہ معمولی مناسبت بھی اس کے لیے تشارک (مشارکۃ) کا نہ ہو، جیسے کافروں مشرکوں کا طریقہ تھا کہ وہ صنم و وثن (بت) کو رب و الٰہ کہا کرتے، ایسے ہی بعض اہلِ عرب مسیلمۃ الکذاب کو "رحمان الیمامہ" کہتے، ایسے ہی اس کے ذکر کی تنزیہ کہ اسے علی طریق الاعظام والاجلال یاد کیا جائے اسی میں داخل ہے کہ انگڑائی کے وقت اس کا نام لیا جائے یا عین قضائے حاجت کے وقت ایسے ہی غفلت میں ایسے ہی اس کے معنیٰ اور حقیقت کو سمجھے بغیر ایسے ہی اس کا نام قسم میں بکثرت لینا کہ اس کے اجلال و اکرام کا خیال تک ہو۔

ف : جریر نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ارفع صوتک بذکرہ (اس کا ذکر کر بلند آواز سے) یعنی اس کے اسم کا ذکر، اس لیے کہ مدلول کا ذکر اس کے اسم کی دلالت سے ہو۔ اس سے معلوم ہوا

---

[1] جیسے ابن تیمیہ اور اس کے معتقدین نجدی وہابی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھا ہے اور پاؤں لٹکاتا ہے تو کرسی چرچر کرتی ہے (ترجمۂ قرآن وحید الزمان تحت آیۃ الکرسی) اور مولوی اسمٰعیل دہلوی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر بیٹھنا نہ ماننا بدعت ہے (ایضاح الحق الصریح) ہندو پاک میں اسی موضوع پر اہلسنت اور وہابیوں کے کئی رسائل و کتب شائع ہوئے اور نجدی اور ابنِ تیمیہ کے متعلق تو پہلے ہی مشہور ہے۔ اویسی غفرلہ

کہ لفظ اسم آیت میں زائد نہیں۔

ف: بعض نے کہا کہ اسم اور مسمّٰی یہاں پر ایک ہے بمعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی تنزیہ کرو وہ وہم و خیال میں آسکے۔

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

لما نزلت فسبح باسم ربك العظيم قال عليه السلام اجعلوها في ركوعكم فلما نزل سبح اسم ربك الاعلىٰ قال اجعلوها في سجودكم وكانوا يقولون في الركوع اللهم لك ركعت وفي السجود اللهم لك سجدت۔	جب فسبح باسم ربك العظيم نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اسے رکوع میں پڑھا کرو اور جب سبح اسم ربك الاعلیٰ نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا اسے سجدہ میں پڑھا کرو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رکوع میں پڑھا کرتے تھے اللهم لك ركعت (اے اللہ! ہم نے تیرے لیے رکوع کیا) اور سجدہ میں کہا کرتے اللهم لك سجدت (اے اللہ! ہم نے تیرے لیے سجدہ کیا)

ف: حدیث شریف (مذکورہ بالا) سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ اسم یہاں پر زائد ہے یہ سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ علاوہ ازیں امر کی تعمیل بھی یوں ہوا کرتی ہے کہ کہا جاتا ہے سبحان ربی العظیم، یعنی اس میں لفظ اسم نہیں کہا جاتا، ورنہ قرآن مجید میں تو فسبح باسم ربك العظيم ہے اسی لیے حضرت علی و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم نے سبحان ربی الاعلی الذی الخ پڑھا اس لئے کہ سبح، تسبیح کا امر ہے تو ضروری تھا کہ کہا جاتا تسبیح ربی الاعلیٰ، ایسے ہی تسبیح ربی العظیم۔ لیکن کہا جاتا ہے سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ۔ علاوہ ازیں آیت سبحان ربك العزة الخ میں اسم نہیں اس کا معنیٰ ہے اپنے رب کی عزت کی تنزیہ کرو۔ اس کی تعمیل سبحان ربنا رب العزۃ کہنے سے ہو جاتی ہے اس کا معنیٰ بھی یہی ہے کہ ہمارے رب کی تنزیہ جو ہمارا رب بڑی عزت والا ہے (اس میں لفظ اسم نہیں) ایسے ہی جملہ مامور بہا مواقع کا قیاس کرو۔

نکتہ سبحان ربی العظیم کی تخصیص رکوع میں اور سبحان ربی الاعلیٰ سجود میں اس لئے ہے کہ اس کا مرتبۂ حیوان کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا مرتبۂ نبات و جماد کی طرف تو ضروری ہوا تنزیہ میں بھی ترقی ہو۔

حدیث شریف

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی ایسے ہی آپ کے صحابہ کی، بلندی پر چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور نیچے اترتے تو سبحان اللہ کہتے۔ اسی ترتیب کو نماز میں ملحوظ رکھا گیا۔

شرح الحدیث

حضرت شیخ صدرالدین القنوی قدس سرہٗ نے اس حدیث شریف کی شرح میں لکھا کہ رفعت وارتفاع استعلاء ہے اور یہ تکبر کی علامت ہے اگر ظاہری استعلاء ہے تو بھی تکبر کی ایک صورت ہے اگر باطنی طور استعلاء ہے تو حقیقی تکبر ہے اور کبریائی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے اس تمہید کے بعد اب اوپر کو چڑھنے کی صورت بھی ایک قسم کا استعلاء ہے تو تکبر کے مشابہ اور ظاہری طور اس کا وجود ہے اسی لیے اس وقت اللہ اکبر کہنا مسنون ٹھہرا یعنی اللہ تعالیٰ ہی اکبر اور اعلیٰ ہے اس سے کہ اس کے ساتھ کوئی کبریائی میں شریک ہو اور اوپر کو چڑھنا بظاہر اشتراک کا وہم پیدا کرتا ہے۔ اور نیچے اترتے وقت تسبیح بھی اسی راز پر مبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت بندے کے ساتھ ہے جیساکہ فرمایا:

وھو معکم اینما کنتم (جہاں تم ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے)

جب ہمارا ایمان ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہے ہم جہاں بھی ہیں تو لامحالہ ہمارے نیچے اترنے کے وقت بھی ساتھ ہے لیکن نیچے کو ہونے سے وہ منزّہ ومقدس ہے کیونکہ وہ سبحان ہے تحت اس کی شان نہیں بلکہ فوق ہے لیکن فوق از جہت نہیں کیونکہ جہات کی نسبتوں سے وہ پاک ہے بلکہ ہر قید سے منزّہ ہے بلکہ وہ خود جہات کو محیط ہے اسی لیے چڑھنے اترنے کے وقت اس کی تکبیر وتسبیح چاہیئے (تاکہ اس کی آقائی اور بندے کی بندگی کی طرف اشارہ ہو)

سُبحان ربّی الاعلیٰ سب سے پہلے کس نے کہا

سب سے پہلے سبحان ربی الاعلیٰ میکائیل علیہ السلام نے کہا اس لیے کہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت آئی تو عرض کی: اے اللہ! مجھے ایسی قوت دے کہ میں تیری عظمت و سلطنت کو دیکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمان والوں کی قوت اس اکیلے کو دے دی تو پانچ ہزار سال اڑتے رہے یہاں تک کہ ان کے پَر نورِ عرش سے جل گئے۔ پھر قوت کا سوال کیا اللہ تعالیٰ نے پہلے سے دُگنی قوت عطا فرمائی تو پھر اُڑنا شروع کر دیا، دس ہزار سال اُڑتے رہے اس پر اُن کے پَر جل گئے یہاں تک کہ چُوزہ نما ہو گئے وہاں سے دیکھا تو حجاب اور عرش کو اسی حال میں دیکھا جیسے ابتداء میں دیکھا تھا یہ کیفیت دیکھ سر سجدہ میں رکھ دیا اور کہا سبحان ربی الاعلیٰ۔ اس کے بعد قوت کا سوال کیا کہ مجھے اپنے مکان اور پہلی حالت میں لوٹا دے (ذکرہ ابو اللیث رحمہ اللہ فی تفسیرہ)۔

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کے ثواب کا بیان

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل (علیہ السلام)! مجھے سبحان ربی الاعلیٰ کے ثواب کی خبر دیجئے۔ یعنی نماز اور غیر نماز میں اس کے پڑھنے کا کتنا ثواب ہے؟ عرض کی: اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جو مرد یا عورت اسے سجدے یا غیر سجدے میں کہے گا اس کا ترازو عرش و کرسی اور دنیا کے پہاڑوں سے زیادہ بوجھل ہوگا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ سچ کہتا ہے میں اعلیٰ اور ہر شے سے بلند و بالا ہوں اے میرے فرشتو! گواہ ہو جاؤ میں نے اپنے اس بندے کو بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا (داخلے کا مستحق بنا دیا) جب وہ شخص مرے گا تو میکائیل علیہ السلام اس کی زیارت کے لیے روزانہ تشریف لایا کریں گے، جب قیامت کا دن ہوگا اسے اپنے پروں پر بٹھا کر اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے لائیں گے اور عرض کریں گے اے میرے رب تعالیٰ! اس کے بارے میں میری شفاعت قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میکائیل (علیہ السلام)! میں نے تیری شفاعت قبول کی اسے بہشت میں لے جا۔ (ذکرہ ابن الشیخ فی حواشیہ)

حدیث شریف میں ہے:

سبحان اللہ والحمد للہ یملآن مابین السمٰوٰت والارض۔

سبحان اللہ والحمد للہ آسمانوں اور زمین کے درمیان کو بھر دیتے ہیں۔

یعنی یہ دونوں کلمے اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتیہ وفعلیہ جن کے آثار آسمانوں اور زمین کے درمیان ہیں کے کمال ثنا و تعریف پر مشتمل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا اسم اعلیٰ و اعظم اس کی ذات مع جمیع الصفات ہے یعنی اس کی ذات کی تنزیہ ہے ساتھ تجرد کے از ماسوائے حق اور قطع نظر از غیر کے تاکہ ان پر تمام کمالات حقانیہ ظاہر ہوں اور یہ اس کی تسبیح خاص ہے مقامِ فناء میں۔ کیونکہ استعداد تام جمیع صفاتِ الٰہیہ کے قابل ہے اس کی استعداد صرف اسی کے لئے ہے تو ذاتِ الٰہی وہی اسم اعلیٰ ہے اس کے کمال تک پہنچنے کے وقت۔

ف: ہر شے کی خاص تسبیح ہے جس سے وُہ اسمائے ربانی میں سے کسی اسم خاص کی تسبیح کرتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَلَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی (جس نے بنا کر ٹھیک کیا) یہ رب کی دوسری صفت بطریق اوّل از منصوب علی المدح علی الثانی ہے تاکہ لازم نہ آئے فاصلہ درمیان

موصوف وصفت کے اس کے غیر کا۔ اب معنی یہ ہوا کہ اس نے پیدا کیا ہر شے کو اور اسے ٹھیک کیا بایں طور کہ اس کے لیے وہ بنایا جس سے اسے اس کا کمال حاصل ہوگا اور اس کی معاش درست ہو۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے انسان! اللہ تعالیٰ نے تیرا ظاہر بنا کر تیرے جسم کی عمارت ٹھیک کی ایسے طریق سے جسے وہ قبول کرے اس کے مزاج خاص کے ساتھ روح اتم کو جو جمیع کمالات کے لیے مستعد ہے۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر شے کو پیدا کیا بحسب الوجود پھر اسے ٹھیک بنایا کہ جس سے فیض الٰہی پہنچے برابر طور بحسب اس کی استعداد فطری کے۔ بعض نے کہا مخلوق کو پیدا کیا پھر اس کی خلقت میں درستی فرمائی اور ان میں سے مخصوص لوگوں کو ہدایت سے ممتاز فرمایا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْ قَدَّرَ (اور جس نے اندازہ پر رکھا) اس کا عطف موصول اول پر ہے یعنی تمام اشیاء کی اجناس وانواع و افراد اور مقادیر و صفات و افعال و آجال کا اندازہ رکھا جیسا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ قدر مقادیر الخلق قبل ان یخلق السمٰوٰت والارض بخمسین الف سنۃ۔	بیشک اللہ تعالیٰ نے خلق کی مقادیر آسمانوں اور زمین کی پیدا سے پچاس ہزار سال پہلے اندازہ کر رکھا تھا۔

یعنی ایسے ہی ہر نوع کے اشخاص کو مقدار معلوم پر اور ایسے ہی ہر شخص کی مقدار اس کے جثہ و اوضاع و جمیع صفات میں جیسے حسن و قبح اور سعادۃ و شقاوۃ اور ہدایۃ و ضلالت اور الوان و اشکال اور طعوم و روائح (خوشبوئیں)، اور ارزاق و آجال وغیرہ وغیرہ سب مقدار معلوم پر مقدر فرمائے، جیسا کہ فرمایا:

وان من شیءٍ الا عندنا خزائنہ و ما ننزلہ الا بقدر معلوم۔	ہر شے کے خزانے ہمارے پاس ہیں معلوم ہیں اور اسے قدر معلوم پر ہی نازل کرتے ہیں۔

فَهَدٰی راہ دی یعنی ہر ایک کو اس طرف متوجہ فرمایا جو اس سے صادر اور اس کے طبعاً و اختیاراً ہو اور آسان فرمایا جو اس کے لیے پیدا فرمایا ساتھ پیدا فرمانے میلان اور الہامات اور دلائل کھڑے کرکے اور آیات نازل کرکے۔ اگر تم نباتات وحیوانات کے احوال کا تجسس و تتبع کرو۔ تو تم ان کے حالات دیکھو گے جن میں عقل دنگ اور حیران رہ جاتی ہے۔

حکایات عجائبات المخلوقات

(۱) سانپ کی دانشمندی سانپ جب ایک ہزار سال کا ہو جاتا ہے تو اندھا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ القاء کرتا ہے کہ آنکھوں پر سبز دھانے کے پتے پھیرے بسا اوقات اس کے ہزار سال گزارنے کے بعد آنکھیں جنگل میں ہی اندھی ہوتی ہیں جہاں آبادی سرسبز علاقہ ہے اس کے درمیان بڑی دُور کی مسافت ہوتی ہے لیکن ہمت نہیں ہارتا وہ اتنی طویل مسافت کو طے کرتا ہے باوجودیکہ اندھا ہے لیکن باغات کی تلاش کر ہی لیتا ہے یہاں تک کہ دھانے کے پودے تک پہنچ کر اس کے پتے آنکھوں پر پھیرتا ہے تو باذن اللہ تعالیٰ بینا ہو جاتا ہے (اور اسی بینائی سے واپس جاتا ہے)۔

(۲) مگرمچھ کی کارروائی مگرمچھ کی دُبر نہیں ہوتی جو کچھ کھاتا ہے اس کے فضلات پھر منہ سے ہی نکالتا ہے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک پرندہ روزانہ کی غذا بنائی ہے جب مگرمچھ اس پرندے کو دیکھتا ہے تو منہ کھول دیتا ہے اور وہ پرندہ اس کے منہ میں داخل ہو جاتا ہے اور مگرمچھ اُسے کھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پرندے کی چونچ کے اوپر اور نیچے دو سینگ بنائے تاکہ جب تک پرندہ مکمل طور پر اس کے اندر نہ چلا جائے مگرمچھ کا منہ بند نہ ہو۔

(۳) کچھوا مصر اور سندھ میں مگرمچھ کچھوا کی طرح موٹا جانور ہے وہ مصر کے دریائے نیل اور سندھ کے دریائے مہران میں ہوتا ہے (القاموس) وہ کچھوا جانوروں اور آدمیوں پر جھپٹتا ہے اس کا طول بیس ہاتھ ہوتا ہے وہ جنگل میں انڈے دیتا ہے ان میں جو دریا میں واقع ہو تو مگرمچھ بنتا ہے کچھ بچ جائے تو اس سے سقنقورا (ریت کی مچھلی ۔ المنجد) بنتی ہے۔

(۴) ریت کی مچھلی شاہانِ ہند کا تحفہ سقنقورا (ریگ ماہی، ریت کی مچھلی) یہ ایک جانور ہے جو مصر میں ہوتا ہے چھپکلی کی صورت میں. لیکن یہ وہ نفیس ترین جانور ہے جسے شاہانِ ہند کی طرف تحفہ کے طور پر بھیجا جاتا ہے وہ اسے سونے کی چھُری سے ذبح کر کے اسے نمک مصری سے پُر کر کے اپنے ملک میں لاتے ہیں اس سے ایک مثقال کی مقدار انڈے یا گوشت یا کھانے پر رکھیں تو بڑا مفید ثابت ہوتا ہے۔

(۵) دُو ذَکر اور دُو رحم والے جانور ریگ ماہی اور گوہ اور کچھوے نر کے دو ذکر اور مادہ کے دو رحم ہوتے ہیں۔

(۶) ریگستانی پرندہ بھٹ تیتر قطا ریگستانی پرندہ بھٹ تیتر ہے (المنجد) یہ ایک ایسا پرندہ ہے جو اپنے بچوں کو چھوڑ کر دس دن کی مسافت پانی کی تلاش میں نکلتا ہے کبھی اس سے زائد بھی۔ پانی پر طلوع الفجر تا طلوع الشمس گزار کر وطن واپس

آتا ہے وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں اس کے بچے ہوتے ہیں۔ آتے جاتے راستہ نہیں بھولتا۔

(۷) اونٹ اور گدھے کی سمجھداری اونٹ اور گدھا اندھیری رات میں جس راستہ سے ایک بار گزر جائیں اسے کبھی نہیں بھولتے۔

(۸) ریچھ کی دانائی مادہ ریچھ جب بچہ جنتی ہے تو اسے دو دن ہوا میں لیے کھڑی رہتی ہے چیونٹی کے خوف سے، کیونکہ جب وہ بچہ جنتی ہے تو وہ گوشت کے ایک ٹکڑے کی طرح ہوتا ہے اعضاء میں امتیاز نہیں ہوتا پھر آہستہ آہستہ ظاہر ہوتے ہیں۔

(۹) بچھو اور چوہے کا قصہ بچھو اور چوہا ایک شیشی میں جمع ہو گئے، چوہے نے جلدی سے بچھو کی سونڈ (جس میں زہر ہوتا ہے) کاٹ لی۔ اس کارروائی سے چوہا بچھو کی ایذا رسانی سے بچ گیا۔

(۱۰) بندر اور چوہا بندر ایک چوہے کے پیچھے اسے کھانے کے لیے بھاگا، چوہا درخت پر چڑھ گیا، بندر بھی درخت پر چڑھ گیا۔ چوہے نے ایک ٹہنی پر پناہ لے لی۔ لیکن بندر نے ٹہنی کو بھی نہ چھوڑا۔ چوہے نے دیکھا کہ اب بھاگنے کی کوئی راہ نہیں رہی تو اس نے ایک پتے پر پناہ لے لی، یعنی اس کے ایک حصہ کو چیر کر اس پر لٹک گیا۔ بندر نے چیخ ماری تاکہ اس کی مادہ (بندریا) وہاں پہنچ جائے۔ چنانچہ بندریا درخت کے نیچے آگئی تو بندر نے اس پتے کو کاٹا جس پر چوہا لٹکا ہوا تھا۔ جب چوہا نیچے گرا تو بندریا نے فوراً اچک لیا۔

(۱۱) چوہے کی کارستانی چوہا گھی کے مٹکے میں اپنی دم ڈال کر گھی سے تر کر لیتا ہے پھر اسے چاٹتا ہے (اس میں منہ نہیں ڈالتا کہ کہیں پیچھے سے پکڑا نہ جائے)

(۱۲) لومڑی کی دانائی لومڑی کی کھال پر جب مچھر اور پسو جمع ہو جائیں تو منہ میں کسی جانور کا چمڑا لے کر پانی میں ڈبوتی ہے جب مچھر اور پسو اس چمڑے پر جمع ہو جاتے ہیں تو اسے پانی میں ڈال دیتی ہے تاکہ سب مر جائیں، پھر بآرام چلی جاتی ہے۔

(۱۳) مکڑی کا تانا جس طرح مکڑی گھر بناتی ہے اس طرح بڑے سے بڑا کاریگر بھی نہیں بنا سکتا بلکہ کاریگر تو پرکار اور مسطر سے مکان تیار کرتا ہے اور مکڑی ایسے اوزار کی بھی محتاج نہیں۔

(۱۴) شہد کی مکھی کا کمال شہد کی مکھی آلات کے بغیر ایسا مکان تیار کرتی ہے جس سے انسان کی عقل و فکر دنگ رہ جاتی ہے۔

(۱۵) چیونٹی کی عقلمندی چیونٹی کتنی محنت کرتی ہے ذخیرہ اندوزی میں۔ جب دیکھتی ہے کہ اس کے ذخیرے کے اردگرد نمی کا اثر ہے تو دانوں کو توڑ کر نصف نصف کرلیتی ہے تاکہ پانی کی نمی سے دانہ پھوٹ کر انگوری نہ بن جائے (کیونکہ علم زراعت کا قانون ہے کہ جب دانے پر پانی کی نمی کا اثر پڑے تو دانہ پھوٹ کر انگوری بن جاتا ہے) اگر کسی دانے پر پانی کا اثر پہنچ بھی جائے تو اسے دھوپ میں سُکھاکر خشک کرلیتی ہے (یہ بھی علم زراعت کا قانون ہے کہ جن دانوں پر دُھوپ پڑتی ہے وہ نہیں پھوٹتے، اس لیے جب دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے تو اسے چھپایا جاتا ہے تاکہ اس پر دُھوپ نہ پڑے اور پھوٹ کر انگوری بن جائے)

غوّاص پرندہ کوّے کا اُستاد نکلا ایک شخص نے کہا کہ میں نے غوّاص (پرندہ) کو دیکھا کہ اس نے مچھلی کا شکار کیا لیکن کوّے نے اس سے چھین لی۔ پھر اس نے دوبارہ پانی میں غوطہ لگا کر اور مچھلی پکڑی تو وہ بھی کوّے نے اُچک لی۔ تیسری مرتبہ بھی ایسے ہی ہُوا۔ غواص نے جب دیکھا کہ کوّا مچھلی کھانے میں مصروف ہے تو غواص کوّے کو ٹانگ سے پکڑ کر دریا میں لے گیا اور غوطہ لگا کر پانی کی تہ میں چلا گیا یہاں تک کہ کوّا مر گیا، تب غواص باہر نکلا۔

(۱۶) دُودھ میں پانی ملانے والے کو تنبیہ حدیث شریف میں ہے کہ "دودھ میں پانی نہ ملاؤ"۔ گزشتہ زمانے میں ایک شخص تھا جو دودھ میں پانی ملا کر بیچا کرتا تھا، اس نے ایک بندر خریدا اور اسے دریا کے سفر میں کشتی پر بٹھایا، جب پانی کی موجوں تک پہنچا تو اس کی ہمیانی بندر کے ہاتھ لگ گئی، اٹھا کر کشتی کے بادبان پر جا بیٹھا اس نے ہمیانی کھولی جسے مالک دیکھ رہا تھا کہ نہ معلوم یہ اس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اس نے ہمیانی سے ایک دینار دریا میں، پھینکا ایک کشتی میں۔ اسی طرح ایک ایک کرکے گراتا رہا۔ (کشتی والا اس کا مالک اٹھا لیتا) اسی طرح تمام دینار نصف نصف کردئے۔

سبق : دُودھ والے کو سبق ملا کہ پانی دُودھ میں ڈالتا تھا تو پانی کا حصہ پانی میں اور اصل دودھ کا حصہّ اسے ملا۔ (لیکن ہمارے دور کے دودھ فروشوں کو کب سبق ملے گا، قبر میں یا حشر میں جب دودھ میں پانی ملانے کی سزا کے طور پر اسے جہنم میں انگاروں میں جلایا جائے گا اس وقت رو کر کہے گا کہ دودھ میں پانی ملایا تھا کنبہ پروری کے لیے لیکن اب سزا بھگت رہا ہوں اکیلا۔ اضافہ از اویسی غفرلہ)

(۱۷) کتے کی وفاداری عجائبات المخلوقات (نام کتاب) میں ہے کہ اصفہان میں کسی نے ایک شخص کو قتل کرکے ایک گڑھے میں دبا دیا، مقتول کا کُتّا

دیکھ رہا تھا۔ اب وہ روز گڑھے سے مٹی ہٹاتا جب قاتل کو دیکھتا تو اُسے بھونکتا۔ جب کُتّے کی یہ کارروائی عوام نے دیکھی تو سمجھے اس گڑھے میں کچھ ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے کدال لے کر گڑھے کو کھودا تو مقتول کی لاش مل گئی (جبکہ اس سے پہلے مقتول کا سراغ نہیں مل رہا تھا اور نہ ہی قاتل کا علم ہو رہا تھا) کتّے کو اس شخص کے بھونکنے پر اسے گرفتار کیا گیا اس سے قتل کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے قتل کا اور اسے گڑھے میں چھپانے کا اقرار کر لیا۔ اس کے قصاص میں اُسے قتل کیا گیا۔

(۱۸) **کھجور کے عشق کی داستان** کھجور کا عجیب وغریب معاملہ ہے کہ اسے بھی عشق عارض ہوتا ہے اس کی علامت یہ ہے جس کھجور سے اسے عشق ہوتا ہے وہ کھجور اس کھجور کی طرف جھکی ہوتی ہے۔ عشق کے بعد اس کا پھل کم ہو جاتا ہے اور خشک ہو جاتی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ اسے اور اس کی معشوق کھجور کو ایک رسّی سے اکٹھا باندھ دیا جائے یا معشوق کھجور کی ایک شاخ عاشق کھجور پر لٹکائی جائے یا معشوق کا گابھہ نکال کر اس میں رکھا جائے۔

ف : اس جیسی ان گنت حکایات اور بے شمار عجائبات ہیں جو تحریر و تقریر کے احاطہ سے خارج ہیں۔

وَالَّذِیْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی (اور جس نے چارا نکالا) اپنی قدرت کے کمال سے نرم اور تر و تازہ چارا جسے جانور کھائیں رنگ برنگ سبز زرد سرخ سفید۔

حلِ لغات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ المرعٰی چارہ سبز۔ الصحاح (لغت کی کتاب) میں ہے کہ الرعی بالکسر چارا، اور بالفتح مصدر۔ المرعٰی الرعی مصدر ہیں۔

فَجَعَلَهٗ (پھر اسے کیا) اس کے بعد **غُثَآءً** خشک۔

حلِ لغات غثاء (خشک) بمعنی دریبا بروزن امیر خشک ہونا پودوں کا یا درختوں کا یا سبزیوں کا۔ الجوہری نے فرمایا: الغثاء (بالضم والمد) جسے سیلاب بہا کر لے جائے، تنکے وغیرہ۔

القماش شے کا ادھر ادھر سے جمع ہونا اور وہی جمع شدہ شے تنکے ہیں جو زمین پر اشیاء کے ٹکڑے وغیرہ بکھرے پڑے ہوتے ہیں، اسی لیے نکمّے اور بیکار (رذیل) لوگوں کو قماش کہا جاتا ہے۔

اَحْوٰی سیاہ۔ از حوۃ بمعنی سیاہی۔ وہ اس لیے کہ گھاس جب خشک ہوتا ہے خواہ سورج کی حرارت کے اثر سے خواہ برودۃ ہوا سے، فاء تعقیبیہ۔ ہے اشارہ ہے قصر مدۃ الخضرۃ کے اور رمز قصر مدۃ العمر اور سرعۃ زوال اور اس کی نعمتوں کے یعنی محققین اس آیت سے سمجھتے ہیں کہ دُنیا کی چراگاہ کے چرنے والوں کے لیے اگرچہ یہ دنیا اولاً تازہ اور سیراب اور سرسبز اور خوش نظر آتی ہے پھر چند روز کے بعد حوادث کے

خزاں کے جھونکوں سے سیاہ اور ویران سی ہو جاتی ہے ؎

اگرچہ خرم و تازہ است گلبن دنیا — ولے بنکبت باد خزاں نمی ارزد
بجز دہ خوری و قرص قمر زجائے مرو — کہ خوان چرخ بیکتائے تاں نمی ارزد

ترجمہ: اگرچہ دنیا کا باغ خرم و تازہ ہے لیکن انجام یہ ہے کہ وہ باد خزاں سے بھی کم قیمت ہے اگرچہ سورج و چاند کو تو نے قبضے میں لے لیا تو کیا ہوا (اس سے مغرور نہ ہو) اس لیے کہ چرخ کے دستر خوان کے بالمقابل یہ ایک ذرّے کی قیمت بھی نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ حیاۃِ دنیا کی زینت اور اس کے منافع اور ماکل و مشارب۔ کیونکہ وُہ نفس حیوانیہ اور بہائم قوٰی کی چراگاہ اور اسے اللہ تعالیٰ نے سریع الفنار والزوال بنایا ہے بھُوسے اور پُرانے سیاہ گھاس اور تنکے کی طرح اس لیے لازم ہے کہ اس کی طرف توجہ ہی نہ ہو اور نہ اس میں مشغولی ہو کیونکہ وہ تسبیح خاص سے مانع ہے یعنی ذات الٰہی کی علائق سے تنزیہ و تجرید علاوہ ازیں اس سے وہ کمال جو ہر ایک کے لیے مقدّر ہے سے حجاب حائل ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى (اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے) یہ اس ہدایتِ خاص کا بیان ہے جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خاص ہے بعد اس ہدایت کے بیان کے جو عام اور تمام مخلوقات کے لیے تھی اور یہ ہدایت حصولِ وحی اور حفظ القرآن جو جملہ عالمین کی ہدایت اور توفیق ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام لوگوں کو ہدایت دینے کے لیے۔

حلِ لغات

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے المفردات میں فرمایا کہ اس میں خبر اور ضمانت ہے اللہ تعالیٰ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایسا کرم فرمائے گا کہ آپ جو کچھ حق سے سنیں کبھی نہ بھُولیں۔ اور سین تاکید کا ہے اس لیے کہ مراد یہ ہے کہ جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے یا کی جائے گی اس کے متعلق آپ کو اللہ تعالیٰ کے خود پڑھانے کا وعدہ کریہ ہے ضمناً اور دائمی وحی کا بھی۔ اقراء از قراۃ ہے کہا جاتا ہے قرأ القرآن فھو قارئ و أقرأہ غیرہ فھو مقرئ یعنی وہ اسے پڑھایا یعنی اسے اس کا علم دیا۔

تاج المصادر میں ہے کہ الاقراء بمعنی قرآن پڑھانا اور اسے کان تک پہنچانا، اسی سے ہے سنقرئك۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم آپ کو وُہ پڑھاتے ہیں جو ابھی آپ کو وحی کی گئی یا وُہ جو آپ پر آئندہ وحی کی جائے گی جبریل علیہ السلام کی زبان کے واسطہ سے پھر بوجہ قوت حفظ و اتقان سے آپ نہ بھُولیں گے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ ہم جمع کردیں گے قرآن کے حفظ کو آپ کے قلب اقدس اور اس کی قراۃ آپ کی زبان پاک پر یہاں تک کہ آپ کبھی نہ بھُولیں گے۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ان علینا جمعہ و

حوانه (بیشک ہم پر اس کا جمع کرنا اور پڑھنا)

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (مگر وہ جو اللہ تعالیٰ چاہے) استثناء مفرغ ہے از اعم المفاعیل یعنی آپ جو کچھ پڑھیں گے اس کی کوئی شئے نہ بھولیں گے مگر وہ جو اللہ تعالیٰ اس کا بھلانا خود چاہے گا کر اس کی تلاوت منسوخ کر دے گا کیونکہ نسخ بھی انساء (بھلانا) کی ایک قسم ہے اور اس کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے گویا منسوخ کو صحیفوں اور دلوں سے مٹا دیا گیا۔ اس تقریر پر یہاں نسیان سے نسیان کلی مراد ہے جو دائمی ہو کر اس کے بعد اس کا یاد ہونا ختم ہو جائے۔

ف : یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں نسیان سے وہی متعارف معنیٰ مراد ہو جو بھولنے کے بعد پھر وہ شے یاد آجاتی ہے یعنی نسیان فی الجملہ قلیل ہو یا کثیر۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ نہ بھولیں گے مگر جب نسیان کو چاہے، پھر وہ بھولی ہوئی بات ہمیشہ بھولی ہوئی نہ رہے گی بلکہ بعد میں یاد آجائے گی جیسا کہ اس مقام سے مفہوم ہوتا ہے۔

حدیث شریف ۱ اس معنیٰ کی تائید ایک حدیث شریف سے ہوتی ہے جیسا کہ مروی ہے کہ نماز میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک آیت چھوڑ گئے، حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ شاید منسوخ ہو گئی۔ آپ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا میں بھول گیا تھا (منسوخ نہیں ہوئی)

حدیث شریف ۲ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رات کو قرآن پاک پڑھا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے مجھے ایک آیت دلا دی جسے میں بھول گیا تھا۔

دُعاءِ ختم القرآن حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختم قرآن کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

اللھم اٰنس وحشتی فی قبری اللھم	اے اللہ! میری قبر کی وحشت کا مانوس بنا۔
ارحمنی بالقراٰن العظیم ٥ واجعلہ	اے اللہ! قرآن عظیم کے طفیل مجھ پر رحم فرما
لی اماما ونورا وھدًی ورحمۃ ٥	اور اسے امام اور نور بنا اور ہدایت ورحمۃ
اللھم ذکرنی منہ ما نسیت وعلمنی منہ	اے اللہ! مجھے یاد دلا میں بھول گیا اور
ما جھلت وارزقنی تلاوتہ اٰناء الیل	مجھے علم دے جس سے میں بے خبر ہوں اور

---

[1] مفسرین کرام نے فرمایا کہ آیت میں جس نسیان کا استثناء ہے وہ اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ بھولیں۔ (خازن) اویسی غفرلہ

و اٰناء النہار و اجعلہ لی حجۃ یا رب العالمین ٥	اس کی تلاوت کی توفیق عطا فرما رات اور دن کی گھڑیوں میں اور اے رب العالمین اسے میرے لیے حجت بنا۔

حدیثِ نسیان نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انما أنا بشر انسٰی کما تنسون فاذا نسیت فاذکرونی۔	میں بشر ہوں میں بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو، جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلاؤ۔

ف: اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا:

واذکر ربک اذا نسیت۔ (یاد کرو اپنے رب تعالیٰ کو)

مسئلہ: یہ دلائل واضح کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نسیان طاری ہو جاتا تھا۔

ازالۂ وہم (ایسی دلیلیں دیکھ کر دیوبندی وہابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جیسا بشر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے مذکورہ بالا مسئلہ لکھ کر یوں ازالہ فرمایا:)

وان لم یکن سہوہ ونسیانہ من قبیل سہو الامۃ ونسیانہم فانہ اہل الحضور الدائم۔	اگرچہ آپ کا سہو ونسیان امت کے سہو نسیان کے قبیل سے نہ تھا کیونکہ آپ دائم حضوری تھے۔

(ص ۳۰۶)

معجزۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کان یقرأ من الکتاب وان کان لایکتب وفیہ معجزۃ لہ علیہ السلام فانہ کان أمیا وقد جعلہ اللہ قارئا ثم انہ کان یقرأ من الحفظ ومن الصحیفۃ ایضا من غیر تعلم الخط وکان منبع الکمالات کلہا حتی انہ علم الکتاب	نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کتاب سے پڑھتے تھے اگرچہ لکھتے نہ تھے یہ آپ کا معجزہ تھا کیونکہ آپ اُمّی تھے اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے پڑھنے والا بنایا تھا پھر آپ حفظ اور صحیفہ سے بھی پڑھتے، خط سیکھے بغیر آپ کل کمالات کے سرچشمہ تھے

الخط وقوانینہ واصحاب الحرف دقائق حرفھم۔ (ص ، ۲۰۰)	یہاں تک کہ آپ نے کتاب اور خط اور اس کے قوانین اور تمام حرفتیں اور ان حرفتوں کے دقائق کو بھی جان لیا۔[1]

اِنَّہٗ یَعۡلَمُ الۡجَہۡرَ وَمَا یَخۡفٰی (بیشک وہ جانتا ہے ہر کھلے اور چھپے کو) ما قبل کی تعلیل ہے ما موصولہ ہے اور یہ تمام کھلے اور چھپے کو شامل ہے از قبیل قول و عمل ہو اور اخفاء اور اخفاء وہ ہے جو ضمائر میں نیات وغیرہ چھپی ہوئی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ جو ظاہر ہے اور وہ جو چھپا ہے منجملہ اس کے وہ ہے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے پس تمہیں بھلائے جس کا بھلانا وہ چاہے اور محفوظ رکھے جس کا باقی رکھنا چاہے کیونکہ دونوں میں تمہارے دین کے مصالح ہیں وَنُیَسِّرُکَ لِلۡیُسۡرٰی (اور ہم تمہارے لیے آسانی کا سامان کردینگے) اس کا عطف نقرئک پر ہے۔

حلِ لغات

الیسرٰی بروزن فعلی از یُسر بمعنی سھولت (آسانی) کہا جاتا ہے یسّرت کذا سھلت وھیأت (میں نے آسانی کا سامان تیار کیا) یسرك توفیق کے معنی کو متضمن ہے اسی لیے بغیر لام کے متعدی ہے ورنہ عبارت معتادہ یوں ہوتی جعل الفعل الفلانی میسرا لفلان (اس نے فلاں کام فلاں کے لیے آسان کیا) کہا جاتا ہے جعل فلان میسراً للفعل الفلانی۔ جیسا کہ آیت میں ہے نیسرك للیسری کہا گیا نہ کہ نیسر الیسری لك۔

نکتہ: نون عظمۃ (جمع متکلم) سے عظمۃ معطی کی دلیل ہے اس کی عظیم عطا پر۔

سوال: الارشاد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے لیے یُسری کی تیسیر کا کیا معنیٰ جبکہ تیسیر تو امور کے لیے ہوتی ہے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے ویسّرلی امری (میرے لیے میرا معاملہ آسان فرما) خلاصہ یہ کہ تیسیر کی تعلیق بالامور المسنوہ فاعل کے لیے ہوتی ہے یہاں مفعول کے لیے۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کو یُسری پر قدرت و اختیار دیا گیا کہ اس

---

[1] **رَدِّ وہابیہ و دیوبند اور مودودیہ** ہمارے دور میں نجدی وہابی اور اس کی تمام شاخیں منکر ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہ ان کا کمالاتِ مصطفوی سے حسبِ عادت انکار ہے ورنہ اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ دونوں آپ کے معجزے ہیں اور معجزات کا منکر ملحد و بے دین ہوتا ہے جیسے نیچری، چکڑالوی اور تمام فلاسفہ۔ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیں کہ یہ دونوں معجزات میں شامل ہیں اور سابقین علماءِ کرام معجزات میں لکھتے چلے آئے جیسا کہ مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہے۔ اویسی غفرلہٗ

میں جس طرح چاہیں تصرف کریں یہاں تک کہ وہ یسریٰ آپ کے لیے ملکہ راسخہ کی طرح ہے گویا آپ کا وہ جبلی امر ہے جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اعملوا فکل میسر لما خلق لہ۔ عمل کرو پس ہر انسان اس پر آسانی دیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا ہم آپ کو ہمیشہ ایسے آسان طریقہ کی توفیق دیتے ہیں جو ابوابِ دین میں علماً و تعلیماً و اہتداءً و ہدایۃً آپ کے لیے آسان سے آسان تر ہے اس میں طریقہ وحی حاصل کرنے اور احاطہ اس کا جو اس میں احکام شریعت اور وہ نور معین الٰہیہ داخل ہیں جو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے متعلق ہیں جیسے آنے والے جملہ کی فاء سے ظاہر ہوتا ہے فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (تو تم نصیحت فرماؤ اگر نصیحت کام دے) یعنی لوگوں کو اس کے موافق جو ہم نے آپ کے لیے آسان کیا ہے اس سے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور انھیں ہدایت دیں ان احکام شرعیہ کی جیسے آپ کرتے ہیں اگر انھیں تذکیر د نصیحت اور وعظ فائدہ دے۔

ف: تذکیر کو نفع الذکرٰی سے مقیّد کرنا اس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ وعظ و نصیحت فرماتے یہاں تک کہ اپنی تمام جدوجہد اس پر صرف کر دیتے اس حرص میں کفار مسلمان ہو جائیں لیکن اس سے بعض کفار کے کفر و عناد میں اضافہ ہو جاتا اسی لیے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وعظ و نصیحت اسے فرمائیں جس سے نفع کی امید ہو یعنی جسے نصیحت کی جائے اس سے کُلی یا جُزوی طور پر اسے فائدہ کی امید ہو تو نصیحت کرو ورنہ خود کو تکالیف اور مشقت میں ڈالو بالخصوص اس کے بارے میں جو کفر و سرکشی اور لذات میں بڑھتا ہے کہ جس کے دل پر مُہر لگ چکی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے، فذکر بالقرآن من یخاف وعید (قرآن کے ساتھ اسے نصیحت کیجئے جو میرے وعید سے ڈرتا ہے) حرف شک راجع بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف۔

قاعدہ

کشف الاسرار میں ہے کہ حرف ان عربیۃ میں مثبتہ ہے نہ کہ شرطیہ۔ اس معنی پر یہ قدرے بدل ہے یہ اس آیت کی طرح ہو جائے گا جیسے فرمایا:

فذکر فان الذکرٰی تنفع المؤمنین۔ نصیحت کیجئے اس لیے کہ اہلِ ایمان کو نصیحت نفع مند ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ نصیحت ضرور نفع دے گی کہ یا کفر کا ترک ہوگا یا ترکِ معصیۃ ہوگی یا طاعت میں کثرت کی خواہش پیدا ہوگی۔ اس معنی پر الٹا نصیحت کی ترغیب اور تنبیہ ہوگی کہ نصیحت ضرور نفع دیتی ہے سوائے اس کے کہ جس کے دل پر مہر لگ چکی یا قبول کرنے کی استعداد نہیں رکھتا کیونکہ

نفع مشروط بہ شرط استعداد ہے ؂

زمین شورہ سنبل بر نیارد
در و تخم عمل ضائع مگردان

ترجمہ: زمین شورے سنبل پیدا نہ ہوگی اس میں عمل کا بیج ضائع نہ کر۔

ف: خلاصہ یہ کہ تذکیر (نصیحت) خاص اس سے جو اس سے نفع اٹھائے اور یہ انجام کے اعتبار سے ہے ورنہ ابتداءً تو عام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذمہ صرف اور صرف احکام کی تبلیغ ہے ؂

من آنچہ شرط بلاغست با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

ترجمہ: وہ جو شرط تبلیغ کی تھی میں نے تجھے کردی تو سخن سے نصیحت حاصل کر یا ملال کر۔

ربط: حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان نفعت الذکریٰ میں اجمال تھا اب اس کی تفصیل شروع ہے سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے) یعنی جس کی شان ہے خدا تعالیٰ سے ڈرنا یا اس کے حق میں جو اللہ تعالیٰ سے کچھ تو ڈرتا ہے آپ کی نصیحت سے بڑھے گا اور جس بارے میں نصیحت کی گئی ہے اس میں غور و فکر کر کے حقیقت سے واقف ہو کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا۔

نصیحت پذیر لوگوں کی اقسام تفسیر کبیر میں ہے کہ امر معاد (آخرت) میں لوگ تین قسم ہیں:

(۱) جسے اس کے متعلق یقین ہے۔

(۲) اس کے وجود کا تو قائل ہے لیکن اسے مکمل یقین نہیں، نہ نفی میں نہ اثبات میں۔

(۳) اس کا مکمل طور منکر ہے۔

پہلے دو قسم نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور تیسرا محروم رہتا ہے۔

وَيَتَجَنَّبُهَا (اور اس سے دور رہے گا) نصیحت سے اور سماع قبول کے طور نہ سنے گا الْاَشْقَى (بڑا بدبخت) کافروں میں سے شقاوت میں کامل، کیونکہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی عداوت میں بہت زیادہ خبط ہے جیسے ولید بن مغیرہ و ابوجہل اور ان جیسے اور۔ یا اشقیٰ سے مطلق کافر مراد ہے اس لیے کہ وہ فاسق سے زیادہ بدبخت ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ من یخشیٰ سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور اشقیٰ سے ایک منافق مراد ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری اور منافق کی منافقت

مروی ہے کہ ایک منافق کی کھجور ایک انصاری کے گھر کی طرف مائل تھی اس کا ثمر انصاری کے گھر میں گرتا تھا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے فرمایا کہ یہ کھجور انصاری کو بطورِ عطیہ دے دے اس کے عوض میں تجھے بہشت کی کھجور دے دُوں گا (اس سے قبل منافقت معلوم نہ تھی اب ظاہر ہوئی) چنانچہ کہنے لگا کہ نقد کو ادھار پہ بیچوں، میں ایسا نہیں کرسکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک باغ اس انصاری کو دے دیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تکملہ) عجوزِ موسیٰ علیہ السلام کا قصّہ

کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کوئی کام کر دیا آپ نے اسے فرمایا مدینہ طیبہ آنا (تجھے انعام سے نوازا جائیگا) وہ مدینہ طیبہ حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: اسّی (۸۰) بھیڑیں چاہئیں یا تیرے لئے دعا مانگوں تجھے اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بہشت میں جگہ دے۔ عرض کی: مجھے اسّی (۸۰) بھیڑیں چاہئیں۔ آپ نے فرمایا: دے دو۔ اس کے بعد فرمایا کہ تجھ سے تو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کی بُڑھیا زیادہ سمجھدار نکلی، وُہ یُوں کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے جسم اطہر (مزار) کی جگہ بتائی تو اسے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرے لیے دُعا کروں کہ میرے ساتھ بہشت میں تیری جگہ ہو یا سو بکریاں چاہئیں۔ عرض کی: مجھے بہشت چاہیئے ؎

(۱) ہر کہ بیند مر عطا را صد عوض — زود در بازد عطاء از این غرض

(۲) آرزوئے گُل بود گل خوارہ را — گلشکر نگوارد آن بیچارہ را

ترجمہ: (۱) جو عطا کے عوض سو عوض طلب کرتا ہے جلد تر ہوگا کہ اس غرض کا دروازہ کھلے گا۔

(۲) گُل کی آرزو گُل کے چاہنے والے کو ہوتی ہے بیچارے بےخبر کو گلقند اچھی نہیں لگتی۔

اَلَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی (جو سب سے بڑی آگ میں جائے گا) طبقات النار کے نچلے طبقہ میں داخل ہوگا کیونکہ وہ بہ نسبت دیگر طبقات زیادہ تیز ہے اور وہ آلِ فرعون اور منافقین اور مائدۂ عیسیٰ علیہ السلام کے منکرین کی جگہ ہے اور نارِ صُغریٰ جو نار کا اوپر والا طبقہ ہے اس میں اُمتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گنہ گار رہوں گے۔

حلِ لغات کُبریٰ اسم تفضیل ہے کیونکہ اکبر کی تانیث ہے اور مفضل وہ جو دوزخ کے طبقات میں سب سے نیچے ہے اور وہ کفار کا حصہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان المنافقين فی الدرك الاسفل من النار۔ — بیشک منافقین آگ کے درک اسفل میں ہوں گے۔

اور مفضل علیہ وہ طبقہ ہے جو جہنم کے دوسرے طبقات سے سب سے اُوپر ہے اس لیے کہ جہنم کی آگ جلانے والی کی کئی قسمیں اور درکات ہیں ایک دوسرے میں مرتبے میں بڑے اور چھوٹے ہیں جیسے دنیا میں گناہ کبیرہ اور صغیرہ ہیں تو ایسے ہی کفار میں زیادہ بدبخت نیران کے سب سے بڑے درجے میں ہوں گے۔

ف : بعض نے کہا کہ کبریٰ نارِ جہنم اور نارِ صغریٰ نارِ دنیا ہے یعنی نار الآخرۃ مفضل اور نارِ دنیا مفضل علیہ ہے۔

حدیث شریف : حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

نارکم هذه جزء من سبعين جزأ من نار جهنم وقد غمست فی ماء البحر مرتين ليدنی منها وينتفع بها ولو لا ذلك ما دنوتم منها۔

تمہاری آگ نارِ جہنم کا سترواں حصہ ہے اسے دریا کے پانی میں دو بار ڈبو دیا گیا تاکہ اس کے قریب جایا جاسکے اور نفع اٹھایا جاسکے اگر اسے ڈبویا نہ جاتا تو تم اس کے قریب نہ جاسکتے۔

ف : کہا گیا ہے کہ نارِ دُنیا نارِ آخرت سے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتی ہے کہ اسے پھر اس میں نہ لوٹایا جائے۔

ف : فقیر (صاحب رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ نار کبریٰ سے وہ عذاب اکبر مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فيعذبه الله العذاب الاكبر۔ — تو اسے اللہ تعالیٰ عذابِ اکبر میں مبتلا کرے گا۔

اور عذابِ اکبر عذابِ آخرت ہی ہے اور عذابِ اصغر وہ عذابِ دنیا اور عذاب برزخ ہے کیونکہ یہ بہ نسبت عذابِ آخرت کے اصغر ہیں۔

بدبختوں کے علامات

بعض دانشوروں نے فرمایا کہ شقاوت کے چند علامات ہیں :

(۱) بکثرت اکل
(۲) بکثرت شرب
(۳) بکثرت نوم
(۴) گناہ پر اصرار
(۵) قساوتِ قلب
(۶) کثرت گناہ
(۷) رب تعالیٰ کو بھول جانا

(۸) بادشاہ سرکش کے سامنے ہر وقت خوشامد و چاپلوسی میں رہنا۔ یہی سب سے زیادہ بدبخت ہے جو بڑی نار میں داخل ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ (۱) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ نار دو ہیں:

(i) نار حجاب الدنیا یعنی شہوات و لذات میں مشغول رہنا، یہ نارِ صغریٰ ہے۔

(ii) نار حجاب الآخرۃ یعنی خذلان و خسران اور طرد و ہجران میں مبتلا ہونا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا۔

اور جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور یہ راستہ حقیقی سے بہت زیادہ گمراہ ہے۔

کیونکہ اس سے استعداد فوت ہو چکی ہے۔

(۲) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نار کبریٰ یہی نار حجاب ہے رب تعالیٰ سے شرک کرکے اور رغیر سے تعلق جوڑنے سے اور نار القہر ہے مقام صفات میں اور نار الغضب والسخط ہے مقام افعال میں اور نار جہنم الآثار ہے موقف اربعہ میں، یعنی:

۱۔ موقف الملک

۲۔ موقف الملکوت

۳۔ موقف الجبروت

۴۔ حضرۃ اللاہوت ہمیشہ ہمیشہ تک اور اس سے بڑھ کر اور کوئی نار نہیں۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا (پھر اس میں نہ مرے) کہ راحت پائے وَلَا يَحْيٰى (اور نہ جئے) ایسی زندگی کہ اسے نفع دے جیسے کوئی سخت بلاء میں مبتلا ہو جائے تو اسے کہتے ہیں نہ مرتا ہے نہ جیتا ہے۔ ثمّ تراخی مراتب شدۃ کے لیے ہے اس لیے کہ تردد درمیان موت و حیات کے زیادہ خطرناک ہے دوزخ میں داخل ہونے سے۔

فائدہ صوفیانہ حضرت ابن عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ نہ مرے گا کہ قطعیۃ کے عذاب سے راحت پائے اور نہ جئے گا کہ روح وصال تک پہنچ سکے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے نہ اس کا نفس مرے گا تاکہ عقوبات حجاب و احتجاب سے راحت پاسکے اور نہ اس کا قلب زندہ ہو سکے حیاتِ ایمان سے اس لیے کہ

نہ وہ دار الجزاء میں ہے نہ دار التکلیف میں ہے۔

اور حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نہ مرے گا انعدام کے امتناع کی وجہ سے اور نہ زندہ ہو گا حقیقت سے اس لیے کہ وہ روحانی طور پر ہلاک ہو چکا ہے یعنی وہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا ایسی حالت میں ہو گا کہ وہ اس وقت موت کی آرزو کرے گا جب وہ ہلاک ہو گا اور جل جائے گا تو پھر اسے حیاۃ بچائے گی تاکہ عذاب میں مبتلا ہو اس طرح اس کے لیے ہوتا رہے گا۔ ایسا شخص نہ مطلقاً مردہ ہو گا نہ مطلقاً زندہ۔

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ مر یگا تو اس لیے نہیں کہ موت کو تو ذبح کیا جا چکا ہو گا، اس لیے اسے موت کہاں سے، اور نہ زندہ ہو گا کیونکہ مغموم انسان میت کی مانند ہوتا ہے وہ ہمیشہ روحانی عذاب میں ہوتا ہے، اسی طرح اسے ایسے عذاب میں مبتلا کیا جاتا رہے گا جیسے جسمانی عذاب میں ہمیشہ مبتلا ہو گا۔

ف: بعض اکابر نے فرمایا کہ اس کی حیات موت سے نہیں ہو گی اور نہ ہی موت سوائے رؤیت حق تعالیٰ کی محرومی ہی ہو گی اس لیے کہ اس موت کے بغیر کوئی دوسری موت مرا تو وہ زندہ نہ ہو گا اور جو حیات کے بغیر زندہ ہے تو اس کی حیاۃ حیوانی ہے نہ کہ حیاۃ انسانی۔

تفسیر عالمانہ قَدْ اَفْلَحَ (بیشک مراد کو پہنچا) یعنی تکالیف سے نجات پا گیا اور کامیاب ہوا اس سے جو اس کی امید ہے مَنْ تَزَكّٰى (وہ جو پاک ہوا) یعنی پاک ہوا کفر و معاصی سے، ذِکریٰ سے نصیحت و وعظ حاصل کرنے یا زیادہ تقویٰ و خشیت الٰہی سے۔

حل لغات الزکاء، النماء (بڑھنا) لفظ قد اس لیے ہے کہ برے حال (جو ذکریٰ کے ذریعہ آخرت کے خوف سے بچنے کی خبر دینا) سے اجتناب کرتا ہے کہ جس نے نصیحت حاصل کی اس کے حسنِ حال کے متعلق سامع امید کرتا ہے اس کے لیے لفظ قد لایا گیا۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی) اور اپنے ربّ کا نام (دل اور زبان سے) لے کر نماز پڑھی۔ پانچ نمازیں قائم کیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واقم الصلوٰۃ لذکری۔ (اور میری نماز میرے ذکر کے لیے قائم کیجیے)

مسئلہ: آیت میں ذکر سے تکبیرِ افتتاح مراد ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ نماز کا جزو نہیں ہے کیونکہ نماز کا اس پر عطف کیا گیا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ افتتاح نماز کا اللہ تعالیٰ کے ہر نام سے جائز ہے کیونکہ حنفیوں کے نزدیک ضروری ہے کہ کہا جائے اللہ اکبر، ذکر سے عام ہے جو بھی ہو (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تزکّیٰ سے صدقۂ فطر دینا اور رب کا نام لینے سے عید گاہ کے راستہ میں تکبیریں کہنا اور نماز سے نمازِ عید مراد ہے۔ تفسیر مدارک و احمدی)

ف : امام (فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ اعمال کے تین مراتب ہیں :
(۱) قلب سے عقاید فاسدہ کا ازالہ یہی تزکّی سے مراد ہے ۔
(۲) اللہ کی ذات و صفات و افعال کی معرفت کا استحضار، ذکر سے یہی مراد ہے کیونکہ ذکر قلبی معرفت کے بغیر نہیں ہوتا ۔
(۳) طاعت و خدمت میں مشغول رہنا، الصّلوٰۃ سے یہی مراد ہے اس لیے کہ نماز تواضع و خشوع کا نام ہے اس لیے کہ جو اپنے قلب کو معرفت جلالِ الٰہی سے چھپاتا ہے اس پر لازم ہے کہ جوارح و اعضاء پر خضوع و خشوع کے اثرات ظاہر کرے ۔

اعضاء کی تخلیق کی غرض و غایت بعض علماءِ کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چہرہ سجدہ کے لیے، آنکھ عبرت کے لیے، بدن عبادت خدمت کے لیے، قلب معرفت کے لیے سِرّ عشق و محبت (الٰہی) کے لیے بنائے ہیں پس اے اللہ تعالیٰ کے بندو! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو کہ اس نے تمہاری زبانیں شہادت کے لیے اور قلوب معرفت کے لیے اور ابدان عبادت کے لیے مزیّن فرمائے ۔

حدیث قدسی شریف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے روایت فرمائی کہ میری نمازیوں کے ساتھ تین شرطیں ہیں :
(۱) آسمان کے عنان سے اس کی چوٹی سر پہ رحمت کی بارش کا نزول جب تک نماز میں ہے ۔
(۲) اسے ملائکہ اپنے پروں سے گھیرلیں ۔
(۳) میں خود اس سے گفتگو کروں کہ جب کہے یارب ۔ میں کہوں لبیّک ۔

ف : اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر نمازی کو معلوم ہو جائے کہ وہ کس سے گفتگو کر رہا ہے تو وہ کسی طرف توجہ ہی نہ کرے ۔

مسئلہ : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تزکّی سے مراد صدقۂ فطر ہے جو نمازِ عید ادا کرنے سے پہلے ادا کیا جائے اور ذکر سے وہ تکبیر مراد ہے جو نماز ادا کرنے کے لیے جاتے (اور واپس ہوتے ہوئے) کہتا ہے اور صلوٰۃ سے مراد نمازِ عید ہے جو امام کے ساتھ ادا کرتا ہے ۔

ازالۂ وہم یہ سورۃ مکیّہ ہے بالاجماع، اور مکہ معظمہ میں عید کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور نہ ہی صدقۂ فطر کا حکم، لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے سچے دوست فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو گیا تھا کہ ایسا ہو گا کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے عمل والے کی تعریف فرمائی ہے ۔

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ احکام کے نزول سے پہلے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دیتا تھا کہ ایسے ہوگا اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ سے سُن کر ایسے کہا ہو تو ہو سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کو مخالفاتِ شرعیہ سے پاک کرنے اور قلب کو حُبِّ دنیا سے نہ صرف پاک کرنے بلکہ اسے ملاحظہ غیر سے پاک کرنے اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف بقدر استعداد متوجہ کرنے کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو وسعت سے بڑھ کر مکلف نہیں کرتا۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا (بلکہ تم حیاتِ دنیا کو پسند کرتے ہو) مقدر سے اعراض ہے جس کی طرف کلام چلا گیا ہے گویا ایسی شے کے (جو فلاح تک پہنچائے) بیان کے بعد فرمایا تم یہ نہیں کرتے بلکہ تم لذاتِ عاجلہ فانیہ کو پسند کرتے ہو اور ان کی تحصیل کے لیے کوشاں ہو اور یہ خطاب کفار کو ہے تو اس سے مراد ان کی ایثار دنیا سے خوشنودی اور اطمینان اور اعراض از آخرت بالکلیہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان الذین لایرجون لقاءنا ورضوا	اور وہ جو ہمارے دیدار کی امید نہیں رکھتے
بالحیٰوۃ الدنیا واطمأنوا بہا الآیۃ	اور حیٰوۃِ دنیا سے خوش اور اس سے مطمئن ہیں۔

یا عام خطاب ہے تو پھر ایثار سے مراد بھی اعم ہے اس سے جو مذکور ہوا اور ہر اس امر سے کہ جس سے کوئی بھی خالی نہیں اکثر لوگ ایسے ہیں جو سعی اور ترتیب مبادی میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اوّل معنی پر التفات توبیخ تشدید کے لیے ہے دوسرے معنی پر کافروں کے حق میں، اور تشدید عقاب ہے مسلمانوں کے لیے۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے کہ کافر تو حیاتِ دنیا کو کفر کی حیثیت سے ترجیح دیتا ہے کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ آخرت ہے ہی نہیں اور مومن اسے بحیثیت معصیت اور غلبۂ نفس سے ترجیح دیتا ہے، ہاں جسے اللہ تعالیٰ بچائے (جیسے انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام)

ف: عین المعانی میں ہے کہ یہ خطاب تمام امت کو ہے اس لیے کہ ہر کس حُبِّ دنیا کو ترجیح دیتا ہے یا اس میں رغبت سے یا اس میں آخرت کے ثواب کے ذخیرہ جمع کرنے میں۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کے متعلق سب سے پہلے یہی فتویٰ جاری کیا کہ اس کے حلال کا حساب ہوگا اور اس کے حرام سے عذاب، اور آپ نے دنیا اور اہلِ دنیا کو ملعون فرمایا۔ چنانچہ فرمایا:

الدنیا ملعونة ملعون ما فیھا الا ذکر اللہ۔ دنیا ملعونہ ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے ذکرِ الٰہی کے۔

ہ

(۱) اگر دینت ہمی باید ز دنیا دار پے بگسل
ورت دنیا ہمی باید بدہ دین و ببر دنیا

(۲) وراز دوزخ ہمی ترسی بمالے پس مشو غرہ
کہ اینجا صورتش مالست و آنجا شکلش اژدہا

(۳) چہ مانی بہر مردارے چو زاغان اندریں پستی
قفص بشکن چو طاؤساں یکے بر پر بزیں بالا

ترجمہ :(۱) اگر دین چاہیئے تو دنیادار سے ہاتھ دھو، اگر تجھے دنیا چاہیے تو دین دے دنیا لے۔

(۲) اگر دوزخ کا ڈر ہے تو دنیا سے دھوکا نہ کھا کیونکہ یہاں تو دنیا کی صورت مال کی سی ہے اور وہاں یعنی آخرت میں اژدہا کی شکل کی ہو گی۔

(۳) کوّوں کی طرح مردار (دنیا) پر کیوں لٹو ہے، پنجرہ توڑ مور کی طرح ایک پر زمین سے آسمان تک پھیلا دے۔

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے) یہ تؤثرون کے فاعل سے حال ہے توبیخ وعتاب کا مؤکد ہے یعنی تم دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت فی نفسہا بہتر ہے اس لئے کہ اس کی نعمتیں انتہائی لذیذ اور خرابی کے شائبہ سے خالص ہیں اور ہمیشہ ہیں ان کے ختم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس میں دنیوی نعمتوں کے تکدر و تنغص کے ذکر کے درپے نہیں ہوئے اور نہ ہی یہ بتایا کہ یہ نہایت قلیل اور ختم ہونے والی ہیں اس لیے کہ ان باتوں میں دنیوی نعمتیں ظاہر ہیں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ظواہر الاشیاء بہ نسبت ان کے حقائق کے ایسے ہیں جیسے چھلکا مغز پر۔ اور ظاہر ہے کہ مغز چھلکے سے بہتر ہے اور زیادہ باقی رہنے والا ہے اس لئے کہ مغز (دانہ وغیرہ) زمانہ دراز تک باقی اور محفوظ رکھا جاتا ہے بخلاف چھلکے کے کہ وہ مغز سے اتار کر عموماً ضائع کر دیا جاتا ہے یا آگ میں جھونکا جاتا ہے یا کوڑے کرکٹ پر پھینک دیا جاتا ہے پھر وہ ایک دو روز میں گل سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ تو جو چھلکے کے عاشق ہیں وہ امور ظاہر خسیسہ اور دنیۃ فانیہ کو امور باطنہ معنویہ شریفہ عزیزہ باقیہ پر ترجیح دیتے ہیں اس لیے کہ ایسے لوگ آخرت سے محجوب ہیں اور مغز والے آخرت کو ترجیح دیتے ہیں بلکہ (اللہ کی ذات) آخر کو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا؛

قل اللّٰہ ثم ذرھم (اللہ کے سوا سب کو چھوڑ دیئے)

بعض نے کہا قد افلح من تزکّٰی کامیاب ہے جو گناہوں سے تائب ہوا اور اللہ تعالیٰ کو یاد کیا یعنی جب اذان سُنی تو نماز کی طرف اُٹھ کھڑا ہوا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تارک الصلوٰۃ کی مذمت فرمائی کہ ایسے لوگ حیاۃِ دنیا کو پسند کرتے ہیں یعنی دنیوی کاموں کو آخرت کے امور پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ آخرت کے امور بہتر اور باقی رہنے والے ہیں بخلاف امورِ دنیا کے اور اس میں مشغول ہونے اور اس کی زینت کے۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ هٰذَا (بیشک یہ) اس طرف اشارہ ہے جو مذکور ہوا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی البتہ وُہ پہلے صحیفوں میں ہے۔

حل لغات

صُحُف صحیفة کی جمع ہے یعنی کتاب۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صحیفة وہ جو ہر شے سے مبسوط ہو، جیسے صحیفة الوجہ۔ اور صحیفة وُہ شے جس میں لکھا جائے مصحف جو جامع ہو تمام صحیفوں کا۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ ثابت ان میں یعنی نفس کو پاک کرنا ان امور سے جو اس کے لائق نہیں اور معارف سے روح کی اور عبادت سے جوارح کی تکمیل اور اس میں ہے زجر از التفات الی الدنیا اور آخرت اور ثوابِ الٰہی کی ترغیب کہ دارِ آخرت میں کیا کرامات نصیب ہوں گی اور یہ کہ پچھلی اُمتوں کے اختلاف الشرائع کو اختلاف نہیں کہا جا سکتا صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی (ابراہیم و موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفے) یعنی ابراہیم خلیل اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا و علیہما السلام کے صحیفے۔ یہ بدل ہے از الصحف الاولیٰ۔

صحیفوں کی تعداد

مروی ہے کہ کل ایک سو چار کتابیں تھیں۔ آدم علیہ السلام پر دس صحیفے اترے ایک صحیفہ صرف حروفِ تہجی پر مشتمل تھا، اور شیث علیہ السلام پر پچاس، اور یس علیہ السلام پر تیس اور ابراہیم علیہ السلام پر دس، اور توراۃ و انجیل و زبور و فرقان۔

صحیفۂ ابراہیم علیہ السلام

عاقل کو لائق ہے کہ وہ عقل سے مغلوب نہ ہو اور اپنی زبان کی نگرانی کرے زمانے کا عارف اپنی شان کی طرف متوجہ ہو نیز یہ بھی تھا کہ صفت تجرید سے موصوف ہو کر ماسوی اللہ سے نکلنا، جیسے فرمایا:

انی بریٔ مما تشرکون (بیشک میں اس سے بیزار ہوں جس کے ساتھ تم شرک کرتے ہو)

اور متوجہ الی اللہ ہو۔ جیسے فرمایا:

انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض۔

بے شک میں نے اپنا چہرہ پھیرا اس ذات کے لیے جس نے آسمان و زمین پیدا کیا۔

صحیفۂ موسیٰ علیہ السلام کا مضمون

موسیٰ علیہ السلام کے صحیفہ میں لکھا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! اپنے لیے نیک عمل کر نزولِ موت سے

پہلے، اور تجھے مہلت دھوکا نہ دے اس لیے اس آثار میں تیرا سفر ہے اور تجھے توبہ سے زندگی اور طول امل غافل نہ کر دیں، اس تاخیر پر تو ندامت اٹھائے گا جب تجھے ندامت فائدہ نہ دے گی۔ اے ابن آدم! اگر تو نے میرا حق نہ دیا اپنے اس مال سے جو میں نے تجھے دیا ہے تو نے اسے فقرائے سے روک لیا تو میں تجھ پر جبار مسلط کر دوں گا جو تجھ سے میرے حقوق چھین لے گا۔ اس پر میری طرف سے تجھے کوئی ثواب نہ ہوگا نیز یہ بھی ہے کہ اس کے جمال کے شوق میں سرعت ہو تعریف الصفات کے وقوف مقامات پر ندامت ہو، جیسے فرمایا: انی تبت الیك و انا اول المؤمنین۔ بیشک میں نے تیری طرف توبہ کی، اور مؤمنین میں سے پہلا مومن ہوں۔

مسئلہ: تیسیر میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک نماز میں قرأۃ بالفارسیہ جائز ہے (یہ قول مرجوح ہے اس پر فتویٰ نہیں) یعنی جس زبان میں قرأۃ ہو جائز ہے کیونکہ قرآن کا مضمون صحیفوں میں تھا اور اسی لیے فرمایا:

لفی زبر الاولین (بیشک وہ پہلے صحیفوں میں ہے)

اور اس میں شک نہیں کہ پہلے صحیفوں میں یہ قرآنی مضمون اسی نظم (عربی) میں نہ تھا اور نہ ہی یہ لغت تھی لیکن تھا وہ قرآن، اور دار و مدار معانی پر ہے اور الفاظ ان کے ظروف و قوالب ہیں۔ اس میں تائید ہے اس کی جو حدیث بالمعنیٰ نقل کرتا ہے۔

حدیث شریف اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتروں کی پہلی دو رکعتوں میں سبح اسم ربك الاعلیٰ اور قل یاایھا الکافرون اور پچھلی رکعت میں قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے تھے۔

اسی پر امام شافعی و امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا عمل تھا اور امام ابوحنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا عمل نہ تھا البتہ ان کے نزدیک وتر کی تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھنا مستحب ہے۔

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ تفسیر سورۃ الاعلیٰ سے سوموار کے دن ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۱۱۷ھ میں فراغت ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے بفضلہٖ تعالیٰ اور ببرکۃ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۱۵ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ بروز بدھ فراغت پائی۔ (الحمدللہ علی ذلک)

سُوْرَۃُ الْغَاشِیَۃِ مَکِّیَّۃٌ　بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ　اٰیَاتُهَا ۲۶ رُکُوْعُهَا ۱

سورۃ الغاشیۃ مکیہ ہے　اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا　اس میں چھبیس آیتیں ہیں

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ
بے شک تمہارے پاس اس مصیبت کی خبر آئی جو چھا جائیگی　کتنے ہی منہ اس دن ذلیل ہوں گے　کام کریں

نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِیَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ ۝۵ لَیْسَ لَهُمْ
مشقت جھیلیں　جائیں بھڑکتی آگ میں　نہایت جلتے چشمہ کا پانی پلائے جائیں　ان کے لیے کچھ کھانا نہیں

طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ ۝۶ لَّا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷ وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ
مگر آگ کے کانٹے　کہ نہ فربہی لائیں اور نہ بھوک میں کام دیں　کتنے ہی منہ اس دن چین میں

نَّاعِمَةٌ ۝۸ لِّسَعْیِهَا رَاضِیَةٌ ۝۹ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ۝۱۰ لَّا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً ۝۱۱
ہیں　اپنی کوشش پر راضی　بلند باغ میں　کہ اس میں کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے

فِیْهَا عَیْنٌ جَارِیَةٌ ۝۱۲ فِیْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۝۱۳ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۝۱۴ وَّ
اس میں رواں چشمہ ہے　اس میں بلند تخت ہیں　اور چنے ہوئے کوزے　اور

نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۝۱۵ وَّزَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌ ۝۱۶ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ
برابر برابر بچھے ہوئے قالین　اور پھیلی ہوئی چاندنیاں　تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے　کیسا

كَیْفَ خُلِقَتْ ۝۱۷ وَاِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ ۝۱۸ وَاِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ ۝۱۹
بنایا گیا　اور آسمان کو کیسا اونچا کیا گیا　اور پہاڑوں کو کیسے قائم کیے گئے

وَاِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ ۝۲۰ فَذَكِّرْ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝۲۱ لَسْتَ
اور زمین کو کیسے بچھائی گئی　تو تم نصیحت سناؤ تم تو یہی نصیحت سنانے والے ہو　تم کچھ ان

عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ ۝۲۲ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۝۲۳ فَیُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ
پر کڑوڑا نہیں　ہاں جو منہ پھیرے اور کفر کرے تو اسے　اللہ بڑا عذاب دے گا

الْاَكْبَرَ ۝۲۴ اِنَّ اِلَیْنَاۤ اِیَابَهُمْ ۝۲۵ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَهُمْ ۝۲۶
بے شک ہماری ہی طرف ان کا پھرنا ہے پھر بے شک ہماری ہی طرف ان کا حساب ہے

سورۃ الغاشیہ مکیہ اور اس کی چھبیس آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

تفسیر عالمانہ

هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ (بیشک تمہارے پاس مصیبت چھا جانے والی خبر آئی) امام النحو قطرب نے کہا اس کا معنی ہے بیشک تمہارے پاس لے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! چھا جانے والی خبر آئی۔ حضرت مولانا ابو السعود نے الارشاد میں لکھا کہ یہ معنی نہیں بلکہ یہ ھَل استفہامیہ ہے اس سے تعجب مراد ہے اس سے جو اس میں ہے، اور اس کے سننے کا شوق دلانا ہے اور آگاہ کرنا ہے کہ یہ ان عجیب خبروں میں جن کا حق یہ ہے کہ ان کو راوی نقل کریں اور اس کے حامل کرنے میں محفوظ کرنے والے ہر شہری اور دیہاتی حاصل کرے۔

حل لغات

الغاشیۃ وہ دہشت ناک خبر جو سخت ہو جو اپنے شدائد سے لوگوں کو چھپالے اور اپنی ہولناکیوں سے گھیرلے۔ اس سے قیامت مراد ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ دن جس دن ان پر عذاب چھا جائیگا اوپر سے نیچے۔ اور فرمایا: وہ دن جس کا شر پھیلا ہوا ہے۔ کہا جاتا ہے: غشیۃ یغشاہ یعنی غطاہ وکل ما احاط بالشئ من جمیع جہاتہ فھو عاش لہ ہر وہ جو شے کو جملہ جہات سے گھیرلے اور وہ اس پر چھا جانے والا ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ (کتنے ہی منہ اس دن ذلیل ہوں گے) جملہ مستانفہ اس سوال سے جو استفہام تشویقی سے اٹھا گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے کہا گیا کہ کون سی خبر آئی اور وہ ہے کیا، جواب ملا وجوہ یومئذ ما بعد اخبار ثلاثہ کی ظرف ہے یعنی اس دن کہ وہ دہشت خبر لوگوں پر چھا جائے گی اس لیے کہ خشوع و خضوع اور تطامن و تواضع سب کا ایک ہی معنیٰ ہے اور سب سے کنایہ ہے اس کیفیت سے جو انسان کو ذلت و رسوائی اور خواری طاری ہوتی ہے اس معنیٰ پر وجوہ مبتدا ہے اس کا کوئی حرج نہیں کہ یہ نکرہ ہے اس لیے کہ موقع التنویع میں ہے اور خاشعۃ اس کی خبر ہے۔

اور ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس کا نکرہ ہونا بحذف المضاف ہے یعنی اصحاب الوجوہ ۔ اور خشوع د
ت کے ذکر سے اصحاب کے حذف کا قرینہ بن گیا کیونکہ یہ وجوہ میں ہی ظاہر ہوتے ہیں تو اصحاب کے بغیر
رہ کیسے، اس معنیٰ پر مضاف الیہ مضاف کے قائم ہو کر مبتدا ہو گیا اور یہم نے خشوع و ذلت کو چہرہ میں ظاہر
نا اس لیے کہا کہ تکبر کا ظہور سر اور دماغ میں ہوتا ہے ، اور اصحاب الوجوہ سے کفار مراد ہیں جیسا کہ
س کے مابعد کے اوصاف بتاتے ہیں۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ (کام کریں مشقت جھیلیں) وُہ وجوہ کی دوسری دو خبریں ہیں اس لیے
ان سے بھی مراد وہی اصحاب الوجوہ ہیں جس کا ابھی اشارہ کیا گیا۔

ل لغات

النصب بمعنی التعب (تھکان) الناصبۃ التعبۃ تھکنے والی ۔ کہا جاتا ہے
نصب نصبًا بمعنی تعکنا از علم ، اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کام کرتے تھک جائے

اس آیت کا معنی یہ ہُوا کہ وُہ چہرے والے اعمال شاقہ (سخت) کر کے تھک جاتے ہیں کیونکہ
اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرنے سے (دنیا میں) کتراتے تھے اسی لیے انہیں اللہ تعالیٰ نے اعمال شاقہ
میں مبتلا کرنا ہے یعنی لوہے کے زنجیر کھینچنے اور بوجھل لوہے کے طوق گلے میں ڈال کر جلانا ، جیسے اللہ تعالےٰ
نے فرمایا :

فی سلسلۃ ذرعھا سبعون ذراعا	بیڑیٰ لوہے کی کہ جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہوگی
والخوض فی النار خوض الابل	اور آگ میں اونٹ کی طرح غوطے
فی الوحل ۔	لگائیں گے ۔

جیسے وُہ رقیق گارے میں غوطہ لگاتا ہے اور آگ کے اُونچے ٹیلوں پر چڑھنا اور گہرے گڑھوں میں اترنا ۔

مسئلہ : ظاہری خشوع اور ابدان کو قیام عبادت میں کھڑا کرنا کسی کام کا نہیں ، نہ ہی وہ اللہ کے
قریب کرتے ہیں بلکہ سعادت ازلی اور باطنی (سِرّ) کا خوف خشیۃ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے اللہ تعالےٰ
کے قریب کرتا ہے اور وہی اپنے عامل کو جمیع مخالفت شرعیہ سے روکتا ہے ۔

رد مذہبی کارد

رہبانیۃ اور فلاسفہ اور ان جیسے دیگر اہلِ کفر و البدعۃ و اہلِ ضلال بہت بڑی
کوفت اٹھاتے اور نفسوں کو مشقتوں میں ڈالتے ہیں اور حد سے زیادہ کوشش
کرتے ہیں لیکن بے سُود ۔

تَصْلٰی نَارًا حَامِيَةً (داخل ہوں گے بھڑکتی آگ میں) اس کا درد چکھیں گے ۔

حامیۃ انتہائی گرم آگ ۔ وہ تین ہزار سال بھڑکائی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی، اب وہ سیاہ
آگ ہے یہ وجوہ کی دیگر خبر ہے۔

حل لغات قاموس میں ہے کہ حمی الشمس والنار حمیا و حمیا و حموا سورج اور آگ کی
گرمی بڑھی۔

السجاوندی نے فرمایا کہ حامیۃ بمعنی ہمیشہ گرمی والی، ورنہ نار ہوتی ہی گرم ہے۔
تُسْقٰی (پلائے جائیں گے) مدت دراز کے بعد وُہ بھی سخت زاری اور فریاد کے بعد پیاس اور
نہایت جلن سے پانی مانگیں گے انہیں اللہ تعالیٰ یا ملائکہ پانی پلائیں گے مِنْ عَیْنٍ (چشمے سے، پانی)
اٰنِیَۃٍ (جلتا ہُوا) نہایت درجہ کا گرم ۔ انیٰ بمعنی الحر (گرمی) آگ میں گرم ہونے کی وجہ سے
ان کے چہروں کے چمڑے ادھیڑ لے گا، جب پئیں گے تو ان کی آنتیں کاٹ دے گا، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا
بین حمیم آن (درمیان گرم پانی کے)۔

حل لغات اہل لغت کہتے ہیں: انی الحمیم انتہٰی حرہ اس کی گرمی انتہا کو پہنچی فھو اٰن
وہ گرمی میں انتہار کو پہنچنے والا ہے بلغ ھذا انا یہ اپنی گرمی میں انتہار کو پہنچا۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ نار طبعیہ اور عین الجمل المرکب وہی ان لوگوں کا کھانا
ہے اور اعتقاد فاسد موذی بھی۔

تفسیر عالمانہ لَیْسَ لَھُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ (ان کے لیے کچھ کھانا نہیں مگر
آگ کے کانٹے) کفار کے پینے کی چیز کے بیان کے بعد ان کے جہنم میں طعام کا
بیان ہے اور عقلار کی ضمیر لائی گئی تاکہ اشارہ ہو کہ وجوہ سے ان کے اصحاب مراد ہیں اور افعال کی
اسناد وجوہ کی طرف اس لیے ہے کہ وہی مظہر ہیں ان میں وہ ظاہر ہوتا ہے جو ان کے باطن میں
ورنہ بہت سے مواقع پر ان کی ذوات سے بھی کنایہ کیا گیا ہے۔

حل لغات ضریع خشک کانٹا الشبرق وہ کانٹا جسے اونٹ چرتے ہیں جب تک تر ہو جب
خشک ہو جاتا ہے تو اسے باہر پھینک دیتے ہیں، نہایت زہریلا اور قاتل ہوتا
اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ اس شوک (کانٹا) کو ضریع اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جسم کو کمزور اور دُبلا
خستہ بناتا ہے، کہا جاتا ہے: ضرع الرجل ضراعۃ ضعف و ذل فلاں شخص دبلا خستہ اور
کمزور ہو گیا۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ ضریع کوئی شے ہے جہنم میں کانٹے کے مشابہ ہے وہ مصبر سے زیادہ کڑوی اور مردار سے زیادہ بدبودار اور آگ سے زیادہ گرم ہے اور یہ بعض دوزخیوں کی خوراک ہوگا اور زقوم وغسلین دوسروں کی، یہ بحسب جرائم ہوگا۔ اور اس آیت اور آیت الحاقہ و لاطعام الا من غسلین اور نہ ہوگا ان کا طعام مگر غسلین (پیپ) کا تعارض اُٹھ گیا۔

ف : حضرت سعدی المفتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ غسلین جب اہلِ نار کے ابدان سے جدا ہو تو وہ ضریع کی شکل و ہیئت میں ہو جائے اور کفار کا طعام وہی غسلین ہو جس کا اب ضریع نام ہے۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہی تینوں ضریع، غسلین، زقوم) ایک ہی شخص کی غذا بنائے گا بوجہ اس کے مختلف جرائم ومعاصی کے اس لیے کہ ہر عمل کا اپنا اثر ہے جو دوسرے سے مختلف ہے اور وہ اسی سے مخصوص ہے اور جزاء اثر تمہیں ہے اسی لیے یہ حصر صحیح ہے۔

علم بے عمل اور غیر نافع

اس کی تحقیق یہ ہے کہ ضریع شبہ اور علوم غیر منتفع بہ اور موذی (علم) کی طرف اشارہ ہے جیسے مغالطات وخلافیات وسفسطہ (فلسفہ غیر اسلامی) اور وہ جو ان جیسے علوم وفنون ہیں جیسے حضرت قاشانی نے فرمایا) اور غسلین شہوات طبعیہ کی طرف اشارہ ہے اسی لیے کہ وہ ابدان سے بہہ کر نکلے گا اس لیے کہ ہر شہوت کا اپنا ایک قسم کا نچوڑ اور پسینہ ہوگا اور قاعدہ ہے کہ برتن سے وہی ظاہر ہوتا ہے جو اس میں ہے۔

انبیاء و اولیاء کے اعداء وگستاخ کا بُرا حال

زقوم اشارہ ہے اعدائے اسلام کے اس غور وخوض میں جو وہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء علیہم الرحمۃ والغفران کے بارے میں کرتے ہیں اور ان کے طعن وتشنیع میں لگے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا کیا دین وطریقہ ہے اور ان کا مذاق اڑاتے اور مزے لے لے کر بکواس کرتے ہیں، اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا :

و اذا انقلبوا الیٰ اھلھم فکھین۔ | اور جب وہ اپنے اہل کی طرف لوٹتے ہیں تو ان (انبیاء و اولیاء) پر ہنسی مذاق کرتے رہتے ہیں۔

یعنی اس سے متلذذ ہوتے ہیں جو ٹھٹھا مخول اور ان کی طرف اشارے کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور الزقمۃ بمعنی طاعون بھی ہے اور اس کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ ممکن ہے کہ یہ ترتیب بہ نسبت ایک شخص کے ہو مثلاً زقوم اس کی مہمانی اور ضریع اس کی غذا اور غسلین اس کا پینا گرم پانی کی طرح (واللہ

تعالیٰ اعلم)

لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ (نہ فربہی لائیں اور نہ بھوک میں کام دیں) اس کا کام ہی نہیں موٹا کرنا اور بھوک مٹانا جیسے دنیوی طعام کا ہوتا تھا بلکہ وہ تو ایسی شے ہے کہ الٹا اس سے وہ اس کے کھانے کے لیے مجبور ہو جائیں گے نہ یہ کہ وہ ان کی ضرورت کو پورا کرے اور نہ یہ کہ اس کے کھانے سے اس میں سیر ہونا ہو یا موٹا ہونا ان دونوں باتوں کے لیے وہ انہیں کوئی کام نہ دے گا۔ بہر حال نہ یہ اس کے لیے مستعد ہوں گے اور نہ یہ طعام ان کے لیے کھانے کے لیے ہوگا۔

تحقیقی مقالہ کفار کی بھوک و پیاس اس معہود طریق پر نہ ہوگی جو اس دنیا میں معروف ہے کہ وہ ایک حالت ہے جو انسان کو عارض ہوتی ہے جب طبیعت اس بدل کی داعی ہوتی ہے جو بدن میں حلول کرے اسے شوق ہوتا ہے مطعوم و مشروب کا کہ جس سے وہ کھانے پینے کے وقت لذت پائے اور ان کے معدہ میں استقرار کے بعد وہ ان کے غیر سے مستغنی ہو جائے پھر ان دونوں سے قوت حاصل ہو اور ان کے ہضم ہونے کے بعد موٹاپن جسم کا ہو لیکن آخرت میں بھوک و پیاس کا دوسرا طریقہ ہوگا وہ یوں کہ جب آگ ان کی آنتوں میں جوش مارے انھیں اس طرف کا اضطرار ہو کہ کوئی کثیف شے پیٹ میں داخل ہو تاکہ آنتیں بھر جائیں اور جو ان میں آگ کے شعلے ہیں وہ نکل جائیں یہاں یہ تصور کہ کھانے پینے کے بعد انہیں کسی مطعوم کا شوق ہو یا کھانے کے وقت انہیں کسی قسم کی لذت حاصل ہو یا کھانے کے بعد انہیں غیر سے استغناء ہوگا یا قوت حاصل ہوگی یہ دور از قیاس ہے، ایسے ہی ان کی پیاس کا حال ہے کہ ضریع (کانٹا) کھانے کے بعد ان کے پیٹ میں ایک شعلہ اُٹھے گا اور اضطرار پیدا ہوگا کہ کوئی پانی جیسی شے ہو جو آگ کے جوش کو بجھائے نہ یہ کہ اس سے انہیں کسی قسم کی لذت حاصل ہوگی یا کچھ قوت میں اضافہ ہوگا یہی معنیٰ ہے اس روایت کا کہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایسی بھوک مسلط کرے گا جو انہیں ضریع (کانٹا) کھانے پر مجبور کر دے گی جب وہ اُسے کھائیں گے تو ان پر پیاس کا غلبہ ہوگا جو اسے گرم پانی پینے پر مجبور کر دے گا پانی گرم ان کے چہروں کے چمڑے ادھیڑ دے گا اور آنتیں کاٹ دے گا اور جُوع کی تنکیر تحقیر کے لیے ہے یعنی ان کی بھوک کو کچھ بھی فائدہ نہ ہوگا اور اغناء کی تاخیر فواصل کی رعایت اور اس کو سبب بنانا ہے دونوں امروں کی نفی کا اس لیے کہ اگر اسے مقدم کیا جاتا تو نفی الاسمان (موٹا ہونا) کی محتاجی نہ ہوتی کیونکہ اغناء عن الجوع کی نفی اسمان کی نفی کو مستلزم ہے بخلاف برعکس کے، اسی لیے نفی کی تاکید کو مقرر لایا گیا ہے۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ (کتنے ہی منہ اس دن چین میں ہیں، رونق و حسن و ضیاء والے چودھویں رات جیسے

حل لغات: ناعمة نعم الشیٔ (بالضم) نعومة (یعنی وہ شے نرم و نازک ہوگئی) سے ہے۔ ناعمة بمعنی متنعمة ہو تو بھی جائز ہے یعنی وُہ چہرے جسمانیہ و روحانیہ نعمتوں سے سرشار ہوں گے اس سے اہلِ ایمان مراد ہیں اور نعمة سے نعمت حقیقی مراد ہے اور ماقبل پر عطف اس لیے نہیں تاکہ آگاہی ہو کہ ان دونوں جملوں میں کمال درجہ کا تباین ہے اور اہلِ نار کی تقدیم اس لیے کہ غاشیة کی ہولناکی اس طرح سے زیادہ موثر اور معلوم ہو کہ اس کی خبر بہت بڑی ہے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ دیدار کی نعمت وہ جو لطافت و نوریت کا ثمرہ ہے اور وہ تجرد کا نتیجہ ہے اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

وجوہ یومئذ ناضرة الی ربھا ناظرة۔

بعض چہرے اس دن با رونق اور اپنے رب تعالیٰ کے دیدار سے سرشار ہونگے۔

کیونکہ رب تعالیٰ کے دیدار سے تو رونق نصیب ہوگی۔

تفسیر عالمانہ لِّسَعْیِهَا رَاضِیَةٌ (اپنی کوشش پر راضی ہوں گے) ان اعمالِ صالحہ سے جو دنیا میں کیے چونکہ معمول عامل ضعیف پر تقدیم ہوگئی ہے اسی لیے اس کے عمل کی تقویۃ کے لیے لام لائی گئی اور لام راضیة سے متعلق ہے اور یہ بھی ہے کہ لام تعلیل کی ہو یعنی اپنی اس سعی کی وجہ سے جو طاعتِ الٰہی میں کی راضی ہوں گے اس کی جزاء و ثواب پر۔

مسئلہ صوفیانہ اس میں ریاضات و مجاہدات و خلوات (صوفیانہ) داخل ہیں۔

فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ (بلند باغ میں) جو جنت میں اُونچی جگہ پر ہیں اس لیے کہ جنات آسمانوں سے اُوپر ہیں جیسے دوزخ کے طبقات ساتوں زمینوں سے نیچے ہیں نیز جنت کے بعض درجات بعض دوسروں سے اتنے بلند ہیں جیسے آسمانوں اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے اس معنی پر علو سے علو فی المکان مراد ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان المتحابین فی اللہ فی غرف ینظر الیھم اھل الجنة کما ینظر اھل الدنیا الی کواکب السماء۔

آپس میں محبت کرنے والے دو بندگانِ خدا ایسے بالاخانوں میں ہوں گے جنھیں اہلِ جنت اتنی بلندی میں دیکھیں گے جیسے اہلِ دنیا آسمان کے ستاروں کو بلند و بالا دیکھتے ہیں۔

ف : یہ بھی جائز ہے کہ عالیۃ بمعنی بلند قدر ہو اس معنیٰ پر علو فی القدر والشرف مراد ہوگا ان میں جو نعمتیں ہیں ان کے کمال کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں مقاماتِ عالیہ معنویہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ مقامات اہلِ وجاہت والشرف المعنوی کے ہیں وہاں صرف آرزو اور دعویٰ کرنیوالے نہیں پہنچ سکتے۔

تفسیر عالمانہ لَا تَسْمَعُ (تو نہ سُنے گا) اے مخاطب یہ خطاب عام ہے ہر اس کے لیے جو اس کی صلاحیت رکھتا ہے یا وجوہ نہ سنیں گے اس معنیٰ پر تاء تانیث کی ہوگی نہ کہ خطاب کی فِیْھَا (ان میں) جنت عالیہ میں لَاغِیَۃً (کوئی بیہودہ بات ہے) وہ بات جس کا کوئی اعتبار نہ ہو۔

حلِ لغات لاغیۃ مصدر ہے عافیۃ کی طرح یعنی کلمہ ذات لغو اس میں نسبت کا معنیٰ ہے یا کلمہ لغو والا اس معنیٰ پر یہ اسم فاعل صفت ہے موصوف محذوف کی جو نفس ہے۔

ف : اس لیے کہ اہلِ جنت کی ہر بات اذکار و حکم ہوں گی اس لیے کہ وہاں ہر مومن مرتبۂ روح و قلب کو پہنچ جائیگا اس کے نفس و طبیعت کو جہنم میں پھینک دیا جائیگا اور رُوح و قلب کی شان ذکر ہی ہے جیسے نفس و طبیعت کی شان لغو (بیہودہ بات) ہے، جیسے جنت صوریہ میں لغو نہیں ہوگی ایسے ہی دنیا میں جنت معنویہ میں بھی لغو نہیں ہوتی کیونکہ ایسے حضرات ہر وقت ذکر اور خطاب حق کے سماع میں مستغرق ہوتے ہیں اسی لیے ان کی مجالس میں ہر وقت معارف ربانیہ و حکم ربانیہ کی قیل و قال سُنی جاتی ہے (بخلاف دنیادار پیروں کے کہ ان کی مجالس میں دنیا کی باتیں اور لغویات کی بھرمار ہوتی ہے، ایسے پیروں سے دُور رہنا ہی بہتر ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

حدیث شریف میں ہے :

اہل جنت کھائیں پئیں گے لیکن نہ تھوکیں گے نہ پیشاب کرینگے نہ قضاءِ حاجت کی ضرورت ہوگی اور نہ کھنکاریں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی : تو پھر جو کھائیں پئیں گے اس کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا : وہ پسینہ بن کر نکل جائے گا اور پسینے کی خوشبو عطر و مشک جیسی ہوگی نفوس میں تسبیح و تہلیل القاء کیے جائیں گے جیسے دُنیا میں نفس کے تصورات و خیالات ہوں گے۔

ف : دنیا اور اہلِ دنیا لغو اور بیہودہ باتوں سے خالی نہیں ہوتے اس لیے حضور علیہ السلام نے اہلِ دنیا کی مجالس میں بیٹھنے سے روکا ہے :

حدیث شریف میں ہے ؛

من جلس مجلسا فکثرفیه لغطه ۔ جو ایسی مجلس میں بیٹھا اس کے لغویات میں اضافہ ہوگا ۔

ف : لغط بمعنی ردی قبیح بات اور ضحکہ و اصوات (آوازیں) مختلفہ جن کے معانی و مفہوم نہ ہوں ۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا ؛

ایسی مجلس سے اُٹھنے سے پہلے پڑھ لے ؛

سبحانك اللهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك و اتوب اليك ۔ تیری پاکی اے اللہ تیری حمد کے ساتھ میں گواہی دیتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں ۔

اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اُٹھنے سے پہلے اس کی بخشش ہو جائیگی ۔

یعنی بشرطیکہ اس میں کسی قسم کا حق متعلق نہ ہو یعنی غیبت ۔

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ (اس میں چشمہ جاری ہے) تنوین تکثیر کا ہے یعنی کثیر چشمے ، ان کے پانی ہمیشہ جاری رہیں گے وہاں پہنچیں گے جہاں بہشتی چاہے گا ، اور یہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھے ہوں گے ، جو ان سے کچھ پئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا اور اس کے دل سے غل و غش اور حسد و عداوت اور بغض دُھل جائیں گے ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں عیون الذوق والکشف والوجدان والتوحید کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے شفاء و صحت و بقاء حاصل ہوتی ہے اہلِ قلوب و اصحابِ ارواح کو ۔

تفسیر عالمانہ فِيهَا سُرُرٌ (اس میں تخت ہیں) اس پر بیٹھیں گے سرر سریر کی جمع ہے وہ مشہور ہے یعنی وہاں تخت ہیں پھر ان پر تخت ، ہر تخت پر ستر بستر اور ہر بستر پر ماہ انور جیسی حور ہوگی مَّرْفُوعَةٌ (بلند) رفیعۃ السمک یعنی بلندی والے ہوا میں لمبے ستونوں پر اس لیے کہ سمک وہ درازی ہے جو شے کے اسفل سے شروع ہو کر بلندی کی طرف چلی جائے اس سے اوپر کی طرف ہوا میں سخت بلندی جیسے مؤمن جب اس پر بیٹھے گا تو وہ تمام نعمتیں دیکھے گا جو اسے اس کے رب تعالیٰ نے عطا فرمائی ہوں گی یعنی بڑی بڑی نعمتیں اور عظیم شاہی جو اسے عطا ہو گی ۔

حدیث شریف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی اونچائی آسمان و زمین

کے درمیانی خلا کے برابر ہو گی اور وہ پانچ سو سال ہے۔

اعجوبہ جب ولی اللہ (اہلسنت) اس تخت پر بیٹھنا چاہے گا تو وہ نیچے ہو جائے گا اور جب اطمینان سے بیٹھ جائے گا تو وہ آرام سے اوپر ہو جائے گا (جیسے دورِ حاضرہ میں لفٹ سسٹم ہے)

ف: یہ بھی ہے کہ اس سے رفیع القدار مراد ہو کہ اسے از جمیع جہات حسن وکمال ہو گا ان کی ذوات میں اور صفات ہیں۔ دراصل وہ ستاری تخت ہے جس پر زبرجد وجواہر ہوں۔

ف: حضرت خراز قدس سرہٗ نے فرمایا کہ وہ تخت بلند ہیں اعراض واکوان کی نظروں سے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے ان اسماءِ الٰہیہ کے مراتب کی طرف جن پر اہلِ سلوک انعامِ تخلق کے ذریعے پہنچے اس لیے کہ وہ مراتب جسمانیات سے بلند قدر ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَّاَكْوَابٌ (اور کوزے) ان میں شراباً طہورا پئیں گے۔

حل لغات: کوب کی جمع (بالضم) وہ برتن جس کا دستہ وغیرہ نہ ہو اور وہ مدوّر ہوتا ہے، اس کی ہر طرف سے پانی پیا جا سکتا ہے بخلاف ابریق کے، اور وہ اب بھی بلادِ عرب میں مستعمل ہے اسی لیے اس سے شوق دلایا گیا۔

مَّوْضُوْعَةٌ (چنے ہوئے) ان کے سامنے ہر وقت حاضر چاہے اس کی ضرورت نہ بھی ہو کہ خود طلب کریں، یہ اس کے منافی نہیں کہ بعض کوزے خدام (غلمان) کے پاس ہوں گے جیسے (سورۃ) ہل اتی میں گزرا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں خمور المحبت کے ظروف (برتن) اور جو ان میں ہے وہ ان کے حال میں ثبات کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ اور قالین (گدیلے وغیرہ) برابر، برابر جیسے امراء کے بنگلوں اور کوٹھیوں میں دیکھے جاتے ہیں۔ مومن جہاں چاہے گا وہاں بچھا لے گا، تکیے بھی جن پر سہارا کر کے بیٹھے اور اس کے سامنے حسین وجمیل غلام یاقوت ومرجان کی طرح ہر وقت خدمت کے لیے حاضر رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں تجرید وتفرید اور جمع وتوحید کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جہاں چاہیں بیٹھیں اور ان کی طرف استناد کریں۔

تفسیر عالمانہ وَّزَرَابِيُّ (اور چاندنیاں) قیمتی چاندنیاں۔

حل لغات: زرابی کی جمع ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا: وہ ایک قسم کا کپڑا چادر (چاندنی) ایک جگہ کی طرف منسوب ہے جو تشبیہ و استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

مَبْثُوْثَةٌ (پھیلی ہوئی) تختوں پر زینت کے طور (جیسے پلنگ پوش وغیرہ)

تفسیر صوفیانہ اس میں ان کی ارواح کے انبساط اور صدور کے انشراح اور قلوب کے انفتاح کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بساط قدس و انس میں ہے اور اشارہ ہے مقامات تجلیات افعال کی طرف وہ جو مقامات صفات کے تحت ہیں جیسے توکل رضا کے تحت ہے۔ مبثوثۃ بمعنی ان کے نیچے بچھے ہوئے ہیں البث افضل شے کو بکھیرنا اور جدا جدا کرنا، جیسے ہوا مٹی کو بکھیرتی ہے۔

تفسیر عالمانہ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسا بنایا گیا)[1] ہمزہ انکار و توبیخ کا ہے اور فاء عطف کی اس کا عطف مقدر پر ہے جیسے مقام کا تقاضا ہے۔

اِبِل (اونٹ) کی تحقیق اِبِل (بکسرتین) و تسکین والبار (بمعنی اونٹ) واحد، اس کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے حالانکہ صیغہ جمع نہیں اور نہ ہی اسم جمع ہے بلکہ اس کی جمع آبال ہے (القاموس)

بعض نے کہا اسم جمع ہے اس کا واحد اس کے لفظ سے نہیں اس کا واحد بعیر و ناقہ و جمل آتا ہے۔

---

[1] حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس سورۃ میں جنت کی نعمتوں کا ذکر سن کر کفار نے تعجب کیا اور جھٹلایا تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عجائب صنعت میں نظر کرنے کی ہدایت فرماتا ہے تاکہ وہ سمجھیں کہ جس قادر حکیم نے دنیا میں ایسی عجیب و غریب چیزیں پیدا کی ہیں اس کی قدرت سے جنتی نعمتوں کا پیدا فرمانا کس طرح قابلِ توجہ و لائق انکار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے افلا ینظرون الی الابل۔ فقیر اویسی غفرلہٗ کہتا ہے کہ اس میں ان منکرینِ اسلام کا رد ہے جنہوں نے کہا کہ جب اتنا بلند و بالا تخت ہوں گے وہاں بہشتی کیسے پہنچ سکیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کی مثال اونٹ کی قائم فرمائی کہ یہ کتنا لمبا جانور ہے لیکن اس پر بچے بھی سوار نظر آتے ہیں تو جیسے یہ اونٹ اپنی سواری کے لیے جھک جاتا ہے اور سوار کو اطمینان اور آرام اٹھا کر چلتا ہے تو یونہی بہشت کے تختوں کو نیچا اونچا کرنا بھی اسی قادر کا کام ہے جس نے اونٹ کو بیٹھنے اٹھنے کا طریقہ بتایا یہ اس وقت تھا جب لفٹ سسٹم نہ تھا لیکن اب کوئی انکار کرے تو اسے سوائے ضد اور ہٹ دھرمی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اویسی غفرلہٗ

اور کلمۂ کیف مابعد سے منصوب اور ینظرون کے متعلق ہے اور جملہ محلاً مجرور اور الا بل سے بدل الاشتمال ہے۔ معنیٰ یہ ہے کیا انہیں بعث (مرنے کے بعد جی اٹھنا) سے اور اس کے احکام سے انکار ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید سمجھتے ہیں کیا اونٹ کو دیکھ کر عبرت حاصل نہیں کرتے جو کہ ہر وقت ان کی آنکھوں کے سامنے ہے بلکہ اسے اپنے کاروبار میں ہر وقت عمل میں لاتے ہیں یہ کیسے عجیب وغریب پیدا کیا گیا ہے جو دوسرے حیوانات سے (عظم جثہ اور شدۂ قوت اور عجب ہیئت اور لائق ہے) اس کی تخلیق مختلف ہے اور پھر اس شے سخت سے سخت کام لیا جاتا ہے۔ مثلاً بڑے بڑے بوجھ اٹھا کر زمین پر چلتا ہے اور ایسے بڑے بوجھ کھینچ بھی سکتا ہے (جیسے آج کل ریڑھے پر کئی من بوجھ لاد کر اونٹ کو گدھے کی طرح جوتتے ہیں، ایسے ہی اونٹ راہٹ چلا رہے ہیں۔ ہل چلاتے ہیں، کھیتی باڑی کا کام اور سامان کھینچنے کا کام کرتے ہیں) اور بہت بڑے بوجھ اٹھا کر دور دور تک پہنچاتا ہے اور بھوک اور پیاس پر صبر کرتا ہے دس دس دن تک بھوک و پیاس پر صبر کر سکتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، تھوڑے چارہ اور پانی پر اکتفاً کرتا ہے کھانے کی جو شے مل جاتی ہے مثلاً کانٹے دار چارہ اور درخت کے پتے شاخیں وغیرہ کھا جاتا ہے جو دوسرے حیوانات نہیں کھا سکتے یہ کھا جاتا ہے اور حرکت و سکون، بیٹھنے اُٹھنے میں انسان کا ایسا فرمانبردار ہے کہ انسان جیسے چاہے حکم کرے سرِ مُو انکار نہیں کرتا قطار میں لگا دو چل پڑے گا بچے نکیل پکڑلیں جیسے چاہیں کریں سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے پیچھے کی طرف پیشاب کرتا ہے اپنے قائد (کھینچنے والے) کے ادب سے کہ وہ آگے ہے مبادا اس پر پیشاب کا کوئی چھینٹا پڑ جائے اور وہ بے ادب ہو جائے۔ اس کی گردن اس کے لیے سیڑھی کا کام دیتی ہے۔

اُونٹ میں عشق کا مادہ

اُونٹ میں عشق و مستی کا مادہ بھی ہے کبھی اس سے اتنا متاثر ہوتا ہے کہ کھانا پینا ایک عرصہ تک بند کر دیتا ہے خوش آوازی اور حُدا خوانی پر مست ہو جاتا ہے اس کمال تاثر پر صبر کرتا ہے اور ایسا تیز دوڑتا ہے کہ جان کی پرواتک نہیں کرتا بلکہ ہلاکت کے گھاٹ اتر پڑتا ہے اور عشق و مستی میں اور دوسرے کے دُکھ درد پر آنسو بھی بہاتا ہے۔ حضرت پیر رومی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بر خوان افلا ینظر تا قدرت ما بینی — یکرہ بشتر بنگر تا صنع خدا بینی

در خار خوری قانع در بار بری راضی — این وصف اگر جوئی در اہل صفا بینی

ترجمہ : (۱) افلا ینظر پڑھ کر میری قدرت دیکھ۔ ایک بار اونٹ کو دیکھ کر صنعتِ خدا دیکھ۔
(۲) وُہ کانٹے کھا کر بوجھ اٹھانے پر راضی ہے ویسا وصف تجھ میں ہو تو خود کو اہلِ صفا میں دیکھوگے۔

ہاتھی کا ذکر کیوں نہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے ہاتھی کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ اونٹ سے جُثّہ میں بڑا ہے اس لیے کہ ہاتھی عرب میں ہوتا ہی نہیں، نہ ہی وہ اسے جانتے ہیں اور نہ ہی وہ اتنا بوجھ عادتاً اٹھاتا ہے، نہ ہی اس سے دودھ دوہا جاتا ہے اور اس کے ضرر سے امن بھی نہیں بخلاف اونٹ کے کہ جو کچھ حیوان سے مطلوب ہے وہ اس سے حاصل ہے مثلاً نسل، حمل (باربرداری) دودھ، گوشت اور سواری بھی اس سے حاصل ہوتی ہے۔

ف: بعض علماءِ کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور اس کی نعمتوں اور اونچی اور بہترین منازل کا ذکر فرمایا ایسے ہی اس کے اونچے محلات اتنے بڑے بڑے کہ کفار و مشرکین نے کہا کہ اتنی بلند چھتوں والے مکانات پر یہ چھوٹے قد والے کیسے چڑھ سکیں گے اور حضرت بلال و خباب رضی اللہ عنہما جیسے غریب مسکین لوگوں کی حالت پر ٹھٹھا مخول کرتے کہ اتنے اُونچے مکانات پر چڑھنے کے لیے مدّت چاہیئے ایسے ہی اُترنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رَد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اونٹ کو دیکھو کتنا اونچا ہے لیکن اس پر بچے بھی سوار ہو جاتے ہیں پھر دیکھو اس پر کیسی پھرتی سے چڑھ جاتے ہیں اور کیسی پھرتی سے نیچے اترتے ہیں تو پھر بہشت کے اُونچے محلات سے تمہیں تعجب کیوں؟

وَاِلَى السَّمَآءِ اور یہ آسمان جسے تم رات دن ہر لمحہ دیکھتے ہو **كَيْفَ رُفِعَتْ** کیسے اونچا کیا گیا جس کی اونچائی بہت دُور دراز ہے اور بغیر ستون اور بغیر سہارا کے کہ جس میں فہم و ادراک عاجز ہے **وَاِلَى الْجِبَالِ** اور پہاڑوں کو کہ جن کے کناروں پر آتے جاتے اُترتے ہیں اور ان کے پانیوں اور درختوں سے نفع اٹھاتے ہیں **كَيْفَ نُصِبَتْ** کیسے کھڑے کئے گئے ہیں مضبوط طریق سے کہ نہ جھکتے ہیں اور اپنی جگہ سے ہٹتے ہیں۔ حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ کیسے زمین پر میخ کی طرح کھڑے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں عالمِ مثال کی طرف اشارہ ہے کہ وہ پہاڑوں کی طرح آسمان روحانیات اور ارض جسمانیات کے درمیان واسطہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ **وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ** (اور زمین کو کہ وہ کیسے بچھائی گئی ہے) کہ جس پر وُہ چلتے پھرتے آتے جاتے ہیں کہ وُہ پانی پر کیسے بچھائی گئی ہے۔ جیسا کہ اس پر خلائق کے امور کا تقاضا ہے۔

سوال: سطحت سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کرہ (گیند کی شکل) نہیں حالانکہ سب متفق ہیں کہ زمین کروی الشکل (گیند کی شکل) ہے۔

جواب: کرہ (گیند کی طرح) جب بڑا ہو تو اس کا ہر ٹکڑا مسطح کی طرح ہوتا ہے اسی لیے اس پر

بسط (بچھانا) کا اطلاق جائز ہے۔

(۲) کرہ کرہ میں فرق ہے جیسے کبوتر اور شُتر مرغ کے انڈے میں فرق ظاہر ہے۔

ف : اب معنی یہ ہوا کہ تدبر و عبرت سے نہیں دیکھتے اللہ تعالیٰ کی ایسی پیدا کردہ اشیاء کو جو بعث و نشور کے حق ہونے کی شہادت دیتی ہیں اور اس میں انتباہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صفاتِ کمالیہ سے موصوف ہے جیسے قدرت و قوۃ و حکمت اور وہ صفاتِ نقص سے منزہ ہے جیسے عجز، ضعف و جہل سے ان سے عبرت پکڑ کر ان گندے عقائد سے باز آجائیں یعنی انکار و نفور سے اور آپ کا انذار و ڈرانا، وعظ و پند سن کر لقائے الٰہی کے لیے تیار رہوں اس پر ایمان لا کر اور طاعت کر کے۔

ف : تبیان میں ہے کہ چونکہ مخاطب اہلِ عرب ہیں اور ان کے اکثر بادیہ نشین تھے اور ان کا مال مویشی اونٹ تھے اور وہ ہر طرف دیکھنے کے عادی تھے لیکن آسمان و زمین اور پہاڑوں کو غور و فکر کی نگاہ سے نہ دیکھتے۔ اسی لیے انہیں دعوتِ غور و فکر دی گئی ہے یعنی اونٹوں کے دیکھنے کے ساتھ ساتھ آسمان و زمین کو عبرت کی نگاہ کے ساتھ دیکھنے میں ملایا گیا کہ آیت کا نزول استدلال کے طریق سے ہے اور وہ ان اشیاء سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ملابست رکھتے تھے اسی لیے ان سب کو جمع کر کے بیان کیا گیا۔

نکتہ از امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہاں اونٹ کے ذکر میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ اس مقام کے لائق اسی کا ذکر موزوں تھا اس لیے کہ آسمان سایہ دار اور زمین بوجھ اٹھانے والی اور پہاڑ ثقیل ہیں اور یہ تینوں باتیں اونٹ میں موجود ہیں کہ یہ زمین کی طرح فرش اور بوجھ اٹھاتا ہے اور آسمان کے بادل صاف پانی اٹھاتے ہیں، اور وہ اونٹ بوجھ اُٹھانے میں مشہور ہے اور زمین اور پہاڑ بلکہ ہر شے اللہ تعالیٰ کے امر سے مسخر ہے اور اونٹ اپنے مالک کے پابندِ حکم میں ضرب المثل ہے۔

ف : امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اونٹ کا ذکر پہلے ہے اگر مؤخر ہوتا تب بھی مقصد میں کمی نہ آتی۔

مسئلہ : امام قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس کی حکمت تقدیم و تاخیر در پے ہونے کا خاص شرعی فائدہ کوئی نہیں۔

سوال : اگر اونٹ کا ذکر الارض (زمین) کے ساتھ ہوتا تو بہتر تھا کیونکہ یہ زمین کی کشتی ہے۔

جواب : فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اگرچہ بظاہر سوال والی بات بھی درست ہے لیکن یہاں اسے مناسبت بوجہ بلندی کے ہے اسی کی ترقی سے آسمان کی بلندی کا پتا چلے گا

اور یہاں یہی مقصود ہے۔

تفسیر صوفیانہ

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس مقام پر یہاں لمبی چوڑی تقریر ہے جسے میں نے اپنی تصنیف "الواردات الحقیۃ" میں درج کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِبل (اونٹ) میں نفوس کی طرف اشارہ اشارہ فرمایا ہے کہ وہ موٹے اور جسیم ہیں اونٹ کی طرح ۔ اور آیت میں نفوس کی طرف اشارہ کی ابتدا اس لیے کی کہ وہ اصل ہیں بمنزلہ امّ (ماں) کے اور اگرچہ صورۃً مؤخر ہے جیسے بی بی حوا بہ نسبت آدم (علیٰ نبینا وعلیہما السلام) کے کہ ان سے بی بی حوا مؤخر لیکن اولاد کے لحاظ سے مقدم ہے اور آسمان میں ارواح کی طرف اونچے اور بمنزلہ اَب (باپ) کے ہیں اسی لیے اِبل کے ساتھ انہی کا ذکر فرمایا اور جبال میں قلوب کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ وہ لنگروں سے زیادہ سخت ہیں اور یہ رُوح ونفس کے بعد پیدا کیے گئے جیسے پہاڑ آسمان وزمین کے بعد پیدا ہوئے تو یہ رُوح ونفس کے لیے بمنزلہ اولاد کے ہیں اسی لیے ان کا ذکر ان دونوں کے بعد ہوا۔

پہاڑ کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر

اسی لیے پہاڑ کو خواب میں دیکھنا اولیا ر اہلِ قلوب کی زیارت کی بشارت ہے کیونکہ اولیاء اللہ زمین کی حقیقی اوتاد (میخیں) اور عمد (ستون) معنوی ہیں جیسے جبال زمین صوری اوتاد (میخیں) ہیں۔ اس کے قول خلقت کی بجائے نصبت میں اشارہ ہے کہ قلوب درحقیقت امر ملکوتی ہیں اگرچہ بظاہر ابوین سے اولاد کی طرح ظاہر ہوئیں اور ارض میں اجساد سافلہ کی طرف اشارہ ہے اور مرتبہ میں مؤخر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارض بشریہ د جسدانیہ بچھائی تاکہ وہ نفوس کی قرارگاہ ہو اور نفوس کو پیدا کیا تاکہ قلوب کی قیام گاہ ہوں اور قلوب کو پیدا فرمایا تاکہ رُوح بلکہ ستر بلکہ اخفیٰ کا عرش (تخت) ہو۔

سبق : آیۃ میں کیسی بہترین ترتیب اور حسین مناسبت ہے ایسے ہی جیسے کاتب وقلم وقرطاس اور دوات کے مابین ہے (واللہ تعالیٰ اعلم)۔

تفسیر عالمانہ

فَذَكِّرْ (پس نصیحت فرمائیے) فاء امر بالتذکیر کی ترتیب کے لیے ہے اس مضمون میں جو ان کے انکار سابق کی خبر دیتا ہے کہ یہ ان امور کو دیکھتے ہی نہیں تو مانیں گے کیا لیکن آپ صرف تذکیر (نصیحت) پر قناعت کیجئے اور اس پر مزید جد وجہد نہ فرمائیے اور نہ ہی فکر کیجئے کہ یہ کیوں نہیں دیکھتے اور نہ نصیحت حاصل کرتے ہیں اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ بیشک تم نصیحت حاصل کرنے والے ہو، اسی امر پر محدود کرنا ہے جس کا حکم فرمایا گیا یعنی آپ کی ذمہ داری صرف تبلیغ تک ہے باقی ہدایت (کی تخلیق اور) توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (تم ان پر کچھ کرڑوڑا نہیں) فلہذا آپ انہیں اپنے ارادہ پر مجبور نہ کریں جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا:

وما انت علیھم بجبار۔ (اور تم ان کو مجبور نہ کریں)

قاعدۂ تجوید اکثر قُرّاء (مجودین) نے بمصیطر بالصاد یعنی سین کو صاد سے تبدیل کرکے طاء کی مناسبت سے جو اس کے بعد ہے اور سین کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اصل کا اعتبار کرکے اور اشمام سے بھی یعنی صاد کی آواز کو زاء کے ساتھ ملاکر کہ دونوں آپس میں مل جائیں تو ان سے ایسی آواز نکلے جو صاد ہو نہ زاء، ایک حرف کی آواز کو دوسرے کی آواز سے ملاکر پڑھنا قُرّاء کے نزدیک اشمام ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے سطر لیسطر سطراً فلان علی کذا فلان ایسی شے پر لکھا اور المسیطر والمصیطر بمعنی کسی پر مسلّط تاکہ اس پر غلبہ پالے اور اس کے موال کی نگرانی کرے اور اس کا عمل لکھے، یا کہا جاتا ہے تسلّط علیہ کسی شے پر سطر کی طرح قائم ہوا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم ان پر قائم وحافظ نہیں ہو یہاں پر مسیطر کو قائم کے معنی میں لینا اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

افمن ھو قائم علیھا علیٰ کل نفس بما کسبت۔ — تو کیا وہ قائم ہے اس پر جو ہر نفس نے عمل کیا۔

اور حفیظ کا معنیٰ بھی فرمایا:

وما انت علیھم بحفیظ (اور تم اس پر محافظ نہیں ہو)

اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى (ہاں جو منہ پھیرے) حق سے یا داعی الیہ سے نصیحت کے بعد وَكَفَرَ (اور کفر کرے) کفر پر ثابت رہے یا اسے ظاہر کرے۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ ہاں وہ جو ایمان سے منہ پھیرے اور قرآن یا نعمت سے کفر کرے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہاں وہ جو حق سے منہ پھیرے دنیا کی طرف متوجہ ہو اور کفر کرے حق کو خلق سے چھپائے یہ استثناء منقطع اور من موصولہ ہے نہ کہ شرطیہ جیسا کہ فاء اور فعل کا مرفوع ہونا بتاتا ہے یعنی لیکن جس نے منہ پھیرا اور کفر کیا تو ملک و سلطنت اور قہر اللہ تعالیٰ کا ہے وہی ان پر محافظ ہے، یہاں استثناء متصل نہیں ہو سکتا جیسے عندی مائتان الا درھما (میرے پاس دوسو نہیں مگر ایک درہم ہے)

تفسیر عالمانہ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ (تو اسے اللہ تعالیٰ بڑا عذاب دے گا) یعنی جہنم کا عذاب جس کی گرمی سخت اور گہرائی بعید اور اس کے چابک لوہے کے۔

فتح الرحمٰن میں ہے کہ اکبر عذاب جہنم کا عذاب اور اصغر وہ جو دنیا میں عذاب دیے گئے، جیسے بھوک (قحط میں مبتلا ہوئے) قید (بدر وغیرہ میں اور قتل (ایضاً)، اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو امام راغب نے یوم نبطش البطشۃ الکبریٰ (اس دن ہم ان کی بڑی گرفت کریں گے) میں بیان فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ کفار کو قیامت کے عذاب سے پہلے جو عذاب پہنچے اور قبور میں عذاب میں مبتلا ہوئے وہ تمام چھوٹے عذاب تھے (بڑا عذاب یہی ہے جو آخرت میں ہوگا) نیز آیت سے بھی کہ فرمایا ولنذیقنهم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر (اور ہم انھیں عذاب اکبر سے پہلے کم درجہ کا عذاب دیں گے) عذاب ادنیٰ سے چھوٹا عذاب ہے یعنی دنیوی نہ کہ برزخی کیونکہ اس کے بعد فرمایا لعلهم یرجعون (تاکہ لوٹ آئیں) رجوع دنیا میں ہی معتبر ہو سکتا ہے برزخ رجوع کہاں ایسے ہی مابعد الموت کے رجوع کدھر ثابت ہوا کہ عذاب اکبر سے اخروی عذاب مراد ہے اس کی تائید یصلی النار الکبریٰ (بڑی آگ میں داخل ہوگا) سے بھی ہوتی ہے جیسے گزرا۔

تفسیر صوفیانہ عذاب اکبر وہ عذاب ہے جو دنیا میں حجابات کے عذاب میں ہے اور آخرت میں نارِ ہجراں (یعنی مفارقت اور جدائی از محبوبِ حقیقی)

تفسیر عالمانہ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ (بیشک ہماری ہی طرف پھرنا ہے) عذاب اکبر دینے کی تعذیب کی تعلیل ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے آب یئوب اوباً بمعنی رجع (لوٹا) یعنی ان کا رجوع موت و بعث سے ہماری طرف ہے نہ کہ ہمارے غیر کی طرف نہ بالاستقلال نہ بالاشتراک، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الا الی اللہ تصیر الامور ۔ خبردار اللہ تعالیٰ کی طرف امور لوٹتے ہیں۔

اور فرمایا:

والیہ یرجع الامر کلہ ۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف کُل امور لوٹائے جائیں گے۔

خبر کی تقدیم تخصیص و مبالغہ کے لیے ہے کیونکہ اس سے یہ معنی ثابت ہوتا ہے کہ کہا جائے:

ان ایابهم لیس الا الی الجبار المقتدر علی الانتقام ۔ ان کا رجوع نہیں مگر جبار کی طرف جو ان سے انتقام لینے پہ قادر ہے۔

جیسے ان کا مبدار وصدور اللہ تعالیٰ سے تھا۔

ف : اس میں تخویف شدید ہے کہ عبد بے فرمان اور گناہوں پر اصرار کرنے والے کا رجوع اپنے مالک غضب والے کی طرف ہو جو وہ سخت سزا اور عذاب میں مبتلا کر سکتا ہے بہت زیادہ سخت پریشان کن ہوتا ہے۔

ف : جملے کی ضمیر اس میں اور ما بعد میں اس لیے ہے کہ من معناً جمع اور لفظاً مفرد ہے جیسے بارہا گزرا۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَھُمْ (پھر بیشک ہماری ہی طرف ان کا حساب ہے) محشر میں ہمارے غیر کی طرف ہم ہی اس سے چھوٹے سے چھوٹے عمل کا حساب لیں گے نیات واعمال کا۔

ف : ثم رتبہ کے اعتبار سے تراخی کے لیے ہے نہ کہ زمانہ کے لحاظ سے یعنی ترتیب زمانی جوان کے آنے اور حساب کی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری اور حساب لینے میں، کیونکہ وہ دونوں امر مستمر ہیں۔

ف : حضرت ابوبکر طاہر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہماری طرف آنا ہمارے فضل میں پھر ہمارا حساب لینا ہوگا عدل سے' اور حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وعید کے بعد کیسے فضل فرمایا کہ اپنی ذات کی طرف رجوع کی نوید سنائی اور ان کے حساب کا خود ہی کفیل بنا اسی لیے بندوں کو لائق ہے کہ ان دونوں فضلوں کی امید پر ہی بہتر عیش حاصل کریں دونوں جہانوں میں اور ان دونوں خطابوں (حکموں) پر جتنا فخر کریں تھوڑا ہے۔

صوفیانہ نکتہ

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ جو حضرت لبقلی قدس سرہٗ نے فرمایا یہ وہ ذوق ہے جو مکاشفین حضرات کو نصیب ہوا ہے لیکن اس سے عوام کو دھوکا نہ ہو کہ وہ بھی اسی گھمنڈ میں آکر خوفِ خدا ترک کر دیں۔

ملفوظ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنا محاسبہ اس سے قبل خود کرو جب تمہارا محاسبہ ہو اور اپنے اعمال کا وزن خود کرو اس سے قبل کہ تمہارے اعمال کا وزن ہو اللہ تعالیٰ کی حاضری کے لئے مزین ہو جاؤ کہ اس دن اس کے ہاں پیش ہو گے تم سے کوئی پوشیدہ نہ رہے گی۔

ف : قیامت میں ان لوگوں کا حساب ہلکا ہوگا جنہوں نے دنیا میں اپنا محاسبہ خود کیا ہوگا اور آخرت میں ان لوگوں کے اوزان بوجھل ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اپنے اعمال کا وزن کر لیا ہوگا۔

محاسبۂ نفس کیا ہے

محاسبۂ نفس یہ ہے کہ نفس کو ورع سے مزین کرے اور اعمال کے وزن کا مطلب یہ ہے کہ عین الیقین کے مشاہدہ سے نفس کو آراستہ کرے اور بارگاہِ الٰہی کی حاضری کے لیے مزین ہونا یہ ہے اپنے مالک اکبر کے خوف

میں رہے۔

ملفوظ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امّا بعد انسان کو وہ چیز خوش کرے گی کہ جس کے حصول کے لیے جدوجہد کی کہ اس سے چوک نہ جائے اور غم میں ڈالے گی وہ چیز کہ اس سے فوت ہونے والی نہ تھی لیکن غفلت سے اسے ترک کیا اور جو تمہیں دنیا میں حاصل ہوا اس سے خوش نہ ہو جاؤ اور جو نہ ملا اس کے لیے غم نہ کھاؤ وہاں سرور ہو اس سے جو نیکی تم نے آگے بھیجی، اس پر افسوس ہو جو چھوڑ کر جاؤ گے۔ تیرا مشغلہ صرف آخرت ہو اور خیالات صرف ما بعد الموت کے ساتھ منسلک ہوں۔

حدیث شریف میں ہے،

ثلاث من کن فیه استکمل ایمانه لایخاف فی الله لومة لائم ولا یرائی بشیٔ من عمله واذعرض له أمران احدهما للدنیا والآخر للآخرة آثر الآخرة علی الدنیا۔	تین ایسے ہیں جن کے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے، (۱) کسی ملامت گر کی ملامت سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں خوف نہیں کرتا۔ (۲) اپنے عمل میں ریا نہیں کرتا۔ (۳) جس کے سامنے دنیا و آخرت کے امور آتے ہیں تو وہ دنیا کے امور پر آخرت کے امور کو ترجیح دیتا ہے۔

حدیث شریف: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھ پر سوائے اس آیت کے اور کچھ نہ اُترتا تو یہی آیت کافی تھی پھر آپ نے سورۂ کہف کا آخری پڑھا کہ فمن کان یرجو لقاء ربه الخ

یہی فصل الخطاب یہی اولی الالباب کے لیے بلاغ ہے عمل صالح یہی ہے کہ عبادت میں اخلاص ہو اور خلق کے ساتھ شرک کی نفی وہ یقین کرنا خالق کی توحید کے ساتھ وہ عمل جو خالص اللہ کے لیے اور اس کے ساتھ یعنی اس کے مشاہدۂ قرب سے ہو میں اپنے نفس کو مقارن نہ بنائے اور خواہش کو دخیل نہ ہونے دے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اور اس کی طلب میں جو اس کے ہاں ہے نہ کہ اس کے لیے جس کا حظ جلدی کا ہے تو وہ شخص مقبول ہے اور ایسا عامل مقربین میں سے ہے ان کا حساب آسان بلکہ ہوگا ہی نہیں۔

فراغت صاحب روح البیان قدس سرہٗ: اللہ تعالیٰ ذی العطایا الغاشیہ کی مدد سے تفسیر سورہ غاشیہ سے ۱۷ ربیع الاول شریف ۱۱۱۱ھ میں فراغت پائی۔

فراغت مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے بعون اللہ تعالیٰ ۱۷ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ/۲۲ فروری ۱۹۸۹ء شب جمعۃ المبارک تفسیر سورۂ غاشیہ کے ترجمہ سے فراغت پائی۔ (الحمد للہ علیٰ ذالک)

سُوْرَةُ الْفَجْرِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ | اٰيَاتُهَا ۳۰ رُكُوْعُهَا ۱

سورۂ فجر مکیہ ہے — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — اس میں تیس آیتیں ہیں

وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ

اس صبح کی قسم اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب چل دے کیوں اس میں عقلمند کے

قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝۵ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝۶ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝۷

لیے قسم ہوئی کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیسا کیا وہ ارم حد سے زیادہ طول والے

الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝۸ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝۹

کہ ان جیسا شہروں میں پیدا نہ ہوا اور ثمود جنہوں نے وادی میں پتھر کی چٹانیں کاٹیں

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝۱۰ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝۱۱ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝۱۲

اور فرعون کہ چومیخا کرتا جنھوں نے شہروں میں سرکشی کی پھر ان میں بہت فساد پھیلایا

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝۱۳ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝۱۴ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ

تو ان پر تمہارے رب نے عذاب کا کوڑا بقوت مارا بے شک تمہارے رب کی نظر سے کچھ غائب نہیں لیکن آدمی تو جب

اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَكْرَمَنِ ۝۱۵ وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ

اسے اس کا رب آزمائے کہ اس کو جاہ اور نعمت دے جب تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت دی اور اگر آزمائے

فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَهَانَنِ ۝۱۶ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝۱۷

اور اس کا رزق اس پر تنگ کرے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے خوار کیا یوں نہیں بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۱۸ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ۝۱۹ وَّ

اور آپس میں ایک دوسرے کو مسکین کے کھلانے کی رغبت نہیں دیتے اور میراث کا مال ہپ ہپ کھاتے ہو اور

تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ۝۲۰ كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ۝۲۱ وَّجَآءَ رَبُّكَ

مال کی نہایت محبت رکھتے ہو ہاں ہاں جب زمین ٹکرا کر پاش پاش کردی جائے اور تمہارے رب

وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝۲۲ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ

کا حکم آئے اور فرشتے قطار قطار اور اس دن جہنم لائی جائے اس دن آدمی سوچے گا اور اب اسے سوچنے کا

اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝۲۳ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۝۲۴ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ

وقت کہاں کہے گا ہائے کسی طرح میں نے جیتے جی نیکی آگے بھیجی ہوتی تو اس دن اس کا سا عذاب

عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْٓ
کوئی نہیں کرتا اور اس کا سا باندھنا کوئی نہیں باندھتا اے اطمینان والی جان اپنے رب

اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾
کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں آ

سورۃ الفجر مکیہ اس کی انتیس[۲۹] یا بتیس[۳۲] آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ

وَالْفَجْرِ (اس صبح کی قسم) کشف الاسرار میں ہے کہ عرب کے تمام لوگ قسمیں کھانے کے عادی تھے، بات بات پر قسم کھا جاتے تھے، اسی لیے قرآن مجید انہی کے دستور کے مطابق نازل ہُوا۔ فجر دو ہیں ؛

(۱) کاذب ، وہ بھیڑیئے کی دُم کی طرح مستطیل ہے۔ اس سے کوئی حکم متعلق نہیں۔

(۲) صادق ، وہ مستطیر ہے اس سے روزہ و نماز کا حکم متعلق ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے فجر کی قسم یاد فرمائی وہی ضوء سورج کا مشرق سے طلوع کا پہلا وقت ہے جیسے صبح کی قسم یاد فرمائی۔ چنانچہ فرمایا ؛

والصبح اذا تنفس (قسم ہے صبح کی جب سانس نکالے)

اس لیے اس وقت رات کے وقت کا انقضاء ہوتا ہے اور صبح کی روشنی کا آغاز ، اور لوگوں اور حیوانوں اور وحوش و طیور کے طلب رزق کے انتشار کا وقت ہے اور یہ مُردوں کے قبور سے اُٹھنے اور منتشر ہونے کے ہمشکل ہے۔ اور جو غور و فکر کرے اس کے لیے اس میں بہت بڑی عبرت ہے۔

فجر سے کیا مراد ہے

حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛

(۱) اس سے ہر صبح مراد ہے کیونکہ یہ دوستانِ خدا کی مناجات کا وقت ہے۔

(۲) صبح عرفہ مراد ہے کیونکہ وہ شرافت والا وقت ہے کہ اس وقت حجاج عرفات کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

الحج عرفة (حج عرفہ ہے)

یعنی حجاج کی زاری اور وظائف و دعا اور نیاز کا وقت ہے۔

(۳) دسویں ذوالحج کی صبح، کیونکہ یہ بھی بہت بڑا دن ہے کیونکہ اس میں طواف فرض اور حلق (سر منڈوانا) اور رمی (شیطان کو کنکریاں مارنا) ہوتا ہے۔ اور مروی ہے کہ دسویں ذوالحج حج اکبر کا دن ہے۔

(۴) ایک قول محرم شریف کی پہلی تاریخ ہے کہ سال کا آغاز اسی سے ہوتا ہے۔

(۵) ہر جمعہ کی صبح، کیونکہ یہ غرباء و مساکین کا حج ہے۔

(۶) فجر بمعنی انفجار، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس پانی کی طرف اشارہ ہے جو طائف وغیرہ میں آپ کی انگشتانِ مبارک سے جاری ہوا تھا۔

(۷) وہ انفجار جو ناقہ کا صخرہ سے ہوا مراد ہے۔

(۸) مطلق ہر چشمہ وغیرہ کا انفجار۔

(۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پتھر کا انفجار۔

(۱۰) مطلق بادل سے پانی کا انفجار۔

(۱۱) گنہ گاروں کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہنا ؎

بران از دو سر چشمۂ دیدہ جوی
ور آلائشے داری از خود بشوی

ترجمہ: سر کی دونوں آنکھوں سے چشمہ اور نہر آنسوؤں کی جاری کر اگر گناہوں کی آلائش رکھتا ہے تو انہیں خود دھو ڈال۔

وَلَيَالٍ عَشْرٍ (اور دس راتوں کی)

(۱) یہ ذوالحج کی دس راتیں ہیں۔ عربوں کی عادت ہے کہ راتوں کا نام لے کر اہم دن مراد لیتے ہیں مثلاً:

بنی ھذا البناء لیالی السامانیۃ۔ یہ عمارت سامانیوں کے دنوں تیار ہوئی۔

(یہاں لیالی سے ایام مراد ہیں)

(۲) اس سے رمضان المبارک کے پچھلے دس دن راتیں مراد ہیں۔

ف : اس کی تنکیر تعظیم کی ہے کیونکہ ان دن راتوں کے مخصوص فضائل میں جو دوسروں میں نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم یاد فرمائی ہے عبادت کا اشتغال اعمال حج کی طرح ہے جو دس دن ذوالحج میں عبادت کی مشغولی ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے ، ان دنوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے نزدیک پاکیزہ تر اور اجر و ثواب کے لحاظ سے بڑھ کر کوئی دن نہیں جو اضحیٰ کے ان دس دنوں کا اجر و ثواب ہے ۔ عرض کی گئی : یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ! مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر ۔ فرمایا ، ہاں ، سوائے اس کے جس نے مال وجان جہاد میں قربان کر دیا اس کا ثواب اس سے بڑھ کر ہے ۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ غازی جنگ کو روانہ ہو تو گھر سے ہی ارادہ کرلے کہ جنگ سے واپس نہیں آئے گا (وہیں شہید ہوگا) پھر اللہ تعالیٰ کی مرضی جو چاہے کرے ۔

ف : رمضان المبارک کی پچھلی دس راتوں کی فضیلت سے یہ کچھ کم ہے کہ اس میں لیلۃ القدر ہے جو ہزار سال سے بہتر ہے اور انہی دس راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کیا جاتا ہے ۔

(۳) اس سے محرم کے دس دن راتیں مراد ہیں کہ انہی میں عاشورا ہے ۔

(۴) اس میں نصف شعبان المعظم کے ساتھ درمیانی دس راتیں مراد ہیں کیونکہ اسی میں شبِ برات ہے ۔

حضرت البقلی قدس سرہٗ نے فرمایا ان راتوں سے یہ راتیں مراد ہیں :

(۵) وہ کہ جن دنوں میں آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا گیا ۔

(۶) وہ رات جس دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ۔

(۷) وہ رات جس دن قیامت قائم ہوگی ۔

(۸) وہ رات جس میں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف پایا ۔

(۹) شبِ معراجِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۔

صوفیانہ معنیٰ : حضرت قاشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی اس فجر کی جس دن نور روح نے مادۂ بدن پر ظہور کی ابتدار کی اس کے ساتھ اثر تعلق کے وقت ، اور دس راتوں سے محال جو اس عشرہ ظاہرہ و باطنہ وہ کہ جب وقت رُوح ان سے متعلق ہُوا اس لیئے کہ یہی حواس کمال کی تحصیل

کے اسباب و آلات ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ انفجار حسنہ واحدہ از ارض قلب مومن کی قسم ہے اور عشرہ لیالی سے وہ حسنات مراد ہیں جن کی طرف اشارہ ہے :

من جاء بالحسنة فله عشر امثالها۔ جو ایک نیکی لائے اس کے لیے دس نیکیاں ان جیسی ہیں۔

اور انہیں لیال (راتیں) اس لیے کہا گیا کہ وہ حسنۃ نہار عمل سے بغیر اکتساب کے مرتبۂ احدیہ حسنہ واحدہ کے غیب سے ظاہر ہُوئیں، بلکہ محض عطائے الٰہی سے عالمِ غیب سے ظاہر ہُوئیں۔

تفسیر عالمانہ وَالشَّفْعِ (اور جفت کی) اس لیے جفت کا معنیٰ ہے شے کو اسی کے ہم مثل سے ملانا وَالْوَتْرِ (اور طاق کی) (بفتح الواو وکسرہا) یعنی ان راتوں کے جفت و طاق کی اس میں ظاہر تعمیم ہے اس لیے کہ الف لام استغراق کا ہے یعنی جملہ اشیاء کے جُفت و طاق کی قسم کیونکہ تمام اشیاء یا تو جُفت ہوتی ہیں یا طاق۔

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مخلوقات کل یا اس لحاظ سے کہ وہ مرکب ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ومن كل شئ خلقنا زوجين۔ اور ہر شے سے ہم نے پیدا کیے جوڑے جوڑے۔

زوجین سے الشفع مراد ہے الوتر اللہ تعالیٰ ہے اس اعتبار سے کہ اسے ہر لحاظ سے وحدۃ ہے، اور بعض کبار مشائخ نے جو فرمایا اس کا مرجع بھی یہی ہے مثلاً فرمایا کہ شفع کی قسم سے کثرت اسمائیہ اور وتر سے وحدت ذاتیہ حقیقیہ مراد ہے ان میں عناصر اربعہ اور افلاک تسعہ اور بروج بارہ اور سیارات سات اور نماز مغرب اور باقی تمام نمازیں اور یوم النحر اس لیے قربانی کا دن عاشر اور عرفہ کا دن تاسع ہے ان دس دنوں (ذوالحج) کا اور دو دن دسویں دن ذوالحج کے بعد اور یوم ثالث اسی کا اور آدم و حوا (علیٰ نبینا وعلیہما السلام) زوجین ہیں۔ اور بی بی مریم وتر ہیں۔ اور چشمے بارہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جاری کیے اور آیات تسع جو انھیں عطا ہُوئیں اور ایام عاد شفع اور اس کی راتیں وتر ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

سبع ليال و ثمانية ايام (سات راتیں اور آٹھ دن) اور وُہ مہینہ جو تیس دنوں کا کامل ہو اور

وہ مہینہ جو انتیس دنوں کا ہو اور الصفا و قلب اور دو ہونٹ اور زبان اور دو سجدے اور رکوع اور ابواب الجنۃ و ابواب النار اور درجات الجنۃ و درکات النار و صفات الخلق جیسے علم و جہل اور قدرۃ و عجز اور ارادہ و کراہت اور حیات و موت اور عدد (گنتی) کے جفت و طاق اور ایام و لیالی اور وہ دن کہ جس کے بعد رات نہیں یعنی یوم القیامۃ، اور وہ نبی جن کے دو نام ہیں جیسے سیدنا محمد و احمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور مسیح و عیسیٰ، اور یونس و ذو النون (علیہم السلام) اور وہ نبی علیہ السلام جن کا ایک نام ہے جیسے آدم و نوح و ابراہیم (علیہم السلام)، اسی طرح مسجد مکہ و مسجد مدینہ دونوں کو ملا کر کہا جاتا ہے حرمین الشریفین، یہ شفع ہیں اور مسجد اقصیٰ وتر ہے۔ اور دو جبل صفا و مروہ (شفع ہیں) اور بیت الحرام (وتر ہے) اور نفس مع الروح حالۃ الجمع میں (شفع ہے) لیکن وہ دونوں حالۃ افتراق (وتر ہے)۔

فجر حضور علیہ السلام اور دس راتیں عشرہ مبشرہ ہیں

حضرت سہل قدس سرہٗ نے فرمایا:

الفجر محمد علیہ السلام منہ تفجرت الانوار ولیالی عشر العشرۃ المبشرۃ بالجنۃ (ص ۳۲) — فجر حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم ہیں جن سے انوار پھوٹے اور لیالی عشر سے عشرہ مبشرہ بالجنۃ ہیں۔

وَالَّيْلِ (اور قسم ہے رات کی) جنس لیل مراد ہے **اِذَا يَسْرِ** (جب گزر رہے) یہ ایسے ہے جیسے فرمایا، والیل اذا ادبر (اور قسم رات کی جب پیٹھ پھیرے)۔

حل لغات — السری یعنی رات کی سیر۔ کہا جاتا ہے سری یسری سری و مسری جب کوئی عام راتوں کو چلے اور سار یسیر سیرا، ذھب (گیا)۔

ف: رات کو چلنے سے مقید کرنے میں اس کی کمال قدرت کی طرف اشارہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ اس میں دوسرے حیوانات کی طرح حیات ڈالتا ہے تو رات مرنے کے بعد جی اٹھتی ہے تاکہ اسے لوگ طلب ارزاق کا سبب بنائیں جو ان کی دنیوی زندگی پر مدد دیتے ہیں اور وہ سعادت دارین کا سبب ہے۔

سوال: لیالی عشر میں تو رات کی قسم کا ذکر ہو چکا پھر دوبارہ اس کی قسم کا کیا معنیٰ؟

جواب: یہاں لیل کے چلنے اور گزرنے کی قسم ہے اور وہاں مطلق بلا قید راتوں کی قسم ہے ان میں ایسی خصوصیت ہے جو ایک دوسرے سے مستغنی نہیں کرتی۔

ف: ہاں یہ بھی ہے کہ اس کا معنیٰ ہے قسم رات کی جس میں چلنے والا چلتا ہے اور گزرنے والا گزرتا ہے اور اس کا اسناد دلیل کی طرف مجاز ہے جیسے نہارہ صائم یعنی روزہ رکھنے والا دن میں، اور اسے اس

قید سے اس لیے مقید کیا کہ چلنے والے کو رات شمس کی گرمی سے محفوظ کر لیتی ہے اور گرمی کا سفر انسان کے لئے تکلیف دہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

بالدلجة فان الارض تطوی فی اللیل۔	لازم پکڑو راتوں کو اس لیے کہ رات زمین کو سمیٹ لیتی ہے (سفر کے لیے، یعنی برکت ہوتی ہے)

ف: اور رات ڈاکوؤں کے شر سے محافظ ہے اس لیے کہ رات کو عموماً ڈاکو تھکان اتارنے کے لیے نیند میں ہوتے ہیں۔ یسر کی یاء حذف کی گئی محض کسرہ پر اکتفاء کر کے اور مصحف مقدس کے خط مبارک میں اسی طرح ہے اور اس سے آیات کی موافقت بھی ہے اگرچہ اس کا اصل یہ ہے کہ وہ ثابت رکھی جائے کیونکہ یہ مضارع مرفوع کی لام کے بالمقابل ہے۔

ف: حضرت حفص (رحمہ اللہ تعالیٰ) سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

اللیل یسری فیہ ولا یُسریٰ۔	رات میں یُسر ہوتی ہے نہ کہ سیر کرتی ہے۔

لیکن چونکہ اس کے معنیٰ سے عدول کیا گیا ہے اسی لیے اس کے لفظ سے بھی عدول ہونا چاہئے کہ یاء گرا دی جائے تاکہ دلیل ہو اس کے اصل معنیٰ پر کہ سقوط الیاء بتاتی ہے کہ فعل کا اصلی معنیٰ اللیل سے منفی ہے اگرچہ فعل کا اسناد اسی کی طرف ہے کہ حیوان کی حرکت معنیٰ حرکت پر دلالت کرتی ہے حیوان میں کیونکہ ترتیب کا اختلاف خاصیت میں اختلاف کرتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں ظلمۃ بدن کی طرف اشارہ ہے کہ جب چلی جائے اور تجرد روح سے زائل ہو جائے ایسے ہی اس کی قسم میں اشارہ ہے کہ لیل ہوتے مطلقہ نہار مقید میں چلے جانے کی طرف اشارہ ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یولج اللیل فی النہار ویولج النہار فی اللیل۔	رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔

مقیدات کو اٹھا کر سطوات انوار مطلق سے نیز لیلۃ المعراج کی قسم کی طرف اشارہ ہے کہ اس شب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد مقدس کو سیر کرائی اسی لیے کہ یہ تمام راتوں سے زیادہ برگزیدہ ہے کیونکہ وہی القدر والشرف والوصال والخطاب ورؤیۃ الجمال کی شب ہے۔

تفسیر عالمانہ

هَلْ فِي ذٰلِكَ (کیوں اس میں)

مقسم بہا کی شان کی فخامت کی تقریر و تحقیق ہے کہ وہ جلیل القدر امور ہیں اور اعظام و اجلال کے لائق ہیں ارباب العقول کے نزدیک۔ اور تنبیہ ہے کہ ان کی قسم یاد کرنا معتدبہ امر ہے اور وہ اس لائق ہیں کہ ان کے ساتھ اخبار کو مؤکد کیا جائے بر طریقہ قولہ تعالیٰ وانہ لقسم لو تعلمون (اور بیشک وہ بڑی قسم ہے اگر تم جانتے) یہ ایسے ہے جیسے کہ بہت بڑی حجت قائم کر کے کہتا ہے:

ھل فیما ذکرتہ حجۃ (کیا میں نے جو بیان کیا ہے وہ حجت ہے؟)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ جو اشیاء مقسم بہا مذکور ہوئیں قَسَمٌ (قسم ہوئی) یعنی مقسم بہ ہے۔ فتح الرحمٰن میں ہے کہ وہ مقنع و مکتفی (کافی) ہے لِّذِي حِجْرٍ (عقل والوں کے لیے) وہ عقل جو نورِ معرفت و حقیقت سے منور ہے اور اسے اس لائق دیکھتا ہے کہ وہ اجلال و اعظام کے پیشِ نظر اس لائق ہے کہ اس کی قسم یاد کی جائے۔ اور مراد یہ تمام مقسم بہا ایسے ہی ہیں اور یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا ہے تاکہ مخلوق کو انکسار کا موقعہ نصیب ہو اور خبر دی گئی ہے کہ یہ امر ظاہر و باہر ہے یا ھل ان قسموں پر داخل ہوگا یہ صرف عقل والوں کے لیے قسم ہے اور یہ طریقہ ان کے نزدیک مقبول اور معتدبہ ہے اور ان جیسوں کی یاد کی جا سکتی ہے اور مقسم علیہ کو ان سے مؤکد کیا جا سکتا ہے یعنی بیشک ان اشیاء کی قسم ہم نے یاد کی ہے اور یہ پسندیدہ قسم ہے عاقل کے نزدیک تاکہ وہ اعتبار کرے کہ واقعی یہ قسم محقق و مؤکد ہے۔

حلِ لغات

الحِجر بمعنی عقل، کیونکہ وہ عقل والے کو اس سے منع کرتی اور روکتی ہے ایسے امر میں گرنے سے جو اسے نقصان دے ایسی عقل کو عقل کہا جاتا ہے ایسے ہی نُھی (بالضم النون) کیونکہ وہ منع کرتا اور روکتا ہے، ایسے ہی حصاۃ از احصاء بمعنی ضبط۔

ف: فراء نے کہا، کہا جاتا ہے ذو حِجر وہ جو اپنے نفس پر قاہر و ضابط ہو، اور حجرٍ میں تنوین تعظیم کی ہے۔ بعض حکماء نے فرمایا کہ عقل قلب کے لیے ایسے ہے جیسے جسم کے لیے روح، جس قلب میں عقل نہ ہو وہ مردہ ہے جانوروں کے قلب کی طرح (بیکار) ہے اور مقسم علیہ محذوف ہے وہ ہے لیعذبن الخ اس پر خبر دیتا ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ (کیا تم نے نہ دیکھا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ کیسا کیا) ہمزہ انکار کا اور قوۃ نفی میں ہے اور قاعدہ ہے نفی کی نفی سے اثبات ہوتا ہے اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! کیا تمہیں علم یقینی نہیں جو رؤیۃ کے قائم مقام ہے جلاء میں۔ یعنی تو نے جانا اللہ تعالیٰ کے اعلام سے اور متواتر خبروں سے بھی کہ کیسے عذاب کیا تیرے رب نے عاد اور ان جیسے کافروں سے اور عنقریب تمہاری قوم کے کفار

کو بھی عذاب کرے گا۔ کیونکہ یہ دونوں اس میں شریک ہیں جو کفر و معاصی کے موجبات ہیں۔

عاد کا تعارف عاد سے عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد مراد ہے اور ہود علیہ السلام کی قوم ہے جو اپنے دادا کے نام سے موسوم ہے جیسے بنو ہاشم حضرت ہاشم (رضی اللہ عنہ) کی وجہ سے موسوم ہیں اور بنو تمیم تمیم سے، اس معنی پر تمیم اس قبیلہ کا نام ہے جو عاد کی طرف منسوب ہے ان کے اوائل کو عادِ اُولیٰ اور اواخر کو عاد اخیرہ کہا جاتا ہے۔

قاعدہ عماد الدین ابن کثیر نے کہا کہ قرآن مجید میں ہر جگہ خبر عاد سے عادِ اولیٰ مراد ہے سوائے سورۂ احقاف کے۔

اِرَمَ عطف بیان ہے عاد سے تاکہ معلوم ہو کہ اس سے عاد اولیٰ مراد ہیں بحذف المضاف یعنی سبط ارم اور اہلِ ارم، یہ اس قول پر ہے کہ ارم ان کے شہر یا علاقہ کا نام ہے جس میں وہ آباد تھے اور ان کی آبادی عمان سے حضرموت تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ریتلے اور پتھریلے علاقے ہیں اس کی تائید قرأت بالا سے بھی ہوتی ہے جو بھی ہو اس کا غیر منصرف ہونا تعریف و تانیث سے ہے۔

حلِ لغات المفردات میں ہے کہ الآرام وہ قلعے جو پتھروں سے تیار کئے گئے تھے اور ارم ذات العماد میں اشارہ ہے ان کے قلعوں کی طرف جو بلند و بالا اور منقش منارہ کے طریقہ پر یا قبور کی ہیئت پر تھے اس میں بھی مضاف محذوف ہے یعنی اہل الاعلام۔

ذَاتِ الْعِمَادِ (حد سے زیادہ طول والے) صفت ہے ارم کی اور لام جنس کی ہے جو قلیل و کثیر کو شامل ہے عماد عمود کی ہے ان کی جمع عمد (بفتحتین) و عمد (بضمتین) و اعمدۃ آتی ہے بہت زیادہ قد والے، ان کے قدوں کو ستون سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یا خیموں اور ستونوں والے اس لیے کہ وہ بدوی تھے ستونوں والے کہ جہاں گھاس ہوتی اس کی طلب میں چلے جاتے، جب گھاس وغیرہ سوکھ جاتی گھروں کو لوٹ جاتے اور ستونوں کو کام میں لاتے جہاں ڈیرہ جماتے ستون کھڑے کرتے ان کے اوپر محلات قصور (گھر) تیار کرتے اور ان کے یہ قصور دور سے نظر آتے تھے یا صاحب اساطین (کھمبے)، تھے اس لیے کہ ان کا شہر اونچے کھمبوں کی عمارتوں والا تھا اور ارم ان کے ہی شہر کا نام ہے۔

ف : حضرت سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ارم ذات العماد وہ جیرون بن سعد بن ارم کے نام سے ہے اسی نے ہی دمشق میں یہ شہر آباد کیا سنگِ مرمر کے ستون تیار کر کے مکانات تیار کئے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ اس نے شہر میں چار لاکھ ستون اور چار لاکھ سنگِ مرمر کے رکھوا کر مکانات بنوائے۔ العماد سے وہی مراد ہے جس پر اس شہر کی تعمیر کی گئی اس کا نام جیرون تھا اسی نام سے معروف تھا اور دمشق، دمشق بن نمرود کے

کے نام سے ہے، وہ نمرود حضرت خلیل اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا دشمن تھا لیکن دمشق مسلمان ہو گیا اس نے
ی شام کے ملک میں جامع ابراہیم تعمیر کی تھی۔ غالباً یہی روایت صحیح تر ہے۔ (اس میں تامل اور غور و فکر چاہیے)
الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ (کہ ان جیسا شہروں میں پیدا نہ ہوا) یہ ارم کی
دوسری صفت ہے اور ضمیر ارم کی ہے کیونکہ اس سے قبیلہ مراد ہے۔

ارم والوں کی طاقت کا مظاہرہ ان جیسا عظیم الاجسام اور شدید القوۃ آفاق و نواحی میں کہیں نہ تھا ان کے ایک مرد کا قد چار سو ہاتھ تھا اور ایک پتھر
اٹھا کر لاتا اور ایک قبیلے پر گرا کر انھیں ہلاک کر دیتا اسی لیے ان کا دعویٰ تھا کہ ہم سے بڑھ کر بڑی قوت و طاقت
والا اور کون ہو سکتا ہے (رخ جانور) ان کی نظیر رخ پرندہ ہے جو چین کے جزیروں میں ہوتا ہے (المنجد
میں ہے کہ وہ ایک خیالی جانور ہے۔ اویسی غفرلہٗ) جس کا ایک پر دس ہزار ہاتھ ہے ایک بڑا پتھر پاؤں میں
اٹھاتا ہے جو ایک بڑے گھر کے برابر ہوتا ہے وہ پتھر اوپر سے کشتی پر پھینکتا ہے۔ یا دنیا بھر کے شہروں میں ان جیسا
شہر کہیں نہیں تھا۔ یہ ضمیر مؤنث اسی کی طرف راجع ہے بتاویل البلدۃ۔

شداد کا شہر اور امیر معاویہ کا لشکر حضرت امیر معاویہ کے عہد میں حضرت عبد اللہ بن قلابہ صحرائے عدن میں اپنے گم شدہ اونٹ کو تلاش کرتے
ہوئے اس شہر میں پہنچے اور اس کی تمام زیب و زینت دیکھی کہ اس کی بنیادیں مضبوط جزع یمانی سے تھیں
بیشمار محلات تھے ادھر ادھر پھرا کوئی رہنے بسنے والا نہ پایا تھوڑے سے فاصلے پر دروازے کو دیکھا جواہر
سے مکلل، تھوڑے سے جواہرات وہاں سے لے کر چلے آئے، یہ خبر امیر معاویہ تک پہنچی اُنھوں نے بلا کر حال
دریافت کیا انہوں نے تمام قصہ سنایا تو حضرت امیر معاویہ نے کعب احبار کو بلا کر دریافت کیا کہ کیا کوئی ایسا
شہر ہے جو سرخ رنگ کبود ہے؟ انھوں نے فرمایا ہاں جس کا ذکر قرآن پاک میں بھی آیا ہے یہ شہر شداد بن
عاد نے بنایا تھا وہ سب عذاب الٰہی سے ہلاک ہو گئے ان میں سے کوئی باقی نہ رہا اور آپ کے زمانے میں
ایک مسلمان سرخ چشم قصیر القامت جس کے ابرو پر ایک تل ہو گا اپنے اونٹ کی تلاش میں اس شہر میں داخل
ہو گا۔ پھر عبد اللہ بن قلابہ کو دیکھ کر فرمایا بخدا وہ شخص یہی ہے۔

فائدہ: (صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا) اس شہر کے اندر حضرت ابن قلابہ نے شہر کے
ستون زبرجد و یاقوت کے دیکھے اس کی اینٹیں ایک سونے اور ایک چاندی کی تھیں، ایسے ہی اس
کے فرش کا حال تھا اور اس میں بجائے سنگریزوں کے مروارید آبدار بچھائے گئے تھے ہر محل کے گرد
آبِ رواں لؤلؤ و مرجان پر جاری تھا بہت بڑے درخت جن کے تنے سونے کے اور پتے زبرجد کے

شگوفے سیم کے تھے۔ دل میں کہا:

هذه الجنة التی وعد المتقون۔ یہ وہی جنّت ہے جس کے لیے متقیوں کو وعدہ دیا گیا ہے۔

ع این چہ منزل چہ بہشت این چہ مقامست اینجا
(یہ کیسی منزل ہے کیسی بہشت ہے کیسا مقام ہے اس جگہ)

اور کہا:

والذی بعث محمدا ما خلق اللّٰہ مثل هذا فی الدنیا۔ اس کی قسم جس نے محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو مبعوث فرمایا دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ان کی مثل پیدا ہی نہیں کیا۔

جب جواہر موتی لے کر واپس آئے تو لوگ ان جواہرات کو دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے۔ لوگوں کی زبان قصّہ مشہور ہُوا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا۔ اس کی تفصیل ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

فائدہ از اویسی غفرلہٗ (حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کا واقعہ حضرت کعب الا کے درج ہونا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقبولِ خدا ہو زبردست دلیل ہے ان منکرین کو سوچنا چاہیے جو ان سے دشمنی رکھتے تھے اور جو لوگ کہتے ہیں کہ کسی کا کہ کل کیا ہوگا۔ لیکن یہاں تو حضور علیہ السلام کے ادنیٰ خدام کے لیے ثابت ہے)

زور و قوت اور طول قامت میں عاد کے بیٹوں میں سے شداد بھی ہے جس نے دنیا پر بادشاہت اور تمام بادشاہ اس کے مطیع ہو گئے اور اس نے جنت کا ذکر سُن کر براہِ سرکشی دنیا میں جنّت بنانا چا اسی ارادہ سے ایک شہر عظیم بنایا جس کے محل سونے چاندی کی اینٹوں سے تعمیر کیے گئے اور زبرجد او کے ستون اس کی عمارتوں میں نصب ہوئے اور ایسے ہی فرش مکانوں اور رستوں میں بنائے گئے مٹی کی جگہ آبدار موتی بچھائے گئے ہر محل کے گرد جواہرات پر نہریں جاری کی گئیں قسم قسم کے درخت حُسنِ ترتیب ساتھ لگائے گئے۔ جب یہ شہر مکمل ہُوا تو شداد بادشاہ اپنے اعیانِ سلطنت کے ساتھ اس کی طرف روا جب ایک منزل فاصلہ باقی رہا تو آسمان سے ایک ہولناک آواز آئی جس سے اللہ تعالیٰ نے ان سب ہلاک کر دیا۔

شدّاد کی شاہی پر تبصرہ (واقعہ کے اختصار کے بعد اب اس کی تفصیل از صاحب روح ا قدس سرّہ پڑھیے)(۱)، شداد نے نوسو سال عمر پائی۔

(۲) اس شہر کی تیاری میں رُوئے زمین کے خزانے جمع کرائے۔
(۳) اس کی تیاری پر ایک سو کاریگر مقرر کئے، ہر کاریگر کے ساتھ ایک ہزار نوکر تھا۔
(۴) تین سو سال میں یہ بہشت تیار کرائی۔
(۵) شداد کے مرنے کے بعد یہ بہشت اصحابِ کہف کی طرح پوشیدہ ہو گئی۔
قصہ اُوپر مذکور ہو چکا۔
سوال: ابن الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حواشی میں فرمایا کہ اس میں اعتراض ہے وہ یہ کہ قوم عاد آندھی سے تباہ ہُوئی اور قومِ صالح چنگھاڑ سے، تو تم نے کہا شداد چنگھاڑ سے تباہ ہوا، یہ کیسے؟
جواب: یہاں چنگھاڑ سے آندھی مراد ہے جس کے اندر سخت آوازیں تھیں۔

شداد کی قبر کا کتبہ

شداد کے بیٹے نے ایک تختی پر ذیل کے اشعار لکھ کر اس کے سرہانے لٹکائے جو شداد کی اپنی زبان سے کہے ہوئے تھے جب اس کے بیٹے نے اسی راہ تباہ شدہ باپ کا ڈھانچہ اٹھا کر دفنایا تو لکھوایا ؎

(۱) انا شداد بن عاد صاحب الحصن العمید
واخو القوۃ والباساء والملک المشید

(۲) دان اھل الارض لی من خوف وعدی وعیدی
وملکت الشرق والغرب بسلطان شدید

(۳) فاتتنا صیحۃ تھوی من الافق البعید
فتوفتنا کزرع وسط بیداء حصید

ترجمہ: (۱) میں شداد بن عاد ہُوں مضبوط قلعوں والا قوت والا اور جنگجو اور مضبوط بادشاہ۔
(۲) اہلِ زمین کو میرا خوف معلوم ہے میرا وعدہ بھی وعید ہے اور میں مشرق و مغرب میں سلطنت شدید سے مالک ہُوا ہُوں۔
(۳) ہم پر ایک چنگھاڑ افق بعید سے آیا اور فنا کر دیا کھیتی کی طرح جنگل کے درمیان میں۔

بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے شہروں کو دیکھا

قوت القلوب تصنیف عالم ربانی ابوطالب مکی قدس سرہٗ میں ہے کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے عرض کیا گیا کہ آپ کبھی ارم ذات العماد میں بھی تشریف لے گئے ہیں؟ فرمایا:

میں تو اللہ کے ملک میں ایسے ہزار شہروں میں گیا ہوں جن کے بالمقابل ذات العماد ایک معمولی شہر ہے اس کے بعد آپ نے چند شہروں کے نام گنے منجملہ ان کے جابلق، جابلص بھی تھا۔

سوال: حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کا قول کہ میں نے جو شہر دیکھے ان کے بالمقابل ذات العماد ایک معمولی شہر ہے یہ لم یخلق مثلھا فی البلاد کے منافی ہے۔

جواب: (۱) لم یخلق ماضی ہے اور حضرت بایزید بسطامی مستقبل کے شہروں کی بات فرما رہے ہیں جو نزول القرآن کے بعد تیار ہوئے ہوں۔

(۲) مثل کی نفی ہے نہ کہ شہروں کے وجود کی اور مثل سے مراد ذات العماد کی زیب و زینت مراد ہے اور لمبائی چوڑائی وغیرہ اپنی جگہ پر حق ہے۔

(۳) اسی قوت القلوب کے بعض نسخوں میں یہ بھی ہے کہ آیت کا معنیٰ ہے کہ بلاد یمن میں اس جیسا شہر نہیں کیونکہ مخاطب وہی ہیں جو ان کے بلاد کے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے او ینفوا من الارض (نفی کئے جائیں گے زمین سے) یعنی شہروں سے۔ ان جوابات سے اشکال مندفع ہوگیا (شرح البردہ لابن الشیخ)

وَثَمُوْدَ (اور قوم ثمود سے) اس کا عطف عاد پر ہے ثمود قبیلہ اپنے جد کے نام سے موسوم ہے ثمود جدیس کا بھائی تھا اور وہ دونوں عامر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کے بیٹے تھے اور اصنام پرست تھے عاد کی طرح، اور صالح علیہ السلام کی قوم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والی ثمود اخاھم صالحا۔ اور ثمود کی طرف ہم نے صالح علیہ السلام کو بھیجا۔

الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (جنہوں نے وادی میں پتھر کی چٹانیں کاٹیں)

حل لغات: الجوب القطع (کاٹنا) کہا جاتا ہے جبت البلاد، اجوبھا، جوباً۔ اور فراء نے بڑھایا جبت البلاد اجیبھا جیباً جب تم ان شہروں کی سیر کرو اور ان کا سفر طے کرو۔ اور جبت القمیص میں نے قمیص کاٹا۔ اسی سے ہے الجیب (گریبان)۔ الصّخر سخت شدید پتھر۔ الوادی در اصل الوادی تھا وہ جس میں پانی جاری ہو۔ اسی سے ہے وہ کھلا راستہ دو پہاڑوں کے درمیان اسے بھی وادی کہتے ہیں۔ یہی مراد ہے وادی القریٰ سے، جو مدینہ طیبہ کے قریب ملک شام کی جانب ہے

وادیٔ مذکور میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ورود مسعود

سیدنا ابو نضرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک کے موقعہ پر اس وادیٔ ثمود سے گزرے اور آپ اشقر گھوڑے پر سوار تھے

تو فرمایا، تیز چلو تم ملعون وادی میں ہو۔

ف : آیت کا معنی یہ ہے کہ انھوں نے پتھر تراش کر پہاڑوں پر گھر بنائے ہوئے تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وتنحتون الجبال بیوتا (اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے)۔

بعض نے کہا کہ سب سے پہلے پتھروں کو تراش کر گھر بنانے والے یہی ہیں پتھر عام اور چٹانیں اور سنگ مرمر وغیرہ، ایک ہزار سات سو شہر بنائے اور سب کے سب پتھروں کو تراش کر۔

وَفِرْعَوْنَ اور موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کے ساتھ کیا کیا اللہ تعالیٰ نے۔ اس فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان بن ثروان ابو العباس قبطی تھا، اسی کی طرف الاقداس العباسیہ (عباسی پیالے) منسوب ہیں فرعون اس کا لقب تھا اسے علیحدہ اس لیے ذکر کیا گیا کہ وہ تکبر اور رعونت میں بے نظیر تھا، یہاں تک کہ اس نے ربوبیت والوہیت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ **ذِی الْاَوْتَادِ** اور فرعون کہ جو میخا کرتا۔

حلِ لغات الوتد (بالتحریک وبکسر التاء ایضا بالفارسیة) بمعنی میخ۔ سورۃ النبأ میں اس کی تحریک گزری ہے۔ فرعون اس صفت سے اس لیے موصوف ہوا کہ اس کا لشکر اور وہ خیمے جو اپنے گھروں میں لگاتے اور انھیں میخیں گاڑ کر مضبوط کرتے ان کی کثرت کی وجہ سے جیسے آج بھی ہے کہ خیمے اور طنابیں گاڑی جائیں تو ان کے لیے بکثرت میخوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

ف : اور فرعون لوگوں کو میخوں سے عذاب دیتا تھا جیسا کہ کشف الاسرار میں ہے کہ فرعون میخ بند سے عذاب دیتا تھا۔ یعنی چار میخوں سے عذاب کرنے والا۔

مشاطہ بنتِ فرعون کا قصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فرعون ذی الاوتاد اس لیے تھا کہ اس کے خزانچی خربیل کی اہلیہ ہیجل' بنتِ فرعون کی ماشطہ (ہار سنگار کرنے والی) خادمہ تھی۔ فرعون کا خزانچی مومن تھا ایک سو سال سے اس نے ایمان کو چھپا رکھا تھا ایسے ہی اس کی بیوی بھی۔ ایک دن وہ فرعون کی لڑکی کا سر سنوار رہی تھی یعنی کنگھا کر رہی تھی تو کنگھا ہاتھ سے گرا تو کہا تعس من کفر باللہ تعالیٰ (وہ ہلاک ہو جو اللہ تعالیٰ سے کفر کرتا ہے) فرعون کی لڑکی نے کہا: کیا میرے باپ کے سوا کوئی اور تیرا معبود ہے؟ کہا ہاں میرا اور تیرے باپ کا اور تمام آسمانوں اور زمین کا صرف ایک معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون کی بیٹی باپ کے پاس روتی ہوئی پہنچی فرعون نے بیٹی سے رونے کا سبب دریافت کیا، کہا میری ماشطہ تیرے خزانچی کی بیوی نے کہا ہے کہ تیرا اور اس کا اور آسمان و زمین کا صرف ایک معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ فرعون نے ماشطہ کو

بلوایا اس سے پوچھا تو اس نے کہا یہ سچ ہے۔ فرعون نے کہا: تجھ پر افسوس تُو میرے ساتھ کفر کر رہی ہے جس خدا کو تُو مانتی ہے اس سے کفر کر ورنہ تجھے چومیخا عذاب دُوں گا۔ بی بی اپنے ایمان پر ڈٹ گئی۔ اس نے اسے چومیخا کر کے اسے باندھ کر اس پر سانپ اور بچھو چھوڑ دئے۔ پھر کہا اپنے خدا سے کفر کر ورنہ تجھے اس عذاب میں دو ماہ تک مبتلا رکھوں گا۔ اس نے کہا مجھے کوئی پروا نہیں خواہ تُو مجھے ستّر ماہ تک عذاب دے میں اپنے خدا تعالیٰ کو نہیں چھوڑ سکتی، اس کی دو بیٹیاں تھیں بڑی بیٹی کو لاکر اس کے سامنے ذبح کرا دیا اور کہا اب بھی وقت ہے مان جا ورنہ تیری شیر خوار بچّی سے بھی ایسا ہی کروں گا۔ بی بی نے کہا پروا نہیں اگر تُو رُوئے زمین کے لوگوں کو اسی طرح میرے سامنے ذبح کرا دے تب بھی اپنے معبودِ حقیقی کو نہیں چھوڑوں گی۔ اس نے اس کی شیر خوار لڑکی کو اس کے سینے پر لٹا دیا اور ذبح کرنے کا حکم دے دیا تو بی بی گھبرائی شیر خوار بچّی کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کی طاقت دے دی اور کہا امّی مت گھبرا اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے بہشت میں بہترین مکان تیار کر رکھا ہے صبر کر، ابھی تو اس میں اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و کرامت میں پہنچ جائے گی فرعون نے بچّی کو ذبح کرا دیا، بی بی تھوڑی مدّت کے بعد فوت ہوگئی، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دی۔

بی بی آسیہ رضی اللہ عنہا کی جرأتمندی

فرعون نے بنی اسرائیل کی حسین ترین بی بی سے نکاح کیا جن کا اسمِ گرامی آسیہ بنت مزاحم (رضی اللہ عنہا) تھا

بی بی آسیہ نے جب ماشطہ کا حال دیکھا کہ فرعون نے اس پر کیا ظلم وستم ڈھایا ہے تو دل میں سوچ رہی تھیں کہ میں فرعون کے ساتھ گزراوقات کیسے کر سکوں گی وُہ کافر میں مسلمان۔ یہی تصوّرات دل و دماغ میں گردش کر رہے تھے کہ فرعون اُن کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ بی بی نے کہا اے فرعون! تو تمام مخلوق سے شریر اور خبیث ترین ہے تُو نے ایک غریب ماشطہ کو بلاوجہ بُری طرح قتل کرا دیا فرعون نے کہا معلوم ہوتا ہے تجھے بھی وہی جنون ہے جو اسے تھا۔ بی بی آسیہ نے کہا مجھے کوئی جنون نہیں مجنون (پاگل) وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے وہ جس کے ملک میں آسمان اور زمین اور جو ان کے درمیان ہے وُہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور وہ ہر شے پر قادر ہے فرعون سُن کر آگ بگولہ ہوگیا اور بی بی آسیہ کو چار میخوں سے باندھ دیا تاکہ اسے عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ نے بی بی آسیہ کے لیے بہشت کا دروازہ کھول دیا تاکہ اس پر فرعون کا عذاب محسوس نہ ہو۔ اسی لیے بی بی نے کہا تھا:

رب ابن لی عندك بيتاً فی الجنة و نجنی من فرعون و عمله۔

اے اللہ! میرے لیے اپنے نزدیک جنّت میں گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے۔

اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے بی بی آسیہ کی رُوح قبض کر لی اور اسے جنۃ عالیہ میں ٹھہرایا۔ اس کا یہ قصّہ تھوڑا سا سورۃ التحریم کے آخر میں گزرا ہے وہاں دیکھئے۔

تفسیر صوفیانہ عاد میں اشارہ ہے طبیعۃ بشریہ کی طرف اور ثمود میں قوت شہویہ کی طرف اور فرعون میں قوتِ غضبیہ کی طرف۔ سالک پر لازم ہے ان کا تزکیہ اور ان کے آثار کا ازالہ۔

تفسیر عالمانہ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ (جنہوں نے شہروں میں سرکشی کی) یہ تین گروہوں مذکورہ کی صفت ہے اس معنیٰ پر یہ جملہ محلاً مجرور ہے اور بعض بحروں میں بائسے اور بعض اس پر معطوف ہیں اور یہ بحسب اللفظ احسن ہے اس لیے کہ اس میں کوئی شے حذف نہیں کرنا پڑتی اور صاحبِ کشاف نے اسے منصوب کہا علی الطریق الذّم اعنیٰ کو مقدر کر کے کیونکہ یہ ذم میں صریح اور مقام بھی ذم کا ہے اور یہ معنیٰ کے اعتبار سے احسن ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مذکورہ گروہوں میں ہر ایک گروہ نے اپنے شہروں میں سرکشی کی اور حد سے متجاوز ہوئے یعنی عاد نے یمن میں اور ثمود نے ارضِ شام میں اور قبط نے مصر میں جیسے فرود نے سرکشی کی سواد میں ایسے ہی ان کے باقیوں کا قیاس کیجئے فَأَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ (پھر ان میں بہت فساد پھیلایا) کفر و معاصی سے کیونکہ فساد گناہوں کے تمام اقسام کو شامل ہے پس جو امر الٰہی اور اس کے حکم کے خلاف بندوں پر ظلم کا حکم کرتا ہے وہ مفسد اور اس حد سے متجاوز ہے جو اس کے لیے مقرر ہے۔ اس میں شدید خوف ہے زمانہ کے حکّام کے لیے فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ (تو ان پر تمہارے رب نے بقوت مارا)۔

حلِ لغات: صب بمعنیٰ اُوپر سے نیچے پانی بہانا۔ یعنی فساد کا صدور ہوا۔

سَوْطَ عَذَابٍ (عذاب کا کوڑا)

حلِ لغات السوط چمڑے کا بٹا ہوا کوڑا جس سے کسی کو سزا دی جائے یعنی سخت عذاب جس کی غایت کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ اس سے ان کو گوناگوں عذاب میں مبتلا کرنا مراد ہے وہ جو سورۃ کریمہ میں مشرحاً مذکور ہے وہ یہ کہ ریح عاد کے لیے اور صیحہ ثمود کے لیے اور غرق قبط کے لیے۔ اس کا سَوط نام اس لیے ہے تاکہ اشارہ ہو کہ جو ان کے لیے عذاب تیار ہے وہ کوڑے کی طرح ہے جو تلوار کے ساتھ تیار رکھا ہوتا ہے۔

نکتہ: عذاب کا سَوط سے استعارہ اس لیے ہے کہ اس سے مارنے میں تکرار اور بار بار کام لیا جاتا ہے بخلاف تلوار وغیرہ کے کہ وہ ایک بار مارنے سے کام تمام ہو جاتا ہے۔

ف : کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ عرب کوڑے کی مار کو سخت عذاب سمجھتے تھے اس لیے اس کا ذکر فرمایا یعنی عرب والے کوڑے کو انتہائی عذاب سمجھتے تھے۔ ویسے وہ ہر قسم کے عذاب کو کوڑے سے تعبیر کرتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے عرب کے اسلوب پر فرمایا ہے۔ شاعر نے کہا : ؎

الم تران اللہ اظھر دینہ

وصب علی الکفار سوط عذاب

ترجمہ : کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین غالب فرمایا اور کافروں پر کوڑے کا عذاب برسایا۔

نکتہ : اسے صب (بارش برسنا) سے تعبیر فرمایا تاکہ اس کے بکثرت اور استمرار اور پے در پے ہونے پر دلالت کرے کیونکہ صَب بمعنی بہنے والی شے یا جو بہنے میں اس جیسی ہو ، جیسے ریت ، دانے کو بہانا ، اور شدۃ وکثرت اور مسلسل ۔

سوال : عذاب کی نسبت کوڑے کی طرف ہے حالانکہ وہ اس قبیل سے نہیں ۔

جواب : اس کے نزول اور مسلسل اور پے در پے مضروب پر برسنے کی تشبیہ کی وجہ سے ہے کہ جیسے بارش وغیرہ کے قطرات بکثرت اور مسلسل پے در پے شے پر برستے ہیں ایسے ہی عذاب کے کوڑے ان مذکورہ بالا کفار پر برسائے جائیں گے۔

سوال : اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولو یؤاخذ اللہ الناس بظلمھم ما ترک علی ظھرھا من دابۃ ولکن یؤخرھم (اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم کی وجہ سے ان کا مؤاخذہ کرے تو زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑے لیکن ان کے عذاب میں تاخیر کرتا ہے) اس آیت میں تاخیر کا بیان ہے اور آیت مذکورہ بالا میں نقد عذاب کا بیان ہے تو ان دونوں میں تطبیق کیسی ؟

جواب : (۱) تاخیر العذاب کا بیان اس عذاب کا ہے جو مکمل طور ہو اور وہ آخرت میں ہوگا اور یہ دنیا میں ہوا تو یہ اس کا ایک معمولی نمونہ ہے (حواشی ابن الشیخ)

(۲) فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس کی ایک وجہ اور بھی ہے اور وہی وجہ تر ہے ، وہ یہ کہ آیتِ مؤاخذہ (جو اوپر سوال میں درج ہے) میں وہ عذاب مراد ہے جو تمام کفار کو ہو اور یہاں دنیا میں بعض کو ہوا تو کُل کے منافی نہیں ہے جیسا کہ بعض کو ایسا عذاب ہوا کہ ان کی بڑیں اکھاڑ کر رکھ دیں جیسے بعض قوموں کی تباہی کے حالات قرآن مجید میں مذکور ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (بیشک تمہارے رب کی نظر سے غائب نہیں) ماقبل کی تعلیل ہے

اور آگاہ کرنا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوم کے کفار کو بھی عنقریب ان کی طرح عذاب واقع ہوگا جیسے گزشتہ اقوام پر واقع ہوا جیسے آیت کے عنوان ربوبیت مع اضافۃ الضمیر المخاطب (علیہ السلام) سے معلوم ہوتا ہے۔

حل لغات المرصاد وہ مکان جس میں اہلِ انتظار انتظار کرتے ہیں مفعال از رصدہ جیسے میقات از وقتہ ہے، بار ظرفیہ کی ہے یعنی بیشک وہ اس جگہ پر ہے جس میں مسافر (منتظرین) انتظار کرتے ہیں، اور جائز ہے کہ یہ صیغہ مبالغہ ہو جیسے مطعان (طعنہ زن) بار تجرید یہ ہے یعنی اس میں تمثیل ہے اللہ تعالیٰ کے مجرمین کے انتظار کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے چوک نہیں جائیں گے اور تشبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا نگران ہے ان پر تھوڑے اور زیادہ پر جزاء وسزا دے گا اور بندوں کو اس سے کہیں بھاگنا نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی جگہ بھاگ کر نکل جائیں یہ ایسے ہے جیسے کوئی نگران مسافرین کے راستہ پر بیٹھ کر ان کا انتظار کرے تاکہ معصیت کے مرتکب کو پکڑنے میں کامیاب ہو یا جیسے محصول لینے کے لیے جو نگران مقرر ہیں کہ ان سے کوئی بچ کر نہیں نکل سکتا (ایسے ہی بلاتمثیل، اللہ تعالیٰ کے محاسبہ اور گرفت سے کوئی بھی بچ کر نہ نکلے گا، یہاں یہ مثالیں محض مقاصد سمجھانے کے لیے دی گئی ہیں۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سب کو دیکھتا ہے سب کی سنتا ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں ؎

ہم نہاں داند و ہم آنچہ نہاں تر باشد
یعلم السر و اخفیٰ صفت حضرت اوست

ترجمہ: وہ پوشیدہ بلکہ پوشیدہ سے پوشیدہ تر کو جانتا ہے سر و اخفیٰ جاننا اس کی صفت ہے۔

سات چوکیاں بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے پل صراط کے راستے میں سات جگہوں پر چوکیدار لگائے کھڑے ہوں گے:

(۱) ایمان کا پوچھیں گے اگر اس میں کامیابی ہوئی لیکن نفاق وریاء نہ ہوا تو نجات پا جائے گا ورنہ جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

(۲) نماز کا پوچھیں گے اگر رکوع وسجود اور صحیح اوقات میں ادا کی گئی ہیں تو نجات پا جائے گا ورنہ جہنم میں دھکیلا جائے گا۔

(۳) زکوٰۃ کے بارے میں سوال ہوگا۔

(۴) ماہِ صیام کے روزوں کے متعلق۔

(۵) حج و عمرہ کے بارے میں۔

(۶) وضو اور غسلِ جنابت کے بارے میں۔

(۷) والدین کے ساتھ احسان اور صلہ رحمی کے بارے میں۔

اگر ان سات چوکیوں سے بچ نکلا تو جنت میں جائے گا ورنہ جہنم میں۔ (پناہ بخدا)

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ (لیکن آدمی تو) ان ربك لبالمرصاد سے متصل ہے گویا کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کی نگرانی کے درپے اور ان کے اعمال کی جزا و سزا کے دینے کے انتظار میں ہے لیکن انسان کو اس کا خیال نہیں اس کا مطمحِ نظر اور فکر و تصور دنیا اور اس کی لذات ہیں۔

ف: سُہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ انسان سے مراد عتبہ بن ربیعہ ہے۔ اور اس آیت کا سببِ نزول بھی وہی ہے جیسے مفسرین نے فرمایا۔ اگرچہ یہ صفت عام ہے۔

اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ (جب اسے اس کا رب تعالیٰ آزمائے) اس کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو آزمانے والا کرتا ہے مثلاً اسے غنی بنا دے آسانیاں پیدا کرے، آرام و آسائش سے زندگی بسر کرنے کا موقعہ عطا فرمائے فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ (کہ اسے جاہ و نعمت دے) یعنی اسے گرامی قدر بنا دے جاہ و اقتدار (کرسی) بخش دے اور نعمتوں سے نوازے اور اس پر معاش فراخ کرے اور اس کا ہر کام آسان بنا دے۔ فاء تفسیریہ ہے اس لیے کہ اکرام و تنعیم عین الابتلاء ہیں۔ فَيَقُوْلُ تو فخراً کہتا ہے رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ میرے رب تعالیٰ نے مجھے عزت دی اس کے ساتھ جو عطا فرمایا جاہ و مال اس کے موافق جس کا وہ مستحق تھا اس کے دل میں خیال تک نہیں ہوتا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے تاکہ وہ اسے آزمائے کہ اس پر شکر کرتا ہے یا ناشکری۔ یہ خبر ہے مبتداء کی یعنی الانسان کی اور فاء اما یا شرط و ظرف کے معنیٰ میں ہے نیت تاخیر پر گویا کہا گیا لیکن انسان کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری تکریم کی ابتلاء کے وقت انعام کے ساتھ اور اس کی تقدیم اس کی آگاہی کے لیے ہے کہ یہ اکرام و تکریم بطریق ابتلاء کے ہے تاکہ واضح ہو اس کا قول جس کی حکایت کی گئی معلوم ہوا کہ اذا محض ظرفیہ ہے اور یہ فاء مانع نہیں کہ اس کا مابعد ماقبل پر عمل کرے وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ (اور اگر آزمائے) یہاں ھو مقدر ہے اصل عبارت یوں ہے واما ھو اذا ما ابتلٰه دونوں فقروں میں اما کا بعد اسم ہو تاکہ دونوں جملے برابر ہو جائیں فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ (اور اس کا رزق اس پر تنگ کرے) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مشیت پر باقتضائے حکمتِ بالغہ اس کی روزی تنگ کرے اور صرف اتنا عطا فرمائے جو اسے کفایت کرے فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ

تو (اضطراب و پریشانی میں) کہتا ہے میرے پروردگار نے مجھے خوار کیا فقر و فاقہ سے' اور اس کے دل میں یہ تصور تک نہیں ہوتا کہ اس میں اس کی آزمائش ہے کہ وہ اس پر شکر کرتا ہے یا جزع فزع، حالانکہ یہ اس کی کوئی اہانت نہیں (بلکہ امتحان ہے) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ اھانہ فقدر علیہ رزقہ (اسے خوار کیا اور اس کی روزی تنگ کی) جیسے پہلے اس کے بالمقابل کہا اکرمہ و نعّمہ بلکہ اسے یاد رہنا چاہیے کہ کبھی تنگ دستی سعادتِ دارین تک پہنچاتی ہے اس تنگ دست کو جو تنگ دستی پر صبر کرتا ہے اس کا آخرت میں تنگدستی سے مکرم ہونا تو ظاہر ہے اور دنیا میں اس لیے کہ دشمن اس کی ایذاء کے طمع سے باز رہیں گے اور دنیا و ثروت والے (اہلِ دنیا) اسے اللہ والا سمجھ کر اس کے پاس آئیں گے اور دعاء کے طالب ہوں گے ورنہ کاروبار کی وسعت کبھی ناشکری کی وجہ سے دارین کے گھاٹے تک پہنچاتی ہے یہ اس کے لیے استدراج ہے (کہ مال و دولت کے گھمنڈ میں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا) ؎

اے دل اگر بدیدۂ تحقیق بنگری

درویشی اختیار کنی بر توانگری

ترجمہ: اے دل! اگر تُو تحقیق کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو درویشی کو تونگری (دولتمندی) پر ترجیح دے۔

ف: کبھی تنگدستی انسان کے تعظیم و اکرام کا موجب بنتی ہے وہ اس طرح کہ نعمت (دولت) میں مشغول ہو کر منعم کی یاد سے محروم نہیں، یہی توجہ الی الحق اور سلوک الی اللہ کا وسیلہ ہے کہ کسی شے سے متعلق نہیں صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگائے ہوئے ہے۔

اصحابِ صُفّہ کا حال

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ستر (صحابہ) اصحاب صُفّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے کہ کسی کو صرف تہ بند میسر ہے کسی کو فقط چادر۔ کسی کے پاس صرف اتنا کپڑا ہے کہ گردن میں باندھ کر نیچے اپنا ستر چھپائے ہوئے ہے، کسی کا تہبند صرف نصف پنڈلی تک ہے وہ بھی اتنا چھوٹا ہے کہ ہاتھ سے پکڑ کر چلتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ستر کھل جائے۔

سبق: اس پر غور کرو کہ کیا یہ ان لوگوں کی اہانت ہے، حالانکہ یہ خاصانِ خدا حضرات تھے۔

ف: مومن یا مقامِ شکر میں ہے یا مقامِ صبر میں۔

حدیث شریف: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

الایمان نصفان نصف صبر و نصف شکر۔

ایمان دو نصف ہے ایک نصف صبر اور دوسرا نصف شکر۔

(۱) صوفی از فقر چوں در غم شود — عین فقرش دایہ و مطعم شود
(۲) زانکہ جنت از مکارہ رستہ است — رحم قسم عاجز اشکستہ است
(۳) آنکہ سرہا بشکند او از علو — رحم حق و خلق ناید سوئے او

ترجمہ :(۱) صوفی جب فقر سے غمگین ہوتا ہے وہی فقر اس کا مربی اور طعام کھلانے والا ہوتا ہے۔

(۲) اس لیے کہ جنت بھی تکالیف میں پیدا ہے رحم بھی قسم عاجز اور شکستہ ہے۔

(۳) جس کا سر اُوپر سے ٹوٹتا ہے رحم حق و خلق اس کی طرف نہیں آتا۔

تفسیر صوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ فیقول ربی اھانن کا مطلب ہے کہ نالائق انسان کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل و خوار کر کے چھوڑا لیکن وہ محجوب مسکین یہ نہیں جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے رحمت و شفقت سے نوازتا ہے اس لیے کہ اسے عالمِ طبیعی سے عالمِ روحانی کی طرف جذبۂ رحمانیہ اور عالم نفس سے عالمِ قلب کی طرف اور عالمِ فرق سے عالم جمع کی طرف اور عالمِ فراق سے عالمِ وصال کی طرف کھینچا۔

تفسیر عالمانہ کَلَّا (یوں نہیں) زجر و توبیخ انسان کو اس کلام سے جو اس سے صادر ہوا اور اس کی دونوں کی تکذیب سے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ میں نے اسے غنی کیا اس کی کرامت سے اور نہ ہی فقیر بنایا اس کی ذلت سے، بلکہ یہ محض قضاء و قدر ہے۔ یہ تعلیل بلا علل ہے۔

بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ (بلکہ تم یتیم کا اکرام نہیں کرتے)

ربط : انسان کے بُرے اقوال سے انتقال کر کے اس کے بُرے افعال کے بیان کی طرف اور غیب سے خطاب کی طرف التفات ہے تاکہ آگاہی ہو کہ انسان کی گزشتہ بری عادت کا تقاضا ہے کہ اسے سامنے کر کے توبیخ کی جائے تاکہ اس کی جھڑک تشدید اور اس کی تشنیع میں تاکید ہو اور جمع کا صیغہ انسان کے معنیٰ سے ہے کیونکہ مراد جنس ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ بلکہ تمہارے لیے شر کے لحاظ سے احوال سخت تر ہیں اور تمہارا مال پر لٹو ہونا زیادہ ذلیل امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال دے کر مکرم کیا لیکن اس میں جو تم پر حق لازم ہے وہ ادا نہیں کرتے یعنی یتامیٰ وغیرہ کو خوراک و پوشاک وغیرہ نہیں دیتے ہو وہ بھی بنی آدم (اور تمہارے بھائی) ہیں۔

ف : یتیم وہ ہے جس کا باپ فوت ہو جائے جبکہ وہ ابھی نابالغ ہے اور جانوروں میں وہ جس کی ماں مر جائے۔

حدیث شریف: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

احب البیوت الی اللہ بیت فیہ یتیم مکرم۔ — اللہ تعالیٰ کو اس گھر سے بہت محبت ہوتی ہے جس میں یتیم کی عزّت کی جاتی ہو۔

ف

برحمت بکن آبش از دیدہ پاک
بشفقت بیفیانش از چہرہ خاک

ترجمہ: رحمت سے آنکھوں سے پانی صاف کر۔ شفقت سے اس کے چہرے سے چہرہ صاف کر۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے کہ یتیم سے بلا اجرت استخدام (خدمت کرانا) حرام ہے اگرچہ بھائی خدمت کرائے یا معلّم (استاد) سوائے ماں کے۔ ہاں معلّم صرف اتنا کام کرا سکتا ہے کہ اسے کہے کہ اپنے ہم سبق بُلالائے۔ کما فی القنیہ۔

وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ (اور رغبت نہیں دیتے ہو) ایک تاء محذوف ہے دراصل تتحاضّون تھا

حلِ لغات: الحض، الحث (رغبت دلانا، برانگیختہ کرنا) التحریض، الحض کا ایک معنیٰ ہے اور بعض تمہارا دوسرے بعض کو برانگیختہ نہیں کرتا اور اس پر ترغیب دلاتا ہے نہ اپنے اہل کے لیے نہ دوسرں کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعام کے شکر میں۔

عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ (مسکین کے کھلانے کی) یعنی جنس مسکین کو کھلانے کی، جب وہ دوسرں کو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا خود کیا کھلائے گا۔ خلاصہ یہ ہُوا کہ تم نہ خود مسکینوں کو کھلاتے ہو نہ دوسروں کو ترغیب دیتے ہو۔ اس میں بخیل کو شدید مذمت ہے۔

شانِ نزول: مقاتل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قدامہ بن مظعون یتیم امیّہ بن خلف کی زیر نگرانی تھا، وہ اس کے حقوق ادا نہ کرتا تھا اس پر نازل ہُوا۔

وَتَاْکُلُوْنَ التُّرَاثَ (اور میراث کا مال کھاتے ہو)

حلِ لغات: تُراث دراصل وراثُ تھا، واؤ تاء سے تبدیل ہُوئی۔ میراث وہ مال جو میّت سے منتقل ہو۔

اَکْلًا لَّمًّا (ہپ ہپ کرکے)

حلِ لغات: لَمٌّ بمعنی جمع، کہا جاتا ہے کتیبۃ ملمومۃ مجتمعۃ بمعنی ایک دوسرے پر مجتمع۔ اب

معنیٰ یہ ہُوا کہ کھانا جمع والا یہاں مضاف محذوف ہے یعنی حلال و حرام کو جمع کر کے اس لیے کہ وہ بچوں اور عورتوں کو وراثت نہیں دیتے تھے ان کے حصص خود کھا جاتے تھے۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ اہلِ عرب کے پاس ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی میراث (دین) تھی انہوں نے اسے اور اس کے علاوہ دوسرے اسلامی شعار کو تبدیل کر دیا، یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے مورث نے جو حلال و حرام جمع کر کے چھوڑا اب یہ جانتے ہیں کہ وہ مشتبہ مال ہے تب بھی کھا رہے ہیں۔

وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا اور مال کی نہایت محبت رکھتے ہو بہت زیادہ حرص و طمع سے اور حقوق منع کر کے اور ان کو نفع نہ دے کر۔

حلِ لغات : جمّ الماء فی الحوض (حوض میں پانی جمع اور بہت زیادہ ہوگیا)

ف : اس سے ان کی مذمت بیان کرنا مطلوب ہے کہ وہ مالِ دنیا کے کتنے حریص ہیں بلکہ وہ ایسے نالائق ہیں کہ وہ آخرت سے بھی رُوگرداں ہیں۔

فائدہ صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ہر انسان کی حُبِ دنیا طبعی ہے اس سے کلی طور کوئی چھٹکارا نہیں پا سکتا ہاں مگر اقویاء (انبیاء و اولیاء)۔

مسئلہ : اشارہ ہے کہ حُبِّ دنیا میں شدّۃ نہ ہو تو مذموم نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ بعض اکابر نے فرمایا کہ وہ اعمال سیّئہ نفسانیہ اور احوال قبیحہ ہوائیہ کے مال میں نہایت محبّت کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ **کَلَّآ** (ہاں ہاں) افعال و تروک مذکورہ سے انہیں زجر و توبیخ اور انکار ہے یعنی حرص علی الدنیا و قصر ہمت اس کی تحصیل و جمع میں حرص اچھی نہیں جب کہ وہ حلال و حرام سے جمع کیا گیا ہے اس سے انس و پیار ترک کرنا ضروری ہے اور اس خیال میں نہیں رہنا چاہیئے کہ اس کا کوئی حساب نہ ہوگا اسے معلوم ہو کہ اس کا انجام حسرت و ندامت ہے کہ حیاتِ دنیویہ فانیہ کو حیات اخرویہ باقیہ پر ترجیح دی جائے **اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا** (جب زمین ٹکرا کر پاش پاش کر دی جائے گی) جملہ مستانفہ بطریق وعید اور زجر و توبیخ کی تعلیل ہے۔

حلِ لغات : دَكٌّ (الدق) کُوٹنا۔ کہا جاتا ہے دککت الشئ ادکہ دکًّا میں نے اسے کوٹ کر زمین کے برابر کر دیا۔ الخلیل[1] نے کہا الدّک دیوار اور پہاڑ توڑنا و دکتہ الحمّٰی دکًّا اسے بخار نے خوب جھنجھوڑا۔ اور المبرد نے کہا کہ الدّک اونچی جگہ کو دراز کر کے بچھانا یعنی کُوٹ کُوٹ کر برابر کر دینا

ف : دوسرا دکًّا پہلے کی تاکید نہیں بلکہ وُہ پہلے کا غیر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جب زمین مسلسل ایک دوسری

---

[1] الخلیل، لغت کا امام ہے۔ اویسی غفرلہٗ

سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیگی اور جو اس کے اوپر ہو گا وہ سب چلا جائے گا یعنی نہ پہاڑ رہیں گے نہ محلات (مکانات) وغیرہ جب پے در پے بار بار ٹکرائے گی اور اڑتی غبار کی طرح ہو جائیگی یہ وہ وقت ہے جب نفخ ثانی ہو گا۔

وَّجَاۤءَ رَبُّكَ (اور تمہارے رب کا حکم آئے) اور اس کی قدرت کی آیات اور اس کے قہر کے آثار ظاہر ہوں گے جیسے بادشاہ کے سامنے ظاہر ہو جاتا ہے جو ظاہر ہونے کے لائق ہے جب اس کے قہر و جلال اور دبدبہ و ہیبت کے احکام جاری ہوتے ہیں کہ اس وقت دوسروں کے سامنے ظاہر نہ ہونیوالی باتیں بھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔

ف: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی جاء امرہ وقضاؤہ یعنی تہویل (ہولناکی) کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مظہر جلالی قہری میں جلوہ گر ہو گا۔

تفسیر عالمانہ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا اور میدانِ حشر میں فرشتے آئیں گے قطار قطار، درانحالیکہ صف باندھے ہوں گے یا صفوں والے ہوں گے کیونکہ اس وقت تمام آسمانوں کے فرشتے قطار قطار ہو کر اُترینگے اپنی منازل و مراتب کے اعتبار سے پھر ایسے صف بستہ ہوں گے جیسے دنیا میں انس و جن نماز کی صفیں بناتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والملك على ارجائها فهم سبعة	اور فرشتے زمین کے کناروں پر ہونگے اور
صفوف عدد السمٰوٰت السبع۔	وہ سات صفیں ہوں گی آسمانوں کی گنتی کے برابر۔

وَجِاۡیْٓءَ یَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ (اس دن جہنم لائی جائے) یہ ایسے ہے جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: وبرزت الجحیم (اور دوزخ ظاہر کی جائے) اس کا آنے سے اظہار مراد ہے یہاں تک کہ اس کے اپنی جگہ پر ثابت ہونے کے باوجود تمام مخلوق دیکھے گی کیونکہ سب کو معلوم ہے کہ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹے گی۔ باء تعدیہ کی ہے اور جہنم نائب فاعل ہے جیء کا۔

جہنم کی ستّر باگیں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مقاتل نے فرمایا کہ جہنم کو ستّر ہزار فرشتے ستر ہزار باگوں سے کھینچ کر عرشِ الٰہی کے بائیں جانب کھڑا کر دینگے اس سے چنگھاڑ اور سخت آوازیں ہوں گی، جو کفار کو دیکھ کر جوش و خروش کرے گی۔ اس میں سرکش کفّار

ڈالے جائیں گے ورنہ تمام مجمع کو جلادے گی اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام گھٹنوں کے بل پڑے ہوں گے اور کہیں گے نفسی نفسی، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں گے اور فرمائیں گے امتی امتی۔ دوزخ عرض کرے گی:

• مالی ومالک یا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) لقد حرم لحمك علیّ۔ (ص ۴۳۰)	آپ اور میں (ایک دوسرے سے دور) اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا جسد اطہر مجھ پر حرام فرمایا ہے۔

ف: اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ جہنم اپنی جگہ سے ہٹائی جائیگی کیونکہ کھینچنا اپنی جگہ سے ہٹ جانے کی دلیل ہے۔ اس کی تاویل متقدمین نے یہ بتائی ہے کہ کھینچنا مجازی معنیٰ ہے اس سے کہ اس کے ظہور کے اسباب تیار کریں گے۔

کعبہ معظمہ کا اولیاء کرام کی زیارت کے لیے جانا

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اسے مجاز پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ

خان بعض الامکنۃ کالکعبۃ تزور بعض الخواص بالایجاد والاعدام اللذین ھما اسرع شئ من طرفۃ العین (ص ۴۳)	بعض جگہیں جیسے کعبہ بعض خواص (اولیاء) کی زیارت کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کی ایجاد واعدام سے وہ آنکھ جھپکنے سے بھی تیز تر ہیں۔

اس دلیل سے ثابت ہوا کہ دوزخ کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا بعید از قیاس وشروع نہیں وہ بھی اسی قبیل سے ہو کیونکہ اس دن زمین وسیع تر ہوگی جیسے گزرا کہ اتنا وسیع کہ اس میں دوزخ بھی سما جائے گی اور تمام اہل محشر بھی، نیز اس کا آنا صورۃ مثالیہ سے ہو اور اس میں اختلاف نہیں جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلیے کعبہ معظمہ میں بیٹھے کے وقت سامنے بیت المقدس کو دیکھ کر کفار قریش کے سوالات کے جوابات دئے۔ جب معراج کی واپسی پر آپ سے کفار قریش نے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھیں

یَوْمَئِذٍ (اس دن) اذا دکت الخ سے بدل ہے اس میں عامل ہے یَتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ (آدمی سوچے گا) کہ اس سے کتنی کوتاہیاں ہوئیں تفصیل سامنے آجائے گی تمام کوتاہیوں کے آثار واحکام کا مشاہدہ کرے گا یا آنکھوں سے معائنہ کرے گا کیونکہ آخرت میں اعمال جسمانی شکل اختیار کرلیں گے تو

---

[1] کعبہ معظمہ کا اولیاء کرام کی زیارت کو جانا حق اور ثابت ہے اس میں شرعی ثبوت بے شمار ہیں فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب "القول الجلی فی ان الزیارۃ الی زیارۃ الولی" کا مطالعہ کیجئے۔ اویسی غفرلہٗ

حسنات وسیئات کی مناسبت سے شکلیں نظر آئیں گی یا یہ کہ نصیحت اور وہ ارشادات قبول کرے گا جو اس نے دنیا میں قبول نہ کئے اس وقت (آخرت میں) قبول کر کے کہے گا،

یا لیتنا نرد ولا نکذب بآیات ربنا ۔ کاش ہم دنیا میں لوٹائے جائیں اور ہم اپنے رب کی آیات کی تکذیب نہ کرینگے ۔

اس وقت کا نصیحت قبول کرنا ندامت کو مستلزم ہے کہ وہ اپنی کوتاہیوں پر نادم ہوگا اور ندامت کا نام توبہ ہے لیکن اس وقت توبہ قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ وقت توبہ کا نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انسان یاد کرے گا وہ غلط اعتقاد جو اس نے دنیا میں اپنا رکھے تھے اور وہ اس ہیئت میں ہو جائیں گے جو ان کے فطری مقتضیات پر ہیں اس لیے کہ ظہور الباری صفۃ قہر سے اور ملائکہ صفتِ عذاب سے اس کے لیے ظاہر ہونگے جس نے اپنے ظہور کے خلاف اعتقاد رکھا ہوگا جیسے منکر نکیر اسی صورت میں نظر آئیں گے جو اس کے اعتقادیات کی صورتیں ہوں گی ۔

تفسیر عالمانہ

وَاَنّٰی لَهُ الذِّكْرٰى (اور اب اسے سوچنے کا وقت کہاں) جملہ معترضہ ہے اس لیے لایا گیا ہے کہ یہ وقت درحقیقت نصیحت حاصل کرنے اور سوچنے کا نہیں کیونکہ اب کوشش کو یہی وقت حائل ہے اس لیے کہ یہ کوشش کا وقت نہیں اَنّٰی خبر مقدم الذكرٰى مبتدا مؤخر ہے اور لہ' کا وہی متعلق ہے جو خبر کا ہے یعنی قدفات بعض نے کہا ھناك محذوف ہے اور لام نفع کی ہے یعنی وہاں اس کے لیے ذکرٰی کا نفع کہاں ۔ اس سے وہ تناقض مرتفع ہُوا جو کہا گیا ہے کہ پہلے تذکر کا اثبات، اس کے بعد اس کی نفی ۔

ف : اللہ تعالیٰ نے ایسے ذکرٰی اور توبہ کی نفی فرمائی ہے جو نافع ہو جیسا کہ انی لہ الذکرٰی سے واضح ہے تو اس سے ہم نے یقین کر لیا کہ ایسے لوگوں کی توبہ قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے واجب نہیں جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے (معاذ اللہ، کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی توبہ قبول کرنا واجب ہے)

ف : الارشاد میں ہے کہ اس آیت سے دار التکلیف میں عدم وجوب قبول التوبہ عقلاً جیسے معتزلہ کا گمان ہے استدلال کی کوئی وجہ نہیں کہ نصیحت حاصل کرنا توبہ کے کسی شمار میں نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ توبہ صرف دنیا میں، جیسے اگلا قول خبر دیتا ہے ،

يَقُوْلُ کہے گا يٰا ہائے اے حاضرین لَيْتَنِىْ کسی طرح (کاش کہ میں) قَدَّمْتُ لِحَيَاتِىْ (میں نے جیتے جی نیکی آگے بھیجی ہوتی)، یہ یتذکر سے بدل الاشتمال یا جملہ مستانفہ ہے جو اس سوال کے

جواب میں واقع ہُوا کہ جو گزشتہ مضمون سے پیدا ہوا گویا کسی نے کہا کہ کافر تذکر کے وقت کیا کہے گا تو اس کے جواب میں کہا گیا یقول الخ کاش کہ میں نے حیاتِ دنیا میں حیات اخرویہ کی تحصیل کے لیے عمل کئے ہوتے جو کہ یہی حیات نافعہ دائمہ غیر منقطعہ ہے ایسے اعمال صالحہ جن سے آج میں نفع پاتا یا اپنی حیاۃ کے وقت میں۔ لام بمعنی فی للتوقیت ہے یا یہ معنیٰ ہے کاش کہ میں نے اعمال آگے بھیجے ہوتے جو مجھے عذاب سے نجات دیتے اور میں بھی احیاء میں شمار ہوتا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کا حال ہوگا لایموت ولایحییٰ (نہ مرے گا نہ جئے گا)۔

ردّ المعتزلہ اہلِ حق انسان سے بالکلیہ سلب الاختیار کے قائل نہیں اور اس تمنا میں اس کا شائبہ بھی نہیں کہ اس پر استدلال کیا جا سکے جیسے معتزلہ نے کہا کہ بندہ اپنے فعل میں مستقل طور تخلیق کا مختار ہے اس میں تو صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ آرزو کرے گا کہ کاش میں بھی اس اُخروی زندگی کیلئے کوئی نیک عمل آگے بھیجتا اور تو محض اللہ تعالیٰ کی قدرت پر منحصر ہے یا اللہ تعالیٰ بندے کے ارادہ کرنے پر کہ وہ اپنی قدرت کاسبہ کو عمل میں لائے تو وہ اسے پیدا کرے ورنہ بندے کا تخلیق افعال سے کیا کام۔

سوال: کبھی فعل سے مجبور آرزو کرتا ہے کہ اگر اسے اس فعل کی قدرت ہوتی یا اس کی توفیق نصیب ہوتی تو ضرور کر گزرتا۔

جواب: یہ بھی ایک اہم ہے کیونکہ متعدد بار انسان فعل کی دو طرفوں میں سے ایک طرف کی جانب اپنی قدرت صرف کر کے خیال کرے کہ وہ فعل کی دوسری طرف سے بھی مجبور ہے تو وہ اس کا وہم و گمان ہے کیونکہ ہر ایک کو یقین ہے کہ اگر کوئی اپنی قدرت کو جس طرف بھی افعال اختیاریہ میں صرف کرے تو اسے ضرور حاصل ہو جاتا ہے، اسی پر تو فلک التکلیف والزام حجۃ گھوم رہے ہیں۔

فَيَوْمَئِذٍ (تو اس دن) جس دن کہ اقوال و افعال مذکورہ ہوں گے **لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ۙ وَّ لَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ** (اس کا سا عذاب کوئی نہیں کرتا اور اس کا سا باندھنا کوئی نہیں باندھتا) ہٗ کا مرجع اللہ ہے اور عذاب بہ معنی تعذیب ہے جیسے سلام بمعنی تسلیم۔ ایسے ہی وثاق (بالفتح) بمعنی ایثاق (بیڑیوں سے باندھنا) وثاق بمعنی وہ شے کہ جس سے باندھا جائے، لوہا رسّی وغیرہ۔ ایثاق بمعنی بند کرنا سلاسل و اغلال سے اور ان میں قید کرنا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کے باندھنے کا کوئی متولی نہیں ہوگا سوائے اللہ تعالیٰ کے، کیونکہ تمام حکم اسی کے ہیں اس میں وہم تک نہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور عذاب دینے والا ہو، لیکن یہ ہے کہ اس جیسا اور کوئی عذاب دینے والا نہیں۔

ف: غیل المعانی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی اور عذاب نہیں دے سکتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں،

اور یہ بھی جائز ہے کہ ضمیر انسان کی طرف لوٹے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ انسان کو زبانیہ (دوزخ کے فرشتے) جیسا اور کوئی عذاب نہ دے گا۔ یہ دونوں قرأتیں کسائی کی ہیں اور یعقوب نے اسے بہ بنا ر مفعول پڑھا ہے، اور کشاف میں ہے کہ یہ قرأت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اور عن ابی عمرو کہ آخری عمر میں اسی طرف رجوع کر لیا تھا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ انسان کو عذاب کرنے جیسا اور کسی کو نہ ہوگا۔

ف: اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ابلیس سے بھی انسان کو سخت تر عذاب ہو لیکن اس کا جواب یہ ہو کہ یہ بہ نسبت عاصی مومن کے ہے (ہم اللہ تعالیٰ سے دارین کی سلامتی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں)

يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (اے اطمینان والی جان)

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے نفس امارہ کی شقاوت بیان فرمائی تو اب نفس مطمئنہ کی سعادت کا ذکر فرمایا۔

حل لغات: الاطمینان بمعنی اضطراب کے بعد سکون) اور نفس کو سکون اس وقت نصیب ہوتا ہے جب یقین و معرفت و شہود کی آخری منزل تک پہنچے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (خبردار ذکر الٰہی سے دل مطمئن ہوتے ہیں) میں تنبیہ ہے کہ وہ عبادت الٰہی کی کثرت سے حاصل ہوتا ہے۔ جب ذکر الٰہی سے دل مقامِ اطمینان تک پہنچتا ہے تو وہ شخص مقام تلوین فی التکوین میں احکام طبعیہ و آثار بشریہ کی طرف رجوع سے امن والا ہو جاتا ہے اس لیے فانی اپنے اوصاف کی طرف نہیں لوٹتا جو مقام ترقی میں متمکن ہو وہ مقام نفس امارہ کی طرف تنزل سے چھوٹ جاتا ہے۔

ف: التعریفات میں ہے کہ نفس مطمئنہ وہ ہے جو نورِ قلب سے منور ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ صفاتِ ذمیمہ سے خالی ہو کر اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ ہوتا ہے۔

حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ نفس جو میرے ذکر میں آرام گرفتہ اور میری نعمتوں پر شاکر اور میری تکلیف پر صابر تھا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کے اکرام میں اس سے خود ہمکلام ہو کر فرمائیگا جیسے موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف بخشا یا فرشتے کے ذریعے فرمائے گا، حساب کی تکمیل کے بعد فرمائے گا اے نفس مطمئنہ **ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ** (اپنے رب تعالیٰ کی طرف واپس ہو) اس کی طرف جس کا تجھے وعدہ دیا گیا کرامتِ رب کا، کیونکہ انسان کی منتہائے غایت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور وہ اسی اعتبار سے ہے اس سے مجسمہ (فرقہ) تمسک (استدلال) ساقط (بے اعتبار) ہے۔

صوفیانہ استدلال اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ روح کی تخلیق مقدم ہے۔ رجوع بمعنی عود سے ہی صوفیہ کرام رحمہم اللہ کا استدلال ہے۔

رَّاضِيَةً یوں کہ تو اس سے راضی (دائمی نعمتوں کے دئے جانے پر) مَّرْضِيَّةً وہ تجھ سے راضی تو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے فَادْخُلِي فِي عِبَادِي میرے خاص بندوں میں داخل ہو، میرے مخلص مخصوص بندوں کے زمرہ میں وَادْخُلِي جَنَّتِي (اور میری جنت میں آ) ان کے ساتھ، جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا:

وادخلني برحمتك في عبادك الصالحين۔ اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے صالحین بندوں میں داخل فرما۔

ان کے ساتھ جنت میں اور ان کے درجات میں داخل ہو اور یہ سعادت جسمانیہ ہے۔

ف: بعض نے کہا نفس سے روح مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میرے بندوں کے ان اجسام میں داخل ہو جن سے تو جدا ہوئی اور میری دار الثواب میں داخل ہو۔ اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے جس نے کہا کہ یہ خطاب قبور میں سے اُٹھنے کے وقت ہو گا۔

ف: بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ موت کے وقت ہو گا جیسا کہ مروی ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا: اے ابو بکر (رضی اللہ عنہ) عنقریب یہی کلمات تمہیں موت کے وقت فرشتہ کہے گا۔

ف: حضرت حسن (بصری رحمہ اللہ) نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ بندے کی رُوح قبض کرنے کا ارادہ فرمائیگا تو وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف مطمئن ہو کر حاضر ہو گا اور اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گا اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی۔

مومن کی موت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب بندۂ مومن فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے جو اس کے لیے جنت کا تحفہ لاتے ہیں اسے کہا جاتا ہے اے نفس مطمئنہ چل روح و ریحان کی طرف اور تجھ سے تیرا رب راضی ہے۔ تو وہ نہایت اچھی خوشبو سونگھ کر نکلتا ہے جیسے تم میں سے کوئی ناک سے خوشبو سونگھ کر محسوس کرتا ہے۔ اور آسمان کے کناروں سے فرشتے کہتے ہیں کہ زمین سے روح طیبہ اور نسمہ طیبہ آ رہا ہے جس دروازے سے گزرتا ہے وہ اس کیلئے کھول دیا جاتا ہے کسی فرشتے کے پاس سے گزرتا ہے تو وہ اسے دعائیں دیتا ہے یہاں تک کہ اسے رب رحمٰن تعالیٰ کے ہاں پیش کرتے ہیں اور اسے ایک مقام مخصوص پر پہنچاتے ہیں جو کرامات کے مقامات میں سے ایک ہے وہ روح اللہ کو سجدہ کرتی ہے پھر میکائیل علیہ السلام کو کہا جاتا ہے کہ اسے نفیس ترین اہل ایمان میں شامل کر دے اس کے بعد اس کے لیے حکم ہوتا ہے کہ اس کی قبر وسیع تر کر دو اس کی قبر ستر ہاتھ عرض میں ستر ہاتھ طول میں وسیع ہو جاتی ہے اس کی قبر میں ریحان ڈالی جاتی ہے اگر اس کے پاس کچھ قرآن کا حصہ ہے یعنی دنیا میں

اسے حفظ کیا تھا تو اس کا نور ہی اس کے لیے کافی ہے ورنہ اس کی قبر میں سورج جیسا نور پیدا کیا جاتا ہے اس کی مثال اس دُلھن کی سی ہوتی ہے جو دُولھا کے انتظار میں سوتی ہے جسے اس کا محبوب ہی آکر جگاتا ہے۔

کافر کی موت

جب کافر مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو فرشتے بھیجتا ہے اور اس کے لیے آگ کا ایک ٹکڑا بھی بھیجا جاتا ہے جو ہر بدبودار شے سے زیادہ بدبودار اور سخت شے سے سخت تر، اسے کہا جاتا ہے اے خبیث! نفس جہنم کے دردناک عذاب کی طرف چل اور تجھ پر تیرا رب تعالیٰ ناراض ہے۔

ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی موت کا منظر

حضرت سعید بن جبیر (تابعی، رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی موت طائف میں واقع ہوئی اور میں بھی ان کے جنازہ کے وقت موجود تھا، دیکھا کہ ایک پرندہ آیا اور آپ کے کفن میں داخل ہوا لیکن باہر نہ نکلا پھر جب ہم نے انہیں قبرانور میں داخل کیا تو آواز آرہی تھی لیکن نظر کوئی نہیں آتا تھا وہ آواز یہی تھی یٰایتھا النفس ارجعی الخ۔

ف : اللہ یتوفی الانفس حین موتھا (نفسوں کو اللہ تعالیٰ خود فوت کرتا ہے اس کی موت کے وقت) سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض خوش بختوں کی رُوحیں اللہ تعالیٰ خود قبض کرتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

(۱) بعض اہلِ اشارہ (صوفیہ کرام) نے فرمایا کہ وُہ نفس جو دنیا میں مطمئن تھا اب اسے چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر اور آخرت کے راستہ پر چل کر میرے اُخروی بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت صوریہ و معنویہ میں آ ؎

اے باز ہوا گرفتہ باز آی و مرو
کز رشتہ تو سری درانگشت منست

ترجمہ : اے بازِ خواہشات کا گرفتار لوٹ آ ادھر نہ جا کہ تیرے دھاگے کا سرا میرے قبضے میں ہے۔

(۲) حضرت قاشانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اے وہ نفس کہ جس پر سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور جو نورِ یقین سے منور رہے اور وہ اضطراب سے اللہ تعالیٰ کی طرف مطمئن ہے اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹ حالت رضا میں یعنی جب تیرے لیے صفات کا کمال مکمل ہو جائے تو اس پر نہ ٹھہر بلکہ ذات کی طرف رجوع کر حال رضا میں کہ وہی مقام صفات کا کمال ہے اور اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا نہیں ہوتا جب تک اللہ بندے سے راضی نہ ہو جیسے فرمایا : رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ (اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے) پھر داخل ہو جا میرے ان بندوں میں جو میرے مخصوص ہیں یعنی توحید ذاتی والوں میں اور میری جنت خاص میں آ وہ ہے جنۃ اللذات۔

(۳) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع اس میں فنا پا کر منازل و مقامات طے کرکے راضی ہو نتائج السلوک الی اللہ اور سیر فی اللہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہو کر بقار کی خلعت پہن کر داخل میرے ان بندوں میں جو میرے ہیں اور میری صفات میں بقا والے ہیں اور میری ذات کی جنت میں آ اپنی ذات و انانیت کو فنا کرکے۔

فراغت صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ سورۃ والفجر کی تفسیر سے ذوالمنن والحجر کی مدد سے مولد نبوی کے اواخر میں ۱۱۱۷ھ میں فراغت ہوئی۔

فراغت مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورہ والفجر کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۸ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۵ فروری ۱۹۸۹ء شب اتوار فراغت پائی۔ (الحمد للہ علیٰ ذلک)

سُورَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۲۰ رُكُوْعُهَا ۱

سورۂ بلد مکیہ ہے — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — اس میں بیس آیتیں ہیں

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۱ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝۲ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝۳ لَقَدْ

مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو اور تمہارے باپ ابراہیم کی قسم اور اس کی اولاد

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝۴ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۝۵ يَقُوْلُ

کی کرم ہو بیشک ہم نے آدمی کو مشقت میں رہتا پیدا کیا کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ ہرگز اس پر کوئی قدرت نہیں پائے گا کہتا ہے میں نے

اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝۶ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۝۷ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝۸

ڈھیروں مال فنا کر دیا کیا آدمی یہ سمجھتا ہے کہ اسے کسی نے نہ دیکھا کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں

وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝۹ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝۱۰ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝۱۱ وَمَآ

اور زبان اور دو ہونٹ اور اسے دو ابھری چیزوں کی راہ بتائی پھر بے تامل گھاٹی میں نہ کودا اور تو نے

اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝۱۲ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝۱۳ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝۱۴

کیا جانا وہ گھاٹی کیا ہے کسی بندے کی گردن چھڑانا یا بھوک کے دن کھانا دینا

يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝۱۵ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝۱۶ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا

رشتہ دار یتیم کو یا خاک نشین مسکین کو پھر ہو ان سے جو ایمان لائے اور انہوں

بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝۱۷ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۱۸ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

نے آپس میں صبر کی وصیتیں کیں اور آپس میں مہربانی کی وصیتیں کیں یہ داہنی طرف والے ہیں اور جنہوں نے ہماری

بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝۱۹ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝۲۰

آیتوں سے کفر کیا وہ بائیں طرف والے ان پر آگ ہے کہ اس میں ڈالکر اوپر سے بند کر دی گئی

سورۃ البلد کی بیس آیات ہیں مکیہ یا مدنیہ ہے سوائے پہلی چار آیات کے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ (مجھے اس شہر کی قسم) بلد الحرام کی قسم یاد فرمائی یعنی مکہ معظمہ کی۔ لا صلہ کا کلمہ ہے اس پر دلیل ہے وہ آیت جو سورۃ التین میں البلد الامین کی قسم یاد فرمائی ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ لا قسم کی تاکید کے لیے ہے، جیسے اہل عرب کہتے ہیں:

لا واللہ ما فعلت کذا الا واللہ لا فعلن کذا۔ بخدا ایسا کام میں ہرگز نہ کروں گا۔

حل لغات : البلد مکان محدود ساکنین کے اجتماع سے متاثر اور ان کا اس میں مقیم ہونا۔ اس کی جمع بلاد و بلدان آتی ہے مکہ معظمہ کی اللہ تعالیٰ نے قسم یاد فرمائی اس کی فضیلت کی وجہ سے، کیونکہ حرم امن اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت گاہ اور آپ کے اب گرامی سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے جدِ امجد سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کا بسیرہ ہے اور اسے مشرق و مغرب (شمال و جنوب) کا قبلہ بنایا، اور بیت ہے حج کا اور عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ، اور بیت المعمور اس کے مقابل ہے۔

وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ کہ اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔ یہ مقسم بہ سے حال ہے اور انت کا خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قرآن مجید میں چار ہزار نام پاک مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چار ہزار نام گنائے ہیں کہیں صراحۃً کہیں کنایۃً۔

حلِ لغات الحل بمعنی الحال (مقیم) از حُلُول (نزول) یعنی در انحالیکہ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ تشریف فرما ہیں مکہ معظمہ میں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مکہ معظمہ میں رونق افروز ہونے کی قسم یاد فرمانا آپ کی فضیلت کا اظہار ہے کہ وہ خود بھی شرافت والا ہے لیکن حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تشریف فرما ہونے سے اسے اور چار چاند لگ گئے۔

قاعدہ کسی مکان کی شرافت (بزرگی) ذاتی نہیں ہوتی مکین کی وجہ سے ہوتی ہے، مکہ معظمہ ہو یا کوئی اور مکان۔ اس کی اگر کوئی شرافت ہو تو مکین کی وجہ سے، اور مزید مشرف ہو جانا۔

قدم النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شرافت نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدم مبارک جہاں پہنچے جیسے مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ وغیرہما اس مکان و جگہ کی حرمت و عظمت کی محافظت کی جائے[1]۔

ف : اسی لیے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ طیبہ کا نام طابہ رکھا کہ وہ آپ کی وجہ سے طیبٌ اطیب ہوا اور اس میں آپ اقامت پذیر ہوئے، اس میں اہلِ مکہ کو تعریض ہے کہ وہ اپنی جہالت سے کہتے

---

[1] ترک بادشاہوں نے اس پر خوب عمل فرمایا حرمین طیبین میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جملہ آثار و تبرکات کی خوب حفاظت کی لیکن جب سے نجدیوں نے وہاں قدم جمایا ہے تمام تبرکات کو مٹا دیا ہے۔ فقیر نے ”قدم النبی“ پر ایک رسالہ لکھا ہے وہ ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

ہیں کہ (معاذ اللہ) وہ یہاں سے اسے نکال دیتے ہیں جو اس میں مزید شرافت رکھتا ہو اور اسے ایذار دیتے ہیں

اے کعبہ را ز یمن قدوم تو صد شرف — وے مردہ را ز مقدم پاک تو صد صفا

بطحا ز نور طلعت تو یافتہ فروغ — یثرب ز خاک تو با رونق و نوا

ترجمہ: اے محبوب مدینہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ کی تشریف آوری سے کعبہ کو صدہا شرافتیں نصیب ہوئیں اور مُردے کو آپ کی آمد پاک سے ہزار صفائی (زندگی) ملی آپ کی طلعت نورانی سے بطحا کو فروغ ملا۔ یثرب (مدینہ کا پہلا نام) کو آپ کی خاکِ پا سے رونق و عزت ملی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں وجودِ انسانی کے مکہ شہر اور اس میں مقیم بجانبِ بائیں رسول قلب کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَوَالِدٍ تمہارے باپ کی قسم، اس کا عطف ھذا البلد پر ہے۔ اس سے ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں اور تنکیر تفخیم کی ہے وَّمَا وَلَدَ اور اس کی اولاد کی، اور وہ وجنا۔ یعنی اسماعیل علیہ السلام، کیونکہ وہی آپ کے صاحبزادہ ہیں بلاواسطہ اور حضور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مراد ہیں کیونکہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں بواسطہ اسماعیل علیہ السلام ہیں اس معنیٰ پر دو جگہوں میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم ہے۔

نکتہ: مَن کی بجائے مَا فرمایا کہ اس میں تعجب کا معنیٰ ہوتا ہے، اس پر تعجب دلانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کمال بخشا ہے جیسے تعجب کے معنیٰ کو واللہ اعلم بما وضعت (اللہ خوب جانتا ہے اس کو جسے جنا) میں بیان فرمایا کمال کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے بی بی مریم کو بخشا۔ یا والد سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں اور ما ولد سے آپ کی اولاد، یہی زیادہ موزوں ہے مضمون جواب کے لیے تفخیم جو ما سے حاصل ہے اس میں تغلیب کا اعتبار ضروری ہے یہ وصف الکل بوصف البعض کے قبیل سے ہے اس معاملہ سے تعجب دلانے کے لیے جس میں تمام شریک ہیں جیسے نطق و بیان اور صورت بدیعہ (عجیبہ) وغیرہ

مسئلہ اُمت کے باپ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (۱) بعض نے کہا کہ والد نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ما ولد سے آپ کی اُمتِ مرحومہ مراد ہے۔

(۲) خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی فرمایا کہ:

انما انا لکم مثل الوالد اُعلمکم امر دینکم۔ — میں تمہارے لیے باپ کی مانند ہوں میں تمہارے دینی معاملات خوب جانتا ہوں۔

(۳) آپ نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا،

انا و انت ابو اھٰذہ الامۃ۔ — میں اور تم اس اُمت کے باپ ہیں۔

(۴) اسی طرف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کل سبب ونسب ینقطع یوم القیامۃ الا سببی ونسبی۔ — ہر سبب ونسب قیامت میں منقطع ہوجائیگا سوائے میرے سبب ونسب کے۔

ف: سبب سے دین اور نسب سے تقویٰ مراد ہے۔

(۵) خود اللہ تعالیٰ نے بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہلِ ایمان کا باپ فرمایا ہے چنانچہ فرمایا:

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم۔ — نبی علیہ السلام اہلِ ایمان کے قریب ترہیں ان کی جانوں سے، اور آپ کی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں۔

اور بعض قراآت میں ہے:

وھواب لھم (اور آپ ان کے باپ ہیں)

اور ظاہر ہے کہ ازواجِ مطہرات کا مائیں ہونا آپ کے باپ ہونے کو مستلزم ہے۔

(۶) قاعدہ ہے کہ جو کسی شے کی ایجاد و اصلاح یا ظہور کا سبب ہو وہ اس شے کا اب کہلاتا ہے اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انا من اللہ والمؤمنون من فیض نوری۔ (ج ۱۰، ص ۴۳۴) — میں اللہ سے ہوں اور مومنین میرے فیض نور سے ہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ نے امت کی قسم یاد فرمائی کہ اس کی فضیلت کی وجہ سے، اور اس کی فضیلت میں فرمایا

وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطاً۔ — اور ہم نے تمہیں امتِ وسط (فضیلت والی)

لے اسے خوارج تو شاید نہ مانیں لیکن روافض سے خلافت بلا فصل کی دلیل بنالیں تو اس کا مفہوم ظاہر ہے کہ یہاں ابوّت سے تربیت مراد ہے اور ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد خلافت ثلاثہ تک صحابہ کی جماعت بکثرت رہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ولایت کی تربیت کا سلسلہ جاری ہوا اور اسی سلسلۂ ولایت کی تربیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ابو الامۃ ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے ابراہیم روح کی طرف اور اسمٰعیل سِر کی طرف، یا رُوح (آدم) اور سِر (ابراہیم) کی طرف اشارہ ہے یا روح القدس جو نفوس انسانیہ حقیقی اَب ہے کی طرف اشارہ ہے، جیسے عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا:

انی ذاھب الی ابی وابیکم السماوی۔ میں اپنے اَب اور تمہارے سماوی اَب کی طرف جانے والا ہوں۔

فرمایا:

تشبھوا بابیکم السماوی۔ اپنے آسمانی باپ سے مشابہت اختیار کرو۔

اور **ما ولد** سے نفس مراد ہے جو روح القدس کا مولود ہے۔ یا اللہ تعالٰی نے روح قدس نفس ناطقہ کی قسم یاد فرمائی ہے۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ بیشک ہم نے انسان کو مشقت میں رہتا پیدا کیا) جواب قسم ہے۔

حل لغات: کہا جاتا ہے، کبد الرجل کبدا (مرد کے جگر میں درد ہوا اور سُوج گیا) جب جگر کو ... جیسے کہا جاتا ہے: ذکرتہ (میں نے اس کا ذکر کاٹا) اور رأیتہ (میں نے اس کا پھیپھڑا کاٹا) پھر ... سے ہر دکھ درد اور مشقت میں اس کا استعمال ہوتا ہے اسی سے مکابدۃ ہے بمعنی شدت ومشقت کا ... ہونا اور مبتلا ہونا۔ فی کبد الانسان سے حال ہے بمعنی مکابد، اور حرف فی ولام متقارب ہیں۔ جیسے ... جاتا ہے، انما انت للعناء والنصب (تو دکھ درد اور مشقت کے لیے ہے) وانما انت فی العناء والنصب (... دکھ درد اور مشقت میں ہے) (ایک ہی مطلب ہے)، اس کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ فی کبد دلالت ... ہے کہ اسے دکھ درد ایسے محیط ہے جیسے ظرف مظروف کو۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ بیشک ہم نے انسان کو دُکھ اور مشقت میں پیدا کیا باوجودیکہ وہ ضعیف ترین مخلوق ہے اور یہ کہ ہمیشہ گوناگوں تکالیف اور مشقتوں کا ... بنا رہتا ہے اس کا مبدا رحم کی ظلمت اور تنگی اور منتہٰی موت اور اس کے مابعد کے شدائد وتکالیف۔

ابن آدم بلایا ومصائب وتکالیف میں گھرا رہتا ہے اتنا اور کوئی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ لفظ کبد میں تمام دنیا کے شدائد شامل ہیں انسان کی پیدائش کے وقت ناف کاٹنے سے ... کفن میں محبوس ہونے تک، ایسے ہی ختنہ کی تکلیف اور اس کے درد اور تکلیف، ایسے ہی معلم (استاد)

---

* حلقوم کا نچلا حصّہ۔

کی مار اور اس کی ہیبت، اور ایسے ہی تزوج (نکاح و بیاہ) اور اولاد اور خدام اور گھریلو مشاغل، پھر بڑھاپا اور زندگی کے لمحات بڑھاپے کی منزل میں یہ جملہ مصائب و مصائب ہی ہیں اور زندگی میں کتنے مصائب و مشکلات ہوتے ہیں جن کا شمار ناممکن ہے مثلاً دردِ سر، داڑھوں کا درد، موسم کے لحاظ سے آنکھوں کی دردوں میں مبتلا ہونا بیٹن کا غم اور الم وغیرہ وغیرہ، ایسے ہی شدائد و تکالیف میں شامل ہے نعمتوں پر شکر تکالیف میں صبر ایسے ہی ادائے عبادات پر مشقت اور تکلیف جیسے روزہ، نماز، زکوٰۃ، حج و جہاد اس کے بعد موت کی شدت اور نکرین کے سوالات وظلمۃ القبر پھر قبر سے اٹھنا، محاسب فرشتے کے سامنے پیش ہونا یہاں تک کہ قرارگاہ تک پہنچے بہشت یا دوزخ میں، جیسے فرمایا:

لتركبن طبقاً عن طبقٍ (ضرور تم منزل بہ منزل چڑھو گے)

ف: امام (فخر الدین رازی رحمہ اللہ) نے فرمایا دنیا میں لذت کا کوئی تصور نہیں جسے لوگ لذت تصور کرتے ہیں وہ دراصل دُکھ درد سے خلاصی ہے۔ مثلاً کھانے میں لذت بھوک کے درد والم سے اور لباس پہننے میں گرمی و سردی سے چھٹکارا پانا ہے کیونکہ انسان کو یا درد و الم ہے یا اس سے چھٹکارا۔

ف: اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی ہے اس سے جو آپ کو کفارِ مکہ سے تکالیف وغیرہ پہنچتی تھیں۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ انسان یقین وجودی کی قید میں مقید ہے تعین و تقیید کے دکھوں میں پیدا کیا گیا ہے اور اس سے مطلق اور نورِ مطلق سے محرومی ہے اور یہی سب سے بڑا دُکھ اور تکلیف ہے اس لیے کہ تعین کی قید کا قیدی حرمان مطلق کے عذاب میں مبتلا ہے۔

(۲) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو اس دُکھ اور تکلیف میں مبتلا فرمایا جو اسے نفس و ہوا اور مرض باطن اور فساد قلب اور غلیظ حجاب سے پہنچے گا اس لیے کہ کبد دراصل جگر کا وہ گاڑھا پن ہے جو قوتِ طبیعیہ کے مبدا میں ہے اور اس کا فساد اور فساد القلب اور اس کا حجاب اسی قوت سے ہے غلظ الکبد حجاب القلب کے گاڑھے پن (غلظ) اور مرض الجہل کے لیے استعارہ کیا گیا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَیَحْسَبُ (کیا انسان گمان میں ہے) یہ ضمیر ان قریشِ مکہ کے سرداروں کی طرف راجع ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکالیف اور مشقتیں پہنچتی تھیں جیسے ولید بن مغیرہ اور اس جیسے دوسرے۔ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ (کہ ہرگز اس پر کوئی قدرت نہیں پائے گا) ان مخففہ از ثقیلہ ہے اپنے اسم و خبر سے مل کر حسبان کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے یعنی انسان کا خیال ہے کہ امر اور شان یہ ہے کہ اس پر کوئی قدرت نہیں رکھتا کہ اس سے بدلہ لے سکے

اس کا یہ گمان حجاب کے غلظ (گاڑھے پن) سے اٹھ رہا ہے اور مرض قلبی ہے، اور یہ اس کا خیال وگمان فاسد ہے اس لیے کہ اللہ احد۔ (جل جلالہٗ) اس پر قادر اور غالب ہے اور انتقام لے سکتا ہے۔

یَقُوْلُ کہتا ہے وہی گمان کرنے والا رعونت اور غلط خیالی سے **اَهْلَكْتُ** (میں نے فنا کردیا) خرچ کیا۔ یہ عرب کے اس محاورے سے ہے، خسرت علیہ کذا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی پر خرچ کرے۔ **مَالًا لُّبَدًا** ڈھیروں مال۔

حلِ لغات: تلبد الشیٔ بمعنی اجتمع (جمع ہوئی) سے ہے اس سے اس کی مراد بکثرت فخر و ریاء وشہرت کے ارادہ سے خرچ کرنا ہوتی اور اہلِ جاہلیت ایسے خرچ کرنے کو مکارم (اچھی عادات) سمجھتے بلکہ اسے معالی (بلند ہمتی اور رفیع القدر) و مفاخر (قابلِ فخر امر) کہتے۔

ف: لفظ اہلاك میں درحقیقت اس کے ضائع ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ایسے خرچ کا آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

عبد اللہ بن جدعان کے متعلق فتویٰ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ عبد اللہ بن جدعان دورِ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا مساکین کو کھانا کھلاتا۔ میں نے اس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو فرمایا کہ اسے کوئی نفع نہ ہوگا اس لیے کہ اس نے کبھی نہ کہا:

رب اغفر لی خطیئتی یوم الدین۔ اے اللہ! قیامت میں میرے گناہ بخش دینا۔

اَیَحْسَبُ (کیا انسان سمجھتا ہے) وہ احمق فخر وناز کرنے والا **اَنْ** کہ بات یہ ہے کہ **لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ** (اسے کسی نے نہ دیکھا) جب وہ خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے سوال نہ کرے گا اور نہ اسے سزا وجزا ہوگی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسے دیکھا اور اس کی خباثت نیت کو اور اس کی اندرونی بدباطنی کو جانا اور وہ اس پر اسے سزا دے گا۔

مسئلہ: مذکورہ بالا قسم کے اخراجات اور جو فخر ومباہات سے ہو رذیل وخبیث اخراجات ہیں تو پھر انھیں جاہل کافر کیسے فضیلت دیتا۔

حدیث شریف میں ہے:

لاتزول قدما العبد یوم القیامة حتی یسأل عن اربع عن عمره فیم افناه وعن ماله من این کسبه وفیم انفقه وعن عمله ماذا عمل وعن حب أهل البیت۔

(بندے کے قدم قیامت میں نہ جم سکیں گے جب تک اس سے (مندرجہ ذیل) چار سوال نہ ہوں گے:

(۱) عمر کہاں خرچ کی،

(۲) مال کہاں سے کمایا کہاں خرچ کیا،

(۳) عمل کے بارے میں کہ کیسے عمل کئے (نیک یا بد)

(۴) اہلبیتِ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) سے محبت کی یا نہ؟[1]

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ (کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہ بنائیں)

آنکھوں کے فوائد

(۱) ان سے انسان آسمان تک دیکھتا ہے یہاں تک کہ آنکھ جھپکنے سے پہلے ان نجوم عالیہ کو دیکھتا ہے جو یہاں سے ہزاروں میل دور ہیں۔

(۲) ان سے نفع و نقصان کا امتیاز کرتا ہے۔

(۳) ان سے چہرۂ عالم دین (اہلسنت) کی زیارت کرکے شرفیاب ہوتا ہے۔

(۴) ان سے مصحف کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔

(۵) ان سے شواہد کا نظارہ کرتا ہے۔

(۶) اسئلۃ الحکم میں ہے کہ آنکھ بدن کو آفات سے بچاتی ہے۔

(۷) یہ آئینہ کی طرح روشن ہے کہ جو شے بھی اس کے بالمقابل ہو گی اس کی صورت اس میں مرتسم (منقوش) ہو جائیگی باوجودیکہ وہ دیکھنے والا حصہ نہایت چھوٹا ہے یعنی وہ محض حدقہ (پتلی) شحمہ (چربی) ہے۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے آنکھ کو سریع الحرکۃ (تیز رفتار) بناکر اس کے اوپر اجفان (پردے) اور اہداب

---

[1] یہ جملہ خوارجِ زمانہ (وہابی، نجدی، دیوبندی، مودودی) کے لیے تیغ براں ہے کہ انھیں اہلبیت کرام سے ایسے ہی بغض ہے جیسے عبدالرحمٰن ابن ملجم اور شمر وغیرہ کو تھا (اِلّا ماشاء اللہ) اور روافض اس سے خوش تو ہوں گے لیکن وہ خوشی غلط ہے کہ کہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت غیر ضروری ہے (لاحول ولاقوۃ) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا اہلبیت کی تخصیص کرنا صرف خوارج کے رد میں ہے کیونکہ آپ کے علم میں تھا کہ اہلبیت کرام سے بغض کرنے والے پیدا ہوں گے اور وہ ان کی محبت کو شرک اور بدعت کہیں گے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اہلبیت کرام کی طرح صحابہ عظام کی محبت کو بھی ضروری قرار دیاہے۔ اویسی غفرلہٗ

(پلکیں) بالوں کی بنادیں تاکہ اسے چھپائے رکھیں، جیسے پرندوں کے پر کہ ان کے کھلنے اور بند ہونے کے وقت کیسوں اور ہوام (چھوٹے چھوٹے موذی پرندے، پتنگے وغیرہ) سے محفوظ رکھیں۔

(۹) آنکھ سر میں ایک جلیل القدر عضو ہے کیونکہ وہ چراغ ہے جو منارہ پر ہوتا ہے اسے دو بنایا ایک سورج ہے تو دوسری چاند۔ کیونکہ یہ دونوں تعین دنیوی کی دو آنکھیں ہیں ان کے اوپر دو ابرو سیاہ (اور سفید) رکھے ہیں تاکہ آنکھ کی روشنی کو نقصان نہ ہو اس لئے طبی اصول ہے کہ سیاہی میں سفیدی کو دیکھا جائے تو بینائی تیز ہو جاتی ہے۔

حکایت ذوالقرنین نے اسکندریہ (شہر) تیار کیا تو اس کا فرش سفید سنگِ مرمر کا بچھوایا بلکہ اس کی دیواریں بھی، لیکن وہاں کے مکینوں کو سیاہ لباس پہننے کا حکم تھا تاکہ سنگِ مرمر کی چمک آنکھ کی روشنی کو نقصان نہ دے۔

ف : اسی لیے راہبوں کا لباس سفید ہوتا ہے اس لیے کہ سفیدی کی طرف دیکھنا (ہر وقت) آنکھ کی بینائی کو کمزور کرتا ہے۔

سیاہ سُرمہ کا فائدہ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اثمد (سیاہ سُرمہ) آنکھ میں لگانے کا حکم فرمایا ہے کہ وہ بینائی کو تیز کرتا ہے اور حدقہ اپنی جگہ پر متحرک بنایا گیا تاکہ دائیں بائیں متحرک ہو کر گردن مروڑے بغیر دیکھا جا سکے، دونوں آنکھوں کی بینائی کو عرضاً خطِ مستقیم پر رکھا گیا ہے ان میں نہ اونچ ہے نہ نیچ، تاکہ دیکھتے وقت دونوں برابر دیکھیں تاکہ اسے نظر آنے والی ایک شے دو نظر نہ آئیں، دو آنکھیں رکھنے میں دلالت ہو کہ ان ظاہری آنکھوں کی طرح ایک باطنی آنکھ بھی ہے اس لیے لازم ہے کہ دونوں کی محافظت کی جائے کیونکہ دونوں آنکھوں سے دیکھنا ایک کے دیکھنے کو مکمل تر ہے۔

وَلِسَانًا (اور زبان) جس سے دل کی بات بتاتا ہے، اسی سے معاملات منعقد ہوتے اور شہادت حاصل ہوتی ہے اور طعوم کا ادراک ہوتا ہے کہ میٹھے ہیں یا کڑوے۔ اگر زبان نہ ہوتی تو انسان اشاروں کنایوں سے کام لیتا یا لکھنے سے، تو کام مشکل ہو جاتا۔

نکتہ : کان، آنکھ دو دو اور زبان ایک۔ اس لیے کہ بولنے کی بہ نسبت دیکھنا سننا انسان کا زیادہ ہوتا ہے علاوہ ازیں اس میں تنبیہ ہے کہ انسان بہت کم بولے سوائے خیر و بھلائی کے زبان نہ کھولے اور نہ ہی فضول بات کرے اس میں راز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبان منہ کے اندر بنائی اور ہونٹ کہ جن کے کھولے بغیر کلام نہیں ہو سکتا باہر بنائے تاکہ انسان کلام کے جواب میں ہونٹ بند کر سکے۔

حکایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ منہ میں کنکری رکھتے تھے تاکہ فضول کلام نہ کریں۔ (امام شعرانی قدس سرہٗ نے یہ روایت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف

منسوب فرمائی ہے (تنبیہ المفسرین - اضافہ از اویسی غفرلہ)

تفسیر صوفیانہ اس میں لسانِ قلب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ معاوضہ قلبیہ سے ہوتا ہے انسان جیسے باطنی آنکھ کو باطل کر دیتا ہے ایسے ہی تکلم باطنی قلبی استعداد کو بھی۔

تفسیر عالمانہ وَّ شَفَتَیۡنِ (اور دو ہونٹ) جن سے منہ کو چھپاتا ہے جب بولنے کا ارادہ کرتا ہے پھر جب بولنا، کھانا پینا اور پھونکنا چاہتا ہے تو ان سے مدد لیتا ہے۔

ف : سجاوندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہونٹ اکثر حروف کا مخرج ہے۔

ف : دعا میں ہے :

الحمد لله الذی جعلنا ننطق بلحم و نبصر بشحم ونسمع بعظم۔

تمام تعریفیں اس کے لیے جس نے ہمیں ایسا بنایا کہ گوشت سے بولیں اور چربی سے بولیں اور ہڈیوں سے سُنیں۔

ف : ایک اور صاحب نے اسے یوں ادا کیا ہے کہ صانع حکیم نے منہ پر ہونٹوں کا پردہ دو طرفہ ایسا لٹکایا جو ضرورت کے وقت بند ہو جاتے ہیں اور ان سے مشروب کو چُوسا جاتا ہے اور اوپر ہونٹ کو محیط بنایا تاکہ اس شے کو دور رکھے جو پینے کی شے میں ہو جیسے چھلکا اور خس وغیرہ کہ کہیں پینے کی شے کے ساتھ منہ میں نہ جائے۔

قدسی حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

ابن آدم ان نازعك لسانك فيما حرمت عليك فقد اعنتك بطبقتين فاطبق و ان نازعك بصرك الى بعض ما حرمت عليك فقد اعنتك عليه بطبقتين فاطبق وان نازعك فرجك الى ما حرمت عليك فقد اعنتك عليه بطبقتين فاطبق۔

اے ابن آدم! اگر تیرے ساتھ تیری زبان جھگڑے اس امر میں کہ جس سے میں نے منع فرمایا تو اسے دو ہونٹوں سے بند کر دے اگر تیرے ساتھ تیری آنکھ جھگڑے اس امر میں جو میں نے تجھ پر اس کا دیکھنا حرام کیا ہے تو میں نے تیری مدد کے لیے دو پردے عطا کیے ہیں ان سے آنکھ بند کر دے اگر تیرے ساتھ فرج جھگڑا کرے تو میں نے دو طبقوں سے تیری مدد کی ہے ان سے اسے بند کر دے۔

ف : اخبار میں ہے کہ فرج اور کان اور ہاتھ اور پاؤں امانت ہیں اور لاایمان لمن لا امانۃ لہ[ل] اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے بندہ! میں نے تجھے دو آنکھیں پاک امانت دے رکھی ہیں تو انہیں ناپاکی میں ملوث کرتا ہے اس کے آثار کے تقدس اس سے اُٹھ جائیں اور خبیث ہو گئیں اس کے بعد کیا تو چاہتا ہے کہ تو میرے مقدس دیدار سے سرشار ہو یہ بعید از قیاس ہے ہم پاک ہیں اور پاک کو پاک نگاہ چاہیے کیونکہ الطیبات للطیبین میرا فیصلہ ہے۔ اور تجھے دو کان عطا فرمائے تاکہ تو اس سے دو خزانے بنا سکے اور آثار وحی کے موتی اس میں محفوظ کر سکے اور کل مجھے پاک وصاف کر کے سپرد کر سکے لیکن تو نے انہیں جھوٹ کا مرکز اور اصوات خبیثہ کا رہگزر بنا دیا اور ہماری ندا تو پاک ہے سوائے پاک کان کے نہیں سنتا آج قیامت میں پاک کان لا اور پھر ندا سن۔ اسی طرح تجھے میں نے زبان دی تاکہ تو میرے ساتھ راز کی باتیں کر سکے خلوت میں، اور قرآن پڑھے عبادت میں اور اس پر صدق کی باتیں بولے اور میرے دوستوں سے گفتگو کرے لیکن تو نے زبان کو غیبت کا بچھونا اور روزمرہ جنگ وجدل اور خصومت کا دفتر بنا لیا آج قیامت میں تو میرے ساتھ کس زبان سے بات کرے گا

(۱)	زبان آمد از بہر شکر و سپاس	بغیبت نگرداندش حق شناس
(۲)	گذرگاہ قرآن و پندست گوش	بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش
(۳)	دو چشم از پے صنع باری نکوست	زعیب برادر فرو گیر و دوست

ترجمہ: (۱) زبان شکر و سپاس کے لیے ہے تو غیبت میں اے حق شناس! صرف نہ کر۔

(۲) قرآن ونصیحت کی گزرگاہ کان ہیں تو بہتان اور باطل سننے کی کوشش نہ کر۔

(۳) دو آنکھیں صنعتِ باری تعالیٰ کے دیکھنے کے لیے ہیں کسی کے عیب دیکھنے میں ضائع نہ کر انھیں ہمیشہ نیچی رکھ۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں لسانِ قلب ولسان سر کے دو ہونٹوں کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (اور ہم نے اسے دو ابھری چیزوں کی راہ بتائی) اس کا عطف الم نجعل پر ہے کیونکہ وہ مآل کے لحاظ سے جملہ مثبتہ ہے یعنی اسے تمہارے لیے بنایا اور ہم نے ہدایت دی خیر وشر کی۔

[ل] اس کا ایمان جسے امانت کا پاس نہیں۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هما النجدان نجد الخیر و نجد الشری فلا یکن نجد الشر أحب الیکم من نجد الخیر۔ — نجدان سے نجد الخیر و نجد الشر مراد ہے تمہیں نجدِ خیر کے بجائے نجدِ شر سے محبت نہ ہو۔

ف: یا نجدین سے مراد پستانوں کے دو راستے مراد ہیں کیونکہ وہ دو راستے اُبھرے ہوئے ہیں دودھ کیلئے اور بچے کی زندگی کے دو اسباب ہیں اور عاجز بچے ماں کے دودھ پینے پر قدرت پانے کے موجب ہیں کہ پیدا ہوتے ہی اسے ان پر قدرت دی جاتی ہے اور یہی اس کے لیے سب سے روشن نعمت ہے ؎

نہ طفل بستہ بودے ز لاف — ہمی روزے آمد بجوفت زناف

چو نافش بریدند روزی گسست — بہ پستان مادر در آویخت دست

ترجمہ: لاف (گفتگو سے) تو بند تھا جب تک تو بچہ تھا تجھے روزی بھی پیٹ میں ناف سے پہنچتی تھی جب تیری ناف کٹی تو تیری روزی ختم ہوئی، پھر تو نے پستان کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

حل لغات: دراصل نجد اونچے مکان کو کہا جاتا ہے۔ خیر بمنزلہ اونچے مکان کے ہے بخلاف شر کے کروہ زروۂ فطرت سے حضیض الشقاوۃ کو مستلزم ہے لیکن یہاں کا استعمال بطریق تغلیب کے ہے یا اس لیے کہ شر قوتِ واہمہ میں مکان مرتفع کی صورت میں مصوّر ہے اسی لیے اسے ہر شے کے ترقی تک پہنچنے کے لیے نجد استعمال ہوتا ہے۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا چونکہ دلائل خیر و شر کے ہر ایک کے سامنے واضح ہو چکے ہیں اسی لیے ان دونوں کو نجدین کہا گیا بسبب ان کی وضاحت کے عقول میں اس واضح راستے کی طرح جو آنکھوں کے لیے ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اس میں نجد روح وقلب کی طرف اشارہ ہے کہ انسان نے دونوں راستوں کو غلبۂ نفس علی الروح اور غلبۂ ہوٰی علی القلب سے باطل کر دیا۔

تفسیر عالمانہ

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ (پھر بے تامل گھاٹی میں نہ کُودا)

حلِ لغات: الاقتحام امرِ شدید میں داخل ہونا اور سختی کے ساتھ اس سے گزر جانا۔ قاموس میں ہے کہ قحم فی الامر (امر میں داخل ہوا) از باب نصر۔ یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو بغیر سوچے کسی معاملہ میں اچانک خود کو پھینک دے۔ (العقبۃ (گھاٹی) یعنی پہاڑوں میں دشوار گزار راستہ۔ یعنی ان نعم جلیلہ کے بدلے میں اعمال صالحہ کر کے شکر نہیں کرتا اس کے دشوار گزار کے اعتبار سے چلنے کو عقبہ سے تعبیر کیا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ (اور تُو نے کیا جانا کہ وہ گھاٹی کیا ہے) اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! تمہیں کس نے بتلایا کہ گھاٹی میں داخل ہونا کیا ہے اس لیے کہ اس سے نہ گھاٹی کا ظاہری معنی مراد ہے اور نہ اس کا داخل ہونا لفظاً مراد ہے۔ فَكُّ رَقَبَةٍ (کسی غلام کی گردن چھڑانا)

حلِ لغات

فك بمعنی ایک شے کو دوسری شے سے چھڑا کر دونوں میں جُدائی ڈالنا، جیسے فك الحديد والغل لوہا چھڑانا اور بیڑی چھڑانا اور غلام آزاد کرنا بھی، اسی لیے کہ اسے غلامی کی زنجیر سے چھڑا کر آزاد کرنا ہے۔ الرقبة (گردن) عضو مخصوص کا نام ہے، پھر سارے جسم کی آزادی مراد لی جاتی ہے اور عرف میں غلاموں پر اطلاق ہوتا ہے جیسے سر، اور اظهر بول کر مرکوب (سواری) مراد لی جاتی ہے، جیسے کہا جاتا ہے: فلان يربط كذا راساً وكذا ظهراً۔ اب معنی یہ ہوا کہ اقتحام العقبة (گھاٹی میں داخل ہونا) گردن آزاد کرنا ہے اس معنیٰ پر الفك کی تفسیر نہیں بلکہ اقتحام کی بحذف المضاف ہے اس لیے کہ عقبة عین ہے اور فک فعل، اور فعل کی تفسیر نہیں ہوتی، علاوہ ازیں فک الرقبة کبھی انسان تنہا آزاد ہوتا ہے کبھی یہ کہ مکاتب کچھ مال آزاد کرانے کے لیے دے ایسے ہی قصاص یا تاوان کی ادائیگی میں تعاون کرے یہ سب کے سب فک کو تو عام ہیں لیکن ان میں اعتاق نہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ بندہ خود کو عذابِ الٰہی سے آزاد کرائے کہ اعمال صالحہ میں مشغول رہے یہاں تک کہ ان کے ذریعے سے جنت کا مستحق ہو اور دوزخ سے نجات پا جائے یہ حریۃ وسطی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

فك رقبة سے مراد یہ ہے کہ قلب کو نفس و ہوا اور تعلق ما سوی اللہ سے چھڑائے۔ یہ حریۃ کبریٰ ہے اس کے بعد او اطعام الخ از قبیل تخصیص بعد التعمیم ہے اور مزید اشارہ ہے اس خاص فضل کی طرف اس حیثیت سے کہ یہ لفظ اس میں شامل نہ تھا باوجود اس کے عموم کے۔

مسئلہ: بعض فقہاء نے فرمایا کہ عتق کی صدقہ پر تقدیم اس کی افضلیت کی دلیل ہے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من فك رقبة فك الله بكل عضو منها عضوا منه من النار۔

جس نے غلام آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے میں اس کا عضو جہنم سے آزاد فرمائے گا۔

ف: امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کا کسی دوسرے کو عذاب سے بچانا اس کو مستلزم ہے کہ پہلے خود کو بچائے کیونکہ جو خود ہدایت یافتہ نہیں وہ دوسرے کو کیسے ہدایت دے سکتا ہے،

اور فك الرقبة میں فک النفس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ ان اعمال صالحہ میں سے ہے جنہیں نفس کو عذاب سے چھڑانے میں بڑا دخل ہے۔

تفسیر عالمانہ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَۃٍ (یا بھوک کے دن کھانا دینا) قحط سے بھوک میں یا مہنگائی میں۔

حلِ لغات سغب سے ہے بمعنی جاع (بھوکا ہوا)۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ السغب بمعنی بھوک مع تھکان، بسا اوقات اس کا اطلاق پیاس مع تھکان پر بھی ہوتا ہے۔ اس معنی پر مسغبۃ مصدر میمی ہے ایسے ہی مقربۃ و متربۃ، اطعٰم کو یوم مجاعہ (بھوک کے دن) کی قید اس لیے ہے کہ اس وقت مال خرچ کرنا نفس پر گراں اور اجر کے اعتبار سے بہت بڑا ہوتا ہے۔

یَّتِیْمًا (یتیم کو) مفعول ہے اطعٰم کا ذَا مَقْرَبَۃٍ (رشتہ دار کو) قرابت دار وہ جو نسب کو قریب ہے۔ قرب و مقربۃ ایک شے ہے۔

ف: حضرت سجاوندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قرابت رشتہ کی ہو یا ہمسایگی کی، یتیم کی قید اس لئے ہے کہ اس کی اور طعام کھلانے والے کی رشتہ داری نسبی ہو تاکہ اس کے اندر دو جہتیں جمع ہوں:

(۱) یتیمی کا استحقاق

(۲) رشتہ داری کا حق۔ اسے طعام کھلانا افضل ہے بہ نسبت دوسروں کے طعام کھلانے کے، صدقہ اور صلہ رحمی پر مشتمل ہے۔

اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ (یا خاک نشین مسکین کو) محتاجی کی وجہ سے۔

حل لغات ترب (بالکسر) ترباً (بفتحتین) و متربا بمعنی افتقر، محتاج ہوا، جیسے لصق بالتراب من فقرہ و ضرہ فلیس فوقہ ما یسترہ ولا تحتہ ما یوطئہ ویفرشہ (گویا اس نے مٹی چاٹی فقر اور تکلیف سے، کپڑا نہیں کہ جسم ڈھانپے، بستر نہیں کہ بچھائے بیٹھے یا سوئے) اترب کا معنی ہے صاحبِ مال ہوگیا مٹی کی طرح صرف کثرت کی مناسبت سے یہی معنیٰ لیا گیا، جیسے کہا جاتا ہے: اثری (صاحبِ ثروت ہوگیا)۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

ذا متربۃ الذی مأواہ المزابل۔ ذا متربۃ وہ ہے جس کا ٹھکانا کوڑا کرکٹ ہو۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، البعید التربۃ یعنی الغریب۔ ذا متربۃ

بمعنی بعید التربۃ (غریب الدار، مسافر) (کما قال الکاشفی) ذامتربۃ وہ جو عیالدار یا قرضدار یا بیمار یا بے یار یا مسافر دُور از دیار ہو۔

حدیث شریف میں ہے:

الساعی علی الارملۃ والمسکین کالساعی فی سبیل اللہ وکالقائم لایفتر والصائم لا یفطر۔	بیوگان اور مساکین کی خبر گیری اور مدد کرنیوالا جہاد فی سبیل اللہ میں جدوجہد کرنیوالے اور قائم اللیل نہ تھکنے والے اور صائم الدہر کی طرح ہے۔

نکتہ: فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ گردن آزاد کرنے اور طعام کھلانے کو خاص کرنا اس لیے کہ ان کا عمل میں لانا مشکل کام ہے۔

نکتہ: فقیر و مساکین کو طعام کھلانے کی خصوصیت بھی اسی لیے ہے کہ یہ دونوں کام نفس کے لیے مشکل اور سخت ہیں۔

کمینے دنیا دار کی نشانی کمینے دنیا دار کی علامت یہ ہے کہ اپنی خواہش نفسانی پر ہزاروں روپے خرچ کرے، کوٹھیاں بنگلے تیار کرے اور ضرورت سے زیادہ، اور ایسے کچھ پرواہ نہ ہو لیکن فقیر و مسکین کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے اگر کوئی مانگنے آئے تو اسے ایک دو درم دینا یا ایک دو لقمے کھلانا اس کے لیے مشکل ہو جائے۔

ف: سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مسکین کبھی کسی شے کا مالک ہوتا ہے ورنہ اس کے لیے بھی ذامتربۃ کی قید (مکرراً) ہوتی اور وہ تکرار ناجائز ہے لیکن اس میں بحث ہے، وہ یہ کہ ذامتربۃ کی صفت کاشفہ ہے مسکین کے لیے، اور اس کا فائدہ تصریح ہے از روئے محتاجی، تاکہ واضح ہو کہ محتاج ترین کو طعام کھلانا افضل ہے اور تکرار بھی وہ ناجائز ہے جو فائدہ سے خالی ہو اور یہ اس قبیل سے نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں قلب یتیم جو نفس و ہوا کے ہاتھوں مغلوب ہے اور سرِ مسکین جو قہر النفس اور اس کے غلبہ کے تحت ذلیل ہے کی طرف اشارہ ہے۔

ف: الارشاد میں ہے کہ اقتحام العقبۃ سے یہی امور مراد لینا اور اس پر دلیل قائم کرنا کہ ماضی پر لا داخل ہے یہ کوئی شرط نہیں کہ اس کے سوا اور کوئی مطلب نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے خلاف ہو کیونکہ یہ کبھی لم کے معنی میں بھی آتی ہے۔ اب عبارت یوں ہوئی فلم یقتحم العقبۃ الخ۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (پھر ہو ان سے جو ایمان لائے) پس آزاد کنندہ اور طعام دہندہ سے ہو جا۔ اس کا عطف منفی پر ہے ذکر نفی پر اور ثمّ عتق و صدقہ سے ایمان کی تراخی رتبہ و رفعۃ محل پر دلیل ہے کیونکہ جمیع اعمال صالحہ کا دارومدار اس پر ہے ورنہ وہ تو زمانہ میں مقدم ہے جملہ طاعات پر۔ اب معنی یہ ہوا کہ اس طریق سے انفاق پسندیدہ انفاق ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نافع ہے ضائع ہونے والے ڈھیر سارے مال کی طرح نہیں جو ریار و فخر کے طور ہوتا ہے اس کی مثال تو آندھی کی ہے جو قوم کی کھیتی کو پہنچ کر ضائع کرے۔

تفسیر صوفیانہ عقبۃ میں اشارہ ہے کہ عقبۂ آخرت سے وہ تجاوز کر سکے گا جو اہلِ حق سے ہوگا اور محاسبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ تجاوز کرے گا جس نے پیٹ کو حرام و شبہات مال سے بچایا ہو گا اور حلال کھی محض اتنا ہی کھایا ہو گا جس سے بھوک مٹ سکے۔ اور حضرت قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عقبۃ خود اپنا نفس ہے اس پر دلیل فك رقبة الخ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو مخلوق کی غلامی سے آزاد کرکے اسے عبادتِ الٰہی میں مشغول رکھے۔

تفسیر عالمانہ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (اور انہوں نے آپس میں صبر کی وصیتیں کیں) اس کا عطف اٰمنوا پر ہے یعنی ایک دوسرے کو طاعتِ الٰہی پر اور معاصی سے اور مصائب پر وصیت کی وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ (اور آپس میں مہربانی کی وصیتیں کیں) مرحمۃ رحمۃ کا مصدر ہے یعنی ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کے بندوں پر مہربانی کی یا رحمتِ الٰہی کے موجبات کی یعنی خیرات کی وصیتیں کیں بخلاف المضاف، یا مسبب کا ذکر کر کے سبب مراد لیا گیا ہے اس کے کمال فی السببیۃ پر تنبیہ کی وجہ سے۔ اس معنیٰ پر رحمۃ اعم ہے پہلے معنیٰ سے، یعنی بندوں میں ان پر شفقت جو اس کا مستحق ہے یتیمی یا فقیری یا کسی دوسری وجہ سے۔

حدیث شریف میں ہے:

لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

تفسیر صوفیانہ تواصوا بالصبر میں تعظیم لامر اللہ کی طرف د تواصوا بالمرحمۃ میں شفقت علی الخلق کی طرف اور تکمیل بعد الکمال کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ایمان خود کمال ہے ایسے ہی صبر و مرحمۃ اور اعمال صالحہ اور تواصی (دوسرے کو وصیت کرنا) تکمیل الغیر کے باب سے ہے۔

مسئلہ: بعض نے فرمایا کہ طعام کھلانا بالخصوص شدید ضرورت کے وقت عفۃ کے افضل انواع سے

اور ایمان اجل انواع حکمت سے ہے لیکن ایمان علمی یقینی ہو اس میں ثمّ اسی لیے لایا گیا ہے کہ اس کا رتبہ ارتفاع و علو میں کم ہے اس لیے کہ یہ بمنزلہ اساس کے ہے۔ اور شدائد و تکالیف و مصائب میں انواع شجاعت میں اعظم ہے اور اسے ایمان سے اس لیے مؤخر فرمایا کہ فضیلت شجاعت کا حصول یقین کے بغیر نہیں ہو سکتا اور متراحم و تعاطف انواع عدالت سے افضل ہے۔

تفسیر عالمانہ اُولٰٓئِكَ (یہ) وہ لوگ جو صفاتِ جلیلہ سے موصوف ہیں اور اسم اشارہ میں دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقام کرامت میں اور بلند مراتب اور اعلیٰ درجات میں ہیں اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ (داہنی طرف والے) وہ جو نامہ ہائے اعمال داہنی جانب سے دئے جائینگے اور انہیں جنت کی داہنی جانب سے لیجایا جائیگا یا وہ لوگ خیر و برکت اور سعادت والے ہیں اس لیے کہ صلحاء خیر و برکت والے ہوتے ہیں طاعتِ الٰہی کی وجہ سے اپنے لیے بھی اور اپنے غیروں کے لیے بھی، یا وہ دائیں ہاتھ والے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا (اور جنہوں نے ہماری آیات سے کفر کیا) وہ جو ہم نے حق پر دلائل قایم کئے کتاب و حجۃ یا قرآن سے هُمْ (وہ) ضمیر لائی گئی تاکہ ان کی فضیلت و شرف حضور سے سقوط کی دلیل ہو اور وہ اس لائق ہیں کہ ان کی خفت و حقارت ہو۔ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ (بائیں جانب والے) وہ جو بائیں ہاتھ میں نامہ ہائے اعمال دئے جائیں گے اور پیٹھوں کے پیچھے، اور انہیں جہنم میں بائیں جانب سے لیجایا جائیگا یا وہ نحوست و شر و شقاوت والے ہیں کیونکہ فساق معصیت کی وجہ سے اپنے لیے اور اپنے غیروں کے لیے منحوس ہیں۔

ردِّ وہابیہ نجدیہ اس میں سے وسیلہ کی دلیل صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ سے سُنیئے)

ویجب التوسل بالصلحاء و	صلحاء سے توسّل واجب ہے اور فاسقوں
الاجتناب عن الفسقاء او اصحاب	اور دنیا داروں سے اجتناب ضروری ہے۔
الید الیسری۔ (ج ۱۰، ص ۴۳۹)	

عَلَيْهِمْ (ان پر) خبر مقدم نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ (آگ ہے جس میں انہیں ڈال کر بند کر دی گئی) بتدا ر مؤخر ہے یعنی وہ نار جس کے دروازے بند کر دئے جائیں گے کوئی دروازہ نہ کھلے گا جس سے نہ کوئی شے باہر نکل سکے گی اور نہ اس میں کبھی ہوا داخل ہو سکے گی۔ مؤصدۃ نار کی صفت میں تنبیہ ہے کہ وہ انہیں محیط ہوگی۔ یہ اصل میں مؤصدۃ الابواب تھا اضافت ترک کر دی گئی تو اس پر تنوین آ گئی کیونکہ یہ ایک دوسرے کے آگے پیچھے رہتی ہیں۔

حلِ لغات اوصدت الباب سے ہے معتل الفاء (مثال واوی) آصدتہ سے بھی ہوسکتا ہے بالمد من المھموز آمن کی طرح جس نے مہموز نہیں کہا اس نے اوصد سے مانا ہے اوعد کی طرح از افعال، یہ بھی ہے کہ یہ آصد ہچوں آمن ہو ہمزہ ساکنہ واوٗ سے تبدیل ہوا یعنی مؤصدۃ سے مُوْصدۃ، کیونکہ ہمزہ کا ماقبل مضموم ہو تو واوٗ سے تبدیل ہو جاتا ہے تخفیفاً۔

ف : حضرت ابوبکر بن عباس عاصم رحمہم اللہ تعالیٰ کے راوی یہاں پر ہمزہ کی واوٗ سے تبدیلی کو مکروہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں:

لنا امام یھمز مؤصدۃ فاشتھی ان اسد اُذنی اذا اسمعتہ۔ ہمارے ہاں مصحف میں ہمزہ کے ساتھ بلکہ میں تو کان بند کرلیتا ہوں جب اسے واوٗ کے ساتھ پڑھتے سنتا ہوں۔

گویا انہوں نے اپنے شیخ سے ترکِ ہمزہ والی قرآت ہی سُنی تھی اور حفص رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہمزہ سے پڑھا ہے یہ ابوبکر سے حروف کو زیادہ یاد رکھنے والے تھے جیسے قُرّاء نے نقل کیا اگرچہ ابوبکر حفص سے سِن میں بڑے، زیادہ مضبوط اور زیادہ ثقہ تھے عند اہلحدیث۔ (اہلحدیث سے مراد محدثینِ کرام ہیں نہ کہ موجودہ نام نہاد اہلحدیث وہابی)

تفسیرِ صوفیانہ اس میں نار سے حجاب وخذلان وخسران کی طرف اشارہ ہے کہ وہ نفس امارہ پر بند کی گئی ہے۔

فراغتِ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ سُورۃ البلد کی تفسیر سے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ۵ ربیع الآخر ۱۱۱۷ ہجری میں فراغت ہوئی۔

فراغتِ مترجم فقیر اویسی غفرلہٗ نے سُورۃ البلد کی تفسیر کے ترجمہ سے ۲۰ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۹۸۹ء بروز ایمان افروز پیر فراغت پائی۔ (الحمد للہ علیٰ ذلک)۔

سُورَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ آيَاتُهَا ۱۵ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ الشمس مکیہ ہے — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — اس میں پندرہ آیتیں ہیں

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝۱ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلٰهَا ۝۲ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلّٰهَا ۝۳ وَالَّيْلِ

سورج اور اس کی روشنی کی قسم اور چاند کی جب اس کے پیچھے آئے اور دن کی جب اسے چمکائے اور رات کی جب

إِذَا يَغْشٰهَا ۝۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝۵ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝۶ وَنَفْسٍ وَّمَا

اسے چھپائے اور آسمان اور اس کے بنانیوالے کی قسم اور زمین اور اس کے پھیلانے والے کی قسم اور جان کی اور اس کی جس نے

سَوّٰهَا ۝۷ فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝۸ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝۹ وَقَدْ خَابَ

اسے ٹھیک بنایا پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی بے شک مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا اور نامراد ہوا جس

مَنْ دَسّٰهَا ۝۱۰ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا ۝۱۱ إِذِ انْبَعَثَ أَشْقٰهَا ۝۱۲ فَقَالَ لَهُمْ

نے اسے معصیت میں چھپایا ثمود نے اپنی سرکشی سے جھٹلایا جب کہ اس کا سب سے بدبخت اٹھ کھڑا ہوا تو ان سے اللہ کے

رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝۱۳ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ

رسول نے فرمایا اللہ کے ناقہ اور اس کی پینے کی باری سے بچو تو انہوں نے اسے جھٹلایا پھر ناقہ کی کوچیں کاٹ دیں تو ان پر ان کے رب نے

رَبُّهُمْ بِذَنْبِهِمْ فَسَوّٰهَا ۝۱۴ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝۱۵

ان کے گناہوں کے سبب تباہی ڈال کر وہ بستی برابر کر دی اور اس کے پیچھا کرنے کا اسے خوف نہیں

سورۃ الشمس مکیہ اس کی ۱۵ یا ۱۶ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ وَالشَّمْسِ قسم ہے سورج کی وَضُحٰهَا اور اس کی روشنی کی جب طلوع کرے اور پوری تابانی میں آجائے اور اس کی روشنی پھیل جائے۔

حل لغات: کہا جاتا ہے: وقت الضحی یعنی روشنی کے چمکنے کا وقت۔ الضحی و الضحوۃ الضحو سے مشتق ہیں بمعنی سورج کا نور جو زمین پر پھیلے، سایہ کی نقیض۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے شمس روح اور اس کے نور کی قسم کی طرف اشارہ ہے جب وہ نفس میں پھیل جاتا ہے اور وہ روح نفس پر چمکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے آتا ہے اس کے غروب کے بعد اس سے روشنی لے کر، اور یہ نصف اول میں ہوتا ہے۔

حلِ لغات امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا تلاہ بمعنی تبعہ وہ اس کے تابع ہوا اور وہ ایسی متابعت ہے کہ ان کے درمیان کوئی شے حائل نہیں ہوتی، یہ متابعت کسی جسم سے ہوتی ہے کبھی اقتدار فی الحکم میں، اس کا مصدر تلو آتا ہے، کبھی یہ قرآن کے پڑھنے اور اس کے معنی کے تدبر میں بھی استعمال ہوتا ہے اس کا مصدر تلاوۃ ہے اور اذا تلٰھا میں معنی اتباع علی سبیل الاقتدار والمرتبہ کا ہے۔

چاند سورج کا خلیفہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ چاند سورج سے نور حاصل کرتا ہے اور وہ اس کے بمنزلہ خلیفہ کے ہے۔ اسی قاعدہ پر کہا جاتا ہے، جعل الشمس ضیاء و القمر نوراً (سورج کے لیے ضیاء اور چاند کے لیے نور بنایا) اسی لیے ہے کہ ضیاء نور کے مرتبہ میں آسکتا ہے۔ کیونکہ ہر ضیاء نور ہے لیکن ہر نور ضیاء نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں قمر قلب کی طرف اشارہ ہے جب وہ رُوح کے تابع ہوتا ہے اس سے منور ہونے اور اس کی طرف متوجہ ہونے اور روشنی حاصل کرنے میں قلب نفس کے تابع نہ ہوئی کیونکہ وہ اس کی طرح ظلمت سے تاریک ہو جاتا۔

صاحبِ رُوح البیان کے پیرومرشد کی عجیب و غریب تقریر صوفیانہ میرے شیخ روح اللہ روحہ (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو شاد و آباد رکھے) نے کتاب اللائحات البرقیات میں لکھا کہ سورج حقیقۃ الٰہیہ کمالیہ اکملیہ کی علامت ہے اور اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور چاند حقیقۃ انسانیہ کمالیہ اکملیہ کی علامت اور اس کی طرف اشارہ کرتا ہے تو جیسے چاند جب سے پیدا ہوا ہے قیامت تک روشن اور نورِ شمس کی جلوہ گاہ، اور اس کا رات کو ظہور ہوتا ہے یہاں تک کہ اس سے ارباب اللیل ظلماتِ لیلیہ میں راہ پاتے ہیں اپنی سیر و سلوک میں تحصیل مقاصد کے لیے، ایسے ہی حقیقۃ انسانیہ کمالیہ اکملیہ جب پیدا ہوئی ہے ہمیشہ تک روشن اور نور حقیقۃ الٰہیہ کمالیہ اکملیہ

کی تجلی کی جلوہ گاہ ہے اور اس کا ظہور عالم کون میں ہے کہ اس سے ارباب عالم کون ظلمات کون میں اپنے سلوک
میں عالم امکان کی طرف اور سیر کے وقت عوالم و اطوار کونیہ میں نزولاً اور عروجاً عالم وجوب کی طرف ہدایت
پا سکیں تو پھر جس طرح چاند اپنی ذات اور اپنے نور سے مکمل طور سورج کے نفس و نور میں خالی ہو جاتا ہے کہ سورج
سے مقارنت و مراصلۃ کے وقت توجہ شمس قابض سے اور اقبال جاذب سے اس کے ساتھ باقی ہو جاتا ہے
اور نور شمس اور اس کے نفس میں چاند فنا پاتا ہے لیکن اس کا نفس و نور فانی نہیں ہوتا مقابلہ و مفارقہ کاملہ
کے وقت جو درمیان حاصل ہے اس کے نفس کے ارسال سے اور بسط سے اس کے نور کی طرف اگرچہ بار بار
اور با تکرار تا قیامت وہ باقی ہے ایسے ہی حقیقت انسانیہ کمالیہ اکملیہ اپنے نور اور تعین سے نور حقیقیہ الٰہیہ
کمالیہ اکملیہ اور اس کے تعین میں مکمل طور ایسا فانی ہو جاتا ہے کہ اس کا اثر بالکل باقی نہیں رہتا وصلہ الٰہیہ
کے وقت حاصل ہوا مرتبۂ ذاتِ احدیہ جمعیہ مطلقہ کے درمیان قبض و جذب کے ساتھ اپنے نور و تعین سے اس کے
نور و تعین ازلی ابدی سرمدی کی طرف اور وہ باقی رہتا ہے اس کے نور و تعین کے ساتھ اس اعتبار سے کہ
اس کا اثر بالکل فانی نہیں ہوتا فرقہ کونیہ کے وقت جو حاصل ہوا مرتبہ منظر یہ کثرتیہ فرقیہ میں جو مقید ہے بسط و
ارسال سے اس کی تعین و نور کی طرف بار بار با تکرار ہمیشہ ہمیشہ تک۔ اور بوجہ تجلی نور شمسی و الٰہی اور اس کے
ظہور کے قمر و انسان کامل میں تدریجاً حدِ کمال تک ان کی بقاء کامل ہوتی ہے اور اس کے استتار اور اس کے
احتقار سے ان سے تدریجاً بھی حد تمام ہوتی ہے ان کی فناء اور ان کی اس وجہ پر قبض جلال الحق سبحانہٗ سے
اور ان کا بقاء اسی طریق پر ہے بسط جمال الٰہی سے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ قبض و بسط کرتا رہتا ہے اپنے کمال
ذاتی کے مرتبہ سے اس کے دونوں ہاتھوں جلال و کمال میں بلکہ اس کے دونوں ہاتھ قدرت کھلے ہوئے ہیں
ہر ایک کو ہم دراز کرتے ہیں ان کو اور ان کو یہ رب تعالیٰ کی عطاء ہے اور تیرے رب کی عطا روکی ہوئی نہیں۔

سوال: اذا شرطیہ نہیں کیونکہ اس کی جزا وجواب واقع نہیں ہوا نہ لفظاً نہ تقدیراً جو اس میں عمل
کرے تو ظرف مطلقہ ہوگا اور ظرف کے لیے عامل چاہیئے اور وہ مشہور ہے کہ اس کا عامل اقسم مقدر ہے اور
وہ انشائیہ ہے اور انشاء حال ہوتا ہے حالانکہ اذا استقبال کے لیے ہوتا ہے اور ان دونوں کا اجتماع
بھی نہیں ہو سکتا اس معنی پر اس کے لیے نہ ظرف ہے نہ وقت۔

جواب: اذا ایسے مقامات پر تعلیلیہ ہوتا ہے یعنی چاند کی قسم یاد فرمائی باعتبار اس کے کہ وہ سورج
کے پیچھے آتا ہے اور دن کی اس اعتبار سے کہ وہ سورج کی روشنی ہے اور اللیل کی اس اعتبار سے کہ وہ ڈھانپتی
ہے جب تم کہتے ہو اشھد لك علی ھذا حیث کنت صالحًا متدینا (میں تجھے گواہ بناتا ہوں اس لیے کہ تو

صالح اور دیندار ہے) یعنی اس صلاحیت و دینداری کی وجہ سے۔ بعض التفاسیر۔
ف: قاموس میں ہے کہ اذا حال کے لیے ہوتا ہے اور یہ بعض قسموں میں ہے جیسے واللیل اذا یغشیٰ والنجم اذا ھویٰ۔ اس وقت اذا بمعنیٰ حین ہوگا، اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

تفسیر عالمانہ وَالنَّهَارِ (اور قسم ہے دن کی) نور الشمس جو ظلمتِ لیل کو مٹا کر زمین کے سائے ختم کرتا ہے اِذَا جَلّٰهَا (جب اسے چمکائے) سورج کو، کیونکہ وہ روشن ہوتا ہے دن کے پھیلنے سے اور مکمل طور روشنی کی تکمیل سے، گویا اسے دن نے روشن کیا ہے حالانکہ سورج ہی دن کو پھیلاتا ہے کیونکہ انتشار اثر کا یعنی نہار کا ایک زمانہ تک مرتفع ہونا سورج کی روشنی کی وجہ سے ہے اور سورج کی روشنی دن میں واقع ہے اسی لیے تجلیہ (فعل) کا اسناد نہار کی طرف ہے مجازاً نہارہٗ صائم کی طرح، یا معنیٰ یہ ہے کہ ظلمت کو روشنی دی یا دنیا کو یا زمین کو اگرچہ اس کا ذکر نہیں (لیکن چونکہ وہ سب کو معلوم ہے اسی لیے وہ مراد ہو تو کوئی حرج نہیں)

تفسیر صوفیانہ استیلاء نور روح کے نہار اور اس کے سلطان کے قیام اور اس کے نور کے استواء کی طرف اشارہ ہے جب اس نے اسے روشن کیا اور غایۃ ظہور میں ایسے ظاہر کیا جیسے سورج کے روشن کرنے سے استواء کے وقت دن میں روشن ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّيْلِ اور رات کی قسم، اس سے زمین کا سایہ مراد ہے جو سورج اور اس کے مابین حائل ہے جو اس پر رات کی تاریکی واقع ہوتی ہے اِذَا يَغْشٰهَا (جب اسے چھپائے) سورج کو یعنی اس کی روشنی کو ڈھانپے اور اسے گم کر کے آفاق میں تاریکی پیدا کر دے چونکہ سورج کا ہمارے اور زمین کے درمیان محجوب ہو جانا رات میں ہے اسی لیے گویا اسے رات نے ہی چھپایا اور غائب کیا ہے اسی لیے تغطیہ و تغشیہ (چھپانا) کا اسناد لیل کی طرف ہے، یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ رات آفاق و زمین کو چھپاتی ہے۔
ف: یہاں ماضی کے بجائے مضارع کا اختیار اس دلالت کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ پر زمانے کا اجراء نہیں وہ اس سے منزہ و مقدس ہے اس کے نزدیک ماضی و مستقبل برابر ہیں نیز رعایۃ فواصل بھی ملحوظ تھی اسی لیے غشاھا از تغشیۃ نہیں لایا گیا کیونکہ وہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ واوات عاطفہ واو کی قسمیہ کی نائب ہیں اور وہی فعل کے قائم مقام ہیں اور وہ بار دونوں کے

قائم مقام ہوجاتی ہیں مثلاً اقسم باللہ الخ تو ان کا حق ہے کہ وہ فعل کا اور جار دونوں کا اکٹھے عمل کریں ، جیسے کہا جاتا ہے : ضرب زید عمرو او بکر خالدا ۔ یہاں اسم مرفوع واو اور منصوب ہے کہ وہ اس ضرب کے قائم مقام ہے جو دونوں کا عامل ہے ۔ اس تقریر سے وہ سوال اٹھ گیا کہ یہ واوات اگر عاطفہ ہیں تو عطف علی معمولی عاملین مختلفین لازم آتا ہے اگر واوات قسمیہ ہیں تو ایک جواب کے لیے تعداد القسم لازم آتا ہے خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ ہم نے شق اول اختیار کی ہے اس طرح سے لزوم المحذور منع ہوگیا ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ لیل نفس کی طرف جب اس کی ظلمت کو شمس نہار رُوح ڈھانپ لیتا ہے اور وُہ بھی اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کبریٰ میں سے ایک ہے کیونکہ لیل اسم مضل کی مظہر ہے تو اس سے قسم یاد کرنا جائز ہے ۔ نہار کی قسم کی طرح اس اعتبار سے کہ وہ اسم ہادی کا مظہر ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا (اور قسم ہے آسمان اور اس کے بنانے والے کی) ما بمعنیٰ مَن ہے ، نہایت عظیم اور نہایت اونچا بنایا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ ۔

نکتہ : مَن کی بجائے ما کا اختیار وصفیۃ کے ارادہ پر تعجب پیدا کرنے کے لیے کیونکہ ما سے ذوی العقول کی صفات کا سوال ہوتا ہے گویا کہا گیا ہے :

والقادر العظیم الشان الذی بناھا ۔ قسم ہے قادر عظیم الشان کی جس نے آسمان بنایا ۔

ایسے ہی تقریر ہوگی آنے والے جملہ کی وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا (اور قسم ہے زمین کی اور جس نے اسے پھیلایا) ہر جانب سے پانی پر ، تاکہ اہلِ ارض اس پر زندگی بسر کریں ۔

حلِ لغات الطحو بمعنیٰ البسط (بچھانا) اور طاء کو دال سے تبدیل کرنا جائز ہے یعنی طحو سے دحو ۔

نکتہ : مخلوق کا ذکر کر کے اس پر خالق کا عطف اور دونوں کی قسم ملا کر یاد کرنے میں استحقاق تعظیم میں استوار (برابری) مراد نہیں بلکہ اس میں ایک لطیف وجہ ہے وہ یہ کہ اس ترتیب کو معلوم کرنے سے عالم (جہان) کے صانع کے وجود اور اس کی کمال قدرت کا علم ہوگا اور عقل کو جلال الٰہی اور اس کی عظمت شان کے سمجھنے میں مدد ملے گی جتنی اس کے بس میں ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے سورج کی قسم یاد فرمائی اور یہ بات سمجھ میں آجائیگی کہ یہ سورج جو تمام محسوسات میں عظیم تر مخلوق ہے اور ذی شرف ہے اور اس میں بے بہا منافع ہیں سمجھے گا کہ اس کا صانع کتنا عظیم ہوگا ، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے چار اوصاف بیان فرمائے :

(۱) روشن ہونا،

(۲) چاند کا اس کے تابع ہونا،

(۳) نہار کی بلندی روشن تر ہونا،

(۴) رات کے چھپانے سے چھُپ جانا۔

(یہ بھی صانع کی کمال قدرت پر دلالت کرینگے)

پھر آسمان کی قسم یاد فرمائی کیونکہ یہ سورج کی سیرگاہ ہے پھر وہ اس سے بھی بڑا ہے اس سے ان کی تنبیہ ہوگی ان کی عظمت پر کیونکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ کسی کی قسم اس کی تعظیم (عظمت شان) کی دلیل ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان دونوں کی حرکات وضعیہ اور ان کا تغیر الاحوال اجسام ممکنہ سے ہیں اور وہ صانع کی محتاج ہیں اور وہ صانع مدبر کامل القدرۃ اور انتہائی حکمت والا ہے عقل ان کے احوال و اوصاف کی معرفت کو صانع کی کبریائی کی معرفت کا وسیلہ بنائے گا گویا ترتیب مذکور عقل کو عالم حضیضات (سفلیات) سے کھینچ کر عالم ربوبیت کے آنگن اور اس کی کبریائی صمدیہ کے صحن میں پہنچا دے گی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں سماء ارواح وارض اجساد کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا (اور قسم ہے نفس کی اور جس نے اسے ٹھیک بنایا) جس نے اسے پیدا کیا اور ایسے نئے طرز سے کہ اس کے کمالات کا مستعد ہو تنکیر تفخیم کی ہے اس سے مراد نفسِ آدم علیہ السلام ہے یا تکثیر کی ہے، یہی زیادہ مناسب ہے جواب کے لیے۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کے لیے آسمان وزمین ونفس کا ذکر اس لیے ہوا کہ غائب پر استدلال شاہد سے ہی ہوتا ہے اور یہاں شاہد عالم جسمانی ہے اور وہ علوی بسیط ہے جیسے آسمان یا سفلی ہے جیسے زمین، یا مرکب ہے وہ کئی قسم ہے ان سب میں اشرف ذوات الانفس ہے اور مابعد کے عطف سے ماقبل پر استدلال سے تقدیر مضاف کے عدم جواز صحیح نہیں مثلاً کہا جائے ورب الشمس وغیرہ۔

قاعدہ: اس لیے کہ قاعدہ ہے جو مقدر معطوف علیہ میں ہوگا وہی معطوف میں ہوگا تو عبارت ورب ما بناھا ورب ما طحاھا ورب ما سوّاھا تسلیم کرنی پڑے گی، اور اس کا بطلان ظاہر ہے کیونکہ ہم کہہ آئے ہیں کہ ما بمعنی مَن سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور اس پر رب کا دخول ایسا

غلط معنیٰ پیدا کرے گا کہ جس کے بطلان سے انکار جہنم کا ایندھن بننا ہوگا اور نفس اور اسے ٹھیک بنانے کا معنیٰ و تفسیر آئے گی اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوٰهَا (پھر اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری دل میں ڈالی) فاء اگر تسویۃ کی سببیت کے لیے تو امر ظاہر ہے اگر تعقیب کے لیے ہے تو اس سے مراد وہ ہے جس پر الہام موقوف ہے یعنی قوائے ظاہرہ و باطنہ۔

تحقیق الالہام الہام بمعنی القاء الشئ فی الروع (دل میں کسی شے کا ڈالنا) وہ دو قسم ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ سے۔

۲۔ ملاءِ اعلیٰ سے۔

دراصل الہام کا معنیٰ ہے شے کا نگلنا۔

الفجور بمعنی دیانت کا چھپانا، اس کی تقویٰ پر تقدیم فواصل کی رعایت کی وجہ سے ہے یا اس کی نفی میں شدۃ اہتمام کی وجہ سے کیونکہ فجور کے انتفار کا نام تقویٰ ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کو فجور و تقویٰ کی سمجھ دی اور ان کا حال بتلایا حسن و قبح سے اور وہ جو ان دونوں تک پہنچائے اور یہ بھی قدرت دی کہ ان میں جس کو اختیار کرے۔

ف : بعض اکابر نے فرمایا کہ الہام صرف خیر و بھلائی میں ہوتا ہے شر میں نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ فی الشر الھمنی اللہ کذا (معاذ اللہ) (برائی میں مجھے اللہ تعالیٰ نے الہام کیا)

سوال : اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا فالھمھا فجورھا (اللہ تعالیٰ نے نفس کو فجور الہام کیا)

جواب : اس الہام سے مراد یہ ہے کہ فجور سے اجتناب کرے نہ کہ اس پر عمل کرے اور تقویٰ کا الہام کیا تاکہ اس پر عمل کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہمیشہ تناقض سے پاک ہے۔

ف : بعض علمائے نے فرمایا کہ الہام کا محل نفس ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فالھمھا فجورھا و تقواھا۔ اس میں ہمیں اس نے خود بتایا کہ الہام میں فاعل اللہ تعالیٰ کی ہویۃ ہے نہ کوئی اور لیکن نفس کو فجور کا الہام کیا تاکہ معلوم کرے کہ اس پر عمل نہیں کرنا اور تقویٰ کا الہام کیا تاکہ اس پر عمل کرے اس سے ثابت ہوا کہ فجور میں الہام اعلام (بتانا) کا ہے نہ کہ عمل کا کیونکہ اللہ تعالیٰ فحشار کا حکم نہیں فرماتا تو جب فحشار کا حکم نہیں تو فجور کا الہام کیسے فرمائیگا۔ اگر (معاذ اللہ) وہ فجور کا الہام بھی کرے تو پھر بندے پر اس کی حجت کیسی، بلکہ یہ الہام وہی ہے جس کا بیان وھدینہ النجدین (ہم نے انسان کو دو راہ بتا دئے) میں فرمایا۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نفس کی طرف خاطر المباح کو منسوب نہیں فرمایا نہ ہی الہام کو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مباح نفس کے لیے ذاتی ہے کہ اس کی تخلیق کے ساتھ مباح بھی ظاہر ہوا تو مباح نفس صفات نفسیہ سے ہے جیسے نفس صرف اپنی صفات سے ہی سمجھتا ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ خاطر المباح نفس کی نعت خاص ہے جیسے ضحک انسان کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ سب نفوس کی ایک حقیقت ہے اور وہ سب متحد ہیں، مختلف ہیں تو احوال و اسمائے کے واردات مختلف ہونے کی وجہ سے، کیونکہ نفس مطلقہ (قطع نظر اس کے ساتھ کسی حکم کے) جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کل کرے گا تو اس کا نام مطمئنہ ہے اور جب اس کی توجہ طبیعت کی طرف ہوگی تو اس کا نام امارہ ہے اور جب کبھی تقویٰ سے حق کی طرف متوجہ ہو تو کبھی فجور سے طبیعہ بشریہ کی طرف تو لوامہ ہے۔

حدیث شریف حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جُہَینہ یا مزینہ (قبیلہ) سے کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ لوگ جو عمل کر رہے ہیں اور اس میں جدوجہد کرتے ہیں یہ سب کچھ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے؟ آپ نے فرمایا: لکھا جا چکا ہے۔ عرض کی: تو پھر عمل کا کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا: جسے اللہ تعالیٰ نے جس منزل (بہشت یا دوزخ) کے لیے پیدا فرمایا اس کے لیے وہ اسباب تیار کرے گا جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے آیت تلاوت کی۔

دعائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دعا کرتے:

اللھم آت نفسی تقواھا وزکھا انت خیر من زکاھا انت ولیھا و مولاھا۔

اے اللہ تعالیٰ! میرے نفس کو تقویٰ دے اور اس کا تزکیہ فرما تو اس کا ولی و مولیٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (بیشک وہ مراد کو پہنچا جس نے اسے ستھرا کیا) جواب قسم ہے اور لام محذوف ہے طول کلام کی وجہ سے۔ زجاج نے کہا کلام کی طوالت لام کا عوض ہے۔ اور کشاف وغیرہ نے اسے ترک کیا کیونکہ وہ حذف کو واجب کرتا ہے اور حذف مع طول واجب نہیں اس کا جواب کذبت نہیں بنایا گیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا قسم یاد فرمانا وعدہ و وعید یا ظفر اور مقصد کے ادراک کو مؤکد کرتا ہے وہ دو قسم ہے:

(۱) دنیوی جیسے سعادات بڑکامیابی کہ جس سے زندگی اچھی بسر ہو جیسے دولتمندی، عزت، صحت عافیت وغیرہ سے وقت بسر ہو۔

(۲) اُخروی، وہ بقاء کہ جس میں فنا نہ ہو اور غناء کہ جس میں فقر نہ ہو اور عزت ہو جس میں ذلت نہ ہو اور علم جس میں جہل نہ ہو۔ اسی لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا : لاعیش الا عیش الآخرۃ (نہیں عیش سوائے آخرت کے عیش کے)

حلِ لغات الزکوٰۃ کا اصل معنیٰ زیادتی ونمو ہے، اسی سے زکا الزرع ہے جب اس میں نمو کثیر حاصل ہو تو یہی کہتے ہیں، اسی سے ہے قاضی (حاکمِ وقت) کا شاہد (گواہ) کا تزکیہ، اس لیے کہ تزکیہ سے اس کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے۔ زکوٰۃ کو اسی لیے زکوٰۃ کہا جاتا ہے کہ اسے نکال کر انسان سمجھتا ہے کہ میں نے حقِ الٰہی فقراء کو دے دیا تو میرے مال میں خیر و برکت ہو گی۔ اور تزکیۃ النفس بھی اسی لیے کہ اس سے خیرات و برکات کی تمنا ہوتی ہے کیونکہ یہ دونوں نفس میں موجود ہیں۔

اب معنی یہ ہوا کہ ایسا انسان ہر مطلوب پر کامیاب ہوا اور ہر مکروہ سے نجات پا گیا انمی النفس واعلاھا بالتقوٰی سے ہے یعنی تقوٰی سے نفس کو بلند و بالا اور ظاہر اور مشہور کیا اس لیے کہ اہلِ صلاح نفس کو ظاہر کرتے اور مشہور کرتے ہیں اس سے کہ ان کے تقوٰی کے انوار ملاءِ اعلیٰ کی طرف جھکیں اور خود کو مواضع الطاعات و محافل الخیرات کا پابند کریں بخلاف اہلِ فسق کے کہ وہ خود کو چھپاتے اور مواضع خفیہ میں نفوس کو دھنساتے ہیں کہ ان پر سعادت کا نشان ظاہر نہ ہو کہ جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کے ہاں مشہور ہوں۔

عرب کی عادت دراصل اجواد العرب کی عادت تھی کہ وہ بلند ترین جگہوں پر اُترتے اور خوب آگ روشن کرتے رات کو آنے والے مہمانوں کے لیے، تاکہ اس طرح سے وہ زیادہ شہرت پائیں بخلاف بخیلوں اور نالائقوں کے کہ وہ پوشیدہ اور غیر معروف جگہوں پر اترتے تاکہ طلب کرنے والوں سے ان کی جگہیں مخفی ہوں اسی لیے وہ خود کو چھپاتے۔ اسی لیے نیک نیکی کے لیے خود کو ظاہر کرتا اور فاجر خود کو چھپاتا ہے۔

ف : تزکیہ تطہیر کے معنیٰ میں مستعمل ہے جیسے قاموس میں ہے کہ الزکوٰۃ بمعنی صفوۃ الشیٔ (صاف ستھری شے) اور وہ زکوٰۃ کے لیے مال نکالا جاتا ہے تو اسی لیے کہ مال پاک اور ستھرا ہو۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ کامیاب ہوا جس نے نفس کو مخالفاتِ شرعیہ سے عقلاً وخلقاً وعملاً و قولاً پاک وصاف کیا۔

ف : اللہ تعالیٰ نے تزکیۂ نفس کی ترغیب کے لیے سات قسمیں یاد فرمائیں۔

درسِ تصوف از رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس آیت کی تلاوت پر فرماتے کہ تزکیۂ نفس تزکیۂ قلب کا موجب ہے۔ جب نفس خواہشات کی ملاوٹ سے صاف ستھرا ہو جائیگا دل اسی وقت تعلق ماسوی اللہ سے صاف و شفاف ہو جائے گا ؎

تا نفس مبرا از مناہی نشود
دل آئینۂ نور الٰہی نشود

ترجمہ: جب تک نفس مناہی سے پاک نہ ہو دل نورِ الٰہی کا آئینہ نہ ہو سکے گا۔

ازالۂ وہم افعال العبد کا بتقدیرِ الٰہی اور اس کی تخلیق ہونا اس کے منافی نہیں کہ افعال بندے کی طرف اسناد صحیح نہیں مثلاً ضرب زید میں یہ نہیں کہا جاتا کہ ضرب اللہ حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اس ضرب کا خالق اللہ اور کاسب بندہ ہے اسی لیے ضرب زید میں فعل ضرب کی نسبت زید کی طرف ہے کہ وہ کاسب ہے۔

رفع التناقض برائے معتزلہ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نفس کے تزکیہ وطہارۃ سے انسان دنیا میں اوصاف محمودہ کا اور آخرت میں اجر وثواب کا مستحق ہو جاتا ہے اسی لیے انسان کوشش کرتا ہے نفس کے تزکیہ وتطہیر کے لیے، پھر تزکیہ وتطہیر وغیرہ کا اسناد کبھی عبد کی طرف ہوتا ہے تو بوجہ تسبب کے، جیسے قد افلح من زکّٰھا، اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف، کیونکہ وہ حقیقی فاعل (اور خالق) ہے، جیسے فرمایا: بل اللہ یزکی من یشاء (بلکہ اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے تزکیہ کرتا ہے) اور کبھی اس کا اسناد شے کی طرف ہوتا ہے کیونکہ وہ شے وسیلہ وواسطہ ہے وصول کا، جیسے فرمایا: خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم (ان سے ان کے اموال صدقہ کے طور لو جو وہ ان کی تطہیر و تزکیہ کرینگے) اور کبھی اس کا اسناد عبادت کی طرف ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اس میں آلہ کی طرح ہے جیسے فرمایا: وحنانا من لدنا و زکاۃ (ہماری طرف سے شفقت اور صفائی)

تفسیر عالمانہ

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (اور نامراد ہوا جس نے اسے معصیت میں چھپایا)

حل لغات: القاموس میں ہے: خاب یخیب خیبۃ حرم وخسر وکفر ولم ینل ما طلب (محروم ہوگیا، گھاٹا پایا، کافر ہوا، مطلوب کو نہ پہنچا) دسّٰی دراصل دسّس تھا تقضی البازی کی طرح کہ دراصل تقضّض تھا از تدسیس بمعنی اخفاء، دس کا مبالغہ ہے چونکہ ایک قسم کے حروف کا اجتماع ہوگیا ہے اور وہ ثقل کا موجب ہے اسی لیے آخری سین کو یاء سے تبدیل کیا گیا۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ الدس ایک طرح کے اکراہ و اجبار سے ایک شے کو دوسری شے میں داخل کرنا، دسّاھا یعنی اس نفس کو معاصی میں داخل کیا، بیشک گھاٹا پایا جس نے اسے فجور اور اسے مشتبہات طبیعیہ میں چھپایا۔

تفسیر صوفیانہ

میرے شیخ و مرشد قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نفس سے یہاں (ونفس وما سوّاھا میں) ذات اور حقیقت جمعیہ انسانیہ کمالیہ جو صورۃ الٰہیہ جمعیہ کمالیہ پر پیدا کی گئی ہے مراد ہے، جیسے وارد ہے،

خلق اللہ آدم علی صورتہ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔

اسے نفس ناطقہ اور بدن کے لیے مدبرہ کہا جاتا ہے۔ وما سوّاھا سے مراد یہ ہے کہ نفس مستویہ و قابلہ بنایا کہ تعینات کمال و جلال و جمال کی تجلیات کی جلوہ گاہ ہو اور اسے متوسطہ ممکنہ بنا دیا تاکہ ذات و صفات و افعال کے ظہورات کا مظہر ہو اور اسے معتدلہ صالحہ بنایا تاکہ آثار اسماء و مراتب و احوال کے مشاہدات کا مشہد ہو اسی قابلیت جامعہ ما بین قبضتین یعنی جمال و جلال کی وجہ سے انسان ہر موجود سے اتم ہے فالھمھا یعنی پھر اس پر افاضہ فرمایا بوساطۃ جلال کے خدام سے فجورھا یعنی اس کے فجور کا یعنی آثار جلال جو مندرج ہیں اس کی حقیقت برزخیہ کی جمعیۃ میں اور اس کے احکام و احوال بھی یعنی عقائد و علوم و اعمال و مذاہب فاسدہ امور جو اس میں مائل کراتے ہیں حق سے باطل کی طرف، پھر اسے اس خسران کی سزا دی جائے گی وتقواھا اور اس پر اضافہ فرمائے جمال کے کارندوں سے جمال کے آثار و احکام و امور یعنی توحید علمی رسمی جو شرک و کفر و ہوائے نفس اور تمام فساد جو مرتبہ شریعت و طریقت میں پیدا ہوتے ہیں کے منافی ہیں اور کلمۂ توحید عینی حقیقی جو شرک و وجود ہو اخفی ایسے دیگر خرابیاں جو مرتبۂ معرفت و حقیقت وغیرہما میں ہوتی ہیں، جیسے علوم و معارف و محاسن اعمال و احوال و مکارم اخلاق و صفات سے زائل کرتی ہیں قد افلح فلاح میں داخل ہوا تمام مراتب میں طریقۃً وحقیقۃً من زکّاھا جو اسے پاک کرے آثار جلال کے رذائل سے جمیع اطوار میں وقد خاب فلاح سے محروم ہوا من دسّاھا جس نے اس میں چھپائے آثار جلالیہ و صفات نفسانیہ اور اس میں چھپائے عیوب و قبائح شیطانیہ و اہواء و شہوات بہیمیہ اور اعمال و اخلاق ردیہ اور اس کا اس کی اضداد سے علاج نہ کیا بلکہ اسے مرتبہ شریعت میں تقویٰ و صلاح کی تربیت سے اور مرتبۂ طریقت میں مجاہدہ و اصلاح و تزکیہ سے بیکار رکھا بلکہ الٹا اس کا نیات و مقصود و اعمال و اقوال کی شہوات و ہوا میں اس کی موافقت یہاں تک کہ اس کی تمام حرکات و سکنات خواہشات نفسانی بن گئیں۔ میرے (صاحب روح البیان کے) شیخ کی یہ تفسیر (آیت ہذا کی) نصف جز کے قریب ہے۔ ہم نے بطریقِ اختصار چند جملے لکھے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ ثمود (قبیلے) نے تکذیب کی بِطَغْوٰىهَآ (اپنی سرکشی سے)، یہ جملہ مستانفہ ہے وقد خاب من دسّٰھَا کے مضمون کی تقریر ہے، اسی لیے کہ طغیان انواع تدسیسیہ سے عظیم تر نوع ہے۔

حل لغات

الطغوی (بالفتح) طغیان کا مصدر ہے چونکہ رؤوس الآیات اسی وزن کے ساتھ آرہے تھے اسی لیے طغیان کی بجائے طغوٰی فرمایا (معنیٰ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں)

الکشف میں ہے کہ الطغوی الطغیان سے ہے صفت و اسم کے درمیان فرق کے لیے طغوٰی اور طغیان میں یاء ہے یعنی اسم میں یاء کو واؤ سے تبدیل کیا گیا اور صفت میں تبدیل نہیں کیا گیا۔ مثلاً کہا جاتا ہے امرأۃ خزیا و صدیا من الخزی (بالفتح والقصر) بمعنی الاستحیاء اور از الصدی بمعنی العطش (پیاس) یعنی عورت حیاء والی اور پیاسی۔ باء سببیہ ہے۔ یعنی ثمود نے جھٹلایا بسبب طغیان کے جیسے کہا جاتا ہے ظلمنی بجرأته علی اللہ (مجھ پر ظلم کیا اللہ تعالیٰ پر جرأت کے سبب سے) فعل بمنزلہ فعل لازم کے ہے اور اس میں مفعول مقدر بھی نہیں یہی مشہور ہے یا در اصل کذبت ثمود بینها صالحا علیہ السلام الخ یعنی ثمود نے اپنے نبی صالح علیہ السلام کو جھٹلایا مفعول مقدر رہے کہ وہ سب کو معلوم ہے (یعنی صالح علیہ السلام)

تفسیر صوفیانہ

اس میں اشارہ ہے کہ جب عصیان کی شدت ہو تو وہ کفر بن جاتا ہے اور جائز ہے کہ باء تکذیب کا صلہ ہو یعنی جھٹلایا ثمود نے اُسے کہ جس سے انہیں ڈرایا گیا یعنی عذاب کہ جو وہ صاحب طغوٰی اور تجاوز از حد تھا یعنی چنگھاڑ، جیسے دوسری جگہ پر فرمایا فاھلکوا بالطاغیة یعنی طاغیہ سے ہلاک کیے گئے، یعنی ایسی آواز سے جو حد سے متجاوز تھی۔

تفسیر عالمانہ

اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا (جب اس کا سب سے زیادہ بدبخت اٹھ کھڑا ہوا) یہ کذبت یا طغوٰی سے منصوب ہے یعنی اُٹھ کھڑا ہوا ثمود کی قوم سے سب سے زیادہ بدبخت یعنی قدار بن سالف اس کے حکم کی تعمیل میں جس نے اسے اس کام کے لیے مقرر کیا اس لیے کہ انبعث بعث کے مطاوع ہو کر آتا ہے۔ کہا جاتا ہے: بعث فلان فانبعث له اس نے اسے کھڑا کیا تو وہ اس کے لیے کھڑا ہوا اور اس کے حکم کی تعمیل کی۔

حل لغات

کشف الاسرار میں ہے کہ انبعاث بمعنی باعث (آمر) کی طاعت میں جلدی کرنا یا جب قدار کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ لگا تاکہ اشقیاء اونٹنی کو ذبح کریں اس لیے کہ افعل التفضیل جب مضاف ہو تو واحد و متعدد کی صلاحیت رکھتا ہے اور مذکر و مؤنث کی بھی۔ پہلے

قاعدہ پر دلیل سورۃ القمر کی آیت ہے فنادوا صاحبهم فتعاطی فعقر (پس پکارا اپنے ساتھی کو تو اس کی کوچیں کاٹنے لگے) یہ دلالت کرتا ہے کہ کوچیں کاٹنے والا ایک معین شخص تھا اور اس کی شقاوت دوسروں سے زیادہ تھی اگرچہ وہ شامل نہ ہوں تب بھی وہ اس شقاوت میں مشترک ہیں کیونکہ وہ اس پر راضی تھے۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ تو انہیں اللہ تعالیٰ کے رسول نے فرمایا، ثمود کو، جب معلوم کیا کہ ان کا عزم برا ہے اس سے مراد صالح علیہ السلام بن عبید بن جابر بن ثمود بن عوص بن ارم ہیں۔ یہ اضافت عہد کی ہے کہ رسول کے لفظ میں انتباہ ہے کہ ثمود پر ان کی طاعت ضروری تھی اور بیان ہے ان کی انتہائی سرکشی اور حد سے تجاوز فی الطغیان کا۔ نَاقَةَ اللّٰهِ اللہ کی اونٹنی۔ تحذیر پر منصوب ہے اگرچہ ان صورتوں میں سے نہیں جہاں عامل کا حذف کرنا واجب ہے ناقة (اونٹنی) اضافہ تشریفی ہے، جیسے بیت اللہ (محمد نور اللہ، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ یعنی اونٹنی کو چھوڑو کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے کمال قدرت اور میری نبوت کی دلیل ہے اس کی کوچیں نہ کاٹو۔ وَسُقْيٰهَا (اور اس کے پانی پینے کو) اس کا حصہ، اسے اس کی باری سے نہ ہٹاؤ، کیونکہ اس کی باری پانی پینے کی سب کو معلوم ہے اور ان کی بھی باری مقرر تھی اور ان کے جانوروں کے لیے بھی، لیکن اس کی وجہ سے اپنے جانوروں کے لیے پانی کی وجہ سے تنگ تھے اسی لیے ارادہ کیا کہ اسے قتل کر ڈالیں فَكَذَّبُوْهُ پھر انہوں نے اسے جھٹلایا اس کی وعید میں کہ فرمایا: ولا تمسوها بسوء فیأخذکم عذاب قریب (اسے برائی سے نہ چھوؤ تمہیں قریب کا عذاب پکڑے گا) فَعَقَرُوْهَا تو اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، سب سے بڑے بدبخت نے۔ جمع کا صیغہ بوجہ ان کی رضا کے ہے کہ اس نے جو کیا تھا خوب کیا، حالانکہ صیغہ واحد ہونا چاہیئے تھا (کیونکہ کونچیں کاٹنے والا ایک تھا یعنی قدار بن سالف)

ف: امام سہیلی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ کاٹنے والی ایک جماعت تھی یعنی قدار بن سالف اس کی ماں قدیرہ اس کا ایک ساتھی جس کا نام مصدع بن دہر او ابن جہم تھا جس نے اونٹنی کے قتل میں اس کی مدد کی۔

حلِ لغات: العقر بمعنی النحر (ذبح کرنا) تکذیب کی تقدم عقر پر اس لیے کہ وہی عقر کا سبب تھا۔

قاتلِ علی رضی اللہ عنہ

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا علی اتدری من اشقی الاولین (اے علی! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اولین میں سب سے بڑا بدبخت کون تھا؟)

عرض کی: اللہ ورسوله اعلم (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ہی جانتے ہیں)

فرمایا: عاقر الناقة (جس نے (حضرت صالح علیہ السلام) کی ناقہ کی کونچیں کاٹیں،

پھر فرمایا:

اتدری من اشقی الآخرین۔ (کیا تم جانتے ہو کہ آخر میں سب سے بڑا بدبخت کون ہے)

عرض کی: اللہ ورسولہ اعلم (اللہ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خوب جانتے ہیں)

فرمایا: قاتلك (تمہارا قاتل)

(یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ما فی الغد ہے کہ قبل از وقت جیسے آپ نے فرمایا ویسے ہی ہوا)

تفسیر صوفیانہ

اس میں ناقہ روح کی طرف اشارہ ہے کہ اسے ظلماتِ نفسانیہ وشہواتِ حیوانیہ سے نفس کا قتل کرنا اس کی سب سے بڑی بدبختی ہے۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت بھی قاتل کی سب سے بڑی بدبختی ہے کہ اس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو شہید کیا کہ آپ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت کے مظہر تھے اور مقامِ حقیقت میں آپ ہی سب سے بڑے وارث تھے (یہ جزوی فضیلت انہیں سیدنا ابوبکر وعمر وعثمان سے افضل نہیں بناتی، فافہم ولاتکن من الرفضہ) اور علی الولی رضی اللہ عنہ کی طرف قصد محمد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف قصد کرنا ہے، اس سے بڑھ کر اور کوئی بدبخت نہ ہوگا جو مظہر رحمۃ کلیہ کا غضب وانتقام سے مقابلہ کرے۔

تفسیر عالمانہ

فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ ان پر عذابِ کامل چھا گیا یعنی چنگھاڑ۔

حلِ لغات: یہ تکرار کے قبیل سے ہے کہا جاتا ہے: ناقۃ مدمومۃ وہ اونٹنی جسے چربی سے طلاء کیا جائے اسے ایسے گھیرا جائے کہ کوئی ایسی جگہ نہ رہ جائے کہ جس پر طلاء نہ ہو دم الشئ کا مطلب ہے کہ اسے کالے تیل سے لیپ دیا۔ اور کہا جاتا ہے دممت علی القبر میں نے قبر پر مکمل طور پر لیپ کر دیا۔ دال مکرر لائی گئی احاطہ میں مبالغہ کے لیے۔ دمدمۃ دمدم سے ہے، جیسے کبکبۃ از کب ہے۔

کشف الاسرار میں ہے کہ اہلِ عرب کہتے ہیں دممت علی فلان۔ پھر مبالغہ کر کے بولتے ہیں دمّمت (بالتشدید) پھر اس کا اور مبالغہ کرتے ہیں کہ دمدمت یہ ترکیب غشیان الشئ الشئ (شے کو دوسری شے سے ڈھانپنا) سے ہے۔

بِذَنْبِهِمْ ان کے گناہوں کے سبب سے جو مذکور ہوا اور تصریح ہو چکی اور اس پر فاء بھی دلیل ہے کہ ان کے گناہوں پر برے انجام سے ڈرایا گیا ہے تاکہ وہ اپنے تمام گناہوں سے عبرت پکڑیں۔

فَسَوّٰىهَا (پھر اسے برابر کردیا) ہا، دمدمۃ کی طرف راجع ہے۔ یعنی ان سب کو ہلاک وتباہ کردیا کوئی نہ بچا، نہ چھوٹا نہ بڑا، یعنی ثمود کو زمین کے برابر کردیا۔ مروی ہے کہ جب قوم ثمود نے عذاب کے آثار دیکھے تو ارادہ کیا کہ انہیں شہید کرڈالیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی، جیساکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ہُود میں فرمایا:

فلما جاء امرنا نجینا صالحاً والذین اٰمنوا معہ برحمۃ منا۔	جب ہمارا امر آیا تو ہم نے صالح علیہ السلام اور اہلِ ایمان کو اپنی رحمت سے نجات دی۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (اور اس کے انجام سے نہیں ڈرتا) واؤ استئنافیہ ہے یا حال کی ہے منوی سے جو سوّاھا میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے برابر کیا وہ دمدمہ کی عاقبت سے خائف نہ تھا اور نہ ہی اس کی تباہی اور ثمود کی عاقبت سے، جیسے دوسرے عذاب دینے والوں کو دوسرے بادشاہوں اور امراء کا خوف ہوتا ہے اسی لیے کچھ رحم کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ تو جو کچھ کرتا ہے حق کرتا ہے اسے عاقبت کا کیا خوف اور اس کے انجام کا کیا خطرہ۔

ف : بعض نے اس سے قدار اور اس کے ساتھی مراد لیے ہیں کہ انہیں باوجودیکہ صالح علیہ السلام نے عذاب کی خبر دی لیکن انہیں اس کا خطرہ محسوس نہ ہوا کہ اونٹنی کے قتل کے بعد ان کا کیا انجام ہوگا اور کن مصائب اور بلاؤں اور عذاب میں وہ گھر جائیں گے۔

(صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا) تفسیر سورۃ الشمس ربیع الآخر ۱۱۱۷ھ میں مکمل ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ ترجمہ تفسیر سورۃ الشمس سے ۲۱ رجب المکرم ۱۴۰۹ھ / ۲۸ فروری ۱۹۸۹ء بروز منگل فارغ ہوا۔ الحمد للہ علی ذٰلک۔

سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۲۱ رُكُوْعُهَا ۱

سورۃ الیل مکیہ ہے — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — اس میں اکیس آیتیں ہیں

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰۤى ۝۳

اور رات کی قسم جب چھائے اور دن کی جب چمکے اور اس کی جس نے نر و مادہ بنائے

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝۴ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝۵ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝۶

بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے تو وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی کو سچ مانا

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝۷ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝۸ وَكَذَّبَ

تو بہت جلد ہم اُسے آسانی مہیا کردیں گے اور وہ جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا اور سب سے

بِالْحُسْنٰى ۝۹ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝۱۰ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ۝۱۱ اِنَّ

اچھی کو جھٹلایا تو بہت جلد ہم اسے دشواری مہیا کردیں گے اور اس کا مال اُسے کام نہ آئے گا جب ہلاکت میں پڑے گا بیشک

عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝۱۲ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝۱۳ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝۱۴

ہدایت فرمانا ہمارے ذمہ ہے اور بیشک آخرت اور دنیا دونوں کے ہمیں مالک ہیں تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے

لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ۝۱۵ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝۱۶ وَسَيُجَنَّبُهَا

نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا اور بہت اس سے دُور رکھا جائے گا جو سب سے

الْاَتْقَى ۝۱۷ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝۱۸ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ

بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا

تُجْزٰۤى ۝۱۹ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝۲۰ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝۲۱

جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا

سورۃ الّیل مکیہ ہے اس کی اکیس آیات ہیں۔ بعض نے کہا یہ مکّی و مدنی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى (اور رات کی قسم جب چھا جائے) اِذَا حال کے لیے ہے اس لیے کہ قسم کے بعد ہے جیسے سورۃ سابقہ میں گزرا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے رات کی قسم یاد فرمائی کہ وہ سورج کو ڈھانپتی ہے مفعول کا عدم ذکر اس سے علم کی وجہ سے ہے۔ یا نہار کو، یا ہر اس کو جو اس کی ظلمت

میں چھپ جاتا ہے ۔

مسئلہ: شرع میں مابین غروب شمس وطلوع الفجر الصادق کا نام رات ہے ۔ یہاں شاید یہی مراد ہے کہ اس کے بالمقابل نہار ہے ۔

شب کے فضائل کشف الاسرار میں ہے کہ رات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتبہ وشرف حاصل ہے کہ اسے قسم کا محل بنایا ، اور یہ شرف اس لیے ہے کہ دوستانِ خدا رات کو ہی مناجات میں مشغول ہوتے ہیں اور تمام رات شرابِ صفا پیتے رہتے ہیں اور خلعتِ رضا پہنتے ہیں اور عتاب محبوب سنتے ہیں جب سحر ہوتی ہے فرمان ہوتا ہے کہ اس قبہ فیروزی کے دروازے کھول دو اور عرش مجید کے پردوں کے دامن چھوڑ دو اس پر بارگاہِ حق کے مقرب خاموش ہو جاتے ہیں کیونکہ جبار کائنات اپنی کبریائی اور بلندی سے خطاب فرمایا کہ ہر محبوب محبوب کے ساتھ ہوتا ہے میرے احباء کہاں ہیں ؎

اللیل داج والعصاۃ نیام

والعابدون لذی الجلال قیام

ترجمہ : رات آئی اور گنہگار سو گئے لیکن عابد لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں قائم ہو جاتے ہیں ۔

وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ (اور قسم دن کی جب چمکے) ظلمۃ اللیل کے زوال پر ظاہر ہوا کہ اس سے پہلے سورج چھپا ہوا تھا فاصلتین کا اختلاف آنے جانے کی وجہ سے ہے ، جیسے ہم نے سورۂ سابقہ میں بیان کیا ۔

تفسیر صوفیانہ (۱) اس میں اشارہ ہے غیب ہویہ مطلقہ کی قسم کی طرف جو تعینات اعتباریہ کے دن کو ڈھانپتا ہے اہلِ ذوق وشہود پر اور قسم ہے نور نہار وجودات مقیدہ کی جب جلوہ گر ہوتا ہے بسبب تعینات عقلیہ کے ساتھ نسبت کے طرف اہلِ حجاب واحتجاب کے ۔

(۲) حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ظلمت نفس کی رات کی جب وہ نور روح کو چھپاتا ہے جب جلوہ گر ہوتا اور ظاہر ہوتا ہے ان دونوں کے اجتماع سے وجود قلب کا جو عرش رحمٰن ہے کیونکہ قلب کا جوہر ان دونوں کے اجتماع سے رُوح کی طرف ظاہر ہوتا ہے اس کا نام فؤاد ہے یہی معارف وحقائق حاصل کرتا ہے ، اور قلب کا دوسرا رُخ نفس کی طرف ہے اس کا نام صدر (سینہ) ہے اس سے وہ پوشیدہ باتیں محفوظ کرتا ہے اور اسی میں معانی متمثل ہوتے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ **وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ** (اور قسم ہے اس کی جس نے نر و مادہ پیدا کیا) ما عالم کی صفت ہے جیسے وما بناھا میں چونکہ اس میں بہت زیادہ ابہام ہے اسی لیے ایسے وصف میں استعمال ہوتا ہے جس میں قوت وکمال کا انتہائی درجہ ہو کہ کوئی بھی اس کی

کُنہہ تک نہ پہنچ سکے اور نہ ہی وہاں عقل کی رسائی ہو کہ اس کا ادراک کر سکے کیونکہ ممکن کا ادراک امر عام سے صادق ہے ورنہ حقیقت تک پہنچنے کا کوئی امکان نہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ دونوں استغراق کے لیے ہوں، یعنی قسم ہے قادر عظیم القدرۃ کی جس نے دونوں صنف نر و مادہ پیدا کیے دونوں سے توالد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اس سے لبغل و لبغلہ خارج ہو گئے (کیونکہ ان سے توالد جانبین سے نہیں) بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ذوی الارواح کی کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائی جس میں نر و مادہ نہ ہو اگرچہ اس سے خنثیٰ کے لیے اشکال ہے لیکن وہ صرف ہمارے لیے ہے ورنہ اس کے لیے مشکل نہیں کہ اس کے ہاں وہ نر ہے یا مادہ۔

مسئلہ: اگر کوئی قسم کھائے کہ آج نہ کسی مرد سے ملوں گا نہ عورت سے، اندریں اثنار خنثیٰ مشکل کو ملا تو حانث ہو جائیگا کیونکہ درحقیقت مرد ہے یا عورت ہے اگرچہ ہمارے نزدیک خنثیٰ مشکل ہے کما فی الکشاف بعض نے آیت میں الذکر والانثیٰ سے آدم و حوا علیہما السلام مراد ہیں اس وقت لام عہد کی ہو گی، جیسے فرمایا:

یٰاَیُّھا النّاس انا خلقنٰکم من ذکر وانثیٰ۔ — اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا نر و مادہ سے۔

قرأۃ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ والذکر والانثیٰ پڑھتے تھے۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم ملک شام میں آئے تو ہمارے ہاں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا تم میں کوئی ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت کے مطابق پڑھتا ہو میں نے کہا میں پڑھ سکتا ہوں، فرمایا یہ آیت کیسے ہے میں کہا والذکر والانثیٰ فرمایا بخدا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسے سنا کرتا تھا لوگوں کا خیال تھا کہ میں بھی وما خلق الذکر والانثیٰ پڑھوں لیکن میں ان کی اتباع نہیں کرتا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ذکر روح اور انثیٰ نفس ہے ان کے اجتماع سے قلب پیدا ہوا۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا کہ لیل نر نہار مادہ ہے، جیسے سورۃ النازعات میں گزرا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی (بیشک تمہاری کوشش مختلف ہے) جواب قسم ہے مصدر بمعنی جمع ہے قاعدہ سب کو معلوم ہے کہ مصدر مضاف سے عموم ہوتا ہے اسی لیے اس کی خبر صیغۂ جمع ہے۔

حل لغات شتّٰی شتیت کی جمع ہے جیسے مرضیٰ، مریض یعنی متفرق و مختلف۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہاری مساعی یعنی اعمال مختلفہ بوجہ اختلافات استعدادات ازلیہ کے ہے بعض حسن، نافع، خیر،

صالح اور بعض قبیح، ضار، شر، فاسد ہوتی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

الناس عادیان فمبتاع نفسہ فمعتقہا او با ئع نفسہ فموبقہا۔

(لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں،

(۱) اپنے نفس کو خریدنے والے اور آزاد کرنے والے۔

(۲) بیچنے والے بہتر آزاد کرنے والے ہیں۔)

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری مساعی مختلف ہیں غلبۂ نوریہ سے جانب روح کی طرف انجذاب اور توجہ الی الخیر کی وجہ سے (بعض کا) اور غلبۂ ظلمت سے جانب نفس کی طرف اور شر میں انہماک کی وجہ سے (بعض کا)۔

ف: بعض نے کہا اس آیت کا باطل یہ ہے کہ اپنی سعی کو عطیۂ حق سمجھے کہ اسی طرح ہوا تکوین و تخلیق سے پہلے۔ جیسے فرمایا:

نحن قسمنا بینھم۔ (ہم نے ہی ان کے درمیان تقسیم فرمائی)

مراتبِ سعی سعی کے کئی مراتب ہیں سلطان سے متصلین کے مراتب کی طرح کہ اس کے کوئی ندیم ہوتے ہیں کوئی جلیس (ہم نشین) اور کوئی اصحاب الاسرار (ہمراز) ہوتے ہیں، ایسے بندگانِ خدا کا حال ہے کہ کئی نفوس سے سعی کرتے طلبِ درجات کے لیئے، کوئی عقول سے طلبِ کرامات کے لیے، کوئی قلوب سے طلبِ مشاہدات کے لئے، کوئی ارواح سے طلبِ مدارات کے لیے، کوئی اسرار سے انوار اللذات میں فناء و انوار الصفات میں بقاء کے لیے، کوئی ارادہ و محبت و شوق و عشق و معرفۃ سے وغیرہ۔

تفسیر عالمانہ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی (اور وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی) ان مساعی شتّٰی کی تفصیل ہے اور ان کے احکام کا بیان ہے کہ جس نے مال کے حقوق ادا کئے اور محارم الٰہی سے رکا منجملہ ان کے منّ (احسان جتلانا) اور اذی (اذیت دینا) ہے وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی (اور سب سے اچھی کو سچ مانا) یعنی اچھی خصلت کو اس سے ملۃ الاسلام یا ثواب اچھا مراد ہے یعنی جنت کو یا ایمان یا کلمۂ حسنٰی یعنی کلمۂ توحید یا اچھی ملت یعنی اسلام۔ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی (تو بہت جلد ہم اُسے آسانی مہیا کریں گے)

حلِ لغات التیسیر بمعنی مہیا کرنا، نہ وُہ جو تعسیر کے بالمقابل ہے، اسی سے ہے، کل میسر لما خلق لہ (اسے وہ سب کچھ دیا جاتا ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے) اب وہ ضرورت

ہی نہیں کہ کہا جائے کہ عُسریٰ کی مشاکلت پر یُسریٰ لایا گیا ہے جزاء سیئۃ الخ یا فبشرھم بعذاب الیم کی طرح۔ کہا جاتا ہے :

یسر الفرس للرکوب (گھوڑا سواری کے لیے مہیا کیا)

جب اسے زین اور لگام وغیرہ سے تیار کر کے کسی کو دیا جائے۔ یُسریٰ الیسر کی تانیث ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم اسے تیار کر دیں گے اور توفیق دینگے اس اچھی خصلت کے لیے جو اُسے آسانی و راحت دے، جیسے بہشت میں داخلہ اور اس کے مبادی، یعنی ایسے اعمال صالحہ کی توفیق جو اسے بہشت میں لے جائیں۔

نکتہ خصلت کو یُسریٰ سے موصوف کرنا مجاز باعتبار اس کے ہے کہ وہ یُسریٰ تک پہنچاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جس نے نفس کو طاعات سے پاک کیا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے لیے، اور اعراض از دنیا سے اور پرہیزگاری کی عین اسی طاعت میں اسے اپنی طرف منسوب کرنے سے اور اپنے باطن کو کلمۂ حُسنیٰ سے سچا بنایا تو ہم اسے اچھی خصلت کی توفیق دیں گے یعنی اپنے حضور اور اپنے بڑے لٹکے ہُوئے پردوں تک پہنچنے کے لیے۔

تفسیر عالمانہ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ (اور وہ جس نے بخل کیا) اپنے مال سے اور اسے کار خیر میں خرچ کیا۔ البخل بمعنی وہ مال روکنا جسے روکنے کا کوئی حق نہیں اس کے بالمقابل جُود ہے وَاسْتَغْنٰى (اور بے پروا بنا) اس سے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے یعنی اس میں رغبت نہ کی، گویا وہ اس سے بے پروا ہے، اسی لیے پرہیزگاری نہ کی یا بے پروا ہوا شہوات دنیا میں منہمک ہوکر آخرت کی نعمتوں سے اسی لیے پرہیزگاری نہ کی بہرحال بے پروائی عدم اتقاء کے پیچھے ہے اس اتقاء کے جو پہلی آیت میں ہے اس معنیٰ پر ان دونوں کے درمیان تقابل حاصل ہو گیا وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى (اور سب سے اچھی کو جھٹلایا) اچھی خصلت مراد ہے اس کی تفصیل پہلے گزری ہے فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى (تو بہت جلد ہم اس کے لیے دشواری مہیا کریں گے) وہ خصلت و عادت جو اسے دشواری و شدّت تک پہنچا دے یعنی دخولِ نار اور اس کے مقدمات اس کے اپنے اختیار پر۔

نکتہ دونوں قسموں کو پہلے بیان کیا گیا حالانکہ آنے والی قسمیں ان سے مرتبہ میں بڑھ کر ہیں صرف تیسیر للیسریٰ اور تیسیر للعسریٰ کی وجہ سے تاکہ تنبیہ ہو کہ یہ دونوں اپنے طور اصل اصیل ہیں کی تصدیق و تقویٰ و تکذیب و استغناء کا تتمہ نہیں۔

ف : ظاہر یہ ہے کہ سین اس جزاء کی دلالت کے لیے ہے جو طاعت و معصیت میں کسی کو ملے گی اور وہ

آخرت میں ہوگی کہ یہ امر متراخی منتظر (انتظار کردہ) ہے اسی لیے اس پر سین داخل ہے اور یہ تراخی کا حرف ہے تاکہ دلیل ہوکہ سودا ادھار کا ہے نقد نہیں (کذا فی التفاسیر)۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جس نے طاعت وعبادت رُوحیہ وسِرّیہ قلبیہ میں بخل کیا اور ہماری طرف متوجہ ہونے سے بے پروا ہُوا اور اس حسنیٰ کی تکذیب کی جو ہم نے اسے عطا کی سلامتی، اعضاء وجوارح اور جاہ ومال تو بہت جلد ہم اس کے لیے دشواری مہیا کریں گے اپنے سے بُعد اور طرد ولعن اور نارِ حجاب کے دخول سے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهٗٓ (اور اس کا مال اسے کام نہ آئے گا) عذاب سے بچانے میں۔ یہاں مفعول محذوف ہے یعنی کون سی شے مال میں سے جس کے لیے بخل کرتا ہے کچھ کام نہ آئے گی ما یغنی کا مفعول اور استفہام انکار کا ہے اِذَا تَرَدّٰى جب ہلاک ہوگا اور مرجائے گا۔

حلِ لغات تردّٰی از ردٰی بمعنی ہلاکت، مبالغہ کے لیے ہے ردٰی ہمچوں عصا بمعنی الهلاک۔ امام راغب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ الردی بمعنی الهلاک، اور اتردی بمعنی تعرض للهلاك (ہلاک کے درپے ہونا) یا تردی بمعنی گڑھے میں گرا، یعنی قبر داخل ہوا یا جہنم کے گڑھے میں گرا۔

مسئلہ: وہ مال جس سے انسان آخرت میں بوقتِ حاجت نفع پائیگا وہ ہے جس کے حقوق ادا کئے ہونگے اور آگے بھیجا نہ وہ جس میں بخل کرکے وارثین کے لیے چھوڑا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جب ہلاک ہوا ہماری مخالفت اور طبیعۃ بشریہ کی موافقت میں تو پھر ہمارے غضب وقہر سے اسے کون چھڑائے گا جب ہم بصورۃ القہر والنقمہ جلوہ گر ہُوئے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى (بیشک ہدایت فرمانا ہمارے ذمہ ہے) جملہ مستانفہ ماقبل کی تقریر کرتا ہے یعنی بیشک ہماری قضائے کے بموجب جو مبنی بر حکمِ بالغہ ہے باعتبار اس کے کہ ہم نے مخلوق کو عبادت کے لیے پیدا فرمایا تو ہم انھیں ہدایت کا راستہ اور وہ راستہ جو گمراہی تک پہنچائے بیان کریں اور یہ ہم کرچکے اس سے بڑھ کر اور کچھ نہ ہوگا کیونکہ ترغیب وترہیب سنائی ہے اس کے حال کی جو ان دونوں راہوں پر چلے۔

ردِ معتزلہ اس سے معلوم ہُوا کہ ہدایت کا معنیٰ ہے وہ دلالت اس راہ کی جو مقصد تک پہنچائے نہ وہ دلالت جو خود مقصد تک یقیناً پہنچائے اسی لیے آیت کے ظاہر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ لفظ علیٰ سے

ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بہتر راہ کی راہبری واجب ہے۔ جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ بلکہ یہاں علیٰ اپنے معنی پر سہی لیکن مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مقتضا اور موجب قضایٔ کے اصول پر اس کے ذمہ کرم ہے (نہ کہ وجوب معروف)

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارے ذمہ کرم ہے کہ ہم تمہارے عقل کے نور و حس و ادلۂ عقلیہ وسمعیہ کو جمع کر کے اور استدلال واستبصار پر قدرت دے کر اپنی طرف راہ دکھائیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى (اور بیشک دنیا و آخرت کے ہمیں مالک ہیں) دونوں میں تصرفِ کُلّی ہمیں ہے افعال میں، جیسے ہم چاہیں منجملہ ان کے ایک یہی ہے یسرٰی کے لیے آسانی اور عسرٰی کے لیے دشواری مہیا کرنا فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى (تو میں تمہیں اس آگ سے ڈراتا ہوں جو بھڑک رہی ہے) ایک تار حذف کی گئی ہے کہ در اصل تتلظّٰی تھا بمعنی تتلھب بھڑک رہی ہے نار مؤنث ہے اور تلظّٰی اس کی صفت ہے اگر ماضی ہوتی تو تلظّت ہوتا۔ علاوہ ازیں اس وصف سے بالفعل بالاستمرار بھڑکنا مراد ہے۔

ف: بعض تفاسیر میں ہے کہ انذرتکم میں انشاء الانذار مراد ہے بعت و اشتریت کی طرح۔ یا اخبار ہے تو اس سے انذار سابق مراد ہے سورۃ المدثر کی طرح فرمایا:

ساصلیه سقر وما ادراک ما سقر — عنقریب انہیں سقر میں داخل کرینگے تمہیں کیا معلوم

لا تبقی ولا تذر لواحة البشر۔ — سقر کیا ہے نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی اور چمڑے ادھیڑنے والی ہے۔

کیونکہ مدثر پہلی سورۃ ہے نزول کے لحاظ سے اکثر علماء کے نزدیک۔ یہ ڈرانے میں اس سے زیادہ سخت ہے کہ کہا جاتا ہے:

خافوا واتقوا نارًا تلظّٰی۔ (خوف کرو اور ڈرو اس نار سے جو بھڑک رہی ہے)

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى (نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت) داخل ہونا لازمی طور کہ جس کی گرمی کی سختی برداشت کرنے کی نہیں۔

حل لغات الاشقی شقاوت میں زیادہ۔ یعنی کافر۔ کیونکہ وہ فاسق سے زیادہ بدبخت ہے۔ کشف الاسرار میں ہے: اشقی بمعنی شقی ہے اور اہل عرب فاعل کو افعل میں استعمال کرتے ہیں، اسی سے قولِ الٰہی وانتم الاعلون (اور تم ہی بلند ہو) اور اتبعك الارذلون (اور رذیل لوگوں نے تیری تابعداری کی)

مسئلہ: فاسق کا دوزخ میں داخل ہونا لازم نہیں (کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دے تو) اور نہ ہی دائماً دوزخ میں رہے گا جس کی اللہ نے تصریح فرمائی ہے کہ الَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی (جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) یعنی حق کی تکذیب کی اور اطاعت سے منہ پھیرا۔ اور یہ صرف کافر ہی کر سکتا ہے وَسَیُجَنَّبُهَا (اور بہت اس سے دُور رکھا جائیگا) کہ اس کی آواز بھی نہ سنے سیجنّب کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یعنی یہ کام کرنیوالا دور رکھنے والا اور بعید کرنے والا وہی ہے۔ الْاَتْقَی (جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے) کفر و معاصی سے بہت بچنے والا، وہ دوزخ کے قریب بھی نہ ہوگا چہ جائیکہ اس میں داخل ہو یا دائماً اس میں رہے۔

ف: وہ جو اس سے مرتبہ میں کم ہے کہ وہ کفر سے تو بچتا ہے لیکن معاصی سے نہیں یعنی مومن شقی فاسق غیر تائب، اس کے لیے ایسا دُور رکھنا نہیں بلکہ (ممکن ہے) وہ داخل ہو لیکن اس کی گرمی کی شدت کافر کی طرح نہ چکھے گا کیونکہ وہ دوزخ فوقانی (اوپر والے طبقہ) میں ہوگا اسی لیے وہ معنی مذکور کی طرح دوزخ میں نہ ہوگا اسی لیے حصر اس کے خلاف نہیں۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اتقٰی بمعنی تقی ہے اشقٰی بمعنی شقی کی طرح۔ شاعر نے کہا: ؎

تمنی رجال ان اموت و ان امت

فتلك سبيل لست فيها باُوحد

ترجمہ: لوگوں نے میرے مرنے کی آرزو کی، اگر مر بھی جاؤں تو یہ وہ راہ ہے کہ میں اس میں تنہا نہیں۔

ف: اوحد بمعنی واحد ہے۔

الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ (جو اپنا مال دیتا ہے) خرچ کرتا ہے نیکی وحسنات کے وجوہ میں۔ یَتَزَکّٰی (کہ ستھرا ہو) یہ یؤتی سے بدل ہے صلہ کے حکم میں داخل ہے اس کے اعراب کا کوئی محل نہیں یا محلاً منصوب ہے کہ یؤتی کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ خرچ کرنے کے بعد طالب ہے اللہ تعالیٰ کا کہ اس کا مال ستھرا ہو اور بڑھے اس سے اس کا ریاء و شہرت کا ارادہ نہیں، یا درانحالیکہ وہ پاک ہونے والا اور گناہوں اور بخل کی غبار اور امساک کی گرد سے صاف ہونے والا ہے۔ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰی (کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے) جملہ مستانفہ مقررہ ہے اس کا کہ اس کا مال دینا محض تزکی کی نیت پر ہے خالص رضائے الٰہی کے لیے ہے یعنی کسی کی اس پر نعمت نہیں اور نہ ہی احسان ہے جس کا بدلہ دیا جائے کہ وہ خرچ کرنے سے بدلہ اتارنے کا ارادہ کرتا ہے اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی (صرف

اپنے رب تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے) استثنار منقطع ہے نعمۃ سے کیونکہ رضائے الٰہی کی طلب نعمۃ کی جنس سے نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ یہ رضائے رب کی خاطر ہے یعنی اس کی ذات اور رضا کی طلب کے لیے وہ حقیقت میں مفعول لہ ہے اور اس نے کسی گزشتہ نعمت کا بدلہ اتارنے کے لیے مال نہیں دیا جو وہ ادائے دین کے طور ہو اس کے تو مزید ثواب کے استحقاق میں دخل نہ ہوگا بلکہ ثواب کا مستحق وہ ہے جب اس کا فعل اس ارادہ پر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا اور اس کی ترغیب دی ہے وہ اس نے حکم کی تعمیل اور اسے راضی کرنے کے لیے خرچ کر رہا ہے۔

ف : الاعلیٰ بمعنی علی رفیع ہے جو تمام مخلوق سے قہر و غلبہ میں بلند (کذا قال ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ)

تفسیر صوفیانہ

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وجہ کی وصف سے وہی ذات موجودہ مع جمیع الصفات مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا بحسب ہر اسم ایک وجہ ہے جس سے وہ جلوہ گر ہوتا ہے اس کے لیے جو اسے پکارتا ہے زبان حال سے اسی اسم کے ساتھ اور اس کی عبادت کرتا ہے اپنی استعداد پر اور الوجہ الاعلیٰ وہ ہے کہ اس کے لیے بحسب اسم اعلیٰ وجہ ہے جو جمیع اسمار کو شامل ہے اگر اسے رب کی صفت بنایا جائے تو رب سے مراد وہی اسم ہے۔

شانِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

(دراصل یہ سورۃ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل و کمالات پر مشتمل ہے اسی لیے فقیر اس کے متعلق صاحب روح البیان قدس سرہٗ کے مضامین ملا کر عرض کرتا ہے۔

شانِ نزول : جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بہت گراں قیمت پر خرید کر آزاد کیا تو کفار کو حیرت ہوئی اور انہوں نے کہا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا شاید بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا جو انہوں نے اتنی بڑی قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر فرما دیا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہے کسی کے احسان کا بدلہ نہیں اور نہ ان پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا کوئی احسان ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت سے لوگوں کو ان کے اسلام کے سبب خرید کر آزاد فرمایا۔ صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا:[1] سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ مندرجہ ذیل دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی خرید کر آزاد فرمایا ان کے نام یہ ہیں:

(۱) عامر بن فہیرہ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

(۲) اُن کا بھائی

(۳) عبید

(۴) بی بی زنیرہ یعنی سکینہ ۔ یہ مملوکہ (کنیز) رومیہ تھیں ۔

(۵) ان کی بیٹی ام عمیس

(۶) بنی المؤمل کی کنیز

(۷) ان کی بیٹی نہدیہ ۔

بی بی زنیرہ کی کرامت یہ بی بی ضعیف البصر تھیں ۔ انہیں مشرکین نے طعنہ مارا کہ ان کی آنکھیں لات و عزیٰ نے چھین لی ہیں جب سے زنیرہ نے ان کے دین کی مخالفت کی ہے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھیں روشن فرما دیں ۔

ف : مشرکین مذکورہ حضرات کو اذیتیں پہنچاتے تاکہ اسلام سے پھر جائیں ، انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کر دیا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اشقیٰ سے ابوجہل یا امیہ بن خلف مراد ہے ۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ یہ سورۃ دو شخصوں کے بارے میں ہے :

(۱) سب سے بڑا متقی جو صدیقوں کا امام ہے یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ۔

(۲) سب سے بڑا شقی جو زندیقوں کا سردار ہے یعنی ابوجہل ۔

ف : سورۃ کے ابتدا میں لیل و نہار کی قسم یاد فرمائی ہے اس میں اشارہ ہے ایک کی ظلمت کی طرف اور دوسرے کی نورانیت کی طرف ، یعنی شبِ ضلالت میں اس جیسا بڑا اور کوئی گمراہ نہ تھا وہ ہے ابوجہل شقی ، اور دعوت کے دن جیسا نورِ ہدایت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا اس سے بڑھ کر اور کون ہے

(۱)	سرِ روشندلان صدیق اعظم	کہ شد اقلیم تصدیقش مسلم
(۲)	ز مہرش روز دین را روشنائی	بدو اہل یقین را آشنائی

ترجمہ : (۱) روشن دل حضرات کا سردار صدیق اعظم ہے کہ اس کی تصدیق کی شاہی مسلّم ہے ۔

(۲) ان کی مہر محبت سے دین کو روشنی ملی اور انہی کی بدولت اہلِ یقین کو آشنائی ۔

(حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ خزائن العرفان میں میں رقمطراز ہیں کہ

یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امیہ بن خلف کے حق میں نازل ہوئیں، جن میں سے ایک حضرت صدیق الاتقیٰ ہیں اور دوسرا امیہ اشقیٰ۔ امیہ بن خلف حضرت بلال کو جو اس کی ملک میں تھے دین سے منحرف کرنے کیلئے طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تھا اور انتہائی ظلم اور سختیاں کرتا تھا۔ ایک روز حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر اُمیّہ نے حضرت بلال کو گرم زمین پر ڈال کر تپتے ہوئے پتھر ان کے سینہ پر رکھے ہیں اور اس حال میں کلمۂ ایمان ان کی زبان پر جاری ہے۔ آپ نے امیّہ سے فرمایا: اے بدنصیب! ایک خدا پرست پر یہ سختیاں۔ اس نے کہا آپ کو اس کی تکلیف ناگوار ہے تو خرید لیجئے۔ آپ نے گراں قیمت پر انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی اس میں بیان فرمایا گیا کہ تمہاری کوششیں مختلف ہیں یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کوشش اور اُمیّہ کی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ رضائے الٰہی کے طالب ہیں امیہ حق کی دشمنی میں۔

ف: اس شانِ نزول کے مطابق صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کے مضامین ملاحظہ ہوں[۱])

حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم وستم کا ایک نمونہ

منقول ہے کہ امیّہ بن خلف کے حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) غلام تھے اس نے آپ کو گوناگوں عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا تاکہ آپ دینِ حق سے پھر جائیں۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دل میں آتشِ حُبِّ ربّانی اور زیادہ شعلہ زن ہوتی ہے

آنجا کہ منتہاے کمال ارادتست
ہر چند جور بیش محبت زیادتست

ترجمہ: جہاں کمالِ ارادت انتہا پر ہو وہاں جتنا ظلم ہوگا اُتنا ہی محبت میں اضافہ ہوگا۔

ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اُدھر سے گزر ہُوا دیکھا کہ گرم پتھر آپ کے سینے پر تھا لیکن آپ کی زبان پر جاری تھا: احد احد (اللّٰہ اللّٰہ)۔ امیہ کہتا تھا کہ اے بلال! تُو اسی حال میں مر جائیگا یا یہ کہ (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا دامن چھوڑ دے اس سے کفر کر۔ لیکن حضرت بلال اسی دھن میں کہتے رہتے احد احد (اللّٰہ اللّٰہ) حضرت بلال کا یہ حال دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دل پگھل گیا اور امیّہ کو فرمایا: افسوس ہے تجھ پر، تُو ایسے محبوبِ خدا پر ستم ڈھا رہا ہے۔ امیہ نے کہا: اگر تیرا دل اس کا حال دیکھ کر پسیجتا ہے تو اسے خرید لے۔

بلال کو مژدۂ جانفزا

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر امیہ ظلم کر رہا تھا اور حضرت بلال احد احد کہہ رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُدھر سے

---

[۱] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

گزر ہوا آپ نے حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ کو مژدۂ جانفزا سنایا کہ :
اللہ الاحد ینجیک (خدائے واحد تجھے نجات دے گا)

بلال کی خریداری

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بلال کو عذاب دیا جارہا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی مراد سمجھ گئے، فوراً گھر پہنچے اور گھر سے ایک رطل سونا لے کر امیہ بن خلف کے پاس پہنچ کر فرمایا کہ اے امیہ! بلال کو بیچے گا؟ امیہ نے کہا ہاں۔ آپ نے بلال کو خرید کر اس کے سامنے آزاد کر دیا۔ مشرکین نے کہا کہ ابوبکر نے بلال کو خرید کر اس لیے آزاد کیا ہے کہ بلال کا ان پر کوئی احسان ہوگا جس کا ابوبکر بدلہ چکا رہے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مہنگا بلال رضی اللہ عنہ

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو ایک چادر اور دس اواق دے کر خریدا، اور ایک اوقیہ چالیس درم کا ہوتا ہے۔ یہ اواق آپ نے ایک پتھر کے نیچے چھپا رکھے تھے۔ کفار نے کہا، اے ابوبکر! (رضی اللہ عنہ) اگر تو اسے ایک اوقیہ قیمت بتاتا تب بھی اسے بیچنے کو تیار رہتا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اس کی قیمت یک صد اوقیہ بتاتے تب بھی میں اسے ضرور خریدتا۔

وہ غلام

بعض نے کہا کہ عبداللہ بن جدعان کا غلام تھا اس نے بتوں پر ٹٹی کر دی اس کی شکایت عبداللہ کو پہنچی تو عبداللہ بن جدعان نے وہ غلام کفار کو ہبہ کر دیا اور ساتھ سو اونٹ بھی بتوں پر قربان کر دئے۔ وہ کفار اس غلام کو گرم ریت پر لٹا کر عذاب دیتے تھے۔

حبشی کے بدلے رومی

ابن المسیب کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ سے ایک غلام نسطاس (بکسر النون) کے بدلے میں خریدا جسے آپ نے دس ہزار دینار میں خریدا تھا لیکن تھا مشرک۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا: تجھے بہت سا مال دوں گا اور آزادی بھی۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔

حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امیہ کو لکھا کہ بلال کی قیمت کیا ہے! کہا، رومی نسطاس غلام مجھے دے دو، اور یہ غلام (نسطاس) قیمتی تھا دس ہزار دینار میں بک سکتا تھا اور اس کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بہت سا مال تھا اسے فرمایا کہ مسلمان ہو جا وہ تمام مال میں تجھے دے دوں گا، اس نے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دل اس سے کھٹا ہو گیا۔ جب امیہ نے سنا کہ وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے بدلے میں وہی غلام (نسطاس) مانگتا ہے اسے غنیمت سمجھ کر نسطاس

امیہ کے حوالے کر دیا اور بلال کو لے کر ثوابِ اُخروی کی نیت پر فوراً آزاد کر دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دعائیں

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو بکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے اس نے اپنی صاحبزادی مجھے بیاہ دی اور مجھے دار الہجرۃ میں لے آیا اور مال دے کر بلال کو آزاد کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بلال کو "سیدنا" پکارنا

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "سیدنا" کہہ کر پکارتے تھے اور فرماتے:

بلال سیّدنا و مولیٰ سیّدنا (بلال ہمارا سردار ہے اور ہمارے سردار (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کا غلام آزاد شدہ ہے)

سلمان فارسی کو اہلبیت ہونے کا شرف

اس کی نظیر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سلمان منّا اھل البیت (سلمان ہمارے اہلبیت میں سے ہے)

سبق شرف تقویٰ پر غور کرو کہ کیسے کیسے غلاموں کو سیادت و شرافت نصیب ہو رہی ہے۔ اس میں سبق ہے کہ کوئی بھی اپنے نسب سے دھوکا نہ کھائے۔ کیونکہ یہ حد انصاف سے خارج ہے۔

نصیحتِ پدر با ابوبکر رضی اللہ عنہ

سُہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے والد ماجد (ابوقحافہ رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ قوت و طاقت والے غلام خریدو تاکہ وہ تمھیں فائدہ و نفع پہنچائیں، یہ بہتر ہے اس سے کہ تم کمزور اور ضعیف غلام خرید کر آزاد کرو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مسئلہ: گزشتہ مضامین سے ثابت ہوا کہ فضیلت اس خرچ کرنے میں ہے جو رضائے الٰہی میں ہو، اس کا درمیانی مرتبہ یہ ہے کہ آخرت سنور جائے، اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس سے دنیوی مباح فائدہ مطلوب ہو۔

مسئلہ: ریاء وسمعۃ (شہرت) سے ہو وہ مباح کے حکم میں نہیں ہے بلکہ وہ خسیس و قبیح تر ہے۔

حدیث شریف: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من صنع الیکم معروفا فکافئوہ — جو تمہارے ساتھ بھلائی کرے اسے بدلہ دو اور کچھ نہ ہو تو اسے دُعا دو۔

ف : اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ بدلہ دینا مشروع و محمود ہے لیکن وہ درجہ ابتغاء وجہ اللہ میں داخل نہیں (اگر صرف بدلہ اتارنا مطلوب ہے تو)

تفسیر عالمانہ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى (اور بیشک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا) یہ قسم کا جواب ہے کہ دراصل و باللہ ولسوف یرضٰی تھا یعنی عنقریب وہ اتقی جو مذکورہ اوصاف سے موصوف ہے راضی ہوگا۔

ف : اس میں وعدہ کریمہ ہے جملہ ان مقاصد کا جن کا وہ طالب ہے کہ وہ اسے ضرور نصیب ہوں گے اکمل و اجمل وجہ سے۔ کیونکہ خوشی اسی سے ہی متحقق ہوگی۔

ف : بعض نے کہا اس کا معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالٰی اس سے راضی ہوگا اور وہ اللہ تعالٰی سے جب وہ اسے جنّت میں کرامت اور قُرب عطا فرمائے گا اس کے فعل و عمل کی جزاء۔

نکتہ ایسا وعدہ صرف رسل کرام علیہم السلام کے لیے نازل ہوا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ و آلہٖ وسلم کے لیے فرمایا :

ولسوف یعطیك ربك فترضٰی۔ — عنقریب تمہیں تمہارا رب تعالٰی وہ دے گا جس سے تم راضی ہو گے۔

یا پھر یہ آیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے نازل ہُوئی۔

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ رضا عارف کو نصیب نہیں ہوتی جب تک وہ معروف میں فنا نہ ہوجائے اور یہاں تک کہ وُہ اس کی صفات سے موصوف ہوتا کہ اس کی رضا میں اس کی نعت نعتِ حق سبحانہٗ ہو۔

فقیر اویسی غفرلہٗ تفسیر الّیل کے ترجمہ سے ۲۱ رجب المرجب ۱۴۰۹ھ بروز بدھ فارغ ہوا۔
(الحمد للہ علٰی ذٰلک)

سورۃ الضحیٰ مکیۃ ﴿۱﴾ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿ایاتہا ۱۱ رکوعہا ۱﴾

سورۃ ضحیٰ مکیۃ ہے — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — اس میں گیارہ آیتیں ہیں

وَالضُّحٰی ﴿۱﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ﴿۳﴾ وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ

چاشت کی قسم اور رات کی جب پردہ ڈالے کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا اور بے شک پچھلی تمہارے

مِنَ الۡاُوۡلٰی ﴿۴﴾ وَلَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ﴿۵﴾ اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ﴿۶﴾

لیے پہلی سے بہتر ہے اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے کیا اس نے تمہیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی

وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَہَدٰی ﴿۷﴾ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی ﴿۸﴾ فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ

اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی اور تمہیں حاجت مند پایا پھر غنی کر دیا — تو یتیم پر دباؤ نہ

فَلَا تَقۡہَرۡ ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡہَرۡ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ فَحَدِّثۡ ﴿۱۱﴾

ڈالو اور منگتا کو نہ جھڑکو اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو

سورۃ الضحیٰ مکیہ ہے اس کی گیارہ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا)

تفسیر عالمانہ وَالضُّحٰی (چاشت کی قسم) وہ سورج کے ارتفاع اور چاشت یعنی صدر النہار کا وقت ہے۔ الضحیٰ سے یہی مراد ہے صرف حلول ظرفیۃ کے علاقہ کی وجہ سے اس لیے کہ زمانہ ظرف ہے اس کے لیے جو وہ اس میں واقع ہے یا مضاف محذوف ہے اور وہ مجاز یا حذف اس لیے ہے تاکہ رات کے ساتھ مناسبت ہو جائے۔

بعض نے کہا کہ ان کی قسم کی وجہ یہ ہے کہ یہ وہ وقت ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے مشرف فرمایا اور جادوگر سجدہ میں گرے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

وان یحشر الناس ضحیٰ (چاشت کے وقت لوگ جمع کیے جائیں گے)

گویا اسے اسی وقت کی وجہ سے شرافت اور مقسم سے مناسبت ہے کہ اس کی قسم اسی لیے یاد فرمائی گئی ہے۔

مسئلہ: چاشت کی نماز زوال سے پہلے بالاتفاق سنت ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ دو یا چار رکعت ہے ایک سلام سے۔ اور امام مالک کے نزدیک کوئی حصر ہے۔ امام شافعی و امام احمد رحمہا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم از کم دو رکعت ہیں اس سے زائد میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ رکعات ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آٹھ رکعت۔ اسی پر اکثر اصحابِ شافعی ہیں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق میں یہی صحیح ہے۔

حدیث شریف حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے فتح مکہ کے دن آٹھ رکعات پڑھی تھیں جب آپ بی بی اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ اس سے قبل بھی پڑھا کرتے تھے۔

وَالَّیْلِ (اور رات کی)، اس سے جنس لیل مراد ہے۔ ابن خالویہ نے فرمایا کہ اس کا عطف الضحیٰ پر ہے مستقل قسم نہیں کیونکہ واؤ کی جگہ پر ثمّ اور فاء واقع ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کہا جائے ثم اللیل اور ثم لا یکون یہ قسم نہ ہوگی **اِذَا سَجٰی** (جب پردہ ڈالے) جب اس کے اہل ساکن ہوں یہ مجاز ہے اسناد الفعل الی الزمان کے قبیل سے ہے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ ٹھہرے اس کی تاریکی اور استقرار کرے اور انتہاء کو پہنچے اس سے آگے نہ بڑھے اور رات کی تاریکی کا سکون عبارت ہے عدم تغیر بالاشتداد والتنزل ہے اور وہ یہ کہ جب ظلام (تاریکی) سخت اور مکمل ہو جاتی ہے تو زمانہ مستقر ہو جاتا ہے اس کے بعد تنزل شروع ہو جاتا ہے تو اسناد سکون ظلمت کا لیل کی طرف مجازی ہے۔

حلِ لغات کہا جاتا ہے سجا البحر (دریا ٹھہر گیا) یہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کی موجیں ٹھہر جائیں۔ اور لیلۃ ساجیۃ ساکنۃ الریح (رات ٹھہرنے والی ہے اس کی ہوا) بعض نے کہا سجٰی کا معنیٰ ہے لوگ اور ان کی آوازیں ساکن ہو گئیں۔

تفسیر حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ آپ نے فرمایا کہ الضحیٰ سے مراد وہ وقت ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہمکلامی کا شرف بخشا، اور لیل سے شبِ معراج۔

تفسیر صوفیانہ صاحبِ کشف الاسرار نے فرمایا کہ روز و شب سے مراد وہ کشف و حجاب ہیں جو نشانۂ نسیم لطیف اور سموم قہر اور علامت انوار جمال و جلال ہے جیسے سیدنا جنید (بغدادی

رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: و الضحیٰ مقام شہود اور والیل اذ سجیٰ وہ مقام الغین ہے جس کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا:

انہ لیغان علیٰ قلبی۔ (بیشک میرے قلب اقدس پر ایک غین (غبار) سا آجاتا ہے)

رُخِ مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ و زلفِ عنبرین کی قسم

ضحیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے چہرۂ اقدس کی روشنی اور لیل سے زلفِ عنبرین کی سیاہی مراد ہے ؎

والضحیٰ رمزے ز روئے ہمچو ماہِ مصطفیٰ
معنیٔ و اللیل گیسوے سیاہِ مصطفیٰ

ترجمہ: والضحیٰ سے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے چہرۂ اقدس کی طرف اور واللیل سے گیسوئے رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی سیاہی کی طرف اشارہ ہے۔

نکتہ: اللیل کی تقدیم سورۂ واللیل میں اشارہ ہے کہ رات اصل ہے اس لئے کہ دن طلوعِ شمس سے ہی آتا ہے اور اس کے غروب سے ہوا اپنی اصلیہ کی طرف آجاتی ہے اسی لیے آیت وجعل الظلمات والنور میں ظلمۃ کی تقدیم ہے اور یہاں سورہ والضحیٰ میں نہار کی تقدیم ذاتی و عارضی شرافت کی وجہ سے ہے۔

سوال: اس کی کیا وجہ ہے کہ دن کا تو ایک حصہ مذکور ہوا اور رات تمام۔

جواب: یہ اگرچہ دن کا ایک حصّہ ہے لیکن تمام رات کے شان کے برابر ہے جیسے حضور امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جملہ انبیاء علیہم السلام کے شان کے برابر (بلکہ افضل) ہیں۔

(۲) دن سرور و راحت کا وقت ہے اور رات وحشت و غم کا وقت۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ ہموم دنیا سرور سے زیادہ ہیں اس لیے کہ ضحیٰ ایک ساعت ہے اور لیل ساعات۔

غم اور ملال کی بارش

مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا فرمایا تو اس کے بائیں جانب سیاہ بادل چھا گیا اس سے آواز آئی کہ کیا برسوں حکم ہوا ہموم و احزان برس ایک صدی مکمل جب سو سال کے بعد بادل چھٹ گیا پھر پکارا کہ کیا برسوں حکم ہوا ایسی ہی ہموم و احزان تین صدیاں برس اس کے بعد دہنی جانب بادل آکر پکارا کیا برسوں جواب ملا، سُرور برس لیکن صرف ایک ساعت۔ اسی وجہ سے عموماً انسان ہموم و احزان کے گھیرے میں ہے اور سرور و راحت بہت کم ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ (کہ تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا) جواب قسم ہے تودیع وداع کا مبالغہ ہے بمعنی الترك، کیونکہ جس نے الوداع کیا وہ جدا ہوا اور چھوڑ گیا یعنی تمہارے رب تعالیٰ نے تجھے چھوڑنے میں مبالغہ نہیں کیا الوداع بمعنی جدائی کا اعلام (آگاہ کرنا)

حلِ لغات

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تودیع کا اصل الدعة ہے یعنی مسافر کے لیے دعا کرنا کہ اس سے اللہ تعالیٰ سفر کی مشکلات آسان فرمائے اور اسے دعة و خفض میں پہنچائے جیسے تسلیم سلامتی کی دعا ہے۔ اب یہ مسافر کی مشایعت (روانگی) اور چھوڑنے میں متعارف ہے۔ آیت میں اسی ترک کو تودیع سے تعبیر کیا ہے۔ اب معنی یہ

اب معنی یہ ہوا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کے رب نے مسافر کو چھوڑنے طرح آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ ہی درجۂ وحی اور مرتبۂ قرب و کرامت سے گرایا ہے۔ اس میں استعارہ تبعیہ ہے اور لفظ رب میں اشارہ ہے کہ جیسے مُرَبّی مَربُوب کو نہیں چھوڑتا تو (بلاتمثیل) آپ کا رب بھی آپ کو نہ چھوڑیگا۔

وَمَا قَلٰی (اور نہ مکروہ جانا) اور آپ سے بغض کیسا (جبکہ آپ محبوب ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حلِ لغات

القلی بمعنی شدۃ البغض۔ کہا جاتا ہے: قلا زیدا یقلوہ ابغضہ زید سے سخت بغض کیا از قلو بمعنی پھینکنا۔ جیسے کہتے ہیں: قلت الناقۃ براکبھا اونٹنی نے سوار کو گرادیا (پھینک دیا) اس معنی پر گویا مغضوب کو غاضب نے اپنے قلب سے ایسا باہر پھینک دیا کہ گویا اسے کبھی قبول نہ کرے گا۔ ایسے ہی قلاہ یقلیہ و یقلاہ بمعنی ابغضہ یعنی اس سے سخت کراہت کرکے اسے اچھی طرح چھوڑ دیا یا اسے ہجر میں پھینک دیا۔ اس کا اس کے دل میں بغض بیٹھ گیا (قاموس) جس نے اسے یائی سے بنایا تو اس نے قلیت البسر و السویق علی المقلی سے لیا (المفردات) اور شاید وما قلی عطف السبب علی المسبب کے قبیل سے ہے کیونکہ اس میں تعلیل ہے اور قلاك سے کاف محذوف ہے کیونکہ کلام دلیل کافی ہے اور فواصل کی رعایت بھی ضروری ہے۔

شانِ نزول

مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے چند روز (دس سے بھی زیادہ ایام) وحی نہ آئی جب آپ نے مشرکین کے سوال پر اِن شاء اللہ تعالیٰ نہ کہا۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ مشرکین یعنی قریشِ مکہ نے یہودِ مدینہ کی طرف پیغام بھیجا کہ کوئی ایسی تجویز بتائیں

لہ یعنی انسان کی آخری بار سرور اخوشی کی باری آئی اور وہ بھی ایک ساعت ۱۲۰

جس سے محمد عربی کو لاجواب کرسکیں۔ یہود نے پٹی پڑھائی کہ ان سے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے قصے اور روح کی حقیقت کا سوال کرو اگر وہ اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے قصے بتادیں اور روح کی حقیقت بتانے سے معذوری کا اظہار کردیں تو یقین کرو کہ وہ نبی صادق ہیں۔ آپ کے پاس مشرکین آئے اور یہ تینوں سوال کیے۔ آپ نے فرمایا ، کل آنا۔ آپ نے اِن شاء اللہ نہ کہا ، اس پر چند روز وحی رُک گئی۔ مشرکین نے کہا حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور ان سے ناراض ہوگیا ہے۔

شانِ نزول ۲ جبریل علیہ السلام نے وحی لانے میں تاخیر کی تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شکوہ کیا تو بی بی نے کہہ دیا کہ آپ کو آپ کا رب چھوڑ تو نہیں گیا یا ناراض تو نہیں ہوگیا۔ اس پر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور آیت لائے :

ولا تقولن لشیٔ انی فاعل ذٰلك غدا الا ان یشاء اللہ فاخبرہ بما سئل عنه ۔	اور یہ نہ کہو کہ فلاں کام کل کروں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے ، پھر یہود کے سوالات کے جوابات عرض کرو۔

اس کی تحقیق سورۂ کہف میں گزری ہے۔ اس کے ساتھ یہ آیت بھی لائے :

ماودعك ربك وما قلٰی ۔

مشرکین کے رد میں ، اور آپ کو نویدِ مسرت سنائی کہ حبیب حبیب کو کیسے چھوڑ سکتا ہے ان کا آپس میں بغض کیسا اور کہاں ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں وحی و کرامت سے نوازتا ہے اور آخرت کے درجات و کرامات تو اس سے بزرگ تر اور عظیم تر ہیں آنے والی آیت سے معلوم ہوتا ہے۔

شانِ نزول ۳ کُتیا کا بچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت کدہ میں داخل ہوکر آپ کی چارپائی کے نیچے مرگیا ، آپ پر چند روز کے لیے وحی نہ آئی ، ایک دن آپ نے اپنی خادمہ خولہ کو فرمایا کہ میرے گھر پر کیا حادثہ گزرا کہ جبریل علیہ السلام نہیں آرہے ۔ بی بی خولہ رضی اللہ عنہا نے جھاڑو دیا تو چارپائی کے نیچے کتیا کا بچہ مرا ہوا پایا اُسے جھاڑو سے باہر نکالا۔ بی بی نے اسے دیوار سے باہر پھینک دیا۔ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیا سے کانپنے لگے اور کاندھا مبارک تھر تھرایا اندریں اثنا آپ پر وحی کا نزول ہُوا ، اس سے آپ کی کپکپی بدستور رہی اور حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا ، اے خولہ ! مجھے کمبل اُڑھا دے ۔ اس کے بعد آپ پر اللہ تعالیٰ نے یہی سورۃ اتاری ۔ جب جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے آپ نے اُن سے تاخیر کا سبب پُوچھا تو عرض کی کہ ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کُتا یا تصویر (فوٹو) وغیرہ ہو ۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خلافِ اولیٰ کا صدور ہوتا تھا لیکن نہ تو آپ (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ کے ممقوت تھے نہ مبغوض۔ ہاں وحی کی تاخیر و احتباس صرف اور صرف تربیت و ارشاد اور تعلیمِ اُمت کے لئے تھا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ آپ کے رب تعالیٰ نے آپ کو نہیں چھوڑا کہ فیضِ نبوت و رسالت آپ کے ظاہر سے منقطع کر دیا ہو' اور نہ ہی آپ کے باطن سے فیض و ولایت ترک کیا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (اور بیشک پچھلی تمہارے لیے بہتر ہے) اس لیے کہ آخرت علی الاطلاق شوائب سے صاف اور باقی ہے۔ اور الاولیٰ سے مراد دنیا ہے کیونکہ وہ آخرت سے پہلے پیدا کی گئی ہے اور مضرتوں اور نقصانوں سے بھرپور ہے اور دنیا و آخرت دونوں سے مراد کرامات ہیں اور لام وللاٰخرۃ میں ابتدار کی ہے مضمون جملہ کی مؤکد ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ کے نہایت کے احوال آپ کے بداہتہ (ابتدار) کے افعال سے افضل و اکمل ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (الیوم اکملت لکم علیکم دینکم (آج ہم نے تمہارا دین مکمل تر کر دیا کیونکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمیشہ شریعت و طریقت کے دو پروں سے آسمان سیر میں پرواز فرماتے رہے اور مقاماتِ قرب و کرامت میں ترقی فرماتے رہے، یہی حال آپ کے وارثین کاملین اولیار (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) کا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ (اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا)

لام ابتدار کی ہے اور مبتدار محذوف ہے دراصل ولانت سوف یعطیك الخ۔ اسی لیے لام الابتدار صرف اور صرف جملہ اسمیہ پر داخل ہوتی ہے۔ اور یہ لام قسم کی نہیں کیونکہ وہ مضارع پر نہیں داخل ہوتی جب تک مضارع میں نون مؤکدہ (ثقیلہ یا خفیفہ) نہ ہو اور مضارع کے سوف کے ساتھ لام کا اجتماع دلیل ہے کہ اعطار لازمی امر ہے اگرچہ دیر سے سہی اور دیر میں (خیر اور) حکمت ہے اور لام ابتدا جب مجرد ہوتی تاکید پر دلالت کے لیے، اور سین تاخیر پر دلالت کرتا ہے ان دونوں اجتماع سے تنفیس (خاست) ثابت ہوئی کہ عطار کی تاخیر میں کوئی حکمت ضرور ہے اور لام اس حکم کی تاکید ہے جو زمانہ مستقبل سے مقترن ہے فَتَرْضٰى (تم راضی ہو جاؤ گے) جو جو کچھ عطا کیے جاؤ گے اور اس سے آپ کا دل مطمئن ہوگا یعنی اتنا عطا ہوگا کہ پھر آپ خود کہیں گے میں اب راضی ہو گیا۔ یہ فار کے ساتھ ما قبل پر عطف ہے آیت میں وعدہ کریمہ شامل ہے آپ کو جو اللہ تعالیٰ نے دنیا عطا فرمائی کمال نفس مبارک اور علوم اولین و

آفرین عطا فرمائے (جسے ہم اہل سنّت علمِ غیب کلی اور ما کان وما یکون اور کائنات کے ذرّہ ذرّہ کے علم سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اویسی غفرلہٗ) اور ظہور امر اور وہ فتوحات جو آپ کے زمانۂ اقدس اور زمانۂ خلفاء راشدین اور ملوک اسلامیہ میں ہوتیں اور اس ذریعہ سے دعوتِ اسلام اعلائے دین مشارق ومغارب میں ہُوا اور وہ جو آپ کے لیے ذخیرہ کے طور کرامات وکمالات ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا چند ایک کی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خبر دی ہے وُہ یہ ہیں:

آخرت میں شہنشاہِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر انعامات کا نمونہ

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت میں میرے لیے ایک ہزار محل تیار فرمائے جو خالص موتیوں کے ہیں اور اس کی مٹی مشک (کستوری) ہے اور ہر محل میں خدام حُوریں نعمتیں اور سامان ان کے لائق ہے۔

خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کی دنیوی زندگی کا نمونہ

ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، دیکھا کہ بی بی نے اونٹ کی اُون کا کمبل اوڑھ رکھا ہے اور چکی پیس رہی ہیں اور صاحبزادہ کو چھاتی سے لگا کر دُودھ پلا رہی ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے آنسو بہہ نکلے اور فرمایا:

پیاری بیٹی! آخرت سے پہلے دنیا کے کڑوے گھونٹ پی لے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت نازل فرمائی ہے ولسوف یعطیك ربك فترضٰی ۔ عنقریب تمہارا رب اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کی قرآن فہمی

سیدنا امام باقر رضی اللہ عنہ کوفہ میں فرما رہے تھے کہ اے عراقیو! تمہیں لوگ کہتے ہیں کہ رحمت سے پُر امید ہونے پر آیت لاتقنطوا من رحمۃ اللہ زیادہ امید دلاتی ہے لیکن ہم اہلبیت کہتے ہیں کہ آیت ولسوف یعطیك ربك فترضٰی زیادہ امید دلاتی ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قیامت میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک آپ کا ایک اُمتی بھی دوزخ میں ہُوا ؎

نماند بدوزخ کسے در گرد   کہ دارد چو تو سیدے پیشرو
عطائے شفاعت چنانش دہند   کرامت تمامی ز دوزخ رہند

ترجمہ: دوزخ میں کوئی بھی مقید نہ ہوگا جب آپ جیسا سردار امام رکھتا ہے آپ کو شفاعت کی عطا اتنی حاصل ہوگی کہ آپ کی تمام اُمت دوزخ سے نجات پا جائے گی۔

شفاعتِ کُل

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اشفع لامتی حتی ینادی لی ارضیت یامحمد فاقول رب قد رضیت۔

میں اپنی اُمت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے آواز آئے گی اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اب راضی ہو میں کہوں گا میرے رب! میں راضی ہوگیا۔

رَدِ وہابی درحق ابوینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(وہابی اور بعض دیوبندی اس مسئلہ میں اُلجھے ہوئے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین (معاذ اللہ) کافر تھے یا دوزخی۔ فقیر نے ان کے رد میں ایک ضخیم کتاب ابوینِ مصطفےٰ لکھی ہے صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کا حوالہ بھی ملاحظہ ہو :)

قال الفہری وما یرضیہ فیہ بعد اخراج کل مؤمن ان لا یسوءہ فی امہ وابیہ وان منع الاستغفار لہما واذن لہ فی زیارۃ قبرہما فی وقت دون وقت لانہما من أھل الفترۃ وقال سبحانہ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا ومن لم یقنعہ ھذا فحظ المؤمن منہما الوقف فیہما وان لا یحکم علیہما بنار الا بنص کتاب او سنۃ او اجماع الامۃ بخلاف ماثبت فی عمہ ابی طالب۔

(تفسیر فتح الرحمان)

(روح البیان ج ۱۰ ص ۴۵۵)

فہری نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس پر کب راضی ہوں گے کہ مومن کو تو دوزخ سے نکالیں اور والدین دوزخ میں رہیں (معاذ اللہ) ان کے استغفار سے ممانعت ان کے کفر کی دلیل نہیں کیونکہ ایک وقت میں زیارتِ قبر کی اجازت دی تو دوسرے وقت میں استغفار کی اس لیے کہ وہ اہلِ فترت سے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم کسی کو عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ رسول بھیجیں اگر کسی کو یہ دلیل بھی مطمئن نہیں کرتی تو اس کی نجات میں ہے کہ وہ اس مسئلہ میں توقف کرے کیونکہ کسی کو ناری نہ کہا جائے جب تک نص نہ ہو کتاب وسنت یا اجماع اُمت بخلاف اس کے جو آپ کے چچا ابوطالب کیلیے ہے کہ اس کے لیے ناری ہونے کی نص ہے۔

منصور حلاج رحمہ اللہ سُولی پر کیوں

حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر فرماتے ہیں کہ میں شہر قرطبہ میں تھا تو مجھے چند مخصوص انبیاء علیہم السلام کی زیارت نصیب ہوئی ان میں سے میرے ساتھ حضرت ہود علیہ السلام مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا یہ اجتماع کیسا ہے وہ منصور حلاج کے سفارشی ہیں جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس کی بھول بخشوانے آئے ہیں اس سے یہ غلطی ہوئی بلکہ بے ادبی اور گستاخی یہ کہہ دیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ولسوف یعطیك ربك فترضٰی میں شفاعت کی عام اجازت دے دی تو پھر آپ کا حق تھا کہ آپ راضی نہ ہوتے جب تک تمام کافر و مؤمن بخشے نہ جاتے آپ صرف مؤمن اہلِ کبار کی شفاعت پر راضی ہو گئے جب اس سے یہ قول صادر ہُوا تو حضور رسولِ اکرم شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منصور کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

یا منصور أنت الذی انکرت علی فی الشفاعة فقال یا رسول اللہ قد کان ذلك قال الم تسمع انی قد حکیت عن ربی عز و جل اذا احببت عبدا کنت له سمعا و بصرا ولسانا و یدا فقال بلی یا رسول اللہ قال فاذا کنت حبیب اللہ کان هو لسانی القائل فاذا هو الشافع والمشفوع الیه وانا عدم فی وجوده فای عتاب علی یا منصور فقال یا رسول انا تائب من قولی هذا فما کفارة ذنبی قال قرب نفسك للہ قربانا قال فکیف قال اقتل نفسك بسیف شریعتی۔

(روح البیان ج ۱۰ ص ۵۶ - ۴۵۵)

اے منصور! تُو ہے جو مجھ پر شفاعت کا انکار کرتا ہے۔ عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہی کہا ہے کہ آپ کافروں کی شفاعت بھی کرتے۔ فرمایا کیا تُو نے نہیں سُنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جب کسی بندے سے محبت کرتا ہُوں تو میں اس کے کان، آنکھ اور زبان ہو جاتا ہُوں اور ہاتھ بھی۔ عرض کی: ہاں۔ آپ نے فرمایا: جب میں اُس کا حبیب ہُوں تو میں اس کی صرف زبان ہُوں بولنے والا تو وہ ہے پھر شافع و مشفوع الیہ خود وہی ہُوا میں تو درمیان عدم ہوا تو اے منصور! مجھ پر تیری جھڑک کیسی؟ عرض کی: یا رسول اللہ! میری توبہ، اب اس کا کفارہ کیا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لیے نفس قربان کرے۔ عرض کی: کیسے؟ فرمایا: خود کو قتل کرے میری تلوار سے۔

اس کے بعد منصور رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو ہوا سو ہوا۔ پھر ہُود علیہ السلام نے فرمایا کہ منصور (رحمہ اللہ تعالیٰ) جب دنیا سے رخصت ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محجوب ہو کر گیا اور آج تک محجوب و مہجور ہے۔ یہ اجتماع اس کی سفارش کے لیے ہوا کہ حضور علیہ السلام اس کی خطا معاف فرمائیں اب سے اس کے دنیا سے رخصت ہوئے تین سو سال سے بھی زیادہ وقت گزر گیا ہے۔

جملہ موجودات کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ہیں

(ایسے عقائد و مسائل سے وہابی اور دیوبندی نہ صرف کوسوں دُور بلکہ جانی دشمن اور ایسے عقائد والے ان کے نزدیک کافر و مشرک لیکن الحمد للہ ہم اہل سنّت کو ایسے عقائد و مسائل پر فخر اور ناز ہے۔ یہی عقائد نجدی تحریک سے پہلے تھے اور آج بھی انہیں نصیب ہیں جو اسلاف صالحین کو حق مانتے ہیں۔ چنانچہ صاحبِ رُوح البیان جلد۱ صفحہ ۵۶۴ کی عبارت ملاحظہ ہو:)

قال بعض العارفين الحقيقة المحمدية اصل مادة كل حقيقة ظهرت ومظهرها اصل مادة كل حقيقة تكونت واليه ترجع الامر كله۔	عارفین نے فرمایا حقیقت محمدیہ ہر شے کی اصل و مادہ ہے اور ہر شے کا ظہور آپ سے ہے۔ اسی لیے ہر امر آپ کی طرف لوٹتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولسوف يعطيك ربك فترضى۔

اور آپ راضی نہ ہوں گے جب تک آپ سے جو کچھ جُدا ہو گیا وہ واپس نہ آئے۔ اسی لیے جمال والے آپ کے جمال کے نزدیک اور اہلِ جلال آپ کے جلال کے نزدیک جمع ہوں گے۔

اور حضرت ابن عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ گویا اللہ تعالیٰ اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو فرماتا ہے کہ تو کیا آپ معطی کی عطا سے راضی ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، مجھے تو معطی چاہیے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انك لعلىٰ خلق عظيم (بیشک آپ خلق عظیم والے ہیں)

یعنی ہمت جلیلہ والے کہ آپ پر اکوان کی کوئی شے اثر انداز نہ ہو گی اور نہ ہی اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کوئی اور شے پسند کرے گا۔

ف: بعض نے کہا کہ اس بندۂ خدا میں جو کوشش میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو تو اسے کچھ عطا کرے اور اس میں کہ اللہ تعالیٰ خود اس کے لیے راضی ہو کر خود عطا کرے۔

اگر میں کہوں کہ اسی جبل کے پیچھے بڑا لشکر ہے جو تمہارے ساتھ جنگ کرے گا، مانو گے؟

سب نے کہا:

کیوں نہیں، پہلے آپ نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔

اس پر ابولہب نے حضور سے کہا کہ تم تباہ ہو جاؤ کیا تم نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا۔ اس پر یہ سورۃ شریف نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیا۔

ف: ابولہب نے صرف وہی بکواس نہیں کی بلکہ پتھر اٹھا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پھینکنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اسے روک لیا۔ چونکہ اس نے پتھر دونوں ہاتھوں سے اٹھایا تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے تبت یدا ابی لہب فرمایا اور ان کی ہلاکت صفت کا لانا تو ظاہر ہے لیکن انہیں خسارہ کے معنی میں لینے میں اس کے غلط اعتقاد کی تردید ہے کہ اس کا خیال تھا کہ اذیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس کا کوئی نفع اور فائدہ ہے، ایسے ہی پتھر پھینکنے میں۔

نکتہ عجیبہ "تاویلات ماتریدیہ میں ہے ابولہب کثیر الاحسان تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی بہت خدمت کی تھی۔ لیکن بد قسمت نکلا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت کے بعد آپ کا سخت ترین دشمن بن گیا اور کہتا تھا کہ اگر (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کوئی معاملہ ہے تو میرا بھی ان پر ید (ہاتھ) احسان ہے اگر ان کا قریش پر کوئی احسان ہے تو میں بھی اس سے کچھ کم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے خبر دی کہ جو کچھ تُو نے احسانات کئے سب رائیگاں گئے وہ جو تیرا (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) پر ید (ہاتھ یعنی احسان) ہے تو وہ ان سے تیرے عناد سے ضائع ہو گیا اور وہ جو تیرا ید (ہاتھ یعنی احسان) قریش پر تھا وہ قریش کی ہلاکت سے (جو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفت سے نصیب ہوئی تھی) ضائع گیا۔

وَّ تَبَّ (اور تباہ ہی ہو گیا) سارے کا سارا، یہ اخبار بعد اخبار ہے اور اسے ماضی سے تعبیر کرنا اس کے وقوع کے تحقق کی وجہ سے ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ پہلے سے مراد ہے اس کا تمام کا تمام ہلاک ہونا' جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی میں ہے:

ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ۔ اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں۔

علاوہ ازیں ید نفس اور اس کے تمام وجود سے کنایہ ہے، اس کا معنیٰ و تبّ یعنی وہ ہلاکت واقع ہو گئی اس کی تائید قرأۃ وقد تبّ سے ہوتی ہے اس لیے کہ کلمہ قد جملہ دعائیہ پر داخل نہیں ہوتا۔ بعض نے دونوں میں

اس پر ہلاکت کے لیے بد دعا ہے اور اس سے مراد اس کے استحقاق کا بیان ہے کہ وہ اس لائق ہے کہ اس پر بددعا ہو کیونکہ دُعا کی حقیقت عاجزی کی شان ہے۔

سوال: اسے کنیت سے کیوں یاد فرمایا حالانکہ کنیت میں اس کی تکریم ہوتی ہے۔

جواب: یہاں کنیت تکریم کے لیے نہیں بلکہ اس کی اس کنیت سے شہرت کی وجہ سے ہے یا اس کے نام لینے سے اظہار کراہت ہے کیونکہ اس کا نام قبیح ہے کیونکہ وہ بُت کی طرف مضاف ہے یا اس میں تعریض ہے کہ وہ جہنمی ہے اس لیے کہ وہ عنقریب شعلہ والی آگ میں داخل ہوگا یعنی ابولہب باعتبار اپنے معنیٰ اضافی کی وجہ سے صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ اس کے حال سے کنایہ ہو یعنی اس کا جہنمی ہونا اس لیے کہ اس کا معنیٰ باعتبار اضافت کے لہب (شعلۂ آگ) کو ملابس ہے جیسے اسی کنایہ سے کسی کو ابوالخیر و ابوالحرب کہا جاتا ہے کہ وہ ملابس الخیر والحرب ہے۔ اور لہب حقیقی بھی وہی جہنم کا شعلہ ہے یہ معنی اس کو لازم ہے کہ وہ جہنمی ہے اس میں ملزوم سے لازم کی طرف منتقل ہونا ہے۔

ف: اس سے ثابت ہوا کہ یہ کنیت مذمت کے لیے ہے اس سے وہ سوال دفع ہوگیا جس میں کہا گیا ہے کہ یہ (ابولہب، قرآن مجید میں ہونا) اس کے خلاف ہے کہ کافر و فاسق اور مبتدع کو کنیت سے نہ پکارا جائے۔ ہاں فتنہ کا خوف ہو یا وہ صرف اسی سے ہی معروف ہو کیونکہ کنیت سے ہی خاص ہے وہ مدح والی کنیت سے پکارا گیا کہ وہ دوسرے نام سے معروف نہیں۔

قاعدہ: اتقان میں ہے کہ قرآن مجید میں صرف یہی ابولہب کنیت کے ساتھ مذکور ہوا ہے۔

مسئلہ: اس کا نام نہ لینا اس لیے ہے کہ اس کا نام عبدالعزّٰی ہے اور عزّٰی بت کا نام ہے اور وہ نام حرام ہے، اور یہ نام اس کی وضع ہے نہ کہ اس کا استعمال۔ بعض نے کہا کہ مذموم نام کا استعمال بھی حرام ہے ہاں اگر وہ اسی سے معروف ہو تو پھر جائز ہے جیسے اعمش ایسی ناقص صفات بوجہ ضرورت ان کے لیے جائز ہے کہ وہ ایسی صفات سے ہی معروف تھے۔

ف: سورۂ تبت کے نزول کے بعد ابولہب کے جہنمی ہونے میں کسی مسلمان کو شک بھی نہ تھا بخلاف دیگر کفار کے کہ ان کے لیے نام لے کر جہنمی نہ کہا گیا تو ان کے لیے ایسا یقین نہ تھا (ممکن ہے کہ وہ اسلام قبول کرلیں)

تعلیم ادب قل تبت نہ فرمایا کیونکہ اس طرح سے ابولہب کے ساتھ بالمشافہ کہنا پڑتا اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چچا تھا اور چچا کو بالمشافہ گالی دینا مناسب نہیں اگرچہ

چچا سو بار گالی دے، اس لیے کہ چچا کی تعظیم باپ جیسی ہے علاوہ ازیں آپ رحمۃ للعالمین بن کر مبعوث ہوئے اور آپ کا خلقِ عظیم بھی ضرب المثل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کی طرف سے جواب دیا۔

اعجوبۂ لغت و نحو ابولہب بھی پڑھا گیا ہے یعنی واؤ کے ساتھ۔ جیسے کہا جاتا ہے: علی بن ابوطالب و معاویہ بن ابوسفیان (رضی اللہ عنہم) حالانکہ قیاس یار کے ساتھ ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے صرف اسی لیے کہ اسم اصل متغیر نہ ہو اور سامع پر اشکال نہ ہو۔ خلاصہ یہ کہ کنیت بمنزلہ علم کے ہوتی ہے اور اعلام متغیر نہیں ہوتے کسی حالت میں بھی۔

اعجوبۂ اسمائے عرب ایک شخص کے دو بیٹے تھے دونوں کا نام عبداللہ تھا لیکن فرق یہ تھا کہ ایک کو دال مفتوح سے پکارا جاتا اور دوسرے کو دال مکسور سے۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ (اسے کچھ کام نہ آیا اس کا مال اور یہ جو کمایا) نہ بچایا اسے جب ہلاکت نازل ہوئی اور اسے بالکل کوئی نفع نہ دیا، جب ما نافیہ ہو اگر موصولہ ہو تو معنیٰ ہے کسی شے نے اسے نہ بچایا، یہ معنی انکار میں ہے اور منصوب ہے مابعد سے مفعول بہ ہے یا مطلق ہے کہ دراصل ای اغناء اغناہ یعنی نہ مال نے بچایا کہ اس سے منافع کمائے نہ وجاہت کام آئی نہ ذکر بچا سکے۔ قارون سے بڑھ کر اور کوئی مالدار نہ تھا لیکن اسے بھی مال نے موت سے نہ بچایا نہ عذابِ الٰہی سے اور سلیمان علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی بادشاہ نہیں گزرا لیکن آپ بھی دنیا سے رخصت ہوئے۔ کسی نے آپ کے بارے میں کہا ہے

(۱) نہ برباد رفتی سحرگاہ و شام — سریر سلیمان علیہ السلام

(۲) بآخر ندیدیکہ برباد رفت — خنک آنکہ با دانش و داد رفت

ترجمہ: (۱) کیا صبح و شام تختِ سلیمانی ہوا پر نہ اڑتا تھا،

(۲) بالآخر تو نے دیکھا کہ وہ مٹ گیا مبارک ہو اسے جو دانش و انصاف سے دنیا سے رخصت ہوا۔

ف: یا مال سے اس کا وہ مال مراد ہے جو اسے باپ سے وراثت میں ملا اور خود کمایا، یا اس کا وہ عمل مراد ہے جو اس سے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت سرزد ہوئی، یا اس کا وہ عمل مراد ہے جس کے متعلق اس کا گمان تھا کہ یہ نیک عمل اسے کام دیں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ هباءً منثورا — اور ہم نے اس کے اعمال کو آگے کر کے انہیں اڑتی ہوئی غبار کی طرح بنا دیا۔

بعض نے کہا اس سے اس کے مال کے منافع مراد ہیں۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ماکسب سے اس کی اولاد مراد ہے۔

ابولہب کی ڈینگیں

ابولہب نے جب پہلی آیت سُنی تو کہنے لگا کہ جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے اگر سچ ہو تو میں اپنی جان کے لیے اپنے مال و اولاد کو فدیہ کر دُوں گا اُس آیت میں اس کا رد فرمایا گیا کہ یہ خیال غلط ہے اس وقت کوئی چیز کام آنے والی نہیں۔ چنانچہ اس کے بیٹے عتبہ کی شام کے راستہ میں شیر نے جان لے لی۔

منہ سے جو نکلی بات وہ ہو کے رہی

عتبہ بن ابی لہب کے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صاحبزادی تھیں جب شام جانے لگا تو کہا کہ میں (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے پاس جا کر انہیں سخت ستاؤں گا۔ چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ اے (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) میں (عتبہ) النجم اذا ھوی اور دنا فتدلّٰی کو نہیں مانتا۔ پھر رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف تھوکا اور آپ کی صاحبزادی کو طلاق دے کر آپ کے پاس واپس کر دی۔ اس پر آپ نے فرمایا :

اللھم سلط علیہ کلباً من کلابک ۔	اے اللہ! اس پر اپنے کتّوں میں سے ایک کتا مسلط فرما۔

عتبہ نے گھر آ کر ابولہب کو سارا واقعہ سُنایا۔ اس کے بعد ابولہب اور اس کا وہی گستاخ رسول بیٹا ایک قافلے کے ساتھ ملک شام کو روانہ ہو گئے۔ ایک جگہ شب باشی کی تو وہاں ایک راہب نے اپنی عبادت گاہ سے آواز دی لوگو! رات کو ہوشیار رہنا اس جگہ پر درندے بکثرت ہیں۔

ابولہب کا عقیدہ

ابولہب نے راہب کی آواز سُن کر کہا :

اعینونی یا معشر قریش ھذہ اللیلۃ فانی اخاف علی ابنی دعوۃ محمد۔	اے قریش کے لوگو! میری مدد کرو، میں اپنے بیٹے پر (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی دُعا سے ڈرتا ہوں[1]۔

---

[1] غور کیجئے ایک بد کافر کو یقین ہے کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ ہو کر رہتی ہے لیکن ایک بدبخت قوم کا پیشوا اسمٰعیل دہلوی کہتا ہے، محمد کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا (تقویۃ الایمان) انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اویسی غفرلہٗ

عُتبہ کو کوئی نہ بچا سکا ابولہب کی اپیل پر قریش یعنی اہلِ قافلہ نے تمام اونٹ عتبہ کے ارد گرد بٹھائے اور عتبہ کو ہر طرف سے محفوظ کیا۔ لیکن رات کو شیر آیا اور تمام اہلِ قافلہ اور اونٹوں کی قطار کو چیرتا ہوا سب کے چہروں کو سونگھ کر آگے چلتا گیا یہاں تک کہ عتبہ تک پہنچ کر اس کا کام تمام کر دیا۔

ابولہب کا انجام بد غزوہ بدر کے بعد ابولہب سات راتوں کے اندر پھنسیوں کی بیماری سے مرا۔ العدسہ پھنسیاں جو بدن پر ظاہر ہوتی ہیں مسور کی دال کے برابر، یہ بھی طاعون کی جنس ہے اکثر کو زندہ نہیں چھوڑتی، ابولہب کے مرنے کے بعد اس کے اہلِ خانہ اسے ہاتھ نہ لگاتے کہ یہ وبائی بیماری ہے مبادا ہم اس میں مبتلا ہو جائیں۔ عرب اس بیماری کو طاعون کی طرح سمجھتے تھے۔ اسی طرح گھر میں بے یار و مددگار پڑا رہا یہاں تک کہ بدبو پھیل گئی۔ گھر والوں نے سوڈانیوں کو مزدوری دے کر اسے اٹھوا کر باہر گڑھے میں پھنکوا دیا جیسا کہ اس کی موت کی (اجمالی) خبر دی۔

ف : انسان العیون میں ہے کہ اس کے لیے گڑھا نہ کھودا گیا بلکہ دیوار کے ساتھ سہارا دے کر اسے بٹھا دیا پھر دیوار کے پیچھے سے پتھر پھینکے یہاں تک کہ پتھروں سے چھپا دیا۔

ف : سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جُوں ہی اس جگہ سے گزرتیں چہرہ مبارک ڈھانپ لیتیں۔

ازالہ وہم وُہ قبر جو آج کل (اس دور میں غالباً اب وہ قبر موجود نہیں) باب الشبیکہ کے باہر ہے اور اس جگہ پتھر مارے جاتے ہیں ابولہب کی قبر نہیں بلکہ ان دو مردوں کی ہے جنہوں نے بنو العباس کے دورِ خلافت میں کعبہ معظمہ پر گندگی پھینکی اور بھاگ گئے۔ تلاش بسیار کے بعد اسی جگہ پہ ملے جنہیں سُولی پر چڑھایا گیا اور آج تک ان کی قبروں پر پتھر پھینکے جا رہے ہیں۔

سَيَصْلٰى (اب دھنستا ہے) وہ عذاب جو مذکور ہوا وہ عذاب دنیا میں ہے اور آخرت کا عذاب یہ ہے کہ وہ داخل ہوگا **نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ** (لپٹ مارتی آگ میں) عظیم آگ جو لپٹ مارتی ہے اور جلاتی ہے۔ اس سے جہنم کی نار مراد ہے اور یہ اس میں نص نہیں کہ وہ ایمان نہ لائے گا تاکہ اس کی تکلیف الایمان بالقرآن لازم آئے کہ وہ مکلف ہو اس کا کہ اس کے لیے کہا جائے کہ وہ ہمیشہ ایمان نہ لائے گا بلکہ وُہ جمع نقیضین کا مکلّف ہے جیسا کہ مشہور ہے کیونکہ دوزخ میں داخل ہونا صرف کافروں سے مخصوص نہیں اس لیے کہ اس کا جہنم میں داخل ہونا اس کے فسق و معاصی کی وجہ سے ہو نہ کہ کفر سے، اسی لیے اس جواب پہ مجبور ہو جانے کی ضرورت نہیں کہ کہا جائے کہ وُہ جملہ ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر اجمالاً ایمان لانے کا مکلّف تھا نہ کہ جملہ تفصیل پر جس کا قرآن ناطق ہے کہ مثلاً ایمان لایا جائے کہ ابولہب ہمیشہ تک ایمان نہ لائیگا

وَامْرَاَتُهٗ (اور اس کی جورو) اس کا میصلیٰ کی ضمیر مستکن پر عطف ہے اور یہ جائز ہے اس لیے کہ درمیان میں مفعول کا فاصلہ ہے یعنی اس کی عورت بھی اس کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو گی۔

ابولہب کی جورو کا تعارف اس کا نام اُمِّ جمیل بنت حرب بن امیہ تھا، حضرت ابو سفیان کی بہن اور حضرت معاویہ کی پھوپھی تھی اس کا نام عورا تھا۔

کانٹے بچھانے والی عورت یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پڑوس میں تھی کانٹے دار (کیکر وغیرہ) لکڑیوں کا گٹھا اٹھا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں بکھیر دیتی تاکہ (نعوذ باللہ) آپ کو کانٹے چبھیں یا آپ کے دامن سے چمٹیں تو آپ کو تکلیف ہو۔

کانٹے پھول گلاب یا ریشم کا گچھا اُمِّ جمیل ملعونہ کانٹے بچھاتی نہ تھکتی لیکن اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے وہ کانٹے (پھول یا) ریشم کی طرح نرم بنا دیتا جس پر سے آپ آرام سے گزر جاتے۔

ف : تفسیر ابو اللیث میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار کی اذیتوں اور تکلیفوں میں عرصہ تک سخت مبتلا رہے اور تفسیر الکاشفی میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو راستہ میں آپ کو کفار گھیر لیتے آپ انہیں فرماتے کہ ہمسائیگی کا یہی حق ہے جو تم میرے ساتھ کر رہے ہو ؎

میریختند در رہ تو خار باہمہ
چوں گُل شگفتہ بود رُخِ گلستانِ تو

ترجمہ : ہم نے تو تیری راہ میں کانٹے بکھیرے تھے لیکن تیرا چہرہ گُلِ شگفتہ کی طرح کھلا ہوا تھا۔

حَمَّالَةَ الْحَطَبِ (لکڑیوں کا گٹھا سر پر اٹھاتی)

حلِ لغات : الحطب وہ جو لکڑیوں کا گٹھا تیار کیا جائے (قاموس) حمالة الحطب کی نصب شتم وذم کے طور ہے دراصل اُذم حمالة الحطب تھا (میں مذمت کرتا ہوں حمالة الحطب کی)۔

ف : زمخشری نے کہا کہ میں اسی قرأة سے محبت کرتا ہوں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف اچھا وسیلہ لے گیا جس نے ام جمیل کو گالی دی۔

بعض نے کہا اس کی نصب علی الحالیۃ ہے اس لیے کہ اس کی اضافت غیر حقیقی ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ وہ قیامت میں لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے گی یعنی زقوم اور ضریع کی لکڑیاں۔ اور اس کے گلے میں آگ کی زنجیریں

ہوں گی جیسے مجرم کو اس کے جُرم کے مناسب عذاب کیا جاتا ہے۔

ف : قتادہ نے فرمایا کہ لکڑیاں چُن کر سر پر اٹھا کر لاتی بوجہ بخل کے باوجودیکہ مالدار تھی اس لئے بخل پر عار دلانے کے لیے اسے حمالۃ الحطب کہا گیا۔ اب اس کی نصب یقیناً شتم کے طور ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ لوگوں کی غیبت اور چغلخوری میں لگی رہتی اسے لکڑیوں کے گٹھے سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی وہ ان کے درمیان آگ سلگاتی اور شر ابھارتی تھی۔

ف : لکڑیاں اٹھانے سے مراد چغلی ہے اس لیے کہ وہ دو کے درمیان آتشِ عداوت بھڑکاتی ہے ؎

۱ میان دو کس جنگ چوں آتش است — سخن چین بد بخت ہیزم کش است

۲ کنند این و آن خوش دگر بارہ دل — وے اندر میان کور بخت و خجل

۳ میان دو کس آتش افروختن — نہ عقلست خود درمیان سوختن

ترجمہ : (۱) دو کے درمیان جنگ (جھگڑا) آگ کی طرح ہے چغلخور بدبخت لکڑیاں ڈالنے والے کی طرح ہے۔

(۲) یہ اور وُہ ایک دن ایک دوسرے سے راضی خوش ہو جائیں گے اور یہ درمیان بدبختی اور رسوائی اٹھائیگا۔

(۳) دو کے درمیان آگ بھڑکانا عقل مندی نہیں بلکہ خود کو جلانا ہے۔

فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ (اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسّا) خبر مقدم اور مبتداء مؤخر ہے اور جملہ حالیہ ہے۔

حلِ لغات : الجید (بالکسر) العنق (گلا، گردن) رسّی باندھنے کی جگہ یا اس کا اگلا حصہ (المسد) وہ رسّی جو باٹی جائے سخت طریق سے، لیف (چھال) کی ہو یا چمڑے وغیرہ کی۔ کہا جاتا ہے: دابۃ ممسودۃ شدیدۃ الاسر (جانور چھال کی رسّی سے سخت مضبوط باندھا ہوا ہے)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اس کے گلے میں وہ رسّی ہے جو چھال کی رسّیوں سے ہے اس کی عادت تھی کہ لکڑیوں کی گٹھڑی سر پر رکھ کر رسّی گلے میں باندھ دیتی جیسے لکڑیاں چننے والوں کا طریقہ ہے اس سے اس کے حال کی خساست کا اظہار ہے تاکہ اس کی تحقیر ہو اور اس کی وہ صورت بتائی گئی ہے جو لکڑیاں اٹھانے والی عورتیں چھال کی رسیوں سے لکڑیاں باندھ کر باہر سے لکڑیوں کی گٹھڑیاں لاتی ہیں تاکہ اس طرح سے اپنا غصہ اتارے اور اس کا شوہر بھی، حالانکہ وہ عزّ و شرافت گھرانے والے اور ثروت اور بزرگی کے منصب پر فائز تھے۔

گلے کی رسّی میں لٹک گئی مرۃ الہمدانی فرماتے ہیں کہ اُم جمیل روزانہ کانٹے دار لکڑیاں چُن کر گٹھڑی لاتی اور انہیں مسلمانوں کے راستہ پر بکھیر دیتی تاکہ انھیں کانٹے چبھیں، ایک رات حسبِ دستور لکڑیاں لا رہی تھی تھک گئی تو سستانے کے لیے ایک پتھر پر بیٹھی تو ایک فرشتے نے اسے پیچھے سے کھینچ کر نیچے گرا دیا، گٹھڑی کی رسّی گلے میں پھانسی کا کام کر گئی اسی طرح اس کی جان نکلی اور مرتے ہی جہنم میں پہنچی۔

ابوسفیان پر اژدہا کا حملہ اور معجزۂ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مروی ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو اُم جمیل آگ بگولہ ہوکر اپنے بھائی ابوسفیان کے پاس پہنچی اور کہا: اے احمس (شیر، بہادر) تمہیں غیرت نہیں کہ (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے مجھے گالیاں دی ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: ابھی اس کا سر کاٹ لاتا ہوں۔ تلوار اٹھائی اور چل دیا، لیکن فوراً واپس آگیا۔ ام جمیل نے پوچھا: میرے دشمن کا کام تمام کیا یا نہ (معاذاللہ) ابوسفیان نے کہا: بہن! کیا تو چاہتی ہے کہ تیرے بھائی کا سر اژدہا کا لقمہ ہو جائے۔ کہا بخدا! میں ایسا نہیں چاہتی۔ ابوسفیان نے کہا، ابھی کی بات ہے کہ میں باہر نکلا تو ایک اژدہا دیکھا جس کا منہ کھلا ہوا ہے اگر میں (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) کے قریب ہوتا تو وہ اژدہا مجھے اپنا لقمہ بنا لیتا۔

سبق وہ ابوسفیان جو بعد میں مسلمان ہو گیا اور صحابیت کا درجہ پایا، اور اس کی بہن کی موت کفر پر ہوئی (ع

عجب رنگ ہیں زمانے کے)

یہ سب تقدیرِ ربانی کے کرشمے ہیں۔

سگِ اصحابِ کہف اور بلعم باعورا کشف الاسرار میں ہے کہ کتا رنگ کا کالا تھا اور بلعم باعورا دین کے لباس سے مزین تھا لیکن شقاوۃ وسعادۃ ازلی اپنا کام کر گئی جو دونوں کے اندر چھپی بیٹھی تھی، کتے کی سعادت چمکی تو اس کی کھال اتار کر بلعم کو پہنائی گئی فمثلہ کمثل الکلب میں اسی طرف اشارہ ہے اور بلعم کی گدڑی (ولایت کا لباس) کتے کو پہنائی گئی۔ قرآن مجید میں اسی کتے کے لیے ہے ثلاثۃ رابعہم کلبہم (تین اور چوتھا ان کا کتا)

مسئلہ: مسد پر وقف کیا جائے پھر کہا جائے اللہ اکبر۔ جیسے اس مسئلہ کے متعلق ہم کہہ آئے ہیں۔

الحمد للہ فقیر اویسی غفرلہٗ سورہ المسد کی تفسیر کے ترجمہ سے ۸ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بروز جمعۃ المبارک فارغ ہوا۔

سُورَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّة بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اٰيَاتُهَا ۴ رُكُوْعُهَا ۱

سورۂ اخلاص مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — اس میں چار آیتیں ہیں

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۞۲ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۞۳ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۞۴

تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی

سورۃ الاخلاص مکیہ ہے یا مدنیہ ہے اس کی چار یا پانچ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (تم فرماؤ وہ اللہ ہے وہ ایک ہے) ضمیر شان کی ہے جیسے ہو زید منطق۔ اس کا مرفوع ہونا مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے، اس کی خبر جملہ خبریہ ہے اس میں عائد کی ضرورت نہیں کیونکہ وہی جملہ عین ضمیر شان کا ہے کیونکہ معنی ہے اللہ احد اس کی شان یہ ہے یا وہ یہ کہ بیشک اللہ ایک ہے۔

ف: اسے اول میں لانے میں تنبیہ ہے مضمون کی فخامۃ کی وجہ سے، علاوہ ازیں ابہام کے بعد تفسیر مزید تقریر ہے یا ضمیر اس کے لیے ہے جس سے سوال کیا گیا ہے یعنی جس کے متعلق تمہارا سوال ہے وہ اللہ ایک ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ مشرکین نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ ہمیں اپنے معبود کی صفات بتائیے جس کی آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اور اس کی کوئی نسبت بھی بیان کیجئے۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی، یعنی بیان فرمائیے کہ وہ نسب سے منزہ ہے اسی لیے اس سے والدین کی نفی فرمائی اور مولودیہ اور کفاؤت کی، اس وقت ضمیر مبتدا اور اللہ اس کی خبر ہے احد اس سے بدل ہے خالص نکرہ کو معرفہ بدل بنانا جائز ہے جب اس سے کوئی فائدہ حاصل ہو جیسا کہ ابو علی کا مذہب ہے اور وہی مختار ہے۔ اللہ علم ہے الٰہ حق پر ایسی دلالت کرتا ہے جو جمیع اسمائے حسنٰی معانی کا جامع ہے۔

صوفیانہ معنیٰ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے (صوفیہ کرام کے) نزدیک ذاتِ الٰہیہ من حیث ھی ھی کا اسم ہے یعنی وہ ذات مطلقہ جس پر اول میں مع جمیعہا یا بعضہا کوئی ایک میں صادق آئے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول قل ھو اللہ احد۔

عبد اللہ کون عبداللہ وہ بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے جمیع اسماء سے متجلّیٰ ہو اس سے بڑھ کر ارفع اور کوئی مقام نہیں اور نہ ہی شان سے بڑھ کر اعلیٰ اور کوئی ہے کیونکہ وہ اسم اعظم سے متحقق اور موصوف جمیع صفات الٰہیہ ہے اسی لیے یہ نام صرف اور صرف نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ فرمایا :

وانه لما قام عبد الله یدعوہ ۔ جب کھڑا ہوا اللہ تعالیٰ کا بندہ جو اسے پکارتا تھا۔

درحقیقت یہ اسم ہے بھی صرف رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کا اور آپ کی اتباع میں اقطاب کے لیے جو آپ کے وارث کامل ہیں اگرچہ دوسروں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے تو مجازاً، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہر اسم موصوف ہے بجمیعہا الحکم الواحدیۃ واحدیۃ جمیع الاسمائے احد اسم ہے اس کا جس کا کوئی شریک نہ ہو صفات میں جیسے واحد اسم ہے اس کا جس کا کوئی شریک نہ ہو صفات میں، یعنی احد وُہ ذات، واحد ہے جس میں کثرت کا اعتبار نہ ہو اللہ تعالیٰ کے لیے وہ احدیت ثابت کی گئی جو اپنے جملہ ماعدا سے غنی ہو، اور یہ من حیث العین والذات ہے بغیر اعتبار دوسرے امر کے۔ الواحد وہ ذات ہے جس میں کثرتِ صفات کا اعتبار ہو اور وہ حضرت الٰہیہ ہے اسی لیے فرمایا :

ان الھکم الله واحد۔ (بیشک تمہارا معبود ایک ہے)

احد نہیں فرمایا اس لیے کہ واحدیت اسمار التقیید سے ہے واحدیۃ اور خلق کے درمیان ارتباط ہے من حیث الالٰہ والمألوہیۃ کے بخلاف احدیت کے کہ اس کا کسی سے ارتباط صحیح نہیں پس ان کا قول علم الالٰہی وہ علم بالحق ہے من حیث الارتباط بینہ وبین الخلق اور عالم کی انتشائے اسی سے ہے بقدر طاقت بشریہ کیونکہ اس کے آگے طاقتِ بشریہ وفا نہیں کر سکتی - یہ وہی مقام ہے جہاں کاملین ورطۂ حیرت میں پڑ جاتے ہیں اور حقِ معرفت سے اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں۔

ف : اس سے ثابت ہوا کہ توحید الذات فی الحقیقۃ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔

عبد الاحد کون عبد الاحد وہ وحید الوقت اور صاحب الزمان ہے جس کو قطبیۃ کبریٰ اور قیام بالاحدیۃ الاولیٰ نصیب ہوتی ہے۔

عبد الواحد کون وُہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حضرۃ واحدیۃ تک پہنچائے اور اپنے جمیع اسمار کی احدیۃ مکشوف فرما دے پھر وہ اس کا ادراک کرے جس کا ادراک ہو سکتا ہے اور وہ کر سکتا ہے جو وہ اپنے اسماء سے کرتا ہے اور اسمائے حسنیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے۔

سیرالی اللہ کے تین مقامات

حضرت ابن الشیخ نے اپنے حواشی میں لکھا کہ ھو اللہ احد کے تین الفاظ ہیں، ہر ایک میں سائرین الی اللہ کے مقام کی طرف اشارہ ہے:

(۱) مقام اول مقربین کا مقام ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ماہیات الاشیاء اور ان کے حقائق کو من حیث حیث دیکھا اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو موجود نہیں مانا کیونکہ حق وہ ذات ہے جو واجب الوجود ہے اس کا ماسوا کا نام ممکن ہے اور ممکن وُہ ہے کہ جب اسے من حیث من حیث ہو ہو دیکھا جائے تو وہ معدوم ہو جائے اسی لیے ان حضرات نے ماسوی الحق کے کسی کو موجود دیکھا ہی نہیں اور کلمہ ھُوَ اگرچہ وہ اشارہ مطلقہ کے لیے ہے تعین المراد میں مفتقرہ (محتاج) ہے صرف سبقت ذکر باحد الوجوہ کی یا اس کے بعد کوئی شے آئے جو اس کی تفسیر کرے لیکن اس کا اشارہ حق کی طرف کرتے ہیں اس اشارہ میں اور کسی کی طرف محتاج نہیں کیونکہ مگر کوئی ایسی شے موجود ہو تو اس کی مراد کو غیر سے ممتاز کر دے کیونکہ تمیز کی محتاجی اس وقت ہے جب ابہام واقع ہو جائے بایں طور کہ متعدد ہو جائیں وہ اشیاء جن میں اشارہ کی صلاحیت ہو اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مقربین اپنے عقول کی عیون سے سوائے واحد کے کسی اور شے کا مشاہدہ کرتے ہی نہیں۔ اسی لیے حصول العرفان التام کے لیے مقربین کو یہی ھُوَ کافی ہے۔

(۲) مقام اصحاب الیمین، وہ مقام اول سے مرتبہ میں کم ہے اس لیے کہ وہ حق کو موجود کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں اور خلق کو بھی موجود پاتے ہیں اس معنیٰ پر موجودات میں کثرت حاصل ہوئی اسی لیے ایسے لوگوں کے لیے اشارہ میں حق کی طرف لفظ ھو کافی نہیں ہوتا بلکہ ان کے لیے کوئی اور شے ضرور ہو جو حق کو خلق سے متمیز کرے ایسے لوگ محتاج ہوتے ہیں کہ لفظ ھُوَ کے ساتھ اللہ مقترن ہو، ان کے لیے فرمایا ھو اللہ۔ اس لیے کہ لفظ اللہ اسم ہے موجود کے لیے جس کا ماسوا محتاج ہے اور وہ تمام ماسوا سے مستغنی ہے اسی لیے اس کی ذات کو لفظ اللہ سے متمیز کیا جاتا ہے۔

(۳) مقام اصحاب الشمال، یہ مقام تمام مقامات سے خسیس ترین ہے وہ قائل ہیں کہ واجب الوجود ایک نہیں بلکہ بکثرت ہیں ان کے لیے لفظ احد ملایا پہلے اسماء کے ساتھ ان کے رد و ابطال کے لیے کہا قل ھو اللہ احد۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ صوفیہ کرام کا عقیدہ صحیح ہے وہ فرماتے ہیں اس کا ذکر صرف لفظ ھُوَ سے ہو اس لیے کہ ان کو وجود میں سوائے اللہ تعالےٰ کے غیر کا مشاہدہ ہی نہیں اللہ ان کے نزدیک اپنی ھویۃ مطلقہ ساریہ سے متعین ہے اس کے لیے تعیین (معین کرنا) کی ضرورت ہی نہیں اور ضمیر ھو صرف اسی کی طرف راجع

ہے جیسے انا انزلناہ کی ضمیر ہٗ قرآن کی طرف راجع ہے اس کے تعین اور حضور فی الدین کی وجہ سے (تعیین کی ضرورت نہیں) اس سے طعن کرنے والوں کا اعتراض مندفع ہوگیا کہ ضمیر ھُوَ کا کوئی مرجع متعین نہیں تو پھر ان صوفیہ کرام کے نزدیک صرف ذکر اللہ کیسے مردود ہے (ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے کہ ھُوَ کا مرجع خود متعین ہے اسے متعین کرنے کی ضرورت نہیں) علاوہ ازیں ضمائر بھی اسماء ہیں اور تمام اسماء ذکر ہیں ان کے مظہریت (اسم کا مظہر ہونا) اور مضمریت (مضمر ہونا) میں کوئی فرق نہیں اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ھُوَ پر الف ولام کا دخول صوفیہ کرام کے نزدیک جائز ہے اور یہ صرف صوفیہ کی اصطلاح[1] میں ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ اشارہ (ھُوَ) ہویۃ کی طرف ہے اور اصطلاح (صوفیہ) میں کسی کو مناقشہ (جھگڑا) نہیں۔

صوفیہ کا قُل قُل عین الجمع سے امر ہے وارد ہے مظہر التفصیل پر۔ اس میں اشارہ ہے شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملائکۃ واولوا العلم کے سرّ کی طرف۔ گویا وہ کہتا ہے میں نے گواہی دی وحدۃ الھویۃ کی مقام الجمع میں تو تم بھی گواہی دو اسی وحدۃ مقام الفرق میں تاکہ احدیۃ واللااحدیۃ کا راز ظاہر ہو اور ان کے مابین جمعاً وتفصیلاً کا تطابق حاصل ہو (ایسے ہی میرے دل پر یہ تحقیق ظاہر ہوئی واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال)

ف: اسے قُل کے بغیر اللہ بھی پڑھا گیا ہے۔ ایسے ہی معوذتین میں بھی قُل نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ توحید ہے اور معوذتین میں تعوذ ہے اور ان دونوں کے سبب سے دُعا مانگنا اور ان کی تبلیغ کا حکم دینا مناسب ہے (سورۃ الاعلیٰ میں بقدرِ ضرورت بیان ہو چکا ہے اس میں تکرار کی ضرورت نہیں)

سوال: مصحف میں قُل ثابت کیوں رکھا گیا ہے اور تلاوت کا التزام بھی اسی پر ہے حالانکہ قاعدہ ہے کہ مامور بنقل کے طریقہ سے نہیں کہ وہ مقام ائتمار (تعمیل فرمان) میں مقول کے بغیر قُل کو زبان پر لائے اس لیے کہ مامور صرف قُل سے مامور نہیں بلکہ اس میں مخاطب کی طرح دوسرے لوگ بھی اس امتحان میں داخل ہیں۔

جواب: قیامت تک بندوں پر باقی رکھنے کے لیے قُل کو ثابت رکھا گیا ہے۔

---

[1] صوفیہ کی اصطلاحات علیحدہ ہیں جو ہم ظاہر بینوں کو غلط فہمی میں ڈال دیتے ہیں بالخصوص آج کل کے جاہل دیوبندی وہابی اور ان کے دیگر ہمنوا فرقے ان اصطلاحات کی آڑ میں ہم اہلسنت کو کافر ومشرک بناتے پھرتے ہیں حالانکہ دیوبندی فرقہ کے اکابر کی تصریحات موجود ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی صوفی ہیں اور صوفیہ کرام کی اصطلاحات پر ایمان ہے یہاں تک کہ وحدۃ الوجود کی اصطلاح تک کو صحیح مانتے ہیں بلکہ اس اصطلاح کی حقانیت پر اکابر دیوبند کی تصنیفات بھی ہیں لیکن ان کے جاہلوں کو کون سمجھائے۔ اویسی غفرلہٗ

اَللّٰهُ الصَّمَدُ (اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے) بتدار خبر ہے فعل بمعنی مفعول ہے جیسے قبض بمعنی مقبوض صمد الیہ از باب نصر سے ہے بمعنی قصدہ (اس کا ارادہ کیا) الصمد بمعنی السید المصمود الیہ فی الحوائج الخ (وہ آقا جس کی طرف حوائج کے وقت قصد کیا جائے، اور وہ خود بذاتہٖ مستغنی ہو اور ماسوا تمام جملہ جہات سے اس کے محتاج ہوں اسی لیے کہا جا سکتا ہے کہ عالم وجود میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی صمد نہیں، یہ ایسے ہے جیسے ہم مثال میں کہہ سکتے ہیں کہ زید الامیر یہ قصر الجنس علی زید کا فائدہ دیتا ہے جب وہ ایسا صمد ہے تو جس سے صمدیت کی نفی ہوگی تو لازماً صرف وہی ذات الوہیت کی مستحق ہوگی۔ اس کا معرفہ ہونا اس لیے کہ وہ اس کی صمدیت کو جانتے ہیں بخلاف اس کی احدیت کے (کہ اس کو بہت کم جانتے ہیں) اور اسم جلیل (اللہ) کا تکرار میں اشعار ہے کہ وہ جو موصوف ہے اس صفت سے تو وہ استحقاق الوہیت سے علیحدہ کیسے ہو سکتا ہے جس کا ابھی اشارہ گزرا ہے۔

ف : جملہ کو حرف عطف سے خالی رکھنا اس لیے کہ دوسرا جملہ پہلے جملہ کا نتیجہ ہے اور ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ الوہیت جملہ نعوت کمالیہ کی جامع ہے پھر احدیۃ ہر وجہ سے تعدد و ترکب کے شائبہ کے لیے اور مشارکۃ فی الحقیقۃ اور اس کے خواص کے توہم سے تنزہ کی موجب ہے پھر اس کی صمدیۃ مقتضی ہے اس کے استغناء ذاتی عما سواہ اور جملہ مخلوقات اپنے وجود اور بقاء اور اپنے احوال میں اسی کے محتاج ہیں حق کی تحقیق اور ان کے ارشاد واضح الی السنن کے لیے۔

ف : صمدیت کا اثبات اللہ تعالیٰ کے لیے اس اعتبار سے ہے کہ ہم وجود و کمالات میں اس کی طرف منسوب ہیں اور وہ کمالات وجود کے تابع ہیں ورنہ وہ اپنی ذاتی احدیۃ کے اعتبار سے اس صفت سے مستغنی ہے خلاصہ یہ کہ صمدیۃ اللہ تعالیٰ میں اعتبار کثرۃ اسماء و صفات کی مقتضی ہے (بخلاف احدیۃ کے کہ وہ کثرت اسماء و صفات کی مقتضی ہے (بخلاف احدیۃ کے کہ وہ کثرت اسماء و صفات کی مقتضی نہیں)

عبد الصمد کون وہ ہے جو اس صمدیۃ کا مظہر ہے جس کی طرف قصد کیا جاتا ہے دفع بلیات اور امداد الخیرات کے لیے اور اسے دفعِ عذاب اور اعطائے ثواب کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں شفیع بنایا جائے اللہ تعالیٰ جو ربوبیت کی نظر کرم عالم کی طرف فرماتا ہے تو اس کا مطمحِ نظر وہی عبد الصمد ہوتا ہے۔

صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ پر واردات فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میری باطن کی زبان پر بلا اختیار مندرج ذیل کلمات جاری ہو گئے اور یہ اشراق کے بعد ہوا۔ وہ کلمات یہ ہیں جن کے لیے میرا جی چاہتا کہ میں انہیں پڑھوں :

ازلی ابدی احدی صمدی۔ وہ ازلی ابدی احدی صمدی ہے۔

یعنی میرا رب تو ازلی ابدی احدی صمدی ہے ازلیۃ احدیۃ کی طرف ناظر ہے جیسے ابدیۃ صمدیۃ کی طرف، یہ باعتبار تحلیل وتعقید کے ہے کیونکہ احدیۃ کا جلوہ نہیں ہوتا جب تک ازالۂ کثرات نہ ہو پس مقام غنی جو کہ غیب مطلق ہے تک پہنچنے سے کثرت زائل ہو جاتی ہے اور زوال ازلاً ہوتا ہے اور یہ تحلیل وفنا اور عبور منازل سے اور اعروج مزصد اعلیٰ ومقصد اقصیٰ عیناً وعلماً ہے بہرحال صمدیۃ باعتبار اس ابدیۃ کے ہے جسے بقا کہا جاتا ہے اور یہ تعقید بعد تحلیل کی مقتضی ہے اور یہ نزول مقام العین (بالمہملہ) کی طرف سے ہے یعنی عین خارجی اور عالم شہادتی کی طرف اور یہ عالم ناسوت کی سب سے نچلی منزل ہے۔ خلاصہ یہ کہ احدیت جمع اور صمدیۃ فرق ہے خلاصہ یہ کہ مقام احدیۃ یہ وہ لفظ ہے جو غیر منقسمہ ہے جس سے جملہ تراکیب واحدیۃ منسبط ہوتی ہیں اس کے تعینات میں پہلا مرتبہ حضرت آدم پھر بی بی حوا (علیٰ نبینا وعلیہما السلام) اس لیے کہ حوا ر اس ہوا کے بعد ظاہر ہوئیں جو آدم حقیقی کے تعین سے اٹھی، اسی لیے اس کی ہاء حاء سے تبدیل ہوئی۔

خواص احد وصمد اسم احد کی خاصیت ہے ظہور عالم قدرت اور اس کے آثار یہی وجہ ہے جو طہارت سے خلوت میں اسم احد کا ورد کرے تو اس کے لیے اس کی قوت وضعف کے مطابق عجائب وغرائب ظاہر ہوں گے اور اسم الصمد کی خاصیت حصول الخیر والصلاح ہے جو اسے سحر کے ایک سو پچیس بار پڑھے تو اس پر صدق وصدیقیۃ کے آثار ظاہر ہوں گے۔

ف: اللمعہ میں ہے کہ اس کا ورد کرنے والا جب تک اس کے ذکر سے سرشار رہے گا وہ بھوک کا درد نہ دیکھے گا۔

مسئلہ: ایک قرأۃ میں احد کو منون ومکسور کر کے اللہ الصمد سے متصل ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے اور ابو عمرو اکثر روایات میں ھو اللہ احد پر سکوت فرماتے تھے، اور عرب کا گمان ہے کہ اس جیسی قرأۃ میں وصل نہ ہو ان سے مروی ہے انہوں نے فرمایا اس کا وصل قرأۃ محدثہ (بدعت) ہے۔ انہی سے مروی ہے کہ میں نے اسی طرح قرأۃ پائی ہے جیسے عرب پڑھتے تھے قل ھو اللہ احد۔ اگر تم اسے آگے وصل کرو تو اسے منون پڑھو۔ انہی سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میرے نزدیک مستحب ہے کہ جب آیت کا مضمون ختم ہو تو اس پر سکوت کرنا چاہئے اس لیے کہ آیت مابعد سے منقطع ہے اور وہ اپنے معنیٰ پر اکتفا کرنے والی ہے اسی لیے یہ خود فاصلہ ہے اسی لیے اس کا نام آیۃ ہے، ہاں وقف کے وقت سب کے سب احد اور الصمد کی دال کو ساکن پڑھتے ہیں۔

ربط: اس کے بعد بعض احکام جزئیہ کی تصریح فرمائی وہ احکام سابقہ میں مندرج ہیں۔

لَمْ يَلِدْ (کسی کو نہیں جنا) ملائکہ اور حضرت مسیح علیٰ نبینا وعلیہما السلام کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہنے

والوں کا منصوص اَرد ہے اسی لیے ماضی پر نفی وارد ہے لَنْ یَّلِدَ وَ لَا یَلِدُ نہیں فرمایا یعنی اس سے اولاد کا صدور نہیں ہوا کیونکہ وہ کسی کا ہم جنس نہیں تاکہ اس کی ہم جنس جورو ہو تاکہ بچے پیدا ہوسکیں یا یہ کہ وہ کسی کا محتاج نہیں جو اس کی مدد کرے یا اس کا جانشین ہو کیونکہ اسے کسی کی حاجت نہیں اور نہ اس پر فنا ہے۔

سوال: یہاں لَمْ یَلِدْ اور بنی اسرائیل میں فرمایا لَمْ یَتَّخِذْ۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: نصاریٰ کے دو گروہ ہیں:

(۱) حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) خدا تعالیٰ کا حقیقی بیٹا ہے۔

لَمْ یَلِدْ میں انہی کا رد ہے۔

(۲) عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے (منہ بولا) بیٹا بنا رکھا ہے ان کی شرافت اور بزرگی کی وجہ سے، جیسے ابراہیم علیہ السلام کی شرافت پر انہیں خلیل بنایا۔

ان کے رد میں فرمایا:

لم یتخذ ولداً۔

وَلَمْ یُوْلَدْ (اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا) اس کی کسی سے ولادت کی نسبت نہیں کیونکہ اس پر عدم کی سبقت کی نسبت محال ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ والدیۃ و مولودیۃ کی نسبت میں مثلیت ہی ہوتی ہے کیونکہ مولود کو ضروری ہے کہ وہ والد کے مثل ہو اور رہویۃ واجبہ اور رہویات ممکنہ کو آپس میں کوئی نسبت نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرت البقلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لم یلد ولم یولد کا مطلب یہ ہے کہ وہ حوادث کا محل نہیں اور حوادث اس کا محل ہیں اور تصریح ہے کہ وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا باوجودیکہ وہ اس کے مضمون کے معترف ہیں ماقبل کی تقریر سے اور اس کی تحقیق بالاشارہ سے کہ وہ دونوں لازم و ملزوم ہیں کہ جو دوسرے کو جنتا ہے وہ کسی دوسرے سے پیدا ہوتا ہے اور وہ جو کسی کو نہ جنے وہ کسی سے پیدا نہیں ہوتا اس سے لازماً ثابت ہوا کہ اس نے کسی کو نہیں جنا تو وہ بھی کسی سے پیدا نہیں ہوا۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ لم یلد کا ذکر مقدم اس لیے فرمایا کہ کفار کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے لیکن ان کا یہ دعویٰ نہ تھا کہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے۔

ف: تفسیر فارسی میں ہے کہ لم یلد میں یہود کا رد ہے وہ قائل تھے کہ عزیر علیہ السلام (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے ولم یولد میں نصاریٰ کا رد ہے وہ قائل تھے کہ (معاذ اللہ) عیسیٰ علیہ السلام خدا (معبود) ہے۔

ف: حضرت ابواللیث نے فرمایا کہ لم یلد یعنی اس کی اولاد نہیں کہ اس کی وارث ہو ولم یولد اور اس کا

کوئی والد نہیں کہ یہ اس کا وارث ہو۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی)

تفسیر عالمانہ حل لغات : کہا جاتا ہے ھذا اکفاؤہ و کفوہ یعنی یہ اس کی مثل ہے کافأ فلاناً ماثلہ وہ اس کا ہم مثل ہے لہٗ اس کا صلہ ہے اس پر مقدم ہے باوجودیکہ اس کا حق ہے کہ وہ مؤخر ہو اس کے مہتم ہونے کی وجہ سے مقدم کیا گیا اس لیے مقصود ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سے کفو کی نفی، یعنی نہ اس کا کوئی ہم کفو ہے نہ ہم مثل ہے نہ ہم شکل بلکہ تمام اکفاء (امثال) کا خالق وہی ہے۔

ف : یہ بھی جائز ہے کہ اس سے کفو فی النکاح مراد ہو، اس سے کسی سے نکاح کی نفی مراد ہے۔

ف : اسم کان کی نفی کی تاخیر رعایت فواصل کی وجہ سے ہے۔

ربط جمل ثلاث ان تینوں جملوں کا رابطہ بالعطف یوں ہوگا کہ ان سے تینوں اقسام کی نفی مراد ہے، درحقیقت یہ ایک جملہ ہے صرف تنبیہ کی خاطر انہیں علیحدہ علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہویۃ احدیۃ کثرت و انقسام کو قبول نہیں کرتی اور نہ ہی وحدۃ ذاتیہ غیر کو مقارن ہے اس لیے کہ وجود مطلق کے سوا باقی سب عدم محض ہے اسی لیے اس کا کوئی ہم مثل نہیں ہو سکتا کیونکہ عدم محض وجود محض کا مثل کہا۔

ف : کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس میں مجوس و مشرکین عرب کا رد ہے انہوں نے کہا کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی کفو ہے۔ اور مفسرین نے فرمایا کہ اس سورۃ کی ہر ایک آیت اپنی پہلی آیت کی تفسیر ہے مثلاً کوئی کہے ھُوَ کون ہے؟ تم کہو احد۔ پھر کہے کہ احد کون ہے؟ تم کہو صمد۔ پھر وہ پوچھے صمد کون ہے؟ تم کہو لم یلد و لم یولد۔ وہ سوال کرے کہ لم یلد و لم یولد کون ہے؟ تم کہو لم یکن لہٗ کفوا احد۔

عجائبات التفاسیر بعض نے فرمایا کہ والھین کا کاشف ھُوَ اور موحدین کا کاشف اللہ اور عارفین کا کاشف احد اور علماء کا کاشف الصمد اور عقلاء کا لم یلد یعنی لم یلد میں توحید العوام کی طرف اشارہ ہے کہ وہ صانع پر شواہد دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔

(۲) بعض اکابر نے فرمایا کہ سورۃ اخلاص میں حال النزول کی طرف اشارہ ہے اور وہ مجذوب کا حال ہے کہ وہ سب سے پہلے کہے ھو اللہ احد اللہ الصمد الخ اور صعود کا حال آخر سے معتبر ہے ھو کی جانب، مثلاً

پہلے کہے لم یکن لہٗ کفواً احد پھر ترقی کرتا ہُوا آخر میں کہے ھُوَ ۔ لیکن سالک کو لائق نہیں کہ وہ قرآن میں صرف ھُو کے وجدان پر اکتفار نہ کرے بلکہ اسے لازم ہے کہ وہ قرآن فعلی کی طرف ترقی کرے پھر وہ قرآن کے ھُو کا مشاہدہ کرے اور ھُو تمام عوالم کو محیط ہے ، یہی وُہ پہلا مکاشفہ ہے جو سالک کو منکشف پر ہوتا ہے اور یہ سورۃ باوجودیکہ چھوٹی ہے لیکن جمیع معارفِ الٰہیہ پر مشتمل ہے ، اور اس میں ان ملحدین کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات میں الحاد کرتا ہے ۔

حدیث شریف میں ہے :

سُورۃ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے ۔

ف : اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے مضامین عقائد و احکام و قصص پر مشتمل ہیں اور مقصود بالذات اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ علم المبدأ اور اس کی صفات سے حاصل ہوتا ہے باقی اس کے ذرائع و وسائل و اسباب ہیں ۔

فضائل سورۃ اخلاص

(۱) نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کی بنیاد سورۃ اخلاص پر ہے یعنی ان کی تخلیق توحیدِ الٰہی اور اس کی معرفت و صفات کے دلائل کے لیے ہے اور وہ سب کے سب اسی میں ہیں ۔

(۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے ایک آدمی کو یہ سورہ قل ھو اللہ پڑھتے ہوئے سُنا آپ نے فرمایا : وَجَبَت (واجب ہوگئی) پوچھا گیا : کیا واجب ہوگئی ؟ فرمایا : وجبت لہ الجنۃ (اس کے لیے جنّت واجب ہوگئی) ۔

(۳) حضرت سُہیل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر ہُوا ، فقر و فاقہ کی شکایت کی ۔ فرمایا : جب گھر میں داخل ہو تو اگر کوئی گھر میں ہے تو اسے السلام علیکم کہو ، اگر کوئی نہ ہو تو خود پر سلام کہو پھر قل ھو اللہ احد الخ ایک بار پڑھو ۔ اس شخص نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے رزق کی فراوانی کر دی یہاں تک کہ وہ اپنے ہمسائیگان پر بھی خرچ کرنے لگا ۔

وظیفہ سورۃ الاخلاص

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

من قرأ قل ھو اللہ احد بعد صلاۃ الفجر احدی عشرۃ مرۃ لم یلحقہ ذنب یومئذ ولو اجتھد الشیطان (جو صبح کی نماز کے بعد گیارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ لے اسے گناہ لاحق نہ ہوگا اگر شیطان کوشش کرے)

حدیث شریف میں ہے :

ایعجز احدکم ان یقرأ القرآن فی لیلۃ واحدۃ فقیل یارسول اللہ من یطیق ذلک قال ان یقرأ قل ھو اللہ احد ثلاث مرات۔

کیا تمہارا ایک اس سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں پورے قرآن مجید کی تلاوت کرے۔ عرض کی گئی، اس کی طاقت کس کو۔ فرمایا صرف قل ھو اللہ احد تین بار پڑھ لیا کرے۔

(۵) معاویہ کا جنازہ مدینہ میں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبوک میں

مروی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام تبوک میں حاضر ہوئے، عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم! معاویہ بن المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں فوت ہوگیا ہے حکم ہو تو میں زمین لپیٹ کر آپ کے آگے رکھ دوں اور آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ آپ نے فرمایا، کیوں نہیں! حضرت جبریل علیہ السلام نے زمین پر پَر مارے تو معاویہ بن مزنی کا جنازہ آپ کے سامنے لایا گیا آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھائی آپ کے پیچھے دو صفیں ملائکہ کرام کی تھیں ہر صف میں ستر ہزار فرشتہ تھا۔ وہ لوٹ گئے تو آپ نے فرمایا اے جبریل (علیہ السلام) معاویہ بن المزنی نے یہ مرتبہ کہاں سے پایا؟ عرض کی قل ھو اللہ احد سے محبت کی وجہ سے کہ وہ آتے جاتے اُٹھتے بیٹھتے اور ہر حال میں اسے پڑھتا رہتا تھا۔ (رواہ الطبرانی)

(۶) جب سورۃ الاخلاص نازل ہوئی تو اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتہ آیا، جب بھی وہ آسمان والوں کے پاس سے گزرتے تو وہ ان سے پوچھتے کہ تمہارے ساتھ کیا ہے؟ تو وہ کہتے نسبۃ الرب۔ اسی لیے اس سورۃ کا نام نسبۃ الرب ہے۔ (کشف الاسرار)

اس کا نام سورۃ الاخلاص بھی ہے اس لیے کہ یہ شرک سے اخلاص اور عذاب سے خلاصی بخشتی ہے یا توحید میں خالص ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ؎

عفو ربی وثیقتی بالخلاص
واعتصامی بسورۃ الاخلاص

ترجمہ : میرے رب تعالیٰ کا عفو میرے چھٹکارے کا وثیقہ ہے اور میرا اعتصام سورۃ الاخلاص سے ہے۔

اس لیے کہ یہ سورۃ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہے کہ اس میں سوائے اس کے اور کسی شئے کا ذکر نہیں، نہ

دنیا کا نہ آخرت کا۔

حنفی نے کہا کہ یہ اپنے پڑھنے والے شدائد آخرت اور سکرات الموت اور ظلمات القبر اور اہوال القیامۃ سے نجات بخشتی ہے۔

حضرت قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اخلاص اس لیے کہ اس میں حقیقۃ احدیۃ کو شائبہ کثرت سے خالص کرنا ہے۔

(صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ ہنے فرمایا) سورۃ الاخلاص کی تفسیر سے پیر کے دن ۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۷ھ کو فراغت ہوئی۔

اور فقیر اویسی غفرلہٗ، تفسیر سورۃ الاخلاص کے ترجمہ سے ۹ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ بروز ہفتہ فارغ ہوا۔ (الحمد للہ علی ذلک)

سُورَۃُ الفَلَق مَکِّیَّۃ ۞ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۞ آیاتہا ۵ رکوعہا ۱

سورۂ فلق مدنی ہے ۔ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ۔ اس میں پانچ آیتیں ہیں

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۞ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۞ وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا

تم فرماؤ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے اس کی سب مخلوق کی شر سے اور اندھیری ڈالنے والے کے شر سے

وَقَبَ ۞ وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۞ وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۞

جب وہ ڈوبے اور ان عورتوں کے شر سے جو گرہوں میں پھونکتی ہیں اور حسد والے کے شر سے جب وہ مجھ سے جلے ۔

سورۃ الفلق مدنیہ ہے اور اس کی پانچ آیات ہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ (تم فرماؤ میں اس کی پناہ لیتا ہوں جو صبح کا پیدا کرنے والا ہے)

حلِ لغات ، الفلق بمعنی الصبح اس لیے کہ اس سے رات جُدا ہوتی ہے یہ باب الحذف و الایصال کے باب سے ہے فعل بمعنی مفعول ہے اور یہ اس وقت متحقق ہو سکتا ہے جبکہ شے پوشیدہ اور محجوب ہو کسی دوسری شے سے پھر حجاب ساتر کو مستور سے ہٹایا جائے اور زائل کیا جائے تو اس سے مستور ظاہر ہو جائے اس کے زوال سے وہ شے منکشف ہو جائے اور وہ حجاب جو ہٹایا گیا ہے وہ مفلوق ہے اور وہ جو محجوب و منکشف حجاب کے ہٹنے سے ہے وہ مفلوق عنہ ہے اور وہ صبح مفلوق عنہ ہوئی اس علت کے زوال سے جو ظلمت لیل سے محجوب تھی اسی لیے جو شے زیادہ روشن ہو اسے کہا جاتا ہے : ھو ابین من فلق الصبح (وہ صبح کے کھلنے سے زیادہ واضح ہے)

تفسیر صوفیانہ

تمام خلق بھی فلق ہے اس لیے کہ تمام ممکنات یعنی اعیان ثابتہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ظلمۃ العدم کے تحت مستور و محجوب تھے اللہ تعالیٰ نے ان ظلمات کو نورِ تکوین و ایجاد سے روشن کر کے ظاہر فرمایا ان مکوّنات کو جو اس کے علم میں تھا اسی لیے وہ مکوّنات مفلوق عنہا ہوئیں

نکتہ

عیاذ (پناہ مانگنا) کو اسم رب سے جو مضاف ہے خلق کی طرف وہ جو اس نور کی خبر دیتا ہے جو ظلمت کے بعد نور اور تنگی کے بعد وسعت اور بندش کے بعد کھلنا کا وعدہ کریمہ ہے کہ جو پناہ مانگنے والے کو جس سے پناہ مانگ رہا ہے سے ضرور پناہ اور اس سے نجات اور ان کی امید کو تقویت بخشی جائے گی جیسا کہ

اس کے بعض نظائر کی تذکیر اور اس کی جدوجہد کی مزید ترغیب اور اس کی طرف التجا اور رب سے پناہ مانگنے سے معلوم ہوتا ہے۔

نکتہ : علماءِ کرام نے فرمایا کہ طلوعِ صبح پر ثقالت خفت سے اور غم فرحت سے بدل جاتا ہے۔

جبریل و یوسف علیہما السلام کا قصہ مروی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کنویں میں گرائے گئے تو آپ کے گھٹنوں پر چوٹ آئی جس کے درد سے ساری رات آرام نہ فرمایا، صبح سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا اے یوسف (علیہ السلام) اللہ سے دعا کیجئے تاکہ آپ کو شفاء ہو۔ آپ نے فرمایا اے جبریل علیہ السلام! آپ دعا فرمائیں اور میں آمین کہوں۔ جبریل علیہ السلام نے دعا مانگی اور یوسف علیہ السلام نے آمین کہی۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو شفاء بخشی۔ پھر یوسف علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام کو فرمایا اب میں دعا مانگوں آپ آمین کہیں۔ یوسف علیہ السلام نے عرض کی: یا اللہ! اس وقت جتنے درد میں مبتلا ہیں سب کے درد دور فرما دے۔

ف : تجربہ شاہد ہے کہ اول اللیل میں درد اور مرض میں مبتلا آخر شب میں آرام پاتا ہے۔

حکایت ایک صحابی رضی اللہ عنہ ملک شام سے تشریف لائے تو راستہ میں اہلِ ذمہ (ذمی کافروں) کے جھونپڑے دیکھے جن میں سے کسی قسم کے عیش و آرام کے آثار نظر نہ آتے تھے فرمایا کیا ان کے پیچھے الفلق نہیں۔ پوچھا گیا الفلق کیا ہے؟ فرمایا: جہنم میں ایک گھر ہے کہ جب اس کا دروازہ کھلے گا تو تمام اہلِ جہنم کی چیخیں نکل جائیں گی۔

تفسیر عالمانہ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ (اس کی تمام مخلوق کے شر سے) اس کے شر سے جو ثقلین (جن و انس) وغیرہ کی مخلوق ہے جو بھی اہلِ طبائع و صاحبانِ اختیار ہیں یعنی ان کے موذیوں میں سے انس و جن ہیں یا درندے ہیں یا موذی کیڑے مکوڑے۔ اس میں جمیع شرور و مضار (ضرر رساں اشیاء) بدنیہ ہوں یا ان کی غیر، سب شامل ہیں ضرب ہو یا قتل اور شتم، اور دانت چبانا ہو یا ڈسنا اور جادو ہو وغیرہ وغیرہ۔ اور شر کی اضافت مخلوق کی طرف میں اشارہ ہے کہ یہ شر عالم خلق سے متعلق جن میں متباین (مختلف) مواد کے امتزاج کی بنیاد رکھی گئی ہے اور ان میں متضادہ اور ایک دوسرے کے آگے پیچھے کیفیات رکھی گئی ہیں اس لیے کہ عالم کون و فساد کا یہی تقاضا ہے ورنہ عالم آخرت وہ تو خیر محض ہے وہ شوائب شر سے بالکل منزّہ ہے۔

معتزلہ کی توحید پرستی کا نمونہ چونکہ معتزلہ شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے کو ناجائز سمجھتے ہیں کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شر کا خالق نہیں اسی لیے وہ شیرّ کو منوّن پڑھتے

ہیں اور ما خلق کا ما نافیہ مانتے ہیں یہ قراۃ بالکل مردود ہے کیونکہ اس کی بنا باطل مذہب پر ہے جو قرآن مجید کی نص صریح کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اللہ خالق کل شیٔ ۔ (اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے)

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ (اور اندھیری ڈالنے والے کے شر سے) یعنی شر کو خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے حالانکہ یہ ماقبل شر میں مندرج ہیں اس لیے کہ اس سے پناہ مانگنے کی بار بار ضرورت پڑتی ہے کیونکہ یہ کثیر الوقوع ہیں اور ستعاذ کی تعیین اس سے استعاذہ زیادہ ضروری ہے اور رات کے شر سے جو سخت اندھیریوں میں لپٹی ہوتی ہے اور شفق کے غائب ہونے کے بعد ہے اللیل۔

حل لغات : اللہ تعالیٰ کے قول الیٰ غسق اللیل سے ہے یعنی اس کی اندھیریوں کے اجتماع تک۔

القاموس میں ہے : الغسق (محرکۃ) اول شب کی تاریکی۔ وغسق اللیل غسقاً (حرکت کے ساتھ) یعنی اس کی تاریکی سخت ہوگئی۔ غاسق اللیل بمعنی اندھیرا ڈالنے والی رات کما فی المفردات دراصل الغسق بمعنی امتلاء (پُر ہونا) کہا جاتا ہے ، غسقت العین (آنکھ آنسوؤں سے پُر ہوگئی۔ دمع (آنسوؤں کا بہنا) اور غسق العین (آنکھ سے آنسوؤں کا بہنا) اور شر کی لیل کی طرف اضافت ملابست کی وجہ سے ہے کہ وہ شرارت میں حادث ہوتا ہے اور اس کی تنکیر اپنے جمیع افراد کے شامل ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کے تمام اجزاء کی وجہ سے۔

اِذَا وَقَبَ (جب وہ ڈوبے)

حلِ لغات : الوقب بمعنی کسی شے کا چھپنا، جیسے پتھر کا چھپنا کہ اس میں پانی جمع ہوتا ہے۔ وقب بمعنی دخل فی دقب۔ اسی سے ہے وقبت الشمس بمعنی غابت (سورج غائب ہوگیا) وقب الظلام (تاریکی داخل ہوگئی)

اب معنی یہ ہوا کہ جب اندھیرا ہر شے میں داخل ہو جائے اس سے مقید کیا گیا اس لیے اکثر شر اس وقت میں واقع ہوتا ہے اور اس سے بچنا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے ،

اللیل اخفیٰ للویل (خرابی کے لیے رات مخفی ہے)

اور کہا جاتا ہے : اغدر اللیل کیونکہ جب اندھیرا تیز ہو جاتا ہے تو اس میں شر کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے لیکن فریادرس بہت کم ہوتے ہیں۔

مسئلہ : اگر کوئی رات کے وقت ہتھیار اٹھا کر چلتا ہے اور کوئی اس سے ہتھیار چھین کر اس کو قتل کر دے تو قصاص نہیں۔ اگر دن کو ایسے ہوا تو قصاص واجب ہے اس لیے کہ دن میں فریادرس بکثرت ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جنگجو لوگ رات کو آتے ہیں اور شریر جنات اور موذی درندے اور دیگر ضرر رساں کیڑے مکوڑے رات کو نکلتے ہیں۔

حدیث شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے رات کے اول وقت میں سفر سے روکا ہے اور برتنوں کو چھپانے اور دروازوں کو بند کرنے اور مشکیزوں کے باندھنے اور بچوں کو گھر سے باہر نہ جانے کا حکم فرمایا ہے۔

ف : یہ صرف شر و بلا سے بچنے بچانے کی وجہ سے ہے۔

ف : بعض نے کہا الغاسق سے القمر مراد ہے جب پُر ہو جائے اور وقوب بمعنی دخول فی الخسوف ہے اور اس کا سیاہ ہونا۔

حدیث شریف اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک شب میرے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر چاند کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس چاند کے شر سے پناہ مانگ، کیونکہ یہ غاسق (اندھیری ڈالنے والا) ہے جب وہ ڈوبے اور اس کا شر یہ ہے جس سے بچنا ہوتا ہے جو کہ ابدان میں سرایت کر جاتا ہے یعنی وہ آفات جو اس کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں، اور ادیان میں بھی اس کا شر سرایت کرتا ہے جیسے وہ فتنہ جس میں اس کے پجاری اور سورج کے پجاری مبتلا ہوئے۔

ف : بعض نے کہا کہ غاسق سے چاند سے تعبیر کرنا اس لیے کہ چاند کا جرم (جسم) اندھیرے والا ہے اور اس کی روشنی سورج کے نور کی مرہونِ منت ہے اور اس کا وقوب اس کا وہ چھپنا ہے جو آخری راتوں (۲۷، ۲۸، ۲۹ تاریخ) میں ہوتا ہے۔ منجمین ان تواریخ کو منحوس سمجھتے ہیں اسی لیے ان تواریخ میں جادوگر کسی کو مریض کرنے کے لیے جادو کا عمل نہیں کرتے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اسے منحوس نہ سمجھا جائے تو کم از کم چاند کے چھپ جانے کی وجہ سے یہی مراد ہو اور سبب نزول بھی اس کا مؤید ہے۔

ف : بعض نے کہا غاسق سے مراد ثریا (کہکشاں) مراد ہے اور اس کے وقوب سے اس کا سقوط مراد ہے کیونکہ جب یہ ساقط ہوتی ہے تو امراض کی کثرت ہو جاتی ہے اور طاعون اور وباء جیسی بیماریاں انہی ایام میں پھیلتی ہیں او جب یہ ظاہر ہوتی ہے تو بیماریاں اور درد و آلام کم ہو جاتے ہیں۔

ف : بعض نے کہا غاسق سے مراد وہ شر ہے جو انسان کو عارض ہوتا ہے اور وقوب سے اس کا ہجوم (غلبہ)، اور یہ بھی ہے کہ غاسق سے کالا سانپ اور وقوب سے اس کا ڈسنا اور زہر پھیلانا مراد ہے۔

القاموس میں ہے کہ غاسق ذکر ہے اور وقب سے بندے کا عبادت کے لیے قیام کرنا مراد ہے۔ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور ایک بڑی جماعت سے منقول ہے۔

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ (ان عورتوں کے شر سے جو پھونکتی ہیں) یعنی پھونک مارنے والیوں کے شر سے۔

حل لغات: النفث' النفخ کے مشابہ ہے۔ وہ پھونک جو منتر کے وقت ماری جاتی ہے اس میں تھوک نہیں نکالی جاتی۔ اگر تھوک بھی جائے تو اسے تفل کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے نفث الراقی ینفث (بالضم و بالکسر) (منتری نے منتر پھونکا) النفاثات (بالتشدید) اس سے فعل کا تکرار مراد ہے اور اسے کارگزاری (عادت) کے طور پر عمل رکھنا۔ النفاثات فعل کو دفعۃ واحدۃ اور اس کا تکرار دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

فِي الْعُقَدِ (گرہوں میں)

حل لغات عقدہ کی جمع ہے، وہ جو وتر[1] یا رسی یا بال پر گرہ لگائی جائے، یعنی وہ جو پھونکتا اور منتر پڑھتا ہے اس کا اصل عزیمۃ (منتر) سے ہے اسی لیے اسے منتر کہا جاتا ہے جیسے عزیمہ کو عقدہ۔ اسی سے ساحر معقد (جادوگر سحر پھینکنے والا) ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ نفوس یا ان جادوگر عورتوں کے شر سے جو گرہ لگاتی ہیں تاگوں میں اور ان پر پھونکتی ہیں۔

ف: اس کا حرف تعریف عہد کے لیے یا اس آگاہی کے لیے ہے کہ یہ ان کے جمیع شرور کو شامل ہے اور وہ جو خالص اسی کا' یہ لگی ہوئی ہیں اور عورتوں کی تخصیص ایک وجہ سے ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جادو حضرت ابن عباس و سیدہ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ایک یہودی لڑکا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی خدمت کرتا تھا اس کے پاس حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کنگھا مبارک کے چند دندانے تھے اس نے وہ یہود کو دے دئے جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جادو کر دیا۔

حکمت کی باتیں ناخن کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرکے زمین میں دفن کئے جائیں ایسے ہی سر اور داڑھی کے بال کل یا بعض بھی زمین میں دفنائے جائیں تاکہ ان سے فائدہ اٹھا کر کوئی کسی پر جادو نہ کرے۔

لبید کا جادو لبید بن عاصم یہودی اور اس کی لڑکیوں نے گرہوں میں پھونکا تھا، پھر انہیں بئر اریس میں دفن کر دیا۔

ف: عین المعانی میں ہے کہ وہ بئر زریق میں دفنائے گئے تھے۔ اس کا نام ذروان بھی ہے۔ اس کے بعد حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تھے۔

---

[1] چمڑے کی باریک رسی۔

شانِ نزول مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چھ ماہ بیمار رہے تو حضرت جبریل علیہ السلام معوذتین (سورہ فلق و سورہ الناس) لائے۔

حلِ لغات : المعوذتین (بکسر الواؤ) (القاموس) جبریل علیہ السلام نے جادو کی جگہ اور جس نے جادو کیا اور کیوں کیا خبر دی تو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت زبیر اور حضرت عمار رضی اللہ عنہم کو بلا بھیجا انہوں نے کنواں کھودا تو اس کنویں سے پتھر نکلا وہ پتھر اٹھایا جو کنویں کی تہ میں تھا اس کے نیچے سے کنگھا کے دندانے اور ان کے ساتھ تاگے تھے جن پر گیارہ گرہیں تھیں جن پر سوئیاں جڑی تھیں انھیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے آئے۔

اس کے بعد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معوذتین پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی تھی اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام محسوس کرتے، یہاں تک کہ سورتوں کی آخری آیت تک حضور علیہ السلام کو کلی طور پر آرام ہو گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام پڑھتے تھے:

بسم اللہ ارقیك واللہ یشفیك من كل شیء یؤذیك من عین وحاسد۔

اللہ تعالیٰ کے نام سے پھونکتا ہوں اللہ تعالیٰ ہی آپ کو شفاء دے گا ہر اس شے سے جو آپ کو اذیت پہنچائے۔

ردِّ وہابیہ اسی لیے کچھ پڑھ کر دم کرنا پھونکنا شرعاً جائز ہے جب وہ کلامِ الٰہی و کلامِ نبوی ہو، وہ کلام ناجائز ہے جو سریانی، عبرانی، ہندی میں ہو (جبکہ اس کا معنی معلوم نہ ہو یا وہ کلمات شرکیہ ہوں) اور نہ ہی ان پر کوئی اعتقاد ہو۔

جادوگر کو معاف فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہم اس خبیث کو قتل نہ کر دیں؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت بخشی ہے اب میں نہیں چاہتا کہ لوگوں میں شر پھیلاؤں۔

سیرۃ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ام المومنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ اپنے لیے بدلہ لینے کے طور کسی پر ناراض نہ ہوئے ہاں اگر ناراض ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے لیے، تو اللہ اس پر ناراض ہو کر اس سے بدلہ لیا۔

ف : بعض نے کہا کہ نفث فی العقد سے مراد ہے لوگوں کے وہ عزائم باطل کر دینا جن سے وہ حیلہ و مکر کر کے لوگوں کو نقصان پہنچائیں یہ مستعار ہیں تھوک کے ساتھ گرہوں کو آسانی سے کھولنے سے۔ اس تقریر پر نفاثات

پر عورتوں کی جنس ہے جن کا طریقہ ہے جو اپنے شوہروں پر غلبہ پاکر ان کے نیک ارادے پھیر لیتی ہیں گوناگوں حیلوں اور مکروں سے (نہ وہ عورتیں جو اپنے شوہروں کی دینی امور کی معاون ہیں)

اب آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ مردوں کے دلوں میں عورتوں کی محبت کے استقرار سے وہ عورتیں مردوں پر تصرف کرتی ہیں اور انہیں نیک آراء سے ہٹا کر اپنے بُرے عزائم و مقاصد کی طرف پھیر دیتی ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی عورتوں سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا ہے (تاکہ امت کو آگاہی ہو)

سحر کیا ہے؟ معتزلہ کہتے ہیں سحر کچھ نہیں یہ ایک خیالی بات ہے (اسی لیے آج کل کے بعض بدمذاہب سحر کے منکر ہیں اور بعض سحر علی النبی کی احادیث کے بھی منکر ہیں، تفصیل آگے آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ)

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ایک ایسی بیماری ہے جیسے انگڑائی لینے والے کے منہ سے ایک قسم کی ہوا خارج ہوتی ہے اور وہ پھونک بالمقابل (جس پر سحر انداز) پر اثر انداز ہوتی ہے ہمارے نزدیک وہ سرعۃ الحرکۃ اور لطافت الفعل ہے جس کا فہم مشکل ہے۔

مسئلہ: بعض نے کہا طلسم کی بناء تاثیر خصائص کواکب پر ہے جیسے سورج کی تاثیر فرعون کے جادوگروں کی لاٹھیوں کے تیل میں اثر انداز ہوئی۔

معتزلہ اور پرویزی بھائی بھائی معتزلہ ایسے ہی پرویزی چکڑالوی یعنی منکرینِ قدرت سحر علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے منکر ہیں اس کا بھی انہیں انکار ہے کہ سحر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اثر انداز ہوتا۔

سوال معتزلہ اور پرویز ان احادیث کو ہم کیسے تسلیم کریں جو قرآن مجید کی نص کے خلاف ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واللہ یعصمک من الناس (اللہ تعالیٰ تمہیں لوگوں سے بچائے گا)

اور فرمایا:

فلا یفلح الساحر حیث اتی (اور جادوگر فلاح نہ پائے گا)

اس لیے کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جادو کا اثر مان لیں تو نبوت میں قدح لازم آئے گی نیز کفار حضور علیہ السلام کو جادوگر سمجھتے تھے اگر آپ پر جادو کا اثر مان لیا جائے تو کفار کا دعویٰ سچا ہو جائے گا نیز وہ آپ کو مسحور یعنی مجنون کہتے تھے۔ اور آپ پر جس ہیئت سے سحر کی روایات ہیں اس سے آپ پر جنون کا شائبہ ہوتا ہے کیونکہ سحر سے عقل زائل ہو جاتی ہے اور یہ نبوت میں عیب و نقص ہے اس لیے ان روایات کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ۱۔

پر سحر دیکھ کر بہت سے لوگوں نے آپ کا دین چھوڑ دیا۔

جوابات از اہلسنّت

(۱) نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جادو ہُوا اور آپ کے بدن مبارک میں جادو سے درد محسوس ہوتا اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اور یہ بھی مخالفین مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر نہ شیطان مسلط کرنا تھا نہ کوئی انسان اور نہ کوئی جن جو آپ کو ان امور میں ایذار کا موجب بنے جو نبوت اور آپ کی عقل مبارک سے متعلق ہیں، ہاں بشریت مبارکہ اور بدن اقدس کو ضرر پہنچنا من حیث الانسان والبشر حق ہے کیونکہ آپ کو من حیث البشریۃ والانسانیۃ ضرر پہنچتا تھا دوسرے بشروں اور انسانوں کی طرح، جیسے صحت و مرض اور موت اور اکل و شرب اور دفع الفضلات ایسے ہی تاثیر السحر بھی آپ کی نبوت کریمہ کو قادح نہیں، ہاں یہ تاثیر اس وقت قادح ہوتی جب اس کی تاثیر کا معاملہ نبوت کی طرف راجع ہوتا اور یہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ سحر کو امورِ نبوت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(۲) واللہ یعصمك من الناس کا مطلب بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچاتا ان امور میں جو نبوت کی طرف راجع ہیں ورنہ بدن مبارک کو لوگوں نے تکلیف پہنچائی مثلاً غزوۂ احد میں آپ کی رُباعی (دانت مبارک) کو کفار و مشرکین نے ضرر پہنچایا (حالانکہ واللہ یعصمك من الناس کی آیت مبارکہ اس واقعہ سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔

سوال: کشف الاسرار میں ہے کہ اس کی کیا حکمت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں سحر کا اثر و غلبہ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے مکار کے مکر کو آپ کے اندر کیسے اثر ڈالنے دیا اس کے مکر و حیلہ و سحر کو باطل کیوں نہ کر دیا۔

جواب: اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت اور معجزات کی صحت کا اظہار مطلوب تھا، کیونکہ کافرین و مشرکین آپ کی طرف سحر و کہانت منسوب کرتے تھے اور پھر وہی سحر جس کی طرف آپ منسوب تھے تو وہ آپ میں اثر کر گیا اور ساحر کا عمل اپنا کام کر گیا یہاں تک کہ آپ پر بعض امور ملتبس ہو گئے اور گوناگوں درد جسم مبارک میں عارض ہوا، اس کا علم حضور علیہ السلام کو نہ ہوا یعنی لتفات نہ فرمایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا مستجاب فرمائی اور سحر کا معاملہ واضح کیا اگر بقول کفار و مشرکین آپ کے معجزات و خوارق عادات بطور سحر ظاہر ہوتے تھے (معاذ اللہ) تو آپ پر سحر کا اثر معلوم ہو جاتا (ہر ماہرِ فن اپنے فن کو خوب جانتا ہے) بنا بریں آپ اس کے دفاع کے لیے جدوجہد فرماتے اور یہی آپ کی نبوت کے مضبوط ترین براہین و دلائل سے ہے۔

نکتہ: حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بجائے دیگر ازواج رضی اللہ عنہن کے سب سے پہلے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس لیے خبر دی کہ بعض لوگوں کو گمان تھا کہ یہ جادو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی

طرف سے ہوا ہے (معاذ اللہ)

سحر کی اطلاع یحییٰ بن یعمر سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے چند روز رو کے گئے ایک شب کو خواب یا خواب و بیداری کے مابین دیکھا کہ آپ کے پاس دو فرشتے آئے ایک سر مبارک کی طرف دوسرا پاؤں اقدس کی جانب سے بیٹھ گیا جو سر مبارک کی جانب سے بیٹھا تھا اس نے پاؤں اقدس کی جانب والے سے پوچھا کہ آپ کو کیا شکایت ہے؟ اس نے کہا جادو سے۔ پوچھا، کس نے کیا ہے؟ کہا، لبید اعلم الیہودی نے۔ کہا سحر کا عمل کہاں ہے؟ کہا فلاں کنوئیں میں۔ پوچھا اس کا علاج؟ کہا، اس کنوئیں کا پانی نکالا جائے، اس کی تہ میں ایک پتھر ہے جب وہ مل جائے تو اسے اُلٹا دیا جائے کیونکہ اس کے نیچے پیالہ ہے اور اس کی گردن کا حصہ نیچے گاڑ دیا گیا ہے اور پیالہ میں وتر[1] ہے جس میں گیارہ گرہیں اور ۱۱ میں سُوئیاں چبھوئی گئی ہیں انھیں نکلوا کر آگ لگا دیں تو آپ کو شفا ہو جائے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بیدار ہوئے جو کچھ انہوں نے کہا مکمل طور پر سمجھ لیا تھا، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے نکالنے کے لیے بھیجا۔ (اس کی تفصیل پہلے گزری ہے)

حدیث شریف سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے جسم میں کوئی تکلیف محسوس فرماتے تو قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھ کر دائیں ہاتھ پر دم کر کے اسی جگہ پر ہاتھ پھیرتے جہاں تکلیف ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے ہوا جس نفسانیہ و خواطر شیطانیہ نفاثات ساحرات کی طرف جو عقائد القلوب الصافیۃ الطاہرۃ پر سیأت عقلیہ کی خباثتیں اور شکوک وہمیہ کی نوشیں پھونکتے ہیں (العیاذ باللہ)

تفسیر عالمانہ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ (اور حاسد کے شر سے جب وہ مجھ سے جلے) حسد پر وقف ہے اس کے بعد اللہ اکبر کہا جائے اس لیے کہ وصل ایہام سے خالی نہیں یعنی جب وہ جو اس کے سینہ سے ظاہر ہو جائے حسد سے، اور وہ عمل جو حسد کے مقتضا سے اور محسود کو قولاً و فعلاً ضرر دینے کے مقدمات کی تربیت سے (پناہ مانگتا ہوں)۔

نکتہ: اس سے مقید کرنے میں اشارہ ہے کہ حسد کا ضرر خود حاسد کو گھیر لیتا ہے نہ کہ کسی اور کو۔

سوال، الکشاف میں ہے کہ آیت میں بعض مستعاذ منہ معرفہ ہیں بعض نکرہ، اس کی کیا وجہ ہے؟

---

[1] وتر یعنی چمڑے کی باریک رسی۔

جواب : النفاثات کو تو معرفہ اس لیے لایا گیا کہ ہر نفاثہ (پھونکنے والی) شریر ہوتی ہے اور غاسق کو نکرہ اس لیے کہ ہر غاسق میں شر نہیں ہوتا بعض میں ہوتا ہے بعض میں نہیں۔ ایسے ہی ہر حاسد نقصان نہیں پہنچاتا بلکہ بعض حسد میں تو خیر و بھلائی ہوتی ہے، جیسے اچھے امور میں حصول کا قصد کرنا۔

ف : حاسد سے قابیل مراد لینا بھی جائز ہے اس لیے کہ اس نے اپنے بھائی ہابیل پر حسد کیا۔

مسئلہ : کسی دوسرے کی خیر و بھلائی دیکھ کر اس پر افسوس کرنا حسد ہے۔ اور فتح الرحمٰن میں ہے کہ کسی کی زوال نعمت کی تمنا کرنا جبکہ وہ اہل نعمت اس کا مستحق ہے، کا نام حسد ہے خواہ وہ نعمت دینی ہو یا دُنیوی۔

حدیث شریف ۱ میں ہے :

مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد۔

حدیث شریف ۲ میں ہے :

حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو۔

ف : پہلا گناہ جو آسمان پر ہُوا وہ یہی حسد ہے جو ابلیس نے آدم علیہ السلام پر کیا اور انھیں بہشت سے نکالا تو خود مطرود ہو کر شیطانِ رجیم بنا اور زمین پر یہ گناہ قابیل نے اپنے بھائی کے لیے کیا کہ اسے اس حسد پر قتل کر دیا۔

ف : حضرت حسین بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں شرور کا ذکر فرما کر آخر میں حسد کا ذکر کیا تاکہ ظاہر ہو کہ یہ اخبث الطبائع ہے جیسے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ؎

(۱) اگر در عالم از حسد بدتر بودے — ختم ایں سورہ بدان کردے

(۲) حسد آتشی دان کہ چوُن بر فروخت — حسود لعین را ہمان لحظہ سوخت

(۳) گرفتم بصورت ہمہ دین شوے — حسد کے گزارد کہ حق بین شوے

ترجمہ : (۱) اگر عالمِ دنیا میں حسد سے بدتر اور کوئی مرض ہوتا تو اس سورۃ کو اسی پر ختم کیا جاتا۔

(۲) حسد آگ ہے کہ جب روشن ہُوئی حاسد ملعون کو اسی وقت جلا کر رکھ دیا۔

(۳) میں نے مانا کہ بظاہر اگرچہ کوئی سراپا دین ہو لیکن اسے حسد کب چھوڑتا ہے کہ تو حق بین ہو سکے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں نفس امارہ کے حسد کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ قلب پر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا نور جل جائے اور اسے تلوین میں واقع کرنے اور اس کفرانِ نعمت کی کوشش کرتا ہے جو زوال نعمت کا موجب ہے۔

فضیلت معوذتین حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو فرمایا : کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آج رات چند ایسی آیات نازل ہوئیں کہ ان جیسی دیکھی نہیں گئیں ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ۔

ف : الم تر (کیا تُو نے نہیں دیکھا) کا لفظ تعجب کے لیے ہے اس کا مابعد تعجب کے سبب کا بیان ہے وہ یہ کہ ان دونوں سورتوں کی ہر آیت تعویذ ہے جو ان دو سورتوں کے سوا کسی اور میں ایسا نہیں ۔

ف : حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ معوذتین قرآن کا جزو ہیں اس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کا رد ہے جو ان کی طرف منسوب ہے کہ یہ قرآن کا جزو نہیں ۔

مسئلہ : عین المعانی میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ معوذتین قرآن مجید کا جزو ہے ۔

سوال ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے ان کے جزو ہونے کا انکار کیوں ؟

جواب ، ان کی طرف یہ نسبت غلط ہے صرف ان کے مصحف میں نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس کے جزو ہونے کے قائل نہیں ۔ یہ غلط ہے ، اس لیے کہ انہوں نے مصحف میں وہ سورتیں درج کیں جن کے لیے اذہان سے بھُول جانے کا خطرہ تھا اور یہ ان دونوں سورتوں کے اذہان سے اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ وہ تو بچہ بچہ کی زبان پر ہر وقت جاری رہتی تھیں ۔

ابنِ مسعود کی قرأۃ کے جوابات (۱) مصاحفِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مختلف طریقے مروّج تھے ، مثلاً عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف میں اُمّ الکتاب و معوذتین نہ تھیں اور مصحف اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف میں سورۃ القنوت درج تھی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مصحف ان دونوں باتوں سے پاک تھا ۔

(۲) ابن مسعود و ابی بن کعب دونوں کے مصحف منسوخ ہیں اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مصحف معمول بہ ۔

(۳) وہ اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ہر سال حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن مجید کا دورہ فرماتے اور وصال کے سال دو دفعہ دورہ ہوا ۔

(۴) حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم وصال تک زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مصحف تلاوت فرماتے تھے اور اسی کے مطابق نماز پڑھاتے تھے ۔

(۵) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی ایک سو بارہ سُورتیں ہیں ۔ اس کے جواب میں الفقیہ نے البستان میں فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس لیے ایک سو بارہ سورتیں بتائیں کہ وہ معوذتین کو قرآن مجید سے شمار نہیں کرتے تھے اسی لیے وہ مصحف میں نہیں لکھتے تھے لیکن وہ فرماتے تھے کہ یہ دونوں سورتیں

کلامِ رب العالمین ہیں لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے دم پھونک مارتے اور انہیں تعویذ کے طور پر استعمال فرماتے انھیں اپنے اجتہاد سے اشتباہ ہوگیا کہ یہ دونوں سُورتیں کلامِ الٰہی تو ہیں لیکن قرآن کا جزو نہیں اسی لیے اپنے مصحف میں نہ لکھا (لیکن یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کے بالمقابل ایک صحابی کا اجتہاد قابلِ قبول نہیں ہوتا)

ایک اور قول اور اس کا جواب

سوال: حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی کل ایک سو تیرہ سورتیں ہیں۔

جواب: انھوں نے اس لیے فرمایا کہ وہ انفال وسورۃ توبہ کو ایک سورۃ تصوّر فرماتے۔

ایک اور قول

حضرت اُبَی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے کہ قرآن مجید کی کل ایک سو سولہ سورتیں ہیں۔

جواب: وہ دعائے قنوت کو دو سورتیں سمجھتے رہے،

(۱) اللّٰھم انا نستعینك سے من یفجرك تک۔

(۲) اللّٰھم ایاك نعبد تا آخر۔

یہ بھی ان کا اپنا اجتہاد تھا جسے صحابہ کرام نے قبول نہیں کیا۔

صحیح قول

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں، یہی عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے اور اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف میں بھی ایک سو چودہ سُورتیں ہیں اور جملہ امصار (شہروں) کے مصاحف میں یہی ہے۔

تحقیقی قول

معوذتین قرآن کی سورتیں ہیں مروی ہے کہ حضرت ابومعاویہ سے وہ راوی ہیں حضرت عثمان بن واقد سے فرمایا کہ مجھے محمد بن المنکدر نے بھیج کر ان سے سوال کیا کہ کیا معوذتین کتاب اللہ سے ہیں آپ نے فرمایا، جو ان دونوں سورتوں کو کتاب اللہ سے نہیں مانتا اس پر اللہ اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر کوئی قرآن کی کسی ایک آیت کا منکر ہو سوائے معوذتین کے، وہ کافر ہے۔

مسئلہ: سفیان بن سخنان نے فرمایا کہ جو کہے معوذتین قرآن مجید سے نہیں اسے کافر نہ کہو کیونکہ ممکن ہے وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح تاویل کرتا ہو (المغرب للمطرزی)

مسئلہ: ہدیۃ المھدیین میں ہے کہ معوذتین کی قرآنیۃ میں مشائخ کا اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ اس کا منکر

فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورۃ الفلق کی تفسیر کے ترجمہ سے ۱۰ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ شب اتوار میں فراغت پائی۔

سُوْرَةُ النَّاسِ مَكِّيَّةٌ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اٰيَاتُهَا ٦ رُكُوْعُهَا ١

سورۂ ناس مدنی ہے | اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا | اس میں چھ آیتیں ہیں

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝١ مَلِكِ النَّاسِ ۝٢ اِلٰهِ النَّاسِ ۝٣ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۬

تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب سب لوگوں کا بادشاہ سب لوگوں کا خدا اس کے شر سے جو دل میں بُرے

الْخَنَّاسِ ۝٤ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝٥ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝٦

خطرے ڈالے اور دبک رہے وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں جن اور آدمی

سورۃ الناس مکیہ ہے اس کی چھ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا)

تفسیر عالمانہ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب) یعنی ان کے جملہ امور کا مالک اور ان کا مربّی ہے کہ ان کی مصلحت کے مطابق فیض پہنچاتا اور ان سے ضرر دفع فرماتا ہے۔

ف: قاشانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رب الناس سے ذات مع جمیع الصفات مراد ہے کیونکہ انسان وہ مخلوق ہے جو جمیع مراتب وجود کی جامع وحاصر ہے، اسی لیے اس کا رب بھی جامع جمیع الصفات ہے جس نے پیدا کیا اسی نے اس کمال تک پہنچایا اسی ذات کے ساتھ باعتبار اسماء جلالیہ وجمالیہ کے پناہ مانگی جارہی ہے بعد اس کے پہلے اس کی صفات سے پناہ مانگی گئی اسی لیے یہ سورۃ پہلی معوذہ (سورۃ) سے مؤخر کی گئی کیونکہ اس میں تعوذ ہے مقامات میں اسم ہادی کے ساتھ اس سے اسے ذات کی طرف ہدایت دی۔

حدیث شریف میں ہے،

اعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك واعوذبك منك۔	میں پناہ مانگتا ہوں تیری رضا کے ساتھ تیرے غصے سے اور تیری معافی کے ساتھ تیری سزا سے اور تیرے ساتھ تجھ سے۔

شرح الحدیث

حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے رضائے الٰہی سے تعوذ کا اس لیے آغاز فرمایا کہ رضا صفات سے ہے اور صفات کو ذات کا قرب ہے اس کے بعد عفو کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ صفات الافعال سے ہے پھر جب لقین میں اضافہ ہوا تو صفات کو ترک کر کے کہا اعوذ منك صرف ذات پر نظر رکھ کر بعض علمائے نے معافات کو رضا سے پہلے ذکر کیا ہے بوجہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کے

کیونکہ معافات صفات الافعال اور رضا صفات الذات سے ہے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ جو غیر اللہ کی طرف التفات میں مبتلا ہوا سے افعال اللہ وصفاتہ تعالیٰ کے ساتھ استعاذہ کرنا چاہئے اور جو بحر توحید میں ایسا غرق ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کو موجود نہیں سمجھتا تو وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کسی کے ساتھ استعاذہ کرے اور نہ کسی سے التجا، حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ اس مقام سے گزر کر آگے نکل چکے تھے اسے مقام اول کہا جاتا ہے اسی لیے آپ نے کہا اعوذ بك منك تیرے سے تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔

نکتہ : فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس سورۃ میں التجاء الی اللہ میں سورۃ کے ختم کرنے کی دلیل ہے اس بات پر کہ وہی اوّل وہی آخر ہے اسی کی طرف تمام امور کا رجوع ومنتہیٰ ہے۔

ف : اس میں یومِ ازل میں میثاق کے نسیان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اگر انسان نے اسے نہ بھلایا ہوتا تو اس کی طرف عود اور رجوع کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ وُہ تو دائماً اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہوتا۔

مَلِكِ النَّاسِ (سب لوگوں کا بادشاہ) عطف بیان ہے اس لیے لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی تربیت دوسرے مالکوں کی طرح نہیں بلکہ وہ کامل مالک ہے اور اس کا تصرف سب کو شامل اور اس کا قبضہ سب پر ہے۔

ازالۂ وہم : وہ جو بعض لوگوں نے مالک وملک میں فرق کیا ہے اور کہا کہ مالک کو ملک پر ترجیح ہے بایں معنیٰ کہ وہ مالک العبد ہے اور اس میں وہ مطلق تصرف رکھتا ہے بخلاف ملک کے کہ وہ اس پر قہراً وسیاستہً ملک رکھتا ہے اس کے علاوہ اور وجوہ ہیں یہ قیاس اللہ تعالیٰ کے لیے صحیح نہیں اور نہ ہی یہ قیاس اس کے لیے جاری ہوسکتا ہے کیونکہ یہ فرق مخلوق کے لیے ہے اور وُہ تو بجمیع وجوہ سب کا مالک ہے بلکہ اس کی جمیع نعوت واسماء اپنے مکمل ترین مفہوم کے ساتھ اس کے لیے ماننا لازم ہیں۔

ملک کی مالک پر ترجیح احادیث نبویہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ملک کو مالک پر ترجیح ہے لیکن وہ اسرار القرآن کے مبنیات اور اس پر تنبیہات کے لیے ہے مثلاً حدیث شریف میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ادعیہ کریمہ میں وارد ہے کہ :

لك الحمد لا الہ الا انت رب کل شئ وملیکہ۔ تیرے لیے حمد ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تُو ہر شے کا رب اور ملیک ہے۔

اس دعا میں و مالکہ نہیں اگر اسی کو ترجیح ہوتی تو و مالکہ ہوتا علاوہ ازیں قاعدہ ہے کہ اسماء مستقلہ کو اسماء مضافہ پر ترجیح ہے اور ملك اسماء مستقلہ سے ہے اور مالك اسماء مضافہ سے۔ اس کی تائید یُوں بھی ہوسکتی ہے کہ

اسمار مضافہ اللہ تعالیٰ کے ان اسمار میں نہیں جو منقول ہو کر شمار کیے گئے ہیں جیسے فالق الاصباح ، جاعل اللیل و ذی المعارج اور ان جیسے اور نیز چوتھی وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ قیامت کبریٰ میں یا ان قیامات صغریٰ میں جو سالکین کو وصول کے تحقق اور انتہار سیر اور حال الانسلاخ کے بعد غلبۂ احدیۃ علی الکثرۃ کے ظہور کے وقت اللہ تعالیٰ کہتا ہے تو لمن الملک الیوم للہ الواحد القہار (ملک) کہتا ہے (نہ کہ مالک) اور ملک کے حاکم کو بھی ملک کہا جاتا ہے ، نہ کہ مالک ، ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ ملک کو مالک پر ترجیح ہے۔

ازالۂ وہم سورۃ فاتحہ میں مالک و ملک دونوں قرأتیں جائز ہیں نہ کہ اس سورۃ میں تاکہ تکرار نہ ہو کیونکہ رب کا ایک معنیٰ مالک بھی ہے اسی لیے فاتحہ میں بھی مالک پر ملک کو محققین نے ترجیح دی ہے۔

اِلٰہِ النَّاسِ (لوگوں کا معبود ہے) اس میں بیان ہے کہ اس کی ملکیت محض ان پر استیلار اور ان کے سیاسی امور کی تدبیر کے قیام اور ان کی حفاظت وحمایت کے مبادی کی ترتیب کی تولیت سے نہیں جیسے دنیوی کمزور بادشاہوں کی ملکیت ہوتی ہے بلکہ بطریق معبودیت کے ہے جو الوہیت کے تقاضا سے ہے جیسے ان میں تصرف کلی پر قدرت تامہ ہے اور اماتۃً بھی اور ایجاداً بھی اور اعداماً بھی۔

تفسیر صوفیانہ **ملک الناس** میں فنار فی اللہ کے حال کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا اور **الٰہ الناس** میں بقار باللہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ **اللہ** وہی معبود مطلق ہے یعنی وہ ذات جو جمیع صفات سے موصوف ہے جب بندہ اس میں فنا پاتا ہے تو اس پر اس کا مالک ہونا ظاہر ہو جاتا ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ مقامِ عبودیت کے لیے وجود کی طرف لوٹاتا ہے اسی لیے اس وقت اسے وسواس (شیطان) کے شر سے پناہ مانگنی ہوتی ہے کیونکہ وسوسہ محل وجود کا مقتضی ہے اور حالِ فنار میں کوئی وجود نہیں، نہ وہاں سینہ ہے نہ وسوسہ بلکہ اگر وہاں تلوین کا ظہور ہوتا ہے تو بھی کہہ اٹھتا ہے اعوذ بک منک جو معبود بوجود عابد میں ہوگا تو شیطان بھی عابد میں ظاہر ہوگا جیسے وہ پہلے اپنے وجود میں موجود تھا نیز یاد رہے کہ مقامِ ربوبیت ناس سے مقید ہے اور وہ عالمِ ملکوت کے باب کے آگے والے مقام میں ہے اور اسی میں مشاہدہ ہوتا ہے اور یہی اس کی نظر کی جگہ ہے کیونکہ تین حضرات تین اسمار سے مخصوص ہیں جسے صرف تین اشخاص حاصل کر سکتے ہیں:

(۱) حضرت الرب

(۲) حضرت الملک

(۳) حضرت الالٰہ ، اس کے رجال تین ہیں :

(ا) قطب

(ii و iii) وہ دو امام جو صاحبِ وقت قطب کے وزیر ہوتے ہیں۔ قطب کشف ذاتی مطلق میں منفرد ہوتا ہے، ایسے وہ وزیر قطب کے یسار کی جانب ہے وہ باب عالم شہادت پر ہے اس باب تک اس امام ثانی کی رسائی نہیں جو دائیں جانب میں ہے امام ربوبیت کی اضافت الناس کی طرف کیوں، حالانکہ وہ ملکوتیات کی معیت میں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ثانی جس کا نام ملک ہے کی موت کے وقت امام الربوبیۃ کو اس کے مقام کا وارث ہونا ضروری ہے بخلاف غیر کے کہ اور کو یہ مرتبہ نہیں ملتا۔

نکتہ : الارشاد میں ہے کہ رب کی اضافت الناس کی طرف کیوں۔ حالانکہ وہ تو جملہ عالمین کا تعلق اس کی ربوبیت و ملکوت والوہیت سے ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مستفاد منہ شر الشیطان ہے اور وہ لوگوں کی عداوت میں مشہور ہے نص کرکے فرمایا کہ میری ربوبیت وملکوت کی اضافت میں اشارہ ہے کہ میں اپنے بندوں کو شیطان کے شر سے نجات دوں گا اور اس کے تسلط سے محفوظ رکھوں گا، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا:

ان عبادی لیس لك علیهم سلطان۔ میرے بندوں پر اے شیطان! تیرا کوئی تسلط نہ ہوگا۔

نکتہ : مضاف الیہ کا تکرار مزید کشف اور اضافہ کے ساتھ اس کی تقریر ہے کیونکہ جسے یہ شرف نصیب نہیں اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اس کے ذکر کا اعادہ تو کجا ایسے کا ذکر متروک ہونا لازمی ہے بلکہ اسے بیکار چھوڑا جائے کسی نے کیا خوب کہا: ؎

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ هو المسك ما کررته یتضوع

ترجمہ : نعمان کا ذکر بار بار کرو کیونکہ ان کا ذکر وہ خوشبو ہے کہ جس کا جوں جوں تکرار ہوگا خوشبو بڑھتی جائے گی۔

ف : التضوع بمعنی خوشبو مہکنا۔

نکتہ : اگر الناس اللہ تعالیٰ کے ہاں اشرف نہ ہوتا اللہ تعالیٰ اپنی کتاب اس کے ذکر پر ختم نہ فرماتا

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ (اس کے شر سے بُرے خطرے ڈالے)

تفسیر عالمانہ حلِ لغات : الوسواس بمعنی الوسوسہ ہے وہ صوتِ خفی جو محسوس نہ ہو کہ جس سے احتراز نہ کیا جاسکے۔ جیسے زلزال بمعنی زلزلہ وہ مصدر (بالکسر) ہے مصدر اور اسم مصدر میں فرق یہ ہے کہ اس حدث کا صدور اگر فاعل سے اور وقوع مفعول پر ہے تو وہ مصدر ہے اگر اس میں یہ حیثیت نہ ہو تو وہ اسم مصدر ہے۔

نکتہ: چونکہ وسوسہ وُہ کلام ہے جسے موسوس بار بار کرتا اور مؤکد کرتا ہے اس کے ہاں جس کے اندر وہ وسوسہ ڈال رہا ہے تو اس کے لفظ کے تکرار کو اس کے معنیٰ کے تکرار کا بالمقابل بنایا گیا۔

ف: الوسواس سے شیطان مراد ہے کیونکہ وہ کلام خفی کہ جسے قلب سمجھتا ہے بغیر اس کے کہ اس کی آواز سُنی جا سکے سے انسان کو معصیت کی طرف بلاتا ہے اور اپنے فعل سے شیطان کو موسوم کرنا مبالغہ ہے کہ گویا وہ نفس وسوسہ ہے کہ وہ دائمی طور وسوسہ کے عمل میں لگا رہتا ہے اس کے دفعیہ کے لیے استعاذہ بتایا کہ اس سے شیطان کو دفع کرو کہ اگر وُہ وسوسہ میں اونچا ہے تو استعاذہ اس کی سرکوبی کے لیے کافی ہے۔

نکتہ: من شر وسوسۃ نہیں فرمایا تاکہ استعاذہ اس کے جملہ شرور کو عام ہو۔

نکتہ: شیطان اعظم کی سخت تر صفات اور اس کی قوی تر تاثیر اور عام فساد سے ذکر فرمایا تو استعاذہ کا ذکر بھی اللہ سے ہے جو نہ کہ دوسرے بعض اسماء جیسے پہلی سورۃ میں اسی لیے کہ شیطان وُہ ہے جو رحمٰن کا بالمقابل ہے اور وہ جمعیۃ انسانیہ پر مسلط ہے اور جمیع اسماء کی صورتوں میں ظاہر ہو سکتا ہے اور ہر ایک کے متمثل ہو سکتا ہے سوائے اللہ تعالیٰ اور رحمان کے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم چونکہ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں اسی لیے آپ کی صورت میں متمثل نہیں ہو سکتا) اسی لیے اسم ہادی و علیم و قدیر وغیرہ کے ساتھ استعاذہ نہیں۔

فائدہ صوفیانہ رب الفلق کے ساتھ احتجاب و ضلالۃ سے پناہ مانگی تو یہاں رب الناس کے ساتھ پناہ مانگی۔ اسی سے من رأنی فقد رأنی فان الشیطان لا یتمثل بی (جس نے مجھے دیکھا بیشک اس نے مجھے دیکھا اس لیے کہ شیطان میری مثل نہیں ہو سکتا) کا راز ظاہر ہوا۔

ف: ایسے ہی اُمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کاملین کی صورتوں میں شیطان متمثل نہیں ہو سکتا اس لیے کہ وہ ہدایت مطلقہ کے مظہر ہیں۔

مسئلہ: وسواس سے شیطان مراد ہے کیونکہ وہ معصیت کی دعوت کلام خفی سے دیتا۔

القاء کی اقسام

القاء دو قسم ہے:

(۱) صحیح (۲) فاسد

صحیح الہٰی دو قسم ہے:

(۱) ربانی، یہ علوم و معارف سے متعلق ہے۔

(۲) ملکی روحانی، یہ طاعت اور ہر وہ عمل جس میں صلاح و خیر کا باعث ہے۔ اسے الہام بھی کہا جاتا ہے۔

اور القاء فاسد دو قسم ہے:

(۱) نفسانی وہ ہے جس میں حظ النفس ہو، اس کا نام ہاجس ہے۔

(۲) شیطانی وہ ہے جو معصیت کی دعوت دیتا ہے اس کا نام وسواس ہے۔

وساوس شیطانی کے مراتب

آکام المرجان میں ہے کہ جس کی دعوت دیتا ہے اس کے چھ مراتب ہیں؛

(۱) کفر و شرک و عداوۃ اللہ و رسولہ جب انسان پر اس میں فتح پاتا ہے تو اس کی دوڑ دھوپ کم ہو جاتی ہے بلکہ تھکان اتارنے کے لیے اس سے آرام پاتا ہے۔ یہی وہ پہلا امر ہے جو شیطان انسان سے چاہتا ہے۔

(۲) بدعت (سیئہ) ہے، یہی شیطان کو محبوب تر ہے ہر گناہ سے، اس لیے کہ عام گناہ سے تو انسان توبہ کر لیتا ہے تو وہ کالعدم ہو جاتا ہے بخلاف بدعت کے کہ اس کے متعلق انسان کا یقین ہوتا ہے کہ وہ صحیح (اور شرعی عمل) ہے اسی لیے اس سے توبہ نہیں کرتا، جب کسی مردِ خدا سے اس امر میں شیطان عاجز ہو جاتا ہے تو پھر تیسرے مرتبہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۳) کبائر (کبیرہ گناہ) علیٰ اختلاف الانواع (اس کی جتنی قسمیں ہیں کسی ایک کا انسان سے ارتکاب کراتا ہے) جب اس سے شیطان عاجز آجاتا ہے تو مرتبہ چہارم کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۴) صغائر (صغیرہ گناہ) جب زیادہ ہو جائیں تو انسان کو تباہ کر دیتے ہیں جیسے لکڑیوں میں چھوٹی چھوٹی چنگاریاں (اگرچہ وہ چنگاریاں معمولی ہیں لیکن جب آپس میں مل جاتی ہیں تو لکڑیوں کے ڈھیروں کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہیں) جب انسان اس سے عاجز آجاتا ہے تو مرتبہ پنجم کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۵) مباحات کا اشتغال جن کا نہ ثواب نہ عذاب بلکہ عقاب ہی سمجھو کہ جب مباح کی مشغولی سے اس سے ثواب ہو جائیگا۔ شیطان جب اس سے عاجز آجاتا ہے تو وہ مرتبہ سادسہ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(۶) یہ کہ مفضول عمل میں مشغول کر کے افضل سے محروم کر دے تاکہ اس سے زائد ثواب ضائع ہو جائے۔

شیطان کے اقسام

(۱) شیطان الوضوء ولہان (بفتحتین) وہ ہے جو انسان کو وضو میں زیادہ پانی خرچ کرنے پر ابھارتا ہے۔

حدیث شریف: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

تعوذوا باللہ من وسوسۃ الوضوء۔ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگو وضو کے وسوسہ سے۔

(۲) خنزب وہ ہے جو نمازی کو نماز اور اس کی قرأۃ میں التباس پیدا کرتا ہے۔

وسوسہ کی اصل (جڑ) کی قسمیں

دس چیزیں وسوسہ کی اصل اور نتیجہ ہیں؛

(۱) حرص، اس کا بالمقابل توکل و قناعت ہے۔

(۲) امل (آرزو وغیرہ) اسے اچانک موت ہی توڑتی ہے۔

(۳) شہوات الدنیا سے نفع پانا، اس کا بالمقابل زوال نعمت وطویل حساب ہے۔

(۴) حسد، اسے رؤیت عدل کا تصور ہی ختم کرسکتا ہے۔

(۵) بلاء، اللہ تعالیٰ کی منت واحسان ہی سے مٹ سکتی ہے۔

(۶) کبر، تواضع سے ختم ہوگا۔

(۷) اہلِ ایمان کی حرمت (عزت واحترام) کو حقارت سے دیکھنا۔ ان کی تعظیم واحترام سے ختم کیا جاسکتا ہے۔

(۸) حُبِ دُنیا اور اسے اچھی نگاہ سے دیکھنا، اسے اخلاص باللہ ختم کرے گا۔

(۹) علو ورفعۃ (اونچے مرتبہ کا خواہاں ہونا) خشوع وذلت سے مٹے گا۔

(۱۰) منع وبخل، یہ جُود وسخا سے ختم ہوگا۔

الْخَنَّاسِ (جو دل میں بڑے خطرے ڈالے)

حلِ لغات: یخنس سے ہے بمعنی پیتا خیر یعنی جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو وہ پیچھے ہٹ جائے۔

حکایت کسی ولی اللہ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ وہ شیطان کو دیکھیں کہ وہ کس طرح آکر وسوسہ ڈالتا ہے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے ہیکل (شکل انسانی) بلور کی صورت میں دکھائی جس کے دونوں کاندھوں کے درمیان سیاہ تل ہے پرندے کے گھونسلے کی طرح، خناس (شیطان) پہلے تو جمیع جوانب سے انسان کو سونگھتا ہے اس کی صورت خنزیر جیسی ہوتی ہے اور اس کی ایک سونڈ ہے ہاتھی کی سونڈ کی طرح، پھر دونوں کاندھوں کے درمیان میں آتا ہے تو اپنی سونڈ انسان کے قلب کی طرف بڑھا کر اس میں وسوسہ ڈالتا ہے بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اسی لیے اس کا نام خناس ہے اس لیے کہ وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے جب اسے ذکرِ الٰہی کا نور قلب میں نظر آتا ہے۔

حدیث شریف اسی رازِ الٰہی کی وجہ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کاندھوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے بلکہ اس کا حکم فرماتے اور اسی کی آپ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وصیت (تاکید) کی تاکہ شیطان کا مادہ کمزور رہو اور اس کے اندر جانے کا راستہ تنگ ہو اس لیے کہ اس کا وسوسہ ایسے تیز دوڑتا ہے جیسے انسان کے جسم میں خون۔

نکتہ: مذکورہ بالا وجہ سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مُہرِ نبوت دونوں کاندھوں کے درمیان میں تھی اس میں اشارہ تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسوسہ شیطانی سے معصوم ہیں۔

حدیث شریف: نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے۔ وہ (شیطان) مسلمان ہو گیا" ختم (مہر) الٰہی و شرح صدر سے آپ کو اللہ تعالیٰ کی تائید نصیب ہوئی اور عصمتِ کلی کی وجہ سے آپ کا قرین مسلمان ہوا۔

ف : آدم علیہ السلام کے قرین نے ان پر وسوسہ ڈالا۔

مسئلہ : شیطان انسان کے جسم میں داخل ہو سکتا ہے اس لیے کہ وہ لطیف جسم والا ہے اگرچہ وہ دراصل نار سے پیدا شدہ ہے لیکن آگ کی طرح جلاتا نہیں اس لیے نار و ہوا کے امتزاج سے ایک خاص ترکیب اختیار کر لی انسان کی ترکیب کی طرح۔

تفسیر صوفیانہ

الوسواس میں اشارہ ہے اس وسواس کی طرف جو قوتِ حسیہ و خیالیہ سے حاصل ہوتا ہے الخناس میں قوتِ وہمیہ کی طرف اشارہ ہے جو ان دونوں قوتوں سے متاخر ہے اس لیے کہ مقدمات میں یہ عقل کی موافقت کرتی ہے جب امر نتیجہ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اس کا وسوسہ اور شک ڈالنے کا معاملہ متاخر ہو جاتا ہے جیسے موتیٰ سے خوف کرنا وہم کا حکم ہے حالانکہ یہ وہم عقل کی بھی موافقت کرتا ہے کہ میت ایک جماد ہے اور جماد سے کیا خوف۔ قضیہ منطقیہ کا تقاضا بھی یہی ہے جو وہم و عقل دونوں صحیح نتیجے پر پہنچیں گے تو وہم بھی پیچھے ہٹ جائیگا اور اس کا انکار کرے گا یعنی میت سے نہیں ڈرنا۔

تفسیر عالمانہ

اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ (وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں) جب وہ ذکرِ الٰہی سے غافل ہوں۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے وہ جو بھولنے والا ہے ذکرِ الٰہی کو قلب و سر و روح سے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یوم یدعوا الداع (بحذف الیاء) اس دن بلانے والا بلائے گا۔

ف : موصول محلاً مجرور وصف ہے۔

مسئلہ : الخناس پر وقف نہیں یا منصوب یا مرفوع علی النصب ہے اس وقت وقف مستحسن ہے۔

ف : پہلے اللہ تعالیٰ نے شیطان کے وسوسہ کا ذکر فرمایا پھر اس کے وسوسہ کے محل کو، وہ ہے صدور الناس۔ یوسوس فی صدور الناس پر غور کیجئے کہ فی قلوبھم نہیں فرمایا اس لیے کہ صدر قلب کی دہلیز (دالان) اور گھر ہے اسی سے واردات داخل ہوتے ہیں یعنی سینہ میں جمع ہو کر قلب میں داخل ہوتے ہیں اسی لیے وہ بمنزلہ دالان کے ہے۔ دہلیز (بالکسر) وہ جو دروازہ سے دار تک کے درمیان کا حصہ ہے اور قلب سے ارادات و اوامر نکل کر سینہ تک پہنچتے ہیں پھر جنود پر متفرق ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ شیطان قلب کے دالان اور گھر میں داخل ہو کر اس کا جو جی چاہتا ہے قلب پر ڈالتا ہے اور سینہ میں وسوسہ ڈالتا ہے وہ وسوسہ قلب تک پہنچتا ہے۔

قلب کے پانچ اُمرا

بعض ارباب الحقائق نے فرمایا کہ قلب کے پانچ امرا ملکیہ ہیں انھیں حواس کہا جاتا ہے،

(۱) حاسۂ بصر

(۲) حاسۂ سمع

(۳) حاسۂ شم (سونگھنا)

(۴) حاسۂ ذوق

(۵) حاسۂ لمس

اور پانچ امر ملکوتیہ ہیں، ان کا نام ارواح ہے:

(۱) حیوانی

(۲) خیالی

(۳) فکری

(۴) عقلی

(۵) قدسی

جب امرِ الٰہی ان امراء میں کسی ایک امیر پر نافذ ہوتا ہے تو قلب اس ورود علی حسب الحقیقۃ کے مطابق امرِ الٰہی کی تعمیل میں لگ جاتا ہے اس پر خواطر و ساوس کا قیاس کیجئے اس لیے کہ عزم انسان ان ہر ایک میں سے خارج کی طرف خارج ہوتا ہے اور حواس و قوٰی کے طرق سے اسے جاری کرتا ہے۔

ف : فی صدور الناس دلالت کرتا ہے کہ شیطان صدور الجن میں وسوسہ نہیں ڈالتا۔ آکام المرجان میں ہے کہ کوئی دلیل دلالت نہیں کرتی کہ جنی جس میں وسوسہ ڈالے اور وہ اسی طرح جنی میں داخل ہوتا یا اس میں اسی طرح جاری ہوتا ہو جیسے انسان میں۔

تفسیر عالمانہ

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ (جن اور آدمی)

حلِ لغات : الجنّۃ (بالکسر) جن کی جماعت من الذی یوسوس کا بیان ہے۔

ف : وسوسہ ڈالنے والے دو قسم ہیں:

(۱) جن

(۲) انس

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شیاطین الانس والجن۔ اور جس میں وسوسہ ڈالا جائے وہ صرف ایک نوع ہے

یعنی انسان ۔ تو جیسے جن شیاطین وسوسہ ڈال کر پیچھے ہٹ جاتا ہے وہ اس لیے کہ وہ اباطیل (غلط عقیدے اور برے اعمال) کا وسوسہ ڈالتا ہے اور وہ ناصح مشفق کی شکل میں ہوتا ہے (جیسے دورِ حاضرہ میں تبلیغی جماعت، بستر اٹھانے والی جماعت کا حال ہے) اگر اسے سامع جھڑکے تو پیچھے ہٹ کر وسوسہ ترک کر دیتا ہے اگر سامع اس کی بات مان جائے تو وہ اپنی کارروائی میں مبالغہ کرتا ہے (جیسے دیوبندی تبلیغی جماعت والوں کا طریقہ ہے کہ جب ان کی بات کوئی مان لیتا ہے تو پھر اسے چلّہ کی دعوت دیتے ہیں)

ف : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ جو کسی دوسرے کو (باطل عقیدہ یا عمل صالح کی دعوت دے اور وہ وسوسہ کا تصور اس کے دل پر جما دے تو اس کا نام وسوسہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ونعلم ما توسوس بہ نفسہ ۔ ہم جانتے ہیں جو اس کا نفس وسوسہ کرتا ہے ۔

جب وہ اپنے نفس میں وسوسہ ڈال سکتا ہے تو وہ دوسرے کو بھی اس میں مبتلا کر سکتا ہے اور اشخاص کے مختلف ہونے سے وسوا اس کی حقیقت مختلف نہیں ہو سکتی اور یہ بھی جائز ہے کہ من کا تعلق یوسوس سے ہو تو یہ ابتداء الغایۃ کے لیے یعنی وسوسہ ڈالتا ہے از جہت جن کیونکہ وہ غیب جانتے اور نفع و ضرر پہنچاتے یا انسان کی جہت سے جیسے کاہن و منجم ۔

تفسیر صوفیانہ

من الجنّۃ میں اشارہ ہے کہ قوائے باطنہ کی طرف جو وہ پوشیدہ و مستور ہیں اسی لیے جن کو جن کہا جاتا ہے کہ وہ پوشیدہ ہوتے ہیں اور الناس میں قوائے ظاہرہ کی طرف، اس لیے کہ الناس' الایناس سے ہے بمعنی الظہور، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : آنست نارا ۔

نکتہ : یہاں ایک لطیف اشارہ جس کا بیان ضروری ہے وہ یہ کہ پہلی سورۃ میں مستعاذ بہ (جس کے ساتھ استعاذہ کیا گیا) ایک صفت ہے یعنی برب الفلق اور مستعاذ منہ (جس سے پناہ کی طلب کی گئی) کی تین آیات :

(۱) غاسق

(۲) نفاثات

(۳) حاسد

اور اس سورۃ (والناس) میں مستعاذ کی تین صفات ہیں :

(۱) الرب

(۲) الملک

(۳) الالٰہ

اور مستعاذ منہ صرف ایک آفت ہے یعنی وسوسہ، اور سب کو معلوم ہے جتنا مطلوب زیادہ اہمیت کا حامل ہو اس کی

رعایت وحفاظت زیادہ کامل اور اکثر ہو تو طالب کی شنا اس کی طلب سے پہلے بھی اکثر وافر ہوتی ہے۔ پہلی سورۃ میں مطلوب سلامۃ البدن ہے کہ وہ آفاتِ مذکورہ سے محفوظ رہے اور اس سورۃ (والناس) میں سلامۃ الدین مطلوب ہے وسوسۂ شیطان سے۔

ف: ان دونوں سورتوں کے نظم میں تنبیہ ہے کہ سلامۃ الدین از وسوسۂ شیطان اگرچہ امر واحد ہے مگر مراد کے اعتبار سے اعظم اور مطلوب کے لحاظ سے اہم ہے اور پہلی سورۃ میں آفات سے سلامۃ البدن مطلوب ہے اگرچہ وہ امور متعددہ ہیں لیکن ان کا وہ مرتبہ نہیں جو سلامتیٔ دین کا مرتبہ ہے۔

ف: آکام المرجان میں ہے کہ سورۃ الناس اس شر سے استعاذہ پر مشتمل ہے جو تمام ذنوب ومعاصی کا سبب ہے اور وہ شر انسان کے اندر ہے اور انسان ہی دنیا وآخرت عقوبات کا منشا ہے اور سورۃ الفلق اس شر سے استعاذہ پر مشتمل ہے جو بندے کا اپنے نفس پر ظلم کا سبب ہے اور وہ شر خارج سے پہلا شر تکلیف میں داخل نہیں اور نہ اُن سے رُکنے کا مطالبہ ہے کیونکہ وہ بندے کے کسب میں داخل نہیں اور شر ثانی تحت التکلیف ہے اور اس کے ساتھ نہی کا تعلق ہے۔

حدیث شریف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے بستر مبارک پر آرام کے لیے تشریف لاتے تو ہر رات کو ہی آپ کا معمول تھا کہ اپنی دونوں مبارک ہتھیلیاں آپس میں ملا کر ان پر پھونک مارتے اور پڑھتے قل ھو اللہ احد اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس۔ پھر اپنے جسم مبارک پر جہاں تک ہو سکتا ہاتھ مبارک پھیرتے۔ اس کی ابتداء سر مبارک اور چہرۂ اقدس سے فرماتے اور جسم کے آگے کے حصہ پر پہلے ہاتھ پھیرتے پھر پچھلے حصہ پر۔ اس طرح تین بار ہاتھ پھیرتے۔

مسئلہ: قوت القلوب للشیخ ابی طالب المکی قدس سرہٗ میں ہے کہ انسان جب درس (یا کوئی اور قراءۃ وتلاوت وغیرہ) کا آغاز کرتے تو سب سے پہلے پڑھتے، اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم رب اعوذ بك من ھمزات الشیاطین واعوذ بك رب ان یحضرون۔ اور چاہیے یہ بھی پڑھے قل اعوذ برب الناس وسورۃ الحمد پھر ہر سورت سے فراغت کے بعد کہے:

صدق اللہ تعالیٰ وبلغ رسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللھم انفعنا وبارك لنا فیہ الحمد للہ	اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہم تک پہنچایا اے اللہ! ہمیں نفع دے اور ہمارے لیے

رب العٰلمین و استغفر اللہ الحي القیوم۔

اس میں برکت نازل فرما تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں میں اللہ تعالٰے حي القیوم سے استغفار کرتا ہوں۔

ف : اسئلہ عبداللہ بن سلام (رضی اللہ عنہ) میں ہے کہ انہوں نے عرض کی، یا محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) مجھے خبر دو کہ قرآن مجید کی ابتدا کیسے ہو؟ اور ختم کیسے؟

آپ نے فرمایا کہ ابتداء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہو اور ختم صدق اللہ العظیم سے ہو۔

عرض کی، صدقت (یارسول اللہ) (آپ نے سچ فرمایا)

مسئلہ : خریدۃ العجائب میں ہے کہ قاری (تلاوت کرنے والے) پر واجب ہے کہ وہ ختم قرآن مجید پر اوپر والے کلمات پڑھے ورنہ قرآن تو والناس کے سین تک ختم ہوگیا۔

نکتہ : قرآن مجید کو بسم اللہ کی باء سے شروع کرنے اور والناس کے سین پر ختم کرنے میں 'بس' کی طرف اشارہ ہے (بس یعنی کافی) یعنی تجھے کونین میں وہی کافی ہے جو ہم نے تمہیں دو حرف عطا فرمائے ہیں، جیسے حکیم سنائی رحمہ اللہ نے فرمایا : ؎

از اول و آخر قرآن زچہ با آمد و سین

یعنی اندر رہ دین رہبر تو قرآن بس

(ترجمہ، قرآن کا اول و آخر باء و سین سے ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ رہِ دین میں تجھے قرآن مجید کافی ہے)

تفسیر صوفیانہ فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) ایدہ اللہ القدیر (اللہ القدیر اس کی تائید کرے) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن مجید کو باءِ بسم اللہ سے شروع کرنے اور والناس کے سین پر ختم کرنے میں اشارہ ہے کہ انسان مراتب کونیہ کا آخری مرتبہ ہے جیسے کلام مراتبِ الٰہیہ سے آخری ہے وہ اس لیے کہ مراتب کونیہ کی ابتداء عقل اول اور اس کی انتہاء انسان ہے اس کا مجموعہ قرآن مجید کے حروف تہجی ہیں اور مراتب الٰہیہ کا پہلا مرتبہ حیاۃ اور آخری مرتبہ کلام ہے اسی سے سب سے پہلے جو مولود سے ظاہر ہوتا ہے وہ ہے حیاۃ اور اس کا آخر میں ظاہر ہوتا ہے کلام اور یہی موضوع ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پہ پیدا فرمایا اور کلامِ قرآنی کا اوّل اسم الٰہی سے ہے کیونکہ وہی مبدا اول ہے اور اس کا آخر الناس ہے کیونکہ انسان ہی اللہ تعالیٰ کا مظہرِ آخر ہے اور مبتدی تعلّم میں عروج کرتا ہوا مبداء اول اور اس کے اسم عالی تک پہنچتا ہے اور منتہی (سالک) تلاوت میں نزول کرتا ہے تو یہاں تک کہ انس سافل کے ذکر اور اس کی حقیقت تک پہنچتا ہے اور جلائے مبداء اللہ تعالیٰ ہے اور استجلائے منتہی وہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اول (بلا بدایۃ) وہی ہے اور

آخر (بلا نہایۃ) وہی ہے۔

مسئلہ: ابن کثیر رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ جب وہ سورۃ والناس کے آخر تک پہنچتے تو پڑھتے الحمد للہ الیٰ آخرہ پھر سورۃ البقرہ کی پانچ آیات تا المفلحون پڑھتے، اس کا نام ہے حال المرتحل۔

حال المرتحل کی تشریح حال بمعنی حلول کرنے والا یعنی تلاوت کرنے والا اپنی قرآت میں قرآن کے ختم تک پہنچ کر آگے مرتحل (بمعنی کوچ کرنے والا) ہے دوسرے ختم کی طرف شیطان کی ناک کاٹ کر (بدعت حسنہ) مذکورہ بالا طریقہ بدعت ہے لیکن تمام مسلمانوں کے بلاد میں مشہور رہے اور ابن کثیر کی قرأۃ معمول بہ ہے[1]۔

بدعات القرآن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن مجید کا والناس تک پڑھنے کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے (لیکن ہے یہ بھی بدعت) اس کے سوا اور کوئی شے نہ پڑھے۔

تین بار قل: انہی سے مروی ہے کہ یہ مستحب ہے اور اسی کو مشائخ عراق نے مستحسن فرمایا کہ سورۃ الاخلاص کو ختم پر تین بار پڑھنا چاہیے۔ ہاں اگر اس ختم کو نماز فرض میں پڑھے تو پھر سورۃ اخلاص کا تکرار نہ کرے (یہ طریقہ بدعت ہے جو آج کل عموماً تراویح کے ختم پر اکثر لوگوں میں مروج ہے)

ختم کی مجلس میں حاضری حدیث شریف میں ہے جو قرآن مجید کے ختم کی مجلس و محفل میں حاضر ہوتا ہے ان مغانم میں حاضری کے برابر ہے جو مجاہدین میں تقسیم کیے جاتے ہیں، اور جو اس کے آغاز میں حاضر ہو تو وہ ایسے ہے جیسے فتح فی سبیل اللہ میں حاضر ہوا۔

ختم القرآن کا فائدہ (۱) امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر ختم قرآن پر دعا مستجاب ہوتی ہے۔

(۲) جب کوئی قرآن مجید ختم کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان میں بوسہ

---

[1] جس سے نہ وہابیوں کو انکار ہے نہ دیوبندیوں نہ مرزائیوں کو، نہ دوسرے گمراہ فرقوں کو۔ لیکن افسوس ہے کہ نہ صرف اس بدعت بلکہ بہت سے بدعات پر یہ فرقے عمل کرتے ہیں لیکن جوں ہی میلاد، عرس، گیارھویں اور اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کا نام لو تو یہ گمراہ فرقے جل بھن جاتے ہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے کہ یہ فرقے تحریک وہابیت کی شاخیں ہیں۔ اس سے اہلسنت کو آگاہ ہونا ضروری ہے۔

(اویسی غفرلہٗ)

دیتا ہے۔

(۳) جو ختم قرآن کے وقت اپنی بخشش میں شک کرتا ہے اس کے لیے بخشش ہے ہی نہیں۔

مسئلہ: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ختم القرآن کے وقت دعا کے استحباب پر نص فرمائی ایسے ہی اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی جماعت نے بھی۔

مسئلہ: جو جی چاہے دعا مانگے لیکن دُعا کے وقت قبلہ رُخ ہو، ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے، اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع وخضوع اور اجابتِ دعا پر یقین کرنے والا ہو۔

مسئلہ: دعا میں سجع (بہ تکلّف) کی کوشش نہ کرے بلکہ ہوسکے تو اس سے اجتناب کرے۔

مسئلہ: دُعا کے وقت پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے پھر حضور نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھے۔

مسئلہ: دُعا سے فراغت پر منہ پر دونوں ہاتھ پھیرے۔

دُعا ختم القرآن

حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ ختم القرآن پر مندرجہ ذیل دعا مانگیں:

اللھم انی اسألك اخبات المخبتین واخلاص الموقنین ومرافقة الابرار واستحقاق حقائق الایمان والغنیمة من کل بر والسلامة من کل اثم ورجوب رحمتك وعزائم مغفرتك والفوز بالجنة والخلاص من النار۔

اے اللہ میں تیرے چھُپ کر عبادت کرنے والوں کی سی عبادت کرنے کا اور یقین والوں کے اخلاص اور ابرار کی رفاقت اور حقائق الایمان کا استحقاق اور ہر غنیمت سے حصہ اور ہر گناہ سے سلامتی کا سوال کرتا ہوُں اور میں نے تیری رحمت کی امید کی ہے اور تیری مغفرت کے عزائم اور جنت کی کامیابی اور جہنم سے چھٹکارا کی۔

مسئلہ: شرح الجزری لابن المصنف میں ہے کہ دُعا میں نہایت ہی عاجزی ضروری ہے اور دُعا بہت ضروری اور اہم امور کے لیے کرے اور کلماتِ جامعہ استعمال کرے یا وہ کلمہ جو سب سے معظم ہو یا بہتر ہے کہ دعا میں جملہ امور آخرت اور امورِ مسلمین سے متعلق ہوں۔ ایسے ہی سلاطین کی اصلاح کی دعا بھی ہونی چاہیئے بلکہ تمام امورِ سلطنت کے اراکین کے لیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں طاعات کی توفیق دے اور انہیں مخالفاتِ اسلام سے محفوظ رکھے اور ان کا تعاون علی البر والتقوی کرے اور انہیں حق پہ قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور انھیں اعداءِ اسلام پر غلبہ بلکہ تمام مخالفین پر فتح ونصرت بخشے۔

نبوی دُعائے ختم القرآن

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ختمِ قرآن پر (مندرجہ ذیل دعا) پڑھا کرتے تھے:

اللھم انس وحشتی فی قبری اللھم ارحمنی بالقراٰن العظیم واجعله لی اماما ونورا وھدی ورحمة اللھم ذکرنی منه مانسیت وعلمنی منه ما جھلت وارزقنی تلاوته اٰناء اللیل واطراف النھار واجعله حجة لی یارب العالمین۔

اے اللہ! قبر کی وحشت میں اسے میرا مانوس بنا اور قرآن عظیم کے طفیل مجھ پر رحم فرما اور اسے میرا امام و نور اور ہدایت اور رحمت بنا اے اللہ مجھے یاد دلا جو کچھ میں اس سے بھولا اور جو اس سے میں بے خبر رہا مجھے اس کا علم دے اور دن رات کی گھڑیوں میں مجھے اس کی تلاوت کی توفیق دے، اور اے رب العالمین اسے میرے لیے حجت بنا۔

ایک اور دعائے ختم القرآن

حضرت ابوالقاسم شاطبی رحمہ اللہ تعالیٰ ختمِ قرآن پر مندرجہ ذیل دُعا مانگا کرتے تھے:

اللھم انا عبیدك وابناء عبیدك وابناء امائك ماض فینا حکمك عدل فینا قضاؤك نسألك اللھم بکل اسم ھو لك سمیت به نفسك او علمته احدا من خلقك او نزلته فی شئ من کتابك او استأثرت به فی علم الغیب عندك أن تجعل القراٰن ربیع قلوبنا وشفاء صدورنا وجلاء احزاننا وھمومنا وسائقنا وقائدنا الیك والی جناتك جنات النعیم ودارك دار السلام مع الذین انعمت علیھم من

اے اللہ! میں تیرا بندہ اور تیرے بندوں اور تیری کنیزوں کی اولاد ہیں ہمارے میں تیرا حکم جاری اور تیری قضاء ہمارے میں عدل سے ہے اے اللہ! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں ہر اسم کے واسطہ سے وہ اسم جو صرف تیرے لیے ہے جسے تُو نے اپنے لیے خود مقرر فرمایا ہے یا اپنی مخلوق میں کسی کو بتایا ہے یا اپنی کسی ایک کتاب میں اسے نازل فرمایا ہے یا اسے خاص اپنے علمِ غیب میں پوشیدہ رکھا ہے یہ کہ بنا دے قرآن ہمارے قلوب کی بہار اور ہمارے صدور کی شفاء اور ہمارے احزان وہموم کی جلاء اور اسے جنّاتِ نعیم اور اپنی دار اور دار السلام

النبيين والصديقين والشهداء والصالحين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

کی طرف قائد و سائق بنا دے ان حضرات کے ساتھ جن پر تیرا انعام ہے انبیاء علیہم السلام اور صدیقین اور شہداء و صالحین میں سے اپنی رحمت کے ساتھ اے ارحم الراحمین۔

دعاءِ ختم تفسیر القرآن

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) اپنے رب قدیر کے حضور میں ہاتھ اٹھا کر عرض کرتا ہے:

اللهم انى اعوذ بمعافاتك من عقوبتك واعوذ برضاك من سخطك واعوذ بك منك لا احصى ثناء عليك انت كما اثنيت على نفسك فقد انجزت لى ما وعدتنى انك لا تخلف الميعاد وجعلت رؤياى حقا واحسنت بى اذ أخرجتنى من سجن الهم وخاطبتنى عند ذلك بقولك سل تعط فجعلت منتهى سؤلى رضاك وبشرتنى بقبول خدمتى هذه حيث قلت فتقبلها ربها بقبول حسن وكنت ادعوك باتمام النعمة واكمال المنة فلم اكن بدعائك رب شقيا فأنعم على فيما بقى من عمرى القليل باضعاف ما عودتنى به قبل هذا من انواع آلائك واصناف نعمائك واختم لى بخير وهدى ونور، وبكل بر وسعادة وسرور، وصل على

اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیری معافاۃ کے طفیل تیرے عذاب سے اور تیری رضا کے طفیل تیرے غضب سے اور تیرے کرم سے تجھ سے میں تیری ثنا ر شمار نہیں کرسکتا تو نے اپنی ثنا جس طرح کی وہی تیرے لائق ہے اور تو نے میرے ساتھ وعدہ پورا فرمایا جیسے تُو نے وعدہ کیا بیشک تُو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا تُو نے میرے خواب کو اچھا کیا اور تُو نے میرے ساتھ احسان فرمایا جب تُو نے مجھے غم وہم سے نکالا اور اس وقت تُو نے میرے ساتھ خطاب کرکے فرمایا کہ مانگ تجھے دیا جائے گا میں نے اپنے مقصد کا منتہیٰ تیری رضا کو بنایا اور تُو نے میری خدمت قبول کرنے کی بشارت سے مجھے نوازا کر فرمایا اسے اس کے رب تعالیٰ نے قبول فرما لیا قبول حسن سے اور میں دعا مانگتا تھا کہ مجھ پر اتمام نعمت و اکمال منت ہو، اے میرے رب تعالیٰ میں تجھ سے دعا مانگنے سے ناامید نہیں ہوں۔ تو مجھ پر انعام فرما جتنا میری قلیل عمر باقی رہ گئی اس سے کئی گنا زیادہ جو

نبيك النبيه الذى هو مفتاح الخيرات ، ومصباح السائرين الى منازل القربات فى جنح الاوقات ، وعلى آله واصحابه القادة ، ومن تبعهم من السادة -

تو نے میری گزشتہ عمر میں عطا فرمایا کہ گوناگوں نعمتوں اور قسم قسم کی منتوں سے نوازا میرا خاتمہ خیر و ہدایت نور اور ہر بر و سعادت و سرور پر فرمایا اور درود بھیج اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جو کہ آپ ہی مفتاح الخیرات وسائرین الیٰ منازل القربات کا چراغ ہیں ہر آن اور ہر گھڑی میں ، اور آپ کی آل و اصحاب پر جو کہ ہمارے قائدین ہیں اور آپ کے تابعین پر جو ہمارے سردار ہیں۔

فراغت از تفسیر رُوح البیان تفسیر روح البیان فی تفسیر القرآن کی تحریر ختم ہو گئی اس کے لکھنے میں تقریباً مدت الوحی (تئیس سال) گزری باوجودیکہ اندر دوران مجھے تقدیر و قضائے کئی مشکلات پیش آئیں اور دور دراز کے سفر طے کیے اور بہت دور کے شہروں تک پہنچایا گیا اور ملک کے طول و عرض تک جانا ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مقام اتمام (تکمیل تفسیر) تک پہنچا دیا اور وہ یوم الخمیس ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۱۱۷ھ اس ذات کی ہجرت سے جو آگے پیچھے برابر دیکھتے تھے (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم)

قطعۂ تاریخ اختتام از مصنف رُوح البیان قدس سرہٗ (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ خود فرماتے ہیں کہ) میں نے مندرجہ ذیل قطعہ نظم کے طور پر لکھا : ؎

ان من من جناب ذى المنن — ختم تفسير الكتاب المستطاب

قال فى تاريخه حقى الفقير — حامدا لله قد تم الكتاب

وقلت بحساب الحروف المنقوطة — وقع الختم بجود البارى ۱۱۱۷

ترجمہ :(۱) بیشک جناب ذی المنن کے احسان سے کتاب مستطاب (قرآن مجید) کی تفسیر ختم ہوئی۔

(۲) فقیر حقی (اسمٰعیل حقی صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس کی تاریخ میں الحمد للہ کہ کتاب (تفسیر روح البیان) مکمل ہو گئی۔

(۳) میں نے حروف منقوطہ (نقطہ والے حروف) کے حساب سے کہا کہ ختم واقع ہوا باری تعالیٰ

کے جود (وکرم) پر۔

توضیح از اویسی غفرلہ، (حروفِ منقوطہ "وقع الختم بجود الباری" میں یہ ہیں ؛ ق، خ، ت، ب، ج، ب، ی ۔ اور ان کا حساب مندرجہ ذیل ہے ؛

ق	۱۰۰
خ	۶۰۰
ت	۴۰۰
ب	۲
ج	۳
ب	۲
ی	۱۰
میزان کل	۱۱۱۷

اور یہی سن ہے تفسیر روح البیان کا)

و اٰخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین۔ ان کا آخری کلمہ یہ ہے کہ الحمد للہ رب العالمین۔

فراغت از ترجمہ تفسیر روح البیان فقیر اویسی غفرلہ، نے ترجمہ تفسیر روح البیان سے ۱۰ شعبان ۱۴۰۹ھ / ۱۹ مارچ ۱۹۸۹ء بروز اتوار ساڑھے چار بجے بعد دوپہر فراغت پائی۔ الحمد للہ علی ذلک۔

آغاز و اختتام

فقیر اویسی غفرلہٗ نے ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ / ۲۲ مارچ ۱۹۵۲ء کو لائل پور کے جامعہ رضویہ سے علمی تکمیل کے بعد اپنے آبائی گاؤں حامد آباد ضلع رحیم یار خان میں سلسلۂ تدریس جاری کیا اور ساتھ ہی تصنیف و تالیف بھی شروع کر دی۔ شرح ایساغوجی، شرح ابواب الصرف، شرح صرف بہائی، نعم الحامی شرح جامی حصہ اول کی اشاعت کے بعد ۱۹۵۶ء میں روح البیان کے ترجمہ کا مستقل طور پر آغاز کر دیا۔ اس کے ابتدائی مضامین ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں قسط وار شائع ہوئے۔ چونکہ فقیر خود کو ترجمہ کے اہل نہ سمجھتا تھا اس لیے طوعاً و کرہاً کبھی کبھار کچھ نہ کچھ لکھ دیا لیکن مایوس بھی نہ ہوا۔ پھر محض فضلِ ربانی ہی ہے کہ دیکھتے دیکھتے تفسیر مکمل ہوگئی۔ اس میں نہ فقیر کی محنت کو دخل ہے نہ اس کی کارگزاری کو۔ بس کریم کی کریمی ہے کہ مجھ جیسے نکمے سے ہزاروں صفحات لکھوا لئے۔ مجھے خود بھی حیرانی ہے کہ یہ ہزاروں صفحات مجھ سے کیسے معرضِ وجود میں آگئے۔ یہ اس کا احسان و کرم ہے کہ جب سے یہ کام شروع ہوا درمیان میں سینکڑوں تصانیف (کتب و رسائل) تحریر ہوئے لیکن تفسیر کے کام میں رکاوٹ نہ بنے، اور یہ تفسیر گویا میری زندگی کے لمحات کی رفیق رہی۔ یہ کام زیادہ تر سفروں میں ہی ہُوا، حضر میں تدریس و تعلیم و دیگر تصانیف کا کام ہوتا رہا۔ اس کی اشاعت بھی میری زندگی کا سرمایہ ہی سمجھیے کیونکہ مالی لحاظ سے فقیر صفر بٹا صفر ہے۔ یہ بھی اس کریم کا کرم ہے کہ مجھ جیسے بے مایۂ روزگار سے تفسیر شائع کرالی ورنہ اس کی اشاعت کا نہ کوئی فنڈ نہ کسی کی حصہ داری نہ کسی دوست کی حمایت، بلکہ مکتبہ کے کارندوں کی ناتجربہ کاری نقصان کے بوجھ تلے دبا دیتی، مہینوں تک اشاعت رک جاتی، سالوں تک قرضوں کی ادائیگی آگے نہ بڑھنے دیتی، لیکن بزرگوں کے ارشاد پر ؎

مرد باید کہ ہراساں نشود
مشکلے نیست کہ آساں نشود

ہمت نہ ہاری اور آج بفضلہٖ تعالیٰ مکمل تفسیر فیوض الرحمان (اردو ترجمہ روح البیان) اہلِ اسلام کی خدمت میں حاضر ہے۔

امتنان و تشکر

فقیر اُویسی غفرلہٗ نے اگرچہ تعلیم سے فراغت کے بعد فوراً نشر و اشاعت کا کام شروع کر دیا لیکن فیوض الرحمٰن ترجمہ تفسیر روح البیان کی اشاعت ایک غیر امکانی صورت محسوس ہوئی کیونکہ ہزاروں صفحات کی تفسیر مہنگائی کے دور میں کس طرح اور کیسے معرض وجود میں آئے کئی سنی اداروں سے رابطہ کیا اہل سنت کے بڑے اہل ثروت کو دعوت دی لیکن ...

قسمت آزمائی کے طور پر حامد آباد اپنے گاؤں سے سورۃ الفاتحہ شائع کی تو عوام اہلسنت نے ہاتھوں ہاتھ لی اور آگے کی اشاعت کے تقاضے شروع ہو گئے۔ (۱) اللہ میاں گلشن رقم کاتب گجرات کو خوش رکھے انہوں نے مکمل تفسیر کی کتابت کی حامی بھری چنانچہ دس پارے اشاعت اوّل انہوں نے لکھے اور نہ صرف سستے دام بلکہ اکثر کتابت مفت۔ لیکن افسوس کہ لیتھو دور کا ختم ہو کر عکسی کتابت کا سلسلہ شروع ہوا اس کے بعد ان سے رابطہ ٹوٹ گیا اللہ انہیں اس تعاون کا اجر عظیم بخشے (آمین) (۲) الحاج چودھری مشتاق محمد خان صاحب بی اے لاہور نہ صرف شکریہ کے مستحق ہیں بلکہ محسن عظیم ہیں اور مجھے یہ لکھنے میں کوئی باک نہیں کہ اگر وہ فقیر کے ساتھ دستِ تعاون نہ بڑھاتے تو ممکن ہے کہ تفسیر کا کام نامکمل رہ جاتا۔ اللہ اس بندۂ خدا کو دارین میں شاد رکھے کہ امراض و مشکلات اور ذہنی خلفشار کے شکار ہونے کے باوجود شب و روز تفسیر کی تصحیح و تزئین و اشاعت میں فقیر سے دو قدم آگے رہے یوں سمجھ لیجئے کہ تفسیری امور میں نام میرا کام ان کا۔ ان کے علاوہ فقیر کے چاروں بیٹوں (مفتی محمد صالح اُویسی، حاجی محمد عطاء الرسول اُویسی، حافظ محمد فیاض احمد اُویسی، قاری محمد ریاض احمد اُویسی) اور فقیر کے چند تلامذہ مولوی محمد قمر الدین سعیدی، مولوی غلام مرتضیٰ سعیدی، حافظ احمد بخش سعیدی، مولوی محمد بلال اُویسی، مولوی بشیر احمد سعیدی، اور چند مریدین حافظ رحیم بخش اُویسی قادری، حافظ عاشق رسول اُویسی قادری اور صوفی قادر بخش باروی ناظم مکتبہ صوفی مختار احمد اُویسی قادری کو دعائیں ہیں جنہوں نے فقیر کا ہاتھ بٹایا بلکہ صوفی محمد مختار احمد اُویسی تو تا حال پاکستان کے کونہ کونہ میں دورے کر کے اس کی اشاعت میں کوشاں ہیں نیز وہ عوام سنی برادری بھی شکریہ کی مستحق ہے جنہوں نے پارہ اوّل سے آخر تک وی پی کا بوجھ برداشت کیا اور اس کی اشاعت کا سبب بنے اور ان تلامذہ و احباب کے لئے دعاگو ہوں جنہوں نے تفسیر کی طباعت کے دوران ممبر بنائے۔

آخر میں عبد الحمید صاحب لاہور کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے طباعت و جلد سازی میں تعاون کیا اور چودھری محمد شریف گل صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے اکثر پارے کتابت فرمائے۔

فقیر قادری ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

بہاول پور۔ پاکستان

۳ محرم ۱۴۱۲ھ بروز شنبہ مطابق ۱۶ جولائی ۱۹۹۱ء

آغاز و اختتام

فقیر اویسی غفرلہٗ نے ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۷۱ھ / ۲۲ مارچ ۱۹۵۲ء کو لائل پور
کے جامعہ رضویہ سے علمی تکمیل کے بعد اپنے آبائی گاؤں حامد آباد ضلع رحیم یار خان میں سلسلۂ تدریس جاری کیا اور ساتھ ہی تصنیف و تالیف بھی شروع کر دی۔ شرح ایساغوجی، شرح ابواب الصرف، شرح صرف بہائی، نعم الحامی شرح جامی حصہ اول کی اشاعت کے بعد ۱۹۵۶ء میں روح البیان کے ترجمہ کا مستقل طور پر آغاز کر دیا۔ اس کے ابتدائی مضامین ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں قسط وار شائع ہوئے۔ چونکہ فقیر خود کو ترجمہ کے اہل نہ سمجھتا تھا اس لیے طوعاً و کرہاً کبھی کبھار کچھ نہ کچھ لکھ دیا لیکن مایوس بھی نہ ہوا۔ پھر محض فضلِ ربانی ہی ہے کہ دیکھتے دیکھتے تفسیر مکمل ہو گئی۔ اس میں نہ فقیر کی محنت کو دخل ہے نہ اس کی کارگزاری کو۔ بس کریم کی کریمی ہے کہ مجھ جیسے نکمے سے ہزاروں صفحات لکھوائے۔ مجھے خود بھی حیرانی ہے کہ یہ ہزاروں صفحات مجھ سے کیسے معرضِ وجود میں آ گئے۔ یہ اس کا احسان و کرم ہے کہ جب سے یہ کام شروع ہوا درمیان میں سیکڑوں تصانیف (کتب و رسائل) تحریر ہوئے لیکن تفسیر کے کام میں رکاوٹ نہ بنے، اور یہ تفسیر گویا میری زندگی کے لمحات کی رفیق رہی۔ یہ کام زیادہ تر سفروں میں ہی ہوا، حضر میں تدریس و تعلیم و دیگر تصانیف کا کام ہوتا رہا۔ اس کی اشاعت بھی میری زندگی کا سرمایہ ہی سمجھیے کیونکہ مالی لحاظ سے فقیر صفر بٹا صفر ہے۔ یہ بھی اسی کریم کا کرم ہے کہ مجھ جیسے بے مایۂ روزگار سے تفسیر شائع کرا لی ورنہ اس کی اشاعت کا نہ کوئی فنڈ نہ کسی کی حصہ داری نہ کسی دوست کی حمایت، بلکہ مکتبہ کے کارندوں کی ناتجربہ کاری نقصان کے بوجھ تلے دبا دیتی، مہینوں تک اشاعت رک جاتی، سالوں تک قرضوں کی ادائیگی آگے نہ بڑھنے دیتی، لیکن بزرگوں کے ارشاد پر ؎

مرد باید کہ ہراساں نشود
مشکلے نیست کہ آساں نشود

ہمت نہ ہاری اور آج بفضلہٖ تعالیٰ مکمل تفسیر فیوض الرحمان (اردو ترجمہ روح البیان) اہلِ اسلام کی خدمت میں حاضر ہے۔

فہرست تفسیر فیوض الرحمٰن ترجمہ روح البیان پارہ ۳۰